ذخیرۃ الجنان
فی
فہم القرآن
جلد چہارم
افادات
امام اہلسنت حضرت شیخ الحدیث والتفسیر
مولانا محمد سرفراز خان صفدر
مولانا محمد نواز بلوچ
فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
ناشر
لقمان اللہ میر برادران
سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ

جلد 4 ← حصہ 10، 11، 12

افادات

امام اہلسنت حضرت شیخ الحدیث والتفسیر

مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ

نظر ثانی

مولانا زاہد الراشدی

شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

جمع و ترتیب

مولانا محمد نواز بلوچ

فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

ناشر

لقمان اللہ میر برادران

سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

من ابی الزاہد

الی جمیع اولادی واحبابی وتلامذتی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

راقم اثیم گکھڑ میں قرآن کریم وحدیث شریف
کا پنجابی میں جو درس دیتا رہا اس درس
قرآن کریم کا بڑی عرق ریزی کے ساتھ اردو میں ترجمہ
مولانا محمد نواز بلوچ صاحب نے کیا جسکی طباعت
کا انتظام الحاج میر محمد لقمان اللہ صاحب
نے اور ان کے بھائیوں نے کیا ہے راقم اثیم
طباعت کے جملہ حقوق انکو دیتا ہے تاہم اگر علمی
طور پر اصلاح کی ضرورت پڑے تو راقم اثیم
کے بیٹے مثلاً عزیزم زاہد اور عزیزم قارن سلمہما
تعالیٰ وغیرہ مشورہ دے سکتے ہیں باقی
سب حقوق طباعت جناب میر صاحب
کو دیدئے ہیں واللہ الموفق۔

ابوالزاہد محمد سرفراز عفی عنہ
۱۲ صفر ۱۴۲۳ھ
۲۶ اپریل ۲۰۰۲ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ
سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ
سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ

ناشر

لقمان اللہ میر برادران

سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔

نام کتاب .... ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن

جلد 4 ⟸ حصہ 10، 11، 12

افادات .... امام اہلسنت حضرت شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مرتب .... مولانا محمد نواز بلوچ، فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

نظر ثانی .... مولانا علامہ زاہد الراشدی، شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

سرورق .... محمد خاور بٹ، گوجرانوالہ

طابع وناشر .... لقمان اللہ میر برادران، سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ۔

فون .... 0300 - 8741292 / 0321 - 8741292

قیمت ....

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

فہرست عنوات

ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن

(حصہ دہم)

اہلِ علم سے گزارش

بندۂ ناچیز امام المحدثین مجدد وقت شیخ الاسلام حضرت العلام مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد بھی ہے اور مرید بھی۔

اور محترم لقمان اللہ میر صاحب حضرت اقدس کے مخلص مرید اور خاص خدام میں سے ہیں۔

ہم وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے جایا کرتے۔ خصوصاً جب حضرت شیخ اقدس کو زیادہ تکلیف ہوتی تو علاج معالجہ کے سلسلے کے لیے اکثر جانا ہوتا۔ جانے سے پہلے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے اکٹھے ہو جاتے۔ ایک دفعہ جاتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ حضرت نے ویسے تو کافی کتابیں لکھی ہیں اور ہر باطل کا رد کیا ہے مگر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی تو کیا حضرت اقدس جو صبح بعد نمازِ فجر درسِ قرآن ارشاد فرماتے ہیں وہ کسی نے محفوظ نہیں کیا کہ اسے کیسٹ سے کتابی شکل سے منظر عام پر لایا جائے تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں۔ اور اس سلسلے میں جتنے بھی اخراجات ہوں گے وہ میں برداشت کروں گا اور میرا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے، شاید یہ میرے اور میرے خاندان کی نجات کا سبب بن جائے۔ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمائی تھی۔

اس سے تقریباً ایک سال قبل میر صاحب کی اہلیہ کو خواب آیا تھا کہ ہم حضرت شیخ اقدس کے گھر گئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت کیلوں کے چھلکے لے کر باہر آ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے دے دیں میں باہر پھینک دیتی ہوں۔ حضرت نے وہ مجھے دے دیے اور میں نے باہر پھینک دیے۔

چوں کہ حضرت خواب کی تعبیر کے بھی امام ہیں۔ میں نے مذکورہ بالا خواب حضرت سے بیان کیا اور تعبیر پوچھنے پر حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ جو علمی فیض ہے اس سے تم بھی فائدہ حاصل کرو گے۔ چنانچہ وہ خواب کی تعبیر تفسیر قرآن "ذخیرۃ الجنان" کی شکل میں سامنے آئی۔

میر صاحب کے سوال کے جواب میں مَیں نے کہا اس سلسلے میں مجھے کچھ معلوم نہیں حضرت اقدس سے پوچھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب گکھڑ حضرت کے پاس پہنچ کر بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ درس دو تین مرتبہ ریکارڈ ہو چکا ہے اور محمد سرور منہاس کے پاس موجود ہے ان سے رابطہ کر لیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ گکھڑ والوں کے اصرار پر میں یہ درسِ قرآن پنجابی زبان میں دیتا ہوں اس کو اُردو زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل اور اہم مسئلہ ہے۔

اس سے دو دن پہلے میرے پاس میرا ایک شاگرد آیا تھا اس نے مجھے کہا کہ میں ملازمت کرتا ہوں تنخواہ سے اخراجات

پورے نہیں ہو پاتے، دورانِ گفتگو اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایم-اے پنجابی بھی کیا ہے۔ اس کی یہ بات مجھے اس وقت یاد آ گئی۔ میں نے حضرت سے عرض کی کہ میرا ایک شاگرد ہے اس نے پنجابی میں ایم-اے کیا ہے اور کام کی تلاش میں ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ ہم حضرت کے پاس سے اٹھ کر محمد سرور منہاس صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی خواہش رکھی انھوں نے کیسٹیں دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ کچھ کیسٹیں ریکارڈ کرانے کے بعد اپنے شاگرد ایم-اے پنجابی کو بلایا اور اس کے سامنے یہ کام رکھا اُس نے کہا کہ میں یہ کام کر دوں گا، میں نے اسے تجرباتی طور پر ایک عدد کیسٹ دی کہ یہ لکھ کر لاؤ پھر بات کریں گے۔ دینی علوم سے ناواقفی اس کے لیے سدِّ راہ بن گئی۔ وہ قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور عربی عبارت سمجھنے سے قاصر تھا۔ تو میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام خود ہی کرنے کا ہے میں نے خود ایک کیسٹ سنی اور اُردو میں نقل کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت نے اس میں مختلف مقامات میں سے پڑھ کر اظہارِ اطمینان فرمایا۔ اس اجازت پر پوری تن دہی سے متوکل علی اللہ ہو کر کام شروع کر دیا۔

میں بنیادی طور پر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے صرف پرائمری پاس ہوں، باقی سارا فیض علمائے ربانیین سے دورانِ تعلیم حاصل ہوا۔ اور میں اصل رہائشی بھی جھنگ کا ہوں وہاں کی پنجابی اور لاہور، گوجرانوالا کی پنجابی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لہٰذا جہاں دشواری ہوتی وہاں حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری شہیدؒ سے رجوع کرتا یا زیادہ ہی اُلجھن پیدا ہو جاتی تو براہِ راست حضرت شیخؒ سے رابطہ کر کے تشفی کر لیتا لیکن حضرت کی وفات اور مولانا جلالپوریؒ کی شہادت کے بعد اب کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کی طرف رجوع کروں۔ اب اگر کہیں محاورہ یا مشکل الفاظ پیش آئیں تو پروفیسر ڈاکٹر اعجاز سندھو صاحب سے رابطہ کر کے تسلی کر لیتا ہوں۔

اہل علم حضرات سے التماس ہے کہ اس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ یہ چونکہ عمومی درس ہوتا تھا اور یادداشت کی بنیاد پر مختلف روایات کا ذکر کیا جاتا تھا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جو روایت جس کتاب کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے وہ پوری روایت اسی کتاب میں موجود ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ روایت کا ایک حصہ ایک کتاب میں ہوتا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے مگر باقی تفصیلات دوسری کتاب کی روایت بلکہ مختلف روایات میں ہوتی ہیں۔ جیسے کہ حدیث نبوی ﷺ کے اساتذہ اور طلبہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے ان دروس میں بیان کی جانے والی روایات کا حوالہ تلاش کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے۔

علاوہ ازیں کیسٹ سے تحریر کرنے سے لے کر مسودہ کے زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے تک کے تمام مراحل میں اس مسودہ کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ میں بذاتِ خود اور دیگر تعاون کرنے والے احباب مطالعہ اور پروف ریڈنگ کے دوران غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور حتی المقدور اغلاط کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کمپوزنگ اور اغلاط کی نشاندہی کے بعد میں

ایک مرتبہ دوبارہ مسودہ کو چیک کرتا ہوں تب جا کر انتہائی عرق ریزی کے بعد مسودہ اشاعت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہم سارے انسان ہیں اور انسان نسیان اور خطا سے مرکب ہے غلطیاں ممکن ہیں۔ لہٰذا اہل علم سے گزارش ہے کہ تمام خامیوں اور کمزوریوں کی نسبت صرف میری طرف ہی کی جائے اور ان غلطیوں سے مطلع اور آگاہ کیا جائے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔

العارض

محمد نواز بلوچ

فارغ التحصیل مدرسہ نصرۃ العلوم وفاضل وفاق المدارس العربیہ، ملتان

بسم الله الرحمن الرحيم
اللهم صل على محمد وعلى آل محمد
كما صليت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم
إنك حميد مجيد
اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم
إنك حميد مجيد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُورَۃُ یُوۡسُفَ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇦ وَمَا مِنۡ دَآبَّۃٍ ، وَمَآ اُبَرِّئُ

۱۲ ۱۳

آیاتہا ۱۱۱ (۱۲) سُوْرَۃُ یُوْسُفَ مَکِّیَّۃٌ (۵۳) رکوعاتہا ۱۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ﴾ یہ آیتیں ہیں کتاب کی جو کھول کر بیان کرنے والی ہے ﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا﴾ بے شک ہم نے اس کو اُتارا ہے قرآن عربی زبان میں ﴿لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ تاکہ تم سمجھو ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ﴾ ہم بیان کرتے ہیں آپ پر ﴿اَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾ اچھا بیان ﴿بِمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ﴾ بہ سبب اس کے کہ ہم نے وحی کی آپ کی طرف ﴿هٰذَا الْقُرْاٰنَ﴾ اس قرآن پاک کی ﴿وَ اِنْ كُنْتَ﴾ اور بے شک آپ تھے ﴿مِنْ قَبْلِهٖ﴾ اس بیان سے پہلے ﴿لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ﴾ البتہ بے خبروں میں سے ﴿اِذْ قَالَ یُوْسُفُ﴾ جب کہا یوسف علیہ السلام نے ﴿لِاَبِیْهِ﴾ اپنے والد سے ﴿یٰۤاَبَتِ﴾ اے میرے ابا جان! ﴿اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا﴾ بے شک میں نے دیکھا گیارہ ستاروں کو ﴿وَّ الشَّمْسَ﴾ اور سورج کو ﴿وَ الْقَمَرَ﴾ اور چاند کو ﴿رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ﴾ دیکھا میں نے ان کو کہ وہ مجھ کو سجدہ کرتے ہیں ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿یٰبُنَیَّ﴾ اے میرے پیارے بیٹے! ﴿لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ﴾ نہ بیان کرنا اپنا خواب ﴿عَلٰۤى اِخْوَتِكَ﴾ اپنے بھائیوں پر ﴿فَیَكِیْدُوْا لَكَ﴾ پس وہ تدبیر کریں گے تیرے لیے ﴿كَیْدًا﴾ کوئی تدبیر ﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ﴾ بے شک شیطان ﴿لِلْاِنْسَانِ﴾ انسان کا ﴿عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ﴾ کھلا دشمن ہے ﴿وَ كَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿یَجْتَبِیْكَ رَبُّكَ﴾ تجھے منتخب کرے گا تیرا رب ﴿وَ یُعَلِّمُكَ﴾ اور سکھائے (تعلیم دے) گا تجھے ﴿مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ﴾ خوابوں کی تعبیر کی ﴿وَ یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ﴾ اور مکمل کرے گا اپنی نعمت ﴿عَلَیْكَ﴾ تجھ پر ﴿وَ عَلٰۤى اٰلِ یَعْقُوْبَ﴾ اور یعقوب علیہ السلام کے خاندان پر ﴿كَمَاۤ اَتَمَّهَا﴾ جیسا کہ اس نے پورا کیا ﴿عَلٰۤى اَبَوَیْكَ﴾ تیرے آباؤ اجداد پر ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ﴾ ابراہیم اور اسحاق پر ﴿اِنَّ رَبَّكَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ﴾ بے شک تیرا رب جاننے والا حکمت والا ہے۔

قرآن پاک میں صرف واقعہ یوسف علیہ السلام بالترتیب بیان ہوا ہے

اس سورۃ کا نام سورۃ یوسف ہے۔ اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بچپن سے لے کر وفات تک ترتیب کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ قرآن پاک میں اور جتنے واقعات بیان ہوئے ہیں ان میں سے کوئی بھی ترتیب کے ساتھ کسی مقام پر

بیان نہیں ہوا۔ کچھ حصہ کسی جگہ اور کچھ حصہ کسی جگہ بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ واقعہ چوں کہ ترتیب کے ساتھ بیان ہوا ہے اسی لیے اس کو احسن القصص فرمایا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اس سے پہلے باون (۵۲) سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کے بارہ رکوع اور ایک سو گیارہ آیات ہیں۔

﴿الٓرٰ﴾ حروف مقطعات میں سے ہے اور حروف مقطعات کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حقیقی معنیٰ تو اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ "اللہ تعالیٰ ہی ان کی مراد کو جانتا ہے۔" مفسرین کرام نے مختلف مفہوم بیان فرمائے ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ اس کی پھر آگے دو تفسیریں کرتے ہیں ایک یہ کہ بعینہ ﴿الٓرٰ﴾ اللہ تعالیٰ کا نام ہے اس پر اعتراض ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں تو یہ نام نہیں آئے؟ اس کا جواب امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نام خَمْسَةُ اٰلَافٍ پانچ ہزار ہیں۔ یہ ننانوے نام تو مشہور ہیں اللہ تعالیٰ کے نام ان میں منحصر نہیں ہیں۔ دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ ایک ایک حرف اللہ تعالیٰ کے ایک ایک نام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کہ الف سے مراد اللہ جل جلالہ ہے۔ لام سے مراد لطیف ہے۔ معنیٰ ہے باریک بین۔ اور 'را' سے مراد رحمٰن، رحیم، رؤف ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔

عظمتِ قرآن ﷻ

﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ﴾ یہ آیتیں ہیں ایسی کتاب کی جو کھول کر بیان کرنے والی ہے حقیقت کو ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ﴾ بے شک ہم نے اس کتاب کو نازل کیا ہے ﴿قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا﴾ قرآن کی شکل میں عربی زبان میں ﴿لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ تاکہ تم سمجھو۔ قرآن پاک کے پہلے مخاطب چوں کہ عربی تھے اس لیے یہ (کتاب) عربی زبان میں نازل ہوئی تاکہ وہ سمجھ سکیں۔ پھر اس کی وساطت سے یہ کتاب پوری دنیا میں پھیلی ہے۔ دنیا میں جتنی یہ کتاب پڑھی جاتی ہے اتنی اور کوئی کتاب نہیں پڑھی جاتی اور دنیا میں جتنی خدمت اس کتاب کی ہوئی ہے اور کسی کتاب کی نہیں ہوئی۔ صرفیوں نے قواعد بنائے، نحویوں نے قواعد بنائے، تجوید والوں نے تجوید کی، ترجمے والوں نے ترجمے کیے، مفسرین نے تفسیریں کیں، کسی نے ناظرہ پڑھایا، کسی نے حفظ کرایا غرضیکہ جتنی خدمت اس کتاب کی ہوئی ہے اور کسی کتاب کی نہیں ہوئی۔

اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہی آسمانی کتاب ہے جو اپنی اصلی شکل و صورت میں موجود ہے۔ جس کے ایک حرف میں بھی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ اور باقی کتابوں کے بارے میں تو یہ بھی نہیں بتایا جاسکتا کہ ان کی اصل زبان کیا تھی؟ تورات کس زبان میں نازل ہوئی؟ زبور کی اصل زبان کیا تھی؟ خود پادری صاحبان انجیل کے بارے میں متردد ہیں کہ اس کی زبان عبرانی تھی یا سریانی تھی یا کوئی اور زبان تھی؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کتاب کو عربی زبان میں نازل فرمایا تاکہ تم سمجھو۔ ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ﴾ ہم بیان کرتے ہیں آپ پر ﴿اَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾ اچھا بیان، بہترین قصہ ہے ترتیب کے لحاظ سے ﴿بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ﴾ بہ سبب اس کے

کہ ہم نے وحی کی آپ کی طرف ﴿هٰذَا الْقُرْاٰنَ﴾ اس قرآن پاک کی یعنی اس قرآن کے ذریعے ہم یہ قصہ بیان کرتے ہیں جو بارہ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ ﴿وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ اور بے شک آپ تھے اس سے پہلے البتہ بے خبروں میں سے کہ آپ کو خبر نہیں تھی کہ یہ واقعہ کیسے ہوا؟ ہم قرآن کریم کے ذریعے آپ کو بتا رہے ہیں۔

غالیوں کے عقائد کی تردید

اہل بدعت میں جو غالی قسم کے لوگ ہیں جیسے: مفتی احمد یار خان صاحب۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ماں کے پیٹ میں قرآن کے حافظ تھے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ غلو کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ بھئی! سوال یہ ہے کہ اگر آپ ماں کے پیٹ میں حافظ قرآن تھے تو چالیس سال گزرنے کے بعد غارِ حرا میں وحی کا آغاز کس پر ہوا؟ پھر کچھ سورتیں مکی ہیں اور کچھ مدنی ہیں تو یہ مکے میں کس پر نازل ہوئیں اور مدینے میں کس پر نازل ہوئیں؟ جب آپ پہلے ہی حافظ تھے تو ان کے نازل ہونے کا کیا مطلب ہے؟ یہ لوگ غلو میں بہت آگے نکل گئے ہیں جس کا کوئی حساب نہیں ہے۔ بے شک آنحضرت ﷺ کے ساتھ محبت عین ایمان ہے اور ساری مخلوق میں آپ ﷺ کا درجہ بہت بلند ہے مگر ایسی افراط اور تفریط کا نام تو محبت نہیں ہے۔

قرآن پاک میں رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ﴾ [قصص: ۸۶] "اور آپ اُمید نہیں رکھتے تھے کہ اُتاری جائے گی آپ کی طرف کتاب۔" اور یہ پہلے تم پڑھ چکے ہو سورہ ہود آیت نمبر ۴۹ میں ﴿مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا﴾ "آپ ان واقعات کو نہیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم اس سے پہلے۔" اور سورۃ شوریٰ آیت نمبر ۵۲ میں ہے ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ﴾ "آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور شریعت کی تفصیل بھی نہیں جانتے تھے۔" ہم نے بتائی ہے آپ کو۔ تو یہ کہنا کہ آپ ﷺ ماں کے پیٹ میں قرآن کے حافظ تھے یہ نرا غلو ہے حقیقت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِذْ قَالَ يُوْسُفُ﴾ جب کہا یوسف علیہ السلام نے ﴿لِاَبِيْهِ﴾ اپنے والد سے ﴿يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ﴾ اے میرے ابا جان! بے شک میں نے دیکھا ﴿اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ﴾ گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو دیکھا میں نے ان کو کہ وہ مجھے سجدہ کرتے ہیں۔

خواب کی حقیقت

خواب کے متعلق تھوڑی سی وضاحت سمجھ لیں۔ وہ یہ کہ خواب کی ایک صورت ہوتی ہے اور اس میں پنہاں ایک حقیقت ہوتی ہے جس کو تعبیر کہتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بظاہر خواب خوش نما ہوتا اور مژدہ افزاء معلوم ہوتا ہے لیکن اس کی حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بادی النظر میں خواب نہایت تاریک، اندوہناک اور وحشت ناک دکھائی دیتا ہے مگر اس کا باطنی پہلو اور تعبیر بہت ہی خوش کن اور خوش آئند ہوتی ہے اور تعبیر سامنے آنے کے بعد خواب دیکھنے والے

کی خوشی کی انتہا نہیں ہوتی۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کی چچی حضرت ام فضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا نے ایک خواب دیکھا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آج رات میں نے ایک برا خواب دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ کیا خواب ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ وہ بہت ہی سخت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بتائیں تو سہی وہ کیا ہے؟ ام الفضل نے عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے گویا آپ ﷺ کے جسم مبارک سے ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے۔ چوں کہ اس وقت یہ افواہ بھی عام پھیلی ہوئی تھی کہ یہودی آنحضرت ﷺ کو شہید کرنے کے درپے ہیں۔ ان کے ذہن میں یہی بات آئی کہ آپ ﷺ کے بدن سے ٹکڑا الگ کر کے میری گود میں پھینک دیا گیا ہے کہیں آپ ﷺ کو کوئی حادثہ نہ پیش آجائے۔

اور یہی دن تھے کہ حضرت طلحہ ابن براء رضی اللہ عنہ بیمار تھے۔ اُنھوں نے گھر کے افراد کو ایک وصیت کی کہ اگر میرے دفن کی نوبت رات کو آئے تو آنحضرت ﷺ کو جنازے کے لیے ہرگز نہ بلانا۔ سب رشتہ دار حاضر تھے بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ کسی نے کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ اس کا کلمہ مخلصانہ نہیں تھا یہ منافق ہے، کسی نے کہا نہیں مرتد نہیں بدری صحابی ہے اس کے ہوش وحواس سلامت نہیں رہے اور جب ہوش وحواس سلامت نہیں ہوتے تو واہی تباہی باتیں زبان سے نکلتی ہیں اور مسئلہ یہ ہے کہ ایسی حالت میں جو باتیں کسی کی زبان سے نکلیں تو سننے والوں کو بیان نہیں کرنی چاہئیں۔ اور ان باتوں پر فتویٰ بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ ہوش وحواس ہی قائم نہیں ہیں تو اس پر کیا فتویٰ ہوگا؟

اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ان کی باتیں سن رہے تھے۔ فرمانے لگے تم سب غلط کہتے ہو، نہ میں منافق ہوں، نہ میں مرتد ہوں اور نہ بدحواس ہوں۔ الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی توفیق دی ہے اور سچا اسلام میرے دل میں ہے۔ یہ وصیت میں نے تمھیں اس لیے کی ہے کہ یہ خبریں تم نے سنی ہوں گی کہ یہودی آنحضرت ﷺ کو شہید کرنے کے درپے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ رات کو میرے جنازے میں شرکت کریں اور رات کی تاریکی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے یہودی کوئی شرارت نہ کریں اور آپ ﷺ میری وجہ سے تکلیف میں مبتلا ہوں اس لیے میں کہہ رہا ہوں۔

تو آپ ﷺ کی چچی بھی اسی لیے پریشان ہوئیں لیکن آنحضرت ﷺ ان کا خواب سن کر مسکرائے اور فرمایا: تَلِدُ فَاطِمَةُ غُلَامًا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ "فاطمہ کے ہاں بچہ پیدا ہوگا اور تمھاری گود میں کھیلے گا۔" چنانچہ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور ان کی گود میں کھیلتے تھے۔ تو بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ظاہر کچھ ہوتا ہے اور اندر کچھ ہوتا ہے۔ اور بعض دفعہ خواب اور تعبیر ملتے جلتے ہیں اور یوسف علیہ السلام کا خواب بھی ایسا ہی تھا کہ اس کی تعبیر بڑی آسان تھی۔ گیارہ ستاروں سے مراد گیارہ بھائی تھے اور بہن کوئی نہیں تھی اور سورج اور چاند سے مراد ماں باپ ہیں۔

تو فرمایا کہ ابا جی! میں نے دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ ﴿قَالَ﴾ فرمایا

﴿یٰبُنَیَّ﴾ اے میرے پیارے بیٹے! ﴿لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ﴾ نہ بیان کرنا اپنا خواب اپنے بھائیوں پر ﴿فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا﴾ پس وہ تدبیر کریں گے تیرے لیے کوئی تدبیر۔ کیوں؟ ﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ﴾ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ دوسرے ان کے سوتیلے بھائی تھے اور سوتیلے بھائیوں کو ضد تو ہوتی ہے۔ انسان کا مزاج ہے کہ اپنے سے اونچا کسی کو گوارا نہیں کرتا۔ اسی لیے تو چودھراہٹ اور اقتدار کے جھگڑے ہوتے ہیں۔ اگر انسان اپنے آپ کو عاجز سمجھے اور تواضع اختیار کرے تو کوئی جھگڑا نہ ہو۔

فرمایا ﴿وَ كَذٰلِكَ یَجْتَبِیْكَ رَبُّكَ﴾ اور اسی طرح تجھے منتخب کرے گا تیرا رب ﴿وَ یُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ﴾ اور سکھائے گا تجھے خوابوں کی تعبیر ﴿وَ یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ﴾ اور مکمل کرے گا اپنی نعمت تجھ پر ﴿وَ عَلٰۤى اٰلِ یَعْقُوْبَ﴾ اور یعقوب علیہ السلام کے خاندان پر۔ یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا۔ بنی اسرائیل یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں چار ہزار پیغمبر بھیجے اور تین آسمانی کتابیں، توراۃ، انجیل اور زبور ان کو ملیں۔ تورات موسیٰ علیہ السلام کو، زبور داؤد علیہ السلام کو اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو۔ یہ تمام بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نبوت بھی دی اور بادشاہی بھی دی، بڑی نعمتیں ان پر نازل فرمائیں۔

فرمایا ایسے ہی نعمت پوری کرے گا ﴿كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَیْكَ﴾ جیسا کہ اس نے پورا کیا نعمت کو آپ کے آباؤ اجداد پر ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ﴾ ابراہیم علیہ السلام پر اور اسحاق علیہ السلام پر۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی اور بڑھاپے میں اولاد عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کا نام روشن کیا ﴿وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ [بقرہ: ۱۳۰] "اور بے شک وہ آخرت میں نیکو کاروں میں شمار ہوں گے۔" کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے بعد تمام پیغمبروں میں ابراہیم علیہ السلام کا درجہ ہے۔

تو فرمایا جیسے ابراہیم علیہ السلام پر نعمت مکمل ہوئی اسحاق علیہ السلام پر مکمل ہوئی ان کو پیغمبر بنایا اسی طرح ان کی آل پر بھی مکمل ہوئی ﴿اِنَّ رَبَّكَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ﴾ بے شک تیرا رب جاننے والا حکمت والا ہے۔ یہ خواب کا بالکل ابتدائی حصہ ہے زندگی رہی تو آگے ساتھ ساتھ سنتے رہو گے۔

﴿لَقَدْ كَانَ﴾ البتہ ہیں ﴿فِیْ یُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖۤ﴾ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے واقعہ میں ﴿اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ﴾ کئی نشانیاں سوال کرنے والوں کے لیے ﴿اِذْ قَالُوْا﴾ جب کہا انھوں نے ﴿لَیُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ﴾ البتہ یوسف (علیہ السلام) اور اس کا بھائی ﴿اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِیْنَا﴾ زیادہ محبوب ہیں ہمارے باپ کو ﴿مِنَّا﴾ بہ نسبت ہمارے ﴿وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ﴾ اور ہم کافی اچھی جماعت ہیں ﴿اِنَّ اَبَانَا﴾ بے شک ہمارے والد ﴿لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ البتہ کھلی خطا

میں ہیں ﴿اقْتُلُوْا یُوْسُفَ﴾ قتل کر ڈالو یوسف (علیہ السلام) کو ﴿اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا﴾ یا پھینک دو اس کو کسی زمین میں ﴿یَخْلُ لَكُمْ﴾ خالی ہو جائے تمھارے لیے ﴿وَجْهُ اَبِیْكُمْ﴾ تمھارے باپ کی توجہ ﴿وَ تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ اور ہو جاؤ تم اس کے بعد ﴿قَوْمًا صٰلِحِیْنَ﴾ نیک قوم ﴿قَالَ قَآىٕلٌ مِّنْهُمْ﴾ کہا ایک کہنے والے نے ان میں سے ﴿لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ﴾ نہ قتل کرو تم یوسف علیہ السلام کو ﴿وَ اَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ﴾ اور ڈال دو تم اس کو کسی کنوئیں کی گہرائی میں ﴿یَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّیَّارَةِ﴾ اُٹھا لیں گے اس کو قافلوں میں سے بعض ﴿اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ﴾ اگر ہو تم کرنے والے ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿یٰۤاَبَانَا﴾ اے ہمارے ابا جان! ﴿مَا لَكَ﴾ آپ کو کیا ہو گیا ہے ﴿لَا تَاْمَنَّا عَلٰى یُوْسُفَ﴾ آپ ہم پر اطمینان نہیں کرتے یوسف کے بارے میں ﴿وَ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ﴾ اور بے شک ہم اس کے بڑے خیر خواہ ہیں ﴿اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا﴾ بھیج دیں اس کو ہمارے ساتھ کل ﴿یَّرْتَعْ وَ یَلْعَبْ﴾ کھلے میوے کھائے اور کھیلے (کھائے پیے اور کھیلے کودے) ﴿وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ اور بے شک ہم اس کی البتہ نگرانی کرنے والے ہیں ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ﴾ البتہ یہ چیز مجھے پریشان کرتی ہے ﴿اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ﴾ کہ تم اس کو لے جاؤ ﴿وَ اَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ﴾ اور میں خوف کرتا ہوں کہ کھا جائے اس کو بھیڑیا ﴿وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ﴾ اور تم اس سے غافل رہو ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿لَىٕنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ﴾ البتہ اگر اس کو بھیڑیا کھا جائے ﴿وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ﴾ اور ہم کافی اچھی جماعت ہیں ﴿اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ﴾ بے شک ہم اس وقت البتہ نقصان اُٹھانے والے ہوں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے اہل خانہ کی تفصیل

یوسف علیہ السلام کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے احسن القصص کے عنوان سے بیان فرمایا ہے۔ یہود و نصاریٰ پڑھے لکھے لوگ تھے وہ اس کو بخوبی جانتے تھے۔ عرب کے لوگ اَن پڑھ اور جاہل تھے مگر یہود و نصاریٰ کے جلسوں میں شریک ہونے کی وجہ سے اجمالاً ان کو بھی کوئی کوئی حصہ یاد تھا۔ یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے بارے میں سوال کیا گیا۔ اس کے متعلق ارشاد ہے ﴿لَقَدْ كَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖۤ﴾ البتہ ہیں یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے واقعہ میں ﴿اٰیٰتٌ لِّلسَّآىٕلِیْنَ﴾ کئی نشانیاں سوال کرنے والوں کے لیے۔ جو سوال کرتے ہیں کہ ہمیں یوسف علیہ السلام کا واقعہ سناؤ، کیسے ہوا۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے بیٹی کوئی نہیں تھی۔ یوسف علیہ السلام اور بنیامین دونوں سگے بھائی تھے ایک ماں سے اور باقی بیٹوں کی مائیں علیحدہ تھیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ کا نام راحیل تھا رحمہا اللہ تعالیٰ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا ان دونوں کے ساتھ بڑا پیار تھا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں رکھی ہے کہ چھوٹے بچوں پر ماں باپ

کی شفقت زیادہ ہوتی ہے اور اگر یہ شفقت نہ ہوتو ان کی تربیت بھی نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے جو کچھ وہ جانتا ہے دوسرا کوئی نہیں جانتا اس لیے اس نے چھوٹوں کے لیے پیار زیادہ رکھا ہے تاکہ تربیت میں کمی نہ آئے۔ پھر ان دونوں کی حقیقی والدہ بھی فوت ہوچکی تھیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے راحیل کی بہن یعنی اپنی سالی کے ساتھ نکاح کیا تھا جو ان کی خالہ لگتی تھی اس لیے بھی ان دونوں کا زیادہ خیال رکھتے تھے۔ کھانے پینے میں اندر باہر آنے جانے میں ان کی نگرانی کرتے تھے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ باقی دس بھائیوں کو خوشی ہوتی کہ ہم بڑے ہیں کام کاج میں لگے رہتے ہیں، کوئی اونٹ چراتا ہے، کوئی بکریاں، کوئی دانے پسوانے کے لیے چلا گیا، کوئی لکڑیاں لانے کے لیے، آخر دنیا کے دھندے ہوتے ہیں جن کے کرنے سے ہی کام چلتا ہے۔ تو ہم ان دھندوں میں لگے رہتے ہیں اور الحمد للہ! ابا جان ان بچوں کی طرف توجہ کرتے ہیں تو بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن شیطان، شیطان ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ "انسان کے بدن میں جہاں تک خون کا دور ہوتا ہے وہاں تک شیطان کا اثر ہوتا ہے۔"

وہم کا ازالہ کردینا چاہیے

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس موقع پر فرمایا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں ساتھیوں کے ساتھ اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے ازواج مطہرات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی کام تھا وہ عشاء کی نماز کے بعد دیر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔ باقی تو چلی گئیں لیکن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو کرتے رہے، کافی دیر ہوگئی۔ جب وہ رخصت ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے دروازے تک ساتھ تشریف لائے اور فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں تم اپنے حجرے میں چلی جاؤ۔ ایک لائن میں حجرے تھے، ان کا حجرہ اُدھر تھا۔ نیم چاندنی رات تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو آدمی نظر آئے۔ آپ نے پوچھا کون کون ہو؟ اُنھوں نے سلام کیا۔ ایک اسید بن حضیر اور دوسرے عباد بن بشیر تھے، رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ یہ دونوں آپس میں گہرے دوست تھے اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، اکٹھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریب آجاؤ۔ جب قریب آئے تو فرمایا کہ تم نے یہ بی بی جاتی ہوئی دیکھی ہے۔ کہنے لگے ہاں! دیکھی ہے۔ فرمایا یہ میری بیوی صفیہ (رضی اللہ عنہا) تھی۔ اُنھوں نے عرض کیا سبحان اللہ! حضرت ہمیں کوئی اور وہم ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہو، رمضان کا مہینہ ہو، اعتکاف میں بیٹھے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو! اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ "انسان کے جسم میں جہاں تک خون دور کرتا ہے شیطان کا دور بھی وہاں تک ہوتا ہے۔" تو میں نے یہ وضاحت اس لیے کی ہے کہ شیطان تمھارے دلوں میں وسوسہ نہ ڈالے کہ کون بی بی تھی جو رات کو آئی۔

اسی واسطے یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو فرمایا بیٹا! ﴿لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا﴾ "اپنے بھائیوں کے سامنے خواب نہ بیان کرنا پس وہ تیرے لیے مکر اور حیلہ کریں گے ﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔"

یوسف علیہ السلام کے ساتھ بھائیوں کی دشمنی کا سبب؟

اس شیطان نے پھر دشمنی کرادی کہ ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ دیکھو! جانور تم سنبھالتے ہو، دانے تم پسوا کر لاتے ہو، لکڑیاں تم چن کر لاتے ہو، گھر کے سارے کام کاج تم کرتے ہو اور باپ کی توجہ کے مستحق یہ چھوٹے بن گئے۔ ہماری طرف اتنی توجہ نہیں جتنی ان کی طرف ہے۔ انھوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ ہم سب عاقل بالغ شادی شدہ ہیں اور وہ چھوٹے بچے ہیں۔ بنیامین یوسف علیہ السلام سے چھوٹے تھے اور یوسف علیہ السلام کی عمر کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں، گیارہ سال بھی لکھی ہے، بارہ سال بھی اور اس سے کم وبیش بھی لکھی ہے۔ تو اُنھوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ یہ چھوٹے ہیں اگر ان کی طرف باپ کی توجہ ہے تو تمھیں شکر یہ ادا کرنا چاہیے کہ ابا جان چھوٹوں کا خیال رکھتے ہیں ہمیں ان کا خیال رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ الغرض اور طرح طرح کے خیالات ذہن میں لاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِذْ قَالُوْا﴾ جب کہا بھائیوں نے ﴿لَیُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ﴾ البتہ یوسف علیہ السلام اور اس کا بھائی بنیامین ﴿اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِیْنَا مِنَّا﴾ زیادہ محبوب ہیں ہمارے باپ کو ہم سے یعنی بہ نسبت ہمارے باپ کی محبت ان کے ساتھ زیادہ ہے حالانکہ ہم بھی تو اس کے بیٹے ہیں ﴿وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ﴾ اور ہم کافی جماعت ہیں۔ دس آدمی ہیں محنت مشقت کرنے والے، کمانے والے ہیں اور توجہ ان کی طرف ہے ﴿اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ بے شک ہمارا والد کھلی خطا میں ہے۔ والد کو چاہیے تھا کہ ہماری طرف توجہ کرتے کہ ہم کماتے ہیں اور گھر کے سارے کام کاج ہم کرتے ہیں لہذا ایسے کرو ﴿اقْتُلُوْا یُوْسُفَ﴾ قتل کر ڈالو یوسف علیہ السلام کو ﴿اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا﴾ یا پھینک دو اس کو کسی ایسی زمین میں ﴿یَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ﴾ خالی ہو جائے، خالص ہو جائے تمھارے لیے تمھارے باپ کی توجہ۔ اب تو والد صاحب ان کی طرف توجہ کرتے ہیں جب تم اس کو ہاتھ پاؤں باندھ کر دور پھینک آؤ گے اور ہماری نظروں سے غائب ہو جائے گا، اس کو جانور کھا جائیں گے ابا جان کی توجہ ہماری طرف لوٹ آئے گی۔ پھر خود فیصلہ کرتے ہیں کہ قتل کرنا یا دور لے جا کر پھینکنا ہے تو بڑا گناہ لیکن ﴿وَ تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِیْنَ﴾ اور ہو جاؤ اس کے بعد نیک قوم۔ یہ اُنھوں نے مشورہ کیا۔

﴿قَالَ قَآىِٕلٌ مِّنْهُمْ﴾ کہا ایک کہنے والے نے ان بھائیوں میں سے جس کا نام یہودا بتاتے ہیں۔ یہ سب سے بڑا تھا اس میں کچھ انصاف کا مادہ تھا۔ اس نے کہا ﴿لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ﴾ نہ قتل کرو تم یوسف علیہ السلام کو۔ والد کی نظروں سے ہٹانے کے اور بھی طریقے ہو سکتے ہیں مقصد تو تمھارا یہی ہے نا کہ وہ والد کی نظروں سے ہٹ جائے ﴿وَ اَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ﴾ اور ڈال دو تم اس کو کسی کنوئیں کی گہرائی میں۔ غیابت کے معنیٰ گہرائی کے بھی ہوتے ہیں اور اندھیرے کے بھی ہوتے ہیں اور جُبّ کا معنیٰ کنواں ہے۔ تو کسی گہرے کنوئیں میں پھینک دو یا کنوئیں کی تاریکی میں پھینک دو۔ اس زمانے میں لوگ سڑکوں کے قریب میل میل، دو دو میل کے فاصلے پر کنوئیں کھدواتے تھے۔ بعض کنوئیں تو ایسے ہوتے تھے کہ ان کے اوپر چرخیاں بھی ہوتی تھیں اور ڈول بھی

اور اکثر کے اوپر صرف چرخی ہوتی تھی۔ رسی اور ڈول مسافر اپنے پاس رکھتے تھے بلکہ لوگ اپنے ساتھ ایک آدھ مزدور بھی رکھتے تھے جس کی ڈیوٹی ہوتی تھی ٹھہراؤ کے وقت ان کو پانی مہیا کرنا، لکڑیاں ایندھن اکٹھا کر کے دینا۔ تو ان کے بڑے بھائی یہودا نے کہا کہ اس کو ہاتھ سے نہ مارو اس کو کسی گہرے کنوئیں میں پھینک دو۔ کہتے ہیں کہ اس علاقے میں کنوئیں بڑے گہرے ہوتے تھے۔

ہمارے ہاں تو پانی کی فراوانی ہے بعض علاقوں میں دس پندرہ فٹ پر پانی نکل آتا ہے۔ البتہ پاکستان میں بعض علاقے ایسے ہیں کہ جہاں ہزار فٹ پر بھی پانی نہیں نکلتا لیکن اکثر علاقوں میں بہت قریب سے پانی نکل آتا ہے لیکن ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرنے والے نہیں ہیں۔ ان علاقوں میں جا کر دیکھو جہاں لوگ کھارا پانی پیتے ہیں اگر اس کے ساتھ نہانے کی غلطی کر لیں تو پانی ہی کو ملتے رہیں صابن لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔

تو خیر کہنے لگے کنوئیں کی گہرائی میں یا کنوئیں کی تاریکی میں پھینک دو۔ پھر کیا ہوگا ﴿ یَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ ﴾ اٹھا لیں گے اس کو قافلوں میں سے بعض، کیوں کہ قافلوں کو پانی کی تو ضرورت ہوتی ہے جس وقت وہ ڈول پھینکیں گے تو ڈول کے ساتھ یہ خود نکل آئے گا وہ لے جائیں گے ﴿ إِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴾ اگر ہو تم کرنے والے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ پھر اکٹھے ہو کر باپ کے پاس گئے ﴿ قَالُوْا ﴾ کہنے لگے ﴿ يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ ﴾ اے ہمارے ابا جان! آپ کو کیا ہو گیا ہے ﴿ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ ﴾ آپ ہم پر اطمینان نہیں کرتے یوسف کے بارے میں۔

یعقوب علیہ السلام کو بصیرت سے معلوم ہوا کہ یوسف کے بھائی اس کے حق میں اچھے نہیں ہیں

﴿ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ ﴾ کا جملہ یہ بتا رہا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی فراست اور بصیرت سے یہ سمجھتے تھے کہ یہ میرے لڑکے میرے یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی بنیامین کے حق میں اچھے نہیں ہیں اس لیے ان کو ان سے بچا کر رکھتے تھے کہ ان سے خطرہ محسوس کرتے تھے۔ کہنے لگے ﴿ وَ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴾ اور بے شک ہم اس کے بڑے خیر خواہ ہیں، اس کے ہمدرد ہیں۔ تو ان سب نے یعقوب علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا ﴿ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا ﴾ بھیج دیں اس کو ہمارے ساتھ کل ﴿ يَّرْتَعْ وَ يَلْعَبْ ﴾ کھلے میوے کھائے اور کھیلے۔ رَتَعَ کا معنیٰ ہے جانور کا چارا کھانا اور (اگر رَتَعَ کا صلہ انسان آئے تو معنیٰ ہوگا پھل کھانا)۔ انسان پھل کھاتے ہیں۔ وہاں شہر سے دور جنگلات میں جنگلی میوے ہوتے ہیں اور ہمارا پروگرام ہے سیر و سیاحت کا تو ہمارا خیال ہے کہ یہ بھی ہمارے ساتھ چلا جائے جنگل میں کھلے میوے ہوں گے میوے خوب کھل کر کھائے گا اور کھیلے گا۔ اس کے ہاتھ پاؤں کھلیں یہ گھر ہی میں بند رہتا ہے چلنے پھرنے سے آدمی کی صحت اچھی رہتی ہے۔ ابا جان ﴿ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ اور بے شک ہم اس کی البتہ نگرانی کرنے والے ہیں۔

جب سب نے مل کر مطالبہ کیا اور اپنا پروگرام پیش کیا تو یعقوب علیہ السلام آخر والد تھے اُنھوں نے خیال کیا کہ سب اکٹھے ہو کر کہہ رہے ہیں ظن غالب یہ ہے کہ شرارت نہیں کریں گے لیکن دل میں جو خطرہ تھا اس کا ذکر کر دیا۔ ﴿ قَالَ ﴾ فرمایا ﴿ اِنِّیْ

﴿یَحۡزُنُنِیۡۤ﴾ البتہ یہ چیز مجھے پریشان کرتی ہے، غم میں ڈالتی ہے اَنۡ تَذۡهَبُوۡا بِهٖ یہ کہ تم اس کو لے جاؤ ﴿وَ اَخَافُ اَنۡ یَّاۡكُلَهُ الذِّئۡبُ﴾ اور میں خوف کرتا ہوں کہ کھا جائے اس کو بھیڑیا۔ اسی مقام پر تفسیروں میں لکھا ہے کہ وَ کَانَتْ اَرْضُهُمْ کَثِيْرَةُ الذِّئَابِ ان کی زمین پر بھیڑیئے بکثرت تھے۔ اب تو دنیا میں آبادی بہت زیادہ ہوگئی ہے ورنہ جب میں گکھڑ آیا تھا تو قبرستان سے گیدڑوں کی آوازیں سنتا تھا تم بھی سنتے ہوگے۔ ہر جگہ موذی جانور وافر مقدار میں ہوتے تھے اب آبادیوں کی وجہ سے کم ہوگئے ہیں۔ تو اس علاقے اور زمین میں بھیڑیئے بہت زیادہ تھے۔ تو یعقوب علیہ السلام نے اپنے خطرے کا اظہار کر دیا۔ جس طرح ہمیں تمھیں بچوں کے بارے میں ٹرکوں، بسوں اور کاروں کا خطرہ ہوتا ہے کیوں کہ یہاں یہی چیزیں زیادہ چلتی ہیں ہم بچوں کو کہتے ہیں سڑک دائیں بائیں دیکھ کر کراس کرنا۔ تمام حیوانوں میں سب سے زیادہ بے رحم حیوان بھیڑیا ہے۔ کہتے ہیں کہ جہاں بھیڑیئے اکٹھے ہو جائیں وہاں اپنے میں سے کمزور کو کھا جاتے ہیں۔

علاماتِ قیامت کہ انسانوں کے دل بھیڑیوں کی طرح ہوں گے

اسی واسطے حدیث پاک میں قیامت کے قریب آنے والے لوگوں کے بارے میں آتا ہے کہ ان کی شکلیں انسانوں جیسی ہوں گی وَقُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الذِّئَابِ اور ان کے دل بھیڑیوں جیسے ہوں گے۔ آج کل دیکھ لو انسان جتنا انسانوں کا نقصان کر رہے ہیں بھیڑیئے بھی نہ کر سکیں۔ ناپ تول میں کمی، چیزوں میں ملاوٹ، مکر و فریب، دھوکا، اغوا، قتل، یہ تمام فعل بھیڑیوں سے بڑھ کر ہیں۔ فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ اس کو کوئی بھیڑیا نہ کھا جائے ﴿وَ اَنۡتُمۡ عَنۡهُ غٰفِلُوۡنَ﴾ اور تم اس سے غافل رہو۔ یہ بچہ ہے نا تجربہ کار ہے کہاں دوڑے بھاگے گا کہیں تمھاری غفلت سے اس کا نقصان نہ ہو جائے۔

﴿قَالُوۡا﴾ کہنے لگے ابا جان! ﴿لَئِنۡ اَكَلَهُ الذِّئۡبُ وَ نَحۡنُ عُصۡبَةٌ﴾ البتہ اگر اس کو بھیڑیا کھا جائے اور ہم کافی جماعت ہیں۔ عُصْبَةٌ کا لفظ عربی میں دس سے ستر تک بولا جاتا ہے اور عام قسم کے آدمیوں کی جماعت پر بھی نہیں بولتے بلکہ ایسی جماعت پر کہ جس میں ہر ایک پہلوان قسم کا آدمی ہو۔ اگر کمزور آدمی ہوں تو اس پر رھط کا لفظ بولتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ابا جان اگر اس کو بھیڑیئے نے کھا لیا تو پھر ہماری پہلوانی کس کام آئی۔ ان کے قد بھی بڑے تھے اور شکل وصورت سے بھی خوبصورت تھے اور عموماً اس زمانے کے لوگ بڑے صحت مند ہوتے تھے۔ خوراک خالص اور محنت کش لوگ تھے۔

آج ہمارا حال یہ ہے کہ ایک تو ہمیں خوراک اچھی نہیں ملتی جس کی وجہ سے جسم میں بیماریاں زیادہ پیدا ہوتی ہیں دوسرا ہم بدن سے کام بھی تھوڑا لیتے ہیں اس لیے بدن بھدے (کمزور اور بدصورت) ہوتے ہیں۔ آج بھی جو لوگ بدنی طور پر کام کرتے ہیں وہ طاقتور ہیں اور جو نہیں کرتے وہ کمزور اور بوڑھے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اعضاء کی ساخت ایسی رکھی ہوئی ہے کہ ان کو پوری طرح ہلایا جائے تو ان میں قوت آتی ہے اور اگر نہ ہلیں تو روز بہ روز قوت ختم ہوتی جاتی ہے۔ کیا مرد، کیا عورتیں، کیا چھوٹے بچے اور بچیاں روتے پھرتے ہیں اور سب سے بڑی خرابی خوراک کا صحیح نہ ہونا ہے اور دوسرا بدن کو استعمال نہ کرنا۔

تو کہنے لگے کہ ہم اچھی خاصی پہلوانوں کی جماعت ہیں ہمارے ہوتے ہوئے اگر بھیڑیا کھا گیا تو ﴿اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ﴾ بے شک ہم اس وقت البتہ نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام مطمئن ہو گئے کہ اس کے اتنے سارے بھائی اعتماد اور یقین دلا رہے ہیں لہٰذا ان پر اعتماد کرنا چاہیے۔ دیکھو! غیب کا علم رب تعالیٰ کے پاس ہے اللہ تعالیٰ کے سوا غیب کوئی نہیں جانتا اگر حضرت یعقوب غیب جانتے ہوتے تو فرماتے مجھے تمھارے سارے پروگرام کا علم ہے اور اگر حاضر و ناظر ہوتے تو فرماتے بیٹو! جب تم میٹنگ کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہمارا باپ ان کی طرف توجہ کرتا ہے اور ہماری طرف توجہ نہیں کرتا اور ہم کافی جماعت ہیں میں یہ تمھاری ساری باتیں سن رہا تھا اور تمھیں دیکھ رہا تھا مجھے سب علم ہے۔ لیکن نہ حاضر و ناظر تھے اور نہ عالم الغیب تھے اس لیے وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گئے۔ انبیاء کرام کو اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا رب تعالیٰ ان کو بتاتا ہے یا دکھاتا ہے۔ قرآن کریم میں جو واقعات ہیں ان کا ایک ایک جملہ بتاتا ہے کہ عالم الغیب اور حاضر و ناظر صرف رب تعالیٰ ہے، مختار کل بھی صرف وہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتیں کسی کے پاس نہیں ہیں۔ باقی واقعہ آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ﴾ پس جب وہ لے گئے اس کو ﴿وَ اَجْمَعُوْۤا﴾ اور انھوں نے اتفاق کر لیا ﴿اَنْ یَّجْعَلُوْهُ﴾ اس بات پر کہ وہ اس کو ڈال دیں ﴿فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ﴾ گہرے کنویں میں ﴿وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ﴾ اور ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف ﴿لَتُنَبِّئَنَّهُمْ﴾ البتہ آپ ضرور خبر دیں گے ان کو ﴿بِاَمْرِهِمْ هٰذَا﴾ ان کے اس معاملے کی ﴿وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ﴾ اور وہ شعور نہیں رکھتے ہوں گے ﴿وَ جَآءُوْۤ﴾ اور آئے وہ ﴿اَبَاهُمْ﴾ اپنے والد کے پاس ﴿عِشَآءً﴾ عشاء کے وقت ﴿یَّبْكُوْنَ﴾ روتے ہوئے ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿یٰۤاَبَانَاۤ﴾ اے ہمارے ابا جان! ﴿اِنَّا ذَهَبْنَا﴾ بے شک ہم گئے ﴿نَسْتَبِقُ﴾ دوڑ لگاتے رہے ﴿وَ تَرَكْنَا یُوْسُفَ﴾ اور چھوڑا ہم نے یوسف علیہ السلام کو ﴿عِنْدَ مَتَاعِنَا﴾ اپنے سامان کے پاس ﴿فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ﴾ پس اس کو کھا لیا بھیڑیے نے ﴿وَ مَاۤ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا﴾ اور نہیں ہیں آپ ہماری تصدیق کرنے والے ﴿وَ لَوْ كُنَّا صٰدِقِیْنَ﴾ اور اگرچہ ہم سچے ہوں ﴿وَ جَآءُوْ﴾ اور لائے وہ ﴿عَلٰى قَمِیْصِهٖ﴾ اس کے کرتے پر ﴿بِدَمٍ كَذِبٍ﴾ جھوٹا خون مل کر ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ﴾ بلکہ مزین کیا ہے تمھارے لیے ﴿اَنْفُسُكُمْ﴾ تمھارے نفسوں نے ﴿اَمْرًا﴾ یہ معاملہ ﴿فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ﴾ پس صبر ہی بہت اچھا ہے ﴿وَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کی جا سکتی ہے ﴿عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ﴾ ان باتوں کے خلاف جو تم کرتے ہو ﴿وَ جَآءَتْ سَیَّارَةٌ﴾ اور آیا ایک قافلہ ﴿فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ﴾ پس بھیجا انھوں نے ایک پانی لانے والے کو ﴿فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ﴾ پس اس نے لٹکایا کنوئیں میں اپنا ڈول ﴿قَالَ﴾ اس نے کہا ﴿یٰبُشْرٰى﴾ اے خوش خبری

﴿هٰذَا غُلٰمٌ﴾ یہ لڑکا ہے ﴿وَ اَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً﴾ اور انھوں نے مخفی رکھا اس کو سامان تجارت بنا کر ﴿وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ﴿وَ شَرَوْهُ﴾ اور خریدا انھوں نے اس کو ﴿بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ﴾ گھٹیا قیمت کے ساتھ ﴿دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ﴾ روپے (درہم) تھے گنتی کے ﴿وَ كَانُوْا فِیْهِ مِنَ الزّٰهِدِیْنَ﴾ اور تھے وہ اس میں بے رغبتی کرنے والے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ بڑوں کی والدہ اور تھی اور چھوٹوں کی والدہ اور تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین دونوں ایک والدہ سے تھے چھوٹے ہونے کی وجہ سے باپ کی شفقت ان کے ساتھ زیادہ تھی جو بڑوں کو برداشت نہ ہوئی کہ محنت مشقت ہم کرتے ہیں اور باپ کی گود میں یہ بیٹھے رہتے ہیں۔ شیطان نے ان کو اُکسایا اور اُبھارا کہ ان کو راستے سے ہٹاؤ۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یوسف علیہ السلام کو قتل کر دو یا کنوئیں میں ڈال دو۔ اس کا ذکر ہے ﴿فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ﴾ پس جب وہ لے گئے یوسف علیہ السلام کو باپ کو اعتماد دلا کر کہ ہم اچھے خاصے پہلوانوں کی جماعت ہیں اگر ہمارے ہوتے ہوئے بھی اس کو بھیڑیا کھا جائے تو پھر تو ہم بڑے خسارے میں ہیں۔ صبح ہوئی تو گھر میں جو بھی ناشتہ تیار تھا کھا کے یوسف علیہ السلام کو لے گئے ﴿وَ اَجْمَعُوْۤا﴾ اور اُنھوں نے اتفاق کر لیا ﴿اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ﴾ اس بات پر کہ وہ اس کو ڈال دیں گہرے کنویں میں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی سنگ دلی

کہتے ہیں کہ یہ کنواں بستی سے تین میل دور کچے راستے کے کنارے پر تھا۔ اس کنوئیں سے مسافر یا چرواہے وغیرہ اپنے لیے اور جانوروں کے لیے پانی نکالتے تھے۔ بستی کے قریب اور کنوئیں تھے وہاں کے لوگ ان کنوؤں سے پانی لیتے تھے اور اپنی ضرورت پوری کرتے تھے۔ اس کنوئیں کے ساتھ بستی والوں کا کوئی خاص تعلق نہیں تھا۔ یہاں پر تفسیروں میں بہت کچھ لکھا ہے پڑھ کر انسان کا دل پھٹ جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتا اُتار کر کنوئیں میں پھینکنے لگے تو ایک دوسرے کے منہ کی طرف دیکھتے۔ مار پیٹ کر جب کنویں میں پھینکنے لگے تو یوسف علیہ السلام نے ان کی بڑی منتیں کیں، زاری کی کہ میں تمھارا چھوٹا بھائی ہوں مجھ پر ترس کھاؤ۔ اگر مجھ پر ترس نہیں کھاتے تو اپنے والد پر ترس کھاؤ۔ سوچو، غور کرو! جب تم واپس جاؤ گے اور میں تمھارے ساتھ نہیں ہوں گا والد صاحب کا کیا حال ہوگا؟ مگر آدمی جب سنگ دل ہو جاتا ہے تو اس کو کوئی ترس نہیں آتا۔

یوسف علیہ السلام کو رسی کے ساتھ باندھ کر کنوئیں میں لٹکایا کنواں کافی گہرا اور تاریک تھا جب وہ پانی کے قریب ہوئے تو رسی کو چھوڑ دیا وہ پانی میں گر گئے۔ اُوپر سے آواز دی تاکہ معلوم ہو کہ مرا ہے یا نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بڑی عاجزی والی آواز نکالی کہ شاید مجھ پر ترس کھا جائیں۔ بعض نے کہا یہ تو ابھی زندہ ہے پتھر مارو۔ بڑے بھائی یہودا نے کہا اب اس کو چھوڑ دو پتھر وغیرہ نہ مارو جو ہو گیا ہے ٹھیک ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر آوازیں دیں تو کنوئیں سے کوئی جواب نہ آیا کیوں کہ اب جواب دینے

کا مطلب ہے کہ سر پر پتھر ماریں اور تو اُنھوں نے کچھ کرنا نہیں ہے۔ کنوئیں کے اندر پانی کے قریب ایک بڑا پتھر لگاتے تھے تاکہ کنویں میں صفائی وغیرہ کے لیے اُترنے والا اس پتھر پر پاؤں رکھ سکے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اِدھر اُدھر دیکھا ہاتھ مارا تو وہ پتھر معلوم ہوا اس پر جا بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا۔

ارشادِ ربانی ہے ﴿وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ﴾ اور ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف یعنی یوسف علیہ السلام کی طرف۔ یہ وحی صرف ذات تک محدود تھی کہ گھبراؤ نہیں کیوں کہ ابھی تک نبوت و رسالت نہیں ملی۔ ﴿لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا﴾ البتہ آپ ضرور ان بھائیوں کو خبر دیں گے ان کی اس کارروائی کی، معاملے کی ﴿وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ﴾ اور وہ شعور نہیں رکھتے ہوں گے کہ ہمارے ساتھ بولنے والا اور پوچھنے والا کون ہے۔ یہ قصہ آگے آئے گا۔

کہتے ہیں کہ اس کنوئیں کا پانی نمکین تھا میٹھا نہیں تھا لوگ مجبوراً اس سے پانی بھرتے تھے مگر جب یوسف علیہ السلام کو اس کنوئیں میں ڈالا گیا تو رب تعالیٰ نے اس کنوئیں کا پانی میٹھا کر دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس کنوئیں میں تقریباً تین دن اور تین راتیں رہے۔ اِدھر بھائیوں نے دیکھ بھال کے لیے ڈیوٹی لگائی ہوئی تھی اور نگرانی کر رہے تھے کہ دیکھو! اس کو کنوئیں سے کون نکالتا ہے اور کدھر لے جاتا ہے؟ پھر بستی کی طرف نہ آجائے کہ ہمارا راز کھل جائے اور نگرانی کا طریقہ یہ تھا کہ بھیڑ بکریاں چرانے کے بہانے، اُونٹ چرانے کے بہانے، لکڑیاں کاٹنے کے بہانے، کبھی کوئی چلا جاتا کبھی کوئی چلا جاتا۔ تین دن گزر گئے بڑے پریشان ہوئے کہ ابھی تک کسی نے نہیں نکالا۔

اتفاق کی بات ہے کہ مدین کے علاقے کے کنعانی تاجر کافی تعداد میں مصر جا رہے تھے وہ یہاں پہنچے اور میں نے کل عرض کیا تھا کہ تاجر ایک آدمی بطور نوکر اپنے ساتھ رکھتے تھے اور اس کا خرچہ مل کر برداشت کرتے تھے۔ نوکر کا کام ہوتا تھا پانی مہیا کرنا، ایندھن وغیرہ مہیا کرنا جو مسافروں کی ضروریات ہوتی تھیں۔ وہاں قریب کچھ درخت تھے قافلہ وہاں ٹھہرا۔ پانی مہیا کرنے والے نوکر جس کا نام مالک ابن دُعر تھا جو بڑا موٹا تازہ کام کرنے والا آدمی تھا۔ اس سے کہا کہ تم پانی کی تلاش کرو کوئی کنواں، چشمہ ڈھونڈو کہ ہم نے کھانے پینے کا انتظام کرنا ہے۔ چنانچہ وہ گیا جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ درمیان میں ان کی کارروائی کا ذکر ہے۔ یوسف علیہ السلام کو تو کنویں میں ڈالا ﴿وَ جَآءُوْۤ اَبَاهُمْ عِشَآءً﴾ اور آئے وہ اپنے والد کے پاس عشاء کے وقت۔ رات کے وقت اس کے پاس آئے کہ باپ کے سامنے دن کے وقت آنکھیں شرم کے مارے اُٹھ نہیں سکیں گی۔ آدمی ڈھیٹ اور بے شرم نہ ہو تو اس کو شرم آتی ہے، آنکھیں نہیں اُٹھتیں، بے شرم اور ڈھیٹ ہو تو اس کی بات اور ہے۔ تو اس لیے رات کو آئے کہ ہم نے جو کام کیا ہے اس کا تو ہمیں علم ہے ابا جان کے سامنے جائیں گے تو وہ پوچھیں گے تو سہی کہ میرا لختِ جگر کدھر ہے؟ اس کو کہاں چھوڑ آئے ہو؟ تو رات ہماری شرمندگی پر پردہ ڈالے گی۔ اور آئے کس حال میں؟ فرمایا ﴿یَّبْكُوْنَ﴾ روتے ہوئے۔ دیکھو! مجرم بھی خود ہیں اور روتے بھی خود ہیں۔

ہر رونے پیٹنے والا سچا نہیں ہوتا ؟

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اکابر میں سے ہیں۔ میں نے ان کی تقریر بھی سنی ہے اور ان سے ملاقات بھی کی ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے کی بات ہے کہ حضرت کو علم ہوا کہ رافضیوں نے منصوبہ بنایا ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت علم سے خالی ہے لہٰذا ان کی بے علمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو رافضی بنایا جائے اور انھوں نے یہ کوشش کی تھی۔ حضرت کو ان کے اس منصوبے کا علم ہوا تو حضرت نے پوری جرأت اور ہمت کے ساتھ مناظروں کی شکل میں اور تحریری شکل میں رافضیوں کا مقابلہ کیا۔ ان کا ایک بڑا علمی رسالہ تھا "النجم" اس کا نام تھا۔ اس میں مضامین شائع ہوتے تھے۔ ستر [۷۰] سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ حضرت نے اس پر صرف کیا۔ ویسے امام اہل سنت حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر سو سال تھی۔

حضرت کی اُردو زبان میں ایک کتاب ہے" قاتلان حسین کی خانہ تلاشی" کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کن لوگوں نے قتل کیا ہے۔ اس میں اُنھوں نے ٹھوس علمی اور تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ یہی جو روتے اور پیٹتے ہیں یہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں ایسے ہی جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائی خود اس کو کنوئیں میں پھینک کر آئے تھے۔ مجرم بھی خود تھے اور روتے ہوئے اپنے والد کے پاس عشاء کے وقت آئے۔ ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿يٰۤاَبَانَاۤ﴾ اے ہمارے ابا جان! ﴿اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ﴾ بے شک ہم گئے دوڑ لگاتے رہے آپس میں کہ کون آگے نکلتا ہے۔

بیوی کو تفریح کے لیے لے جانا جائز ہے ؟

دوڑنا بھی ایک کھیل ہوتا تھا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھائی اور گھر تشریف لائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ حضرت! میرا دل چاہتا ہے کہ ذرا باہر چل پھر کر (گھوم کر) آؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آؤ چلیں۔ رات چاندنی تھی جب باہر تشریف لائے تو کوئی بھی نہیں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ! میرے ساتھ دوڑ لگانی ہے؟ کہنے لگیں دوڑو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ معمر تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بچی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی اور یہ واقعہ چند سال پہلے کا ہے۔ بارہ چودہ سال کے پیٹے میں تھیں آگے نکل گئیں۔ پھر دو تین سال کے بعد ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ اب اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیماری کی وجہ سے کمزور تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ! آج پھر دوڑ لگانی ہے؟ کہنے لگیں دوڑو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے نکل گئے۔ فرمایا تِلْكَ بِتِلْكَ یہ اس دن کا بدلہ ہو گیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ گھر والوں کی دل جوئی بھی ہونی چاہیے مگر شرعی دائرے میں رہتے ہوئے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اُنھوں نے گھر کو ماتم کدہ بنایا ہوتا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ پتا نہیں ان کے گھر میں کتنے آدمی مر گئے ہیں۔ ایک کا منہ اِس طرف، ایک کا منہ اُس طرف، یہ اچھی بات نہیں ہے بلکہ خرابی ہے۔ گھروں میں پیار، محبت اور امن و امان کے ساتھ رہنا بھی شریعت کا ایک حصہ ہے۔

تو کہنے لگے کہ ہم دوڑ تے تھے ﴿وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا﴾ اور چھوڑا ہم نے یوسف علیہ السلام کو اپنے سامان کے پاس ﴿فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ﴾ پس اس کو کھالیا بھیڑیئے نے ﴿وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا﴾ اور نہیں ہیں آپ ہماری تصدیق کرنے والے ﴿وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ﴾ اور اگرچہ ہم سچے ہوں ﴿وَجَاءُوا عَلَى قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ﴾ اور لائے وہ اس کے کرتے پر جھوٹا خون مل کر۔ کہتے ہیں کہ ایک بکری کا بچہ ذبح کیا اور جو کرتہ تھا اُتارا اس کو خون سے لت پت کیا اور لے گئے اور اس طرف توجہ نہ گئی کہ کرتہ تھوڑا سا پھاڑ لیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کرتہ دیکھا آخر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے، عقل مند تھے، معمر تھے، غور کیا کہ بھیڑیئے نے کھایا ہے بھیڑیا تھا یا کوئی امریکہ کے کالج کا پروفیسر تھا کہ کرتہ اُتار کر کھایا اور کرتہ رنگین کر کے دے دیا ہے، نہ کرتہ پھٹا ہے نہ پنجہ لگا ہے، کتنا سیانا اور سمجھ دار تھا۔ آدمی کچھ تو اندازہ لگاتا ہے۔

﴿قَالَ﴾ فرمایا یہ بات نہیں جو تم کہتے ہو ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا﴾ بلکہ مزین کیا ہے تمھارے لیے تمھارے نفسوں نے یہ معاملہ۔ میں تمھاری بات پر مطمئن نہیں ہوں کوئی گڑبڑ تم نے کی ہے جس کا مجھے علم نہیں ہے پس میں تمھاری بات سے مطمئن نہیں ہوں ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ﴾ پس صبر ہی بہت اچھا ہے ﴿وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کی جاسکتی ہے ان باتوں کے خلاف جو تم کرتے ہو، صرف مددگار وہی ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام سے چالیس سال دور رہے

کہتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے جدائی اور دوبارہ ملاقات کے درمیان کی مدت چالیس سال ہے یہ زندگی کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اور قدرتی بات ہے کہ بچہ فوت ہو جائے تو اس کا صدمہ عارضی ہوتا ہے صبر آجاتا ہے لیکن اگر بچہ گم ہو جائے تو اس کا صدمہ ساری زندگی رہتا ہے۔ جب بھی کوئی خوشی یا غمی کا وقت آئے تو ماں باپ کی حالت کچھ اور ہو جاتی ہے ایسا صدمہ ساری عمر نہیں جاتا۔ یہ جو ہمارے ملک میں بچوں کو اغوا کرتے ہیں کبھی خرکار اٹھا کر لے جاتے ہیں اور کبھی بیرون ملک ریاستوں کی طرف منتقل کر دیئے جاتے ہیں اور یہ بھی اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ ان کے اعضاء بیچتے ہیں اور اس دھندے میں بڑے بڑے شریک ہیں۔ حکومت نے اس سلسلے میں کوئی سدباب نہیں کیا۔ او ظالمو! کچھ تو انصاف کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بھیڑیوں سے بھی زیادہ درندے ہو گئے ہیں حکومت والوں پر زد پڑے تو ان کو پتا چلے کہ کسی کو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔

صاحب اقتدار اپنے مفاد کے لیے قانون بناتے ہیں

ایوب خان کی حکومت تھی۔ اس کا ایک باغ ہری پور کے علاقے میں بکریاں اجاڑ گئیں۔ ایوب خان نے قانون بنا دیا کہ پاکستان میں اب بکری نہ رہے۔ پھر لوگوں نے شور مچایا کہ بکریاں چرانے والے کہاں جائیں تو پھر اس نے وہ قانون ختم کر دیا لیکن اپنا باغ اجڑا تو ایک دفعہ قانون بنا تو سہی۔

مارشل لاء دور کی بات ہے ایوب خان کے زمانے کے ایک فوجی جرنیل کے ماموں کی لوہے کے خود کی دکان تھی جس کو

غالباً ہیلمٹ کہتے ہیں۔کوئی اس کی دکان کے قریب نہیں آتا تھا تو فوجی جرنیل نے آرڈر (حکم) جاری کردیا کہ کوئی آدمی ہیلمٹ کے بغیر سکوٹر نہیں چلا سکتا۔ پھر وہ (ہیلمٹ) جو پچھتر [۷۵] روپے کا تھا اب تین سو کا بکنے لگ گیا۔ لاکھوں کروڑوں روپے کما لیے۔تو جب اپنے پیٹ پر زد پڑے تو فوراً قانون بن جاتا ہے۔

دیکھو! امیر لوگوں کے بچے تو گاڑیوں میں آتے جاتے ہیں۔ان کے لیے نوکر ہیں نوکرانیاں ہیں لہٰذا ان کو کیا فکر ہے۔ بچے تو ہمارے تمھارے اُٹھائے جائیں گے جو اکیلے اور پیدل آتے جاتے ہیں۔لہٰذا حکومت والوں کو اس کے متعلق قانون بنانے کی کیا ضرورت ہے۔اور حقیقت یہ ہے کہ بچوں کو اغوا کرنا انتہائی سنگین جرم ہے اور ایسے شخص کی سزا تعزیراً قتل ہونی چاہیے اور فقہ اس کی تائید کرتی ہے کہ اس کی سزا موت ہو۔

تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کے متعلق جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اس کے خلاف اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کی جاسکتی ہے۔﴿وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ﴾ اور آیا ایک قافلہ کنعانیوں کا مدین سے جو مصر کی طرف جارہا تھا ﴿فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ﴾ پس بھیجا اُنھوں نے ایک پانی لانے والے کو جس کا نام میں نے مالک ابن دغر بتایا تھا ﴿فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ﴾ پس اس نے لٹکایا کنوئیں میں اپنا ڈول مضبوط رسی کے ساتھ باندھ کر تو یوسف علیہ السلام اس کے ساتھ چمٹ گئے۔آدمی پہلوان قسم کا تھا کہنے لگا پانی تو میں نے بہت سارے کنوؤں سے نکالا ہے مگر اس کنوئیں کا پانی بڑا بھاری ہے حالاں کہ ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام لٹکے ہوئے تھے۔جس وقت دیکھا کہ خوب صورت لڑکا ہے، اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بے پناہ حسن دیا تھا۔﴿قَالَ﴾ کہنے لگا ﴿يَٰبُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَٰمٌ﴾ اے خوش خبری یہ لڑکا ہے ڈول کے ساتھ چمٹا ہوا ﴿وَأَسَرُّوهُ بِضَٰعَةً﴾ اور اُنھوں نے اس کو مخفی رکھا سامان تجارت بنا کر۔ کہنے لگے بہت خوب صورت ہے ہم اس کو بیچ کر بڑی رقم کمائیں گے۔کیوں کہ اس زمانے میں غلاموں اور لونڈیوں کی تجارت ہوتی تھی۔﴿وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِمَا يَعْمَلُونَ﴾ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

بھائی بھی تاک میں لگے رہتے تھے کہ دیکھو کیا بنتا ہے۔جب اُنھوں نے دیکھا کہ قافلے والوں نے نکال لیا ہے تو ان میں سے ایک، دو آئے اور کہا کہ یہ ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے تم اس کو کہاں لے جارہے ہو؟ ہاں کچھ رقم دے کر لے جاؤ۔﴿وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ﴾ اور اُنھوں نے خریدا اس کو بھائیوں سے گھٹیا قیمت کے ساتھ ﴿دَرَٰهِمَ مَعْدُودَةٍ﴾ روپے تھے گنتی کے۔اسی مقام پر تفسیروں میں بیس [۲۰] درہم بھی لکھے ہیں اور بائیس [۲۲] درہم بھی لکھے ہیں۔بیس درہم اس لحاظ سے کہ یہودا نے انکار کردیا کہ میں پیسے نہیں لوں گا تو دس کو دو دو درہم آجائیں گے اور بائیس درہم کی صورت میں اُنھوں نے کہا کہ دو درہم بنیامین کو بھی دے دو کسی حیلے بہانے سے اس طرح اس کی اشک شوئی ہو جائے گی۔﴿وَكَانُوا۟ فِيهِ مِنَ ٱلزَّٰهِدِينَ﴾ اور تھے وہ اس میں بے رغبتی کرنے والے۔زاھد کا صلہ جب فی آجائے تو اس کا معنی بے رغبتی ہوتا ہے۔ اور تھے وہ اس میں بے رغبت اور بے شوق کہ ان کو کوئی ضرورت نہیں تھی۔ان کا مقصد تو صرف یہ تھا کہ اباجی کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے جس کے لیے اُنھوں نے یہ ساری کارروائی کی۔

﴿وَقَالَ الَّذِی﴾ اور کہا اُس شخص نے ﴿اشْتَرٰىهُ﴾ جس نے خریدا تھا اس کو ﴿مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ﴾ مصر سے اپنی بیوی سے ﴿اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ﴾ اچھا کرنا اس کا ٹھکانا ﴿عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ﴾ قریب ہے کہ یہ ہمیں نفع دے ﴿اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں گے ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ﴾ ہم نے قدرت دی یوسف علیہ السلام کو ﴿فِی الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿وَلِنُعَلِّمَهٗ﴾ اور تا کہ ہم اس کو تعلیم دیں ﴿مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ﴾ باتوں کو ٹھکانے لگانے کی ﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اپنے معاملے پر ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ﴾ اور لیکن اکثر لوگ ﴿لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ وہ نہیں جانتے ﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ﴾ اور جب پہنچے یوسف علیہ السلام اپنی قوت کو ﴿اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ دیا ہم نے اس کو حکم اور علم ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ﴾ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ﴾ اور پھسلایا اس کو اس عورت نے ﴿هُوَ فِیْ بَیْتِهَا﴾ کہ یوسف علیہ السلام اس کے گھر میں تھے ﴿عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ اس کی خواہش کے بارے میں ﴿وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ﴾ اور بند کر دیے اس عورت نے دروازے ﴿وَقَالَتْ هَیْتَ لَكَ﴾ اور کہنے لگی جلدی کرو تجھے کہتی ہوں ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿مَعَاذَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی پناہ ﴿اِنَّهٗ رَبِّیْۤ﴾ بے شک وہ میرا آقا ہے ﴿اَحْسَنَ مَثْوَایَ﴾ اچھا بنایا ہے اس نے میرا ٹھکانا ﴿اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ فلاح نہیں پاتے ظلم کرنے والے ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ﴾ اور البتہ تحقیق وہ عورت قصد کر چکی تھی اس کا ﴿وَهَمَّ بِهَا﴾ اور وہ بھی قصد کر لیتا اس کا ﴿لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ اگر نہ دیکھتا وہ اپنے رب کی برہان اور دلیل ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ﴾ تا کہ ہم پھیر دیں اس سے برائی اور بے حیائی ﴿اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ﴾ بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھے۔

کل کے درس میں تم نے یہ بات سنی کہ یوسف علیہ السلام کو کنعانی خاندان کا ایک قافلہ جو مدین سے مصر جا رہا تھا بھائیوں سے بیس یا بائیس درہم کے عوض خرید کر لے گیا۔ وہاں سے مصر آٹھ یا دس دن کی مسافت پر تھا۔ تفسیروں میں آٹھ دن کی مسافت بھی لکھی ہے اور دس دن کی مسافت بھی لکھی ہے۔ جب یہ قافلہ مصر پہنچا تو وہاں کے تاجر راستے میں کھڑے تھے کہ قافلہ کہاں سے آیا ہے اور کیا مال لے کر آیا ہے؟ تا کہ اپنی منڈی یا دکان پر پہنچائیں ہر ایک کو اپنی لالچ اور حرص ہوتی ہے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ نہایت خوب صورت لڑکا ان کے ساتھ ہے۔ پوچھا یہ کون ہے؟ قافلے والوں نے کہا یہ ہمارا غلام ہے اس کو بیچنا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خریداروں کا ذکر

حضرت یوسف علیہ السلام کی خوب صورتی کی خبر فوراً چاروں اطراف میں پھیل گئی یہاں تک کہ عزیز مصر جو مصر کا وزیر اعظم تھا جس کا نام قطفیر تھا کو بھی خبر پہنچ گئی۔ قطفیر شریف الطبع آدمی تھا اور مصر کا بادشاہ ریان ابن ولید یہ اس سے بھی زیادہ شریف آدمی تھا۔ بادشاہوں کی تاریخ میں ایسے بہت کم ملتے ہیں۔ اس کی نیکی کا اندازہ یہاں سے لگاؤ کہ آخر میں حضرت یوسف علیہ السلام پر ایمان بھی لایا اور حکومت بھی یوسف علیہ السلام کے حوالے کر دی باوجود یوسف علیہ السلام کے اصرار کرنے کے کہ تم تخت پر رہو۔ اس نے کہا حضرت! یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آپ کا کلمہ پڑھنے کے بعد میں تخت پر بیٹھوں۔ آج تو معمولی چپڑاسی اپنی کرسی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے چہ جائے کہ کوئی بادشاہت کا تخت چھوڑ دے۔ یہ اس شخص کی انتہائی شرافت تھی اور اس کا ایمان بڑا مضبوط تھا۔

تو خیر عزیز مصر قطفیر کو بھی یہ خبر پہنچی کہ تاجر ایک بڑا خوبصورت غلام بیچنا چاہتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی خریداری کے بارے میں لوگوں نے بڑے عجیب عجیب واقعات اور کہانیاں بنائی ہیں ان میں سے کچھ صحیح ہیں اور کچھ غلط ہیں۔ بعض ناول نویسوں نے یہ قصہ بھی لکھا ہے کہ ایک بڑھیا سوت کی اٹی لے کر یوسف علیہ السلام کو خریدنے کے لیے جا پہنچی۔ لوگوں نے کہا یہاں تو بڑی بڑی رقمیں لگ رہی ہے اور تم سوت کی اٹی کے ساتھ خریدنا چاہتی ہو۔ اس نے کہا کہ ملے نہ ملے گاہکوں میں میرا نام تو لکھا جائے گا۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ﴾ اور کہا اس شخص نے یعنی مصر کے وزیر اعظم نے جس کا نام قطفیر تھا جس نے خریدا تھا یوسف علیہ السلام کو۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر جلالین میں لکھتے ہیں کہ بیس دینار، دو جوڑے کپڑے اور دو جوڑے جوتوں کے بدلے اُنھوں نے بیچ دیا اور عزیز مصر نے خرید لیا ﴿مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ﴾ مصر سے اپنی بیوی سے جس کا نام اکثر تفسیروں میں زلیخا آتا ہے اور بعض نے راحیل بھی لکھا ہے ﴿اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ﴾ اچھا کرنا اس کا ٹھکانا، رہنے کے لیے اچھا کمرہ دو، اس کی خوراک اور لباس کا خیال رکھنا ﴿عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ﴾ قریب ہے کہ یہ ہمیں نفع دے۔ شریف الطبع بچہ ہے اور اس کے چہرے پر ایسے آثار ہیں کہ اس سے ہمیں کوئی فائدہ پہنچے گا ﴿اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ یا اس کو ہم اپنا بیٹا بنالیں گے۔

اولاد دینا، نہ دینا اللہ کا کام ہے البتہ علاج کرانا چاہیے

کہتے ہیں کہ عزیز مصر کی شادی کے بعد کئی سال گزر چکے تھے اولاد نہیں تھی۔ اولاد دینا، نہ دینا رب تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ﴾ [شوریٰ:۴۹، ۵۰] "رب تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے ﴿اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا﴾ یا جوڑا جوڑا دیتا ہے ان کو بیٹے بیٹیاں ﴿وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا﴾ اور بناتا ہے جس کو چاہے بانجھ ﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ﴾ بے شک وہ سب کچھ جاننے والا ہے قدرت رکھنے والا ہے۔" تو اولاد دینا نہ دینا رب تعالیٰ کا کام ہے اس میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ البتہ بعض بیماریوں کی

وجہ سے عورتوں کو حمل نہیں ٹھہرتا۔شرعی دائرے میں رہ کر اس کا علاج کرائیں۔ یہ شریعت کا حکم ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ ہر بیماری کا علاج ہے سوائے دو بیماریوں کے، بڑھاپا اور موت۔ نہ بڑھاپے کا علاج ہے نہ موت کا، باقی ہر بیماری کا علاج ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بیماری سمجھ میں نہ آئے یعنی بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ بیماری سمجھ میں نہیں آتی، بیماری اور ہوتی ہے اور علاج اور ہوتا ہے۔آج کل اکثر یہی حال ہے باوجود اس کے بڑے بڑے آلات اور مشینیں ایجاد ہو چکیں ہیں مگر پھر بھی بیماری کا تعین نہیں ہوتا۔ پہلا دور بڑا اچھا تھا طبیب زبان دیکھ کر، آنکھیں دیکھ کر، نبض دیکھ کر، بیماری کا تعین کرتے تھے۔اب ایک مشین کچھ بتلاتی ہے دوسری کچھ بتلاتی ہے اصل بیماری بالکل سمجھ نہیں آتی، الا ماشاء اللہ۔ اگر اصل بیماری سمجھ میں آجائے تو اس کا علاج بھی ہے اور شرعی دائرے میں رہ کر علاج کرانا بھی صحیح ہے مگر اولاد دینا رب تعالیٰ کا کام ہے اس میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے۔

تو عزیز مصر نے کہا کہ یا ہم اس کو بیٹا بنالیں گے۔رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ﴾ ہم نے قدرت دی یوسف علیہ السلام کو زمین میں کہ پہنچا دیا وزیر اعظم کے گھر کیوں کہ ان سے بڑے کام لینے تھے۔اس گھر میں رہ کر دنیا کے رنگ ڈھنگ معلوم کرلیں گے۔

پیغمبر دنیاوی چیزیں دنیا والوں سے سیکھ سکتا ہے دین نہیں

اور دنیا کی چیزیں اگر پیغمبر دنیا والوں سے سیکھے تو اس میں کوئی عیب نہیں۔ دین صرف رب تعالیٰ سے سیکھتا ہے مخلوق میں سے کسی سے حاصل نہیں کرتا۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو کعبۃ اللہ کے پاس زم زم کے مقام پر چھوڑا تو وہاں قریب قریب کوئی آدمی نہ تھا۔کافی مدت کے بعد قبیلہ بنو جرہم کا وہاں سے گزر ہوا انھوں نے دیکھا کہ یہاں پانی ہے اور ایک عورت اور ایک بچہ ہے۔ان سے اجازت مانگی یہاں رہنے کی انھوں نے اجازت دی کہ ہاں رہ لو۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ وَتَعَلَّمَ الْعَرَبِيَّةَ مِنْهُمْ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس قبیلے سے عربی سیکھی۔حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اپنی زبان عبرانی تھی یا کوئی اور زبان تھی۔ کیوں کہ عراق میں کوئی اور زبان بولی جاتی تھی۔تو پیغمبر دنیا کی باتیں لوگوں سے سیکھے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دین میں صرف رب تعالیٰ کا شاگرد ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے کی تلقین ہوتی ہے۔

فرمایا ہم نے ان کو قدرت دی زمین میں ﴿وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ﴾ اور تاکہ ہم اس کو تعلیم دیں باتوں کو ٹھکانے لگانے کی۔یعنی فیصلہ کرنے کا رنگ ڈھنگ سکھانے کے لیے ہم نے وہاں پہنچایا اور تاویل الاحادیث کا معنیٰ خواب کی تعبیر بھی ہے۔﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ﴾ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اپنے معاملے پر ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ وہ نہیں جانتے۔ دیکھو! یوسف علیہ السلام کو ملک مصر کی بادشاہی دینی تھی اس کے لیے کنوئیں میں ڈلوایا پھر جیل میں بھجوایا جس کا آگے ذکر آئے گا بڑا کچھ ہوا۔ یہ سب کچھ ہوا جس کو رب تعالیٰ ہی جانتے تھے اور کوئی نہیں جانتا تھا۔

اصلاح بین الناس بھی اسلام کا شعبہ ہے

فرمایا ﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ﴾ اور جب پہنچے یوسف علیہ السلام اپنی قوت کو، اپنی جوانی کو ﴿اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا﴾ دیا ہم نے اس کو حکم اور علم۔ اس حکم سے مراد نبوت نہیں ہے نبوت تو چالیس سال کے بعد ملی، یہ زمانہ پہلے کا ہے۔ اس حکم سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی بصیرت عطا فرمائی کہ کوئی بھی قضیہ اور جھگڑا لے کر لوگ آتے آپ ان کی بات سن کر فوراً صحیح صحیح فیصلہ فرما دیتے تھے اور لوگوں کے درمیان صلح کرانا، اصلاح بین الناس، یہ بھی اسلام کا ایک شعبہ ہے اور اس وقت ہماری حالت اور عادت یہ ہے کہ ہم جھگڑنے والوں کو اور اُبھارتے ہیں۔ اچھا بھائی شاباش! حالاں کہ مسئلہ یہ ہے کہ چھوٹے بچے بھی آپس میں لڑیں جھگڑیں تو ان کو بھی سمجھاؤ اور منع کرو کہ بری بات ہے۔ اسلام بڑا جامع اور عین فطرت کے مطابق مذہب ہے اور عین عقل کے مطابق ہے۔

﴿وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ﴾ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو۔ نیکی کرنے والے انسان کو یقین کرنا چاہیے کہ اس کو نیکی کا ضرور بدلہ ملے گا کیوں کہ رب تعالیٰ کا وعدہ ہے اور رب تعالیٰ سے زیادہ سچا کون ہے؟ مگر دے گا وقت پر کہ ہر چیز کا اس کے ہاں ایک وقت مقرر ہے مگر ہم جلد باز ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ابھی ہو جائے۔ مثلاً: ایک آدمی چند دن دعا کرتا ہے فوراً نتیجہ سامنے نہیں آتا وہ دعا ہی چھوڑ دیتا ہے۔ بھائی! اللہ تعالیٰ سے مانگنا چھوڑ دیا تو جاؤ گے کس کے دروازے پر؟ کوئی اور دروازہ ہے؟ اس کے سوا کوئی دروازہ نہیں ہے لہٰذا اس سے کبھی بھی مانگنا نہ چھوڑو۔ اور یہ بھی یاد رکھنا! کہ دعا بھی عبادت ہے۔ جتنا عرصہ تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے رہو گے، اس سے مانگتے رہو گے اتنا عرصہ تم عبادت میں رہو گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو۔

زلیخا کا پھسلانا اور یوسف علیہ السلام کا بچنا

مصر کا وزیر اعظم قطفیر ملک کے مختلف علاقوں کے دورے کرتا رہتا تھا۔ دوروں پر کبھی دو دن بعد جاتا، کبھی تین دن بعد جاتا کبھی چار دن بعد جاتا۔ مصر کا رقبہ بھی کافی تھا گھر میں بیوی کے علاوہ کوئی نہیں ہوتا تھا یوسف علیہ السلام گھر میں ہوتے تھے بی بی کے ذہن میں فتور پیدا ہو گیا ﴿وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا﴾ اور پھسلایا اس کو اس عورت نے کہ یوسف علیہ السلام اس کے گھر میں تھے ﴿عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ اس کی خواہش کے بارے میں کہ اس کو کہا کہ میری خواہش پوری کرو ﴿وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ﴾ اور بند کر دیے اس عورت نے دروازے۔ سب دروازوں کو کنڈی لگا دی کہ ایسا نہ ہو کہ اچانک خاوند آ جائے اور ہمیں غیر حالت میں دیکھے اور غیور آدمی اس چیز کو برداشت نہیں کرتا ﴿وَ قَالَتْ هَیْتَ لَكَ﴾ اور کہنے لگی جلدی کرو تجھے کہتی ہوں میری خواہش پوری کرو۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو حسن بھی عطا فرمایا تھا، صحت اور قوت بھی دی تھی مگر ﴿قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ کی پناہ! ﴿اِنَّهٗ رَبِّیْۤ﴾ بے شک وہ میرا آقا ہے ﴿اَحْسَنَ مَثْوَایَ﴾ اچھا بنایا ہے اس نے میرا ٹھکانا۔

اس کی ایک تفسیر یہ بیان کرتے ہیں کہ ﴿اِنَّهٗ﴾ کی ہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے۔ تو معنیٰ ہو گا بے شک وہ اللہ تعالیٰ

میرا رب ہے اس نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا ہے۔ کنوئیں سے نکال کر مجھے یہاں پہنچایا ہے میں اس رب کی نافرمانی کیوں کروں؟ اور ﴿اِنَّہٗ﴾ کی ضمیر کا مرجع ﴿الَّذِیْ﴾ بھی بن سکتا ہے جو ﴿قَالَ الَّذِی اشْتَرٰىہُ﴾ میں ہے۔ تو پھر معنیٰ ہوگا بے شک وہ شخص جس نے مجھے خریدا ہے میرا مجازی رب ہے اس نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا ہے۔ رہنے کے لیے کمرہ دیا ہے، خوراک اور لباس کا انتظام کیا ہے میں اس کے گھر میں اس کی بیوی کے ساتھ ایسی حرکت کروں ﴿مَعَاذَ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ کی پناہ! یہ تو بڑی ظلم کی بات ہے ﴿اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ فلاح نہیں پاتے ظلم کرنے والے۔ ضرور شرمندہ ہوں گے آج نہ سہی کل سہی۔

اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا

کوئی آدمی ظلم و زیادتی کر کے یہ سمجھے کہ میں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ جاؤں گا حَاشَا وَکَلَّا! مہلت مل سکتی ہے مگر بچ نہیں سکتا۔ اور یاد رکھنا! گناہ تم جتنا مرضی چھپ کر کرو یہ خیال نہ کرو کہ میرے اس گناہ اور برائی کا علم کسی کو نہیں ہے ﴿وَاللّٰہُ مُخْرِجٌ مَّا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ﴾ [بقرہ:۷۲] "اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے اس چیز کو جس کو تم چھپاتے تھے۔" حدیث پاک میں آتا ہے کہ "اگر کوئی بندہ ایسی چٹان میں داخل ہو جائے کہ لَا بَابَ لَھَا وَلَا کُوَّۃَ لَھَا اس چٹان کا نہ کوئی دروازہ ہو، نہ روشن دان ہو اور نہ کوئی سوراخ ہو اس میں چھپ کر کوئی کام کرے اللہ تعالیٰ اس کو بھی ظاہر کر دے گا۔" یہ تو ہو سکتا ہے کہ آج ظاہر نہ کرے کل کر دے، پرسوں نہ ظاہر کرے چوتھ کر دے۔ نہ نیکی چھپی رہتی ہے اور نہ بدی الا یہ کہ خدا کو رحم آ جائے اور پردہ ڈال دے یہ الگ بات ہے۔

﴿وَلَقَدْ ھَمَّتْ بِہٖ﴾ اور البتہ تحقیق وہ عورت قصد کر چکی تھی یوسف علیہ السلام کو پھسلانے کا ﴿وَھَمَّ بِھَا﴾ اور وہ بھی قصد کر لیتا اس کا ﴿لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْھَانَ رَبِّہٖ﴾ اگر نہ دیکھتا وہ اپنے رب کی برہان اور دلیل۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ رب کی برہان کیا ہے؟ تو اس کے متعلق محققین فرماتے ہیں کہ رب کی برہان عصمتِ انبیاء ہے۔ خواہشات تو پیغمبروں کے ساتھ بھی ہیں لیکن پیغمبر معصوم ہوتے ہیں نبوت ملنے سے پہلے بھی اور نبوت ملنے کے بعد بھی کفر سے، شرک سے، گناہوں سے۔ تو وہ جو عصمتِ انبیاء ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معصوم رکھا ہے اگر وہ نہ ہوتی تو یوسف علیہ السلام بھی ضرور مبتلا ہو جاتے اور اکثر تفسیروں والے برہان کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی مثالی شکل سامنے آ گئی اور انھوں نے اپنے منہ میں انگلی دبائی ہوئی ہے کہ بیٹا اس کام کے قریب نہ جانا۔ تو برہان رب سے وہ مثالی شکل مراد ہے۔

مثالی شکل کا مفہوم

مثالی شکل کے متعلق بھی بات سمجھ لیں۔ مثالی شکل کا مطلب یہ ہے کہ میری شکل جو تمھارے سامنے ہے یہ حقیقی ہے اس جیسی شکل تمھیں کسی اور جگہ نظر آئے کہ جہاں میں موجود نہ ہوں تو وہ میری مثالی شکل ہوگی۔ جیسے خواب میں لوگ ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں، گفتگو بھی کرتے ہیں، کھاتے پیتے بھی ہیں اور بسا اوقات لڑتے جھگڑتے بھی ہیں۔ یہ مثالی شکلیں ہوتی ہیں اصل کو کوئی پتہ نہیں ہوتا۔ مثلاً: صبح کو اُٹھ کر تم اس سے پوچھو کہ میری تجھ سے ملاقات ہوئی ہے تو وہ کہے گا کہ مجھے تو کوئی علم نہیں ہے۔ تو یہ

ملاقات اس کی شکلِ مثالی سے ہوئی ہے۔

بعض لوگ تو ویسے ہی جھوٹی کہانیاں بیان کرتے رہتے ہیں اور بعض لوگ ثقہ ہوتے ہیں جو سچی بات کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں بزرگ سے ملاقات کی حالاں کہ وہ بزرگ فوت ہو چکے ہوتے ہیں یا وہاں سے دور ہوتے ہیں تو یہ ملاقات ان کی شکلِ مثالی کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ اصل کے ساتھ بلکہ اصل کو پتا ہی نہیں ہوتا کہ مثال کہاں گئی اور کیا کر کے آئی ہے اور کیا کہا ہے۔ تو یہ یعقوب علیہ السلام کی مثالی شکل تھی اس شکل کے آنے سے نہ حاضر وناظر کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے اور نہ علم غیب کا۔ اگر یعقوب علیہ السلام کو علم ہوتا تو روتے روتے ان کی آنکھوں کی بینائی نہ جاتی جیسا کہ آگے تم پڑھو گے کہ روتے روتے ان کی آنکھوں کی بینائی چلی گئی۔ اگر اصل کو پتا ہوتا تو رونے کی کیا ضرورت تھی؟ کہتے میرا بیٹا مصر میں موجود ہے میں اس کو وہاں دیکھ کر آیا ہوں۔

تو فرمایا کہ وہ پھسلانے کا قصد کر چکی تھی اور وہ بھی قصد کر لیتے اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے یعنی عصمت کی مضبوطی نہ ہوتی اور یعقوب علیہ السلام کی شکل سامنے نہ آتی۔ ﴿كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ﴾ اسی طرح تاکہ ہم پھیر دیں اس سے برائی اور بے حیائی کو۔ گناہ تو اور بھی بڑے ہیں مگر زنا بہت بری چیز ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس عورت نے بدکاری کرائی غیر کا نطفہ خاوند کے ساتھ ملایا جنت اس پر حرام ہے۔ اور جنت اس لیے حرام ہے کہ اس میں شرعی ورثاء کی حق تلفی ہوتی ہے۔ کیوں کہ ایسی تو کوئی عورت نہیں ہے جو خاوند کو بتلائے کہ یہ تمھارا نہیں ہے تو غیر کے نطفے کو خاوند کا وارث بنا دیا۔ اس نے زمین بھی لینی ہے، مکان سے بھی حصہ لے گا یہ بڑا سنگین جرم ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى﴾ [بنی اسرائیل: ۳۲] "اور قریب نہ جاؤ زنا کے۔" زنا کرنا تو الگ چیز ہے قریب جانے سے بھی منع فرمایا۔ زنا بڑے گناہوں میں سے ہے جنت اس پر حرام ہے اور جو حکم عورت کا ہے وہی مرد کا ہے کہ اس نے زنا کر کے اپنے نطفے کا غیر کو وارث بنا دیا ہے۔ اس کی زمین بھی لی، مکان بھی لیا بہت گناہ کی بات ہے۔

فرمایا ﴿اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ﴾ بے شک وہ یوسف علیہ السلام ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھے۔ پیغمبر کو رب تعالیٰ منتخب فرماتے ہیں اور پیغمبر سے زیادہ رتبہ اور درجہ کسی کا نہیں ہو سکتا۔ فرمایا وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے اس لیے ہم نے ان کو بچایا اور محفوظ رکھا۔

~~~

﴿وَاسْتَبَقَا الْبَابَ﴾ اور وہ دونوں دوڑے دروازے کی طرف ﴿وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ﴾ اور پھاڑ دیا اس عورت نے یوسف علیہ السلام کا کرتہ ﴿مِنْ دُبُرٍ﴾ پیچھے سے ﴿وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا﴾ اور پایا ان دونوں نے اس کے آقا خاوند کو ﴿لَدَا الْبَابِ﴾ دروازے کے پاس ﴿قَالَتْ﴾ کہنے لگی ﴿مَا جَزَآءُ﴾ کیا سزا ہے ﴿مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ﴾ جو ارادہ کرے تیری بیوی کے ساتھ ﴿سُوْٓءًا﴾ برائی کا ﴿اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ﴾ مگر یہ کہ اس کو قید کیا جائے ﴿اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ یا سزا
~~~

ہو دردناک ﴿قَالَ﴾ کہا یوسف علیہ السلام نے ﴿هِيَ رَاوَدَتْنِي﴾ اس عورت نے مجھے پھسلانا چاہا ہے ﴿عَنْ نَفْسِي﴾ میری خواہش کے بارے میں ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا﴾ اور گواہی دی ایک گواہی دینے والے نے اس عورت کے لوگوں میں سے ﴿إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ﴾ اگر ہو اس کی قمیص ﴿قُدَّ مِنْ قُبُلٍ﴾ پھاڑی گئی سامنے سے ﴿فَصَدَقَتْ﴾ تو یہ سچ کہتی ہے ﴿وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ﴾ اور وہ جھوٹوں میں سے ہے ﴿وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ﴾ اور اگر ہے اس کی قمیص پھاڑی گئی پیچھے سے ﴿فَكَذَبَتْ﴾ تو وہ عورت جھوٹ کہتی ہے ﴿وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ اور یہ سچوں میں سے ہے ﴿فَلَمَّا رَأَى قَمِيصَهُ﴾ پس جب دیکھا عزیز مصر نے اس کی قمیص کو ﴿قُدَّ مِنْ دُبُرٍ﴾ پھاڑی گئی ہے پیچھے سے ﴿قَالَ﴾ کہنے لگا ﴿إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ﴾ بے شک یہ تمھارے فریبوں میں سے ہے ﴿إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ﴾ بے شک تمھاری فریب کاریاں بڑی ہیں ﴿يُوسُفُ﴾ اے یوسف (علیہ السلام)! ﴿أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا﴾ درگزر کر اس بات سے ﴿وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ﴾ اور اے زلیخا! تو معافی مانگ اپنے گناہ سے ﴿إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ﴾ بے شک تو ہی خطا کاروں میں سے ہے۔

کل کے سبق میں تم پڑھ چکے ہو کہ عزیز مصر کی بیوی یوسف علیہ السلام پر فریفتہ ہوگئی اور خواہش پوری کرنے کی اُن کو دعوت دی مگر اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی حفاظت فرمائی۔ جب اس عورت نے دروازے بند کر دیے تو یوسف علیہ السلام نے وہاں سے دوڑ لگا دی۔ وہ عورت بھی ان کو پکڑنے کے لیے ان کے پیچھے دوڑ پڑی۔ اس کا ہاتھ یوسف علیہ السلام کے کرتے تک پہنچا جس سے کرتہ پھٹ گیا اور یوسف علیہ السلام اس کے قابو میں نہ آئے۔ دونوں باہر والے دروازے پر پہنچے تو آگے عزیز مصر بھی کھڑا تھا۔ اس نے بھی دیکھ لیا کہ یوسف علیہ السلام آگے آگے ہیں اور اس کی بیوی پیچھے پیچھے دوڑ رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَاسْتَبَقَا الْبَابَ﴾ اور وہ دونوں یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی دوڑے دروازے کی طرف۔ آگے آگے یوسف تھے برائی سے بچنے کے لیے اور پیچھے پیچھے عزیز مصر کی بیوی تھی جو اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے ان کو پکڑنا چاہتی تھی۔ اس نے پیچھے سے قمیص پکڑ لی ﴿وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ﴾ اس عورت نے یوسف علیہ السلام کی قمیص پیچھے سے پھاڑ دی اور یوسف علیہ السلام دروازے سے باہر نکل گئے۔ زلیخا بھی پیچھے آ رہی تھی ﴿وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ﴾ اور پایا ان دونوں نے اس عورت کے خاوند اور آقا کو یعنی عزیز کو دروازے کے پاس۔ وہ سفر سے واپس آئے تھے۔

زلیخا کی مکاری

جب زلیخا نے اپنے خاوند کو دیکھا تو فوراً پینترا بدلا اور الٹا یوسف علیہ السلام کو قصوروار ٹھہرانے کی کوشش کی ﴿قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا﴾ کہنے لگی کیا سزا ہے اس کی جو ارادہ کرتا ہے تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ﴿إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ﴾ مگر یہ کہ اس

کو قید کیا جائے ﴿ اَوۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴾ یا اور کوئی سزا ہو دردناک یعنی پٹائی وغیرہ کی جائے۔ اس موقع پر اگر یوسف علیہ السلام خاموشی اختیار کرتے تو اس عورت کی بات کی تصدیق ہو جاتی لہٰذا آپ نے اپنی صفائی کا حق استعمال کیا ﴿ قَالَ ﴾ کہا یوسف علیہ السلام نے ﴿ هِیَ رَاوَدَتۡنِیۡ عَنۡ نَّفۡسِیۡ ﴾ اس عورت نے مجھے پھسلانا چاہا ہے میری خواہش کے بارے میں یعنی مجھے برائی پر آمادہ کرنا چاہتی تھی میں نے دوڑ لگا کر اپنی عزت بچائی ہے اور یہ جو کچھ کہہ رہی ہے غلط ہے، اس کا بیان حقیقت کے خلاف ہے۔

اب فیصلہ کس طرح ہو؟ وہ کہتی ہے میں سچی ہوں اور یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں سچا ہوں۔ جب عزیز مصر کے لیے حقیقتِ حال معلوم کرنا مشکل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے یہ انتظام فرمایا کہ ﴿ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۡ اَهۡلِهَا ﴾ اور گواہی دی ایک گواہی دینے والے نے اس عورت کے خاندان کے لوگوں میں سے۔ کیا گواہی دی؟ فرمایا اِنۡ كَانَ قَمِیۡصُهٗ قُدَّ مِنۡ قُبُلٍ ﴾ اگر ہو یوسف علیہ السلام کی قمیص پھاڑی گئی سامنے سے، آگے سے ﴿ فَصَدَقَتۡ ﴾ تو زلیخا سچی ہے ﴿ وَهُوَ مِنَ الۡكٰذِبِیۡنَ ﴾ اور وہ جھوٹوں میں سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اقدام کیا ہے اور وہ بچنا چاہتی تھی ﴿ وَاِنۡ كَانَ قَمِیۡصُهٗ قُدَّ مِنۡ دُبُرٍ ﴾ اور اگر ہے یوسف کی قمیص پھٹی ہوئی پیچھے سے ﴿ فَكَذَبَتۡ ﴾ تو وہ عورت جھوٹ کہتی ہے ﴿ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴾ اور وہ یوسف علیہ السلام سچوں میں سے ہیں کہ وہ بھاگ رہے تھے زلیخا نے پیچھے سے پکڑنے کی کوشش کی اور قمیص پھاڑ دیا۔

قرائن کی شہادت سے قطعی فیصلہ تو نہیں ہو سکتا البتہ مدد مل سکتی ہے

یہ قرائن کی شہادت تھی قرائن کی شہادت سے قطعی فیصلہ تو نہیں ہو سکتا البتہ فیصلہ کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ کیوں کہ فیصلہ کا مدار گواہی ہے قطعی فیصلہ گواہی پر ہوتا ہے۔ البتہ علامتوں سے فیصلے میں مدد ضرور مل سکتی ہے اور اگر گواہی کسی کے پاس نہ ہو اور کئی دعوے دار ہوں تو پھر فیصلہ علامات اور قرائن سے ہو سکتا ہے۔

مثلاً: تابعین اور تبع تابعین کے دور میں قاضی ایاس کے پاس کاتی ہوئی اون یا روئی کی ایک اٹی لائی گئی جس کی ملکیت کی دعوے دار دو عورتیں تھیں۔ قاضی صاحب نے دونوں عورتوں کو ایک ایک کر کے بلایا اور پوچھا کہ یہ سوت تم نے کس چیز پر لپیٹا تھا ایک عورت نے کہا کہ روٹی کے ایک ٹکڑے پر لپیٹا تھا اور دوسری نے کہا کہ اخروٹ کے دانے پر لپیٹا تھا چنانچہ اٹی کو آخر تک کھولا گیا اور اس میں سے جس عورت کے بیان کے مطابق چیز نکلی اس کے حق میں فیصلہ دے دیا گیا۔ گویا یہ فیصلہ بھی علامت پر تھا تو قرائن کی یہ شہادت عزیز مصر کو پسند آئی ﴿ فَلَمَّا رَاٰ قَمِیۡصَهٗ قُدَّ مِنۡ دُبُرٍ ﴾ پس جب دیکھا عزیز مصر نے اس کی قمیص کو پھاڑی گئی ہے پیچھے سے ﴿ قَالَ ﴾ کہنے لگا ﴿ اِنَّهٗ مِنۡ كَیۡدِكُنَّ ﴾ بے شک یہ تمھارے فریبوں میں سے ہے۔ یعنی تیرا بیان جھوٹ پر مبنی ہے اور حقیقت یہ ہے ﴿ اِنَّ كَیۡدَكُنَّ عَظِیۡمٌ ﴾ بے شک تم عورتوں کی فریب کاریاں بہت بڑی ہیں۔ اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ گواہی دینے والا ایک شیر خوار بچہ تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے بولنے کی طاقت عطا فرمائی اور اس نے یوسف علیہ السلام کی صداقت کی گواہی دی۔

تین بچوں نے پنگھوڑے میں گفتگو کی

اور بخاری شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تین بچوں نے گہوارے میں گفتگو کی ہے۔ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنھوں نے اپنی نبوت کی گواہی دی اور اس میں والدہ کی پاک دامنی بھی واضح ہوگئی اور دوسرا ایک راہب تھا جس کا نام جریج تھا۔وہ بڑا نیک اور پارسا آدمی تھا اور ایسے شخص کے دشمن عموماً بہت سے فاسق، فاجر اور شیطان کے پیرو لوگ ہوتے ہیں۔ہوا اس طرح کہ ایک عورت کے ہاں بچہ ہوا جس کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی تھی۔اس سے لوگوں نے پوچھا کہ یہ بچہ کس کا ہے؟ اس نے کہا یہ جریج راہب کا ہے۔لوگ اکٹھے ہو کر جریج کے پاس گئے اس کو برا بھلا کہا کہ تو نے یہ حرکت کی ہے۔اس نے کہا مجھے وہاں لے چلو وہ عورت اور بچہ کہاں ہے وہاں گئے تو جریج نے لاٹھی بچے کے سینے پر رکھ کر کہا کہ بتا بچے تیرا باپ کون ہے؟ تو اس نے بول کر بتایا کہ فلاں چرواہا ہے۔اب لگے ان سے اپنی زیادتی کی معافیاں مانگنے۔اس نے کہا کوئی بات نہیں میری والدہ نے بددعا دی تھی وہ پوری ہوگئی ہے۔چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (بنی اسرائیل میں) ایک عورت تھی اس نے اپنے بیٹے کو آواز دی وہ اپنے عبادت خانے میں تھا۔کہنے لگی جریج! جریج نے کہا یا اللہ! میں کیا کروں نماز پڑھوں یا ماں کو جواب دوں؟ تین مرتبہ والدہ نے آواز دی مگر اس نے جواب نہ دیا کہ نماز پڑھوں یا والدہ کو جواب دوں۔بالآخر والدہ نے تنگ آکر بددعا کی کہ یا اللہ! جریج اس وقت تک نہ مرے جب تک کنجریوں کا منہ نہ دیکھ لے۔تو فرمایا کہ میری والدہ کی بددعا پوری ہوگئی ہے۔اور تیسرا ایک بچہ تھا جو اپنی ماں کا دودھ پیتا تھا۔ادھر سے ایک آدمی بڑا خوب صورت، خوش لباس گزرا۔ماں نے کہا اے پروردگار! میرے بچے کو بھی ایسا ہی بنانا تو بچہ بول پڑا کہ پروردگار! مجھے ایسا نہ بنانا۔ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں چار بچوں کے بولنے کا ذکر ہے۔اس میں یوسف علیہ السلام کی گواہی دینے والے بچے کا بھی ذکر ہے۔

تو یوسف علیہ السلام کے حق میں گواہی ایک شیر خوار بچے نے دی۔ایسا نہیں ہے جیسا کہ مودودی صاحب نے تفسیر بیان کی ہے کہ ممکن ہے گواہی دینے والا ایک جج اور مجسٹریٹ ہو، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اس کا مطلب یہ بنے گا کہ وزیر اعظم صاحب جج یا مجسٹریٹ کے پاس گیا ہوگا کہ میری بیوی کا یہ حال ہے۔تو یہ کوئی عقل کی بات ہے؟ بلکہ یہ بات تو عقل کے خلاف ہے کہ وہ جج اور مجسٹریٹ کو جا کر کہے کہ میری بیوی کا یہ معاملہ ہے۔اور مودودی صاحب کی بات نقل کے بھی خلاف ہے جیسا کہ تم حدیث سن چکے ہو۔اور یہ بات بھی ذہن نشین کرلیں کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی فریب کاری کے متعلق فرمایا ہے کہ تمھاری مکاری بہت بڑی ہے۔جب کہ شیطان کے متعلق فرمایا ﴿اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا﴾ [النساء:۷۶] "شیطان کی مکاری تو کمزور ہے۔" اس لیے عورتوں کی مکاری سے چوکنا رہنا چاہیے۔

بہر حال عزیز مصر نے اپنی بیوی کے خلاف فیصلہ دیتے ہوئے فرمایا ﴿يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا﴾ اے یوسف (علیہ السلام) اس معاملے سے درگزر کرو، معاف کردو، چھوڑ دو۔اور ادھر اپنی بیوی سے کہا ﴿وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ﴾ اور

اے زلیخا! تو معافی مانگ اپنے گناہ سے بے شک تو ہی خطا کاروں میں سے ہے۔ غلطی کا ارتکاب تو نے کیا ہے اور یوسف علیہ السلام پر غلط الزام لگایا ہے اور پھر خود جج بن کر اس کو سزا دلوانے کا بھی کہا ہے۔

﴿وَقَالَ نِسْوَةٌ﴾ اور کہا کچھ عورتوں نے ﴿فِي الْمَدِينَةِ﴾ شہر میں ﴿امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا﴾ عزیز کی بیوی پھسلاتی ہے اپنے غلام کو ﴿عَن نَّفْسِهِ﴾ اس کی خواہش کے بارے میں ﴿قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا﴾ تحقیق وہ اس کی محبت میں فریفتہ ہوگئی ہے ﴿إِنَّا لَنَرَاهَا﴾ بے شک ہم دیکھتی ہیں اس کو ﴿فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ کھلی گمراہی میں ﴿فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ﴾ پس جب سنی عزیز مصر کی بیوی نے ان عورتوں کی فریب کاری کی باتیں ﴿أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ﴾ تو ان کی طرف پیغام بھیجا ﴿وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً﴾ اور تیار کی ان کے لیے مجلس طعام ﴿وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ﴾ اور دی اس نے ہر ایک کو ﴿مِّنْهُنَّ سِكِّينًا﴾ ان میں سے چھری ﴿وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ﴾ اور اس نے کہا یوسف علیہ السلام سے کہ نکل آؤ ان کے سامنے ﴿فَلَمَّا رَأَيْنَهُ﴾ پس جب ان عورتوں نے اس کو دیکھا ﴿أَكْبَرْنَهُ﴾ تو اس کو بڑا خیال کیا ﴿وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ﴾ اور کاٹ ڈالے انھوں نے اپنے ہاتھ ﴿وَقُلْنَ﴾ اور کہنے لگیں ﴿حَاشَ لِلَّهِ﴾ وہ پاک ہے اللہ تعالیٰ ﴿مَا هَٰذَا بَشَرًا﴾ نہیں ہے یہ بشر ﴿إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ﴾ نہیں ہے مگر بزرگ فرشتہ ﴿قَالَتْ﴾ زلیخا نے کہا ﴿فَذَٰلِكُنَّ الَّذِي﴾ یہ وہی ہے ﴿لُمْتُنَّنِي فِيهِ﴾ کہ تم ملامت کرتی تھیں مجھے اس کے بارے میں ﴿وَلَقَدْ رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ﴾ اور البتہ تحقیق میں نے اس سے مطالبہ کیا تھا اس کی خواہش کے بارے میں ﴿فَاسْتَعْصَمَ﴾ مگر وہ بچا ہے بڑی سختی کے ساتھ ﴿وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ﴾ اور اگر وہ نہیں کرے گا ﴿مَا آمُرُهُ﴾ وہ کارروائی جو میں اس کو کہتی ہوں ﴿لَيُسْجَنَنَّ﴾ تو ضرور وہ قید میں ڈالا جائے گا ﴿وَلَيَكُونًا مِّنَ الصَّاغِرِينَ﴾ اور ہو جائے گا وہ بے عزت ﴿قَالَ﴾ کہا یوسف علیہ السلام نے ﴿رَبِّ﴾ اے میرے پروردگار! ﴿السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ﴾ قید خانہ زیادہ اچھا ہے میرے نزدیک ﴿مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ﴾ اس چیز سے جس کی طرف یہ عورتیں مجھے بلاتی ہیں ﴿وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ﴾ اور اگر تو نہیں پھیرے گا مجھ سے ان عورتوں کے مکر کو ﴿أَصْبُ إِلَيْهِنَّ﴾ تو میں مائل ہو سکتا ہوں ان کی طرف ﴿وَأَكُن مِّنَ الْجَاهِلِينَ﴾ اور ہو جاؤں گا میں نادانوں میں سے ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ﴾ پس قبول کی اس کے پروردگار نے اس کی دعا ﴿فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ﴾ پس پھیر دیا اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام سے ان کا مکر ﴿إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ بے شک رب تعالیٰ ہی سننے والا اور جاننے والا ہے ﴿ثُمَّ بَدَا لَهُم﴾ پھر واضح ہوئی بات ان سب

کے سامنے ﴿مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا رَاَوُا الۡاٰیٰتِ﴾ بعد اس کے کہ کئی نشانیاں دیکھ چکے تھے ﴿لَیَسۡجُنُنَّهٗ﴾ البتہ ضرور اس کو قید میں رکھیں ﴿حَتّٰی حِیۡنٍ﴾ ایک وقت تک۔

کل کے سبق میں تم نے پڑھا اور سنا کہ عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو برائی کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو محفوظ رکھا کیوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے۔ زلیخا نے کمرے میں بلا کر کمرے کی کنڈی بھی لگا دی مگر یوسف علیہ السلام نے بھاگ کر عزت بچائی۔ اس نے پیچھے سے قمیص کو پکڑا جس سے وہ پھٹ گیا دروازے پر پہنچے تو وہاں عزیز مصر کو پایا۔ زلیخا نے فوراً پینترا بدلا اور یوسف علیہ السلام پر برائی کا الزام لگا دیا۔ یوسف علیہ السلام نے جواباً اپنی صفائی پیش کی اور شیر خوار بچے نے یوسف علیہ السلام کی صداقت کی گواہی دی۔ عزیز مصر نے ہر چند اس واقعہ کو چھپانے کی کوشش کی مگر بات پھر بھی کسی نہ کسی طرح ظاہر ہوگئی اور شہر میں اس واقعہ کے تذکرے ہونے لگے اور عزیز مصر کی بیوی کی جو ہم پلہ عورتیں تھیں ان کے لیے یہ واقعہ خاص طور پر موضوع سخن بن گیا۔ آج کے درس میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

فرمایا ﴿وَقَالَ نِسۡوَۃٌ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ﴾ اور کہا کچھ عورتوں نے شہر میں۔ ظاہر بات ہے کہ عزیز مصر کی بیوی کا تعلق شہر کی اونچی سوسائٹی سے تھا جس میں بڑے بڑے اُمراء اور وزراء کی بیویاں شامل تھیں۔ انھوں نے آپس میں چہ میگوئیاں شروع کر دیں کہ ﴿امۡرَاَتُ الۡعَزِیۡزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنۡ نَّفۡسِهٖ﴾ عزیز کی بیوی پھسلاتی ہے اپنے غلام کو اس کی خواہش کے بارے میں کہ وہ میری خواہش پوری کرے۔ اس کو کیا ہوگیا ہے؟ ﴿قَدۡ شَغَفَهَا حُبًّا﴾ تحقیق وہ اس کی محبت میں فریفتہ ہوگئی ہے کہ زلیخا کنعانی غلام کو دل دے بیٹھی ہے۔ غلام کی معاشرے میں کوئی حیثیت نہیں ہوتی لہٰذا ایک اعلیٰ خاندان کی عورت کا غلام پر فریفتہ ہونا زیادہ قابل ملامت ہے۔ ﴿اِنَّا لَنَرٰىهَا فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ﴾ بے شک ہم دیکھتی ہیں اس کو کھلی گمراہی میں۔ اس کی صریح غلطی ہے کہ غلام پر فریفتہ ہوگئی اگر ہونا ہی تھا تو وزیر داخلہ یا وزیر بلدیات پر فریفتہ ہوتی۔ جب شہر میں زلیخا کے خلاف اس قسم کا پروپیگنڈہ شروع ہوگیا اس تک بھی بات پہنچ گئی کہ میرے متعلق اس قسم کی باتیں ہو رہی ہیں تو اس نے اپنے دفاع میں تدبیر کی کہ میرا اس پر فریفتہ ہونا بلا وجہ نہیں ہے۔

مصر کی عورتوں کی زلیخا پر الزام تراشی اور زلیخا کا دفاع کرنا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَمَّا سَمِعَتۡ بِمَكۡرِهِنَّ﴾ پس جب سنی عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے ان عورتوں کی فریب کاری کی باتیں ﴿اَرۡسَلَتۡ اِلَیۡهِنَّ﴾ اور ان کی طرف پیغام بھیجا ﴿وَاَعۡتَدَتۡ لَهُنَّ مُتَّكَاً﴾ اور ان کے لیے مجلس طعام کا اہتمام کیا۔ ﴿مُتَّكَاً﴾ کا لغوی معنیٰ ہے تکیہ گاہ، یعنی ایسی نشستیں جن پر تکیے لگائے ہوئے ہوں۔ عرب کا رواج یہی تھا کہ فرش پر قالین بچھا کر ہر مہمان کے لیے تکیہ رکھ دیا جاتا تھا جس سے ٹیک لگا کر مہمان بیٹھتے تھے پھر ان کے سامنے چھوٹے میز رکھے جاتے تھے جن کو خوان کہتے تھے ان میزوں پر کھانا رکھا جاتا کہ مہمان جھکے بغیر آسانی سے کھا لے۔

بہرحال زلیخا نے ہم طبقہ عورتوں کے لیے کھانے کا انتظام کیا اور نہایت باعزت طریقے سے ان کو اپنے گھر بلایا تاکہ اعتراض کرنے والیوں پر واضح کر سکے کہ جس پر وہ دل نثار کر چکی ہے وہ کوئی معمولی شخصیت نہیں ہے۔ جب تمام عورتیں اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئیں اور ان کے آگے کھانا چن دیا گیا ﴿وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا﴾ اور دی اس نے ان میں سے ہر ایک کو چھری۔ گوشت کاٹ کے کھانے کے لیے یا پھل کاٹ کے کھانے کے لیے۔ تو زلیخا نے اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے یہ تدبیر اختیار کی ﴿وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ﴾ اور کہا زلیخا نے یوسف علیہ السلام سے کہ نکل آ ؤ ان کے سامنے۔ مالکہ کے حکم کی تکمیل میں یوسف علیہ السلام نہایت اطمینان کے ساتھ مہمان عورتوں کے سامنے سے گزر گئے اور کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا ﴿فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ﴾ پس جب ان عورتوں نے دیکھا یوسف علیہ السلام کو تو اس کو بڑا خیال کیا کہ یہ تو کوئی بڑی ہستی ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ معراج کی رات جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیسرے آسمان پر پہنچے تو یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے کہ یوسف علیہ السلام کو دنیا کے کل حسن و جمال کا نصف حصہ دیا گیا ہے اور باقی نصف باقی ساری مخلوق کو تقسیم کیا گیا ہے۔ بہرحال ان عورتوں پر یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کا اس قدر رعب طاری ہوا کہ وہ ہوش و حواس کھو بیٹھیں اور چھری کے ساتھ گوشت یا پھل کاٹنے کی بجائے ﴿وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ﴾ اور کاٹ ڈالے اُنھوں نے اپنے ہاتھ۔ یعنی بے حسی میں ہاتھ کٹ گئے اور مولانا آزاد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿قَطَّعْنَ﴾ معروف کا صیغہ ہے اُنھوں نے خود اپنے ہاتھ کاٹے کہ یہ قریب آئے اور ہمارا خون صاف کرے اور قریب سے تلذذ حاصل کریں۔ بہرحال مہمان عورتیں یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر کہنے لگیں ﴿وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ﴾ اور کہنے لگیں وہ پاک ہے اللہ تعالیٰ جس نے اتنا خوب صورت اور خوب سیرت انسان بنایا۔ ﴿مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ﴾ نہیں ہے یہ بشر نہیں ہے مگر بزرگ فرشتہ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کو دیکھ کر کہنے لگیں کہ یہ تو انسان معلوم ہی نہیں ہوتا یہ تو فرشتہ ہے عزت والا۔

پیغمبر بشر ہوتا ہے:

یہاں پر بدعتی کہتے ہیں کہ دیکھو مصر کی عورتوں نے کہا یہ بشر نہیں ہے یہ فرشتہ ہے تو معلوم ہوا کہ پیغمبر بشر نہیں ہے۔ بڑی عجیب بات ہے پیغمبر خود فرماتے ہیں ﴿هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ [اسراء: ۹۳] "نہیں ہوں میں مگر ایک انسان اور خدا کا پیغمبر۔" اور سورہ ابراہیم آیت نمبر ۱۱ میں ہے ﴿قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ "کہا ان کو ان کے رسولوں نے نہیں ہیں ہم مگر انسان تمھارے جیسے ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ احسان فرماتا ہے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے۔" اور اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں کہ پیغمبر بشر ہوتے ہیں۔ فرمایا ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [آل عمران: ۷۹] "کسی بشر کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ ہو جاؤ تم میرے بندے اللہ کے سوا۔" اس کے علاوہ اور بہت سی آیات

ہیں جن میں پیغمبروں کی بشریت کا ذکر ہے۔لیکن یہ بدعتی نہ اللہ تعالیٰ کی بات ماننے کے لیے تیار ہیں اور نہ پیغمبر کی بات ان کے لیے حجت ہے مگر مصر کی مکار عورتوں کی بات ان کے لیے حجت ہے۔جیسی روح ویسے فرشتے۔

بخاری جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۵۸ اور مسلم شریف جلد نمبر صفحہ نمبر ۲۱۳ میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اپنا منصب بیان کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ " کہ میں تمھاری طرح کا بشر ہوں۔" اور اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کَانَ رَسُوْلُ اللہِ یَخْصِفُ نَعْلَہٗ " کہ آنحضرت ﷺ پیوند لگاتے تھے اپنے جوتے مبارک کو وَیَخِیْطُ ثَوْبَہٗ اور سیتے تھے کپڑے کو وَیَعْمَلُ فِیْ بَیْتِہٖ اور کام کرتے تھے اپنے گھر میں کَمَا یَعْمَلُ اَحَدُکُمْ جیسے کہ تم اپنے گھروں میں کام کرتے ہو وَقَالَتْ اور فرماتی ہیں کَانَ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ آنحضرت ﷺ بشر میں سے بشر تھے یَفْلِیْ ثَوْبَہٗ اپنے کپڑوں سے جوئیں بھی تلاش کرتے تھے وَ یَحْلِبُ شَاتَہٗ اور دودھ نکالتے اپنی بکری کا وَ یَخْدِمُ نَفْسَہٗ اور خدمت کرتے تھے اپنے نفس کی۔" [مشکوۃ: صفحہ ۵۲۰]

اس حدیث پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھانے کے لیے اعتراض کیا ہے کہ جوئیں تو پیدا ہوتی ہیں بدن کے میل کچیل سے کہ بندہ غسل نہ کرے کپڑے نہ دھوئے تو میل جوئیں بن جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ تو بڑا اہتمام فرماتے تھے اور آپ کا بدن مبارک تو بڑا پاک صاف ہوتا تھا۔ چاہے کپڑے سادے ہوتے تھے مگر ستھرے ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کے بدن مبارک سے جو پسینہ مبارک نکلتا تھا وہ کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوتا تھا اور گرمی کے موسم میں جب پسینہ زیادہ آتا تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع کر کے شیشی میں رکھ لیتے تھے اور اہل خانہ کو وصیت کرتے تھے کہ میری وفات کے بعد سنت کے مطابق خوشبو میرے بدن اور کفن پر چھڑکو گے تو ساتھ یہ پسینہ بھی چھڑک دینا۔تو جس ذات کے بدن کا پسینہ کستوری اور زعفران کو بھی مات دیتا ہو اس کے بدن میں جوئیں کہاں سے پیدا ہو گئیں؟

تو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے دو جواب نقل کیے ہیں۔ پہلا جواب یہ نقل کرتے ہیں کہ خشکی کی وجہ سے بدن میں خارش ہو جاتی ہے اور وہم ہوتا ہے کہ کہیں جوں تو نہیں ہے۔تو آپ ﷺ کرتہ وغیرہ اُتار کر دیکھتے تھے تو کچھ نہیں ہوتا تھا۔یعنی جوئیں تلاش کرنے کے لیے کرتہ اُتارتے تھے ہوتا کچھ نہیں تھا تو یَفْلِیْ ثَوْبَہٗ صحیح ہے۔ اور دوسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ آپ ﷺ غرباء اور مساکین کے ساتھ مل کر بیٹھتے تو ان کے بدنوں سے جوئیں آپ ﷺ کے بدن پر چڑھ جاتی تھیں اگرچہ آپ ﷺ کے بدن میں جوں نہیں ہوتی تھی۔ وہ تنگ کرتی تھیں تو آپ ﷺ ان کو ڈھونڈتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں (کہ اگر مجھے کوئی تکلیف ہوتی تو) گھر میں جھاڑو بھی دے لیتے تھے، اپنا جوتا اور کپڑا سی لیتے تھے سب کام کر لیتے تھے۔

تو جتنے پیغمبر ہیں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی تک، تمام کے تمام انسان تھے، بشر تھے۔ رب کا اپنا قول ہے، پیغمبروں کا ارشاد علیحدہ ہے۔ اس کے مقابلے میں کافر عورتوں کی بات کوئی حجت اور دلیل

نہیں ہے۔ان کا اپنا نظریہ تھا ﴿مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ﴾ یہ بشر نہیں ہے، نہیں ہے یہ مگر فرشتہ ہے عزت والا۔

﴿قَالَتْ﴾ زلیخا نے کہا ﴿فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ﴾ یہ وہ ہے ﴿لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ﴾ کہ تم ملامت کرتی تھیں مجھے جس کے بارے میں۔میں تمھاری باتیں سن چکی ہوں کہ تم نے کہا ہے کہ دیکھو جی! وزیر اعظم کی بیوی ایک غلام پر فریفتہ ہے۔اب تم نے غلام دیکھ لیا ہے یہ نرا غلام نہیں ہے۔ایک دفعہ دیکھنے سے انگلیاں کاٹ لی ہیں۔یہ بات حقیقت ہے کہ ﴿وَ لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ اور البتہ تحقیق میں نے اس سے مطالبہ کیا تھا اس کی خواہش کے بارے میں کہ میری خواہش پوری کرے ﴿فَاسْتَعْصَمَ﴾ مگر وہ بچا ہے بڑی سختی کے ساتھ۔رب تعالیٰ کی شان دیکھو! جو کیسی سچی بات اس کی زبان سے نکلوا رہا ہے اور ان عورتوں کے سامنے یوسف علیہ السلام کی صفائی بیان کر رہی ہے کہ میں نے اس سے مطالبہ کیا تھا اور اس کو پھسلایا تھا لیکن اس نے اپنے آپ کو بڑی سختی اور مضبوطی کے ساتھ بچایا ہے۔﴿وَ لَىِٕنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ﴾ اور اگر وہ نہیں کرے گا وہ کارروائی جو میں اس کو کہتی ہوں، اگر میرے حکم کے مطابق کارروائی نہیں کرے گا ﴿لَیُسْجَنَنَّ﴾ تو ضرور وہ قید میں ڈالا جائے گا ﴿وَ لَیَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ﴾ اور ہو جائے گا وہ بے عزت لوگوں میں سے، ذلیل اور رسوا لوگوں میں سے۔بڑا ذلیل کروں گی اس کو، مار پیٹ کے اس کو قید کر دیں گے۔

اب اس موقع پر خاموش رہنے کا تو کوئی معنیٰ نہیں تھا یوسف علیہ السلام کو بولنا چاہیے تھا اور وہ بولے ﴿قَالَ﴾ کہا یوسف علیہ السلام نے ﴿رَبِّ﴾ اے میرے پروردگار! ﴿السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ﴾ قید خانہ زیادہ اچھا ہے میرے نزدیک، مجھے قید خانہ محبوب ہے ﴿مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ﴾ اس برائی اور شر کی کارروائی سے جس کی طرف یہ عورتیں مجھے دعوت دیتی ہیں۔یہ ﴿یَدْعُوْنَنِیْۤ﴾ جمع مؤنث کا صیغہ ہے، یہ بتلا رہا ہے کہ ان عورتوں نے بھی حق نمک ادا کیا ہوگا۔آخر دعوت اُڑائی ہے اشارے کنایے سے کہا ہوگا کہ دیکھو! تم یہاں رہتے ہو، کھانا کھاتے ہو، کپڑے پہنتے ہو، یہ کرتے ہو وہ کرتے ہو کچھ تو اس کا خیال کرو۔لیکن یوسف علیہ السلام نے کہا اے پروردگار! اس برائی سے مجھے قید خانہ محبوب ہے ﴿وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ﴾ اور اگر تو نہیں پھیرے گا مجھ سے ان عورتوں کے مکر کو ﴿اَصْبُ اِلَیْهِنَّ﴾ تو میں مائل ہو سکتا ہوں ان کی طرف۔انسان ہوں انسانی خواہشات سب میں موجود ہیں اے پروردگار! بچانے والے صرف آپ ہیں اگر میں نے ایسا کام کیا ﴿وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ﴾ اور ہو جاؤں گا میں نادانوں میں سے۔آپ کے احکام اور آپ کے عذاب سے ناواقف لوگوں میں سے ہو جاؤں گا ﴿فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ﴾ پس قبول کی اس کے پروردگار نے اس کی دعا ﴿فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ﴾ پس پھیر دیا اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام سے ان کا مکر ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ بے شک رب تعالیٰ ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

یوسف علیہ السلام کو جیل ڈالنے کی وجہ؟

اب یہ بات سب عورتوں کے سامنے آ گئی مصر کے گھر گھر اور گلی بازاروں میں یوسف علیہ السلام اور زلیخا کا ذکر چل رہا ہے۔وزیر اعظم سوچنے پر مجبور ہو گیا اور یہ فیصلہ کیا کہ اس کو قید خانے میں ڈال دینا چاہیے تا کہ نہ بی بی اس کو دیکھے نہ اکٹھے رہیں اور نہ

خرابی پیدا ہو۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ثُمَّ بَدَا لَهُمْ﴾ پھر واضح ہوئی بات ان سب کے سامنے ﴿مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ﴾ بعد اس کے کہ کئی نشانیاں دیکھ چکے تھے کہ دودھ پیتے بچے نے گواہی دی اور یہ کہ کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یوسف سچے ہیں اور عورت غلط کار ہے۔ پھر عزیز مصر کا خود یقین کر لینا اور زلیخا کا عورتوں کے سامنے کہنا کہ میں نے اس کو کہا تھا اور یہ بچار ہا ہے۔ یہ سب شہادتیں واضح ہیں کہ یوسف علیہ السلام کا قطعاً کوئی قصور اور رجحان نہیں تھا۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سب نشانیاں دیکھنے کے بعد ان کے لیے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ﴿لَيَسْجُنُنَّهٗ﴾ البتہ ضرور اس کو قید میں رکھیں ﴿حَتّٰى حِيْنٍ﴾ ایک وقت تک۔ چنانچہ سات سال بھی لکھے ہیں اور بارہ سال بھی لکھے ہیں اتنا عرصہ یوسف علیہ السلام قید میں رہے۔ بقیہ حصہ آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ﴾ اور داخل ہوئے ان کے ساتھ قید خانے میں ﴿فَتَيٰنِ﴾ دو نوجوان ﴿قَالَ اَحَدُهُمَاۤ﴾ کہا ان دو میں سے ایک نے ﴿اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ﴾ بے شک میں نے خواب میں اپنے آپ کو دیکھا ہے ﴿اَعْصِرُ خَمْرًا﴾ کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں ﴿وَ قَالَ الْاٰخَرُ﴾ اور کہا دوسرے نے ﴿اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ﴾ بے شک میں نے خواب میں اپنے آپ کو دیکھا ہے ﴿اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ﴾ اُٹھا رہا ہوں میں اپنے سر پر ﴿خُبْزًا﴾ روٹیاں ﴿تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ﴾ پرندے ان روٹیوں کو کھا رہے ہیں ﴿نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ﴾ بتلاؤ ہمیں اس کی تعبیر ﴿اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ بے شک ہم آپ کو دیکھتے ہیں نیکی کرنے والوں میں سے ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ﴾ نہیں آئے گا تمھارے پاس کھانا ﴿تُرْزَقٰنِهٖۤ﴾ جو تمھیں دیا جاتا ہے ﴿اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ﴾ مگر میں بتا دوں گا تمھیں تمھارے خوابوں کی تعبیر ﴿قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا﴾ اس سے پہلے کہ کھانا تمھارے پاس آئے ﴿ذٰلِكُمَا﴾ یہ ﴿مِمَّا﴾ وہ چیز ہے ﴿عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ﴾ جو تعلیم دی ہے مجھ کو میرے رب نے ﴿اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ﴾ بے شک میں نے چھوڑی ہے ملت اس قوم کی ﴿لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ وہ قوم جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لائی ﴿وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ اور خود آخرت کی منکر ہے ﴿وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْۤ﴾ اور میں نے پیروی کی اپنے آباء واجداد کی ملت کی ﴿اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ﴾ جو ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام ہیں ﴿مَا كَانَ لَنَاۤ﴾ ہمیں کوئی حق نہیں ہے ﴿اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ یہ کہ ہم شریک ٹھہرائیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو ﴿ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ہمارے اوپر ﴿وَ عَلَى النَّاسِ﴾ اور لوگوں پر بھی ﴿وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ شکر یہ ادا نہیں کرتے ﴿يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ﴾ اے میرے قید خانے کے دو ساتھیو! ﴿ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ﴾ کیا بہت سے معبود

رب جو بکھرے ہوئے ہیں ﴿خَيْرٌ﴾ بہتر ہیں ﴿اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ یا اللہ تعالیٰ ہی جو اکیلا ہے اور سب پر غالب ہے ﴿مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ﴾ نہیں عبادت کرتے تم اللہ تعالیٰ سے نیچے ﴿اِلَّآ اَسْمَآءً﴾ مگر کچھ ناموں کی ﴿سَمَّيْتُمُوْهَآ﴾ نام رکھ دیئے ہیں ﴿اَنْتُمْ﴾ تم نے ﴿وَاٰبَآؤُكُمْ﴾ اور تمھارے آباؤ اجداد نے ﴿مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ نہیں نازل کی اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی سند اور دلیل ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ نہیں ہے حکم مگر صرف اللہ تعالیٰ کا ﴿اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا﴾ اس نے حکم دیا ہے یہ کہ تم نہ عبادت کرو ﴿اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ مگر اللہ کی ﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ یہی سیدھا دین ہے ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

گزشتہ درس میں تم یہ بات سن چکے ہو کہ یوسف علیہ السلام کی بے گناہی ثابت ہونے کے باوجود اُنھوں نے یوسف علیہ السلام کو جیل میں ڈال دیا اس خیال کے پیشِ نظر کہ اس گھر میں رہتے ہوئے بی بی نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑنا لہٰذا جیل میں ڈال دو نظر سے اوجھل رہیں گے تو شاید بی بی بھول جائے گی۔ یہ تصور یوسف علیہ السلام کو قید خانے میں لے گیا۔ جس دن یوسف علیہ السلام کو قید خانے میں داخل کیا گیا دو نوجوان اور ان کے ساتھ اسی وقت داخل کیے گئے یہ دونوں جوان مصر کے بادشاہ ریان ابن ولید کے خادم تھے۔

یوسف علیہ السلام کے ساتھیوں کی جیل جانے کی وجہ؟

ایک ساقی تھا پانی پلانے والا جس کا نام بعض ابوحا بتلاتے ہیں اور بعض یونا بتلاتے ہیں اور دوسرا باورچی تھا اس کا نام بعض مخلا بتلاتے ہیں اور بعض غالب بتلاتے ہیں۔ ان دونوں پر الزام تھا کہ اُنھوں نے بادشاہ کو زہر دینے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ معاملہ اس طرح ہوا کہ بادشاہ کی جو مخالف قوتیں تھیں اُنھوں نے ریان ابن ولید کو راستے سے ہٹانے کا آسان راستہ نکالا کہ اس کے خادموں کو خرید کر اس کو زہر دے کر ختم کر دو کہ بادشاہ کو ویسے قتل کرانا مشکل سا معاملہ ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے خادموں کے ساتھ میل جول کیا، تعلقات بنائے کہ ان کو زہر دینے پر آمادہ کریں۔ چنانچہ اُنھوں نے پہلے ابوحا ساقی کے ساتھ میل جول کیا جب اس کے سامنے اپنے مقصد کا اظہار کیا اور بڑا لالچ بھی دیا کہ ہم تم کو اتنا کچھ دیں گے، یہ دیں گے اور وہ دیں گے۔ ابوحا ساقی نے کہا کہ وہ میرا آقا ہے، میرا محسن ہے اور میرے حق میں بہت اچھا ہے میں اپنے محسن کا احسان کیوں برباد کروں؟ پھر کرسی اور اقتدار کی کوشش تو تمھاری ہے میں خواہ مخواہ اس کو زہر دے کر ماردوں مجھ سے اس کی توقع بالکل نہ رکھنا اور مجھے تمھارے اس لالچ کی بھی ضرورت نہیں ہے میرا محسن بادشاہ جو تنخواہ مجھے دیتا ہے مجھے کافی ہے اور اگر تم نے میرے ساتھ دوبارہ بات کی تو میں بادشاہ کو بتلادوں گا۔

جب وہ ساقی سے نا اُمید ہو گئے تو کچھ عرصہ کے بعد اُنھوں نے باورچی کے ساتھ میل جول شروع کیا۔ وہ لالچی آدمی تھا اس کو لالچ دیا کہ ہم تجھے اتنی رقم دیں گے تم موقع پا کر بادشاہ کو زہر دے دینا ہم اس سے بہت تنگ ہیں۔ لالچ دنیا میں بہت بری

بلا ہے۔ باورچی ان کے چکمے میں آ گیا اور جو ساقی تھا وہ جستجو میں رہتا کیونکہ پہلے اس سے بات ہوئی تھی تو باورچی جب کھانا تیار کرتا تو وہ اس پر نظر رکھتا تھا کہ یہ شرارت نہ کرے۔ چنانچہ اُس نے موقع پا کر کھانے میں زہر ملا دیا۔ ساقی نے دیکھ لیا۔ جس وقت کھانا بادشاہ کے سامنے رکھا گیا تو ساقی جگ وغیرہ پکڑ لایا کہ پانی پلانا ہے، شراب پلانی ہے۔ باورچی کچھ کھانا رکھ کر کچھ باورچی خانے سے لینے گیا تو ساقی نے کہہ دیا بادشاہ سلامت کھانا احتیاط سے کھائیں۔ بادشاہ کے لیے اتنی بات کافی تھی وہ سمجھ گیا اس نے فوراً ڈاکٹر طلب کیے اور کھانا ٹیسٹ کرایا تو زہر نکلا۔ باورچی نے کہا کہ ساقی نے ڈالا ہے ساقی نے کہا کہ باورچی نے ڈالا ہے تو دونوں کو جیل میں ڈال دیا گیا کہ ایک تو مجرم ہے اور ایک کو شبہ میں دونوں میں سے ایک تو مجرم ہے تحقیق کے بعد جس پر جرم ثابت ہوگا اس کو سزا دی جائے گی۔ اس کا ذکر ہے۔

﴿وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ﴾ اور داخل ہوئے یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید خانے میں دو نوجوان۔ کچھ دنوں کے بعد اُنھوں نے خواب دیکھے ﴿قَالَ اَحَدُهُمَآ﴾ ان میں سے ایک نے کہا جو ساقی تھا ﴿اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا﴾ بے شک میں نے خواب میں اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں، شراب بنا رہا ہوں، شراب نکال رہا ہوں بس خواب صرف اتنا ہے۔ ﴿وَقَالَ الْاٰخَرُ﴾ اور دوسرے نے کہا ﴿اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا﴾ بے شک میں نے خواب میں اپنے آپ کو دیکھا ہے میں نے اپنے سر پر روٹیوں کا چھابا (ٹوکرا) اٹھایا ہوا ہے ﴿تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ﴾ پرندے ان روٹیوں کو کھا رہے ہیں ﴿نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ﴾ بتلاؤ ہمیں اس کی تعبیر۔ آپ ہمیں ہمارے خواب کی تعبیر بتائیں ﴿اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ بے شک ہم آپ کو دیکھتے ہیں نیکی کرنے والوں میں سے۔ بڑے نیک آدمی ہو اس لیے خواب کی تعبیر بتلاؤ۔

یوسف علیہ السلام نے دورانِ قید میں بھی توحید کا سبق دیا:

حضرت یوسف علیہ السلام نے موقع غنیمت سمجھا عقیدہ توحید بیان کرنے کے لیے ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ﴾ نہیں آئے گا تمھارے پاس کھانا ﴿تُرْزَقٰنِهٖٓ﴾ جو تمھیں دیا جاتا ہے وقت پر ﴿اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ﴾ مگر میں بتا دوں گا تمھیں تمھارے خوابوں کی تعبیر۔ مثلاً: تمھیں ایک کھانا دوپہر کے وقت ملتا ہے تو میں تمھیں اس کھانے سے پہلے تمھارے خواب کی تعبیر بتا دوں گا ﴿قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا﴾ اس سے پہلے کہ کھانا تمھارے پاس آئے ﴿ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ﴾ یہ وہ چیز ہے جو تعلیم دی ہے مجھ کو میرے رب نے۔ یعنی یہ خوابوں کی تعبیر وہ فن ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے مگر اس سے پہلے میں نے تمھیں ایک ضروری بات کہنی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے کہ اس وقت پھنسے ہوئے ہیں میری بات کو توجہ سے سنیں گے ان کو رب تعالیٰ کی توحید کا سبق دیا، قیامت سمجھائی، اپنے باپ دادا جو پیغمبر تھے ان کا نام لے کر رسالت کا ذکر کیا اور اس طرح اپنا فریضہ ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے جیل میں بھی حق کی تبلیغ کی۔

فرمایا ﴿اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ بے شک میں نے چھوڑی ہے ملت اس قوم کی جو قوم اللہ تعالیٰ پر ایمان

نہیں رکھتی ﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ اور خود وہ آخرت کی بھی منکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان نہ لانے کا مطلب سمجھ لیں۔ میں یہ بات کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ مشرک لوگ رب تعالیٰ کے وجود کے منکر نہیں تھے نہ پہلے مشرک منکر تھے اور نہ اس زمانے کے مشرک رب تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں۔ مشرک رب تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں اور اس کو رب، خالق، مالک بھی مانتے ہیں مگر اس کی صفات میں انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بلند ہے اور ہم بہت پست لوگ ہیں (اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن اس سے آگے جو نتیجہ نکالتے ہیں وہ غلط ہے۔) کہ ہماری رب تعالیٰ تک رسائی نہیں ہوسکتی جب تک ولیوں کی سیڑھیاں نہ لگائیں ﴿وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [یونس: ۱۸] "اور کہتے ہیں یہ لوگ (جن کی ہم عبادت کرتے ہیں، سو رتے پکارتے ہیں) یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس۔"

اور سورۃ زمر آیت نمبر ۳ میں ہے، کہتے ہیں ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ "ہم ان کی پوجا پاٹ نہیں کرتے مگر اس لیے کہ یہ ہمیں رتبے اور درجے میں اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں۔" تو مشرک لوگ رب تعالیٰ کے وجود کے منکر نہیں ہیں بلکہ رب تعالیٰ کے ساتھ بڑی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ آٹھویں پارے میں تم پڑھ چکے ہو مشرکین زمین کی پیداوار میں سے رب تعالیٰ کا حصہ بھی نکالتے تھے اور اپنے دوسرے معبودوں اور شریکوں کا حصہ بھی نکالتے تھے۔ ﴿فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ﴾ "پس کہا انھوں نے یہ اللہ کا حصہ ہے اپنے خیال سے ﴿وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا﴾ اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے ہے۔" یعنی لات، منات، عزیٰ وغیرہ کے لیے۔

تو مشرک پہلے رب تعالیٰ کا حصہ نکالتے تھے پھر اپنے دوسرے معبودوں کا حصہ نکالتے تھے اور اسی مقام پر آٹھویں پارے میں مذکور ہے کہ دو ڈھیر پاس پاس ہوتے تھے ایک اللہ تعالیٰ کا اور دوسرا مثلاً: لات، منات وغیرہ کا۔ تو اگر اللہ تعالیٰ کے ڈھیر سے کچھ دانے ادھر دوسرے ڈھیر میں مل جاتے تو نہیں نکالتے تھے اور کہتے تھے رب تعالیٰ تو غنی ہے کوئی بات نہیں ہے اور اگر ان کے ڈھیر سے کچھ دانے رب تعالیٰ کے ڈھیر کے ساتھ مل جاتے تو فوراً نکال لیتے تھے کہتے کہ یہ محتاج ہیں ان کا نقصان نہیں ہونا چاہیے۔ یہ سب کچھ مانتے ہوئے بھی وہ مشرک تھے۔ عقیدے اور عمل سے شرک کا پتا چلتا ہے باقی مشرک کے سینگ نہیں ہوتے شاید تم یہ سمجھو کہ مشرک کے سر پر سینگ ہوتے ہیں بلکہ وہ عام بندوں کی طرح بندہ ہی ہوتا ہے۔ خوب صورت عمدہ لباس، بعضوں کی کوٹھیاں بھی اعلیٰ ہوتی ہیں اور ہوتے مشرک ہیں۔

تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا بے شک میں نے چھوڑ دی ملت اس قوم کی جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتی یعنی اس کے احکام کو نہیں مانتی آخرت کا انکار کرتی ہے ﴿وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْ﴾ اور میں نے پیروی کی اپنے آباء واجداد کی ملت کی ﴿اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ﴾ جو ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کی ملت کی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے والد تھے اسحاق علیہ السلام دادا تھے اور ابراہیم علیہ السلام پردادا تھے۔ اسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ الکریم لوگ کون سے ہوتے ہیں؟ فرمایا یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کہ پیغمبروں کی لڑی چلی آئے۔

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

"یہ سارا گھرانہ ہی سورج ہے (یعنی آفتاب کی طرح روشن وتابندہ ہے)۔"

کہ سب پیغمبر ہیں۔ تو فرمایا میں نے اپنے باپ دادا کی ملت کی پیروی کی ہے۔

اچھے لوگوں کی پیروی کرنا مطلوب ہے

اس سے معلوم ہوا کہ اچھے لوگوں کی پیروی کرنا مطلوب ہے۔ سورہ لقمان آیت نمبر ۱۵ میں ہے ﴿وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾ "اور پیروی کر اس شخص کی جو میری طرف رجوع کرتا ہے۔" یہ جو ائمہ کرام ہیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور جو محدثین کرام رحمہم اللہ ہیں، سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں ان کی پیروی کرنے کا حکم قرآن کریم میں ہے۔ ان کی طرف اپنی نسبت کرنا کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے جیسا کہ غیر مقلد کہتے ہیں کہ اماموں کی طرف نسبت کرنا ناجائز ہے۔ یہ غلط کہتے ہیں۔ کیوں کہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ ان کی پیروی مطلوب ہے۔ ہاں! اچھے ہونے چاہییں اگر کوئی یہ ثابت کردے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رب تعالیٰ کے نافرمان ہیں، رب تعالیٰ کے باغی تھے تو پھر بات علیحدہ ہے۔ اگر کوئی اپنی کڑی ان کے ساتھ ملاتا ہے تو اسی لیے کہ یہ رب تعالیٰ کے فرماں بردار تھے۔ بھائی صاحب! یہ قرآن کا سبق ہے ﴿وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾ "اور پیروی کر اس شخص کی جو میری طرف رجوع کرتا ہے۔" اور رب تعالیٰ کے پیغمبر یوسف علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ میں نے اپنے باپ دادا کی پیروی کی ابراہیم علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کی۔

ہاں! مشرکوں کے باپ دادا مشرک تھے غلط کار تھے رب تعالیٰ کی نافرمانی کرتے تھے اور ان کی اولاد کہتی تھی ﴿بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا﴾ [بقرہ: ۱۷۰] "بلکہ ہم پیروی کریں گے اس چیز کی جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔" یعنی تمھاری بات نہیں سنی اپنے باپ دادا کی سنی ہے ان کی راہ کو اختیار کرنا ہے تو یہ نسبت بری ہے۔ محض نسبت بُری نہیں ہے بلکہ اچھے لوگوں کی طرف نسبت اچھی ہے اور بُرے لوگوں کی طرف نسبت بُری ہے۔ دونوں میں فرق ہے۔

تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے پیروی کی اپنے باپ دادا کی ملت کی جو ابراہیم علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام ہیں۔ فرمایا ﴿مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ ہمیں کوئی حق نہیں ہے یہ کہ ہم شریک ٹھہرائیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو۔ رب تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہرانا ﴿ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ہمارے اوپر۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے توحید سمجھا دی، موحد بن گیا، شرک سے بچ گیا، اس پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے ﴿وَعَلَى النَّاسِ﴾ اور لوگوں پر بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ﴿وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے۔ جس کو اللہ تعالیٰ دین کی دولت عطا فرمائے وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ یہ حدیث تم کئی دفعہ سن چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی دیتا ہے جس پر راضی ہوتا ہے اور اس کو بھی

دیتا ہے جس پر راضی نہیں ہوتا مگر ایمان اور دین صرف اس کو دیتا ہے جس پر راضی ہوتا ہے۔

فرمایا ﴿ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ﴾ اے میرے قید خانے کے دو ساتھیو! یہ بتاؤ ﴿ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾ کیا بہت سارے معبود رب جو بکھرے ہوئے ہیں کوئی کسی کو رب بنائے گا کوئی کسی کو، ایک کام ایک رب کرتا ہے دوسرا کام دوسرا کرتا ہے وہ بہتر ہیں یا اللہ تعالیٰ ہی جو اکیلا ہے اپنی ذات میں اور صفات میں اور افعال میں اور سب پر غالب ہے۔ اے میرے ساتھیو! ﴿ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ ﴾ نہیں عبادت کرتے تم اللہ تعالیٰ سے نیچے ﴿ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ ﴾ مگر کچھ ناموں کی، نام رکھ دیئے ہیں ﴿ اَنْتُمْ ﴾ تم نے ﴿ وَاٰبَآؤُكُمْ ﴾ اور تمھارے باپ دادا نے اختراع کیا ہوا ہے ﴿ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ﴾ نہیں نازل کی اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی سند اور دلیل۔ اے میرے قید خانے کے ساتھیو سن لو! ﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾ نہیں ہے حکم مگر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ وہی زندہ کرتا ہے وہی مارتا ہے، وہی بادشاہ بناتا ہے وہی گدا بناتا ہے، وہی بیمار کرتا ہے وہی تندرست کرتا ہے، وہی اولاد دیتا ہے وہی لیتا ہے، سب کچھ وہی کرتا ہے پھر اوروں کے دروازے پر جھکنے کا کیا معنیٰ؟ ان کے پاس کیا تلاش کرتے ہو؟ ان کے پاس ہے کیا؟ وہ اور ساری دنیا رب تعالیٰ کی محتاج ہے رب تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ہے حکم صرف اسی کا ہے ﴿ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ﴾ اس نے حکم دیا ہے یہ کہ تم نہ عبادت کرو مگر اسی اللہ تعالیٰ کی۔

دین کا خلاصہ صرف تین چیزوں میں

دین کا خلاصہ صرف تین چیزوں میں آجاتا ہے:

① عبادت رب کی ② اطاعت رسول کریم ﷺ کی ③ اور خدمت مخلوق کی

جس نے یہ تین چیزیں سمجھ لیں اس نے اسلام کو سمجھ لیا۔ تو عبادت صرف رب تعالیٰ کی ہے ﴿ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ﴾ یہی سیدھا دین ہے کہ عبادت رب تعالیٰ کی کرو! شرک سے بچو! اچھے لوگوں کے ساتھ میل جول رکھو اور برے لوگوں کے ساتھ میل جول نہ رکھو! کامیابی اسی میں ہے ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ شکوک وشبہات اور رسم ورواج میں پھنسے ہوئے ہیں۔ رب تعالیٰ ان سے سب کو بچائے اور موحد بنائے۔ [آمین]

﴿ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ﴾ اے میرے قید خانے کے دو ساتھیو! ﴿ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا ﴾ بہرحال تم میں سے ایک ﴿ فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا ﴾ پس وہ پلائے گا اپنے آقا کو شراب ﴿ وَاَمَّا الْاٰخَرُ ﴾ اور بہرحال دوسرا ﴿ فَیُصْلَبُ ﴾ پس وہ سولی پر لٹکایا جائے گا ﴿ فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ ﴾ پس کھائیں گے پرندے ﴿ مِنْ رَّاْسِهٖ ﴾ اس کے سر سے ﴿ قُضِیَ الْاَمْرُ ﴾ فیصلہ کیا گیا ہے اس معاملے کا ﴿ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ ﴾ جس کے بارے میں تم دونوں پوچھتے ہو ﴿ وَقَالَ ﴾ اور فرمایا ﴿ لِلَّذِیْ ﴾ اس شخص کو ﴿ ظَنَّ ﴾ کہ گمان کیا ﴿ اَنَّهٗ نَاجٍ ﴾ کہ وہ نجات پانے والا ہے ﴿ مِّنْهُمَا ﴾ ان دونوں میں

سے ﴿اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ﴾ میرا ذکر کرنا اپنے آقا کے پاس ﴿فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ﴾ پس بھلا دیا اس کو شیطان نے ﴿ذِكْرَ رَبِّهٖ﴾ اپنے آقا کے پاس ذکر کرنے کو ﴿فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ﴾ پس ٹھہرے رہے یوسف علیہ السلام قید خانے میں ﴿بِضْعَ سِنِیْنَ﴾ کئی سال ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ﴾ اور کہا بادشاہ نے ﴿اِنِّیْۤ اَرٰى﴾ بے شک میں نے دیکھا ہے ﴿سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ﴾ سات گائیں ہیں خوب موٹی ﴿یَّاْكُلُهُنَّ﴾ کھاتی ہیں ان کو ﴿سَبْعٌ عِجَافٌ﴾ سات پتلی دبلی گائیں ﴿وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ﴾ اور سات خوشے سبز ﴿وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ﴾ اور دوسرے خشک ﴿یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ﴾ اے درباریو! مجھے بتلاؤ ﴿فِیْ رُءْیَایَ﴾ میرے خواب کے بارے میں ﴿اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ﴾ اگر ہو تم خواب کی تعبیر کو جاننے والے ﴿قَالُوْۤا﴾ کہا انھوں نے ﴿اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ﴾ پریشان خیالات ہیں ﴿وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ﴾ اور ہم پریشان خواب کی تعبیر کو جاننے والے نہیں ہیں ﴿وَقَالَ﴾ اور کہا ﴿الَّذِیْ نَجَا﴾ اس شخص نے جس نے نجات پائی تھی ﴿مِنْهُمَا﴾ ان دونوں میں سے ﴿وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ﴾ اور اس نے یاد کیا ایک مدت کے بعد ﴿اَنَا اُنَبِّئُكُمْ﴾ میں تم کو خبر دیتا ہوں ﴿بِتَاْوِیْلِهٖ﴾ اس خواب کی تعبیر کی ﴿فَاَرْسِلُوْنِ﴾ پس تم مجھ کو بھیجو۔

یہ بات تم پہلے سن چکے ہو کہ جس دن یوسف علیہ السلام کو قید خانے میں ڈالا گیا دو نوجوان اور ان کے ساتھ جیل میں بند کیے گئے۔ ایک بادشاہ ریان بن ولید کا ساقی تھا پانی پلانے والا اور دوسرا باورچی تھا۔ ان دونوں نے خواب دیکھے۔ ساقی نے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ میرے سر پر روٹیوں کا ٹوکرا ہے اور اس سے پرندے کھا رہے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمھیں کھانا آنے سے پہلے خواب کی تعبیر بتلاؤں گا مگر اس سے پہلے ایک ضروری اور اہم بات سمجھ لو۔ چنانچہ ان کو توحید اور رسالت کا سبق دیا اور اپنے آباء کی ملت کی طرف دعوت دی پھر ان کو خواب کی تعبیر بتلائی۔ اس کا ذکر ہے۔

فرمایا ﴿یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ﴾ اے میرے قید خانے کے ساتھیو! اب میں تمھیں خواب کی تعبیر بتاتا ہوں ﴿اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا﴾ بہرحال تم میں سے ایک جو ساقی ہے ﴿فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا﴾ پس وہ پلائے گا اپنے آقا کو شراب یعنی وہ رہا ہو کر اپنی ڈیوٹی پر برقرار رہے گا ﴿وَاَمَّا الْاٰخَرُ﴾ اور بہرحال دوسرا جو باورچی ہے اس کا جرم ثابت ہوگا ﴿فَیُصْلَبُ﴾ پس اس کو سولی پر لٹکایا جائے گا۔ چنانچہ انکوائری ہوئی اور جس سے زہر خریدا تھا اور جس واسطے سے خریدا تھا وہ سب کا سب سامنے آ گیا اور تحقیق سے جرم ثابت ہو گیا اور اس کو سولی پر لٹکا دیا گیا ﴿فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ﴾ پس کھائیں گے پرندے اس کے سر سے (نوچ نوچ کر)، یہ مغز نکالیں گے، بدن کو نوچیں گے ﴿قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ﴾ فیصلہ کیا گیا ہے اس معاملے کا جس کے بارے میں تم

دونوں پوچھتے ہو۔ یعنی تمھارے خوابوں کی یہ تعبیر ہے اسی طرح ہوگا اب بات بدلے گی نہیں۔ ﴿وَقَالَ﴾ اور فرمایا یوسف علیہ السلام نے ﴿لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا﴾ اس شخص کو کہ گمان تھا کہ رہا ہونے والا ہے ان دونوں قیدیوں میں سے ﴿اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ﴾ میرا ذکر کرنا اپنے آقا کے پاس یعنی اپنے بادشاہ کو کہنا کہ تم نے ایک بے گناہ آدمی کو قید میں ڈال رکھا ہے اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ مگر ہوا یہ کہ جب وہ ساقی بری ہو کر دربار میں پہنچا ﴿فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ﴾ پس بھلا دیا اس کو شیطان نے ﴿ذِكْرَ رَبِّهٖ﴾ اپنے آقا کے پاس ذکر کرنے کو ﴿فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ﴾ پس ٹھہرے رہے قید خانے میں یوسف علیہ السلام کئی سال، سات سال، نو سال، بارہ سال کا ذکر بھی تفسیروں میں آتا ہے۔

کافی عرصہ کے بعد ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ﴾ اور کہا بادشاہ نے جب وہ اپنے دربار میں بیٹھا ہوا تھا اور اس کے پاس وزیر، سفیر، مشیر آئے ہوئے تھے اور ساقی بھی خدمت کے لیے موجود تھا بادشاہ ریان ابن ولید نے کہا ﴿اِنِّیْۤ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ﴾ بے شک میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات گائیں ہیں موٹی سِمَانٍ سَمِیْنَةٌ کی جمع ہے موٹی گائیں ﴿یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ﴾ کھاتی ہیں ان کو سات پتلی دبلی گائیں عِجَافٌ عَجْفَاءُ کی جمع ہے۔ اب یہ کتنی عجیب بات ہے کہ گائیں گائیوں کو کھا رہی ہیں حالاں کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے کہ کتے جانوروں کو کھاتے ہیں، بھیڑیے کھاتے ہیں، شیر، چیتے بھی کھاتے ہیں مگر گائے تو کسی جانور کو نہیں کھاتی۔ اور میں نے دیکھا ہے ﴿وَسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ﴾ اور سات خوشے سبز میں نے دیکھے ہیں۔ خوشے کے بارے میں تفصیل نہیں ہے کہ وہ گندم کے تھے یا باجرے کے تھے یا مکئی اور چاول کے تھے۔ کیوں کہ مصر کا علاقہ کافی زرخیز ہے وہاں ہر قسم کی فصل ہوتی ہے۔ تو سات خوشے سبز اور دوسرے خشک بس اتنا خواب ہے کہ سات خوشے سبز اور سات خوشے خشک، سوکھے ہوئے۔ ﴿یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ﴾ اے درباریو! ﴿اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ﴾ مجھے بتلاؤ میرے خواب کے بارے میں تعبیر ﴿اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ﴾ اگر ہو تم خواب کی تعبیر جانتے تو میرے خواب کی تعبیر مجھے بتلاؤ۔ ﴿قَالُوْۤا﴾ کہنے لگے درباری ﴿اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ﴾ پریشان خیالات ہیں ﴿وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ﴾ اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر کو جاننے والے نہیں ہیں۔ اَضْغَاثٌ ضِغْثٌ کی جمع ہے ضِغْثٌ کا معنی ہے گھاس وغیرہ مٹھی میں ہو۔ ہاتھ میں کوئی تنکا لمبا ہوگا، کوئی چھوٹا ہوگا، کوئی باریک ہوگا، کوئی موٹا ہوگا، کوئی خشک ہوگا، کوئی تر ہوگا۔ اَحْلَامٌ حُلْمٌ کی جمع ہے حُلْم کے معنی خیالات۔ تو کہنے لگے یہ پریشان خیالات ہیں، بکھرے ہوئے خیالات ہیں۔ گویا انھوں نے اس سے اس کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

خواب کی تین قسمیں ؟

بخاری شریف میں حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں۔

(۱)......ایک ہے حدیث النفس۔ حدیث النفس کا مطلب ہے خیالات۔ انسان دن کو جو کام کرتا ہے اور سوچتا رہتا ہے خیالات اس کے دماغ میں گھومتے رہتے ہیں اس سے ملتے جلتے خواب رات کو آئیں تو ان کا تعبیر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ حدیث

النفس ہے یعنی خیالات ہیں۔

(۲)......اور دوسری قسم ہے تَخْوِیْفُ الشَّیْطٰنِ، شیطان کے خیالات۔ وہ رات کو آکر خواب میں مختلف چیزیں انسان کو دکھاتا ہے۔ کبھی ڈرانے والی، کبھی ہنسانے والی، کبھی خوشی والی اور کبھی غمی والی پیش کرتا ہے۔ اس کی بھی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔ اگر اس طرح کا پریشان خواب دیکھو تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے بیدار ہونے کے بعد اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ پڑھ کر بائیں طرف تھوک دو۔ کیوں کہ انسان کے دل کی دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے اور دل کے بائیں طرف کوئی نہ کوئی شیطان ہوتا ہے۔ حدث پاک میں آتا ہے کہ دل میں اچھا خیال پیدا ہو تو وہ فرشتہ القاء کرتا ہے اور اگر بُرا خیال آئے تو سمجھو کہ وہ شیطان کا وسوسہ ہے۔ چوں کہ شیطان دل کی بائیں طرف ہوتا ہے جب بندہ تھوک دے تو وہ شرمندہ ہو جاتا ہے کہ میرا اثر نہیں ہوا۔ جب یہ پڑھ کر بائیں طرف تھوک دے گا تو فرمایا لَا یَضُرُّهٗ اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

(۳)......اور تیسری قسم خواب کی وہ ہے کہ یا تو خوشی کی کوئی بات پہلے بتلاتی ہے یا غمی کی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کے ساتھ جو اہم واقعات پیش آنے والے ہوتے ہیں چاہے وہ اس کی ذات کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں یا اولاد کے ساتھ یا اَعِزّہ کے بارے میں ہوں، مال کے بارے میں ہوں وہ اس خواب کے ذریعے پہلے ہی بتلا دیئے جاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کو وہ خواب یاد رہے یا نہ رہے یا وہ خواب کی تعبیر سمجھے یا نہ سمجھے۔ کیوں کہ خواب کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور ایک صورت ہوتی ہے۔ صورت کچھ ہوتی ہے اور حقیقت کچھ ہوتی ہے۔ مثلاً:

حضرت لبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی تھیں۔ اُنھوں نے خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک سے ایک عضو (بازو سمجھو، ٹانگ سمجھو) الگ ہو کر میری گود میں آگیا ہے۔ وہ بڑی پریشان ہوئیں۔ کیوں کہ ان دنوں مدینہ طیبہ میں افواہیں پھیلی ہوئی تھیں کہ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا پروگرام بنایا ہے اور یہ باتیں بازاروں میں، گلیوں میں، ہر جگہ پہنچی ہوئی تھیں۔ حضرت لبابہ رضی اللہ عنہا کو بھی یہ خبر پہنچی تھی اس لیے وہ پریشان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔ کہنے لگیں کہ حضرت! آج رات میں نے ایک بڑا خوف ناک خواب دیکھا ہے جس سے میں بڑی پریشان ہوں۔ فرمایا چچی جان! خواب کیا ہے؟ کہنے لگیں اِنَّهَا لَرُؤْیَا شَدِیْدَةٌ "وہ بڑا سخت خواب ہے میں یہاں بیان بھی نہیں کر سکتی۔" فرمایا بیان تو کرو۔

بیان کیا کہ حضرت! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک سے ایک ٹکڑا الگ ہو کر میری گود میں آگیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تَلِدُ فَاطِمَةُ غُلَامًا "اِن شاء اللہ فاطمہ کے ہاں بچہ پیدا ہوگا جو تمھاری گود میں کھیلے گا۔" اب دیکھو! وہ بے چاری خواب کی ظاہری صورت کی وجہ سے کتنی پریشان تھی مگر اس کی حقیقت اور تعبیر کتنی خوشی والی تھی۔ اسی واسطے حدیث پاک میں آیا ہے کہ خواب ہر کہ مکہ (چھوٹے بڑے) کو نہ بتاؤ بلکہ اپنے مخلص دوست کو حبیبًا اولبیبًا کے لفظ آتے ہیں جو خواب کی تعبیر کو بھی جانتا ہو اس کے سامنے بیان کرو اور بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ جیسی کوئی تعبیر نکالے گا ویسے ہی خواب کا نتیجہ ہوگا۔ ہو سکتا ہے کوئی

غلط کار خواب کی تعبیر غلط بتا دے تو وہ اسی طرح ہو جائے گا۔

تو درباریوں نے کہا کہ پریشان خیالات ہیں اور ہم ان خیالات کی تعبیر نہیں جانتے پہلے تو اس کو تسلی دی کہ وہ پریشان نہ ہو پھر اپنا عاجز ہونا ظاہر کیا اور وہ ساقی جو ساتھ کھڑا تھا اور یہ ساری گفتگو سن رہا تھا وہ بولا ﴿وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا﴾ اور کہا اس شخص نے جس نے نجات پائی تھی ان دو قیدیوں میں سے ﴿وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ﴾ اور اس نے یاد کیا ایک مدت کے بعد۔

اُمت کا لفظ تین معنوں میں آیا ہے ؟

قرآن کریم میں اُمت کا لفظ تین معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ایک مدت کے معنیٰ میں اور یہاں یہی معنیٰ ہے اور دوسرا معنیٰ اُمت کا گروہ اور ٹولہ،قوم[جماعت] ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾[آل عمران:۱۱۰]"تم بہترین جماعت ہو قوم ہو جو لوگوں کی اصلاح کے لیے نکالے گئے ہو۔"اور اُمت کا تیسرا معنیٰ پیشوا مقتدا ہے۔سورۃ نحل میں ہے ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً﴾ "ابراہیم علیہ السلام پیشوا تھے،مقتدا تھے،امام تھے لوگوں کے لیے۔" تو اس مقام پر امت کے معنیٰ مدت کے ہیں۔تو قیدی کو جو رہا ہو چکا تھا یاد آ گیا ایک مدت کے بعد کہنے لگا ﴿اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ﴾ میں تم کو خبر دیتا ہوں اس خواب کی تعبیر کی لیکن میں خود نہیں بتلا سکتا ﴿فَاَرْسِلُوْنِ﴾ پس تم مجھ کو بھیجو یوسف علیہ السلام کے پاس سرکاری طور پر کیوں کہ قیدیوں کو ملنا ذرا مشکل ہوتا ہے تم مجھے قاعدے کے مطابق بھیجو گے تو میں اس کو ملوں گا اس سے پوچھ کر پھر تمھیں بتاؤں گا۔باقی حصہ کل آئے گا۔ان شاء اللہ تعالیٰ!

﴿يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ﴾ اے یوسف علیہ السلام اے سچے! ﴿اَفْتِنَا﴾ بتلائیں ہمیں ﴿فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ﴾ سات گائیوں کے بارے میں ﴿سِمَانٍ﴾ جو خوب موٹی ہیں ﴿يَّاْكُلُهُنَّ﴾ کہ ان کو کھاتی ہیں ﴿سَبْعٌ عِجَافٌ﴾ سات پتلی دبلی گائیں ﴿وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ﴾ اور سات خوشے ہیں سرسبز ﴿وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ﴾ اور سات اور ہیں خشک ﴿لَّعَلِّيْٓ﴾ تاکہ میں ﴿اَرْجِعُ﴾ لوٹوں ﴿اِلَى النَّاسِ﴾ لوگوں کی طرف ﴿لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ تاکہ وہ جان لیں ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿تَزْرَعُوْنَ﴾ تم کاشت کرو گے ﴿سَبْعَ سِنِيْنَ﴾ سات سال ﴿دَاَبًا﴾ لگاتار ﴿فَمَا حَصَدْتُّمْ﴾ پس جو تم کاٹو کھیتی ﴿فَذَرُوْهُ﴾ پس چھوڑ دو اس کو ﴿فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ﴾ اس کے خوشوں میں ﴿اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ﴾ مگر تھوڑا سا اس میں سے جس کو تم کھاؤ گے ﴿ثُمَّ يَاْتِيْ﴾ پھر آئیں گے ﴿مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ اس کے بعد ﴿سَبْعٌ شِدَادٌ﴾ سات سال سخت ﴿يَّاْكُلْنَ﴾ جو کھا جائیں گے ﴿مَا﴾ اس چیز کو ﴿قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ﴾ جو پہلے تم نے اس کے لیے تیار کی ہو گی ﴿اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ﴾ مگر بہت کم جس کی تم حفاظت کرو گے ﴿ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ پھر آئے گا اس کے بعد ﴿عَامٌ﴾ ایک سال ﴿فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ﴾ جس میں بارش برسائی جائے گی لوگوں پر ﴿وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ﴾ اور اس

میں لوگ جوس نکالیں گے پھلوں کا ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ﴾ اور کہا بادشاہ نے ﴿ائْتُونِي بِهِ﴾ لاؤ اس کو میرے پاس ﴿فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ﴾ پس جب آیا یوسف علیہ السلام کے پاس قاصد ﴿قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ﴾ فرمایا لوٹ جا اپنے آقا کی طرف ﴿فَاسْأَلْهُ﴾ پس اس سے پوچھ ﴿مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي﴾ کیا حال ہے ان عورتوں کا ﴿قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ﴾ جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے ﴿إِنَّ رَبِّي﴾ بے شک میرا رب ﴿بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ﴾ ان کے مکر کو خوب جاننے والا ہے۔

پچھلے سبق میں پڑھ چکے ہو کہ بادشاہ نے خواب دیکھا کہ سات موٹی گائیں ہیں اور سات دبلی پتلی گائیں ہیں جو موٹی گائیوں کو کھا رہی ہیں اور سات خوشے سرسبز ہیں اور دوسرے سات خشک ہیں۔ اس نے اپنی کابینہ کے افراد سے پوچھا کہ میرے خواب کی اگر تم تعبیر جانتے ہو تو بتلاؤ۔ اُنھوں نے کہا کہ پریشان خیالات ہیں اور ہم پریشان خیالات کی تعبیر نہیں جانتے اور ساقی جو رہا ہو کر گیا تھا اور یوسف علیہ السلام نے اس کو کہا تھا کہ بادشاہ کے سامنے میرا بھی ذکر کرنا کہ قید خانے میں ایک قیدی ہے غیر ملکی، کیوں کہ یوسف علیہ السلام کنعان ملک شام کے رہنے والے تھے، وہ کئی سالوں سے قید خانے میں پڑا ہوا ہے اس کا بھی تم کچھ خیال کرو۔ لیکن یہ رہا ہونے کے بعد بھول گیا اب اس کو یاد آ گیا کہ اس نیک آدمی کے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ تو ساقی نے بادشاہ کو کہا بادشاہ سلامت! میں تمھیں خواب کی تعبیر بتاؤں گا لیکن خود نہیں بلکہ جیل میں ایک بڑا شریف اور نیک طبع آدمی ہے اس کو خوابوں کی تعبیر کا بڑا علم ہے ہمیں بھی اس نے خوابوں کی تعبیر بتلائی تھی وہ بالکل صحیح نکلی۔ لہٰذا میرے لیے جیل کے اندر جا کر اس کے ساتھ ملاقات کرنے کا انتظام کرو۔ بادشاہ نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو حکم دیا کہ ہمارا ساقی جیل میں قید ایک آدمی کو ملنا چاہتا ہے اس کی ملاقات کا خصوصی انتظام کرو۔ چنانچہ یہ شخص ان کے پاس جا پہنچا اور یوسف علیہ السلام سے ملاقات کی۔

بادشاہ کا خواب اور اس کی تعبیر

یوسف علیہ السلام کو خطاب کر کے کہنے لگا ﴿يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ﴾ اے یوسف علیہ السلام اے سچے! ﴿أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ﴾ بتلاؤ ہمیں سات گائیوں کے بارے میں ﴿سِمَانٍ﴾ جو خوب موٹی ہیں ﴿يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ﴾ کہ ان کو کھاتی ہیں سات دبلی پتلی گائیں ﴿وَسَبْعِ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ﴾ اور سات خوشے ہیں سرسبز ﴿وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ﴾ اور دوسرے سات خشک ہیں۔ بس خواب اتنا ہے ہمیں اس کی تعبیر بتلاؤ ﴿لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ﴾ تاکہ میں لوٹوں لوگوں کی طرف ﴿لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ تاکہ وہ جان لیں خواب کی تعبیر کو۔ یوسف علیہ السلام نے اس کو خواب کی تعبیر بتلائی جس کا ذکر اگلی آیت کریمہ میں ہے اور اس بات کا اشارہ تک نہیں کیا کہ میں نے تجھے ایک پیغام بھی دیا تھا پہلے مجھے اس کے متعلق بتلا کہ تو نے کیا کیا پھر آگے چلوں گا۔ اس سے اندازہ لگاؤ پیغمبروں کے اخلاق کا، کہہ تو سکتے تھے اس کا کیا جواب ہے، بالکل ذکر تک نہیں کیا۔ اگر ہم تم ہوتے تو اس کے گلے پڑ جاتے کہ تمھاری ایسی کی تیسی اپنے کام کے لیے تو فوراً آ گیا ہے اور میرا ذکر تک نہیں کیا اور کافی مدت گزر گئی کیوں کہ ﴿بَعْدَ أُمَّةٍ﴾ کا جملہ ہے۔ پیغمبروں

کے اخلاق بہت بلند ہوتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے تعبیر بھی بتلائی اور تعبیر سے بڑھ کر تدبیر بھی بتلائی۔

﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا﴾ کاشت کرو گے تم سات سال لگاتار۔ وہ جو سات موٹی گائیں ہیں ان سے مراد ہے کہ تم سات سال کاشت کرو گے اور ان میں خوب پیداوار ہوگی۔ وہ جو سبز خوشے دیکھے ہیں اس سے پیداوار کی طرف اشارہ ہے اور موٹی گائیوں سے پیداوار والے سال مراد ہیں فصلیں خوب ہوں گی۔ درمیان میں تدبیر کا ذکر ہے یہ تعبیر نہیں ہے۔ ﴿فَمَا حَصَدْتُّمْ﴾ پس جو تم کاٹو کھیتی ﴿فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ﴾ پس چھوڑ دو اس کو اس کے خوشوں میں۔ اس کو ملنا اور گاہنا نہیں ہے بلکہ خوشوں ہی میں اس کا ذخیرہ کرنا ہے ﴿اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ﴾ مگر تھوڑا سا ان میں سے جو تم کھاؤ گے۔ کیوں کہ دانے خوشوں میں ہوں تو عموماً گھن کیڑے وغیرہ سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس کے بعد سات سال آئیں گے بڑے قحط کے ﴿ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ پھر آئیں گے اس کے بعد ﴿سَبْعٌ شِدَادٌ﴾ سات سال سخت ﴿يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ﴾ جو کھا جائیں گے اس چیز کو جو پہلے تم نے ان کے لیے تیار کی ہوگی، جس کا تم نے ذخیرہ بنایا تھا ﴿اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ﴾ مگر بہت کم جس کی تم حفاظت کرو گے۔

چنانچہ خدا کی قدرت کہ سات سال ایسے آئے کہ مصر کے علاقے میں بارش ہوئی اور نہ شام کے علاقہ میں۔ لوگ بڑے پریشان تھے اور مصر والوں نے چوں کہ پیداوار ذخیرہ کر کے رکھی ہوئی تھی لوگوں کو دور دراز تک اطلاع پہنچی کہ مصر کا بادشاہ پیسوں کے ساتھ اناج دیتا ہے ایک آدمی کو ایک اونٹ کا بوجھ تاکہ لوگ قحط سالی سے بچ جائیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی سنا کہ اس طرح مصر میں اناج ملتا ہے۔ ان کے گھر کے افراد تین سو نوے [۳۹۰] تھے۔ بیٹے، ان کی اولاد، خادم وغیرہ بڑا خاندان تھا چھوٹے کو تو روک لیا جس کی آگے تفصیل آرہی ہے اور باقیوں کو بھیجا کہ تم جا کر اناج لے آؤ۔

تقدیر نے یوسف علیہ السلام کے سامنے بھائیوں کو بے بس کھڑا کر دیا ؟

یہ سب تقدیر کا چکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے سامنے بھائیوں کو بے بس کر کے کھڑا کرنا تھا۔ درمیان میں دیکھو کتنے چکر پڑے ہیں۔ بھائی یوسف علیہ السلام کو راستے سے ہٹانا چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو یوسف علیہ السلام کے سامنے مانگنے والا بنا کر کھڑا کر دیا۔ آگے آئے گا کہنے لگے ﴿تَصَدَّقْ عَلَيْنَا﴾ "اے عزیز مصر ہم بھوکے ننگے ہیں ہمیں خیرات دو۔" ایک وقت وہ تھا کہ یوسف علیہ السلام نے انہیں اپنی جان کی خاطر کہا تھا کہ میں تمہارا بھائی ہوں مجھے نہ مارو جب تم واپس جاؤ گے اور میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں گا تو باپ پر کیا گزرے گی والد کا بھی کچھ سوچو! مگر ان سنگ دلوں نے کسی شے کی کوئی پروانہ کی اور اب یہ وقت ہے کہ ظالم پیٹ کے لیے یوسف علیہ السلام سے خیرات مانگ رہے ہیں۔ تو سات سال کمائی کے اور سات سال قحط سالی کے جب گزر جائیں گے، بڑا زمانہ ہے چودہ سال کا ﴿ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ﴾ پھر آئے گا اس کے بعد ایک سال، پندرھواں سال ﴿فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ﴾ جس میں بارش برسائی جائے گی لوگوں پر، اس سال خوب بارش ہوگی ﴿وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ﴾ اور اس میں لوگ جوس

نکالیں گے پھلوں کا۔ پیداوار خوب ہوگی، پھل ہوں گے، لوگ پھلوں کا جوس نکالیں گے، شراب بنانے والے شراب بنائیں گے۔

جس وقت بادشاہ کے سامنے اس کا ذکر ہوا بادشاہ بڑا سمجھ دار، سلیم الطبع آدمی تھا اس نے کہا ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ﴾ اور کہا بادشاہ نے لاؤ اس کو میرے پاس یعنی اس کو رہا کر کے میرے پاس لاؤ تاکہ میں اپنے خواب کی تعبیر اس سے براہِ راست سنوں ﴿فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ﴾ پس جب آیا یوسف علیہ السلام کے پاس قاصد کہ بادشاہ نے تمھیں رہا کر دیا ہے لہٰذا قید خانے سے نکلیں اور بادشاہ کے پاس جانا ہے ﴿قَالَ﴾ یوسف علیہ السلام نے فرمایا ﴿ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ﴾ لوٹ جا اپنے آقا کی طرف ﴿فَسْئَلْهُ﴾ پس اس سے پوچھ ﴿مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ﴾ کیا حال ہے ان عورتوں کا جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے ﴿اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ﴾ بے شک میرا رب ان کے مکر کو خوب جانتا ہے۔

یوسف علیہ السلام نے صفائی کا مطالبہ اس لیے کیا کہ تبلیغ میں رکاوٹ نہ آئے

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے عورتوں والا معاملہ صاف کرو پھر میں آؤں گا۔ جب تک بادشاہ یہ تحقیق نہیں کرے گا کہ میرا قصور تھا یا بی بی کا اس وقت تک میں نہیں جاؤں گا۔ اس واقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اتنا لمبا عرصہ میں جیل میں رہتا جتنا عرصہ یوسف علیہ السلام رہے تو جس وقت رہائی کا حکم آیا تھا میں فوراً ساتھ چلا جاتا۔ اس روایت پر عیسائیوں نے بڑی لے دے کی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک طرف تم کہتے ہو کہ ہمارے پیغمبر ہمت اور حوصلے کے پہاڑ ہیں اور ایک طرف یہ حدیث بیان کرتے ہو۔ یہ حدیث تو بتلاتی ہے کہ یوسف علیہ السلام کا حوصلہ اور صبر زیادہ تھا۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی ہندی رحمۃ اللہ علیہ جواب دیتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل میں دین کی تبلیغ کی ہے فرمایا اس کو محفوظ رکھو حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی صفائی کی فکر تھی کہ میں باہر جا کر تبلیغ کروں گا تو لوگ کہیں گے کہ کل تو قیدی تھا آج واعظ بن گیا ہے۔ لہٰذا ان کو صفائی کی ضرورت تھی کہ میری طرف کوئی انگلی نہ اُٹھا سکے اور ہمارے پیغمبر کو اپنی ذات کی کوئی فکر نہیں تھی بلکہ تبلیغ کی فکر تھی۔ چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا رقبہ وسیع ہونا تھا اس لیے فرمایا کہ میں باہر نکل کر فوراً اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو دین سناتا اور یوسف علیہ السلام نے اپنی ذاتی پوزیشن صاف کرنے کے لیے فرمایا کہ اپنے آقا کے پاس جاؤ اس کو کہو کہ پہلے بیبیوں والا معاملہ صاف کرو اس لیے کہ میں نے تبلیغ کرنی ہے اور لوگوں کو پتا ہے کہ میں قید میں رہا ہوں۔ لوگ مجھے کہیں گے کہ تو نے بُرے کام کی بنا پر قید کاٹی ہے اور اب تم وعظ و نصیحت کرنے والے بن گئے ہو۔ لہٰذا جب تک میری پوزیشن واضح نہ ہو میں باہر نہیں آؤں گا۔

شبہ کا ازالہ کر دینا چاہیے

آدمی کو شکوک و شبہات سے بھی بچنا چاہیے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں اعتکاف بیٹھے تھے اور عشاء کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً اس وقت پڑھتے تھے جب تیسری رات کا چاند غروب ہوتا ہے۔ عشاء کی نماز پڑھانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم

دوسرے معتکفین کے ساتھ مسجد میں تشریف فرماتے تھے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی کام تھا۔ ان میں سے دو تین یا چار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کافی دیر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی رہیں۔ پھر باقی تو چلی گئیں لیکن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بعد میں بھی کافی دیر تک بیٹھی رہیں اور رات ایسی تھی کہ نہ پوری چاندنی اور نہ پورا اندھیرا آپ نے فرمایا صفیہ (رضی اللہ عنہا)! میں دروازے کے پاس کھڑا ہوتا ہوں اور تم اپنے کمرے میں چلی جاؤ۔ ازواج مطہرات کے حجرے مسجد نبوی کے ساتھ ایک لائن (قطار) میں بنا کر دیے گئے تھے اور ان حجروں کے نام پر سورت حجرات ہے جو چھبیسویں (۲۶) پارے میں ہے۔ پہلا حجرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تھا دوسرا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا اور تیسرا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا، اسی طرح باقی نمبروار تھے، چھوٹے چھوٹے حجرے تھے۔

تو فرمایا کہ میں یہاں کھڑا ہوتا ہوں اور تم میری نگرانی میں حجرے میں چلی جاؤ۔ اتفاق کی بات ہے کہ دو صحابی حضرت اُسید بن حضیر اور عبادہ بن بشر رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ ایک آدمی مسجد میں کھڑا ہے اور بی بی جارہی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آواز دی مَنْ اَنْتُمَا تم کون ہو؟ کہنے لگے کہ عبادہ بن بشر اور اُسید بن حضیر ہیں (رضی اللہ عنہما)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ بی بی گزرتے ہوئے دیکھی ہے؟ کہنے لگے ہاں حضرت! ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کھڑے ہوئے دیکھا ہے اور بی بی کو بھی جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ فرمایا یہ میری بیوی صفیہ تھی (رضی اللہ عنہا)۔

کہنے لگے سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے حضرت! کیا ہمارے تصور میں بھی ایسی بات آسکتی ہے۔ فرمایا بے شک تمہارے ذہن صاف ہوں گے مگر پوزیشن (صورتِ حال) واضح کرنا میرا بھی فرض ہے اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ "جہاں تک بدن میں خون گردش کرتا ہے وہاں تک شیطان کا اثر ہوتا ہے۔" میں نے خیال کیا کہ کہیں شیطان تمہارے دلوں میں وسوسہ نہ ڈال دے کہ کون بی بی تھی کیا قصہ تھا اس لیے میں نے تمہارے وہم کو دور کرنے کے لیے بتایا ہے کہ یہ میری بیوی صفیہ تھی۔ یہ جو بدگمانیاں ہوتی ہیں یہ بھی بُری چیز ہیں۔ اس حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے کہ اگر کسی کے قول اور فعل سے لوگوں کو کچھ بدگمانیاں پیدا ہونے کا امکان ہو تو اس کا فریضہ ہے کہ وہ بدگمانیاں خود دور کردے کہ بھائی! میری بات کا یہ مطلب ہے اور میرے فعل کا مطلب یہ ہے۔ کیوں کہ ہر ایک کا ذہن ایک جیسا نہیں ہوتا اور ہر آدمی اپنی فکر کے مطابق نتیجہ نکالتا ہے۔

دیکھو! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کے موقع پر غار میں لے گئے جب لوگوں کی کچھ آوازیں سنیں تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت! ایسے لگتا ہے کہ کچھ لوگ ہمارے پیچھے آگئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ [توبہ: ۴۰] "تو غمگین نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔"

رافضیوں کے ذہن کی تردید

مطلب واضح ہے کہ آپ غمگین نہ ہوں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے وہ ہماری حفاظت فرمائے گا اور ہماری مدد

کرے گا۔ لیکن رافضیوں کا ذہن دیکھو اُنھوں نے اس کا مطلب کیا نکالا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب وہ لوگ قریب آ گئے تو ابوبکر بولے تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ہم یہاں ہیں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جھڑک کر فرمایا ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾۔

ان کے اس نتیجہ نکالنے پر سوال یہ ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سو اُونٹ کا اعلان تھا اسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی اعلان تھا کہ ان کو جو کوئی زندہ لائے یا سر لے کر آئے اُس کو سو اونٹ ملیں گے۔ اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑوانا چاہتے تھے تو خود بھی تو ساتھ جاتے ان کی بھی تو جان جاتی۔ لہٰذا یہ مطلب کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ مگر ہر آدمی کی اپنی اپنی سوچ ہے، سمجھ ہے۔

ایک انگریز کی غلط سوچ

مارگیوس نامی انگریز بڑا ز ہریلا آدمی ہے۔ مؤرخ بھی ہے اور عربی کا بھی بڑا ماہر ہے۔ مسند احمد حدیث کی کتاب ہے جو چھ جلدوں میں ہے۔ میرے خیال میں پورے پاکستان میں چار یا پانچ مولوی ہوں گے جنھوں نے تسلسل کے ساتھ مکمل پڑھی، ہوا کثر ایسا ہوتا ہے کہ ضرورت ہوئی تو حدیث دیکھ لی۔ اس انگریز کے سامنے مسند احمد کا ایک ایک حرف ہے۔ وہ ہجرتِ حبشہ کا نتیجہ نکالتے ہوئے کہتا ہے کہ حبشہ کی طرف جو مرد، عورتیں اور بچے ہجرت کر کے گئے تھے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے بھیجا تھا کہ تم حبشہ کے بادشاہ کے آگے جا کر واویلا کرو تا کہ وہ مکے والوں پر حملہ کر کے ان کا صفایا کر دے۔ اب دیکھو! یہ بیچارے تو اپنا دین بچانے کے لیے یہاں سے بھاگ کر گئے ہیں لیکن اس نے نتیجہ کیا نکالا ہے۔

تو ہر آدمی اپنے مطلب کا نتیجہ نکالتا ہے لوگوں کے ذہن ایک طرح کے نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مقدمہ ہوتا ہے مدعی اور گواہوں کے بیان وہی ہوتے ہیں ان پر جرح اور صفائی کا ریکارڈ بھی وہی ہوتا ہے مگر نیچے والا جج اور فیصلہ کرتا ہے، سیشن جج اور فیصلہ کرتا ہے، سپریم کورٹ کا جج اور فیصلہ کرتا ہے حالاں کہ فائل وہی ہوتی ہے لیکن ان چیزوں کو تم گوارا کرتے ہو اور کبھی جج کے خلاف کچھ نہیں کہتے۔ مگر ائمہ کرام رحمہم اللہ اگر اجتہادی مسئلے میں اختلاف کریں تو تم ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑ جاتے ہو کہ ایک امام کچھ کہتا ہے دوسرا کچھ کہتا ہے۔ بھئی! تمھارے ججوں کے پاس مسلیں وہی ہیں، گواہیاں وہی ہیں، سارا مقدمہ وہی ہے لیکن نیچے والا کچھ فیصلہ کرتا ہے اور اوپر والا کچھ فیصلہ کرتا ہے کیوں؟ اس لیے کہ ذہن علیحدہ علیحدہ ہیں، سمجھ علیحدہ علیحدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو الگ الگ سمجھ دی ہے ہر ایک کا ذہن ایک طرح کا نہیں ہوتا۔ بعض ایسے آدمی ہوتے ہیں کہ ہوا سے بات کو اخذ کر لیتے ہیں اور بعض ساری رات قصہ سنتے رہتے ہیں اور صبح کو پوچھتے ہیں کہ زلیخا مرد کا نام تھا یا عورت کا۔

اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ واپس لوٹ جا اپنے آقا کے پاس اور اس سے ان عورتوں کے متعلق پوچھ کہ جنھوں نے ہاتھ کاٹے تھے کہ ان کا کیا معاملہ ہے تا کہ میری پوزیشن واضح ہو جائے اور لوگوں کی میرے متعلق زبانیں بند ہو

جائیں اس گومگو کی حالت میں نکلنا ٹھیک نہیں ہے۔باقی بات آگے آئے گی۔ان شاء اللہ تعالیٰ!

﴿قَالَ﴾ کہا بادشاہ نے ﴿مَا خَطْبُكُنَّ﴾ کیا معاملہ تھا اے بیبیو! ﴿اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ﴾ جب تم نے مطالبہ کیا یوسف علیہ السلام سے ﴿عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ اس کی خواہش کے بارے میں ﴿قُلْنَ﴾ ان عورتوں نے کہا ﴿حَاشَ لِلّٰهِ﴾ پاک ہے اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ﴾ ہم نہیں جانتی اس کے بارے میں کوئی برائی ﴿قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ﴾ کہا عزیز مصر کی بیوی نے ﴿الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ﴾ اب حق ظاہر ہو چکا ہے ﴿اَنَا رَاوَدْتُّهٗ﴾ میں نے اس سے مطالبہ کیا تھا ﴿عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ اس کی خواہش کے بارے میں ﴿وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ اور بے شک وہ البتہ سچوں میں سے ہے ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ ہے ﴿لِيَعْلَمَ﴾ تاکہ وہ جان لے ﴿اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ﴾ بے شک میں نے خیانت نہیں کی غیر حاضری میں ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ﴾ نہیں کامیاب کرتا خیانت کرنے والوں کی تدبیر کو ﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ﴾ اور میں نہیں بری قرار دیتی اپنے نفس کو ﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ﴾ بے شک نفس بہت حکم کرتا ہے برائی کا ﴿اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ﴾ مگر جس پر میرا رب مہربانی فرمائے ﴿اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ﴾ اور کہا بادشاہ نے لاؤ تم اس کو میرے پاس ﴿اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ﴾ خالص کرلوں گا میں اس کو اپنی جان کے لیے ﴿فَلَمَّا كَلَّمَهٗ﴾ پس جب اس کے ساتھ گفتگو کی ﴿قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ﴾ کہا آج کے دن آپ ہمارے پاس عزت والے اور امانت والے ہو ﴿قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ﴾ کہا اس نے مجھے مقرر کر دو زمین کے خزانوں پر ﴿اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ﴾ بے شک میں حفاظت کرنے والا جاننے والا ہوں ﴿وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا﴾ اور اسی طرح ہم نے قدرت دی ﴿لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ﴾ یوسف علیہ السلام کو زمین میں ﴿يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ﴾ ٹھکانا بناتے تھے اس زمین میں جہاں چاہتے تھے ﴿نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا﴾ ہم پہنچاتے ہیں اپنی رحمت ﴿مَنْ نَّشَآءُ﴾ جس کو چاہتے ہیں ﴿وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور ہم ضائع نہیں کرتے اجر نیکی کرنے والوں کا ﴿وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ﴾ اور البتہ اجر آخرت کا بہت ہی بہتر ہے ﴿لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ﴿وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ اور تھے وہ متقی۔

کل کے سبق میں تم نے پڑھا کہ بادشاہ نے اپنے خواب کی تعبیر کابینہ سے پوچھی تو انھوں نے کہا کہ ہم نہیں جانتے۔ ساقی جو رہا ہو کر گیا تھا اس نے کہا کہ مجھے جیل خانے بھیجو وہاں ایک پارسا نیک آدمی ہے اس سے پوچھ کر میں تمھیں بتلادوں

گا۔ جب وہ جیل خانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا خواب سنایا اُنھوں نے تعبیر بھی بتلائی اور تدبیر بھی۔ بادشاہ نے کہا کہ اس کو میرے پاس لاؤ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تک میری پوزیشن واضح نہیں ہوگی اس وقت تک میں باہر نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ بادشاہ نے تحقیق کے لیے زلیخا کو بھی اور ان عورتوں کو بھی بلایا جن کی زلیخا نے دعوت کی تھی۔

مصر کی عورتوں نے یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کی گواہی دی

﴿قَالَ﴾ بادشاہ نے ان عورتوں کو کہا ﴿مَا خَطْبُكُنَّ﴾ تمھارا کیا معاملہ تھا ﴿إِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ﴾ جب تم نے مطالبہ کیا یوسف علیہ السلام سے اس کی خواہش کے بارے میں۔ وہ قصہ کیا ہے مجھے کچھ سنادو ﴿قُلْنَ﴾ ان عورتوں نے کہا جنھوں نے دعوت کھائی تھی ﴿حَاشَ لِلَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے ﴿مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِن سُوءٍ﴾ ہم نہیں جانتیں یوسف علیہ السلام کے بارے میں کوئی برائی، ہمارے علم میں اس کی کوئی برائی نہیں ہے۔ یہ تو ان عورتوں نے کہا جو دعوت میں شریک تھیں لیکن بات ابھی تک واضح نہیں ہوئی کیوں کہ جس کے ساتھ معاملہ ہوا تھا یعنی زلیخا وہ تو خاموش ہے۔ دعوت اُڑانے والیاں کہتی ہیں کہ ہمارے علم میں اس کی کوئی برائی نہیں ہے لہذا ﴿قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ﴾ عزیز مصر قطفیر کی بیوی نے کہا ﴿الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ﴾ اب حق ظاہر ہو چکا ہے بات کھل گئی ہے ﴿أَنَا رَاوَدتُّهُ﴾ میں نے یوسف علیہ السلام سے مطالبہ کیا تھا ﴿عَن نَّفْسِهِ﴾ اس کی خواہش کے بارے میں قصور میرا تھا۔ ﴿وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ﴾ اور بے شک وہ البتہ سچوں میں سے ہے۔ اس کا کوئی قصور نہیں ہے اب معاملہ بالکل واضح اور صاف ہو گیا ہے۔ کیوں کہ دعوت میں شریک عورتوں نے بھی بیان دے دیا یوسف علیہ السلام کی صفائی کا اور زلیخا نے بھی اپنے مجرم ہونے کا اقرار کر لیا اور یوسف علیہ السلام کی صفائی دے دی اور ظاہر بات ہے کہ بادشاہ کی مجلس میں اور لوگ بھی ہوں گے سب کے سامنے گفتگو ہوئی۔ اب آگے ﴿ذَٰلِكَ لِيَعْلَمَ﴾ سے لے کر ﴿إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ تک دو تفسیریں ہیں۔

پہلی تفسیر یہ ہے کہ بیان زلیخا کا ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ ﴿ذَٰلِكَ﴾ یہ بات میں نے اس لیے کہی ہے کہ ﴿لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ﴾ تاکہ میرا خاوند جان لے کہ میں نے اس کی غیر حاضری میں خیانت نہیں کی یعنی جو عین برائی کا فعل تھا وہ میں نے نہیں کیا کیوں؟ ﴿وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ نہیں کامیاب کرتا خیانت کرنے والوں کی تدبیر کو۔ لیکن ﴿وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي﴾ اور میں نہیں بری قرار دیتی اپنے نفس کو کہ شرارت تو میری تھی لیکن عین فعل نہیں ہوا ﴿إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ﴾ بے شک نفس بہت حکم دیتا ہے برائی کا ﴿إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي﴾ مگر جس پر میرا رب مہربانی فرمائے وہی بچ سکتا ہے ﴿إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ تفسیر اس صورت میں ہے کہ جب یہ بیان زلیخا کا ہو اور یہ بھی صحیح ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ بیان یوسف علیہ السلام کا ہے تو پھر مطلب اس طرح کا ہوگا کہ یہ بات میں نے کیوں کی ہے کہ عورتوں سے پوچھو۔ ﴿ذَٰلِكَ﴾ یہ بات میں نے اس لیے کی ہے ﴿لِيَعْلَمَ﴾ تاکہ عزیز مصر جان لے ﴿أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ﴾

بے شک میں نے خیانت نہیں کی اس کی غیر حاضری میں ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِیۡ کَیۡدَ الۡخَآئِنِیۡنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کامیاب نہیں ہونے دیتا خیانت کرنے والوں کی تدبیر کو ﴿وَمَاۤ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ﴾ اور باقی میں اپنے نفس کی صفائی بھی بیان نہیں کرتا ﴿اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ﴾ بے شک نفس بہت حکم دیتا ہے برائی کا ﴿اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ﴾ مگر جس پر میرا رب مہربانی فرمائے۔ اہل حق اہل سنت والجماعت کا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بچایا ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام نبوت سے پہلے بھی معصوم ہوتے ہیں ؟

انبیائے کرام علیہم السلام نبوت سے پہلے بھی صغیرہ، کبیرہ سے محفوظ ہوتے ہیں اور نبوت ملنے کے بعد تو پھر شان بہت ہی بلند ہوجاتی ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے غیر اللہ کے نام پر ایک موٹا تازہ پلا ہوا دنبہ ذبح کیا اس کا گوشت محلے والوں میں تقسیم کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی محلے میں تھے گوشت کی ایک پلیٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پیش کی گئی۔ لانے والے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیسا گوشت ہے؟ اس نے کہا کہ ہم نے فلاں بت کے نام پر دنبہ ذبح کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ہاتھ لگانے کے لیے بھی تیار نہیں ہوں اس کو لے جاؤ۔ کیوں کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور حرام ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کھایا رد کر دیا اور یہ واقعہ نبوت ملنے سے پہلے کا ہے۔ کیوں کہ روایت میں قَبۡلَ اَنۡ یُّبۡعَثَ کے الفاظ ہیں بعثت سے پہلے۔

نبی تو معصوم ہوتا ہے نیک لوگوں کی بھی اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچا زید بن عمرو بن نفیل رحمۃ اللہ علیہ زمانۂ جاہلیت کے موحدین میں سے ہیں ان کے پاس اس طرح کا گوشت پیش کیا گیا تو انھوں نے خوب جھاڑ پلائی۔ کہنے لگے مجھے یہ بتلاؤ بکری کو پیدا کس نے کیا ہے؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے۔ فرمایا اس کے لیے گھاس چارا کس نے پیدا کیا؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے۔ فرمایا بکری جو پانی پیتی ہے وہ کس نے پیدا کیا؟ کہا اللہ تعالیٰ نے۔ ہوا کس نے پیدا فرمائی؟ کہا یہ بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ یہ زمین جس پر چلتی پھرتی ہے کس نے پیدا کی ہے؟ کہنے لگے اللہ تعالیٰ نے۔ فرمایا تمھیں شرم نہیں آتی کہ رب تعالیٰ کی چیز کو غیر اللہ کے نام پر دیتے ہوئے جاؤ اور بھاگ جاؤ۔ یہ روایت بھی بخاری شریف میں موجود ہے۔

تو انبیائے کرام علیہم السلام نبوت سے پہلے بھی صغیرہ کبیرہ سے محفوظ ہوتے ہیں اور بعد میں بھی۔ اور ایک ہوتی ہے خطائے اجتہادی۔ گناہ اور چیز ہے اور خطا اور چیز ہے، گناہ اور خطا میں فرق ہوتا ہے۔ خطا میں گناہ کرنے کی نیت نہیں ہوتی۔ مثلاً: ایک آدمی نے الماری سے قرآن کریم اٹھانے کے لیے ہاتھ ڈالا صحیح پکڑا نہیں گیا نیچے گر گیا نیچے گرانے کا اس کا ارادہ نہیں تھا بے چارے کا ہاتھ صحیح نہیں پہنچا نیچے گر گیا، یہ خطا ہے گناہ نہیں ہے۔ اس خطا پر اس بے چارے کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں توبہ کرتا ہے، استغفار کرتا ہے قرآن کریم کو بوسہ دیتا ہے، چومتا ہے اور بوسہ دینا جائز ہے۔ بعض جاہل اس قرآن کریم کے ساتھ دانے تول کر دیتے ہیں یہ غلط ہے۔ قرآن کریم ایسی کتاب ہے کہ دانے تو کیا ساری دنیا کے خزانے اس کے ساتھ وزن نہیں کیے

جاسکتے۔ ہاں! ویسے صدقہ کرنا اچھی بات ہے وہ جس چیز کی توفیق ہو کر دے، دانوں کا کر دے، کپڑوں کا کر دے، آٹے کا کر دے، نقد پیسوں کا کر دے مگر قرآن کریم کی دیدہ و دانستہ بے حرمتی نہ کرے۔

تو خطا میں ارادہ نہیں ہوتا۔ سورۃ القصص میں موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ آتا ہے موسیٰ علیہ السلام دوپہر کے وقت کہیں جارہے تھے کہ دو آدمی جھگڑ رہے تھے۔ ایک موسیٰ علیہ السلام کی برادری کا آدمی تھا اسرائیلی اور دوسرا قبطی فرعون کے باورچی خانے کا انچارج افسر تھا قاف اس کا نام تھا۔ جھگڑا کس بات پر ہورہا تھا؟ لکڑیوں کا گٹھا تھا یا بھاری قسم کی بوری تھی وہ افسر اس اسرائیلی کو کہتا تھا کہ اس کو اُٹھا کر فلاں جگہ پہنچاؤ اس نے کہا کہ میں کمزور آدمی ہوں نہ یہ بوری مجھ سے اُٹھائی جاسکتی ہے نہ لکڑیوں کا گٹھا اُٹھا سکتا ہوں اس نے کہا تمھیں اُٹھانا پڑے گا۔ اس نے کہا میرا قد دیکھ میرا وزن دیکھ کیا میں اُٹھا سکتا ہوں؟ اس نے پھر کہا کہ تمھیں اُٹھانا پڑے گا اور اسرائیلی کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ قاف بڑا بددیانت افسر ہے۔ یہ سرکاری خزانے سے مزدوروں کی اجرت لے لیتا تھا اور ان سے بیگار کے طور پر کام لیتا تھا اجرت نہیں دیتا تھا۔ فرعون کے نام میں بڑی دہشت تھی فرعون کا نام سن کر بے چارے بادلِ نخواستہ وقت پاس کرتے تھے۔

کہنے لگا تمھیں معلوم ہے کہ میں فرعون کے باورچی خانے کا انچارج ہوں۔ اسرائیلی نے کہا کہ تیرا روزانہ کا وتیرہ ہے کہ پیسے جیب میں ڈالتے ہو اور بیگار میں بندہ پکڑ کر اس سے کام کرواتے ہو لہٰذا پیسے دے کر لے جاؤ۔ اسرائیلی مظلوم نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر آواز دی کہ یہ میرے اُوپر ظلم کرتا ہے۔ یہ بوری اور گٹھا دیکھو اور میرا قد دیکھو میں نہیں اُٹھا سکتا اور یہ مجھے کہتا ہے کہ اُٹھا کر لے چلو اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کا روزمرہ کا وتیرہ ہے کہ پیسے جیب میں ڈالتا ہے اور لوگوں سے جبراً کام لیتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے قاف کو کہا کہ بھائی! دیکھو یہ کمزور آدمی ہے اتنا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا وہ موسیٰ علیہ السلام کو کہنے لگا تمھارے پیٹ کے لیے تو انتظام کرتا ہوں تم نے بھی تو وہیں سے روٹی کھانی ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے سر چڑھا تو اُنھوں نے اس کو ایک مکا مارا ﴿فَقَضٰى عَلَيْهِ﴾ "پس وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔" اب دیکھو مکے کے ساتھ عادتاً آدمی مرتا تو نہیں ہے۔ اگر مکے سے آدمی مرتا تو محمد علی باکسر لاکھوں پونڈ اور ڈالر کیسے کماتا؟ تو مکا آلۂ قتل نہیں ہے اور نہ موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ قتل کا تھا یہ خطا تھی مگر چوں کہ نفس کا قتل تھا اس لیے فرمایا کہ پروردگار! مجھ سے غلطی ہوگئی ہے معاف کر دیں ﴿فَغَفَرَ لَهٗ﴾ رب تعالیٰ نے معاف کر دیا۔ تو خطا میں نافرمانی کا ارادہ نہیں ہوتا اور گناہ میں ارادہ ہوتا ہے۔

تو یوسف علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی۔ فرمایا میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا بے شک نفس برائی کا حکم دیتا ہے مگر جس پر رب مہربانی فرمائے۔ چوں کہ رب تعالیٰ نے مجھے نبوت عطا فرمائی ہے اس لیے اس کی مہربانی سے بچا ہوں۔ قرآن پاک میں تین قسم کے نفسوں کا ذکر ہے۔

(۱)......ایک نفسِ اَمّارہ، جو ہر وقت برائی کا حکم کرتا ہے برائی ہی برائی۔

(۲)......دوسرا نفسِ لَوَّامہ ہے۔ یہ وہ ہے کہ اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے کہ تم نے کیا کیا ہے، کیا کر بیٹھے

ہو۔ یہ بھی اچھی بات ہے کہ گناہ کو گناہ سمجھے اور اپنے آپ کو ملامت کرے۔
(۳)......اور تیسرا نفس مطمئنہ ہے۔ یہ صرف نیکی ہی کرتا ہے۔ برائیوں سے بچتا ہے اور رب تعالیٰ کی یاد میں لگا رہتا ہے۔
یوسف علیہ السلام کی جب شاہی دربار میں سب کے سامنے پوزیشن واضح اور صاف ہوگئی تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اب میں جاؤں گا۔

﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ﴾ اور کہا بادشاہ نے لاؤ اس کو تم میرے پاس سیدھا کہ رہائی کے بعد ادھر اُدھر نہ جائے تا کہ میں اس کی زیارت کر لوں دیکھ لوں ﴿أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي﴾ خالص کر لوں گا میں اس کو اپنی جان کے لیے۔ اس لیے رہائی دلاتا ہوں کہ اتنا نیک اور دیانت دار آدمی ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے ﴿فَلَمَّا كَلَّمَهُ﴾ پس جب بادشاہ نے گفتگو کی یوسف علیہ السلام کے ساتھ تو ﴿قَالَ﴾ کہا اس نے ﴿إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ﴾ بے شک آج کے دن سے آپ ہمارے پاس عزت والے اور امانت والے ہو۔ ہم تمھاری امانت و دیانت کو سمجھ گئے ہیں کہ عین شباب ہو اور عورت خود دروازے بند کر کے برائی کی دعوت دے اور آدمی اس حالت میں کہے معاذ اللہ، اللہ کی پناہ! اس سے بڑھ کر امانت کیا ہوگی۔ پھر گومگو کی حالت میں رہا ہونے کے لیے بھی تیار نہ ہو پوزیشن واضح ہونے کے بعد باہر آئے۔ لہٰذا آپ بڑے عزت والے ہیں، امانت والے ہیں میں چاہتا ہوں کہ اپنا عہدہ آپ کو دے دوں تا کہ لوگ فائدہ اٹھائیں۔

﴿قَالَ﴾ یوسف علیہ السلام نے فرمایا ﴿اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ﴾ مجھے مقرر کر دو زمین کے خزانوں پر یعنی وزیر خزانہ بنا دو۔ آج تو زراعت کے ساتھ صنعت کا زمانہ ہے۔ اس وقت کارخانے وغیرہ نہیں ہوتے تھے صرف زمین کی پیداوار ہوتی تھی۔ مطلب یہ ہے میں زمین کی نگرانی کروں گا جو فصل ہوگی اس کی حفاظت کروں گا ﴿إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ﴾ بے شک میں حفاظت کرنے والا جاننے والا ہوں۔ بے شک میں حفاظت بھی کروں گا اور اس فن کو جانتا بھی ہوں۔ اصل چکر تو سارا کمائی کے سات سال اور پھر وہ سال ہیں جن میں قحط سالی ہونی ہے اور رب تعالیٰ نے بھائیوں کو لا کر ہاتھ باندھ کے کھڑا کرنا تھا۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ﴾ اور اسی طرح ہم نے قدرت دی یوسف علیہ السلام کو ﴿فِي الْأَرْضِ﴾ زمین میں مصر کے ملک میں ﴿يَتَبَوَّأُ مِنْهَا﴾ ٹھکانا بناتے تھے اس زمین میں ﴿حَيْثُ يَشَاءُ﴾ جہاں چاہتے تھے۔ مصر کے سولہ سترہ صوبے ہیں۔ آج اس صوبے میں کل اس صوبے میں پرسوں کسی اور صوبے کی نگرانی کے لیے جاتے تھے اور دیکھتے کہ کاشت کیسی ہو رہی ہے، کس طرح بیجتے (بوتے) ہیں، کس طرح سنبھالتے ہیں، نگرانی کرتے تھے۔ ﴿نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ﴾ ہم پہنچاتے ہیں اپنی رحمت جس کو چاہتے ہیں، ہم اپنی رحمت سے جس کو چاہتے ہیں نوازتے ہیں ﴿وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ اور ہم ضائع نہیں کرتے اجر نیکی کرنے والوں کا۔ آدمی مومن ہو تو اس کو نیکی کا اجر یقیناً دنیا میں بھی ملے گا اور آخرت میں بھی۔ نیکی کا صلہ رب تعالیٰ ضائع نہیں کرتے مگر ہم تھوڑ دلے (کم ظرف) ہیں ہماری خواہش ہوتی ہے کہ ایک ہاتھ سے نیکی کریں تو دوسرے ہاتھ سے اسی وقت صلہ مل جائے۔ رب تعالیٰ کی حکمتیں ہیں کہ کس کو کب صلہ دینا ہے دے گا ضرور جو اس کے صلے کا اس نے

وقت مقرر فرمایا ہے۔ یہ دنیا کا اجر علیحدہ ہے ﴿وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ﴾ اور البتہ آخرت کا اجر بہت ہی بہتر ہے۔

دیکھو! قرآن کریم میں یہ مضمون صاف درج ہے کہ جو شخص بھی نیکی کرے گا اس کو دنیا میں بھی بدلہ ملے گا اور آخرت میں بھی بدلہ ہوگا اور آخرت کا بدلہ بہت بہتر ہوگا ﴿لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ان لوگوں کے لیے جو مومن ہیں ﴿وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ اور تھے وہ پرہیز گار۔ تو ان کو ضرور اجر ملے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

﴿وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ﴾ اور آئے یوسف علیہ السلام کے بھائی ﴿فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ﴾ پس وہ ان کے پاس داخل ہوئے ﴿فَعَرَفَهُمْ﴾ تو یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا ﴿وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ﴾ اور وہ بھائی ان کو نہ پہچان سکے ﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ﴾ اور جب ان کو تیار کیا ﴿بِجَهَازِهِمْ﴾ ان کے سامان کے ساتھ ﴿قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ﴾ فرمایا لانا میرے پاس اپنے بھائی کو ﴿مِّنْ اَبِيْكُمْ﴾ جو تمھارے باپ کی طرف سے ہے ﴿اَلَا تَرَوْنَ﴾ کیا تم نہیں دیکھتے ﴿اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ﴾ بے شک میں پورا ناپ کر دیتا ہوں ﴿وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ﴾ اور میں بہترین میزبانی کرنے والا ہوں ﴿فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ﴾ پس اگر تم نہ لائے اس کو میرے پاس ﴿فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ﴾ پس نہیں ہوگا اناج تمھارے لیے میرے پاس ﴿وَلَا تَقْرَبُوْنِ﴾ اور میرے قریب بھی نہ آنا ﴿قَالُوْا﴾ اُنھوں نے کہا ﴿سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ﴾ بہ تاکید ہم مطالبہ کریں گے اس کے بارے میں اس کے والد سے ﴿وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ﴾ اور بے شک البتہ یہ کام ہم کریں گے ﴿وَقَالَ﴾ اور کہا یوسف علیہ السلام نے ﴿لِفِتْيٰنِهِ﴾ اپنے نوجوانوں سے ﴿اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ﴾ رکھ دو ان کا سامان ﴿فِيْ رِحَالِهِمْ﴾ ان کے سامانوں میں ﴿لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ﴾ شاید کہ وہ اس کو پہچان لیں ﴿اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ﴾ جب کہ لوٹیں گے وہ اپنے گھر کے افراد کی طرف ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ تاکہ وہ واپس لوٹ آئیں ﴿فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ﴾ پس جب وہ لوٹے اپنے باپ کی طرف ﴿قَالُوْا﴾ اے ہمارے ابا جان! ﴿يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ﴾ روک دیا گیا ہم سے اناج ﴿فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا﴾ پس بھیج دیں ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو ﴿نَكْتَلْ﴾ ہم اناج لائیں گے ﴿وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ اور بے شک ہم اس کی البتہ حفاظت کرنے والے ہیں ﴿قَالَ﴾ فرمایا یعقوب علیہ السلام نے ﴿هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ﴾ میں نہیں اعتبار کرتا تمھارا اس کے بارے میں ﴿اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ﴾ مگر جیسا کہ میں نے اعتبار کیا تھا تمھارا اس کے بھائی کے بارے میں ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے

پہلے ﴿فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ پس اللہ تعالیٰ ہی بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہ سب سے بڑھ کر مہربان ہے ﴿وَ لَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ﴾ اور جب کھولا اُنھوں نے اپنے سامان کو ﴿وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ﴾ پایا اُنھوں نے اپنی پونجی کو ﴿رُدَّتْ اِلَيْهِمْ﴾ لوٹا دی گئی ہے ان کی طرف ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿يٰۤاَبَانَا﴾ اے ہمارے ابا جان! ﴿مَا نَبْغِيْ﴾ ہم کیا چاہتے ہیں ﴿هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا﴾ یہ ہماری پونجی ہے ﴿رُدَّتْ اِلَيْنَا﴾ لوٹا دی گئی ہے ہماری طرف ﴿وَ نَمِيْرُ اَهْلَنَا﴾ اور ہم اناج لائیں گے اپنے گھر والوں کے لیے ﴿وَ نَحْفَظُ اَخَانَا﴾ اور ہم حفاظت کریں گے اپنے بھائی کی ﴿وَ نَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ﴾ اور ہم زیادہ لائیں گے ایک اونٹ کا بوجھ ﴿ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ﴾ یہ بوجھ تو بہت تھوڑا ہے ﴿قَالَ﴾ فرمایا یعقوب علیہ السلام نے ﴿لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ﴾ ہرگز نہیں بھیجوں گا تمھارے ساتھ ﴿حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا﴾ یہاں تک کہ تم دو گے مجھے وعدہ ﴿مِّنَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر ﴿لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ﴾ کہ البتہ تم ضرور لاؤ گے اس کو میرے پاس ﴿اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ﴾ مگر یہ کہ تم سب کو گھیر لیا جائے ﴿فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ﴾ پس جب دیا انھوں نے اپنے باپ کو وعدہ اپنا ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ﴾ اللہ تعالیٰ اس بات پر جو ہم کہتے ہیں نگہبان ہے۔

قحط سالی کے اثرات کا کنعان تک پہنچنا اور یعقوب علیہ السلام کا بیٹوں کو گندم لینے بھیجنا

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ چلا آ رہا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام وزیر خزانہ بنے تو اُنھوں نے ہر ہر صوبے میں، ہر ہر ضلع میں، ہر ہر تحصیل میں گندم کا خوشوں سمیت ذخیرہ کرایا سات سال تک اس کے بعد پھر قحط والے سال شروع ہوئے۔ ایک آدھ سال گزرا کنعان کے علاقے میں بھی قحط سالی ہوئی یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام رہتے تھے۔ آج کل اس کا نام الخلیل ہے، القدس ہے۔ یہ شام، اردن، فلسطین اور جو علاقہ اسرائیل کے پاس ہے یہ سارا علاقہ اس وقت شام اور ارض مقدس کہلاتا تھا۔ ان علاقوں میں بھی قحط سالی ہوئی لوگوں کو پتا چلا کہ مصر میں پیسوں کے ساتھ دانے ملتے ہیں ہر آدمی کو ایک اونٹ کا بوجھ ملتا ہے۔ قحط کے دنوں میں دانوں کا مل جانا بڑی بات ہے چاہے پیسوں کے ساتھ ملیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے گھر کے تین سو نوے [۳۹۰] افراد تھے۔ پورا گاؤں تھا۔ گیارہ بیٹے ان کے پاس رہتے تھے۔ فرمایا یہ لوگ جا کر مصر سے دانے لاتے ہیں بیٹو! تم بھی جاؤ۔ کبھی کھانے کو ملتا ہے کبھی نہیں ملتا بھوک ہے۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دس بھائی گندم لینے کے لیے چلے۔ بنیامین کو یعقوب علیہ السلام نے نہیں بھیجا فرمایا یہ میرے پاس رہے گا تم جاؤ اور دانے لے کر آؤ۔

یاد رکھنا! مسئلہ یہ ہے کہ مومن آدمی دیانت داری کے ساتھ تجارت کرے کسی محلے میں اس نیت کے ساتھ دکان کھولے

کہ لوگوں کو سہولت ہوگی اور مجھے نفع بھی حاصل ہوگا کیوں کہ تجارت نفع کے بغیر نہیں ہے تو ایسے شخص کو پیسے بھی ملیں گے اور ثواب بھی ملے گا اور اگر صرف لوگوں کو لوٹنے کے لیے دکان ڈالی ہے تو پھر یہ نیت اس کے ساتھ ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔" حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اور دیگر قافلے والے لوگ بھی کنعان سے چلے۔ تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں کنعان سے مصر کی مسافت آٹھ دن کی بھی لکھی ہے اور دس دن کی بھی لکھی ہے۔

یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو پہچان لیا، وہ نہ پہچان سکے

دانے لینے کے لیے جو بھی آتے تھے ان کا باقاعدہ ریکارڈ ہوتا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے منشیوں کو حکم تھا کہ جو بھی آئے اس کا نام پتہ درج کرو کہ کس علاقے سے آئے ہیں، کتنے افراد ہیں، کیا نام ہیں؟ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے دفتر میں بیٹھے تھے ان کے دس بھائی بھی آئے۔ ان کے داخل ہوتے ہی یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا اور وہ یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے اس کا ذکر ہے۔

﴿وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ﴾۔ اِخْوَةٌ اَخٌ کی جمع ہے بمعنی بھائی۔ اِخْوَةٌ کا معنی ہے بہت سارے بھائی۔ معنی ہوگا اور آئے یوسف علیہ السلام کے بھائی ﴿فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ﴾ پس وہ ان کے پاس داخل ہوئے دفتر میں ﴿فَعَرَفَهُمْ﴾ پس یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا ﴿وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ﴾ اور وہ بھائی ان کو نہ پہچان سکے۔ نہ پہچاننے کی ایک وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ بھائیوں کی عمریں پکی تھیں اور پکی عمر والے کا حلیہ کم بدلتا ہے اور یوسف علیہ السلام کو جب اُنھوں نے کنوئیں میں ڈالا تھا ایک روایت کے مطابق ان کی عمر سترہ سال بتاتے ہیں ابھی ڈاڑھی بھی پوری نہیں آئی تھی پھر ڈاڑھی آئی درمیان میں کافی سال گزر گئے ان کا حلیہ بدلا پہچان نہ سکے۔

دوسری وجہ یہ لکھتے ہیں کہ وہ باقاعدہ پوچھتے تھے تم کون ہو، کیا نام ہے، باپ کا کیا نام ہے، کہاں سے آئے ہو؟ اور افسر کو حق پہنچتا ہے کہ وہ پوچھے لیکن عام آدمی افسر سے نہیں پوچھ سکتے کہ تمھارا کیا نام ہے اور تمھارے والد صاحب کا کیا نام ہے، کہاں کے رہنے والے ہو؟ تو جس وقت یوسف علیہ السلام سے اُنھوں نے ملاقات کی پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ کہنے لگے کنعان کے علاقے سے۔ پوچھا وہاں کیا کرتے ہو؟ کہنے لگے ہمارے والد ہیں جن کا نام یعقوب (علیہ السلام) ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں ہم ان کی خدمت کرتے ہیں۔ پوچھا تم سب بھائی ہو؟ کہنے لگے ہاں ہم سب بھائی ہیں۔ پوچھا اور بھی کوئی تمھارا بہن بھائی ہے؟ کہنے لگے ہاں ایک چھوٹا بھائی ہے ابا جی نے اس کو نہیں آنے دیا۔ کیوں نہیں آنے دیا؟ کہنے لگے بس ان کی مرضی ایک ہمارا بھائی اور تھا وہ ضائع ہوگیا ہے، گم ہوگیا ہے اس کا کوئی پتا نہیں ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی بڑی خدمت کی۔ اولاً تو اس لیے کہ پیغمبر سے بڑھ کر کسی کا اخلاق نہیں ہوتا ہر ایک سے اچھے سلوک کے ساتھ پیش آتا ہے اور پھر یہ تو بھائی تھے خونی رشتہ تھا بڑی خدمت کی۔

ہر آدمی کی خدمت اس کی حیثیت کے مطابق ہونی چاہیے

حدیث پاک میں آتا ہے اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ "لوگوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو جو ان کی شان کے لائق ہو۔"

ابوداؤد شریف میں روایت آتی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک عورت بیٹھی تھی کہ اتنے میں ایک سائل آیا اس نے سوال کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی لونڈی خادمہ سے فرمایا کہ بیٹی چنگیر میں جو روٹی ہے پوری ہے یا آدھی ہے اس مانگنے والے کو دے دو۔ تھوڑی دیر گزری کہ ایک اور آدمی آیا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں اور فلاں جگہ سے آیا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ فوراً اس کے لیے چارپائی کا انتظام کرو، اس پر چادر بچھاؤ، اس پر ان کو بٹھاؤ اور ان کا احترام کرو۔ وہ عورت جو پاس بیٹھی تھی اس نے کہا ام المومنین! آپ تو سب مومنوں کی ماں ہیں جو مانگنے والا تھا وہ بھی آپ ہی کا بیٹا تھا اس کو آپ نے آدھی روٹی پر ٹرخا دیا اور اس کے لیے چارپائی بستر کا اہتمام کر رہی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث کا حوالہ دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ "جیسی جیسی کسی کی شان ہو اسی کے مطابق اس کے ساتھ برتاؤ کرو۔" یہ مانگنے والا ہر ہر دروازے پر جاتا ہے اور مانگتا ہے اور یہ شخص صرف ہمارا مہمان ہے لہٰذا دونوں میں فرق ہونا چاہیے۔

اور حدیث پاک میں آتا ہے ((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ)) "جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان لاتا ہے پس چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔" تو مہمان کی عزت اس کے ایمان میں داخل ہے اور جو مہمان پر خرچ ہوگا اس کا اس کو ثواب ملے گا کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل ہوگی۔

﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ﴾ اور جب ان کو تیار کیا ﴿بِجَهَازِهِمْ﴾ ان کے سامان کے ساتھ اور رخصت کیا ﴿قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ﴾ فرمایا آئندہ آؤ گے تو اپنے بھائی کو بھی میرے پاس لانا جو تمھارے باپ کی طرف سے ہے۔ کیوں کہ انھوں نے بتلایا تھا کہ ہمارا ایک اور بھائی بھی ہے اس کو باپ نے نہیں آنے دیا ﴿اَلَا تَرَوْنَ﴾ کیا تم دیکھتے نہیں ﴿اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ﴾ بے شک میں پورا ماپ کر دیتا ہوں ﴿وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ﴾ اور میں بہترین میزبانی کرنے والا ہوں۔ مُنْزِلٌ کا معنیٰ ہوتا ہے میزبان۔ میں میزبانوں میں سے بہترین میزبان ہوں تم نے میری میزبانی کا اندازہ لگا لیا ہوگا لہٰذا آئندہ اس کو بھی ساتھ لے کر آنا۔ ﴿فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ﴾ پس اگر تم نہ لاؤ گے اس کو میرے پاس ﴿فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ﴾ پس نہیں ہوگا اناج تمھارے لیے میرے پاس۔ تمھیں بھی دانے نہیں ملیں گے ﴿وَلَا تَقْرَبُوْنِ﴾ اور میرے قریب بھی نہ آنا۔ کچھ رغبت دلائی اور کچھ دھمکی بھی دی تاکہ آئندہ وہ بھائی کو لے آئیں یہ سب اس چیز کی تمہید تھی کہ آئندہ آئیں گے عاجزی کا اظہار کریں گے اور بالآخر یعقوب علیہ السلام کے ساتھ بھی ملاقات ہوگی۔

﴿قَالُوْا﴾ بھائیوں نے کہا ﴿سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ﴾ بتاکید ہم مطالبہ کریں گے اس کے بارے میں اس کے والد سے۔ ہم ساتھ لانے کے لیے اباجان سے ضرور مطالبہ کریں گے کہ بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دو ﴿وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ﴾ اور بے شک البتہ یہ کام ہم کریں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اجازت تھی کہ چاہیں تو کسی کو دانے مفت دیں رقم نہ لیں یہ اختیار ان کے پاس تھا آخر وزیر خزانہ تھے۔ ﴿وَقَالَ﴾ اور فرمایا یوسف علیہ السلام نے ﴿لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا﴾ اپنے نوجوانوں سے جو خادم تھے رکھ دو ﴿بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ﴾ ان کا سامان ان کے سامانوں میں۔ بضاعت کا معنیٰ سرمایہ، پونجی، رقم، راس المال۔ تو فرمایا کہ ان دس سے ہم نے رقم

نہیں لینی لہٰذا ان کی رقم کسی حیلے بہانے سے ان کے سامان میں رکھ دینا۔ وہ رقم کیا تھی؟ تفسیروں میں مختلف باتیں ہیں۔ اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ دراہم ودینار تھے جو اس زمانے کا سکہ تھا وہ تھیلے میں تھے۔ پہلے وہ رقم اُنھوں نے گن کر ان سے وصول کی پھر خادموں کو حکم دیا کہ خاموشی کے ساتھ ان کے سامان میں رکھ دینا کہ ان کو پتا نہ چلے ﴿لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ﴾ شاید کہ وہ اپنے اس سرمائے کو پہچان لیں ﴿اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ﴾ جب کہ لوٹیں گے وہ اپنے گھر والوں کی طرف ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ تاکہ وہ واپس لوٹ آئیں۔

یوسف علیہ السلام کی دوبارہ بھائیوں کو بلانے کی تدبیر

یہاں پر اسکی دو تفسیریں منقول ہیں ایک یہ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے جو بیٹے تھے گو ان سے یوسف علیہ السلام کے بارے میں کوتاہی ہوئی تھی لیکن پیغمبر کی اولاد تھے حلال حرام کو سمجھتے تھے تو یوسف علیہ السلام نے یہ تدبیر کی کہ وہ جس وقت اپنی بوریوں سے اناج نکالیں گے تو یہ رقم بھی ملے گی تو اس کو کھائیں گے نہیں کہ یہ رقم ہماری نہیں ہے غلطی سے واپس آ گئی ہے لازماً وہ یہ رقم واپس لائیں گے اور جب رقم واپس لائیں گے تو میرا بھائی بھی ساتھ لائیں گے اس طرح میرا بھائی مجھے جلدی ملے گا۔

اگر کسی آدمی کے پاس ایسی رقم ہو کہ جس کا مالک معلوم نہیں تو کیا کرے؟

اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کے پاس کسی آدمی کی رقم ہے اگر اس کا مالک معلوم ہو یا اس کا شرعی وارث معلوم ہو تو وہ رقم اس کو پہنچانی ضروری ہے چاہے وہ قریب ہو یا بعید ہو۔ جلدی پہنچا سکے یا دیر سے بہر حال رقم اس کو پہنچانی ہے۔ اور اگر مالک کا یا اس کا شرعی وارث معلوم نہ ہو تو اس سلسلے میں طویل بحث ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اَفْقَهُ الْاُمَّت ہیں یعنی اُمت میں سب سے بڑے فقیہ ہیں۔ چھٹے نمبر پر مسلمان ہونے والے ہیں پوری امت میں پہلے نمبر کے مفسر قرآن ہیں۔ یہ منڈی تشریف لے گئے وہاں غلاموں اور لونڈیوں کے علاوہ اور بہت کچھ بکتا تھا اُنھوں نے ایک لونڈی خریدی۔ ایجاب، قبول ہو گیا اور شریعت میں ایجاب، قبول ہوتے ہی ملک دوسرے کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ مثلاً: ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے یہ چیز اتنے میں تجھے دی اس نے کہا میں نے قبول کر لی بس اب یہ قبول کرنے والا شرعاً اس کا مالک بن گیا ہے۔ شرعاً تحریر اور رجسٹری وغیرہ جو اس وقت ہیں یہ ملکیت کے لیے ضروری نہیں ہیں۔

تو ایجاب وقبول ہو گیا لونڈی قبضے میں آ گئی۔ رقم دینے لگے تو آدمیوں کا ایسا ریلا آیا کہ جس کو رقم دینی تھی وہ اِدھر اُدھر ہو گیا۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو تلاش کرنے کے لیے بڑی تگ ودو کی۔ اعلان کرتے رہے، ڈھونڈتے رہے کہ بھائی میں نے باندی خریدی ہے اس کا مالک بتاؤ مگر مالک نہ ملا۔ بخاری شریف میں واقعہ ہے کہ بڑے پریشان ہوئے کہ اے پروردگار! میں بدنیت نہیں ہوں، حرام خور نہیں ہوں، شرعاً میں لونڈی کا مالک ہو چکا ہوں پیسے دینے کی بڑی کوشش کی ہے لیکن مالک نہیں ملتا میں کیا کروں۔ جب مالک کسی طرح نہ مل سکا تو اُنھوں نے وہ رقم صدقہ کرنے کے بعد عرض کیا اے پروردگار! اس

صدقے کو اس آدمی کے کھاتے میں شامل کر لے۔

اسی پر فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اگر مالک یا اس کا شرعی وارث معلوم نہ ہو تو وہ رقم اس آدمی کی طرف سے کسی غریب مسکین کو صدقہ کر دو۔ اس رقم کو مسجد، قبرستان یا عیدگاہ وغیرہ پر لگانا درست نہیں ہے بلکہ اس کا مصرف یہ مسکین ہے اور یہ نیت کرے کہ اے پروردگار! اس کا ثواب اس کے مالک کے کھاتے میں ڈال دے، طالب علم کو بھی دے سکتے ہیں۔ تو اس کا ایک مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ رقم وہ نہیں کھائیں گے بلکہ واپس پہنچائیں گے نتیجہ یہ ہوگا کہ میرا بھائی بھی ساتھ آئے گا تو میں اس کو جلدی دیکھ لوں گا۔

اور دوسری تفسیر یہ لکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے سن بھی لیا تھا اور ویسے بھی جانتے تھے کہ یہ غریب ہیں اگر یہ رقم واپس نہ بھیجی تو ممکن ہے نئی رقم حاصل کرنے میں وقت لگ جائے اور یہ رقم جب ان کو مل جائے گی تو جلدی واپس آجائیں گے قِیْلَ اور رُوِیَ کے ساتھ یہ تفسیر بھی منقول ہے۔

﴿فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ﴾ پس جب وہ لوٹے اپنے باپ کی طرف۔ دس بھائی اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس واپس آئے ﴿قَالُوْا يٰٓاَبَانَا﴾ کہنے لگے اے ہمارے ابا جان! ﴿مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ﴾۔ کیل کا لفظی معنیٰ ہے پیمانے میں ماپنا، اور یہاں وہ چیز مراد ہے جو پیمانے میں آئے گی دانے وغیرہ۔ معنیٰ ہوگا روک دیا گیا ہم سے اناج، ہمیں دانے ماپ نہیں ملیں گے۔ ﴿فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا﴾ پس تو بھیج دے ہمارے ساتھ ہمارے بھائی بنیامین کو ﴿نَكْتَلْ﴾ ہم اناج لائیں گے یعنی دانے ماپ کر لائیں گے ﴿وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ اور بے شک ہم اس کے البتہ حفاظت کرنے والے ہیں نگران ہیں۔

تمھیں یاد ہوگا کہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد محترم سے سوال کیا تھا کہ ابا جی! کل ہم سیر کرنے جائیں گے ﴿اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا﴾ آپ کل اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیں ﴿يَّرْتَعْ﴾۔ رَتَعَ کا لفظ جب جانوروں کے لیے بولا جائے تو معنیٰ ہوتا ہے چرنا اور رَتَعَ کا لفظ جب انسانوں کے لیے بولا جائے تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے جنگلی پھل کھانا کہ ہمارے ساتھ جائے گا تو جنگلی پھل کھائے گا ﴿وَيَلْعَبْ﴾ اور کھیلے گا ﴿وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ اور بے شک ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ وہاں بھی حٰفِظُوْنَ کا لفظ بولا۔ اسی کا یعقوب علیہ السلام حوالہ دے رہے ہیں۔

﴿قَالَ﴾ فرمایا یعقوب علیہ السلام ﴿هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ﴾ میں نہیں اعتبار کرتا تم پر اس بنیامین کے بارے میں ﴿اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ﴾ مگر جیسا کہ میں نے اعتبار کیا تھا تمھارا اس کے بھائی یوسف علیہ السلام کے بارے میں ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے۔ اس وقت بھی تم نے ﴿اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ کہا تھا۔ تمھاری حفاظت مجھے معلوم ہے تم کیا حفاظت کرو گے ﴿فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ پس اللہ تعالیٰ بہترین حفاظت کرنے والا ہے اور وہ سب سے بڑا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ مخلوق سے زیادہ مہربان ہے

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ عورتیں بھی تھیں وہ بیچاریاں کھانا پکانے

کے لیے ساتھ ہوتی تھیں۔ایک عورت کی گود میں دودھ پیتا بچہ تھا کھلی جگہ پر اس نے پتھروں کا چولہا بنایا تا کہ کھانا تیار کیا جاسکے۔ ہوا بڑی تیز تھی دوسری طرف سے آگ کا شعلہ آیا تو اُدھر سے ہٹ کے بیٹھ گئی اُدھر سے شعلہ آیا دوسری طرف ہٹ کے بیٹھ گئی جس طرف سے شعلہ آتا ہٹ کے دوسری جانب بیٹھ جاتی۔اس کے ذہن میں خیال آیا کہ میں تو ماں ہوں مجھے اپنے بچے پر اتنی شفقت ہے کہ اس کو بچانے کے لیے آگ کے چاروں طرف چکر لگالیا ہے کہ آگ میں جلانا اس کو پسند نہیں کرتی کیا اللہ تعالیٰ کی ذات میں مخلوق کے لیے اتنی بھی شفقت نہیں ہے جتنی میری شفقت اپنے بچے کے لیے ہے۔بخاری شریف میں روایت ہے کہ وہ بی بی آنحضرت ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی حضرت! میں چولہے پر کھانا پکار ہی تھی اور میری گود میں بچہ تھا اُس طرف سے ہوا چل رہی تھی جب آگ کے شعلے میری طرف آتے تو میں کبھی اِدھر کو ہو جاتی اور کبھی اُدھر کو ہو جاتی تھی تو حضرت! یہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اتنی رحمت بھی نہیں کرے گی جتنی ماں میں اولاد کے لیے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اَللّٰهُ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنَ الْاُمِّ بِابْنِهٖ "اللہ تعالیٰ زیادہ رحم کرنے والا ہے اپنے بندوں پر بہ نسبت ماں کے اپنے بیٹوں کے ساتھ۔" اس بی بی نے کہا پھر خیر صلاً ہے۔

اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کیے ہیں ننانوے حصے اپنے پاس رکھے ہیں ایک حصہ ساری مخلوق پر تقسیم کیا ہے۔انسان، حیوانات، جنات، جو آپس میں پیار محبت کرتے ہیں اسی ایک حصے کی وجہ سے کرتے ہیں۔

"شمس المعارف" تعویذات کی کتابوں میں بڑی کتاب ہے۔علامہ بونی رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگ ہیں اس میں وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص آیت کریمہ کا یہ ٹکڑا ﴿فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ لکھ کر اپنے پاس رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کو دشمنوں کی زد سے بچائے گا۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ انھوں نے سامان کھولا ﴿وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ﴾ اور جب کھولا اُنھوں نے اپنے سامان کو، دانوں کی بوریاں کھولیں ﴿وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ﴾ پایا اُنھوں نے اپنی پونجی اور سرمائے کو ﴿رُدَّتْ اِلَيْهِمْ﴾ لوٹا دی گئی ہے ان کی طرف۔وہ درہم اور دنانیر کا تھیلا درمیان سے نکل آیا۔﴿قَالُوْا﴾ خوشی کے ساتھ کہنے لگے ﴿يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ﴾ اے ہمارے ابا جان! ہم کیا چاہتے ہیں، ہمیں اور کیا چاہیے کہ پیسے بھی آگئے اور دانے بھی آگئے ﴿هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا﴾ یہ ہمارا سرمایہ، پونجی اور رقم لوٹا دی گئی ہے ہماری طرف ﴿وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا﴾ مِیْرَۃ میم مکسور کے ساتھ بمعنی خوراک کے ہے۔معنی ہوگا اور ہم اناج لائیں گے، خوراک لائیں گے اپنے گھر کے افراد کے لیے ﴿وَنَحْفَظُ اَخَانَا﴾ اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے ﴿وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ﴾ اور ہم زیادہ لائیں گے ایک اونٹ کا بوجھ۔پہلے ہم دس تھے اُنھوں نے دس اُونٹوں پر دانے رکھ کر دیے اب ہم گیارہ ہوں گے تو ہمیں وہ گیارہ اونٹوں پر اناج دیں گے ﴿ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ﴾ یہ بوجھ تو بہت تھوڑا ہے۔یہ ایک اونٹ کا بوجھ دینا عزیز مصر کے لیے بہت آسان ہے وہ بڑا سخی آدمی ہے۔

اور یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ ابا جی! اگر ہم دس اُونٹوں کا بوجھ لاتے ہیں تو یہ تو تھوڑا سا ہے یہ کتنے دن رہے گا۔مستدرک حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے اہل خانہ سب چھوٹے بڑے ملا کے تین سو نوے [۳۹۰] افراد تھے بڑا

خاندان تھا۔ پھر ہوں بھی سارے کھانے پینے والے تو خرچے کا اندازہ تم خود لگالو اس لیے تم اس کو ضرور بھیجو۔ ﴿قَالَ﴾ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا ﴿لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ﴾ میں ہرگز نہیں بھیجوں گا اس کو تمھارے ساتھ ﴿حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ﴾۔ مَوْثِق کا معنی وثیقہ، اعتماد، وعدہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ تم دو گے مجھے وعدہ اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر، اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھ کر میرے ساتھ تم عہد و پیمان کرو کس بات کا ﴿لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ﴾ البتہ تم ضرور لاؤ گے اس کو میرے پاس کوئی مکر اور حیلہ نہیں کرو گے کوئی شرارت نہیں کرو گے۔ ہاں! ﴿اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ﴾ مگر یہ کہ تم سب کو گھیر لیا جائے تم سب کسی گرفت میں آجاؤ پھر سمجھیں گے کہ تمھارا کوئی قصور نہیں ہے اگر خود تم جیتے جاگتے آجاؤ اور اس کو تم اِدھر اُدھر کرو تو پھر تو تمھاری ہی شرارت سمجھی جائے گی۔ ﴿فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ﴾ پس جب دیا اُنھوں نے اپنے باپ کو وعدہ اپنا۔ اے ابا جان! ہم اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر رب تعالیٰ کو گواہ بنا کر وعدہ کرتے ہیں ہم ان شاء اللہ العزیز بھائی کی حفاظت کریں گے اور اس کو ضرور واپس لائیں گے۔ ﴿قَالَ﴾ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ لفظ اللہ ﴿قَالَ﴾ کا فاعل نہیں ہے بلکہ مقولہ ہے۔ ﴿اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ﴾ اللہ تعالیٰ اس بات پر جو ہم کہتے ہیں نگہبان ہے، گواہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو گواہ سمجھنا اور اپنی طرف سے کوئی شرارت نہ کرنا لے جاؤ اس بھائی کو بھی۔ بقیہ واقعہ آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

~~~

﴿وَقَالَ﴾ اور فرمایا یعقوب علیہ السلام نے ﴿يٰبَنِيَّ﴾ اے میرے بیٹو! ﴿لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ﴾ نہ داخل ہونا ایک دروازے سے ﴿وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ﴾ اور داخل ہونا جدا جدا دروازوں سے ﴿وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ﴾ اور میں کفایت نہیں کر سکتا تم سے ﴿مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی شے سے ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ نہیں ہے حکم مگر صرف اللہ تعالیٰ کا ﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ اسی پر میں نے بھروسا کیا ہے ﴿وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ اور اسی پر چاہیے کہ بھروسا کریں بھروسا کرنے والے ﴿وَلَمَّا دَخَلُوْا﴾ اور جس وقت وہ داخل ہوئے ﴿مِنْ حَيْثُ﴾ جہاں سے ﴿اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ﴾ حکم دیا تھا ان کے والد نے ﴿مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ﴾ نہیں تھے وہ کہ بچا سکتے ان کو ﴿مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی چیز سے ﴿اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ﴾ مگر ایک ارمان تھا یعقوب علیہ السلام کے جی میں ﴿قَضٰىهَا﴾ جو اُنھوں نے پورا کیا ﴿وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ﴾ اور بے شک وہ علم والے تھے ﴿لِّمَا عَلَّمْنٰهُ﴾ اس وجہ سے کہ ہم نے ان کو سکھایا تھا ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کا ذکر چلا آرہا ہے۔ کل کے سبق میں تم نے پڑھا اور سنا کہ جب پہلی مرتبہ یوسف علیہ السلام کے بھائی اناج لینے کے لیے کنعان سے مصر پہنچے اور حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی وہ ان کو پہچان گئے اور یہ نہ پہچان سکے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی بڑی عزت کی، احترام کیا، گھر کے حالات پوچھے اور یہ بھی پوچھا کہ تمھارے پیچھے
~~~

کون ہے؟ اُنھوں نے سب کچھ بتلایا کہ ہمارا ایک بھائی اور بھی ہے۔ فرمایا آئندہ جب آنا تو اس کو بھی ساتھ لانا۔ اُنھوں نے اپنے والد صاحب کو آمادہ کیا کہ بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیجو ہم گندم زیادہ لائیں گے اور اس کے بغیر ہمیں اناج نہیں ملے گا۔ بیٹوں نے جب پورا اطمینان دلایا اور تسلی دی تو حضرت یعقوب علیہ السلام مطمئن ہو گئے اور ساتھ بھیج دیا۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا دوسری مرتبہ جانا

اب یہ دوسری دفعہ کنعان سے مصر جا رہے ہیں جو آٹھ یا دس دن کی مسافت پر تھا۔ بڑا قافلہ تھا ان کے ساتھ اور لوگ بھی تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا ﴿وَقَالَ﴾ اور فرمایا یعقوب علیہ السلام نے ﴿يٰبَنِيَّ﴾ اے میرے بیٹو! ﴿لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ﴾ نہ داخل ہونا ایک دروازے سے۔ پہلے زمانے میں شہروں کے اردگرد دیوار ہوتی تھی جس کو فصیل اور سُورُ البلاد کہتے تھے اس سے داخل ہونے کے مختلف دروازے ہوتے تھے۔ جس طرح گوجرانوالا میں سیالکوٹی دروازہ ہے، کھیالی دروازہ ہے، لاہوری دروازہ ہے۔ اسی طرح لاہور میں دلی دروازہ ہے، ملتانی دروازہ ہے اسی طرح مصر کے بھی بہت سارے دروازے تھے۔ فرمایا ایک دروازے سے داخل نہ ہونا ﴿وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ﴾ اور داخل ہونا جدا جدا دروازوں سے، مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ دو تین بھائی ایک دروازے سے، دو تین دوسرے دروازے سے، اس طرح بکھر کے جانا۔

اور بیٹو یاد رکھو! ﴿وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ اور میں کفایت نہیں کر سکتا اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی شے سے، میں تمھیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچا سکتا کیوں؟ ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ نہیں ہے حکم مگر صرف اللہ تعالیٰ کا۔ حکم وہی ہوگا جو رب تعالیٰ نے دینا ہے ﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ اسی پر میں بھروسا کرتا ہوں ﴿وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ اور اسی پر چاہیے کہ بھروسا کریں بھروسا کرنے والے۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہ سبق کیوں دیا کہ ایک دروازے سے داخل نہ ہونا؟

نظر کا لگ جانا حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کوئی نہیں بچ سکتا

تفسیروں میں ایک بات یہ لکھی ہے کہ نظر بد سے بچنے کے لیے کہ ماشاء اللہ سارے صحت مند خوب صورت جوان تھے کہیں نظر بد نہ لگ جائے۔ حدیث پاک میں آتا ہے اَلْعَيْنُ حَقٌّ وَلَهٗ رُقْيَةٌ "نظر کا لگ جانا حق ہے اور اس کا دم بھی ہے۔" نظر کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو دیکھے کہ یہ اتنا صحت مند ہے، اتنا خوب صورت ہے، اتنا مال دار ہے، اتنا قابل اور لائق ہے۔ یعنی ان چیزوں پر تعجب کا اظہار کرے۔ یہ جب تعجب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فوراً اس میں عیب پیدا کر دیتے ہیں کہ ان کمالات میں بندے کا کوئی دخل نہیں ہے یہ میرے اختیار میں ہے۔

اللہ تعالیٰ دینے پر بھی قادر ہے اور لینے پر بھی قادر ہے

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت بتلاتے ہیں کہ دیکھو جس نے کمال دیا ہے وہ زائل بھی کر سکتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب انسانوں کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سورج گرہن اور چاند گرہن کر دیتا ہے یہ بتلانے کے لیے کہ اپنی صحت اور حسن و کمال پر گھمنڈ کرنے والو، برائیاں کرنے والو باز آ جاؤ جس رب نے سورج کو روشنی دی تھی تمھارے سامنے سلب کر لی ہے، چھین لی ہے۔ جس نے چاند کو چمک دی تھی دیکھتے نہیں ہو کہ اس نے چمک چھین لی ہے۔ حضرت سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ بعض اوقات یہ شعر پڑھتے تھے ۔

حسن والے حسن کا انجام دیکھ
ڈوبتے سورج کو بوقت شام دیکھ

یہ کمالات جو رب تعالیٰ نے کسی کو دیے ہیں یہ رب تعالیٰ کا عطیہ ہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے ان کی قدر کرنی چاہیے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نظر بد سے بچنے کے لیے مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھو نظر بد نہیں لگے گی اور اگر لگ گئی تو یہ پڑھ کر دم کرو۔ باقی ایک بات یہاں اچھی طرح سمجھ لیں کہ اگر ہم پھونکیں ماریں اور اثر نہ ہو یا فوراً اثر نہ ہو تو یہ ذہن ہرگز نہ بنانا کہ رب تعالیٰ کے کلام میں اثر نہیں ہے اور یہ نظریہ قائم نہ کرنا کہ العیاذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح نہیں بتلایا۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں اثر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان بھی سچی ہے۔ کمی کوتاہی ہم میں ہے، ہمارے عقیدے کمزور ہیں، ایمان بڑا کمزور ہے، ہماری خوراک حرام نہ سہی مشکوک تو ضرور ہے۔

دعا کی قبولیت کے لیے رزقِ حلال شرط ہے

اور دعاؤں کی قبولیت کے لیے بنیادی شرط رزقِ حلال ہے اور دم بھی دعا ہے۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے ایک لقمہ بھی حرام کا کھایا تو چالیس دن اور چالیس راتیں دعا کی قبولیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور ہمارے تو خیر پیٹ حرام سے بھرے ہوئے ہیں ایک لقمے کی تو بات ہی نہیں ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت نقل فرمائی ہے اور فرماتے ہیں بِاِسْنَادٍ لَا بَاْسَ بِهٖ صحیح سند ہے۔

اور بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ لوگ دور دراز سے سفر کرتے ہیں (آج تو سفر بڑا آرام دہ ہو گیا ہے اس وقت پسینا سر سے پاؤں تک ٹپکتا تھا۔ گرد و غبار ان کے کپڑوں پر اور سر اور پاؤں پر پڑتا تھا)۔ فرمایا دور دراز کا سفر کرتے ہیں کعبۃ اللہ پہنچتے ہیں، کعبۃ اللہ کا طواف کرتے ہیں، کعبۃ اللہ کا غلاف پکڑتے ہیں اور یَارَبِّ یَارَبِّ دعائیں کرتے ہیں۔ فرمایا مَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَ مَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لَهٗ۔ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام، ایسے شخص کی دعا کیوں کر قبول کی جائے گی۔ کعبے میں بھی قبول نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ دعاؤں کی قبولیت کے لیے، نمازوں کی قبولیت کے لیے،

حلال کھانا شرط ہے حرام سے بچنا شرط ہے۔ لیکن آج حالات ہی اتنے خراب ہو گئے کہ الامان والحفیظ۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ اگر کوئی شخص حرام سے بچنا چاہے گا بھی تو حرام کا دھواں زبردستی اس کی ناک میں گھسے گا۔

بینک میں پیسے رکھنا مجبوری ہے؟

آج حالات ایسے ہیں کہ لوگ مجبور ہیں۔ اگر کسی کے پاس چار پیسے جمع ہو جاتے ہیں خوشی غمی کے لیے تو وہ مجبوراً بینک میں رکھتے ہیں کہ چور ڈاکو نہیں چھوڑتے۔ مگر جائز سمجھ کر نہ رکھیں بینک میں رکھنا ناجائز ہے کیوں کہ بینک والے رقم سے سودی کاروبار کرتے ہیں۔ مگر جب دو مصیبتیں جمع ہو جائیں تو ہلکی کو اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ مسئلہ شریعت نے یہ بتلایا ہے إِذَا ابْتُلِيتُمْ بِبَلَائَيْنِ فَاخْتَرْ أَهْوَانَهُمَا "جب دو مصیبتوں میں پھنس جاؤ تو ہلکی کو اختیار کرلو" یہاں دو مصیبتیں جمع ہو گئی ہیں ایک طرف ڈاکوؤں، چوروں سے جان کا خطرہ ہے اور دوسری طرف سود ہے۔ لہٰذا دوسری جانب اختیار کرلو۔ پیسے بنک میں رکھوا دو مگر وہاں سے جو زائد پیسے تمھیں ملیں گے جس کو وہ نفع کہتے ہیں وہ اپنی ذات کے لیے استعمال نہ کرو بلکہ وہ کسی غریب فقیر کو دے دو ثواب کی نیت کے بغیر۔ کیوں کہ اگر کسی نے حرام مال کا صدقہ کیا اور ثواب کی نیت کی تو کافر ہو جائے گا، نکاح ٹوٹ جائے گا۔ لہٰذا دیتے وقت ثواب کی نیت نہ کرنا۔ نیت یہ ہونی چاہیے کہ میں حرام خوری سے بچ جاؤں۔ اس رقم سے سڑک نہیں بنوا سکتے، گلی نہیں بنوا سکتے، بیت الخلاء نہیں بنا سکتے صرف فقیر مسکین کو دے سکتے ہیں اس کے لیے جائز ہے وہ کھا سکتا ہے۔

اور دوسری وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ سب بھائی بڑے صحت مند تھے۔ پہلے دس تھے اور اب گیارہ ہیں اور بادشاہ اور وزیر نے ان کی قدر بھی بڑی کی تھی۔ جب یہ سارے ایک ہی دروازے سے داخل ہوں گے تو کہیں مصری لوگ ان کے درپے نہ ہو جائیں کہ یہ کون لوگ ہیں جن کی عزیز مصر اتنی عزت کرتا ہے اور خدمت کرتا ہے۔

تدبیر توکل کے خلاف نہیں؟

آخر باپ باپ ہے اپنی اولاد کے لیے بہت کچھ سوچتا ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ تدبیر توکل کے خلاف نہیں ہے۔ ساتھ کہتے ہیں ﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ میں نے اس اللہ پر توکل کیا ہے اور تدبیر بھی بتلاتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس دور سے ایک مسافر آیا۔ آپ کی عادت مبارک تھی کہ آنے والے سے پوچھتے تھے کہاں سے آئے ہو کس کے مہمان ہو کس سے ملنا ہے تیرے ساتھ کون ہے؟ تاکہ معلوم ہو جائے کہ کھانے پینے اور رہائش کا انتظام کس کے ذمہ ہے؟ اس نے کہا حضرت! میں آپ کا مہمان ہوں۔ فرمایا تیرے ساتھ کوئی اور آدمی بھی ہے؟ کہنے لگا کوئی نہیں ہے۔ کیسے آئے ہو؟ اس نے کہا حضرت! اونٹنی پر سوار ہو کر آیا ہوں۔ فرمایا اونٹنی کہاں ہے؟ حضرت! باہر چھوڑ آیا ہوں توکل پر۔ آپ ﷺ نے فرمایا قَيِّدْهَا ثُمَّ تَوَكَّلْ "پہلے اس کے پاؤں باندھو پھر توکل کرو۔" مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا ایسے ترجمہ کیا ہے۔

گفت پیغمبر بآواز بلند
در توکل زانوئے اشتر بہ بند

پہلے اونٹنی کا پاؤں باندھو پھر توکل کرو۔ توکل کا یہ معنٰی ہے کہ ظاہری اسباب اختیار کر واس کا نتیجہ رب تعالیٰ پر چھوڑ دو۔ اگر کوئی شخص ظاہری اسباب اختیار نہیں کرتا تو وہ تعطّل کا شکار ہے، اسباب کو چھوڑنے والا ہے۔ لہٰذا تدبیر توکل کے خلاف نہیں ہے۔ شاعر کہتا ہے ؎

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
پھر اُس خنجر کی تیزی کو مقدر کے حوالے کر

﴿وَلَمَّا دَخَلُوْا﴾ اور جس وقت وہ داخل ہوئے ﴿مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ﴾ جہاں سے حکم دیا تھا ان کے والد نے کہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ نہیں تھے وہ کہ بچا سکتے ان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی چیز سے، وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے کفایت نہیں کر سکتے تھے کچھ بھی ﴿اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا﴾ مگر ایک ارمان اور حاجت تھی ایک ضرورت تھی یعقوب علیہ السلام کے دل میں جو اُنھوں نے پوری کی۔ اپنا ارمان پورا کیا اپنے باپ ہونے کی حیثیت سے جو بات بہتر تھی وہ ان کو بتلائی باقی اختیار ان کو کچھ نہ تھا۔

نفع ونقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے

اختیار صرف رب تعالیٰ کو ہے جو کرتا ہے رب تعالیٰ کرتا ہے لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر کوئی گھنگرو ڈال کر پھرنے لگ جائے تو اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ہمارا بیڑا نہ غرق کر دے۔ بھئی! اگر وہ اتنا پہنچا ہوا ہوتا تو اپنے آپ کو درست نہ کر لیتا۔ نفع نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ النافع بھی اس کی صفت ہے اور الضار بھی اس کی صفت ہے۔

بارہا یہ بات تم سن چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی ذات نہ ہے نہ ہو سکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اعلان کرادیا قُلْ اے نبی کریم! آپ کہہ دیں اعلان کر کے ان کو سنا دیں ﴿قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ [سورۃ جن: ۲۱] "میں تمھارے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔" اور سورۃ اعراف میں اپنی ذات کے بارے میں اعلان کروایا ﴿قُلْ﴾ "آپ کہہ دیں ﴿لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ میں اپنی جان کے لیے بھی نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں مگر جو چاہے اللہ تعالیٰ۔" جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں تو اور کوئی کس باغ کی مولی ہے کہ اس کے پاس یہ اختیار ہے۔

تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو فرما دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمھاری کچھ کفایت نہیں کر سکتا اور ان کی تائید میں اللہ تعالیٰ نے بھی فرما دیا کہ وہ اپنے بیٹوں کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے چھڑانے کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے پس اُنھوں نے اپنا فریضہ ادا کیا جو ان کے دل میں بات تھی وہ اُنھوں نے پوری کی ﴿وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ﴾ اور بے شک یعقوب علیہ السلام علم

والے تھے ﴿لِمَا عَلَّمْنٰهُ﴾ اس وجہ سے کہ ہم نے ان کو سکھایا تھا وہ ان چیزوں کو جانتے تھے جن کی ہم نے ان کو تعلیم دی تھی ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ حقیقت نہیں جانتے حقیقت سے دور ہوتے ہیں۔

﴿وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ﴾ اور جب وہ داخل ہوئے یوسف علیہ السلام کے پاس ﴿اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ﴾ جگہ دی اُنھوں نے اپنے پاس اپنے بھائی کو ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿اِنِّيْۤ اَنَا اَخُوْكَ﴾ بے شک میں تیرا بھائی ہوں ﴿فَلَا تَبْتَىِٕسْ﴾ پس تو پریشان نہ ہو ﴿بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اس کارروائی پر جو یہ کرتے تھے ﴿فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ﴾ پس جب ان کو تیار کیا ان کے سامان کے ساتھ ﴿جَعَلَ السِّقَايَةَ﴾ رکھ دیا پیانہ ﴿فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ﴾ اپنے بھائی کے سامان میں ﴿ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ﴾ پھر اعلان کرنے والے نے اعلان کیا ﴿اَيَّتُهَا الْعِيْرُ﴾ اے قافلے والو! ﴿اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ﴾ بے شک البتہ تم چور ہو ﴿قَالُوْا﴾ اُنھوں نے کہا ﴿وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ﴾ اور وہ متوجہ ہوئے ان پر ﴿مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ﴾ کیا چیز تم گم پاتے ہو ﴿قَالُوْا﴾ اُنھوں نے کہا ﴿نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ﴾ ہم گم پاتے ہیں بادشاہ کا پیانہ ﴿وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ﴾ اور جو خود اس کو لائے گا اس کے لیے ﴿حِمْلُ بَعِيْرٍ﴾ ایک بوجھ اُونٹ کا ہوگا ﴿وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ﴾ اور میں اس کا ذمہ دار ہوں ﴿قَالُوْا﴾ اُنھوں نے کہا ﴿تَاللّٰهِ﴾ اللہ کی قسم ﴿لَقَدْ عَلِمْتُمْ﴾ البتہ تحقیق تم جانتے ہو ﴿مَّا جِئْنَا﴾ نہیں آئے ہم ﴿لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ﴾ کہ فساد مچائیں ہم زمین میں ﴿وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ﴾ اور ہم چور نہیں ہیں ﴿قَالُوْا﴾ اُنھوں نے کہا ﴿فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ﴾ کیا ہوگا اس کا بدلہ اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے ﴿قَالُوْا﴾ اُنھوں نے کہا ﴿جَزَآؤُهٗ﴾ اس کا بدلہ ﴿مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ﴾ جس کے سامان میں وہ چیز پائی گئی ﴿فَهُوَ جَزَآؤُهٗ﴾ وہی اس کا بدلہ ہوگا ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو۔

پہلے تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام وزیر مالیات بنے۔ پہلے سات سال خوب کاشت ہوئی جس کو خوشوں سمیت محفوظ کر لیا گیا پھر سات سال قحط کے آئے۔ قحط جس طرح مصر میں پڑا اسی طرح آس پاس کے علاقے کنعان، شام، فلسطین میں بھی پڑا۔ اَناج کا سٹاک (ذخیرہ) صرف مصر والوں کے پاس تھا دور دراز سے لوگ دانے لینے مصر جاتے تھے ، حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو بھیجا۔ پہلی دفعہ دس بھائی گئے یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا لیکن وہ یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے یوسف علیہ السلام نے گھر کے حالات پوچھے اور فرمایا کہ تمھارا اور بھی کوئی بھائی ہے؟ اُنھوں نے کہا ہاں! ہمارا ایک بھائی ہے سوتیلی ماں سے۔ ہمارے والد نے ہماری والدہ کے فوت ہو جانے کے بعد ہماری خالہ سے نکاح کیا تھا وہ اس سے ہے۔ فرمایا آئندہ اس کو بھی ساتھ لے آنا۔ کہنے لگے ابا جی سے درخواست کریں گے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عہد و پیمان دیا مگر اُنھوں

نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے ان کے ساتھ بھیج دیا۔ اب یہ دوسری دفعہ گیارہ آدمی گئے اس کا ذکر ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام بنیامین کے ساتھ بے تکلف ہو گئے

﴿وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ﴾ اور جب وہ داخل ہوئے یوسف علیہ السلام کے پاس ﴿اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ﴾ جگہ دی اُنھوں نے اپنے بھائی کو اپنے پاس۔ صورت اس کی یہ ہوئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی خاطر تواضع کی اور فرمایا کہ تم دس آدمی پہلے بھی آئے اور شہر کے واقف ہو کئی دن یہاں رہے ہو بازاروں سے بھی واقف ہو باغات کو جانتے ہو تمھیں اجازت ہے چلو پھرو اور بنیامین پہلی دفعہ آیا ہے اس کو یہاں رہنے دو۔ چنانچہ وہ جب چلنے پھرنے کے لیے رخصت ہو گئے اور بنیامین پاس رہے تو یوسف علیہ السلام ان کے ساتھ بے تکلف ہو گئے۔ ﴿قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ﴾ فرمایا بے شک میں تیرا بھائی یوسف ہوں۔ پھر دونوں بھائی باتیں کرتے رہے بنیامین نے بھی بڑوں کی زیادتیاں بیان کی کہ اُنھوں نے میرے ساتھ یہ کیا اور وہ کیا۔ اس کا ذکر ہے۔ ﴿فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ پس تو پریشان نہ ہو اس کارروائی پر جو وہ کرتے ہیں اب ان چیزوں کو بھلا دو۔

یہ سارے کئی دن تک یوسف علیہ السلام کے پاس رہے۔ بڑی عزت واحترام کے ساتھ ان کو رکھا اور قاعدے کے مطابق ان کو فی کس ایک ایک اونٹ بوجھ اناج کا دیا۔ ﴿فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ﴾ پس جب ان کو تیار کیا ان کے سامان کے ساتھ یعنی واپسی کا سامان دانے وغیرہ بوریوں میں ڈال کر اونٹوں پر لدوائے تو ﴿جَعَلَ السِّقَايَةَ﴾۔ سقایہ کا لفظی معنٰی ہے وہ پیالہ جس کے ساتھ پانی پلایا جائے۔ یہ سونے کا پیالہ تھا اور اس کے کنارے پر موتی لگے ہوئے تھے بادشاہ اس میں دودھ، پانی، شراب وغیرہ پیتا تھا۔ بعد میں اس پیالے کو پیمانے کے طور پر مقرر کر دیا گیا کہ اس پیمانے کے ساتھ ماپ کر اناج لوگوں کو دو۔ اب اس کے معنٰی پیمانے کے ہیں۔ رکھ دیا پیمانہ ﴿فِیْ رَحْلِ اَخِیْهِ﴾ اپنے بھائی کے سامان میں، ان سے نظر بچا کر بوری میں رکھ دیا۔ ان میں سے کسی کو معلوم نہیں ہے، نہ بڑوں کو، نہ چھوٹوں کو، نوکروں میں سے بھی کسی کو علم نہیں ہے۔

جس وقت تیار ہو کر جانے لگے ﴿ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ﴾ پھر اعلان کرنے والے نے اعلان کیا ﴿اَیَّتُهَا الْعِیْرُ﴾ اے قافلے والو! ﴿اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ﴾ بے شک تم چور ہو۔ اُنھوں نے حیران ہو کر کہا ﴿قَالُوْا﴾ کہا اُنھوں نے ﴿وَاَقْبَلُوْا عَلَیْهِمْ﴾ اور وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے ﴿مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ﴾ کیا چیز تم گم پاتے ہو۔ ہمیں چور کہتے ہو کیا چیز تمھاری گم ہو گئی ہے ﴿قَالُوْا﴾ اُنھوں نے کہا ﴿نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ﴾ ہم گم پاتے ہیں بادشاہ کا پیمانہ جس کے ساتھ ہم دانے ماپ کر دیتے ہیں ﴿وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِیْرٍ﴾ اور جو خود اس کو لائے گا اس کے لیے ایک بوجھ اُونٹ کا ہو گا انعام کے طور پر ﴿وَّاَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ﴾ اور میں اعلان کرنے والا اس کا ذمہ دار ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی تدبیر ان کی شان کے لائق نہیں تھی، اعتراض کا جواب

یہاں پر بڑی بحث کی گئی ہے اس بات پر کہ ان کو چور کہنا خلاف واقعہ ہے۔ کیوں کہ پیالہ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے

خود رکھا تھا ان کو تو علم بھی نہیں کہ ہماری کسی بوری میں بادشاہ کا پیالہ ہے اور یوسف علیہ السلام کو اگر نبوت بعد میں بھی ملی ہو پھر بھی یہ بات مناسب نہیں ہے کیوں کہ نبی نبوت سے پہلے بھی ولی ہوتا ہے واقعہ کے خلاف بات ان کی شان کے لائق نہیں ہے۔ اس کے جواب میں تفسیروں کے اندر بہت کچھ لکھا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیالہ تو رکھا یوسف علیہ السلام نے لیکن اعلان اُنھوں نے نہیں کیا اعلان کے متعلق جملہ ہے ﴿ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ﴾ پھر اعلان کیا ایک اعلان کرنے والے نے۔ یہ نگران نے اعلان کیا اس نے جب دیکھا کہ سونے کا پیالہ جو سرکاری طور پر پیمانہ مقرر ہوا تھا، نہیں ہے، کہاں گیا ہے؟ اور اس کو حقیقت کا علم نہیں تھا نگرانی اس کی تھی کیوں کہ وہ دفتر کا ذمہ دار تھا اس کے علم میں واقعی وہ چوری تھی۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ عربی میں ایک محاورہ ہے جس کو توریہ کہتے ہیں۔ توریہ کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ دو معنوں والا لفظ بولا جائے سننے والا قریبی معنیٰ سمجھے اور متکلم کی مراد دور والے معنیٰ کی ہو۔ جیسے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور کوئی نہیں تھا راستے میں کچھ لوگ ملے جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہچانتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہچانتے تھے۔ اُنھوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا مَنْ مَّعَكَ اے ابوبکر! تیرے ساتھ کون ہے؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا رَجُلٌ یَّهْدِیْنِیَ السَّبِیْلَ یہ شخص مجھے راستہ دکھاتا ہے میری راہنمائی کرتا ہے۔ اُنھوں نے یہ حسی راستہ سمجھا جس پر لوگ چلتے ہیں کہ اُنھوں نے اس راستے کی راہبری کے لیے کوئی آدمی ساتھ لیا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مراد تھی صراط مستقیم کی کہ یہ مجھے صراط مستقیم دکھاتا ہے جو آخرت کا راستہ ہے۔ جس کے لیے ہم نماز میں دعا کرتے ہیں ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ﴾ پروردگار ہمیں صراط مستقیم پر قائم رکھیں۔

تو اگر اعلان کرنے والے خود یوسف رضی اللہ عنہ ہیں کہ اُنھوں نے اعلان کیا اے قافلے والو! تم چور ہو تو اُنھوں نے توریے کے طور پر کیا اور ان کی مراد یہ تھی کہ تم نے بچپن میں یوسف علیہ السلام کو باپ سے چرا کر قافلے والوں کے آگے چند درہموں کے عوض بیچ دیا تھا۔ اُنھوں نے قریبی معنیٰ سمجھا کہ پیالے کی وجہ سے ہمیں چور کہہ رہے ہیں اور یوسف علیہ السلام کے ذہن میں دور والا معنیٰ تھا جو بالکل حقیقت کے مطابق ہے۔

﴿قَالُوْا﴾ اُنھوں نے کہا تَاللّٰہِ اللہ کی قسم! حرف 'ت' اور 'واؤ' اور 'ب' قسم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ واللہ، باللہ، تاللہ سب قسمیں ہیں۔ ﴿لَقَدْ عَلِمْتُمْ﴾ البتہ تحقیق تم جانتے ہو ﴿مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ﴾ نہیں آئے ہم کہ فساد مچائیں زمین میں یہ چوری بھی فساد ہے جس طرح جھوٹ اور فریب فساد ہے ان چیزوں سے زمین میں فساد پھیلتا ہے ﴿وَمَا كُنَّا سٰرِقِیْنَ﴾ اور ہم چور نہیں ہیں۔ اور اس بات میں وہ سچے تھے کیوں کہ وہ تو اناج لینے کے لیے آئے تھے چوری، جھگڑا، فتنہ و فساد تو ان کا مقصد نہیں تھا ﴿قَالُوْا﴾ اُنھوں نے کہا جو سرکاری دفتر کے ملازم تھے ﴿فَمَا جَزَآؤُهٗ﴾ کیا ہوگا بدلہ اس کا یعنی چور کا ﴿اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِیْنَ﴾ اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے۔ ﴿قَالُوْا﴾ اُنھوں نے کہا ﴿جَزَآؤُهٗ﴾ بدلہ اس کا ﴿مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ﴾ جس کے سامان میں وہ چوری پائی گئی ﴿فَهُوَ جَزَآؤُهٗ﴾ پس وہی اس کا بدلہ ہے ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ﴾ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو اپنی

شریعت میں۔

بات اچھی طرح سمجھ لیں۔ وہ یہ کہ چور کے بارے میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کی سزا اور تھی اور ملک مصر کے قانون میں سزا اور تھی۔ مصر کا قانون یہ تھا کہ چور سے ڈبل قیمت وصول کی جاتی تھی۔ مثلاً: اگر اس نے سو کی چوری کی ہے تو اس سے دوسو روپے وصول کیے جاتے تھے اور اَلضَّرْبُ کے لفظ بھی آتے ہیں کہ اس کی پٹائی بھی کی جاتی تھی۔ چور کی پٹائی بھی کرتے تھے اور اس سے ڈبل قیمت بھی وصول کرتے تھے۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں یہ قانون تھا کہ چور کو چوری کے مال کے حساب سے اپنے پاس غلام بنا کر رکھنا ہوتا تھا۔ مثلاً: ایک ہزار کی چوری کی ہے تو ایک سال غلام بن کے ان کے پاس ٹھہرے گا جن کی چوری کی ہے اور اگر پانچ سو کی چوری کی ہے تو چھ ماہ غلام بن کے ٹھہرے گا اور وہ اس سے خدمت لیتے رہیں گے اگر اس سے کم کی چوری کی ہوتی تو اس حساب سے غلام بنا کر رکھا جاتا تھا۔

تو حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا کہ وہ مصر کے قانون کے مطابق بنیامین کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس لیے کہ وہ اس سے دگنی رقم لے کر چھوڑ دیتے یا مارتے پیٹتے اور یوسف علیہ السلام کا مقصد تو بھائی کو پاس رکھنا تھا اس لیے انھوں نے ان سے پوچھا کہ تمھارے نزدیک چور کی سزا کیا ہے اور انھوں نے اپنی شریعت کے مطابق بیان کر دی کہ وہی اس کی سزا ہے کہ مال کے بدلے میں اس کو اپنے پاس رکھا جاتا ہے تو یوسف علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے مطابق بھائی کو اپنے پاس رکھا۔ اس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

﴿ فَبَدَاَ ﴾ پس ابتدا کی (یوسف علیہ السلام نے تلاشی لینے کی) ﴿ بِاَوْعِيَتِهِمْ ﴾ ان کے سامان سے ﴿ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ﴾ اپنے بھائی کے سامان سے پہلے ﴿ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا ﴾ پھر نکالا اس پیالے کو ﴿ مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ﴾ اپنے بھائی کے سامان سے ﴿ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ﴾ اسی طرح ہم نے تدبیر بتلائی یوسف علیہ السلام کو ﴿ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ ﴾ نہیں تھے وہ کہ لیتے اپنے بھائی کو ﴿ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ ﴾ اس بادشاہ کے قانون میں ﴿ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ﴾ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا ﴿ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ ﴾ ہم بلند کرتے ہیں درجے ﴿ مَّنْ نَّشَآءُ ﴾ جس کے چاہتے ہیں ﴿ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴾ اور ہر علم والے کے اوپر ایک جاننے والا ہے ﴿ قَالُوْٓا ﴾ بھائیوں نے کہا ﴿ اِنْ يَّسْرِقْ ﴾ اگر چوری کی ہے اس نے ﴿ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ ﴾ پس تحقیق چوری کی اس کے بھائی نے ﴿ مِنْ قَبْلُ ﴾ اس سے پہلے ﴿ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ ﴾ پس پوشیدہ رکھا اس بات کو یوسف علیہ السلام نے ﴿ فِيْ نَفْسِهٖ ﴾ اپنے دل میں ﴿ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ﴾ اور ظاہر نہ کیا ان کے سامنے ﴿ قَالَ ﴾ فرمایا ﴿ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ﴾ تم بُرے ہو درجے کے لحاظ سے ﴿ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴾ اور

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم بیان کرتے ہو ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہنے لگے ﴿یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ﴾ اے عزیز! (مصر کے وزیر اعظم) ﴿اِنَّ لَهٗۤ اَبًا﴾ بے شک اس کا باپ ﴿شَیْخًا كَبِیْرًا﴾ بہت بوڑھا ہے ﴿فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ﴾ پس لے لے ہم میں سے ایک کو اس کی جگہ ﴿اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ بے شک ہم دیکھتے ہیں آپ کو نیکی کرنے والوں میں سے ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿مَعَاذَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی پناہ ہے ﴿اَنْ نَّاْخُذَ﴾ یہ کہ ہم لیں گے ﴿اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا﴾ مگر اسی کو کہ پایا ہے ہم نے ﴿مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ﴾ اپنا سامان اس کے پاس ﴿اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ﴾ بے شک ہم اس وقت زیادتی کرنے والے ہوں گے۔

گزشتہ سبق میں تم نے یہ بات پڑھی اور سنی کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کے ساتھ کھل کر باتیں کیں اور یہ بھی فرمایا کہ میں تمھیں کسی تدبیر اور حکمت عملی کے ساتھ اپنے پاس رکھوں گا پریشان نہ ہونا۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام نے آہستہ سے اپنے بھائی بنیامین کے سامان میں وہ سونے کا پیالہ جواب پیانے کے طور پر استعمال ہوتا تھا رکھ دیا۔ جس وقت پیالہ نہ ملا تو دفتر والوں نے شور مچایا کہ مل نہیں رہا تمھارے آنے سے پہلے پیالہ موجود تھا جب تم گیارہ آدمی آئے ہو تو وہ غائب ہو گیا ہے لہٰذا تم ہی نے چوری کیا ہے یہ تمھاری شرارت ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ ہم چوری کے لیے نہیں آئے۔ اِنھوں نے کہا کہ اگر وہ پیالہ تمھارے پاس سے نکلے تو کیا سزا ہو گی؟ بھائیوں نے کہا کہ ہماری شریعت کا مسئلہ ہے کہ جو چور ہو اس کو پکڑ کر غلام بنا لینا ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ﴾ اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیتے ہیں۔

اور یوسف علیہ السلام بھی یہی چاہتے تھے ﴿فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ﴾ اَوْعِیَه وِعَاءٌ کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے سامان۔ پس ابتدا کی یوسف علیہ السلام نے تلاشی لینے کی ان کے سامان سے۔ بھائیوں کی بوریاں کھولیں ﴿قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْهِ﴾ اپنے بھائی کے سامان سے پہلے۔ ان میں پیانہ نہیں تھا پھر حقیقی بھائی کی تلاشی لی ﴿ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْهِ﴾ پھر نکالا اس پیمانے کو اپنے بھائی کے سامان سے، بھائی کی بوری کھولی تو اس سے پیانہ نکل آیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كَذٰلِكَ كِدْنَا لِیُوْسُفَ﴾ اسی طرح ہم نے تدبیر بتلائی یوسف علیہ السلام کو۔ یہ حیلہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے بتلایا کیوں؟ ﴿مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ﴾ نہیں تھے وہ کہ لیتے اپنے بھائی کو ﴿فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ﴾ اس بادشاہ کے قانون میں۔ مصر کے بادشاہ ریان ابن ولید کے قانون میں وہ بھائی کو نہیں رکھ سکتے تھے کہ اس کا قانون یہ تھا کہ چور نے جتنی چوری کی ہے اس سے ڈبل قیمت اس پر ڈال دیتے یا مارتے پیٹتے تھے رکھ نہیں سکتے تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں جتنی چوری ہوتی تھی اس کے مطابق اتنی دیر غلام بنا کر رکھتے تھے اور یوسف علیہ السلام کا مقصد بھی بھائی کو اپنے پاس رکھنا تھا اس لیے یہ حیلہ کیا گیا اور حیلے کے بارے میں بڑی تفصیل ہے۔

حیلہ جائز بھی ہے اور حیلہ حرام بھی ہے

حیلہ جائز بھی ہے اور حیلہ حرام بھی ہے۔ جس حیلے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا کوئی حق باطل کیا جائے یا کسی بندے کا حق

وصول کیا جائے وہ حرام اور بڑا سخت گناہ ہے اور جس حیلے سے کوئی شے جائز ہو جائے وہ صحیح ہے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضرت عمارہ بن عزیر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینوں کا محصل بنا کر بھیجا یعنی وہاں کی پیداوار ہے وہ لانی ہے اس کو ساعی بھی کہتے ہیں اور محصل اور عامل بھی کہتے ہیں۔ وہ جس وقت اپنی میعاد پوری کر کے آئے تو وہاں سے جنیب کھجور بھی لائے۔ خیبر میں بے شمار قسم کی کھجوریں ہوتی ہیں جتنی قسم کی کھجوریں وہاں ہوتی ہیں اتنی ملک کے کسی علاقے میں نہیں ہوتیں۔ جنیب کھجور کا دانہ بڑا لمبا ہوتا ہے اور یہ بہت میٹھی ہوتی ہے اور اس میں گٹھلی بھی برائے نام ہوتی ہے۔ وہاں کے لوگ تحفے تحائف میں یہ کھجور دیتے تھے اور جس کی اپنی نہیں ہوتی تھی وہ دوسری دو کلو کھجوریں دے کر یہ ایک کلو لے لیتا تھا یا عام کھجوریں تین کلو دے کر یہ ایک کلو لے لیتے تھے۔

تو حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ جب آئے تو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ کھجوریں پیش کیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلے ایسی کھجوریں نہیں دیکھی تھیں حالاں کہ مدینہ طیبہ میں بھی بے شمار قسم کی کھجوریں ہوتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا "کیا خیبر کی ساری کھجوریں ایسی ہوتی ہیں۔" اس نے کہا نہیں حضرت! یہ بہت اعلیٰ قسم اور قیمتی کھجور ہے ہم عام کھجور دو کلو دے کر یہ ایک کلو لیتے ہیں تا کہ تحفہ بھیج سکیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَوَّہ اَوَّہ عین الزبوا یہ تو نرا سود ہے۔ کیوں کہ جنس بدلے جنس کے کمی بیشی کے ساتھ سود ہے اعلیٰ ادنیٰ کی اس میں تمیز نہیں ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیلہ بتایا کہ ایسا کیا کرو کہ جو عام قسم کی کھجوریں ہیں وہ بیچ کر رقم لے لو اور اس رقم کے ساتھ جنیب کھجور لے لیا کرو تا کہ جنس کے ساتھ جنس کا تقابل نہ آئے۔

اسی طرح ایک موقع پر سزا دینے کے لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیلہ کیا۔ وہ اس طرح کہ ایک شخص بڑا کمزور تھا مگر اس سے زنا کا فعل صادر ہو گیا۔ انسان انسان ہے شیطان بہلا دیتا ہے اور تھا بھی غیر شادی شدہ۔ اس کو سو کوڑے مارنے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو محسوس کیا کہ یہ تو اتنے کوڑوں سے مر جائے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جھاڑو پکڑا جس کے سو تنکے تھے وہ اس کو مارا اور پھر فرمایا کہ اس طریقے سے سزا یہ اس کے لیے ہے اوروں کے لیے نہیں ہے۔ کیوں کہ جان نکالنی مقصود نہیں تھی اس کو اگر کوڑے مارے جاتے تو وہ مر جاتا۔

پیغمبروں کو کوئی ایسی بیماری نہیں لگتی جس سے نفرت پیدا ہو

قرآن پاک میں حضرت ایوب علیہ السلام کی قسم کا ذکر ہے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کا نام رحمت بنت فراخ سین رحمہا اللہ تعالیٰ تھا بڑی خادمہ قسم کی بیوی تھی۔ ایک زمانہ تھا کہ گھر میں ہزاروں لوگوں کا کھانا پکتا تھا لوگوں کی آمد و رفت لگی رہتی تھی۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ ایوب علیہ السلام بیمار ہو گئے لیکن ان کے متعلق جو مشہور ہے کہ ان کو روڑی (گندگی پھینکنے کی جگہ) پر ڈال دیا گیا اور ان کے بدن میں کیڑے پڑ گئے یہ نری خرافات ہیں حقیقت کے ساتھ ان باتوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ ان کو کسی نے روڑی

پڑ ڈالا اور نہ ان کے بدن میں کیڑے پڑے ہیں۔ پیغمبروں کے جسم میں ایسی کوئی بیماری پیدا نہیں ہوتی جو لوگوں کی نفرت کا باعث بنے قطعاً نہیں ہو سکتی۔ گھٹنوں کا درد کہو، کمر درد کہو، سر درد یا بخار ہو گیا یہ صحیح ہے۔ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گھٹنوں کا اتنا شدید درد ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا بیٹھ کر نہیں کر سکے لیکن ایسی بیماری کہ پیغمبر گنجا ہو، کانا ہو، ایسی کوئی بیماری پیغمبر پر نہیں آتی۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی رحمت رحمہا اللہ تعالیٰ سے کام میں کوئی کوتاہی ہوئی تو حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم اٹھائی کہ میں تجھے سو ڈنڈے ماروں گا۔ قسم تو اٹھالی مگر پھر خیال آیا کہ اس کو سو ڈنڈے پڑے تو یہ مر جائے گی۔ سورۃ ص آیت نمبر ۴۴ میں ہے ﴿وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا﴾ "اور پکڑ لے اپنے ہاتھ میں تنکوں کا گٹھا ﴿فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ﴾ پس مارو اس کے ساتھ اور قسم میں جھوٹے نہ ہو۔" دیکھو! اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو خود حیلہ بتایا کہ سو تنکوں والا جھاڑو لے کر مارو اس طرح تمھاری قسم بھی پوری ہو جائے گی اور خدمت گار بیوی بھی مار سے بچ جائے گی۔ تو حیلے کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ اور ایسا حیلہ کہ جس سے کسی ناجائز چیز سے بچ جائے وہ درست ہے لیکن حیلے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا حق ضائع کرے یا بندے کا حق ضائع کرے یا بندے کا حق لے تو بڑا سخت گناہ ہے۔

تو فرمایا کہ اس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو تدبیر بتلائی ورنہ وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق بھائی کو نہیں رکھ سکتے تھے ﴿اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے مطابق بھائی دلوا دیا ﴿نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ﴾ ہم بلند کرتے ہیں درجے جس کے چاہتے ہیں ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ﴾ اور ہر علم والے کے اوپر ایک جاننے والا ہے۔ ایک سے دوسرا زیادہ جاننے والا ہے تیسرا اس سے زیادہ جاننے والا ہے چوتھا اس سے زیادہ جاننے والا ہے۔ اور ایک یہ کہ ہر جاننے والے سے پروردگار زیادہ جاننے والا ہے اس کا علم سب پر حاوی اور محیط ہے۔

جب بنیامین کے سامان سے پیالہ نکل آیا ﴿قَالُوْٓا﴾ بھائی کہنے لگے ﴿اِنْ يَّسْرِقْ﴾ اگر اس بنیامین نے چوری کی ہے ﴿فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ﴾ پس تحقیق چوری کی اس کے بھائی نے ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے۔ بھائی سے مراد یوسف علیہ السلام ہیں کہ ان کا دودھ ہی چوروں کا ہے کیوں کہ ان کی والدہ علیحدہ تھی اور دوسروں کی والدہ علیحدہ تھی۔ وہ بھائی یوسف علیہ السلام کی چوری کیا ہے تفسیروں میں دو تین باتیں آتی ہیں۔

ایک یہ کہ یوسف علیہ السلام کا نانا مشرک تھا اس نے سونے کے بت بنائے ہوئے تھے جن کی وہ پوجا کرتا تھا یوسف علیہ السلام نے بچپن میں وہ بت چرا کر توڑ دیے تاکہ وہ ان کی پوجا نہ کرے۔ دوسری بات تفسیروں میں یہ لکھی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اہل خانہ کو کہا ہوا تھا کہ کوئی مانگنے والا آئے تو خالی نہ جائے۔ اس زمانے میں مانگنے والے بھی مستحق ہوتے تھے اور دینے والے بھی بہتر لوگ ہوتے تھے۔

آج مانگنے والے پیشہ ور ہیں مستحق نہیں

آج تو لوگوں نے مانگنے کو پیشہ بنایا ہوا ہے ایسے لوگوں کو دینے سے نہ دینا بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے حاجی سیف اللہ صاحب کو، ان کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے ایسی عاجزی کی باتیں کیں کہ سننے والا یہ سمجھے کہ واقعی وہ مستحق ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے راولپنڈی کا کرایہ چاہیے۔ اُنھوں نے کہا کہ ہم تیری تلاشی لیتے ہیں اگر تیرے پاس سے پچاس روپے سے زیادہ نکلے تو وہ ہم چھین لیں گے۔ اس نے اسی وقت دوڑ لگادی بعد میں کسی نے اس کو حساب کرتے ہوئے دیکھا تو اس کے پاس کئی سو روپے تھے۔

تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے گھر والوں کو کہا ہوا تھا کہ کوئی سائل خالی نہ جائے۔ اتفاق کی بات ہے کہ مانگنے والا آیا اور گھر میں یوسف علیہ السلام کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ انھوں نے ایک مرغی جو بڑی موٹی تازی تھی پکڑ کر اس کو دے دی۔ بھائی بڑے سخت مزاج تھے جب گھر آئے تو مرغی کو چلتے پھرتے نہ دیکھا پوچھا مرغی کہاں ہے؟ یہ خاموش رہے۔ محلے کے بچوں سے پوچھا تو اُنھوں نے بتایا کہ یوسف علیہ السلام نے مرغی پکڑ کر مانگنے والے کو دے دی ہے۔ اس کو اُنھوں نے چوری کے ساتھ تعبیر کیا۔

تیسری بات یہ لکھی ہے کہ گھر میں ایک انڈا پڑا تھا یوسف علیہ السلام نے وہ انڈا اُٹھا کر کسی بچے کو دے دیا۔ بھائیوں نے کہا یہاں انڈا تھا وہ نہیں مل رہا۔ وہ خاموش رہے بعد میں معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام نے اٹھا کر کسی بچے کو دے دیا ہے۔ یہ تھیں وہ چوریاں جن کا اُنھوں نے طعنہ دیا۔

﴿فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ﴾ پس پوشیدہ رکھا یوسف علیہ السلام نے اس بات کو اپنے دل میں کسی سے بحث نہیں کی کہ تم کیا کہتے ہو اور میں نے کیا چوری کی ہے ﴿وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ﴾ اور ظاہر نہیں کیا ان کے سامنے ابھی ان کے سامنے کھلے نہیں (اپنا حال ظاہر نہیں کیا کہ میں یوسف ہوں)۔ اگلے دو رکوع آئیں گے ان میں کھل کر بتائیں گے کہ میں کون ہوں اور تم کون ہو۔ ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا﴾ تم بُرے ہو درجے کے لحاظ سے۔ تم نے گھر کی باتیں یہاں شروع کر دی ہیں یہ باتیں گھر جا کے کرنا ہمارے ساتھ پیالے کی بات کرو اور یہ مطلب بھی بیان کرتے ہیں کہ اُنھوں نے دل میں کہا کہ تم نے یوسف علیہ السلام کو باپ سے چرا کر بیچ دیا اس کا تمھیں خیال نہیں ہے اور انڈا تمھیں یاد ہے۔ ان کے سامنے یہ بات ظاہر نہیں کی۔ ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم بیان کرتے ہو۔ ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہنے لگے ﴿يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ﴾ اے عزیز مصر! یہ اس لیے کہا کہ اس وقت ان کا عہدہ وزیر اعظم کا تھا ﴿اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا﴾ بے شک اس بنیامین کا والد بہت بوڑھا ہے ﴿فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ﴾ پس لے لے ہم میں سے کسی ایک کو اس کی جگہ اور اس کو چھوڑ دے اس کے ساتھ والد کا بڑا پیار ہے اگر یہ نہ گیا تو والد پر بڑا صدمہ آئے گا ﴿اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ بے شک ہم آپ کو دیکھتے ہیں نیکی کرنے والوں میں سے۔ ﴿قَالَ﴾ یوسف علیہ السلام نے فرمایا ﴿مَعَاذَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی پناہ! ﴿اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ﴾ یہ کہ ہم لیں گے مگر اس کو کہ پایا ہے ہم نے

اپنا سامان اس کے پاس۔ یہاں دیکھو چوری کا لفظ نہیں فرمایا بلکہ وجدنا فرمایا کہ جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے جس کے پاس ہمارا پیالہ تھا اسی کو رکھیں گے دوسروں کو نہیں اور یہی ہمارا مقصود ہے اور کوئی پیشکش نہ کرو ﴿اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ﴾ بیشک اس وقت ہم زیادتی کرنے والے ہوں گے۔ جب اس کی بجائے کسی اور کو رکھیں گے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ لہٰذا ایسا نہیں ہوگا۔

﴿فَلَمَّا اسْتَیْــٴَـسُوْا مِنْهُ﴾ پس جس وقت وہ نا اُمید ہو گئے اس سے ﴿خَلَصُوْا نَجِیًّا﴾ تو الگ ہوئے مشورہ کرتے ہوئے ﴿قَالَ كَبِیْرُهُمْ﴾ تو کہا ان میں سے بڑے نے ﴿اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا﴾ کیا تم نہیں جانتے ﴿اَنَّ اَبَاكُمْ﴾ بے شک تمھارے والد نے ﴿قَدْ اَخَذَ عَلَیْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ تحقیق لیا تھا تم سے وعدہ اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر ﴿وَ مِنْ قَبْلُ﴾ اور اس سے پہلے ﴿مَا فَرَّطْتُّمْ فِیْ یُوْسُفَ﴾ جو کوتاہی کی تم نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں ﴿فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ﴾ پس میں ہرگز نہیں ہٹوں گا اس زمین سے ﴿حَتّٰى یَاْذَنَ لِیْۤ اَبِیْۤ﴾ یہاں تک کہ مجھے اجازت دے میرا والد ﴿اَوْ یَحْكُمَ اللّٰهُ لِیْ﴾ یا اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے کوئی میرے لیے ﴿وَ هُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ﴾ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ﴿اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِیْكُمْ﴾ لوٹو تم اپنے والد کی طرف ﴿فَقُوْلُوْا﴾ پس کہو ﴿یٰۤاَبَانَاۤ﴾ اے ہمارے اباجان! ﴿اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ﴾ بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے ﴿وَ مَا شَهِدْنَاۤ﴾ اور ہم نہیں گواہی دیتے ﴿اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا﴾ مگر اس چیز کی جو ہم جانتے ہیں ﴿وَ مَا كُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ﴾ اور نہیں ہیں ہم غیب کی چیزوں کی حفاظت کرنے والے ﴿وَ سْــٴَـلِ الْقَرْیَةَ﴾ اور آپ پوچھ لیں اس شہر سے ﴿الَّتِیْ كُنَّا فِیْهَا﴾ جس میں ہم تھے ﴿وَ الْعِیْرَ الَّتِیْۤ اَقْبَلْنَا فِیْهَا﴾ اور قافلے والوں سے جس میں ہم واپس آئے ہیں ﴿وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ اور بے شک ہم سچے ہیں ﴿قَالَ﴾ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ﴾ بلکہ بنایا ہے تمھارے لیے ﴿اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا﴾ تمھارے نفسوں نے ایک معاملہ ﴿فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ﴾ پس صبر ہی اچھا ہے ﴿عَسَى اللّٰهُ﴾ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ﴿اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِهِمْ جَمِیْعًا﴾ لے آئے ان سب کو میرے پاس اکٹھا ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ﴾ بے شک وہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

پچھلے سبق میں تم نے پڑھا اور سنا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک خاص تدبیر اور حیلے کے ساتھ اپنے بھائی بنیامین رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس رکھا بھائیوں نے بڑی منت کی اور کہا کہ اس کا باپ بہت بوڑھا ہے اس کو اس کے ساتھ بہت پیار ہے اس کو بڑا صدمہ ہوگا اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو لے لو اور اس کو چھوڑ دو۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ ہم اس کو اپنے پاس رکھیں گے جس کے سامان سے ہمارا پیالہ ملا ہے۔ منت سماجت کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ ﴿فَلَمَّا

﴿اسْتَیْــٴَسُوْا﴾ پس جس وقت نا اُمید ہو گئے یوسف علیہ السلام کے بھائی ﴿مِنْهُ﴾ اس سے۔ "ہٗ" ضمیر کے بارے میں مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مرجع بنیامین ہے کہ وہ بنیامین رحمۃ اللہ علیہ سے نا اُمید ہو گئے کہ وہ اب ہمارے ساتھ نہیں جائے گا اور اُنھوں نے اس کو نہیں چھوڑنا، یہ بھی صحیح ہے اور "ہٗ" ضمیر کا مرجع عزیزِ مصر کو بھی بنایا گیا ہے کہ جس وقت وہ بھائی نا اُمید ہو گئے عزیزِ مصر سے، وزیرِ اعظم سے کہ اُنھوں نے اب ہمارا آدمی نہیں دینا۔ دونوں تفسیریں صحیح ہیں۔

بھائیوں کا بنیامین سے اُمید ہو کر مشورہ کرنا

تو جس وقت وہ اس سے نا اُمید ہو گئے ﴿خَلَصُوْا﴾ کا معنیٰ ہے تنہائی میں چلے گئے ﴿نَجِیًّا﴾ سرگوشی کے لیے، ان کے دفتر سے باہر نکل کر مشورہ کرنے لگے کہ اب ہم کیا کریں ﴿قَالَ كَبِیْرُهُمْ﴾ کہا ان بھائیوں میں سے بڑے نے۔ تفسیروں میں آتا ہے کہ عمر کے اعتبار سے بڑا روبیل تھا، رحمۃ اللہ علیہ اور رائے کے اعتبار سے بڑا یہودا رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیتے ہیں۔ بعض نے شمعون نام لکھا ہے رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر یہودا رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیتے ہیں اور اسی یہودا کی طرف یہودی منسوب ہیں۔

﴿اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا﴾ کیا تم نہیں جانتے ﴿اَنَّ اَبَاكُمْ﴾ بے شک تمھارے والد نے ﴿قَدْ اَخَذَ عَلَیْكُمْ﴾ تحقیق لیا تھا تمھارے سے ﴿مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ وعدہ اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر، اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھ کر تم پر گواہ بنایا اس بات پر کہ تم اس کو لاؤ گے ﴿وَ مِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِیْ یُوْسُفَ﴾ اور اس بنیامین سے پہلے جو کوتاہی تم نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں کی تھی وہ بھی تمھارے سامنے ہے۔ عموماً عادت ہے کہ جب کوئی نیا صدمہ پیش آئے تو پہلا صدمہ بھی تازہ ہو جاتا ہے۔ تو ابا جان ایک تو اس سے پریشان ہوں گے کہ بنیامین ہمارے ساتھ نہیں ہوگا اور یوسف علیہ السلام کا صدمہ بھی ان کے سامنے آجائے گا لہٰذا میرا فیصلہ یہ ہے ﴿فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ﴾ پس میں ہرگز نہیں ہٹوں گا اس زمینِ مصر سے، اس کو نہیں چھوڑوں گا ﴿حَتّٰى یَاْذَنَ لِیْۤ اَبِیْۤ﴾ یہاں تک کہ مجھے اجازت دے میرا والد۔ میری آنکھیں ابا جان کا سامنا نہیں کر سکتی جب تک وہ مجھے خصوصی حکم نہ دیں کہ اب تم جاؤ ﴿اَوْ یَحْكُمَ اللّٰهُ لِیْ﴾ یا اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے کوئی میرے لیے کہ وہ مجھے وفات دے گا اور میں یہیں مروں گا یا اللہ تعالیٰ کوئی صورت ایسی پیدا کر دے کہ میں بھائی کو ساتھ لے کر آؤں۔ اس حالت میں میں واپس جانے کے لیے تیار نہیں ہوں ﴿وَ هُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

اے میرے بھائیو! ﴿اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِیْكُمْ﴾ لوٹو تم اپنے والد کی طرف، تم نے جانا ہے جاؤ ﴿فَقُوْلُوْا﴾ پس کہو تم ابا جان کو ﴿یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ﴾ اے ہمارے ابا جان! بے شک تیرے بیٹے بنیامین نے چوری کی ہے اس لیے اس کو وہاں روک لیا گیا ہے اور ہماری شریعت کے مطابق اس کو غلام بنا لیا گیا ہے ﴿وَ مَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا﴾ اور ہم نہیں گواہی دیتے مگر اس چیز کی جو ہم جانتے ہیں ہمارے علم میں یہی ہے اس کے سامان میں سے سونے کا بڑا وزنی (قیمتی) پیالہ نکلا تھا اور اس میں موتی جڑے ہوئے تھے وہ سرکاری پیالہ تھا ﴿وَ مَا كُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ﴾ اور نہیں ہیں ہم غیب کی چیزوں کی حفاظت کرنے والے۔ ہماری غیر

حاضری میں اس نے یہ پیالہ اپنے سامان میں رکھا ہے اور یہ معنیٰ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر ہمیں غیب کا علم ہوتا تو ہم پہلے ہی سے جان لیتے کہ اس طرح ہمارے بھائی کو روکا جائے گا تو ہم یہاں سے اس کو لے کر ہی نہ جاتے غیب تو صرف پروردگار ہی جانتا ہے ہم دیانت داری سے کہتے ہیں کہ ہم اسے بڑے اخلاص کے ساتھ لے گئے تھے ہماری طرف سے کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی۔

﴿وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ﴾۔قریہ کا معنیٰ بستی اور شہر آتا ہے آپ پوچھ لیں اس شہر سے ﴿الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا﴾ جس میں ہم تھے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ آپ اپنے آدمی بھیجیں جو مصر میں جا کر جو وہاں سے آٹھ یا دس دن کی مسافت پر تھا وہ وہاں جا کر دفتر والوں سے دریافت کریں کہ یہ معاملہ کیا تھا اگر آپ کو ہماری بات پر یقین نہیں آتا تو شہر والوں سے پوچھ لیں اور ابا جان! ﴿وَ الْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا﴾ اور قافلے والوں سے جس میں ہم واپس آئے ہیں۔ عِیْر اس قافلے کو کہتے ہیں جو خوراک اور دانے وغیرہ لے کر آئے۔ یہ کنعانیوں کا قافلہ کافی بڑا تھا ان کو بھی سارا قصہ معلوم ہے ان سے پوچھ لو کہ واقعی بات اسی طرح ہے یا نہیں ﴿وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ اور بے شک البتہ ہم سچے ہیں۔ اس واقعہ میں واقعی وہ سچے تھے لیکن یعقوب علیہ السلام نے فرمایا ﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا﴾ فرمایا تم سچے نہیں ہو بلکہ بنایا ہے تمھارے لیے تمھارے نفسوں نے ایک معاملہ، شرارت کی ہے تمھاری جانوں نے کسی معاملہ میں۔

اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی عالم الغیب ہے اور نہ حاضر ناظر

دیکھو! یعقوب علیہ السلام فرما رہے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ تمھاری شرارت ہے حالاں کہ اس موقع پر ان کی کوئی شرارت نہیں تھی۔ اگر حضرت یعقوب علیہ السلام کو علم غیب ہوتا تو یہ کبھی نہ فرماتے کہ تمھاری شرارت ہے اور اگر حاضر ناظر ہوتے تو یہ سارا قصہ ان کے سامنے ہوتا پھر بھی یہ بات نہ فرماتے۔ مسئلہ یاد رکھنا! اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاضر و ناظر ماننا نرا کفر ہے اور قرآن اور اسلام کی روح کے خلاف ہے اور یہ کوئی فرعی مسئلہ نہیں ہے۔ فرمایا اب میں کیا کر سکتا ہوں ﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ﴾ بس صبر ہی اچھا ہے اب میں صبر ہی کروں گا ﴿عَسَى اللّٰهُ﴾ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ﴿اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا﴾ لے آئے ان سب کو میرے پاس اکٹھا۔ کیوں کہ خواب کا جو نقشہ ہے وہ سارا ذہن میں ہے لیکن درمیان کی کڑیاں اور درمیان کے حالات کا کوئی علم نہیں ہے کہ یوسف علیہ السلام کنوئیں میں کہاں ڈالے گئے پھر نکالے گئے پھر فروخت ہو گئے عزیز مصر کے گھر پہنچ گئے پھر دس یا بارہ سال قید میں رہے پھر وزیر اعظم بنے پھر آخری عمر میں اللہ تعالیٰ نے بادشاہی دی۔ ان سب کے درمیان کے حالات سے واقف نہیں تھے صرف دھندلا سا نقشہ ذہن میں ہے کہ ایک وقت ایسا ضرور آئے گا کہ یوسف علیہ السلام کے سامنے سورج اور چاند یعنی والدین اور گیارہ ستارے بھی یعنی بھائی جھکیں گے۔ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو لائے ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ بے شک وہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے وہی سب کچھ جانتا ہے وہی سب کچھ کرتا ہے۔

﴿وَتَوَلّٰی عَنْهُمْ﴾ اور پھرے (یعقوب علیہ السلام) بیٹوں کے پاس سے ﴿وَقَالَ﴾ اور فرمایا ﴿يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ﴾ اے افسوس! یوسف علیہ السلام پر ﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ﴾ اور سفید ہوگئی تھیں ان کی آنکھیں ﴿مِنَ الْحُزْنِ﴾ غم کی وجہ سے ﴿فَهُوَ كَظِيْمٌ﴾ پس ان کا سانس رکتا تھا ﴿قَالُوْا﴾ بیٹوں نے کہا ﴿تَاللّٰهِ﴾ خدا کی قسم ﴿تَفْتَؤُا﴾ آپ نہیں ٹلتے ﴿تَذْكُرُ يُوْسُفَ﴾ ذکر کرتے رہیں گے یوسف علیہ السلام کا ﴿حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا﴾ یہاں تک کہ آپ گھل جائیں گے ﴿اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ﴾ یا ہو جائیں گے ہلاک ہونے والوں میں سے ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ﴾ پختہ بات ہے کہ میں شکایت کرتا ہوں اپنی پریشانی کی ﴿وَحُزْنِيْۤ﴾ اور اپنے غم کی ﴿اِلَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ جو تم نہیں جانتے ﴿يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا﴾ اے میرے بیٹو! جاؤ ﴿فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ﴾ پس تلاش کرو تم یوسف علیہ السلام کو اور اس کے بھائی کو ﴿وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ﴾ اور ناامید نہ ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ﴿اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ ناامید نہیں ہوتے اللہ کی رحمت سے ﴿اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ مگر وہ لوگ جو کفر کرنے والے ہیں ﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ﴾ پس جب وہ داخل ہوئے یوسف علیہ السلام پر ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ﴾ اے عزیز مصر! ﴿مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ﴾ پہنچی ہے ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف ﴿وَجِئْنَا﴾ اور ہم لائے ہیں ﴿بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ﴾ کھوٹا سرمایہ ﴿فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ﴾ پس پورا پورا ماپ کردے دو ہمیں اناج ﴿وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا﴾ اور صدقہ کر ہم پر ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بدلہ دیتا ہے صدقہ کرنے والوں کو۔

پچھلے سبق میں تم پڑھ چکے ہو کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی جب دوسری مرتبہ گئے تو یوسف علیہ السلام نے تدبیر کے ساتھ اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیا اور بڑا بھائی روبیل یا یہودا بھی وہیں رہ گیا کہ میں نہیں جاتا میری آنکھیں ابا جان کا سامنا نہیں کر سکتیں۔ بڑی شرم والے لوگ ہوتے تھے آج تو زمانہ بے حیا ہے اللہ تعالیٰ بچائے۔ اب نو بھائی واپس آئے کہ یوسف علیہ السلام بھی وہیں تھے اور بنیامین کو بھی انھوں نے اپنے پاس رکھ لیا اور روبیل بھی وہیں رک گیا۔ نو بھائیوں نے واپس آکر والد صاحب کو داستان سنائی اور کہا کہ تحقیق کر لو اور قافلے والوں سے بھی پوچھ لو ہم سچے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کی بات پر یقین نہ آیا اور فرمایا کہ یہ تمھارے نفسوں کی شرارت ہے میں تمھاری بات پر مطمئن نہیں ہوں ﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ﴾ پس صبر ہی اچھا ہے اور کیا کر سکتا ہوں۔

﴿وَتَوَلّٰی عَنْهُمْ﴾ اور پھرے (یعقوب علیہ السلام) بیٹوں کے پاس سے، ان سے اعراض کیا ان کی باتیں سن کر تسلی نہ ہوئی، منہ دوسری طرف پھیر لیا ﴿وَقَالَ﴾ اور فرمایا ﴿يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ﴾ اے افسوس! یوسف علیہ السلام پر۔ انسان کا مزاج اور طبیعت ہے

کہ جب کوئی نیا صدمہ پیش آئے تو پہلا صدمہ بھی اس کو یاد آجاتا ہے۔ اب بنیامین رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی کے صدمے سے یوسف علیہ السلام کی جدائی کا صدمہ بھی تازہ ہو گیا۔ سمجھدار لوگ کہتے ہیں کہ بچہ فوت ہو جائے تو اس کا صدمہ دو دن، چار دن، دس دن، بیس دن رہے گا پھر بھول بھال جاتا ہے لیکن اگر بچہ اغواء ہو جائے تو اس کا صدمہ ساری زندگی رہتا ہے۔ جب بھی کوئی خوشی یا غمی کا وقت آئے گا وہ صدمہ تازہ ہو جائے گا۔

بچوں کو اغوا کرنے والوں کی سزا موت ہونی چاہیے

اس وقت حکومت اور قانون کی بڑی کمزوری یہ ہے کہ بچوں کو خرکار اور دوسرے شیطان قسم کے لوگ اغوا کر کے لے جاتے ہیں مگر ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ اس کے لیے کوئی مؤثر قانون نہیں ہے۔ ان کی سزا صرف موت ہونی چاہیے اور فقہی طور پر، اسلامی طور پر تعزیراً سزائے موت دی جاسکتی ہے۔ دو چار کو سزا ہوگی تو پھر بچوں کے اغوا کا کوئی واقعہ پیش نہیں آئے گا۔

﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ﴾ اور سفید ہو گئی تھیں ان کی آنکھیں غم کی وجہ سے۔ آنکھوں میں جو کالی پتلی ہوتی ہے اس میں رب تعالیٰ نے روشنی رکھی ہے جس وقت یہ سفید ہو جائے تو پھر آنکھ کی روشنی کم ہو جاتی ہے۔ ان کی دونوں آنکھوں کی سیاہی (پتلیاں) سفید ہو گئی تھی غم کی وجہ سے بینائی بہت کمزور ہو گئی تھی۔ یہ تقریباً چالیس سال کا وقفہ گزرا ہے یہ کوئی تھوڑا عرصہ نہیں ہے۔ جب بھی کوئی خوشی کی بات آئی یا غمی کی بات آئی یوسف علیہ السلام ذہن میں آگئے۔ ﴿فَهُوَ كَظِيْمٌ﴾ پس ان کا سانس رکتا تھا، دم گھٹتا تھا۔ جب آدمی پریشان ہو تو سانس جلدی جلدی لیتا ہے اس کا سانس اندر رکتا ہے۔

بیٹوں، پوتوں اور پڑپوتوں نے جب یہ حالت دیکھی ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿تَاللّٰهِ﴾ اللہ کی قسم ﴿تَفْتَؤُا﴾ یہ اصل میں ﴿لَا تَفْتَؤُا﴾ تھا۔ لا کا لفظ یہاں محذوف ہے، معنیٰ ہوگا آپ نہیں ٹلتے ﴿تَذْكُرُ يُوْسُفَ﴾ ذکر کرتے رہیں گے یوسف علیہ السلام کا ﴿حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا﴾ یہاں تک کہ آپ گھل جائیں گے۔ پانی کو نمک پر ڈالو تو گھلتا ہے اس کو عربی میں حرض کہتے ہیں۔ تو حرض کا معنیٰ گھل جانے والا، آپ گھلتے گھلتے ختم ہو جائیں گے ﴿اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ﴾ یا ہو جائیں گے ہلاک ہونے والوں میں سے۔ اب اس کا ذکر چھوڑ دو۔ ﴿قَالَ﴾ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا ﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ پختہ بات ہے کہ میں شکایت کرتا ہوں اپنی پریشانی کی اور اپنے غم کی اللہ تعالیٰ کی طرف، میں اپنے رب کے سامنے شکوہ کرتا ہوں تمہیں تو کوئی تکلیف نہیں ہے تکلیف تو مجھے ہے۔

کوئی شخص اپنی پریشانی کا اظہار رب کے سامنے کر سکتا ہے یا نہیں؟

اس بات میں کافی طویل بحث ہے کہ کوئی شخص اپنی پریشانی اور غم کا اظہار رب تعالیٰ کے سامنے کر سکتا ہے یا نہیں؟ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ نہیں کر سکتا۔ لیکن جمہور فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ کر سکتا ہے کہ مجھے یہ تکلیف ہے۔ ان کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے ﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ انسان کو دکھ درد، غم، پریشانی ہوتی ہے اس کے اظہار میں

شرعاً کوئی گناہ نہیں ہے۔ انسان، انسان ہے لوہے یا ربڑ کا تو نہیں ہے نہ مٹی کا بت ہے کہ اس کو دکھ درد نہ ہو۔

آنحضرت ﷺ کو درد شقیقہ تھا فرمایا اتنا درد ہے کہ میں حرکت نہیں کر سکتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سر کا درد شروع ہوا تو فرمایا وَا رَأْسَاہُ۔ تو بندے کو جب کوئی تکلیف ہوتی ہے تو وہ اپنے رب کے سامنے اس کا اظہار کرتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی تکلیف شروع ہوئی جس کو لنگڑی کا درد کہتے ہیں۔ یہ بڑا ظالم درد ہے میں خود اس میں مبتلا ہوں (حضرت کو کسی نے بتایا کہ اس کا واحد علاج خون کا نکلوانا ہے ہم جب حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا مولوی صاحب مجھے عرق النساء کی تکلیف ہے اور کہتے ہیں کہ علاج اس رگ سے خون نکلوانا ہے اور بھیرے میں ایک آدمی یہ کام کرتا ہے مگر وہ کہیں جاتا نہیں ہے۔ میں نے کہا حضرت! میں اس کو لے آؤں گا جیسے بھی لانا پڑے۔ وہیں ایک ساتھی بیٹھے تھے اُنھوں نے بتایا کہ قلعہ دیواں نزد قلعہ دیدار سنگھ ماسٹر خورشید صاحب یہ کام کرتے ہیں۔ میں نے کہا پھر تو یہ کام اور آسان ہو گیا ہے چنانچہ میں ماسٹر خورشید کو لے آیا۔ اُنھوں نے پچھ لگا کر خون نکالا اور کھانے کی دوائی بھی دی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو شفاء عطا فرما دی۔ محمد نواز بلوچ، مرتب)۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے نذر مانی کہ اے پروردگار! مجھے عرق النساء سے شفاء ہوئی تو کھانے پینے میں جو مرغوب چیزیں ہیں وہ چھوڑ دوں گا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اُونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ پسند کرتے تھے۔ جب شفا ہوئی تو اُنھوں نے ان دونوں چیزوں کو چھوڑ دیا تھا۔ تو یہ ایک ایسا ظالم درد ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو بے تاب کر دیا۔

نذر و منت کا مسئلہ

ہماری شریعت میں ایسی نذر و منت جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی حلال کو حرام کرتا ہے تو اسے قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔

حضرت ایوب علیہ السلام تقریباً سترہ سال پریشان رہے۔ تو تکلیفیں پیش آتی رہتی ہیں ان کا اظہار اعتدال کی حد میں رہ کر جائز ہے۔ ایک ہے رب تعالیٰ پر اعتراض کہ اے رب! اس تکلیف کے لیے تجھے کوئی اور نہیں ملا۔ یہ رب تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ ہے، یہ گناہ کی بات ہے۔

تو فرمایا کہ میں اپنی پریشانی اور غم کا شکوہ اپنے رب کے سامنے کرتا ہوں ﴿وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ جو تم نہیں جانتے۔ اجمالی طور پر وہ خاکہ ذہن میں ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ یوسف علیہ السلام کے سامنے ہم بھی اور اس کے بھائی بھی جھکیں گے باقی تفصیل کا کوئی علم نہیں کہ درمیان میں کیا ہوگا اور یہ کہاں ہوگا۔ چنانچہ تفسیروں میں ہے کہ اس موقع پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک خواب دیکھا کہ ہم گھر کے سارے افراد اکٹھے ہیں اور ان میں یوسف علیہ السلام بھی موجود ہیں اسی کا پھر ذکر فرمایا۔ اب یہ تیسری دفعہ نو بھائی دانے (اناج) لینے کے لیے جا رہے ہیں کنعان سے۔ آج کل اس کا نام الخلیل اور القدس ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی قبریں وہیں ہیں۔ تین تو پہلے وہاں (مصر میں) موجود ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا ﴿يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا﴾ اے میرے بیٹو! جاؤ ﴿فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ اَخِيْهِ﴾ پس تلاش کرو تم

یوسف علیہ السلام کو اور اس کے بھائی کو۔ میں نے خواب دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا مجمع بنایا ہے کہ اس میں یوسف علیہ السلام بھی ہیں بنیامین اور روبیل بھی ہیں، یہودا بھی ہیں تم سارے بھائی جمع ہو۔ ﴿وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ﴾ اور نا اُمید نہ ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ﴿اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ نا اُمید نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مگر وہ لوگ جو کافر ہیں۔

﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ﴾ پس جب وہ داخل ہوئے یوسف علیہ السلام کے پاس ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ﴾ اے عزیز مصر! مصر کے وزیر اعظم، یوسف علیہ السلام پہلے وزیر خزانہ تھے اور اب ان کو وزیر اعظم بنا دیا گیا تھا اور آخر میں ریان بن ولید نے اپنے سر سے تاج شاہی اُتار کر ان کے سر پر رکھ دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو حکمرانی عطا فرمادی ﴿مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ﴾ پہنچی ہے ہمیں اور ہمارے گھر کے افراد کو تکلیف کہ بھوکے مر رہے ہیں ﴿وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ﴾ اور ہم لائے ہیں کھوٹا سرمایہ، پیسے ان کے پاس کھوٹے تھے صحیح نہیں تھے ﴿فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ﴾ پس پورا پورا ناپ کر دے دو ہمیں اناج ﴿وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا﴾ اور صدقہ کر ہم پر، ہمیں کچھ صدقہ خیرات بھی دو۔

ظالم بھائیوں کو رب تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے سامنے جھکا دیا

تمھیں یاد ہوگا کہ جب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کا کرتہ اُتار کر کنوئیں میں پھینکنے لگے تھے تو یوسف علیہ السلام نے ایک ایک بھائی کے منہ کی طرف دیکھا اور یہ لفظ کہے کہ بھائیو! تم جو کچھ میرے ساتھ کر رہے ہو کچھ سوچو جب تم واپس جاؤ گے اور میں نہیں ہوں گا تو والد صاحب پر کیا گزرے گی مجھ پر اگر تم ترس نہیں کھاتے تو اپنے بوڑھے باپ پر ترس کھاؤ۔ مگر سنگ دلوں کو کوئی ترس نہ آیا اور کرتہ اُتار کر کنوئیں میں پھینک دیا اور گرانے کے بعد اُوپر سے قہقہے لگائے اور ہنستے رہے اور اب یہ وقت ہے کہ ظالم پیٹ کی خاطر خیرات مانگ رہے ہیں ﴿وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا﴾ ہم پر صدقہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ [آل عمران: ۱۴۰] "یہ زمانے کے دن ہیں جنھیں ہم لوگوں کے درمیان گردش کرتے رہتے ہیں۔" یاد رکھنا! نہ ہمیشہ تن درستی رہتی ہے، نہ ہمیشہ مال رہتا ہے، نہ ہمیشہ خوشی رہتی ہے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ ایک وقت تھا کہ کنویں میں ڈال کر ہنس رہے تھے اور اب یہ وقت ہے کہ خیرات مانگ رہے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بدلہ دیتا ہے صدقہ کرنے والوں کو۔

صدقہ کے متعلق بات سن لو۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلصَّدَقَةُ تَدْفَعُ الْبَلَا یا "صدقے کی برکت سے مصیبتیں ٹلتی ہیں۔" اور مَيْتَةَ السُّوْءِ کے لفظ بھی آتے ہیں کہ صدقہ کرنے والا بری موت نہیں مرے گا اور ایک روایت ہے کہ اَلصَّدَقَةُ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ "صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصہ کو ٹھنڈا کرتا ہے۔" صدقہ خیرات بڑی اچھی چیز ہے مگر لوگوں نے اس کا مفہوم نہیں سمجھا۔

صدقہ کا مفہوم ؟

لوگ سمجھتے ہیں کہ کالی سری دینا صدقہ ہے یا اس سے بڑی چھلانگ لگائیں گے تو بکری دے دیں گے۔ یاد رکھنا! صدقے کا یہ کوئی معنیٰ نہیں ہے یہ رسم و رواج ہے۔ صدقے کا مفہوم ہے غریب کی ضرورت پوری کرنا۔ اب سردی کا موسم ہے غریب کو رضائی تلائی کی ضرورت ہے تم اس کو سری دے دو۔ اس بے چارے کو جوتے کی ضرورت ہے اس کے گھر میں کوئی بیمار ہے اس کو دوائی کی ضرورت ہے، بچے پڑھتے ہیں کتابوں کی ضرورت ہے، اس کو دال آٹے کی ضرورت ہے یہ کالی سری کہاں کہاں کام آئے گی۔ تو یہ کوئی صدقہ نہیں ہے نقد پیسے دے دو اس کی جو ضرورت ہوگی وہ پوری کرلے گا۔ پھر بعض جاہل لوگ اس طرح کرتے ہیں جس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں سری، مرغی وغیرہ اس کے سر پر سے گھما کر دیتے ہیں، بکری کے اوپر ہاتھ پھرواتے ہیں۔ یہ بھی نری رسم ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں۔ صدقہ اس طرح دو کہ دائیں ہاتھ سے دو تو بائیں ہاتھ کو پتا نہ چلے۔ غریب کی ضرورت پوری کرو اس کا دل دعائیں دے، دکھلاوا نہ کرو۔

(سامعین میں سے ایک آدمی نے سوالات کیے حضرت نے ان کے جوابات دیئے)۔

سوال: یہ گوشت وغیرہ جو لوگ باہر چوک یا چھت یا جنگل میں گرا دیتے ہیں قبرستان میں ڈال دیتے ہیں۔

جواب: یہ نری جہالت ہے۔

سوال: بعض لوگ جانوروں کے لیے ڈال دیتے ہیں؟

جواب: اس میں تفصیل ہے اگر ایسا علاقہ ہے کہ جہاں جانوروں کو خوراک نہ ملتی ہو تو وہ الگ بات ہے۔ باقی پنجاب میں اللہ تعالیٰ کا فضل ہے یہاں ایسی کوئی بات نہیں یہاں تو جانوروں کو خوراک عام ملتی ہے۔ لہٰذا یہاں جانوروں اور پرندوں کے آگے ڈالنے کا کوئی معنیٰ نہیں ہے۔ غریب مسکین کو دو۔

سوال: بے نماز کو صدقہ دینا کیسا ہے؟

جواب: بے نماز کو صدقہ نہ دو۔ حدیث پاک میں آتا ہے لَا یَاْکُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِیٌّ "تیرا کھانا صرف پرہیزگار کھائے۔" بے نماز کو بالکل نہ دو۔ وہ رب تعالیٰ کا نافرمان ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔

﴿قَالَ﴾ فرمایا (یوسف علیہ السلام نے) ﴿هَلْ عَلِمْتُمْ﴾ کیا تم جانتے ہو ﴿مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَاَخِيْهِ﴾ کیا کیا تم نے یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی کے ساتھ ﴿اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ﴾ جب تم بے خبر تھے ﴿قَالُوْٓا﴾ وہ کہنے لگے ﴿ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ﴾ کیا بے شک آپ یوسف ہیں ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿اَنَا يُوْسُفُ﴾ میں یوسف ہوں ﴿وَهٰذَآ اَخِيْ﴾ اور یہ میرا بھائی ہے ﴿قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا﴾ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ﴿اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ﴾ بے شک

شان یہ ہے کہ جو ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ نہیں ضائع کرتا اجر نیکی کرنے والوں کا ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿تَاللّٰهِ﴾ اللہ کی قسم ﴿لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا﴾ البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے آپ کو ترجیح دی ہے ہم پر ﴿وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ﴾ اور بے شک ہم البتہ خطا کار تھے ﴿قَالَ﴾ فرمایا (یوسف علیہ السلام نے) ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ نہیں ملامت تم پر آج کے دن کچھ ﴿يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ معاف کرے گا اللہ تعالیٰ تمھیں ﴿وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ اور وہ سب سے بڑھ کر شفقت کرنے والا ہے ﴿اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا﴾ لے جاؤ میرا یہ قمیص ﴿فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ﴾ پس ڈالو تم اس کُرتے کو میرے باپ کے چہرے پر ﴿يَاْتِ بَصِيْرًا﴾ وہ آئیں گے دیکھتے ہوئے ﴿وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ اور لاؤ تم میرے پاس اپنے گھر کے سب افراد کو۔

گزشتہ درس میں تم نے سنا کہ تیسری دفعہ یوسف علیہ السلام کے نو بھائی آٹھ دس دن کا سفر کر کے کنعان سے مصر پہنچے۔ اس دفعہ ان کے پاس کھوٹے سکے تھے اور وہ بھی ضرورت کے مطابق پورے نہیں تھے۔ یوسف علیہ السلام کو کہنے لگے اس دفعہ ہم کھوٹے سکے لائے ہیں یہی ہم سے وصول کر کے ہمیں پورے پورے دانے دے دو اور ہم پر کوئی صدقہ خیرات بھی کرو کیوں کہ ہم بڑی تکلیف میں ہیں اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

جب بھائی تیسری دفعہ آئے تو یوسف علیہ السلام نے حقیقت واضح کر دی

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب ان کی عاجزی کی یہ حالت دیکھی کہ یہ پیٹ کے لیے صدقہ مانگنے پر آگئے ہیں تو کھل گئے۔ ﴿قَالَ﴾ فرمایا یوسف علیہ السلام نے ﴿هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ﴾ کیا تم جانتے ہو کیا کیا تم نے یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی بنیامین رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ۔ یوسف علیہ السلام اور بنیامین کی والدہ ایک تھی اور باقی بھائی علیحدہ علیحدہ ماؤں سے تھے یہ چوں کہ چھوٹے تھے اور والدہ بھی فوت ہو چکی تھی اور باپ کی خصوصی توجہ ان کی طرف ہوتی تھی۔ بھائی ہر وقت ان کو کوستے رہتے تھے اور ظلم کرتے رہتے تھے۔ اس کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو جو تم نے یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا۔ بعض نے ما کو استفہامیہ بھی قرار دیا ہے کہ جانتے ہو تم نے کیا کیا تھا یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی کے ساتھ ﴿اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ﴾ جب تم بے خبر تھے حقیقت سے۔

﴿قَالُوْا﴾ بھائی کہنے لگے ﴿ءَاِنَّكَ﴾ کیا بے شک آپ ہی ﴿لَاَنْتَ يُوْسُفُ﴾ البتہ یوسف ہیں۔ وہ قرائن اور شواہد سے سمجھ گئے کہ یہ یوسف علیہ السلام ہیں۔ ﴿قَالَ اَنَا يُوْسُفُ﴾ فرمایا ہاں میں یوسف ہوں ﴿وَهٰذَاۤ اَخِيْ﴾ اور یہ بنیامین میرا بھائی ہے ﴿قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا﴾ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ﴿اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ جو ڈرتا ہے اور بچتا

ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اور صبر کرتا ہے تکالیف اور مصیبتوں پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا اجر نیکی کرنے والوں کا۔ اس کے لیے دو شرطیں ہیں: (۱) تقویٰ (۲) صبر۔

تقویٰ کا مفہوم:

تقویٰ کا معنیٰ ہے کہ جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے کہ ان چیزوں سے گریز کرنا ہے اور بچنا ہے اور تکالیف آئیں تو ان پر صبر کرنا ہے۔ صبر کا مطلب یہ ہے کہ شرعی دائرے میں رہ کر تکلیف کا ازالہ بھی کرے اور اس کے لیے کوشش بھی کرے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتراض اور شکوہ نہ کرے۔ اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے تو اس کو حکم ہے کہ اپنا علاج کرائے۔

علاج کرانا توکل کے خلاف نہیں:

یہ علاج کرانا صبر کے خلاف نہیں ہے اور نہ توکل کے خلاف ہے اور جو بھی تکلیف آئے اس پر صبر سے کام لے اور حوصلہ کرے اور صبر دکھ، تکلیف کے بعد ہوتا ہے۔ بغیر دکھ اور تکلیف کے صبر کی دعا بھی نہ کرے کہ اے پروردگار! تو مجھے صبر عطا فرما۔ ترمذی شریف میں روایت ہے کہ ایک نوجوان نے دعا کی اے پروردگار! مجھے صبر کی توفیق دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تجھے کیا تکلیف ہے؟ اس نے کہا مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے ویسے رب سے صبر مانگتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((سَأَلْتَ اللّٰهَ الْبَلَاءَ)). تو نے تو اللہ تعالیٰ سے مصیبت مانگی ہے۔ صبر تو مصیبت کے بعد ہوتا ہے۔ دھکے سے (زبردستی) مصیبتیں نہ مانگو، آجائیں تو حوصلہ کرو۔

اسی طرح ایک بڑا صالح نوجوان تھا باجماعت نماز پڑھتا تھا آپ ﷺ کو چند دن نظر نہ آیا۔ فرمایا وہ حاضر باش نوجوان جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا تھا وہ نظر نہیں آتا۔ ساتھیوں نے کہا حضرت! ہم معلومات کر کے آتے ہیں۔ پتا چلا کہ وہ بیمار ہے۔ ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ کَاَنَّمَا فَرْخٌ ایسے کہ جیسے چڑیا کا بچہ ہوتا ہے۔ بیماری کی وجہ سے بالکل سوکھ گیا۔ آپ ﷺ اس کی خبر لینے (عیادت) کے لیے تشریف لے گئے۔ فرمایا تجھے بڑی تکلیف ہے بہت کمزور ہو گئے ہو کیا بات ہے؟ کہنے لگا میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہے کہ اے پروردگار! جو سزا تو نے مجھے مرنے کے بعد دینی ہے ابھی دے دے۔ اس دعا کے نتیجے میں اس تکلیف میں مبتلا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم بڑے اچھے آدمی ہو رب تعالیٰ سے مانگتے ہو تو عافیت مانگو۔ ایسا کیوں نہیں کہا رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ "اے پروردگار! دنیا میں بھی ہمیں راحت عطا فرما اور آخرت میں بھی راحت عطا فرما اور عذاب نار سے بچا۔" رب تعالیٰ سے تکلیف مانگنے کا کیا معنیٰ ہے؟ رب تعالیٰ سے خیر مانگو، رحمت مانگو اور اگر کوئی تکلیف آجائے تو صبر کرو۔

﴿قَالُوْا﴾ بھائیوں نے کہا ﴿تَاللّٰهِ﴾ اللہ کی قسم ﴿لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا﴾ البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے آپ کو ترجیح دی ہے ہم پر۔ ہم نے خواب سنا کہ کوئی وقت آئے گا ہم سب تجھے سجدہ کریں گے یعنی تیرے ماتحت ہوں گے، فرماں بردار ہوں گے اس

پر ہم نے راستے کا پتھر ہٹانے کی کوشش کی تھی مگر رب اپنے کاموں میں غالب ہے ﴿وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕیْنَ﴾ اور بے شک ہم البتہ خطا کار تھے۔ قصور ہمارا تھا اپنے گناہ کا اقرار کیا۔

﴿قَالَ﴾ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ﴿لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ﴾ کوئی ملامت نہیں تم پر آج کے دن۔ تثریب کا لفظی معنیٰ ہے جانور کو ذبح کرنے کے بعد گوشت کے ساتھ جو چربی ہوتی ہے اس کو دور کر کے گوشت کو ننگا کر دینا۔ پھر یہ ملامت کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے کہ جس طرح چربی دور ہو جانے کے بعد نیچے سے گوشت ظاہر ہو جاتا ہے اسی طرح ملامت کرنے سے عیب ظاہر ہوتا ہے۔ تو آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے، کوئی زجر و توبیخ نہیں ہے ﴿یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمھیں معاف کرے۔ میں نے تمھیں معاف کیا اللہ تعالیٰ بھی تمھیں معاف کرے ﴿وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ﴾ اور وہ سب سے بڑھ کر شفقت کرنے والا ہے۔

ایک وہ وقت تھا کہ ان بھائیوں کو کنوئیں میں گراتے ہوئے ترس نہ آیا اور اپنے والد گرامی کا بھی خیال نہ کیا باوجود یہ کہ یوسف علیہ السلام نے کہا کہ کچھ تو سوچو جب تم مجھے کنوئیں میں گرا کر واپس جاؤ گے اور میں تمھارے ساتھ نہیں ہوں گا تو اباجی پر کیا گزرے گی؟ اور یاد رکھنا! والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اگر ماں باپ مسلمان ہیں تو ان کی دل آزاری گناہ کبیرہ ہے جن کو حدیث پاک میں مُوبِقات کہا گیا ہے، بندے کو ہلاک کر دینے والے۔

ابن السُنّی کی عَمَلَ الْیَوْمِ وَاللَّیْلَہ حدیث کی کتاب ہے جس میں دعاؤں کا ذکر آتا ہے۔ اس میں یہ حدیث بھی ہے جس کا مفہوم ہے کہ یہ بھی نافرمانی ہے کہ باپ پیچھے چلے اور بیٹا آگے چلے یعنی یہ بھی عقوق والدین میں داخل ہے۔ اب جو حالات ہیں بس اللہ تعالیٰ بچائے بہت کچھ ہو رہا ہے۔ تو ایک وقت وہ تھا کہ یوسف علیہ السلام کہہ رہے تھے مجھ پہ ترس کھاؤ اور ایک یہ وقت ہے وہ معافی مانگ رہے ہیں کہ بے شک ہم خطا کار تھے ہمیں معاف کر دو۔ اللہ تعالیٰ حالات بدلتے رہتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے مکہ والوں کی زیادتیاں معاف فرما دیں

ہجرت کا آٹھواں سال رمضان المبارک کا مہینہ تھا مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ اس وقت کعبۃ اللہ سے بلند عمارت مکہ مکرمہ میں اور کوئی نہیں تھی۔ کعبۃ اللہ کی بلندی پچاس فٹ ہے۔ اب تو کئی کئی منزلہ بلڈنگیں بن گئی ہیں لوگ لفٹ کے ذریعے اُوپر نیچے جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ پہاڑی پر تشریف لے گئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ نے سفید چادر لہرائی۔ اس وقت سفید چادر کو لہرانا خطرے کی علامت ہوتا تھا اور اگر خطرہ بہت زیادہ ہوتا تو کپڑے اُتار کر چیخیں مارتے تھے۔ اس کو وہ نذیر العریان کہتے تھے، ننگا ڈرانے والا۔ یہ خطرے کا آخری الارم ہوتا تھا کہ دشمن آ گیا ہے۔ جب آپ ﷺ نے کپڑا لہرایا تو عام لوگ اکٹھے ہو گئے مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے۔ آنحضرت ﷺ نے تقریر فرمائی کہ اے اہل مکہ! تم نے مجھ پر زیادتیاں کی ہیں فلاں دن یہ زیادتی کی فلاں دن یہ زیادتی کی۔ یاد ہے تمھیں میرے فلاں صحابی پر یہ زیادتی کی، فلاں صحابی پر

یہ زیادتی کی، تمھیں یاد ہے۔ان کے سب جرائم اور قصور شمار کیے۔ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ کہنے لگے ہمیں تو یاد ہی نہیں تھا کہ ہم نے کیا کچھ کیا تھا اس نے سب کچھ نوٹ کیا ہوا ہے۔

جیسے جیسے آپ ﷺ ان کے جرائم بیان کرتے تھے ان کے ہوش وحواس اُڑتے جاتے تھے۔فرمایا مکے والو! تمھیں معلوم ہے کہ تمھارے ساتھ کیا ہونا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا میں وہی کچھ کہوں گا جو یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو کہا تھا ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ کوئی ملامت نہیں تم پر میں نے سب کو معاف کر دیا۔

عکرمہ بن ابوجہل کی بیوی ام حکیم رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس آئیں اور کہنے لگیں میرے خاوند عکرمہ کے لیے بھی معافی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اس کے لیے بھی معافی ہے۔حالاں کہ ابوجہل کے بدر میں قتل ہو جانے کے بعد ہر معاملے میں وہ پیش پیش تھا۔ پوچھنے والے نے پوچھا کہ وحشی ابن حرب کے لیے بھی معافی ہے جس نے غزوہ اُحد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کیا تھا۔ان کا کلیجا نکالا، کان کاٹے، ناک کاٹا، حلیہ بگاڑ دیا۔فرمایا اس کے لیے بھی معافی ہے۔ فرمایا حبار ابن اسود کو بھی معافی ہے۔ یہ آنحضرت ﷺ کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا خسر لگتا تھا۔ان کا نکاح ابوالعاص بن ربیع کے ساتھ ہوا تھا جن کا نام مُقسم تھا۔ یہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔یہ بدر کے قیدیوں میں سے تھے۔جس وقت بدر کے قیدی رہا ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنے داماد ابوالعاص بن ربیع کو فرمایا کہ مکہ مکرمہ سے جب کوئی ایسا قافلہ آئے کہ اس میں مرد عورتیں ہوں تو میری بیٹی کو ان کے ساتھ ملاقات کے لیے بھیج دینا۔ اُنھوں نے وعدہ کیا اور وہ لوگ وعدے کے پکے تھے۔ جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو اُنھوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ساتھ بھیج دیا۔ جب وہ اُونٹ پر سوار ہو گئیں تو یہ حبار بن اسود آ گیا بڑا منہ پھٹ آدمی تھا کہنے لگا اے عورت! تو کدھر جا رہی ہے؟ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا چچا جی! میں اپنے گھر والوں کی اجازت سے جا رہی ہوں ابا جان کی ملاقات کر کے واپس آ جاؤں گی۔ کہنے لگا تم نہیں جا سکتی۔اُنھوں نے کہا چچا جی! میں نے اپنے خاوند سے پوچھا ہے، ابا جی سے پوچھا ہے، ساس سے پوچھا ہے، سب کی اجازت سے جا رہی ہوں۔ کہنے لگا تم نہیں جا سکتی۔ ٹانگ سے پکڑ کر نیچے کھینچا وہ گر گئیں، حاملہ تھیں ان کے حمل میں گڑبڑ ہو گئی بچہ مردہ پیدا ہوا۔ یہ بڑا موذی قسم کا بے لحاظ آدمی تھا۔فرمایا اس کو بھی معافی ہے۔صفوان ابن امیہ بڑا مال دار آدمی تھا اور تمام ہتھیار، تلواریں، نیزے، تیر کمان وغیرہ یہ سپلائی کرتا تھا۔فرمایا اس کو بھی معافی ہے۔

عجیب منظر تھا عکرمہ کی بیوی ام حکیم رضی اللہ عنہا نے کہا حضرت! کوئی نشانی دے دیں تا کہ میں اس کو مطمئن کر سکوں کہ واقعی اُسے معافی مل گئی ہے۔آپ ﷺ نے اپنا سیاہ رنگ کا عمامہ عنایت فرمایا کہ یہ لے جاؤ اس کو سارے پہچانتے ہیں کہ میرا ہے۔ چنانچہ اس کی تلاش میں نکلیں پتا چلا کہ وہ حبشہ کی طرف بھاگ گیا ہے۔اس وقت جدہ آباد نہیں ہوا تھا جدہ بعد میں آباد ہوا ہے۔ جدہ مکہ مکرمہ سے پینتالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ اس زمانے میں کعبۃ اللہ کے دروازے کی سیدھ پر تیس میل کے فاصلے پر کشتیاں آتی تھیں کوئی باقاعدہ نظم و نسق نہیں تھا کبھی حبشہ اور دوسرے علاقوں سے آ جاتی تھیں۔ وہاں چند جھونپڑیاں تھیں جن کے

پاس کھجوریں، ستو اور اس قسم کی چیزیں ہوتی تھیں جو ضرورت پوری کرتی تھیں۔ عکرمہ بھی ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ کشتی چند میل چلی تھی کہ طوفان آ گیا۔ اپنے اپنے خداؤں کو اُنھوں نے پکارنا شروع کیا۔ کسی نے کہا یَااَللَّاتُ اَغِثْنِیْ "اے لات میری مدد کر۔" کسی نے کہا یَا عُزّٰی اَغِثْنِیْ "اے عزیٰ میری مدد کر۔" ملاح نے کہا اِنَّ اٰلِھَتَکُمْ لَاتُغْنِیْ ھٰھُنَا شَیْئًا "بے شک تمھارے خدا یہاں کام نہیں آئیں گے یہاں صرف رب کو پکارو۔" ﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ﴾ "جب وہ سوار ہوتے ہیں کشتیوں میں تو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص کرتے ہوئے اسی کے لیے دین کو۔" عکرمہ نے کہا کہ اگر ہمارے یہ خدا یہاں کام نہیں آ سکتے تو خشکی پر بھی کام نہیں آ سکتے یہی سبق تو میرا بھائی دیتا تھا اگر مجھے رب نے نجات دی تو ضرور جا کر کلمہ پڑھوں گا۔

کشتی واپس آ گئی کنارے پر دیکھا تو بیوی کھڑی ہے اُونٹنی پر سوار تھی نیچے اُتری بغل میں بیوی نے کوئی چیز دبائی ہوئی تھی کشتی سے باہر پاؤں رکھا پریشان ہوا کہنے لگا عورتوں کی بھی خیر نہیں ہے لگتا ہے یہ بھی بھاگ کر آئی ہے۔ پوچھا کَیْفَ اَنْتِ تم کیسے آئی ہو خیر تو ہے؟ اس نے کہا خیر ہے۔ کہنے لگی وہاں تو رحمت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے سب کو معافی ہو گئی ہے۔ عکرمہ نے کہا مجھے بھی؟ فرمایا ہاں! کہنے لگا کہیں مجھے پھنسا نہ دینا ام حکیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر سیاہ رنگ کی پگڑی باندھی ہوئی تھی کَانَتْ عَلٰی رَاْسِهٖ عَمَامَةٌ سَوْدَاءُ یہ پگڑی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور یہ علامت کے طور پر لے آئی ہوں۔ عکرمہ نے جس وقت وہ پگڑی دیکھی تو مطمئن ہو گیا۔ مؤطا امام مالک کی روایت ہے کہ جب وہ واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر اعزاز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ فرمایا: مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ۔ تو جس طرح یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو معاف کر دیا۔

فرمایا ﴿اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا﴾ لے جاؤ میری یہ قمیص ﴿فَاَلْقُوْهُ عَلٰی وَجْهِ اَبِیْ﴾ پس ڈالو تم اس کُرتے کو میرے باپ کے چہرے پر غم کی وجہ سے رو رو کر آنکھیں سفید ہو گئی ہیں نظر کمزور پڑ گئی ہے ﴿یَاْتِ بَصِیْرًا﴾ وہ آئیں گے دیکھتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کی بینائی واپس آ جائے گی یہ معجزہ ہے ﴿وَاْتُوْنِیْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ اور لاؤ تم میرے پاس اپنے گھر کے سب افراد کو۔ ان شاء اللہ العزیز زندگی رہی تو باقی واقعہ آئندہ بیان ہوگا۔

﴿وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ﴾ اور جب جدا ہوا قافلہ ﴿قَالَ اَبُوْهُمْ﴾ کہا ان کے والد نے ﴿اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ﴾ بے شک میں البتہ پاتا ہوں یوسف علیہ السلام کی خوشبو ﴿لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ﴾ اگر تم مجھے بوڑھا بے عقل نہ کہو ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿تَاللّٰهِ﴾ اللہ کی قسم ﴿اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ﴾ بے شک آپ پرانی خطا میں مبتلا ہیں ﴿فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ﴾ پس جس وقت آیا خوش خبری سنانے والا ﴿اَلْقٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ﴾ ڈالا اس کرتے کو اپنے والد کے چہرے پر

﴿فَارْتَدَّ بَصِيْرًا﴾ پس وہ لوٹ آئے بینا ہو کر ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ﴾ کیا میں نے نہیں کہا تھا تمھیں ﴿اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ بے شک میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ جو تم نہیں جانتے ﴿قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ﴾ کہنے لگے اے ہمارے ابا جان! معافی مانگ ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی ﴿اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ﴾ بے شک ہم قصوروار اور خطا کار ہیں ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ﴾ عنقریب میں بخشش مانگوں گا تمھارے لیے اپنے رب سے ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی بخشنے والا مہربان ہے ﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰي يُوْسُفَ﴾ پس جب وہ داخل ہوئے یوسف علیہ السلام کے پاس ﴿اٰوٰٓي اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ﴾ تو انھوں نے جگہ دی اپنے پاس اپنے والدین کو ﴿وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ﴾ اور فرمایا داخل ہو مصر میں ﴿اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ﴾ اگر اللہ نے چاہا تو امن میں رہو گے ﴿وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ﴾ اور بلند کیا اپنے ماں باپ کو تخت پر ﴿وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا﴾ اور گر پڑے ان کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے ﴿وَقَالَ﴾ اور کہا یوسف علیہ السلام نے ﴿يٰٓاَبَتِ﴾ اے میرے ابا جان! ﴿هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ﴾ یہ ہے تعبیر میرے خواب کی ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ جو اس سے پہلے میں نے دیکھا تھا ﴿قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا﴾ بے شک بنایا ہے اس کو میرے پروردگار نے سچا ﴿وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ﴾ اور تحقیق اس نے احسان کیا میرے ساتھ ﴿اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ﴾ جس وقت نکالا مجھے قید خانے سے ﴿وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ﴾ اور لایا وہ تمھیں دیہات سے ﴿مِنْۢ بَعْدِ﴾ بعد اس کے ﴿اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ﴾ کہ جھگڑا ڈال دیا شیطان نے ﴿بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ﴾ میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان ﴿اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ﴾ بے شک میرا رب باریک بین ہے جو چاہے ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔

یوسف علیہ السلام کا واقعہ چلا آرہا ہے یوسف علیہ السلام کے نو بھائی جب تیسری دفعہ اناج لینے کے لیے گئے تو یوسف علیہ السلام نے ان کے ساتھ کھل کر بات کی اور بتایا کہ میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اور جو کچھ تم نے یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی بنیامین کے ساتھ کیا تھا وہ تمھیں معلوم ہے۔ بھائیوں نے کہا کہ ہماری غلطی تھی ہمیں معاف کر دو۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کوئی ملامت نہیں ہے تم پر آج کے دن۔ اب تم جاؤ یہ کرتہ میرے ابا جان کے چہرے پر ڈال دو آنکھوں کی بینائی واپس آجائے گی اور گھر کے تمام افراد کو لے کر یہاں آجاؤ۔

اب جس وقت بھائی اناج لے کر مصر سے روانہ ہوئے ﴿وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ﴾۔ عیر اس قافلے کو کہتے ہیں جو خوراک پہنچاتا ہے۔ اور جب جدا ہوا قافلہ خوراک لے کر مصر سے ﴿قَالَ اَبُوْهُمْ﴾ کہا ان کے والد یعقوب علیہ السلام نے ﴿اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ﴾ بے شک میں البتہ پاتا ہوں یوسف علیہ السلام کی خوشبو۔

جب یوسف علیہ السلام کا کرتہ مصر سے لے کر چلے تو یعقوب علیہ السلام کو کنعان میں خوشبو آئی

تفسیروں میں تین دن کا ذکر بھی ہے، آٹھ اور دس دن کا ذکر بھی ہے تو یہ کافی سفر ہے۔ وہاں سے جب وہ کرتہ لے کر چلے تو یعقوب علیہ السلام کو کنعان کے مقام پر جس کو آج کل القدس اور الخلیل کہتے ہیں یہاں خوشبو آئی۔ اُنھوں نے اپنے پوتوں، پڑپوتوں جو اہل خانہ تھے ان کو بتایا کہ مجھے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آرہی ہے ﴿لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ﴾ فَنَدَ کا معنٰی ہے اَلنِّسْبَۃُ اِلٰی ضُعْفِ الْعَقْلِ "کسی کو عقل کی کمزوری کی طرف منسوب کرنا۔" اگر تم یہ نہ کہو کہ میری عقل کمزور ہے، میری عقل ماری ہوئی ہے۔ مجھے بے عقل نہ کہو تو میں کہتا ہوں کہ مجھے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آرہی ہے۔

غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا

اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھو کہ یوسف علیہ السلام قریب کنوئیں میں تھے تو علم نہ ہوا اور اب مصر سے کرتہ چلا ہے تو خوشبو آگئی۔ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اکابر اولیائے کرام میں سے ہیں۔ ان کی کتابیں گلستان، بوستان، کریما، کلیاتِ سعدی وغیرہ فارسی ادب کا ذخیرہ ہے۔ آج بھی لوگ ان سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ کلیات سعدی میں اُنھوں نے اخلاقیات، توحید وسنت، بہت کچھ درج کیا ہے۔ وہ گلستان میں لکھتے ہیں :

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند
"ایک شخص نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے دریافت کیا

اے روشن گہر پیر خرد مند
اے روشن ذات عقل مند بھی

زمصرش بوئے پیراہن شنیدی
یہ کیا بات ہے کہ مصر سے یوسف علیہ السلام کے قمیص کی خوشبو آپ نے سونگھ لی

چرا در چاہ کنعانش ندیدی
لیکن کنعان کے کنوئیں میں جو آپ سے زیادہ دور نہیں تھا نہ دیکھ سکے

بگفت احوال ما برق جہاں است
یعقوب علیہ السلام نے فرمایا ہمارے حالات کوندنے والی بجلی کی طرح ہیں

دمے پیدا ودیگر دم نہاں است
ایک سانس میں ظاہر اور دوسرے میں پوشیدہ ہو جاتے ہیں

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم

کبھی ہم اونچی اناؤں پر بیٹھتے ہیں

گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت بھی نہیں دیکھ سکتے۔"

تو فرمایا کہ ہمارے اختیار کی بات نہیں ہے رب تعالیٰ ہمیں دکھاتا ہے چاہے تو ہمیں دور کی چیز بھی دکھا دیتا ہے اور اگر نہ دکھانا چاہے تو ہمیں پاؤں کی پشت کا بھی پتا نہیں ہوتا۔ آنحضرت ﷺ جب معراج سے واپس تشریف لائے تو مشرکین مکہ نے آپ ﷺ سے مسجد اقصیٰ کی نشانیاں اور علامتیں پوچھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لَمْ اُثْبِتْهُ مجھے یاد نہیں تھیں فَكُرِبْتُ كُرْبَةً لَمْ اُكْرِبْ مِثْلَهٗ قَطُّ مسلم شریف کی روایت ہے کہ میں اتنا پریشان ہوا کہ زندگی میں کبھی اتنا پریشان نہیں ہوا۔ کیوں کہ اگر میں اس وقت صحیح جواب نہ دے سکا تو کافر خوب ڈھنڈورا پیٹیں گے کہ معاذ اللہ غلط ہے۔ مسجد اقصیٰ مکہ مکرمہ سے پندرہ سو میل کی مسافت پر ہے فَجَلَّى اللّٰهُ لِيْ بَيْتَ الْمَقْدِسِ "اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کا نقشہ میرے سامنے کر دیا۔" وہ جو کچھ پوچھتے تھے میں سب کچھ بتاتا تھا۔

تو اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے چاہے تو ساری دنیا کا نقشہ سامنے کر دے۔ حضرت نجاشی اصحمہ رضی اللہ عنہ طبقے کے لحاظ سے صحابی ہیں لیکن رؤیت کے لحاظ سے صحابی نہیں ہیں۔ اُنھوں نے آنحضرت ﷺ کو نہیں دیکھا تھا۔ بڑا نیک دل عادل بادشاہ تھا۔ ایمان لانے کے بعد آنے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے اجازت نہیں دی کیوں کہ مخالف اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ نے خیال فرمایا کہ اس کی غیر حاضری میں مخالفین نے اگر اقتدار پر قبضہ کر لیا تو ایک تو یہ اقتدار سے محروم ہو جائے گا دوسرا اس کی وجہ سے اسلام کو جو وسعت حاصل ہے وہ رک جائے گی۔ جب ان کا انتقال ہوا تو آنحضرت ﷺ نے ساتھیوں کو مدینہ منورہ میں بتایا کہ تمھارا بھائی آج وفات پا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھایا۔

غائبانہ جنازہ صحیح نہیں

مسند احمد میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہما دونوں باپ بیٹا صحابی ہیں، سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے کر دیا۔ وہ آپ ﷺ کے حق میں غائب نہیں تھا ہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نظر نہیں آیا۔ آج کل جو لوگ غائب کا جنازہ پڑھتے ہیں وہ اسی روایت کو پیش کرتے ہیں لیکن ان کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ آپ ﷺ کے حق میں غائب نہیں تھا رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کے سامنے کر دیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کے بعد دور دراز کے علاقوں میں آپ ﷺ کے ساتھی شہید ہوئے آپ ﷺ نے کسی کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھایا۔ (تیسری بات یہ ہے کہ وہاں اور کوئی جنازہ پڑھانے والا نہیں تھا۔ نواز بلوچ مرتب) لہٰذا غائب کا جنازہ نہیں ہے۔

تو خیر بات یہ ہو رہی تھی کہ چاہے تو دور کی خبر دے اور نہ چاہے تو قریب کا بھی پتا نہ چلے۔ ایک زمانے تک لوگ جوتیوں

سمیت نماز پڑھتے تھے کیوں کہ جوتیاں صاف ہوتی تھیں۔ عرب کا ریتلا اور پتھریلا علاقہ بارشیں بھی کم ہوں اور آبادی بھی کم ہو تو ان علاقوں میں پھرنے سے جوتیوں کو کچھ نہیں لگتا۔ آج اگر کوئی اپنی گلیوں کو ان پر قیاس کرے اور کہے کہ میں سنت پر عمل کرتا ہوں جوتا پہن کر نماز پڑھے تو زرا پاگل ہے۔ ماحول کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ تو سارے حضرات جوتوں سمیت نماز پڑھ رہے تھے نماز کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتا مبارک اُتار کر رکھ دیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا تو اُنھوں نے بھی جوتے اتار دیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَا حَمَلَكُمْ عَلَى إِلْقَائِكُمْ نِعَالَكُمْ "جوتے اتارنے پر تمھیں کس چیز نے اُبھارا، جوتے تم نے کیوں اتارے؟" کہنے لگے رَأَيْنَاكَ أَلْقَيْتَ نَعْلَيْكَ "ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے جوتا اُتار دیا ہے" تو سمجھا کہ جوتے اُتارنے کا حکم آگیا ہے اس لیے ہم نے آپ کی پیروی کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا کوئی حکم نہیں آیا جَاءَنِي جِبْرَئِيلُ فَأَخْبَرَنِي میرے پاس تو جبرئیل علیہ السلام آئے تھے اُنھوں نے مجھے بتایا کہ تمھارے جوتے کے نیچے کچھ غلاظت لگی ہوئی ہے اس لیے میں نے جوتا اُتارا۔ تو رب تعالیٰ نہ دکھانا چاہے تو جوتے کے نیچے معمولی سی غلاظت لگی ہوئی نہ دکھائے اور بتلانا چاہے تو بیت المقدس سامنے کردے یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے۔

تو فرمایا کہ اگر تم مجھے بے عقل نہ کہو تو مجھے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آرہی ہے ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿تَاللّٰهِ﴾ اللہ کی قسم ﴿اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ﴾ بے شک آپ پرانی خطا میں مبتلا ہیں۔ یوسف تجھے بھولتا ہی نہیں ہے یوسف کہاں ہے کم از کم چالیس سال کا عرصہ گزر گیا ہے۔ کیوں کہ مستدرک حاکم وغیرہ میں اسی [۸۰] سال کی روایت بھی موجود ہے لیکن چالیس سال کا عرصہ بھی کوئی کم نہیں ہے انسان کی پوری زندگی ہے۔ ﴿فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ﴾ پس جس وقت آیا خوش خبری سنانے والا یہودا۔ یہ وہی ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالا گیا تھا تو بکری کا بچہ ذبح کر کے اس سے کرتہ خون آلود کر کے ابا جی کے پاس لایا تھا کہ ابا جی دیکھو! یہ کرتہ خون آلود ہے آپ کے بیٹے کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ اور خوش خبری سنانے والا مصر سے کرتہ لے کر آنے والا بھی یہی یہودا ہے یا روبیل ہے۔

﴿اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ﴾ ڈالا اس کرتے کو اپنے والد یعقوب علیہ السلام کے چہرۂ اقدس پر ﴿فَارْتَدَّ بَصِيْرًا﴾ پس وہ لوٹ آئے بینا ہو کر اللہ تعالیٰ نے بینائی واپس کردی ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ﴾ کیا میں نے نہیں کہا تھا تمھیں ﴿اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ بے شک میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ جو تم نہیں جانتے۔ تفصیلات تو رب تعالیٰ ہی جانتا تھا مگر اجمالی طور پر مجھے یہ اُمید تھی کہ کوئی وقت آئے گا کہ ہم سب اکٹھے ہوں گے ﴿قَالُوْا﴾ بیٹوں نے کہا ﴿يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ﴾ اے ہمارے ابا جان ہمارے لیے معافی مانگ ہمارے گناہوں کی اپنے رب سے ﴿اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ﴾ بے شک ہم قصوروار اور خطا کار تھے کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں گرایا تھا ہماری شرارت تھی ﴿قَالَ﴾ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا ﴿سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ﴾ عنقریب میں معافی مانگوں گا تمھارے لیے اپنے رب سے۔

کن کن اوقات میں دعا قبول ہوتی ہے ؟

تفسیروں میں آتا ہے کہ صبح سحری کے وقت کا وعدہ تھا کیوں کہ وہ دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔ دعاؤں کی قبولیت کے جو اوقات ہیں ان میں ایک فرض نماز کے بعد کا وقت بھی ہے اور اجتماعی شکل میں دعا کرنا بھی ثابت ہے مگر آج عجیب عجیب قسم کے ذہن پیدا ہو گئے ہیں۔ سعودیہ والے نجدی نماز کے بعد دعا نہیں کرتے بس نماز پڑھی اور اُٹھ کر چلے گئے۔ حالاں کہ فرض نماز کے بعد دعا پر احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ فرض نماز کے بعد اجتماعی طور پر دعا کرنے میں علمی طور پر کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن یہ نہ فرض ہے نہ واجب ہے نہ سنت مؤکدہ ہے۔ اگر کسی کو جلدی ہے، بیمار ہے، مسافر ہے، وہ دعا کیے بغیر اُٹھ کر جا سکتا ہے مجبور ہو کر بیٹھنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ تو جو جائے اس پر نکیر نہ کرو۔ تو فرض نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔ رات کا جب تیسرا حصہ باقی رہ جائے تو وہ بھی قبولیت کا وقت ہے۔

تو فرمایا کہ میں عنقریب تمھارے لیے اپنے رب سے معافی مانگوں گا ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی بخشنے والا مہربان ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر سے باہر چند میل کے فاصلے پر ان کے استقبال کے لیے ایک جگہ بنائی تھی کہ یہاں آکر کچھ آرام کریں گے پھر یہاں سے ان شاء اللہ اطمینان کے ساتھ مصر میں داخل ہوں گے۔ اس وقت یوسف علیہ السلام کی حقیقی والدہ تو فوت ہو گئی تھیں سوتیلی والدہ تھی وہ بھی تو والدہ ہی تھی۔ کچھ دنوں کے بعد یعقوب علیہ السلام ان کی اہلیہ اور باقی گھر کے تمام افراد کو کارندے یوسف علیہ السلام کے حکم پر مصر لے گئے۔ اس کا ذکر ہے۔ ﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ﴾ پس جب وہ داخل ہوئے یوسف علیہ السلام کے پاس ﴿اٰوٰۤی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ﴾ ٹھکانا دیا اُنھوں نے اپنے پاس اپنے والدین کو عقیدت، احترام اور محبت کے ساتھ ملے اور کہا کہ یہاں آرام کرو ﴿وَ قَالَ﴾ اور فرمایا ﴿ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ﴾ داخل ہو جاؤ مصر میں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو امن میں رہو گے۔ مصر سے باہر دو تین میل پر جو جگہ بنائی تھی وہاں پر آرام کر لیں پھر مصر میں داخل ہوں گے ﴿وَ رَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ﴾ اور بلند کیا اپنے ماں باپ کو تخت پر، جو بڑا تخت تھا اس پر والدین کو بٹھایا ﴿وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا﴾ اور سب گر پڑے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرتے ہوئے ﴿وَ قَالَ﴾ یوسف علیہ السلام نے فرمایا ﴿یٰۤاَبَتِ﴾ اے میرے ابا جان! ﴿هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ﴾ یہ ہے میرے خواب کی تعبیر جو اس سے پہلے میں نے بچپن میں دیکھا تھا کہ سورج چاند یعنی والدین اور گیارہ ستارے یعنی بھائی سب نے مجھے سجدہ کیا ہے۔

ہماری شریعت میں سجدۂ تعظیمی بھی حرام ہے ؟

اس آیت کی تفسیر میں دیگر مفسرین نے بھی لکھا ہے اور حافظ ابن کثیر جو چوٹی کے مفسر بھی ہیں، محدث اور مؤرخ بھی ہیں انھوں نے بھی لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک سجدۂ تعظیمی جائز تھا۔ سجدہ عبادت اور سجدہ تعظیمی میں فرق نیت سے ہوتا تھا شکل وصورت دونوں کی ایک طرح کی تھی۔ اگر عبادت کی نیت ہوتی تھی تو سجدہ عبادت کا

ہوتا تھا اور اگر عبادت کی نیت نہیں ہوتی تھی تو عبادت کا نہیں ہوتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی شریعت میں سجدہ تعظیمی حرام ہو گیا۔ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے جو اس دور میں آئی جی پولیس اور بڑے درجے کے صحابی تھے آنحضرت ﷺ سے پوچھا حضرت! ہم نے عراق میں دیکھا ہے کہ لوگ بڑے پادریوں کو اور چودھریوں کو سجدہ کرتے ہیں ہم آپ کو نہ کریں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ میری وفات ہو جائے اور مجھے قبر میں دفن کر دیا جائے تو میری قبر کو سجدہ کرو گے؟ قَالَ لَا اُنھوں نے کہا نہیں حضرت! قبر کو تو نہیں کریں گے۔ فرمایا اب بھی نہ کرو اگر میری شریعت میں کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو میں عورت کو حکم دیتا کہ خاوند کو سجدہ کرو کہ اس کا بڑا حق ہے مگر میری شریعت میں سجدہ تعظیمی حرام ہے۔ لہٰذا نہ کسی قبر کو سجدہ جائز ہے، نہ کسی پیر کو، نہ زندہ کو، نہ مردہ کو۔ جب آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کو سجدہ تعظیمی جائز نہیں ہے تو اور کس کے لیے جائز ہوگا اور حد سے زیادہ جھکاؤ بھی جائز نہیں ہے کہ جس سے رکوع کا شبہ ہو۔ ہاں امر مجبوری اور بات ہے۔ مثلاً: میں بیٹھا ہوں اگر کوئی آ کر مجھے ملے گا تو جھکے گا یہ وہ بہ امر مجبوری جھک رہا ہے تعظیم کے لیے نہیں ہے تو اس کی گنجائش ہے اور اگر دونوں کھڑے ہوں اور کوئی ایک جھک کر ملتا ہے تو یہ گناہ ہے۔ معانقہ کیا جا سکتا ہے، مصافحہ کیا جا سکتا ہے۔ تو ہماری شریعت میں سجدہ تعظیمی حرام ہے۔

﴿قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا﴾ بے شک بنایا ہے اس خواب کو میرے پروردگار نے سچا ﴿وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْ﴾ اور تحقیق اس نے احسان کیا میرے ساتھ اچھا سلوک فرمایا ﴿اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ﴾ جس وقت نکالا اس نے مجھے قید خانے سے، قید خانے کا ذکر کیا اور کنوئیں کا ذکر نہ کیا تا کہ بھائی شرمندہ نہ ہوں حالاں کہ اصل بات تو کنوئیں کی تھی ﴿وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ﴾ اور لایا وہ تمھیں دیہات سے شہر میں ﴿مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ﴾ بعد اس کے کہ شیطان نے اختلاف اور پھوٹ ڈال دی ﴿بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ﴾ میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان ﴿اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ﴾ بے شک میرا رب باریک بین ہے اس کے کام نہایت باریکی کے ساتھ ہوتے ہیں ﴿لِّمَا يَشَآءُ﴾ جو چاہے، بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اگر رشتے میں رکاوٹ ہو یا کاروبار میں رکاوٹ ہو یا کسی بھی جائز کام میں رکاوٹ ہو تو اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام لطیف کا ذکر کثرت کے ساتھ کرو، لطیف لطیف، اس کی برکت سے رکاوٹ دور ہو جائے گی ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔

﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ﴾ تحقیق تو نے عطا کیا مجھے ملک ﴿وَعَلَّمْتَنِيْ﴾ اور تعلیم دی مجھے ﴿مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ﴾ خوابوں کی تعبیر کی ﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اے بے نمونہ پیدا کرنے والے آسمانوں کے اور زمینوں کے ﴿اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ آپ میرے آقا ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ﴿تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا﴾ وفات دیں مجھے اس حال میں کہ میں مسلمان ہوں ﴿وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾ اور ملا دے مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ﴾ یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے ﴿نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ﴾ ہم وحی کرتے

ہیں اس کی آپ کی طرف ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ﴾ اور نہیں تھے آپ ان کے پاس ﴿إِذْ أَجْمَعُوْا أَمْرَهُمْ﴾ جب اُنھوں نے اتفاق کر لیا اپنے معاملہ میں ﴿وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ﴾ اور وہ تدبیر کر رہے تھے ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ﴾ اور نہیں ہیں اکثر لوگ ﴿وَلَوْ حَرَصْتَ﴾ اور اگرچہ آپ حرص کریں ﴿بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ ایمان لانے والے ﴿وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ﴾ اور نہیں آپ ان سے مانگتے اس تبلیغ پر کوئی اجر ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ نہیں ہے یہ قرآن مگر نصیحت جہان والوں کے لیے۔

یوسف علیہ السلام کے ساتھ زلیخا کا نکاح ہوا ہے یا نہیں ؟

حضرت یوسف علیہ السلام، ان کے بھائیوں اور ان کے والد محترم یعقوب علیہ السلام کا قصہ تم نے تفصیل کے ساتھ سنا۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام اہل خانہ کے ساتھ مصر آئے اس وقت یوسف علیہ السلام کی عمر کافی ہو چکی تھی۔ اس میں اختلاف ہے کہ آیا زلیخا رحمہا اللہ تعالیٰ کے ساتھ یوسف علیہ السلام کا نکاح ہوا ہے یا نہیں۔ محدثین کرام رحمہم اللہ نکاح نہیں مانتے۔ حافظ ابن تیمیہ جو حنبلی مسلک کے تھے اُنھوں نے اس پر مستقل ایک رسالہ لکھا ہے کہ ایسی حرکتیں کرنے والی عورت نبی کے نکاح میں نہیں آنی چاہیے۔ جب کہ جمہور مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ نکاح ہوا ہے بے شک اس کی غلطی تھی لیکن اس نے اپنی غلطی کا اقرار کیا اور رب تعالیٰ سے معافی مانگی اور شریعت کا قاعدہ ہے کہ جو سچے دل سے توبہ کرے گا ان گناہوں سے جن سے معافی مل سکتی ہے تو معافی مل جائے گی اور جن گناہوں کی توبہ کے ساتھ معافی نہیں ملتی ان میں نہیں ملے گی۔ مثلاً:

کسی کے ذمہ بالغ ہونے کے بعد نماز ہے، روزہ ہے اس نے ادا نہیں کیے بے شک توبہ کرتا رہے معافی نہیں ملے گی جب تک ان کو ادا نہیں کرے گا۔ اگر کسی کا حق دینا ہے ایک دفعہ نہیں کروڑ دفعہ بھی توبہ کرے معافی نہیں ہے جب تک حق ادا نہیں کرے گا۔ زکوٰۃ نہیں دی جب تک دے گا نہیں کوئی معافی نہیں ہے، جب تک ادا نہیں کرے گا۔ اس مسئلے میں بہت سارے لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں اور جن چیزوں میں قضا نہیں ہے ان میں معافی مل جائے گی۔ مثلاً: کسی نے شراب پی، بدکاری کی پھر سچے دل سے توبہ کرے رب معاف کر دے گا۔

تو جمہور فرماتے ہیں کہ نکاح ہوا ہے اور نکاح کے بعد تین بچے بھی پیدا ہوئے ہیں۔ ایک کا نام افرائیم تھا رحمہ اللہ تعالیٰ دوسرے بیٹے کا نام ایشا تھا رحمہ اللہ تعالیٰ اور ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام رحمت تھا رحمہا اللہ تعالیٰ اور یہی رحمت بی بی حضرت ایوب علیہ السلام کے نکاح میں آئی۔ تفسیر خازن والے اور دوسرے حضرات لکھتے ہیں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو بیس سال ہو گئی تو عرض کیا ﴿رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ﴾ اے میرے رب! تحقیق تو نے عطا کیا مجھے ملک۔ ایک زمانہ تھا یوسف علیہ السلام مصر میں غلام کی حیثیت سے فروخت ہو رہے تھے اور خریدے گئے تھے۔ پھر ایک وقت آیا کہ سات سال یا بارہ سال جیل میں رہے پھر وزیر خزانہ بنائے گئے پھر وزیر اعظم بنا دیے گئے۔

یوسف علیہ السلام کو نبوت ملی تو بادشاہ نے اقتدار ان کے حوالے کر دیا

پھر بادشاہ ریان بن ولید جو بڑا نیک دل بادشاہ تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اس نے کلمہ پڑھ لیا اور کلمہ پڑھنے کے بعد اس نے عرض کیا حضرت! میں نے اب آپ کا کلمہ پڑھ لیا ہے کلمہ پڑھنے کے بعد یہ نہیں ہو سکتا کہ اب میں آپ کا بادشاہ رہوں۔ یہ تاج و تخت اور اقتدار آپ کے حوالے ہے اور سارا اقتدار یوسف علیہ السلام کے حوالے کر دیا۔ بڑی قربانی ہے آج معمولی کرسی چھوڑنے کے لیے کوئی تیار نہیں ہے ملک مصر کی بادشاہی چھوڑ دینا مشکل کام تھا لیکن ریان ابن ولید رحمۃ اللہ علیہ نے سارا اقتدار یوسف علیہ السلام کے حوالے کر دیا۔ تو یوسف علیہ السلام ملک مصر کے حکمران رہے ان کے زمانے میں بڑا امن اور سکون تھا اور اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے دین کی نشر و اشاعت بھی کی جو پیغمبر کی شان ہو سکتی ہے۔

جب عمر مبارک ایک سو بیس سال کے قریب ہوئی تو عرض کیا اے پروردگار! تو نے مجھے ملک عطا کیا ﴿وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ﴾ اور تعلیم دی مجھے خوابوں کی تعبیر کی۔ وہ اپنے دور میں خوابوں کی تعبیر کے امام اور ماہر تھے۔ ﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾۔ فاطر کا معنی ہے بغیر نمونے کے پیدا کرنا۔ اے آسمانوں اور زمینوں کو بغیر نمونہ کے پیدا کرنے والے۔ نمونے کے ہوتے ہوئے بھی کسی شے کو بنانا اتنا آسان نہیں ہوتا اور جس چیز کی پہلے مثال اور نمونہ بھی نہ ہو اس کو بنانا بہت بڑی بات ہے۔ سات آسمان ہیں اور سات زمینیں ہیں آسمانوں کے سات ہونے کا ذکر تو متعدد آیات میں ہے اور زمینوں کے سات ہونے کا ذکر صرف ایک آیت کریمہ میں ہے سورۃ طلاق آیت نمبر ۱۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ "اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے پیدا کیے ہیں سات آسمان اور اتنی ہی زمینیں پیدا کی ہیں۔" اور وہ زمینیں اُوپر نیچے ہیں ایسے نہیں کہ ایک زمین پاکستان کی اور ایک زمین امریکہ کی، ایک افریقہ کی اور ایک روس کی اور ایک چین کی۔ لوگوں نے اس طرح سات زمینیں برابر کی ہوئی ہیں یہ بات غلط ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس شخص نے کسی کی زمین پر ایک بالشت برابر بھی ناجائز قبضہ کیا تو قیامت والے دن اوپر نیچے کی سات زمینیں اس کے کندھے پر لاد دی جائیں گی۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ زمینیں اُوپر نیچے ہیں۔ یہ روایت بخاری شریف کی ہے اور ترمذی شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو حاوی ہے اگر تم ایک زنجیر کو لٹکاؤ وہ زمین کو چیر کر دوسری زمین تک پہنچ جائے پھر وہاں سے تیسری زمین تک پھر چوتھی زمین تک پھر پانچویں چھٹی ساتویں زمین تک اترتی جائے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ زمینیں اُوپر نیچے ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ ﴿وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾ [المدثر: ۳۱] "اور تیرے رب کے لشکروں کو صرف وہی جانتا ہے اس کی ذات کے سوا کوئی نہیں جانتا۔"

تو فرمایا اے آسمانوں اور زمینوں کو بغیر نمونے کے پیدا کرنے والے ﴿اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ تو میرا آقا ہے کارساز ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ﴿تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا﴾ وفات دیں مجھے اس حال میں کہ میں مسلمان ہوں اور پہلے پارے

میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت فرمائی ﴿فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ "پس نہ مرنا تم مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔" اور اس اُمت کو بھی حکم ہے ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ [آل عمران:۱۰۲] "اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے جیسا کہ حق ہے اس سے ڈرنے کا اور نہ مرو تم مگر اس حالت میں کہ تم اسلام پر ہو۔"

جس نیک بخت اور سعادت مند کی وفات اسلام پر ہو گئی وہ دنیا ہی میں کامیاب ہو گیا اور یہ سعادت اُسی کو حاصل ہو گی جو شخص اسلام پر قائم رہے گا، دین کے کام کرتا رہے گا، احکامات کی پابندی کرے گا، گناہوں سے بچے گا، مکر و فریب کرنے سے رکے گا کسی کے ساتھ دھوکا اور مکاری نہیں کرے گا، دل صاف رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سچائی کی بدولت اس کا خاتمہ ایمان پر کرے گا اور جو شخص بے نماز، دھوکے باز اور مکار ہے لوگوں سے لیتا ہے اور دیتا نہیں ہے ایسے شخص کا خاتمہ ایمان پر بہت کم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بچائے اور محفوظ رکھے۔ ﴿وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ﴾ اور ملا دے مجھے نیک لوگوں کے ساتھ۔ کہتے ہیں کہ اس دعا کے بعد یوسف علیہ السلام ایک ہفتہ یا کچھ دن زائد دنیا میں رہے پھر دنیا سے رخصت ہو گئے۔

غیب دان صرف اللہ تعالیٰ ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ﴾ یہ واقعہ جو بیان کیا گیا ہے یہ غیب کی خبروں میں سے ہے ﴿نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ﴾ ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ ایک ہے علم غیب یہ صرف رب تعالیٰ کی صفت ہے۔ سورۃ نحل آیت نمبر ۷۷ میں ہے ﴿وَ لِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ "اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے غیب آسمانوں کا اور زمین کا۔" زمین و آسمان کا ایک ایک ذرہ، ایک ایک پتا صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ ہاں اَنباء الغیب، غیب کی خبریں اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو دی ہیں اور سب سے زیادہ غیب کی خبریں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی ہیں اور یہ واقعہ بھی غیب کی خبروں میں سے ہے۔

﴿وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ﴾ اے نبی کریم! آپ ان کے پاس نہیں تھے ﴿اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ﴾ جب اُنھوں نے اجماع اور اتفاق کر لیا اپنے معاملہ میں ﴿وَ هُمْ یَمْكُرُوْنَ﴾ اور وہ مکر کر رہے تھے، تدبیر کر رہے تھے کہ ہم یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر سے کس طرح بچ سکتے ہیں کہ وہ کہہ رہا ہے کہ مجھے خواب آیا ہے کہ سورج، چاند اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ اگرچہ والد صاحب نے ان کو منع کیا تھا کہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا مگر بات کسی طرح نکل گئی کیوں کہ بات چھپتی نہیں اچھی ہو یا بری ہو۔ سورۃ بقرہ میں ہے ﴿وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾ "اور اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے اس چیز کو جس کو تم چھپاتے تھے۔" کوئی شخص نیکی کرے تو وہ بھی چھپی نہیں رہتی برائی بھی چھپی نہیں رہتی الا ماشاء اللہ۔ تو وہ خواب بھائیوں تک پہنچ گیا تو اُنھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس کو راستے سے ہٹانا چاہیے اس لیے کہ ایسا وقت کیوں آئے کہ ہم سب اس کو سجدہ کریں پھر والد صاحب کو اعتماد

میں لے کر اس کو لے گئے اور اُنھوں نے اس معاملے میں اتفاق کر لیا کہ اس کو کنوئیں میں پھینک دو پھر پھینک بھی دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب یہ سارا معاملہ ہوا اس وقت آپ وہاں موجود نہیں تھے یہ سارا واقعہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی بتایا ہے اس کا رُب تعالیٰ نے حوالہ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ ﴾ اور نہیں ہیں اکثر لوگ ﴿ وَلَوْ حَرَصْتَ ﴾ اور اگرچہ آپ حرص کریں ﴿ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ایمان لانے والے۔ اکثریت ہمیشہ کافروں کی رہی ہے صرف آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک ﴿ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ [البقرہ: ۲۱۳] "سب لوگ ایک ہی دین پر تھے۔" اُس دور میں صرف مسلمان ہی تھے۔

اکثریت ہمیشہ کافروں کی رہی ہے

نوح علیہ السلام کے زمانے سے کفر و شرک چلا اور قیامت تک چلتا رہے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے اور جس علاقے میں ان کا اقتدار ہوگا وہاں صرف اسلام ہوگا اور اسلام کے سوا اور کوئی مذہب نہیں ہوگا اور جو دوسرے علاقوں میں ہوں گے جیسے چین، روس، جاپان وغیرہ میں کفر بدستور رہے گا۔ تو اکثریت ہمیشہ کافروں کی رہی ہے۔ ایک موقع پر کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ آپ کہتے ہیں کہ میں سچا ہوں اور ہم کہتے ہیں کہ ہم سچے ہیں تو لوگوں سے رائے معلوم کر لیتے ہیں جس طرح لوگ کہیں گے اسی طرح کر لیں گے۔ آٹھویں پارے میں اس کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ ﴾ [الانعام: ۱۱۶] "اور اگر آپ اطاعت کریں ان لوگوں کی جو اکثر ہیں زمین میں تو وہ آپ کو بہکا دیں گے۔" اکثریت تو گمراہوں کی رہی ہے اکثر ووٹ ان کے ہیں۔

آج دنیا کا نظام اسی اکثریت پر چل رہا ہے کہ جو اکثریت کہہ دے وہ ٹھیک ہے۔ اسی ضابطے کے تحت پاپائے روم جو اس وقت رومیوں کا سب سے بڑا مولوی ہے اور اٹلی میں ہے اُس نے فتویٰ دیا ہے کہ اب نکاح کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ اس وقت مردوں عورتوں کا اختلاط ہے پچاس فیصد سے زیادہ لوگ پہلے ہی اپنے لیے عورتوں کا انتخاب کر لیتے ہیں اور آپس میں جوڑے بن جاتے ہیں لہٰذا اب نکاح کی ضرورت نہیں ہے جو آپس میں جوڑے بن گئے ہیں کافی ہیں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ ایسی اکثریت اور جمہوریت پر کروڑ لعنت ہے۔ اس جمہوریت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ جمہوریت کا مطلب یہ ہے کہ اس میں سب لوگ امن و سکون سے رہیں سب کو انصاف حاصل ہو۔ جمہوریت کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ لوگوں کی اکثریت کسی شے کے بارے میں کہے کہ یہ جائز ہے تو وہ جائز ہو جائے اور ناجائز کہے تو ناجائز ہو جائے، قطعاً نہیں یہ کفر ہے۔ تو فرمایا کہ آپ حریص بھی ہوں تو اکثریت ایمان نہیں لائے گی۔

ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا زور صرف کیا اپنے چچا ابوطالب کے لیے کہ وہ ایمان لے آئیں اور وہ سمجھتے بھی تھے کہ بھتیجے

کا دین سچا ہے مگر اپنا دھڑا (پارٹی کو) نہیں چھوڑا، ایمان نہیں لائے۔ مرتے وقت اس نے جو قصیدہ پڑھا تھا اس کو دیکھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے۔ اس میں ہے۔

وَ لَقَدْ عَلِمْتُ بِأَنَّ دِيْنَ مُحَمَّدٍ
مِنْ خَيْرِ أَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ

"میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ بے شک محمد رسول اللہ ﷺ کا دین سب دینوں سے اچھا ہے۔"

کہنے لگا اگر میں کلمہ پڑھتا ہوں تو قریشی طعنہ دیں گے کہ مرتے وقت دھڑا چھوڑ گیا ہے۔ اب بتاؤ دنیا میں اس ضد کا کوئی علاج ہے؟ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے پر بڑا زور صرف کیا، اپنی بیوی کو بڑا سمجھایا مگر ایمان نہیں لائے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی بیوی پر بڑا زور صرف کیا مگر ایمان نہیں لائی۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ﴿وَ مَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ﴾ اور نہیں مانگتے آپ ان سے تبلیغ پر کوئی اُجرت۔ کسی پیغمبر نے تبلیغ پر معاوضہ نہیں مانگا یہ پیغمبر کی شان ہے ہر آدمی ایسا نہیں کر سکتا۔

خدمت پر وظیفہ لیا جا سکتا ہے؟

خلیفہ بننے سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڈیاں لگائی ہوئی تھیں مزدور کام کرتے تھے یہ سوتر لا کر ان کو دیتے تھے۔ جب کپڑا تیار ہو جاتا تھا تو تھان کندھے پر رکھ کر پھیری لگا کر بیچتے تھے دکان نہیں تھی اس طرح اپنا گزر اوقات کرتے تھے۔ جب خلافت کا بوجھ ان پر پڑا تو اب نمازیں بھی پڑھانی ہیں، جمعہ بھی پڑھانا ہے، لوگوں کے فیصلے بھی کرنے ہیں جب اتنی ذمہ داری ہو تو آدمی اور کچھ نہیں کر سکتا۔ ایک دن نماز پڑھانے کے بعد فرمایا مَهْلًا ذرا ٹھہرو جاؤ۔ سب ٹھہر گئے۔ فرمایا میرا جو پیشہ تھا اس سے میرے گھر کے افراد کا گزارا ہوتا تھا وَ إِنْ شُغِلْتُ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ اور اگر میں مسلمانوں کے کاموں میں مشغول ہوں گا تو میں اپنا کام تو نہیں کر سکتا پیٹ میرے ساتھ بھی لگا ہوا ہے اور میرے بچوں کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ یا تو خلافت کسی اور کو دے دو جو گھر سے کھاتا پیتا ہو یا بیت المال سے میرا وظیفہ مقرر کر دو۔ بات صاف اور کھری فرمائی۔ چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیت المال سے پچیس درہم ماہانہ وظیفہ مقرر کیا گیا۔ یہ صرف پیغمبروں کی خصوصیت ہے کہ انھوں نے کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِيَآءِ بِالتَّحْقِيْقِ اَبُوْ بَكْرِ ن الصِّدِّيْقُ "تمام انسانوں میں انبیاء کے بعد افضل ترین شخصیت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔"

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان میں سے تین باقاعدہ بیت المال سے وظیفہ لیتے رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بارہ سال خلیفہ رہے ان بارہ سالوں میں بیت المال سے ایک پیسہ بھی نہیں لیا۔ نہ اپنے لیے نہ اپنے گھروں والوں کے لیے نہ مہمانوں کے لیے۔ لوگوں نے اعتراض بھی کیا کہ پہلے خلیفہ وظیفہ لیتے تھے آپ کیوں نہیں لیتے؟ فرمایا وہ لیتے تھے کہ مجبور تھے میں غنی ہوں میں بیت المال پر کیوں بوجھ ڈالوں؟ مجھے اللہ تعالیٰ نے بڑی

دولت دی ہے۔

فرمایا آپ ان سے سوال نہیں کرتے اس تبلیغ پر کسی معاوضے کا ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ نہیں ہے یہ قرآن کریم مگر نصیحت والی کتاب ہے جہان والوں کے لیے۔ قرآن پاک کا سمجھنا سب کا فریضہ ہے مسلمان، مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، سب قرآن پاک کا ترجمہ پڑھیں تب جا کر صحیح معنٰی میں مسلمان اور انسان بنیں گے۔

﴿وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ﴾ اور کتنی ہی نشانیاں ہیں ﴿فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ آسمانوں میں اور زمین میں ﴿یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا﴾ جن پر یہ لوگ گزرتے ہیں ﴿وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ﴾ اور وہ ان سے اعراض کرتے ہیں ﴿وَمَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ﴾ اور نہیں ایمان لاتے ان کے اکثر اللہ تعالیٰ پر ﴿اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ مگر وہ شرک کرنے والے ہوتے ہیں ﴿اَفَاَمِنُوْٓا﴾ کیا پس وہ امن میں ہیں ﴿اَنْ تَاْتِیَهُمْ غَاشِیَةٌ﴾ اس سے کہ آئے ان کے پاس ڈھانپ لینے والی ﴿مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ﴾ اللہ کے عذاب سے ﴿اَوْ تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً﴾ یا آ جائے ان کے پاس قیامت اچانک ﴿وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ﴾ اور وہ شعور بھی نہ رکھتے ہوں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ﴾ یہ میرا راستہ ہے ﴿اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ﴾ میں دعوت دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف ﴿عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ﴾ بصیرت پر ہوں میں اور وہ لوگ بھی جو میری پیروی کرتے ہیں ﴿وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ﴾ اور پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ﴿وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ اور نہیں ہوں میں شرک کرنے والوں میں سے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ﴾ اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے ﴿اِلَّا رِجَالًا﴾ مگر مرد ﴿نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ﴾ وحی بھیجی ہم نے ان کی طرف ﴿مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾ بستیوں کے رہنے والے تھے ﴿اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ﴾ کیا پس اُنھوں نے سیر نہیں کی زمین میں ﴿فَیَنْظُرُوْا﴾ پس دیکھتے ﴿كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ کیسا تھا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ﴿وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ﴾ اور البتہ گھر آخرت کا ﴿خَیْرٌ﴾ بہت بہتر ہے ﴿لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا﴾ ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا پس تم نہیں سمجھتے۔

اسی سورۃ کے دوسرے رکوع میں ہے ﴿لَقَدْ كَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ﴾ "البتہ تحقیق ہیں یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائیوں کے واقعہ میں نشانیاں پوچھنے والوں کے لیے۔" تو یہ پوچھنے والے اور سوال کرنے والے کون تھے؟ اکثر تفسیروں میں آتا ہے کہ یہودیوں نے امتحاناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ یہ بتلائیں کہ یوسف علیہ السلام کون تھے اور ان کے بھائیوں کا کیا قصہ تھا اگر آپ نبی ہیں تو ہمیں بتلائیں؟

سورت یوسف یہودیوں کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی

اور یہ بھی آتا ہے کہ یہود نے سوال کیا تھا کہ یعقوب علیہ السلام تو شام کنعان میں رہتے تھے وہ مصر میں کیسے آئے ان کی اولاد مصر میں کیسے آئی؟ اللہ تعالیٰ نے سارا قصہ بیان فرمایا کہ بے شک کنعان میں رہتے تھے مگر جب اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو اقتدار عطا فرمایا تو ان کے حکم سے کنعان چھوڑ کر مصر آئے اگر ماننا چاہیں تو ایک نشانی یوسف علیہ السلام کا واقعہ بھی ہے لیکن ﴿وَكَأَيِّنْ مِنْ آيَةٍ﴾ اور کتنی ہی نشانیاں ہیں ﴿فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ آسمانوں میں اور زمینوں میں۔ آسمان کی بلندی خود نشانی ہے کہ کتنا بلند ہے اور نیچے کوئی ستون نہیں، دیوار نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے ورنہ ہم چھوٹی چھوٹی عمارتیں بناتے ہیں تو نیچے کتنے ستون کھڑے کرتے ہیں اور دیواریں ہوتی ہیں۔

پھر اس آسمان میں سورج، چاند، ستارے، نظر آتے ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں اور زمین میں دیکھو کسی جگہ میدان ہے، کسی جگہ پہاڑ ہیں، کسی جگہ حیوانات ہیں، چرند ہیں، پرند ہیں، حشرات الارض ہیں، ہر چیز اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے اگر کوئی ماننا چاہے تو بڑی نشانیاں ہیں اور اگر آنکھیں بند کر لے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ﴿يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا﴾ جن نشانیوں پر یہ لوگ گزرتے ہیں کوئی عبرت حاصل نہیں کرتے حالاں کہ ایک ایک نشانی میں رب تعالیٰ کی قدرت کی دلیل موجود ہے ﴿وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ﴾ اور وہ ان سے اعراض کرتے ہیں توجہ نہیں کرتے۔ انسان وہ ہے جو ہر چیز کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے، رب تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل سمجھے اور رب تعالیٰ کا قادر مطلق ہونا سمجھے۔ ﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ﴾ اور نہیں ایمان لاتے ان کے اکثر اللہ تعالیٰ پر ﴿إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ﴾ مگر وہ شرک کرنے والے ہوتے ہیں۔

مشرک نہ ذاتِ باری تعالیٰ کا منکر ہوتا ہے، نہ صفات کا، بلکہ وہ صفات میں دوسروں کو شریک کرتا ہے

ایمان بھی ہے شرک بھی یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو بھی مانتے ہیں اور دوسروں کو اس کا شریک بھی ٹھہراتے ہیں مشرک اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا منکر نہیں ہوتا مانتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر مذکور ہے کہ تم ان سے سوال کرو کہ تمھیں کس نے پیدا کیا؟ تو کہیں گے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ ان سے سوال کرو کہ زمین وآسمان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ ان سے پوچھو کہ چاند، سورج، ستاروں، کو کس نے پیدا کیا ہے؟ یہ کہیں گے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ ان سے پوچھو ﴿مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ زمین وآسمان سے تمھیں روزی کون دیتا ہے یہ تمھیں آنکھ اور کان اور دل کس نے دیے ہیں؟ کہیں گے اللہ تعالیٰ نے ﴿وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ﴾ [سورۃ یونس: ۳۱] "سارے جہاں کی تدبیر کون کرتا ہے؟ کہیں گے اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔" یہ ساری باتیں ماننے کے بعد لات، منات، عزیٰ، ہبل، کے پاس کیا لینے جاتے ہو، ان کے سامنے جھکنے کا کیا معنی ہے؟ یہ سب باتیں تسلیم کرنے کے بعد اوروں کو حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس، ماننے کا کیا مطلب ہے اسی کو شرک کہتے ہیں۔ آج بھی دیکھو کلمہ بھی پڑھتے ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور بعد میں

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن

در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادر

ے یا بہاؤ الحق! بیڑا دھک

اسی کا نام شرک ہے کہ رب تعالیٰ کو بھی مانیں اور اس کی اوصاف میں دوسروں کو شریک بھی کریں۔ بھئی! اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی حاجت روا ہے، نہ کوئی مشکل کشا ہے، نہ کوئی فریادرس ہے، نہ کوئی دست گیر ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والوں کے پیچھے نمازیں پڑھ کر اپنی نمازیں کیوں برباد کرتے ہو؟ شرک اتنی بری چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سمجھانے کے لیے قرآن پاک میں فرمایا ہے ﴿وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَ اِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ [سورۃ زمر: ۶۵] "اے نبی کریم ﷺ! آپ کی طرف بھی ہم نے وحی بھیجی اور آپ سے پہلے پیغمبروں کی طرف بھی وحی بھیجی اگر بالفرض والمحال آپ بھی شرک کریں گے تو البتہ ضائع ہو جائیں آپ کے اعمال۔"

آپ ﷺ کا ایک عمل اُمت کے تمام اعمال سے وزنی ہے

اور یہ بات یاد رکھنا! کہ میں کئی دفعہ عرض کر چکا ہوں کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ایک عمل ترازو کے ایک پلڑے میں ہو اور ساری اُمت کے سارے اعمال دوسرے پلڑے میں ہوں تو آپ کا پلڑا بھاری ہے۔ یہ ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ کی ایک نماز اُمت کی ساری نمازوں سے بھاری ہے، آپ ﷺ کا ایک روزہ اُمت کے سارے روزوں سے بھاری ہے اتنے بڑے شان دار اور جان دار اعمال بھی شرک سے ضائع ہو جائیں تو ماشما کے اعمال کی کیا حیثیت ہے کہ وہ شرک کے ساتھ باقی رہیں۔

کل پیغمبروں کی تعداد کتنی ہے؟ اس پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے ایک روایت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کا ذکر ہے اور ایک روایت میں دو لاکھ چوبیس ہزار کا ذکر آتا ہے مگر دونوں روایتیں ضعیف اور کمزور ہیں اس لیے بیان کرتے وقت ساتھ کہتے ہیں ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے ہیں ہمارا ان سب پر ایمان ہے۔ قرآن پاک میں پچیس پیغمبروں کے نام آئے ہیں اور ساتویں پارے کے سولہویں رکوع میں اٹھارہ پیغمبروں کے نام ذکر فرمانے کے بعد فرمایا ﴿وَمِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ﴾ "اور ان کے آباؤ اجداد میں سے اور ان کے بھائیوں میں سے ﴿وَاجْتَبَیْنٰهُمْ﴾ اور چنا ہم نے ان کو اور ہدایت دی ان کو سیدھے راستے کی، گویا کہ اجمالاً تمام پیغمبروں کا ذکر آ گیا اس کے بعد فرمایا ﴿وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ اور اگر یہ بھی شرک کرتے تو البتہ ضائع ہو جاتے ان کے وہ اعمال جو وہ کیا کرتے تھے۔"

شرک سے سارے اعمال برباد ہو جاتے ہیں

بھئی! شرک اتنی بری چیز ہے کہ پیغمبروں کے وزنی اور جان دار عمل بھی مقبول نہیں ہیں تو پھر ہمارے آپ کے عمل کیا

حقیقت رکھتے ہیں۔اس کی مثال یوں سمجھو دس من دودھ ہو جو کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس میں اپنے ہی لخت جگر کے پیشاب کے چند قطرے گر جائیں تو کوئی دیانت دار آدمی اس کو استعمال کرنے کے لیے تیار ہوگا؟ ہرگز نہیں! بددیانتوں کی بات نہیں ہے دنیا بددیانتوں سے بھری ہوئی ہے مردار جانور اور کتے، بلے کھانے کھلانے والے بھی موجود ہیں۔تو دیانت دار آدمی یہ نہیں کہے گا کہ دس من دودھ میں چند قطرے پیشاب کے جو ایک تولہ بھی نہیں ان کی کیا حیثیت ہے بلکہ وہ یہ کہے گا کہ تولہ چھوڑ کر ایک قطرہ پیشاب بھی پڑ جائے تو سارا دودھ پلید ہو جائے گا۔یہی حال تم اعمال کا سمجھو کہ اعمال میں اگر شرک کا ایک قطرہ بھی پڑ گیا تو سارے اعمال اکارت ہو جائیں گے۔شرک بہت بری چیز ہے اس سے بچو۔نہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کوئی شریک ہے، نہ اس کی صفات میں کوئی شریک ہے، نہ اس کے کاموں میں کوئی شریک ہے۔نافع بھی وہی ہے ضار بھی وہی ہے تمام کام وہی کرتا ہے۔ راحت، آرام، دکھ، سکھ دینے والا بھی وہی ہے اور دور کرنے والا بھی وہی ہے اس کے سوا اور کوئی یہ کام نہیں کر سکتا۔

﴿اَفَاَمِنُوْٓا﴾ کیا پس وہ امن میں ہیں ﴿اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ﴾ اس سے کہ آئے ان کے پاس ڈھانپ لینے والی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے۔طوفان کی شکل میں، ہوا کی شکل میں، زلزلے کی شکل میں، ایسا عذاب آئے جو ان کو ڈھانپ لے، ان پر چھا جائے کیا یہ لوگ اس سے امن میں ہیں ﴿اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً﴾ یا آ جائے ان کے پاس قیامت اچانک کہ اس سے امن میں ہیں ﴿وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ اور ان کو شعور بھی نہ ہو۔لہٰذا ہر وقت اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید بھی نہیں ہونا چاہیے۔

دعوت اِلَی اللہ سب سے بلند کام ہے

﴿قُلْ﴾ آپ اے نبی کریم ﷺ! کہہ دیں ﴿هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ﴾ یہ میرا راستہ ہے۔کون سا راستہ ہے؟ ﴿اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ﴾ میں دعوت دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف یہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینا میرا راستہ ہے۔مخلوق میں سب سے اونچا عہدہ نبوت اور رسالت کا ہے۔مخلوق کے لیے اس سے بڑا عہدہ اور کوئی نہیں ہے اور کام بھی عہدے کے مناسب ہوتا ہے جتنا بڑا عہدہ اتنا بڑا کام۔

تو اگر دعوت اِلَی اللہ سے اچھا اور عمدہ کوئی کام ہوتا تو اللہ تعالیٰ وہ پیغمبروں کے حوالے کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے حوالے دعوت الی اللہ کا کام سپرد کیا ہے۔حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک سب کے ذمہ دعوت اِلَی اللہ کا کام لگایا سبھی اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دیتے رہے ہیں۔

فرمایا ﴿عَلٰى بَصِيْرَةٍ﴾ بصیرت کہتے ہیں دل کی بینائی کو اور بصارت کہتے ہیں آنکھوں کی بینائی کو۔تو معنیٰ ہوگا میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں بصیرت پر ہوں ﴿اَنَا﴾ میں بھی ﴿وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ﴾ اور وہ لوگ بھی جو میری پیروی کرتے ہیں ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم، تمام کے تمام بصیرت پر ہیں ﴿وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ﴾ اور پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات سب عیبوں اور نقائص

سے ﴿وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والوں میں سے۔ میں تو شرک کو ختم کرنے اور مٹانے کے لیے آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ﴾ اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے مگر مرد وحی بھیجی ہم نے ان کی طرف کہ لوگوں کو میری توحید کی دعوت دو اور ان کی دعوت یہاں سے شروع ہوتی تھی ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ [سورۃ ہود:۶۱] "اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمھارا اس کے سوا کوئی معبود۔"

پیغمبروں اور ولیوں کی دعوت توحید ہے

اور سب پیغمبروں کی دعوت ایک ہی ہے توحید اور ان کے متبعین کی بھی یہی دعوت ہے، اولیاء اللہ کی بھی یہی دعوت ہے۔ سیدنا شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ اکابر اولیاء میں سے گزرے ہیں ان کی کتابیں عربی میں ہیں غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب وغیرہ۔ فتوح الغیب کا اردو ترجمہ کلیم صادق صاحب مرحوم نے میرے مشورے کے ساتھ کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اگر کسی جگہ سے مل جائے تو اس کو ضرور پڑھو۔ حضرت کے ایک بیٹے تھے عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ یہ چوٹی کے محدث تھے اور ایک بیٹے کا نام تھا عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ حضرت کی وفات کے وقت یہ چھوٹا بیٹا عبد الوہاب ان کے پاس موجود تھا۔ کہنے لگا ابا جان! آپ دنیا سے جا رہے ہیں مجھے کوئی وصیت فرمائیں۔ حضرت نے توجہ سے دیکھا اور فرمایا التوحید، التوحید، التوحید، بیٹا توحید کو لازم پکڑنا، توحید پر قائم رہنا، توحید کو نہ چھوڑنا۔

سب اہل حق کی دعوت یہاں سے شروع ہوتی ہے اور فرمایا جتنے بھی پیغمبر بھیجے مرد بھیجے عورت کوئی نہیں بھیجی۔ کوئی عورت نبیہ نہیں بنی اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کیوں کہ پیغمبر نیکوں کے پاس بھی جاتے ہیں اور بُروں کے پاس بھی جاتے ہیں اور ان کے پاس اچھے بُرے سب آتے ہیں۔ رات کو بھی آتے ہیں دن کو بھی آتے ہیں عورت کا یہ کام نہیں کہ نیکوں کے پاس جائے، بُروں کے پاس جائے، رات کو پہنچے، دن کو پہنچے، یہ فطرت کے بالکل خلاف ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے کسی عورت کو نبی نہیں بنایا۔ پھر نبی اپنی قوم کے اشراف میں سے ہوتے تھے اور شکل وصورت اور صحت کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر ہوتے تھے تو اگر عورت نبی ہوتی تو لوگوں کے ذہن اور طرف منتقل ہو جاتے نبوت کی حقانیت اور صداقت ظاہر نہ ہوتی اس لیے کوئی عورت نبی نہیں تھی سب مرد تھے۔

نافرمان قوموں کا حشر اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نمونے دیکھنے کیلئے سیر وسیاحت کرنا بھی ثواب ہے

﴿مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾ بستیوں کے رہنے والے تھے۔ اُنھوں نے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کی ﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ کیا پس اُنھوں نے سیر نہیں کی زمین میں ﴿فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ پس دیکھتے کیسا تھا انجام اُن لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ یہ زمین میں چل پھر کر جائزہ لیتے اور دیکھتے نافرمان قوموں کا کیا حشر ہوا ہے۔ اس ارادے سے سیر وسیاحت کرنا بھی ثواب اور اس ارادے سے سیر وسیاحت کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نمونے دیکھنے ہیں کہ

اس علاقے میں کیا ہے اور اس علاقے میں کیا ہے اس پر جو پیسہ خرچ کرے گا اس کا ثواب ملے گا۔ کسی بھی جائز کام کی مسلمان نیت کرے تو اس کو باقاعدہ ثواب ملتا ہے۔

مرد محنت کر کے ثواب کماتے ہیں اور عورتیں مفت میں

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے بڑی سلجھی ہوئی خاتون تھیں۔ بڑی ٹھنڈی طبیعت تھی جتنا بھی کوئی گرم ہوتا تھا یہ گرم نہیں ہوتی تھیں اور بات بڑے سلیقے سے کرتی تھیں۔ ایک دفعہ عورتیں ان کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ اُم المومنین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرو کہ عورتوں کے لیے تو اجر وثواب کی کوئی چیز نہیں ہے ثواب تو سارا مرد لے گئے۔ کیوں کہ اذان مرد کہتے ہیں عورتیں نہیں کہہ سکتیں اور صرف اذان کی آواز بلند کرنے پر لوٹے نیکیاں ملتی ہیں اور اقامت کی آواز بلند کرنے پر ساٹھ نیکیاں ملتی ہیں لفظوں اور حرفوں کا ثواب علیحدہ ہے۔ عورت امامت بھی نہیں کرواسکتی، جہاد کے لیے نہیں جا سکتیں، مردوں کے لیے قاضی نہیں بن سکتیں ہاں! عورتوں کے لیے قاضی بن سکتی ہیں۔ تو بہت سارے کام ہیں جو عورتیں نہیں کر سکتیں تو ثواب تو سارا مردوں کے لیے ہے ہمارے لیے ہنڈیا رہ گئی، جھاڑو رہ گئے، بچوں کو نہلانا دھلانا رہ گیا۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو ام سلمہ کنیت تھی نام ہند تھا رضی اللہ عنہا، نے کہا آج عورتیں آئی تھیں اُنھوں نے یہ شکوہ کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا عورتیں تو مفت میں سارا کچھ لے گئیں جس عورت کا خاوند مؤذن ہے جتنا ثواب اس کو ملتا ہے اتنا ثواب اس کی بیوی کو بھی ملتا ہے اور جس کا خاوند امام ہے جتنا ثواب اس کو ملتا ہے اتنا ثواب اس کی بیوی کو بھی ملتا ہے، جس کا خاوند مجاہد ہے جتنا ثواب اس کو ملتا ہے اتنا ثواب اس کی بیوی کو بھی ملتا ہے۔ اس لیے کہ یہ اپنے خاوندوں کی خدمت کرتی ہیں کپڑے دھوتی ہیں روٹی پکا کر دیتی ہیں ان کے بچوں کو سنبھالتی ہیں اور عورتیں یاد رکھیں کہ گھر کے جو کام ہیں مثلاً: ہنڈیا پکانا، برتن دھونا، جھاڑو پھیرنا، بچوں کو نہلانا دھلانا، صفائی کرنا، اس کا ثواب نفلی نماز اور روزے سے زیادہ ہے۔ کئی عورتیں کام چور ہیں کام نہیں کرتیں کھانے کے وقت آکر بیٹھ جاتی ہیں یہ بڑے خسارے کی بات ہے۔

صحابی کا رشتہ دینے سے انکار کہ بیٹی کو خدمت کا موقع نہ ملے گا

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی بیٹی جوان ہوگئی گھر کے افراد عزیز رشتہ داروں نے رشتہ ڈھونڈا اور ان کے سامنے ذکر کیا کہ ہم نے بچی کا رشتہ تلاش کیا ہے فرمایا کون لڑکا ہے؟ عرض کیا فلاں لڑکا ہے صحت مند اور دین دار امیر گھرانے کا ہے اور جو خوبیاں خاوند میں ہونی چاہئیں وہ سب اس میں ہیں۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنی بیٹی وہاں نہیں دینی۔ پوچھا کیا بات ہے شکل کا برا ہے، عقل کی کمی ہے؟ فرمایا نہیں شکل بھی اچھی ہے، عقل بھی اچھی ہے، صحت اور قد وقامت سب کچھ صحیح ہے مگر میں نے لڑکی نہیں دینی کیوں کہ ان کے گھر میں لونڈیاں کام کرتی ہیں لہٰذا میری بیٹی کو گھر کے افراد کی خدمت کا موقع نہیں ملے گا آخرت ماری جائے گی اس لیے مجھے یہ رشتہ منظور نہیں اور آج کا زمانہ ہوتا تو کہتے کہ رشتہ تو دیتا ہوں مگر میری بیٹی تندور پر روٹی

نہیں پکائے گی، سالن نہیں پکائے گی، یہ نہیں کرے گی وہ نہیں کرے گی، جھاڑو نہیں پھیرے گی مگر وہ بڑے چوٹی کے فقہاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے فرمایا میں اپنی بیٹی کی آخرت خراب نہیں کرتا۔

تو یہ جتنے کام ہیں سب ثواب ہیں مگر عقیدہ صحیح ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ﴾ اور البتہ آخرت کا گھر بہت ہی بہتر ہے لیکن کن لوگوں کے لیے؟ فرمایا ﴿لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں رب تعالیٰ کی گرفت سے بچتے ہیں ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا پس اتنی موٹی موٹی باتیں بھی تم نہیں سمجھتے۔ اللہ کرے تمھیں سمجھ آجائے اوران پر عمل کرو۔ [آمین]

﴿حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ﴾ یہاں تک کہ جب ناامید ہو گئے پیغمبر ﴿وَظَنُّوْۤا﴾ اور خیال کیا لوگوں نے ﴿اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا﴾ کہ تحقیق وہ جھٹلائے گئے ہیں ﴿جَآءَهُمْ نَصْرُنَا﴾ تو آگئی ان کے پاس ہماری مدد ﴿فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ﴾ پس نجات دی گئی ان لوگوں کو جن کو ہم نے چاہا ﴿وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا﴾ اور نہیں لوٹایا جاتا ہمارا عذاب ﴿عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ مجرم قوم سے ﴿لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ﴾ البتہ تحقیق ان کے واقعات میں عبرت تھی ﴿لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ عقل مندوں کے لیے ﴿مَا كَانَ حَدِيْثًا﴾ اور نہیں ہے یہ قرآن ایسی بات ﴿يُّفْتَرٰى﴾ جو گھڑی گئی ہو ﴿وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِیْ﴾ اور لیکن تصدیق ہے ان کتابوں کی ﴿بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ جو اس سے پہلے ہو چکی ہیں ﴿وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَیْءٍ﴾ اور تفصیل ہے ہر چیز کی ﴿وَّهُدًى﴾ اور ہدایت ہے ﴿وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ اور رحمت ہے اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے۔

دعوت دینے والے کامیاب اور نہ ماننے والے ناکام ہیں

پچھلی آیت میں تھا کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں سب مرد تھے عورت کوئی نہیں تھی ان پیغمبروں کی طرف ہم نے وحی بھیجی یہ سارے پیغمبر دین کے داعی تھے ان کی دعوت کو کسی نے قبول کیا اور کسی نے قبول نہیں کیا۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ قیامت والے دن ایسے پیغمبر بھی اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہوں گے کہ ان کی اُمت سب سے زیادہ ہوگی اور وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہوگی۔ جنتیوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے اسی [۸۰] صفیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی ہوں گی اور باقی چالیس [۴۰] صفیں باقی تمام پیغمبروں کی ہوں گی اور ایسے پیغمبر بھی ہوں گے جن کے ساتھ ہزاروں اُمتی ہوں گے، ایسے پیغمبر بھی ہوں گے جن کے ساتھ سینکڑوں اُمتی ہوں گے اور ایسے پیغمبر بھی ہوں گے کہ جن کے ساتھ دس اُمتی ہوں گے، ایسے بھی ہوں گے جن کے ساتھ آٹھ اُمتی ہوں گے، سات اُمتی ہوں گے، چار اور دو

اُمتی والے پیغمبر بھی ہوں گے وَ يَجِيْءُ نَبِيٌّ وَ لَيْسَ مَعَهُ اَحَدٌ اور ایک ایسا نبی بھی آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک اُمتی بھی نہیں ہوگا۔

قوم نے پیغمبر پر ظلم کی انتہاء کردی :

قرآن پاک میں دو جگہ آیا ہے اصحاب الرس یعنی کنویں والے۔ کنویں والے سے کیا مراد ہے؟ اس کی مختلف تفسیریں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ یمن کا علاقہ تھا ان کی طرف اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ الصلوۃ والسلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ اُنھوں نے ان کو تبلیغ کی ان کو نہ تو ان کی برادری نے قبول کیا اور نہ ہی گاؤں کے لوگوں نے۔ عَبْدٌ حَبْشِیٌّ ایک کالے رنگ کا حبشی تھا صرف اس نے کلمہ پڑھا۔ لوگ جب ان کی تبلیغ سے اُکتا گئے تو انہیں ایک گہرے کنوئیں میں پھینکنے کا ارادہ کیا جو شہر سے دور کسی جنگل بیابان میں تھا۔ اُنھوں نے آپس میں میٹنگ کی کہ یہ ہمیں رات دن تنگ کرتا ہے اور ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾۔ چنانچہ وہ ظالم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو لے گئے اور کنوئیں میں ڈال دیا اور اُوپر بھاری چٹان رکھ دی۔ وہ حبشی رات کی تاریکی میں جاتا اور روکھی سوکھی روٹی اس کے پاس ہوتی وہ کنوئیں میں ڈال دیتا اور کہتا حضرت! اگر اجازت ہو تو میں بھی کسی کنوئیں میں چھلانگ لگا دوں۔ حضرت حنظلہ علیہ السلام فرماتے میں نے خود تو چھلانگ نہیں لگائی مجھے تو ان ظالموں نے پھینکا ہے اب صبر سے کام لے۔

کئی دن گزرنے کے بعد لوگ کنوئیں پر گئے کہ اب فوت ہو گئے ہوں گے چٹان اُٹھا کر مسخرہ کیا كَيْفَ بِكَ يَا حَنْظَلَةُ "حنظلہ تیرا کیا حال ہے؟" اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے اس حال میں یعنی کنوئیں میں ہوتے ہوئے فرمایا ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ "اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمھارے لیے کوئی معبود اس کے سوا۔" اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے وہاں بھی توحید کی تبلیغ نہیں چھوڑی۔ کہنے لگے بڑا سخت جان ہے نہ مرتا ہے نہ اپنی رٹ چھوڑتا ہے (نعوذ باللہ تعالیٰ)۔ پھر روایات مختلف ہیں۔ ایک تفسیری روایت یہ ہے کہ مٹی اور پتھر ڈال کر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو اُنھوں نے زندہ دفن کر دیا۔ مٹی اور پتھر ڈال کر اُوپر ناچنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگ کی شکل میں عذاب آیا اس نے ان سب کو جلا کر راکھ کر دیا۔

اور ایسے پیغمبر بھی ہوں گے کہ ان کے ساتھ ایک اُمتی بھی نہیں ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے دین کی تبلیغ میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اس کا ذکر ہے ﴿حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ﴾ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تبلیغ کرتے رہے یہاں تک کہ جب۔ نااُمید ہو گئے پیغمبر قوم سے کہ یہ حق کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ جیسے: نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی اور کی بھی اس طرح کہ ﴿لَيْلًا وَّ نَهَارًا﴾ رات کو بھی اور دن کو ﴿ثُمَّ اِنِّيْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا﴾ [سورۃ نوح] "پھر میں نے علی الاعلان دعوت دی اور میں نے ان کو پوشیدہ طور پر بھی دعوت دی۔" پھر جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ﴾ [ہود: ۳۶] "ہرگز نہیں ایمان لائیں گے آپ کی قوم میں سے مگر وہ جو ایمان لا چکے ہیں۔" جب معلوم ہو گیا کہ آئندہ

کوئی ایمان نہیں لائے گا تو پھر نوح علیہ السلام نے بددعا کی ﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا﴾ [سورۃ نوح] "اے پروردگار! زمین پر کسی کافر کو بسنے والا نہ رہنے دے۔"

تو جب پیغمبر نا اُمید ہو گئے ﴿وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا۔ ظَنُّوْٓا﴾ کی ضمیر کس طرف لوٹ رہی ہے؟ اس کا مرجع کیا ہے؟ اس کے متعلق کافی تفسیریں ہیں اور احادیث میں بھی بہت کچھ آتا ہے۔ آسان بات یہ ہے کہ اس سے پہلے یہ جملہ موجود ہے ﴿كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ "کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔" تو ﴿الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ میں جن لوگوں کا ذکر ہے ﴿ظَنُّوْٓا﴾ کی ضمیر ان کی طرف لوٹتی ہے۔ تو معنی ہوگا کہ ان کافروں نے، مجرموں نے خیال کیا ﴿اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا﴾ تحقیق وہ پیغمبر جھٹلائے گئے ہیں پیغمبروں کے ساتھ جھوٹ بولا گیا ہے کہ یہ کہتے تھے کہ مدد آئے گی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مدد نہیں آئی۔ سورۃ مومن آیت نمبر ۵۱ میں ہے ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا﴾ "بے شک ہم اپنے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں۔" اور سورۃ صٰفٰت آیت نمبر ۱۷۱، ۱۷۲ میں ہے ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝﴾ "البتہ تحقیق پہلے ہو چکی ہے بات اپنے بندوں کے حق میں جو رسول ہیں بے شک البتہ وہی مدد کیے جائیں گے۔" لیکن ان کی مدد کوئی نہیں ہوئی لہٰذا رب تعالیٰ نے ان کے ساتھ جو وعدہ کیا تھا وہ جھوٹا ہے اس خیال ہی میں تھے کہ ﴿جَآءَهُمْ نَصْرُنَا﴾ آ گئی ان کے پاس ہماری مدد تاخیر سے آئی مگر آئی ضرور ﴿فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ﴾ پس نجات دی گئی ان لوگوں کو جن کو ہم نے چاہا کن کو رب تعالیٰ نے چاہا؟ جو فرماں بردار تھے۔ نافرمان عذاب میں مبتلا ہوئے۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم بڑی ڈیل ڈول والی تھی ان کا نعرہ تھا ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ [حم سجدہ: ۱۵] "کون ہے بڑھ کر ہم سے طاقت میں۔" ان پر آٹھ دن سات راتیں مسلسل تند و تیز ہوا چلتی رہی اور ان کو ایسے اُٹھا اُٹھا کر پھینکا ﴿كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ [سورۃ الحاقہ: ۷] "گویا کہ وہ کھجور کے تنے ہیں جو اکھاڑ کر پھینک دیے گئے ہوں۔" مگر اسی جگہ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھی تھے ان کو ہوا نے چھیڑا تک نہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے محفوظ رہے اور مجرموں میں سے ایک بھی نہ بچا۔

تو فرمایا نجات دی گئی جن کو ہم نے چاہا ﴿وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ اور نہیں لوٹایا جاتا ہمارا عذاب مجرم قوم سے۔ جس وقت مجرم قوم پر رب تعالیٰ کی گرفت آتی ہے، سزا آتی ہے تو اس کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ حدیث پاک میں آتا ہے اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيُمْلِيْ الظَّالِمَ حَتّٰى اِذَا اَخَذَهٗ لَمْ يُفْلِتْهُ "بخاری شریف کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں ہے۔" ظالم جب ظلم کرتے ہیں تو اس وقت ان کے اور خیالات ہوتے ہیں بڑھکیں مارتے ہیں اور جب گرفت میں آتے ہیں پکڑے جاتے ہیں پھر روتے پھرتے ہیں۔ بہر حال مجرم کبھی سزا سے بچ نہیں سکتا نہ دنیوی سزا سے اور نہ اُخروی سزا سے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ﴾۔ ھُمْ ضمیر کا مرجع بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ لفظ رُسُل بتاتے ہیں جو پہلے مذکور ہے۔ معنی ہوگا البتہ تحقیق ان پیغمبروں کے قصوں میں ﴿عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ عبرت ہے عقل مندوں کے لیے۔ اور

اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ھِمْ ضمیر کا مرجع یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی ہیں کہ ان کے قصے میں عبرت ہے عقل مندوں کے لیے کہ کس طرح اُنھوں نے کنوئیں میں پھینکا پھر یہ کنوئیں سے نکل کر غلامی کی زندگی بسر کرتے رہے پھر قید ہوئے پھر وزیر خزانہ بنے پھر وزیر اعظم بنے پھر مصر کی شاہی ان کو ملی اور کنوئیں میں ڈالنے والے دانے مانگنے کے لیے آئے اور خیرات ۔ تنگ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ جس کو صحت دے اس پر گھمنڈ نہ کرے، مال ملے تو غرور نہ کرے، حسن و جمال پر ناز نہ کرے۔ جو دے سکتا ہے وہ لے بھی سکتا ہے۔

﴿مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَى﴾ اور نہیں ہے یہ قرآن پاک ایسی بات جو گھڑی گئی ہو۔ کافروں نے کہا کہ ﴿افْتَرٰىهُ﴾ اس نے قرآن خود گھڑا ہے ﴿وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ﴾ [الفرقان: ۴] "اور مدد کی ہے اس کی اس پر ایک دوسری قوم نے۔" کافروں کا یہ شوشہ عجیب تھا کیوں کہ جس کی طرف نسبت کرتے تھے کہ وہ ان کو بنا کر دیتا ہے اس کے متعلق سورۃ النحل آیت نمبر ۱۰۳ میں آتا ہے ﴿لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ﴾ "اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ قرآن عربی اور صاف زبان میں ہے۔" اس آدمی کے ساتھ کڑی ملانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ مسافر تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اس کی خدمت کے لیے جاتے تھے تیمارداری کے لیے جو خدمت ہو سکتی تھی اس غریب کی کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ اس کے پاس اُٹھتے بیٹھتے تھے تو کافروں نے یہ کڑی ملائی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سناتا ہے۔ حالاں کہ وہ بے چارہ عجمی تھا عربی جانتا بھی نہیں تھا، واجبی قسم کے جملے بولتا تھا اور اس بولنے کی کیفیت یہ تھی کہ چراغ جل رہا تھا تیمارداری کے لیے آنے والے کو کہتا تھا کہ چراغ بجھا دے تو کہنے لگا اُقْتُلِ السِّرَاجَ "اس چراغ کو قتل کر دے۔" حالاں کہ عربی میں کہتے ہیں اِطْفَاءُ السِّرَاجِ "چراغ کو بجھا دے۔" جو اِطْفَأْ کی جگہ اُقْتُلْ کہہ رہا ہے اور اتنی موٹی عربی بھی نہیں جانتا وہ قرآن پاک جیسی فصیح و بلیغ کلام کیسے بنا سکتا ہے؟ مگر دنیا میں لوگ شوشے چھوڑتے رہتے ہیں مگر شوشوں سے کوئی بات بنتی نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واضح معجزات کو ﴿هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ﴾ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ کھلا جادو ہے۔

تو قرآن پاک ایسی بات نہیں جو گھڑی جائے ﴿وَلٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ اور لیکن یہ تصدیق کرتا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔ جتنی آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ہیں قرآن پاک سب کی تصدیق کرتا ہے مگر جو اصل کتابیں ہیں ان کی نہ کہ ان کی جو محرف ہو چکی ہیں۔ تحریف شدہ کتابوں کا مُصدِّق نہیں۔ ﴿وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ اور تفصیل ہے ہر چیز کی۔ قرآن پاک میں اصولی اور بنیادی باتوں کی تفصیل موجود ہے لیکن جزئیات اور فروعی باتیں احادیث میں موجود ہیں جو عقائد اور قاعدے ہیں اصولی طور پر قرآن نے بیان فرمائے ہیں۔

﴿وَهُدًى﴾ اور نری ہدایت ہے ﴿وَرَحْمَةً﴾ اور رحمت ہے۔ قرآن پاک کو دیکھنا ثواب ہے، ہاتھ لگانا ثواب ہے، اس کو پڑھنا ثواب ہے، اس کو سمجھنا ثواب ہے اس پر عقیدہ رکھنا ثواب ہے، اس پر عمل کرنا ثواب ہے۔ یہ ثواب ہی ثواب ہے، رحمت ہی رحمت ہے۔ بغیر وضو کے اس کو ہاتھ لگانا جائز نہیں ہے زبانی طور پر پڑھ سکتے ہو۔ تو یہ ہدایت ہے اور رحمت ﴿لِقَوْمٍ

یُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے۔ اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے ہاں قرآن کی کوئی قدر نہیں ہے۔ ایمان والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی نعمت ہے۔ اس کی قدر ومنزلت کا پتا مرنے کے بعد چلے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے کہ وہ قرآن پاک پڑھے اور اس کو ترجمے کے ساتھ سمجھے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو توفیق عطا فرمائے۔

آج بروز بدھ ۲۲ شوال ۱۴۳۰ھ بمطابق ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۹ء سورۃ یوسف مکمل ہوئی۔

بتوفیق اللہ تعالیٰ وعونہ

(مولانا) محمد نواز بلوچ

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ گوجرانوالہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوْرَۃُ الرَّعْدِ مَدَنِیَّۃٌ

پارہ ⇐ وَمَآ اُبَرِّئُ

۱۳

آیاتہا ۴۳ سُورَۃُ الرَّعْدِ مَدَنِیَّۃٌ (۱۳) (۹۶) رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿الٓمّٓرٰ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ﴾ یہ کتاب کی آیتیں ہیں ﴿وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْکَ﴾ اور وہ جو نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف ﴿مِنْ رَّبِّکَ الْحَقُّ﴾ تیرے رب کی طرف سے حق ہے ﴿وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ﴾ اور لیکن اکثر لوگ ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ ایمان نہیں لاتے ﴿اَللّٰہُ الَّذِیْ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿رَفَعَ السَّمٰوٰتِ﴾ جس نے بلند کیے آسمان ﴿بِغَیْرِ عَمَدٍ﴾ بغیر ستونوں کے ﴿تَرَوْنَهَا﴾ جن کو تم دیکھتے ہو ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ پھر وہ قائم ہے عرش پر ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ اور اس نے تابع کیا ہے سورج اور چاند کو ﴿کُلٌّ یَّجْرِیْ﴾ ہر ایک چل رہا ہے ﴿لِاَجَلٍ مُّسَمًّی﴾ ایک مقررہ مدت تک ﴿یُدَبِّرُ الْاَمْرَ﴾ وہ تدبیر کرتا ہے سب کاموں کی ﴿یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ﴾ تفصیل سے اپنی آیات بیان کرتا ہے ﴿لَعَلَّکُمْ﴾ تاکہ تم ﴿بِلِقَآءِ رَبِّکُمْ تُوْقِنُوْنَ﴾ اپنے رب کی ملاقات پر یقین رکھو ﴿وَهُوَ الَّذِیْ﴾ اور وہ وہ ذات ہے ﴿مَدَّ الْاَرْضَ﴾ جس نے زمین کو پھیلایا ﴿وَجَعَلَ فِیْهَا﴾ اور بنائے اس نے زمین میں ﴿رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا﴾ مضبوط پہاڑ اور نہریں ﴿وَمِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ اور ہر قسم کے پھل بنائے ﴿جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ﴾ بنایا ہے اس میں جوڑا جوڑا ﴿یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ﴾ ڈھانپتا ہے رات کو دن پر ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ﴾ بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ﴿لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو فکر کرتی ہے۔

وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کا نام رعد ہے۔ رعد ایک فرشتہ کا نام ہے اس سورۃ میں چوں کہ رعد علیہ السلام کا ذکر ہے اس لیے اس کا نام رعد ہے۔ قرآن کریم میں پچیس پیغمبروں کے نام آئے ہیں اور چھ فرشتوں کے۔ چار کا ذکر پہلے پارے میں ہے جبرئیل، میکائیل اور ہاروت ماروت علیہم السلام اور پانچویں فرشتے رعد علیہ السلام کا نام اگلے رکوع میں آئے گا ﴿وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ﴾، اور چھٹے فرشتے کا نام مالک علیہ السلام ہے جو جہنم کا انچارج فرشتہ ہے اس کا ذکر سورۃ زخرف میں ہے ﴿یٰمٰلِکُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّکَ﴾ اور جنت کے انچارج فرشتے کا نام رضوان ہے۔ اور چھ کافروں کے نام قرآن میں آئے ہیں ابلیس، فرعون، ہامان، قارون، آزر اور ابولہب۔ تو اس سورۃ کا نام رعد ہے یعنی وہ سورۃ جس میں رعد علیہ السلام کا ذکر ہے یہ سورۃ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی نازل ہونے کے اعتبار سے اس کا چھیانوے [۹۶] نمبر ہے اس سے پہلے پچانویں [۹۵] سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کے چھ [۶] رکوع ہیں اور

تینتالیس [۴۳] آیات ہیں۔

حروف مقطعات

﴿الٓمّٓرٰ﴾ حروف مقطعات ہیں یعنی کسی لفظ سے ایک حرف الگ کر کے اس کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جائے۔ جیسے: مردم شماری کے نمبر لکھتے ہیں م ش نمبر ۱۰۰ اور ہر زبان میں ایسے لفظ بولے جاتے ہیں۔ جس طرح ڈی سی، ڈپٹی کمشنر کا مخفف ہے۔ اس کے متعلق حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ھِیَ اَسْمَاءُ اللّٰہِ یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ یہ انتیس [۲۹] سورتوں کے شروع میں آتے ہیں۔ مثلاً: ﴿الٓمّٓ، الٓرٰ، طٰہٰ، یٰسٓ، حٰمٓ﴾ وغیرہ۔

تو الف سے مراد اللہ ہے یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے اور لام سے مراد لطیفٌ ہے، میم سے مراد مالک ہے، مقتدر ہے، را سے مراد رؤف ہے، رحمن، رحیم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں۔ ﴿تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ﴾ یہ کتاب کی آیتیں ہیں قرآن پاک کی جو تمھارے سامنے پڑھی جا رہی ہے ﴿وَالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ﴾ اور وہ چیز جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے ﴿مِنْ رَّبِّكَ﴾ آپ کے رب کی طرف سے ﴿الْحَقُّ﴾ حق ہے۔ جو کچھ آپ پر نازل ہوا ہے قرآن پاک کی شکل میں، حدیث پاک کی شکل میں سب حق ہے ﴿وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اکثریت ہمیشہ نافرمانوں کی رہی ہے ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے۔ عَمَدٌ عُمُوْد کی جمع ہے عَمَدٌ ستون کو کہتے ہیں۔ ﴿تَرَوْنَهَا﴾ جن کو تم دیکھتے ہو۔

عمد کی تفسیر

اس کی دو تفسیریں بیان کرتے ہیں ایک یہ کہ نہ ستون ہیں اور نہ نظر آتے ہیں۔ دوسری تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی گئی ہے کہ ستون ہیں لیکن تم کو نظر نہیں آتے۔ تو مطلب یوں بنے گا کہ بغیر ایسے ستونوں کے جن کو تم دیکھو۔ نورانی ستون ہیں جو تمھیں نظر نہیں آتے۔ اکثر حضرات پہلی تفسیر کرتے ہیں کہ آسمانوں کے نیچے کوئی ستون نہیں ہے۔ انسان چھوٹی چھوٹی عمارتیں بناتے ہیں ان کے نیچے دیواریں ہوتی ہیں، ستون ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایک نہیں سات آسمان بنائے ہیں نیچے کوئی ستون، کوئی کھمبا نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہے۔

استویٰ علی العرش اور امام مالک کی تحقیق

﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ پھر اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے، قائم ہے۔ کیسے قائم ہے؟ ہم اس کی حقیقت کو نہیں جانتے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ چار مشہور مجتہد اماموں میں سے ایک ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ حضرت! آپ بڑے عالم ہیں اور محدث ہیں، فقیہ ہیں یہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر کس طرح قائم ہے؟ ہمارے ذہن میں تو اپنا بیٹھنا ہے کہ کوئی کرسی پر بیٹھ

ہے،کوئی پلنگ پر بیٹھتا ہے،کوئی نیچے صف پر بیٹھتا ہے،تو اللہ تعالیٰ کا بیٹھنا کس طرح ہے؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اَلْاِیْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ وَالْکَیْفِیَّةُ مَجْهُوْلَةٌ وَالسُّوَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ ”اس پر ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور کیفیت کا ہمیں علم نہیں ہے اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت سمیع ہے کہ وہ سنتا ہے تو سننے کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کان ہیں معاذ اللہ تعالیٰ کہ ان کے ذریعے سے سنتا ہے جس طرح ہم کانوں کے ساتھ سنتے ہیں۔ حاشا وکلاّ! ایسی بات نہیں ہے بلکہ جو اس ذات کی شان ہے اس طرح سنتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بصیر بھی ہے دیکھتا ہے، مخلوق آنکھ کے ساتھ دیکھتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی آنکھیں نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ متکلم ہے سورۃ نساء میں ہے ﴿وَ کَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا﴾ ”اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کیا۔“ کلام کرنے کے لیے تالو، زبان، دانت اور ہونٹ چاہئیں لیکن اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہیں۔ وہ بولتا ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور عرش پر مستوی ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اس پر ہمارا ایمان ہے کیفیت ہم نہیں جانتے اور اس کے ساتھ یہ بھی ماننا ہے کہ ﴿وَهُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ﴾ [حدید: ۴] ”جہاں کہیں بھی تم ہو وہ تمھارے ساتھ ہے۔“ اور ہر ایک کے ساتھ ہے اور قریب بھی اتنا ہے کہ فرمایا ﴿وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾ [ق:۱۶] ”اور ہم زیادہ قریب ہیں اس سے اس کی شاہ رگ سے۔“ شہ رگ وہ ہے جو دماغ سے دل تک جاتی ہے اور اگر وہ کٹ جائے تو عادتاً مخلوق زندہ نہیں رہتی۔ تو عرش کے اُوپر بھی ماننا ہے اور ہر ایک کے قریب بھی ماننا ہے جو اس کی شان کے لائق ہے یہ ہمارا ایمان ہے۔

﴿وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ﴾ اور اس نے تابع کیا ہے سورج کو اور چاند کو دونوں اس کے حکم سے چلتے ہیں ﴿کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی﴾ ہر ایک چل رہا ہے ایک مقررہ مدت تک جو رب تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے۔ سورج ایک سال میں اپنا دورہ پورا کرتا ہے اور چاند ایک ماہ میں اپنا دورہ پورا کرتا ہے یہ قیامت تک اسی طرح چلتے رہیں گے رب تعالیٰ کے حکم سے۔ سورج میں روشنی ہے اور حرارت ہے اور چاند میں چمک اور رطوبت ہے۔

شمس وقمر کے پجاری احمق ہیں

سورج زمین سے کئی گنا بڑا ہے انسان کا وجود سورج اور چاند کے جسم سے بہت ہی چھوٹا ہے لیکن جتنے اختیارات اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیے ہیں وہ سورج اور چاند کو نہیں دیے۔ پھر جو لوگ چاند اور سورج کی پوجا کرتے ہیں وہ بڑے احمق ہیں۔ کوئی قطب ستارے کی پوجا کرتا ہے کوئی کسی ستارے کی پوجا کرتا ہے جب کہ یہ سارے بے بس ہیں مجبور ہیں ایک ڈیوٹی دے رہے ہیں اور انسان کے اختیارات زیادہ ہیں۔ وہ اس طرح کہ تم اپنی مرضی سے بیٹھے ہو رب تعالیٰ نے آپ کو بیٹھنے کا اختیار دیا ہے، تمھیں اپنی مرضی سے اُٹھنے کا اختیار بھی دیا ہے، کھڑے ہونے کا اختیار دیا ہے، تیز چلنے کا اختیار دیا ہے، کسی جگہ ڈٹ کر کھڑے ہو جاؤ اس کا بھی اختیار دیا ہے آگے پیچھے دائیں بائیں مڑنے کا اختیار دیا ہے سورج چاند کو تو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ ایک

انچ آگے پیچھے ہوسکیں یا اپنی رفتار میں کمی بیشی کرسکیں یا کسی جگہ کھڑے ہو جائیں۔ بالکل ان کے اختیار میں نہیں ہے مجبور محض ہیں لیکن انسان کے اختیارات زیادہ ہیں۔ پھر جو لوگ ان کی چمک دمک دیکھ کر ان کی پوجا کرتے ہیں وہ بڑے احمق اور بے وقوف ہیں۔

زمین سے متعلق سائنس دانوں کی تحقیق

یہاں ایک اور بات بھی سمجھ لیں۔ وہ یہ کہ سائنس دانوں کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ زمین ساکن ہے اور سورج چاند چلتے ہیں۔ اس گروہ کی رائے قرآن کریم کے مطابق ہے۔ کیوں کہ قرآن کہتا ہے ﴿ كُلٌّ يَّجْرِىْ ﴾ ہر ایک چل رہا ہے۔ اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے اور سورج اور چاند اپنی جگہ کھڑے ہیں ان کا نظریہ ٹھیک نہیں ہے قرآن کے خلاف ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی صفت بیان فرمائی ہے ﴿ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ ہر ایک چل رہا ہے ایک مدت مقررہ تک۔ صاحب روح المعانی بڑے اُونچے مرتبے کے مفسر گزرے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی معقول دلیل سے ثابت کر دیا جائے کہ زمین حرکت کرتی ہے اور ساتھ ساتھ سورج اور چاند کا چلنا بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر ہم غور کر کے مان لیں گے اور اگر کسی معقول دلیل سے ثابت ہی نہ ہو سکے اور بلا دلیل کہیں کہ سورج، چاند ساکن ہیں اور زمین حرکت کرتی ہے تو چوں کہ یہ نظریہ قرآن پاک کے خلاف ہے لہٰذا ہم ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ قرآن اٹل اور محکم ہے اور سائنس دانوں کی تحقیقات بدلتی رہتی ہیں۔

چنانچہ یونان کا حکیم طمالیس ملطی تھا اس کا نظریہ تھا کہ پانی مفرد ہے، بسیط ہے اس میں ترکیب نہیں ہے۔ تین ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک سائنس دان اسی کے نظریے پر چلتے رہے کہ پانی مفرد ہے اس میں ترکیب نہیں ہے پھر فاؤنڈس نے آکر ثابت کر دیا کہ پانی مرکب ہے اس میں دو قوتیں ہیں ایک آکسیجن اور ایک ہائیڈروجن۔ سائنس دانوں نے تین ہزار سال کی تحقیق کو چھوڑ کر فاؤنڈس کی تحقیق کو تسلیم کیا۔

یہ لاؤڈ سپیکر مجھ سے دس سال سے بھی زیادہ چھوٹا ہے۔ اس کی ایجاد ۱۹۲۷ء میں ہوئی اور میری پیدائش ۱۹۱۴ء کی ہے۔ لاؤڈ سپیکر کے بارے میں سائنس دانوں کا اختلاف ہوا ایک گروہ کہتا تھا کہ لاؤڈ سپیکر سے جو آواز نکلتی ہے وہ بولنے والے کی اصل آواز نہیں ہوتی یہ اس کی مثل ہوتی ہے جیسے گنبد میں کوئی آدمی آواز لگائے تو واپس آواز آتی ہے جس کو عربی میں صدا کہتے لہٰذا اس آواز پر اقتداء جائز نہیں ہے کیوں کہ امام کی اصل آواز مقتدیوں نے نہیں سنی یہ صدائے بازگشت ہے اس لوٹنے والی آواز پر اقتدا نہیں کر سکتے۔ شامی وغیرہ میں یہ مسئلہ بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ تو جب سائنس دانوں نے کہا کہ سپیکر کی آواز اصل آواز نہیں ہوتی تو علماء نے اتفاق کے ساتھ یہ فیصلہ کیا کہ اس پر نماز جائز نہیں ہے۔ پھر کئی سالوں کے بعد سائنس دانوں نے تحقیق کر کے بتایا کہ یہ اصل آواز ہی ہے یہ آلہ اس کو اونچا کر دیتا ہے، بڑھا دیتا ہے، دو چند کر دیتا ہے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ اور تبلیغی حضرات

ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے بہت بڑے محدث تھے اور بڑی بصیرت والے تھے۔ اُنھوں نے پہلے فتویٰ دیا تھا کہ سپیکر پر نماز جائز نہیں ہے۔ جب سائنس دانوں کی تحقیق بدل گئی اور اُنھوں نے کہا کہ بولنے والے کی اصل آواز ہوتی ہے آلہ صرف اس کو دو چند کر دیتا ہے تو حضرت نے پہلے فتوے سے رجوع کر لیا۔ اس زمانے میں رسالہ خدام الدین جو حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں چلتا تھا اس کے آخری صفحہ پر جلی حروف میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ شائع ہوا تھا کہ لاؤڈ سپیکر پر اذان اور نماز درست ہے۔ ہمارے تبلیغی حضرات نے پہلا فتویٰ پکڑا ہوا ہے وہ نماز سپیکر پر نہیں پڑھاتے۔ میں نے اس سلسلے میں مولانا جمشید صاحب اور مولانا ظاہر شاہ مرحوم سے گفتگو کی تھی کہ تم لوگ لاؤڈ سپیکر کیوں نہیں چلاتے صحیح آواز نہ پہنچنے کی وجہ سے کوئی رکوع میں ہوتا ہے، کوئی سجدے میں، کوئی کچھ کرتا ہے کوئی کچھ کرتا ہے نماز میں گڑ بڑ ہو جاتی ہے۔ اب دو سال سے قدرے نرم ہوئے ہیں۔ تو اصل میں علماء میں اختلاف نہیں ہے یہ سائنس کا اختلاف ہے یہ بدلتی بگڑتی رہتی ہے اور رب تعالیٰ کا حکم نہ بدلتا ہے نہ بگڑتا ہے۔

مدبر الامور

﴿يُدَبِّرُ الْأَمْرَ﴾ رب تعالیٰ سب کاموں کی تدبیر کرتا ہے۔ مدبّر الامر صرف اللہ تعالیٰ ہے سارے کام وہی کرتا ہے کسی کو بادشاہ بناتا ہے، کسی کو گدا بناتا ہے، کسی کو امیر اور کسی کو غریب بناتا ہے، کسی کو اولاد دیتا ہے اور کسی کو دے کر چھین لیتا ہے، کسی کو بیمار اور کسی کو تن درست کرتا ہے یہ سارے کام رب تعالیٰ کے ہیں، وہی حاجت روا ہے، وہی مشکل کشا ہے، وہی فریاد رس ہے، وہی مدبّر الامر ہے ﴿يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ﴾ تفصیل سے اپنی آیات بیان کرتا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ﴾ تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات پر یقین رکھو کہ ایک وقت آئے گا اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں گے نیکی بدی کا ہم سے سوال ہوگا لہٰذا جو نیکی کرنی ہے اب کر لو وہاں کچھ نہیں کر سکو گے بلکہ وہاں تو بھرو گے۔

﴿وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ﴾ اور وہ وہ ذات ہے جس نے زمین کو پھیلایا بڑی وسیع زمین بنائی ہے ﴿وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ﴾۔ رَوَاسِيَ رَاسِيَةٌ کی جمع ہے بمعنی مضبوط پہاڑ۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں بڑے بڑے مضبوط پہاڑ رکھے ہیں ﴿وَاَنْهٰرًا﴾ اور نہریں چلائی ہیں ﴿وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ اور ہر قسم کے پھل بنائے ﴿جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ بنایا ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے جوڑا جوڑا۔ کوئی موٹا ہے، کوئی چھوٹا ہے، کوئی کالا ہے، کوئی گورا ہے، کوئی کھٹا ہے، کوئی میٹھا ہے، کوئی گرم ہے، کوئی سرد ہے یہ پھل آپس میں اضداد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے ساتھ سب کچھ بنایا ہے اور ہر ایک میں کچھ نہ کچھ فائدہ رکھ دیا ہے ﴿يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ﴾ ڈھانپتا ہے رات کو دن پر، دن منور ہوتا ہے پھر رات آ کر اس پر چھا جاتی ہے اندھیرا ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ رات کی تاریکی کو کھینچ لیتے ہیں اور دن کی روشنی آ جاتی ہے ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ﴾ بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں خدا

کی قدرت کی، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی ﴿لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو فکر کرتی ہے۔ جو قوم سمجھنا چاہے اس کے لیے نشانیاں ہیں اور نہ ماننے والے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔

﴿وَ فِي الْاَرْضِ قِطَعٌ﴾ اور زمین میں ٹکڑے ہیں ﴿مُّتَجٰوِرٰتٌ﴾ ایک دوسرے کے ساتھ ملے جلے ہوئے ﴿وَّ جَنّٰتٌ﴾ اور باغات ہیں ﴿مِّنْ اَعْنَابٍ﴾ انگوروں کے ﴿وَّ زَرْعٌ﴾ اور کھیتیاں ہیں ﴿وَّ نَخِيْلٌ﴾ اور کھجوریں ہیں ﴿صِنْوَانٌ﴾ وہ درخت جن کی دو شاخیں ہیں ﴿وَّ غَيْرُ صِنْوَانٍ﴾ اور وہ بھی ہیں جن کی شاخیں الگ الگ نہیں ہیں ﴿يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ﴾ ان کو سیراب کیا جاتا ہے ایک ہی پانی کے ساتھ ﴿وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ﴾ اور ہم فضیلت دیتے ہیں ان میں سے بعض کو بعض پر ﴿فِي الْاُكُلِ﴾ کھانے میں ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ﴾ بے شک اس میں البتہ کئی نشانیاں ہیں ﴿لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو عقل سے کام لیتی ہے ﴿وَ اِنْ تَعْجَبْ﴾ اور اگر آپ تعجب کریں ﴿فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ﴾ پس تعجب ہے ان کی اس بات پر ﴿ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا﴾ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے ﴿ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ کیا ہم نئی پیدائش میں پیدا کیے جائیں گے ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ﴾ یہی لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ ﴿وَ اُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ﴾ اور یہی لوگ ہیں طوق ہوں گے ﴿فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ﴾ ان کی گردنوں میں ﴿وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ اور یہی لوگ ہیں دوزخ والے ﴿هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے ﴿وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ﴾ اور آپ سے جلدی مانگتے ہیں عذاب ﴿قَبْلَ الْحَسَنَةِ﴾ راحت سے پہلے ﴿وَ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ﴾ اور تحقیق گزر چکی ہیں ان سے پہلے ﴿الْمَثُلٰتُ﴾ سزائیں ﴿وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ﴾ اور بے شک آپ کا رب بخشش کرنے والا ہے ﴿لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ﴾ لوگوں کے لیے باوجود ان کے ظلم کے ﴿وَ اِنَّ رَبَّكَ﴾ اور بے شک تیرا رب ﴿لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ سخت سزا دینے والا ہے ﴿وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ﴾ کیوں نہیں اُتاری گئی اس نبی پر کوئی نشانی ﴿مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ اس کے رب کی طرف سے ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ﴾ پختہ بات ہے آپ ڈرانے والے ہیں ﴿وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ اور ہر قوم کے لیے ایک ہدایت دینے والا ہے۔

ماقبل سے ربط

اس سے پہلے ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ﴾ میں آسمانوں کی بلندی کا ذکر تھا اب اس کے مقابلے میں زمین کا

ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کو تم دیکھنا چاہو تو آسانی کے ساتھ دیکھ اور سمجھ سکتے ہو۔

الفاظ کی تحقیق وتشریح

﴿قِطَعٌ﴾ قِطْعَةٌ کی جمع ہے اور قِطْعَةٌ کا معنیٰ ہے ٹکڑا۔ ﴿مُّتَجٰوِرٰتٌ﴾ کا مجرد ہے جَاَرَ اور جَارٌ کا معنیٰ ہے پڑوسی اور ﴿مُّتَجٰوِرٰتٌ﴾ کا معنیٰ ہے ملا جلا ہوا۔ ﴿وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ﴾ کا معنیٰ ہوگا اور زمین میں ٹکڑے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ ملے جلے ہوئے۔ یہ ٹکڑا اس کے ساتھ ملا ہوا ہے وہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہے پھر ان ٹکڑوں میں قیمت کا بڑا فرق ہے ان کی پیداوار میں بھی بڑا فرق ہے۔ ہے وہ بھی زمین یہ بھی زمین۔ اسی طرح آدم علیہ السلام کی اولاد کا باپ ایک ہوتا ہے ماں ایک ہوتی ہے مگر اولاد کے مزاج اور طبیعتوں میں بڑا فرق ہوتا ہے جدا جدا ہوتی ہیں۔ خود حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج اور تھا اور قابیل کا مزاج اور تھا، حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے حام، سام، یافث رحمہم اللہ کا مزاج اور تھا اور کنعان کا مزاج اور تھا، ایک ماں باپ کی اولاد تھے۔

﴿وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ﴾ اور باغات ہیں انگوروں کے اَعْنَابٌ عِنَبٌ کی جمع ہے اور عِنَبٌ کا معنیٰ ہے انگور۔ ﴿وَّزَرْعٌ﴾ اور کھیتیاں ہیں، مختلف قسم کی فصلیں زمین میں لگائی جاتی ہیں ﴿وَّنَخِيْلٌ﴾۔ نَخِيْلٌ نَخْلَةٌ کی جمع ہے، معنیٰ ہوگا اور کھجوریں ہیں کھجوروں کی ہزارہا اقسام ہیں ﴿صِنْوَانٌ﴾۔ صِنْوَانٌ صِنْوٌ کی جمع ہے صِنْوٌ کا معنیٰ ہے کہ نیچے جڑ تو ایک ہو لیکن اُوپر تنے جدا جدا ہوں۔ کھجور کے ایسے درخت بھی ہوتے ہیں کہ نیچے جڑ تو ایک ہوتی ہے اور اُوپر تنے جدا جدا ہوتے ہیں۔ ﴿وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ﴾ اور وہ بھی ہیں جن کے تنے علیحدہ علیحدہ نہیں ہوتے ہیں ایک ہی تنا چلا جاتا ہے اور اس کے اوپر پھل لگتا ہے کھجور کے درختوں کی بے شمار اقسام ہیں اور ہر قسم کا علیحدہ علیحدہ ذائقہ ہے ﴿يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ﴾ ان کو سیراب کیا جاتا ہے ایک ہی پانی کے ساتھ۔ پانی بھی ایک، ہوا بھی ایک اور سورج کی کرنیں بھی سب پر برابر پڑتی ہیں۔

کھانے پینے کی چیزوں میں فرق

لیکن ﴿وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ﴾ اور ہم فضیلت دیتے ہیں ان میں سے بعض کو بعض پر کھانے میں۔ ایک کا ذائقہ اور ہے دوسری کا اور ہے تیسری کا اور ہے یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ اسی طرح انگوروں میں فرق ہے اور باقی فصلوں میں بھی فرق ہے کوئی زیادہ میٹھی اور کوئی کم، کسی کا دانہ موٹا کسی کا باریک اللہ تعالیٰ کی قدرتیں ہیں ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ بے شک اس میں البتہ کئی نشانیاں ہیں اس قوم کے لیے جو عقل سے کام لیتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت کو سمجھنا چاہے تو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

کفار کے غلط نظریہ کی تردید

﴿وَاِنْ تَعْجَبْ﴾ اور اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ ان کی کسی بات پر تعجب کرنا چاہیں ﴿فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ﴾ تو پس تعجب

ہے ان کی اس بات پر۔ ان کی اس بات پر تعجب کردہ بات یہ ہے کہتے ہیں ﴿ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے کیا ہم نئی پیدائش میں (از سرِ نو) پیدا کیے جائیں گے کیا ہم نئی مخلوق بنائے جائیں گے۔ کافروں کا یہ غلط نظریہ تھا وہ کہتے تھے ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴾ [الانعام:۲۹] "اور نہیں ہیں ہم زندہ کر کے دوبارہ اٹھائے جانے والے۔" اور دوبارہ اُٹھنے پر بڑا تعجب کرتے تھے کہتے تھے ﴿هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ [مومنون:۳۶] "بعید ہے یہ بات بعید ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔" اور سورۃ ق میں ہے ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ﴾ "کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی یہ لوٹ کر آنا تو بہت بعید ہے۔"

ایک کافر پرانی سی کھوپڑی اُٹھا کر لایا بعض اس کا نام ابو جہل لکھتے ہیں اور عقبہ ابن ابی معیط بھی لکھا ہے اور عاص ابن وائل کا نام بھی ذکر کرتے ہیں۔ کسی قبر میں سے ان کو پرانی سی کھوپڑی مل گئی کہ تھوڑا سا سخت ہاتھ لگانے سے ریزہ ریزہ ہو جاتی تھی رومال میں لپیٹ کر آنحضرت ﷺ کی مجلس میں لایا۔ آپ ﷺ کے پاس ہر وقت کوئی نہ کوئی آدمی رہتا تھا۔ صحابہ بھی ہوتے تھے، کافر بھی ہوتے تھے، مسافر بھی ہوتے تھے اور مقامی بھی ہوتے تھے۔ تو کافی لوگ بیٹھے ہوئے تھے یہ آ کر آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گیا اور کھوپڑی سے رومال دور کر کے کہنے لگا اے محمد (ﷺ)! مسئلہ یاد رکھنا کہ جب آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی آئے تو اس وقت ﷺ کہنا مسلمان کا اسلامی اور اخلاقی فرض ہے۔ البتہ چند مقامات ہیں جہاں نہیں پڑھنا۔

درود شریف نہ پڑھنے کے چند مقامات

(۱)......جب پیشاب پاخانے کے لیے بیٹھا ہو۔ (۲)......ننگا ہو کر غسل کر رہا ہو۔

(۳)......نماز پڑھ رہا ہو اور امام نے آیت پڑھی ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ تو ﷺ زبان سے نہیں پڑھنا دل میں پڑھ سکتا ہے۔

(۴)...... جمعہ کا خطبہ ہو رہا ہو اس میں آپ ﷺ کا اسم گرامی آئے تو زبان کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا دل میں پڑھ سکتا ہے۔

تو کچھ مقامات مستثنیٰ ہیں باقی جب بھی آپ ﷺ کا اسم گرامی سنو تو ﷺ پڑھو۔ قرآن پاک میں دونوں لفظ آئے ہیں ﴿صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾۔

تو خیر وہ کافر آ کر کہنے لگا کہ اے محمد (ﷺ)! اس کھوپڑی کو ذرا ہاتھ لگاؤ۔ وہ پرانی بوسیدہ ہڈیاں تھیں آپ ﷺ نے ہاتھ لگایا تو وہ بھرنی شروع ہو گئیں۔ قہقہہ لگایا، ٹھاہ ٹھاہ کر کے ہنسا اور کہنے لگا ﴿مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ﴾ [یٰسین:۷۸] "کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہیں۔" اللہ تعالیٰ نے جواب دیا ﴿قُلْ﴾ آپ ﷺ کہہ دیں ﴿يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ "زندہ کرے گا ان کو وہ جس نے پیدا کیا ان کو پہلی مرتبہ۔ ﴿وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ﴾ اور وہ ہر پیدائش کو خوب جاننے والا ہے۔" [یٰسین:۷۹] اور یہ بھی جواب دیا کہ ﴿اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ﴾ [آیت نمبر ۷۷]

"کیا نہیں دیکھتا انسان کہ بے شک ہم نے پیدا کیا ہے اس کو ایک قطرۂ آب سے پس اچانک وہ بڑا جھگڑا کرنے والا ہے۔" یا نہیں رکھتا کہ اس کو کس حقیر قطرہ سے پیدا کیا ہے اور سوچتا بھی نہیں ہے کہ جس رب نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے کیا وہ رب قادر نہیں ہے کہ انسان کو دوبارہ پیدا کرے۔

چوتھا جواب دیا کہ جس رب نے سبز درخت سے آگ نکالی ہے وہی رب پیدا کرے گا۔ عرب میں تین قسم کے درخت ہوتے تھے، مرخ، عفار اور کلخ، ان کی تازہ لکڑیوں کو لکڑیوں کے ساتھ رگڑتے تھے تو آگ نکلتی تھی۔ وہ لوگ جب سفر پر جاتے تھے تو ان کی لکڑیوں کو کپڑوں میں لپیٹ کر ساتھ لے جاتے تھے جہاں آگ کی ضرورت پڑتی ٹہنیوں کو رگڑ کر آگ جلا لیتے تھے اور اگر وہ خشک ہو جاتی تھیں تو آگ نہیں نکلتی تھی۔ فرمایا ﴿الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ﴾ [یٰسین: ۸۰] "وہ جس نے بنائی تمھارے لیے سبز درخت سے آگ پس اچانک تم اس سے سلگاتے ہو۔" تو جس نے سبز درخت سے آگ نکالی ہے وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ لہٰذا جو دوبارہ پیدا کرنے پر تعجب کرتے ہیں ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ﴾ یہی لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ۔ اُنھوں نے اپنے رب کے حکم کا انکار کیا ﴿وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ﴾ اور یہی لوگ ہیں کہ طوق ہوں گے ان کی گردنوں میں۔ سورۃ الحاقہ آیت نمبر ۳۲ میں ہے ﴿ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ﴾ پھر ایسی زنجیروں میں ﴿ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا﴾ جس کی لمبائی ستر گز ہے۔ ستر ستر گز کی زنجیروں میں جکڑے ہوں گے۔

خلود فی النار :

﴿وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ اور یہی لوگ ہیں دوزخ والے ﴿هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہے اور دنیا کی آگ کا یہ حال ہے کہ اس میں آدمی ہاتھ پاؤں نہیں رکھ سکتا اور اس آگ میں لوہا پگھل جاتا ہے، تانبا پگھل جاتا ہے تو جو آگ اس سے انہتر گنا تیز ہوگی اس کا کیا عالم ہوگا اگر اس میں ڈال کر مارنا مقصود ہو تو اس کا ایک ہی شعلہ کافی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی﴾ [سورۃ الاعلیٰ] "نہ مرے گا وہ اس دوزخ میں اور نہ جیے گا۔" آگ میں سڑنے جلنے کی زندگی کوئی زندگی تو نہیں ہے اور مرے گا اس لیے نہیں کہ مر گیا تو عذاب کون بھگتے گا اور دوزخ میں رہیں گے بھی ہمیشہ۔ عذاب سے تنگ آ کر دوزخی دوزخ کے انچارج فرشتے مالک علیہ السلام کو کہیں گے ﴿لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ﴾ "اے مالک علیہ السلام تو ہی رب کے سامنے درخواست کر کہ تیرا رب ہمارے اُوپر فیصلہ کر دے ہمیں ہلاک کر دے۔" اور سورۃ انشقاق میں ہے ﴿فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا﴾ "پس عنقریب وہ پکارے گا ہلاکت کو۔" اپنے لیے ہلاکت کی دعائیں کریں گے مگر شنوائی نہیں ہوگی اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اس ہمیشہ کی زندگی کو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ وہ کتنی ہوگی نیک بخت جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ سو سال، ہزار سال۔ لاکھ سال، کروڑ سال، ارب سال، کھرب سال، نہیں نہیں سوچتے سوچتے ہمارا دماغ فیل ہو جائے گا لیکن ہم اس کی ہیشگی کو شمار نہیں کر سکتے۔ اسی طرح بدبخت اور بدنصیب دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں جا کر پتا

چلے گا کہ دوزخ کیا ہے اور اب یہ پیغمبر علیہ السلام کو کہتے تھے لاؤ وہ عذاب جس سے آپ ہمیں ڈراتے ہیں، عذاب مانگتے ہیں۔

کفار کے مطالبات

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ﴾ اور آپ سے جلدی مانگتے ہیں عذاب راحت سے پہلے۔ کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کرتے تھے کہ آپ صفا پہاڑی کو سونا بنا دیں، مروہ کو سونا بنا دیں، یہاں پانی کی نہریں چلا دیں، آپ کے لیے سونے کی کوٹھی ہو، کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو۔ اسی مقام پر پندرھویں پارے میں رب تعالیٰ نے فرمایا آپ ان کو کہہ دیں ﴿هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ "نہیں ہوں میں مگر بشر رسول۔" اور یہ کام رب تعالیٰ کے ہیں مخلوق کے نہیں ہیں اس پر کافر کہتے آپ اگر خوشی نہیں دکھا سکتے تو پھر عذاب لاؤ تا کہ ہم ختم ہو جائیں اور میدان آپ کے لیے صاف ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ﴾ اور تحقیق گزر چکی ہیں ان سے پہلے سزائیں۔ مَثُلٰتُ مُثْلَةٌ کی جمع ہے مُثْلَةٌ کا معنیٰ سزا اور عقوبت ہے۔ جن لوگوں کا یہ کردار ادا کر رہے ہیں ان والی بیماریاں جن لوگوں میں تھیں ان پر بڑی بڑی سزائیں آ چکی ہیں۔ کسی پر بارش اور سیلاب کا عذاب، کسی پر تند ہوا چلی، کوئی زلزلے میں تباہ ہوا، کسی کے کلیجے جبرئیل علیہ السلام کی ڈراونی آواز سے پھٹ گئے، طرح طرح کی سزائیں اور عقوبتیں پہلے لوگوں پر نازل ہوئیں۔ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ﴾ اور بے شک آپ کا رب بخشش کرنے والا ہے ﴿لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ﴾ لوگوں کے لیے باوجود ان کے ظلم کے۔

بندے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں، اس کے پیغمبر کی مخالفت کریں، اس کے احکامات کو ٹھکرائیں لیکن یہ توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے کے لیے تیار ہے۔ تیرا رب مغفرت والا ہے۔ کمی ہمارے اندر ہے ہمیں ہر وقت اپنے آپ کو گنہگار سمجھنا چاہیے اور ہیں بھی گنہگار لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ تھوڑی سی تکلیف پیش آتی ہے تو کہتے ہیں کہ خدا جانے کس گناہ میں پکڑا گیا ہوں معصوم بن جاتے ہیں۔ تم کہاں کے معصوم ہو کہ تمھیں اپنے گناہوں کا پتا ہی نہیں ہے حالاں کہ سر سے لے کر پاؤں تک گنہگار ہیں۔ ہماری آنکھیں گنہگار، ہمارے ہاتھ گنہگار، ہمارے پاؤں گنہگار، ہمارا دل گنہگار، ہر وقت گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں لہٰذا ہر وقت اپنے آپ کو گنہگار سمجھنا چاہیے اور توبہ کرنی چاہیے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: ((خَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ)) "بہترین گنہگار وہ ہیں جو توبہ کرتے ہیں رب سے معافی مانگتے ہیں۔" ہر وقت رب تعالیٰ سے معافی مانگتے رہنا چاہیے۔ یہ رمضان المبارک کا مہینہ ہے نیکیاں کماؤ اور گناہوں سے بچو۔

غیبت بڑا گناہ ہے

میری بہنیں اور بیٹیاں بھی مسئلہ سمجھ لیں اور یاد رکھیں کہ غیبت بڑا گناہ ہے اور غیبت کا سننا بھی گناہ ہے۔ کوئی تمھارے پاس آ کر کسی کی غیبت کرے تو اس کو منع کرو اگر منع کرنے کی توفیق نہیں تو اُٹھ کر چلے جاؤ۔ غیبت صرف رمضان المبارک میں گناہ نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی گناہ ہے اور غیبت اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے روزے پر زد پڑتی ہے۔

کسی کو گالی بھی نہ نکالو اور کسی کے ساتھ لڑو بھی نہیں روزے کو صحیح معنیٰ میں روزہ بناؤ۔

کثرت تلاوت اجر عظیم کا سبب

قرآن پاک کی تلاوت کثرت کے ساتھ کرو۔ اس کے ایک ایک حرف سے دس نیکیاں ملتی ہیں اور جس طرح پڑھنے پر ملتی ہیں اسی طرح سننے پر بھی ملتی ہے۔ ﴿الٓمٓ﴾ پڑھا تیس نیکیاں مل گئیں لیکن رمضان المبارک میں نیکیاں ستر گنا بڑھ جاتی ہیں۔ الف پر ستر، لام پر ستر اور میم پر ستر نیکیاں مل گئیں۔ مردوں کے لیے بھی اتنا ثواب ہے اور عورتوں کے لیے بھی اتنا ثواب ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن کریم کی آیت کریمہ سیکھتا ہے تو اس کا ثواب سو نفل پڑھنے سے زیادہ ہے اور اگر ترجمے کے ساتھ سیکھتا ہے تو اس کا ثواب ہزار رکعات نفل پڑھنے سے زیادہ ہے۔ یہ ابن ماجہ کی روایتیں ہیں جو صحاح ستہ میں چھٹے نمبر کی کتاب ہے اور مردوں کا فریضہ ہے کہ قرآن کریم کو سمجھیں۔ الحمد للہ! اٹھاون سال ہونے والے ہیں مجھے قرآن و حدیث کا درس دیتے ہوئے ایک ایک لفظ کا علیحدہ علیحدہ ترجمہ کرتا ہوں تا کہ شوق والے مرد عورتیں قرآن و حدیث کے ساتھ مانوس رہیں۔ ساتھیو! زندگی کا کوئی پتا نہیں ہے موت سر پر کھڑی ہے قرآن پڑھو، درود شریف کثرت کے ساتھ پڑھو، توبہ استغفار کرو، سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ کا ورد کرو موت کو ہر وقت یاد رکھو یہ نہ خیال کرو کہ میں ابھی جوان ہوں ابھی تندرست ہوں موت سب کے لیے ہے۔

موت یقینی امر ہے

حدیث پاک میں آتا کہ موت کا ذکر کثرت کے ساتھ کرو۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے شمائل ترمذی کتاب لکھی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات ہیں اس میں انھوں نے یحییٰ ابن معین رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور محدث اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کو ایک حدیث کے الفاظ کے بارے میں شبہ ہوا اس کے ازالے کے لیے اپنے استاد محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دوپہر کے وقت گئے ان کا چھوٹا سا مکان تھا اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ استاذ نے باہر آ کر کہا یحییٰ! اس وقت کیسے آئے ہو؟ کہنے لگے حضرت! ایک حدیث کے الفاظ میں شبہ پیدا ہو گیا ہے وہ سننے کے لیے آیا ہوں۔ استاذ نے حدیث زبانی شروع کی تو کہنے لگے حضرت! اگر آپ کاپی سے پڑھ کر سنا دیں تو بات زیادہ پختہ ہو جائے گی وہ کاپی لینے کے لیے جانے لگے تو انھوں نے ان کا دامن پکڑ لیا۔ استاذ نے کہا کہ میں اندر سے جا کر کاپی لانا چاہتا ہوں تا کہ تجھے کاپی سے پڑھ کر حدیث سناؤں۔ کہنے لگے حضرت! مجھے زبانی ہی سنا دو معلوم نہیں ہے کہ آپ کے اندر جا کر واپس آنے تک میں زندہ رہوں گا یا نہیں۔

جوانو! موت کو انھوں نے سمجھا تھا کہ موت یقینی ہے اور قرآن پاک میں موت کا نام یقین ہے ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ [الحجر:۹۹] "اور عبادت کر اپنے رب کی یہاں تک کہ یقین آ جائے موت آ جائے۔"

تو موت یقینی شے ہے اور زندگی وہمی ہے ﴿وَ اِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ اور بے شک تیرا رب سخت سزا دینے والا

ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی سزاؤں سے بچائے قبر میں بھی اور حشر میں بھی اور دوزخ سے بھی ﴿وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ کیوں نہیں اتاری گئی اس نبی پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے ہماری خواہش کے مطابق کہ جس طرح کا معجزہ ہم مانگتے ہیں کہ نبی کے لیے سونے کی کوٹھی ہونی چاہیے، صفا مروہ سونے کے کیوں نہیں بنائے، مکہ مکرمہ میں نہریں چلا دیں، ہمارے سامنے اُڑ کر آسمانوں پر جاؤ اور کتاب لے کر آؤ ﴿اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا﴾ [بنی اسرائیل: ۹۲] "رب تعالیٰ کو ہمارے سامنے لا کر کھڑا کر اور اس کے پیچھے فرشتے کھڑے ہوں۔" اللہ تعالیٰ نے جواب دیا ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ﴾ پختہ بات ہے آپ ڈرانے والے ہیں۔ ان کو رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈرا رب تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرا معجزات کا اتارنا آپ کا کام نہیں ہے وہ رب تعالیٰ کا کام ہے آپ اپنا کام کریں۔

لکل قوم ھاد کی تین تفسیریں

﴿وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ اور ہر قوم کے لیے ایک ہدایت دینے والا ہے۔ اس کی تین تفسیریں مشہور ہیں۔ پہلی تفسیر یہ ہے کہ آپ ہر قوم کو ڈرانے والے ہیں ہدایت دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا کام ڈرانا ہے ہدایت دینا نہیں ہے ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ سورۃ القصص آیت نمبر ۵۶ میں ہے ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ "اے پیغمبر بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس سے آپ محبت کرتے ہیں اور لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔" آپ ﷺ ہادی ہیں بایں معنیٰ کہ رہنمائی کرنے والے ہیں راہ بتلانا آپ ﷺ کا کام ہے ہدایت دینا صرف پروردگار کا کام ہے۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ڈرانے والے ہیں اور ہم نے ہر قوم کی طرف رہنمائی کرنے والا بھیجا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی تک ہر قوم کی اصلاح کے لیے ہادی، رہنما بھیجے گئے ہیں۔

تیسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ آپ ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے راہنما ہیں آپ ﷺ کے تشریف لے آنے کے بعد قیامت تک جتنی قومیں ہیں وہ آپ ﷺ کے کلمہ کی پابند ہیں اگر وہ آپ ﷺ کا کلمہ نہیں پڑھیں گی اور آپ ﷺ سے رہنمائی حاصل نہیں کریں گی تو وہ ایمان سے خارج ہو جائیں گی اور کافر کہلائیں گی۔ تو آپ ﷺ کو ہر قوم کے لیے ہادی اور رہبر بنا کر بھیجا ہے باقی ہدایت دینا صرف رب تعالیٰ کا کام ہے اور ہدایت اسی کو نصیب ہوتی ہے جس میں طلب ہو اور اگر طلب نہیں ہوگی تو پھر کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔

اس کی مثال آپ حضرات اس طرح سمجھیں کہ تم نلکے اور ٹونٹی کے نیچے سیدھا کر کے برتن رکھو یعنی اس کا منہ نلکے اور ٹونٹی کی طرف ہو تو وہ بھر جائے گا چھوٹا ہوگا تو جلدی بھر جائے گا بڑا ہوگا تو دیر سے بھرے گا اور اگر برتن کو الٹا کر کے رکھ دو تو وہ نہیں بھرے گا چاہے اس پر سارا دن پانی گرتا رہے۔ یہی حال ہے طلب اور غیر طلب کا جو حق کا طالب ہوتا ہے اس کا منہ

رب تعالیٰ کی رحمت کی طرف ہوتا ہے اور جو انکار کرتا ہے اس نے اپنے دل کے برتن کو الٹا کیا ہوا ہے اس پر چاہے تم سارا دن ٹیوب ویل چلائے رکھو وہ نہیں بھرے گا۔ پس تم دعا کرو کہ ہمارے دل اُلٹے نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف سیدھے ہوں، ہدایت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طالب ہوں اور اپنی نجات کے خواہش مند ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو طلب رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ [آمین]

﴿ اَللّٰهُ يَعْلَمُ ﴾ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ﴿مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى ﴾ اس چیز کو جو اُٹھاتی ہے ہر مادہ ﴿ وَ مَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ ﴾ اور جو کم ہوتے ہیں رحم ﴿وَ مَا تَزْدَادُ ﴾ اور جو زیادہ ہوتے ہیں ﴿وَ كُلُّ شَيْءٍ ﴾ اور ہر چیز ﴿عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴾ اس کے نزدیک ایک مقدار کے ساتھ ہے ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ﴾ وہ غیب کو جاننے والا ہے اور حاضر چیزوں کو ﴿الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ﴾ وہ بہت بڑی ذات ہے اور بہت بلند ہے ﴿سَوَآءٌ مِّنْكُمْ ﴾ برابر ہے تم میں سے ﴿مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ ﴾ وہ شخص جو آہستہ بات کرتا ہے ﴿وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ ﴾ اور وہ شخص جس نے بلند آواز میں بات کی ﴿وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ ﴾ اور وہ شخص جو چھپا ہوا ہے رات کو ﴿وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ﴾ اور جو چلنے والا ہے دن کو ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ ﴾ اس کے لیے آگے پیچھے آنے والے فرشتے ہیں ﴿مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ ﴾ اس آدمی کے آگے ہیں ﴿وَ مِنْ خَلْفِهٖ ﴾ اور اس کے پیچھے ہیں ﴿يَحْفَظُوْنَهٗ ﴾ جو اس کی حفاظت کرتے ہیں ﴿مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ ﴾ نہیں بدلتا اس حالت کو جو کسی قوم کی ہے ﴿حَتّٰى يُغَيِّرُوْا ﴾ یہاں تک کہ وہ بدلیں ﴿مَا بِاَنْفُسِهِمْ ﴾ جو کچھ ان کے نفسوں میں ہے ﴿وَ اِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ ﴾ اور جس وقت ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کسی قوم کے بارے میں ﴿سُوْٓءًا ﴾ تکلیف کا ﴿فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ﴾ پس نہیں ٹلتا اس تکلیف کا ﴿وَ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴾ اور نہیں ہے ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے نیچے کوئی بچانے والا۔

عقیدۂ توحید:

تمام عقائد میں سے اہم اور بنیادی عقیدہ توحید ہے اور توحید کا مفہوم یہ ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک کرنا ہے اور نہ اس کی صفات میں کسی کو شریک کرنا ہے اور نہ اس کے افعال میں کسی کو شریک کرنا ہے۔ وہ اپنی ذات میں، صفات میں، افعال میں، وحدہ لاشریک لہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے ہر چیز کو جاننا، یہ بھی رب تعالیٰ کی صفت ہے۔

﴿اَللّٰهُ يَعْلَمُ ﴾ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ﴿مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى ﴾ جو اُٹھاتی ہے ہر مادہ اپنے پیٹ میں کہ وہ نر ہے یا مادہ ہے، ایک ہے یا دو ہیں، کالا ہے یا گورا ہے، صحیح الاعضاء ہے یا ناقص الاعضا ہے۔ یہ چیزیں قطعی طور پر رب تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا

وہ عورت جس کے پیٹ میں بچہ ہے وہ بھی نہیں جانتی کہ میرے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی ہے، ایک ہے یا دو ہیں۔ یہ رب تعالیٰ کا راز ہے رب تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ عربی کا قاعدہ ہے کہ فعل پہلے ہوتا ہے فاعل بعد میں ہوتا ہے۔ جیسے: ضَرَبَ زَیْدٌ "مارا زید نے۔" لیکن جب فاعل فعل سے پہلے آجائے تو حصر کا فائدہ دیتا ہے، بندش کا۔ مثلاً: زَیْدٌ ضَرَبَ تو اس کا معنیٰ ہوگا کہ "زید ہی نے مارا ہے۔" تو مارنا زید میں بند ہو گیا تو قاعدے کے مطابق تو ﴿یَعْلَمُ اللّٰهُ﴾ ہوتا کہ جانتا ہے اللہ تعالیٰ لیکن لفظ اللہ جو فاعل ہے اس کو مقدم کر دیا ﴿اَللّٰهُ یَعْلَمُ﴾ تو حصر پیدا ہو گئی۔ معنیٰ ہوگا اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا ﴿مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى﴾ اس چیز کو جو اٹھاتی ہے ہر مادہ کو پیٹ میں ﴿وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ﴾ اور جو کم ہوتے ہیں رحم ﴿وَمَا تَزْدَادُ﴾ اور جو بڑھتے ہیں۔

مدتِ حمل

اس کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ حمل کی ادنیٰ مدت نکاح کے بعد چھ ماہ ہے چھ ماہ کے بعد جو بچہ پیدا ہوا وہ حلال ہے بشرطیکہ خاوند اس کا انکار نہ کرے۔ ہاں اگر وہ انکار کر دے اور کہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے تو پھر مسئلہ جدا ہے۔ بعض بچے سات ماہ کے بھی ہوتے ہیں بعض آٹھ ماہ کے بھی ہوتے ہیں اور عادتاً بچہ ماں کے پیٹ میں نو ماہ تک رہتا ہے اور کئی بچے تو ماہ سے زیادہ بھی ماں کے پیٹ میں رہے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ میں دو سال تک رہ سکتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چار سال بھی ماں کے پیٹ میں رہ سکتا ہے۔ ضحاک ابن مزاحم رحمہما اللہ تعالیٰ بڑے درجے کے تابعین میں سے ہیں وہ چار سال ماں کے پیٹ میں رہے جب پیدا ہوئے تو ٹھاہ ٹھاہ کر کے ہنسنے لگے۔ منہ میں دانت بھی تھے اسی لیے ان کا نام ضحاک رکھ دیا ہنسنے والا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بچہ ماں کے پیٹ میں پانچ سال تک بھی رہ سکتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتیں ہیں۔ تو اس تفسیر کے مطابق ترجمہ ہوگا اور جو کم ہوتے ہیں چھ ماہ سات ماہ وغیرہ یعنی رحم کی مدت جو کم ہوتی ہے اور جو بڑھتے ہیں یعنی مدت زیادہ ہوتی ہے نو ماہ دو سال وغیرہ رب تعالیٰ اس کو بھی جانتا ہے۔

اور دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ ابتداءً جب بچے کا ماں کے پیٹ میں وجود بنتا ہے تو اس وقت رحم سکڑا ہوا ہوتا ہے جوں جوں بچے کا وجود بڑھتا جاتا ہے رحم کھلتا اور بڑھتا جاتا ہے رب تعالیٰ پیٹ کے اس سکڑنے اور بڑھنے کو جانتا ہے حالاں کہ وہ عورت خود نہیں جانتی کہ اندر کیا ہو رہا ہے یہ سب رب تعالیٰ کے کام ہیں اور اس کے کاموں کی کوئی نظیر نہیں ہے اور نہ ہی اس کے کاموں میں کوئی شریک ہے۔ اور کیا پوچھتے ہو ﴿وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ﴾ اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک مقدار اور اندازے کے ساتھ ہے۔ ہر چیز کا اندازہ رب ہی کو معلوم ہے۔

عالم الغیب والشہادۃ

﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ وہ غیب کو جاننے والا ہے اور حاضر چیزوں کو جاننے والا ہے۔ غیب کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ رب تعالیٰ سے کوئی چیز غائب ہے اس سے کوئی چیز غائب نہیں ہے بلکہ اس کا معنیٰ ہے کہ مخلوق سے جو چیزیں غائب ہیں رب تعالیٰ ان کو

بھی جانتا ہے اور جو مخلوق کے سامنے ہیں ان کو بھی جانتا ہے۔ عالم غیب اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو غیب کی خبریں بتلائی ہیں۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۴۴ میں ہے ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ﴾ "یہ غیب کی خبریں ہیں اے نبی کریم ﷺ! ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔" اور سارا غیب رب تعالیٰ کی صفت ہے وہ کسی کو نہیں دیا سورۃ النحل آیت نمبر ۷۷ میں ہے ﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ "اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے غیب آسمانوں کا اور زمینوں کا۔"

اسمائے الٰہی کی تاثیر

﴿الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ﴾ وہ بہت بڑی ذات ہے اور بہت بلند ہے، بہت اُونچی شان والا ہے۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مشہور نام ننانوے ہیں اور ہر نام میں کوئی نہ کوئی تاثیر ہے۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ رشتے اور کاروبار میں رکاوٹ ہو تو آدمی یا لطیف کا ورد کثرت کے ساتھ کرے۔ لطیف کا معنیٰ ہے باریک بین۔ رزق کی تنگی ہو تو یارزّاق کا ورد کثرت کے ساتھ کرے، اس کا معنیٰ ہے رزق دینے والا ﴿يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ "رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے۔" آپس میں الفت پیدا کرنے کے لیے یَا وَدُوْدُ کا ورد کرے، ودود کا معنیٰ ہے محبت کرنے والا، محبت ڈالنے والا اور اگر کسی کو زیادہ غصہ آتا ہو تو یَا حَلِيْمُ کا ورد کرے اس کا معنیٰ ہے تحمل کرنے والا۔

آنحضرت ﷺ کے پاس ایک شخص نے آکر کہا حضرت! مجھے بڑی جلد غصہ آتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس وقت غصہ آئے اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ اور بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ پانی پیو اور وضو کرو۔ کیوں کہ انسان میں آگ کا مادہ بھی ہے یہ اس کی وجہ سے ہے پانی سے ٹھنڈا ہو جائے گا اور اختیاری چیز ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ((لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ مَنْ يَّمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ)) "پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسرے کو میدان میں پچھاڑ دے پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو پالے۔" یہ بخاری شریف کی حدیث ہے۔

ذکر خفی کی افضلیت

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ﴾ برابر ہے تم میں سے وہ شخص جو آہستہ بات کرے ﴿وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ﴾ اور وہ شخص جس نے بلند آواز میں بات کی ﴿وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ﴾ اور وہ شخص جو چھپا ہوا ہے رات کو ﴿وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ﴾ اور جو چلنے والا ہے دن کو۔ سرب کا معنیٰ ہے راستے پر چلنا۔ ہماری حالت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آہستہ بات کرے تو ہم نہیں سن سکتے اونچی کرے تو سن لیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اونچی اور آہستہ دونوں برابر ہیں رات کو کوئی شخص کونے میں چھپا ہوا ہے تو ہمیں نظر نہیں آتا دن کو گلی میں یا سڑک پر چلنے والا ہمیں نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک رات کو چھپا ہوا اور دن کو چلنے والا دونوں برابر ہیں وہ ایسی علیم و خبیر ذات ہے کہ اس سے کوئی شے چھپی ہوئی نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خیبر سے واپس تشریف لا رہے تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُونچی اُونچی ذکر

شروع کیا۔ بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اِنَّکُمْ لَاتَدْعُوْنَ اَصَمًّا وَلَاغَائِبًا اِنَّکُمْ تَدْعُوْنَ سَمِیْعًا قَرِیْبًا وَ ھُوَ مَعَکُمْ)) "اپنی جانوں پر نرمی کرو بے شک تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو تم اس ذات کو پکارتے ہو جو سننے والی اور قریب ہے اور وہ تمھارے ساتھ ہے۔" اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ آہستہ ذکر کرنے کا درجہ اونچی ذکر کرنے سے ستر گنا زیادہ ہے اور اگر ذکر کرنے سے کسی کی نیند میں خلل آئے یا نماز میں خلل آئے تو اس کے متعلق تمام فقہائے کرام لکھتے ہیں کہ یہ درست نہیں ہے اور ذکر کرنے والا گنہگار ہوگا۔

تفسیر مظہری مشہور تفسیر ہے اس میں لکھا ہے کہ اگر مسجد میں ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے تو اس کے پاس بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنے والا گنہگار ہے لیکن یہاں تو لوگوں نے یہ سمجھا رکھا ہے کہ شور مچاؤ رب راضی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرو مگر آہستہ کرو درود شریف کثرت کے ساتھ پڑھو، تیسرا کلمہ پڑھو اور جو تمہارے پاس قرآن وحدیث سے ورد، وظیفے ہیں کثرت سے پڑھو اللہ تعالیٰ کی یاد سے کبھی غافل نہ ہو۔

اور ذکر کے متعلق اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے ذکر کے لیے کوئی خاص کیفیت مقرر نہیں فرمائی کہ بیٹھ کر پڑھو یا کھڑے ہو کر پڑھو اس میں تمھیں اجازت ہے بیٹھ کر پڑھو، کھڑے ہو کر پڑھو، لیٹے ہوئے پڑھو، چلتے پھرتے پڑھ سکتے ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ فرماتے کہ بیٹھ کر پڑھو تو کاروباری اور مزدور لوگ کہہ سکتے تھے اے پروردگار! میں مزدور آدمی ہوں بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے کوئی شرط نہیں لگائی۔ ذکر کے لیے وضو بھی شرط نہیں ہے۔ اگر وضو شرط ہوتا تو آدمی کہہ سکتا تھا اے پروردگار! میرا معدہ خراب ہے میرا وضو نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی سہولتیں دی ہیں۔ جن دنوں میں عورتیں قرآن شریف نہیں پڑھ سکتیں، نماز نہیں پڑھ سکتیں فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ان دنوں میں کثرت کے ساتھ ذکر کریں تاکہ نماز کی جگہ وہ ہو جائے۔

بندوں کی حفاظت فرشتوں سے

﴿لَہٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ﴾ اس کے لیے آگے پیچھے آنے والے فرشتے ہیں۔ ہٗ ضمیر کا مرجع انسان کو بھی بنایا گیا ہے۔ تو معنیٰ ہوگا اس بندے کے لیے آگے پیچھے آنے والے فرشتے ہیں۔ اور ہٗ ضمیر کا مرجع لفظ اللہ کو بھی بنایا گیا ہے جو ﴿اَللّٰہُ یَعْلَمُ﴾ میں ہے تو اس وقت معنیٰ ہوگا رب تعالیٰ ہی کے لیے وہ فرشتے ہیں جو یکے بعد دیگرے آتے ہیں ﴿یَحْفَظُوْنَہٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ﴾ جو بندے کی حفاظت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ ہر مرد، عورت، بوڑھے، جوان، تن درست، بیمار کے ساتھ مومن اور کافر کے ساتھ رات اور دن میں چوبیس فرشتے ہوتے ہیں۔ چار فرشتے تو اعمال لکھنے والے ہیں جن کو کراماً کاتبین کہتے ہیں دو دن والے اور دو رات والے۔ ان کی ڈیوٹیاں صبح اور عصر کی نماز کے وقت تبدیل ہوتی ہیں مثلاً: صبح کی نماز جب یہاں شروع ہوئی کہ امام نے کہا اللہ اکبر! تو وہ لوگ جو اس مسجد سے وابستہ ہیں ان کے فرشتوں کی ڈیوٹی بدل جاتی ہے رات والے فرشتے گئے اور دن والے آگئے۔ پھر عصر کی نماز جب شروع ہوئی تو دن والے چلے گئے اور رات والے آگئے۔

اسی آیت کی تشریح میں تفسیر ابن جریر وغیرہ میں حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر آدمی کے ساتھ دس فرشتے دن اور دس فرشتے رات کو ہوتے ہیں جو اس کی حفاظت کے لیے ہیں وہ حفاظت کرتے ہیں جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے۔ دو فرشتے آدمی کے ہونٹ کے پاس ہوتے ہیں جن کی ڈیوٹی درود شریف پہنچانے کی ہے۔ جب کوئی آدمی درود شریف پڑھتا ہے تو یہ فرشتے باری باری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس درود شریف پہنچاتے ہیں ایک پہنچا کر آتا ہے پھر دوسرا جاتا ہے۔

اور حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری قبر کے پاس درود شریف پڑھے گا اس کو میں خود سنوں گا اور جواب بھی دوں گا اور جو دور سے پڑھے گا وہ فرشتے پہنچائیں گے۔ ایک فرشتہ انسان کے دل کی دائیں طرف ہوتا ہے یہ جو دل میں اچھا خیال پیدا ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے کا القا ہوتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے کہ اے اللہ! تیرا شکر ہے فرشتے نے مجھے اچھی بات کا اشارہ دیا ہے۔ اور دل کے بائیں طرف شیطان ہوتا ہے۔ شیطان سے مراد ابلیس نہیں ہے کوئی نہ کوئی شیطان ہوتا ہے۔ یہ جو دل میں برا خیال آتا ہے یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ لہٰذا جب برا خیال آئے تو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہو اور اَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھ کر بائیں طرف تھوک دو۔ تو یہ پچیس فرشتے ہر بندے کے ساتھ چوبیس گھنٹے رہتے ہیں انسانوں کے ساتھ بھی اور جنوں کے ساتھ بھی۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ فرشتے کتنے ہیں ساتوں آسمانوں پر فرشتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے آسمانوں پر ایک ہتھیلی کے برابر بھی جگہ خالی نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ عبادت نہ کر رہا ہو۔ اور کعبہ کے عین برابر ساتویں آسمان پر بیت المعمور ہے جو فرشتوں کا کعبہ ہے روزانہ ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں اور جس نے ایک دفعہ طواف کر لیا پھر ساری زندگی دوبارہ اس کی باری نہیں آتی اس سے اندازہ لگاؤ کہ فرشتے کتنے ہیں؟

اصلاح کے لیے نیت ضروری ہے:

آگے اللہ تعالیٰ نے ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا اس حالت کو جو کسی قوم کی ہی ﴿حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ یہاں تک کہ وہ بدلیں اس کو جو ان کے نفسوں میں ہے۔ جب تک کوئی قوم اپنی اصلاح کی نیت نہیں کرے گی اس وقت تک اللہ تعالیٰ ان کی حالت نہیں بدلے گا جبراً اللہ تعالیٰ کسی کی حالت نہیں بدلتے۔ کوئی شخص نماز نہیں پڑھنا چاہتا اللہ تعالیٰ اس سے جبراً اور زبردستی نہیں پڑھواتے، کوئی روزہ نہیں رکھنا چاہتا جبراً اللہ تعالیٰ اس سے روزہ نہیں رکھواتے، رکھوا سکتا ہے قادر مطلق ہے مگر رکھواتا نہیں ہے۔ جب کوئی نماز روزے کی نیت کرے گا تو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرما دیں گے اچھے کام کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرما دیں گے۔ اللہ تعالیٰ زبردستی کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا۔ مولانا ظفر علی خان فرماتے ہیں ۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

جب تم نیکی کا ارادہ کر لو گے تو کل کا دن آج سے بہتر ہو گا اور پرسوں کا کل سے بہتر ہو گا پھر اگلا دن اس سے بہتر ہو گا اسی طرح دن بدلتے جائیں گے۔ برائی سے رکنے کا ارادہ کرو تو اللہ تعالیٰ رکنے کی توفیق عطا کر دیں گے۔ نیت اور ارادے کا اختیار اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیا ہے۔ فرمایا ﴿وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا﴾ اور جس وقت ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کسی قوم کے بارے میں تکلیف کا ﴿فَلَا مَرَدَّ لَهٗ﴾ پس نہیں ہے ٹلنا اس تکلیف کا چاہے وہ کتنی ہی کوشش کرے جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے تو پھر اس کی پکڑ سے کوئی چھوٹ نہیں سکتا ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ﴾ اور نہیں ہے ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے نیچے کوئی بچانے والا، کوئی حفاظت کرنے والا، کوئی نگران جو ان کو بچا سکے۔

﴿هُوَ الَّذِیْ﴾ وہی اللہ تعالیٰ ہے ﴿یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ﴾ جو دکھاتا ہے تمھیں بجلی ﴿خَوْفًا وَّطَمَعًا﴾ خوف اور طمع کے لیے ﴿وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ﴾ اور اٹھاتا ہے ایسے بادل جو بوجھل ہیں ﴿وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ﴾ اور تسبیح پڑھتا ہے رعد علیہ السلام اس کی تعریف کے ساتھ ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ﴾ اور فرشتے بھی اس کے خوف سے ﴿وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ﴾ اور چھوڑتا ہے کڑک کو ﴿فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَّشَآءُ﴾ پس پہنچاتا ہے اس کو جس کو چاہتا ہے ﴿وَهُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ﴾ اور وہ جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ﴿وَهُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ﴾ حالاں کہ وہ بہت سخت طاقت والا ہے ﴿لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ﴾ اسی کے لیے ہے حق کی دعوت ﴿وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اور وہ لوگ جو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ورے ورے ﴿لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ﴾ وہ نہیں قبول کر سکتے ان کی دعاؤں کو ﴿بِشَیْءٍ﴾ کچھ بھی ﴿اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ﴾ مگر جس طرح کوئی پھیلانے والا ہو اپنے دونوں ہاتھوں کو ﴿اِلَى الْمَآءِ﴾ پانی کی طرف ﴿لِیَبْلُغَ فَاهُ﴾ تاکہ وہ پانی پہنچ جائے اس کے منہ تک ﴿وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ﴾ اور نہیں ہے وہ پہنچنے والا اس تک ﴿وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ﴾ اور نہیں ہے کافروں کا پکارنا ﴿اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ﴾ مگر گمراہی میں ﴿وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں ﴿مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ جو ہیں آسمانوں میں اور زمینوں میں ﴿طَوْعًا وَّكَرْهًا﴾ خوشی سے اور جبراً ﴿وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾ اور ان کے سائے بھی صبح اور پچھلے پہر ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کون ہے تربیت کرنے والا آسمانوں کی اور زمین کی ﴿قُلِ اللّٰهُ﴾ آپ کہہ دیں اللہ ہی ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ﴾ کیا پس تم نے بنا لیے ہیں اللہ تعالیٰ سے نیچے

کارساز ﴿لَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِہِمْ﴾ نہیں وہ مالک اپنے نفسوں کے لیے ﴿نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ نفع کے اور نہ نقصان کے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ﴾ کیا برابر ہے اندھا اور دیکھنے والا ﴿اَمْ هَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ﴾ کیا برابر ہیں اندھیرے اور روشنی ﴿اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ﴾ کیا ٹھہرائے ہیں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے شریک ﴿خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ﴾ انھوں نے پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی مخلوق کی طرح ﴿فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ﴾ پس متشابہ ہوگئی ہے مخلوق ﴿عَلَیْهِمْ﴾ ان پر ﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ﴾ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے ﴿وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ اور وہ اکیلا ہے سب کو دبا کر رکھنے والا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ﴾ وہی اللہ تعالیٰ ہے جو دکھاتا ہے تمھیں بجلی۔ جب آسمان پر بجلی چمکتی ہے تو وہ ذات تمھیں بجلی دکھاتی ہے ﴿خَوْفًا﴾ خوف کی خاطر ﴿وَّطَمَعًا﴾ اور طمع کی خاطر۔ خوف اس طرح کہ آسمانی بجلی جب زمین پر گرتی ہے تو اس سے آدمی مرتے ہیں، جانور مرتے ہیں، فصلیں تباہ ہوتی ہیں تو جب بجلی چمکتی ہے خوف ہوتا ہے کہ کہیں نیچے گر کر نقصان نہ کرے اور طمع بھی ہوتا ہے کہ جب بجلی چمکتی ہے امید ہوتی ہے کہ بارش ہوگی جس سے فصلیں پیدا ہوں گی، پھل ہوں گے، جانوروں کے لیے چارا پیدا ہوگا، گرمی دور ہوگی۔ یہ بجلی کو رب ہی چمکاتا ہے ﴿وَیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ﴾ اور اٹھاتا ہے ایسے بادل جو بوجھل ہیں بارش سے برف سے اولوں سے ان بادلوں پر کنٹرول اللہ تعالیٰ ہی کا ہے وہی ان کو اُٹھاتا ہے، چلاتا ہے۔

رعد و دیگر ملائکہ کی مصروفیات

﴿وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ﴾ اور تسبیح پڑھتا ہے رعد علیہ السلام اس کی تعریف کے ساتھ۔ وہ تسبیح ہے ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ)) میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ چھ فرشتوں کے نام قرآن پاک میں آئے ہیں چار فرشتوں کے نام پہلے پارے میں آئے ہیں، جبرئیل، میکائیل، ہاروت، ماروت اور پانچواں یہ رعد علیہ السلام ہے بادلوں کو چلانے والا اور چھٹے فرشتے کا نام مالک علیہ السلام ہے جو جہنم کا انچارج ہے۔ اس کا ذکر سورۃ زخرف میں ﴿یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ﴾ جنت کے انچارج فرشتے کا نام رضوان ہے جس کا نام قرآن پاک میں نہیں ہے۔ تو رعد فرشتہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ حدیث پاک میں آتا ہے: ((اَفْضَلُ الْكَلَامِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ)). وظیفوں میں بہتر ورد ہے ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ)) یا ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ)).

باری تعالیٰ کی صفات مختصہ

دونوں جملے صحیح ہیں۔ آ جہ اس کی یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات دو قسم کی ہیں عدمی اور وجودی۔ عدمی کا مطلب

یہ ہے کہ وہ صفات اللہ تعالیٰ کی صفات کے منافی ہیں اور وجودی جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ثابت ہیں اور لائق ہیں۔ منافی مثلاً: اللہ تعالیٰ کی ماں نہیں ہے، والد نہیں ہے، بیٹا نہیں ہے، بیٹی نہیں ہے، بیوی نہیں، کھاتا نہیں، پیتا نہیں، سوتا نہیں، بیمار نہیں ہوتا، ہلاک نہیں ہوتا، اس کی ابتدا نہیں ہے، انتہا نہیں ہے۔ جب سبحان اللہ کہا تو ان سب کی نفی ہوگی۔ اور وہ صفات جو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں مثلاً: وہ عالم الغیب والشہادہ ہے وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، مختارکل ہے، دست گیر ہے، اولاد دینے والا ہے، لینے والا ہے، بیمار کرنے والا ہے، صحت دینے والا ہے، بادشاہ بنانے والا ہے، گداگر بنانے والا ہے۔ وبحمدہٖ کا جملہ ان سب صفات پر دلالت کرتا ہے۔ بخاری شریف کی آخری حدیث ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ))۔ دو کلمے اللہ تعالیٰ کو بڑے پیارے ہیں زبان پر بڑے ہلکے ہیں پڑھنے میں دقت نہیں ہوتی ترازو میں بھاری ہیں۔ قیامت والے دن جب ان کو ترازو میں تولا جائے گا تو بہت زیادہ وزن ہوگا۔ وہ کون سے کلمے ہیں؟ فرمایا: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور فرشتوں کی تسبیح اور خوراک بھی یہی ہے۔

﴿وَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ﴾ اور فرشتے بھی اس کے خوف سے۔ باقی فرشتے بھی یہی تسبیح کرتے ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں، معصوم ہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتے ہیں۔ ﴿وَ يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ﴾ اور چھوڑتا ہے کڑک کو صَوَاعِق صَاعِقَةٌ کی جمع ہے۔ وہ بجلی جو زمین پر گرتی ہے اس کو صاعقہ کہتے ہیں ﴿فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ﴾ پس پہنچاتا ہے اس کو جس کو چاہتا ہے ﴿وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ﴾ اور وہ جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں۔

ایک عبرت ناک واقعہ

عرب میں ایک شخص تھا زید ابن ربیعہ۔ بڑا مغرور، شرک سے بھرا ہوا مال دار آدمی تھا اور اس کی مجلس ہر وقت اوباش لوگوں سے بھری رہتی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ایک مبلغ اس کے پاس بھیجا۔ جب وہ پہنچا تو یہ ایک کھلی جگہ میں بیٹھا تھا مبلغ بھی سلام کرنے کے بعد بیٹھ گیا اور ساتھ والوں سے پوچھا کہ زید ابن ربیعہ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے بتلایا کہ یہ جو سامنے بیٹھا ہے یہ زید ابن ربیعہ ہے۔ مبلغ نے زید ابن ربیعہ کو مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے تاکہ میں تمھیں پیغام پہنچا دوں کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ ہے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر برحق ہیں، آسمانی کتابیں برحق ہیں، فرشتے برحق ہیں، تقدیر برحق ہے، مرنا برحق ہے، قیامت برحق ہے۔ اس نے مذاق کرنا شروع کر دیا۔ کہنے لگا اللہ کیا ہوتا ہے؟ سونے کا ہے، چاندی کا ہے، پیتل کا ہے، تانبے کا ہے، اس شیطان نے جب مذاق اُڑایا تو قدرتِ خداوندی کہ آسمان سے بجلی گری اور اس کی کھوپڑی اُتار کر پھینک دی۔ حالاں کہ اُس وقت آسمان بالکل صاف تھا۔

تو بجلیاں پہنچاتا ہے جس پر چاہتا ہے اور وہ جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ﴿وَ هُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ﴾

حالاں کہ وہ بہت سخت طاقت والا ہے۔ مَحَال میم کے فتح کے ساتھ ہوتو اس کا معنیٰ ہے ناممکن، کہ یہ چیز محال ہے، نہیں ہوسکتی اور اگر مِحَال میم کے کسرے کے ساتھ ہوتو اس کا معنیٰ قوۃ اور طاقت ہے۔﴿لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ﴾ اسی کے لیے ہے حق کی دعوت یعنی اسی کو پکارو﴿وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اور وہ لوگ جو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ورے ورے یعنی اس کے سوا دوسروں کو حاجت روا، مشکل کشا سمجھ کر ﴿لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ﴾ وہ نہیں قبول کر سکتے ان کی دعاؤں کو کچھ بھی، وہ ان کے کام نہیں آسکتے کیوں کہ ان کے پاس خدائی اختیارات نہیں ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خدائی اختیارات مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو یہ حاجت روا، مشکل کشا سمجھتے ہیں وہ ان کا کوئی کام نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے سمجھانے کے لیے فرمایا کہ یوں سمجھو﴿اِلَّا کَبَاسِطِ کَفَّیْهِ اِلَی الْمَآءِ﴾ مگر ایسے جیسے کوئی پھیلانے والا ہو اپنے دونوں ہاتھوں کو پانی کی طرف﴿لِیَبْلُغَ فَاهُ﴾ تاکہ وہ پانی پہنچ جائے اس کے منہ میں۔ ایک آدمی دریا یا نہر کے کنارے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھوں سے پانی کو کہتا ہے کہ تو میرے منہ میں آجا تو کیا اس طرح پانی اس کے منہ میں آجائے گا؟ سارا دن بھی کہتا رہے تو ایک قطرہ بھی اس کے منہ میں نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں﴿وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ﴾ اور نہیں ہے وہ پہنچنے والا اس تک۔ وہ اپنی رو میں بہتا ہے اور بہتا رہے گا کنوئیں میں ہے تو وہیں ٹکا رہے گا اسی طرح غیر اللہ سے مرادیں مانگنے والوں کا کچھ نہیں بنے گا﴿وَمَا دُعَآءُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ﴾ اور نہیں ہے کافروں کا پکارنا مگر گمراہی میں۔ اس میں اختلاف ہے کہ کافر کی دعا قبول ہوتی ہے یا نہیں۔

کافر کی دعا کی حقیقت

مفسرین کرام ﷭ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ کافر کی کوئی دعا قبول نہیں ہوتی چاہے اس کا تعلق دنیا کے ساتھ ہو یا آخرت کے ساتھ کہ اس کو عذاب سے نجات مل جائے۔ مفسرین کرام ﷭ کا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ جس دعا میں اس کے نجات پانے کا ذکر ہو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کا ذکر ہو وہ قبول نہیں ہوتی البتہ دنیوی سلسلے میں کوئی دعا قبول ہوتی ہو تو ہوسکتی ہے۔ یہ فرماتے ہیں کہ شیطان سے بڑا کافر کون ہے یہ وہ کافر اعظم ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا آدم علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی کرنے کا اور اس نے انکار کر دیا اس پر اس کو اللہ تعالیٰ نے ٹھکرا کر نکال دیا۔ شیطان نے مردود ہونے کے بعد کہا اے پروردگار! تو مجھے مہلت دے اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ تک یعنی دوبارہ قبروں سے اُٹھنے تک۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ تک تو نہیں یعنی نفخہ ثانیہ تک تو مہلت نہیں مل سکتی ہاں نفخہ اولیٰ تک تجھے مہلت ہے۔ یعنی جب اسرافیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے اور دنیا فنا ہوگی اس وقت تک تجھے مہلت ہے۔ تو شیطان ہزار ہا سال سے زندہ چلا آرہا ہے جب ساری کائنات ختم ہو جائے گی عام فرشتے بھی نہیں رہیں گے پھر ابلیس لعین مرے گا۔ تو اس نے دعا کی تھی رب نے قبول کی۔ تو ایسی دعا کہ جس کا تعلق ذات کے ساتھ ہو دنیا میں قبول ہوسکتی ہے لیکن جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے تقرب اور نجاتِ اُخروی کے ساتھ ہو کہ دوزخ سے نجات مل جائے اور جنت میں چلا جائے قبول

نہیں ہوتی۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرتی ہے وہ مخلوق جو آسمانوں میں اور زمینوں میں ہے۔ فرشتے آسمانوں میں بھی ہیں اور زمین میں بھی ہیں اور زمین میں انسان بھی ہیں، جنات بھی ہیں اور ان کے علاوہ بے شمار مخلوق ہے ﴿طَوْعًا وَّ كَرْهًا﴾ خوشی سے اور جبراً۔ ایسے بھی ہیں جو خوشی سے رب تعالیٰ کے سامنے جھکتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو قیدی ہیں مجبور ہو کر رب تعالیٰ کے سامنے جھکتے ہیں ﴿وَظِلٰلُهُمْ﴾۔ ظِلَالٌ ظِلٌّ کی جمع ہے بمعنی سایہ، اور ان کے سائے ﴿بِالْغُدُوِّ﴾ غُدُوّ، غُدْوَةٌ کی جمع ہے اس کا معنی ہے پہلا پہر ﴿وَالْاٰصَالِ﴾ اَصِيْلٌ کی جمع ہے، اصیل کا معنی ہے پچھلا پہر۔ معنی ہوگا اور ان کے سائے بھی پہلے پہر اور پچھلے پہر سجدہ کرتے ہیں۔

سجدۂ تلاوت کا حکم

یہ آیت سجدہ ہے اور قرآن پاک میں چودہ پندرہ آیتیں سجدے کی ہیں ان کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ جو پڑھے گا اس پر بھی سجدہ لازم ہوگا اور جو سنے گا اس پر بھی سجدہ لازم ہوگا۔ اب یہ آیت کریمہ میں نے تمھارے سامنے پڑھی ہے لہٰذا جتنے مرد عورتیں یہاں موجود ہیں ان پر سجدہ لازم ہوگیا۔ اس کو سجدہ تلاوت کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں سجدے کی چودہ، پندرہ آیتیں ہیں سجدہ تلاوت کے لیے وہ ساری شرائط ضروری ہیں جو نماز کے لیے ضروری ہیں، باوضو ہونا، کپڑوں کا پاک ہونا، جگہ کا پاک ہونا، نماز کا وقت ہونا۔ مطلب یہ کہ سورج کے طلوع ہونے کے وقت اور غروب ہونے کے وقت اور زوال کے وقت سجدہ نہیں کر سکتا۔ فجر کی نماز کے بعد سجدہ تلاوت کر سکتے ہیں کیوں کہ واجب ہے البتہ نفل نہیں پڑھ سکتے۔ اسی طرح عصر کی نماز کے بعد بھی سجدۂ تلاوت کر سکتے ہیں، جنازہ بھی پڑھ سکتے ہیں کیوں کہ جنازہ فرض کفایہ ہے قضا نماز بھی پڑھ سکتے ہیں نفلی نماز نہیں پڑھ سکتے۔ صبح صادق سے لے کر طلوعِ آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد سے لے کر غروبِ آفتاب تک قضا نمازیں، سجدہ تلاوت، جنازہ وغیرہ سب صحیح ہیں۔

سجدہ تلاوت ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ اکبر! کہہ کر سجدے میں چلا جائے، تین، پانچ، سات دفعہ تسبیحات پڑھے اور اللہ اکبر! کہہ کر سر اٹھالے۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔ اس میں نہ التحیات ہے اور نہ سلام پھیرنا ہے۔ اگر آیت سجدہ پڑھتے وقت کسی کو یاد نہ رہے یا اس وقت وضو نہ ہو تو بعد میں ادا کرلے یہ اس کے ذمہ لازم ہے۔

لفظِ رب کا مفہوم

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم ﷺ! آپ کہہ دیں، ان سے پوچھیں ﴿مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کون ہے تربیت کرنے والا آسمانوں کی اور زمین کی۔ رب کا معنی ہے تربیت کرنے والا، پالنے والا اور تربیت کے لیے بہت کچھ چاہیے، پانی چاہیے، ہوا چاہیے، لباس چاہیے اور بے شمار چیزیں تربیت کے لیے ہیں یہ تمام ضرورتیں کون پوری کرتا ہے اس مخلوق

کی جو آسمانوں میں ہے فرشتے یا اور جو بھی مخلوق ہے اور زمین میں جو مخلوق ہے ان کی تربیت کرنے والا پالنے والا کون ہے؟ ﴿قُلِ اللّٰهُ﴾ آپ خود کہہ دیں اللہ تعالیٰ ہی رب ہے۔ اگر کوئی شخص رب کے لفظ کا مفہوم ہی سمجھ لے تو شرک کے قریب نہیں جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پالنے والی جتنی چیزیں ہیں وہ تو ساری رب پیدا کرتا ہے اور کسی کے پاس کیا رکھا ہے تربیت کے لیے۔

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ﴾ کیا پس تم نے بنا لیے ہیں اللہ تعالیٰ سے نیچے اور کارساز، حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس، دست گیر ﴿لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ نہیں وہ مالک اپنے نفسوں کے لیے نفع کے اور نہ نقصان کے وہ تمھارا کیا کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے بڑھ کر خدا کی مخلوق میں نہ کوئی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔

قرآن پاک سورۃ جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان کروایا ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیں ﴿اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ "میں تمھارے لیے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔" اور سورۃ یونس آیت نمبر ۴۹ میں ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ "نہیں میں مالک اپنے نفس کے لیے نفع و نقصان کا مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے۔" تو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی نہ اپنے نفع، نقصان کی مالک ہے اور نہ کسی کے نفع نقصان کی مالک ہے اور جن کو حاجت روا مشکل کشا سمجھتے ہیں وہ بے چارے بھی اپنے نفع، نقصان کے مالک نہیں ہیں تو یہ ان کو خدا کی کرسی پر کیوں بٹھائے پھرتے ہیں۔

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هَلْ يَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ﴾ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہیں۔ اندھے سے مراد کافر مشرک نافرمان ہے اور آنکھ والے سے مراد مومن موحد ہے ﴿اَمْ هَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ﴾ کیا برابر ہیں اندھیرے اور روشنی، جس طرح اندھیرے اور روشنی کا فرق ہے اندھے اور بینے کا فرق ہے اسی طرح مومن اور کافر میں فرق ہے، موحد اور مشرک میں فرق ہے۔ ﴿اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ﴾ کیا ٹھہرائے ہیں، بنائے ہیں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے شریک ﴿خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ﴾ اُنھوں نے پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی مخلوق کی طرح۔ یہ جن کو شریک بناتے ہیں کیا اُنھوں نے کوئی چیز پیدا کی ہے ﴿فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ﴾ پس متشابہ ہوگئی ہے مخلوق ان پر کہ وہ بھی رب تعالیٰ کی طرح پیدا کرتے ہیں اور ان کو مشابہ لگ گیا ہے اور اُنھوں نے ان کو رب بنانا شروع کر دیا ہے حالاں کہ رب تعالیٰ کے بغیر کوئی کسی چیز کا خالق نہیں ہے۔ ﴿قُلْ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں ﴿اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ﴾ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے، وہی مالک ہے، وہی پروردگار ہے۔

شرک کی تردید:

اس رکوع کو اچھی طرح سمجھو اس میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی خوب تردید فرمائی ہے۔ امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث نقل فرمائی ہے کہ دو آدمی جا رہے تھے آگے ایک مقام پر مشرکوں نے اڈا بنایا ہوا تھا (موٹے تازے کھانے پینے والے ملنگ تھے)۔ جو وہاں جاتا اس کو کہتے یہاں کسی نہ کسی چیز کا چڑھاوا چڑھاؤ، مرغی ذبح کرو، بکری ذبح کرو، کوئی اور چیز ذبح کر کے

چڑھاوا چڑھاؤ ورنہ وہاں سے آگے نہیں جانے دیتے تھے۔ یہ دو موحد تھے جب یہ وہاں پہنچے تو ان کو بھی کہا کہ یہاں کسی نہ کسی چیز کا چڑھاوا چڑھاؤ ورنہ جانے نہیں دیں گے۔ اُنھوں نے کہا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے چڑھاوا جائز نہیں سمجھتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے پاس کچھ ہے بھی نہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے چھوڑنا نہیں ہے جب تک یہاں کسی نہ کسی چیز کا چڑھاوا نہیں چڑھاؤ گے۔ اُنھوں نے سوچا کہ روزانہ کتنی مکھیاں مرجاتی ہیں مار دیتے ہیں اور مسئلہ یہ ہے کہ جو کیڑے مکوڑے تکلیف دیں اور مکھیاں تکلیف دیں تو ان کا مارنا جائز ہے۔ ان میں سے ایک نے کہا چلو ایک مار کے یہاں چڑھاوا چڑھا دیتا ہوں۔ اس نے مکھی ماری چڑھاوا چڑھائی اس کو اُنھوں نے جانے کی اجازت دے دی وہ چلا گیا اور دوسرے نے کہا کہ میں تو غیر اللہ کے نام پر مکھی بھی چڑھاوا چڑھانے کے لیے تیار نہیں ہوں اس کو انھوں نے قتل کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مکھی چڑھاوا چڑھائی مرا سیدھا جہنم میں گیا اور جس کو اُنھوں نے قتل کیا وہ شہید ہوا سیدھا جنت میں گیا۔ تو فرمایا آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے ﴿وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ اور وہ اکیلا ہے اور سب کو دبا کر رکھنے والا ہے۔ رب تعالیٰ کے مقابلے میں کسی کا حکم نہیں چلتا وہی ہر چیز کا کرتا دھرتا ہے۔

﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اُتارا اس نے آسمان کی طرف سے پانی ﴿فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ﴾ پس بہہ پڑیں وادیاں (پس بہہ نکلے ندی نالے) ﴿بِقَدَرِهَا﴾ اپنے اپنے اندازے کے مطابق ﴿فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ﴾ پس اُٹھایا سیلاب نے ﴿زَبَدًا رَّابِيًا﴾ جھاگ پھولا ہوا ﴿وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ﴾ اور اس میں سے جس کو یہ گرم کرتے ہیں آگ میں ﴿ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ﴾ زیور کی تلاش کے لیے ﴿اَوْ مَتَاعٍ﴾ یا سامان ﴿زَبَدٌ مِّثْلُهٗ﴾ میل کچیل ہوتا ہے اسی طرح ﴿كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ﴾ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ حق اور باطل کو ﴿فَاَمَّا الزَّبَدُ﴾ پس بہرحال جو جھاگ ہے ﴿فَيَذْهَبُ جُفَآءً﴾ پس وہ چلا جاتا ہے خشک ہو کر ﴿وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ﴾ اور بہرحال وہ چیز جو نفع دیتی ہے لوگوں کو ﴿فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ﴾ پس وہ ٹھہر جاتی ہے زمین میں ﴿كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ﴾ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں ﴿لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى﴾ ان لوگوں کے لیے جنھوں نے اپنے رب کے حکم کو قبول کیا بھلائی ہے ﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور وہ لوگ ﴿لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ﴾ جنھوں نے رب کے حکم کو قبول نہیں کیا ﴿لَوْ اَنَّ لَهُمْ﴾ اگر بے شک ان کے لیے ہو ﴿مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ جو کچھ زمین میں ہے سارا ﴿وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ﴾ اور اس جیسا اس کے ساتھ اور بھی ہو ﴿لَافْتَدَوْا بِهٖ﴾ البتہ وہ فدیہ دے دیں اس کے ساتھ ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ﴾ وہ لوگ ہیں جن کے لیے بُرا حساب ہے ﴿وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ﴾ اور ٹھکانا ان کا دوزخ ہے ﴿وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ اور بہت

ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

کفر کا عارضی غلبہ اس کے حق ہونے کی دلیل نہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب آدمیوں کو ایک جیسی سمجھ، عقل، شکل وصورت، قد وقامت، مال ودولت، عطا نہیں فرمائی بلکہ فرق رکھا ہے۔ ذہن کے اعتبار سے کچھ لوگ ذہین ہوتے ہیں کچھ متوسط درجے کے اور کچھ غبی کند ذہن ہوتے ہیں۔ کم فہم لوگ تمام چیزوں میں غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً: کبھی مسلمانوں کو شکست ہو جائے تو وہ شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کافر غالب آگئے کفر کا غلبہ ہو گیا ہے۔ حالاں کہ حق وباطل کی ٹکر میں کبھی حق غالب آتا ہے کبھی باطل غالب آجاتا ہے اور دنیا میں بکثرت ایسا ہوا ہے۔ دیکھو! غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو فتح ہوئی حالاں کہ تین سو تیرہ آدمی، آٹھ تلواریں، چھ زرہیں تھیں۔ آٹھ تلواروں کا ہزار تلوار کے ساتھ مقابلہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آٹھ تلواروں کو ہزار پر غلبہ عطا فرمایا۔ اس کے بعد احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے آنحضرت ﷺ کا بھی ایک دانت مبارک شہید ہوا اور چہرۂ مبارک زخمی ہوا۔ آپ ﷺ کے محترم چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا، شکست ہوئی۔ تو دنیا میں فتح بھی ہوتی ہے شکست بھی ہوتی ہے۔ شکست کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ حق کے حق ہونے میں کوئی شک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مثال کے ذریعے سمجھایا ہے کہ حق حق ہوتا ہے اور باطل باطل ہوتا ہے۔

مثال یہ دی ہے کہ جب آسمان سے بارش ہوتی ہے تو ندی نالے چل پڑتے ہیں چھوٹے نالے میں تھوڑا پانی ہوتا ہے اور بڑے میں زیادہ بِقَدَرِهَا اپنے اپنے انداز کے ساتھ پانی چلتا ہے۔ جب زور کی بارش ہوتی ہے تو سیلاب آجاتا ہے اور سیلاب میں تنکے اور جھاگ پانی کے اُوپر ہوتے ہیں اور قیمتی چیزیں سونا، چاندی، تانبا وغیرہ پانی کے نیچے ہوتے ہیں۔ اب کوئی نادان یہ سمجھے کہ جھاگ پانی کے اوپر ہے لہٰذا یہ قیمتی چیز ہے اور یہ نیچے جو سونا، چاندی، تانبا، ہیرے وغیرہ ہیں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے تو ایسا سمجھنا اس کی غلطی ہوگی۔ کافروں کے غلبے کو ایسے سمجھو جیسے جھاگ کہ وہ عارضی طور پر اُوپر آتا ہے اور تھوڑی دیر بعد ختم ہو جاتا ہے اور حق کو اس طرح سمجھو جیسے پانی کے نیچے سونا، چاندی وغیرہ قیمتی چیزیں ہیں۔ ان کا پانی کے نیچے رہنا ان کی قدر کو کم نہیں کرتا اور جھاگ کا پانی کے اوپر ہونا اس کی قدر کو بڑھاتا نہیں ہے وہ حق ہے یہ باطل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً﴾ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا، اُتارا آسمان کی طرف سے پانی ﴿فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ﴾۔ أَوْدِيَه وادی کی جمع ہے۔ وادی کا معنیٰ ہے نالہ۔ معنیٰ ہوگا پس بہہ پڑے نالے ﴿بِقَدَرِهَا﴾ اپنے اپنے اندازے کے مطابق ﴿فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا﴾ پس اُٹھایا سیلاب نے جھاگ پھولا ہوا پانی کی سطح پر ابھرا ہوا ﴿وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ﴾ اور اس میں سے جس کو یہ گرم کرتے ہیں آگ میں ﴿ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ﴾ زیور کی تلاش کے لیے زیور بنانے کے لیے ﴿أَوْ مَتَاعٍ﴾ یا سامان بنانے کے لیے ﴿زَبَدٌ مِثْلُهُ﴾ میل کچیل ہوتا ہے۔ اسی طرح، سونے، چاندی، تانبے وغیرہ کے ساتھ بھی

میل کچیل ہوتا ہے ان کو جب کٹھالی میں ڈال کر گرم کرتے ہیں تو میل کچیل دور ہو جاتا ہے ﴿ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ﴾ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ حق اور باطل کو۔

حق کی مثال ایسے ہی ہے جیسے پانی کے نیچے سونا، چاندی، تانبا ہیرے، موتی وغیرہ اور باطل کی مثال ایسے ہی ہے جیسے پانی کے اوپر جھاگ، تو جھاگ کے اوپر چھا جانے کی وجہ سے اس کی کوئی قیمت تو نہیں بن جاتی اور سونے چاندی وغیرہ کے نیچے رہنے کی وجہ سے ان کی قدر میں کمی نہیں آتی۔ ﴿ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ﴾ پس بہرحال جو جھاگ ہے وہ چلا جاتا ہے خشک ہو کر، جھاگ تھوڑا وقت رہتا ہے پھر ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کافروں کا عارضی غلبہ بھی جھاگ کی طرح ہے عارضی غلبہ کی وجہ سے ان کو حق پر نہ سمجھو۔ ﴿ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ ﴾ اور بہرحال وہ چیز جو لوگوں کو فائدہ دیتی ہے سونا چاندی وغیرہ ﴿ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ﴾ پس وہ ٹھہر جاتی ہے زمین میں ﴿ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴾ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں تاکہ تم مثالوں کے ذریعے سمجھو کہ عارضی غلبہ کی وجہ سے کافر مسلمانوں کو مٹا نہیں سکتے۔

حق کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں مٹا سکتی

دنیائے کفر نے کئی بار کوشش کی ہے حق کو مٹانے کی مگر نہیں مٹا سکے اور نہ مٹا سکیں گے۔ کیوں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے پروردگار سے تین چیزیں مانگی تھیں ان میں سے دو چیزیں تو مجھے عطا فرما دی گئیں اور ایک چیز سے منع کر دیا گیا۔ ایک چیز کی درخواست میں نے یہ کی تھی کہ میری اُمت کو قحط عام میں ہلاک نہ کیا جائے یہ درخواست قبول فرمائی گئی۔ دوسری درخواست میں نے یہ کی تھی کہ میری اُمت کو پانی میں غرق کر کے ہلاک نہ کیا جائے اور میری یہ درخواست بھی قبول فرمائی گئی۔ تیسری درخواست یہ تھی کہ میری اُمت کے لوگ آپس میں دست وگریباں نہ ہوں لیکن میری یہ درخواست قبول نہیں ہوئی۔ (رواہ مسلم)

جس جگہ آپ نے یہ تین دعائیں کی تھیں وہاں مسجد تعمیر کی گئی ہے جس کا نام مسجد اجابہ ہے۔ یہ مسجد نبوی سے شمال مغرب کی طرف چھوٹی سی مسجد ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے لوگوں نے پوچھا حضرت! مسلمانوں پر کوئی ایسا عذاب بھی آسکتا ہے جس میں سارے مسلمان تباہ ہو جائیں، اُمت من حیث الامت تباہ ہو جائے؟ فرمایا نہیں! میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے ایسا کوئی آسمانی عذاب نہیں آئے گا جس سے ساری کی ساری اُمت تباہ ہو جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ساری دنیا کے کافر اکٹھے ہو کر مسلمانوں کے وجود کو ختم کرنا چاہیں تو ختم نہیں کر سکتے۔ لہٰذا سب کے سب کافر مل کر بھی زور لگائیں تو مسلمانوں کو ختم نہیں کر سکتے۔

صلیبی جنگیں تاریخ کا اہم موضوع ہیں جس میں ان تمام کافروں، برطانیہ، بیلجیئم، ڈنمارک، پولینڈ، ہالینڈ وغیرہ تمام خبیثوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ ہم نے مسلمانوں کو ختم کرنا ہے۔ اس زمانے میں اُنھوں نے مسجد اقصیٰ پر قبضہ بھی کیا لیکن مسلمان مسلمان ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکوبی کے لیے سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ جیسے آدمی کو ان کے مقابلے

کے لیے کھڑا کیا اور علامہ بلقینی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عالم کو کھڑا کیا۔ اُنھوں نے کفر کا مقابلہ کیا اور ان کے دانت کھٹے کر دیے اور صلیب کے نام پر جو کافر اکٹھے ہوئے تھے ان کی طاقت کو رب تعالیٰ نے ختم کیا، یہ تباہ و برباد ہوئے اور ذلیل ہو کر واپس گئے۔ آج بھی دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ جیسا کوئی آدمی ہمیں عطا کرے۔ پروردگار! الپ ارسلان سلجوقی رحمۃ اللہ علیہ جیسا آدمی دے، پروردگار! سلطان بایزید یلدرم ترکی رحمۃ اللہ علیہ جیسا کوئی بندہ دے، سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ جیسا کوئی بندہ ہمیں دے۔ ان جیسا کوئی ایک ہی بندہ آ جائے تو ان شاء اللہ انقلاب آ جائے گا مگر ہمارے پاس کیرل لنگو آتے ہیں اپنا مطلب نکالنے اور دولت جمع کرنے کے لیے۔ یہ لوگوں کا خون چوسنے والی جونکیں ہیں۔ لیکن اسلام اللہ تعالیٰ کا حق مذہب ہے سچا مذہب ہے اس کو دنیا کی کوئی طاقت، کوئی قوت نہیں مٹا سکتی۔

ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ انگریز کے اقتدار میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا ایک جگہ غروب ہوا تو دوسری جگہ طلوع ہوا ساری دنیا پر چھایا ہوا تھا۔ برطانیہ کے وزیر اعظم گلیڈ سٹون نے دار العوام میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے پاس اتنی قوت ہے کہ اگر ہم پر آسمان بھی گرنا چاہے تو اسے ہم سنگینوں کی نوکوں پر تھام لیں گے۔ لیکن وہ اسلام اور مسلمانوں کو ختم نہ کر سکے بلکہ خود سمٹ کر ایک جزیرے میں رہ گئے اور اس وقت تو الحمد للہ! جرمنی میں، انگلینڈ میں، امریکہ اور فرانس وغیرہ ہر ملک میں مسلمان روز بروز بڑھ رہے ہیں اور مسلمانوں کی اس افرادی قوت سے امریکہ اور فرانس جیسی خبیث قوتیں بھی گھبرا رہی ہیں۔

اگر کسی ایک ملک میں بھی اسلامی قانون صحیح معنیٰ میں نافذ ہو جائے جیسے افغانستان میں طالبان کے علاقہ میں ہے تو پھر ہماری طرف نگاہ اٹھا کر کوئی نہیں دیکھے گا۔ عدل و انصاف ہوگا، اَمن و آشتی ہوگی لوگ ہم سے مطالبہ کریں گے کہ اس طرح کا امن اور انصاف ہمیں بھی دو لیکن اس سے کفریہ طاقتیں گھبرائی ہوئی ہیں اور مختلف ملکوں میں مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ روس میں، چیچنیا میں، فلپائن میں، اوپیٹریا میں، کشمیر میں، فلسطین میں، کوسووو میں مسلمانوں پر ظلم ڈھائے جا رہے ہیں اور مسلمان بادشاہ گونگے بنے ہوئے ہیں کوئی ان کے حق میں آواز بلند کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ کم از کم اتنا ہی کہیں کہ ظلم بند کرو۔ آج ان علاقوں میں مسلمان مظلوم ہیں۔ اللہ کرے کہ ہم صحیح معنیٰ میں مسلمان بن جائیں اور اللہ تعالیٰ کی نصرت آ جائے۔

بہر حال اسلام اور مسلمان دنیا سے مٹ نہیں سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت میں ایک گروہ حق پر ڈٹا رہے گا قیامت کے آنے تک لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ وَ لَا مَنْ خَذَلَهُمْ وَ لَا مَنْ نَاوَهُمْ "نہیں نقصان پہنچا سکے گا ان کو وہ جو ان کی مخالفت کرے گا اور نہ وہ جو ان کو رسوا کرنے کی کوشش کرے گا اور نہ وہ جو ان کا مقابلہ کرے گا۔" تو حدیث پاک میں تین لفظ آئے ہیں خَالَفَهُمْ جو ان کی مخالفت کرے گا مَنْ خَذَلَهُمْ کا مطلب یہ ہے کہ اس طبقے کے ساتھ وقتی طور پر ملنے کے بعد الگ ہو جائیں، نصلی بٹیرے۔ تو ان کا جدا ہونا بھی ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا کیوں کہ وہ اسلام کے ساتھ بڑے مخلص ہوں گے، وفادار ہوں گے اور نَاوَهُمْ کا مطلب یہ ہے کہ اندرونی طور پر ان کے خلاف سازشیں کرنا۔ تو اندرونی طور پر ان کے خلاف سازشیں کرنے والے بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

اب یہ امریکہ پریشان ہے کہ پاکستان میں چھ لاکھ کے قریب طلبہ دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور اکثر مجاہد قسم کے ہیں۔ بنی بنائی چھ لاکھ کی فوج کوئی معمولی نہیں ہوتی۔ بھٹو صاحب نے مدارس پر پابندی لگانے کی کوشش کی نواز شریف کے ان سے الگ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مظلوموں کی دعا قبول فرمائی ان کے آدمی میرے پاس بھی آئے اور کہنے لگے تمھارے پاس کتنے مدرس ہیں اور کتنے طلبہ ہیں؟ تمھارا نظم کیا ہے، تمھیں پیسے کہاں سے ملتے ہیں؟ دیگر تمام مدارس کے بھی کوائف اُنھوں نے اکٹھے کیے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سرکاری طور پر ان پر پابندی لگائی جائے اور کوئی مدرسہ نہ چل سکے۔ مگر ان کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا اور مدرسے چلتے رہے اور ان شاء اللہ چلتے رہیں گے۔ حق حق ہے اور باطل باطل ہے۔

پھر ضیاء الحق کے دور میں زکوٰۃ پر قبضہ ہوا کہ زکوٰۃ حکومت خود وصول کرے گی اور عشر بھی حکومت وصول کرے گی اور کر رہی ہے۔ ان کے ابو امریکہ کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح مدارس بند ہو جائیں گے کیوں کہ مدارس زکوٰۃ پر چلتے ہیں۔ الحمد للہ! حکومت کے اس اقدام کے باوجود مدارس پہلے سے زیادہ چل رہے ہیں۔ مدرسہ نصرت العلوم میں گزشتہ سال طلبہ اور طالبات کی تعداد تیرہ سو [۱۳۰۰] تھی اور ساٹھ [۶۰] سے زیادہ افراد کا عملہ ہے برائے نام میں بھی وہاں کا سربراہ ہوں۔ ہمارے پاس حکومت کے نمائندے آئے کہ تمھارے مدرسہ کے کافی اخراجات ہیں حکومت سے گرانٹ لے لو۔ تمھیں سالانہ تین لاکھ روپیہ ملے گا۔ ہم نے انکار کر دیا کہ ہمیں حکومت کی گرانٹ کی ضرورت نہیں ہے۔ اُنھوں نے ہمیں کافی ڈرایا، دھمکایا اور کہا کہ تمھیں گرانٹ لینا پڑے گی مگر ہم نہیں مانے۔ پھر صوبائی حکومت کے نمائندے آئے اور کہنے لگے کہ یہ امداد تمھیں لینی پڑے گی ورنہ ہم تمھیں قید کر دیں گے۔ ہم نے کہا کہ پہلے بھی کئی دفعہ قید کاٹی ہے اگر امداد نہ لینے کی وجہ سے کاٹنی پڑی تو یہ بھی کاٹ لیں گے لیکن گرانٹ نہیں لینی اور لی بھی نہیں۔ یہاں گکھڑ میں ہمارے مدرسہ کے صدر محترم نے غلطی سے چند ہزار لے لیے معلوم نہیں کہ وہ کتنے تھے مجھے معلوم ہوا تو میں ان کے پیچھے پڑ گیا کہ یہ تم نے کیوں لیے ہیں؟ کہنے لگے مجھے علم نہیں تھا اُنھوں نے دیے اور میں نے لے لیے۔ میں نے کہا کہ ہم نے حکومت سے امداد نہیں لینی۔ پھر اس کے بعد آج تک الحمد للہ! نہیں لیے اور تمھیں معلوم ہے کہ ہمارے ہاں تقریباً ستر کے قریب طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ تین چار مدرس ہیں ہمارے ہاں بیرونی بچے پڑھتے ہیں لڑکیوں کا مدرسہ بھی ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مدد ہے اور عالم اسباب میں تم دوستوں کا تعاون ہے۔

تو حق حق ہے اس کو کوئی مٹا نہیں سکتا چاہے جتنا کوئی زور لگائے۔ حق کو مٹانے والے خود مٹ جائیں گے۔ بہر حال ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مثال کے ذریعے یہ بات سمجھائی کہ اگر کسی وقت کفر کا غلبہ ہو جائے تو وہ ایسے ہی ہے جیسے سیلاب کے پانی کے اُوپر جھاگ ہوتا ہے حق نیچے آ گیا ہے تو حق حق ہی ہے جہاں رہے۔

مستحقین جنت کون لوگ ہیں؟

﴿لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى﴾ ان لوگوں کے لیے جنھوں نے اپنے رب کے حکم کو قبول کیا، مانا بھلائی ہے اور یہ معنی

بھی کرتے ہیں کہ ان کے لیے جنت ہوگی اور یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور تقرب ان کو حاصل ہوگا ﴿وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے رب تعالیٰ کے حکم کو نہیں مانا ﴿لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ اگر بے شک ان کے لیے ہو جو کچھ زمین میں ہے سارا۔ اس جگہ اجمال ہے اور سورۃ آل عمران آیت نمبر ۹۱ ﴿فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ﴾ "پس ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا ان میں سے کسی ایک سے سونے سے بھری ہوئی زمین اگرچہ اس کا وہ فدیہ دے دے۔" اندازہ لگاؤ سونے سے بھری ہوئی زمین یعنی مشرق سے لے کر مغرب تک، شمال سے لے کر جنوب تک، زمین کے فرش سے لے کر آسمان کی چھت تک سونا ہی سونا ہو تو اس کی کتنی مالیت ہوگی۔ اس وقت سونے کی مالیت پونے چھ ہزار ہے ۹۸۔۱۹۹۷ء میں (اور اب ۲۰۰۹ء میں ایک تولہ سونے کی قیمت تقریباً تیس ہزار ہے۔ مرتب) تو اتنا سونا اگر اس کے پاس ہو اور قیامت والے دن عذاب سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے دے دے تو چھٹکارا حاصل نہیں ہوگا۔ بلکہ فرمایا ﴿وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ﴾ اور اس جیسا اس کے ساتھ اور بھی ہو دے کر عذاب سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہے فرمایا ﴿لَافْتَدَوْا بِهٖ﴾ البتہ وہ فدیہ دے دے اس کے ساتھ تو قبول نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی

آج تو چھٹکارا بڑا آسان ہے صرف دل کو پھیرنا ہے، ارادہ کرنا ہے کہ ایمان لاتا ہوں شرک اور کفر کو چھوڑتا ہوں یہ ایسی مشکل بات تو نہیں ہے کہ انسان نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو کوئی ایسا حکم نہیں دیا جو انسان کی طاقت سے باہر ہو ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ "نہیں تکلیف دی اللہ تعالیٰ نے کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق۔" مثلاً: جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا بیٹھ کر پڑھ لے، غسل وضو نہیں کر سکتا تیمم کر کے پڑھ لے، بیٹھ کے بھی نہیں پڑھ سکتا اشارے کے ساتھ پڑھ لے۔ البتہ ہوش و حواس ہوتے ہوئے نماز معاف نہیں ہے صرف وہی نمازیں معاف ہوں گی کہ کوئی بیمار ہے کہ پانچ نمازوں کے اوقات گزر جائیں اور وہ بے ہوش رہے اس بے ہوشی کی نمازیں معاف ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا خطاب اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ نماز قائم کرو۔ ان لوگوں کو ہے جو باہوش ہوں اگر ہوش نہیں تو خطاب بھی نہیں۔

اور یاد رکھنا! اگر دن کی پانچ نمازوں میں سے ایک، دو، تین کے وقت ہوش ہے پھر بے ہوش ہو گیا ہے تو جن میں ہوش ہے ان کو قضا کرنا پڑے گا اور روزے کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ نہیں رکھ سکتا تو فدیہ دے۔ لیکن مسئلہ اچھی طرح سمجھ لیں یہ حکم اس بیمار کے لیے ہے کہ جس کو شفا کی اُمید نہ ہو اور اس بیماری میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو اور جو عارضی بیماریاں ہیں بخار وغیرہ تو ان میں صحت یاب ہونے کے بعد روزہ قضا کرنا ہے فدیہ نہیں ہے۔ عورتیں بھی مسئلہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہر بیماری میں فدیہ نہیں ہے۔ فدیہ اس بیماری میں ہے کہ طبی اور ڈاکٹری لحاظ سے روزہ رکھنا درست نہ ہو اور اس بیماری سے شفایاب ہونے کا امکان بھی نہ ہو۔

اور ہر ہر نماز کا فدیہ ہے اور ایک دن میں چھ نمازیں ہیں پانچ نمازیں اور چھٹا وتر ہے۔ کیوں کہ وتر واجب ہے اور واجب عملی طور پر فرض ہوتا ہے۔ اور فی نماز دو سیر گندم فدیہ ہے۔ تو ایک دن کی نمازوں کا کفارہ بارہ سیر گندم ہے اور روزے کا فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے دو وقت کا اور وہ اس جگہ کے حساب سے ہوگا جہاں وہ رہتے ہیں۔ مثلاً: یہاں گکھڑ میں ایک وقت کے کھانے پر جتنے پیسے خرچ ہوتے ہیں اور دوپہر کے کھانے پر کتنے پیسے خرچ ہوتے ہیں۔ چاہو تو مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلا دو یا اتنے پیسے دے دو۔ ایک مسکین کو تم نماز روزے کا اکٹھا فدیہ دے سکتے ہو لیکن مسکین وہ کہ اس کے لیے زکوۃ لینی جائز ہو عشر لینا جائز ہو۔

تو فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول نہیں کرتے اگر ان کے لیے ہو جائے جو کچھ زمین میں ہے اور اس جیسا اور بھی اور وہ اس کے ساتھ فدیہ دے دیں تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ﴾ وہ لوگ ہیں جن کے لیے برا حساب ہے ﴿وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ﴾ اور ٹھکانا ان کا دوزخ ہے جس کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے بچائے اور محفوظ رکھے ﴿وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ اور بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ اُمت کی تعلیم کی خاطر اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ پڑھتے تھے۔ اے پروردگار! دوزخ کے عذاب سے بچا، اپنی گرفت سے بچا، گناہوں سے بچا۔

﴿اَفَمَنْ يَّعْلَمُ﴾ کیا پس وہ شخص جو جانتا ہے ﴿اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ بے شک وہ چیز جو اتاری گئی ہے آپ کی طرف ﴿مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ﴾ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے ﴿كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى﴾ وہ اس شخص کی طرح ہے جو اندھا ہے ﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ پختہ بات ہے نصیحت پکڑتے ہیں عقل مند لوگ ﴿الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ﴾ عقل مند وہ لوگ ہیں جو پورا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عہد کو ﴿وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ﴾ اور نہیں توڑتے وہ اللہ تعالیٰ کے عہد کو ﴿وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں ﴿مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ﴾ اس چیز کو کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کے بارے میں ﴿اَنْ يُّوْصَلَ﴾ کہ اس کو ملایا جائے ﴿وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ﴾ اور وہ ڈرتے ہیں اپنے رب سے ﴿وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ﴾ اور خوف کرتے ہیں بُرے حساب سے ﴿وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ﴾ اور وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے ﴿وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم کرتے ہیں نماز کو ﴿وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ﴾ اور خرچ کرتے ہیں اس میں سے جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے ﴿سِرًّا وَّعَلَانِيَةً﴾ مخفی بھی اور ظاہر بھی ﴿وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ﴾ اور وہ ٹالتے ہیں بھلائی کے ساتھ برائی کو ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ﴾ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت کا گھر ہے ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ﴾ رہنے کے باغ ہیں ﴿يَّدْخُلُوْنَهَا﴾ داخل ہوں گے ان میں ﴿وَ

﴿مَنْ صَلَحَ﴾ اور وہ بھی داخل ہوں گے جو نیک ہیں ﴿مِنْ اٰبَآئِهِمْ﴾ ان کے آباؤ اجداد میں سے ﴿وَ اَزْوَاجِهِمْ﴾ اور ان کی بیویوں میں سے ﴿وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ﴾ اور ان کی اولادوں میں سے ﴿وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ﴾ اور فرشتے داخل ہوں گے ان پر ﴿مِّنْ كُلِّ بَابٍ﴾ ہر دروازے سے ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ﴾ کہیں گے سلام ہو تم پر ﴿بِمَا صَبَرْتُمْ﴾ اس وجہ سے کہ تم نے صبر کیا ﴿فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ پس کیا اچھا ہے آخرت کا گھر۔

اس سے قبل دو گروہوں کا ذکر تھا ایک وہ جو رب تعالیٰ کا حکم ماننے والے ہیں اور دوسرے وہ جو رب تعالیٰ کے حکم کو نہیں مانتے اور دونوں کی جزا کا بھی ذکر فرمایا کہ جو ماننے والے ہیں ان کے لیے حُسنیٰ، بھلائی ہے اور جو نہیں مانتے وہ دوزخ سے نہیں بچ سکتے چاہے ساری دنیا سونے کی بھری ہوئی اور اتنی اور بھی ساتھ ہو اور فدیہ دے دیں تو فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اسی سلسلے میں آگے دو آدمیوں کا ذکر ہے۔ ایک ابوجہل اور دوسرے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ۔

ان آیات کا شانِ نزول یہ بتلاتے ہیں کہ ایک دن ابوجہل جو بڑا بے لحاظ اور منہ پھٹ آدمی تھا اس کا نام عمرو ابن ہشام تھا اور ابو الحکم اس کی کنیت تھی۔ ابو الحکم کا معنیٰ ہے چیئرمین۔ یہ مکہ مکرمہ کا چیئرمین تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی بڑی گالیاں دیں ایک لونڈی سن رہی تھی مگر عورت ذات اور لونڈی تھی دل میں کڑھتی رہی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی شریف ذات کو بُرا بھلا کہنا گالیاں دینا بری بات ہے۔ اس دن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شکار کے لیے دور گئے ہوئے تھے واپس آئے تو یہ لونڈی راستے میں کھڑی تھی دیکھا کہ انہوں نے اپنی پیٹھ پر شکار کا تھیلا ڈالا ہوا ہے جس میں خرگوش، کبوتر وغیرہ پرندے ہیں اور ہاتھ میں کمان ہے۔ قریب آئے تو اس لونڈی نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہ کوئی آدمی تو نہیں دیکھ رہا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، وہ باندی کہنے لگی چچا جان! میرا نام نہ لینا میں نے تمھارے ساتھ ایک بات کرنی ہے وہ یہ کہ ابوالحکم ابوجہل نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بڑی بڑی گالیاں دی ہیں ایسی کہ میں کہہ نہیں سکتی پھر کچھ سنا بھی دیں مگر وہ ایسے الفاظ ہیں کہ مسلمان ان کو اپنی زبان پر نہیں لاسکتا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بڑا غصہ آیا ابوجہل کی تلاش میں چل پڑے۔ ابوجہل ننگے سر گوٹھ مار کر (بڑی شان کے ساتھ) اپنی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور اپنے دوستوں کے ساتھ گپیں مار رہا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کمان کے کنارے سے اس کے سر پر چند ضربیں زور زور سے لگائیں کہ وہ زخمی ہو گیا۔ شور پڑ گیا لوگوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ تمھارا دماغ تو نہیں پھر گیا سردار کو مارا ہے۔ فرمایا میں اس کی سرداری نکالتا ہوں اس نے میرے بھتیجے کو گالیاں دی ہیں یہ ہوتا کون ہے گالیاں نکالنے والا۔ انھوں نے کہا کہ تم تو ہمارے عقیدے کے آدمی ہو اور اپنے عقیدے کے آدمی کو زخمی کر دیا ہے۔ فرمایا پہلے تھا اب نہیں ہوں۔ وہاں سے سیدھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور کلمہ پڑھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور مسلمان ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَفَمَنْ يَّعْلَمُ﴾ کیا پس وہ شخص جانتا ہے۔ مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ شخص سے مراد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور اس صفت کے جو لوگ بھی قیامت تک پیدا ہوں گے وہ اس میں داخل ہیں کہ کیا پس وہ شخص جو جانتا ہے

﴿اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ﴾ بے شک وہ چیز جو اتاری گئی ہے آپ کی طرف قرآن اور حدیث وحی آپ کے رب کی طرف یہ شخص جو جانتا ہے حق ہے ﴿كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى﴾ اس شخص کی طرح ہے جو اندھا ہے دل کا ابوجہل وغیرہ۔ تو جس طرح بینا اور نابینا میں فرق ہے اسی طرح مومن اور کافر میں فرق ہے۔ ایک وہ ہے کہ جس نے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں اور کہتا ہے کہ مجھے کچھ نظر نہیں آتا۔ شاعر کہتا ہے ۔

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے
بھلا اس میں قصور کیا ہے آفتاب کا

دن چڑھا ہوا ہو اور مطلع بھی صاف ہو اور کوئی آدمی آنکھیں بند کر کے کہے کہ مجھے سورج دکھاؤ کہاں ہے تو اس کو کون دکھائے گا۔ بھئی! آنکھیں کھولے گا تو سورج نظر آئے گا۔ تو جو شخص حق کی تلاش ہی میں نہیں ہے تو اس کو حق کہاں سے نصیب ہوگا؟ جس میں طلب ہوگی اس کو ضرور حق نصیب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بڑا بے پرواہ ہے جبراً ہدایت کسی کو نہیں دیتا۔

﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ پختہ بات ہے نصیحت پکڑتے ہیں عقل مند لوگ۔ لفظ اُولُوا، ذُوْ کی جمع ہے اور الباب لُبّ کی جمع ہے لب کا معنیٰ عقل ہے۔ تو ﴿اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ کا معنیٰ ہے عقل والے۔ تو عقل مند کون ہیں اللہ تعالیٰ عقل مند کن لوگوں کو کہتے ہے اور آج دنیا تو عقل مند ان کو کہتی ہے جنھوں نے راکٹ تیار کیے، میزائل تیار کیے، جہاز تیار کیے، چاند تک پہنچے، زہرہ تک جانے کا ارادہ رکھتے ہیں، کلاشنکوف ایجاد کی ہے اور دیگر مہلک ہتھیار تیار کیے ہیں دنیا کی تباہی کا سامان تیار کیا ہے۔ کلاشنکوف کا موجد میخائیل کلاشنکوف ابھی تک زندہ ہے اس وقت اس کی عمر ۸۰ سال ہے۔ اخبارات میں اس کا بیان چھپا ہے وہ اپنی اس ایجاد پر سخت پشیمان ہے کہ میں نے ایسی چیز ایجاد کی کہ جس میں لوگوں کی تباہی اور بربادی ہے۔ کاش! کہ میں کوئی ایسا کام کرتا جس سے لوگوں کو فائدہ ہوتا۔ تو ایسے لوگوں کو دنیا عقل مند کہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کن لوگوں کو عقل مند کہا ہے؟ اور قرآن پاک کی اصطلاح میں عقل مند کون ہیں؟ اس کو اچھی طرح سمجھو۔

عقل مندوں کے اوصاف

یہ اللہ تعالیٰ نے عقل مندوں کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ فرمایا ﴿الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ﴾ عقل مند وہ لوگ ہیں جو پورا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عہد کو، اللہ تعالیٰ کا وعدہ کیا ہے؟ ابھی لوگ اس جہان میں نہیں آئے تھے بلکہ عالم ارواح اور عالم میثاق میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو ادراک و شعور عطا فرمایا پھر پوچھا ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں ﴿قَالُوْا بَلٰى﴾ "سب نے کہا ہاں آپ ہمارے رب ہیں۔" یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے وادی مُعَرَّةُ النُّعْمَان جو عرفات کے میدان میں ہے وہاں لیا تھا۔ تو عقل مند وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اس عہد کو پورا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو رب نہیں بناتے پھر جب کلمہ پڑھتے ہیں اور ایمان مجمل اور ایمان مفصل کا اقرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ میں نے

رب تعالیٰ کے سارے احکام قبول کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار، آنحضرت ﷺ کی رسالت کا اقرار یہ تمام چیزیں اس عہد میں داخل ہیں۔

دوسری صفت: ﴿وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ﴾ اور نہیں توڑتے وہ اللہ تعالیٰ کے عہد کو۔ اسی طرح نیک بندوں کے ساتھ جو جائز معاہدے کرتے ہیں اس کو بھی نہیں توڑتے بلکہ پورا کرتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص وعدہ کر کے پورا نہیں کرتا وہ منافق ہے لہٰذا کسی کے ساتھ وعدہ نہ کرو اور کرنا ہے تو تب کرو کہ سمجھو کہ نبھا سکتے ہو۔ پھر دیانت داری کے ساتھ اس کو نبھانے کی کوشش کرو۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ منافق کی چار علامتیں ہیں۔

پہلی علامت: اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ تو جھوٹ بولنا منافق کی پہلی علامت ہے۔ دوسری علامت: اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے گی تو خیانت کرے گا۔ تیسری علامت: اِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ جب کسی کے ساتھ وعدہ کرے گا تو خلاف ورزی کرے گا۔ چوتھی علامت: اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ جب کسی کے ساتھ جھگڑا کرے گا تو فحش گوئی پر اتر آئے گا گالیاں نکالے گا۔ گالیوں میں تو ہم نے منافقوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے کہ ہم ہنسی خوشی میں بھی ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہیں۔ حالاں کہ گالی اتنی بُری چیز ہے کہ خدا پناہ! اللہ تعالیٰ کے فرشتے جو ہونٹ کے پاس ہوتے ہیں وہ دور بھاگ جاتے ہیں۔

عقل مندوں کی تیسری صفت: ﴿وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ﴾ اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں اس چیز کو کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کے بارے میں ﴿اَنْ يُّوْصَلَ﴾ کہ اس کو ملایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اپنا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑنے کا وہ جوڑتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے ساتھ جوڑنے کا، کتابوں کے ساتھ جوڑنے کا وہ جوڑتے ہیں آپس میں صلہ رحمی کرتے ہیں۔

چوتھی علامت: ﴿وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ﴾ اور وہ ڈرتے ہیں اپنے رب سے، رب تعالیٰ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نافرمانی، اس کی پکڑ، اس کی گرفت اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

عقل مندوں کی پانچویں صفت: ﴿وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ﴾ اور ڈرتے ہیں بُرے حساب سے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت میں انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے اور رب تعالیٰ ان سے نیکی بدی کے بارے میں پوچھیں گے۔ اگر اس وقت حساب میں کامیابی نہ ہوئی تو بہت برا نتیجہ ہوگا اس بات سے وہ ہر وقت خوف زدہ رہتے ہیں۔

چھٹی صفت: ﴿وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ﴾ اور وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے۔ وَجْه کا معنیٰ رضا ہے۔ نیکیوں پر ڈٹے رہتے ہیں اور برائیوں سے بچتے ہیں تکلیفوں پر صبر کرتے ہیں۔ مسئلہ سمجھ لیں کہ شرعی دائرے میں رہتے ہوئے تکلیف کے ازالے کی کوشش کرنا بیماری کے علاج کرنے کا حکم ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے بندو! جب بیمار ہو جاؤ تو علاج کرو اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی بیماری پیدا نہیں کی جس کا علاج نہ ہو۔ سوائے دو بیماریوں

کے ایک بڑھاپا اور دوسری موت، باقی ہر بیماری کا علاج ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حکیم، ڈاکٹر کی سمجھ میں نہ آئے، تشخیص نہ ہو سکے۔ ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا کہ حضرت! مجھے دم کر دیں۔ آپ ﷺ نے اس کو دم کیا اور فرمایا کہ فلاں حکیم کے پاس جا کر علاج کراؤ۔ تو دونوں طریقے بتلائے دم روحانی علاج ہے اور حکیم ڈاکٹر کے پاس جانا یہ جسمانی علاج ہے۔ اگر آپ ﷺ یہ نہ فرماتے تو ممکن ہے اس کا ذہن اس میں بند ہو جاتا کہ علاج صرف دم کرانا ہی ہے، دوا لینا بھی علاج ہے۔

آنحضرت ﷺ کے دور میں حارث ابن کلاہ (رضی اللہ عنہ) بڑا ماہر حکیم تھا۔ سرزمین عرب میں اس کی بڑی شہرت تھی۔ اس نے دو باتیں کہی ہیں وہ سب کو یاد رکھنی چاہئیں۔ فرماتے ہیں رَاْسُ الدَّاءِ الْبَطْنَةُ وَ رَاْسُ الدَّوَاءِ الْحِمْيَةُ "بیماریوں کی جڑ پیٹ بھر کر کھانا ہے اور اصل علاج پرہیز ہے۔" تو علاج کرانا نہ صبر کے خلاف ہے اور نہ توکل کے خلاف ہے۔ بلکہ جو شخص اس سلسلے میں اپنے اوپر خرچ کرے گا بیوی بچوں پر خرچ کرے گا، بہن بھائیوں میں سے کسی پر خرچ کرے گا یہ سمجھتے ہوئے کہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا ہے جو جتنے پیسے خرچ کرے گا ان کا اس کو ثواب ملے گا شفا ہو یا نہ ہو کہ شفا تو رب تعالیٰ کے پاس ہے بات نیت کی ہے نیت نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لیے جب بھی اپنا یا کسی کا علاج کراؤ تو یہ نیت کر لو کہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے اس لیے میں علاج کراتا ہوں۔

ساتویں صفت: ﴿وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم کرتے ہیں نماز کو۔ نماز وقت پر قاعدے کے مطابق پابندی کے ساتھ پڑھتے ہیں عقل مندوں کے مرد بھی اور عورتیں بھی۔ آٹھویں صفت: ﴿وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً﴾ اور خرچ کرتے ہیں اس میں سے جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے مخفی بھی اور ظاہری طور پر بھی۔ اگر کسی کی نیت صاف ہے ریا نہیں ہے اور کھلے طور پر صدقہ خیرات کرتا ہے تو یہ بھی جائز ہے اور مخفی طور پر دیتا ہے تو یہ بھی جائز ہے لیکن جہاں ریا کا شبہ ہو وہاں مخفی طور پر دینا ہی بہتر ہے ۔حدیث پاک میں آتا ہے سات قسم کے آدمی عرش کے سائے کے نیچے ہوں گے جب عرش کے سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہیں ہوگا۔ ان میں سے ایک شَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ اللهِ "وہ نوجوان ہوگا جس کی جوانی اللہ تعالیٰ کی بندگی میں گزری۔" جوانی میں عبادت کا بڑا ثواب ہے بوڑھا ہو کر بھی بندہ عبادت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کسی کی عبادت کو ضائع نہیں کرتا مگر عزیزو یاد رکھنا! جو ثواب جوانی کی عبادت کا ہے بڑھاپے کی عبادت کا وہ نہیں ہے۔ اور ایک وہ ہوگا جو دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے تو بائیں کو پتا نہیں چلتا۔ اتنے اخلاص کے ساتھ ریا سے بچتے ہوئے خرچ کرتا ہے۔ اور ان میں ایک وہ ہوگا قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسْجِدِ "جس کا دل مسجد کے ساتھ لٹکا ہوا ہے۔" ایک نماز پڑھی دوسری کی فکر ہے دوسری پڑھی تیسری کی فکر ہے تیسری پڑھی چوتھی کی فکر ہے۔ یہ لوگ اس دن عرش کے سائے تلے ہوں گے جب پچاس ہزار سال کا لمبا دن ہوگا اور سورج میل دو میل کی مسافت پر ہوگا لوگ پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے عرش کے سوا کوئی اور سایہ نہیں ہوگا۔

عقل مندوں کی نویں صفت: ﴿وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ﴾ اور وہ ٹالتے ہیں بھلائی کے ساتھ برائی کو اور یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً نیکی کرتے ہیں کیوں کہ نیکی کی برکت سے گناہ ختم ہو جاتے ہیں۔ تو نیکی

کے ساتھ برائی کو ٹال دیتے ہیں تو ان خوبیوں والے عقل مند ہیں۔

پھر نتیجہ کیا ہوگا ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ﴾ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت کا گھر ہے۔ وہ آخرت کا گھر کیا ہے؟ ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ﴾ رہنے کے باغات ہیں ہمیشگی کے باغات ہیں۔ دنیا کے باغوں میں موسم میں پھل لگتا ہے آگے پیچھے نہیں ہوتا جنت کے پھل ہمیشہ ہوں گے۔ ﴿لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ﴾ [سورۃ الواقعہ] "وہ کبھی ختم ہونے میں نہیں آئیں گے۔" ایک دانہ توڑا فوراً دوسرا لگ گیا اور کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہوگی دنیا والے کیوں روکتے ہیں اس لیے کہ یہ ان کی ضرورت ہے پیسے کم ہوتے ہیں اور وہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی۔

﴿يَّدْخُلُوْنَهَا﴾ یہ عقل مند ان میں داخل ہوں گے ﴿وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ﴾ اور وہ بھی داخل ہوں گے جو نیک ہیں ان کے باپ دادا میں سے، ان کی بیویوں میں سے اور ان کی اولادوں میں سے ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ﴾ اور فرشتے داخل ہوں گے ان پر کمروں میں ﴿مِّنْ كُلِّ بَابٍ﴾ ہر دروازے سے۔ چوں کہ بڑی بڑی (محل نما) کوٹھیاں ہوں گی ان کے مختلف دروازوں سے فرشتے داخل ہوں گے اور کہیں گے ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ﴾ سلام ہو تم پر اے اللہ کے نیک بندو! کیوں؟ ﴿بِمَا صَبَرْتُمْ﴾ اس وجہ سے کہ تم نے صبر کیا، دنیا میں تکلیفیں برداشت کیں، نمازوں پر ڈٹے رہے، روزوں پر ڈٹے رہے (پابندی کی)، گناہوں سے تم نے صبر کیا ﴿فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ پس کیا اچھا ہے آخرت کا گھر۔ یہ رب تعالیٰ نے تمھیں نصیب فرمایا ہے۔ یاد رکھنا! یہ عقل مندوں کی خوبیاں ہر ایک کو یاد ہونی چاہئیں۔ رب تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے۔ [آمین]

﴿وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ﴾ اور وہ لوگ جو توڑتے ہیں ﴿عَهْدَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے وعدے کو ﴿مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ﴾ بعد اس کے مضبوط کرنے کے ﴿وَيَقْطَعُوْنَ﴾ اور قطع کرتے ہیں ﴿مَآ اَمَرَ اللّٰهُ﴾ اس چیز کو کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ﴿بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ﴾ کہ اس کو جوڑا جائے ﴿وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ اور فساد مچاتے ہیں زمین میں ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ﴾ وہ لوگ ہیں ان کے لیے لعنت ہے ﴿وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ﴾ اور ان کے لیے برا گھر ہے ﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے ﴿وَيَقْدِرُ﴾ اور تنگ کرتا ہے ﴿وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ اور یہ لوگ خوش ہو گئے ہیں دنیا کی زندگی پر ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ اور نہیں ہے دنیا کی زندگی ﴿فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ﴾ آخرت کے مقابلے میں مگر تھوڑا سا سامان ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ﴾ کیوں نہیں اتاری گئی اس نبی پر کوئی نشانی ﴿مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ اس کے رب کی طرف سے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے ﴿وَيَهْدِيْٓ

﴿اِلَیْهِ مَنْ اَنَابَ﴾ اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع کرتا ہے ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَ تَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ﴾ اور مطمئن ہوئے ان کے دل ﴿بِذِكْرِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ﴾ خبردار! اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے ﴿تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ﴾ دل مطمئن ہوتے ہیں ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اُنھوں نے عمل کیے اچھے ﴿طُوْبٰى لَهُمْ﴾ ان کو مبارک ہو ﴿وَ حُسْنُ مَاٰبٍ﴾ اور اچھا ٹھکانا۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے عقل مندوں کے اوصاف بیان فرمائے ہیں کہ اُنھوں نے اپنے رب کے ساتھ ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى﴾ والا جو وعدہ کیا تھا اس کو نبھایا اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں، تکلیفوں پر صبر کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، برائی کو بھلائی کے ساتھ ٹالتے ہیں۔ اب ان کے مقابلے میں جو نافرمان ہیں ان کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ﴾ اور وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عہد کو، میثاق والے دن جو اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدہ کیا تھا ﴿بَلٰى﴾ کیوں نہیں آپ ہمارے رب ہیں اور دنیا میں آ کر انھوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور رب بنا لیے ہیں ﴿اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [التوبہ: ۳۱] "بنا لیا ہے انھوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو رب اللہ تعالیٰ کے سوا۔" اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے وعدے کو توڑ دیا۔ اسی طرح جب ایمان مفصل پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں وَقَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِهٖ "اور میں نے رب کے سارے احکام قبول کیے۔"

پھر رب کے احکام نہیں مانتے ان پر نہیں چلتے تو یہ کلمہ پڑھ کر اس وعدے کو توڑتے ہیں ﴿مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ﴾ اس کو پکا کرنے کے بعد ﴿وَ یَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ﴾ اور قطع کرتے ہیں توڑتے ہیں اس چیز کو کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کے بارے میں ﴿بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ﴾ کہ اس کو جوڑا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا رب کے ساتھ تعلق جوڑنے کا، پیغمبروں کے ساتھ تعلق جوڑنے کا وہ نہیں جوڑتے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس کی کتابوں کے ساتھ اسلام اور شریعت کے ساتھ تعلق جوڑو، وہ نہیں جوڑتے پھر اس نے آپس میں صلہ رحمی کا حکم دیا ہے وہ نہیں کرتے۔ غرض کہ ہر چیز میں مخالفت کرتے ﴿وَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ﴾ اور فساد مچاتے ہیں زمین میں۔

فساد فی الارض کی حقیقت ؟

یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں اور اس کو یاد رکھنا کہ فساد صرف لڑائی جھگڑے ہی کا نام نہیں ہے بلکہ دوسرے آدمی کے سکون میں خلل ڈالنے کا نام بھی فساد ہے اور شریعت اس کو پسند نہیں کرتی۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ علیہ کی مشہور تفسیر تفسیر مظہری اور دیگر کتابوں میں بھی ہے کہ اگر مسجد میں ایک شخص بھی نماز پڑھ رہا ہو تو بلند آواز سے قرآن شریف پڑھنا جائز

نہیں ہے کیوں کہ اس کی نماز میں خلل پیدا ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی سویا ہوا ہے تو بلند آواز سے ذکر کرنا جائز نہیں کہ اس کی نیند میں خلل پیدا ہوگا۔ تو یہ بھی فساد کی ایک قسم ہے۔ اور آٹھویں پارے میں تم پڑھ چکے ہو کہ ﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾ "پکارو اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور آہستہ بے شک وہ محبت نہیں کرتا تجاوز کرنے والوں کے ساتھ ﴿ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ﴾ اور فساد نہ مچاؤ زمین میں اصلاح کے بعد ﴿ وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ﴾ اور اسی کو پکارو ڈرتے ہوئے اور طمع کرتے ہوئے۔" تو اونچی آواز سے پکارنے اور ذکر کرنے کو بھی اللہ تعالیٰ نے فساد فی الارض میں داخل کیا ہے۔ اور یہ قرآن کا حکم ہے کہ فساد مچانے والے بڑے مجرم ہیں ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ ﴾ یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو توڑتے ہیں ان کے لیے لعنت ہے ﴿ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴾ اور ان کے لیے بُرا گھر ہے اور وہ دوزخ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان مرد، عورت کو دوزخ سے بچائے۔

اکلِ حرام سے نیکی متاثر ہوتی ہے ؟

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حلال حرام کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسان حلال حرام کی تمیز ختم کر دے اور چوری، ڈاکے، مکر وفریب شروع کر دے تو ایسے لوگوں کے قریب بھی نہ جانا۔

﴿ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ﴾ اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے بڑھاتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی تنگ کرتا ہے۔ جو کسی کے نصیب میں لکھا ہے وہ اس کو ملے گا لہٰذا حلال کماؤ حرام طریقے سے حاصل نہ کرو۔ کئی دفعہ تم سن چکے ہو ابوداؤد شریف صحاح ستہ کی مشہور کتاب ہے اس میں حدیث آتی ہے کہ اگر کسی شخص کے بدن پر کرتہ ہے جس کی مالیت دس روپے ہے اس میں نو روپے تو حلال ہیں اور ایک روپیہ حرام کا ہے جب تک اس نے وہ کرتہ پہنا ہوا ہے اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوگی اور حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت تفسیر ابن کثیر میں موجود ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک لقمہ حرام کا کوئی کھالے تو اس کی چالیس دن چالیس راتیں دعا قبول نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکلِ حرام کا بھی انسان کی نیکی پر بڑا اثر ہوتا ہے۔

- اور یاد رکھنا کہ حرام صرف وہی نہیں ہے جو چوری اور رشوت کے ذریعے آئے بلکہ اذان ہونے اور سننے کے بعد سودا خریدنا بیچنا حرام ہے، روزے کھا کر کمائی کرتا ہے وہ حلال نہیں ہے، ملازم آدمی اگر پوری ڈیوٹی نہیں دیتا ملازمت کا جو ٹائم ہے پورا نہیں دیتا اس کی کمائی بھی حلال کی نہیں ہے اور یہ تو نصِ قطعی سے ثابت ہے جمعہ کی اذان کے بعد بیچنا، کھانا اور چلنا اور ہر وہ کام جس کا تعلق جمعہ کے ساتھ نہیں ہے وہ مکروہ تحریمی ہے۔ حتیٰ کہ اگر جمعہ کی اذان کے بعد نکاح بھی ہو تو دوبارہ پڑھنا پڑھے گا۔ اسی حرام خوری کی وجہ سے ہماری نیکیوں کا ہم پر کوئی اثر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ حرام سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ تو رزق اللہ تعالیٰ ہی کشادہ کرتا ہے وہی تنگ کرتا ہے۔

وظیفہ دفع تنگی رزق:

بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ اگر کسی پر رزق کی تنگی ہو تو توجہ کے ساتھ ہر نماز کے بعد تین دفعہ یَا رَحِیْمُ، یَا کَرِیْمُ، یَا بَاسِطُ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی نہ کوئی سبیل پیدا فرمادے گا بشرطیکہ نہ نماز چھوٹے اور نہ وظیفہ چھوٹے اور اگر ساتھ یَا رَزَّاقُ بھی ملالے تو نُوْرٌ عَلٰی نُوْر ہو جائے گا یہ سب اللہ تعالیٰ کے پیارے نام ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ فَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ اور یہ لوگ خوش ہو گئے ہیں دنیا کی زندگی پر ﴿وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ﴾ اور نہیں ہے دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں مگر تھوڑا سا سامان۔ تھوڑا سا فائدہ ہے آخرت کی زندگی بڑی طویل ہے دنیا کی زندگی اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کی عمر چودہ سو سال تھی وفات کے وقت کسی نے ان سے پوچھا حضرت! دنیا میں بڑا عرصہ رہے ہو دنیا کو کیسے پایا ہے؟ فرمایا اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ایک گھر ہے اس کے دو دروازے ہیں ایک دروازے سے داخل ہوا ہوں اور دوسرے سے نکل گیا ہوں۔ یہ ہے دنیا کی زندگی کی حقیقت مگر ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ رب سے ہم نے پکا لکھوایا ہوا ہے۔ عزیزو! موت کو کبھی نہ بھولو موت کو ہر وقت پیش نظر رکھو۔ جو موت کو یاد رکھے گا وہ گناہوں سے بچے گا اور اس کو نیکی کی توفیق ہوگی۔

فرمائشی معجزے کا مطالبہ:

﴿وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ کیوں نہیں اتاری گئی اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی نشانی، معجزہ اس کے رب کی طرف سے یعنی ان کا منہ مانگا اور فرمائشی معجزہ کہ صفا مروہ پہاڑی سونے کی ہو جائے، یہاں باغ ہوں ان میں نہریں چلتی ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سونے کی کوٹھی (محل) ہو۔ ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے وَ يَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع کرتا ہے۔

ایک بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر ﴿يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ آتا ہے جس کا معنیٰ ہے گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ سطحی قسم کے لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ جب رب خود گمراہ کرتا ہے تو پھر اس میں ہمارا کیا دخل ہے اور ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ہمارے بس میں تو بات ہی کوئی نہیں ہے ہمارا کیا قصور ہے۔ لہٰذا اس آیت کو سامنے رکھو اور یاد رکھو ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿وَ يَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ﴾ اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف اس کو جس نے رجوع کیا۔ اور رجوع کس طرح ہوگا؟ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ وہ لوگ جو ایمان لائے خود اپنی مرضی اور اختیار کے ساتھ یہ رجوع کرتے ہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے۔

سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۶۴ میں ہے ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ "اور اللہ تعالیٰ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا جبراً" اور سورۃ الاحقاف آیت نمبر ۱۰ میں ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا جبراً" اور سورۃ الکہف میں ہے ﴿ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾ "پس جو چاہے ایمان لائے اپنی مرضی سے اور جو چاہے کفر اختیار کرے اپنی مرضی سے اپنے اختیار سے۔" اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو جنات میں سے اور انسانوں میں سے اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے نیکی اور بدی کر سکتے ہیں اور ہدایت اس کو دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس آیت کو سامنے رکھو کہ "اور گمراہ ان کو کرتا ہے جو غلط راستے پر چلتے ہیں۔"

سورۃ صف میں ہے ﴿ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ﴾ "پس جب انھوں نے کج روی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔" تو جبراً کسی کو گمراہ نہیں کرتا جب وہ اپنے لیے گمراہی پسند کرتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ان کو گمراہ کر دیتا ہے اور جو حق کی تلاش میں نکلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے دیتا ہے۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ [العنکبوت:۶۹] "اور وہ لوگ جو ہماری طرف آتے ہیں ہم ضرور ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔" اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ہے ﴿ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى ﴾ [النساء:۱۱۵] "ہم اس کو پھیر دیں گے اسی طرف جس طرف اس نے رخ کیا۔" تو جس طرف کوئی چلنا چاہے رب اس کو اس طرف چلا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ نیکی پر جبر کرتے ہیں نہ بدی پر جبر کرتے ہیں۔ عزیزو، برخوردارو اور میرے بیٹو! اس آیت کو اچھی طرح یاد رکھنا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ اور مطمئن ہوئے دل ان کے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴾ خبردار اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے دل مطمئن ہوتے ہیں دلوں کو اطمینان اللہ تعالیٰ کے ذکر کی برکت سے نصیب ہوتا ہے۔

قرآن پاک سے بڑا وظیفہ اور کوئی نہیں

قرآن پاک سے بڑا وظیفہ اور کوئی نہیں ہے پھر اس کے بعد درود شریف کثرت سے پڑھو اور سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ پڑھو، تیسرا کلمہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ اور استغفار کثرت سے پڑھو۔ تو جو بھی نیکی کرو گے اس کی برکت سے تمھارے دلوں کو اطمینان نصیب ہوگا۔

فرمایا ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ اور انھوں نے عمل کیے اچھے ﴿ طُوْبٰى لَهُمْ ﴾ ان کو مبارک ہو، طوبیٰ کا معنیٰ خوش حالی اور مبارک بادی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ اِلَى الْغُرَبَآءِ "اسلام کی ابتدا غریبوں میں ہوئی غریب لوگوں نے اسلام کی حمایت زیادہ کی ہے اور اسلام لوٹے گا اور رہے گا غریبوں میں فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَآءِ اے غریبو! میری طرف سے تمھیں مبارک ہو۔" غریبوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مبارک باد دی ہے اس لیے کہ ان کے دلوں میں ایمان ہے۔ اس وقت بھی جو امیر طبقہ ہے ان کو دین سے بہت کم نسبت ہے۔ ہزار میں سے ایک

شخص بھی دین دار ہوا میر لوگوں میں سے تو غنیمت ہے اور غریب اکثر دین دار ہیں الحمد للہ! ۔ لہٰذا اپنی غربت پر پریشان نہیں ہونا چاہیے غریبوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مبارک باد دی ہے ﴿وَحُسْنُ مَاٰبٍ﴾ اور اچھا ٹھکانا۔ مرنے کے بعد جنت میں جائیں گے جس سے بہتر جگہ تصور میں نہیں آسکتی۔

خرافات کی کوئی حقیقت نہیں

سوال: ایک آدمی نے سوال کیا کہ میاں محمد یوسف نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے دعوت کی تھی اور دعوت کے لیے بکری ذبح کی تھی ان کے بیٹوں نے جب بکری ذبح ہوتے دیکھی تو ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو ذبح کر دیا اور پھر اسی چھری سے اپنے آپ کو ذبح کر لیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ بچے کہاں ہیں؟ تو انھوں نے واقعہ سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مردہ بچوں کے پاس تشریف لے گئے اور کچھ پڑھا تو وہ دونوں بچے زندہ ہو گئے۔ آیا ایسا کوئی واقعہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے؟

جواب: ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے یہ نری خرافات ہیں اتنی بات صحیح ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی تھی اس دعوت میں ساڑھے تین سیر جو کا آٹا تھا اور چھوٹی سی ٹیڈی بکری تھی جو ایک ہزار آدمیوں نے کھائی تھی اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا کہ تھوڑا کھانا زیادہ ہوا۔ یہ بچوں کے ذبح کرنے اور مرنے کا واقعہ نری خرافات ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

﴿كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ﴾ اسی طرح بھیجا ہم نے آپ کو رسول بنا کر ایک امت میں ﴿قَدْ خَلَتْ﴾ تحقیق گزر چکی ہیں ﴿مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ﴾ اس سے پہلے بہت سی امتیں ﴿لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ﴾ تاکہ آپ تلاوت کریں ان پر ﴿الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ﴾ وہ کتاب جو ہم نے وحی کی ہے آپ کی طرف ﴿وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ﴾ اور وہ انکار کرتے ہیں رحمٰن کا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هُوَ رَبِّيْ﴾ وہ میرا رب ہے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں کوئی معبود اس کے سوا ﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ اسی پر میں نے توکل کیا ہے ﴿وَاِلَيْهِ مَتَابِ﴾ اور اسی کی طرف میرا رجوع کرنا ہے ﴿وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا﴾ اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا ﴿سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ﴾ جس کے ذریعے چلا دیے جاتے پہاڑ ﴿اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ﴾ یا ٹکڑے ٹکڑے کر دی جاتی اس کے ذریعے زمین ﴿اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى﴾ یا اس کے ذریعے مردوں سے کلام کیا جاتا ﴿بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے سارا معاملہ ﴿اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ کیا پس نہیں جانتے وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں ﴿اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ﴾ اس بات کو کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے ﴿لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ البتہ ہدایت دے دے سب لوگوں کو ﴿وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ جو کافر ہیں

﴿تُصِيبُهُمْ﴾ پہنچتی رہے گی ان کو ﴿بِمَا صَنَعُوا﴾ اس وجہ سے جو اُنھوں نے کیا ہے ﴿قَارِعَةٌ﴾ مصیبت ﴿أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّن دَارِهِمْ﴾ یا آپ اُتریں ان کے گھروں کے قریب ﴿حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ﴾ یہاں تک کہ آ جائے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں خلاف کرتا وعدے کے۔

اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت :

﴿كَذَٰلِكَ﴾ اسی طرح یعنی جس طرح ہم نے پہلی امتوں کی طرف ہدایت کے لیے پیغمبر بھیجے ہیں اسی طرح ﴿أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ﴾ بھیجا ہم نے آپ کو رسول بنا کر ایک امت میں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک بہت ساری اُمتیں گزری ہیں اور بہت سارے پیغمبر گزرے ہیں جن کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور انعام ہے کہ اس نے ہمیں تعداد معلوم کرنے اور جاننے کا پابند نہیں بنایا اگر ہمیں اس بات کا مکلف اور پابند بناتا تو ہمارے لیے بڑی مشکل تھی بس ہمارے ایمان کے لیے اتنی بات کافی ہے اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ "ایمان لایا میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔" پہلے پیغمبر آدم علیہ السلام ہیں اور آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے بعد دنیا میں کوئی پیغمبر پیدا نہیں ہو سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیاء ہیں، سید الکائنات ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تمام پیغمبروں میں بلند ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا درجہ بھی بلند ہے۔ سب سے پہلے جنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قدم رکھیں گے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ پھر علی رضی اللہ عنہ اور قیامت والے دن حساب بھی سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا ہوگا۔ حالاں کہ قاعدے کے مطابق اس اُمت کا حساب آخر میں ہونا چاہیے تھا کیوں کہ یہ اُمت آخر میں آئی ہے۔

اس اُمت کو اللہ تعالیٰ نے کتنی شان اور عظمت عطا فرمائی ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی اے پروردگار! تو نے مجھے نبوت و رسالت عطا فرمائی مجھے انجیل عطا کی یہ آپ کا میرے اوپر بڑا فضل و کرم اور انعام ہے آپ کی نوازش ہے میں نے آنے والی اُمت کی فضیلت دیکھی اور پڑھی ہے اے پروردگار! مجھے اس اُمت میں سے بھی کھڑا کر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر زندہ رکھا ہوا ہے وہ اس اُمت میں آ کر چالیس سال حکومت کریں گے ہماری طرح پانچ نمازیں پڑھیں گے حالاں کہ بنی اسرائیل پر دو نمازیں تھیں۔ اور انتیس، تیس روزے رکھیں گے جو رمضان کے ہیں، قرآن و حدیث اور اسلام کے مطابق فیصلے کریں گے اور جن جن علاقوں پر ان کا کنٹرول ہوگا ان علاقوں میں کافروں کا نام و نشان مٹ جائے گا صرف اسلام ہی اسلام ہوگا۔ لوگوں کے درمیان آپس میں اتنی اُلفت اور محبت ہوگی کہ جس کا کوئی حساب ہی نہیں ہے۔ انسان تو انسان حیوان ایک دوسرے کو نہیں چھیڑیں گے۔

حدیث میں آتا ہے کہ بکریاں بھیڑیوں میں چرتی رہیں گی نہ بکریاں بھیڑیوں سے ڈریں گی اور نہ بھیڑیے ان کو

چھیڑیں گے، سانپوں کے ساتھ بچے کھیلیں گے مگر وہ ان کو ڈسیں گے نہیں۔ ایسا امن اور سکون ہوگا کہ جس کی کوئی مثال نہیں برکتیں ہی برکتیں ہوں گی۔ لوگ زکوٰۃ لیے پھریں گے کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں ہوگا ایسی آسودگی ہوگی کہ کسی کو کسی سے لینے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ یقین مانو! یہ سب کچھ ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کام

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ﴾ تحقیق گزر چکی ہیں اس سے پہلے بہت سی اُمتیں۔ ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے ﴿لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ﴾ تاکہ آپ ان پر تلاوت کریں ﴿الَّذِيٓ﴾ وہ کتاب ﴿اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ﴾ جو ہم نے وحی کی ہے آپ کی طرف۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ جو کام لگائے تھے ان میں سے ایک قرآن پاک کی تلاوت کرنا تھا۔ چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اول مخاطبین عربی لوگ تھے مادری زبان تھی، بہت سارے مضمون خود بخود سمجھ جاتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا کام تھا ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ﴾ اور وہ ان کو کتاب کی تعلیم دیتا ہے۔ بعض آیات ایسی تھیں کہ جن کا صحیح مفہوم صحابہ کرام نہیں سمجھتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس کی تعلیم دیتے تھے۔

تیسرا کام تھا ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾ تعلیم حکمت، حکمت کا معنیٰ ہے سنت، حدیث۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سنت اور حدیث کی تعلیم دیتے تھے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چوتھا کام تھا ﴿وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا تزکیہ کرتے تھے باطنی صفائی۔ دلوں کی صفائی، حقیقتاً تو رب تعالیٰ کرتا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو اسباق بتلاتے تھے ان کے ذریعے لوگوں کے دلوں کی صفائی ہوتی تھی۔

کل کے سبق میں تم پڑھ چکے ہو ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ﴾ "خبردار اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہی دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔" ذکر جتنے اخلاص کے ساتھ کیا جائے گا اتنی ہی دل کی صفائی ہوگی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت بڑھے گی، قبر کا خیال پیدا ہوگا، آخرت کی فکر پیدا ہوگی، حلال وحرام کی تمیز ہوگی۔ لہٰذا کثرت کے ساتھ ذکر کیا کرو۔ تو فرمایا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت کریں ان پر اس کتاب کی جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے ﴿وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ﴾ اور وہ انکار کرتے ہیں رحمٰن کا۔

صلح حدیبیہ اور انکارِ رحمٰن کی صورت

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب صلح کی شرائط طے ہوگئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اُكْتُبْ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھ دیا۔ یہ خوب نویس بھی تھے اور زود نویس بھی تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خط بہت اچھا تھا اور بڑی جلدی لکھتے تھے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ دیا تو کافروں کے نمائندے سہیل ابن عمرو جو بعد میں رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو گئے تھے کہنے لگے ہم یہ نہیں لکھنے دیں گے یہ تمھاری علامت ہے۔ اس کی جگہ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھو۔ اس کا معنیٰ ہے اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ شروع کرتے ہیں۔ دورِ جاہلیت میں بھی جب وہ خط لکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ لکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم رحمٰن کو نہیں جانتے؟ کہنے لگے ہم رحمٰن کو نہیں جانتے۔ یہ انھوں نے ضد کی

وجہ سے کہا ورنہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ان کے نام عبدالرحمٰن تھے۔ مثلاً: عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ۔ تو رحمٰن کے لفظ کو بھی جانتے تھے اور مفہوم بھی سمجھتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھوایا تو انکار کر گئے کہ ہم نے نہیں لکھنا۔ اسی کا ذکر ہے کہ وہ انکار کرتے ہیں رحمٰن کا۔

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هُوَ رَبِّي﴾ وہ رحمٰن میرا رب ہے ﴿لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ﴾ نہیں کوئی معبود اس کے سوا۔ ﴿إِلٰهَ﴾ کا معنیٰ معبود، حاجت روا، مشکل کشا، دست گیر، فریادرس، یہ سب الٰہ کے معانی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا نہ کوئی معبود ہے، نہ کوئی مشکل کشا ہے، نہ کوئی حاجت روا ہے، نہ کوئی فریادرس ہے، نہ کوئی عبادت کے لائق ہے، نہ کوئی نذر و نیاز کے لائق ہے مگر وہی ہے۔

توکل کا معنیٰ:

﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ اسی اللہ تعالیٰ کی ذات پر میں نے توکل کیا ہے۔ توکل کا معنیٰ ہے ظاہری اسباب کو اختیار کر کے نتیجہ رب تعالیٰ پر چھوڑ دینا اور ظاہری اسباب کو نہ اختیار کرنا یہ تَعَطُّل ہے توکل نہیں۔ تعطل کا معنیٰ ہے چھٹی، چھوڑ دینا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھتے تھے بھائی کہاں سے آئے ہو، کون ہو، کیوں آئے ہو؟ کس کے مہمان ہو؟ کیوں کہ اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ہے تو اس کے کھانے پلانے کی ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتی تھی۔ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مذکورہ سوالات کیے تو اس نے کہا کہ حضرت! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ہوں۔ فرمایا تم اکیلے ہو یا تمھارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ کہنے لگا اکیلا ہوں۔ پیدل آئے ہو یا سوار ہو کر؟ کہنے لگا اُونٹنی پر سوار ہو کر آیا ہوں۔ فرمایا اُونٹنی کہاں ہے؟ کہنے لگا میں نے باہر کھلی چھوڑ دی ہے توکل کرتے ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قَيِّدْهَا ثُمَّ تَوَكَّلْ پہلے اس کی ٹانگیں باندھو پھر توکل کرو۔ یہ توکل نہیں ہے کہ تم اس کو کھلا چھوڑ دو اور کہو کہ میں توکل کرتا ہوں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

گفت پیغمبر بآواز بلند
بر توکل زانوئے اشتر ببند

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا تاکہ سب سن لیں پہلے اُونٹنی کی ٹانگیں باندھو پھر توکل کرو۔"

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محض دعاؤں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسباب کو اختیار کیا ہے۔ بدر کے مقام پر تشریف لے گئے، اُحد کے مقام پر پہنچے، خندق کھودی، حدیبیہ پہنچے۔ اگر نری دعاؤں سے مسائل حل ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم محراب میں بیٹھ کر کہہ دیتے ﴿وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ کافر قوم پر ہماری مدد فرما۔ اور ظاہری اسباب اختیار نہ کرتے حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہری اسباب اختیار کیے ہیں۔ اُحد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں۔ تو ظاہری اسباب

اختیار کر کے نتیجہ رب تعالیٰ پر چھوڑ دینے کا نام توکل ہے۔

﴿وَاِلَیْهِ مَتَابِ﴾ اور لفظ "ی" جو ضمیر ہے متکلم کی وہ یہاں محذوف ہے اصل میں تھا مَتَابِی میرا لوٹنا۔ تو معنیٰ ہوگا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے میرا رجوع کرنا ظاہراً بھی اور باطناً بھی جو رب چاہے وہ ہوتا ہے بندے کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

آگے ان لوگوں کی ضد کا ذکر فرماتے ہیں کہ یہ لوگ صحیح بات سننے اور سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہیں ضد پر اڑے ہوئے ہیں۔ من پسند نشانیاں مانگتے رہتے ہیں اور طرح طرح کے مطالبات کرتے رہتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آؤ یا اس کو تبدیل کردو۔

عظمتِ قرآن

حالاں کہ یہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں عظیم کتاب ہے بڑی عظمتوں اور شانوں والی ہے۔ اس کو دیکھنا ثواب، اس کو باوضو ہاتھ لگانا ثواب، اس کو پڑھنا ثواب اور ثواب بھی اتنا کہ ایک ایک حرف کے بدلے دس دس نیکیاں ہیں۔ مثلاً: ﴿اِلَیْهِ﴾ میں الف الگ حرف، لام الگ حرف، 'ی' الگ حرف، 'ہ' الگ حرف ہے تو ﴿اِلَیْهِ﴾ پڑھنے والے کو چالیس نیکیاں ملتی ہیں اور یہ بھی عام حالات میں رمضان المبارک کے مہینے میں ایک ایک حرف کے بدلے ستر ستر نیکیاں ہیں۔ اس لیے قرآن پاک کی تلاوت کو اپنے اوپر لازم کرلو۔

اور رمضان المبارک کے مہینہ میں نیکیوں کا بڑھنا صرف قرآن کے ساتھ خاص نہیں ہے ہر نیکی کا اجر ستر گنا بڑھ جاتا ہے۔ لہٰذا رمضان شریف کا مہینہ ہے درود شریف کثرت سے پڑھو، توبہ استغفار کرو، تیسرا کلمہ پڑھو، روزے داروں کے روزے افطار کراؤ۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس نے کسی کا روزہ افطار کرایا اس کو روزے کا ثواب ملے گا اور رکھنے والے کے ثواب میں بھی کمی نہیں آئے گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ حضرت! افطاری کے لیے تو ایک آدھ کھجور بھی کافی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک کھجور سے افطار کرانے والے کو پورے روزے کا ثواب۔ فرمایا تعجب والی بات کیا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ لہٰذا یہ جو رمضان کے تھوڑے سے دن رہ گئے ہیں مرد عورتیں سب جوق در جوق شوق سے عبادت کرو۔ خصوصاً جو آگے طاق راتیں آرہی ہیں ان میں عبادت کرو اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آگے پیچھے چھوڑ دو۔ نہیں! بلکہ عزم کرو جو نیکی شروع کی ہے اس کو نہیں چھوڑیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ فصلی بٹیرے نہ بنو کہ رمضان المبارک میں آؤ اور آگے پیچھے اُڑ جاؤ۔

تو یہ قرآن کریم بڑی عظیم کتاب ہے، دلوں میں انقلاب پیدا کرنے والی کتاب ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جوڑنے والی کتاب ہے پھر اس کو نہیں مانتے تو ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے یہ کفر و شرک پر اَڑ گئے ہیں۔ لہٰذا ان کے مطالبے پر کوئی ایسا قرآن اُتار دیں کہ اس کو پڑھ کر پہاڑوں پر پھونک دیا جاتا تو پہاڑ چل پڑیں، زمین ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے، مردے بولنے لگ جائیں، انھوں نے پھر بھی نہیں ماننا۔ ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ﴾ اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا جس کے ذریعے چلا دیے جاتے پہاڑ ﴿اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ﴾ یا ٹکڑے ٹکڑے کر دی جاتی اس کے ذریعے زمین ﴿اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى﴾ یا اس کے ذریعے مردوں سے کلام کیا جاتا کہ وہ قرآن یہاں پڑھا جاتا مردے خود بخود بولنے لگ جاتے اُنھوں نے پھر بھی نہیں ماننا تھا کیوں کہ ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ :

تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہمیشہ تھوڑے بہت آدمی رہتے تھے، صحابہ بھی اور دوسرے بھی۔ ابوجہل آیا جس کا نام عمرو ابن ہشام ابوالحکم تھا۔ ابوالحکم کا معنیٰ ہے چیئرمین، یہ مکہ مکرمہ کا چیئرمین تھا۔ مال دار اور منہ پھٹ آدمی تھا۔ سارے لوگ اس کی ظاہراً اور باطناً عزت کرتے تھے۔ یہ ہاتھ میں کوئی چیز لے کر آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ سارے سمجھ گئے کہ اب اس نے کوئی شرارت کرنی ہے۔ شریر آدمی کو شرارت میں لطف اور مزہ آتا ہے۔ کہنے لگا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اَخْبِرْنِيْ مَا فِيْ يَدِيْ "مجھے بتاؤ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چچا جان! اگر تیرے ہاتھ والی چیزیں خود بول پڑیں تو پھر؟ کہنے لگا بلواؤ! فرمایا بلوانا رب کا کام ہے۔ اس نے ہاتھ میں جو سنگ ریزے پکڑے ہوئے تھے اُنھوں نے کلمہ پڑھنا شروع کر دیا اور بعض روایتوں میں ہے سبحان اللہ! پڑھنا شروع کر دیا۔ ابوجہل نے وہ سنگ ریزے یہ کہہ کر پھینک دیے کہ تم اس کی طرف ہو گئے ہو۔ اب بتلاؤ اس ضد کا کیا علاج ہے؟ سنگ ریزے خود اُٹھا کر لایا ہے لیکن اُنھوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت دی تو ان کو پھینک دیا۔

﴿بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا﴾ بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے سارا معاملہ۔ ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور گزشتہ سبق میں تم پڑھ چکے ہو ﴿وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ﴾ "اور ہدایت اس کو دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔" اور جو کفر پر اڑ جاتا ہے اس کو گمراہ کر دیتا ہے۔ وہ جبراً کسی کو ہدایت دیتا ہے اور نہ گمراہ کرتا ہے اس نے انسان کو اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ "پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے اپنی مرضی اور اختیار سے۔"

﴿اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ ۔ يَئِسَ يَيْـَٔسُ کے عربی میں دو معانی آتے ہیں۔ ایک معنیٰ ہے نا اُمید ہونا اور دوسرا معنیٰ ہے جاننا۔ پہلے معنیٰ کے اعتبار سے ترجمہ ہوگا کیا پس نہیں نا اُمید ہوئے وہ لوگ جو ایمان لائے ان کے ایمان لانے سے۔ مطلب یہ ہے کہ ایمان والوں کو نا اُمید ہو جانا چاہیے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے کہ بڑے ضدی لوگ ہیں۔ اور دوسرے معنیٰ کے لحاظ سے ترجمہ ہوگا کہ کیا پس وہ نہیں جانتے جو ایمان لائے ہیں اس بات کو ﴿اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو البتہ ہدایت دے دے سب لوگوں کو۔ جبراً مجبور کر سکتا ہے کہ فرشتوں کی طرح معصوم بنا دے ﴿لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ﴾ [التحریم:۶] "وہ نہیں نافرمانی کرتے جو اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیتا ہے۔" ان میں برائی کا مادہ ہی نہیں ہے۔ نہ مرد ہیں، نہ

عورتیں ہیں، نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں، نہ تھکتے ہیں نہ سوتے ہیں، نہ وہ بیمار ہوتے ہیں، ان کی خوراک ہے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ ہروقت یہی پڑھتے رہتے ہیں۔ تو اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام انسانوں کو فرشتوں کی طرح معصوم بنا دیتا مگر وہ ایسا کرتا نہیں ہے جب کہ کر وہ سب کچھ سکتا ہے۔ معاذ اللہ تعالیٰ وہ سب کو کافر بنا دیتا اس کا کچھ بھی نہیں بگڑتا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ حق گو عالم دین

ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ علم کے لحاظ سے، تقویٰ اور پرہیزگاری کے لحاظ سے، حق گوئی کے لحاظ سے بڑی شخصیت گزری ہے۔ ان سے کسی نے پوچھا حضرت! یہ بتلائیں کہ کوئی بہت ہی نیک بندہ ہو تو کیا اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ اس کو دوزخ میں ڈال دے؟ تو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فاروقی تھے اور عربی کا مشہور مقولہ ہے اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِّاَبِیْہِ " اولاد میں آبائی اثرات ضرور ہوتے ہیں۔" اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے وَ اَشَدُّھُمْ فِیْ اَمْرِ اللّٰہِ عُمَرُ " اور ان میں زیادہ سخت اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں عمر ہے، رضی اللہ عنہ۔" حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ میں بھی دینی سختی تھی۔ جلال میں آ گئے اور فرمایا تم نے کیا پوچھا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ کسی بہت ہی نیک بندے کو دوزخ میں ڈال دے؟ حضرت نے فرمایا کہ تم ایک نیک کی بات کرتے ہو اگر:

ہمہ را بہ دوزخ فرستد جائے اعتراض نیست

" اگر وہ سب کو دوزخ میں ڈال دے اس کو کون پوچھ سکتا ہے۔"

یہ بات حضرت کی کتاب " مکتوبات " میں ہے وہ قادر مطلق ہے جو چاہے کرے۔ مگر کرے گا وہ جو فرما چکا ہے کہ نیکوں کو اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائے گا اور بُروں کو دوزخ میں ڈالے گا وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ کرنے اور کر سکنے میں بڑا فرق ہے۔

تو اللہ تعالیٰ چاہے تو سب کو ہدایت دے دے ﴿وَ لَا یَزَالُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ اور ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿تُصِیْبُھُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ﴾ پہنچتی رہے گی ان کو اس وجہ سے جو انھوں نے کیا ہے مصیبت، کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آتا رہے گا، کبھی قحط سالی میں مبتلا ہوں گے، کبھی زلزلے میں مبتلا ہوں گے کبھی کوئی اور مصیبت آئے گی ﴿اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ دَارِھِمْ﴾ یا اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اُتریں ان کے گھروں کے قریب۔

ہجرت کا آٹھواں سال تھا یہی رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچے جس کو آج کل بیرِ علی کہتے ہیں۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا اور فرمایا کہ ہم نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونا ہے اگر وہ رکاوٹ ڈالیں گے تو پھر جہاد کریں گے اور فاتح ہو کر آئیں گے۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے بالکل قریب پہنچ گئے تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور کہنے لگے اب تو ہم اپنے آپ کو سنبھال بھی نہیں سکتے۔ چنانچہ نامی گرامی کافر سب بھاگ گئے۔ مثلاً:

ابوجہل کا بیٹا عکرمہ جو بعد میں رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو گیا تھا وہ حبشہ کی تیاری کر کے چلا گیا۔ ہبار ابن اسود کافر جو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کے سسرال میں سے تھا چچا سسر لگتا تھا بڑا منہ پھٹ آدمی تھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے خاوند سے اجازت لے کر غزوۂ بدر کے بعد ایک قافلے کے ساتھ مدینہ منورہ جا رہی تھیں جس میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں تو ہبار آ پہنچا اور کہنے لگا اے لڑکی! تو کہاں جا رہی ہے؟ کہنے لگیں چچا جان! میں اپنے خاوند سے اجازت لے کر مدینہ منورہ جا رہی ہوں اپنے ابا جان کو ملنے کے لیے۔ کہنے لگا تو نہیں جا سکتی اور ٹانگ سے پکڑ کر اونٹ سے نیچے گرا دیا۔ وہ حاملہ تھیں گرنے سے تکلیف ہوئی، بچہ ضائع ہو گیا اور یہی تکلیف ان کی وفات کا سبب بنی۔ یہ بھی بھاگ گیا۔ صفوان ابن امیہ بڑا رئیس آدمی تھا مسلمانوں کے خلاف سارا اسلحہ مفت سپلائی کرتا تھا اس کے علاوہ مالی امداد بھی کرتا تھا یہ بھی بھاگ گیا۔ وحشی ابن حرب جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا یہ بھی بھاگ گیا۔ سب نامی گرامی کافر بھاگ گئے۔

تو فرمایا جس وقت اُتریں گے آپ ان کے گھروں کے قریب پھر ان کو پتا چلے گا۔ ﴿حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ﴾ یہاں تک کہ آ جائے اللہ تعالیٰ کا وعدہ۔ وہ وعدہ کیا تھا؟ ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ﴾ "جب اللہ تعالیٰ کی مدد آئے گی اور مکہ فتح ہو گا اور آپ دیکھیں گے لوگوں کو فوج در فوج داخل ہوتے دین میں۔" یہ بشارت اللہ تعالیٰ نے پہلے دے دی تھی۔ چنانچہ ۸ ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ صرف دو مسلمان شہید ہوئے اور بیس کافر مارے گئے مزید کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مسلمانو! جو تمھارے خلاف تلوار نہ اٹھائے اس کو کچھ نہیں کہنا اور جو اپنا دروازہ بند کر لے اس کو بھی کچھ نہیں کہنا، بوڑھوں کو، عورتوں کو، بچوں کو کچھ نہیں کہنا۔ عام غزوات میں بھی یہی حکم تھا۔ ایک غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک عورت مری پڑی ہے تو سخت ناراض ہوئے اور فرمایا اس کو کس نے قتل کیا ہے؟ پھر ہاتھ اُٹھا کر فرمایا اے پروردگار! میں بیزار ہوں اس عورت کے قتل سے اور اس کے قاتل سے بھی جس نے اس کو قتل کیا ہے اس کی اپنی ذمہ داری ہے۔ تو یہ گویا رحمت کا سمندر تھا جو بہہ گیا۔ تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ جو فرماتا ہے وہی کرتا ہے اور اسی طرح ہوا مکہ فتح ہوا اور اسلام کا جھنڈا سارے عرب میں لہرا دیا گیا۔

﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ﴾ اور البتہ تحقیق استہزاء کیا گیا ﴿بِرُسُلٍ﴾ کئی رسولوں کے ساتھ ﴿مِّنْ قَبْلِكَ﴾ آپ سے پہلے ﴿فَاَمْلَيْتُ﴾ پس ہم نے مہلت دی ﴿لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کیا ﴿ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ﴾ پھر میں نے پکڑا ان کو ﴿فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ﴾ پس کیسا تھا میرا سزا دینا ﴿اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ﴾ کیا پس وہ ذات جو قائم ہے ﴿عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ﴾ ہر نفس پر ﴿بِمَا كَسَبَتْ﴾ جو اس نفس نے کمایا ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ﴾ اور بنا رکھے ہیں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿سَمُّوْهُمْ﴾ تم ان کے نام لو ﴿اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ﴾ کیا تم خبر دیتے ہو اللہ تعالیٰ کو ﴿بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ﴾ اس چیز کی جو نہیں جانتا وہ زمین میں ﴿اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ﴾

یا ظاہری طور پر بات کرتے ہو ﴿بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ بلکہ مزین کیا گیا ان لوگوں کے لیے جو کافر ہیں ﴿مَكْرُهُمْ﴾ ان کا مکر ﴿وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ﴾ اور روکے گئے وہ راستے سے ﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ﴾ اور وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے ﴿فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ﴾ پس نہیں ہے کوئی اس کو ہدایت دینے والا ﴿لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ان لوگوں کے لیے سزا ہوگی دنیا کی زندگی میں ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ﴾ اور البتہ آخرت کا عذاب بہت مشقت والا ہے ﴿وَمَا لَهُمْ﴾ اور نہیں ہوگا ان کے لیے ﴿مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ﴾ اللہ کی طرف سے کوئی بچانے والا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزائی سلوک

مکہ کے مشرک اور کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتے تھے کہتے تھے ﴿اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ﴾ [الانبیاء:۳۶] "کیا یہی شخص ہے جو ذکر کرتا ہے تمھارے معبودوں کا۔" یعنی یہ تمھارے معبودوں کی تردید کرتا ہے کہ اس کے پاس مال ہے نہ دولت ہے، نہ کوٹھی ہے پھر مذاق کے ساتھ ساتھ زیادتیاں بھی کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسئلہ توحید بیان کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر کہتے ﴿هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ﴾ "یہ جادوگر ہے اور بڑا جھوٹا ہے۔" العیاذ باللہ۔

حج کے موقع پر لوگ جمع ہوتے تھے کیوں کہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور سے لے کر بدستور حج، عمرہ کرتے چلے آرہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں حج ۹ھ کو فرض ہوا ہے۔ جس طرح نمازیں معراج کی رات فرض ہوئی ہیں لیکن اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی فجر کی نماز، عصر کی نماز اور چاشت کی نماز پڑھتے تھے، یہ نفلی تھیں۔ اسی طرح ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے دو دفعہ حج کیا تھا۔ یہ نفلی تھا فرض نہیں تھا۔ تو حج کے دنوں میں لوگ منیٰ، مزدلفہ، عرفات میں اکٹھے ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو غنیمت سمجھتے کہ چلو لوگ اکٹھے ہوئے ہیں میں ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا دین پیش کروں گا لیکن ابوجہل اور ابولہب مخالفت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ ابولہب کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سگا چچا تھا اور ابوجہل برادری میں چچا لگتا تھا۔ ان دونوں نے باریاں مقرر کی ہوئی تھیں فلاں جگہ تقریر کرے گا تو نے پہنچنا ہے اور فلاں جگہ تقریر کرے گا تو میں نے پہنچنا ہے۔

چنانچہ عرفات کے میدان میں ابولہب کی باری تھی اور منیٰ کے مقام پر ابوجہل کی ڈیوٹی تھی۔ چنانچہ عرفات کے میدان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر کی لوگوں پر اثر ہوا ابولہب اُٹھ کر کہنے لگا میں اس کا چچا ہوں یہ میرا بھتیجا پاگل ہے (معاذ اللہ تعالیٰ)، اس کی اطاعت نہ کرنا۔ منیٰ کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر بیان کیا لوگوں پر کافی اثر ہوا تو ابوجہل اُٹھ کر کہنے لگا یاد رکھو! میرا نام عمرو ابن ہشام ہے میں اس کا چچا ہوں۔ یہ میرا بھتیجا مجنون اور جادوگر ہے اور جھوٹا ہے اس کے پھندے میں نہ آنا۔ بلکہ وہاں سے ریت کے موٹے موٹے دانوں کی مٹھی بھر کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینکی۔ یہ اشارہ تھا کہ تم اس پر سنگ باری کرو۔ چنانچہ چند شریر جوانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھروں کی بارش کردی۔

تو یہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ پھرتے، تکلیفیں بھی دیتے اور مذاق بھی اُڑاتے۔ طبعاً انسان کو ان چیزوں سے کوفت ہوتی ہے۔ آپ ﷺ بھی آخر انسان تھے، بشر تھے بشری تقاضے سب کے ساتھ ہوتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دی کہ آپ ﷺ یہ خیال نہ کریں کہ یہ تمسخر صرف آپ ﷺ کے ساتھ ہو رہا ہے ﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ اور البتہ تحقیق استہزاء کیا گیا کئی رسولوں کے ساتھ آپ سے پہلے۔ اس سے پہلے تم سورت ہود میں پڑھ چکے ہو کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی بناتے تھے ﴿وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ﴾ "جب کبھی گزرتا تھا ان پر کوئی گروہ ان کی قوم کا تو ٹھٹھا کرتا تھا ان کے ساتھ۔" کوئی کہتا تھا اے نوح (علیہ السلام) پہلے تو آپ نبی تھے اب ترکھان کب سے بنے ہو؟ کبھی کہتے یہ کشتی تم کہاں چلاؤ گے؟ دوسرا کہتا ہمارے چھپڑ (جوہڑ) میں چلائے گا۔ طرح طرح کے مذاق کرتے تھے۔

تو فرمایا کہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی استہزاء کیا گیا ﴿فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا﴾ پس ہم نے مہلت دی ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کیا۔ فوراً ان کو کچھ نہیں کہا کہ کرلو جو کچھ کرنا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ: ((إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي الظَّالِمَ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ)) "بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ جب پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں ہے۔" اس لیے ظالم کو اگر مہلت مل جائے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ میں چھوٹ گیا ہوں بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت مل رہی ہے، ضرور پکڑے گا۔

فرمایا ﴿ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ﴾ پھر میں نے پکڑا ان کو۔ کسی کو پانی میں ڈبویا، کسی کو زلزلے سے تباہ کیا، کسی کو آسمانی کڑک سے تباہ کیا، کسی کو ڈراؤنی آواز سے کہ آواز سے کلیجے پھٹ گئے ﴿فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ﴾ یہ اصل میں عِقَابِيْ تھا "ی" متکلم تخفیفاً گر گئی۔ معنی ہوگا پس کیسا تھا میرا سزا دینا میرا پکڑنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿أَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ﴾ کیا پس وہ ذات جو قائم ہے ﴿عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ﴾ ہر نفس پر ﴿بِمَا كَسَبَتْ﴾ جو اس نفس نے کمایا یعنی وہ ذات جس نے اس کو پیدا کیا ہے اس کا مالک ہے اور جو کچھ انسان کرتا ہے اس کو جانتی ہے اور اس پر نگران ہے، یہ اس کی طرح ہے جو کچھ نہیں جانتا اور اس میں کوئی قدرت نہیں ہے؟ تو کیا قادر اور غیر قادر برابر ہیں، جاننے والا اور نہ جاننے والا برابر ہیں؟ بتاؤ تو سہی کہ رب تعالیٰ کے ساتھ کوئی کس صفت میں شریک ہے؟ قدرت میں شریک ہے، علم میں شریک ہے، خلق میں شریک ہے یا علم غیب میں شریک ہے یا اور کسی صفت میں شریک ہے؟

فرقہ ثنویہ

﴿وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ﴾ اور بنا رکھے ہیں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں شریک کرنے والا صرف ایک گروہ تھا ایران میں ثنویہ فرقہ، یہ دو خداؤں کا قائل تھا ایک کا نام یزداں اور دوسرے کا نام اَھرمن۔ کہتے تھے کہ یزداں خالق خیر ہے اور اہرمن خالق شر ہے، یہ بری چیزوں کا خالق ہے۔ ان کے علاوہ دنیا میں کافروں کا ایسا کوئی طبقہ نہیں ہے جو رب تعالیٰ کی ذات میں کسی اور کو شریک ٹھہراتا ہو باقی سارے رب تعالیٰ کی صفات میں شریک ٹھہراتے ہیں۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے اپنی بے نظیر کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" اور "بدور بازغہ" وغیرہ میں لکھا ہے کہ عرب کے مشرکوں اور یہود ونصاریٰ میں یہ عقیدہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے لیے خدائی اختیارات مانتے تھے۔ جس طرح ایک ملک کے مختلف صوبے ہوتے ہیں پھر صوبے میں ڈویژن ہوتے ہیں اور اضلاع ہوتے ہیں، تحصیلیں ہوتی ہیں۔ ملکی بادشاہ نے ملکی نظام چلانے کے لیے جزوی اختیارات گورنروں، کمشنروں اور ڈی سی اُوز اور تحصیل داروں کو دیے ہوتے ہیں تاکہ وہ ان اختیارات کے ذریعے نظام چلائیں۔ اسی طرح عرب کے مشرکوں اور یہود ونصاریٰ کا نظریہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو کچھ اختیارات دیے ہوئے ہیں جن سے وہ خدائی نظام چلاتے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں: وَالْغُلَاۃُ مِنْ دِیْنِ مُحَمَّدٍ فِیْ زَمَانِنَا اور ہمارے زمانے میں کلمہ پڑھنے والے بعض لوگ بھی ایسے ہی ہیں کہ وہ کہتے ہیں رب تعالیٰ نے خدائی اختیارات کچھ بندوں کو دیے ہوئے ہیں حالاں کہ خدائی اختیارات کسی بندے کو ایک رتی بھی حاصل نہیں ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک صحابی نے یہ لفظ کہے مَاشَآءَ اللّٰہُ وَشَآءَ مُحَمَّدٌ ﷺ "اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا اور محمد نے چاہا تو میرا کام ہو جائے گا۔" آپ ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا جَعَلْتَنِیْ لِلّٰہِ نِدًّا "تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا ہے قُلْ مَاشَآءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ کہو اللہ تعالیٰ اکیلا جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔" تو مشیت بھی رب تعالیٰ کی صفت ہے اس میں بھی کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔

یہاں ایک بات اچھی طرح سمجھ لیں اور اس کو یاد رکھنا! وہ یہ کہ کئی بے چارے دین سے ناواقف لوگ ایسے جملے بول جاتے ہیں جو شرک کے زمرے میں آتے ہیں لیکن ان کو علم نہیں ہوتا۔ مثلاً: وہ کہتے ہیں کہ اللہ اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے حکم سے بیار صحت یاب ہو جائے گا، اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے مقدمے میں بری ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کے ساتھ امتحان میں کامیاب ہو جاؤں گا، اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے ساتھ رشتہ مل جائے گا۔ یہ شرک ہے۔ کیوں کہ تکوینی حکم میں بھی رب کا کوئی شریک نہیں ہے۔ ہاں! شرعی احکامات کے متعلق کہیں تو وہ صحیح ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے نماز پڑھو، اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے روزہ رکھو، اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے سچ بولو، اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے غیبت نہ کرو۔ کیوں کہ یہ احکام رب تعالیٰ نے نازل کیے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے بیان کیے ہیں۔ اور بیمار کو شفاء حاصل ہونا، مقدمے میں بری ہونا، امتحان میں کامیاب ہونا، تجارت میں کامیاب ہونا، یہ تکوینی اُمور ہوں ان میں قطعاً رب کا کوئی شریک نہیں ہے۔ عام لوگ جہالت کی وجہ سے ایسے جملے بول جاتے ہیں باقی خدا کے ساتھ کسی کو عداوت نہیں ہوتی۔

ہمارے ایک بزرگ تھے حافظ اللہ داد صاحب میرے وہ پیر بھائی بھی تھے وہ میرے پاس کئی کئی دن ٹھہرتے تھے۔ پنجابی میں بڑی بہترین تقریر کرتے تھے۔ اُنھوں نے بتایا کہ ہمارے قصبے میں ایک بڑا امیر چودھری تھا اس کی زمینیں تھیں وہ فوت ہو گیا۔ اس کے صرف دو لڑکے تھے لڑکی کوئی نہیں تھی۔ لڑکوں کا جائیداد کی تقسیم میں جھگڑا ہو گیا۔ زمین کا کوئی ٹکڑا اچھا ہو گا، کوئی ہلکا ہو گا ایک نے کہا یہ میں نے لینا ہے دوسرے نے کہا یہ میں نے لینا ہے جھگڑا طول پکڑ گیا۔ والدہ نے سمجھایا کہ بیٹو! تمھارا

باپ نامی گرامی آدمی تھا زمین کافی ہے آپس میں نہ لڑو اگر کسی کو تھوڑا بہت نقصان بھی ہو تو برداشت کر لو جگ ہنسائی نہ کراؤ۔ مگر بیٹے نہ مانے۔ وہ ناراض ہو کر اپنے بھائیوں کے ہاں چلی گئی اور کافی عرصہ وہ اپنے بھائیوں کے پاس رہی۔ لوگوں نے بیٹوں کو طعنہ دیا کہ تم اچھے بھلے کھاتے پیتے ہو اور تمھاری والدہ اپنے بھائیوں کے گھر بیٹھی ہے یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

خیر لوگوں کے لعن طعن سن کر والدہ کو منانے کے لیے گئے۔ کہنے لگے ہمارے ساتھ چل تو ہماری بے بے جو ہے۔ وہ کہنے لگی میں تمھاری کوئی بے بے نہیں ہوں میں تو اللہ، رسول کی بے بے ہوں جاؤ دوڑ جاؤ۔ اب دیکھو! یہ کلمہ کفر ہے مگر اس بے چاری نے پیار کے ساتھ کہا ہے۔ لیکن زہر ایسی چیز ہے کہ جان بوجھ کر کھائے پھر بھی مرے گا چینی سمجھ کر کھائے پھر بھی مرے گا۔ اب وہ پیار میں رب کی بے بے بن گئی۔ رب کی بے بے کہاں سے آئی؟ وہ تو ﴿لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ﴾ ہے۔

مسئلہ حاضر و ناظر

اسی طرح لوگ محبت میں کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور نیک بندے ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں محبت اور عقیدت ہے حالانکہ یہ غلط ہے اور آنحضرت ﷺ اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو ہر جگہ حاضر و ناظر ماننے میں ان کی توہین ہے۔ دیکھو! میری عمر اس وقت قمری لحاظ سے تقریباً نوے سال ہے الحمد للہ! میں نے آج تک سینما نہیں دیکھا۔ ۱۹۳۱ء کی بات ہے میں ملتان پڑھتا تھا وہاں ایک منددوانامی سینما تھا اس میں اتوار کو مفت فلم دکھاتے تھے۔ میرے متعلق ساتھیوں کو علم تھا کہ یہ سینما سے نفرت کرتا ہے مجھے وہ پکڑ کر لے گئے۔ میں الحمد للہ! ثِقَةٌ ثَبَتٌ تھا قریب گئے تو میں وہاں سے دوڑ گیا۔ تو میرے جیسا گنہگار بندہ تو ایسی جگہ حاضر ہونے کو گناہ سمجھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور نیک بندوں کو ایسی جگہ میں حاضر و ناظر سمجھنے میں کون سی فضیلت ہے؟ البتہ انکار میں فضیلت ہے کہ کہا جائے کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں۔

باقی رہا یہ ڈھکوسلا کہ رب وہاں کیوں ہے؟ بھائی! رب اس لیے ہے کہ اس پر کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا اور آنحضرت ﷺ قانون کے پابند ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے شہد حرام کیا تھا تو اس پر پوری سورۃ تحریم نازل ہوئی ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ "اے نبی کریم آپ نے وہ چیز کیوں حرام کی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے۔" لوگ اسی طرح کی باتیں محبت کی وجہ سے کرتے ہیں لیکن یاد رکھو! شرک چاہے محبت کی وجہ سے ہو معاف نہیں ہے۔ اسی طرح عام لوگ مرد بھی اور عورتیں بھی محبت کی وجہ سے اللہ جی! کہہ دیتے ہیں یہ جائز نہیں ہے کیوں کہ جی! دعائیہ کلمہ ہے۔ یہ اس کے لیے بولا جاتا ہے جس پر موت آئے۔ ابا جی، اماں جی، استاد جی، قاری جی، حافظ جی، مولوی جی، کیوں کہ ان سب نے مرنا ہے اور رب تعالیٰ کی ذات پر موت نہیں آتی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ لہٰذا اس کو اللہ جی! کہنا ناجائز ہے۔

تو فرمایا کہ یہ رب کے شریک بنائے ہوئے ہیں۔ ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿سَمُّوْهُمْ﴾ تم ان کے نام تو لو کہ کون رب تعالیٰ کا شریک ہے ﴿اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ﴾ کیا تم خبر دیتے ہو اللہ تعالیٰ کو ﴿بِمَا﴾ اس چیز کی ﴿لَا یَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ﴾ جو نہیں جانتا وہ

زمین میں۔ اگر رب تعالیٰ کا کوئی شریک ہوتا تو اس کو تو اپنے شریک کا علم ہوتا رب تعالیٰ کو تو اپنے شریک کا علم نہیں ہے ﴿اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ﴾ یا ظاہری طور پر بات کرتے ہو محبت کی وجہ سے ان ظاہری باتوں سے آدمی کفر و شرک سے نہیں بچ سکتا۔ اس لیے ضروریاتِ دین کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد، عورت پر فرض ہے۔

بہشتی زیور کی ضرورت و اہمیت

بیٹیو! ہر گھر میں بہشتی زیور ہونا چاہیے۔ بہشتی زیور کی ابتداء میں عقیدے بتلائے گئے ہیں کہ یہ عقیدے ہونے چاہئیں اور یہ نہیں ہونے چاہئیں۔ پھر آگے نماز، روزے کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ تمھارے گھروں میں ٹی وی موجود ہے اور بہت کچھ ہوگا لیکن بہشتی زیور بہت کم گھروں میں ہوگا۔ پہلے زمانے میں گھر کا سربراہ عشاء کی نماز کے بعد تمام لوگوں کو اکٹھا کر کے ان کے سامنے عقیدے بیان کرتا تھا کہ رب کے متعلق یہ عقیدہ ہے، فرشتوں کے متعلق یہ عقیدہ ہے تاکہ بچوں کا ذہن بنے۔ آج کل بچوں کا ذہن ٹی وی کی طرف ہے، کھیلوں کی طرف ہے دین کی طرف نہیں ہے۔ ماں باپ کا فریضہ ہے کہ وہ انہیں دین سکھائیں ورنہ قیامت والے دن گریبان سے پکڑے جائیں گے ﴿بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ بلکہ مزین کیا گیا ان لوگوں کے لیے جو کافر ہیں ﴿مَكْرُهُمْ﴾ ان کا مکر۔ یہ اپنے مکر اور چالاکی کو بڑا کمال سمجھتے ہیں کہ میں نے یہ کیا، میں نے یہ کیا، یہ مکر وفریب اور ہوشیاری کام نہیں آئے گی۔

﴿وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ﴾ اور روکے گئے وہ راستے سے، شیطان نے روکا نفس امارہ نے روکا برے لوگوں نے روکا۔ بہرحال سیدھے راستے سے روکے گئے ﴿وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ﴾ اور وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے پس نہیں ہے کوئی اس کو ہدایت دینے والا۔ اور یہ بات تم پہلے پڑھ چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ اسی کو گمراہ کرتا ہے جو کفر پر ڈٹا رہے اور ہدایت اس کو دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جبراً نہ کسی کو ہدایت دیتا ہے اور نہ کسی کو گمراہ کرتا ہے۔ ﴿لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ان لوگوں کے لیے عذاب ہوگا دنیا کی زندگی میں کبھی کسی رنگ میں، کبھی کسی رنگ میں، کبھی کسی شکل میں ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ﴾ اور البتہ آخرت کا عذاب بہت مشقت والا ہے یہ دنیا کی آگ برداشت نہیں کر سکتے اور آخرت کی آگ اس سے انہتر گنا تیز ہے اگر مارنا مقصود ہو تو اس کا ایک شعلہ ہی کافی ہے لیکن مار دیا تو پھر سزا کون بھگتے گا ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ﴾ اور نہیں ہوگا ان کے لیے اللہ کی طرف سے کوئی بچانے والا۔ وَقٰى يَقِيْ کا معنیٰ ہے بچنا، متقی اسی سے ہے، بچنے والا۔ کوئی بھی ان کو رب تعالیٰ کی گرفت سے بچانے والا نہیں ہوگا۔

~~~

﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ﴾ صفت اس جنت کی ﴿وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ﴾ جس کا وعدہ کیا گیا ہے پرہیزگاروں کے ساتھ ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ جاری ہوں گی اس کے نیچے نہریں ﴿اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا﴾ پھل اس کے ہمیشہ ہوں
~~~

گے اور سایہ بھی ﴿تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ﴾ یہ انجام ہے ان لوگوں کا ﴿اتَّقَوْا﴾ جو ڈرتے ہیں ﴿وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ﴾ اور کافروں کا انجام دوزخ ہوگی ﴿وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ﴾ اور وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب ﴿يَفْرَحُوْنَ﴾ وہ خوش ہوتے ہیں ﴿بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ اس چیز پر جو نازل کی گئی ہے آپ کی طرف ﴿وَمِنَ الْاَحْزَابِ﴾ اور بعض فرقوں میں سے ﴿مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ﴾ وہ ہیں جو اس کی بعض باتوں کا انکار کرتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَآ اُمِرْتُ﴾ پختہ بات ہے مجھے حکم دیا گیا ہے ﴿اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ﴾ کہ میں عبادت کروں اللہ تعالیٰ کی ﴿وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ﴾ اور اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤں ﴿اِلَيْهِ اَدْعُوْا﴾ اسی کی طرف میں دعوت دیتا ہوں ﴿وَاِلَيْهِ مَاٰبِ﴾ اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا﴾ ہم نے نازل کیا ہے اس کو ایک فیصلہ عربی زبان میں ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ﴾ اور البتہ اگر آپ نے پیروی کی ان کی خواہشات کی ﴿بَعْدَمَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ بعد اس کے کہ آچکا آپ کے پاس علم ﴿مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ﴾ نہیں ہوگا آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ﴾ کوئی حمایت کرنے والا اور نہ کوئی بچانے والا۔

عقیدۂ قیامت:

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدہ قیامت کا ہے کہ مرنے کے بعد سب نے زندہ ہونا ہے اور میدانِ محشر میں اللہ تعالیٰ کی عدالت میں سب پیش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے۔ پھر یہ بھی عقیدہ ہے کہ پل صراط پر سے بھی گزرنا ہے جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے لیکن مومنوں کے لیے جرنیلی سڑک ہے۔ یہ اپنے اپنے اعمال کی بنیاد پر اس پر چلیں گے۔ کوئی تو تیز اُڑنے والے پرندے کی رفتار سے گزرے گا، کوئی ایسے جیسے گھوڑے پر سوار ہے، کوئی اُونٹ پر سوار کی رفتار سے، کوئی پیدل اور جس کے نیک اعمال زیادہ کمزور ہوں گے وہ آہستہ آہستہ چلے گا۔ غرضیکہ اعمال کی نسبت سے رفتار ہوگی جس کے اعمال میں جتنی طاقت ہوگی وہ اس رفتار سے چلے گا۔ جیسے طاقت ور تیز چلتا ہے، بوڑھا بیمار کمزور آہستہ چلتا ہے۔ آج ہمیں اس چیز کا احساس نہیں ہے اعمال کا پورا پورا احساس مرنے کے بعد ہوگا۔

عقائد میں جنت کا ماننا بھی ہے۔ جنت کا آج ہم صحیح معنی میں تصور نہیں کر سکتے۔ ادنیٰ ترین جنتی کو ایسے ایسے محلات ملیں گے جو ساٹھ ساٹھ میل میں پھیلے ہوں گے۔ ان میں بے شمار کمرے ہوں گے جن میں قالین بچھے ہوں گے، تکیے لگے ہوں گے دودھ کی نہریں ہوں گی، خالص شراب اور شہد کی نہریں ہوں گی، صاف ستھرے پانی کی نہریں ہوں گی۔ جنت میں جو پھل ہوں گے ان کا آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے، اس کا ذکر ہے ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ﴾ صفت اور حلیہ اس جنت کا جس کا وعدہ کیا گیا ہے پرہیزگاروں کے ساتھ۔

تقویٰ کا معنی و مفہوم

تقویٰ کا معنی ہے بچنا۔ وہ لوگ جو شرک سے بچتے ہیں، کفر سے بچتے ہیں، بدعت سے بچتے ہیں، جھوٹ اور بدکاری سے بچتے ہیں، جوئے اور شراب نوشی سے بچتے ہیں وہ متقی ہیں۔ فن قرات میں حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سید القراء ہیں تمام قاریوں کے امام ہیں تجوید کا سلسلہ ان پر جا کے ختم ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے ان سے سوال کیا کہ اے اُبی ابن کعب! یہ بتاؤ کہ تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ (عربی لوگ اس وقت بھی کھلے کھلے کرتے پہنتے تھے اور اب بھی) فرمانے لگے حضرت! میں تقویٰ کا مفہوم اس طرح سمجھا سکتا ہوں کہ میں جس وقت جھاڑیوں اور درختوں میں سے گزرتا ہوں تو اپنے اس لمبے اور کھلے کرتے کو سمیٹ لیتا ہوں تاکہ کوئی کانٹا کوئی ٹہنی میرے کرتے کے ساتھ نہ اٹکے۔ اسی طرح انسان اپنے آپ کو گناہوں کے کانٹوں سے بچاتا جائے یہ گناہ برے کانٹے ہیں۔ تو تقویٰ کا معنی ہے بچنا، پرہیز کرنا، رب کی مخالفت سے بچنا۔ تو متقیوں کے ساتھ جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ جاری ہوں گی اس کے نیچے نہریں یعنی جنت کے مکانوں اور کوٹھیوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

جنت کے پھل دائمی ہوں گے

﴿اُكُلُهَا دَآئِمٌ﴾ پھل اس کے ہمیشہ ہوں گے۔ دنیا کے پھل موسمی ہوتے ہیں موسم ختم ہوا پھل بھی ختم ہو گیا لیکن جنت کے پھل دائمی اور ہمیشہ ہوں گے۔ جب کوئی دانہ توڑے گا ساتھ ہی اور لگ جائے گا ختم ہونے میں نہیں آئے گا اور توڑنے کے لیے اُٹھنا بھی نہیں پڑے گا جب کسی پھل کے کھانے کا ارادہ کرے گا اس کی ٹہنی خود بہ خود اس کے آگے جھک جائے گی چاہے وہ درخت کتنا بلند ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے اوپر چڑھنے کے لیے سیڑھی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

تو جنت کے پھل دائمی اور ہمیشہ ہمیشہ ہوں گے اس دنیا کے پھلوں کی طرح نہیں کہ موسم ہے تو پھل ہے اور موسم نہیں ہے تو پھل بھی نہیں ہے۔ دنیا میں بھی بعض پھل دو دفعہ لگتے ہیں۔ جیسے: امرود ہے۔ باقی پھل عموماً سال میں ایک ہی دفعہ آتے ہیں خصوصاً کھجور۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کی کھجوروں کو پھل سال میں دو دفعہ لگتا تھا۔ اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ اُمّ سلیم بنت ملحان صحابیہ ہیں رضی اللہ عنہا، اور رشتے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ بھی ہیں۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ اور انھوں نے مل کر دودھ پیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگیں حضرت! یہ انس آپ کا خادم ہے اس کے لیے دعا کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا کی کہ دین کے ساتھ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَ وَلَدَهٗ "اے اللہ! اس کے مال اور اولاد کو زیادہ کر دے۔" بخاری شریف میں روایت ہے کہ ان کی بڑی بیٹی حضرت اُمیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اباجان جب بوڑھے ہو گئے تو آخری دو سال بڑھاپے کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکے لہٰذا فدیہ دیتے تھے۔ ایک دن

کہنے لگے بیٹی! مجھے گن کر بتاؤ میری اولاد کتنی ہے؟ بیٹی نے کہا ابا جان! چوہتر [۷۴] ہجری تک آپ کے جو بیٹے بیٹیاں فوت ہو ئے ہیں ان کی تعداد ایک سو بیس ہے اور ایک سو اس وقت آپ کے پاس ہیں۔ یہ آنحضرت ﷺ کی دعا کا اثر تھا اور ان کی کھجوروں کا باغ سال میں دو دفعہ پھل دیتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ اتنا وافر ہوتا تھا کہ کوئی باغ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک سو تین سال عمر پائی ہے۔

تو جنت کے پھل دائمی ہیں ﴿وَ ظِلُّهَا﴾ اور سایہ بھی۔ عرب کا علاقہ بڑا گرم ہے اور میٹھے پانی کی بھی قلت ہے وہ لوگ درختوں اور پانی کو غنیمت سمجھتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے جنت کا جب بھی نقشہ پیش کیا ہے تو فرمایا ہے کہ وہاں پانی کی نہریں ہوں گی اور سائے دار درخت ہوں گے یہ موٹی موٹی چیزیں ہیں۔ اور کیا پوچھتے ہو لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا ان کے لیے وہ کچھ ہو گا جو یہ وہاں چاہیں گے۔ آنحضرت ﷺ کے رضاعی بھائی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ جہاد کے ایک سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے ایک جگہ دیکھا کہ بڑے درخت ہیں اور پانی کا چشمہ ہے دل میں خیال آیا کہ یہیں ڈیرا لگا لوں اور اللہ اللہ کرتا رہوں۔ پھر خیال آیا کہ آنحضرت ﷺ کی اجازت کے بغیر مجھے ایسی کارروائی نہیں کرنی چاہیے۔ کہنے لگے حضرت! یہاں پانی بھی ہے اور درخت بھی ہیں میرا دل چاہتا ہے کہ بیوی بچے چھوڑ کر یہاں ٹھہر جاؤں اور اللہ اللہ کرتا رہوں۔

اسلام تبتل کا قائل نہیں

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسلام تبتّل کا قائل نہیں ہے۔ تبتل کا معنیٰ ہے کہ آدمی اپنے اہل و عیال، عزیز رشتہ دار وں سے تعلق منقطع کر کے جنگل میں جا بیٹھے، اسلام اس کا سخت مخالف ہے۔ اسلام اجتماعی زندگی کو پسند کرتا ہے اگرچہ اجتماعی زندگی میں تکالیف آتی ہیں مگر یہ تکلیفیں گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں گناہ معاف ہوتے ہیں یہاں تک کہ کانٹا چبھ جائے، چیونٹی کاٹ لے اس پر بھی گناہ معاف ہوتے ہیں، سر درد، پیٹ درد، کمر درد، بخار ہو جائے ان تمام چیزوں پر گناہوں کی معافی ہے۔

حضرت فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اکابر اولیاء اللہ میں سے گزرے ہیں ان کو کوئی تکلیف تھی جس پر وہ بڑے خوش تھے۔ تکلیف جب جاتی رہی تو رونا شروع کر دیا۔ شاگردوں نے، مریدوں نے اور ساتھیوں نے عرض کیا حضرت! جب آپ کو تکلیف تھی تو آپ خوش خوش نظر آتے تھے اور اب جب تکلیف رفع ہو گئی ہے تو روتے ہیں؟ فرمایا اس لیے روتا ہوں کہ اب گناہوں کے معاف ہونے کا سبب ختم ہو گیا ہے کیوں کہ مومن کو کوئی بھی تکلیف آئے تو وہ اس کی نجات کا ذریعہ ہوتی ہے اور گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔

حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا حافظہ عطا کیا تھا اس دور میں انھوں نے جتنا مطالعہ کیا شاید ہی کسی نے کیا ہو۔ ان کی بڑی علمی خدمات ہیں۔ عمر ساری ساٹھ سال تھی۔ وہ فرماتے ہیں: اَلْحَرُّ وَالْقَرُّ يُكَفِّرَانِ الذُّنُوبَ "گرمی اور سردی مومن کے گناہوں کا کفارہ ہیں۔" یعنی گرمی اور سردی کی جو

تکلیف ہے یہ بھی گناہوں کا کفارہ ہے۔ تو گھروں میں رہتے ہوئے جو تکالیف برداشت کرنی پڑتی ہیں اور اُلٹی سیدھی باتیں سنی پڑتی ہیں یہ بھی گناہوں کا کفارہ ہے۔ ایسی یک سوئی کی شریعت قائل نہیں ہے کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر تم اپنی سہولت تلاش کرو۔

میری بیٹیو! مسئلہ اچھی طرح یاد رکھنا کہ نفلی نماز روزے کا بڑا ثواب ہے لیکن گھر کے جو کام ہیں جھاڑو پھیرنا، بچوں کو سنبھالنا، ان کو نہلانا دھلانا، روٹی تیار کر کے دینا، گھر والوں کی خدمت کرنا اس کا ثواب نفلی عبادت سے زیادہ ہے۔

تو فرمایا کہ جنت کا پھل بھی ہمیشہ رہے گا اور سایہ بھی ﴿تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ یہ انجام ہے ان لوگوں کا جو ڈرتے ہیں رب تعالیٰ سے۔ اب دوسری مد کا انجام بھی سن لو۔ فرمایا ﴿وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ﴾ اور کافروں کا انجام دوزخ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان مرد، عورت کو دوزخ سے بچائے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن فرشتوں کو حکم دیں گے وہ آدمی لاؤ جس نے دنیا میں سب سے زیادہ راحت اور آرام کی زندگی گزاری ہے۔ اس کو لایا جائے گا وہ کافر ہوگا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اس کو دوزخ کی ایک ڈبکی (غوطہ) دے کر لاؤ۔ فرشتے اس کو دوزخ کا ایک غوطہ دے کر لائیں گے پھر اللہ تعالیٰ اس کو فرمائیں گے کہ بتا تو نے دنیا میں کتنا سکھ آرام دیکھا ہے؟ وہ کہے گا اے میرے رب! مجھے تیری قسم ہے میں نے کوئی سکھ نہیں دیکھا۔ یہ اس آدمی کا حال ہے جو ساری دنیا میں سکھی تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ وہ آدمی لاؤ جس نے دنیا میں کوئی خوشی نہیں دیکھی۔ وہ لایا جائے گا اور وہ مومن ہوگا جس نے بالغ ہونے سے لے کر مرتے دم تک کوئی خوشی نہیں دیکھی۔ اللہ تعالیٰ اس کو فرمائیں گے کہ جا نہرِ حیات میں ایک غوطہ لگا کر آ، نہرِ حیات جنت کے گیٹ کے اندر ہے، وہ ایک غوطہ لگائے گا اس کا اتنا مزہ اور سرور ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کو فرمائیں گے کہ بتا میرے بندے! تو نے دنیا میں کتنی تکلیف دیکھی ہے؟ وہ کہے گا اے پروردگار! مجھے تیری قسم ہے میں نے کوئی تکلیف نہیں دیکھی۔ آج ہم جنت کی راحت اور دوزخ کی تکلیف کو نہیں سمجھ سکتے۔

اہلِ کتاب کا اسلام قبول کرنا

فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ﴾ اور وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب، تورات، زبور، انجیل، یہود و نصاریٰ کو دی تو ان میں جو نیک دل تھے جیسے عبداللہ ابن سلام، حضرت ثعلبہ، حضرت اُسید، حضرت بن یامین رضی اللہ عنہم یہ پہلے یہودی تھے اور حضرت سلمان فارسی، حضرت تمیم داری، حضرت عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہم یہ پہلے عیسائی تھے انھوں نے قرآن سنا فوراً ایمان لائے۔ ﴿يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ وہ خوش ہوتے ہیں اس چیز پر جو نازل کی گئی ہے آپ کی طرف۔ قرآن پاک کو سن کر خوش ہوتے ہیں کیوں کہ یہ ان کی کتابوں کے مطابق ہے جو غیر محرف تھیں بدلی نہیں گئی تھیں۔

﴿وَمِنَ الْاَحْزَابِ﴾۔ اَحْزَاب حِزْبٌ کی جمع ہے، حزب کا معنیٰ گروہ ہے۔ معنیٰ ہوگا اور گروہوں میں سے جو باقی عرب ہیں ﴿مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ﴾ وہ ہیں جو اس کی بعض باتوں کا انکار کرتے ہیں۔ وہ کیا تھیں؟ پہلی بات توحید تھی۔ سورت صٓفّٰت

آیت نمبر ۳۵ میں ہے ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ "بے شک وہ لوگ کہ جب ان کے سامنے کہا جاتا تھا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، کوئی مشکل کشا نہیں، کوئی حاجت روا نہیں ہے، کوئی فریادرس نہیں ہے، کوئی دست گیر نہیں ہے، کوئی حاکم نہیں اور کوئی مُقنن نہیں ہے تو تکبر کرتے تھے اچھلتے کودتے تھے۔"، کہتے تھے ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ [سورۃ ص: ۵] "کیا اس پیغمبر نے اتنے الٰہوں کا ایک ہی الٰہ بنا دیا ہے یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے۔" یہ ہمارے الٰہ کہاں گئے پھر قیامت کا بھی انکار کرتے تھے اور کہتے تھے ﴿هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ [المومنون: ۳۶] "بعید ہے یہ بات بعید ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا﴾ کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی ﴿ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ﴾ [ق: ۳] یہ لوٹنا دور کی بات ہے۔"

تو فرمایا کہ گروہوں میں سے بعض وہ ہیں کہ جو قرآن کے بعض حصے کا انکار کرتے ہیں۔ ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَآ اُمِرْتُ﴾ پختہ بات ہے مجھے حکم دیا گیا ہے ﴿اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ﴾ کہ میں عبادت کروں اللہ تعالیٰ کی ﴿وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ﴾ اور اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤں کسی چیز کو نہ اس کی ذات میں نہ اس کی صفات میں، وہ وحدہ لاشریک لہ ہے ﴿اِلَيْهِ اَدْعُوْا﴾ اسی کی طرف میں دعوت دیتا ہوں کہ عبادت رب تعالیٰ کی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ ﴿وَاِلَيْهِ مَاٰبِ﴾ اصل میں مَاٰبِیْ تھا "ی" متکلم کی تخفیفاً حذف کی گئی ہے معنیٰ ہوگا اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔ مَاٰبٌ مصدر میمی ہے۔

حفاظتِ قرآن

فرمایا ﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ﴾ اور اسی طرح ہم نے نازل کیا اس قرآن کو جس طرح پہلے پیغمبروں پر کتابیں نازل کی ہیں ﴿حُكْمًا عَرَبِيًّا﴾ ایک فیصلہ عربی زبان میں۔ الحمد للہ! آج آسمانی کتابوں میں سے صرف قرآن کریم اصلی شکل میں موجود ہے دنیا کے کسی خطے میں تم چلے جاؤ تمھیں یہی قرآن ملے گا قرآن کریم کے علاوہ کوئی آسمانی کتاب اصلی شکل میں موجود نہیں ہے اور یہ بات صرف ہم ہی نہیں کہتے بلکہ خود پادری بھی اقرار کرتے ہیں کہ واقعی انجیل بھی اصل شکل میں نہیں ہے اور تورات بھی، زبور بھی اصلی شکل میں نہیں ہیں۔ جب کہ قرآن کریم کے الفاظ بھی محفوظ ہیں، معانی بھی محفوظ ہیں اور قرات و تجوید اور لب ولہجہ بھی محفوظ ہے۔ کیوں کہ اس کا محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے اور دینی مدارس اور مساجد اس کی حفاظت کا ذریعہ ہیں۔ لہٰذا ان کو بھی کوئی ختم نہیں کر سکتا۔

اس کی مثال تم اس طرح سمجھو کہ ایک آدمی اپنے دوست کو کہتا ہے کہ میں کسی کام کے لیے جا رہا ہوں دودھ کا خیال رکھنا، بلی نہ پی جائے اور وہ دودھ پیالے میں ہے۔ تو جس طرح وہ دودھ کی حفاظت کرے گا پیالے کی بھی کرے گا۔ اصل مقصد تو دودھ کی حفاظت ہے مگر اس کی وجہ سے پیالے کی بھی حفاظت ہوگی۔ کیوں کہ پیالے کے بغیر دودھ رہ نہیں سکتا۔ اسی طرح قرآن کریم مساجد اور مدارس کے بغیر کہیں سے حاصل نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ جس حکومت نے بھی مدارس کی طرف آنکھ اٹھائی ہے

رب تعالیٰ نے اس کو ذلیل ہی کیا ہے۔ پچھلے دنوں نواز حکومت نے یہ ارادہ کیا تھا اپنے ابو جی امریکہ کے کہنے پر کہ دینی مدارس پر پابندی لگائیں تو ہمارے پاس بھی کوائف لینے کے لیے آئے تھے کہ تمھارے پاس طالب علم کتنے ہیں مدرس کتنے ہیں، آپ کا ذریعۂ آمدن کیا ہے، کہاں سے مدد ملتی ہے؟ یہ سارے کوائف لے کر چلے گئے مگر اللہ تعالیٰ نے خود ان کا بیڑا غرق کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ دین کا محافظ ہے اور اس کے برتن کا بھی محافظ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ﴾ اور البتہ اگر آپ نے پیروی کی ان لوگوں کی خواہشات کی ﴿بَعْدَ مَاجَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ بعد اس کے کہ آ چکا آپ کے پاس علم ﴿مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ﴾ نہیں ہوگا آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حمایتی، کوئی حمایت نہیں کر سکے گا ﴿وَّلَا وَاقٍ﴾ اور نہ کوئی بچانے والا۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے کوئی بچا نہیں سکے گا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے دوسروں کو سمجھایا جا رہا ہے۔

گفتہ آید در حدیث دیگراں

بعض دفعہ خطاب کسی کو ہوتا ہے اور سمجھانا کسی کو ہوتا ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ہمیں تمھیں سمجھایا جا رہا ہے کہ لوگوں کی خواہشات پر نہ چلو بلکہ جو رب تعالیٰ فرماتے ہیں وہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ [آمین!]

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا﴾ اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے رسول ﴿مِّنْ قَبْلِكَ﴾ آپ سے پہلے ﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ﴾ بنائی ہم نے ان کے لیے ﴿اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً﴾ بیویاں اور اولاد ﴿وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ﴾ اور نہیں ہے کسی رسول کے لیے اختیار ﴿اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ﴾ یہ کہ لائے وہ کوئی نشانی ﴿اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ﴿لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ ہر وعدے کے لیے ایک لکھا ہوا ہے ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ﴾ مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے ﴿وَيُثْبِتُ﴾ اور ثابت رکھتا ہے جس کو چاہے ﴿وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب ﴿وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ﴾ اور اگر ہم دکھائیں آپ کو ﴿بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ﴾ بعض وہ چیزیں جن کی ہم ان کو دھمکی دیتے ہیں ﴿اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ﴾ یا ہم آپ کو وفات دے دیں ﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ﴾ پس پختہ بات ہے آپ کے ذمہ بات پہنچانا ہے ﴿وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ اور ہمارے ذمہ ہے حساب لینا ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا﴾ کیا انھوں نے دیکھا نہیں ہے ﴿اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ﴾ بے شک ہم آتے ہیں زمین پر ﴿نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا﴾ ہم گھٹاتے ہیں اس کو اس کے اطراف سے ﴿وَاللّٰهُ يَحْكُمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ فیصلہ کرتا ہے ﴿لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ﴾ کوئی نہیں ہٹانے والا اس کے حکم کو ﴿وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾

اور وہ جلدی حساب لینے والا ہے ﴿وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ﴾ اور تحقیق تدبیر کی ان لوگوں نے ﴿مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ جو ان سے پہلے تھے ﴿فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا﴾ پس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تدبیر ساری ﴿يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ﴾ جانتا ہے جو کماتا ہے ہر نفس ﴿وَسَيَعْلَمُ الْكُفَّرُ﴾ اور عنقریب جان لیں گے کافر ﴿لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ﴾ کس کے لیے ہے آخرت کا گھر ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿لَسْتَ مُرْسَلًا﴾ نہیں ہے تو بھیجا ہوا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا﴾ کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ ﴿بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ﴾ میرے اور تمہارے درمیان ﴿وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتٰبِ﴾ اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات

کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر طرح طرح کے اعتراضات کیے تھے۔ ان اعتراضوں میں سے ایک یہ بھی تھا، یہ کیسا نبی ہے جس نے اتنی بیویاں کر رکھی ہیں اتنی تو بادشاہوں کی بھی نہیں ہوتیں۔ اولاً تو نبی کی بیوی ہونی ہی نہیں چاہیے اس کو سارا وقت اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنا چاہیے اگر بہت ضروری ہو بھی تو ایک آدھ بیوی کافی ہے اور سطحی قسم کے لوگ یقیناً ایسے اعتراضات کا شکار ہو جاتے ہیں کہ بہ ظاہر بات تو صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی اتنی بیویاں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منکوحہ بیویاں گیارہ تھیں اور دو لونڈیاں تھیں ان میں سے دو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں وفات پا گئی تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی ہیں اور ان کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور کے ساتھ نکاح نہیں کیا یہ مکہ مکرمہ میں فوت ہوئیں اور جنت المعلیٰ کے قبرستان میں ان کی قبر ہے۔ اور دوسری حضرت زینب اُمّ المساکین رضی اللہ عنہا، یہ چند ماہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں رہ کر فوت ہو گئیں۔ ان کی قبر مدینہ طیبہ میں جنت البقیع کے قبرستان میں ہے۔ باقی نو بیویاں اور دو لونڈیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک زندہ تھیں۔ کافروں نے اعتراض کیا کہ اگر یہ نبی ہے تو اتنی بیویاں کرنے کا کیا معنیٰ ہے؟

علمائے کرام رحمہم اللہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے انھوں نے اس اعتراض کے کئی جواب دیے ہیں دو آسان ہیں وہ میں عرض کرتا ہوں۔ کثرتِ ازواج کی ایک وجہ یہ ہے کہ آدھی اُمت عورتیں ہیں اور عورتوں کو تبلیغ عورتیں اچھے انداز میں کر سکتی ہیں۔ کچھ مسائل ایسے ہیں کہ عورتیں عورتوں سے ہی سیکھ اور سمجھ سکتی ہیں۔ وہ مسائل نہ وہ مردوں سے پوچھ سکتی ہیں اور نہ مرد بیان کر سکتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی عورتوں کے ساتھ شادی محض نفسانی خواہش کی تکمیل کے لیے نہیں کی بلکہ مقصود عورتوں میں تبلیغ کرنا تھا کہ عورتوں میں دین پھیلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات عورتوں میں خوب تبلیغ کریں۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ جس جس خاندان کی عورت سے شادی ہوگی اس خاندان کی آپ کے ساتھ اور اسلام کے ساتھ دشمنی مدھم ہو جائے گی یا ختم ہو جائے گی۔ کیوں کہ عرب کا رواج تھا کہ ان کی بچی کی شادی جس خاندان میں ہو جاتی تھی اس سے

عداوت ختم کر دیتے تھے۔ اب وہ سارے خاندان کا داماد کہلاتا تھا۔ آپ ﷺ نے مختلف خاندانوں میں شادیاں اس لیے کیں تاکہ ان کی آپ ﷺ کے ساتھ اور اسلام کے ساتھ دشمنی ختم ہو جائے اور اس کا حقیقتاً اثر ہوا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے جس جس خاندان میں نکاح کیا اس خاندان کی آپ ﷺ کے ساتھ اور اسلام کے ساتھ دشمنی بہت ماند پڑ گئی یا ختم ہو گئی۔ تو اصل مقصد اسلام کی سربلندی تھی اور اسلام کا عورتوں میں پھیلانا تھا محض تکمیل نفس مقصود نہیں تھی۔ تو یہ کہنا کہ ان کی بیویاں زیادہ کیوں ہیں یہ کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا﴾ اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے کئی رسول ﴿مِّنْ قَبْلِكَ﴾ آپ سے پہلے ﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً﴾ بنائی ہم نے ان کے لیے بیویاں اور اولاد بھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں تورات بتلاتی ہے کہ ان کی تین سو بیویاں تھیں اور سات سو لونڈیاں تھیں، واللہ اعلم کس حد تک یہ بات صحیح ہے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سو بیویوں کا ذکر تو بخاری شریف کی حدیث میں ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس لڑکے تھے، حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ تو بیوی اور اولاد کا ہونا نبوت کے منافی نہیں ہے لہٰذا یہ کوئی اعتراض نہیں ہے۔ دوسرا اعتراض یہ کرتے تھے اگر آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں تو صفا اور مروہ کو سونا بنا دیں، کعبۃ اللہ کے اردگرد کے پہاڑ یہاں سے ہٹا کر یہاں نہریں چلا دیں، یہاں باغات ہو نے چاہئیں اور آپ کی کوٹھی سونے کی ہونی چاہیے۔ اس قسم کے مطالبات اُنھوں نے کیے جن کا ذکر پندرھویں پارے میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں ﴿وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ﴾ اور نہیں ہے کسی رسول کے لیے اختیار ﴿اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ﴾ یہ کہ لائے وہ کوئی نشانی، معجزہ ﴿اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ۔ یہ جو معجزات اور نشانیاں ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہیں اور نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتے ہیں نبی کا ذاتی طور پر اس میں کوئی دخل اور اختیار نہیں ہے۔

قانون ناسخ و منسوخ

﴿لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ ہر وعدے کے لیے ایک نوشتہ ہے ہر ایک کی موت و حیات اولاد کا ملنا اور چھن جانا، غنی ہونا، فقیر ہونا، ہر چیز کے لیے رب تعالیٰ کی طرف سے ایک میعاد اور نوشت ہے۔ جو کچھ ہونا ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہوا ہے ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ﴾ مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے ﴿وَيُثْبِتُ﴾ اور ثابت رکھتا ہے جس کو چاہے۔ ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ﴾ سے کیا مراد ہے؟ اس سے متعلق مفسرین کرام رحمہم اللہ کافی تفصیل کرتے ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ﴾ سے مراد وہ حکم ہیں جو پہلے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ختم کر دیا، منسوخ کر دیا ﴿وَيُثْبِتُ﴾ اور بہت سارے احکام باقی ہیں۔ مثلاً: پہلے شراب حلال تھی لوگ پیتے تھے ہجرت کے چوتھے سال رب تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا، پہلے کافرہ عورت کے ساتھ نکاح جائز تھا اور مومن اپنی بیٹی کا نکاح کافر کے ساتھ کر سکتا تھا پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ تو بہت سارے احکام رب تعالیٰ نے مٹا دیے اور بہت سارے حکم ہیں جو ثابت ہیں۔

اور ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ تقدیر کے متعلق ہے۔ تقدیر دو قسم پر ہے مُبْرَمْ اور مُعَلَّقْ۔ مُبْرَمْ وہ ہے جو اٹل ہوتی ہے ٹلتی نہیں ہے جیسے موت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر بیماری کا علاج ہے اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی پیدا نہیں فرمائی جس کا علاج نہ ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ حکیم، ڈاکٹر کی سمجھ میں نہ آئے یا اس کے لیے صحیح دوائی تجویز نہ کر سکیں لیکن علاج ہر بیماری کا ہے۔ دو بیماریاں ایسی ہیں جن کا کوئی علاج نہیں ہے ایک بڑھاپا اور دوسری موت۔ اس لیے فرمایا اللہ کے بندو! عَلَيْكُمْ بِالتَّدَاوِيْ علاج کیا کرو۔

مسئلہ سمجھ لیں اگر کوئی آدمی اس ارادے سے علاج کرے کہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے شفا ہو نہ ہو جو رقم علاج پر خرچ کرے گا اس کا اس کو ثواب ملے گا چاہے اپنی ذات پر خرچ کرے یا اولاد پر، بیوی پر، عزیزوں پر۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اس نیت سے علاج کرانا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے علاج کیا کرو۔ تو تقدیر مبرم نہیں ٹلتی اور دوسری ہے تقدیر معلق۔ اور مُعَلَّقْ وہ ہے جو دعا کے ذریعے ٹل جاتی ہے، دوا کے ذریعے ٹل جاتی ہے۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کے لیے کوئی بیماری لکھی ہے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ یہ دعا کرے گا تو بیماری چلی جائے گی، دوا کرے گا تو بیماری چلی جائے گی یہ کام کرے گا تو اس کا کام بن جائے گا۔

﴿وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ﴾ اور اسی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اصل کتاب یعنی لوح محفوظ جس میں یہ تمام چیزیں درج ہیں۔ لیکن لوحِ محفوظ میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم کا کروڑ در کروڑ واں حصہ بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ لوحِ محفوظ میں دنیا کی پیدائش سے لے کر دنیا کے اختتام تک کے حالات لکھے ہیں اور دنیا کی پیدائش سے پہلے کا جو ازلی علم ہے اور دنیا کے اختتام کے بعد کا جو ابدی علم ہے وہ رب تعالیٰ کا بے شمار علم ہے اور وہ رب تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں لوحِ محفوظ تو محدود سی چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کو تسلی دینا

آگے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ اگر یہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ مذاق کرتے ہیں اور آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں تو ہم ان کو دنیا میں بھی سزا دے سکتے ہیں۔ فرمایا ﴿وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ﴾ اور اگر ہم دکھا دیں آپ کو بعض وہ چیزیں جن کی سزا کی ہم ان کو دھمکی دیتے ہیں اگر آپ کی زندگی میں ایسا کرنا چاہئیں تو ہمیں اس کی قدرت ہے ﴿اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ﴾ یا ہم آپ کو وفات دے دیں ﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ﴾ پس پختہ بات ہے آپ کے ذمہ بات پہنچانا ہے ﴿وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ اور ہمارے ذمہ ہے حساب لینا۔ یعنی آپ ﷺ اپنا کام کرتے جائیں آپ ﷺ کے دشمن سزا سے نہیں بچ سکتے سزا ان کو ضرور ہوگی چاہے آپ ﷺ کی زندگی میں ہم ان کو دے دیں یا بعد میں دیں ہم ہر طرح سے قادر ہیں۔

اگلی آیات کا تعلق بھی اسی وعدے کے ساتھ ہے کہ ہم ان کو دنیا ہی میں تہس نہس کر سکتے ہیں۔ کیا یہ دیکھتے نہیں کہ ہم کس

طرح مسلمانوں کا رقبہ بڑھاتے جارہے ہیں اور کافروں کا گھٹاتے جارہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جب مکہ مکرمہ کی سرزمین پر لوگوں کو توحید و رسالت کا سبق دیا، قیامت کا سبق دیا، قرآن کریم کی حقانیت سمجھائی تو لوگ روز بروز آپ ﷺ کی جماعت میں شامل ہوتے گئے لیکن مکہ مکرمہ میں زمین کا کوئی ٹکڑا آپ ﷺ کے زیر اثر نہیں تھا۔ وہاں سے ہجرت کر کے آپ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ ﷺ کو مدینہ طیبہ کا اقتدار عطا فرمایا پھر خیبر فتح ہوا اس کے بعد مکہ مکرمہ فتح ہوا اور آپ ﷺ کی آخری زندگی میں عرب کی ساری زمین فتح ہوگئی۔ پھر آپ ﷺ کے بعد آپ کے صحیح جانشینوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ دنیا کے آخری کونے تک اسلام پہنچا دیا۔ تو اس طرح روز بروز کافروں کا رقبہ کم ہوتا تھا اور اسلام کا رقبہ بڑھتا جاتا تھا۔ اس کا ذکر ہے ﴿اَوَلَمْ یَرَوْا﴾ کیا اُنھوں نے دیکھا نہیں ہے ﴿اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ﴾ بے شک ہم چلے آتے ہیں زمین پر یعنی ہمارا حکم چلا آتا ہے ﴿نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا﴾ ہم گھٹاتے ہیں اس کو اس کے اطراف سے۔ زمین کافروں کے قدموں سے نکلتی جارہی ہے اور مسلمانوں کے قدموں تلے آرہی ہے۔

حضور ﷺ کی پیشین گوئیاں

مدینہ طیبہ میں ایک بازار تھا اس کو سوق التمر کہتے تھے یعنی کھجور منڈی، یہود کا ایک بڑا قبیلہ تھا بنو قینقاع، ان کی وہاں بڑی بڑی دکانیں تھیں۔ غزوۂ بدر سے واپسی پر آپ ﷺ نے یہاں تقریر فرمائی جس میں مسلمانوں کو بشارت سنائی کہ جس طرح ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بدر میں کامیابی حاصل کر کے آئے ہیں اسی طرح ایک وقت آئے گا کہ قیصر و کسریٰ کی حکومتیں بھی ہمارے قدموں کے نیچے ہوں گی۔ قیصر عیسائی تھا روم کا علاقہ اس کے قبضے میں تھا اور کسریٰ مجوسی تھا ایران کا علاقہ اور خلیج فارس کی ریاستیں اس کے زیر اثر تھیں۔

اس وقت دو ہی قوتیں تھیں ایک قیصر روم اور دوسرا کسریٰ ایران۔ جیسے آج سے چند سال پہلے دنیا میں دو ہی طاقتیں سمجھی جاتی تھیں روس اور امریکہ۔ روس کا اللہ تعالیٰ نے ناس کیا ہے ان شاء اللہ وقت بھی قریب ہے کہ امریکہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے جب کھجور منڈی میں تقریر کے دوران یہ فرمایا کہ ایک وقت آئے گا قیصر و کسریٰ کی حکومتیں بھی تمھارے زیر اثر آئیں گی تو یہود نے مذاق اڑایا اور کہنے لگے دیکھو! عرب کے ناتجربہ کار بدوؤں پر فتح حاصل کر کے خوش ہورہے ہیں اور قیصر و کسریٰ کی فتح کے خواب دیکھ رہے ہیں اور ظاہری حالات بھی ایسے ہی تھے کہ ان کو مذاق کرنا چاہیے تھا۔ کیوں کہ دونوں بڑی قوتیں تھیں اور ان کے پاس لاکھوں کی تعداد میں فوج تھی۔

صرف یرموک کے مقام پر تقریباً پینتالیس ہزار مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں کی سات لاکھ فوج تھی۔ ظاہری طور پر تو کوئی مقابلہ نہیں ہے مگر اس جنگ میں ایک لاکھ تین ہزار آدمی ان کے مارے گئے اور مسلمان صرف تین ہزار شہید ہوئے۔ عزت، ذلت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۲۶ میں ہے ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ

﴿وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ "اے پیغمبر! آپ کہہ دیں اے اللہ! جو بادشاہی کا مالک ہے تو جسے چاہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لیتا ہے اور تو جس کو چاہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہے ذلیل کرتا ہے تیرے ہاتھ میں ہے خیر بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔" ہم خود کچھ نہیں ہیں ہمارے ساتھ رب تعالیٰ کی مدد ہے۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں سارے کا سارا کسریٰ کا علاقہ مع افغانستان کے فتح ہو گیا اور قیصر کا بھی بہت سا علاقہ فتح ہو گیا، استانہ اور قسطنطنیہ تک وہ محدود ہو کر رہ گیا۔ مصر فتح ہوا، عراق فتح ہوا، شام فتح ہوا، آرمینیا اور آذر بیجان کے علاقے فتح ہوئے، تو یہ سارے کنارے اللہ تعالیٰ نے کافروں سے چھین کر مسلمانوں کو دیے۔ آج بھی اگر مسلمان صحیح معنیٰ میں مسلمان بن جائیں تو اسلحہ کوئی شے نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا نام اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سب سے بڑی چیز ہے۔

تو فرمایا کہ اُنھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین پر چڑھے آرہے ہیں ہمارا حکم زمین پر چلا آرہا ہے ہم اس کو اطراف سے گھٹا رہے ہیں ﴿وَاللّٰهُ يَحْكُمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ فیصلہ کرتا ہے ﴿لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ﴾ کوئی نہیں ہٹانے والا اس کے حکم کو۔ کوئی قوت اللہ تعالیٰ کی ذات سے بڑھ کر نہیں ہے کہ وہ رب تعالیٰ کے حکم کو ٹال سکے ﴿وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ اور وہ جلدی حساب لینے والا ہے بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: ((مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ)) "جو مرا ہے پس تحقیق اس کی قیامت قائم ہو گئی۔" بس جنت دوزخ بھی سامنے ہے فرشتے بھی نظر آئیں گے راحت اور تکلیف بھی دیکھ لے گا اپنے اعمال کے مطابق۔ ﴿وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اور تحقیق تدبیریں کی لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے، اسلام کو مٹانے کے لیے بڑی بڑی کوششیں کی ہیں ﴿فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا﴾ پس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تدبیر ساری۔ ان کی تدبیریں رب تعالیٰ کی تدبیر کے مقابلے میں کچھ بھی نہ کر سکیں۔ اب بھی کافر اسلام کو مٹانے کے درپے ہیں لیکن اسلام مٹ نہیں سکتا بلکہ بڑھے گا اور قیامت تک رہے گا۔ مسلم شریف میں حدیث ہے لَا تَزَالُ عِصَابَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ عَلٰى مَنْ نَّاوَاهُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ "اور مسلمانوں میں قیامت تک ایک جماعت ایسی رہے گی جو حق کی خاطر لڑائی اور جہاد کرے گی اور اپنے دشمنوں پر غالب رہے گی۔" تو اسلام کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں مٹا سکتی۔ کافر جتنی بھی خفیہ تدبیریں کریں اللہ تعالیٰ کے علم کے آگے کوئی چیز مخفی نہیں ہے وہ ان کی تدبیروں کو روکنا جانتا ہے۔ ﴿يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ﴾ وہ جانتا ہے جو کماتا ہے ہر نفس ﴿وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ﴾ اور عنقریب جان لیں گے کافر کس کے لیے ہے آخرت کا گھر۔ آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے سب معلوم ہو جائے گا کہ آخرت میں کامیابی کس کو نصیب ہوتی ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جان نکالنے والے فرشتے جب جان نکالنے کے لیے آتے ہیں وہ مرنے والے کو نظر آتے ہیں۔ اگرچہ وہ ڈاکٹر، حکیم اور عزیز رشتہ دار جو وہاں موجود ہوتے ہیں ان کو نظر نہیں آتے۔ یہ اس وقت منتیں کرتا ہے اور کہتا ہے

﴿رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾[المنافقون:۱۰] "اے میرے پروردگار کیوں نہیں تو نے مجھے مہلت دی تھوڑی سی مدت تک تاکہ میں صدقہ کرتا اور ہو جاتا نیکوں میں سے، لیکن ﴿وَ لَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا﴾ اور اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں مؤخر کرے گا کسی جان سے اس کی موت جب کہ اس کا وعدہ آ گیا۔" احادیث میں آتا ہے کہ جب ملک الموت روح نکالنے کے لیے سامنے آتا ہے تو اس کے پیچھے اٹھارہ فرشتے لائن باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ جنتی کے لیے جنت کی خوشبوئیں اور جنت کا کفن اور اگر بدبخت ہے تو جہنم کی بدبو اور جہنم کے ناٹ لے کر کھڑے ہوتے ہیں اور مرنے والے کو یہ سارے نظر آ رہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے ذریعے تمام باتوں سے آگاہ کر دیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی گواہی

﴿وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿لَسْتَ مُرْسَلًا﴾ نہیں ہے تو بھیجا ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًۢا بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ﴾ کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ میرے اور تمھارے درمیان۔ اللہ تعالیٰ کی گواہی کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ ایک گواہی تو قرآن کریم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل فرمایا ہے اور قرآن کریم نے چیلنج کیا ہے کہ اگر کسی میں ہمت ہے تو میرے جیسا قرآن لے کر آؤ۔ چنانچہ سورت بنی اسرائیل آیت نمبر ۸۸ ﴿قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا﴾ "اگر اکٹھے ہو جائیں انسان اور جنات سارے اس بات پر کہ وہ لائیں اس قرآن کے مثل تو نہیں لاسکیں گے اس کی مثل اگرچہ بعض ان کے بعض کے مددگار رہوں۔" پھر اللہ تعالیٰ نے مزید چھوٹ دی کہ قرآن پاک کی دس سورتیں لائیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر باقی سارے اکٹھے ہو جائیں فرشتوں کو بھی ساتھ ملا لیں پھر بھی نہیں لاسکتے۔ پھر آخر میں فرمایا ﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ﴾[یونس:۳۸] "پس لاؤ تم کوئی چھوٹی سی سورت اس قرآن کی سورت کے مثل۔"

قرآن میں تین سورتیں چھوٹی ہیں ایک سورۃ العصر، ایک کوثر اور ایک نصر، یہ تین تین آیات والی سورتیں ہیں اگر تم سب مل کر ایک چھوٹی سی سورت نہیں لاسکتے اور ہرگز نہیں لاسکو گے تو پھر سمجھ جاؤ کہ قرآن بندے کا کلام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر نازل فرمایا ہے۔ یہ اس بات کی گواہی اور دلیل ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے اور سچے ہونے کی دوسری دلیل چاند کا دو ٹکڑے ہونا ہے سورۃ القمر میں ہے ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ "قریب آ گئی قیامت اور پھٹ گیا ہے چاند۔" کافروں نے کہا تھا کہ اگر آپ پیغمبر ہیں تو چاند دو ٹکڑے کر دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کام رب کا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اگر میری تصدیق کے لیے کر دے تو مان لو گے؟ کہنے لگے ہاں! مان لیں گے۔ چاند دو ٹکڑے ہو گیا سب نے آنکھوں کے ساتھ دیکھا ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ تجھے بھی دو ٹکڑے نظر آ رہے ہیں؟ وہ کہتا ہاں! اور تجھے؟ ہاں! اور تجھے؟ ہاں! کہنے لگے ﴿سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ "جادو ہے جو مسلسل چلا آ رہا ہے۔" جادو کہہ کر ٹال دیا

مسلمان نہ ہوئے۔ اور بے شمار معجزات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر صادر ہوئے ہیں یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل تھے مگر انھوں نے نہیں مانا۔

ایک تو اللہ تعالیٰ گواہ ہیں اور کون گواہ ہے؟ فرمایا ﴿وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ﴾ اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔ اس سے مراد یہود و نصاریٰ کے سچے علماء ہیں۔ ان میں سے جو سچے لوگ تھے حضرت عبداللہ ابن سلام، حضرت ثعلبہ، حضرت اسد، حضرت اُسید، حضرت بنیامین رضی اللہ عنہم۔ یہ سارے پہلے یہودی تھے پھر مسلمان ہوئے۔ حضرت سلمان فارسی، حضرت تمیم داری، حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہم، یہ پہلے عیسائی تھے پھر مسلمان ہوئے انھوں نے گواہی دی کہ واقعی یہ سچی کتاب ہے اور یہ وہی رسول ہیں جنھوں نے آنا تھا۔ تو جن کے پاس کتاب کا علم ہے وہ بھی میری نبوت کی گواہی دیتے ہیں اور تم انکار کرتے ہو تو کرتے رہو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ اِبۡرٰهِيۡمَ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇐ وَمَآ اُبَرِّئُ

۱۳

آیاتہا ۵۲ (۱۴) سُوْرَۃُ اِبْرٰهِیْمَ مَکِّیَّۃٌ (۷۲) رکوعاتہا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ﴾ یہ کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے آپ کی طرف ﴿لِتُخْرِجَ النَّاسَ﴾ تاکہ آپ نکالیں لوگوں کو ﴿مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ اندھیروں سے روشنی کی طرف ﴿بِاِذْنِ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کے حکم کے ساتھ ﴿اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ﴾ غالب اور تعریفوں والے کے راستے کی طرف ﴿اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ﴾ وہ اللہ ہے جس کے لیے ہے ﴿مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ﴾ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے ﴿وَ وَیْلٌ لِّلْكٰفِرِیْنَ﴾ اور خرابی ہے کافروں کے لیے ﴿مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِ﴾ سخت عذاب کی ﴿الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ﴾ وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں ﴿الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا﴾ دنیا کی زندگی کو ﴿عَلَى الْاٰخِرَةِ﴾ آخرت کے مقابلے میں ﴿وَ یَصُدُّوْنَ﴾ اور روکتے ہیں ﴿عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿وَ یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ اور تلاش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں کجی ﴿اُولٰٓىٕكَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ﴾ یہ لوگ مبتلا ہیں دور کی گمراہی میں ﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول ﴿اِلَّا﴾ مگر ﴿بِلِسَانِ قَوْمِهٖ﴾ اس کی قوم کی زبان میں ﴿لِیُبَیِّنَ لَهُمْ﴾ تاکہ وہ بیان کرے ان کے سامنے ﴿فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ پس اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ اور وہ غالب حکمت والا ہے ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰیٰتِنَاۤ﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر ﴿اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ﴾ یہ کہ نکال اپنی قوم کو ﴿مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ اندھیروں سے روشنی کی طرف ﴿وَ ذَكِّرْهُمْ﴾ اور یاد دلاؤ ان کو ﴿بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے دن ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ﴾ بے شک اس میں البتہ بہت سی نشانیاں ہیں ﴿لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴾ ہر اس شخص کے لیے جو صبر کرنے والا شکر گزار ہے ﴿وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى﴾ اور جس وقت فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿لِقَوْمِهِ﴾ اپنی قوم کو ﴿اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ﴾ یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جو تم پر ہوئیں ﴿اِذْ اَنْجٰىكُمْ﴾ جس وقت اس نے نجات دی تمھیں ﴿مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ فرعونیوں سے ﴿یَسُوْمُوْنَكُمْ﴾ چکھاتے تھے تمھیں ﴿سُوْٓءَ الْعَذَابِ﴾ برا عذاب ﴿وَ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ﴾ اور ذبح کرتے تھے تمھارے بیٹوں کو ﴿وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ﴾ اور زندہ چھوڑتے تھے تمھاری عورتوں کو

﴿وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ﴾ اور اس میں آزمائش تھی ﴿مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ﴾ تمھارے رب کی طرف سے بہت بڑی۔

انبیاء علیہم السلام میں درجات کی ترتیب:

اس سورت کا نام ابراہیم ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر ہیں اور آنحضرت ﷺ کے بعد ان کا درجہ اور مقام ہے۔ علم عقائد کے بارے میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں درجے کے لحاظ سے، شان اور رتبے کے لحاظ سے پہلا مقام اور درجہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ مخلوق میں آپ ﷺ سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے بعد دوسرا نمبر اور درجہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد مقام ہے موسیٰ علیہ السلام کا۔ چوں کہ اس سورۃ میں ابراہیم علیہ السلام کا بیان اور ان کی تقریر آرہی ہے اس وجہ سے اس سورۃ کا نام سورہ ابراہیم ہے۔ یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس سے پہلے اکہتر [۷۱] سورتیں نازل ہو چکی تھیں نزول کے اعتبار سے اس کا بہتر واں [۷۲] نمبر ہے اور موجودہ ترتیب کے اعتبار سے سورۃ فاتحہ کے بعد چودھویں [۱۴] نمبر پر ہے۔ اس کے سات رکوع اور باون [۵۲] آیات ہیں۔

﴿الٓرٰ﴾ کے متعلق پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ حروف مقطعات میں سے ہے۔ کسی لفظ سے ایک حرف لے کر اختصاراً اس لفظ کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ تو الف سے مراد اللہ تعالیٰ ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے۔ لام سے مراد لَطِيْفٌ ہے (یعنی) باریک بین۔ را سے مراد رحمن ہے، رحیم ہے، رؤف ہے۔ كِتٰبٌ یہ کتاب ہمارے سامنے ہے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ﴾ جس کو ہم نے نازل کیا ہے آپ کی طرف اے نبی کریم ﷺ! کیوں اتارا ہے؟ ﴿لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ تاکہ آپ نکالیں لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف۔ اندھیرے کئی ہیں۔ کفر کا اندھیرا، شرک کا اندھیرا، بدعت کا اندھیرا، جھوٹ کا اندھیرا، غیبت کا اندھیرا، گالی گلوچ کا اندھیرا، برائیاں جتنی ہیں یہ سب اندھیرے ہی اندھیرے ہیں۔ نور سے مراد نورِ ایمان، نورِ توحید، نورِ سنت، نورِ حق۔ یہ نکالنا آپ کے بس کی بات نہیں ﴿بِاِذْنِ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کے حکم کے ساتھ نکالنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ان کو کتاب سنائیں، سمجھائیں آگے حقیقتاً نکالنا رب کا کام ہے۔

ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے:

ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ سورۃ القصص آیت نمبر ۵۶ میں ہے ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ "اے نبی کریم! بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کے ساتھ آپ کو محبت ہو اور لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔" پیغمبر کا کام ہے ہدایت پیش کرنا پھر جو ہدایت کا ارادہ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے گا ﴿اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ غالب اور تعریفوں والے کے راستے کی طرف۔ عزیز اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، معنی ہے غالب۔ حمید کا معنی ہے قابل تعریف۔ صراط مستقیم کے لیے ہم ہر نماز میں دعا کرتے ہیں ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾۔

عزیز اور حمید کون ہے؟ ﴿اللّٰهِ الَّذِيْ﴾ وہ اللہ ہے ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ جس کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں۔ پیدا بھی اسی نے کیا ہے تدبیر بھی وہی کرتا ہے اور ہر چیز کا تصرف بھی اُسی کے اختیار میں ہے خدائی اختیارات کسی ایک کو بھی حاصل نہیں ہیں ﴿وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴾ اور خرابی ہے کافروں کے لیے سخت عذاب کی۔ دنیا کی آگ کا عذاب بھی بڑا سخت ہے اور دوزخ کی آگ اس سے انہتر گنا تیز ہے اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو بچائے۔ اور ویل کے لفظی معنیٰ خرابی، بربادی، ہلاکت کے بھی ہیں۔ کافروں کو عذاب دنیا میں بھی آئے گا، قبر میں بھی آئے گا، میدانِ حشر میں بھی آئے گا پھر پل صراط پر آئے گا اور دوزخ میں آئے گا۔ کافر کون ہیں؟ ﴿الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں دنیا کی زندگی کو ﴿عَلَى الْاٰخِرَةِ﴾ آخرت کے مقابلے میں یعنی ان کی ساری کوشش صرف دنیا کی زندگی کے لیے ہے، نہ حلال، حرام کی تمیز ہے، نہ جائز، ناجائز کی۔ بس یہ سمجھتے ہیں دنیا آنی چاہیے اور آخرت کے لیے کچھ نہیں ہے۔ اور ایک ہے آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا کمانا۔ یعنی ایمان اور عقیدہ درست ہے نماز روزے کا پابند ہے اور ساتھ ساتھ جائز طریقے سے دنیا بھی کماتا ہے، یہ صحیح ہے۔

جائز طریقے سے مال کمانا دین کا حصہ ہے

یاد رکھنا! جائز طریقے سے دنیا کمانا دین کا حصہ ہے۔ بلکہ کام نہ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہوتی ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((كَفٰى بِالْمَرْءِ اِثْمًا اَنْ يُّضَيِّعَ مَنْ يَّقُوْتُ)) "آدمی کے گنہگار ہونے کے لیے یہ کافی ہے یہ کہ ضائع کر دے ان کو جن کی روزی اس کے ذمہ ہے۔" تن آسانی کی وجہ سے گھر کے افراد تنگ ہیں یہ ہڈ حرام ہے کماتا نہیں ہے کام سے جی چراتا ہے۔ چاہے مرد ہے یا عورت جو بھی کام میں کوتاہی کرتا ہے گھر کے افراد اس سے تنگ ہیں یہ بڑے گناہوں میں سے ہے۔

اور حدیث پاک میں آتا ہے: ((اِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الشَّبَابَ الْفَارِغَ الصَّحِيْحَ)) "اللہ تعالیٰ اس نوجوان پر سخت ناراض ہے اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کا شکار ہے جو تندرست ہے اور فارغ رہتا ہے کام نہیں کرتا۔" روزی کمانے کا حکم بھی اسی طرح ہے جیسے طرح نماز روزے کا حکم ہے۔ نماز کے متعلق فرمایا ﴿اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ امر کے صیغہ کے ساتھ، نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ کے متعلق فرمایا ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ امر کے صیغہ کے ساتھ، تم زکوٰۃ ادا کرو۔ اسی امر کے صیغے کے ساتھ حلال روزی کمانے کا حکم بھی دیا ہے ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ "پس جب نماز پوری کر لی جائے (جمعہ والے دن) پس پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ تعالیٰ کے فضل سے۔" لہٰذا جو کام نہیں کرتا وہ گنہگار ہے۔ ہاں بیمار ہے، معذور ہے تو یہ بات علیحدہ ہے۔

انسان کا بدن حرکت کرے تو اس میں قوت آتی ہے

نوجوانو، عزیزو! تم بھی یاد رکھو! اور بیٹیو! تم بھی یاد رکھو! فارغ رہنا از روئے شرع گناہ ہے اور طبی لحاظ سے بھی اگر انسان

کا بدن حرکت نہ کرے تو بیمار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے بدن کی ساخت ہی ایسی بنائی ہے کہ یہ حرکت کرتا رہے تو اس میں قوت آتی ہے اور یہ صحت مندر رہتا ہے۔ یہ جو بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں ہیں وہ آج کل کے جوان مردوں اور جوان عورتوں سے زیادہ طاقت ور (اور صحت مند) نظر آتے ہیں۔ کیوں کہ وہ جوانی میں محنت کرتے تھے، کام کرتے تھے۔ پہلے زمانے میں عورتیں چادریں، کھیس ڈنڈے مار مار کے خوب صاف کرتی تھیں اب سارے کام مشینیں کرتی ہیں عورتیں کمزور ہو گئی ہیں، الاماشاء اللہ۔ آج کل عورتیں تن آسانی کو ترجیح دیتی ہیں چارپائی پر لیٹے رہنے کو کمال سمجھتی ہیں جس کی وجہ سے بیماریاں بڑھ گئی ہیں۔

تو فرمایا کافر لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں آخرت پر ﴿وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اور روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے اپنے قول کے ساتھ بھی اور اپنے فعل کے ساتھ بھی لوگوں کو حق سے روکتے ہیں۔ اس وقت ٹی وی، وی سی آر وغیرہ یہ چیزیں دین سے روکنے والی ہیں اور ذہن کو بگاڑنے والی چیزیں ہیں ﴿وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ اور تلاش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں کجی، اپنی مرضی کے مطابق اسلام کو چاہتے ہیں نام اسلام کا ہو اور مرضی اپنی ہو ﴿أُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ﴾ یہ لوگ مبتلا ہیں دور کی گمراہی میں، حق سے بہت دور ہیں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے بچائے اور محفوظ رکھے۔

آگے اللہ تعالیٰ ایک ضابطہ بیان فرماتے ہیں۔ فرمایا ﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول ﴿إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ﴾ مگر اس کی قوم کی زبان میں جو قوم کی زبان تھی اسی زبان میں نبی آئے ﴿لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾ تاکہ پیغمبر بیان کرے ان کے سامنے اور وہ سمجھیں۔ اگر غیر ملکی زبان ہو تو آدمی نہیں سمجھ سکتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت فرمائی کہ پیغمبر اسی قوم میں سے بھیجا اور اسی زبان میں سے بھیجا جو زبان اس قوم کی تھی تاکہ وہ اچھی طرح سمجھیں۔ صوبہ سرحد میں ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں بابا عبدالرحمٰن رحمہ اللہ، پشتو زبان میں ان کا بہت بڑا دیوان ہے جس کا نام دیوانِ عبدالرحمٰن ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

سارچہ سورَی لہ ورشی ھلتہ سم شی

تہ پہ کورے لم مالم کے نہ سم شوے رحمانہ

تمھیں کیا سمجھ آئے گی کچھ سمجھ نہیں آئے گی۔ زبان ہوتی تو سمجھ آتی اور وہ بڑی اونچی بات کہہ گئے ہیں۔ "کہتے ہیں سانپ جس وقت اپنے بل میں داخل ہوتا ہے تو سیدھا ہو کر داخل ہوتا ہے اے عبدالرحمٰن! تم قبر کے کنارے آگئے ہو اور تیرے بل نہیں نکلے۔" اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر قومی زبان میں بھیجا تاکہ وہ بات کو سمجھیں۔

﴿فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ پس اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور یہ بات کئی دفعہ بیان ہو چکی ہے کہ ﴿وَيَهْدِيْٓ إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ﴾ [الرعد: ۲۷] "اور ہدایت اس کو دیتا ہے جو رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔" ﴿يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [المومن: ۷۴] "گمراہ کرتا ہے کافروں کو۔" ﴿وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [ابراہیم: ۲۷] "اور گمراہ کرتا ہے ظالموں کو۔" نہ زبردستی کسی کو مسلمان بناتا ہے اور نہ زبردستی کسی کو کافر بناتا ہے اس نے انسان کو اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف: ۲۹] "پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے

کفر اختیار کرے۔" ﴿وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ اور وہ غالب حکمت والا ہے ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰیٰتِنَاۤ﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر۔ قرآن پاک میں ان کی نو نشانیوں کا ذکر ہے۔ ان میں سے ایک عصا ہے کہ جب اس کو پھینکتے تھے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سانپ اور اژدہا بن جاتا، پھر جب اس پر ہاتھ رکھتے تھے تو وہ سانپ یا اژدہا لاٹھی بن جاتا تھا اور اس کے ذریعے انھوں نے جادوگروں پر غلبہ بھی حاصل کیا۔ اور ایک نشانی یہ تھی کہ اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کے نکالتے تھے تو وہ اس طرح روشن ہو جاتا جیسے یہ بلب ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ اس کی روشنی ہوتی تھی۔ ان کے علاوہ طوفان ہے، ٹڈی ہے، قمل وغیرہ ہیں۔ نشانیاں دے کر بھیجا ﴿اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ﴾ یہ کہ نکال اپنی قوم کو ﴿مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ اندھیروں سے روشنی کی طرف۔ کفر، شرک اور بدی کے اندھیروں سے ایمان، اسلام، حق و توحید کی روشنی کی طرف ﴿وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ﴾ اور یاد دلاؤ ان کو اللہ تعالیٰ کے دن۔

ایام کا مفہوم:

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ایام اللہ سے مراد وہ دن ہیں جن دنوں میں نافرمان قوموں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا ہے۔ نوح علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا، ہود علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا، صالح علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا، شعیب علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا ان کو یاد کراؤ کہ اگر ان قوموں کی طرح تم نافرمانی کرو گے تم پر بھی عذاب آئے گا۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ ایام اللہ سے مراد وہ دن ہیں جن دنوں میں اللہ تعالیٰ نے قوموں کو آزادی دی ہے، نعمتوں کے ساتھ نوازا ہے، اولاد اور مال دیا ہے۔

طبائع دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ کہ نعمت کو سامنے رکھ کر نصیحت حاصل کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو ڈر کے ذریعے سمجھتے ہیں اور کامل آدمی وہ ہے جو دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے۔ بہادر شاہ ظفر دہلی کا آخری بادشاہ تھا اور وہ شاعر بھی تھا اس نے بڑی خوب صورت بات کہی ہے۔ کہتے ہیں۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

آدمی وہ ہے جو عیش کی زندگی میں رب کو نہ بھولے اور طیش میں آئے تو خدا کے خوف سے بے نیاز نہ ہو۔ جب اللہ تعالیٰ انسان کو کوئی سہولت دے راحت اور آرام دے تو اُسے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا زیادہ شکر ادا کرنا چاہیے اور ضرور سوچے کہ میں پہلے کیا تھا اور اب میری کیا حالت ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے یہاں تک پہنچایا ہے۔ تو جب یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ مزید نعمت عطا فرمائیں گے۔ اگلے رکوع میں آئے گا ﴿لَىٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ﴾ اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمھیں زیادہ نعمتیں دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میری گرفت اور عذاب بڑا سخت ہے۔ فرمایا ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴾ بے شک اس میں البتہ بہت سی نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لیے جو صبر کرنے والا ہے تکلیفوں میں شکر گزار ہے رب کی نعمتوں پر۔ آگے ایک خاص

واقعے کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

بنی اسرائیل پر ابتلاء

وہ یہ کہ فرعون کو ایک نجومی نے خبر دی کہ ان تین سالوں میں بنی اسرائیل کے خاندان میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری حکومت کی تباہی کا سبب بنے گا۔ اس نجومی پر لوگوں کا کافی اعتماد تھا وہ جو حساب لگاتا تھا عموماً صحیح ہو جاتا تھا۔ فرعون نے اپنے وزیر اعظم ہامان کو بتایا (وہ بھی اسی طرح کا تھا) کہ خاندانِ بنی اسرائیل میں لڑکا پیدا ہوگا جو میری سلطنت کی تباہی کا سبب بنے گا۔ تو انھوں نے ایک فورس تشکیل دی جس میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی جس کی ڈیوٹی تھی کہ بنی اسرائیل کے گھروں میں جا کر دیکھو کہ کون سی عورت حاملہ ہے ان کا ریکارڈ تیار کرو۔ اگر بچہ پیدا ہو تو اس کو ذبح کر دو۔ چنانچہ ان تین سالوں میں جو بھی لڑکا پیدا ہوتا اس کو ذبح کر دیتے جیسے قصائی بکرا چھترا ذبح کرتا ہے اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتے کیوں کہ عورتوں سے کوئی خدشہ نہیں تھا۔ نجومی نے لڑکے کا بتایا تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں اور تفسیروں میں بھی ہے کہ ان سالوں میں بارہ ہزار بچے قتل ہوئے اور نوے ہزار ماؤں کے حمل دیدہ دانستہ گرائے گئے کہ ممکن ہے کہ لڑکا ہو اور ہماری آنکھوں کے سامنے ذبح کیا جائے اور ہماری ممتا گوارا نہ کر سکے۔ علامہ بونی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں عملیات میں ان کی کتاب "شمس المعارف" جو چار جلدوں میں ہے اول نمبر کی کتاب ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ فرعون نے ستر ہزار بچے قتل کرائے۔ بہر حال بارہ ہزار کی تعداد بھی کوئی کم نہیں ہے اور نوے ہزار ماؤں نے حمل خود گرا دیے۔

اکبر الٰہ آبادی مرحوم طنز نگار شاعر گزرے ہیں ان کی کتاب "کلیات اکبر" ہے اس میں وہ بڑی بڑی عجیب باتیں لکھتے ہیں۔ یہ بھی لکھا ہے:۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

کہ بچوں کو قتل کرا کے بین الاقوامی طور پر بدنام ہو گیا وہ کالج بنا کر بچوں کے ذہن بگاڑ دیتا تو یہ آسان تھا۔ طنز کر گئے کہ کالجوں میں بچوں کے ذہن بگڑتے ہیں۔

مسلمانوں کے خلاف روسی سازش

مجھے یاد ہے کہ ۱۹۴۰ء کے قریب قریب کی بات ہے ہم شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بخاری شریف پڑھ رہے تھے اس سال دورۂ حدیث میں ہم تین سو تینتیس (۳۳۳) آدمی تھے۔ میں دوسری لائن میں ہوتا تھا میرے ساتھ ایک بوڑھا تاتاری جرنیل تھا وہ کچی پکی اُردو بولتا تھا ہم اس کے ساتھ مذاق بھی کرتے تھے کہ بابا تمھیں کیا خیال آ گیا ہے پڑھنے کا؟ وہ کہتا تھا کہ کیا میرے لیے دین پڑھنا حرام ہے۔ سبق کے دوران میں کسی نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو اخبار کی ایک

کٹنگ ؟ ایک تراشا پیش کیا جس میں لکھا ہوا تھا کہ روس نے افغانستان کے سربراہ ظاہر شاہ کو دو باتوں کی پیش کش کی ہے۔ایک یہ کہ میں اپنی طرف سے ٹیچر اور ماسٹر بھیجوں گا جو تمھارے کالجوں میں بچوں کو مفت پڑھائیں گے تنخواہ روس دے گا اور دوسری یہ کہ تمھارے جو بچے روس میں آکر تعلیم حاصل کریں گے ان کا خرچہ حکومت روس برداشت کرے گی اور ظاہر شاہ نے یہ دونوں پیش کشیں مان لی ہیں۔اس وقت حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب وغریب کیفیت تھی اور رو پڑے فرمانے لگے ظاہر شاہ! بڑی نادانی کی ہے، ظاہر شاہ! بڑی نادانی کی ہے، ظاہر شاہ! بڑی نادانی کی ہے۔یہ تو میں مالی فائدہ دے کر اپنے نظریات پھیلاتی ہیں۔

چنانچہ اس کے چند سال بعد اخبارات میں یہ خبر آئی اس وقت پاکستان ابھی نہیں بنا تھا کہ وہ لڑکے جو روس میں تعلیم حاصل کرنے گئے تھے ان میں سے ایک واپس افغانستان آیا تو اس کے والد نے کہا کہ اب میں نے تیری شادی کا انتظام کرنا ہے۔تو اس لڑکے نے کہا کہ میں نے اپنی بہن سے شادی کرنی ہے۔والد نے کہا کہ یہ تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا کہ یہ بہن بھی تو عورت ہی ہے۔والد نے کہا کہ تیرے ہوش وحواس ٹھکانے ہیں کیا؟ اس نے کہا ہاں! میں اچھا خاصا پڑھا لکھا ہوں میرے پاس کالج کی ڈگری ہے یہ بھی عورت ہی ہے میں نے اس کے ساتھ شادی کرنی ہے۔غیرت مند والد نے اس کو گولی سے اُڑا دیا۔

اور سنیے! یہ جہاں واہ فیکٹری ہے یہاں چینی لوگ آگئے اور اُنھوں نے اپنے نظریات پھیلانے شروع کر دیے۔اس علاقے کے طلبہ ہمارے پاس پڑھتے تھے انھوں نے بتایا کہ وہ کہتے ہیں کہ گدھ حلال ہے، سانپ حلال ہے، بچھو حلال ہے، چھپکلی وغیرہ حلال ہے یہ خدا کی مخلوق ہے اس کو خدا نے مخلوق کے لیے پیدا کیا ہے۔بچوں کے وہ ذہن بگاڑتے ہیں۔تبلیغی حضرات نے بھی وہاں جا کر ان کو تبلیغ کی مگر کالج کے اندر جانا بڑا مشکل تھا۔اس علاقے کے ہمارے شاگرد ہیں مولانا عزیز الرحمن صاحب ایم اے ہیں اور وکیل بھی ہیں نصرۃ العلوم میں مدرس ہیں۔ہم نے ان کو آمادہ کیا کہ آپ اس کالج میں جا کر ملازمت اختیار کریں چاہے کلرک لگ جائیں یا چپڑاسی بھرتی ہو جائیں اور کالج کے اندر جو طلبہ ہیں ان کی ذہن سازی کرو۔چنانچہ مولانا نے ہماری بات مان لی اور کئی سال وہاں کلرک کی حیثیت سے رہے اور بچوں کے ذہن صاف کیے۔تو یہ جو کالج ہیں یہ لوگوں کے ذہن بگاڑنے کے لیے ہیں۔ہاں! ایسا بچہ جس کا پہلے سے ذہن صاف کر دیا گیا ہے چاہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی اس کے کالج جانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور جو بچے خالی الذہن کالج میں جاتے ہیں وہ مرتد ہو کر واپس آتے ہیں الا ماشاء اللہ۔

کافی سال پہلے کی بات ہے کہ میرے پاس کراچی سے کچھ مہمان آئے درس کے وقت مجھے ملے اور کہنے لگے کہ ہم سیدھا آپ کے پاس آئے ہیں ایک مشورہ کرنے کے لیے۔وہ ٹائم میرا نصرت العلوم جانے کا تھا میں نے ان سے کہا کہ میں نے نصرت العلوم جانا ہے واپس آکر آپ سے بات کروں گا۔اُنھوں نے کہا کہ ایک بجے ہماری واپسی کی فلائٹ ہے ہم نے ضرور جانا ہے۔میں نے ان سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو ناشتہ کرو میں دس ساڑھے دس بجے کے قریب آجاؤں گا۔میں نے اہل خانہ سے کہا کہ ان کے لیے ناشتہ تیار کرو۔میں نصرت العلوم پہنچ کر سبق پڑھا رہا تھا کہ چھ آدمی آگئے، کہنے لگے ہم نے آپ سے بات کرنی ہے۔میں نے کہا کہ اگر مدرسے کی کوئی انتظامی بات ہے تو مہتمم صاحب موجود ہیں، ناظم صاحب موجود ہیں۔اگر مسئلہ پوچھنا

ہے تو دارالافتاء میں مفتی موجود ہیں ان سے مسئلہ پوچھ لو۔ کہنے لگے نہیں آپ کے ساتھ بات کرنی ہے۔ میں نے کہا میرے گھر مہمان بیٹھے ہیں اور انھوں نے واپسی کی ٹکٹیں لی ہوئی ہیں وہ میرے انتظار میں ہیں میرا عذر ہے۔ وہ کہنے لگے نہیں آپ کے ساتھ بات کرنی ہے۔ میں بڑا پریشان ہوا میں نے کہا بات کیا ہے؟ کہنے لگے یہ نوجوان ملتان کالج میں پڑھتا تھا یہ کہتا ہے کہ خدا کوئی نہیں ہے اس کو خدا کے وجود کے بارے میں سمجھائیں۔ مولانا عبدالقیوم صاحب میرے پرانے شاگردوں میں سے ہیں وہ یہاں گکھڑ میرے پاس پاکستان بننے سے پہلے پڑھتے رہے ہیں۔ اِن کو میں نے اُن کے حوالے کیا کہ تم اِن کو سمجھاؤ میں جارہا ہوں۔

تو اکبر الٰہ آبادی مرحوم کہتے ہیں کہ افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی کہ کالج بنا کر بچوں کے ذہن بگاڑ دیتا یہ آسان تھا بہ نسبت ان کو قتل کرنے کے۔ اس کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ﴾ اور جس وقت فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ﴿اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ یاد کرو تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جو تم پر ہوئیں ہیں ﴿اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ جس وقت اس نے نجات دی تمھیں فرعونیوں سے ﴿يَسُوْمُوْنَكُمْ﴾ چکھاتے تھے تمھیں ﴿سُوْٓءَ الْعَذَابِ﴾ برا عذاب۔ وہ کیا تھا؟ ﴿وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ﴾ اور ذبح کرتے تھے تمھارے بیٹوں کو ﴿وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ﴾ اور زندہ چھوڑتے تھے تمھاری عورتوں کو ﴿وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ﴾ اور اس میں آزمائش تھی امتحان تھا ﴿مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ﴾ تمھارے رب کی طرف سے بہت بڑا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی شان اور قدرت کہ موسیٰ علیہ السلام انھی سالوں میں پیدا ہوئے اور فرعون کے گھر پلے جوان ہوئے اور فرعون کچھ نہ کر سکا۔

﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ﴾ اور جب واضح اعلان کیا تمھارے پروردگار نے ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ البتہ اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں ضرور بالضرور تمھیں زیادہ دوں گا ﴿وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ﴾ اور البتہ اگر تم ناشکری کرو گے تو ﴿اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾ بے شک میرا عذاب بہت سخت ہے ﴿وَقَالَ مُوْسٰٓى﴾ اور فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ اگر کفر اختیار کرو تم اور جو بھی زمین میں ہیں سارے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ البتہ بے پروا تعریفوں والا ہے ﴿اَلَمْ يَاْتِكُمْ﴾ کیا نہیں آئی تمھارے پاس ﴿نَبَؤُا الَّذِيْنَ﴾ خبر ان لوگوں کی ﴿مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ جو تم سے پہلے تھے ﴿قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ﴾ نوح علیہ السلام کی قوم اور قوم عاد اور قوم ثمود ﴿وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ﴾ اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے ﴿لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ﴾ نہیں جانتا ان کو کوئی بھی مگر صرف اللہ تعالیٰ ﴿جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ﴾ آئے ان کے پاس ان کے رسول ﴿بِالْبَيِّنٰتِ﴾ واضح دلائل لے کر ﴿فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ﴾ پس لوٹائے انھوں نے اپنے ہاتھ ﴿فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ﴾ اپنے مونہوں میں ﴿وَقَالُوْٓا﴾ اور کہا انھوں نے ﴿اِنَّا كَفَرْنَا﴾

بے شک ہم منکر ہیں ﴿بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ﴾ اس چیز کے جو تم دے کر بھیجے گئے ہو ﴿وَاِنَّا لَفِیْ شَكٍّ﴾ اور بے شک البتہ ہم شک میں ہیں ﴿مِّمَّا﴾ اس چیز سے ﴿تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ﴾ جس کے بارے میں تم ہمیں دعوت دیتے ہو وہ شک تردد میں ڈالتا ہے ﴿قَالَتْ رُسُلُهُمْ﴾ کہا ان کے رسولوں نے ﴿اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہے ﴿فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ جو بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا ﴿یَدْعُوْكُمْ﴾ وہ تمھیں دعوت دیتا ہے ﴿لِیَغْفِرَ لَكُمْ﴾ تاکہ وہ بخش دے ﴿مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ﴾ تمھارے گناہ ﴿وَ یُؤَخِّرَكُمْ﴾ اور تاکہ وہ تمھیں مہلت دے ﴿اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ایک مدت مقرر تک ﴿قَالُوْۤا﴾ کہا انھوں نے ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ نہیں ہو تم مگر بشر ہمارے جیسے ﴿تُرِیْدُوْنَ﴾ چاہتے ہو تم ﴿اَنْ تَصُدُّوْنَا﴾ کہ ہمیں روکو ﴿عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ اس سے جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا ﴿فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ﴾ لاؤ تم ہمارے پاس کوئی کھلی دلیل۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتابوں اور اپنے پیغمبروں کے ذریعے ہر دور میں یہ اعلان کروایا ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ﴾ اور جب واضح اعلان کیا تمھارے پروردگار نے ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ﴾ البتہ اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں ضرور بالضرور تمھیں زیادہ دوں گا۔ لام بھی تاکید کا ہے اور یہ جو نون مشدد ہے یہ بھی تاکید کا ہے۔ دو تاکیدیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے شکر کا بہترین طریقہ

شکر کس طرح ادا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کی توحید ماننے میں، اس کی اطاعت کرنے میں، اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان لانے میں اور اللہ تعالیٰ نے جو کام بتلائے ہیں وہ کرے اور جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے رک جائے۔ اور عبادات میں سب سے اہم چیز نماز ہے نماز کے ذریعے جو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا ہوتا ہے وہ اور کسی فعل کے ذریعے ادا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ نماز میں گھٹنے بھی زمین پر لگتے ہیں، پاؤں بھی، ہاتھ بھی، ناک اور پیشانی بھی، یہ انسان کی انتہائی عاجزی کی حالت ہوتی ہے اپنی اس عاجزی کی حالت میں کہتا ہے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی میرا رب بہت بلند ہے اور کمزوریوں سے پاک ہے۔ اپنی پستی میں رب کی بلندی کے گیت گاتا ہے۔ نماز کے متعلق چند مسائل سمجھ لیں اور ان کو یاد رکھنا۔ سجدے میں ناک اور پیشانی زمین پر لگے اگر بغیر کسی عذر کے ناک اور پیشانی زمین پر نہ لگی تو نماز نہیں ہوگی۔ البتہ اگر سخت سردی ہو جیسے آج کل ہے یا سخت گرمی ہو تو اپنی پگڑی یا رومال اور ٹوپی پر سجدہ کرنے کی اجازت ہے مگر عام حالات میں پیشانی ننگی کرنی پڑے گی اور سجدے کی حالت میں دونوں پاؤں زمین پر لگے ہوئے ہوں اگر دونوں پاؤں سجدے کی حالت میں زمین سے اٹھے ہوئے ہوں گے تو نماز نہیں ہوگی پڑھنے کے باوجود گردن پر رہے گی۔ اگر ایک پاؤں لگا ہوا ہے اور دوسرا اٹھا ہوا ہے تو نماز مکروہ ہوگی۔ مردوں نے سجدے میں بازو اٹھا کر رکھنے

ہیں اور عورتوں نے پست کر کے زمین کے ساتھ ملا کر رکھنے ہیں۔ مردوں کے لیے الگ حکم ہے اور عورتوں کے لیے الگ۔

تو سجدے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی بڑھائی اور بلندی کی تسبیح پڑھنی ہے یہ زبان کا شکریہ ہے اور صرف زبان سے شکر ادا کرنا نا کافی ہے۔ کیوں کہ رب تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ تو سارا بدن اُٹھاتا ہے سر سے لے کر پاؤں تک۔ طب کی کتابوں میں ہے کہ آدمی جب پانی پیتا ہے تو دو منٹ میں ناخنوں تک پہنچ جاتا ہے۔ تو نعمتوں سے فائدہ تو سارا بدن اٹھائے اور شکریے کے لیے صرف دو تولے کی زبان ہلانا ہی کافی سمجھا جائے کہ الحمد للہ! کہہ دے یہ مذاق ہے شکریہ نہیں ہے۔ شکریہ یہ ہے کہ سارے اعضاء رب تعالیٰ کے سامنے جھکیں اس کی بہترین صورت نماز ہے۔

تو فرمایا کہ اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں زیادہ دوں گا ﴿وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ﴾ اور البتہ اگر تم ناشکری کرو گے تو ﴿إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ بے شک میرا عذاب بہت سخت ہے ﴿وَقَالَ مُوسَىٰ﴾ اور فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿إِن تَكْفُرُوا أَنتُمْ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ اُوپر سے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ چلا آ رہا تھا درمیان میں شکریہ کا مسئلہ بیان فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر تم کفر اختیار کرو گے اور جو بھی زمین میں ہیں سارے، زمین میں جتنی مخلوق ہے معاذ اللہ تعالیٰ ساری کی ساری کافر ہو جائے تو رب تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑتا کیوں کہ ﴿فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ البتہ بے پرواہ ہے لوگوں کی عبادت سے لوگوں کے اعمال سے اس کو کوئی ضرورت نہیں ہے وہ فی حد ذاتہ قابل تعریف ہے۔ تم اس کی تعریف کرو نہ کرو اس کی خدائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر (معاذ اللہ تعالیٰ) سب کے سب لوگ کافر ہو جائیں تو خدا کی خدائی میں ایک رتی برابر فرق نہیں پڑتا اور اگر سب کے سب لوگ نیک ہو جائیں تو رب تعالیٰ کی عظمت میں، بڑائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ تمھارے اعمال تمھارے کام آئیں گے اللہ تعالیٰ تمھاری نیکیوں کا محتاج نہیں ہے ناشکری کرو گے تو اس کا وبال تمھارے اوپر پڑے گا۔ دیکھتے نہیں ہو جن لوگوں نے رب تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کی ہے ان کا کیا حشر ہوا؟

اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے کوئی شے نہیں بچا سکتی

﴿أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ﴾ کیا نہیں آئی خبر تمھارے پاس ان لوگوں کی جو تم سے پہلے تھے ﴿قَوْمِ نُوحٍ﴾ نوح علیہ السلام کی قوم کا قصہ تم نے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی نعمتیں دی تھیں باغات دیے، زمینیں دیں، اولاد دی تھی، مال دیا تھا، لمبی لمبی عمریں دیں، اپنی چھ چھ پشتیں اُنھوں نے دیکھی لیکن جب اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پانی میں ڈبو کے مار دیا۔ ﴿وَعَادٍ﴾ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ہود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عاد قوم کی طرف مبعوث فرمایا۔ یہ بڑے قد آور اور مضبوط لوگ تھے ﴿مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ [حٰم سجدہ:۱۵] کا نعرہ لگاتے تھے "کون ہے ہم سے زیادہ طاقت ور" اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اللہ تعالیٰ نے ان پر مسلسل ہوا مسلط فرمائی۔ اس ہوا نے ان کو دور دور جا کر پھینک دیا کوئی ایک میل کے فاصلے پر گرا ہوا ہے کوئی دو میل کے فاصلے پر گرا ہوا ہے ﴿كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ [الحاقہ:۷] جیسے کھجور کے تنے پڑے ہوتے

ہیں۔﴿وَثَمُوْدَ﴾ حضرت ہود علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو ثمود قوم کی طرف مبعوث فرمایا۔ یہ قوم حجر کے علاقے میں آباد تھی اُنھوں نے پتھر کی بڑی بڑی چٹانوں میں مکان بنائے ہوئے تھے کہتے تھے کہ زلزلے آتے ہیں دیواریں پھٹ جاتی ہیں گر جاتی ہیں اس لیے چٹانوں میں مکان بناتے تھے انہیں تراش تراش کر۔ مگر جب اُنھوں نے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک ڈراؤنی آواز نکالی کہ اس کی وجہ سے زلزلہ پیدا ہوا سب کے دل پھٹ گئے اور ختم ہو گئے۔

﴿وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے ﴿لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ﴾ نہیں جانتا ان کی کوئی بھی تفصیل اللہ تعالیٰ کی ذات کے بغیر۔ بے شمار قومیں دنیا میں آئی ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سے بغاوت کی تو وہ دنیا کے عذاب میں مبتلا ہوئے ﴿جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ آئے ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر۔ حسی طور پر معجزات بھی دکھائے اور معنوی طور پر بڑے معقول دلائل پیش کیے لیکن لوگوں نے نہیں مانا ﴿فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ﴾ پس اُنھوں نے لوٹائے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں۔ اس جملے کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ کافر پیغمبروں کی عظمت کو دیکھ کر بڑے جلتے تھے ﴿عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ﴾ [آل عمران:۱۱۹] "غصے کی وجہ سے تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں۔" اپنے منہ میں ڈال کر کہ یہ ہم سے بڑھ گئے ہیں لوگ ان کے ساتھ زیادہ مل گئے ہیں۔ اور ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ جس وقت پیغمبر تبلیغ شروع کرتے تو کافر اپنے ہاتھ اپنے منہ کی طرف لوٹا کر اشارہ کرتے کہ خبردار! آگے نہ بولنا۔

اور یہ بھی تفسیر کی گئی ہے کہ اپنے ہاتھ پیغمبروں کے منہ پر جا کر رکھ دیے کہ چپ کر جاؤ آگے نہ بولنا۔ اور یہ بھی تفسیر کرتے ہیں کہ پیغمبروں کی تعلیم سن کر ان کو ہنسی آ گئی پھر ہنسی کو روکنے کے لیے اپنے منہ کے آگے اپنے ہاتھ رکھ لیے اور یہ تفسیر بھی کرتے ہیں کہ پیغمبروں کے ہاتھ پیغمبروں کے مونہوں پر رکھ دیے کہ چپ کر جاؤ تم نے کیا شور مچایا ہوا ہے۔ اور اَیْدِیْ کا معنیٰ نعمتوں کا بھی آتا ہے، یَدٌ کی جمع ہے اور یَدٌ کا معنیٰ نعمت ہے۔ تو پھر معنی ہوگا کہ پیغمبروں نے جو نعمتیں پیش کی تھیں توحید کی نعمت، رسالت کی نعمت، احکاماتِ الٰہی کی نعمتیں، وہ سب اُنھوں نے پیغمبروں کے منہ پر پھینک دیں کہ ہم نہیں مانتے۔ ﴿وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا﴾ اور کہا اُنھوں نے بے شک ہم منکر ہیں ﴿بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ﴾ اس چیز کے جو تم دے کر بھیجے گئے ہو۔ ہم نہ توحید کو مانتے ہیں، نہ رسالت کو مانتے ہیں اور نہ تمھاری باتوں کو مانتے ہیں ﴿وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ﴾ اور بے شک البتہ ہم شک میں ہیں ﴿مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ﴾ اس چیز سے جس کے بارے میں تم ہمیں دعوت دیتے ہو ﴿مُرِيْبٍ﴾ وہ شک ہمیں تردد میں ڈالتا ہے۔

﴿قَالَتْ رُسُلُهُمْ﴾ ان کے پیغمبروں نے کہا ﴿اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ﴾ کیا اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں شک ہے ﴿فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾۔ لفظ فاطر 'ط' کے ساتھ۔ فطور کے معنیٰ ہیں بغیر نمونے اور مثال کے پیدا کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا کیا پہلے ان کا کوئی ماڈل اور نمونہ نہیں تھا پھر ایک دوسرے کے اُوپر سات آسمان ہیں ان کے اُوپر کرسی ہے اور اس کے اُوپر عرش ہے۔ حجم اور جسم کے لحاظ سے اعظم المخلوقات عرش ہے عرش سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے وہ سب کو محیط ہے۔ اور درجے اور شان کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں بلند درجہ اور مقام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ تو آسمان سات ہیں اور

سورۃ طلاق میں آتا ہے ﴿وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ "اورزمین میں سے بھی ان کے مثل۔" یعنی زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہیں ہر زمین میں خدا کی مخلوق ہے اور وہ مخلوق بھی ہماری طرح مکلف ہے مگر سب سے افضل یہ زمین ہے جس پر ہم ہیں۔ کیوں کہ اسی زمین پر آنحضرت ﷺ کی پیدائش ہوئی ہے اور اسی زمین پر آپ ﷺ رہے ہیں اور اسی زمین میں آپ ﷺ مدفون ہیں۔ اس زمین کا درجہ تمام زمینوں سے بلند ہے اور اس زمین کی مخلوق کا درجہ بھی سب سے بلند ہے۔

فرمایا پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کو بغیر نمونے کے اس کے بارے میں شک کرتے ہو۔ ﴿يَدْعُوكُمْ﴾ وہ بلاتا ہے تمھیں ﴿لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ﴾ تاکہ وہ بخش دے تمھارے گناہ۔ اللہ تعالیٰ تمھیں دعوت دیتا ہے اپنے پیغمبروں کے ذریعے، کتابوں کے ذریعے کہ آؤ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو ﴿وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ اور تاکہ وہ تمھیں مہلت دے ایک مدت مقرر تک۔ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمھیں مزید عمر دے گا۔

فضائل صدقہ

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو آدمی صدقہ خیرات کرتا ہے صلہ رحمی کرتا ہے اس کی لمبی عمر ہوتی ہے یہ پہلے سے لکھا ہوتا ہے کہ یہ صدقہ خیرات کرے گا اس کی عمر لمبی ہوگی بدلتی نہیں ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے ایک حکم ہے اور حدیث پاک میں آتا ہے اَلصَّدَقَةُ تَدْفَعُ الْبَلَاءَ "صدقے کی برکت سے تکالیف اور مصائب ٹلتے ہیں۔" ایک اور روایت میں ہے اَلصَّدَقَةُ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ "صدقہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی کو ٹھنڈا کرنے والا ہے۔" اور ایک روایت میں ہے اَلصَّدَقَةُ تَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ "صدقے کی وجہ سے انسان بری موت سے بچتا ہے۔" لیکن اکثر لوگوں کو صدقے کے مفہوم کا علم نہیں ہے۔ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بس کالی سری دے دو تو سات بلائیں ٹل جائیں گی خدا جانے ان کی سات بلائیں کون سی ہیں اور اگر اس سے زیادہ کیا تو گوشت لے کر صدقہ کر دیا یا یہ کرتے ہیں کہ پرندوں کو، کوؤں وغیرہ کو ڈال دیتے ہیں، اس سے بڑی چھلانگ لگائی تو بکرا، بکری دے دی۔

صدقے کا مفہوم

یاد رکھنا! یہ کوئی صدقہ نہیں ہے۔ کیوں کہ شریعت میں صدقے کا مفہوم ہے غریب کی ضرورت پوری کرنا۔ اس کو کپڑے بھی چاہئیں، اس کو آٹا بھی چاہیے، بیمار ہے تو دوا چاہیے، جوتا چاہیے، کرائے کا مکان ہے تو کرایہ چاہیے، بچوں کی فیس چاہیے، یہ کالی سری کہاں کہاں پھنسے گی، یہ ایک وقت کا گوشت تم نے لا کر دیا ہے اس کے ساتھ کیا بنے گا۔ لہٰذا بہترین صدقہ نقد پیسے ہیں تاکہ وہ غریب اپنی ضرورت پوری کر سکے۔ باقی یہ جو چیزیں ہیں ان کا ثواب ملے گا میں یہ نہیں کہتا ثواب نہیں ملے گا لیکن صحیح معنی میں جو صدقہ ہے اس کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور پھر چڑیوں اور کوؤں کے آگے ڈالنا کوئی شی نہیں ہے وہ غیر مکلف مخلوق ہے ان پر حلال حرام کھانے کی کوئی پابندی نہیں ہے ان کو ہر چیز ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بھوکے نہیں

رہتے۔ لہٰذا اچھی طرح سمجھ لیں صدقے کا مفہوم ہے غریب کی ضرورت پوری کرنا اور وہ نقد ہے اور پھر اس طریقے سے ہو کہ دائیں ہاتھ سے دو بائیں ہاتھ کو پتا نہ چلے مگر اس پر ہم راضی نہیں ہیں۔

تیجے ساتے کی کوئی حقیقت نہیں ہے

یاد رکھنا! جو صدقہ خیرات کے لیے تیجا، ساتا، دسواں اور چالیسواں کرتے ہیں محض لوگوں کو دکھانے کے لیے الا ماشاء اللہ! کہ اگر نہ کیا تو لوگ کیا کہیں گے تمھاری ماں مرگئی تم نے کچھ نہیں کیا، باپ مرگیا تم نے کچھ نہیں کیا، یہ ریا ہے، دکھلاوا ہے۔ خفیہ طریقے سے دو ثواب چار گنا ہوگا۔ اپنی طرف سے دنوں کی تعیین کرنا بدعت ہے لہٰذا تیسرے، ساتے، دسویں کا کچھ ثواب نہیں ہے بلکہ عذاب لازم ہے۔ اسی طرح ایک کام یہ بھی کرتے ہیں کہ جب کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اس کے گھر جمع ہو کر قرآن پڑھتے ہیں۔ بھئی! تم اپنے گھر قرآن پڑھ کر بخش دو کہ اے پروردگار! اس کا ثواب میرے فلاں دوست کو پہنچا دے۔ مگر ہم میں دکھاوا زیادہ ہے کہ جب تک ہم جائیں نہ اور یہ نہ بتلائیں کہ ہمیں تمھارے ساتھ ہمدردی ہے تو اس وقت تک دل ہی نہیں بھرتا، دل کو تسلی ہی نہیں ہوتی حالانکہ ان چیزوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ہر آدمی اپنا فرض سمجھے کہ جب کوئی عزیز، دوست، رشتہ دار، فوت ہو جائے تو خود قرآن شریف پڑھے اور ثواب پہنچائے صدقہ خیرات کرے اور ثواب پہنچائے بڑی بات ہے دکھلاوا نہ ہو۔

تمام پیغمبر بشر تھے

پیغمبروں کے جواب میں ﴿قَالُوْٓا﴾ لوگوں نے کہا ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ نہیں ہو تم مگر بشر ہمارے جیسے۔ یاد رکھنا! کفر حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے شروع ہوا ہے اس سے پہلے کفر، شرک نہیں تھا اور گناہ تھے پہلی مشرک قوم نوح علیہ السلام کی تھی پیغمبر کی بشریت کا انکار بھی اس زمانے سے شروع ہوا ہے کہ پیغمبر بشر نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو کہا گیا کہ تم ہماری طرح بشر ہو نبی کس طرح بن گئے؟ حضرت ہود علیہ السلام کو بھی کہا گیا کہ ﴿مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ﴾ [مومنون: ۳۳] "نہیں ہے یہ مگر بشر تمھارے جیسا کھاتا ہے ان چیزوں سے جن سے تم کھاتے ہو اور پیتا ہے اس میں سے جو تم پیتے ہو۔" یہ نبی کس طرح بن گیا؟ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے متعلق لوگوں نے کہا ﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ﴾ [الفرقان: ۷] "کیا ہے اس رسول کو کہ یہ کھانا کھاتا ہے اور چلتا ہے بازاروں میں۔" سودا سلف لینے کے لیے بازار بھی جاتا ہے نبی کس طرح ہو گیا؟ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۸ میں فرمایا ﴿وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ﴾ "اور ہم نے نہیں بنایا ان رسولوں کو ایسے اجسام کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں۔" پیغمبروں کو بھی بھوک لگتی تھی پیاس بھی لگتی تھی۔

خندق کے موقع پر ایسے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جنھوں نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے تاکہ خالی انتڑیاں نہ چھلکیں جب اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو ترمذی شریف کی روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا اُٹھا

کر دکھایا کہ میں نے دو پتھر باندھے ہوئے ہیں۔ تو پیغمبروں کو بھوک بھی لگتی تھی، پیاس بھی لگتی تھی، گرمی سردی بھی لگتی تھی، بیمار اور تندرست بھی ہوتے تھے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو درد شقیقہ نے اتنا تنگ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو دن گھر سے باہر تشریف نہیں لائے اور کمر درد اور گھٹنوں کے درد نے اتنا مجبور کیا کہ بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر پیشاب نہ کر سکے کھڑے ہو کر کیا۔ مشرکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات کا مطالبہ کیا یہ کر دو وہ کرو۔ سولھویں پارے میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ "پختہ بات ہے میں بشر ہوں تمھارے جیسا۔" اور سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۹۳ میں ہے ﴿هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ "نہیں ہوں میں مگر ایک بشر رسول۔" تو تمام پیغمبر بشر تھے آدمی تھے انسان تھے مگر درجہ اور مقام ان کا بہت بلند تھا لیکن نادان لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر کو بندہ نہ کہو۔ بھئی! کیوں نہ کہیں؟

قرآن پاک میں معراج شریف کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ﴾ "پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو۔" تو یہاں عبد کا لفظ ہے۔ پھر جب بلند مقام پر پہنچے تو سورۃ النجم میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى "پس رب تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی۔" تو وہاں پہنچ کر بھی بندے ہی رہے پھر اُمت کے لیے نماز کا تحفہ لے کر آئے۔ اس میں ہے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ یہ ہم ہر نماز میں پڑھتے ہیں۔ کوئی نماز قبول نہیں ہوتی جس میں التحیات نہ ہو۔ معاذ اللہ تعالیٰ! اگر عبد کے لفظ میں توہین ہے تو پھر ہماری نمازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین پر موقوف ہیں اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ۔ لہٰذا عبد کے لفظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی توہین نہیں ہے اور یہ ہمارے ایمان میں شامل ہے۔ ان لوگوں سے غلطی یہ ہوئی ہے کہ اُنھوں نے اپنے آپ کو بندہ سمجھا ہے کہ ہم بندے ہیں اور سر سے لے کر پاؤں تک گناہوں میں بھرے ہوئے ہیں تو خیال کیا کہ پیغمبر ایسے نہیں ہو سکتے پیغمبر بندے نہیں ہو سکتے۔ اپنے آپ کو بندہ سمجھنا یہ غلطی ہے حقیقت یہ ہے کہ ہم بندے نہیں ہیں بندے کا غلاف ہمارے اُوپر چڑھا ہوا ہے۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ بڑے مرتبے کے بزرگ گزرے ہیں ان کی کتاب ہے مثنوی شریف۔ صدیوں سے لوگ پڑھتے چلے آرہے ہیں آج بھی درس میں شامل ہے۔ اس میں وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے گیس لیمپ اپنے سر پر رکھا دوپہر کا وقت تھا منڈی میں جا پہنچا۔ کہنے لگا کہ میں بندہ تلاش کر رہا ہوں لوگوں نے کہا کہ تجھے بندے نظر نہیں آتے منڈی بندوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس نے کہا:

آں چہ می بینم خلاف آدم اند
نیست اند آدم غلاف آدم اند

"جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں یہ آدم کے خلاف ہیں آدمی نہیں ہیں آدم کا غلاف ان پر چڑھا ہوا ہے۔"

ان کے اندر تو آدمیت نہیں ہے میں تو وہ تلاش کر رہا ہوں جس کے اندر آدمیت ہو۔ بعض علاقے ایسے ہیں کہ جب

گائے کا بچہ مر جائے تو وہ اس کی کھال میں توڑی (بھوسا) بھر کر مصنوعی بچھڑا بناتے ہیں اور گائے کے آگے رکھتے ہیں تب وہ دودھ دیتی ہے۔ اس کو مورا کہتے ہیں۔ اگر مورا بنا کر نہ رکھیں تو گائے دودھ نہیں دیتی۔ تو اندر توڑی (بھوسا) ہوتا ہے اوپر بچھڑے کا چمڑا ہوتا ہے۔ تو معاف رکھنا! ہم مورے ہیں بندے نہیں ہیں اور پیغمبر حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے بندے تھے ہم مورے ہیں بندے نہیں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ شکلیں انسانی ہوں گی وَقُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الذِّئَابِ اور ان کے دل بھیڑیوں جیسے ہوں گے۔ یہ ڈاکو، چور، بدمعاش، دہشت گرد، غنڈے، شکلیں انسانوں کی ہیں اور اندر سے بھیڑیے ہیں۔

تو کافروں نے کہا کہ نہیں ہو تم مگر ہمارے جیسے بشر ﴿تُرِیْدُوْنَ﴾ چاہتے ہو تم ﴿اَنْ تَصُدُّوْنَا﴾ کہ ہمیں روکو ﴿عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ اس سے جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا۔ تم اس لیے آئے ہو کہ ہمارے باپ دادا کے معبودوں کو ہم سے چھڑانا چاہتے ہو ﴿فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ﴾ لاؤ تم ہمارے پاس کوئی کھلی دلیل تاکہ ہم سمجھیں۔ اس کا جواب ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا۔

﴿قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ﴾ کہا ان لوگوں کو ان کے رسولوں نے ﴿اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ نہیں ہیں ہم مگر بشر تمھارے جیسے ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ ﴿یَمُنُّ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ﴾ احسان کرتا ہے جس پر چاہتا ہے ﴿مِنْ عِبَادِهٖ﴾ اپنے بندوں میں سے ﴿وَمَا كَانَ لَنَآ﴾ اور نہیں ہے ہمارے اختیار میں ﴿اَنْ نَّاْتِیَكُمْ بِسُلْطٰنٍ﴾ یہ کہ لائیں ہم تمھارے پاس کوئی دلیل ﴿اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی پر چاہیے کہ توکل کریں مومن ﴿وَمَا لَنَآ﴾ اور ہمیں کیا ہو گیا ہے ﴿اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ﴾ کہ ہم توکل نہ کریں اللہ تعالیٰ پر ﴿وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا﴾ اور تحقیق ہمیں اس نے ہدایت دی ہے ہمارے راستوں کی ﴿وَلَنَصْبِرَنَّ﴾ اور البتہ ہم ضرور صبر کریں گے ﴿عَلٰى مَآ اٰذَیْتُمُوْنَا﴾ ان تکلیفوں پر جو تم ہمیں دو گے ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی پر چاہیے کہ توکل کریں توکل کرنے والے ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ اور کہا ان لوگوں نے جو کافر تھے ﴿لِرُسُلِهِمْ﴾ اپنے رسولوں کو ﴿لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ﴾ البتہ ہم ضرور نکالیں گے تمھیں اپنی زمین سے ﴿اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا﴾ یا یہ کہ تم لوٹ آؤ ہماری ملت میں ﴿فَاَوْحٰۤى اِلَیْهِمْ رَبُّهُمْ﴾ پس وحی بھیجی پیغمبروں کی طرف ان کے رب نے ﴿لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِیْنَ﴾ البتہ ہم ضرور ہلاک کر دیں گے ظالموں کو ﴿وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ﴾ اور البتہ ہم ضرور بسائیں گے تمھیں زمین میں ﴿مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ ان کے بعد

﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ﴾ یہ وعدہ اس شخص کے لیے ہے جو خوف کھاتا ہے میرے سامنے کھڑے ہونے کا ﴿وَ خَافَ وَعِيْدِ﴾ اور خوف کھاتا ہے میری دھمکی کا ﴿وَاسْتَفْتَحُوْا﴾ اور اُنھوں نے فتح طلب کی ﴿وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ﴾ اور نامراد ہوگیا ہر جبر کرنے والا ضدی۔

مختلف قوموں کے پاس وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ پیغمبر بھیجتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے پہلے توحید کا سبق دیا پھر اپنی رسالت اور قیامت کا ذکر کیا۔ کافروں نے کہا کہ تم نبوت اور رسالت کا دعویٰ کرتے ہو ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ "نہیں ہو تم مگر ہمارے جیسے انسان۔" لہٰذا تم رسول کس طرح بن گئے؟ ان لوگوں کا خیال تھا کہ بشر نبی نہیں ہونا چاہیے اگر رب چاہتا تو انسانوں کی ہدایت کے لیے فرشتوں کو نبی بنا کر بھیجتا۔

مسئلہ بشریت

سورت مومنون آیت نمبر ۲۴ میں ہے ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً﴾ "اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اُتارتا فرشتوں کو۔" یہ بشر ہو کر نبی بن گیا ہے اور دوسری بات ان لوگوں نے یہ کہی کہ ﴿تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ "تم چاہتے ہو کہ روکو ہمیں ان چیزوں سے جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے۔" اور تیسری بات یہ کہی کہ فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ "ہمارے سامنے کوئی کھلی دلیل پیش کرو کہ ہمیں سمجھ آجائے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ﴾ کہا ان لوگوں کو ان کے رسولوں نے ﴿اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ نہیں ہیں ہم مگر بشر تمھارے جیسے ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ﴾ اور لیکن اللہ تعالیٰ احسان کرتا ہے جس پر چاہتا ہے ﴿مِنْ عِبَادِهٖ﴾ اپنے بندوں میں سے۔ ہم بشر ہیں، انسان ہیں اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے کہ ہمیں نبوت و رسالت عطا فرمائی ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۹۵ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا﴾ "اگر ہوتے زمین میں فرشتے چلنے بسنے والے تو یقیناً ہم اُتارتے ان پر آسمان کی طرف سے فرشتے رسول بنا کر۔" اگر زمینی مخلوق فرشتے ہوتے تو ہم ان کی اصلاح کے لیے فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتے۔ لیکن ہم نے زمین آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے حوالے کی ہے تو ان کی اصلاح کے لیے ان ہی میں سے کوئی ہوسکتا ہے اگر کوئی فرشتہ ہوتا تو انسان اس سے فائدہ نہ اُٹھا سکتا۔ مثلاً:

گرمیوں میں جب رمضان آتا ہے تو دن لمبا ہوتا ہے بھوک پیاس لگتی ہے اگر فرشتہ رسول ہوتا تو اس کو بھوک پیاس کا کیا احساس ہوتا۔ وہ یہی کہتا بھوک پیاس برداشت کرو اور روزہ رکھو خود اس کو تو نہ بھوک لگتی ہے نہ پیاس۔ وہ ہمارا استاد کس طرح بن سکتا تھا۔ اسی طرح فرشتوں میں نہ مذکر ہے نہ مؤنث، نہ ان میں جنسی خواہشات ہیں وہ ہمیں کس طرح سبق دیتے کہ تم اس طرح جنسی خواہشات کنٹرول کرو۔ ان کو نہ گرمی کا پتا اور نہ سردی کا احساس، نہ دکھ سکھ کی خبر۔ تو فرشتے سے انسان کس طرح فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ ہاں! انسان انسان سے صحیح معنیٰ میں فائدہ اٹھا سکتا ہے کیوں کہ اس کو دکھ درد کا پتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اگر فرشتہ نبی ہوتا تو اس کو کیا صدمہ ہوتا؟ انسان کے لیے نمونہ تو وہ بن سکتا ہے جس کو بھوک لگے، پیاس لگے، گرمی، سردی کا احساس ہو، پریشانیاں آئیں۔ غزوۂ خندق کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر دو پتھر باندھے ہوئے تھے۔ تو انسان اور فرشتے میں بڑا فرق ہے غیر ملکی اور غیر زبان والے سے آدمی صحیح معنیٰ میں فائدہ نہیں اٹھا سکتا چہ جائے کہ غیر جنس سے فائدہ اٹھائے۔ پہلے تم پڑھ چکے ہو ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ﴾ "اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی پیغمبر مگر اس کی قوم کی زبان میں۔"

ہر علاقہ کی قوم کے الگ الگ رواج ہوتے ہیں

ہر علاقہ میں قوموں کے علیحدہ علیحدہ رواج ہوتے ہیں کافی عرصہ ہوا ہے ساتھی مجھے ڈیرہ غازی خان لے گئے۔ مجھے تھوڑی سی پیچش کی شکایت تھی میں نے ان کو کہا کہ میرے لیے چاول پکانا اور ان پر دہی ڈال کر مجھے دینا۔ اُنھوں نے میرے سامنے چاول اور دہی لا کر رکھا میں نے دہی چاولوں پر ڈالا وہاں جو بچے تھے بڑے حیران ہوئے کہ چاولوں پر دہی ڈال رہے ہیں وہاں چاولوں پر دہی ڈالنا گالی کے مترادف تھا۔ بچے بچیاں آکر دیکھتے تھے کہ بابا چاولوں پر دہی ڈال کر کھا رہا ہے۔ اسی طرح میں نے وہاں ایک اور بات دیکھی کہ چھوٹے بچوں اور بچیوں کو وہ ابا کہہ کر بلاتے تھے کہ ابا بات سنو! امی بات سنو! میں نے کہا کہ یہ تمھارے بچے ہیں، پوتے ہیں تم ان کو ابا امی کہتے ہو؟ کہنے لگے یہ ہمارا رواج ہے۔ میں نے کہا کہ اس کی کوئی وجہ ہونی چاہیے کہ بیٹی، پوتی اور نواسی کو اماں کہتے ہو تو کوئی وجہ نہ بتلا سکے۔ میں نے کہا کہ میرے ذہن میں بات آتی ہے وہ یہ کہ میرے خیال میں یہ دعائیہ کلمہ ہے کہ تجھے رب اماں ابا بنائے۔ واللہ اعلم بالصواب ٹھیک ہے یا غلط ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے جس پیغمبر کو جہاں بھیجا وہ اس ماحول کو سمجھتے تھے۔ فرشتہ نبی ہوتا تو انسان اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ تو پیغمبروں نے کہا کہ ہم تمھارے جیسے انسان ہی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ احسان فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے۔ اس نے ہم پر احسان فرمایا کہ ہمیں پیغمبر بنایا، رسالت عطا فرمائی باقی تم نے یہ کہا کہ ﴿فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ کہ ہمیں کوئی معجزہ اور کرشمہ دکھاؤ تو اس کے متعلق پیغمبروں نے جواب دیا ﴿وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ اور نہیں ہے ہمارے اختیار میں یہ کہ لائیں ہم تمھارے پاس کوئی دلیل مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ۔ تم لوگ ہم سے مطالبہ کرتے ہو کہ معجزہ دکھاؤ یہ ہمارے اختیار کی بات نہیں ہے یہ رب تعالیٰ کا کام ہے اگر وہ چاہے تو معجزہ ظاہر ہوتا ہے۔ قریش مکہ نے آنحضرت ﷺ سے مطالبہ کیا کہ اگر آپ پیغمبر ہیں تو صفا مروہ سونے کی بنا دو، آپ کے لیے کوٹھی ہونی چاہیے اور باغ ہو جس میں نہریں جاری ہوں۔ پندرھویں پارے میں ہے رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿قُلْ﴾ " آپ کہہ دیں ﴿سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ پاک ہے پروردگار یہ چیزیں میرے رب کے اختیار میں ہیں میرے اختیار میں نہیں ہیں میں تو بشر ہوں رسول ہوں۔" وہ جب چاہتا ہے معجزہ صادر فرما دیتا ہے ﴿وَعَلَى

اللہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی پر چاہیے کہ توکل کریں مومن ﴿وَمَا لَنَآ﴾ اور ہمیں کیا ہو گیا ہے ﴿اَلَّا نَتَوَکَّلَ عَلَی اللہِ﴾ کہ ہم توکل نہ کریں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ﴿وَقَدْ ھَدٰىنَا سُبُلَنَا﴾ اور تحقیق ہمیں اس نے ہدایت دی ہے ہمارے راستوں کی جو حق کے راستے ہیں اللہ تعالیٰ پر ہمیں اعتماد کرنا چاہیے۔ اور سن لو! ﴿وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَآ اٰذَیْتُمُوْنَا﴾ اور البتہ ہم ضرور صبر کریں گے ان تکلیفوں پر جو تم ہمیں دو گے۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے بڑی تکلیفیں برداشت کی ہیں :

کیوں کہ کافروں نے دھمکیاں دی تھیں کہ ہماری طرف سے تمھیں تکلیف پہنچے گی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے کہا کہ تم ہمیں تکلیف دیتے ہو تو تمھاری مرضی ہے ہم صبر کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو بڑی بڑی تکلیفیں دی گئیں۔ بعض کو آرے کے ساتھ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا، بعضوں کو کنوئیں میں گرایا گیا، بعض وہ تھے جن پر پتھروں کی بارش کی گئی، بعض کو بھوکا رکھا گیا، غرضیکہ طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں مگر پیغمبروں نے صبر کیا۔ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا اَیُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً حضرت! ارشاد فرمائیں انسانوں میں سے زیادہ تکلیفیں کس کو پیش آئیں؟ قَالَ آپ ﷺ نے فرمایا اَلْاَنْبِیَاءُ سب سے زیادہ تکلیفیں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو پیش آئیں ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ پھر ان کو جو درجے میں ان کے قریب تھے پھر ان کو جو درجے میں ان کے قریب تھے۔ پھر آخر میں فرمایا یُبْتَلَی الرَّجُلُ عَلٰی قَدْرِ دِیْنِہٖ آدمی کا امتحان لیا جاتا ہے اس کے دین کی مقدار پر۔ جتنا اس میں دین ہوگا اتنی اس کی آزمائش ہوگی۔ اگر دین میں سخت ہوگا آزمائش بھی سخت ہوگی جو دین میں نرم ہوگا اس کا امتحان بھی نرم ہوگا۔

ہم چوں کہ اس قابل نہیں ہیں کہ تکلیفیں برداشت کر سکیں اس لیے ہمارا امتحان بھی نہیں ہوتا۔ وہ لوگ دین میں بڑے مضبوط تھے اس لیے ان کے امتحان بھی سخت تھے۔ ان کے سر پر آرا رکھ کر کہا جاتا ایمان چھوڑ دو، وہ دو ٹکڑے ہو جاتے تھے مگر کلمہ نہیں چھوڑتے تھے۔ آج ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے آرا تو بڑی بات ہے ہمارے تو سر میں سوئی چبھ جائے تو ہم برداشت نہیں کر سکتے اور ان کا امتحان اتنا مضبوط تھا کہ لوہے کی کنگھیوں کے ساتھ ان کے بدن سے گوشت اور رگیں نوچ لی جاتی تھیں مگر وہ دین کو نہیں چھوڑتے تھے بڑی ہمت والے لوگ تھے۔ آج بھی الحمد للہ! دنیا میں مجاہدین اسلام موجود ہیں جو دین کے لیے ہر قسم کی تکالیف برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں اور کر رہے ہیں ان کے ایمان ہم سے بہت قوی ہیں تو جتنا انسان کا ایمان قوی ہوگا اتنا ہی اس کا امتحان سخت ہوگا۔

توکل کا معنیٰ :

تو پیغمبروں نے کہا کہ ہم تکلیفوں پر صبر کریں گے ﴿وَعَلَی اللہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی پر چاہیے کہ توکل کریں توکل کرنے والے۔ کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے کہ توکل کا معنیٰ ہے ظاہری اسباب کو اختیار کر کے نتیجہ رب تعالیٰ پر

چھوڑ دو۔ظاہری اسباب اگر اختیار نہ کیے جائیں تو اس کو تَعَطُّل کہتے ہیں اور تعطل گناہ ہے۔اسباب کو کام میں لانے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔اپنی جان اور مال کے تحفظ کا شریعت نے حکم دیا ہے۔بیمار ہو جاؤ تو علاج کراؤ، ڈاکو، غنڈے، دہشت گرد اور بدمعاش سے اپنے بچاؤ کا انتظام کرو اگر نہیں کرے گا تو قرآن کے حکم کی مخالفت کرے گا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے خُذُوْا حِذْرَكُمْ "اپنے بچاؤ کا سامان کرو۔" یہ انسان کا بدن رب تعالیٰ کی امانت ہے اگر کوئی شخص گنجائش کے باوجود گرم کپڑے نہیں پہنتا سردی لگ جاتی ہے بیمار ہو جاتا ہے نمونیا ہو جاتا ہے تو تکلیف کے ساتھ ساتھ یہ گنہگار بھی ہوگا کہ اس نے رب تعالیٰ کی امانت کی حفاظت کیوں نہیں کی۔تو گرمی سردی سے اس کو بچائے اور جتنی ہو سکے اپنے مال کی حفاظت کرے۔

بعض لوگ لا پروائی کرتے ہیں اور نئے جوتے مسجد میں چھوڑ آتے ہیں پھر کوئی اٹھا لے تو کہتے ہیں کہ ہمارا جوتا چلا گیا ہے۔اپنے جوتوں کی اور اپنے کمبلوں کی حفاظت کرو، گھڑیوں کی حفاظت کرو اگر لا پرواہی کی وجہ سے نقصان ہو گیا تو مالی نقصان کے ساتھ ساتھ گنہگار بھی ہو گے کیوں کہ اپنے مال کی حفاظت کرنا شریعت کا حکم ہے۔

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ اور کہا ان لوگوں نے جو کافر ہیں ﴿لِرُسُلِهِمْ﴾ اپنے رسولوں کو ﴿لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ﴾ البتہ ہم ضرور نکالیں گے تمھیں اپنی زمین سے ﴿اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا﴾ یا یہ کہ تم لوٹ آؤ ہماری ملت میں ہمارا عقیدہ اپناؤ اور ہمارا عمل اختیار کرو ورنہ ہم تمھیں اپنے ملک سے نکال دیں گے یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ﴿فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ﴾ پس وحی بھیجی پیغمبروں کی طرف ان کے رب نے کہ تم گھبراؤ نہیں ﴿لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ﴾ البتہ ہم ضرور ہلاک کر دیں گے ظالموں کو ﴿وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ﴾ اور البتہ ہم ضرور بسائیں گے تمھیں زمین میں ﴿مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ ان کے بعد۔یہ تمھیں نکالنا چاہتے ہیں ہماری قدرت دیکھو ہم ان کو تباہ کر دیں گے اور زمین تمھارے حوالے کر دیں گے ﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ﴾ یہ وعدہ ہے اس شخص کے لیے جو خوف کھاتا ہے میرے سامنے کھڑے ہونے کا کہ اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت ہوگی میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں گا اور رب تعالیٰ مجھ سے پوچھیں گے اے بندے! بتلا میں نے تجھے صحت دی تھی تو نے صحت میں کیا کیا؟ میں نے تجھے مال دیا تھا کہاں خرچ کیا؟ میں نے تجھے جوانی دی تھی کہاں خرچ کی؟ ایک رتی برابر بھی کسی نے اسراف کیا، فضول خرچی کی تو اس کا رب تعالیٰ کی عدالت میں جواب دینا ہے۔تو اس شخص کے لیے وعدہ ہے کہ اس کی جان کی حفاظت کرے گا اور اس کے مقابلے میں ظالم کو تباہ کرے گا۔

فرمایا وعدہ ہر اس شخص کے ساتھ ہے جس نے میرے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا ﴿وَخَافَ وَعِيْدِ﴾ اور خوف کیا ہے میری دھمکی کا۔وعید کا معنیٰ دھمکی کہ نافرمانوں کو دوزخ میں بھیجوں گا سخت سزا دوں گا ظالموں کو تباہ کر دوں گا۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاسْتَفْتَحُوْا﴾ فتح کا معنیٰ ہوتا ہے فیصلہ کرنا۔اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے فتح طلب کی، رب تعالیٰ سے مدد مانگی ﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا﴾ [الاعراف:۸۹] "اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ کر دے۔" ظالموں کے ظلم کی بھی انتہاء ہو چکی ہے اور ہمارے صبر کی بھی انتہاء ہو چکی ہے ﴿وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ﴾ اور نامراد ہو گیا ہر جبر کرنے والا ضدی۔جو

حق کے ساتھ عناد رکھتا تھا، دشمنی رکھتا تھا، ضدی تھا، وہ تباہ ہوا اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر محفوظ رہے۔

﴿مِنْ وَّرَآىِٕهٖ جَهَنَّمُ﴾ اس کے آگے جہنم ہے ﴿وَيُسْقٰى﴾ اور پلایا جائے گا اس کو ﴿مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ﴾ پیپ والا پانی ﴿يَّتَجَرَّعُهٗ﴾ اس کو گھونٹ گھونٹ کر کے پیے گا ﴿وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ﴾ اور نہیں قریب کہ اس کو حلق سے اُتار سکے ﴿وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ﴾ اور آئے گی اس کے پاس موت ﴿مِنْ كُلِّ مَكَانٍ﴾ ہر طرف سے ﴿وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ﴾ اور وہ نہیں مرے گا ﴿وَمِنْ وَّرَآىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ﴾ اور اس کے آگے عذاب ہوگا سخت ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ مثال ان لوگوں کی جو کافر ہیں ﴿بِرَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کے ﴿اَعْمَالُهُمْ﴾ ان کے اعمال ﴿كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ﴾ راکھ کی طرح ہیں سخت ہوگئی ہے ان کے ساتھ ہوا ﴿فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ﴾ شدید آندھی کے دن ﴿لَا يَقْدِرُوْنَ﴾ نہیں قادر ہوں گے وہ ﴿مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ﴾ اس چیز میں سے کسی شے پر جو انھوں نے کمائی ہے ﴿ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ﴾ یہ گمراہی ہے دور کی ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ﴾ کیا تو نے نہیں دیکھا بے شک اللہ تعالیٰ نے ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ﴾ پیدا کیا آسمانوں کو اور زمینوں کو حق کے ساتھ ﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ﴾ اگر وہ چاہے تو لے جائے تم کو ﴿وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ اور لے آئے نئی مخلوق ﴿وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ﴾ اور نہیں ہے یہ چیز اللہ تعالیٰ پر کوئی مشکل ﴿وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ اور ظاہر ہوں گے اللہ تعالیٰ کے سامنے سب ﴿فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا﴾ پس کہیں گے کمزور ﴿لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا﴾ ان لوگوں کو جنھوں نے تکبر کیا ﴿اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا﴾ بے شک ہم تمھارے تابع تھے ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا﴾ پس کیا تم کفایت کر سکتے ہو ہم سے ﴿مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کچھ بھی ﴿قَالُوْا﴾ وہ کہیں گے ﴿لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ﴾ اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا ﴿لَهَدَيْنٰكُمْ﴾ تو ہم تمھاری راہنمائی کرتے ﴿سَوَآءٌ عَلَيْنَآ﴾ برابر ہے ہم پر ﴿اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا﴾ ہم بے قراری کا اظہار کریں یا صبر کریں ﴿مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ﴾ نہیں ہے ہمارے لیے کوئی چھٹکارا۔

نہ جنت دور ہے نہ دوزخ :

پیچھے والی آیت کا آخری جملہ ہے ﴿وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ﴾ "اور نامراد ہوگیا ہر جبر کرنے والا ضدی، حق کے ساتھ عناد کرنے والا۔" دنیا میں تو نامراد ہوگا اور ﴿مِنْ وَّرَآىِٕهٖ جَهَنَّمُ﴾ اس کے آگے جہنم ہے۔ یاد رکھنا! نہ جنت دور ہے اور نہ دوزخ دور ہے بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے قبر میں جانے کے بعد یا جنت کے ساتھ تعلق ہوگا یا دوزخ کے ساتھ ﴿وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ

صَدِیۡدٍ﴾ اور پلایا جائے گا اس کو پیپ والا پانی ﴿یَّتَجَرَّعُهٗ﴾ اس کو گھونٹ گھونٹ کر کے پیے گا۔ جیسے گرم چائے کو آدمی گھونٹ گھونٹ کر کے پیتا ہے تو وہ پانی اتنا گرم ہوگا کہ لسی اور شربت کی طرح نہیں پی سکے گا بلکہ وہ گرم کڑوا اور بدبودار ہوگا لہٰذا گرم ہونے کی وجہ سے اور کڑواہٹ اور نفرت کی وجہ سے گھونٹ گھونٹ کر کے پیے گا۔ ﴿وَ لَا یَكَادُ یُسِیۡغُهٗ﴾ اور نہیں قریب کہ اس کو حلق سے اُتار سکے لسی اور شربت کی طرح۔

اور کیا پوچھتے ہو ﴿وَ یَاۡتِیۡهِ الۡمَوۡتُ مِنۡ كُلِّ مَكَانٍ﴾ اور آئے گی اس کے پاس موت ہر طرف سے لیکن ﴿وَّ مَا هُوَ بِمَیِّتٍ﴾ اور وہ نہیں مرے گا اور قبر میں ایسے زہریلے سانپ ڈسیں گے کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ وہ سانپ اگر زمین سے باہر ایک سانس لے تو کوئی سبز چیز باقی نہ رہے۔ اور بعض مجرم ایسے ہوں گے کہ ننانوے سانپ ان کو ڈسیں گے پھر فرشتے ہتھوڑا ماریں گے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ وہ ہتھوڑا کسی پہاڑ کو مارا جائے تو خاک ہو جائے۔ پھر اس پر دوزخ کی آگ کے شعلے پڑیں گے تو ہر طرف سے موت ہی موت نظر آئے گی مگر وہ مرے گا نہیں۔ اس لیے نہیں مرے گا کہ اگر مر گیا تو سزا کون بھگتے گا؟ وہاں تو ﴿لَا یَمُوۡتُ فِیۡهَا وَ لَا یَحۡیٰی﴾ [سورۃ الاعلیٰ] "نہ وہاں مرے گا اور نہ جیے گا۔"

﴿وَ مِنۡ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِیۡظٌ﴾ اور اس کے آگے عذاب ہوگا سخت۔ جوں جوں آگے بڑھتا جائے گا عذاب میں اضافہ ہوتا جائے گا اور مومنوں کے لیے نعمتوں اور خوشیوں میں اضافہ ہوگا۔ آج کے کھانے کا ذائقہ اور ہوگا اور کل کے کھانے کا ذائقہ اور ہوگا، پرسوں کے کھانے کا ذائقہ اور ہوگا اگرچہ شکل ملتی جلتی ہوگی۔ مومنوں کی لذتوں میں اضافہ ہوگا اور کافروں کو حکم ہوگا ﴿فَذُوۡقُوۡا فَلَنۡ نَّزِیۡدَكُمۡ اِلَّا عَذَابًا﴾ [سورۃ نبا: ۳۰] "پس چکھو تم اس عذاب کا مزہ پس ہم نہیں زیادہ کریں گے تمھارے لیے مگر عذاب۔" روز بروز عذاب میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ کافروں کو جب عذاب سے ڈرایا جاتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ ہم بھی نیکیاں کرتے ہیں پھر بھی تم ہمیں عذاب سے ڈراتے ہو کہ دوزخ میں تمھیں پیپ پلائی جائے گی گرم پانی پلایا جائے گا یہ ہوگا اور وہ ہوگا تو یہ ہمارے نیک اعمال کہاں جائیں گے؟

کافر بھی بڑی بڑی نیکیاں کرتے ہیں؟

اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کافر بھی نیک کام کرتے ہیں۔ یہ میو ہسپتال، گنگا رام ہسپتال غیر مسلموں کے قائم کیے ہوئے ہیں جن سے ہزارہا لوگ فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ مسافر خانے بناتے ہیں، سڑکیں بناتے ہیں، کنوئیں نکالتے ہیں، نلکے لگواتے ہیں بلکہ سیٹھی محمد یوسف مرحوم آف راہوالی نے مجھے بتایا کہ سندھ میں ہمارے تین قرأت و تجوید کے مدرسے ہندو چلاتے ہیں۔ قاریوں کی تنخواہیں، طلبہ کا بیماری تک کا خرچہ وہ برداشت کرتے ہیں اور کسی سے چندہ بھی نہیں مانگتے۔ بلکہ وہ مدارس جن کو مسلمان چلا رہے ہیں ان کی بہ نسبت وہاں بچوں کو زیادہ سہولتیں ہیں۔ میں نے کہا سیٹھی صاحب ان کو کیا فائدہ؟ کہنے لگے مولانا! فائدہ تو مجھے معلوم نہیں۔ تو بہرحال کافر بھی اچھے اچھے کام کرتے ہیں مگر اس کا انہیں آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور اس

کو اچھی طرح سمجھنا اور یاد رکھنا۔

ایمان کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں :

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَثَلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ﴾ مثال ان لوگوں کی جنھوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ کہ اس کے احکام کا انکار کیا ہے ﴿اَعۡمَالُہُمۡ﴾ ان کے اعمال ﴿کَرَمَادِ﴾ راکھ کی طرح ہیں ﴿اشۡتَدَّتۡ بِہِ الرِّیۡحُ فِیۡ یَوۡمٍ عَاصِفٍ﴾ سخت ہوگئی ہے ان کے ساتھ ہوا شدید آندھی کے دن ان کے اعمال کو راکھ کا ڈھیر سمجھو کہ دیکھنے میں بڑا نظر آتا ہے لیکن راکھ کا وزن نہیں ہوتا اور جب آندھی اور طوفان آتا ہے تو سب اُڑ جاتا ہے۔ کافروں کے نیک اعمال کا بھی یہی حال ہے کہ بہ ظاہر بڑے نظر آتے ہیں یہ ہسپتال ہے، یہ سڑک ہے، یہ پل ہے، یہ نلکا ہے، یہ کنواں ہے، یہ مسافر خانہ ہے، یہ غریبوں کے ساتھ ہمدردی ہو رہی ہے لیکن کفر کی آندھی، شرک کی آندھی ان کو اُڑا کر لے جاتی ہے کچھ نہیں بچتا جو آخرت میں ان کے کام آئے۔

اعمال کی قبولیت کے لیے تین شرطیں :

کیوں کہ نیک اعمال کو باقی رکھنے والی تین چیزیں ہیں: ① ایمان ② اخلاص ③ اتباع سنت

ان کے بغیر نیکیوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ دیکھو! قریش نے بھی یہ بات کہی تھی کہ ہم حاجیوں کو کھانا کھلاتے ہیں، پانی پلاتے ہیں، مسجد حرام کی خدمت کرتے ہیں، صفائی کرتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب بندے کو دیکھو کہ وہ مسجد کی خدمت کر رہا ہے تو تم کہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جنتی ہے۔ یہ عام مسجد کی بات ہے اور مسجد حرام جو سب مسجدوں کی ماں ہے اس کی خدمت کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ بڑے بڑے سردار ہاتھ میں جھاڑو پکڑے ہوئے اس کی صفائی کرتے تھے بلکہ بعض ایسے بھی تھے جو لیٹ کر ڈاڑھی کے ساتھ صفائی کرتے تھے اور حاجیوں کو پانی پلانا بھی کوئی معمولی نیکی نہیں تھی۔ آج تو الحمد للہ! پانی وافر ہے زبیدہ رحمہا اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی نہروں میں جگہ عطا فرمائے۔ اس نے بڑی کوشش کے ساتھ عرفات تک نہر کھدوائی جس کو نہر زبیدہ کہا جاتا تھا۔ اس زمانے میں پانی بڑی مشکل سے ملتا تھا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک لشکر میں تھے کہ پانی کی ضرورت پیش آئی پانی نہیں تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور ایک اور صحابی رضی اللہ عنہ کی ڈیوٹی لگائی کہ تم دوڑ کر اِدھر اُدھر پانی تلاش کرو۔ یہ بڑے دوڑے بھاگے مگر کہیں پانی نظر نہ آیا۔ ایک عورت اُونٹ پر سوار تھی اور پانی کے بڑے بڑے مشکیزے اس نے اُونٹ پر لادے ہوئے تھے۔ انھوں نے اس عورت سے پوچھا کہ ہمیں بتاؤ کہ تم پانی کہاں سے لائی ہو؟ اس نے کہا کہ میں کل اس وقت چشمے میں سے پانی بھر کر چلی تھی اب چوبیس گھنٹوں میں یہاں پہنچی ہوں۔ یہ بخاری شریف کی روایت کا خلاصہ ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ میں بیوہ عورت ہوں میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ہمارے دیہات کے لوگ مزدوری کے لیے جاتے ہیں میں ان کو پانی لا کر دیتی ہوں وہ مجھے کچھ ستو اور کھجوریں دے دیتے ہیں جس سے میں اپنے بچوں کا پیٹ پالتی ہوں۔

تو اس زمانے میں پانی بڑی نعمت ہوتا تھا اس زمانے میں حاجیوں کے لیے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لیے انھوں نے سولہ راستے بنائے ہوئے تھے اور ہر راستے پر مناسب مناسب جگہ پر پانی کی مفت سبیلیں لگائی ہوئی تھیں اور ان پر نگران ہوتے تھے اور نگران کے اوپر اور نگران ہوتے تھے کہ آیا صحیح ڈیوٹی دے رہے ہیں یا نہیں۔ تو اس زمانے میں پانی مفت پلانا بھی بڑی نیکی تھی۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ان کی ان دو نیکیوں کا ذکر کر کے جواب دیا کہ ایمان کے بغیر ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ﴿أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا يَسْتَوُونَ عِندَ اللَّهِ﴾ [توبہ:۱۹] "کیا بنایا ہے تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کی خدمت کرنا اس شخص کی طرح جو ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر اور جہاد کیا اللہ تعالیٰ کے راستے میں نہیں برابر یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک۔" یعنی یہ عمل ایمان کے بغیر قبول نہیں ہے بنیادی چیز ایمان ہے۔ ایمان کے بغیر بڑی سے بڑی اور خوبصورت سے خوبصورت نیکی بھی قبول نہیں ہے چاہے حاجیوں کو پانی پلاؤ، مسجد حرام کی خدمت کرو۔ ابوجہل کی طرح پینسٹھ [۶۵] حج کرو، نمرود کی طرح چار ہزار گائیں کی قربانی ہر سال دو۔ تو ان نیکیوں کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں ہے اور ایمان ہے تو معمولی سی نیکی بھی نجات کا سبب بن جائے گی۔

تو فرمایا کہ ان لوگوں کی مثال جو رب کے احکام کے منکر ہیں، اس کے پیغمبروں کے منکر ہیں، کتابوں کے منکر ہیں، ان کے اعمال ایسے ہی ہیں جیسے راکھ کا ڈھیر تیز ہوا چلی، آندھی والے دن، جھکڑ والے دن، وہ راکھ ساری اُڑی کیوں کہ اس کا وزن کوئی نہیں ہے۔ اعمال میں وزن تین چیزوں سے پیدا ہوتا ہے، ایمان، اخلاص، اتباع سنت۔ ایمان جتنا قوی اور مضبوط ہوگا عمل اتنا ہی وزنی اور مقبول ہوگا جتنا اخلاص ہوگا اتنا مقبول ہوگا جتنا سنت کی پیروی میں ہوگا اتنا ہی مقبول ہوگا۔ یقین جانو! ہماری ساری زندگی کی نمازیں کسی صحابی کی ایک نماز کے برابر نہیں ہیں اور ساری اُمت کی نمازیں آنحضرت ﷺ کی ایک نماز کے برابر نہیں ہیں۔ تو فرمایا تمھارے اعمال راکھ کا ڈھیر ہیں کفر، شرک کی آندھی چلتی ہے تو کوئی چیز نہیں بچتی۔

﴿لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ﴾ نہیں قادر ہوں گے وہ اس چیز میں سے کسی شے پر جو انھوں نے کمائی ہے لہٰذا محض عمل پر خوش نہ ہو اس کی بنیاد کو پختہ کرو کہ عقیدہ درست کرو عمل اللہ تعالیٰ کی رضا اور اخلاص کے ساتھ کرو اور سنت کے مطابق ہو ورنہ عمل کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ﴿ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ﴾ یہ گمراہی ہے دور کی کہ اعمال تم کرتے رہو اور تمھارے کام نہ آئیں ﴿أَلَمْ تَرَ﴾ اے مخاطب تو نے نہیں دیکھا تو نہیں جانتا ﴿أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ۔ آسمان کتنے بڑے ہیں یہ زمین کتنی بڑی ہے اس میں حق ہے یہ کسی خالق نے پیدا کی ہے از خود تو نہیں بنی۔

ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے

مولانا روم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد
ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد

"کوئی چیز خود بخود چیز نہیں بنتی، کوئی لوہا خود بخود تلوار نہیں بن جاتا جب تک اس کو کوئی بنائے نہ۔"

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزے نہ شد

"فرماتے ہیں مجھے جو دین کی شد بُد حاصل ہوئی ہے از خود تو نہیں ہوئی شمس تبریز کی غلامی کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ اگر رب چاہے تو تم کو لے جائے فنا کر دے ایک آن اور ایک لمحے میں اور لے آئے نئی مخلوق اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے ﴿وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ﴾ اور نہیں ہے یہ چیز اللہ تعالیٰ پر کوئی مشکل ﴿وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ اور ظاہر ہوں گے اللہ تعالیٰ کے سامنے سب، ساری کائنات ساری مخلوق اکٹھی ہوگی ﴿فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا﴾ پس کہیں گے کمزور ان لوگوں کو جنھوں نے تکبر کیا یعنی جنھوں نے ووٹ دیے اور وہ جن کو ووٹ دیے گئے تو چھوٹے بڑوں کو کہیں گے، کمزور طاقتوروں کو کہیں گے ﴿اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا﴾۔ تَبَعًا تَابِعٌ کی جمع ہے۔ بے شک ہم تمھارے تابع تھے ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا﴾ پس کیا تم کفایت کر سکتے ہو ہم سے ﴿مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کچھ بھی۔ دنیا میں ہم نے تمھارا ساتھ دیا کیا یہاں تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھٹکارا دلا سکتے ہو؟ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل بڑی نعمت دی ہے اس کے ساتھ سمجھے تو بڑا کچھ کر سکتا ہے۔

ظالم کے ساتھ تعاون کرنے والا بھی اس کے ظلم میں شریک ہے:

اور یاد رکھنا! جو شخص کسی کے ظلم میں اس کا معاون ہوتا ہے وہ بھی اس ظلم میں شریک ہوتا ہے۔ امام محمد بن طاؤس رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سے تھے اور بڑے پائے کے محدث تھے۔ عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے ان کو اپنے دربار میں بلایا کہ تم نے میرے خلاف کچھ باتیں کی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہاں! میں نے کہا ہے کہ رب تعالیٰ نے تجھے اقتدار دیا ہے حکومت دی ہے رب تعالیٰ کے احکام جاری کر لوگوں پر ظلم نہ کر۔ میں نے یہ کہا ہے اور اب بھی کہتا ہوں۔ یہ جس جگہ کھڑے تھے وہاں دوات پڑی تھی منصور نے کہا کہ تم دوات مجھے پکڑا دو۔ فرمایا کہ دوات اُٹھا کر نہیں دوں گا کیوں کہ تو نے اس دوات سے سیاہی لے کر میرے قتل کا حکم لکھنا ہے۔ کیوں کہ ان کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ ضرور مجھے قتل کر دے گا کیوں کہ کھری کھری باتیں سننا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ فرمایا کہ اگر دوات اُٹھا کر تجھے دوں گا تو میں بھی اعانت علی القتل کا مجرم بنوں گا لہٰذا کسی اور کو کہہ دے وہ اٹھا دے اور تو نے جو فیصلہ کرنا ہے کر۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اسی جعفر منصور نے قید بھی کیا تھا اور ستر اور ڈیڑھ سو کوڑے بھی لگوائے۔ جرم کیا تھا؟ امام صاحب کو کہتے تھے کہ چیف جسٹس کا عہدہ قبول کر لیں۔ امام صاحب نے کہا کہ میں قاضی القضاۃ بن کر ظالم حکومت کا معاون نہیں بننا چاہتا

کیوں کہ حکومت خالم ہے۔ کپڑے اُتار کر امام صاحب کو کوڑے مارے گئے اور جیل میں بند کر دیا۔ کئی سال جیل میں رہے جو آدمی آپ کو کھانا کھلاتا تھا ایک دن اس نے کہا حضرت! میں ملازم ہوں زیادہ بات نہیں کر سکتا بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ آج انھوں نے آپ کو زہر پلانا ہے۔ جب وہ پانی کا پیالہ لے کر آئے کہ پیو! تو امام صاحب نے فرمایا کہ مجھے علم ہے تم نے اس میں زہر ملایا ہے۔ جانتے ہوئے پیوں گا تو گنہگار ہوں گا۔ پھر انھوں نے امام صاحب کو نیچے گرا کر پکڑ کر زہر پلایا۔ وہیں سجدے کی حالت میں شہید ہوئے پھر ظالموں نے ان کی میت کو جیل سے باہر نکالا۔

تو بظاہر متکبر ماتحتوں کو کہیں گے ﴿قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ﴾ وہ کہیں گے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم تمھاری راہنمائی کرتے اب اللہ تعالیٰ نے تو پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں، ہر دور میں واعظین بھیجے، سمجھانے والے بھیجے اگر ہمیں ہدایت نصیب ہوتی تو ہم تمھاری رہنمائی کرتے۔ ﴿سَوَآءٌ عَلَيْنَآ﴾ برابر ہے ہم پر ﴿اَجَزِعْنَآ﴾ ہمزہ استفہام کا ہے کیا ہم جزع فزع کریں گھبراہٹ کا اظہار کریں ﴿اَمْ صَبَرْنَا﴾ یا ہم صبر کریں۔ چاہے شور مچائیں چاہے صبر کریں ﴿مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ﴾ نہیں ہے ہمارے لیے کوئی چھٹکارا۔ یہ سزا تم بھی بھگتو گے اور ہم بھی بھگتیں گے ظالم اور ان کے معاون سزا میں برابر کے شریک ہوں گے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ظالموں کا ساتھ دینے سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ [آمین!]

~~~

﴿وَقَالَ الشَّيْطٰنُ﴾ اور کہے گا شیطان ﴿لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ﴾ جس وقت معاملہ طے کیا جائے گا ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا تمھارے ساتھ ﴿وَعْدَ الْحَقِّ﴾ سچا وعدہ ﴿وَوَعَدْتُّكُمْ﴾ اور میں نے بھی وعدہ کیا تھا تمھارے ساتھ ﴿فَاَخْلَفْتُكُمْ﴾ پس میں نے خلاف ورزی کی تمھارے ساتھ ﴿وَمَا كَانَ لِيَ﴾ اور نہیں تھا میرے لیے ﴿عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ تمھارے اُوپر کوئی جبر ﴿اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ﴾ مگر یہ کہ میں نے تم کو دعوت دی ﴿فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ﴾ پس تم نے قبول کر لیا میری دعوت کو ﴿فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ﴾ پس تم نہ ملامت کرو مجھ کو ﴿وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ اور ملامت کرو اپنی جانوں کو ﴿مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ﴾ میں نہیں چھڑا سکتا تم کو ﴿وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ﴾ اور نہ تم مجھے چھڑا سکتے ہو ﴿اِنِّيْ كَفَرْتُ﴾ بے شک میں انکار کرتا ہوں ﴿بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ﴾ اس چیز کا کہ تم نے مجھے شریک بنایا اس سے پہلے ﴿اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ بے شک ظالموں کے لیے عذاب ہے دردناک ﴿وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اور داخل کیے جائیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور اُنھوں نے عمل کیے اچھے ﴿جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ باغات میں بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں ﴿بِاِذْنِ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کے حکم کے ساتھ ﴿تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ﴾ ملاقات ان کی ہوگی
~~~

باغات میں سلام کے لفظ کے ساتھ ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا﴾ کیا نہیں دیکھا آپ نے کیسے بیان کی اللہ تعالیٰ نے مثال ﴿كَلِمَةً طَيِّبَةً﴾ پاک کلمے کی ﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ﴾ جیسا کہ ایک پاکیزہ درخت ہوتا ہے ﴿اَصْلُهَا ثَابِتٌ﴾ جڑیں اس کی مضبوط ہیں ﴿وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ﴾ اور شاخیں اس کی آسمان کی طرف پہنچی ہوئی ہیں ﴿تُؤْتِيٓ اُكُلَهَا﴾ لاتا ہے وہ درخت اپنا پھل ﴿كُلَّ حِيْنٍ﴾ ہر وقت ﴿بِاِذْنِ رَبِّهَا﴾ اپنے رب کے حکم کے ساتھ ﴿وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ﴾ اور بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں ﴿لِلنَّاسِ﴾ لوگوں کے لیے ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

پچھلے سبق میں تم نے پڑھا کہ محشر والے دن اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت میں سب لوگ پیش ہوں گے۔ اس دن کی ہولناکیاں دیکھ کر کمزور لوگ اپنے لیڈروں کے پاس جائیں گے اور کہیں گے ﴿اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا﴾ "بے شک ہم تمھارے تابع تھے ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا﴾ پس کیا تم ہم سے کفایت کر سکتے ہو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کچھ بھی۔" دنیا میں تم ہمارے پاس آتے تھے ہم تمھاری خدمتیں کرتے تھے، تمھاری جھنڈیاں لگاتے تھے، تمھارے نعرے مارتے تھے، تمھارے جلسوں اور جلوسوں میں شریک ہوتے تھے اب یہاں ہمارے کچھ کام آسکتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ اگر ہم خود ہدایت یافتہ ہوتے تو تمھاری بھی رہنمائی کرتے ہم خود عذاب میں مبتلا ہیں تمھیں کیسے چھڑا سکتے ہیں۔ یہ قوم کے لیڈر اور نمائندے انکار کر دیں گے۔ ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ: لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنَ الْعُرَفَآءِ وَ لٰكِنَّ الْعُرَفَآءَ فِي النَّارِ اَوْ كَمَا قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کا لیڈروں کے بغیر چارہ بھی نہیں ہے لیکن لیڈر جائیں گے دوزخ میں۔" چارہ اس لیے نہیں ہے کہ لوگوں کو اپنے اپنے کاموں کے لیے ان کی ضرورت ہوتی ہے لوگ ان سے جائز ناجائز کام کراتے ہیں۔ اسی لیے ان کو ووٹ دیتے ہیں اور آگے لاتے ہیں۔

ایک سبق آموز واقعہ

۱۹۷۱ء میں اس حلقے میں حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو قومی اسمبلی کے لیے کھڑا کیا گیا اور گوجرانوالا کے حلقے میں صوبائی اسمبلی کے لیے کھڑا کیا گیا تھا تو ہم ووٹ مانگنے کے لیے دیہات میں گھومے۔ علی پور کی طرف ایک گاؤں تھا اس کا نام ڈائری میں لکھا ہوا ہے زبانی مجھے یاد نہیں۔ صبح سات بجے کے قریب ہم اس گاؤں میں پہنچے لوگوں نے ہمیں چودھری صاحب کا نام بتلایا کہ وہ مؤثر آدمی ہیں ان سے ملو۔ ہم چودھری صاحب کو ملے وہ بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگا میں تمھارے پاس کبھی کبھی جمعہ پڑھنے کے لیے جاتا ہوں آج تو میرے لیے عید کا دن ہے کہ آپ میرے گاؤں تشریف لائے ہیں۔ اس نے ہمیں ناشتا کرایا، بڑی خدمت کی، انڈے، پراٹھے، مکھن سے ہماری تواضع کی ہم دس بارہ آدمی تھے۔ ہم نے کہا چودھری صاحب

لوگوں کو اکٹھا کرو ہم نے کچھ بیان کرنا ہے۔ چودھری بڑا مؤثر آدمی تھا اس نے اعلان کیا کہ کوئی آدمی اپنے کام پر نہ جائے سب میرے ڈیرے پر آجاؤ۔

بڑا وسیع ڈیرا تھا لوگ اس میں اکٹھے ہو گئے۔ مولانا نے مجھے اشارہ کیا کہ پروگرام شروع کرو۔ میں نے اُٹھ کر ایک حافظ صاحب کو کہا کہ تم تلاوت کرو اس نے تلاوت کی، ایک ساتھی نے نظم پڑھی پھر میں نے لوگوں کو کہا کہ ہم تمھارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہم نے مولانا عبدالواحد صاحب کو قومی اسمبلی کے لیے کھڑا کیا ہے آپ کے اس حلقے میں ووٹ ہیں تم نے ووٹ ہمیں دینے ہیں۔

چودھری صاحب بڑے کھرے آدمی تھے۔ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے علمائے کرام اگر ناشتے میں کوئی کمی رہ گئی ہے تو دوپہر کے کھانے میں پوری کر دیں گے اور ووٹ تمھیں ہم نے ایک بھی نہیں دینا۔ مسکراتے ہوئے اس نے یہ بات کہی کہ ہم آپ کو مغالطے میں نہیں رکھتے۔ بات یہ ہے کہ ہم نے چوریاں بھی کرنی ہوتی ہیں، ڈاکے بھی ڈالنے ہیں، ایک دوسرے کے درخت بھی کاٹنے ہیں، جانور بھی چھیننے ہیں، لڑکیاں بھی اُٹھانی ہیں، کیا آپ ان کاموں میں ہمارا ساتھ دیں گے؟ تھانے ہمارے ساتھ جائیں گے؟ ہم نے کہا کہ یہ کام تو ہم نہیں کر سکتے۔ کہنے لگا پھر ہم سے ووٹ بھی تم کو نہیں ملیں گے۔ کیوں کہ ہمیں تو ایسے نمائندے چاہئیں کہ ہم انہیں جہاں لے جائیں ہمارے ساتھ جائیں ہماری سچی جھوٹی امداد کریں۔

شیطان اپنے یاروں کو ذلیل کرے گا ؟

اب اسی سلسلہ میں شیطان کا حال بیان کیا ہے جو سب لیڈروں کا لیڈر ہے۔ اس کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے کہ دیکھو! ہمیں تو سبز باغ دکھاتا تھا اور کہتا تھا کر لو کوئی بات نہیں رب غفورٌ رّحیم ہے بخش دے گا۔ تو نے ہم سے گناہ کروائے لہٰذا آج ہمارا کچھ کرو۔ اب سنو کہ وکیلوں کا وکیل اور لیڈروں کا لیڈر اور قائد کیا کہے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَقَالَ الشَّيْطٰنُ﴾ اور کہے گا شیطان ﴿لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ﴾ جس وقت معاملہ طے کیا جائے گا مجرموں کے لیے عذاب کا ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھارے ساتھ وعدہ کیا تھا سچا وعدہ، حق کا وعدہ ﴿وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ﴾ اور میں نے بھی وعدہ کیا تھا تمھارے ساتھ پس میں نے خلاف ورزی کی تمھارے ساتھ میں وعدہ پورا نہیں کر سکا۔ میں نے کہا تھا کچھ نہیں ہوتا جو چاہے کرتے پھرو بخشے جاؤ گے، جنت مل جائے گی لیکن یہ بات تو بتلاؤ کہ ﴿وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ اور نہیں تھا میرے لیے تمھارے اوپر کوئی جبر، کوئی زور۔ تم جو میرے پاس اکٹھے ہو کر آئے ہو میں نے تم سے کوئی جبراً برائی کرائی ہے ﴿اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ﴾ مگر یہ کہ میں نے تم کو دعوت دی ﴿فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ﴾ پس تم نے قبول کر لیا میری دعوت کو، میری بات کو۔ میری بات تم نے مان لی کیوں مانی تھی؟ ﴿فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ﴾ پس تم نہ ملامت کرو مجھ کو اور ملامت کرو اپنی جانوں کو۔ میری بات نہ ماننے میں نے کون سے تمھارے گلے میں رسے ڈالے ہوئے تھے، میں نے کون سے

جبراً گناہ کروائے ہیں اکٹھے ہو کر میرے پاس آئے ہو رب تعالیٰ نے نیکی کی بھی قوت دی ہے اور بدی کی بھی قوت دی ہے پھر ہر آدمی اپنے کسب کا خود مختار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ "پس جو چاہے اپنی مرضی سے ایمان لائے اور جو چاہے اپنی مرضی سے کفر اختیار کرے۔" اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہونے کے باوجود کسی پر نیکی بدی کے لیے جبر نہیں کرتا۔

تو شیطان کہے گا میرا تم پر کوئی جبر تو نہیں تھا میں نے تمھیں دعوت دی تم نے قبول کر لی اب مجھے نہ ملامت کرو اپنے نفسوں کو ملامت کرو ﴿وَمَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ﴾ میں نہیں چھڑا سکتا تم کو اور نہ تم مجھے چھڑا سکتے ہو۔ نہ میں تمھاری مدد کر سکتا ہوں اور نہ تم میری مدد کر سکتے ہو ﴿اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ﴾ بے شک میں انکار کرتا ہوں اس چیز کا کہ تم نے مجھے شریک بنایا اس سے پہلے زبردستی۔ میں انکار کرتا ہوں میں رب کا شریک نہیں ہوں۔ کیسا اِنکا کے جواب دیا ہے کہ خواہ مخواہ تم میرے پیچھے دوڑے آ رہے ہو کہ کچھ کر۔ میں کیا کر سکتا ہوں؟

اور بعض مفسرین رحمۃ اللہ علیہم نے اس جملے کا یہ معنیٰ کیا ہے کہ میں کافر ہوا تم نے مجھے رب تعالیٰ کا شریک بنایا میرے کفر کے ذمہ دار بھی تم ہو۔ تم مجھے نہ مانتے میری حوصلہ شکنی ہوتی تم نے مجھے مانا میں نے سمجھا کہ میں بھی کچھ ہوں۔ پورا وکیل ہے نا! اللہ تعالیٰ نے یہ سارے واقعات ہمیں سمجھانے کے لیے بتائے ہیں کہ یہ یہ کچھ آگے ہونا ہے۔ ﴿اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ بے شک ظالموں کے لیے عذاب ہے دردناک۔ نافرمانوں کے ذکر کے بعد فرماں برداروں کا ذکر ہے ﴿وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور داخل کیے جائیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے عمل اچھے کیے ﴿جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ باغات میں بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں ﴿بِاِذْنِ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کے حکم کے ساتھ۔ اس ہمیشگی کا آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے کیوں کہ ہم محدود زندگی میں ہیں۔

دُنیا کو وجود میں آئے سات ہزار سال ہوئے ہیں ؟

اس وقت تک دنیا کو تقریباً سات ہزار سال ہوئے ہیں اور بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ دنیا کو اتنے لاکھ سال ہوئے ہیں اور اتنے کروڑ سال ہوئے ہیں یہ پاگل لوگوں کی باتیں ہیں شریعت کے لحاظ سے ابھی سات ہزار سال بھی پورے نہیں ہوئے۔ تو اس محدود زندگی میں ہم ہمیشہ کی زندگی کو نہیں سمجھ سکتے۔ آگے کا کوئی پتا نہیں ہے قیامت کب آئے گی؟ اس کے بعد برزخ کا زمانہ ہے، پھر محشر ہے، پھر جنت دوزخ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے آئندہ کے لیے جو کچھ فرمایا ہے حق ہے سب کچھ ہوگا۔

پیغمبر علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا سچ فرمایا ؟

دیکھو! ہم بڑے حیران ہوتے تھے جب یہ احادیث پڑھتے تھے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے امدادی خراسان اور افغانستان کے لوگ ہوں گے۔ یہ لوگ کیسے امدادی ہوں گے؟ اب وہ سب حالات ظاہر ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس وقت

طالبان کو اقتدار دیا ہے یہی لوگ ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے امدادی ہوں گے۔ اخبارات میں آیا ہے کہ امریکہ کے نجومیوں نے کہا ہے کہ اگلے سال امام مہدی ظاہر ہو جائیں گے۔ امریکہ نے کعبۃ اللہ کے اوپر کیمرہ لگایا ہوا ہے کہ جب وہ ظاہر ہوں ان کو بم مار کر ختم کر دیا جائے تاکہ آگے ان کا کام نہ چلے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ انھوں نے کب آنا ہے لیکن قرائن اور شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ظہور قریب ہے۔ حالات پیدا ہو رہے ہیں جن جگہوں پر مسلمان کمزور اور نہایت ضعیف تھے وہ بھی کھل کر اسلام کا نام لے رہے ہیں۔

ہم چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے کہ کشمیریوں کے بارے میں مجلس احرار کی تحریک چلی راجہ کے خلاف، تو بڑوں سے سنا ہے کہ کشمیری کہتے ہیں کہ بندوق آپے تپے گی تو ٹھس کرے گی یعنی بندوق چلانے سے اتنا ڈرتے تھے کہ کہتے اس کو دھوپ میں رکھو خود چلے گی، یہ کہنے والے مجاہد بنے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑی دلیری کے ساتھ لڑ رہے ہیں۔ تو اسلام کو ترقی ہو گی حالات بن رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے جو کچھ فرمایا ہے حق اور سچ ہے۔

فرمایا کہ یہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے اپنے رب کے حکم کے ساتھ ﴿تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ﴾ ملاقات ان کی ہو گی باغات میں لفظ سلام کے ساتھ۔ تحیّہ کا معنیٰ ہے کہ جب کوئی ملتا ہے تو پنجابی میں کہتا ہے جی آیا نوں اور فارسی والے کہتے ہیں خوش آمدید، پشتو والے کہتے ہیں ہر کلا راشا اور انگریزی والے شاید ویلکم کہتے ہیں۔ تو بہر حال ان کی جو آپس میں آؤ بھگت ہو گی وہ سلام کے لفظ کے ساتھ ہو گی۔ فرشتے بھی سلام کہیں گے، حوریں بھی سلام کہیں گی، غلمان بھی اور رب تعالیٰ کی طرف سے بھی سلام ہو گا۔ سورۃ یٰسین میں ہے ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ "اور سلام ہو گا کہا ہوا رب رحیم کی طرف سے۔"

آگے اللہ تعالیٰ حق اور باطل کی مثال بیان فرماتے ہیں ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ اے مخاطب کیا نہیں دیکھا آپ نے ﴿كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا﴾ کیسے بیان کی اللہ تعالیٰ نے مثال ﴿كَلِمَةً طَيِّبَةً﴾ کلمہ طیبہ کی۔ وہ کلمہ طیبہ ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ ﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ﴾ جیسا کہ ایک پاکیزہ درخت ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ کھجور کا درخت ہے ﴿اَصْلُهَا ثَابِتٌ﴾ جڑیں اس کی مضبوط ہیں اس کا تنا بڑا مضبوط ہوتا ہے ﴿وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ﴾ اور شاخیں اس کی آسمان کی طرف پہنچی ہوئی ہیں ﴿تُؤْتِيْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ﴾ لاتا ہے وہ درخت اپنا پھل ہر وقت ﴿بِاِذْنِ رَبِّهَا﴾ اپنے رب کے حکم کے ساتھ۔ اس کی جڑیں مضبوط ہیں تنا بڑا طاقتور ہے شاخیں اُوپر کو پہنچی ہوئی ہیں پھل ساتھ لگا ہوا ہے۔ اسی طرح کلمہ طیبہ ہے مومن کے دل میں اس کی جڑیں بڑی مضبوط ہیں اور ساتھ پھل لگتے ہیں نماز، روزے کے کبھی حج کرتا ہے، کبھی عمرہ کرتا ہے، کبھی زکوٰۃ دیتا ہے، کبھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے، کبھی قرآن شریف پڑھتا ہے، کبھی درود شریف پڑھتا ہے یہ سب اس درخت کی شاخیں اور پھل ہیں ﴿وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ﴾ اور اللہ تعالیٰ مثالیں بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ کیوں کہ مثال کے ذریعے آدمی بات جلدی سمجھتا ہے۔

﴿وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ﴾ اور مثال گندے کلمے کی ﴿كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ﴾ جیسے گندہ پودا ہے ﴿اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ﴾ جو بکھیر دیا گیا ہو زمین کے اُوپر ﴿مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ﴾ نہیں ہے اس کے لیے کوئی ٹھہراؤ ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ﴾ ثابت رکھے گا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ﴿آمَنُوا﴾ جو ایمان لائے ﴿بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ﴾ مضبوط بات کے ساتھ ﴿فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿وَفِي الْآخِرَةِ﴾ اور آخرت میں ﴿وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ﴾ اور بہکاتا ہے اللہ تعالیٰ ظالموں کو ﴿وَيَفْعَلُ اللَّهُ﴾ اور کرتا ہے اللہ تعالیٰ ﴿مَا يَشَاءُ﴾ جو چاہے ﴿أَلَمْ تَرَ﴾ کیا تو نے نہیں دیکھا ﴿إِلَى الَّذِينَ﴾ ان لوگوں کو ﴿بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ﴾ جنھوں نے تبدیل کیا اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ﴿كُفْرًا﴾ ناشکری کی شکل میں ﴿وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ﴾ اور اُتارا اُنھوں نے اپنی قوم کو ﴿دَارَ الْبَوَارِ﴾ ہلاکت کے گھر میں ﴿جَهَنَّمَ﴾ جہنم میں ﴿يَصْلَوْنَهَا﴾ اس میں داخل ہوں گے ﴿وَبِئْسَ الْقَرَارُ﴾ اور وہ بُرا ٹھکانا ہے ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا﴾ اور انھوں نے بنائے اللہ تعالیٰ کے لیے شریک ﴿لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ﴾ تاکہ وہ بہکائیں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿تَمَتَّعُوا﴾ فائدہ اُٹھالو ﴿فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ﴾ پس بے شک تمھارا ٹھکانا دوزخ کی طرف ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لِعِبَادِيَ الَّذِينَ﴾ میرے اُن بندوں کو ﴿آمَنُوا﴾ جو ایمان لائے ہیں ﴿يُقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ نماز قائم کریں ﴿وَيُنْفِقُوا﴾ اور خرچ کریں ﴿مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ﴾ اس میں سے جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے ﴿سِرًّا﴾ مخفی طور پر ﴿وَعَلَانِيَةً﴾ اور کھلے طور پر ﴿مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ﴾ پہلے اس سے کہ آئے ﴿يَوْمٌ﴾ وہ دن ﴿لَا بَيْعٌ فِيهِ﴾ کہ جس میں کوئی خرید و فروخت نہیں ہوگی ﴿وَلَا خِلَالٌ﴾ اور نہ کوئی دوستی ہوگی۔

گزشتہ درس میں آپ نے کلمہ طیبہ کی مثال سنی اب اس کے مقابلہ میں کلمہ خبیثہ کی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ﴾ اور مثال گندے کلمے کی اس سے مراد کفر کا کلمہ ہے، شرک کا کلمہ ہے، نافرمانی کا کلمہ ہے ﴿كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ﴾ جیسے گندا پودا ہے۔ درخت اُسے کہتے ہیں جس کا تنا ہو اور جو زمین پر بچھا رہے اس کو پودا کہتے ہیں۔ یہاں پر درخت مجازاً بولا گیا ہے ﴿اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ﴾ جو بکھیر دیا گیا ہو زمین کے اُوپر۔ حدیث میں آتا ہے کہ وہ حنظلہ ہے۔ جس کو ایلوا اور کوڑتُما کہتے ہیں۔ ویسے تو یہ ہر علاقے میں ہوتا ہے مگر میانوالی کے علاقے میں زیادہ ہوتا ہے۔ اس کی بیلیں زمین پر پھیلی ہوتی ہیں جیسے تربوز کی بیل زمین کے اُوپر پھیلی ہوتی ہے۔ اس کا پھل انتہائی کڑوا ہوتا ہے اس میں جتنا میٹھا ملاتے جاؤ اتنا کڑوا ہوتا جاتا ہے۔ اس کا کھانا بڑا مشکل ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی پیدا فرمائی ہے اس میں کوئی نہ کوئی فائدہ رکھا ہے۔

کوئی چیز بے کار نہیں قدرت کے کارخانے میں

طب کی کتابوں میں تصریح ہے کہ بلغمی بیماریوں کے لیے یہ تُمّا بڑا بہترین علاج ہے۔ فالج ہو، لقوہ ہو، درد ہو، قبض ہو، حکیم لوگ آج بھی اس کو استعمال کرتے ہیں۔ مجھ پر ۱۹۶۱ء میں فالج کا حملہ ہوا۔ اس وقت میرے پاس دو طالب علم پڑھتے تھے ان کے والد مولانا حکیم جان محمد صاحب سموگرھی نزد ٹیکسلا کے رہنے والے تھے یہ دار العلوم دیوبند کے فاضل تھے ان کو معلوم ہوا ے میرے پاس پہنچے۔ میں نے بتایا کہ میرا دائیں طرف والا حصہ سن ہو گیا ہے۔ کہنے لگے کوئی علاج تو شروع نہیں کیا؟ میں نے کہا نہیں اور علاج تو کوئی نہیں شروع کیا البتہ کبوتر وغیرہ ہیں ان کا گوشت اور شوربا استعمال کر رہا ہوں اور شہد استعمال کر رہا ہوں۔ کہنے لگے ان چیزوں کا کوئی حرج نہیں ہے لیکن کوئی علاج نہ شروع کرنا میں آپ کو ایک نسخہ بتاتا ہوں یہ استعمال کرنا ہے۔

اُنھوں نے مجھے "اِیَارِ جْ فِیْقَرَہْ" ایک یونانی دوا ہے، بتلائی کہ آپ نے اس کو استعمال کرنا ہے (اس کا مکمل نسخہ بیاض کبیر میں موجود ہے۔ نواز بلوچ) وہ میں سالہا سال سے کھاتا ہوں اس کے ساتھ اسہال لگتے ہیں اور بلغم وغیرہ بدن سے خارج ہو جاتا ہے۔ یہ بلغم کو رگوں سے کھینچ لاتا ہے بڑا ظالم قسم کا جلاب ہے پہلے تو میں کئی سال تک روزانہ کھاتا رہا ہوں پھر ایک مہینے کے بعد کھاتا تھا پھر دو مہینے کے بعد اب کمزوری کی وجہ سے وہ نہیں کھا سکتا اس کا اہم جز ایلوا ہے۔ قبض اور بلغم کے ازالے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس میں شفا رکھی ہے۔

تو فرمایا کہ کلمہ خبیثہ کفر، شرک کی مثال گندے پودے کی ہے جیسے تُمّا، اس کی بیل زمین پر بکھری ہوتی ہے اس کا تنا نہیں ہوتا اور پھل کڑوا ہوتا ہے ﴿مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ﴾ نہیں ہے اس کے لیے کوئی ٹھہراؤ، کوئی ثبات ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ثابت رکھے گا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ﴿بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ مضبوط بات کے ساتھ دنیا کی زندگی میں ﴿وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ اور آخرت میں، قبر میں۔ ایمان کی قوت اور عمل صالح کی برکت سے اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ اس کو (دنیا میں) مزید نیکیاں کرنے کی توفیق عطا کریں گے۔

قبر میں سوال وجواب کی کیفیت

اور قبر میں جب فرشتے سوال جواب کے لیے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کو ثابت قدم رکھیں گے۔ عام لوگوں کے لیے منکر نکیر آتے ہیں اور مومنوں کے لیے مبشر بشیر آتے ہیں اور پوچھتے ہیں مَنْ رَّبُّكَ، مَنْ نَبِيُّكَ، مَا دِيْنُكَ۔ مومن آدمی اعمال صالح کی برکت سے صحیح جواب دیتا ہے۔ رَبِّيَ اللهُ میرا رب اللہ ہے، میرا نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور میرا دین اسلام ہے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ہم تیرے چہرے بُشرے سے سمجھ گئے تھے کہ جواب صحیح دے گا۔ پھر اس کے لیے دوزخ کی طرف سے کھڑکی کھولی جائے گی وہ کچھ پریشان ہوگا کہ جواب تو میں نے صحیح دیے ہیں دوزخ کی کھڑکی کا کیا معنیٰ؟ اور دیکھ کر توبہ توبہ

کرے گا۔ فرشتے کہیں گے یہ تیری جگہ نہیں ہے بس تجھے بتلاتا ہے کہ رب تعالیٰ نے تجھے اس جگہ سے بچا لیا ہے۔ پھر حکم ہوگا کہ جنت کی طرف سے کھڑکی کھول دو۔ قبر میں جسم اور روح دونوں کے لیے راحت بھی ہے اور تکلیف بھی۔ ایمان اور عمل صالح کی برکت سے اللہ تعالیٰ دین پر قائم رکھتا ہے اور قبر میں اس کو صحیح جواب آتے ہیں ویسے رٹ لے، رٹ لگانے سے کچھ نہیں ہوگا ایمان کی برکت سے اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھیں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ﴿وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ اور بہکاتا ہے اللہ تعالیٰ ظالموں کو۔

ہدایت دینے اور گمراہ کرنے کا مطلب

پہلے اسی پارے میں بات گزر چکی ہے کہ بہت سارے سطحی قسم کے لوگ قرآن کریم میں جب پڑھتے ہیں ﴿يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [المدثر:۳۱] "اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔" تو کہتے ہیں جب گمراہی اور ہدایت رب تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو پھر ہمارا کیا قصور ہے ہم کوئی رب تعالیٰ سے طاقتور تو نہیں ہیں کہ رب کے حکم کو ٹال دیں۔

تو میں نے بتلایا تھا کہ ہدایت اور گمراہی کے لیے قاعدہ اور ضابطہ ہے۔ ہدایت رب تعالیٰ اس کو دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے ﴿وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ﴾ [رعد:۲۷] "اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع کرتا ہے۔" اور سورۃ شوریٰ آیت نمبر ۱۳ میں ہے ﴿وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ﴾ "اور راہ دکھاتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع کرتا ہے۔" اور گمراہ کس کو کرتا ہے؟ ﴿وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [ابراہیم:۲۷] "اور گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ظالموں کو۔" اور سورۃ مومن آیت نمبر ۷۴ میں ہے ﴿كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ "اسی طرح گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کافروں کو۔" جو ظلم اور کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں ان کو گمراہ کرتا ہے زبردستی نہیں بلکہ اس نے اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف:۲۹] "پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔" اپنی مرضی سے جس طرف کوئی چلے گا اس کو اللہ تعالیٰ اسی طرف چلا دیں گے ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ﴾ [سورۃ النساء:۱۱۵] "ہم اس کو پھیر دیں گے اسی طرف جس طرف اس نے رخ کیا۔" اور سورۃ صف میں ہے ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ "پس جب وہ ٹیڑھے چلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔" اور ہدایت اس کو دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ سورۂ عنکبوت آیت نمبر ۶۹ میں ہے ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ "اور وہ لوگ جو کوشش کرتے ہیں ہمارے راستے کی ہم ضرور رہنمائی کرتے ہیں ان کی اپنے راستوں کی طرف۔" تو نہ ایمان لانے کے لیے جبر ہے نہ کفر کے لیے جبر ہے بلکہ اختیار ہے۔

﴿وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ﴾ اور کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے۔ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو ﴿بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا﴾ جنھوں نے تبدیل کیا اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ناشکری کی شکل میں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو کفر کی شکل میں بدل

دیا۔اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکے والوں کو حرم جیسی جگہ عطا فرمائی جہاں پورا امن ہے کوئی کسی کو چھیڑتا تک نہیں ہے۔حرم سے باہر لڑائیاں ہوتی تھیں، جھگڑے ہوتے تھے ایک دوسرے کو اُٹھا کر لے جاتے تھے لیکن حرم میں لڑائی جھگڑے، چوری کوئی چیز نہیں ہوتی تھی یہ مزے کے ساتھ سوتے تھے ﴿وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ "اور انہیں خوف سے امن دیا اور ﴿اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ﴾ ان کو بھوک میں کھانا کھلایا۔" دور دراز کے علاقوں سے چیزیں وافر مقدار میں پہنچتی تھیں ان کو چاہیے تھا کہ جس گھر کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو روزی دی ہے، امن دیا ہے اس گھر والے کی عبادت کرتے۔انھوں نے اُلٹا اس گھر میں تین سو ساٹھ بت رکھ کر ان کی پوجا شروع کر دی کتنی ناشکری ہے۔پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو نعمتِ عظمیٰ عطا کی کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو ان کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا۔انھوں نے ان کو مجنوں کہا، مفتری کہا، ساحر اور کذاب کہا اور جو ان کی زبان پر آتا تھا وہ کہتے تھے۔اس طرح اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری کی اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کو کفر کے ساتھ بدل دیا۔

﴿وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ﴾ اور اُتارا اُنھوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں۔وہ ہلاکت کا گھر کون سا ہے؟ ﴿جَهَنَّمَ﴾ جہنم میں لے گئے سب کو اکٹھا کر کے جماعت کی شکل میں ﴿يَصْلَوْنَهَا﴾ اس میں داخل ہوں گے ﴿وَبِئْسَ الْقَرَارُ﴾ اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہر مسلمان مرد، عورت کو دوزخ سے بچائے اور محفوظ رکھے۔

انداد کی تفسیر

اپنی قوم کو اُنھوں نے کیسے گمراہ کیا ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾ اور اُنھوں نے بنائے اللہ تعالیٰ کے لیے شریک۔وہ گھر جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے قائم کیا گیا تھا اس کی بیرونی دیوار پر تین سو ساٹھ بت نصب کیے ہوئے تھے۔ان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بت تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بت تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بت تھا، حضرت مریم علیہا السلام کا بت تھا اور ہُبَل حضرت ہابیل رحمہ اللہ کا بت تھا جس کو قابیل نے قتل کیا تھا۔یہ حضرت آدم علیہ السلام کا پہلا بیٹا تھا جو شہید ہوا تھا۔قریش مکہ جب کسی لڑائی میں جاتے تھے تو اُعْلُ هُبَلُ، اُعْلُ هُبَلُ "ہبل زندہ باد، ہبل زندہ باد" کے نعرے لگاتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ حق کی خاطر شہید ہوا ہے یہ ہماری مدد کرتا ہے۔

ان بتوں میں اِساف اور نائلہ کا بت بھی تھا۔اِساف مرد کا نام تھا اور نائلہ عورت کا نام تھا۔ان کے آپس میں ناجائز تعلقات تھے ان کو بدی کے لیے کوئی جگہ نہ ملی لوگ اس وقت کم ہوتے تھے شام کے بعد لوگ اپنے گھروں میں چلے گئے تو اُنھوں نے کعبۃ اللہ کے اندر برائی کی اللہ تعالیٰ نے ان کو مسخ کر دیا۔لوگوں نے عبرت کے لیے ان کے مجسمے کھڑے کر دیے۔لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ان کی پوجا شروع کر دی۔بندے کی جب عقل ماری جائے تو کچھ سوجھ بوجھ نہیں رہتی۔

تو فرمایا اُنھوں نے رب تعالیٰ کے شریک بنائے ﴿لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ تاکہ وہ بہکائیں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿تَمَتَّعُوْا﴾ فائدہ اٹھالو۔کتنا عرصہ کھاؤ پیو گے ﴿فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ﴾ پس بے شک تمھارا ٹھکانا

دوزخ کی طرف ہے ہمیشہ کی ذلت اور عذاب میں مبتلا رہو گے ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم ﷺ! آپ کہہ دیں ﴿لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ میرے ان بندوں کو جو ایمان لائے ہیں صحیح معنیٰ میں بندے یہی ہیں ﴿یُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ وہ نماز قائم کریں۔ تمام عبادات میں ایمان کے بعد اہم عبادت نماز ہے جس کی کسی حالت میں معافی نہیں ہے بشرطیکہ ہوش وحواس قائم ہوں۔ حتیٰ کہ اگر کوئی سولی پر کھڑا کر دیا گیا ہے تو اس کو بھی نماز معاف نہیں ہے۔ بار بار قرآن پاک میں اور احادیث میں اس کا ذکر ہے اور تاکید ہے۔

آنحضرت ﷺ نے وفات سے پہلے بار بار فرمایا: ((اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ)) "اپنی نمازوں کی پابندی کرنا اور اپنے غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اپنی نمازوں کی پابندی کرنا اور اپنے غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اپنی نمازوں کی پابندی کرنا اور اپنے غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔" اس نماز کا آج حشر دیکھو! سورج چڑھنے کا وقت ہو گیا ہے مگر کتنے لوگ ہیں جو مزے کے ساتھ سوئے ہوئے ہیں نماز کا کوئی خیال نہیں ہے اور ہیں سب اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے۔

تو فرمایا میرے بندوں کو کہو نماز قائم کریں ﴿وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ﴾ اور خرچ کریں اس میں سے جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے، مال دیا ہے ﴿سِرًّا﴾ مخفی طور پر ﴿وَّعَلَانِیَۃً﴾ اور کھلم کھلا بھی خرچ کریں۔ اگر کوئی شخص ریا سے بچا ہوا ہے کہ کھلا صدقہ و خیرات کر سکتا ہے اور مخفی دے تو بہت اچھا ہے تاکہ اس میں ریاکاری کا سوال ہی پیدا نہ ہو ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ﴾ پہلے اس سے کہ آئے وہ دن ﴿لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ﴾ کہ جس میں کوئی خرید و فروخت نہیں ہوگی اور نہ کوئی دوستی ہوگی۔ اور وہ قیامت کا دن ہے اور مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُهٗ "جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی۔" دوزخ بھی سامنے ہے اور جنت بھی سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ جس نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو ﴿وَاَنْزَلَ﴾ اور اس نے نازل کیا ﴿مِنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان کی طرف سے ﴿مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ﴾ پس نکالا اس نے اس پانی کے ذریعے ﴿مِنَ الثَّمَرٰتِ﴾ پھلوں کو ﴿رِزْقًا لَّكُمْ﴾ رزق تمھارے لیے ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ﴾ اور تابع کیا تمھارے لیے کشتیوں کو ﴿لِتَجْرِیَ﴾ تاکہ وہ چلیں ﴿فِی الْبَحْرِ﴾ سمندر میں ﴿بِاَمْرِهٖ﴾ اس کے حکم کے ساتھ ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ﴾ اور تابع کیا ہے تمھارے لیے نہروں کو ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ اور کام میں لگا دیا تمھارے لیے سورج اور چاند کو ﴿دَآئِبَیْنِ﴾ لگاتار دونوں چلتے ہیں ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ﴾ اور تمھارے کام میں لگا دیا رات کو اور دن کو ﴿وَاٰتٰىكُمْ﴾ اور دی رب نے تمھیں ﴿مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ﴾ ہر وہ چیز جو تم نے اس سے مانگی ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ﴾ اور اگر تم شمار کرو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ﴿لَا تُحْصُوْهَا﴾ تم شمار نہیں کر سکتے

﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ ﴾ بے شک انسان ﴿ لَظَلُوْمٌ ﴾ البتہ بڑی ناانصافی کرنے والا ﴿ كَفَّارٌ ﴾ ناشکرا ہے۔

گزشتہ درس میں تھا کہ ﴿ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا ﴾ "اور بنائے اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک۔" اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سب کچھ تو میں نے بنایا ہے وہ شریک کس چیز میں ہیں؟ شریک کا کچھ نہ کچھ دخل تو ہوتا ہے ان کا میرے افعال میں کیا دخل ہے۔ فرمایا ﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو۔ کیا آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں کسی اور کا حصہ ہے؟ اور یہ کافر بھی مانتے تھے جب ان سے سوال کیا جاتا تھا ﴿ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ﴾ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو۔ کہتے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ ﴿ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ﴾ اور اسی نے نازل کیا آسمان کی طرف سے پانی، بارش ﴿ فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ﴾ پس نکالے رب تعالیٰ نے اس بارش کے ذریعے پھل رزق تمھارے لیے۔ اس بات کو مشرک بھی تسلیم کرتے تھے جب ان سے پوچھا جاتا تھا بارش کس نے نازل کی؟ کہتے اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے، یہ فصلیں سبزیاں کس نے پیدا کی ہیں؟ کہتے اللہ تعالیٰ نے مَنْ خَلَقَكُمْ تمھیں کس نے پیدا کیا ہے؟ کہتے رب نے پیدا کیا ہے، تمھارا مالک کون ہے؟ کہتے رب ہے۔ بھئی! جب یہ سب کچھ تسلیم کرتے ہو تو پھر دوسروں کے لیے کیا ہے، دوسروں کا اس میں کیا دخل ہے؟ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا کیے ﴿ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ﴾ اور اتنی ہی زمینیں پیدا کیں۔ آسمانوں میں بھی مخلوق ہے اور ایک بالشت جگہ ایسی نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ رب تعالیٰ کی عبادت میں مصروف نہ ہو۔ سات آسمان ہیں، کرسی ہے، عرش ہے ان میں بے شمار مخلوق ہے کہ ﴿ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ﴾ [سورۃ مدثر] "تیرے رب کے لشکروں کو صرف وہی رب ہی جانتا ہے۔"

ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے

پیدا کرنے والا بھی وہی ہے، رزق دینے والا بھی وہی ہے، بارش برسانے والا بھی وہی ہے۔ دیکھو! چند ماہ ہوئے ہیں بارش نہیں ہوئی تھی لوگ تڑپ اُٹھے تھے اس کے لیے دعائیں ہوئیں، نماز استسقاء ادا کی گئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے رحمت کی بارش برسائی تو لوگوں کو سکون حاصل ہوا۔ تو یہ بارش کہ عالم اسباب میں تم اس کے محتاج ہو یہ کون نازل کرتا ہے؟ پھر اس کے ذریعے پھلوں سے تمھیں رزق دیتا ہے۔ بہت سے علاقے ایسے ہیں کہ وہاں کے لوگ پھل ہی کھاتے ہیں ان کو اور کوئی چیز نہیں ملتی اور بہت سے علاقے ایسے ہیں کہ پھل فروخت کر کے گندم خریدتے ہیں۔ بہرحال یہ تمھاری خوراک کا ذریعہ ہے۔

﴿ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ ﴾ اور اس نے تابع کیا تمھارے لیے کشتیوں کو ﴿ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ ﴾ تاکہ وہ چلیں سمندر میں ﴿ بِاَمْرِهٖ ﴾ اس کے حکم کے ساتھ۔ کشتیوں کے ذریعے اِدھر کا سامان اُدھر اور اُدھر کا سامان اِدھر لاتے ہیں اور سواریوں کو بھی لے جاتے اور لے آتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بغیر وہ کون ذات ہے جس نے ان کشتیوں کو تمھارے تابع کیا ہے ﴿ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴾ اور تابع کیا ہے تمھارے لیے نہروں کو کہ بڑی نہروں سے چھوٹی نہریں نکالو پھر ان سے کھال نکالو اور آب پاشی کر وان کے

ذریعے اناج اُگاؤ، باغات لگاؤ۔ یہ چیزیں کس نے پیدا کی ہیں؟ رب تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ پھر رب تعالیٰ کے شریک کس طرح بن گئے؟ ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ اور اسی نے کام میں لگا دیا تمھارے لیے سورج اور چاند کو۔ سورج کے فوائد کو ساری دنیا جانتی ہے، اس کی تپش، اس کی حرارت کا فصلوں پر اثر ہوتا ہے، انسانوں اور حیوانوں کی صحت پر اس کا اثر ہوتا ہے، باغات کے پھلوں پر اس کا اثر ہے، چاند کی مدھم روشنی کا ساری چیزوں پر اثر ہے۔ تو یہ تمھارے کام میں کس نے لگائے ہیں ﴿دَآىِٕبَيْنِ﴾ لگاتار دونوں چلتے ہیں۔

ظہورِ مہدی اور نزولِ عیسیٰ علیہ السلام

جس وقت سے سورج چلنا شروع ہوا ہے بدستور چل رہا ہے اور جب تک رب تعالیٰ کو منظور ہوگا چلتا رہے گا پھر امام مہدی علیہ السلام کی آمد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے بعد اور خروج دجال کے بعد، یاجوج ماجوج کے قتل کے بعد ایک دن سورج نہیں نکلے گا مطلع صاف ہوگا لوگ منتظر ہوں گے اور حیران ہوں گے کہ معلوم نہیں کہ آج نکلے گا یا نہیں نکلے گا کہ اتنے میں سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا دوپہر تک آئے گا حکم ہوگا واپس چلے جاؤ۔

اسی دن مغرب کے وقت صفا پہاڑی کی چٹان پھٹے گی اور اس سے دَآبَّةُ الْاَرْضِ نکلے گا۔ وہ بیل کی طرح ایک جانور ہوگا لوگوں کے ساتھ گفتگو کرے گا اس طرح جس طرح اب میں تمھارے ساتھ گفتگو کر رہا ہوں اور تم سن رہے ہو اور سمجھ رہے ہو اس پر لوگ ایمان بھی لائیں گے۔ لوگوں کا جانور کی بات ماننا اور اس پر ایمان لانا یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ انسان انسان نہیں رہے شکل انسانوں جیسی ہے لیکن حیوان ہیں۔ انسانوں کی باتیں انھوں نے نہیں مانیں اور حیوان کی بات پر ان کو یقین آ گیا ہے۔ اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس سے پہلے جو ایمان لا چکا ہوگا بس اس کا ایمان معتبر ہوگا اور پہلے جو نیکیاں کرتا تھا آئندہ بھی کرے گا ان نیکیوں کا اعتبار ہوگا نئی نیکی قبول نہیں ہوگی اور نہ اس کے بعد ایمان لانا قبول ہوگا۔ اس کے بعد احادیث کی روشنی میں تقریباً ایک سو بیس سال گزریں گے پھر اسرافیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے۔

تو فرمایا سورج اور چاند کو اس نے تمھارے کام میں لگا دیا ہے اور وہ تواتر کے ساتھ چل رہے ہیں ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ اور تمھارے کام میں لگا دیا رات کو اور دن کو۔ رات اس لیے کہ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن اس لیے کہ تم اس میں روزی کماؤ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، نیکیاں کرو، جہاد کرو۔ دن رات کے فوائد سب کے سامنے ہیں کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ رات دن کو پیدا کرنے والا کون ہے ﴿وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ﴾ اور دی رب نے تمھیں ہر وہ چیز جو تم نے اس سے مانگی عَلٰی حَسْبِ مَصَالِحِكُمْ تمھاری مصلحتوں کے مطابق تھی رب تعالیٰ نے تمھیں دی۔

دعا کی قبولیت کی شکلیں

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ دعا کوئی بھی رد نہیں ہوتی مگر اس کی قبولیت کی شکلیں ہیں۔ پہلی شکل یہ ہے کہ جو چیز تم

نے رب تعالیٰ سے مانگی ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تمھارے لیے مفید ہے تو وہ دے گا اور اگر مفید نہیں ہے تو نہیں دے گا اور اس دعا کی برکت سے کوئی مصیبت ٹل جائے گی جو آنے والی تھی اور تمھیں اس کا علم نہیں تھا تو یہ بھی دعا کی قبولیت ہے اور اگر دنیا میں کچھ نہ ہوا تو اس دعا کا ثواب آخرت میں ملے گا اور دنیا میں نہ دینا بھی خیر خواہی ہے کیوں کہ انسان بسا اوقات ایک چیز کو اپنے حق میں اچھا اور مفید سمجھتا ہے مگر وہ شے اس کے لیے مضر ہوتی ہے۔ انسان کی عقل ناقص ہے تو اس وقت وہ چیز اس کو نہ دینا ہی اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ مثلاً: ہیضہ میں مبتلا آدمی پانی مانگتا ہے یا کسی اور بیماری میں مبتلا ہے اور وہ ایسی چیز مانگتا ہے جو اس کے حق میں مفید نہیں ہے گھر کے افراد اس کو وہ چیز نہیں دیتے ڈاکٹر حکیم اس کو وہ چیز نہیں دیتا تو یہ نہ دینا اس کے ساتھ دشمنی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ محبت ہے کیوں کہ وہ چیز اگر اس کو دی جائے تو اس کو نقصان ہوگا۔

تو تم ایک چیز اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہو اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ تمھارے حق میں مفید نہیں ہے تو وہ نہیں دیتا اور اس دعا کی برکت سے کوئی مصیبت ٹال دیتا ہے جو آنے والی تھی تو یہ بھی دعا کی قبولیت ہے۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ ((اَلدُّعاءُ هوالعبادة)) "دعا عبادت ہے۔" جتنی دیر تم دعا کرتے رہو گے یہ سمجھو کہ تم عبادت میں لگے ہوئے ہو۔ اور فرمایا کہ تم کیا پوچھتے ہو ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ اور اگر تم شمار کرو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تم شمار نہیں کر سکتے۔ اور نعمتیں تو درکنار یہ جو ہم چوبیس گھنٹوں میں سانس لیتے ہیں اس کو کوئی گننا چاہے تو نہیں گن سکتا نبض کو کوئی گننا چاہے تو نہیں گن سکتا رب تعالیٰ نے ہاتھ دیئے ہیں پاؤں دیئے ہیں، آنکھیں دی ہیں، کان دیئے ہیں، دانت موجود ہیں، صحت ہے، مال ہے، مکان اور اولاد ہے، اناج ہیں، بے شمار پھل فروٹ ہیں، شکل وصورت ہے، قد ہے اور باطنی نعمتیں ہیں، ایمان ہے، علم ہے، عقل وسمجھ ہے، بصیرت ہے۔ اس کی نعمتوں کو کوئی شمار نہیں کر سکتا۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کا قد اور شکل دیکھ کر دوسرا آدمی اس سے مرعوب ہو جاتا ہے لیکن جب وہ بات کرتا ہے تو ایسی حماقت کی کہ اس کی بات پر لوگوں کو ہنسی آجاتی ہے۔ اور بعض دفعہ آدمی کا قد چھوٹا ہوتا ہے کہ آدمی کہتا ہے کہ یہ بھی آدمی ہے مگر وہ بات ایسی معقول کرتا ہے کہ وہ دوسروں کو لاجواب کر دیتا ہے۔ تو یہ باطن کی نعمتیں ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قد چھوٹا سا تھا دوسرے لوگ بیٹھے ہوتے تھے اور یہ کھڑے ہوتے تھے تو برابر لگتے تھے لیکن ساری اُمت میں پہلے درجے کے مفسر قرآن اور فقیہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں کوفہ اور کتر ینا کے لوگ آئے کہ ہمارے علاقے میں بڑے بڑے فتنے برپا ہوتے ہیں یہودی، عیسائی، مجوسی اعتراض کرتے ہیں اور ہمیں کوئی تسلی بخش جواب نہیں آتا کوئی آدمی بھیجیں جو ان کا منہ توڑ جواب دے۔ فرمایا ان شاء اللہ بھیجیں گے۔ جب بھیجنے کا وقت آیا تو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بلایا وہ وفد بڑا حیران ہوا کہ یہ چھوٹا سا آدمی ہمارے ساتھ بھیج رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اس کو چھوٹا اور معمولی نہ سمجھو مجھے خود مسائل میں اس کی ضرورت پڑتی ہے مگر اس وقت میں تمھیں ترجیح دیتا ہوں۔ تو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب گفتگو فرماتے تھے تو وہ انتہائی معقول ہوتی تھی کہ مجلس والے دنگ رہ جاتے اور اعتراض کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دیتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار

ہیں کچھ ظاہری ہیں اور کچھ باطنی ہیں اور اتنی ہیں کہ تم ان کو شمار نہیں کر سکتے۔

فرمایا ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ﴾ بے شک انسان بڑی ناانصافی کرنے والا ناشکرا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلے میں ہم بڑے ناشکرے ہیں اور میں کئی دفعہ عرض کر چکا ہوں کہ شکر ادا کرنے کا بہترین طریقہ نماز ہے اور نماز ادا کرنے کے لیے جب آؤ تو اچھا صاف ستھرا لباس پہن کر آؤ۔

کھجور والی ٹوپیوں کا حکم

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ [اعراف: ۳۱] "ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو۔" یہ مساجد میں جو ٹوپیاں پڑی ہوتی ہیں ان کے متعلق فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے پھر مکروہ میں اختلاف ہے کہ تحریمی ہے یا تنزیہی ہے۔ مفتی رشید احمد صاحب کا فتویٰ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے۔ جس نے یہ پہن کر نماز پڑھی ہے اس کی نماز بالکل نہیں ہوئی دوبارہ پڑھنی پڑے گی۔ میری اپنی تحقیق یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے۔ مکروہ تنزیہی کا مطلب یہ ہے کہ نماز ہو جائے گی لیکن اتنا ثواب نہیں ملے گا جتنا ملنا چاہیے یعنی ثواب میں کمی آجائے گی۔ کیوں کہ یہ تیلیوں والی ٹوپیاں پہن کر کوئی بازار نہیں جاتا، یہ پہن کر بارات میں شریک نہیں ہوتا کہ شرم آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے شرم نہیں آتی لہٰذا اچھا صاف ستھرا لباس پہن کر نماز ادا کرو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرو ناشکری نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے بچائے اور ناشکری سے بچائے۔

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ﴾ اور جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿اجْعَلْ﴾ بنا دے ﴿هٰذَا الْبَلَدَ﴾ اس شہر کو ﴿اٰمِنًا﴾ امن والا ﴿وَّاجْنُبْنِيْ﴾ اور بچا مجھ کو ﴿وَبَنِيَّ﴾ اور میرے بیٹوں کو ﴿اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴾ اس بات سے کہ ہم بتوں کی عبادت کریں ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿اِنَّهُنَّ﴾ بے شک انھوں نے ﴿اَضْلَلْنَ﴾ گمراہ کیا ہے ﴿كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ﴾ بہت سارے لوگوں کو ﴿فَمَنْ تَبِعَنِيْ﴾ پس وہ شخص جس نے میری پیروی کی ﴿فَاِنَّهٗ مِنِّيْ﴾ پس بے شک وہ میرا ہے ﴿وَمَنْ عَصَانِيْ﴾ اور جس نے میری نافرمانی کی ﴿فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ پس بے شک آپ ہی بخشنے والے مہربان ہیں ﴿رَبَّنَآ﴾ اے ہمارے رب! ﴿اِنِّيْٓ﴾ بے شک میں نے ﴿اَسْكَنْتُ﴾ ٹھہرایا ہے ﴿مِنْ ذُرِّيَّتِيْ﴾ اپنی اولاد میں سے بعض کو ﴿بِوَادٍ﴾ ایسے میدان میں ﴿غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ﴾ جو کھیتی والا نہیں ہے ﴿عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ﴾ آپ کے عزت والے گھر کے پاس ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے رب ﴿لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ تاکہ وہ قائم کریں نماز ﴿فَاجْعَلْ﴾ پس کر دے ﴿اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ﴾ کچھ لوگوں کے دلوں کو ﴿تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ﴾ مائل ان کی طرف ﴿وَارْزُقْهُمْ﴾ اور رزق دے ان کو ﴿مِّنَ الثَّمَرٰتِ﴾

پھلوں سے ﴿لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ﴾ تاکہ یہ شکر ادا کریں ﴿رَبَّنَآ﴾ اے ہمارے رب! ﴿اِنَّكَ﴾ بے شک آپ ﴿تَعْلَمُ﴾ جانتے ہیں ﴿مَا نُخْفِيْ﴾ جس چیز کو ہم چھپاتے ہیں ﴿وَ مَا نُعْلِنُ﴾ اور جس چیز کو ہم ظاہر کرتے ہیں ﴿وَ مَا يَخْفٰى﴾ اور نہیں ہے مخفی ﴿عَلَى اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ پر ﴿مِنْ شَيْءٍ﴾ کوئی چیز ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿وَ لَا فِي السَّمَآءِ﴾ اور نہ آسمان میں ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ﴿الَّذِيْ﴾ وہ رب ﴿وَهَبَ لِيْ﴾ جس نے مجھے عطا کیے ﴿عَلَى الْكِبَرِ﴾ بڑھاپے میں ﴿اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ﴾ اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام ﴿اِنَّ رَبِّيْ﴾ بے شک میرا رب ﴿لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ﴾ البتہ دعا سننے والا ہے ﴿رَبِّ اجْعَلْنِيْ﴾ اے میرے رب بنا مجھ کو ﴿مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ﴾ نماز قائم کرنے والا ﴿وَ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ﴾ اور میری اولاد میں سے بھی ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے رب ﴿وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ﴾ اور آپ قبول کریں میری دعا ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ﴾ اے ہمارے رب بخش دے مجھ کو ﴿وَ لِوَالِدَيَّ﴾ اور میرے ماں باپ کو ﴿وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور مومنوں کو ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ جس دن قائم ہوگا حساب۔

اس سے پہلے رکوع میں تم نے پڑھا ﴿وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾ "اور بنائے اُن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک۔" اور شریک بھی اتنے کہ ظالموں نے کعبۃ اللہ کی بیرونی دیوار پر تین سو ساٹھ بت نصب کیے ہوئے تھے۔ آج اس کا چڑھاوا، کل اس کا چڑھاوا، سال کا کوئی دن خالی نہیں ہوتا تھا اور پھر اس ساری کارروائی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب اور دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی ہے کہ یہ اُن پر نرا (سراسر) بہتان ہے۔ کیوں؟

فرمایا ﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ﴾ اور جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا﴾ اے رب بنا دے اس شہر کو امن والا۔ ابتداءً یہاں کوئی مکان نہ تھا پھر قبیلہ بنو جُرہم آیا تو آبادی ہوگئی اور آب زم زم کا مبارک پانی تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس شہر کے لیے امن کی دعا کی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حرم آج تک امن والا چلا آرہا ہے۔ آج بھی اگر دوسرے علاقوں سے آئے ہوئے لوگ جھگڑتے ہیں تو وہ کہتے ہیں الحاج حرم الحاج حرمٌ" حاجی حرم کا خیال کرو، حاجی صاحب یہ حرم ہے اس کا خیال رکھو نہ جھگڑو۔" تو اللہ تعالیٰ نے اس کو امن والا بنایا ہے اور اگلا جملہ ہے ﴿وَّ اجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴾ اور بچا مجھ کو اور میرے بیٹوں کو اس بات سے کہ ہم بتوں کی عبادت کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے بیٹی کوئی نہیں تھی دو بیٹوں کا ذکر اسی رکوع میں آگے آرہا ہے اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام، تین بیٹے اور تھے وہ نبی نہیں تھے۔ ایک کا نام حضرت مدین، دوسرے کا نام حضرت مدائن اور تیسرے کا نام حضرت

قیدار تھا، علیہم السلام۔ تو فرمایا مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی پوجا سے بچا۔ او ظالمو! وہ تو بتوں کی پوجا سے پناہ مانگ رہے ہیں اور تم بت پرستی کو ان کا دین بتلاتے ہو اور کہتے ہو کہ ہم جو کام کر رہے ہیں ابراہیم علیہ السلام بھی یہی کام کرتے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بین الاقوامی شخصیت تھے اہل اسلام کے عقیدے کے مطابق ساری مخلوق میں سے دوسرے نمبر کی شخصیت ہیں۔ پہلا نمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اس لیے یہودی اور عیسائی بھی اپنی کڑی ان کے ساتھ ملاتے تھے۔

بدعتیوں کا اپنے آپ کو حنفی کہنا غلط ہے

تیسرے پارے میں اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا ﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا﴾ نہیں تھے ابراہیم علیہ السلام یہودی اور نہ نصرانی اور مشرک بھی اپنی کڑی ان کے ساتھ ملاتے تھے۔ آگے فرمایا ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور نہ وہ شرک کرنے والوں میں سے تھے ﴿حَنِيْفًا مُّسْلِمًا﴾ وہ تو موحد تھے صرف رب کے سامنے سر جھکانے والے تھے۔ اس کو ایسے سمجھو کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اُمت میں بہت بڑی شخصیت ہیں اور تابعین میں سے ہیں ان کی فقہ بڑی مضبوط فقہ ہے اور ان کی شخصیت مُسلّم شخصیت ہے۔ اس لیے یہ ساری بدعات کرنے والے اپنی نسبت ان کی طرف کرتے ہیں اور اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں حالاں کہ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ شرک و بدعت اور رسومات کی جتنی تردید فقہ حنفی میں ہے اتنی اور کسی فقہ میں نہیں ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے: رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ بِدْعَةٌ وَّيُخَالِفُ الْاَمْرَ مِنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ "بلند آواز سے دعا کرنا اور بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور قرآن کے (مذکورہ بالا آیت میں دیے گئے) حکم کے خلاف ہے۔" اور بدعتی یہی کچھ کرتے ہیں اور اس کو ثواب سمجھتے ہیں۔ تو چوں کہ ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت مسلم تھی اس لیے یہ اپنی نسبت ان کی طرف کرتے تھے حالاں کہ اُنھوں نے شرک سے پناہ مانگی اپنے لیے بھی اور اپنے بیٹوں کے لیے بھی۔

فرمایا ﴿رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ﴾ اے میرے رب! بے شک ان بتوں نے گمراہ کیا ہے بہت سارے لوگوں کو۔ بتوں کے گمراہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سبب بنے ہیں گمراہ تو شیطان نے کیا ہے، نفس امارہ نے کیا ہے ﴿فَمَنْ تَبِعَنِيْ﴾ پس وہ شخص جس نے میری پیروی کی ﴿فَاِنَّهٗ مِنِّيْ﴾ پس بے شک وہ مجھ سے ہے یعنی میرا ہے ﴿وَمَنْ عَصَانِيْ﴾ اور جس نے میری نافرمانی کی ﴿فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ پس بے شک آپ ہی بخشنے والے مہربان ہیں وہ آپ کا معاملہ ہے۔ ظالمو! ابراہیم علیہ السلام تو بت پرستی سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں اور تم بتوں کو اپنا معبود بنائے پھرتے ہو اور ان میں ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کا مجسمہ بھی رکھا تھا لوگوں کی جب عقل ماری جائے تو پھر ان کو سمجھ نہیں آتی۔ ﴿رَبَّنَآ﴾ اے ہمارے رب! ﴿اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ﴾ بے شک میں نے ٹھہرایا ہے، بسایا ہے، مِنْ تبعیضیہ ہے، اپنی اولاد میں سے بعض کو ﴿بِوَادٍ﴾ ایسے میدان

میں ﴿غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ﴾ جو کھیتی والا نہیں ہے ﴿عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ﴾ آپ کے عزت والے گھر کے پاس۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو مکہ لے آنا

اس وقت بیت اللہ کی تعمیر نہیں ہوئی تھی محض ٹیلا سا تھا اللہ تعالیٰ کا حکم تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام شام کے علاقے دمشق سے چلے اپنی چھوٹی بیوی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو ساتھ لے کر بچہ گود میں لیا ہوا ہے پندرہ سو میل کی مسافت تھی رب تعالیٰ جانتا ہے کتنے دنوں میں طے کی، سواری کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ زم زم کا کنواں نیچے ہے کعبۃ اللہ کے دروازے کے سامنے نیچے جانے کے لیے سیڑھی ہوتی تھی مردوں کے لیے الگ اور عورتوں کے لیے الگ، اب حکومت نے وہ بند کر دی ہے۔ تو جہاں زم زم کا کنواں ہے یہاں ایک درخت ہوتا تھا اس کے سائے کے نیچے ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ٹھہرایا اور فرمایا کہ تم اپنے بچے کے ساتھ یہاں رہو میں جا رہا ہوں۔ کہاں جا رہے ہو؟ واپس شام جا رہا ہوں۔ اِلٰی مَنۡ تَتۡرُکُنَا یَاۤاِبۡرَاھِیۡمُ اے ابراہیم! یہاں ہمیں کس کے حوالے کر کے جا رہے ہو؟ یہاں نہ کوئی بندہ، نہ کوئی مکان ہے۔ آنکھیں جھکی ہوئی ہیں اور جا رہے ہیں یہ پیچھے پیچھے جا رہی ہیں باہر صفا کی طرف نکلے حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے آواز دی ءَاللّٰہُ اَمَرَکَ بِھٰذَا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ ہمیں یہاں چھوڑ دو اور خود چلے جاؤ؟ قَالَ نَعَمۡ فرمایا ہاں! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ کہنے لگی اِذًا لَّا یُضَیِّعُنَا اس وقت وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ رب تعالیٰ کا حکم سر آنکھوں پر جو وہ فرماتے ہیں وہ صحیح ہے۔ آج ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے جہاں نہ کوئی مکان ہو، نہ کوئی بندہ ہو، نہ کوئی چیز کھانے کی ہو اور نہ پینے کی ہو اور عورت ذات رب کا حکم مان کر ٹھہر جائے اور دودھ پیتا بچہ بھی ساتھ ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پانی کا مشکیزہ اور تھوڑی سی کھجوریں دے گئے۔ وہ کتنا عرصہ تک چل سکتی تھیں کھجوریں بھی ختم ہو گئیں اور پانی بھی ختم ہو گیا۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا پریشانی میں بھاگنا

اس زمانہ میں صفا، مروہ کے درمیان نالا ہوتا تھا وہاں اب مِیۡلَیۡن اَخۡضَرَیۡن کے نشان ہیں اور مرد وہاں سے بھاگ کر گزرتے ہیں۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام صفا کی چوٹی پر چڑھیں کہ کوئی بندہ نظر آئے پھر مروہ کی طرف گئیں اور نالے والی جگہ سے دوڑ کر گزریں مروہ کی چوٹی پر چڑھ کر اِدھر اُدھر دیکھا کہ کوئی نظر آئے پھر صفا کی طرف آئیں سات چکر لگائے پھر واپس آئیں بچہ ایڑیاں رگڑ رہا تھا بڑی پریشان تھیں غیبی آواز آئی گھبراؤ مت۔ انھوں نے کہا آواز دینے والے! ہماری امداد کر بچے کی تو جان نکل رہی ہے۔ جہاں اسماعیل علیہ السلام نے ایڑیاں رگڑی تھیں وہاں جبرئیل علیہ السلام نے آ کر پر مارا تو پانی نکل آیا انھوں نے حوض بنایا اور کہا زم زم "اے پانی رک جا رک جا" تو پانی رک گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ زم زم نہ کہتیں تو یہاں سے نہر چل پڑتی۔ اللہ تعالیٰ نے پانی کا انتظام کر دیا ایک دو دن گزرے تو وہاں پانی پر پرندے آنے شروع ہو گئے۔

قبیلہ بنوجرہم مکہ مکرمہ میں کیسے آباد ہوا؟

قبیلہ بنوجرہم، یہ خانہ بدوش قبیلہ تھا جہاں پانی سبزہ مل گیا وہاں ڈیرا لگا دیا۔ انھوں نے دو آدمی بھیجے کہ پرندے یہاں نیچے بیٹھتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پانی ہے۔ انھوں نے واپس جا کر بتایا کہ واقعی وہاں پانی ہے ایک بی بی ہے اور اس کے پاس ایک بچہ ہے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ مرد و خواتین پر مشتمل پورا خاندان تھا انھوں نے آ کر کہا بی بی! ہمیں یہاں رہنے کی اجازت ہے؟ فرمایا ہاں رہ سکتے ہو مگر پانی پر کنٹرول ہمارا ہوگا۔ انھوں نے تھوڑے سے مکان بنائے ان کو بھی ایک جگی (جھونپڑی) بنا دی۔ اس کے متعلق فرمایا کہ اس شہر کو امن والا بنا دے۔

پھر کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بیت اللہ کی بنیاد شروع کی۔ فرمایا ﴿رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں اس لیے یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ عقیدے کی درستی کے بعد تمام پیغمبروں نے نماز کی تاکید کی ہے۔ ﴿فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ﴾ پس کر دے کچھ لوگوں کے دلوں کو۔ مِن تبعیضیہ ہے ﴿تَهْوِيْۤ اِلَيْهِمْ﴾ مائل کر ان کی طرف، جھکا دے ان کی طرف۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مِن کا لفظ زبان سے نہ نکلتا تو سب لوگ ٹوٹ کر وہاں پہنچ جاتے۔ چوں کہ رب تعالیٰ کی طرف سے بعض کا جانا مقدر تھا اس لیے مِن کا لفظ ان کی زبان سے نکلا۔ لوگ وہاں آباد ہونے کے لیے بھی جاتے ہیں اور حج اور عمرے کے لیے بھی جاتے ہیں۔ تقریباً پینتیس [۳۵] لاکھ کے قریب حاجی ہوتے ہیں جن میں تقریباً بیس لاکھ بیرونی ہوتے ہیں اور پندرہ لاکھ مقامی ہوتے ہیں۔ ﴿وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ﴾ اور رزق دے ان کو پھلوں سے۔

وہ پتھریلی زمین ہے وہاں کوئی چیز کاشت نہیں ہوتی تھی میں جب پہلی دفعہ حج پر گیا تو وہاں کوئی درخت نہیں تھا پھر حکومت نے بیرونی علاقوں سے جہازوں کے ذریعے مٹی منگوائی اور سڑکوں کے کنارے ڈلوائی اب وہاں دھریکھ کے درخت لگے ہوئے ہیں اور کافی رونق ہوگئی ہے اور گھروں کے آگے بھی انھوں نے پودے لگائے ہیں۔ اب جگہ ہری بھری نظر آتی ہے۔ تو فرمایا اے پروردگار! ان کو پھلوں سے رزق دے ﴿لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ﴾ تاکہ یہ شکر ادا کریں۔ باوجود اس کے کہ وہاں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی تمھیں وہاں ہر موسم میں ہر پھل ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت سے کثرت سے پھل پہنچائے ہیں لاکھوں کی تعداد میں لوگ ہوتے ہیں کھا کھا کر تنگ آ جاتے ہیں پھل ختم نہیں ہوتے۔

﴿رَبَّنَاۤ﴾ اے ہمارے رب! ﴿اِنَّكَ تَعْلَمُ﴾ بے شک آپ جانتے ہیں ﴿مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ﴾ جس چیز کو ہم چھپاتے ہیں اور جس چیز کو ہم ظاہر کرتے ہیں ﴿وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ اور مخفی نہیں ہے اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز ایک ذرہ برابر ﴿فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ﴾ زمین میں اور نہ آسمان میں۔ اور یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ﴾ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں وہ رب جس نے مجھے عطا کیے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام۔

اس وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر تقریباً اسی سال تھی اور جب اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت عمر تقریباً سو سال تھی۔ جس وقت فرشتوں نے اسحاق علیہ السلام کی خوش خبری سنائی تو بڑے حیران ہوئے اور حضرت سارہ علیہا السلام اندر سن رہی تھیں کہنے لگی ﴿هٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا﴾ یہ میرا خاوند بوڑھا ہے ﴿وَ اَنَا عَجُوْزٌ﴾ اور میں بڑھیا ہوں [ہود:۷۲] مجھے کہاں سے بیٹا ملے گا۔ اس نے کہا رب تعالیٰ کے سامنے کوئی مشکل نہیں ہے۔ ﴿اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ﴾ بے شک میرا رب البتہ دعا سننے والا ہے۔

﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ﴾ اے میرے رب! بنادے مجھ کو نماز قائم کرنے والا ﴿وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ﴾ اور میری اولاد کو بھی۔ نماز ایک ایسی چیز ہے جس کی کسی کو معافی نہیں ہے ﴿رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ﴾ اے ہمارے رب اور قبول کریں آپ میری دعا۔ یہ اصل میں دُعَآئِیْ تھا 'ی' متکلم کو حذف کر دیا گیا اور کسرہ کو باقی چھوڑ دیا گیا تا کہ 'ی' کی حذفیت پر دلالت کرے۔ ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ﴾ اے ہمارے رب بخش دے مجھ کو ﴿وَ لِوَالِدَیَّ﴾ اور میرے ماں باپ کو بھی۔

تفسیروں میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ مسلمان تھی اور باپ مسلمان نہیں تھا۔ پھر باپ کے لیے دعا کیوں مانگی؟ کیوں کہ مشرک کے لیے دعا مانگنا جائز نہیں ہے۔ تو اس کے متعلق گیارھواں پارہ سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۱۴ میں جواب دیا ہے۔ فرمایا ﴿وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ﴾ "اور نہیں تھا مغفرت مانگنا ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کے لیے مگر ایک وعدے کی بنا پر جو وعدہ اُنھوں نے اس کے ساتھ کیا تھا کہ میں تیرے لیے دعا کروں گا۔ پھر جب واضح ہو گیا ابراہیم علیہ السلام کے سامنے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے باغی ہے حق کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے تو اس سے بیزار ہو گئے پھر دعا نہیں کی۔" ﴿وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور مومنوں کو بھی بخش دے۔

ایصالِ ثواب حق ہے

آج کل کراچی میں ایک فرقہ پیدا ہوا ہے جو کہتے ہیں کہ ان دعاؤں کا کوئی فائدہ نہیں ہے ایصال ثواب کا کچھ فائدہ نہیں ہے جو کسی نے خود کیا بس اس کا ثواب ملے گا۔ اور اس فرقے والے بڑی کتابیں اور رسالے چھاپ رہے ہیں۔ لہٰذا اس مسئلے کو سمجھ لو اور یاد رکھنا! ایک تو ایصالِ ثواب کے لیے بدعات کرتے ہیں جیسے تیجا، ساتواں، دسواں، چالیسواں، اس کا تو کوئی ثواب نہیں ہے اور ایک ہے ایصالِ ثواب قاعدے کے مطابق کہ بغیر دنوں کی تعیین کے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے غریبوں کو کھانا کھلاؤ، بغیر اجرت کے قرآن شریف پڑھاؤ، خود پڑھ کر بخشو، نفلی نمازیں پڑھو، نفلی روزے رکھو، نفلی حج وعمرہ کرو اور ان چیزوں کا ثواب اپنے عزیز رشتہ داروں کو پہنچاؤ، اپنے پیاروں کو پہنچاؤ۔

ایک دفعہ سبحان اللہ! کہنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں سبحان اللہ! کہو اور نیت کر و اے پروردگار! اس کا ثواب میرے والد کو، میری والدہ کو، میری دادی کو، میرے دادا کو یا جس کو پہنچانا چاہو پہنچے گا، چاہے زندہ ہیں چاہے مر گئے ہیں۔ اگر دعا کا فائدہ نہیں ہے تو پھر اس کا ذکر قرآن کریم میں کرنے کا فائدہ؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اٹھائیسواں پارہ سورہ حشر میں مومنوں کی صفت

بتلائی ہے کہ وہ کہتے ہیں ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ "بخش دے ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں کھوٹ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اے ہمارے پروردگار بے شک تو شفقت کرنے والا مہربان ہے۔"

تو ایصالِ ثواب بڑی چیز ہے مگر ہو قاعدے کے مطابق نہ کہ بدعات کے طریقے پر ہو۔ تو فرمایا مومنوں کو بھی بخش دے ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ جس دن حساب قائم ہوگا قیامت قائم ہوگی۔

~~~

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ﴾ اور ہرگز نہ خیال کرنا ﴿اللّٰهَ﴾ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ﴿غَافِلًا﴾ کہ وہ غافل ہے ﴿عَمَّا﴾ اس کارروائی سے ﴿يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ جو ظالم کرتے ہیں ﴿اِنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿يُؤَخِّرُهُمْ﴾ وہ ان کو مہلت دیتا ہے ﴿لِيَوْمٍ﴾ اس دن کے لیے ﴿تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ﴾ کہ جس دن اوپر اٹھی رہیں گی آنکھیں ﴿مُهْطِعِيْنَ﴾ دوڑنے والے ہوں گے ﴿مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ﴾ سر اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے ﴿لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ﴾ نہیں لوٹے گی ان کی طرف ﴿طَرْفُهُمْ﴾ ان کی نگاہ ﴿وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ﴾ اور ان کے دل اڑ رہے ہوں گے ﴿وَاَنْذِرِ النَّاسَ﴾ اور آپ ڈرائیں لوگوں کو ﴿يَوْمَ﴾ اس دن سے ﴿يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ﴾ کہ آئے گا ان کے پاس عذاب ﴿فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ﴾ پس کہیں گے وہ لوگ ﴿ظَلَمُوْا﴾ جنھوں نے ظلم کیا ﴿رَبَّنَآ﴾ اے ہمارے رب ﴿اَخِّرْنَآ﴾ ہمیں مہلت دے دے ﴿اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ﴾ قریب کی میعاد تک ﴿نُّجِبْ دَعْوَتَكَ﴾ تاکہ ہم قبول کریں تیری دعوت کو ﴿وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ﴾ اور ہم پیروی کریں پیغمبروں کی ﴿اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ﴾ کیا نہیں تھے تم قسمیں اٹھاتے ﴿مِّنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ﴾ کہ تمھارے لیے کوئی زوال نہیں ہے ﴿وَّسَكَنْتُمْ﴾ اور ٹھہرے رہے تم ﴿فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کے گھروں میں ﴿ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ جنھوں نے ظلم کیا اپنی جانوں پر ﴿وَتَبَيَّنَ لَكُمْ﴾ اور واضح ہو گیا تمھارے لیے ﴿كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ﴾ کیسا سلوک کیا ہم نے ان کے ساتھ ﴿وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ﴾ اور بیان کیں ہم نے تمھارے لیے مثالیں ﴿وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ﴾ اور تحقیق انھوں نے تدبیر کی اپنی تدبیر ﴿وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ان کی تدبیر ﴿وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ﴾ اور نہیں تھی ان کی تدبیر ﴿لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ﴾ کہ ٹل جائیں اس کے ذریعے پہاڑ۔

پچھلے سبق کی آخری آیت تھی ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی کہ اے پروردگار مجھے بھی بخش دے اور میرے والدین کو بھی اور مومنوں کو بھی حساب والے دن۔ آگے اس حساب والے
~~~

دن کا ذکر ہے اور ہر سننے والے کو خطاب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ﴾ اور اے مخاطب ہرگز نہ خیال کرنا اللہ تعالیٰ کے بارے میں ﴿غَافِلًا﴾ کہ وہ غافل ہے ﴿عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ اس کارروائی سے جو ظالم کرتے ہیں۔ اگر ظالموں کو فوری طور پر سزا نہیں ملتی تو وہ یہ خیال نہ کریں کہ رب ان سے غافل ہے اور یہ چھوٹ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے مگر جب پکڑتا ہے تو اس کو نہیں چھوڑتا

بخاری شریف میں حدیث ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي الظَّالِمَ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ)) "بے شک اللہ تعالیٰ ڈھیل دیتا ہے ظالم کو (تاکہ اس نے جتنا ظلم کرنا ہے کر لے) یہاں تک کہ جب اس کو پکڑتا ہے تو پھر اس کو چھوڑتا نہیں ہے۔" دنیا میں بھی جلد یا بدیر سزا ملے گی اور آخرت کی سزا تو ہے ہی۔ فرمایا ﴿إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ﴾ پختہ بات ہے وہ ان کو مہلت دیتا ہے ﴿لِيَوْمٍ﴾ اس دن کے لیے ﴿تَشْخَصُ فِيْهِ الْأَبْصَارُ﴾ کہ جس دن اُوپر اُٹھی رہیں گی آنکھیں، کھلی کی کھلی رہ جائیں گی آنکھیں۔ جب آدمی کسی شئے کو دیکھ کر حیران ہوتا ہے تو آنکھ جھپکتا نہیں حیرانی سے آنکھیں کھلی رہتی ہیں۔ اُس دن بڑا عجیب قسم کا منظر ہوگا ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيْهِ ۝ وَأُمِّهٖ وَأَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝﴾ [سورۃ عبس] "جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے۔"

قیامت والے دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا

اپنے تمام عزیزوں سے بھاگے گا کہ مجھ سے کوئی نیکی نہ مانگ لے حالانکہ دنیا میں بے شمار نظیریں موجود ہیں کہ لوگوں نے باپ کے لیے جان دے دی، بھائی کے لیے جان دے دی، بیوی کے لیے جان دے دی۔ اس دن کوئی ایک نیکی بھی نہیں دے گا۔ احادیث میں آتا ہے کہ ایک آدمی کی پچاس نیکیاں ہوں گی اور پچاس برائیاں ہوں گی اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم ایک نیکی تلاش کر لاؤ کہ تمھاری نیکیوں کا پلا بھاری ہو جائے۔ پہلے تو وہ آدمی بڑا خوش ہوگا کہ ایک نیکی کا کیا ہے ابھی لے آتا ہوں۔ اپنے بھائی کے پاس جائے گا اور کہے گا بھائی! ایک نیکی مجھے دے دو۔ وہ انکار کر دے گا کہ تجھے نیکی دے کر میں کہاں جاؤں گا۔ باپ کے پاس جائے گا، دوستوں کے پاس جائے گا، اعزّہ کے پاس جائے گا، سب انکار کر دیں گے آخر میں ماں کے پاس جائے گا اور کہے گا أَتَعْرِفِيْنِيْ کیا تو مجھے پہچانتی ہے۔ میں کون ہوں؟ ماں کہے گی ہاں! میں نے تجھے پیٹ میں اُٹھایا اور تکلیف کے ساتھ جنا پھر تجھے پالا۔ کہے گا امی مجھے ایک نیکی دے دو۔ ماں کہے گی إِلَيْكَ عَنِّيْ دور ہو جا تجھے نیکی دے کر میں کہاں جاؤں گی۔ کوئی کسی کو ایک نیکی دینے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔

تو فرمایا آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی کہ یہ کیا ہو رہا ہے ﴿مُهْطِعِيْنَ﴾ دوڑنے والے ہوں گے قبروں سے نکل کر جہاں اللہ تعالیٰ کی عدالت ہوگی وہاں تیزی کے ساتھ دوڑ کے جائیں گے ﴿مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ﴾ اپنے سر اوپر اُٹھائے ہوئے ہوں گے ﴿لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ﴾ نہیں لوٹے گی ان کی طرف ان کی نگاہ۔ اس کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ حیرانی کی وجہ سے

آنکھیں کھلی رہیں گی، پلک کے ساتھ پلک لگتی ہے یہ بھی نہیں ہوگا اور یہ تفسیر بھی کرتے ہیں کہ آگے جہاں جانا ہے نگاہ اُسی کی طرف ہوگی واپس نہیں لوٹے گی اور نہ اِدھر اُدھر دیکھیں گے اور جائیں گے کہاں؟ یَوْمَ یَدْعُ الدَّاعِ اِلٰی شَیْءٍ نُّكُرٍ [قمر:۶] "جس دن بلانے والا بلائے گا ایک ناگوار چیز کی طرف۔" اسرافیل علیہ السلام بگل پھونک رہے ہوں گے اللہ تعالیٰ کی عدالت ہوگی سب مشرق، مغرب والے وہاں پہنچیں گے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کتنا لمبا راستہ ہوگا جو طے کرنا پڑے گا، آج ہم سے ایک میل طے نہیں ہوتا۔ سورج ایک یا دو میل کی مسافت پر ہوگا سائنسدان بتاتے ہیں کہ سورج چوتھے آسمان پر ہے اور ہم سے کروڑوں میل دور ہے۔ اس دن میل یا دو میل کی مسافت پر ہوگا اور ہلنے کا نام نہیں لے گا گرمی ہوگی پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے اس دن ہر چیز حیرانی والی ہوگی۔

﴿وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ﴾ اور ان کے دل اُڑ رہے ہوں گے۔ جب آدمی زیادہ پریشان ہوتا ہے تو ایسے محسوس ہوتا ہے کہ اُس کا دل نکل چلا ہے ﴿وَاَنْذِرِ النَّاسَ﴾ اور آپ ڈرائیں لوگوں کو ﴿یَوْمَ﴾ اس دن سے ﴿یَاْتِیْهِمُ الْعَذَابُ﴾ کہ آئے گا ان کے پاس عذاب۔ میدانِ محشر کا عذاب علیحدہ ہے، پلِ صراط سے گزرنے کا عذاب علیحدہ ہے، جہنم کا عذاب علیحدہ ہے۔ عذاب کی کئی اقسام ہیں۔ ﴿فَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا﴾ پس کہیں گے وہ لوگ جو ظالم ہیں ﴿رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیْبٍ﴾ اے ہمارے رب! ہمیں مہلت دے دے قریب کی میعاد تک۔ کیوں مہلت دے؟ ﴿نُّجِبْ دَعْوَتَكَ﴾ تاکہ ہم قبول کریں تیری دعوت کو ﴿وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ﴾ اور ہم پیروی کریں رسولوں کی۔

مرنے سے پہلے جو کچھ کرنا ہے کرلو

اس وقت منتیں کریں گے اے پروردگار! ابھی دوزخ میں ڈالنے کا فیصلہ نہ کریں ہمیں اتنا موقع دے دیں کہ ہم آپ کی دعوت کو قبول کرلیں اور پیغمبروں کی پیروی کریں۔ یہ تو قیامت والے دن کی بات ہے اور سورہ منافقون آیت نمبر ۱۰ میں ہے کہ جس وقت انسان کی جان نکلتی ہے اور جان نکالنے والے فرشتے سامنے آتے ہیں اس وقت بھی منت سماجت کرے گا ﴿فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ "پس کہے گا وہ کہ اے پروردگار کیوں نہیں تو نے مجھے مہلت دی تھوڑی سی مدت تک تاکہ میں صدقہ کرتا اور ہو جاتا نیکوں میں سے۔" ﴿وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا﴾ [المنافقون: ۱۰، ۱۱] "حالانکہ اللہ تعالیٰ ہرگز موخر نہیں کرے گا کسی جان سے موت جب کہ اس کا وعدہ آ گیا۔"

ایک سیکنڈ کی اس کو مہلت نہیں ملے گی جان نکالنے والا فرشتہ سامنے ہوگا اٹھارہ فرشتے اس کے پیچھے کھڑے ہوں گے۔ نیک ہے تو جنت کا کفن اور خوشبوئیں لے کر اور بُرا ہے تو ٹاٹ اور بدبوئیں لے کر۔ اور فرشتہ کہے گا جان ہمارے حوالے کرو اللہ تعالیٰ تم سے سخت ناراض ہے۔ مجرم اس وقت بڑی منت سماجت کرے گا لیکن اس کی شنوائی نہیں ہوگی نہ مرتے وقت اور نہ قیامت والے دن۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ﴾ کیا نہیں تھے تم اس سے پہلے قسمیں اُٹھاتے ﴿مَا

لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ ﴾ کہ تمھارے لیے کوئی زوال نہیں ہے کہ خدا کی قسم ہماری حکومت برقرار رہے گی، ہمارا اقتدار قائم رہے گا، ہمارے خزانے بھرے رہیں گے ﴿وَسَكَنْتُمْ فِي مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ اور تم ٹھہرے رہے ان لوگوں کے گھروں میں جنھوں نے ظلم کیا اپنی جانوں پر۔ تم نے قوم عاد اور قوم ثمود کی عالی شان عمارتوں میں رہائش اختیار کی حالاں کہ وہ معذب علاقے تھے ان سے پرہیز کرنا چاہیے تھا اور ان سے عبرت حاصل کرنی چاہیے تھی۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ۹ھ میں سفر تبوک کے لیے روانہ ہوئے جو مدینہ طیبہ سے پندرہ سولہ دن کی مسلسل مسافت پر ہے اور بعض حضرات نے مہینے کا بھی لکھا ہے۔ بڑی گرمی تھی پسینے میں ڈوبے ہوئے تھے غربت کا زمانہ تھا راستے میں حجر کی بستیاں آئیں، قوم ثمود کا علاقہ آیا، پہاڑ تھے، چٹانوں میں مکانات تھے، بندہ کوئی نہیں تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا یہاں سے روتے ہوئے گزر جاؤ اگر رونا نہیں آتا تو رونے والوں کی سی شکلیں بنالو یہ وہ جگہ ہے جہاں رب تعالیٰ نے ظالموں پر عذاب نازل کیا تھا عذاب کی جگہ سے ہنستے کھیلتے ہوئے نہ گزرو۔ اور آپ ﷺ نے اپنے سر مبارک پر چادر ڈال لی تاکہ وہ جگہ بھی اچھی طرح نظر نہ آئے۔

تو فرمایا تم ان بستیوں میں بستے رہے، آباد رہے ﴿وَتَبَيَّنَ لَكُمْ﴾ اور واضح ہو گیا تمھارے لیے ﴿كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ﴾ کیسا سلوک کیا ہم نے ان کے ساتھ۔ سارے حالات تمھارے سامنے تھے مگر تم نے ان سے عبرت حاصل نہ کی اور اب منتیں کرتے ہو کہ ہمیں مہلت دے دے۔ دنیا میں تمھیں مہلت نہیں ملی تھی؟ وہاں کرنا تھا جو کرنا تھا ﴿وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ﴾ اور بیان کیں ہم نے تمھارے سامنے مثالیں طرح طرح کی۔ اللہ تعالیٰ نے سمجھانے کے لیے عجیب عجیب قسم کی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً: بیسویں پارے کے آخر میں رب تعالیٰ نے شرک کی تردید کے لیے مثال بیان کی ہے۔ فرمایا ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ﴾ "مثال ان لوگوں کی جنھوں نے بنائے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کارساز ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے ﴿اِتَّخَذَتْ بَيْتًا﴾ بنایا اس نے اپنا گھر ﴿وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ﴾ اور بے شک تمام گھروں میں کمزور اور بودا گھر البتہ مکڑی کا ہے۔" مکڑی کا جالا ہے اور وہ نہ اسے گرمی سے بچا سکتا ہے اور نہ سردی سے۔ اس بے وقوف مکڑی سے کوئی پوچھے کہ اتنا بڑا امکان تیرے سیے کافی نہیں ہے کہ نیچے تو نے اپنا جالا بنایا ہے۔ یہی حال مشرک کا ہے کہ رب تعالیٰ کو مانتے ہوئے نیچے اپنے لیے گھونسلے اور جالے تلاش کرتا ہے، چھوٹے چھوٹے خدا بناتا ہے جو اسے نہ راحت دے سکتے ہیں اور نہ تکلیف سے بچا سکتے ہیں۔ پھر جس طرح مکڑی اپنے جالے کے لیے باہر سے مواد، میٹریل نہیں لاتی بلکہ وہ مکڑی کا اپنا لعاب ہی ہوتا ہے اسی طرح مشرک کے پاس شرک پر کوئی خارج سے دلیل نہیں ہے جو کچھ نکلتا ہے اس کے پیٹ سے نکلتا ہے ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ﴾ [الکہف: ۵] "بڑی ہے وہ بات جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے۔" یاد رکھنا! شرک کی تردید کرنا فرض ہے کیوں کہ توحید اس وقت تک سمجھ نہیں آسکتی جب تک شرک کی تردید نہیں ہوگی اور ہر باطل کی تردید کرنا فرض کفایہ ہے۔ اگر وہاں کے لوگوں میں سے کوئی بھی تردید نہ کرے تو سب مجرم ہوں گے۔ اگر ایک آدھ آدمی بھی تردید کر دے تو دوسرے لوگ فارغ الذمہ ہو جاتے ہیں۔

غلط بات کی تردید کرنا فرض کفایہ ہے :

یہ مسئلہ نہ بھولنا کہ باطل کی تردید، غلط بات کی تردید فرض کفایہ ہے مردوں پر بھی اور عورتوں پر بھی ۔ جیسے: نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اگر چند مسلمان ادا کر دیں تو باقی فارغ ہو جاتے ہیں، تبلیغ فرض کفایہ ہے کچھ حضرات ادا کر دیں تو باقی گناہ سے بچ گئے ۔ کوئی بھی نہیں کرتا تو سب مجرم ہیں تو جہاں غلط اور باطل نظریات پھیلائے جا رہے ہوں وہاں اگر کوئی بھی تردید نہیں کرے گا تو سب مجرم ہوں گے ۔

تو چونکہ یہاں اس نے باطل نظریات کا پرچار کیا تھا کہ اولیاء اللہ مدد کرتے ہیں اور غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے تو میں نے اس کی تردید کر دی ہے ۔ میں نے کہا دیکھو! اگر ولیوں کے اختیار میں کچھ ہوتا تو یہ ہمارے پاس مشرقی پنجاب ہے اور ولی تو چھوڑو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جو دوسرے ہزار سال کے مجدد تھے بہت بڑی شخصیت ہیں اور ان کے علاوہ اور بڑے بڑے ولی یہاں موجود ہیں اگر یہ مدد کر سکتے ہیں تو یہاں مسجدوں پر ظلم ہوتا رہا، عورتوں اور بچوں پر ظلم ہوا، ظالموں نے حاملہ عورتوں کے پیٹوں پر تلواریں اور نیزے مار کر حمل ضائع کیے اور عورتوں کو قتل کیا اور قرآن کریم نیچے رکھ کر سیڑھیاں بنا کر اوپر سے گھڑیاں اُتاریں اور مساجد میں بدمعاشیاں کیں ۔ سرکاری بیان کے مطابق دس لاکھ انسان شہید ہوئے اور غیر سرکاری بیان کے مطابق چوبیس لاکھ شہید ہوئے ملک کی تقسیم کے موقع پر ۔ تو ولیوں نے کیوں نہ مدد کی؟ ظالموں کو کیوں نہ روکا؟ مشرک کا جواب سنو! کہنے لگا وہ سب حج پر گئے ہوئے تھے ۔ میں نے کہا کہ مرنے کے بعد تو کسی پر حج نہیں رہتا اور نہ نماز، روزے کے وہ مکلّف ہوتے ہیں اور پھر اس وقت حج کے دن بھی نہیں تھے وہ کون سا حج کرنے گئے ہوئے تھے؟ مگر دنیا میں چپ کوئی نہیں رہتا ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ﴾ اور تحقیق ان لوگوں نے تدبیر کی اپنی تدبیر حق کو مٹانے کے لیے ﴿وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ان کی تدبیر ان کے حیلے ﴿وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ﴾ اور نہیں تھی ان کی تدبیر کہ ٹل جائیں اس کے ذریعے پہاڑ ۔ یہ جو عقائد ہیں یہ پہاڑوں کی طرح ہیں اللہ تعالیٰ نے جو احکام بتلائے ہیں یہ پہاڑوں کی طرح مضبوط ہیں یہ ان کے مکروں اور حیلوں کے ذریعے نہیں ٹل سکتے، نہ ٹلے ہیں اور نہ ٹلیں گے ۔ ان کے حیلے اور مکاریاں تارِ عنکبوت ہیں ان کے ساتھ کیسے ٹل سکتے ہیں ۔ ان شاء اللہ حق قیامت تک قائم رہے گا ۔

﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ﴾ پس آپ ہرگز نہ خیال کرنا اللہ تعالیٰ کے بارے میں ﴿مُخْلِفَ وَعْدِهٖ﴾ کہ وہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کرے گا ﴿رُسُلَهٗ﴾ اپنے رسولوں کے ساتھ ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿عَزِيْزٌ﴾ غالب ہے ﴿ذُوانْتِقَامٍ﴾ انتقام لینے والا ہے ﴿يَوْمَ﴾ جس دن ﴿تُبَدَّلُ الْاَرْضُ﴾ بدل دی جائے گی زمین ﴿غَيْرَ الْاَرْضِ﴾ اس زمین کے علاوہ (دوسری زمین سے) ﴿وَالسَّمٰوٰتُ﴾ اور آسمان بھی ﴿وَبَرَزُوْا﴾ اور ظاہر ہوں گے

﴿لِلّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے سامنے ﴿الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ جو اکیلا ہے، زبردست ہے ﴿وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ﴾ اور دیکھے گا تو مجرموں کو ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ اس دن ﴿مُّقَرَّنِيْنَ﴾ جکڑے ہوئے ہوں گے ﴿فِي الْاَصْفَادِ﴾ زنجیروں میں ﴿سَرَابِيْلُهُمْ﴾ کرتے ان کے ﴿مِّنْ قَطِرَانٍ﴾ گندھک کے ہوں گے ﴿وَّتَغْشٰى﴾ اور چھا جائے گی ﴿وُجُوْهَهُمُ﴾ ان کے چہروں پر ﴿النَّارُ﴾ آگ ﴿لِيَجْزِيَ اللّٰهُ﴾ تا کہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ ﴿كُلَّ نَفْسٍ﴾ ہر نفس کو ﴿مَّا كَسَبَتْ﴾ جو اس نے کمایا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ جلدی حساب لینے والا ہے ﴿هٰذَا بَلٰغٌ﴾ یہ پیغام پہنچانا ہے ﴿لِّلنَّاسِ﴾ لوگوں کو ﴿وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ﴾ اور تا کہ وہ ڈرائے جائیں اس کے ذریعے ﴿وَلِيَعْلَمُوْا﴾ اور تا کہ وہ جان لیں ﴿اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ بے شک وہ معبود ایک ہی ہے ﴿وَّلِيَذَّكَّرَ﴾ اور تا کہ نصیحت حاصل کریں ﴿اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ عقل مند لوگ۔

اکثریت ہمیشہ حق کی مخالف رہی ہے ؟

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچاتے رہے اکثریت مخالفت کرتی رہی اور پیغمبر فرماتے کہ ان شاء اللہ غلبہ ہمارا ہوگا۔ ظاہری طور پر ان کے پاس نہ کوئی طاقت تھی، نہ فوج تھی، نہ افرادی قوت تھی اور نہ مالی قوت تھی کہ جن چیزوں کے بل بوتے پر دنیا میں غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اب ظاہری طور پر دونوں باتوں کا جوڑ تو کچھ بھی نہیں کہ طاقت اور قوت بھی نہ ہو، فوج اور لشکر بھی نہ ہو اور غلبے کا دعویٰ بھی ہو تو اس پر لوگ مذاق اُڑاتے اور کہتے دیکھو جی! یہ غالب آئیں گے اور فتح پائیں گے۔

چنانچہ بدر کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ ساتھیوں کے ساتھ نکلے تو منافقوں نے کہا اور ان لوگوں نے کہا جن کے دلوں میں کفر کی بیماری تھی ﴿غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ﴾ [الانفال:۴۹] "دھوکا دیا ہے ان مسلمانوں کو ان کے دین نے۔" یہ تھوڑے سے آدمی بے سرو سامانی کے عالم میں قریش کا مقابلہ کرنے کے لیے جا رہے ہیں جن کے ساتھ ساری دنیائے عرب ہے۔ ظاہراً تو ایسے ہی تھا پھر مذاقاً کہتے یہ بڑے بہادر ہیں انھوں نے اُن کے سر اُتارنے ہیں اور ان کو قید کر کے لانا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ﴾ پس اے مخاطب! آپ ہرگز نہ خیال کرنا اللہ تعالیٰ کے بارے میں ﴿مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ﴾ کہ وہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کرے گا اپنے رسولوں کے ساتھ کہ ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ [مومن:۵۱] "بے شک ہم البتہ مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے۔" اور فرمایا ﴿حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [روم:۴۷] "مومنوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ ہے۔"

آپ ﷺ نے سارے دشمنوں کو معاف کر دیا ؟

اس بات کو لوگوں نے آنکھوں کے ساتھ دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ مکرمہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا شروع کیا

تھوڑے سے آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملے مخالفوں نے ایسے حالات پیدا کیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی مکہ مکرمہ میں نہ رہ سکے اور ہجرت پر مجبور ہو گئے مگر ہجرت کے آٹھویں سال اللہ تعالیٰ نے مکہ فتح کرا دیا۔ کافر حیران ہو گئے بلکہ ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے کہ ہمارے ساتھ ہوا کیا۔ نامی گرامی کافر بھاگ گئے کہ اب اُنھوں نے ہمیں چھوڑنا نہیں ہے۔ اپنا کیا ہوا ان کو یاد تھا۔ اِس وقت صفا، مروہ کے درمیان جو لینٹر پڑا ہوا ہے، نہیں تھا یہ اپنی اصلی حالت پر چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں۔ صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید چادر کو ہلایا۔ یہ سفید چادر کو ہلانا الارم ہوتا تھا کہ لوگ جمع ہو جائیں۔ جو بھاگ گئے تھے وہ تو بھاگ گئے باقی مرد، عورتیں، نوجوان آئے کہ دیکھو! آج یہ ہمارے ساتھ کیا کریں گے اور کیا کہیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زیادتی کا ذکر شروع کیا کہ فلاں دن تم نے میرے ساتھ یہ زیادتی کی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ زیادتی کی۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کعبۃ اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے تم نے اس کو مار مار کر بے ہوش کر دیا۔ یاد ہوگا میرے سوتیلے بیٹے حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کو تم نے شہید کیا، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو شہید کیا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، بلال رضی اللہ عنہ پر تم نے سختی کی، خباب بن ارت رضی اللہ عنہ پر تم نے یہ یہ سختی کی، فلاں موقع پر تم نے یہ کیا اور فلاں موقع پر تم نے یہ کیا۔ وہ لوگ سن کر حیران ہوئے کہ ہمیں تو اپنے جرم یاد نہیں اور انھوں نے سارے نوٹ کیے ہوئے ہیں۔ جوں جوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جرائم شمار کرتے جاتے تھے ان کا خوف بڑھتا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں فرمایا کہ تمھیں معلوم ہے کہ تمھارے ساتھ کیا ہونا ہے۔ پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو ان کے ہوش و حواس اُڑ گئے، پاؤں تلے سے زمین نکل گئی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج میں وہی کچھ کہوں گا جو یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو کہا تھا ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ [یوسف: ۹۲] کوئی ملامت نہیں ہے تم پر آج کے دن، میں نے سب کو معاف کر دیا۔

کہنے لگے حضرت! کیا صفوان ابن اُمیہ جو ان کو اسلحہ سپلائی کرتا تھا اور مالی امداد کرتا تھا اس کو بھی معاف کر دیا؟ فرمایا ہاں! اس کو بھی معاف کر دیا۔ حضرت! وحشی ابن حرب کو بھی معاف کر دیا جس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا محترم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کیا تھا کہ ان کا کلیجہ نکالا، جگر نکالا، کان کاٹے، ناک کاٹی؟ فرمایا اس کو بھی معاف کر دیا۔ حضرت! ہبار بن اسود کو بھی معاف کر دیا؟ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اُونٹ سے نیچے گرایا تھا تکلیف میں مبتلا ہوئیں پیٹ میں بچہ تھا وہ ضائع ہو گیا۔ فرمایا ہاں! اس کو بھی معاف کر دیا۔ ابوجہل کے بعد قیادت عکرمہ کرتا تھا۔ حضرت! کیا عکرمہ کو بھی معاف کر دیا؟ فرمایا ہاں اس کو بھی معاف کر دیا۔ چند سالوں میں اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی اور سارے عرب پر اسلام کا جھنڈا لہرا دیا۔

تو فرمایا اے مخاطب! ہرگز نہ خیال کرنا اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہ وہ وعدے کی خلاف ورزی کرے گا جو اس نے اپنے رسولوں کے ساتھ کیا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے، انتقام لینے والا ہے مجرموں سے۔ یہ تو دنیا کا قصہ ہوگا اور پھر ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ﴾ جس دن بدل دی جائے گی یہ زمین ﴿غَيْرَ الْاَرْضِ﴾ اس زمین کے علاوہ اور

زمین لائی جائے گی ﴿وَالسَّمٰوٰتُ﴾ اور آسمان بھی بدل دیے جائیں گے۔ نہ یہ زمین رہے گی اور نہ یہ آسمان رہیں گے۔ وہ زمین کیسی ہوگی؟ اس کے متعلق تفسیروں میں بہت کچھ لکھا ہے۔ ایک یہ کہ زمین یہی رہے گی اس کی ہیئت اور شکل بدل دی جائے گی ﴿فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَّا تَرٰى فِيهَا عِوَجًا وَّلَا أَمْتًا﴾ [طٰہٰ:۱۰۷-۱۰۶] "پس کر دیا جائے گا اس کو ہموار زمین نہیں دیکھے تو اس میں کوئی کجی اور نہ کوئی ٹیلا۔" ایسی ہموار ہوگی جیسے ہتھیلی ہوتی ہے۔ اگر مشرق سے انڈا لڑھکایا جائے تو مغرب تک کوئی رکاوٹ نہیں آئے گی اور اسی پر میدانِ حشر برپا ہوگا اور دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ زمین اور یہ آسمان بدل دیے جائیں گے اور ہمیشہ کی زمین اور ہمیشہ کے آسمان لائے جائیں گے۔

جب زمین بدلی جائے گی تو لوگ کہاں ہوں گے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ حضرت! جب یہ زمین بدلی جائے گی اور دوسری لائی جائے گی تو اَيْنَ النَّاسُ لوگ کہاں ہوں گے؟ فرمایا پل صراط پر ہوں گے۔ مسلم شریف کی روایت ہے وہ آسمان اور زمین ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے مجرم ہمیشہ دوزخ میں سڑیں گے اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہمیشہ جنت میں خوشیاں مناتے رہیں گے۔

﴿وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ﴾ اور ظاہر ہوں گے، سامنے ہوں گے اللہ تعالیٰ کے۔ دیکھو! آج کوئی بڑا جلسہ ہو، مجمع ہو تو اس میں آدمی ایک دوسرے کو نہیں ملتا، رش کی وجہ سے ایک دوسرے کو نہیں مل سکتے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے رائیونڈ کے اجتماع میں تم نے شرکت کی ہوگی جہاں پندرہ سولہ لاکھ کے قریب قریب آدمی ہوتے ہیں۔ وہاں آدمی ایک دوسرے کو نہیں مل سکتا مگر بڑی تلاش کے بعد اور میدان محشر میں تو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری انسان تک سب موجود ہوں گے اور ابو الجان ابلیس لعین سے لے کر آخری جن تک سارے موجود ہوں گے اور خشکی اور تری کے حیوانات بھی سارے ہوں گے اور سارے کے سارے فرشتے بھی حاضر ہوں گے اور سب نظر آ رہے ہوں گے اور ایک دوسرے کو لوگ نظر آئیں گے، ملیں گے اور عجیب قسم کا سماں ہوگا۔ ہر آدمی کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوں گے، نفسا نفسی کا عالم ہوگا، ہر آدمی کو فکر ہوگی کہ میری جان بچ جائے۔

حدیث پاک میں آتا ہے پیغمبر بھی نفسی نفسی کہیں گے وَإِنَّ رَبِّيْ غَضِبَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ "اور بے شک میرا رب اتنے جلال اور غصے میں ہوگا کہ اس سے پہلے نہ کبھی اتنے ناراض ہوئے اور نہ اس کے بعد۔" اتنے غصے میں ہوں گے بڑا مشکل وقت ہوگا۔ ایمان اور عمل صالح کی برکت سے، اخلاق حسنہ کی برکت سے بیڑا پار ہو جائے گا ورنہ کچھ حاصل نہیں ہوگا مکر و فریب وہاں نہیں ہوگا۔ ﴿الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ وہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے زبردست ہے سب پر غالب ہے اس کے حکم سے کوئی سرتابی نہیں کر سکتا۔

﴿وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ﴾ اور اے مخاطب تو دیکھے گا مجرموں کو ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ اس دن ﴿مُقَرَّنِيْنَ﴾ جکڑے ہوئے ہوں گے فِي الْأَصْفَادِ۔ أَصْفَادٌ صَفَدٌ کی جمع ہے اور صَفَدٌ کا معنیٰ ہے ہتھکڑیاں جو ہاتھوں میں ڈالی جاتی ہیں اور بیڑیاں جو پاؤں میں

ڈالی جاتی ہیں اور طوق جو گلے میں ڈالے جاتے ہیں۔ تو ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں گی اور گلے میں طوق ہوں گے ان میں جکڑے ہوں گے ہل نہیں سکیں گے۔ ﴿سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ﴾۔ سَرَابِيْل سِرْبَال کی جمع ہے۔ سربال کا معنی کرتہ اور قمیص ہے۔ ان کو جو کرتے پہنائے جائیں گے وہ گندھک کے ہوں گے گندھک کو آگ جلدی لگتی ہے اور ان کو وہاں جلدی جلانا مقصود ہوگا مارنا مقصود ہوتو ایک شعلہ کافی ہے مگر وہاں تو ﴿لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ نہ وہاں مرے گا اور نہ جیے گا۔ مرے گا اس لیے نہیں کہ پھر وہاں سزا کون بھگتے گا اور عذاب کی زندگی کیا زندگی ہے۔ خود دعائیں کریں گے کہ ہمیں موت آجائے۔ سورہ الحاقہ آیت نمبر ۲۷ میں ہے ﴿يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ﴾ "کاش کہ یہ موت مجھے ختم ہی کر دے۔" پھر اکٹھے ہو کر جہنم کے انچارج حضرت مالک علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور پکاریں گے ﴿يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾ [زخرف: ۷۷] "اے مالک چاہیے کہ فیصلہ کر دے ہم پر تمھارا پروردگار ﴿قَالَ﴾ وہ کہے گا ﴿اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ﴾ بے شک تم رہنے والے ہو۔"

ساتھیو! آج برائیوں سے بچنا آسان ہے اُس وقت سزا بھگتنا بہت مشکل ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے جس عورت نے بین کیا، بلند آواز سے روئی مرنے کے بعد اس کو گندھک کا کرتا پہنا کر دوزخ میں ڈالا جائے گا اور جو عورت کا حکم ہے وہی مرد کا حکم ہے۔ اور عورت کا ذکر اس لیے فرمایا کہ عورتوں میں صبر کا مادہ کم ہوتا ہے۔

جو عورتیں زیارت قبور کے لیے جاتی ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے

احادیث میں آتا ہے ((لَعَنَ اللّٰهُ زَوَّرَاتِ الْقُبُوْرِ وَ الْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا السُّرُجَ)) [ترمذی] "اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کے لیے جاتی ہیں اور ان پر بھی لعنت ہو جو وہاں چراغ جلاتے ہیں۔" پوچھا گیا کیوں؟ ترمذی شریف میں ہے ((لِقِلَّةِ صَبْرِهِنَّ وَجَزْعِهِنَّ)) "ان میں صبر کا مادہ کم ہوتا ہے اور رونے کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔" تو آواز کے ساتھ رونا حرام ہے۔ اگر کسی نے گھر والوں کو نہیں بتلایا اور گھر والے روئے تو قبر میں اُس کی بھی پٹائی ہوگی کیوں کہ اس نے مسئلہ واضح نہیں کیا۔ ہاں اگر مسئلہ بیان کر کے اور واضح کر کے مرا تو بچ جائے گا۔

﴿وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ﴾ اور چھا جائے گی ان کے چہروں پر آگ۔ یہ سزا کیوں ہوگی؟ فرمایا ﴿لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ﴾ تاکہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ ہر نفس کو جو اس نے کمایا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے۔ آنکھیں بند ہونے کے بعد قبر میں پہنچنے کی دیر ہے سوال ہوگا مَنْ رَّبُّكَ مَنْ نَبِيُّكَ مَا دِيْنُكَ. لہٰذا ہر وقت موت کو یاد رکھنا چاہیے۔ حدیث پاک میں آتا ہے اَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الموت۔ موت کو کثرت کے ساتھ یاد کرو۔ اگر سبق کے طور پر ہم موت کو یاد رکھیں تو ان شاء اللہ گناہ کم ہوں گے۔ اوّلاً تو ہوں گے ہی نہیں اور اگر ہوئے تو کم ہوں گے اور نیکیاں زیادہ ہوں گی۔

﴿هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ﴾ یہ قرآن کریم پیغام پہنچانا ہے اللہ تعالیٰ کا لوگوں کو ﴿وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ﴾ اور تاکہ وہ لوگ اس قرآن

کے ذریعے ڈرائے جائیں، اس پر عمل کریں ﴿وَلِيَعْلَمُوٓا﴾ اور تا کہ وہ جان لیں اچھی طرح ﴿اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ بے شک وہ معبود صرف ایک ہی ہے۔ مشکل کشا، حاجت روا، فریادرس، دست گیر، مقنن، قانون بتانے والا صرف ایک ہی ہے اور کوئی نہیں ہے، اس کے سوا نہ کوئی نافع ہے اور نہ ضار ہے اور نہ اس کے اختیارات کسی کے پاس ہیں۔ خدائی اختیارات سب اسی کے قبضہ اور قدرت میں ہیں۔ ﴿وَلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ اور تا کہ نصیحت حاصل کریں عقل مند لوگ قرآن پڑھ اور سن کر۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے نہ اس کو چھوڑنا اور نہ بھولنا۔ اللہ تعالیٰ سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آج بتاریخ ۱۱ صفر المظفر بروز بدھ ۱۴۳۱ھ بمطابق ۲۷/جنوری ۲۰۱۰ء
سورۃ ابراہیم مکمل ہوئی۔

والحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذٰلک

(مولانا) محمد نواز بلوچ
مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ گوجرانوالہ

تفسیر

سُوۡرَةُ الۡحِجۡرِ مَكِّيَّةٌ

سُوۡرَةُ النَّحۡلِ مَكِّيَّةٌ

سُوۡرَةُ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ مَكِّيَّةٌ

فہرست عنوات

ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن

(حصہ گیارہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیشِ لفظ

نَحْمَدُہٗ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی قدس سرہ العزیز برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش کو فرنگی استعمار سے آزادی دلانے کی جدوجہد میں گرفتار ہوکر مالٹا جزیرے میں تقریباً ساڑھے تین سال نظر بند رہے اور رہائی کے بعد جب دیوبند واپس پہنچے تو انہوں نے اپنے زندگی بھر کے تجربات اور جدوجہد کا نچوڑ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے نزدیک مسلمانوں کے ادبار و زوال کے دو بڑے اسباب ہیں۔ ایک قرآن پاک سے دوری اور دوسرا باہمی اختلافات و تنازعات۔ اس لیے مسلم اُمہ کو دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کو عام کیا جائے اور مسلمانوں میں باہمی اتحاد و مفاہمت کو فروغ دینے کے لیے محنت کی جائے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا یہ بڑھاپے اور ضعف کا زمانہ تھا اور اس کے بعد جلد ہی وہ دنیا سے رخصت ہو گئے مگر ان کے تلامذہ اور خوشہ چینوں نے اس نصیحت کو پلے باندھا اور قرآن کریم کی تعلیمات کو عام مسلمانوں تک پہنچانے کے لیے نئے جذبہ و لگن کے ساتھ مصروف عمل ہو گئے۔ اس سے قبل حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اور ان کے عظیم المرتبت فرزندوں حضرت شاہ عبد العزیز، حضرت شاہ عبد القادر اور حضرت شاہ رفیع الدین رحمہم اللہ نے قرآن کریم کے فارسی اور اردو میں تراجم اور تفسیریں کر کے اس خطہ کے مسلمانوں کی توجہ دلائی تھی کہ ان کا قرآن کریم کے ساتھ فہم و شعور کا تعلق قائم ہونا ضروری ہے اور اس کے بغیر وہ کفر و ضلالت کے حملوں اور گمراہ کن افکار و نظریات کی یلغار سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتے۔

جب کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے تلامذہ اور خوشہ چینوں کی یہ جدوجہد بھی اسی کا تسلسل تھی بالخصوص پنجاب میں بدعات و اوہام کے سراب کے پیچھے بھاگتے چلے جانے والے ضعیف العقیدہ مسلمانوں کو خرافات و رسوم کی دلدل سے نکال کر قرآن و سنت کی تعلیمات سے براہِ راست روشناس کرانا بڑا کٹھن مرحلہ تھا۔ لیکن اس کے لیے جن اربابِ عزیمت نے عزم و ہمت سے کام لیا اور کسی مخالفت اور طعن و تشنیع کی پروا کیے بغیر قرآن کریم کو عام لوگوں کی زبان میں ترجمہ و تفسیر کے ساتھ پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا ان میں امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی قدس سرہ العزیز آف واں بھچراں ضلع میانوالی، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ العزیز اور حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستی نوّر اللہ مرقدہ کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔

جنہوں نے اس دور میں علاقائی زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر سے عام مسلمانوں کو روشناس کرانے کی مہم شروع کی جب عام سطح پر اس کا تصور بھی موجود نہیں تھا۔ مگر ان ارباب ہمت کے عزم واستقلال کا ثمرہ ہے کہ آج پنجاب کے طول وعرض میں قرآن کریم کے دروس کی محافل کو شمار کرنا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم کی ذات گرامی بھی ہے۔ جنہوں نے ۱۹۴۳ء میں گکھڑ کی جامع مسجد بوہڑ والی میں صبح نماز کے بعد روزانہ درس قرآن کریم کا آغاز کیا اور جب تک صحت نے اجازت دی کم وبیش پچپن برس تک اس سلسلہ کو پوری پابندی کے ساتھ جاری رکھا۔ انہیں حدیث میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے اور ترجمہ وتفسیر میں امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ سے شرف تلمذ واجازت حاصل ہے اور انہی کے اسلوب وطرز پر انہوں نے زندگی بھر اپنے تلامذہ اور خوشہ چینوں کو قرآن وحدیث کے علوم وتعلیمات سے بہرہ ور کرنے کی مسلسل محنت کی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے درس قرآن کریم کے چار الگ الگ حلقے رہے ہیں ایک درس بالکل عوامی سطح کا تھا جو صبح نماز فجر کے بعد مسجد میں ٹھیٹھ پنجابی زبان میں ہوتا تھا۔ دوسرا حلقہ گورنمنٹ نارمل سکول گکھڑ میں جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لئے تھا جو سالہا سال جاری رہا۔ تیسرا حلقہ مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ میں متوسط اور منتہی درجہ کے طلبہ کیلئے ہوتا تھا اور دو سال میں مکمل ہوتا تھا اور چوتھا مدرسہ نصرۃ العلوم میں ۷۶ء کے بعد شعبان اور رمضان کی تعطیلات کے دوران دورۂ تفسیر کی طرز پر تھا جو پچیس برس تک پابندی سے ہوتا رہا اور اس کا دورانیہ تقریباً ڈیڑھ ماہ کا ہوتا تھا۔ ان چار حلقہ ہائے درس کا اپنا اپنا رنگ تھا اور ہر درس میں مخاطبین کی ذہنی سطح اور فہم کے لحاظ سے قرآنی علوم ومعارف کے موتی ان کے دامن قلب وذہن میں منتقل ہوتے چلے جاتے تھے۔ ان چاروں حلقہ ہائے درس میں جن علماء کرام، طلبہ، جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں اور عام مسلمانوں نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے براہ راست استفادہ کیا ہے ان کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق چالیس ہزار سے زائد بنتی ہے۔

﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ﴾

ان میں عام لوگوں کے استفادہ کے لئے جامع مسجد گکھڑ والا درس قرآن کریم زیادہ تفصیلی اور عام فہم ہوتا تھا جس کے بارے میں متعدد حضرات نے خواہش کا اظہار کیا اور بعض دفعہ عملی کوشش کا آغاز بھی ہوا کہ اسے قلمبند کر کے شائع کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے مستفید ہو سکیں لیکن اس میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ درس خالص پنجابی میں ہوتا تھا جو اگرچہ پورے کا پورا ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے محفوظ ہو چکا ہے مگر اسے پنجابی سے اُردو میں منتقل کرنا سب سے کٹھن مرحلہ تھا اس لیے بہت سی خواہشیں بلکہ کوششیں اس مرحلہ پر آ کر دم توڑ گئیں۔

البتہ ہر کام کا قدرت کی طرف سے ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور اس کی سعادت بھی قدرتِ خداوندی کی طرف سے طے شدہ ہوتی ہے۔ اس لئے تاخیر در تاخیر کے بعد یہ صورت سامنے آئی کہ اب مولانا محمد نواز بلوچ فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم اور برادرم

محمد لقمان میر صاحب نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے اور تمام تر مشکلات کے باوجود اس کا آغاز بھی کر دیا جس پر دونوں حضرات اور ان کے دیگر سب رفقاء نہ صرف حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے تلامذہ اور خوشہ چینوں بلکہ ہمارے پورے خاندان کی طرف سے بھی ہدیۂ تشکر وتبریک کے مستحق ہیں۔ خدا کرے کہ وہ اس فرضِ کفایہ کی سعادت کو تکمیل تک پہنچا سکیں اور ان کی یہ مبارک سعی قرآنی تعلیمات کے فروغ، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے افادات کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے اور اَن گنت لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنے اور بارگاہِ ایزدی میں قبولیت سے سرفراز ہو۔ (آمین)

یہاں ایک امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ یہ دروس کی کاپیاں ہیں اور درس وخطاب کا انداز تحریر سے مختلف ہوتا ہے اس لیے بعض جگہ تکرار نظر آئے گا جو درس کے لوازمات میں سے ہے۔ لہٰذا قارئین سے گزارش ہے کہ اس کو ملحوظ رکھا جائے اس کے ساتھ ہی ان دروس کے ذریعے محفوظ کرنے میں محمد اقبال آف دبئی اور محمد سرور منہاس آف گکھڑ کی مسلسل محنت کا تذکرہ بھی ضروری ہے جنہوں نے اس عظیم علمی ذخیرہ کو ریکارڈ کرنے کے لیے سالہا سال تک پابندی کے ساتھ خدمت سرانجام دی، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے۔ آمین یارب العالمین

یکم مارچ ۲۰۰۲ء

ابوعمار زاہد الراشدی

خطیب جامع مسجد مرکزی، گوجرانوالا

اہلِ علم سے گزارش

بندۂ ناچیز امام المحدثین مجدد وقت شیخ الاسلام حضرت العلام مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد بھی ہے اور مرید بھی۔

اور محترم لقمان اللہ میر صاحب حضرت اقدس کے مخلص مرید اور خاص خدام میں سے ہیں۔

ہم وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے جایا کرتے۔ خصوصاً جب حضرت شیخ اقدس کو زیادہ تکلیف ہوتی تو علاج معالجہ کے سلسلے کے لیے اکثر جانا ہوتا۔ جانے سے پہلے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے اکٹھے ہو جاتے۔ ایک دفعہ جاتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ حضرت نے ویسے تو کافی کتابیں لکھی ہیں اور ہر باطل کا رد کیا ہے مگر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی تو کیا حضرت اقدس جو صبح بعد نمازِ فجر درسِ قرآن ارشاد فرماتے ہیں وہ کسی نے محفوظ نہیں کیا کہ اسے کیسٹ سے کتابی شکل سے منظرِ عام پر لایا جائے تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں۔ اور اس سلسلے میں جتنے بھی اخراجات ہوں گے وہ میں برداشت کروں گا اور میرا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے، شاید یہ میرے اور میرے خاندان کی نجات کا سبب بن جائے۔ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمائی تھی۔

اس سے تقریباً ایک سال قبل میر صاحب کی اہلیہ کو خواب آیا تھا کہ ہم حضرت شیخ اقدس کے گھر گئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت کیلوں کے چھلکے لے کر باہر آ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے دے دیں میں باہر پھینک دیتی ہوں۔ حضرت نے وہ مجھے دے دیے اور میں نے باہر پھینک دیے۔

چوں کہ حضرت خواب کی تعبیر کے بھی امام ہیں۔ میں نے مذکورہ بالا خواب حضرت سے بیان کیا اور تعبیر پوچھنے پر حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ جو علمی فیض ہے اس سے تم بھی فائدہ حاصل کرو گے۔ چنانچہ وہ خواب کی تعبیر تفسیر قرآن "ذخیرۃ الجنان" کی شکل میں سامنے آئی۔

میر صاحب کے سوال کے جواب میں مَیں نے کہا اس سلسلے میں مجھے کچھ معلوم نہیں حضرت اقدس سے پوچھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب گکھڑ حضرت کے پاس پہنچ کر بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ درس دو تین مرتبہ ریکارڈ ہو چکا ہے اور محمد سرور منہاس کے پاس موجود ہے ان سے رابطہ کر لیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ گکھڑ والوں کے اصرار پر میں یہ درسِ قرآن پنجابی زبان میں دیتا رہا ہوں اس کو اُردو زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل اور اہم مسئلہ ہے۔

اس سے دو دن پہلے میرے پاس میرا ایک شاگرد آیا تھا اس نے مجھے کہا کہ میں ملازمت کرتا ہوں تنخواہ سے اخراجات

پورے نہیں ہو پاتے، دورانِ گفتگو اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایم۔اے پنجابی بھی کیا ہے۔اس کی یہ بات مجھے اس وقت یاد آ گئی۔ میں نے حضرت سے عرض کی کہ میرا ایک شاگرد ہے اس نے پنجابی میں ایم۔اے کیا ہے اور کام کی تلاش میں ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ہم حضرت کے پاس سے اٹھ کر محمد سرور منہاس صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی خواہش رکھی انھوں نے کیسٹیں دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ کچھ کیسٹیں ریکارڈ کرانے کے بعد اپنے شاگرد ایم۔اے پنجابی کو بلایا اور اس کے سامنے یہ کام رکھا اُس نے کہا کہ میں یہ کام کر دوں گا، میں نے اسے تجرباتی طور پر ایک عدد کیسٹ دی کہ یہ لکھ کر لاؤ پھر بات کریں گے۔ دینی علوم سے ناواقفی اس کے لیے سدّ راہ بن گئی۔ وہ قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور عربی عبارت سمجھنے سے قاصر تھا۔ تو میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام خود ہی کرنے کا ہے میں نے خود ایک کیسٹ سنی اور اُردو میں نقل کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت نے اس میں مختلف مقامات میں سے پڑھ کر اظہارِ اطمینان فرمایا۔ اس اجازت پر پوری تن دہی سے متوکل علی اللہ ہو کر کام شروع کر دیا۔

میں بنیادی طور پر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے صرف پرائمری پاس ہوں، باقی سارا فیض علمائے ربانیینؒ سے دورانِ تعلیم حاصل ہوا۔ اور میں اصل رہائشی بھی جھنگ کا ہوں وہاں کی پنجابی اور لاہور، گوجرانوالا کی پنجابی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لہٰذا جہاں دشواری ہوتی وہاں حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری شہیدؒ سے رجوع کرتا یا زیادہ ہی الجھن پیدا ہو جاتی تو براہِ راست حضرت شیخؒ سے رابطہ کر کے تشفی کر لیتا لیکن حضرت کی وفات اور مولانا جلالپوریؒ کی شہادت کے بعد اب کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کی طرف رجوع کر دوں۔ اب اگر کہیں محاورہ یا مشکل الفاظ پیش آئیں تو پروفیسر ڈاکٹر اعجاز سندھو صاحب سے رابطہ کر کے تسلی کر لیتا ہوں۔

اہل علم حضرات سے التماس ہے کہ اس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ یہ چونکہ عمومی درس ہوتا تھا اور یادداشت کی بنیاد پر مختلف روایات کا ذکر کیا جاتا تھا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جو روایت جس کتاب کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے وہ پوری روایت اسی کتاب میں موجود ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ روایت کا ایک حصہ ایک کتاب میں ہوتا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے مگر باقی تفصیلات دوسری کتاب کی روایت بلکہ مختلف روایات میں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اساتذہ اور طلبہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے ان دروس میں بیان کی جانے والی روایات کا حوالہ تلاش کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے۔

علاوہ ازیں کیسٹ سے تحریر کرنے سے لے کر مسودہ کے زیور طباعت سے آراستہ ہونے تک کے تمام مراحل میں اس مسودہ کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ میں بذاتِ خود اور دیگر تعاون کرنے والے احباب مطالعہ اور پروف ریڈنگ کے دوران غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور حتی المقدور اغلاط کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کمپوزنگ اور اغلاط کی نشاندہی کے بعد میں

ایک مرتبہ دوبارہ مسودہ کو چیک کرتا ہوں تب جا کر انتہائی عرق ریزی کے بعد مسودہ اشاعت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہم سارے انسان ہیں اور انسان نسیان اور خطا سے مرکب ہے غلطیاں ممکن ہیں۔ لہٰذا اہل علم سے گزارش ہے کہ تمام خامیوں اور کمزوریوں کی نسبت صرف میری طرف ہی کی جائے اور ان غلطیوں سے مطلع اور آگاہ کیا جائے تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔

العارض

محمد نواز بلوچ

فارغ التحصیل مدرسہ نصرۃ العلوم و فاضل وفاق المدارس العربیہ، ملتان

تفسیر

سُوۡرَةُ الۡحِجۡرِ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⟸ وَمَآ اُبَرِّئُ ، رُبَمَا

آیاتہا ۹۹ (۱۵) سُوْرَۃُ الْحِجْرِ مَکِّیَّۃٌ (۵۴) رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ﴾ یہ کتاب کی آیتیں ہیں ﴿وَ قُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ﴾ اور قرآن کی جو کھول کر بیان کرنے والا ہے ﴿رُبَمَا﴾ بسا اوقات ﴿یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ پسند کریں گے وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ﴾ کاش کہ وہ مسلمان ہوتے ﴿ذَرْهُمْ﴾ چھوڑ دو ان کو ﴿یَاْكُلُوْا﴾ کھائیں ﴿وَ یَتَمَتَّعُوْا﴾ اور فائدہ اُٹھائیں ﴿وَ یُلْهِهِمُ الْاَمَلُ﴾ اور ان کو غفلت میں ڈالے اُمید ﴿فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب وہ جان لیں گے ﴿وَ مَاۤ اَهْلَكْنَا﴾ اور نہیں ہلاک کی ہم نے ﴿مِنْ قَرْیَةٍ﴾ کوئی بستی ﴿اِلَّا وَ لَهَا﴾ مگر اس بستی کے لیے ﴿كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ﴾ ایک نوشتہ لکھا ہوا تھا ﴿مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ﴾ نہیں آگے بڑھتی کوئی اُمت ﴿اَجَلَهَا﴾ اپنی میعاد سے ﴿وَ مَا یَسْتَاْخِرُوْنَ﴾ اور نہ پیچھے ہٹتی ہے ﴿وَ قَالُوْا﴾ اور کہا اُن لوگوں نے ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْ﴾ اے وہ شخص ﴿نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ﴾ اُتاری گئی جس پر نصیحت ﴿اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ﴾ بے شک البتہ تو دیوانہ ہے (معاذ اللہ)۔ ﴿لَوْ مَا تَاْتِیْنَا﴾ کیوں نہیں لاتے آپ ہمارے پاس ﴿بِالْمَلٰٓىٕكَةِ﴾ فرشتوں کو ﴿اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ اگر ہیں آپ سچوں میں سے ﴿مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓىٕكَةَ﴾ ہم نہیں اُتارتے فرشتے ﴿اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ مگر حق کے ساتھ ﴿وَ مَا كَانُوْۤا﴾ اور نہیں ہوں گے وہ ﴿اِذًا﴾ اُس وقت ﴿مُّنْظَرِیْنَ﴾ مہلت دیئے ہوئے ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ﴾ بے شک ہم نے اُتارا ہے ذکر کو ﴿وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ اور بے شک ہم ہی اس کی البتہ حفاظت کرنے والے ہیں ﴿وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا﴾ اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے پیغمبر ﴿مِنْ قَبْلِكَ﴾ آپ سے پہلے ﴿فِیْ شِیَعِ الْاَوَّلِیْنَ﴾ پہلے گروہوں میں ﴿وَ مَا یَاْتِیْهِمْ﴾ اور نہیں آتا تھا ان کے پاس ﴿مِّنْ رَّسُوْلٍ﴾ کوئی رسول ﴿اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ مگر وہ ان کے ساتھ مذاق کرتے تھے ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿نَسْلُكُهٗ﴾ ہم چلاتے ہیں اس کو ﴿فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ﴾ مجرموں کے دلوں میں ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ نہیں ایمان لائیں گے اس قرآن پر ﴿وَ قَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ اور تحقیق گزر چکا ہے طریقہ پہلے لوگوں کا ﴿وَ لَوْ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ﴾ اور اگر ہم کھول دیں ان پر ﴿بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ دروازہ آسمان کا ﴿فَظَلُّوْا فِیْهِ﴾ پس وہ سارا دن اس میں ﴿یَعْرُجُوْنَ﴾ چڑھتے رہیں ﴿لَقَالُوْۤا﴾ البتہ کہہ دیں گے ﴿اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا﴾ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے ﴿بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ﴾ بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔

سورہ حجر کی وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام حجر ہے۔ حجر عرب میں ایک علاقہ کا نام ہے۔ یہاں قوم ثمود آباد تھی جن کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا۔ چونکہ اس سورۃ میں حجر کے علاقہ اور قوم ثمود کا ذکر ہے اس لیے اس سورۃ کا نام سورۃ الحجر ہے۔ یعنی وہ سورت جس میں حجر کے علاقے کے واقعات بیان ہوں گے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، اس سے پہلے ترپن [۵۳] سورتیں نازل ہو چکی تھیں، اس کے چھ رکوع اور ننانوے آیات ہیں۔

حروف مقطعات کی وضاحت

﴿الٓرٰ﴾ ان کو حروف مقطعات کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں شَیٌٔ مِنْ اَسْمَآءِ اللّٰہِ تعالیٰ۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ اکٹھا ﴿الٓرٰ﴾ ایک نام ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک ایک حرف ایک ایک نام کی طرف اشارہ ہے۔ الف، سے مراد اللہ جل جلالہ اور لام، سے مراد لطیف اور را، سے مراد رؤف یا رحمن یا رحیم ہے۔ ﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ﴾ یہ جو تمھارے سامنے پڑھی جاتی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی آیتیں ہیں ﴿وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ اور قرآن کی ہیں جو کھول کر بیان کرنے والا ہے۔

قرآن میں اصول بیان ہوئے ہیں تشریح فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے

قرآن پاک میں جو اصول بیان ہوئے ہیں وہ بڑے واضح ہیں اور جزئیات وفروعات، تفصیل وتشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے ہے۔ یہ بات میں کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ قرآن کریم سمجھ نہیں آ سکتا جب تک حدیث رسول کو نہ مانا جائے۔ مثلاً: قرآن کریم میں آتا ہے اقیموا الصّلوٰۃ "نماز قائم کرو۔" مگر اس کا طریقہ اور تفصیل قرآن کریم میں نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ہے اٰتوا الزّکوٰۃ "زکوٰۃ دو۔" مگر اس کی تفصیل کہ کتنی دینی ہے اور کون سے مال کا نصاب ہے اس کا ذکر قرآن کریم میں نہیں ہے۔ یہ تفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے ہے۔ (یہ آیت کریمہ تیرہویں پارے کی ہے آگے چودھواں پارہ شروع ہو رہا ہے)۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿رُبَمَا يَوَدُّ﴾ بسا اوقات پسند کریں گے۔ ﴿رُبَمَا﴾ کا لفظ قلت کے لیے بھی آتا ہے اور کثرت کے لیے بھی۔ اگر کثرت کے لیے ہو تو پھر اس کا معنیٰ ہوگا بسا اوقات، اکثر اوقات پسند کریں گے۔ اور قلت کے لیے ہو تو پھر معنیٰ ہوگا کسی وقت آرزو کریں گے۔ کیوں کہ جب عذاب میں مبتلا ہوں گے تو ہوش وحواس خطا ہو جائیں گے سوچنے کا موقع ہی نہیں ملے گا۔ ذرا ہوش آئے گی کسی وقت تو آرزو کریں گے ﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ﴾ کاش کہ وہ مسلمان ہوتے۔ کافر یہ آرزو کب کریں گے؟ اس کے متعلق بڑی تفصیل ہے۔

ملک الموت کے جان نکالنے کی کیفیت :

مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ایک بات یہ بیان فرماتے ہیں کہ ملک الموت جب جان نکالنے کے لیے آئے گا اور اٹھارہ فرشتے لائن بنا کر اس کے پیچھے کھڑے ہوں گے اور بُرے کے لیے جہنم کا ٹاٹ اور بدبو لے کر آئے ہوں گے اور مرنے والے کو ملک الموت اور پیچھے کھڑے ہونے والے فرشتے نظر آئیں گے۔ تو جب یہ منظر دیکھے گا تو کہے گا کاش! میں مسلمان ہوتا۔ مگر نزع کی حالت کے بعد ایمان قبول نہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس وقت قبر برزخ میں پہنچے گا دوزخ کی طرف سے کھڑکی کھول دی جائے گی اور فرشتے سزا دیں گے تو ان تکالیف کو دیکھ کر کہے گا کہ کاش! میں مسلمان ہوتا اور یہ بھی تفسیر بیان کی گئی ہے کہ میدانِ حشر برپا ہوگا اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کھڑا ہوگا اور پسینے میں ڈوبا ہوگا اور اپنے گناہوں کو سامنے دیکھتا ہوا کہے گا کاش! میں مسلمان ہوتا۔ اور یہ بھی تفسیر کی گئی ہے کہ جب نیکیاں اور بدیاں تلیں گی اپنی بدیوں کا بوجھ دیکھ کر کہے گا کہ کاش! میں مسلمان ہوتا۔ اور یہ بھی تفسیر کی گئی ہے کہ جب پل صراط سے دوزخ میں گرایا جائے گا، جلے گا، سڑے گا تو کہے گا کاش! کہ میں مسلمان ہوتا۔

آخری بات یہ کہ جنتی جنت میں داخل ہوں گے اور دوزخی دوزخ میں داخل ہوں گے پھر سارے گنہگار مومن سزا بھگت کر دوزخ سے نکل آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ اعلان کرے گا اے جنت والو! تمھیں ایک تماشہ دکھاتے ہیں۔ اے دوزخ والو! تمھیں ایک تماشہ دکھاتے ہیں۔ پھر موت کو جنت اور دوزخ کے درمیان مینڈھے کی شکل میں پیش کیا جائے گا اور ختم کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ اعلان کرے گا: خُلُوْدٌ وَّلَا مَوْتٌ آج موت کو ختم کر دیا گیا ہے اب تم نے مرنا نہیں ہے۔ جنتیوں کی خوشی کی کوئی حد نہیں ہوگی اور دوزخیوں کے افسوس کی کوئی حد نہیں ہوگی۔ اس وقت دوزخی کہیں گے کاش! کہ ہم مسلمان ہوتے۔

دیکھو! اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں حالات پہلے بتا دیے ہیں کہ کچھ کرنا ہے تو ابھی کر لو وہاں کچھ نہیں کر سکو گے۔ ﴿ذَرْهُمْ﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوڑ دیں ﴿يَأْكُلُوْا﴾ کھائیں ﴿وَيَتَمَتَّعُوْا﴾ اور فائدہ اُٹھائیں ﴿وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ﴾ اور ان کو غفلت میں ڈالے اُمید جو انھوں نے دنیا میں قائم کر رکھی ہیں ﴿فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب وہ جان لیں گے۔ آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے سارا نظارہ سامنے آجائے گا۔ جنت بھی سامنے، دوزخ بھی سامنے۔ انفرادی قیامت دور نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ﴾ اور نہیں ہلاک کی ہم نے کوئی بستی ﴿اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ﴾ مگر اس بستی کے لیے ایک نوشتہ لکھا ہوا تھا۔ یعنی اس بستی کی تباہی کا ایک وقت مقرر تھا۔ ﴿مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا﴾ نہیں آگے بڑھی کوئی اُمت اپنی میعاد سے۔ جو دنیا میں رہنے کی ان کے لیے میعاد رکھی گئی تھی اس سے پہلے نہیں ﴿وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ﴾ اور نہ پیچھے ہٹی ہے۔ اور دنیا میں رہنے کی جو میعاد ان کی ہے اس سے مؤخر بھی نہیں ہو سکتی، ایک لمحہ کی تقدیم تاخیر نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا نظام بڑا مضبوط، محکم اور اٹل ہے۔ ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا ان کافروں نے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ﴾ اے وہ شخص! اُتاری گئی جس پر نصیحت والی کتاب ﴿اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ﴾ بے شک البتہ تو دیوانہ ہے (معاذ اللہ)۔ قرآن پاک کا نام قرآن بھی ہے اور قرآن پاک

کا نام فرقان بھی ہے۔ ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ﴾[الفرقان:۱، پارہ:۱۸] "بابرکت ہے وہ ذات جس نے فرقان اُتارا۔" قرآن پاک کا نام ذکر ہے، نصیحت والی کتاب۔ جو باتیں آپ ﷺ فرماتے تھے وہ ان کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔ مثلاً: آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ میری دعوت کو سارے عرب والے قبول کرلیں گے۔ اس وقت یہ بات کس کی سمجھ میں آسکتی تھی، ایک وقت آئے گا قیصر و کسریٰ کی حکومتیں ہمارے قدموں کے نیچے ہوں گی۔ یہ ملنگ قسم کے لوگ جن کے پاس مال و دولت نہیں ہے یہ قیصر و کسریٰ پر فتح پائیں گے۔ یہ باتیں ان کو کب سمجھ آسکتی تھیں۔ اس لیے کہتے تھے کہ آپ ﷺ پاگل ہیں، معاذ اللہ۔ اگر آپ مجنون نہیں ہیں تو ﴿لَوْ مَا تَاْتِیْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ﴾ کیوں نہیں لاتے آپ ہمارے پاس فرشتوں کو ﴿اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ اگر ہیں آپ سچوں میں سے کہ کہتے ہیں کہ میرے اُوپر فرشتہ وحی لے کر آتا ہے تو ہمیں بھی دکھادو۔

فرشتے کس کس موقع پر آتے ہیں ؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں آپ ﷺ ان کو جواب دیں ﴿مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ ہم نہیں اتارتے فرشتے مگر حق کے ساتھ۔ فرشتے یا تو وحی لے کر آتے ہیں یا جان نکالنے کے لیے یا پھر عذاب لے کر آئیں گے ﴿وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِیْنَ﴾ اور نہیں ہوں گے اس وقت وہ مہلت دیے ہوئے۔ پھر کہیں گے کہ کاش! کہ فرشتے ہمیں نظر نہ آئیں۔ باقی انھوں نے یہ طعنہ دیا تھا کہ اے وہ شخص! جس پر نصیحت والی کتاب نازل کی گئی ہے آپ پاگل ہیں۔

قرآن کریم نزول سے لے کر آج تک ہر طرح سے محفوظ ہے ؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ بے شک ہم نے اُتارا ہے ذکر کو یعنی نصیحت والی کتاب کو اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ الحمد للہ! قرآن پاک کے نزول سے لے کر آج تک اس کے الفاظ محفوظ ہیں، اس کا رسم الخط محفوظ ہے، اس کا لب و لہجہ محفوظ ہے، اس کا ترجمہ محفوظ ہے، اس کی تفسیر محفوظ ہے۔ یہ اس اُمت مرحومہ کا اعزاز ہے کہ اس نے قرآن پاک کی حفاظت کے لیے وہ کچھ کیا ہے جو تصور سے بالکل بالاتر ہے آج تک اس میں ایک حرف کی کمی بیشی نہیں ہوسکی۔ دشمنوں نے بڑے بڑے منصوبے بنائے مگر وہ ناکام ہوئے۔

حفاظتِ قرآن پر ایک واقعہ ؟

آج سے آٹھ نو سال پہلے کی بات ہے کہ ہندوستان کے ایک سر پھرے وکیل جس کا نام چاند مل چوپڑا ہے اور ابھی تک زندہ ہے۔ اس نے عدالت میں دعویٰ دائر کیا کہ میں ایک معزز شہری ہوں اور میرا پیشہ بھی معزز ہے کہ میں وکیل ہوں۔ حکومت کا وفادار ٹیکس گزار ہوں میری درخواست ہے کہ قرآن پر پابندی لگائی جائے کیوں کہ یہ میرے جذبات کو ٹھیس پہنچاتا ہے۔ قرآن میں ہے ﴿قَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ﴾[التوبہ:۳۶] "مشرکوں کے ساتھ لڑو۔" یہ لڑنے بھڑنے کا سبق دیتا ہے اس لیے میرے جذبات کو نقصان ہوتا ہے لہٰذا اس پر پابندی لگائی جائے۔ جج بے چارہ بڑا گھبرایا کہ یہ بڑا مشکل مسئلہ ہے اس وقت ساری دنیا میں

مسلمانوں کی تعداد ہندوستان میں زیادہ ہے۔ ہندوستان میں انتیس[۲۹] کروڑ مسلمان ہیں، اس کے بعد دوسرا نمبر انڈونیشیا کا ہے باوجود اس کے کہ وہ کافروں کے علاقے ہیں پھر بھی مسلمان وہاں ہماری نسبت سے امن میں ہیں۔

مولانا ابوبکر صاحب غازی پوری پرانے علماء میں سے ہیں پچھلے دنوں میری ملاقات کے لیے تشریف لائے تھے۔ میں نے ان سے کہا مولوی صاحب! آپ کافروں کے ملک میں رہتے ہوئے بڑے خوش قسمت ہیں اور ہم مسلمانوں کے ملک میں رہتے ہوئے بڑے بدقسمت ہیں۔ وہ ہنس کر کہنے لگے وہ کیسے؟ میں نے کہا تم کافروں کے ملک میں رہتے ہوئے مسجدوں میں اطمینان سے جاتے ہو، نماز پڑھتے ہو اور ہم بغیر باڈی گارڈ کے مسجد تک نہیں جاسکتے، وعظ کے لیے نہیں جاسکتے، پولیس والے باڈی گارڈز رکھنے پر مجبور کرتے ہیں مسلمانوں کے ملک میں رہتے ہوئے اس غضب میں مبتلا ہیں۔ تو خیر میں بات کر رہا تھا کہ چاندمل چوپڑا نے مقدمہ دائر کیا کہ قرآن کریم پر پابندی لگائی جائے کہ اس سے میرے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ کلکتہ ہائیکورٹ کے ججوں نے کہا کہ قرآن مجید اسلام کی اساسی کتاب ہے اور پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک دنیا کے کسی مہذب ملک میں اس نوعیت کا مقدمہ مسلمانوں کی مذہبی کتاب قرآن مجید کے خلاف نہیں کیا گیا۔ فاضل چیف جسٹس کلکتہ ہائیکورٹ نے اپنے فیصلہ میں مزید لکھا کہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۹۵ قرآن مجید یا مقدس کتابوں پر لاگو نہیں ہوتی جس کے تحت انہیں ضبط کیا جائے اور قانونی پابندی عائد کی جائے۔ بھارت کی کسی بھی عدالت کے دائرۂ اختیار میں نہیں ہے کہ کسی بھی طرح کتب آسمانی کے معاملے میں مداخلت کرے اور ان پر جزوی یا کلی طور پر پابندی عائد کرے۔

اس کی پوری تفصیل دیکھنی ہو تو میری کتاب "ارشاد الشیعہ" پڑھ لو۔ میں نے اس میں تفصیل کے ساتھ ججوں کے نام بھی نقل کیے ہیں۔ جج ہندو ہیں۔ ہندو جج نے کہا کہ یہ آسمانی مقدس کتاب ہے۔ جج مسلمان ہوتا تو کوئی کہہ سکتا تھا کہ جانب داری سے کام لیا ہے۔ بڑی وزنی شہادت ہے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس کی حفاظت اس نے کرنی ہے۔ اور یاد رکھنا! برتن میں جو چیز ہوتی ہے کھانے پینے کی مثلاً: دودھ سالن وغیرہ اصل حفاظت تو اس کی مقصود ہوتی ہے مگر برتن کی حفاظت خود بہ خود ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ جو دینی مدارس ہیں یہ دین کے لیے برتن اور ظرف ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کا ذمہ لیا تو دینی مدارس کی حفاظت اس کے ضمن میں خود بہ خود آگئی۔ ہر دور میں حکومتوں نے دینی مدارس کے خلاف ہتھکنڈے استعمال کیے ہیں کہ یہ بند ہو جائیں زکوٰۃ تک خود وصول کرنی شروع کر دی۔ ان کے مشیروں کا خیال تھا کہ سال دو گزریں گے مولوی ختم ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت پہلے سے زیادہ اچھے انداز میں مدارس چل رہے ہیں۔

نصرت العلوم میں اس سال بھی اور پچھلے سال بھی تیرہ چودہ سو طلباء اور طالبات تھیں اور یہاں گکھڑ میں بھی ہمارا چھوٹا سا مدرسہ ہے جس میں دو سو کے قریب طالب علم ہیں۔ حکومت نے زکوٰۃ لینے کی پیش کش کی ہم نے انکار کر دیا ہماری غیرت گوارہ نہیں کرتی۔ یہ بھی ان کی ایک سازش تھی مدارس پر کنٹرول کرنے کی جو نا کام ہوئی اور وہ رقم نالیوں پر الیکشنوں پر خرچ ہوئی جس کا بوجھ ان کی گردن پر ہے۔ نہ قرآن مٹے گا نہ اسلام مٹے گا نہ دینی مدارس ختم ہوں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

تو فرمایا کہ اس نصیحت والی کتاب کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا کہ پیغمبروں کے ساتھ مذاق نئی چیز نہیں

آگے اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ﴾ اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے پیغمبر آپ سے پہلے ﴿فِیْ شِیَعِ الْاَوَّلِیْنَ﴾ پہلے گروہوں میں۔ شِیَعٌ شِیْعَۃٌ کی جمع ہے بمعنیٰ گروہ۔ ﴿وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ﴾ اور نہیں آتا تھا ان کے پاس کوئی رسول ﴿اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ مگر وہ ان کے ساتھ مذاق کرتے تھے۔ اس لیے آج اگر یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مذاق کرتے ہیں تو صبر کریں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کشتی تیار کر رہے تھے ﴿كُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ﴾ "جب بھی گزرتا تھا ان پر کوئی گروہ ان کی قوم کا ٹھٹھا کرتے تھے۔" [ہود: ۳۸] کوئی کہتا آپ تو نبی تھے ترکھان کب سے بنے، کوئی کہتا یہ کشتی کہاں چلاؤ گے، دوسرا کہتا ہمارے تالاب میں چلائیں گے اور کہاں چلائیں گے۔ جتنے پیغمبر آئے کافروں نے ان کے ساتھ مذاق کیا۔

﴿كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ﴾ اسی طرح چلاتے ہیں ہم اس استہزاء کو مجرموں کے دلوں میں۔ جیسے پہلے پیغمبروں کے ساتھ مجرموں نے استہزاء کیا آج بھی کریں گے ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ نہیں ایمان لائیں گے اس قرآن کریم پر ﴿وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ اور تحقیق گزر چکا ہے طریقہ پہلے لوگوں کا۔ جو حشر پہلے لوگوں کا ہوا سو حشر ان کا ہوگا ﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ اور اگر ہم کھول دیں ان پر دروازہ آسمان کا ﴿فَظَلُّوْا﴾ پس وہ سارا دن ﴿فِیْهِ﴾ اس دروازے میں ﴿یَعْرُجُوْنَ﴾ چڑھتے رہیں۔ اُوپر جائیں پھر آئیں پھر جائیں پھر آئیں ﴿لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا﴾ البتہ کہہ دیں گے پختہ بات ہے ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود بھی نہیں مانیں گے۔ ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے ﴿بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ﴾ بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔ یہ آسمان کا دروازہ نہیں کھلا بلکہ ہمارے اُوپر جادو ہوا ہے۔ جب اس حد تک ضد ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ دل کو ایمان کے لیے نہیں پھیرتا ایمان اللہ تعالیٰ اس کو دیتا ہے جو چاہے اور طلب کرے۔

﴿وَلَقَدْ﴾ اور البتہ تحقیق ﴿جَعَلْنَا﴾ بنائے ہم نے ﴿فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا﴾ آسمان میں چند برج ﴿وَّزَیَّنّٰهَا﴾ اور مزین کیا ہم نے آسمان کو ﴿لِلنّٰظِرِیْنَ﴾ دیکھنے والوں کیلئے ﴿وَحَفِظْنٰهَا﴾ اور ہم نے حفاظت کی اس کی ﴿مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ﴾ ہر ایسے شیطان سے ﴿رَّجِیْمٍ﴾ جو مردود ہے ﴿اِلَّا﴾ مگر ﴿مَنِ﴾ وہ ﴿اسْتَرَقَ السَّمْعَ﴾ جس نے چرا لیا سنا ہوا کلمہ ﴿فَاَتْبَعَهٗ﴾ پس اس کے پیچھے لگتا ہے ﴿شِهَابٌ مُّبِیْنٌ﴾ ستارہ روشن ﴿وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا﴾ اور زمین کو پھیلایا

ہم نے ﴿وَ اَلْقَیْنَا فِیْهَا﴾ اور ڈال دیے ہم نے اس زمین میں ﴿رَوَاسِیَ﴾ مضبوط پہاڑ ﴿وَ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا﴾ اور ہم نے اُگایا زمین میں ﴿مِنْ كُلِّ شَیْءٍ﴾ ہر شے کو ﴿مَّوْزُوْنٍ﴾ ایک اندازے سے ﴿وَ جَعَلْنَا لَكُمْ﴾ اور بنائیں ہم نے تمہارے لیے ﴿فِیْهَا﴾ اس زمین میں ﴿مَعَایِشَ﴾ روزیاں ﴿وَ مَنْ﴾ اور ان کے لیے بھی ﴿لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ﴾ جس کو تم روزی نہیں دے سکتے ﴿وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ اور نہیں ہے کوئی چیز ﴿اِلَّا عِنْدَنَا﴾ مگر ہمارے پاس ہیں ﴿خَزَآىِٕنُهٗ﴾ اس کے خزانے ﴿وَ مَا نُنَزِّلُهٗ﴾ اور نہیں اُتارتے ہم اس کو ﴿اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ مگر ایک معلوم اندازے پر ﴿وَ اَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ﴾ اور ہم نے بھیجیں ہوائیں ﴿لَوَاقِحَ﴾ جو بادلوں کو پُر کرتی ہیں ﴿فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ﴾ پس اُتارا ہم نے آسمان کی طرف سے ﴿مَآءً﴾ پانی ﴿فَاَسْقَیْنٰكُمُوْهُ﴾ پس ہم نے وہ پانی تم کو پلایا ﴿وَ مَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ﴾ اور نہیں ہو تم اس کو جمع کرنے والے ﴿وَ اِنَّا﴾ اور بے شک ہم ﴿لَنَحْنُ نُحْیٖ﴾ البتہ ہم ہیں زندہ کرنے والے ﴿وَ نُمِیْتُ﴾ اور مارنے والے ﴿وَ نَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ﴾ اور ہم ہی وارث ہیں ﴿وَ لَقَدْ عَلِمْنَا﴾ اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں ﴿الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْكُمْ﴾ ان لوگوں کو جو تم سے پہلے گزرے ہیں ﴿وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں ان کو جو بعد میں آئیں گے ﴿وَ اِنَّ رَبَّكَ﴾ اور بے شک تیرا رب ﴿هُوَ یَحْشُرُهُمْ﴾ وہ ان کو اکٹھا کرے گا ﴿اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ﴾ بے شک وہ حکمت والا ہے، جاننے والا ہے۔

برج کی حقیقت اور ان کی تفصیل

پچھلی آیت میں آسمان کا ذکر تھا ﴿وَ لَوْ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ "اور اگر ہم کھول دیں ان پر دروازہ آسمان کا۔" اب اس آسمان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ لَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا﴾ اور البتہ تحقیق بنائے ہم نے آسمان میں چند برج۔ برج کیا ہے؟ اس کے متعلق مفسرین کرام رحمہم اللہ نے بڑی لمبی چوڑی تفصیل یہاں ذکر کی ہے۔

ستارے دو قسم کے ہوتے ہیں۔

- ......ایک ثوابت ہیں جو اپنی اپنی جگہ ٹکے ہوئے ہیں اور حرکت نہیں کرتے۔
- ......دوسرے سیارات ہیں جو چلتے ہیں ان کی اللہ تعالیٰ نے منازل مقرر کی ہوئی ہیں۔

کوئی مشرق سے مغرب کی طرف چلتا ہے اور مغرب سے مشرق کی طرف چلتا ہے، کوئی شمال سے جنوب کی طرف اور کوئی جنوب سے شمال کی طرف چلتا ہے۔ اور بڑی تیز رفتاری کے ساتھ لیکن ﴿ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ﴾ [یٰسین:۳۸] "یہ ہے اندازہ ٹھہرایا ہوا زبردست اور علم والے پروردگار کا۔" اس لیے کوئی ستارہ کسی کے ساتھ ٹکراتا نہیں ہے۔ دنیا میں جہاز جہازوں کے ساتھ ٹکرا جاتے ہیں، گاڑیاں گاڑیوں کے ساتھ، تانگے تانگوں کے ساتھ، سائیکل سائیکلوں کے ساتھ، بندے بندوں کے

ساتھ چلتے ہوئے ٹکرا جاتے ہیں مگر رب تعالیٰ کا ایسا مضبوط نظام ہے کہ کوئی ستارہ کسی کے ساتھ نہیں ٹکراتا۔ وہ ستارے جو منازل طے کرتے ہیں وہ ان کے برج ہیں۔

سمجھانے کے لیے میں عرض کرتا ہوں۔ جیسے: گاڑی چلتی ہے کراچی سے پشاور کی طرف۔ پہلے صوبہ سندھ طے کرے گی پھر پنجاب، اس کے بعد صوبہ سرحد میں داخل ہوگی۔ یہ اس گاڑی کی منزلیں ہیں اسی طرح وہ ستارے اپنی منزلیں طے کر کے اپنے مقام تک پہنچتے ہیں۔ اور یہ بھی تفسیر کرتے ہیں کہ برج سے مراد قلعے ہیں جو آسمانوں میں فرشتوں کی رہائش گاہیں ہیں۔ فرشتے ان میں ٹھہرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں، نہ تھکتے ہیں نہ اُکتاتے ہیں اور نہ سوتے ہیں، نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، ان کی خوراک ہی سبحان اللہ ہے۔ آسمانوں میں کوئی بالشت بھر جگہ ایسی نہیں ہے جہاں فرشتہ نہ ہو۔ رب تعالیٰ کی بے شمار مخلوق ہے۔ کعبۃ اللہ کے عین برابر میں ساتویں آسمان پر ایک مقام ہے جس کا نام ہے بیت المعمور یہ فرشتوں کی طواف گاہ ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا ہے اس وقت سے روزانہ ستر ہزار فرشتے طواف کرتے ہیں اور جس نے ایک دفعہ طواف کر لیا اس کو زندگی میں دوبارہ موقع نہیں ملتا۔ ﴿وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾ [مدثر: ۳۰] "اور تیرے رب کے لشکروں کو صرف وہی جانتا ہے۔"

تو جن منازل کو سورج چاند طے کرتے ہیں وہ برج ہیں۔ ﴿وَ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ﴾ اور مزین کیا ہم نے آسمان کو دیکھنے والوں کے لیے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ستارے جڑے ہیں رات کو عجیب قسم کا منظر ہوتا ہے ﴿وَ حَفِظْنٰهَا﴾ اور ہم نے حفاظت کی اس آسمان کی ﴿مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ﴾ ہر ایسے شیطان سے جو مردود ہے ﴿اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ﴾ مگر وہ جس نے چرا لیا سنا ہوا کلمہ۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے احکام لے کر نیچے اترتے ہیں اور آپس میں باتیں کرتے ہیں کہ فلاں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے انگلیاں کھڑی کیں اور فرمایا کہ فرشتے ایسے لائن میں کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ شیطان جنات ان کی باتیں سننے کے لیے جاتے ہیں، کوئی مرجاتا ہے، کوئی زخمی ہو جاتا ہے کیوں کہ ان پر ستارے شعلے پھینکے جاتے ہیں مگر یہ اپنی مہم کو چھوڑتے نہیں ہیں۔ جیسے: کوہ پیما لوگ ہیں پہاڑوں پر چڑھنے والے مرتے بھی ہیں، گرتے بھی ہیں، تکالیف برداشت کرتے ہیں مگر اپنی مہم کو نہیں چھوڑتے۔ اسی طرح شیطان جنات کی لائن لگی ہوتی ہے یہ فرشتوں کی باتیں سنتے ہیں اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ وہ صحیح بات جو فرشتوں کی سنی ہوئی ہے لا کر کاہن کو جو فال نکالتا ہے، دیتے ہیں اس کے کان میں ڈالتے ہیں وہ اس ایک سچی بات کے ساتھ سو جھوٹ ملا کے چلا دیتا ہے۔ یہ بخاری شریف کی روایت کا خلاصہ ہے۔

جس نے فال کی تصدیق کی وہ کافر ہے

اور یہ بھی حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص کسی فال نکالنے والے کے پاس گیا اور اس کی تصدیق کی تو فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ "پس تحقیق اس نے انکار کیا اس چیز کا جو اُتاری گئی ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔" ایسا شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا منکر اور کافر ہے۔ اور جو محض دل لگی کے لیے جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے متعلق بتلائیں جی کیا ہے؟ فرمایا ایسا دل لگی

کے طور پر فال نکالنے والے سے سوال کرنے والا جو شخص ہے اس کی چالیس دن اور چالیس راتوں کی نمازوں کا اجر ضائع ہو جائے گا۔ مگر لوگوں کی عقلیں ماری ہوئی ہیں ان چیزوں کو کچھ نہیں سمجھتے۔

عورتیں آتی ہیں کہ بتاؤ ہمیں کیا ہوا ہے؟ ہمارا حساب لگاؤ، کوئی حساب دیکھو۔ ہم ان کو کہتے ہیں کہ غیب صرف رب تعالیٰ جانتا ہے اور حکیم اور ڈاکٹر میں نہیں ہوں یہ ڈاکٹروں اور حکیموں سے پوچھو تمہیں کیا ہوا ہے؟ اور کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس میں یہ باتیں لکھی ہوئی ہوں کہ فلاں کو کیا ہوا ہے اور فلاں کو کیا ہوا ہے۔ مگر ان بناوٹی عاملوں نے ان کے ذہن بگاڑے ہوئے ہیں بس ہر ایک کو کہہ دیتے ہیں کہ تجھ پر وار ہوا ہے، تجھ پر کسی نے وار کیا ہے، کسی کے شلوار سونگھتے ہیں کسی کا کرتا سونگھتے ہیں یہ تمام خرافات ہیں۔ باقی اللہ تعالیٰ کے کلام میں اثر ہے، پڑھ کر دم کرو شفاء ہو گی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے نہ ہوئی تو رب تعالیٰ کا کام ہے بندے کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ جیسے دوا کے ساتھ شفا ہو بھی جاتی ہے نہیں بھی ہوتی۔ شفاء تو رب تعالیٰ نے دینی ہے۔ سنت سمجھ کر علاج کراؤ اس سے زیادہ ذہن کو نہ بگاڑو۔ اکثریت لوگوں کی ایسی ہے کہ خدا پناہ! ان کی باتیں سن کر حیرانگی ہوتی ہے۔

ایک زمانے میں کینٹ سے ایک میجر صاحب آئے اور کہنے لگے مجھ پر کسی نے جادو کیا ہوا ہے۔ میں نے کہا تمہیں کیا محسوس ہوتا ہے؟ کہنے لگا میرے پاخانہ سے بدبو آتی ہے۔ میں نے کہا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ، پاخانہ زعفران اور کستوری تو نہیں ہوتا۔ یاد رکھنا! جنات کا وجود ہے بعض دفعہ شرارت بھی کرتے ہیں، تکلیف بھی دیتے ہیں مگر ہر آدمی کو جن چمٹا ہوا ہے، یہ بالکل خرافات ہیں۔ اسی طرح جادو کا بھی اثر ہے مگر ہر آدمی پر جادو کیا ہوا ہے یہ بالکل غلط بات ہے۔ اکثر طبعی بیماریاں ہوتی ہیں کوئی سو میں سے ایک دو ایسے ہوں گے کہ جن پر آسیب یا جادو کا اثر ہو۔ ہر چیز کی کڑی جن جادو کے ساتھ ملانا صحیح نہیں ہے اور نہ ہی مسلمان کو اتنا کچا عقیدہ رکھنا چاہیے۔ مسلمان کا عقیدہ پتھر اور لوہے کی طرح مضبوط ہونا چاہیے۔

تو جنات فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے جاتے ہیں ﴿فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِیْنٌ﴾ پس اس کے پیچھے لگتا ہے ستارہ روشن۔ اس کے پیچھے ایسا شعلہ بڑھتا ہے جو روشن ہوتا ہے، نظر آتا ہے ﴿وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا﴾ اور زمین کو پھیلایا ہم نے ﴿وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ﴾ اور ڈال دیے ہم نے زمین میں مضبوط پہاڑ۔ رَوَاسِیَ رَاسِیَةٌ کی جمع ہے۔ ﴿وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ﴾ اور ہم نے اگایا زمین میں ہر شے کو ایک اندازے سے۔ ہمارے علم کے مطابق جس علاقے میں جتنی چیز پیدا کرنی ہے اتنی پیدا کر دیتے ہیں ﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ﴾ مَعِیْشَةٌ کی جمع ہے بمعنی روزی، خوراک۔ اور بنائیں ہم نے تمہارے لیے زمین میں روزیاں۔ یہ سب خالق کا کام ہے ﴿وَمَنْ﴾ اور ان کے لیے بھی روزی پیدا کی ہے ﴿لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ﴾ جن کو تم روزی نہیں دے سکتے۔ چرند، پرند، درند ہیں رب تعالیٰ ہی سب کو روزی دیتا ہے۔

لفظ رب کا معنیٰ سمجھنا شرک سے بچاؤ کا ذریعہ

اگر کوئی شخص صحیح معنیٰ میں رب کا معنیٰ ہی سمجھ لے تو شرک کے قریب نہیں جائے گا۔ رب تربیت سے ہے پالنے والا،

تربیت کرنے والا۔ تو پالنے کے لیے ہوا کی ضرورت ہے، پانی کی ضرورت ہے، خوراک کی ضرورت ہے، یہ تمام چیزیں رب تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ جو چیز بھی مخلوق کی تربیت کے لیے تھی وہ سب رب تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے پاس کیا ہے کہ اس کو رب مانا جائے؟ کیا کوئی ہوا کا خالق ہے، پانی کا خالق ہے، روزی کا خالق ہے؟ کوئی صحت دے سکتا ہے، یہ تمام کام پروردگار کے ہیں مگر ہم نے لفظ رب اور الٰہ کا مفہوم ہی نہیں سمجھا۔

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ﴾ اور نہیں ہے کوئی چیز مگر ہمارے پاس ہیں اس کے خزانے۔ مسلم شریف میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور دوسری کتابوں میں بھی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَ اٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ وَرُطَبَكُمْ وَيَابِسَكُمْ "اگر تم اوّل سے لے کر آخر تک، کیا انسان اور کیا جنات، کیا تری کے رہنے والے اور کیا خشکی کے رہنے والے یہ سب کے سب ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور مجھ سے مانگیں جو مانگنا چاہتے ہیں اور میں سب کی منہ مانگی مرادیں پوری کر دوں تو میرے خزانے میں اتنی کمی بھی نہیں آئے گی جتنی تم سوئی سمندر میں ڈبو کے نکالو تو اس سے جتنا پانی کم ہوا ہے۔ ساری کائنات کی مرادیں پوری کر دوں میرے خزانوں میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔"

﴿وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ اور نہیں اُتارتے ہم اس کو مگر ایک معلوم اندازے پر جو ہماری حکمت اور مصلحت کے مطابق ہے۔ اکبر الٰہ آبادی بڑے طنز یہ نگار شاعر تھے۔ ان کی کلیات پڑھو کلیات اکبر الٰہ آبادی میں انھوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں ؂

اسی سے مانگ جو کچھ مانگنا ہے اے اکبرؔ
یہی وہ در ہے کہ ذلت نہیں سوال کے بعد

نسائی شریف میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ﴿مَنْ لَّمْ يَسْئَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ﴾ جو رب سے نہیں مانگتا رب اس پر ناراض ہوتا ہے۔ دوسرا ایک شاعر کہتا ہے ؂

دینا ہے اپنے ہاتھ سے اے بے نیاز دے
کیا مانگتا پھرے تیرا سائل جگہ جگہ

دینے والا تو ہی ہے داتا تو ہی ہے، تو ہی دے۔ دیکھو! ہمارے گھروں میں بچیاں بچے ہیں، عورتیں ہیں۔ گھر کا جو فرد ہے گھر کے افراد ضرورت اس سے مانگتے ہیں اگر کسی کا بچہ محلے میں جا کر کسی سے کہے کہ مجھے کتاب دے دو، مجھے جوتا لا کر دو، مجھے فلاں چیز لا کر دو تو کوئی غیرت مند گوارا نہیں کرے گا اور اگر کسی کی بیوی جا کر کہے کہ مجھے جوتا لا دو، کنگھی لا دو، سرمہ سلائی لا دو، کوئی غیرت مند گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ بھئی! ہماری بیوی، ہمارے بچے کسی اور سے مانگیں تو ہمیں غصہ آتا ہے تو رب تعالیٰ کی مخلوق ہو کر اس کی محتاج ہو کر کسی اور سے مانگے تو اسے غصہ کیوں نہیں آئے گا۔

تو فرمایا جو رب تعالیٰ سے نہیں مانگتا رب تعالیٰ اس پر سخت ناراض ہے۔ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ ہم تیری ہی

عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مانگتے ہیں۔ وہی مُسْتَعَانُ ہے۔ ﴿وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ﴾ اور ہم نے بھیجیں اور چلائیں ہوائیں ﴿لَوَاقِحَ﴾ جو بادلوں کو پُر کرتی ہیں۔ پہلے بادل ہلکے ہوتے ہیں ہواؤں کی وجہ سے اکٹھے ہوتے ہیں ان میں برودت پیدا ہوتی ہے پھر بارش ہوتی ہے ﴿فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ پس اُتارا ہم نے آسمان کی طرف سے پانی ﴿فَاَسْقَیْنٰکُمُوْهُ﴾ پس ہم نے وہ پانی تم کو پلایا۔ آج بھی بہت سارے علاقے ایسے ہیں کہ وہاں زمین میں پانی نہیں ہے اور نہریں اور چشمے بھی نہیں ہیں وہاں کے لوگوں کا گزران بارش کے پانی پر ہے وہی ان کے جانور بھی پیتے ہیں۔ ﴿وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ﴾ اور نہیں ہو تم اس کو جمع کرنے والے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین ایسی بنائی ہے کہ جو اس کو فوراً جذب نہیں کرتی اور ہوائیں اتنی نہیں چلائیں کہ وہ پانی کو اُڑا کر لے جائیں، سورج کی تپش سے وہ پانی ختم نہیں ہوتا۔ یہ سب حالات رب نے پیدا کیے ہیں تاکہ تمھاری ضرورت کے لیے پانی جمع رہے۔

اور سن لو! ﴿وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ﴾ اور بے شک ہم البتہ پیدا کرنے والے اور مارنے والے ہیں۔ پیدا کرنا بھی ہمارا کام ہے اور مارنا بھی ہمارا کام ہے ﴿وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ﴾ اور ہم ہی وارث ہیں سب کے۔ آج تو ہم دعوے کرتے ہیں کہ ہماری حکومت، ہماری سلطنت، ہمارا مکان، ہماری جائیداد، حالاں کہ حقیقتاً ہمارا کچھ بھی نہیں ہے سب کچھ رب تعالیٰ کا ہے۔ ﴿وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [آل عمران: ۱۸۰] "اور اللہ ہی کے لیے وراثت ہے آسمانوں کی اور زمین کی۔" تم دنیا سے خالی ہاتھ جاؤ گے۔ خوش قسمت ہوگا جس کو کفن نصیب ہوگا ایسے لوگ بھی ہیں جن کو کفن تک نصیب نہیں ہوتا۔

اگلے پچھلے سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں

﴿وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْكُمْ﴾ اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں ان لوگوں کو جو تم سے پہلے گزرے ہیں ﴿وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم ان کو جانتے ہیں جو بعد میں آئیں گے۔ آج کے دور سے پہلے جو حضرت آدم علیہ السلام تک ہوئے ہیں وہ بھی رب تعالیٰ کے علم میں ہیں اور جو آج کے بعد قیامت تک ہوں گے وہ بھی رب تعالیٰ کے علم میں ہیں رب تعالیٰ کے علم سے ایک ذرہ بھی خارج نہیں ہے اور نہ ذرّہ برابر اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر ہے سب اسی کے محتاج ہیں اور وہ صمد ہے کسی کا محتاج نہیں ہے۔ تو وہ پہلوں کو بھی جانتا ہے اور پچھلوں کو بھی جانتا ہے۔ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ یَحْشُرُهُمْ﴾ اور بے شک تیرا رب وہ ان کو اکٹھا کرے گا۔ میدانِ محشر میں سب جمع ہوں گے اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی، رتی رتی کا حساب ہوگا۔ ﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ﴾ "پس جس نے ایک ذرہ کے برابر نیکی کا کام کیا ہوگا وہ اس کو دیکھ لے گا ﴿وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ﴾ [سورۃ زلزال: پارہ ۳۰] اور جس نے ایک ذرہ کے برابر برائی کا کام کیا ہوگا اس کو دیکھ لے گا۔" آدمی کو کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔ شاعر کہتا ہے ؎

از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو از جو

"اے بندے! مکافات کے عمل سے غافل نہ ہو گندم سے گندم پیدا ہوتی ہے جو سے جو۔" جو بوئے گا سو کاٹے گا۔ آج ہماری کیفیت یہ ہے کہ ہم بوتے کچھ نہیں اور اُمیدوار ہیں کہ ساری فصلیں کاٹیں ہیں۔ نیکی کوئی بھی نہیں اور اجر و ثواب کے سب دعوے دار ہیں۔ فرمایا ﴿اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ حکمت والا ہے، جاننے والا ہے۔

﴿وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو ﴿مِنْ صَلْصَالٍ﴾ بجنے والی مٹی سے ﴿مِّنْ حَمَاٍ﴾ جو گارے سے لی گئی تھی ﴿مَّسْنُوْنٍ﴾ جو متغیر تھا ﴿وَ الْجَآنَّ﴾ اور جنوں کو ﴿خَلَقْنٰهُ﴾ پیدا کیا ہم نے ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾ آگ کی لو سے ﴿وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ﴾ اور جب فرمایا تیرے رب نے ﴿لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ فرشتوں کو ﴿اِنِّيْ خَالِقٌ﴾ بے شک میں پیدا کرنے والا ہوں ﴿بَشَرًا﴾ انسان کو ﴿مِّنْ صَلْصَالٍ﴾ بجنے والی مٹی سے ﴿مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ جو گارے سے حاصل ہوئی ہے جو متغیر تھا ﴿فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ﴾ پس جب میں اس کو برابر کر دوں ﴿وَ نَفَخْتُ فِيْهِ﴾ اور پھونک دوں اس میں ﴿مِنْ رُّوْحِيْ﴾ اپنی طرف سے روح ﴿فَقَعُوْا لَهٗ﴾ پس گر جانا اس کے سامنے ﴿سٰجِدِيْنَ﴾ سجدہ کرتے ہوئے ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ پس سجدہ کیا فرشتوں نے ﴿كُلُّهُمْ﴾ سب نے ﴿اَجْمَعُوْنَ﴾ اکٹھے ﴿اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ﴾ مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا ﴿اَبٰۤى﴾ انکار کر گیا ﴿اَنْ يَّكُوْنَ﴾ اس سے کہ وہ ہو ﴿مَعَ السّٰجِدِيْنَ﴾ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ﴿قَالَ﴾ فرمایا رب تعالیٰ نے ﴿يٰۤاِبْلِيْسُ﴾ اے ابلیس ﴿مَا لَكَ﴾ تجھے کیا ہوا ﴿اَلَّا تَكُوْنَ﴾ یہ کہ نہ ہوا تو ﴿مَعَ السّٰجِدِيْنَ﴾ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ﴿قَالَ﴾ کہا اس نے ﴿لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ﴾ نہیں تھا میں کہ سجدہ کرتا ﴿لِبَشَرٍ﴾ کسی بشر کو ﴿خَلَقْتَهٗ﴾ جس کو تو نے پیدا کیا ہے ﴿مِنْ صَلْصَالٍ﴾ بجنے والی مٹی سے ﴿مِّنْ حَمَاٍ﴾ جو حاصل ہوئی ہے گارے سے ﴿مَّسْنُوْنٍ﴾ جو متغیر تھا ﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿فَاخْرُجْ مِنْهَا﴾ پس نکل جاؤ یہاں سے ﴿فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ﴾ پس بے شک تو مردود ہے ﴿وَّ اِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ﴾ اور بے شک تجھ پر لعنت ہے ﴿اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ بدلے کے دن تک ﴿قَالَ﴾ ابلیس نے کہا ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب ﴿فَاَنْظِرْنِيْۤ﴾ مجھے مہلت دے دو ﴿اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ اس دن تک جس دن لوگوں کو دوبارہ کھڑا کیا جائے گا ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ﴾ بے شک تو مہلت دیے ہوؤں میں سے ہے ﴿اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ﴾ معلوم دن کے وقت تک۔

اپنی قدرت بتلانے کے لیے اللہ تعالیٰ کا مختلف طریقے اختیار فرمانا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرت بتلانے کے لیے قرآن پاک میں مختلف طریقے اختیار کیے ہیں۔ اس سے پہلے رکوع میں آسمان اور زمین کا ذکر تھا، پہاڑوں کا ذکر تھا پھر زمین میں اسباب معاش رکھنے کا ذکر تھا، بارش کا ذکر تھا۔ اس رکوع میں انسان اور جنات کی تخلیق کا ذکر ہے کہ رب تعالیٰ کی قدرت دیکھو کہ انسان کو کس چیز سے پیدا کیا ہے اور جنات کو کس چیز سے پیدا کیا ہے۔ پھر انسانوں کا کیا کردار ہے اور جنات کا کیا کردار ہے۔

انسان کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ ساری زمین کی سطح سے تھوڑی سی مٹی اُٹھائی۔ پہلے وہ مٹی بکھری ہوئی تھی پھر اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ اس کو گوندھا اور گارا بنایا۔ گارا بننے کے بعد وہ مٹی خشک ہوگئی۔ سورۃ رحمٰن میں آتا ہے ﴿مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾ "بجنے والی مٹی سے جیسا کہ ٹھیکرا ہوتا ہے۔" آگ کے اُوپر پکی ہوئی ٹھیکری کی طرح بجتی تھی۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۵۹ میں ہے ﴿خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ﴾ "آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔ ﴿ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ پھر اس کو کہا ہو جا پس وہ ہو گیا۔" اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو یعنی آدم علیہ السلام کو ﴿مِنْ صَلْصَالٍ﴾ بجنے والی مٹی سے ﴿مِّنْ حَمَاٍ﴾ جو گارے سے حاصل ہوئی تھی ﴿مَّسْنُوْنٍ﴾ جو متغیر تھا۔ سَنَةٌ کے معنی سال کے ہیں۔ ﴿مَّسْنُوْنٍ﴾ کئی سالوں تک گوندھی ہوئی پڑی رہی، خشک ہو کر بجنے لگی اور متغیر ہوگئی۔ ﴿وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ﴾ اور جنوں کو ہم نے پیدا کیا اس سے پہلے۔ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے جنات کی پیدائش ہوئی اور کس چیز سے ہوئی؟ فرمایا ﴿مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾ آگ کی لو سے جو مسامات میں داخل ہو جاتی ہے وہ لو کہ جس میں دھواں نہ ہو۔ تو آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے زمین پر حکمرانی جنات کی تھی۔ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار سال کی زندگی عطا فرمائی۔ آدم علیہ السلام سے ایک ہزار سال بعد نوح علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے۔ یہ دو ہزار سال ﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ [بقرۃ: ۲۱۳] "سب لوگ ایک ہی اُمت یعنی دین پر تھے۔" سارے مسلمان تھے کافر نہیں تھے۔ البتہ نافرمانی شروع ہو چکی تھی آدم علیہ السلام کی زندگی میں ہابیل قابیل کا قصہ چل نکلا تھا مگر کافر مشرک کوئی نہیں تھا۔

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ اور جب فرمایا تیرے رب نے فرشتوں کو ﴿اِنِّیْ خَالِقٌۢ﴾ بے شک میں پیدا کرنے والا ہوں ﴿بَشَرًا﴾ انسان کو ﴿مِّنْ صَلْصَالٍ﴾ بجنے والی مٹی سے ﴿مِّنْ حَمَاٍ﴾ جو گارے سے حاصل ہوئی ہے ﴿مَّسْنُوْنٍ﴾ جس پر کئی سال گزر گئے ہوں گے۔ وہ گارا گوندھا رہے گا پھر وہ خشک ہوگا پھر اس سے آدم علیہ السلام کا وجود بنے گا۔ اے فرشتو! ﴿فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ﴾ پس جب میں اس کو برابر کر دوں، درست کر دوں، انسانی شکل بنا لوں ﴿وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ﴾ اور پھونک دوں اس میں اپنی طرف سے روح تو تمہارا فریضہ ہوگا ﴿فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ﴾ پس گر جانا اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے۔

یہ حکم اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو دیا تھا ابلیس کو بھی رب کا حکم تھا جس کا ذکر سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۲ میں ہے ﴿مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ﴾ "فرمایا اللہ تعالیٰ نے کس چیز نے روکا تجھ کو کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔" تو جس طرح سجدے کا حکم فرشتوں کو تھا اسی طرح ابلیس کو بھی تھا فرشتوں نے کوئی منطق نہیں لڑائی بغیر قیل وقال کے سجدے میں گر گئے۔ اسی کا ذکر ہے ﴿فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ﴾ پس سجدہ کیا سب فرشتوں نے اکٹھے۔ جس طرح ہم جماعت کی نماز میں رکوع سجود اکٹھے کرتے ہیں۔ ﴿كُلُّهُمْ﴾ کا لفظ بتلا رہا ہے کہ فرشتوں میں سے کوئی سجدے سے پیچھے نہیں رہا اور ﴿أَجْمَعُونَ﴾ کا لفظ یہ بتا رہا ہے کہ سب نے اکٹھا کیا ﴿إِلَّا إِبْلِيسَ﴾ مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا ﴿أَبَىٰ﴾ انکار کر گیا ﴿أَن يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ﴾ اس سے کہ وہ ہو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ۔ کیوں نہیں ہوا؟ ﴿قَالَ﴾ فرمایا رب تعالیٰ نے ﴿يَا إِبْلِيسُ مَا لَكَ﴾ اے ابلیس! تجھے کیا ہوا ﴿أَلَّا تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ﴾ یہ کہ نہ ہوا تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ، سجدہ کیوں نہیں کیا؟ ابلیس کا جواب سنو! ﴿قَالَ﴾ کہا ابلیس نے لَمْ أَكُن لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ﴾ نہیں تھا میں کہ سجدہ کرتا کسی بشر کو۔

بشر کو سب سے پہلے ابلیس نے حقیر سمجھا:

سب سے پہلے بشر کو حقیر ابلیس نے سمجھا کہ میں بشر کو سجدہ کروں ﴿خَلَقْتَهُ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ﴾ جس کو تو نے پیدا کیا بجنے والی مٹی سے جو حاصل ہوئی گارے سے جس پر کئی سال گزرے۔ تو سب سے پہلے بشر کی تحقیر ابلیس نے کی اور عزت کی ہے فرشتوں نے، فرشتے نور سے پیدا ہوئے ہیں اور نور کا درجہ نار سے چار گنا زیادہ ہے۔ فرشتے کہہ سکتے تھے پروردگار! ہم نوری ہیں اور یہ خاکی ہے ہم نوری خاکی کو سجدہ کیوں کریں؟ مگر انھوں نے بغیر قیل وقال کے سجدہ کیا ابلیس اکڑ گیا اور کہا ﴿أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾ "میں بہتر ہوں اس سے ﴿خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ﴾ پیدا کیا تو نے مجھ کو آگ سے ﴿وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ﴾ [ص:۷۶] اور پیدا کیا اس کو مٹی سے۔" آگ میں روشنی ہے بلندی ہے اور خاک پاؤں کے نیچے کچلی اور روندی جاتی ہے میں اعلیٰ ہو کر ادنیٰ کو سجدہ کیوں کروں؟ اکڑ گیا۔ اور پندرہویں (۱۵) پارہ میں ہے ابلیس نے کہا ﴿أَرَأَيْتَكَ هَٰذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ﴾ "کیا بھلا بتلائیں یہ شخص ہے جس کو آپ نے بزرگی بخشی ہے مجھ پر۔" رب کو کہہ رہا ہے، رب تعالیٰ سے تکرار کر رہا ہے۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی شریف تصوف کی بڑی کتاب ہے جس میں توحید بھی ہے، رسالت بھی ہے، قیامت کا ذکر بھی ہے۔ سمجھانے کا ان کا بڑا عجیب طریقہ ہے۔ پہلے زمانے میں اس کو مرد بھی پڑھتے تھے، عورتیں بھی پڑھتی تھیں۔ آج تو ناولوں، ٹی وی، وی سی آر وغیرہ نے لوگوں کے ذہن بگاڑ دیئے ہیں۔ ان مغربی قوتوں کا اللہ تعالیٰ ناس کرے انھوں نے مسلمانوں کو مسلمان نہیں رہنے دیا مخنثی مشکل بنا کر چھوڑ دیا ہے۔

تو مولانا مثنوی شریف میں سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اور ایاز کا واقعہ ذکر کر کے ابلیس کی بے عقلی کو بیان کرتے ہیں۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب ہندوستان کو فتح کیا سومنات جو ہندوؤں کا بہت بڑا مندر تھا اس میں بڑے بڑے ہیرے اور

موتی تھے اور بہت کچھ تھا وہ سب کچھ ساتھ لے گئے۔ ایک سپاہی کا لڑکا تھا جس کا نام ایاز تھا یہ بڑا سمجھ دار لڑکا تھا۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اس بچے کو اپنے پاس بٹھاتے تھے کسی برے ارادے سے نہیں محض اس لیے کہ یہ دانا لڑکا ہے حکومت کے نظم و نسق کو سمجھ لے آئندہ چل کر قوم کے لیے مفید ثابت ہو۔ وزیروں مشیروں کو یہ بات ناگوار تھی کہ سلطان چھوٹے سے بچے کو ساتھ بٹھاتا ہے۔ کہا بھی کہ حضرت! یہ بچہ آپ کے پاس بیٹھتا ہے اچھی بات نہیں ہے۔ فرمایا الحمد للہ! نیت اور دل میرا پاک ہے میں بُرا نہیں ہوں۔ یہ بچہ چونکہ سمجھ دار ہے، ذہین ہے اس لیے میں اس کو پاس بٹھاتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چھوٹے چھوٹے بچے ملتے تھے سردی کے موسم میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے رخساروں پر ہاتھ پھیرتے تھے پیار سے، محبت سے۔ چھوٹے چھوٹے بچے آتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے رخساروں پر ہاتھ پھیرتے تھے۔

تو کہا کہ یہ لڑکا بڑا سمجھ دار ہے اس لیے میں اس کو اپنے پاس بٹھاتا ہوں لیکن وزیروں، مشیروں کو یہ بات سمجھ نہ آئی۔ ایک دن سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملازم سے کہا کہ ایک چوڑا سا پتھر سل نما اور ہتھوڑا ابھی لا کر رکھ دینا اس نے حکم کی تعمیل کی دونوں چیزیں لا کر رکھ دیں۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بڑا قیمتی ہیرا نکال کر ایک وزیر کو دیا کہ اس کو پتھر پر رکھ کر توڑ دے۔ اس نے کہا بڑا قیمتی ہے میں کیسے توڑ سکتا ہوں، دوسرے کو دیا، تیسرے کو دیا، چوتھے کو، پانچویں کو کہا، مشیروں کو کہا کسی نے نہ توڑا پھر ایاز کو دیا اور کہا کہ اس کو توڑ دے۔ اس نے پتھر پر رکھا ہتھوڑا مارا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بادشاہ نے پوچھا اتنا قیمتی ہیرا کیوں توڑ دیا ہے؟ ایاز نے کہا کہ میرے آقا بے شک یہ ہیرا قیمتی تھا مگر میرے آقا کا حکم اس سے زیادہ قیمتی تھا۔ مولانا روم یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ کاش! ابلیس کو ایاز والی بات سمجھ آ جاتی کہ فرض کرو کہ تیری شان آدم سے زیادہ تھی مگر یہ تو دیکھتا کہ حکم کون دے رہا ہے۔ ابلیس رب تعالیٰ کے حکم کو نہیں سمجھا اور کہا کہ میں نہیں ہوں کہ سجدہ کروں انسان کے سامنے جس کو تو نے پیدا کیا بجنے والی مٹی سے جو گارے سے حاصل ہوئی ہے مسنون جو متغیر ہے۔

قَالَ رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَاخْرُجْ مِنْهَا﴾ پس نکل جاؤ یہاں سے۔ اس سے پہلے ابلیس فرشتوں کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا تھا، عبادت کرتا تھا اور فرشتے سمجھتے تھے کہ یہ ہم سے بھی زیادہ نیک ہے۔ کیوں نکلو؟ ﴿فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ﴾ پس بے شک تو مردود ہے تجھے رد کر دیا ہے ﴿وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ اور بے شک تیرے اُوپر لعنت ہے بدلے کے دن تک۔ دین کا معنی حساب، بدلہ، جزا۔ قیامت کے دن نیکیوں اور برائیوں کا بدلہ ملے گا اس دن تک تجھ پر لعنت برستی رہے گی ﴿قَالَ﴾ ابلیس نے کہا ﴿رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ اے میرے رب! مجھے مہلت دے اس دن تک جس دن لوگوں کو دوبارہ کھڑا کیا جائے گا۔

ہر شے فانی ہے :

ابلیس کا مقصد یہ تھا کہ مجھ پر موت نہ آئے، موت کا پیالہ ٹل جائے اور جس دن دوبارہ کھڑا کیا جائے گا میں اس وقت

تک زندہ رہوں حالانکہ موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں ہے ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ﴾ [آل عمران: ۱۸۵] "ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔" کوئی جاندار چیز ایسی نہیں ہے جس پر موت نہ آئے فرشتوں پر بھی فنا آئے گی یہاں تک کہ جان نکالنے والے فرشتے پر بھی موت آئے گی۔ ﴿كُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ۚۖ وَّ یَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۚ﴾ [سورۃ رحمٰن] "جو کوئی بھی ہے زمین پر فنا ہونے والا ہے اور باقی رہے گی تیرے پروردگار کی ذات جو بزرگی اور عظمت والا ہے۔" تو اللہ تعالیٰ نے اس کی ادھوری دعا قبول فرمائی۔ فرمایا تجھے مہلت ہے مگر نفخۂ اُولیٰ تک۔ نفخہ اولیٰ اور ثانیہ میں بخاری شریف کی روایت کے مطابق چالیس سال کا وقفہ ہوگا۔

پہلے اسرافیل علیہ السلام بگل پھونکیں گے سب جان دار چیزیں فنا ہو جائیں گی پھر خود حضرت اسرافیل علیہ السلام بھی ختم ہو جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کو دوبارہ زندہ کریں گے پھر وہ بگل پھونکیں گے ساری کائنات زمین سے نکل آئے گی پھر میدان محشر میں اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیشی ہوگی ذرّے ذرّے کا حساب ہوگا ﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ؕ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ۠﴾ [سورۃ زلزال] "پس جس کسی نے ایک ذرّے کے برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس کسی نے ایک ذرے کے برابر بھی برائی کا کام کیا ہوگا وہ اسے دیکھ لے گا۔" ہر ایک کا نامۂ اعمال اس کے سامنے ہوگا۔

آج ہمارا حافظہ کمزور ہو گیا ہے ہمیں بعض باتیں یاد نہیں رہتی۔ اس وقت حافظہ قوی کر دیا جائے گا ہر نیکی بدی یاد ہوگی اور آج تو کئی لوگ پڑھ نہیں سکتے وہاں ہر آدمی اپنا نامہ اعمال خود پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے پڑھ! جب آدمی دو چار صفحے پڑھ لے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے بتلا میرے لکھنے والے فرشتوں نے تجھ پر ظلم تو نہیں کیا؟ کہے گا نہیں! اور پڑھو پھر پڑھے گا۔ پھر پوچھا جائے گا تجھ پر کوئی زیادتی تو نہیں ہوئی؟ کہے گا نہیں! اور پڑھو! خود پڑھتا جائے گا ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا﴾ [بنی اسرائیل: ۱۴] "پڑھ اپنی کتاب کافی ہے تیرا نفس آج کے دن تجھ پر محاسبہ کرنے والا۔"

پھر حیرت اور تعجب کے طور پر کہے گا ﴿مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّ لَا كَبِیْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا﴾ [کہف: ۴۹] "کیا ہے اس کتاب کو کہ نہیں چھوڑتی کسی چھوٹی چیز کو اور نہ بڑی چیز کو مگر اس نے سنبھال رکھا ہے۔" سب اس میں درج ہیں۔ آنکھ کے اشارے، ہاتھ کے اشارے تک۔

قَالَ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ﴾ بے شک تو مہلت دیئے ہوؤں میں سے ہے ﴿اِلٰى یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ﴾ معلوم دن کے وقت تک۔ یعنی نفخہ اولیٰ تک تجھے مہلت ہے نفخہ ثانیہ تک نہیں۔ موت تو نے بھی چکھنی ہے۔

﴿قَالَ﴾ کہا شیطان نے ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب ﴿بِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ﴾ اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے ﴿لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ﴾ البتہ میں ضرور مزین کروں گا ان کے لیے ﴿فِی الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿وَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ﴾ اور البتہ میں ضرور ان کو بہکاؤں گا ﴿اَجْمَعِیْنَ﴾ سب کو ﴿اِلَّا عِبَادَكَ﴾ مگر تیرے بندے ﴿مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ﴾

ان میں سے جو چنے ہوئے ہیں ﴿ قَالَ ﴾ فرمایا رب تعالیٰ نے ﴿ هٰذَا صِرَاطٌ ﴾ یہ راستہ ہے ﴿ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴾ سیدھا مجھ تک پہنچتا ہے ﴿ اِنَّ عِبَادِيْ ﴾ بے شک میرے بندے ﴿ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ﴾ نہیں ہوگا تیرے لیے ان پر کوئی غلبہ ﴿ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ ﴾ مگر وہ جس نے پیروی کی تیری ﴿ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴾ گمراہوں میں سے ﴿ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ ﴾ اور بے شک جہنم البتہ ان کے وعدے کی جگہ ہے ﴿ اَجْمَعِيْنَ ﴾ سب کی ﴿ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ﴾ اس جہنم کے سات دروازے ہیں ﴿ لِكُلِّ بَابٍ ﴾ ہر دروازے کے لیے ﴿ مِّنْهُمْ ﴾ ان میں سے ﴿ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴾ ایک حصہ ہوگا تقسیم کیا ہوا ﴿ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ بے شک پرہیزگار ﴿ فِيْ جَنّٰتٍ ﴾ باغوں میں ہوں گے ﴿ وَّ عُيُوْنٍ ﴾ اور چشموں میں ﴿ اُدْخُلُوْهَا ﴾ داخل ہو جاؤ اس کے اندر ﴿ بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴾ سلامتی کے ساتھ امن میں ﴿ وَ نَزَعْنَا ﴾ اور ہم نکالیں گے ﴿ مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ ﴾ جو ان کے سینوں میں ہوگا ﴿ مِّنْ غِلٍّ ﴾ کچھ کھوٹ ﴿ اِخْوَانًا ﴾ بھائی بھائی ہوں گے ﴿ عَلٰى سُرُرٍ ﴾ تختوں پر ﴿ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴾ آمنے سامنے ﴿ لَا يَمَسُّهُمْ ﴾ نہ پہنچے گی ان کو ﴿ فِيْهَا ﴾ ان بہشتوں میں ﴿ نَصَبٌ ﴾ کوئی تھکاوٹ ﴿ وَّ مَا هُمْ مِّنْهَا ﴾ اور نہیں ہوں گے وہ اس سے ﴿ بِمُخْرَجِيْنَ ﴾ نکالے گئے ﴿ نَبِّئْ عِبَادِيْۤ ﴾ خبر دے دیں آپ میرے بندوں کو ﴿ اَنِّيْۤ ﴾ بے شک میں ﴿ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ میں بخشنے والا ہوں، مہربان ہوں ﴿ وَ اَنَّ عَذَابِيْ ﴾ اور بے شک میرا عذاب ﴿ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴾ وہ عذاب ہے دردناک۔

پچھلے درس میں تم نے پڑھا کہ ابلیس لعین نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں ناری ہو کر خاکی کو سجدہ کیوں کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو مردود ہے قیامت تک تجھ پر لعنت برستی رہے گی۔ پھر اس نے کہا کہ مجھے اس دن تک مہلت دے دو جس دن لوگوں کو دوبارہ اُٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھے اس وقت تک تو مہلت نہیں مل سکتی ہاں! جس وقت دنیا فنا ہوگی اس وقت تک تجھے مہلت ہے۔ جب ابلیس کو نفحہ اولیٰ تک مہلت مل گئی تو ﴿ قَالَ ﴾ ابلیس نے کہا ﴿ رَبِّ ﴾ اے میرے رب! ﴿ بِمَاۤ اَغْوَيْتَنِيْ ﴾ اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے۔

غلطی کو غلطی نہ سمجھنا شیطان کا کام ہے :

اندازہ لگاؤ اپنا قصور ماننے کے لیے تیار نہیں ہے حالانکہ رب تعالیٰ نے تو اس کی گمراہی کے بعد فیصلہ کیا کہ تو چوں کہ نافرمان ہے اس لیے مردود ہے لیکن یہ اُلٹا اللہ تعالیٰ کے ذمہ لگا رہا ہے۔ زمین میں اب یہی کام شیطانوں کا ہے کہ رب تعالیٰ کی نافرمانیاں بھی کرتے ہیں اور اپنا قصور بھی نہیں مانتے۔ یاد رکھنا! صحیح معنیٰ میں انسان وہی ہے جو اپنا قصور مان لے۔ نہ ماننے والا

انسان نہیں کہلاسکتا نرا شیطان ہے۔ دیکھو! رب تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فرمایا کہ میں نے تمھیں منع کیا تھا کہ اس درخت کے قریب نہیں جانا تم نے کیوں کھایا ہے؟ آدم علیہ السلام اگر یہاں شیطان کی منطق چلانا چاہتے تو بڑی گنجائش تھی کہ اے پروردگار! شیطان سے پوچھیں اس نے کیوں جھوٹی قسمیں اٹھائیں؟ اس نے ہمیں کیوں ورغلایا، اس نے ہمیں کیوں دھوکا دیا؟ بڑی باتیں تھیں مگر انھوں نے غیر مشروط طور پر کہا ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۚ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [اعراف: ۲۳] "اے ہمارے رب ہم نے زیادتی کی ہے اپنی جانوں پر اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔"

تو غلطی کا اقرار کرنا انسانوں کا کام ہے اور غلطی پر اکڑ جانا شیطان کا کام ہے۔ تو شیطان نے کہا اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے ﴿لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ﴾ البتہ میں ضرور مزین کروں گا ان کے لیے گناہوں کو ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿وَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ﴾ اور البتہ ضرور میں ان کو بہکاؤں گا ﴿اَجْمَعِيْنَ﴾ سب کو۔ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں ان کو گمراہ کروں گا۔ ہاں! ﴿اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ مگر تیرے بندے جو ان میں سے چنے ہوئے ہیں ان پر میرا داؤ نہیں چلے گا وہ میرے قابو میں نہیں آئیں گے ﴿قَالَ﴾ رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ﴾ یہ راستہ ہے سیدھا مجھ تک پہنچتا ہے۔ وہ کون سا راستہ ہے؟ فرمایا ﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾ بے شک میرے بندے نہیں ہوگا تیرے لیے ان پر کوئی غلبہ۔ میرے بندوں پر تیرا کوئی داؤ نہیں چلے گا۔

شیطان صرف برائیاں مزین کر کے دکھاتا ہے

رب تعالیٰ فرماتے ہیں شیطان کسی پر زبردستی تو نہیں کر سکتا ﴿اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ﴾ مگر وہ جو اپنی مرضی سے تیری پیروی کرے ﴿مِنَ الْغٰوِيْنَ﴾ گمراہوں میں سے۔ شیطان زبردستی نہیں کر سکتا جیسے حکومت لوگوں پر جبر کرتی ہے، تشدد کرتی ہے، ایسے تشدد کا شیطان کو کوئی حق اور اختیار حاصل نہیں ہے وہ صرف گناہوں کو مزین کر کے دکھا سکتا ہے۔ مثلاً: کہے گا چلو چوری کرو بڑی جلدی تمھارے پاس پیسے آئیں گے مزے اُڑاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ اور بے شک جہنم ان کے وعدے کی جگہ ہے سب کی۔ ان سب کا ٹھکانا دوزخ ہے تم بھی جاؤ گے اور وہ بھی جائیں گے۔

شیطان ناری ہے اس کو آگ کی سزا کس طرح ہوگی؟

بعض ملحد قسم کے لوگ یہ ڈھکوسلا پیش کرتے ہیں کہ شیطان جنات آگ سے پیدا ہوئے ہیں تو آگ کو آگ میں کیا سزا ہوگی، ناری کو نار میں کیا سزا ہوگی؟ لیکن ان نادانوں نے یہ نہ سمجھا کہ جن اور ابلیس دنیا کی آگ سے پیدا ہوئے ہیں اور سزا جہنم کی آگ میں ہوگی جو اس آگ سے انہتر گنا تیز ہوگی۔ اب تم خود اندازہ لگاؤ کہ جو آگ اس آگ سے انہتر گنا تیز ہے اس میں تکلیف ہوگی یا نہیں ہوگی۔

حدیث میں آتا ہے کہ جہنم کے بعض طبقات نے پروردگار سے شکایت کی کہ اے پروردگار! مجھے یہ طبقہ کھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دو سانس لینے کی اجازت دی تو فرمایا یہ سخت ترین گرمی اور سردی ان سانسوں کا نتیجہ ہے۔ یہ اس کی بھاپ ہے اصل گرمی اور اصل سردی کا اندازہ تم خود لگالو۔ اگر کسی ملحد کو یہ بات سمجھ نہیں آسکتی تو وہ اتنی بات تو سمجھ لے گا کہ وہاں ایک طبقہ زمہریر کا بھی ہے۔ تو ان ناریوں کو اس ٹھنڈے طبقے میں پھینکا جائے گا عذاب سے کوئی چھٹکارا نہیں ہے۔

تو فرمایا ان کے وعدے کی جگہ جہنم ہے ﴿لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ﴾ اس جہنم کے سات دروازے ہیں۔ جہنم اُوپر سے نیچے ہے۔ تفسیروں میں آتا ہے کہ اُوپر والا طبقہ گنہگار مسلمانوں کے لیے ہے جن کا عقیدہ تو صحیح ہوگا مگر گنہگار ہوں گے تو گناہوں کی وجہ سے ان کو دوزخ میں گرایا جائے گا پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ سب کے سب نکل جائیں گے وہ ساتواں طبقہ خالی ہو جائے گا۔ اس سے نیچے والے طبقے میں عیسائی ہوں گے، اس سے نیچے والے طبقے میں یہودی ہوں گے، اس سے نیچے والے طبقے میں صابئین ہوں گے، اس سے نیچے والے طبقے میں مجوسی ہوں گے، اس سے نیچے والے طبقے میں مشرکین ہوں گے اور سب سے نیچے والے طبقے میں منافقین ہوں گے ﴿إِنَّ الْمُنٰفِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ [النساء: ۱۴۵] "بے شک منافق لوگ دوزخ کے سب سے نیچے والے طبقے میں ہوں گے۔" ان کی سزا سب سے زیادہ ہوگی کیوں کہ وہ اندر سے کچھ تھے اور باہر سے کچھ تھے۔

تو جہنم کے سات دروازے ہوں گے اور وضع قطع ایسی ہوگی کہ جنتی دوزخیوں کو سڑتے ہوئے دیکھیں گے، واویلا کرتے ہوئے دیکھیں گے اور ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو بھی کریں گے۔ آٹھویں پارے میں آتا ہے دوزخی جنتیوں کو کھاتے پیتے دیکھیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھا پی رہے ہیں تو کہیں گے ﴿أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ "بہا دو ہمارے اوپر تھوڑا سا پانی یا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمھیں روزی دی ہے۔" جنتی جواب دیں گے ﴿قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِينَ﴾ [الاعراف: ۵۰] "بے شک اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو حرام کر دیا کافروں پر۔" ہم نہیں دے سکتے۔ پھر ایک دوسرے کو لعن طعن کریں گے کہ اگر ہم تمھاری نہ مانتے تو یہاں نہ ہوتے۔ یہ واقعات رب تعالیٰ نے دنیا میں بتلا دیئے ہیں تاکہ تم آخرت میں یہ نہ کہو کہ ہمیں کوئی خبر نہ تھی۔

تو اس دوزخ کے سات دروازے ہیں ﴿لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ﴾ ہر دروازے کے لیے ان میں سے حصہ ہوگا تقسیم شدہ۔ کسی میں یہودی، کسی میں عیسائی، کسی میں صابی، کسی میں مشرک، کسی میں منافق جیسا کہ پہلے وضاحت کے ساتھ میں نے بتا دیا ہے۔ ان کے مقابلے میں ﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ﴾ بے شک پرہیزگار جو رب تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتے ہیں وہ باغوں میں ہوں گے ﴿وَّعُيُونٍ﴾ اور چشموں میں ہوں گے۔ سلسبیل کا، تسنیم کا، کافور کا، زنجبیل کا، کوثر کا، یہ جنت کے چشمے ہیں ﴿ادْخُلُوهَا بِسَلٰمٍ﴾ داخل ہو جاؤ جنت کے اندر سلامتی کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کے فرشتے جو جنت کے دروازوں پر کھڑے ہوں گے وہ کہیں گے ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خٰلِدِينَ﴾ [الزمر: ۷۳] "سلام ہو تم پر خوش رہو داخل ہو جاؤ اس جنت میں ہمیشہ رہنے والے۔" ﴿اٰمِنِينَ﴾ امن میں۔ کوئی کسی کے ساتھ جھگڑا نہیں کرے گا کوئی فتنہ اور بری بات نہیں ہوگی امن ہی امن ہوگا یہ دنیا

میں جو بدامنی ہے یہ انسانوں کے لیے تباہی ہے۔ آج کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں امن ہو۔

امام مہدی علیہ السلام کب آئیں گے؟

احادیث میں آتا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کی آمد سے پہلے مُلِئَتِ الْاَرْضُ ظُلْمًا وَّ جَوْرًا زمین ظلم اور جور سے بھر جائے گی۔ ظلم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پامال کرنا اور جور کہتے ہیں بندوں کے حقوق کو برباد کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ نہ خدا کے حقوق محفوظ ہوں گے اور نہ بندوں کے حقوق محفوظ ہوں گے اور یہ سب کچھ اس وقت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے مگر یہ رب تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کب آئیں گے۔ امریکہ کے نجومیوں نے تو پیش گوئی کر دی ہے کہ وہ اگلے سال آجائیں گے۔ کچھ اور نجومیوں نے بھی پیش گوئی کی ہے کہ آنے والا مصلح پیدا ہو چکا ہے۔ حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کیوں کہ غیب کا علم صرف رب تعالیٰ کو ہے۔ بہر حال نشانیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قریب قریب ہیں۔ فرمایا پرہیزگار باغوں اور چشموں میں ہوں گے ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ اور ہم نکالیں گے جو ان کے سینوں میں ہوگا کچھ کھوٹ۔ ایک دوسرے کے خلاف غلط فہمی اور مفاد پرستی کی وجہ سے جو بغض، عداوت اور کینہ ہوگا وہ نکال دیا جائے گا دل شیشے کی طرح صاف ہوں گے۔ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں بغض، عداوت اور کینہ بہت ہوگا۔ آج سے پچاس سال پہلے جو محبت ہوتی تھی وہ آج نہیں ہے گھروں میں بہن بھائیوں کا آپس میں اتفاق نہیں ہے آپس میں بغض، کینے ہیں یہ قیامت کی نشانیاں ہیں کہ ظاہر بھی بگڑا ہوا ہے اور باطن بھی بگڑا ہوا ہے۔ جنت میں یہ چیزیں نہیں ہوں گی۔

﴿اِخْوَانًا﴾ بھائی بھائی ہوں گے صحیح معنیٰ میں ﴿عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ﴾ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے وہاں کوئی کسی کی پشت کے پیچھے نہیں بیٹھے گا۔ جگہ اتنی وسیع ہوگی کہ پیٹھ کے پیچھے بیٹھنے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی ﴿لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ﴾ نہ پہنچے گی ان کو بہشتوں میں کوئی تھکاوٹ۔ جنتیوں کو وہاں کسی قسم کی کوئی تھکاوٹ اور پریشانی نہیں ہوگی وہاں کوئی کام ہی نہیں ہوگا تھکاوٹ کہاں سے آئے گی ﴿وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ﴾ اور نہیں ہوں گے وہ اس سے نکالے گئے۔ جو خوش قسمت اور سعادت مند جنت میں داخل ہو گیا پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ وہیں رہے گا وہاں سے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ﴾ خبر دے دو میرے بندوں کو بے شک میں بخشنے والا مہربان ہوں۔ میرے بندوں کو بتا دو کہ وہ ایسے کام کریں کہ جن کے ذریعے میں ان پر رحمت نازل کروں اور بخش دوں اور یہ بھی سنا دے ﴿وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ﴾ اور بے شک میرا عذاب دردناک عذاب ہے۔ اگر تم نافرمانی کرو گے تو سخت عذاب میں مبتلا کروں گا۔ یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں بخشنا بھی اور انتقام لینا بھی۔ فرمایا دوزخ بھی میرے پاس ہے اور جنت بھی میرے پاس ہے۔

﴿وَنَبِّئْهُمْ﴾ اور آپ ان کو خبر دیں ﴿عَنْ ضَيْفِ إِبْرٰهِيمَ﴾ ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے بارے میں ﴿إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ﴾ جس وقت وہ داخل ہوئے ابراہیم علیہ السلام کے پاس ﴿فَقَالُوا سَلٰمًا﴾ پس کہا انھوں نے سلام ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿إِنَّا مِنْكُمْ﴾ بے شک ہم تم سے ﴿وَجِلُونَ﴾ خوف زدہ ہیں ﴿قَالُوا﴾ مہمانوں نے کہا ﴿لَا تَوْجَلْ﴾ خوف نہ کر ﴿إِنَّا نُبَشِّرُكَ﴾ بے شک ہم آپ کو خوش خبری سناتے ہیں ﴿بِغُلٰمٍ﴾ ایک لڑکے کی ﴿عَلِيمٍ﴾ جو سمجھ دار ہوگا ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿أَبَشَّرْتُمُونِي﴾ کیا تم مجھے خوش خبری سناتے ہو ﴿عَلٰى أَنْ﴾ باوجود اس کے کہ ﴿مَسَّنِيَ الْكِبَرُ﴾ مجھے پہنچ چکا ہے بڑھاپا ﴿فَبِمَ تُبَشِّرُونَ﴾ پس کس چیز کی تم مجھے خوش خبری سناتے ہو ﴿قَالُوا﴾ کہا انھوں نے ﴿بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ﴾ ہم آپ کو خوش خبری سناتے ہیں سچی ﴿فَلَا تَكُنْ﴾ پس آپ نہ ہوں ﴿مِنَ الْقٰنِطِينَ﴾ نا اُمیدوں میں سے ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿وَمَنْ يَقْنَطُ﴾ اور کون نا اُمید ہوتا ہے ﴿مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ﴾ اپنے رب کی رحمت سے ﴿إِلَّا الضَّالُّونَ﴾ مگر وہ جو گمراہ ہیں ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿فَمَا خَطْبُكُمْ﴾ پس کیا ہے تمھاری مہم ﴿أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ﴾ اے بھیجے ہوئے لوگو! ﴿قَالُوا﴾ کہنے لگے ﴿إِنَّا أُرْسِلْنَا﴾ بے شک ہم بھیجے گئے ہیں ﴿إِلٰى قَوْمٍ مُجْرِمِينَ﴾ مجرم قوم کی طرف ﴿إِلَّا آلَ لُوطٍ﴾ مگر لوط علیہ السلام کے گھر والے ﴿إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ﴾ بے شک البتہ ہم ان کو نجات دیں گے ﴿أَجْمَعِينَ﴾ سب کو ﴿إِلَّا امْرَأَتَهُ﴾ مگر اس کی بیوی ﴿قَدَّرْنَا﴾ ہم طے کر چکے ہیں ﴿إِنَّهَا﴾ بے شک وہ عورت ﴿لَمِنَ الْغٰبِرِينَ﴾ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آبائی علاقہ عراق تھا۔ اس وقت عراق میں کلدانیوں کی حکومت تھی۔ نمرود بن کنعان بھی اسی کلدانی خاندان سے تھا جس کی اس وقت حکومت تھی اور یہ بڑا کٹر قسم کا مشرک آدمی تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی عرصہ دراز تک تبلیغ کرتے رہے لیکن سوائے اہلیہ محترمہ حضرت سارہ علیہا السلام اور بھتیجے لوط علیہ السلام کے اور کسی نے کلمہ نہیں پڑھا۔ پیغمبر پیدائشی طور پر موحّد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ تم ہجرت کر کے شام چلے جاؤ اور ان لوگوں کی اصلاح کرو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دمشق پہنچے اور حضرت لوط علیہ السلام کو سدوم کا علاقہ سپرد کیا گیا۔ وہ اپنی ڈیوٹی ادا کرتے تھے اور یہ اپنا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو مکہ مکرمہ چھوڑ آؤ۔ دوسری بیوی حضرت سارہ علیہا السلام پاس تھیں۔ اس کا ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شام کے علاقہ میں تھے کہ چند بڑے معزز قسم کے مہمان ان کے پاس آئے۔ تفسیر میں تین کا ذکر بھی آتا ہے چھ، دس اور بارہ کا ذکر بھی آتا ہے اور یہ مہمان حقیقت میں فرشتے تھے

حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام، حضرت اسرافیل علیہ السلام۔

جس وقت یہ مہمان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انھوں نے اپنی اہلیہ محترمہ کو کہا کہ مہمان معزز اور زیادہ ہیں اگر مرغ ذبح کرتے ہیں تو کفایت نہیں کرے گا لہٰذا بچھڑا ذبح کر کے ان کی مہمانی کرتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ﴾ "جو شخص تم میں سے اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے پس چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔" لہٰذا مہمان نوازی بھی ایمان کا حصہ ہے اور نبی سے بڑھ کر قوی ایمان کس کا ہوگا؟

علم الغیب کی نفی پر ایک دلیل

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچھڑا ذبح کر کے گوشت بنا کر حضرت سارہ علیہا السلام کو دیا کہ اس کو بھون تل دو۔ حَنِیْذ کے لفظ بھی آتے ہیں جس کا معنیٰ ہے بھونا ہوا کہ جس میں شوربا نہ ہو اور اس پر کافی وقت لگتا ہے۔ جس وقت ابراہیم علیہ السلام نے پرات میں رکھ کر سامنے لا کر رکھا تو مہمان ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگے کہ یہ ہمارے ساتھ کیا بکھیڑا ہوا ہے انسان ہوتے تو کھا لیتے فرشتے تو کھاتے پیتے نہیں اور ابراہیم علیہ السلام اگر غیب دان ہوتے تو کبھی بھول کر بھی ایسا نہ کرتے انھوں نے ان کو انسان سمجھ کر ایسا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو قدرت دی ہے کہ وہ جو شکل چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرئیل علیہ السلام کبھی کسی دیہاتی کی شکل میں آتے دیکھنے والے یہی سمجھتے کہ یہ کوئی آدمی ہے اور کبھی دحیہ ابن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ صحابی کی شکل میں تشریف لاتے اور جنات کو بھی رب تعالیٰ نے قدرت دی ہے کہ وہ جو شکل اختیار کرنا چاہیں کر سکتے ہیں، بندہ بن جائیں، بکری بن جائیں، بلی بن جائیں، سانپ بن جائیں، کچھوا بن جائیں۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جب مہمان آئے اور انھوں نے کھانا نہ کھایا تو ﴿وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً﴾ [ہود: ۷۰] "اور محسوس کیا ان کی طرف سے خوف اور گھبرائے۔" اور گھبرائے اس لیے کہ اس زمانے میں جس کسی کے پاس برے ارادے سے جاتے تھے تو اس کے گھر سے کھانا نہیں کھاتے تھے، کہتے تھے نمک حرامی ہوتی ہے کہ کھانا بھی کھائیں اور چوری ڈاکا بھی ڈالیں اور آج کل کے ڈاکو... توبہ توبہ توبہ، انسانیت کی حدود پھلانگ گئے ہیں شکل انسانوں والی ہے اور اندر سے بھیڑیئے سے بھی بڑھ کر ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ﴾ اور آپ ان کو خبر دیں ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے بارے میں ﴿اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ﴾ جس وقت وہ داخل ہوئے ابراہیم علیہ السلام کے پاس ﴿فَقَالُوْا سَلٰمًا﴾ پس کہا انھوں نے سلام۔ آنے والے مہمانوں نے سلام کیا۔

مسئلہ یہ ہے کہ جو باہر سے آئے وہ سلام کرے لیکن جہاں قرآن اور حدیث کا درس ہو رہا ہو وہاں سلام کہنا مکروہ ہے جائز نہیں ہے۔ اگر کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں اور کچھ بیٹھے ہوئے اللہ اللہ کر رہے ہیں تو بیٹھنے والوں کی نیت کر کے سلام کرلے۔

کیونکہ جونماز پڑھ رہا ہے اس کو سلام نہیں کر سکتا۔ قَالَ فرمایا ﴿اِنَّا مِنۡکُمۡ وَجِلُوۡنَ﴾ بے شک ہم تم سے خوف زدہ ہیں۔ یہ پہلے نہیں کہا بلکہ بچھڑا بھون تل کر سامنے رکھنے کے بعد کہا جب فرشتوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھائے پھر خوف ہوا۔ قرآن میں کسی جگہ اجمال ہوتا ہے اور کسی جگہ تفصیل ہوتی ہے۔ یہ تفصیل سورۃ ہود میں ہے۔ ﴿قَالُوۡا لَا تَوۡجَلۡ﴾ مہمانوں نے کہا خوف نہ کر ہم تو فرشتے ہیں اور فرشتے نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اگر ابراہیم علیہ السلام کو علم ہوتا کہ یہ فرشتے ہیں تو کبھی اس مغالطے میں نہ آتے۔ آج لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ پیغمبر ہر چیز جانتے ہیں قرآن کہتا ہے کہ ہر چیز نہیں جانتے جتنی رب بتلاتا ہے اتنی جانتے ہیں اور یہ بات بھی سمجھ لو کہ اگر ابراہیم علیہ السلام حاضر و ناظر ہوتے تو ان کو پتا ہوتا کہ فرشتے میرے سامنے عرش سے نیچے آئے ہیں اور فلاں راستے سے آئے ہیں لیکن کچھ بھی علم نہیں ہے۔ ایک ہی واقعہ حاضر و ناظر کی بھی نفی کر رہا ہے اور علم غیب کی بھی نفی کر رہا ہے اور باقی واقعات اپنی جگہ اٹل ہیں۔

تو آنے والے مہمانوں نے کہا خوف نہ کر ﴿اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمٍ عَلِیۡمٍ﴾ بے شک ہم آپ کو خوش خبری سناتے ہیں ایک لڑکے کی جو سمجھ دار ہوگا۔ اور سورت ہود میں گزر چکا ہے کہ حضرت سارہ علیہا السلام پہلے پردے میں تھیں جس وقت انھوں نے کہا کہ ہم فرشتے ہیں تو سامنے آگئیں۔ کیونکہ فرشتوں سے تو کوئی پردہ نہیں ہے وہ معصوم مخلوق ہے اور انھوں نے کہا کہ ہم تمھیں لڑکے کی خوشخبری سناتے ہیں جس کا نام اسحاق ہوگا ﴿وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ یَعۡقُوۡبَ﴾ [ہود: ۷۱] "اور اسحاق کے بعد یعقوب پوتے کی۔" یعنی: اسحاق علیہ السلام جوان ہوں گے ان کی شادی ہوگی ان کا بیٹا ہوگا یعقوب علیہ السلام۔ تم اپنے بیٹے کو بھی دیکھو گے اور پوتے کو بھی۔

حضرت سارہ علیہا السلام نے حیران ہو کر ﴿فَصَکَّتۡ وَجۡہَہَا﴾ [ذاریات: ۲۹] اپنے ماتھے کو پیٹا اور کہا ﴿ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوۡزٌ وَّہٰذَا بَعۡلِیۡ شَیۡخًا﴾ [ہود: ۷۲] کیا میں جنوں گی اور میں بڑھیا ہوں اور یہ میرا خاوند بھی بوڑھا ہے۔ میں بچہ جنوں گی میری عمر نانوے سال ہے اور میرے خاوند کی عمر ایک سو بیس سال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے کہا ﴿اَتَعۡجَبِیۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ﴾ "کیا تو تعجب کرتی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم پر۔" اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے ﴿قَالَ اَبَشَّرۡتُمُوۡنِیۡ﴾ فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے کیا تم مجھے خوش خبری سناتے ہو ﴿عَلٰۤی اَنۡ مَّسَّنِیَ الۡکِبَرُ﴾ باوجود اس کے کہ مجھے پہنچ چکا ہے بڑھاپا، میں بوڑھا ہوں ﴿فَبِمَ تُبَشِّرُوۡنَ﴾ پس کس چیز کی تم مجھے خوش خبری سناتے ہو ﴿قَالُوۡا﴾ فرشتے بولے ﴿بَشَّرۡنٰکَ بِالۡحَقِّ﴾ ہم آپ کو خوش خبری سناتے ہیں سچی۔ ہم فرشتے ہیں میں جبرئیل ہوں، یہ میکائیل ہے، یہ اسرافیل ہے رب تعالیٰ نے ہمیں بھیجا ہے ہم آپ کو سچی خوش خبری سناتے ہیں ﴿فَلَا تَکُنۡ مِّنَ الۡقٰنِطِیۡنَ﴾ پس آپ نہ ہوں نا اُمیدوں میں سے۔

قَالَ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ﴿وَمَنۡ یَّقۡنَطُ مِنۡ رَّحۡمَۃِ رَبِّہٖۤ﴾ اور کون نا اُمید ہوتا ہے اپنے رب کی رحمت سے ﴿اِلَّا الضَّآلُّوۡنَ﴾ مگر وہ لوگ جو گمراہ ہیں۔ رب تعالیٰ کی رحمت سے تو میں نا اُمید نہیں ہوں مگر ظاہری حالات کے پیش نظر میں کہتا ہوں کہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ مجھے اسحاق علیہ السلام دیں گے پھر وہ جوان ہوگا اس کی شادی ہوگی پھر اس کو اللہ تعالیٰ یعقوب علیہ السلام دیں گے فرمایا ایسا ہی ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسحاق علیہ السلام کو بھی دیکھا اور پھر یعقوب علیہ السلام کو

بھی دیکھا۔ اس سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ چھوڑ آئے تھے ان کی اولاد در اولاد وہاں چلی۔

قوم لوط علیہ السلام کی تباہی کا ذکر

اب ابراہیم علیہ السلام نے خیال فرمایا کہ اگر صرف لڑکے کی خوش خبری ہی سنانی تھی تو اس کے لیے ایک فرشتہ ہی کافی تھا اچھی خاصی فرشتوں کی جماعت کی کیا ضرورت تھی؟ ایک روایت کے مطابق پورے درجن فرشتے تھے اس لیے پوچھا ﴿قَالَ﴾ فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ﴾ پس کیا ہے تمھاری مہم اے بھیجے ہوئے لوگو۔ یہ ساری ٹیم آئی ہے تمھاری اصل مہم اور مقصد کیا ہے؟ ﴿قَالُوْٓا﴾ اُنھوں نے کہا ﴿اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ﴾ بے شک ہم بھیجے گئے ہیں مجرم قوم کی طرف۔ مجرم قوم سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی وہ قوم مراد ہے جو بستی سدوم میں رہتی تھی۔ اس قوم نے حدود کو پھلانگ لیا ہے ان کو تباہ کرنے کے لیے جارہے ہیں۔

سدوم بہت بڑا شہر تھا اس علاقے کی معروف منڈی تھی دور دراز سے لوگ وہاں خرید و فروخت کے لیے آتے تھے۔ اس مقام پر اجمال ہے بیسویں پارے میں تفصیل ہے فرشتوں نے کہا ﴿اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ﴾ "بے شک ہم ہلاک کرنے والے ہیں اس بستی کے رہنے والوں کو بے شک وہاں کے رہنے والے لوگ ظالم ہیں۔ ﴿قَالَ﴾ ابراہیم علیہ السلام نے کہا ﴿اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا﴾ بے شک اس بستی میں لوط علیہ السلام بھی رہتے ہیں۔ فرشتوں نے کہا ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا﴾ ہم خوب جانتے ہیں اس کے رہنے والوں کو۔" ہمیں رب نے بتایا ہے کہ ان کو اور ان کے مومن ساتھیوں کو بچانا ہے۔ ہاں! ان کی بیوی نہیں بچے گی۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ لوط علیہ السلام کی تین بیٹیاں تھیں اور بعض میں آتا ہے کہ دو بیٹیاں تھیں بیٹا کوئی نہیں تھا بیٹیاں عقیدے میں والد کے ساتھ تھیں۔ ماں کا عقیدہ سدوی قوم والا تھا اس نے اپنے میکے والا عقیدہ نہیں چھوڑا بیٹیوں نے بڑا سمجھایا کہ دیکھ! والد صاحب اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں وہ جو فرماتے ہیں صحیح ہے۔ اس نے کہا نکاح میرا ہوا ہے میں پیغمبر نہیں مانتی۔ ضد بہت بری چیز ہے اللہ تعالیٰ ضد سے بچائے۔

تو فرشتوں نے کہا بے شک ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں ﴿اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ﴾ مگر لوط علیہ السلام کے گھر والے، ان کی بیٹیاں اور کچھ مومن ساتھی پانچ یا سات جتنے بھی تھے ﴿اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ بے شک البتہ ہم ان سب کو نجات دیں گے رب ان کو بچائے گا ﴿اِلَّا امْرَاَتَهٗ﴾ مگر لوط علیہ السلام کی بیوی جس کا نام واعلہ تھا وہ نہیں بچے گی کیونکہ اس نے لوط علیہ السلام کی بات نہیں مانی اور اپنا عقیدہ نہیں چھوڑا۔ دیکھو! ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اگر پیغمبروں کے اختیار میں ہوتی تو لوط علیہ السلام اپنی بیوی کو دے دیتے، حضرت نوح علیہ السلام اپنی بیوی اور بیٹے کنعان کو دے دیتے اور بیٹے کو کافر نہ مرنے دیتے۔ اختیارات سارے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں پیغمبروں کا کام ہے سمجھانا، اُنھوں نے سمجھایا ہے اس میں اُنھوں نے کوئی کمی نہیں کی۔

تو فرمایا بیوی نہیں بچ سکے گی ﴿ قَدَّرْنَآ ﴾ ہم طے کر چکے ہیں ﴿ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴾ بے شک وہ عورت پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔ سورت ہود آیت نمبر ۸۱-۸۲ میں تفصیل ہے کہ فرشتوں نے کہا کہ آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے حصے میں نکل جائیں اور نہ پلٹ کر دیکھے تم میں سے کوئی مگر تیری بیوی ﴿ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ﴾ "بے شک اس کو پہنچنے والی ہے وہی سزا جو ان کو پہنچے گی ﴿ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ﴾ بے شک ان کے وعدے کا وقت صبح ہے ﴿ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴾ کیا صبح قریب نہیں ہے؟ ﴿ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا ﴾ پس جب ہمارا حکم آیا ﴿ جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً ﴾ کر دیا ہم نے اس کے اوپر والے حصے کو نیچے اور ہم نے برسائے ان پر پتھر۔" پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کی بینائی ختم کر دی اور ڈراؤنی آواز آئی اور جبرئیل علیہ السلام نے پَر کے ساتھ سارا علاقہ اٹھا کر پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے وہ قادر مطلق ہے وہ آن واحد میں سب کچھ کر سکتا ہے۔ باقی واقعہ آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿ فَلَمَّا جَآءَ ﴾ پس جس وقت آئے ﴿ اٰلَ لُوْطِ ﴾ لوط علیہ السلام کے گھر میں ﴿ الْمُرْسَلُوْنَ ﴾ بھیجے ہوئے فرشتے ﴿ قَالَ ﴾ فرمایا ﴿ اِنَّكُمْ ﴾ بے شک تم ﴿ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴾ اجنبی قوم ہو ﴿ قَالُوْا ﴾ انھوں نے کہا ﴿ بَلْ جِئْنٰكَ ﴾ بلکہ ہم لائے ہیں تیرے پاس ﴿ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴾ وہ چیز جس میں یہ لوگ شک کرتے ہیں ﴿ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ ﴾ اور ہم لائے ہیں آپ کے پاس حق ﴿ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴾ اور بے شک البتہ ہم سچے ہیں ﴿ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ ﴾ پس آپ لے چلیں گھر کے افراد کو ﴿ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ ﴾ رات کے حصے میں ﴿ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ ﴾ اور آپ چلیں ان کے پیچھے پیچھے ﴿ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ ﴾ اور نہ مڑ کر دیکھے تم میں سے کوئی بھی ﴿ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴾ اور جاؤ تم جہاں پر تم کو حکم دیا جاتا ہے ﴿ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ﴾ اور ہم نے فیصلہ سنا دیا اس کو ﴿ ذٰلِكَ الْاَمْرَ ﴾ اس معاملے کا ﴿ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ ﴾ بے شک جڑ ان کی ﴿ مَقْطُوْعٌ ﴾ کاٹ دی جائے گی ﴿ مُّصْبِحِيْنَ ﴾ صبح کے وقت ﴿ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ ﴾ اور آئے شہر والے لوگ ﴿ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴾ خوشیاں مناتے ہوئے قَالَ فرمایا ﴿ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ ﴾ بے شک یہ میرے مہمان ہیں ﴿ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴾ پس تم مجھے رسوا نہ کرو ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴾ اور مجھے پریشان نہ کرو ﴿ قَالُوْٓا ﴾ وہ کہنے لگے ﴿ اَوَلَمْ نَنْهَكَ ﴾ کیا ہم نے آپ کو منع نہیں کیا تھا ﴿ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ جہان والوں کو مہمان بنانے سے ﴿ قَالَ ﴾ فرمایا ﴿ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ ﴾ یہ میری بیٹیاں ﴿ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴾ اگر تم ان کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے ہو۔

اس سے پہلے یہ بیان ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے چھ، آٹھ یا دس اور بارہ کی تعداد کا بھی ذکر آتا ہے، جن

میں خصوصاً حضرت جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام اور اسرافیل علیہ السلام بھی تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے، اسحاق علیہ السلام اور ان کے بعد یعقوب علیہ السلام کی خوش خبری دینے کے لیے۔ انھوں نے بچھڑا بھون تل کر سامنے رکھ دیا کیوں کہ انھیں علم نہیں تھا کہ یہ فرشتے ہیں جب انھوں نے خوش خبری سنا دی تو ابراہیم علیہ السلام نے خیال فرمایا کہ خوش خبری سنانے کے لیے تو ایک فرشتہ کافی تھا اتنی جماعت کی کیا ضرورت تھی؟ تو فرمایا ﴿فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ﴾ تمھاری مہم کیا ہے اے بھیجے ہوئے فرشتو! وہ کہنے لگے کہ ہم لوط علیہ السلام کی قوم کو تباہ کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اس کا ذکر ہے ﴿فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ﹰالْمُرْسَلُوْنَ﴾ پس جب آئے لوط علیہ السلام کے گھر بھیجے ہوئے فرشتے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کہ وہ فرشتے جب ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے تو چالیس، پچاس، ساٹھ سال کی عمروں میں اور جب لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو بچوں کی عمر میں بارہ، تیرہ، چودہ سال کی عمر میں آئے۔ یہ قوم لونڈے باز تھی بلکہ بوڑھوں کو بھی معاف نہیں کرتی تھی ایسے خبیث قسم کے آدمی تھے۔

علم غیب کی نفی

وہ فرشتے جس وقت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے ﴿قَالَ﴾ فرمایا لوط علیہ السلام نے ﴿اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ﴾ بے شک تم اجنبی قوم ہو۔ میں تمھاری شناخت نہیں کر سکا میں تم کو پہچان نہیں سکا کیونکہ کوئی آدمی ملتا ہے اور اس کو پہچانتا نہیں ہے تو کہہ دیتا ہے کہ میں تجھے پہچان نہیں سکا اگر لوط علیہ السلام کو غیب کا علم ہوتا اور حاضر و ناظر ہوتے تو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ میں تمھیں پہچان نہیں سکا بلکہ سمجھ جاتے کہ یہ وہی فرشتے ہیں جو پہلے میرے چچا جان ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے ہیں اور انہیں بیٹے اور پوتے کی خوش خبری سنائی ہے اور اب میری قوم کی بربادی کا پیغام لے کر آئے ہیں لیکن غیب دان صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

فرمایا کہ اجنبی لوگ محسوس ہوتے ہو ﴿قَالُوْا﴾ فرشتوں نے کہا ﴿بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ﴾ بلکہ ہم لائے ہیں تیرے پاس وہ چیز جس میں یہ لوگ شک کرتے ہیں۔ یہ واقعہ بعد کا ہے اس واقعہ کا پہلا حصہ اگلے صفحے پر آرہا ہے۔ پہلے میں اُس کا ترجمہ کرتا ہوں وہ سن لیں تا کہ بات ترتیب کے ساتھ تمھارے ذہن میں آجائے۔ ﴿وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ﴾ اور آئے شہر والے، جس (شہر) کا نام سدوم تھا اور اس کی کافی آبادی تھی اور اس کے اردگرد بھی کافی آبادیاں تھیں ﴿يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ خوشی مناتے ہوئے، دیکھا کہ لوط علیہ السلام کے گھر خوب صورت لڑکے آئے ہوئے ہیں ہم اپنی خواہش کی تکمیل کریں گے۔ حضرت لوط علیہ السلام بڑے پریشان ہوئے کہ جانتے تھے قوم بڑی بدمعاش ہے قَالَ لوط علیہ السلام نے فرمایا ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ﴾ بے شک یہ میرے مہمان ہیں ﴿فَلَا تَفْضَحُوْنِ﴾ پس تم مجھے رسوا نہ کرو۔ ان مہمانوں کو تم تکلیف پہنچاؤ گے تو میری رسوائی ہوگی۔ کیوں کہ مہمان کی رسوائی میزبان کی رسوائی ہوتی ہے اور مہمان کی قدر کرنا ایمان کا حصہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ)).

"تم میں سے جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے پس وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔"

تو مجھے تم مہمانوں کے سامنے ذلیل نہ کرو ﴿وَاتَّقُوا اللّٰہَ﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿وَلَا تُخْزُوْنِ﴾ اور مجھے غمگین نہ کرو۔ ﴿قَالُوْٓا﴾ کہنے لگے ﴿اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کیا ہم نے آپ کو منع نہیں کیا کہ جہان کے لوگوں کو مہمان نہ بنایا کرو۔ آپ لوگوں کو مہمان بناتے ہیں اور مہمانوں کا بہانہ بنا کر ہماری خواہشات میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں ﴿قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ﴾ فرمایا یہ میری بیٹیاں ہیں ﴿اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ﴾ اگر تم ان کے ساتھ نکاح کرنا چاہو۔ یہاں دو تفسیریں منقول ہیں۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی دو یا تین بیٹیاں تھیں بیٹا کوئی نہیں تھا تو یہ پیش کش کی کہ تم میں جو اثر ورسوخ والے ہیں وہ میری بیٹیوں کے ساتھ نکاح کریں۔ ایک، ایک کے ساتھ، دوسرا دوسری کے ساتھ اور تیسرا تیسری کے ساتھ اور اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے لوگوں کو میرے مہمانوں کی بے عزتی سے روک دے۔ بڑی قربانی ہے، بڑی قربانی ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ ﴿بَنٰتِيْٓ﴾ سے اپنی بیٹیاں مراد نہیں ہیں بلکہ قوم کی بیٹیاں مراد ہیں۔ پیغمبر قوم کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو مومنوں کی مائیں فرمایا ہے ﴿وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ [سورۃ الاحزاب:۶]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شفیق والد سے بھی زیادہ شفیق تھے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ "بے شک میں تمھارے لیے ایسا ہی ہوں جیسے والد اپنی اولاد کے لیے۔" ایک موقع پر یہودیوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا کہ تمھارا نبی بھی خوب ہے تمھیں کہتا ہے استنجا اس طرح کرو، پیشاب پاخانہ کا طریقہ بھی بتلاتا ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی عمر اڑھائی سو سال تھی لیکن جسم بڑا مضبوط تھا صحت اچھی تھی دیکھنے والے سمجھتے تھے کہ ان کی عمر ساٹھ ستر کے قریب ہوگی۔ بڑے تجربے کار تھے۔ انھوں نے کہا ہاں! ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس وقت تم پیشاب پاخانہ کے لیے بیٹھو تو قبلے کی طرف منہ نہ کرو، قبلہ کی طرف پیٹھ بھی نہ کرو، قبلہ کا احترام پیغمبر نے بتلایا ہے یہ کون سا بُرا حکم دیا ہے؟ اور ہمیں یہ بھی سکھایا ہے کہ دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کریں، دائیں ہاتھ سے ناک صاف نہ کرو، جوتا نہ پکڑو تو کون سا بُرا حکم بتلایا ہے؟ خیر ان کو خوب جواب دیا اور لتاڑا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا حضرت! آج یہودی میرے ساتھ اُلجھ پڑے تھے لیکن میں نے ان کو خوب منہ توڑ جواب دیا ہے۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ "میری تمھاری مثال ایسی ہی ہے جیسے اولاد کے لیے باپ ہوتا ہے۔" باپ اپنی اولاد کو چھوٹی چھوٹی باتیں بھی بتلاتا ہے۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے روحانی باپ ہیں اور آپ کی بیویاں روحانی مائیں ہیں۔ آج بھی دیکھو! بڑی عمر والے چھوٹی عمر کی عورتوں کو بیٹی کہتے ہیں اور گکھڑ میں میرے خیال کے مطابق ساٹھ سال سے کم عمر کی جو عورتیں ہیں وہ مجھے ادباً اور احتراماً باجی! کہتی ہیں اور پیغمبروں کا رتبہ تو بہت بلند ہے۔ تو لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ قوم کی بیٹیاں میری بیٹیاں ہیں ان کے ساتھ تم

نکاح کرلو اور نکاح کے بعد دوسروں پر اپنا اثر ورسوخ استعمال کرو اور میرے مہمانوں کو بے عزتی سے بچاؤ۔

تو یہ سب کچھ پہلے ہوا اور یہ آیات بعد کے واقعہ کی ہیں۔ ﴿وَ اَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ﴾ اور ہم لائے ہیں آپ کے پاس حق ﴿وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ اور بے شک البتہ ہم سچے ہیں آپ گھبرائیں نہیں ہم تو فرشتے ہیں یہ ہمارا کیا بگاڑیں گے یہ تو خود ہلاک اور برباد ہونے والے ہیں۔ آپ ایسا کریں ﴿فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ﴾ پس آپ لے چلیں گھر کے افراد کو جو مومن ہیں ﴿بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ﴾ رات کے حصے میں۔ رات کے حصے میں اپنی بیٹیوں کو اور جو چند آدمی مومن ہیں ان کو ساتھ لے کر اس علاقے سے نکل جائیں، بیوی ساتھ نہیں گئی ﴿وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ﴾ اور آپ چلیں ان کے پیچھے کیوں کہ بیٹیاں ہیں خیال رہے گا پیچھے مڑکر دیکھتی رہیں گی کہ امی بھی آتی ہے یا نہیں اور جو مومن ہیں وہ بھی دیکھیں گے کہ ہمارے فلاں فلاں جو ہیں وہ بھی ہمارے پیچھے آتے ہیں یا نہیں اور یہ بھی خیال ہوگا کہ جاؤ ان کو جا کر سمجھاؤ کہ وہ ہمارے ساتھ آجائیں۔ فرمایا ان کا آنا مقدر نہیں ہے یہ آگے چلیں اور آپ ان کے پیچھے چلیں تاکہ ﴿وَ لَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ﴾ اور نہ مڑ کر دیکھے تم میں سے کوئی بھی ﴿وَّ امْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ﴾ اور جاؤ تم جہاں پر تم کو حکم دیا جاتا ہے۔

سدوم علاقہ کی حدود

سدوم کا علاقہ تقریباً دس میل کا تھا اس علاقے سے جب نکلے تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس علاقہ کو اٹھا کر الٹا کر کے پھینک دو۔ انھوں نے سارے علاقے کو پَروں پر اٹھا لیا اور اُلٹا کر کے پھینک دیا۔ آج کل اس علاقہ کا نام بحر میت (بحیرۂ مردار) ہے۔ وہاں پانی بھی ہے لیکن رب تعالیٰ کی قدرت کہ اس پانی میں نہ کوئی کیڑا، نہ کوئی مچھلی حالانکہ ہمارے ہاں چھوٹے چھوٹے جوہڑوں میں فطری طور پر مچھلیاں اور کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں لیکن وہ ایسا لعنتی پانی ہے کہ وہاں کچھ نہیں ہے ﴿وَ قَضَيْنَاۤ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ﴾ اور ہم نے فیصلہ سنا دیا لوط علیہ السلام کو اس معاملے کا ﴿اَنَّ دَابِرَ هٰۤؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ﴾ بے شک جڑ ان کی کاٹ دی جائے گی صبح کے وقت۔ سورج طلوع ہو رہا ہوگا اور ہم ان کو اُلٹا کر دیں گے یہ لوط علیہ السلام کی قوم کی تباہی کا ذکر ہے۔ باقی حصہ آئندہ آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿لَعَمْرُكَ﴾ آپ کی زندگی کی قسم ہے ﴿اِنَّهُمْ﴾ بے شک وہ ﴿لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ﴾ البتہ اپنی مستی میں ﴿يَعْمَهُوْنَ﴾ سرگرداں پھرتے ہیں ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ﴾ پس پکڑا ان کو آواز نے ﴿مُشْرِقِيْنَ﴾ سورج کے چمکنے کے وقت ﴿فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا﴾ پس ہم نے کر دیا اس کے بالائی حصے کو ﴿سَافِلَهَا﴾ نیچے والا ﴿وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ﴾ اور برسائے ہم نے ان کے اُوپر ﴿حِجَارَةً﴾ پتھر ﴿مِّنْ سِجِّيْلٍ﴾ جو کوٹے والے تھے ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں ﴿لَاٰيٰتٍ﴾ البتہ بہت نشانیاں ہیں ﴿لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ﴾ غور وفکر کرنے والوں کے لیے ﴿وَ اِنَّهَا﴾ اور بے شک وہ

بستیاں ﴿ لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴾ البتہ اس راستے پر ہیں جو دائمی ہے ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ ﴾ بے شک اس میں ﴿ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ البتہ نشانی ہے مومنوں کے لیے ﴿ وَاِنْ كَانَ ﴾ اور بے شک شان یہ ہے کہ ﴿ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ ﴾ جنگل والے ﴿ لَظٰلِمِيْنَ ﴾ البتہ ظالم تھے ﴿ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ﴾ پس ہم نے ان سے انتقام لیا ﴿ وَاِنَّهُمَا ﴾ اور بے شک یہ دونوں بستیاں ﴿ لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴾ البتہ ایک واضح راستے پر ہیں ﴿ وَلَقَدْ كَذَّبَ ﴾ اور البتہ تحقیق جھٹلایا ﴿ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ ﴾ حجر والوں نے الْمُرْسَلِيْنَ پیغمبروں کو ﴿ وَاٰتَيْنٰهُمْ ﴾ اور ہم نے دیں ان کو ﴿ اٰيٰتِنَا ﴾ اپنی نشانیاں ﴿ فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴾ پس وہ تھے ان نشانیوں سے اعراض کرنے والے ﴿ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ ﴾ اور وہ تراشتے تھے ﴿ مِنَ الْجِبَالِ ﴾ پہاڑوں میں ﴿ بُيُوْتًا ﴾ مکان ﴿ اٰمِنِيْنَ ﴾ امن میں رہنے کے لیے ﴿ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ ﴾ پس پکڑا ان کو آواز نے ﴿ مُصْبِحِيْنَ ﴾ صبح کے وقت ﴿ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ ﴾ پس نہ بچایا ان کو ﴿ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ اس چیز نے جو وہ کماتے تھے۔

اس سے پہلے لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان اور بے حیائی میں مبتلا تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی بیٹیوں کی قربانی بھی پیش کی لیکن ان بے حیاؤں نے کہا ﴿ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ﴾ "ہمیں تیری بیٹیوں میں کوئی رغبت نہیں ہے ﴿ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴾ [ہود:۷۹] اور بے شک تو جانتا ہے جو ہم چاہتے ہیں۔"

قسم کی تفصیل

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ لَعَمْرُكَ ﴾ اس کا "لام" قسم کے لیے ہے۔ عربی زبان میں واؤ قسم کے لیے آتا ہے جیسے: وَاللّٰهِ قسم ہے اللہ کی۔ اور "با" بھی قسم کے لیے آتا ہے بِاللّٰهِ کا معنیٰ ہے اللہ کی قسم۔ "تا" بھی قسم کے لیے آتا ہے ﴿ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ ﴾ [الانبیاء: ۵۷] "اللہ کی قسم ہے میں ضرور تدبیر کروں گا تمھارے بتوں کے لیے۔" تو یہاں "لام" قسم کے لیے ہے ﴿ لَعَمْرُكَ ﴾ قسم ہے آپ کی زندگی کی۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم اُٹھائی ہے۔ قرآن پاک میں رب تعالیٰ نے اور بہت سی چیزوں کی قسم اُٹھائی ہے ﴿ وَالتِّيْنِ ﴾ قسم ہے تین کی ﴿ وَالزَّيْتُوْنِ ﴾ قسم ہے زیتون کی ﴿ وَالْعَصْرِ ﴾ قسم ہے زمانے کی ﴿ وَالشَّمْسِ ﴾ قسم ہے سورج کی ﴿ وَالْعٰدِيٰتِ ﴾ قسم ہے دوڑنے والے گھوڑوں کی۔ یہ قسم دعویٰ پر ایک قسم کی دلیل ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص دعویٰ کرتا ہے اور اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کرتا ہے اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے یہ قسم گواہوں کے قائم مقام ہوتی ہے۔ تو گویا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو بہ طور گواہ کے پیش کیا ہے اس بات پر کہ وہ اپنی گمراہی میں مست اور سرگرداں تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بڑی پاک دامن زندگی ہے۔ سورت یونس آیت نمبر ۱۶ میں ہے ﴿ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا

مِنْ قَبْلِهٖ ﴾ ”پس بے شک میں ٹھہرا ہوں تمھارے درمیان عمر کا ایک حصہ اس سے پہلے۔“ عموماً ایسا ہوتا ہے جس بچے کے سر پر ماں باپ کا سایہ نہ ہو اور دادے کا سایہ بھی نہ ہو تو ایسا بچہ آوارہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ان سے کہہ دیں کہ میں نے نبوت سے پہلے کافی زندگی تمھارے اندر گزاری ہے چالیس سال گزارے ہیں ان چالیس سالوں میں کسی کو انگلی اُٹھانے کا موقع نہیں دیا۔ حالانکہ اس زمانے میں شراب کی یہ حیثیت ہوتی تھی جیسے ہمارے زمانے میں چائے اور لسی کی حیثیت ہے۔ شراب حرام نہیں تھی لوگ پیتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ نے نبوت سے پہلے بھی ایک قطرہ زبان مبارک پر نہیں لگایا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو محفوظ رکھا۔ جب آپ ﷺ کسی راستے سے گزرتے تھے تو بوڑھے، جوان، مرد، عورتیں، بچے اشارے کرتے تھے کہ اس جیسا شریف انسان ہم نے نہیں دیکھا۔

پاک دامن زندگی تھی اس زندگی کی رب تعالیٰ قسم اُٹھاتے ہیں لَعَمْرُكَ آپ کی زندگی کی قسم ہے ﴿ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾ بے شک وہ البتہ اپنی مستی میں سرگردان پھرتے ہیں۔ لوط علیہ السلام کی قوم بدمعاشی اور نفسانی خواہشات کے نشے میں مدہوش تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی زندگی کی قسم بطور گواہ کے اُٹھائی ہے۔ مخلوق کے لیے قاعدہ اور ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ حَلَفَ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ)) ”جس نے اللہ کے غیر کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا۔“ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی اور کی قسم اٹھانا جائز نہیں ہے۔ کوئی کہتا ہے مجھے نبی کی قسم ہے، مجھے کعبے کی قسم ہے، مجھے پیر کی قسم ہے دودھ اور بیٹے کی قسم ہے۔ یہ سب شرکیہ قسمیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی قسمیں صحیح ہیں۔ مثلاً کوئی کہتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم ہے، مجھے رب تعالیٰ کے جلال کی قسم ہے، رب تعالیٰ کی عظمت کی قسم ہے قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، رب تعالیٰ کی صفت ہے کوئی قرآن کی قسم اُٹھائے گا تو ہو جائے گی اور یہ بات بھی سمجھ لیں کہ یہ جو ہم الفاظ پڑھتے ہیں یہ حادث ہیں لیکن یہ الفاظ جس مضمون پر دلالت کرتے ہیں وہ کلام نفسی ہے اور رب تعالیٰ کی صفت ہے۔ تو غیر اللہ کی قسم اُٹھانا شرک ہے۔ بخاری اور مسلم کی روایت میں آتا ہے: ((مَنْ قَالَ بِاللَّاتِ وَ الْعُزّٰى فَلْيَقُلْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)). ”جس نے کہا مجھے لات اور عزیٰ کی قسم ہے پس وہ فوراً کلمہ پڑھے۔“ ہمارے لیے غیر اللہ کی قسم اٹھانا جائز نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ پر کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا ﴿ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ﴾ [سورۃ الانبیاء: ۲۳] ”نہیں پوچھا جا سکتا اس سے جو وہ کرتا ہے اور ان سے سوال کیا جائے گا۔“

مسئلہ قسم کی وضاحت

اور قسم کے متعلق مسئلہ بھی سمجھ لیں۔ اگر کسی نے قسم اُٹھائی اور توڑ دی تو ساتویں پارے میں اس کے کفارے کا ذکر ہے۔ غلام یا لونڈی آزاد کرے اور ہمارے زمانے میں غلام اور لونڈی نہیں پائے جاتے یا دس مسکینوں کو دو وقت کا پیٹ بھر کر کھانا کھلائے اور وہ مسکین کافر نہ ہوں، سید نہ ہوں، ان میں کوئی بیمار نہ ہو، کوئی بوڑھا نہ ہو، بچہ نہ ہو کھانے پینے والے ہوں اور

جن مسکینوں کو صبح کھلایا ہے شام کو انہی کو کھلائے اور اگر اس طرح نہیں کیا یعنی شام کو نہیں کھلایا تو اگلی صبح کو کھلا دے۔ گویا دو وقت دس مسکینوں کو پیٹ بھر کر کھلانا ہے، یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنائے اور کپڑے ایسے جن میں نماز درست ہو جائے۔ مثلاً: شلوار، کرتا اور ٹوپی، اگر شلوار کی عادت ہے ورنہ چادر، کرتا اور ٹوپی۔ جوتا اس میں شامل نہیں ہے اور اگر غلام آزاد کرنے کی بھی توفیق نہیں ہے اور دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلانے کی بھی توفیق نہیں ہے، کپڑا پہنانے کی بھی توفیق نہیں ہے تو مسلسل تین روزے رکھے۔

اور اگر ایک روزہ رکھا، دو روزے رکھے تیسرے دن اس کو کہیں سے رقم مل گئی انعام کے طور پر کسی نے دے دی یا ویسے امداد کے طور پر دے دی اور رقم اتنی ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے تو یہ روزے کسی شمار میں نہیں ہوں گے کیوں کہ یہ روزوں کے ختم ہونے سے پہلے کھانا کھلانے پر قادر ہو گیا ہے۔ اور روزے کا کفارہ اس وقت ہے جب کھانا کھلانے پر قدرت نہ ہو اور ویسے جھوٹی قسم کھانا بڑا سنگین جرم ہے۔ کوئی شخص اس طرح کرے کہ چلو قسم اُٹھا لیتے ہیں پھر کفارہ دے دیں گے یہ بڑا سنگین جرم ہے، دیدہ دانستہ گناہ ہے۔

قومِ لوط علیہ السلام پر چار قسم کے عذاب آئے

تو فرمایا تیری عمر کی قسم ہے وہ اپنی مستی کے نشہ میں سرگرداں تھے ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ﴾ پس پکڑا ان کو چیخ نے ﴿مُشْرِقِيْنَ﴾ سورج کے چمکنے کے وقت۔ اس قوم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے چار قسم کے عذاب آئے۔

① اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کی بینائی ختم کر دی۔ سورۃ القمر میں ہے ﴿فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ﴾ پس ہم نے مٹا دیں ان کی آنکھیں۔

② دوسرا عذاب جس کا یہاں ذکر ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک ڈراؤنی آواز نکالی۔

③ تیسرا عذاب ﴿فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا﴾ پس ہم نے کر دیا ان کے بالائی حصے کو نچلا۔

④ اور چوتھا عذاب ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ﴾ اور برسائے ہم نے ان کے اُوپر پتھر ایسے پتھر جو کونے والے تھے۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھیں ختم کیں۔ پھر ڈراؤنی آواز کے ساتھ کلیجے پھٹ گئے پھر پتھر برسائے اور ان کے علاقے کو اُلٹا کر کے پھینک دیا۔ یہ چار قسم کے عذاب ان پر آئے۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ﴾ بے شک اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بہت نشانیاں ہیں لیکن کن لوگوں کے لیے ﴿لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ﴾ غور و فکر کرنے والوں کے لیے اور جن لوگوں نے غور نہیں کرنا ان کے لیے کچھ بھی نہیں ہے ﴿وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ﴾ اور بے شک یہ بستیاں البتہ اس راستے پر ہیں جو دائمی ہے۔ لوط علیہ السلام کا جو علاقہ تباہ ہوا وہ دائمی سڑک پر ہے۔ یہ مکہ والے جب شام کے علاقہ میں جاتے تھے تو ان علاقوں کے پاس سے گزر کر جاتے تھے جہاں لوط علیہ السلام کی قوم تباہ ہوئی، حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تباہ ہوئی۔ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ بے شک اس میں نشانی ہے مومنوں کے لیے کہ نافرمانوں کا کیسا حشر ہوا۔

قوم شعیب علیہ السلام کا ذکر

﴿وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ﴾ ایکہ کا معنیٰ جنگل ہے۔ اور اس سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے۔ شہر کا نام مدین تھا اور قوم بھی مدین تھی۔ مدین شہر بہت بڑی بین الاقوامی منڈی تھا۔ دور دراز سے لوگوں کے قافلے در قافلے آتے تھے اور اس شہر کے حدود اربعہ میں بڑے بڑے جنگلات تھے اس لیے ان کو اصحاب ایکہ جنگل والے کہا جاتا ہے۔ ﴿لَظٰلِمِيْنَ﴾ یہ جنگل والے بھی ظالم تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو رب تعالیٰ کی توحید بتلائی، نہ مانے۔ اس قوم میں ناپ تول میں کمی بیشی کی بیماری تھی اس سے منع کیا کہ ناپ تول میں کمی بیشی نہ کرو لوگوں کو پورا پورا حق دو، نہ مانے۔ کہنے لگے اگر آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں تو کوئی نشانی دکھاؤ۔ فرمایا نشانیاں رب تعالیٰ کے پاس ہیں تم کیا چاہتے ہو؟ کہنے لگے جن بتوں کی ہم پوجا کرتے ہیں وہ بولیں اور تیری باتوں کی تصدیق کریں پھر ہم مانیں گے۔ کتابوں میں آتا ہے کہ وہ بت بولے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ہے اور یہ شعیب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔ قوم نے کہا کہ اس نے جادو کر دیا ہے ہم نہیں مانتے۔ اب بتاؤ اس ضد کا بھی دنیا میں کوئی علاج ہے؟

فرمایا البتہ جنگل والے ظالم تھے ﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ پس ہم نے ان سے انتقام لیا۔ بادل کا ٹکڑا آیا سب اس کے نیچے اکٹھے ہو گئے آگ برسی سب ختم ہو گئے ﴿وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾ اور بے شک یہ دونوں بستیاں مدین والوں کی اور لوط علیہ السلام کی البتہ ایک واضح راستے پر ہیں۔ امام کا معنیٰ پیشوا بھی ہوتا ہے اور امام کا معنیٰ سڑک بھی ہے ﴿مُّبِيْنٍ﴾ کھلی سڑک، جو مکہ مکرمہ سے شام کے علاقے کی طرف جاتی تھی۔ آج کل کی طرح پکی سڑک تو نہیں تھی مگر کھلی سڑک تھی بے شمار قافلے اس پر آتے جاتے تھے۔ یہ دونوں بستیاں کھلی سڑک پر واقع ہیں۔

﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اور البتہ تحقیق جھٹلایا حجر والوں نے پیغمبروں کو۔ حجر کا علاقہ خیبر اور تبوک کے درمیان کا علاقہ ہے ان کے پاس حضرت صالح علیہ السلام آئے۔ ایک پیغمبر کو جھٹلانا سب کی تکذیب کو مستلزم ہے ﴿وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا﴾ اور ہم نے دیں ان کو اپنی نشانیاں قدرت کی، ان کی منہ مانگی نشانی کہ جس چٹان پر ہاتھ رکھیں گے وہ پھٹ جائے گی اور اس سے اونٹنی نکلے گی اور بعض تفسیروں میں ہے کہ اونٹنی کے ساتھ بچہ بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ ان لوگوں نے جس چٹان پر ہاتھ رکھا وہ چٹان پھٹی اور اونٹنی نکلی آنکھوں کے ساتھ دیکھا لیکن کہنے لگے یہ کھلا جادو ہے ہم نہیں مانتے۔ فرمایا ہم نے ان کو اپنی قدرت کی نشانیاں دیں ﴿فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ﴾ وہ تھے ان نشانیوں سے اعراض کرنے والے ﴿وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ﴾ اور وہ تراشتے تھے پہاڑوں میں ﴿بُيُوْتًا﴾ گھر ﴿اٰمِنِيْنَ﴾ امن میں رہنے کے لیے۔ کہتے تھے ہم دیواریں بناتے ہیں زلزلہ آتا ہے تو اینٹ، پتھر، گارا الگ ہو جاتا ہے چھت گر جاتی ہے۔ ہم چٹانوں میں مکان بنائیں گے نہ دیواریں، نہ چھت گرے گی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت جب رب تعالیٰ نے ان پر زلزلے کا عذاب مسلط فرمایا تو سارے لائن میں پڑے تھے۔ رب کے عذاب سے کوئی چیز نہیں بچ سکتی۔

﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ﴾ پس پکڑا ان کو آواز نے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک آواز نکالی اس سے زلزلے کی کیفیت پیدا ہوگئی ﴿مُصْبِحِيْنَ﴾ صبح کے وقت سب کے سب ختم ہوگئے ﴿فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ﴾ پس نہ کفایت کی ان سے اس چیز نے ﴿مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ جو وہ کماتے تھے۔ نہ ان کے مکان ان کو بچا سکے اور نہ دولت ان کو بچا سکی نہ جھوٹے خدا ان کو بچا سکے۔ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا ہے تو کوئی شے کسی کو نہیں بچا سکتی۔

﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو ﴿وَمَا بَيْنَهُمَآ﴾ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ﴿اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ مگر حق کے ساتھ ﴿وَاِنَّ السَّاعَةَ﴾ اور بے شک قیامت ﴿لَاٰتِيَةٌ﴾ البتہ ضرور آنے والی ہے ﴿فَاصْفَحِ﴾ پس آپ درگزر کریں ﴿الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ﴾ اچھی طرح درگزر کرنا ﴿اِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک آپ کا رب ﴿هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ﴾ وہی پیدا کرنے والا، جاننے والا ہے ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ﴾ اور البتہ تحقیق دی ہم نے آپ کو ﴿سَبْعًا﴾ سات آیتیں ﴿مِّنَ الْمَثَانِيْ﴾ جو دہرائی جاتی ہیں ﴿وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ﴾ اور بڑا قرآن دیا ﴿لَا تَمُدَّنَّ﴾ آپ ہرگز نہ پھیلائیں ﴿عَيْنَيْكَ﴾ اپنی دونوں آنکھوں کو ﴿اِلٰى مَا﴾ اس چیز کی طرف ﴿مَتَّعْنَا بِهٖٓ﴾ ہم نے فائدہ دیا اس کے ساتھ ﴿اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ ان کافروں میں سے مختلف لوگوں کو ﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾ اور آپ غم نہ کریں ان پر ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ﴾ اور نرم کریں اپنے بازو کو ﴿لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ مومنوں کے لیے ﴿وَقُلْ﴾ اور آپ کہہ دیں ﴿اِنِّيْٓ﴾ بے شک میں ﴿اَنَا النَّذِيْرُ﴾ میں ڈرانے والا ہوں ﴿الْمُبِيْنُ﴾ بات کھول کر ﴿كَمَآ اَنْزَلْنَا﴾ جیسا کہ ہم نے نازل کیا ﴿عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ﴾ تقسیم کرنے والوں پر ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ لوگ ﴿جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ﴾ جنھوں نے کر دیا قرآن پاک کو ٹکڑے ٹکڑے ﴿فَوَرَبِّكَ﴾ پس قسم ہے آپ کے رب کی ﴿لَنَسْــَٔلَنَّهُمْ﴾ البتہ ہم ضرور سوال کریں گے ان سے ﴿اَجْمَعِيْنَ﴾ سب سے ﴿عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اس چیز کے بارے میں جو وہ کرتے رہے ﴿فَاصْدَعْ﴾ پس آپ کھول کر بیان کریں ﴿بِمَا تُؤْمَرُ﴾ وہ چیز جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے ﴿وَاَعْرِضْ﴾ اور آپ اعراض کریں ﴿عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ شرک کرنے والوں سے ﴿اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ﴾ بے شک ہم کفایت کرنے والے ہیں آپ کے لیے ٹھٹھا کرنے والوں کے شر سے ﴿الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ﴾ وہ لوگ جو بناتے ہیں ﴿مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور الٰہ ﴿فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب وہ جان لیں گے ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ﴾ اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں ﴿اَنَّكَ﴾ بے شک آپ ﴿يَضِيْقُ صَدْرُكَ﴾ تنگ ہوتا ہے آپ کا سینہ

﴿بِمَا يَقُولُونَ﴾ ان باتوں سے جو وہ کہتے ہیں ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ پس آپ تسبیح بیان کریں اپنے رب کی تعریف کی ﴿وَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ﴾ اور ہو جائیں آپ سجدہ کرنے والوں میں سے ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ﴾ اور عبادت کر اپنے رب کی ﴿حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ یہاں تک کہ آجائے آپ کے پاس یقینی بات۔

اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو بے مقصد پیدا نہیں فرمایا ؟

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو ﴿وَمَا بَيْنَهُمَآ﴾ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ﴿إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ مگر حق کے ساتھ۔ دنیا کی کوئی چیز بے فائدہ اور عبث یعنی فضول نہیں ہے۔ کسی چیز کے متعلق کوئی یہ خیال نہ کرے کہ رب تعالیٰ نے اس کو ویسے ہی بنا دیا ہے اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اس کا کوئی نتیجہ نہیں ہوگا بلکہ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ ہم یہ چھوٹے چھوٹے مکان بغیر کسی غرض کے نہیں بناتے بلکہ یہ غرض ہوتی ہے کہ گرمی سردی سے بچیں، بارش طوفان سے بچیں۔ تو کیا اتنا بڑا آسمان اور زمین اللہ تعالیٰ نے بے مقصد اور بے فائدہ بنا دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیلیں ہیں۔

اس کو تم اس طرح سمجھو کہ ایک مدرسہ یا اسکول، کالج اور یونیورسٹی ہے، کوئی مکتب ہے اس میں تمھارے ذمہ کچھ کام ہیں جو تم نے کرنے ہیں پھر امتحان اور نتیجہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بنایا ہے اس کا بھی مقصد ہے کچھ ذمہ داریاں ہیں پھر آگے ان کا نتیجہ نکلنا ہے اس نتیجے کے لیے قیامت برپا ہوگی پھر حساب کتاب ہوگا اور نتیجہ نکلے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ﴾ اور بے شک البتہ قیامت ضرور آنے والی ہے۔ یہاں تمھارے ذمہ ایک نصاب ہے کہ توحید پر قائم رہو، شرک نہ کرو، نمازیں پڑھو، روزے رکھو، حج کرو، زکوۃ دو، نیکی کرو، برائی چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاؤ۔ اس کے بعد تمھارا امتحان ہوگا امتحان گاہ کا نام قیامت ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے یہ نصاب پیش کیا توحید بیان کی اور شرک کی تردید کی تو کافروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہا سَاحِرٌ كَذَّابٌ۔ یہ جادوگر ہے اور بڑا جھوٹا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) کوئی کہتا مُفتری ہے جو کچھ کہہ رہا ہے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھ رہا ہے، کوئی کہتا مجنون ہے، کوئی کہتا مسحور ہے اس پر جادو کیا ہوا ہے۔ یہ باتیں انسان کو طبعاً ناگوار گزرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ﴾ پس آپ درگزر کریں اچھی طرح درگزر کرنا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جواب میں کہیں کہ تم بھی جھوٹے تمھارے باپ دادا بھی جھوٹے تمھارا خاندان جھوٹا پھر تو نتیجہ کچھ اور ہی نکلے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی طرح ہو جائیں گے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باتوں سے درگزر کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درگزر کیا اور یہ بڑے حوصلے کی بات ہے۔ پیغمبروں کو بہت کچھ کہا گیا مگر انھوںؑ نے بات ہنس کر ٹال دی۔ ﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ﴾ بے شک آپ کا رب وہی ہے پیدا کرنے والا جاننے والا ہے۔ خلاق کا معنی ہے پوری طرح پیدا کرنے والا۔

تصویریں بنانے والوں کو عذاب ہوگا

آپ دیکھتے ہیں کہ لوگ ایسے طریقے سے بت بناتے ہیں، تصویریں بناتے ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے لیکن وہ اس میں روح تو نہیں ڈال سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے شکلیں بھی بنائی ہیں اور ان میں روح بھی ڈالی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جان دار چیز کی تصویر بنائی، بت بنایا اَشَدُّ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَذَابًا قیامت والے دن اس کو سخت سزا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اس میں جان ڈالو، روح ڈالو جب تک روح نہیں ڈالو گے سزا ہوتی رہے گی اور روح کے بغیر جسم بیکار ہے روح جب نکل جائے تو سب یہی چاہتے ہیں کہ جلدی سے اس کو زمین کے نیچے دفن کر دیں۔ فرمایا ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے آپ کو سات آیتیں دی جو دھرائی جاتی ہیں۔

امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھنی

سورۃ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں اور ہر نماز میں پڑھی جاتی ہیں کوئی نماز ایسی نہیں ہے جس میں سورۃ فاتحہ نہ ہو۔ ہاں! جماعت کے ساتھ نماز ہو تو پھر یہ وظیفہ امام کا ہے مقتدی کا نہیں ہے۔ یعنی نماز با جماعت کی صورت میں امام نے سورۃ فاتحہ پڑھنی ہے مقتدی نے نہیں پڑھنی۔ ایک حدیث آتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز نہیں ہوتی جب تک فاتحہ نہ پڑھو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منفرد کے بارے میں ہے مقتدیوں کے بارے میں نہیں ہے (بحوالہ موطا امام مالک)۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں کہ لِمَنْ یُّصَلِّیْ وَحْدَهٗ ۔ یہ حدیث اس شخص کے متعلق ہے جو اکیلا نماز پڑھ رہا ہو اس کی نماز فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی مقتدی کے لیے فاتحہ نہیں ہے قطعاً۔ اور ہر روایت کو ہر نماز پر فٹ کرنا بڑی جہالت ہے۔ مقتدی کا کیا کام ہے؟ اس کے متعلق سورۃ الاعراف آیت نمبر ۲۰۴ میں ہے ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ "اور جب قرآن شریف پڑھا جائے پس کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔" اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا "جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو۔" لہٰذا امام کے پیچھے پڑھنے والا سخت گنہگار ہے۔

تو فرمایا ہم نے آپ کو سات آیتیں دی ہیں کہ دھرائی جاتی ہیں ﴿وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ﴾ اور ہم نے آپ کو قرآن عظیم دیا۔ یہ قرآن عظیم ہے اور نری ہدایت ہے اس کا دیکھنا ثواب، اس کا پڑھنا ثواب، اس پر عمل کرنا ثواب اور نجات کے لیے ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ﴾ آپ ہرگز نہ پھیلائیں اپنی دونوں آنکھوں کو ﴿اِلٰی مَا﴾ ان نعمتوں کی طرف ﴿مَتَّعْنَا بِهٖۤ﴾ ہم نے فائدہ دیا ہے ان کے ساتھ جو فائدے کے لیے ہم نے دی ہیں ﴿اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ ان کافروں میں سے مختلف لوگوں کو۔ مختلف طرح کے کافروں کو ہندوؤں کو، سکھوں کو، یہودیوں کو، عیسائیوں کو، بت پرستوں کو جو ہم نے نعمتیں دی ہیں مال و دولت دیا ہے اس کی طرف آپ مت دیکھیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دنیا

وَمَا فِيْهَا اور جو کچھ دنیا میں ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر بھی حیثیت ہوتی تو کافروں کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔ یہ تو ہمارے تمھارے نزدیک سونے چاندی کی قدر ہے، رقم کی قدر ہے اور چیزوں کی قدر ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان چیزوں کی کوئی قدر نہیں ہے اگر قدر ہوتی تو سب سے زیادہ پیغمبروں کو نصیب ہوتیں۔ یہ کافر ان چیزوں کو کب تک استعمال کریں گے؟ آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے آگے اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔

فرمایا ﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾ اور آپ غم نہ کریں ان پر، پریشان نہ ہوں جو کچھ ان کو دیا ہے یہ استدراج ہے کھا پی لیں، کتنا عرصہ کھائیں گے، پئیں گے؟ ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور نرم کریں اپنے بازوؤں کو، پست رکھیں اپنے بازوؤں کو مومنوں کے لیے یعنی مومنوں کے ساتھ نرمی کریں۔ آپ نے چھوٹے بچوں کو دیکھا ہوگا کہ اگر ان کو کام کہا جائے اور ان کی نیت ہو کرنے کی تو اپنے کندھے سیدھے رکھتا ہے اور اگر کام نہ کرنا ہو تو کندھے کو اُوپر اٹھاتا ہے زبان سے کچھ نہیں کہتا یعنی میں نے نہیں کرنا۔ تو فرمایا آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نرمی برتیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ [آل عمران: ۱۵۹] "پس آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ان کے لیے نرم مزاج واقع ہوئے ہیں اور اگر آپ سخت مزاج اور تنگ دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے اردگرد سے بھاگ جاتے۔" طبعی بات ہے کہ جو آدمی کڑوا ہوتا ہے لوگ اس کے قریب نہیں جاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو مجسمہ اخلاق تھے۔

﴿وَقُلْ﴾ اور آپ کہہ دیں ﴿اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ﴾ بے شک میں ڈرانے والا ہوں بات کھول کر کہ اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروگے تو دنیا میں بھی عذاب آئے گا قبر میں بھی ہوگا اور آخرت میں بھی ہوگا میں کوئی لگی لپٹی بات نہیں کرتا بلکہ واضح کر کے بتاتا ہوں ﴿كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ﴾ جیسا کہ ہم نے نازل کیا تقسیم کرنے والوں پر ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ لوگ ﴿جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ﴾ جنھوں نے کر دیا قرآن پاک کو ٹکڑے ٹکڑے۔

مقتسمین کی تشریح:

اس کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ کافر قرآن پاک کے ساتھ اس طرح مذاق کرتے تھے کہ قرآن پاک میں سورۃ البقرۃ بھی ہے، بقرہ کا معنیٰ گائے ہے اور سورۃ النساء بھی ہے نساء کا معنیٰ ہے عورتیں۔ اور سورۃ مائدہ بھی ہے مائدہ کا معنیٰ ہے دسترخوان۔ اور سورۃ الانعام بھی ہے انعام کا معنیٰ ہے مویشی۔ ایک کہتا کہ بقرہ میرے حصے میں رہنے دو، دوسرا کہتا مجھے عورتوں کا بڑا شوق ہے نساء میرے حصے میں رہنے دو، تیسرا کہتا مجھے کھانے پینے کا بڑا شوق ہے مائدہ میرے حصے میں رہنے دو اور کسی کو کہتے کہ تجھے عنکبوت دیں گے، عنکبوت کا معنیٰ ہے مکڑی۔ تو اس طرح قرآن پاک کو تقسیم کرتے تھے۔

اور یہ تفسیر بھی کرتے ہیں کہ قرآن پاک کو کوئی کہتا یہ ناولوں والی کتاب ہے، کوئی کہتا جادو کی کتاب ہے، کسی نے کہا شاعری ہے اس طرح قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا حالانکہ حاشا وکلا! یہ کتاب ایسی نہیں ہے۔ اور یہ تفسیر بھی کرتے ہیں کہ قرآن کا

لغوی معنٰی مراد ہے پڑھی جانے والی کتاب۔ تو مراد یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے ان کتابوں کو جو پڑھی جاتی تھیں زبور، تورات، انجیل ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اس طرح کہ اس کے بہت سارے حصے کو مخفی رکھتے تھے اور جو حصہ مفید مطلب ہوتا تھا اس کو بیان کرتے تھے۔ تو مطلب ہوگا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی پڑھی جانی والی کتابوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ﴿فَوَرَبِّكَ﴾ واؤ قسم کا ہے۔ پس قسم ہے آپ کے رب کی ﴿لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ البتہ ہم ضرور سوال کریں گے ان سب سے ﴿عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ان کارروائیوں کے بارے میں جو وہ کرتے رہے ﴿فَاصْدَعْ﴾۔ صَدَعٌ کا لفظی معنٰی ہے شیشے کا ٹوٹ جانا اور شیشہ ٹوٹ جائے تو بہت کم جڑتا ہے، معنٰی ہے پس آپ کھول کر بیان کریں ﴿بِمَا تُؤْمَرُ﴾ وہ چیز جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ جس طرح شیشہ ٹوٹ جائے تو نہیں جڑتا اسی طرح حق و باطل کو خلط ملط نہ کریں کھول کر بیان کریں تاکہ حق باطل سے نکھر جائے، جدا ہو جائے۔

دین کی بات کھری کرنی چاہیے:

بعض آدمی اس طرح کرتے ہیں کہ کچھ بات اسلام کی اور کچھ اپنی مرضی کی اور کچھ رسموں کی ملی ہوئی بات کرتے ہیں ایسا نہ ہو بلکہ کھری کھری بات ہو۔ ﴿وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور آپ اعراض کریں شرک کرنے والوں سے۔ یہ آپ ﷺ کو جادوگر کہتے ہیں، مفتری کہتے ہیں، مجنون کہتے ہیں (معاذ اللہ!) آپ ﷺ ان کی باتوں کی طرف توجہ نہ دیں ﴿اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ﴾ بے شک ہم کفایت کرنے والے ہیں آپ کے لیے ٹھٹھا کرنے والوں کے شر سے۔ جن لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ استہزاء کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں بھی بری موت سے مارا، کسی پر طاعون مسلط کیا، کسی کے پاؤں میں کانٹا چبھا وہ بگڑا اور مر گیا کسی کے گلے میں رسی پڑی اور مر گیا، بعض پاگلوں کی طرح بھاگتے رہتے تھے ان کے نام بھی تفسیروں میں آئے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل کر کے مارا۔

یہ مذاق کون کرتے ہیں؟ فرمایا ﴿الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ وہ لوگ جو بناتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور الٰہ، حاجت روا، مشکل کشا، فریاد رس، دست گیر بناتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو ﴿فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب وہ جان لیں گے آخرت کی سزا کو جو دنیا کی سزا سے الگ ہے ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ﴾ اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں ﴿اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ﴾ بے شک آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے دل تنگ ہوتا ہے ﴿بِمَا يَقُوْلُوْنَ﴾ ان باتوں سے جو وہ کہتے ہیں۔ وہ کہتے تھے خداوند عزیز کے ساتھ اور خدا بھی ہیں اس سے آپ ﷺ کو تکلیف پہنچتی تھی، کہتے تھے قیامت نہیں ہے اس سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوتی تھی، قرآن پاک کے بارے میں کہتے کہ یہ شعر و شاعری ہے اس سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوتی، آپ ﷺ کی ذات کے متعلق کہتے مجنون ہے، جادوگر ہے، بڑا جھوٹا ہے (معاذ اللہ تعالیٰ!) اس سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوتی۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ہم خوب جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ ﷺ کا سینہ تنگ ہوتا ہے ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ پس آپ تسبیح بیان کریں اپنے رب کی تعریف کی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ پڑھیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے اَفْضَلُ الْكَلَامِ سُبْحَانَ اللّٰهِ

وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ ۔اس کا ورد ہر وقت کرو وضو ہو یا نہ ہو، عورتوں نے نماز پڑھنی ہو یا نہ پڑھنی ہو کثرت کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھیں۔

﴿وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ﴾ اور ہو جائیں آپ سجدہ کرنے والوں میں سے، جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں میں سے ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ﴾ اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں ﴿حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ یہاں تک کہ آ جائے آپ کے پاس یقینی بات۔ یہاں یقین کا معنیٰ موت ہے کہ وفات تک رب تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیں۔

نماز کسی کو معاف نہیں ہے

نماز کسی کو معاف نہیں ہے کئی جاہل قسم کے لوگ متاہر یعنی بڑا سا رنگین ڈنڈا لیے پھرتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ پہنچا ہوا ہے اس کو نماز روزے معاف ہیں۔بھئی! آنحضرت ﷺ کو وفات تک معاف نہیں ہوئے اور کون ہے جس کو معاف ہوں؟ ہاں! پاگل ہو تو بات علیحدہ ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ پاگل مرفوع القلم ہوتا ہے اس پر کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا۔جس کا ہوش و حواس ٹھکانے ہے اس کو نہ نماز معاف ہے، نہ روزہ معاف ہے، نہ اور احکام معاف ہیں۔اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔

آج بروز بدھ ۹ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ بمطابق ۲۴ رفروری ۲۰۱۰ءکو
سورہ حجر مکمل ہوئی۔
والحمد للہ تعالیٰ علی ذلک

(مولانا) محمد نواز بلوچ
مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس جناح روڈ گوجرانوالا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ النَّحۡلِ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇦ رُبَمَا

۱۴

آیاتها ۱۲۸ (۱۶) سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ (۷۰) رکوعاتها ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کا حکم آپہنچا ہے ﴿فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ﴾ پس تم جلدی نہ کرو اس کے لیے ﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے ﴿وَتَعٰلٰى﴾ اور وہ بلند ہے ﴿عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ ان چیزوں سے جن کو یہ اس کے ساتھ شریک بناتے ہیں ﴿يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ﴾ وہ اُتارتا ہے فرشتوں کو ﴿بِالرُّوْحِ﴾ راز کی باتوں کے ساتھ ﴿مِنْ اَمْرِهٖ﴾ اپنے معاملے سے ﴿عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ﴾ جس پر چاہتا ہے ﴿مِنْ عِبَادِهٖٓ﴾ اپنے بندوں میں سے ﴿اَنْ اَنْذِرُوْٓا﴾ یہ کہ تم ڈرا دو لوگوں کو ﴿اَنَّهٗ﴾ بے شک شان یہ ہے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا﴾ نہیں ہے کوئی معبود مگر صرف میں ﴿فَاتَّقُوْنِ﴾ پس تم مجھ سے ڈرو ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ اس نے پیدا کیا آسمانوں کو ﴿وَالْاَرْضَ﴾ اور زمین کو ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿تَعٰلٰى﴾ بلند ہے ﴿عَمَّا﴾ ان چیزوں سے ﴿يُشْرِكُوْنَ﴾ جن کو یہ اس کے ساتھ شریک بناتے ہیں ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ﴾ اس نے پیدا کیا انسان کو ﴿مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ نطفے سے ﴿فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ﴾ پس وہ اچانک جھگڑا کرتا ہے کھلے طور پر ﴿وَالْاَنْعَامَ﴾ اور مویشیوں کو ﴿خَلَقَهَا﴾ اس رب نے پیدا کیا ہے ﴿لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ﴾ تمھارے لیے اس میں گرمی کا سامان ہے ﴿وَّمَنَافِعُ﴾ اور بہت سے فائدے ہیں ﴿وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾ اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو ﴿وَلَكُمْ فِيْهَا﴾ اور تمھارے لیے ان میں ﴿جَمَالٌ﴾ خوب صورتی ہے ﴿حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ﴾ جس وقت تم انھیں چراگاہوں سے چرا کر پچھلے پہر لے آتے ہو ﴿وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ﴾ اور جس وقت صبح کے وقت ان کو چرانے کے لیے لے جاتے ہو ﴿وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ﴾ اور وہ تمھارا بوجھ اُٹھاتے ہیں ﴿اِلٰى بَلَدٍ﴾ ان شہروں تک ﴿لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ﴾ کہ تم نہیں پہنچانے والے تھے ان شہروں تک ﴿اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ﴾ مگر اپنی جانوں کو مشقت میں ڈال کر ﴿اِنَّ رَبَّكُمْ﴾ بے شک تمھارا رب ﴿لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ البتہ بڑی شفقت کرنے والا مہربان ہے ﴿وَّالْخَيْلَ﴾ اور اس نے پیدا کیا گھوڑوں کو ﴿وَالْبِغَالَ﴾ اور خچروں کو ﴿وَالْحَمِيْرَ﴾ اور گدھوں کو ﴿لِتَرْكَبُوْهَا﴾ تاکہ تم ان پر سوار ہو ﴿وَزِيْنَةً﴾ اور زینت ہو ﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور رب تعالیٰ پیدا کرے گا وہ چیزیں جن کو تم نہیں جانتے ﴿وَعَلَى اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے ﴿قَصْدُ السَّبِيْلِ﴾ سیدھے راستے کا بیان کرنا ﴿وَمِنْهَا جَآئِرٌ﴾ اور ان راستوں میں سے بعض ٹیڑھے ہیں ﴿وَلَوْ شَآءَ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے ﴿لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾

البتہ ہدایت دے دے تم سب کو۔

گزشتہ سورت کے آخر میں قیامت کا ذکر تھا ﴿وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ﴾ "بے شک قیامت آنے والی ہے۔" مشرکین مکہ قیامت کے منکر تھے کبھی کہتے ﴿مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [یٰسین: ۴۸] "اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو۔" اور سورۃ النازعات آیت نمبر ۴۲ میں ہے ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسٰهَا﴾ "یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب برپا ہوگی۔" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿أَتٰى أَمْرُ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کا حکم آ پہنچا ہے۔ آئے گا لیکن یوں سمجھو کہ آچکا ہے۔

اس سورت کا نام نحل رکھنے کی وجہ

اس سورت کا نام نحل ہے۔ نحل نَحْلَةٌ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے شہد کی مکھی۔ اس سورت میں آئندہ شہد اور شہد کی مکھی کا ذکر آئے گا یعنی وہ سورت جس میں شہد کی مکھی کا ذکر ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور نازل ہونے کے اعتبار سے اس کا ستر واں نمبر ہے۔ انہتر [۶۹] سورتیں اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں۔ اس کے سولہ [۱۶] رکوع اور ایک سو اٹھائیس [۱۲۸] آیات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿أَتٰى أَمْرُ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کا حکم آ چکا ہے قیامت کے بارے میں جس میں تم شک کرتے ہو۔ یوں سمجھو کہ وہ آ گئی ہے ﴿فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ﴾ پس تم جلدی نہ کرو اس کے لیے کہ کب آئے گی، قیامت آتی کیوں نہیں، یوں سمجھو وہ آ چکی ہے پس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ "جو مرا پس اس کی قیامت قائم ہوگئی۔" ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور بہت ہی بلند ہے ﴿عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ ان چیزوں سے جن کو یہ اس کے ساتھ شریک بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان سے پاک بھی ہے اور بہت بلند ہے ﴿يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ﴾ وہ فرشتوں کو نازل کرتا ہے، اُتارتا ہے ﴿بِالرُّوْحِ﴾ راز دے کر۔ وحی کو روح کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ جس طرح جان دار چیزوں کی زندگی روح کے ساتھ ہے، روح ہے حیات ہے، روح نکل گئی موت ہے۔ اسی طرح روحانی زندگی روح کے ساتھ ہے اگر وحی الٰہی نہیں ہے تو انسان انسان نہیں ہے حیوانوں سے بھی بدتر ہے اس لیے وحی کو روح کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ مِنْ أَمْرِهٖ اپنے معاملے سے۔ مثلاً: جبرئیل علیہ السلام کو وحی دے کر اپنے حکم کے مطابق بھیجتا ہے۔ کس پر؟ ﴿عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ﴾ جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے۔

حضرت آدم علیہ السلام پہلے پیغمبر ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ پیغمبروں پر وحی نازل کرتے ہیں راز کی باتیں، حکمت کی باتیں، دانائی کی باتیں، حلال حرام کی باتیں، جائز اور ناجائز کی باتیں جو کہ انسان کی ضرورت تھا وہ سب اس میں آتی ہیں۔ اس وحی میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ﴿أَنْ أَنْذِرُوْٓا﴾ یہ کہ تم ڈراؤ لوگوں کو کہ شرک چھوڑ دو ورنہ خدا کے غضب سے نہیں بچ سکو گے توحید کو قبول کرو ﴿أَنَّهٗ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا﴾ بے شک شان یہ ہے کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر صرف میں۔

تمام پیغمبروں کا پہلا سبق توحید ہے

جتنے پیغمبر دنیا میں تشریف لائے ہیں ان کا سب سے پہلا سبق ہی یہی تھا اور ان کی تبلیغ کا آغاز یہاں سے ہوا ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ [اعراف: ۷۳] "اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔" اور جب اللہ میں ہوں تو ﴿فَاتَّقُوْنِ﴾ پس تم مجھ سے ڈرو اور کسی سے نہ ڈرو۔

انفس آفاق کے حوالے سے توحید کے دلائل

آگے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے دلائل ذکر کرتے ہیں۔ فرمایا ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ رب تعالیٰ نے پیدا کیا آسمانوں کو ﴿وَالْاَرْضَ﴾ اور زمین کو ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ۔ کوئی چیز دنیا میں بے فائدہ نہیں ہے۔ دیکھو! یہ تپائی ہے نہ یہ خود بنی ہے اور نہ بے مقصد ہے بنانے والے نے اس لیے بنائی ہے کہ اس پر قرآن شریف رکھا جائے، حدیث شریف رکھی جائے یا کوئی کتاب رکھی جائے لہٰذا سب چیزیں حق کے ساتھ ہیں ﴿تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے ان چیزوں سے جن کو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے ہیں ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ اس نے پیدا کیا انسان کو نطفے سے۔ سورت دہر آیت نمبر ۲ میں ہے ﴿مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ﴾ "ملے جلے نطفے سے۔" مرد اور عورت کا نطفہ ملتا ہے جو معمولی مقدار میں ہوتا ہے پھر جس کا غالب ہو جائے بچے کی شکل اس پر جاتی ہے۔ ماں کا غالب ہو گیا تو بچے کی شکل ماں پر ہو جائے گی اور اگر باپ کا نطفہ غالب ہو گیا تو شکل باپ پر ہو جائے گی۔

انسان کا وجود تمام چیزوں سے عجیب تر ہے وہ حقیر قطرہ بدن سے شہوت کے ساتھ نکلے تو سارا بدن ناپاک کپڑے پر لگے تو کپڑا ناپاک لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے کیسا خوبصورت آدمی پیدا فرمایا۔ آنکھیں دیں، ہاتھ دیئے، پاؤں دیئے، ناک بنایا، تمام اعضاء بنائے، اس قطرے کو آدمی ہاتھ لگانے کے لیے تیار نہیں ہے لیکن اس سے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو سب چومتے پھرتے ہیں اور وہ ﴿فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ﴾ پس وہ اچانک جھگڑا کرتا ہے کھلے طور پر۔ رب تعالیٰ کے وجود کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے، پیغمبروں کے متعلق جھگڑا کرتا ہے، کتابوں کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے، حق کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے، ختم نبوت کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے اور اپنی حقیقت نہیں سمجھتا کہ میں کیا تھا اور کیا بنا۔

انعامات خداوندی

﴿وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا﴾ اور مویشیوں کو اس رب نے پیدا کیا ہے۔ سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۴۳-۱۴۲ میں ان مویشیوں کا ذکر ہے۔ بھیڑ نر، مادہ، اُونٹ نر، مادہ، گائے نر، مادہ۔ یہ رب تعالیٰ نے تمھارے لیے پیدا فرمائے ہیں ﴿لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ﴾ تمھارے لیے ان جانوروں میں گرمی کا سامان ہے۔ ان کی اون اور ریشم سے تم گرم کپڑے بناتے ہو سردی سے بچاؤ کے لیے۔ یہ دیکھو! میں نے اون کا سویٹر پہنا ہوا ہے اس نے اون کی چادر لی ہوئی ہے یہ رب تعالیٰ کی نعمت ہے۔ ﴿وَّمَنَافِعُ﴾ اور بہت سے

فائدے ہیں۔ ان کا دودھ بیچتے ہو، ان کی اُون بیچتے ہو، دودھ پیتے ہو ان کی نسل بڑھتی ہے تمھاری دولت بڑھتی ہے ﴿وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ﴾ اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو، ذبح کر کے بھی کھاتے ہو، ان کا گھی بیچ کر بھی کھاتے ہو، دودھ بیچ کر بھی کھاتے ہو ﴿وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ﴾ اور تمھارے لیے ان میں خوب صورتی ہے ﴿حِينَ تُرِيحُونَ﴾ جس وقت تم انھیں چراگاہوں سے چرا کر شام کو واپس لاتے ہو ﴿وَحِينَ تَسْرَحُونَ﴾ اور جس وقت صبح کے وقت ان کو چرانے کے لیے جاتے ہو۔ جاتے آتے وقت جانور اچھے اور خوب صورت لگتے ہیں اور جمال کا یہ مطلب بھی ہے کہ لوگ فخر کرتے ہیں میرے پاس اتنی بھینسیں ہیں، میرے پاس اتنے بیل ہیں، اتنی گائیں ہیں، اتنی بکریاں ہیں۔ رب تعالیٰ نے یہ مال تمھیں دیا ہے۔

﴿وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ﴾ اور وہ تمھارا بوجھ اُٹھاتے ہیں ﴿إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ﴾ ان شہروں تک کہ تم نہیں لے جانے والے تھے ان شہروں تک اس سامان کو ﴿إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ﴾ مگر اپنی جانوں کو مشقت میں ڈال کر۔ دیکھو! من دو من کی بوری گکھڑ سے گوجرانوالہ یا وزیر آباد طاقت ور آدمی بھی بڑی مشقت سے لے جائے گا اور اگر اُونٹ، بیل، بھینسے وغیرہ پر رکھ دو، وہ آرام سے لے جائے گا یہ رب تعالیٰ کی طرف سے تمھارے لیے سہولت ہے ﴿إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ بے شک تمھارا رب البتہ بڑی شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

انسان کو اپنے آپ پر غور کرنا چاہیے!

دیکھو! ایک ملازم کی ڈیوٹی ہوتی ہے کہ اس نے اتنے گھنٹے کام کرنا ہے فلاں ٹائم پر آنا ہے اور فلاں ٹائم چھٹی کرنی ہے۔ اگر وہ نہ آئے یا وقت پر نہ آئے اور اپنی ڈیوٹی میں کوتاہی کرے تو برداشت نہیں کرتے اور اس کو تنبیہ کرتے ہیں کہ اگر تو نے ڈیوٹی صحیح نہ دی تو میں تجھے نکال دوں گا معطل کر دوں گا اور اگر وہ باز نہ آئے تو نکال بھی دیتے ہیں۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے ہمارے ذمہ بھی یہاں ڈیوٹی لگائی ہے بے مقصد پیدا نہیں کیا لہٰذا ہمیں بھی سوچنا چاہیے کہ ہم اس کی زمین پر رہتے ہیں اس کے آسمان کے نیچے رہتے ہیں اس کی پیدا کردہ روزی کھاتے پیتے ہیں ہوا لے کر زندہ رہتے ہیں ڈیوٹی بھی ادا کرتے ہیں یا نہیں؟ یقین جانو! یہ اس کی رحمت اور شفقت ہے کہ ہم سرکشی پر ڈٹے ہوئے ہیں وہ انتقام نہیں لیتا فنا نہیں کرتا۔ حالاں کہ دنیا میں کوئی ملازم ایک گھنٹہ لیٹ ہو جائے تو اس کو کان پکڑا دیتے ہیں اور ہم کئی کئی سال اور کئی کئی مہینے غفلت میں گزار دیتے ہیں اور ہمیں کوئی پروا نہیں ہے کہ اس نے ہمیں اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور ہمارے ذمہ ڈیوٹیاں لگائی ہیں اور ہم کیا کر رہے ہیں اگر وہ انتقام لینا چاہے اور فنا کرنا چاہے تو ایک لمحہ میں کر سکتا ہے۔ نافرمانی کے باوجود اولاد بھی دیتا ہے، رزق بھی دیتا ہے، مال و دولت بھی دی ہے بڑا حلیم ہے تحمل کرنے والا ہے اس کے تحمل کا نتیجہ ہے کہ فوراً ختم نہیں کرتا۔

﴿وَالْخَيْلَ﴾ اور اس نے پیدا کیا گھوڑوں کو ﴿وَالْبِغَالَ﴾ اور خچروں کو ﴿وَالْحَمِيرَ﴾ اور گدھوں کو ﴿لِتَرْكَبُوهَا﴾ تا کہ تم ان پر سوار ہو ﴿وَزِينَةً﴾ اور زینت ہو۔ اس زمانے میں یہی سواریاں تھیں ان پر سوار ہو کر لوگ سفر کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ

کا گدھا تھا جس کا نام عُفَیر تھا جب آنحضرت ﷺ کی وفات ہوگئی تو وہ دیوانوں کی طرح پھرتا تھا کبھی مسجد نبوی کے سامنے آ کر کھڑا ہو جاتا کہ آپ ﷺ یہاں سے باہر تشریف لائیں گے اور میرے اُوپر سوار ہوں گے اور کبھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے سامنے آ کر کھڑا ہو جاتا کبھی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے سامنے اور کبھی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے اور کبھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر چلا جاتا کہ آپ ﷺ کبھی یہاں سے بھی نکلتے تھے۔ جس وقت اس عُفَیر نامی گدھے کو یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ دنیا میں نہیں ہیں تو اُونچے ٹیلے پر جا کر اس نے اپنے آپ کو نیچے گرا کر خودکشی کر لی۔ چوں کہ حیوان تھا اور حیوان پر کوئی مقدمہ نہیں چل سکتا کیوں کہ وہ مکلف نہیں ہے۔ انسان اور جن مکلف ہیں ان کے لیے خودکشی حرام ہے اگر خودکشی جائز سمجھ کر کرے گا تو کافر ہے اس کی کبھی بخشش نہیں ہوگی۔ اگر جذبات میں آ کر کرے گا تو گنہگار ہے اور گنہگار کے لیے استغفار بھی ہے اور صدقہ خیرات بھی ہے۔

قیامت تک آنے والی تمام نئی ایجادات کا اشارہ قرآن میں موجود ہے

﴿وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور رب تعالیٰ پیدا کرے گا وہ چیزیں جن کو تم نہیں جانتے۔ آج جو چیزیں ہم دیکھ رہے ہیں یہ چیزیں اس وقت تصور میں بھی نہیں تھیں۔ جہاز ہیں، ریل گاڑیاں ہیں، بسیں اور کاریں ہیں رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کو سمجھ دی ہے تو انھوں نے بنائیں۔ آج سے پچاس سال پہلے اگر کوئی شخص کہتا کہ تمھارے گھر میں ایسا ایندھن آئے گا کہ نہ اس کا دھواں ہوگا اور نہ راکھ ہوگی زمین کے نیچے سے آئے گا تم اس پر روٹیاں پکاؤ گے، چائے پکاؤ گے تو لوگ اس کو پاگل خانے میں لے جا کر بند کر دیتے۔ لیکن آج گیس گھروں میں آیا ہوا ہے بڑی سہولت ہے مگر جتنی سہولیات ہیں ان سے بڑھ کر نافرمانیاں ہیں۔ چودھری محمد خان مرحوم کہتے تھے میں روزانہ گکھڑ سے پیدل چل کر گوجرانوالا جاتا اور پڑھ کر واپس آتا تھا اس وقت یہ گاڑیاں بسیں نہیں ہوتی تھیں۔ روزانہ گوجرانوالا پیدل جا کر پڑھ کر آنا بہت بڑی بات ہے اور آج حال یہ ہے کہ نارمل سکول سے بھی بس آئے تو بچے لٹکتے پھرتے ہیں۔

ایمان اور کفر اختیاری ہے

﴿وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے سیدھے راستے کا بیان کرنا اور اس نے سیدھا راستہ بیان کیا ہے۔ سورت انعام آیت نمبر ۱۵۳ میں ہے ﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ﴾ "اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے بس اس کی اتباع کرو۔" ﴿وَ مِنْهَا جَآئِرٌ﴾ اور ان راستوں میں سے بعض ٹیڑھے ہیں۔ کفر کے راستے یہودیت، عیسائیت اور باطل فرقوں کے مذاہب سب ٹیڑھے راستے ہیں ان پر نہ چلو تم سیدھے راستے پر چلو ﴿وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے البتہ ہدایت دے دے تم سب کو جبراً مگر وہ جبراً ہدایت نہیں دیتا اس نے انسانوں کو اور جنوں کو اختیار دیا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف:۲۹] "پس جو چاہے اپنی مرضی سے ایمان لائے اور اپنی مرضی سے کفر اختیار کرے۔" ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾

[النساء:۱۱۵] "پھیر دیں گے ہم جدھر وہ پھرنا چاہے۔" اس طرف کی ہم توفیق دے دیں گے زبردستی نہ کسی پر کفر مسلط کرتا ہے اور نہ ایمان مسلط کرتا ہے۔ رب تعالیٰ نے عقل اور سمجھ دی ہے پیغمبر بھیجے ہیں، کتابیں نازل فرمائی ہیں، ہر دور میں حق کی آواز بلند کرنے والے بھیجے ہیں لہٰذا اپنی مرضی کے ساتھ جس راستے پر کوئی چلنا چاہے گا اللہ تعالیٰ اس پر چلا دے گا۔

سورت عنکبوت آیت نمبر ۶۹ میں ہے ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ "اور وہ لوگ جو کوشش کرتے ہیں ہماری طرف آنے کی ہم ضرور ان کی راہنمائی کرتے ہیں اپنے راستوں کی۔" یعنی اپنی طرف آنے کی توفیق دے دیتے ہیں اور سورت صف پارہ ۲۸ میں فرمایا ﴿فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ "پس جب وہ ٹیڑھے چلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔" جبر کسی پر نہیں ہے اگر چاہے تو سب کو ہدایت دے دے مگر حکمت کے خلاف ہے اس نے اختیار دیا ہے اپنی مرضی سے کوئی ایمان لائے اور اپنی مرضی سے کفر اختیار کرے۔

﴿هُوَالَّذِيْ﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿اَنْزَلَ﴾ جس نے اُتارا ﴿مِنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان کی طرف سے ﴿مَآءً لَّكُمْ﴾ پانی تمھارے لیے ﴿مِّنْهُ﴾ اس پانی سے ﴿شَرَابٌ﴾ پینے کے لیے ہے ﴿وَّمِنْهُ﴾ اور اس پانی سے ﴿شَجَرٌ﴾ درخت ہیں ﴿فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ﴾ اس میں تم جانور چراتے ہو ﴿يُنْۢبِتُ لَكُمْ﴾ اُگاتا ہے تمھارے لیے ﴿بِهِ﴾ اس کے ذریعے ﴿الزَّرْعَ﴾ کھیتیاں ﴿وَالزَّيْتُوْنَ﴾ اور زیتون کے درخت ﴿وَالنَّخِيْلَ﴾ اور کھجوروں کے ﴿وَالْاَعْنَابَ﴾ اور انگوروں کے ﴿وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ اور ہر قسم کے پھل ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں ﴿لَاٰيَةً﴾ البتہ نشانی ہے ﴿لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو فکر کرتی ہے ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ﴾ اور اس نے کام میں لگا دیا تمھارے لیے ﴿الَّيْلَ﴾ رات کو ﴿وَالنَّهَارَ﴾ اور دن کو ﴿وَالشَّمْسَ﴾ اور سورج کو ﴿وَالْقَمَرَ﴾ اور چاند کو ﴿وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ﴾ اور ستارے بھی پابند ہیں ﴿بِاَمْرِهٖ﴾ اس کے حکم کے ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں ﴿لَاٰيٰتٍ﴾ البتہ بہت نشانیاں ہیں ﴿لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو سمجھتی ہے ﴿وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ﴾ اور وہ چیز جو اللہ نے پیدا کی ہے تمھارے لیے ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ﴾ مختلف ہیں رنگ اس کے ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں ﴿لَاٰيَةً﴾ البتہ نشانی ہے ﴿لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو نصیحت حاصل کرتی ہے ﴿وَهُوَالَّذِيْ﴾ اور وہ وہ ذات ہے ﴿سَخَّرَ الْبَحْرَ﴾ جس نے تابع کیا سمندر کو ﴿لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ﴾ تاکہ تم کھاؤ اس سے ﴿لَحْمًا طَرِيًّا﴾ تازہ گوشت ﴿وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً﴾ اور نکالو تم اس سے زیور ﴿تَلْبَسُوْنَهَا﴾ جس کو تم پہنتے ہو ﴿وَتَرَى الْفُلْكَ﴾ اور اے مخاطب! تو دیکھتا ہے کشتیوں کو ﴿مَوَاخِرَ فِيْهِ﴾ جو چیرتی ہوئی جاتی ہیں اس میں

﴿وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اور تا کہ تم تلاش کرو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ﴿وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور تا کہ تم شکریہ ادا کرو ﴿وَ اَلْقٰى فِی الْاَرْضِ﴾ اور ڈالے اللہ تعالیٰ نے زمین میں ﴿رَوَاسِیَ﴾ مضبوط پہاڑ ﴿اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ﴾ تا کہ زمین تمھارے ساتھ مضطرب نہ ہو ﴿وَ اَنْهٰرًا﴾ اور نہریں چلائیں ﴿وَّ سُبُلًا﴾ اور راستے بنائے ﴿لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ تا کہ تم راہ پاؤ ﴿وَ عَلٰمٰتٍ﴾ اور کئی علامتیں مقرر کیں ﴿وَ بِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ﴾ اور ستاروں کے ذریعے وہ راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر :

گزشتہ سبق میں آپ نے پڑھا ﴿یُنَزِّلُ الْمَلٰٓىِٕكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ﴾ "وہ اُتارتا ہے فرشتوں کو راز کی باتوں کے ساتھ اپنے معاملے سے جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے۔" اس وحی کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے ﴿اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا﴾ "یہ کہ ڈراؤ تم اس بات سے کہ میری ذات کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔" اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود کیوں نہیں ہے؟ فرمایا ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ اس نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو اور جانوروں کو۔ گھوڑے، خچر، اونٹ وغیرہ سب رب نے پیدا فرمائے ہیں تو عبادت کا مستحق بھی وہی ہے۔

اسی سلسلے میں مزید نعمتوں کا ذکر فرماتے ہیں ﴿هُوَ الَّذِیْۤ﴾ وہی ذات ہے اللہ تعالیٰ کی ﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ﴾ جس نے اُتارا آسمان کی طرف سے پانی تمھارے لیے ﴿مِّنْهُ شَرَابٌ﴾ اس بارش کے پانی سے تم پیتے بھی ہو۔ آج بھی ایسے علاقے موجود ہیں کہ وہاں کے لوگوں کے لیے بارش کا پانی ہے۔ بارش جب ہوتی ہے تو تالابوں میں جمع ہو جاتا ہے خود بھی اس سے پیتے ہیں اور جانور بھی، اسی سے نہاتے ہیں اور کپڑے دھوتے ہیں ﴿وَّ مِنْهُ شَجَرٌ﴾ اور اس بارش کے پانی کی وجہ سے درخت ہوتے ہیں، پودے ہوتے ہیں، سبزیاں پیدا ہوتی ہیں، گھاس پیدا ہوتا ہے تمھارے جانور، بھیڑ، بکریاں اور اُونٹ چرتے ہیں ﴿فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ﴾ اس میں تم جانور چراتے ہو ﴿یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ﴾ اُگاتا ہے اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اس بارش کے پانی کے ذریعے کھیتیاں۔ بارانی علاقوں کا تو دارومدار ہی بارش پر ہے اور نہری علاقوں میں بھی بارش نہ ہو تو صرف نہری پانی کفایت نہیں کرتا اور بسا اوقات نہریں خشک بھی ہو جاتی ہیں اور جو پیداوار بارشی پانی سے ہوتی ہے وہ دوسرے سے نہیں ہوتی۔

﴿وَ الزَّیْتُوْنَ﴾ اور زیتون کے درخت۔ اس سے تیل نکلتا ہے اس علاقے کے لوگ زیتون کا تیل ہی استعمال کرتے ہیں ﴿وَ النَّخِیْلَ﴾ اور کھجوروں کے درخت۔ کھجوریں تمھاری خوراک بھی ہیں اور ان کو بیچ کر اپنی ضروریات پوری کرتے ہو ﴿وَ الْاَعْنَابَ﴾ اور انگوروں کے اور کیا پوچھتے ہو ﴿وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ اور ہر قسم کے پھل رب تعالیٰ نے پیدا فرمائے ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً﴾ بے شک البتہ اس میں نشانی ہے ﴿لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو غور و فکر کرتی ہے کہ رب تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی ہے اور اس کے ذریعے اس نے فصلیں اور اناج پیدا فرمایا ہے، پھل پیدا فرمائے ہیں اور اس کے سوا یہ کام اور کوئی کرنے

والانہیں ہے۔

﴿وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ﴾ اور رب تعالیٰ نے کام میں لگا دیا تمھارے لیے رات کو اور سورت نبا میں فرمایا ﴿وَّ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا﴾ "اور بنایا ہم نے رات کو لباس تاکہ تم رات کو آرام کرو۔" ﴿وَ النَّهَارَ﴾ اور دن کو تمھارے کام میں لگا دیا اور سورت نبا میں ہے ﴿وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا﴾ اور ہم نے دن کو بنایا ذریعۂ معاش تاکہ تم کمائی کرو، نیکیاں کرو، جہاد کرو، تبلیغ کرو، پڑھو ﴿وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ﴾ اور سورج اور چاند کو تمھارے کام میں لگا دیا۔ اسباب میں سورج کے بغیر بھی کوئی کام نہیں چلتا روشنی کے علاوہ اس کی کرنیں اور تپش سے فصلیں پکتی ہیں، پھل پکتے ہیں، سورج کی حرارت کا صحت پر اثر پڑتا ہے۔ اسی طرح رب تعالیٰ نے چاند میں جو روشنی رکھی ہے وہ فصلوں پر اثر ڈالتی ہے، کھیتیوں، پھلوں پر اثر ڈالتی ہے، انسانی اور حیوانی زندگی پر اُس کا اثر ہوتا ہے۔

ستاروں کی اقسام اور ان کی وضاحت

﴿وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ﴾ اور ستارے رب کے حکم کے تابع ہیں رب تعالیٰ نے ان کی جو ڈیوٹی لگائی ہے اس میں کمی نہیں کرتے۔ ستاروں کی دو قسمیں ہیں: ① ایک ثوابت اور ② دوسرے سیارات

ثوابت وہ ہیں جو اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں حرکت نہیں کرتے اور سیارات وہ ہیں جو چلتے ہیں۔ کوئی مشرق کی طرف چلتا ہے، کوئی مغرب کی طرف، کوئی شمال کی طرف اور کوئی جنوب کی طرف اور ایسے ستارے بھی ہیں جن کا وجود زمین سے بڑا ہے مگر ان کی رفتار کا کوئی حساب نہیں ہے اور کوئی کسی کے ساتھ ٹکراتا بھی نہیں ہے۔ کسی نے آج تک سنا ہے کہ ستارہ ستارے کے ساتھ ٹکرا گیا اور ایسا ہوا تو قیامت برپا ہو جائے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا محکم نظام ہے۔ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ﴾ بے شک اس میں بہت نشانیاں ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ﴿لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو عقل سے کام لیتی ہے سمجھتی ہے۔ سورج چاند بھی نظر آرہے ہیں اور ان کی حرکات اور فوائد بھی سامنے ہیں۔

﴿وَ مَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ اور وہ چیزیں جو اس نے پیدا کی ہیں تمھارے لیے زمین میں ﴿مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ﴾ مختلف ہیں رنگ ان کے۔ کوئی سفید ہے، کوئی سیاہ ہے، کوئی سبز ہے، کوئی زرد ہے۔ جانوروں کی رنگتیں بھی مختلف ہیں پھلوں اور سبزیوں کی بھی یہ سب چیزیں رب تعالیٰ نے پیدا کیں ہیں ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً﴾ بے شک اس میں البتہ نشانی ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ﴿لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو نصیحت حاصل کرتی ہے۔ جو نصیحت حاصل کرنا چاہے اس کے لیے بہت کچھ ہے۔ باغ میں جا کر دیکھو! کیسے کیسے عجیب و غریب قسم کے پھول ہیں رنگ مختلف شکلیں مختلف انسانوں کی شکلیں بھی اللہ تعالیٰ نے مختلف پیدا فرمائی ہیں۔ آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک کتنی مخلوق آئی ہے ان میں تمھیں دو آدمی بھی ایسے نہیں ملیں گے جن کی من وعن شکل ملتی ہو کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار مخلوق ہے جن کے مادے مختلف، شکلیں اور نمو نے مختلف۔

فرمایا ﴿وَ هُوَ الَّذِيْ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے ﴿سَخَّرَ الْبَحْرَ﴾ جس نے تابع کر دیا تمھارے سمندر۔ تابع کرنے

کا مطلب یہ ہے کہ تم غوطے لگاؤ، کشتیاں چلاؤ اس سے کام لو۔ ﴿لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا﴾ تاکہ تم کھاؤ اس سے تازہ گوشت۔ مچھلیاں پکڑو اور کھاؤ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار مخلوق ہے اور سمندروں پر جھگڑے ہوتے ہیں کہ یہ علاقہ ہمارا ہے وہ تمھارا ہے ایک دوسرے کے علاقے میں جائیں تو مچھیروں کو پکڑ لیتے ہیں۔ اس وقت بھی پاکستان کے کافی مچھیرے ہندوستان کے قبضے میں ہیں۔

مرد سونا وغیرہ استعمال نہیں کرسکتا :

﴿وَتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً﴾ اور نکالو تم اس سے زیور۔ موتی نکالو، ہیرے نکالو یہ موتی وغیرہ کا زیور مرد بھی پہن سکتا ہے اور عورتوں کو بھی اجازت ہے لیکن سونا مرد نہیں پہن سکتے۔ آنحضرت ﷺ نے سونے کا ایک ٹکڑا ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا فرمایا تم دیکھتے ہو میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ صحابہ ﷡ کہنے لگے حضرت! سونا معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا ہاں واقعی سونا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ میری اُمت کے مردوں کے لیے حرام فرمایا ہے۔ عورتوں کے لیے حلال ہے۔ مرد سونے کی کوئی چیز استعمال نہیں کرسکتا حتیٰ کہ انگوٹھی بھی نہیں پہن سکتا۔ البتہ سونے کا دانت لگوائے تو اجازت ہے۔ اگر کسی کا ناک کٹ گیا ہے تو سونے کا لگوا سکتا ہے عورتوں پر کوئی پابندی نہیں ہے سونے کا جتنا زیور اُٹھا سکتی ہیں اُٹھالیں۔ اور دوسرے ہاتھ میں آپ نے ریشم کا ٹکڑا لیا فرمایا دیکھ رہے ہو یہ کیا ہے؟ کہنے لگے حضرت! ایسے ہی ہے جیسے ریشم کا ٹکڑا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے مردوں کے لیے حرام کر دیا ہے عورتوں کے لیے حلال ہے۔ مگر ریشم سے مراد مصنوعی ریشم نہیں ہے بلکہ وہ جو کیڑے سے پیدا ہوتا ہے۔ اصلی ریشم مرد کے لیے حرام ہے عورتوں کے لیے حلال ہے اور چھوٹے بچوں کے لیے بھی۔ فقہائے کرام ﷭ نے تصریح فرمائی ہے کہ زیور انگوٹھی وغیرہ ان کو بھی پہنانا جائز نہیں ہے ہاں! لڑکیوں کے لیے جائز ہے۔

اور تعویذ کا حکم یہ ہے کہ عورتیں سونے چاندی کے بنا کر گلے میں ڈال سکتی ہیں مرد کے لیے سونے چاندی کے تعویذ کی بھی اجازت نہیں ہے چمڑے کا بنوالیں۔ موتی اور ہیروں کا زیور اور ہار بنا کر مرد پہن سکتا ہے اور حجریات (وہ چیزیں جو پتھر سے بنی ہوئی ہیں) پہن سکتا ہے اور ان میں زکوۃ بھی نہیں ہے۔ یہ بڑے بڑے شہروں میں جو بڑے بڑے سیٹھ ہیں یہ زکوۃ سے بچنے کے لیے لاکھوں، کروڑوں اور اربوں روپے کے ہیرے خرید کر رکھ لیتے ہیں لیکن یاد رکھنا! رب تعالیٰ نیتوں کو جانتا ہے إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔" یہ کہ تم اس پر کمر باندھ لو تو رب کے حکم کو توڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ مرد چار ماشے چاندی کی انگوٹھی پہن سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿تَلْبَسُوْنَهَا﴾ جن کو تم پہنتے ہو ﴿وَتَرَى الْفُلْكَ﴾ اور اے مخاطب! تو دیکھتا ہے کشتیوں کو ﴿مَوَاخِرَ فِيْهِ﴾۔ مَوَاخِرَ مَاخِرٌ کی جمع ہے۔ ماخر کا معنی ہے چیرنے والا ہے۔ یہ بڑی بڑی کشتیاں پانی کو چیرتی ہوئی جاتی ہیں تاکہ اس طرف کی چیزیں اُس طرف اور اُس طرف کی چیزیں اِس طرف پہنچائی جائیں ﴿وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اور تاکہ تم تلاش

کرو اللہ تعالیٰ کے فضل سے تجارتیں کرو ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور تا کہ تم خدا کا شکر یہ ادا کرو۔ جب تمھیں فائدہ حاصل ہو اور سمندر کی موجوں سے بچ جاؤ۔

﴿وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ﴾۔ رَوَاسِيَ رَاسِيَةٌ کی جمع ہے اس کا معنی ہے مضبوط پہاڑ، اور ڈالے ہیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں مضبوط پہاڑ ﴿اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ﴾ تا کہ زمین تمھارے ساتھ مضطرب نہ ہو، حرکت نہ کرے اور سورت نبا میں ہے ﴿وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا﴾ "پہاڑوں کے کیل ٹھونک دیئے۔" ورنہ زمین ہلتی اور اس پر بود و باش نہ ہو سکتی۔ آج معمولی سا زلزلہ آجائے تو لوگ گھروں سے باہر نکل آتے ہیں اور ہر سال کسی نہ کسی جگہ زلزلہ آتا ہی رہتا ہے اور كَثْرَتِ الزَّلَازِلِ زلزلوں کا کثرت سے آنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ مضبوط پہاڑ میخیں بنا کر زمین میں ٹھونک دیئے ہیں تا کہ زمین حرکت نہ کرے ﴿وَاَنْهٰرًا﴾ اور نہریں چلائیں جن کے ذریعے تم پانی حاصل کرتے ہو ﴿وَّسُبُلًا﴾ اور راستے بنائے ﴿لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ تا کہ تم راہ پاؤ اور اپنے گھر پہنچو۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔

﴿وَعَلٰمٰتٍ﴾ اور بہت سی علامتیں رب تعالیٰ نے قائم کی ہیں جن سے تم سمجھتے ہو کہ ہم نے ادھر جانا ہے۔ عقل بھی رب نے دی ہے، آنکھیں بھی رب نے دی ہیں ﴿وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ اور ستاروں کے ذریعے وہ راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ میں پہاڑی علاقے میں پیدا ہوا ہوں۔ ہمارے بڑے سحری کا وقت ہوتا تھا تو اُٹھ کر ستارے دیکھتے تھے گھڑیاں تو نہیں ہوتی تھیں دیکھتے تھے کہ اب یہ ستارہ یہاں آ گیا ہے لہٰذا وقت ہو گیا ہے اور اب گھڑیاں ہیں، وقت منضبط ہے لیکن اس کے باوجود سمندری سفر ستاروں کے ذریعے ہوتا ہے اور قبلے کا رخ بھی بعض ستاروں کے ذریعے معلوم ہوتا ہے۔ یہ جو ہمارے علاقے کی مساجد ہیں قبلے سے کوئی ایک ڈگری کوئی دو ڈگری پھری ہوئی ہیں لیکن ڈیڑھ، دو، تین، چار، پانچ ڈگری ہٹ بھی جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہاں! نئی مسجد جب بناؤ تو کوشش کرو کہ اس کا رخ صحیح ہو۔ پرانے مستریوں کے پاس آلات ہوتے ہیں قبلہ نما کو بھی دیکھتے ہیں جس کے ساتھ رخ صحیح کرتے ہیں۔ (حکومت کا جو محکمہ موسمیات ہے پنجاب میں اس کا ہیڈ آفس لاہور میں ہے۔ ان کا ایک مستقل قبلہ درست کرنے کا شعبہ ہے وہ اپنا آدمی آلات دے کر بھیجتے ہیں اور وہ موقع پر پہنچ کر قبلہ درست کر کے نشان لگا دیتا ہے۔ نواز بلوچ) تو اللہ تعالیٰ نے ستارے پیدا کیے ہیں ہماری راہنمائی کے لیے۔

~~~

﴿اَفَمَنْ يَّخْلُقُ﴾ کیا پس وہ ذات جو پیدا کرتی ہے ﴿كَمَنْ﴾ اس کی طرح ہے ﴿لَّا يَخْلُقُ﴾ جو پیدا نہیں کر سکتا ﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ کیا پس تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ﴾ اور اگر تم شمار کرو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ﴿لَا تُحْصُوْهَا﴾ تو شمار نہیں کر سکتے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ البتہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اس چیز کو جس کو تم چھپاتے ہو ﴿وَمَا تُعْلِنُوْنَ﴾ اور
~~~

جس کو تم ظاہر کرتے ہو ﴿ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ ﴾ اور وہ لوگ جو پکارتے ہیں ﴿ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو ﴿ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا ﴾ وہ نہیں پیدا کر سکتے کسی چیز کو ﴿ وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴾ حالاں کہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں ﴿ اَمْوَاتٌ ﴾ بے جان ہیں ﴿ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ﴾ زندہ نہیں ہیں ﴿ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ﴾ اور وہ نہیں جانتے ﴿ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴾ وہ کب دوبارہ کھڑے کیے جائیں گے ﴿ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ﴾ معبود تمھارا ایک ہی معبود ہے ﴿ فَالَّذِیْنَ ﴾ پس وہ لوگ ﴿ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ ﴾ جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر ﴿ قُلُوْبُھُمْ مُّنْکِرَۃٌ ﴾ ان کے دل منکر ہیں ﴿ وَّھُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ ﴾ اور وہ تکبر کرتے ہیں ﴿ لَا جَرَمَ ﴾ ضرور بالضرور ﴿ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ﴿ مَا یُسِرُّوْنَ ﴾ اس چیز کو جس کو وہ چھپاتے ہیں ﴿ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ﴾ اور جس چیز کو وہ ظاہر کرتے ہیں ﴿ اِنَّہٗ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ ﴾ محبت نہیں کرتا تکبر کرنے والوں سے ﴿ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ ﴾ اور جس وقت ان سے کہا جاتا ہے ﴿ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّکُمْ ﴾ کیا کچھ نازل کیا ہے تمھارے رب نے ﴿ قَالُوْٓا ﴾ کہتے ہیں ﴿ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴾ پہلے لوگوں کی کہانیاں ﴿ لِیَحْمِلُوْٓا ﴾ تاکہ وہ اُٹھائیں ﴿ اَوْزَارَھُمْ کَامِلَۃً ﴾ اپنے بوجھ پورے پورے ﴿ یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ ﴾ قیامت کے دن ﴿ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ ﴾ اور کچھ ان لوگوں کے بوجھ بھی ﴿ یُضِلُّوْنَھُمْ ﴾ جن کو یہ گمراہ کرتے ہیں ﴿ بِغَیْرِ عِلْمٍ ﴾ علم کے بغیر ﴿ اَلَا سَآءَ ﴾ خبردار بُرا ہوگا ﴿ مَا یَزِرُوْنَ ﴾ وہ بوجھ جو وہ اُٹھا رہے ہوں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ ﴾ کے لفظ سے مضمون شروع کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان پیدا کیے، زمین پیدا کی، انسان کو نطفہ سے پیدا کیا، گھوڑا، خچر، گدھے پیدا کیے، کھیتیاں پیدا کیں، کھجوریں، انگور وغیرہ سب کچھ پیدا کیا ﴿ وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ اور بے شمار چیزیں پیدا کرے گا جو تمھارے علم میں نہیں ہیں۔

خالق اور غیر خالق میں بڑا فرق ہے ؟

اب تم خود فیصلہ کرو ﴿ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ ﴾ کیا پس وہ ذات جو پیدا کرتی ہے ﴿ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ﴾ اس کی طرح ہے جو پیدا نہیں کر سکتا۔ کیا تمھیں خالق اور غیر خالق کا فرق سمجھ نہیں آتا ﴿ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ﴾ کیا پس تم نصیحت حاصل نہیں کرتے کہ آسمان، زمین کس نے پیدا کیے ہیں، کھیتیاں، حیوان کس نے پیدا کی ہیں تمھیں کس نے پیدا کیا اور جن کو تم خدا کا شریک بناتے ہو انھوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ اتنی بات بھی تمھیں سمجھ نہیں آتی۔ فرمایا یہ تو ہم نے مختصر سی نعمتیں ذکر کی ہیں صرف توجہ دلانے کے لیے ﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا ﴾ اور اگر تم شمار کرو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو شمار نہیں کر سکتے ﴿ اِنَّ اللّٰہَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی اب بھی تم شرک سے توبہ کر لو تو توبہ کا دروازہ کھلا ہے اللہ تعالیٰ غفور ہے، بڑا مہربان ہے

معاف کر دے گا۔

پہلے اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کا بیان تھا اور اب صفت علم کا بیان ہے۔فرمایا ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ﴿مَا تُسِرُّوْنَ﴾ اس چیز کو جو تم چھپاتے ہو ﴿وَمَا تُعْلِنُوْنَ﴾ اور جس کو تم ظاہر کرتے ہو اس کو بھی جانتا ہے۔ پیدا کرنا بھی اس کی صفت ہے اور ظاہر باطن کو جاننا بھی اس کی صفت ہے ﴿عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ بھی وہی ہے اور تمام اختیارات بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔اس کے سوا نہ کوئی عالم الغیب ہے نہ حاضر و ناظر ہے نہ کسی کے پاس کوئی اختیار ہے۔﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور وہ لوگ جن کو یہ اللہ تعالیٰ سے نیچے پکارتے ہیں ﴿لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا﴾ وہ نہیں پیدا کر سکتے کسی چیز کو، وہ کسی چیز کے خالق نہیں ہیں۔حضرت مریم علیہا السلام کا بڑا بلند مقام ہے مگر ایک رتی کی بھی خالق نہیں ہیں، جبرئیل علیہ السلام تمام فرشتوں کے سردار ہیں مگر ایک ذرے کے بھی خالق نہیں ہیں، تمام فرشتے، تمام پیغمبر، جنات اور اللہ تعالیٰ کے ولی مخلوق ہیں۔خالق صرف پروردگار ہے۔

تو فرمایا اللہ تعالیٰ سے ورے جن کو یہ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کے خالق نہیں ہیں ﴿وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ﴾ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔مصیبت کے وقت ان کو پکارنا اے فلاں! اَغِثْنِيْ میری مدد کر، وہ تو مخلوق ہے اس نے کیا مدد کرنی ہے، مدد تو صرف رب تعالیٰ کرنے والا ہے۔سورت یونس آیت نمبر ۱۰۷ میں ہے ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ "اور اگر پہنچائے اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں کوئی دور کرنے والا اس کے سوا اور اگر وہ ارادہ کرے آپ کے ساتھ بھلائی کا تو کوئی نہیں روکنے والا اللہ تعالیٰ کی رحمت کو۔"

﴿اَمْوَاتٌ﴾ بے جان ہیں ﴿غَيْرُ اَحْيَآءٍ﴾ زندہ نہیں ہیں۔اگر بتوں کو پکارتے ہیں تو ان کا مردہ ہونا تو ظاہر ہے اور اگر اولیاء اللہ اور بزرگوں کو پکارتے ہیں تو کچھ تو فی الحال فوت ہو چکے ہیں اور جو زندہ ہیں انھوں نے بھی ایک دن مرنا ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہزار ہا سال سے زندہ ہیں زمین پر اُتریں گے ثُمَّ يَمُوْتُ پھر وفات پائیں گے۔فرشتے ہزار ہا سال سے زندہ ہیں موت ان پر بھی آئے گی حَیٌّ قَيُّوْمٌ صرف رب تعالیٰ کی ذات ہے ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔اسی لیے بزرگانِ دین کہتے ہیں کہ اللہ جی! نہ کہو کیوں کہ دعائیہ جملہ ہے "اللہ تو زندہ رہے۔" یہ وہاں بولا جاتا ہے جہاں پر موت آئے رب تعالیٰ پر تو موت نہیں آسکتی لہٰذا اس کو زندگی کی دعا دینے کا کوئی معنیٰ نہیں ہے۔سورت رحمٰن میں ہے ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۞ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۞﴾ "جو کوئی بھی ہے زمین پر فنا ہونے والا ہے باقی رہے گی تیرے رب کی ذات جو بزرگی اور عظمت والا ہے۔" نہ اس کی ابتداء نہ انتہاء، وہ ازلی ابدی ہے اور باقی کچھ فی الحال مردے ہیں اور کچھ مآل (انجام) کے اعتبار سے مردے ہیں آخر مریں گے۔﴿وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾ اور وہ نہیں جانتے وہ کب دوبارہ کھڑے کیے جائیں گے۔

قیامت کا علم کسی کو نہیں

مسلم شریف میں روایت ہے: ((قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتَ شَهْرًا)) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک مہینہ پہلے پوچھنے

والوں نے پوچھا حضرت! قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((غَیْبٌ وَ مَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللہُ)) "یہ غیب ہے اور غیب کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔" اتنا معلوم ہے کہ قیامت آئے گی لیکن وقت کون سا ہوگا یہ رب تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ جیسے: ہر آدمی کو یقین ہے کہ میں نے مرنا ہے لیکن کس وقت مرنا ہے یہ رب تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کو بھی عین وقت وفات کا نہیں بتلایا گیا آپ ﷺ نے قرینے سے فرمایا کہ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرا آخری سال ہے۔ پوچھا گیا حضرت! آپ کو رب تعالیٰ کی طرف سے اطلاع آئی ہے؟ فرمایا نہیں موت کی اطلاع رب کسی کو نہیں دیتا میں قرینے سے سمجھا ہوں۔ وہ اس طرح کہ جبرئیل علیہ السلام میرے ساتھ رمضان میں قرآن کا ایک دور کرتے تھے اور اس رمضان میں دو دفعہ دور کیا ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے اس قرینے سے میں سمجھا ہوں۔ دو دفعہ دور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک میں کوئی کمی نہ رہے۔

تو فرمایا ان کو تو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ دوبارہ کب کھڑے کیے جائیں گے یہ مشکل کشا کس طرح بن گئے؟ ﴿اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ معبود تمہارا ایک ہی معبود ہے ﴿فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ پس وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر ﴿قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ﴾ ان کے دل منکر ہیں توحید سے ﴿وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ﴾ اور وہ تکبر کرتے ہیں۔

تکبر اور تجمل کا فرق

اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ حضرت! ہم تو سب تکبر میں مبتلا ہیں کیونکہ ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ اَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا اس کا لباس اچھا ہو شَعْرُهٗ حَسَنٌ بال اس کے اچھے ہوں کہ پٹے رکھے ہوئے ہوں، تیل لگا یا ہوا ہو، کنگھی کی ہوئی ہو اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ نَعْلُهٗ حَسَنٌ کہ اس کا جوتا اچھا ہو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ تکبر نہیں ہے یہ تو تجمل ہے یعنی خوبصورتی اِنَّ اللہَ جَمِيْلٌ يُّحِبُّ الْجَمَالَ "اللہ تعالیٰ خوب صورت ہے خوب صورتی کو پسند کرتا ہے۔" شرعی دائرے میں رہ کر اچھا لباس پہننا، اپنی حیثیت کے مطابق لباس پہننا، اس پر تو رب راضی اور خوش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار ہونا چاہیے کہ اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے اچھا لباس دیا ہے۔

ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا کپڑے اس کے پھٹے پرانے تھے اور سر کے بال بکھرے ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تجھے اتنی توفیق نہیں ہے کہ صابن لے کر کپڑے دھو لے، سر کے بالوں میں کنگھی کر لے۔ اس نے کہا حضرت! میرے پاس اتنے اُونٹ ہیں، اتنی بھیڑ بکریاں ہیں، اتنے نوکر ہیں، اتنا میرا وسیع کاروبار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے تجھے اتنا کچھ دیا ہے تو اس کی نعمت کا اثر تیرے بدن پر ظاہر ہونا چاہیے۔ تو اچھے لباس کا نام تکبر نہیں ہے تکبر نام ہے بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ "حق کی بات کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔"

فرمایا ﴿لَا جَرَمَ﴾ ضرور بالضرور ﴿اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس چیز کو جس کو وہ چھپاتے ہیں اور جس چیز کو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے" ﴿اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِیْنَ﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا تکبر کرنے والوں سے۔" حدیث پاک میں آتا ہے: ((مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰہُ)) "جو تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے اللہ تعالیٰ اس کے درجے بلند کرتے ہیں۔" تواضع کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے کا ادب کرے، احترام کرے اپنے سے بہتر سمجھے مَنْ تَجَبَّرَ تَكَبَّرَ "جس نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اس نے تکبر کیا۔"

﴿وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ﴾ اور جس وقت ان کو کہا جاتا ہے ﴿مَّاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ﴾ "کیا کچھ نازل کیا ہے تمھارے رب نے" ﴿قَالُوْۤا﴾ کہتے ہیں ﴿اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ پہلے لوگوں کی کہانیاں۔ اَسَاطِیْر اُسْطُوْرَۃٌ کی جمع ہے اس کا معنیٰ ہے کہانی۔ ظالموں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو قصے کہانیاں، ناول کہہ کر ٹھکرا دیا۔ بے شک قرآن میں نیک لوگوں کے قصے بھی ہیں اور برے لوگوں کے قصے بھی ہیں لیکن وہ قصے اس لیے ہیں ﴿فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ﴾ [اعراف:۱۷۶] "پس آپ واقعات بیان کریں تاکہ لوگ غور وفکر کریں۔" کہ نیکوں کا یہ انجام ہوا اور بروں کا یہ انجام ہوا۔ یہ قصے کہانیاں عبرت حاصل کرنے کے لیے ہیں۔ فرمایا ان کی باتوں کا نتیجہ کیا ہوگا؟ ﴿لِیَحْمِلُوْۤا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً﴾ تاکہ وہ اٹھائیں اپنے بوجھ پورے پورے۔ اَوْزَار وِزْرٌ کی جمع ہے۔ وِزْرٌ کا معنیٰ ہے بوجھ۔

ساری مہنگائی بڑے لیڈروں کی وجہ سے ہے:

وزیر کا لفظی معنیٰ ہے بوجھ اٹھانے والا۔ پہلے زمانے میں وزیر کو وزیر اس لیے کہتے تھے کہ وہ قوم کی خدمت کا بوجھ اٹھاتا تھا، قوم کی ہمدردی اور غم خواری کا بوجھ اٹھاتا تھا اور آج کل کے وزیر قوم کی رقموں کا بوجھ اُٹھا کر بیرون ممالک میں جمع کراتے ہیں اور دوسرے پیچھے تلاش کرتے پھرتے ہیں کہ کس کس بنک میں جمع کرائے ہیں۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ ساری رقوم جو اربوں ڈالر ہیں واپس آجائیں تو نہ بجلی مہنگی ہو اور نہ گیس مہنگی ہو اور ان شاء اللہ ٹیکس لگانے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔ حکومت سرمارتی رہے گی اور ہوگا کچھ بھی نہیں ان سے اور نہ آئندہ آنے والوں سے۔

بلکہ اب تو مزید خدشات پیدا ہو گئے ہیں کہ آئین سے اسلامیہ جمہوریہ کا لفظ نکال دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے مکمل نام تھا اسلامی جمہوریہ پاکستان اور اب ہے جمہوریہ پاکستان۔ ختم نبوت کے منکروں پر پابندی کے لفظ بھی نکال دیئے ہیں اب قادیانی کھلے طور پر تبلیغ کرتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ملک اسلامی نہیں ہے ہم جو چاہیں کریں، بڑے خطرے کی بات ہے اس سے علماء بڑے پریشان ہیں۔ اب علمائے کرام کی ایک میٹنگ ہونے والی ہے اس بات پر کہ مطالبہ کرو کہ ختم نبوۃ کی دفعات کو برقرار رکھا جائے۔ بڑی پریشان کن بات ہے کہ گورنر سندھ نے کہا ہے کہ تم اپنی حفاظت خود کرو حکومت تمھاری حفاظت نہیں کر سکتی اور اسلحہ پر بھی پابندی ہے۔ اُلٹی منطق سمجھ نہیں آ رہی محض کلنٹن کو راضی کرنے کے لیے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

تو فرمایا تا کہ وہ اپنے بوجھ اٹھائیں پورے پورے ﴿یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ قیامت کے دن ﴿وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ﴾ اور کچھ ان لوگوں کے بوجھ بھی ﴿یُضِلُّوْنَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ﴾ جن کو یہ گمراہ کرتے ہیں علم کے بغیر ان کا بوجھ بھی ان کے سر پر ہوگا ﴿اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ﴾ خبردار برا ہے وہ بوجھ جس کو وہ اٹھائیں گے۔ اپنا بوجھ بھی ہوگا اور دوسروں کو گمراہ کرنے کا بوجھ بھی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان پر غضب نازل فرمائے گا اور سخت گرفت ہوگی۔

﴿قَدْ مَكَرَ﴾ تحقیق تدبیر کی ﴿الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں نے ﴿مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ جو ان سے پہلے گزرے ہیں ﴿فَاَتَى اللّٰهُ﴾ پس حکم آیا اللہ تعالیٰ کا ﴿بُنْیَانَهُمْ﴾ ان کی عمارت پر ﴿مِّنَ الْقَوَاعِدِ﴾ اس کی بنیادوں سے ﴿فَخَرَّ عَلَیْهِمُ السَّقْفُ﴾ پس گر پڑی ان پر چھت ﴿مِنْ فَوْقِهِمْ﴾ ان کے اُوپر سے ﴿وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ﴾ اور آیا ان پر عذاب ﴿مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ﴾ جہاں سے شعور بھی نہیں رکھتے تھے ﴿ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ پھر قیامت والے دن ﴿یُخْزِیْهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو رسوا کرے گا ﴿وَیَقُوْلُ﴾ اور کہے گا ﴿اَیْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ﴾ کہاں ہیں میرے وہ شریک ﴿كُنْتُمْ﴾ کہ تھے تم ﴿تُشَآقُّوْنَ فِیْهِمْ﴾ جھگڑا کرتے ان کے بارے میں ﴿قَالَ الَّذِیْنَ﴾ کہیں گے وہ لوگ ﴿اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ جن کو علم دیا گیا ﴿اِنَّ الْخِزْیَ﴾ بے شک رسوائی ﴿الْیَوْمَ﴾ آج کے دن ﴿وَالسُّوْٓءَ﴾ اور برائی ﴿عَلَى الْكٰفِرِیْنَ﴾ کفر کرنے والوں پر ہے ﴿الَّذِیْنَ﴾ وہ لوگ ہیں ﴿تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے ﴿ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں ﴿فَاَلْقَوُا السَّلَمَ﴾ پس ڈالیں گے وہ صلح کی بات، کہیں گے ﴿مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ﴾ نہیں تھے ہم کرتے کوئی برائی ﴿بَلٰٓى﴾ کیوں نہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ جو کچھ تم کرتے تھے ﴿فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ﴾ پس داخل ہو جہنم کے دروازوں میں ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ ہمیشہ رہو گے اس میں ﴿فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ﴾ پس برا ہے ٹھکانا تکبر کرنے والوں کا۔

کافروں کے منصوبے اللہ تعالیٰ خاک میں ملادیتے ہیں

﴿قَدْ مَكَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ کی ایک تفسیر تفسیروں میں یہ مذکور ہے کہ کافروں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے خلاف منصوبے کی جو عمارت کھڑی کی پروگرام اور منصوبہ بنایا تھا کہ ہم پیغمبروں کی تعلیم مٹا کر دم لیں گے اللہ تعالیٰ نے ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ نہ پیغمبروں کا کچھ بگاڑ سکے اور نہ ان کی تعلیم توحید کو مٹا سکے اور نہ اہل حق کو بالکل ختم کر سکے۔ تو اس آیت کریمہ میں جس عمارت کا ذکر ہے اس سے ظاہری عمارت مراد نہیں ہے بلکہ ان کے منصوبوں کی عمارت مراد ہے کہ انھوں نے جو

منصوبے بنائے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو خاک میں ملا دیا۔

اور دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ حقیقتاً عمارت بنائی تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیا۔ وہ اس طرح کہ بابل شہر تھا عراق میں اور آج بھی ہے جس کا ذکر قرآن کریم کے پہلے پارے میں ہے ﴿بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ﴾۔ اس بابل شہر میں نمرود ابن کنعان نے بہت بڑا محل بنایا تھا کہ اس کے نیچے بے شمار مخلوق آسکتی تھی اس محل کے مختلف حصے تھے کسی جگہ شراب خانہ، کسی جگہ ناچ گھر اور کوئی جگہ تاش کھیلنے کے لیے اور کوئی جگہ خواہش کی تکمیل کے لیے کہ اس جگہ بدمعاشیاں ہوتی تھیں۔ کسی جگہ کچھ ہوتا تھا اور کسی جگہ کچھ ہوتا تھا۔ تو خیر بہت بڑا محل تھا ایک دن اس محل میں ان کا کوئی خاص پروگرام تھا کہ اس میں بدمعاشیاں ہوتی تھیں لوگ جمع ہوئے۔ کچھ شراب پی رہے ہیں، کچھ ناچ رہے ہیں، کوئی بدمعاشی کر رہے تھے۔

جس طرح آج کل لوگ بسنت کا تہوار مناتے ہیں جو کہ خالص ہندوؤں کی رسم ہے تو یہ ہندوؤں کی رسمیں بھی کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان بھی کہلواتے ہیں اور پھر اخبارات میں اس کے جواز پر دلائل بھی پیش کرتے ہیں کہ یہ ہماری خوشی کا دن ہے۔ بھئی! سوال یہ ہے کہ تم خوشی کافروں کے طریقے کے مطابق کیوں مناتے ہو؟ منانی بھی ہے تو مسلمانوں کے طریقے کے مطابق مناؤ۔ یہ جو تم لاکھوں کروڑوں روپے ڈور اور پتنگ پر ضائع کرتے ہو میں کہتا ہوں کہ اس سے تو پانچ سات مدارس قائم ہو سکتے ہیں۔ آج وعدہ کرو کہ ہم نہ پتنگ اُڑائیں گے اور نہ اُڑانے دیں گے۔ بچوں کے شور سے مت گھبراؤ بلکہ ان کی ذہن سازی کرو اور یہ سب سے بڑا فریضہ عورتوں کا ہے اگر عورتیں مضبوط ہو جائیں اور بچوں کے سامنے کمزوری نہ دکھائیں تو ان شاء اللہ کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ہندوؤں کی رسمیں منا کر تم کیا حاصل کرنا چاہتے ہو؟ یہ فضول خرچی ہے اور فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ سورت بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۷ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾ "بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔" پیسے دے کر اولاد کو شیطانوں کا بھائی بناتے ہیں بڑی نادانی کی بات ہے۔ تو ایسا ہی ان کا اجتماعی پروگرام تھا وہ اپنی خوشیوں میں لگے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت مکان گرا وہ سب تباہ ہو گئے۔ اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ تحقیق تدبیر کی ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے ہر تدبیریں کیں حق کے خلاف ﴿فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ﴾ پس اللہ تعالیٰ کا حکم آیا ان کی عمارت پر ﴿مِّنَ الْقَوَاعِدِ﴾ بنیادوں سے ﴿فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ﴾ پس گر پڑی ان پر چھت ان کے اوپر سے۔ ان کو وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ اتنا مضبوط محل کبھی گرے گا مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ گرا اور سب کے سب تباہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا مشکل ہے۔ تم پڑھ چکے ہو کہ صالح علیہ السلام کی قوم نے بڑی بڑی چٹانوں کو تراش کر مکان بنائے تاکہ زلزلوں سے تباہ نہ ہوں کیونکہ ان سے پہلے لوگ زلزلوں سے تباہ ہوئے تھے کہ زلزلہ آتا تھا دیوار الگ اور چھت الگ ہو جاتی تھی اور ہم ایک ہی چٹان میں سب کچھ بنائیں گے تو کیا چرے گا، کیا دراڑیں پڑیں گی اور کیا الگ ہوگا مگر جب رب تعالیٰ کا عذاب آیا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک ڈراؤنی چیخ ماری اور ساتھ زلزلہ آیا

ایک شخص بھی ان میں سے زندہ نہ رہا۔ مکان تو ان کے اب تک کھڑے ہیں مگر مکین کوئی نہیں ہے۔

﴿وَ اَتٰىهُمُ الْعَذَابُ﴾ اور آیا ان پر عذاب ﴿مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ جہاں سے شعور بھی نہیں رکھتے تھے۔ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنی مضبوط عمارت گرے گی یہ تو دنیا کی سزا تھی ﴿ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ﴾ پھر قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ان کو رسوا کرے گا۔ قیامت کا عذاب علیحدہ ہے۔ ﴿وَ يَقُوْلُ﴾ اور کہے گا رب تعالیٰ ﴿اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ﴾ کہاں ہیں میرے وہ شریک کہ تھے تم جھگڑا کرتے ان کے بارے میں اہل حق کے ساتھ اور کہتے تھے یہ ہمارے کارساز ہیں، مشکل کشا ہیں ان کو ذرا میدان میں لاؤ کہ پتہ چلے کہ ان میں الٰہ ہونے کی کون سی صفت ہے؟ مشرک تو خاموش رہیں گے ﴿قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ کہیں گے وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ﴿اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ﴾ بے شک رسوائی آج کے دن ﴿وَ السُّوْٓءَ﴾ اور برائی ﴿عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ کافروں پر ہے۔ مشرک تو خاموش رہیں گے اہل حق بولیں گے جن میں پیغمبر ہوں گے، صحابہ ہوں گے، اولیاء اللہ ہوں گے، یہ کہیں گے کہ آج کے دن رسوائی کافروں پر پڑے گی جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک بنایا اور ان سے حاجتیں مانگتے تھے وہ آج ذلیل ہوں گے۔ یہ ذلیل ہونے والے کون ہیں؟ ﴿الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ وہ لوگ ہیں جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے ﴿ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ﴾ اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔

فرشتے کے جان نکالنے کا منظر

جب فرشتے جان نکالنے کے لیے آتے ہیں تو بڑا عجیب منظر ہوتا ہے مرنے والے کو سب کچھ نظر آتا ہے اور کسی کو کچھ نظر نہیں آتا ملک الموت سامنے ہوتا ہے اور اس کے پیچھے اٹھارہ فرشتوں کی لائن ہوتی ہے۔ یہ کسی کو نظر نہیں آتے، نہ مرنے والے کے والد کو، نہ ماں کو، نہ حکیم کو، نہ ڈاکٹر کو، نہ عزیز رشتہ داروں کو، مرنے والے کو نظر آتے ہیں۔ مرنے والا اگر کافر ہے تو اس کو فرشتہ کہتا ہے اپنی جان ہمارے حوالے کرو رب تعالیٰ تجھ سے ناراض ہے وہ منتیں کرنے لگ جاتا ہے ﴿رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ [منافقون: ۱۰] "اے میرے رب کیوں نہیں تو نے مجھے مہلت دی تھوڑی سی مدت تک تا کہ میں صدقہ کرتا اور ہو جاتا نیکوں میں سے۔" اور قانون یہ ہے ﴿وَ لَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا﴾ "اور اللہ تعالیٰ ہرگز مؤخر نہیں کرتا کسی جان کو جب اس کی موت کا وعدہ آ گیا۔"

ایک لمحہ کی بھی مہلت نہیں ملتی پھر اس کی روح بدن میں چھپتی ہے اور فرشتے اس کی پٹائی کر کے روح نکالتے ہیں بدبودار ٹاٹ اور کفن ہوتے ہیں ان میں لپیٹتے ہیں اور اس کو آسمان تک پہنچاتے ہیں تو ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ﴾ [اعراف: ۴۰] "نہیں کھولے جائیں گے ان کے لیے آسمان کے دروازے۔" آسمان والے فرشتے کہتے ہیں یہ بدبو کہاں سے لائے ہو ان مرداروں کو واپس لے جاؤ۔ پھر ساتویں زمین کے نیچے سجین ایک مقام ہے وہ دفتر ہے برے لوگوں کا تو وہاں لے جا کر اس کا اندراج کیا جاتا ہے۔

توفرمایا فرشتے جب جان نکالتے ہیں تو وہ اپنی جانوں پرظلم کررہے ہوتے ہیں ﴿فَاَلْقَوُا السَّلَمَ﴾ پس ڈالیں گے وہ صلح کی بات، کہتے ہیں ﴿مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ﴾ نہیں تھے ہم کرتے کوئی برائی۔ اور سورت انعام آیت نمبر ۲۳ میں ہے مشرک کہیں گے ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ "قسم ہے اللہ کی ہے جو ہمارا پروردگار ہے نہیں ہم شرک کرنے والوں میں سے۔" اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾ "دیکھو! کیسے جھوٹ بول رہے ہیں اپنی جانوں پر۔"

مشرک سے بڑھ کر کوئی بے حیا نہیں

مشرک ایسا بے حیا ہے کہ قیامت والے دن سچے رب کے سامنے بھی جھوٹ بولنے سے باز نہیں آئے گا۔ وہ قیامت والا دن کہ جہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا جواب ملے گا ﴿بَلٰٓى﴾ کیوں نہیں برے کام کرتے رہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم عمل کرتے تھے۔ ساری زندگی تمھاری برائی میں گزری، گناہوں میں گزری، رب تعالیٰ کی نافرمانی میں گزری اور اب کہتے ہو کہ ہم نے کوئی برائی نہیں کی۔ سب کچھ رب تعالیٰ کے سامنے ہے اب اس کے سوا کچھ نہیں ہوگا ﴿فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ﴾ پس داخل ہو جاؤ تم جہنم کے دروازوں میں۔ جس وقت میت کو قبر میں پہنچایا جاتا ہے اور منکر نکیر سوال جواب کرتے ہیں اور اس کا انجام اس کے سامنے ہوتا ہے تو شور کرتا ہے پھر اس پر فرشتے مسلط کیے جاتے ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ وہ فرشتے آنکھوں سے اندھے اور کانوں سے بہرے ہوتے ہیں اور ان کو ایسے ہتھوڑے دیئے جاتے ہیں کہ اگر ایک ہتھوڑا دنیا کے کسی پہاڑ پر مارا جائے تو وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائے اگر قبر والے کو مارنا مقصود ہو تو ایک ہتھوڑا ہی کافی ہے مگر وہ سزا کون بھگتے گا۔ تو اس ہتھوڑے کے ساتھ وہ فرشتے اس کو مارتے ہیں اور اندھے ہوتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ کہاں لگ رہا ہے اور بہرے ہوتے ہیں چیخ پکار بھی نہیں سنتے اور اللہ تعالیٰ بچائے ننانوے ننانوے اژدھا بعض مجرموں کو چمٹے ہوں گے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر ایک اژدہا یہاں سانس لے لے تو ساری سبز چیزیں خشک ہو جائیں اور فرشتوں کی پٹائی علیحدہ ہے۔ خچر کے برابر بچھو ہوں گے اگر ایک ڈنگ ماریں تو ساری عمر اس کی جلن ختم نہ ہو۔ آگ کا عذاب علیحدہ ہوگا وہاں واویلا کام نہیں آئے گا اب کرلو جو کچھ کرنا ہے اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے سمجھ دی ہے جو کام کرنے والے ہیں کرو اور جو چھوڑنے والے ہیں ان کے قریب نہ جاؤ۔

تو کافروں کو حکم ہوگا داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ہمیشہ رہیں گے اس دوزخ میں ﴿فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾ پس البتہ برا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا۔ جو حق کو ٹھکراتے تھے ان کا یہ ٹھکانا ہے۔ کل ان شاء اللہ مومنوں کی وفات کا ذکر آئے گا۔

﴿وَ قِیْلَ﴾ اور کہا گیا ﴿لِلَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کو ﴿اتَّقَوْا﴾ جو رب سے ڈرتے رہے ﴿مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ﴾ کیا کچھ نازل کیا ہے تمھارے پروردگار نے ﴿قَالُوْا خَیْرًا﴾ وہ کہتے ہیں خیر نازل کی ہے ﴿لِلَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے ﴿اَحْسَنُوْا﴾ جنھوں نے نیکی کی ﴿فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا﴾ اس دنیا کی زندگی میں ﴿حَسَنَةٌ﴾ بھلائی ہے ﴿وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ﴾ اور البتہ آخرت کا گھر ﴿خَیْرٌ﴾ بہت ہی بہتر ہے ﴿وَ لَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ﴾ اور البتہ اچھا ہے گھر پرہیز گاروں کا ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ﴾ وہ باغات ہیں ہمیشہ کے ﴿یَّدْخُلُوْنَهَا﴾ داخل ہوں گے وہ ان میں ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ جاری ہوں گی ان کے نیچے نہریں ﴿لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ﴾ ان کے لیے ہوگا جنتوں میں جو وہ چاہیں گے ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿یَجْزِی اللّٰهُ﴾ بدلہ دے گا اللہ تعالیٰ ﴿الْمُتَّقِیْنَ﴾ پرہیز گاروں کو ﴿الَّذِیْنَ﴾ وہ متقین ﴿تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے ﴿طَیِّبِیْنَ﴾ اس حال میں کہ وہ خوش ہوتے ہیں ﴿یَقُوْلُوْنَ﴾ وہ فرشتے کہتے ہیں ﴿سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ﴾ سلام ہو تم پر ﴿ادْخُلُوا الْجَنَّةَ﴾ داخل ہو جاؤ جنت میں ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ بہ سبب اس کے جو تم اچھے عمل کرتے تھے ﴿هَلْ یَنْظُرُوْنَ﴾ نہیں انتظار کرتے یہ ﴿اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ مگر یہ کہ آئیں ان کے پاس فرشتے ﴿اَوْ یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّكَ﴾ یا آئے تیرے رب کا کوئی حکم ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ کیا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے ﴿وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ﴾ اور نہیں ظلم کیا ان پر اللہ تعالیٰ نے ﴿وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ﴾ اور لیکن تھے وہ اپنی جانوں پر ﴿یَظْلِمُوْنَ﴾ ظلم کرتے ﴿فَاَصَابَهُمْ﴾ پس پہنچی ان کو ﴿سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا﴾ وہ برائیاں جو انھوں نے کی تھیں ﴿وَ حَاقَ بِهِمْ﴾ اور گھیر لیا ان کو ﴿مَّا﴾ اس چیز نے ﴿كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ تھے وہ جس کے ساتھ مذاق کرتے۔

اس سے پہلے رکوع میں تھا کہ جب متکبرین سے کہا جاتا ہے کہ تمھارے رب نے کیا نازل کیا ہے؟ یعنی جب کوئی سورتیں اور آیات نازل ہوتیں اور یہ سنتے اور پھر ان سے پوچھا جاتا کہ تمھارے رب نے کیا نازل کیا ہے؟ تو کہتے اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ پہلے لوگوں کی کہانیاں نازل کی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی قدر و منزلت گھٹانے کے لیے کہتے تھے پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، قصے ہیں اور کیا ہے۔

متقیوں کا اعتقاد قرآن کے بارے میں

ان کے مقابلے میں جب متقیوں سے یہی سوال کیا جاتا ہے تو وہ جواب دیتے ہیں، اس کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ قِیْلَ﴾ اور کہا گیا ﴿لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا﴾ ان لوگوں سے جو رب سے ڈرتے ہیں، ان سے پوچھا گیا ﴿مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ﴾

تمھارے رب نے کیا نازل کیا ہے ﴿قَالُوْا خَيْرًا﴾ وہ کہتے ہیں خیر نازل کی ہے۔ جو نازل کیا ہے وہ بہت ہی بہتر ہے۔ متکبرین نے تو کہا کہ قصے کہانیاں ہیں اور اللہ کے بندوں نے کہا بہت بہتر نازل کیا ہے۔

فرمایا ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا﴾ ان لوگوں کے لیے جنھوں نے نیکی کی ﴿فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ﴾ اس دنیا کی زندگی میں بھلائی ہوگی یعنی ان کی دنیا کی زندگی ایسی پاکیزہ ہوگی کہ نیکیاں کریں گے، گناہوں سے بچیں گے، ان کا جتنا وقت گزرے گا اللہ تعالیٰ کے احکامات کرنے میں گزرے گا، نیکی کریں گے مزید نیکی کی توفیق ملے گی۔ تو دنیا کی زندگی پاکیزہ اور صاف ہوگی ﴿وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ﴾ اور البتہ آخرت کا گھر تو بہت ہی بہتر ہے ﴿وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ﴾ اور البتہ اچھا ہے گھر پرہیزگاروں کا۔ وہ گھر کون سا ہے ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ﴾ وہ باغات ہیں ہمیشہ کے لیے۔

جنت کی موجیں

دنیا کے باغوں میں موسم کے مطابق پھل ہوتے ہیں موسم گیا پھل بھی گیا لیکن جنت کے باغوں کے پھل ہمیشہ ہوں گے جونہی کوئی پھل توڑے گا دوسرا فوراً لگ جائے گا تو وہ پھل کبھی ختم نہیں ہوگا اور دنیا کے پھلوں کی لوگ حفاظت کرتے ہیں، نگرانی کرتے ہیں، روکتے ہیں وہاں کسی کو کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ سورت واقعہ میں ہے ﴿لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ﴾ "نہ وہ ختم ہوں گے اور نہ کوئی رکاوٹ ہوگی۔" نہ وہاں گرمی ہوگی نہ سردی ہوگی، نہ مکھی نہ مچھر، نہ کوئی دکھ نہ تکلیف:

بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد
کسے را با کسے کارے نہ باشد

"جنت وہ جگہ ہے جہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی اور کسی کو کسی کے ساتھ کوئی کام نہیں ہوگا۔" کوئی کسی کا محتاج نہیں ہوگا دلوں کو رب شیشے کی طرح صاف کر دے گا کہ کسی کے خلاف برا جذبہ نہیں ہوگا۔ آج تو حال یہ ہے کہ والدین کے خلاف، اولاد کے خلاف، بہن بھائیوں کے خلاف برے جذبات ہیں، بغض، کینہ ہے۔ وہاں کسی قسم کا کوئی جھگڑا نہیں ہوگا ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا﴾ [واقعہ:۲۵] "نہیں سنیں گے اس میں کوئی بے ہودہ بات اور نہ کوئی گناہ کی بات۔"

﴿يَدْخُلُوْنَهَا﴾ داخل ہوں گے وہ ان باغوں میں ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ جاری ہوں گی ان کے نیچے نہریں ﴿لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ﴾ جنتیوں کے لیے ہوگا ان جنتوں میں جو کچھ وہ چاہیں گے۔ بس ارادہ اور تصور کرنے کی دیر ہوگی اور وہ چیز سامنے آجائے گی۔ احادیث میں موجود ہے اور قرآن پاک بھی اس کی شہادت دیتا ہے کہ مثلاً: ایک درخت ہے بہت بلند اور اس پر پھل لگا ہوا ہے وہ میں نے کھانا ہے تو بس یہ ارادہ کرے گا اور وہ ٹہنی فوراً جھک جائے گی ﴿قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ﴾ [الحاقہ:۲۳] کھڑے ہونے کی بھی ضرورت نہیں پیش آئے گی نہ درخت پر چڑھنے کی ضرورت پیش آئے گی اور اگر لیٹا ہوا ہے تو اٹھ کر بیٹھنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی بلکہ پھل سامنے آجائے گا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت کیا ہوگی؟ یوں

سمجھو کہ ایک چھوٹی خدائی ہوگی جیسے رب تعالیٰ کسی شے کا ارادہ فرماتے ہیں تو وہ فوراً ہو جاتا ہے ﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ "بے شک حکم اس کا جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی چیز کے بارے میں تو کہتا ہے اس کو ہو جا بس وہ چیز ہو جاتی ہے۔" [یٰسین:۸۲]

اور جنتیوں کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ﴾ جو چاہیں گے ملے گا۔ پرندے اُڑتے ہوئے نظر آئیں گے یہ خیال کرے گا کہ یہ میری خوراک بن جائیں اسی وقت بھنے ہوئے پلیٹ میں سامنے ہوں گے اگر اُڑنے کا ارادہ کرے گا فوراً اُڑ پڑے گا اگر کسی دوست کو ملنے کا ارادہ کرے گا فوراً اس کے پاس پہنچ جائے گا اور اگر یہ چاہے گا کہ وہ میرے پاس آجائے تو وہ آناً فاناً آجائے گا، جو چاہیں گے ملے گا۔ ﴿كَذٰلِكَ يَجْزِى اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ﴾ اسی طرح بدلہ دے گا اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو۔ پرہیز گاروں کی شان یہ ہے ﴿الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ وہ پرہیز گار جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے ﴿طَيِّبِيْنَ﴾ وہ مرنے والے بڑے خوش ہوتے ہیں ﴿يَقُوْلُوْنَ﴾ فرشتے کہتے ہیں ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ﴾ سلام ہو تم پر۔

فرشتے مرنے والے کو نظر آتے ہیں؟

یہاں پر ابو سعود وغیرہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ ملک الموت جب آتا ہے تو مرنے والے کو نظر آتا ہے اگر وہ مومن ہے تو اس کی جنت والی کوٹھی اس کے سامنے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو نے اب یہاں جانا ہے وہاں کی راحت، آرام اور آسائش دیکھ کر وہ کہتا ہے کہ مجھے جلدی وہاں پہنچاؤ۔ اسی لیے احادیث میں آتا ہے کہ جب کوئی فوت ہو جائے تو اس کے دفن کرنے میں تاخیر نہ کرو۔ اگر نیک آدمی ہے تو راحتوں سے فائدہ اٹھائے گا اور اگر دوسری قسم کا ہے تو فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهٗ عَنْ رِّقَابِكُمْ ایک بلا ہے اس کو اپنی گردنوں سے اُتارو۔ اس بلا سے تمھاری جان چھوٹ جائے۔ اور بخاری شریف کی روایت میں ہے نیک میت جب چارپائی پر پڑی ہوتی ہے تو کہتی ہے قَدِّمُوْنِيْ قَدِّمُوْنِيْ مجھے جلدی پہنچاؤ مجھے جلدی پہنچاؤ۔ اس کی اس بات کو ہم تم نہیں سنتے کیونکہ ہمارا ایمان، ایمان بالغیب ہے۔ اور اگر دوسری قسم کا ہے تو شور مچاتا ہے کہتا ہے اَيْنَ تَذْهَبُوْنِيْ تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟

تو ملک الموت نیک آدمی کو سلام کرتا ہے اور جنت کی خوش خبری سناتا ہے اور جنت کی کوٹھی دکھاتا ہے کہ یہاں تو نے جانا ہے۔ ﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ﴾ داخل ہو جاؤ جنت میں ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ اس لیے کہ تم نے اچھے عمل کیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر جنت میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا

اعمال جنت میں داخل ہونے کا سبب ہیں اور علت اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایات ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کے زور پر جنت میں نہیں جا سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل نہ ہو۔ مولانا شبیر احمد عثمانی جنھوں نے مغربی پاکستان میں جھنڈا لہرایا تھا سمجھانے کے لیے فرماتے ہیں کہ گاڑی کا انجن ہوتا ہے اس پر ڈرائیور اور دو تین اس کے معاونین ہوتے ہیں لیکن اختیار سارا ڈرائیور کے پاس ہوتا ہے وہی

چلاتا ہے وہی روکتا ہے مگر ڈرائیور گاڑی اس وقت تک نہیں چلا سکتا جب تک گارڈ سبز جھنڈی نہ لہرائے۔ فرماتے ہیں عمل انجن ہے مگر جب تک رب تعالیٰ کے فضل و کرم کی رحمت کی جھنڈی نہیں لہرائی جائے گی گاڑی نہیں چلے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل حال ہوگا تو بات بنے گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضرت! ہمارے اعمال تو کچھ نہیں، کیا آپ بھی اپنے اعمال کی بنا پر جنت میں نہیں جائیں گے اور بارہا سن چکے ہو کہ ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ اُمت کے سب اعمال ایک طرف اور آپ کا ایک عمل ایک طرف مقابلہ نہیں کر سکتے آپ کے اعمال بھاری ہیں۔ آپ نے اپنے سر مبارک پر ہاتھ مبارک رکھا اور فرمایا: وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِفَضْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٍ " میں بھی اپنے اعمال کی بنا پر نہیں جا سکتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل اور رحمت میں ڈھانپ کر لے جائے گا۔" تو اعمال سبب ہیں علت اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔

تو آدمی کو جب قبر میں اُتار دیا جاتا ہے تو فرشتے سوال کرتے ہیں نیک بندہ جب صحیح جواب دے دیتا ہے تو اس کے پاس ایک بڑا خوب صورت آدمی آجاتا ہے اس کے کپڑوں اور بدن سے خوشبو آرہی ہوتی ہے۔ یہ کہتا ہے کہ میں نے اس سے پہلے تیرے جیسا آدمی نہیں دیکھا تم کون ہو؟ کہاں سے آگئے ہو؟ وہ ہنس کر کہتا ہے اَمَا تَعْرِفُنِيْ کیا تو مجھے نہیں پہچانتا؟ یہ کہتا ہے نہیں! میں نے تیرے جیسا خوبصورت کہ جس کے کپڑوں اور بدن سے خوشبو آتی ہو نہیں دیکھا۔ وہ کہتا ہے اَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ میں تیرا نیک عمل ہوں اور میں تیرے ساتھ رہوں گا۔ اور اگر بُرا آدمی ہے تو كَرِيْهُ الْمَنْظَرِ بڑا بدصورت، بدبودار لباس والا آجاتا ہے اس کو دیکھ کر اسے تکلیف ہوتی ہے اور کہتا ہے تم کہاں سے آگئے ہو؟ میں تو پہلے ہی تکلیف میں ہوں تیری وجہ سے تکلیف اور زیادہ ہوگئی ہے۔ وہ کہتا ہے تم مجھے نہیں پہچانتے میں تیرا بُرا عمل ہوں اور تیرے ساتھ رہوں گا۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے سب کچھ بتا دیا ہے کہ کیا ہونے والا ہے آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے سب کچھ سامنے آجائے گا آج وقت ہے تیاری کر لو کل کچھ نہیں کر سکو گے اب تم کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ﴾ نہیں انتظار کرتے یہ ﴿اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ مگر یہ کہ آئیں ان کے پاس فرشتے عذاب لے کر ﴿اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ﴾ یا آئے تیرے رب کا کوئی حکم قیامت برپا ہو جائے یا اس سے پہلے عذاب کی کوئی اور صورت ہو حق کی بات ہم نے واضح کر دی ہے اب تم کس چیز کا انتظار کر رہے ہو اور یہی ضد ہے اور ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ ﴿كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اسی طرح کیا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے۔ اُنھوں نے بھی ضد کی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں سے مرضی کے معجزے مانگے، ان کی منہ مانگی مرادیں سامنے آئیں مگر پھر بھی تسلیم نہ کیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی بیماریاں

حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر قرآن پاک میں آتا ہے۔ یہ مدین والوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہ بڑا مشہور شہر اور بین الاقوامی منڈی تھی ہزارہا میل سے لوگ یہاں آتے تھے اور خرید و فروخت کرتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو تبلیغ

کی، توحید سمجھائی، ناپ تول میں کمی سے منع کیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کو اس وقت مانیں گے کہ یہ ہمارے بت بول کر کہیں کہ شعیب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں جو کچھ بیان کرتے ہیں حق ہے رب تعالیٰ نے ان بتوں کو بلوایا اور بتوں نے کہا کہ حضرت شعیب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الہٰ نہیں ہے۔ وہ اپنے بتوں کے خلاف ہو گئے کہ تم بھی شعیب (علیہ السلام) کے ساتھ مل گئے ہو۔ اب اس ضد کا دنیا میں کیا علاج ہے؟

تو فرمایا اسی طرح انھوں نے بھی ضد کی جو ان سے پہلے تھے ﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ﴾ اور نہیں ظلم کیا ان پر اللہ تعالیٰ نے ﴿وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ اور لیکن تھے وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے۔ ان پر عذاب نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ وہ ان کی کارروائیوں کے بدلے میں آیا ہے ﴿فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا﴾ پس پہنچی ان کو وہ برائیاں جو انھوں نے کی تھیں۔ کسی پر پتھر برسائے، کسی پر زلزلہ آیا، کسی کو پانی میں ڈبویا، کسی پر کوئی اور کسی پر کوئی عذاب آیا۔ یہ ان کے وہی عمل تھے جو انھوں نے کیے تھے ﴿وَحَاقَ بِهِمْ﴾ اور گھیر لیا ان کو ﴿مَّا﴾ اس چیز نے ﴿كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ تھے وہ جس کے ساتھ مذاق کرتے۔ جب اللہ تعالیٰ کے پیغمبر دھمکی دیتے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو ورنہ تم پر عذاب آئے گا تو کہتے ﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [ہود: ۳۲، اعراف: ۷۰] "پس لاؤ ہمارے سامنے جس چیز کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر ہو تم سچے۔" پھر وہی عذاب ان پر آیا اور دنیا میں بھی برباد ہوئے اور آخرت میں بھی برباد۔ اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے بچائے اور گناہوں سے بھی بچائے اور نیکیوں کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ﴾ اور کہا ان لوگوں نے ﴿اَشْرَكُوْا﴾ جنھوں نے شرک کیا ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا ﴿مَا عَبَدْنَا﴾ ہم نہ عبادت کرتے ﴿مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اس کے علاوہ ﴿مِنْ شَيْءٍ﴾ کسی چیز کی ﴿نَّحْنُ﴾ ہم بھی ﴿وَلَآ اٰبَآؤُنَا﴾ اور نہ ہمارے باپ دادا ﴿وَلَا حَرَّمْنَا﴾ اور نہ ہم حرام کرتے ﴿مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اس کے علاوہ ﴿مِنْ شَيْءٍ﴾ کسی چیز کو ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ کیا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے ﴿فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ﴾ پس نہیں ہے رسولوں کے ذمے ﴿اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ مگر بات پہنچانا ہے کھول کر ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے ﴿فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا﴾ ہر اُمت میں رسول ﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ یہ کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ اور بچو تم طاغوت سے ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ﴾ پس ان میں سے وہ بھی تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ﴾ اور ان میں سے وہ بھی تھے جن پر گمراہی لازم ہو چکی ﴿فَسِيْرُوْا﴾ پس سیر کرو ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿فَانْظُرُوْا﴾ پس دیکھو ﴿كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ کیسے

انجام ہوا ان لوگوں کا جو جھٹلانے والے تھے ﴿اِنْ تَحْرِصْ﴾ اگر آپ حرص کریں ﴿عَلٰى هُدٰىهُمْ﴾ ان کی ہدایت پر ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا یَهْدِیْ﴾ ہدایت نہیں دیتا ﴿مَنْ یُّضِلُّ﴾ جس کو گمراہ کرتا ہے ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ﴾ اور نہیں ہے ان کے لیے کوئی مددگار ﴿وَاَقْسَمُوْا﴾ اور اُنھوں نے قسمیں اٹھائیں ﴿بِاللّٰهِ﴾ اللہ کے نام کی ﴿جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ﴾ اپنی مضبوط قسمیں ﴿لَا یَبْعَثُ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ نہیں کھڑا کرے گا ﴿مَنْ یَّمُوْتُ﴾ اس کو جو مر گیا ﴿بَلٰى﴾ کیوں نہیں کھڑا کرے گا ﴿وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا﴾ وعدہ ہے رب کے ذمے سچا ﴿وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿لِیُبَیِّنَ﴾ تا کہ بیان کرے ﴿لَهُمُ﴾ ان کے لیے ﴿الَّذِیْ﴾ وہ چیز ﴿یَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ﴾ جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں ﴿وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ﴾ اور تا کہ جان لیں وہ لوگ ﴿كَفَرُوْٓا﴾ جو کافر ہیں ﴿اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِیْنَ﴾ کہ بے شک وہ جھوٹے تھے ﴿اِنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿قَوْلُنَا﴾ ہماری بات ﴿لِشَیْءٍ﴾ کسی چیز کے بارے میں ﴿اِذَآ اَرَدْنٰهُ﴾ جب ہم ارادہ کرتے ہیں اس کا ﴿اَنْ نَّقُوْلَ﴾ یہ کہ ہم کہتے ہیں ﴿لَهٗ﴾ اس کو ﴿كُنْ﴾ ہو جا ﴿فَیَكُوْنُ﴾ پس وہ ہو جاتی ہے۔

شرک کے جواز پر مشرکین کا شوشہ

مشرکوں نے اپنے شرک کے جواز پر یہ شوشہ چھوڑا ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا﴾ اور کہا ان لوگوں نے جنھوں نے شرک کیا ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم نہ عبادت کرتے اس کے علاوہ کسی چیز کی۔ مطلب یہ ہے کہ ہم جو بتوں کی پوجا کرتے ہیں غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں اس سے ہمیں اللہ تعالیٰ نے روکا کیوں نہیں ہے؟ اور اس کا نہ روکنا اس کے راضی ہونے کی دلیل ہے۔ اسی طرح مشرکوں نے بعض جانوروں کو اپنی مرضی سے حلال اور بعض کو حرام کر رکھا تھا جس کی تردید اللہ تعالیٰ نے ساتویں پارے میں فرمائی ہے ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِیْلَةٍ وَّلَا حَامٍ﴾ "نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے کوئی بحیرہ۔" بخاری شریف میں رئیس التابعین حضرت سعید ابن مسیب بحیرہ کی تعریف کرتے ہیں کہ بحیرہ اس مادہ جانور کو کہتے ہیں کہ مشرکین جس کا دودھ بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے کہ اس کا دودھ کوئی شخص استعمال نہیں کر سکتا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا اور سائبہ اس جانور کو کہتے ہیں جو غیر اللہ کے نام پر چھوڑ دیا جائے۔ جیسے: گوجرانوالا میں ایسی گائیں پھرتی ہیں جن کا کوئی مالک نہیں ہے۔ وہ مشرک قسم کے لوگوں نے اپنے پیروں کے نام پر چھوڑی ہوئی ہیں اور جاہل قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ ان کو مت چھیڑو نقصان ہوگا۔ یاد رکھنا! اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے نام پر تقرب کے لیے کوئی بھی کام کرنا حرام ہے۔ اور وَصِیْلَة، یہ بھی مشرکین کی اپنی اختراع تھی۔ وَصِیْلَة اس اُونٹنی کو کہتے ہیں جو مسلسل مادہ بچے جنے اور درمیان میں کوئی نر بچہ نہ جنا ہو۔ اس کو لات، منات یا کسی بڑے بت کے نام پر وقف کر دیتے تھے پھر نہ اس کا دودھ پیتے تھے اور نہ کوئی اور کام اس

سے لیتے تھے۔ اور حام اس نر کو کہتے تھے جس نے چند مرتبہ جفتی کر لی ہو بس وہ بھی غیر اللہ کے نام پر وقف ہو جاتا تھا۔ یہ سب کافروں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہوا تھا تو کہتے تھے کہ اگر یہ ناجائز ہے تو اللہ تعالیٰ ہمیں روکتا کیوں نہیں؟ یہ ان کا شوشہ تھا۔ اب بات سمجھیں۔

منع کے دو طریقے:

روکنے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ان سے برائی کی طاقت سلب کر لیتے جیسے: معصوم فرشتے ہیں کہ ان میں برائی کی طاقت ہی نہیں ہے تو پھر وہ انسان تو نہ ہوتے فرشتے ہوتے کیونکہ انسان اور جنات میں اللہ تعالیٰ نے نیکی بدی کی دونوں قوتیں رکھی ہیں ﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾ [سورۃ الشمس] "پس الہام کر دیا اس نفس کو اس کی نیکی اور بدی کا۔" اور دونوں راستے بھی بتا دیئے ﴿وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ﴾ [سورۃ البلد] "اور ہم نے راہنمائی کر دی انسان کو دونوں راستوں کی۔" کہ یہ راستہ خیر کا ہے اور یہ راستہ شر کا ہے جس پر تم چلو گے اس پر چلنے کی ہم تمھیں توفیق دے دیں گے۔ اب جس راستے پر کوئی چلنا چاہے چلے اس کے مطابق انجام ہوگا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح نہیں روکا۔ اور روکنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پیغمبروں کو بھیجتا اور وہ منع کرتے کہ غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے اور اپنی مرضی سے کسی شے کو حلال اور حرام ٹھہرانا جائز نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے اور ان کے ذریعے ان کو شرک سے روکا برائی سے روکا پھر یہ کس طرح کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے ذریعے اعلان کروایا ﴿اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ﴾ "عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اس کے سوا تمھارا کوئی معبود مشکل کشا نہیں ہے۔"

تو کہتے ہیں ﴿نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا﴾ ہم بھی اور نہ ہمارے باپ دادا غیر اللہ کی عبادت کرتے ﴿وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ اور نہ ہم حرام کرتے اس کے حکم کے علاوہ کسی شے کو، وہ خود کراتا ہے اور ہم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے اجمالی جواب دیا ﴿كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ اسی طرح کیا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے۔ وہ بھی کہتے تھے کہ ہم شرک اللہ تعالیٰ کی مرضی سے کرتے ہیں اگر رب چاہتا تو نہ کرتے۔ آگے تفصیل ہے۔

فرمایا ﴿فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ﴾ پس نہیں ہے رسولوں کے ذمے مگر بات پہنچانا کھول کر۔ اگر رب راضی ہوتا تو پیغمبر کیوں بھیجتا؟ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسی لیے بھیجے ہیں کہ تم شرک نہ کرو، کفر نہ کرو، برائی نہ کرو، رب تعالیٰ نے تو پیغمبر بھیج کر منع کیا ہے ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے ہر اُمت میں رسول۔ ان رسولوں کا سبق یہاں سے شروع ہوا ﴿أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ یہ کہ تم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور طاغوت سے بچو۔ تو اللہ تعالیٰ نے تو منع کیا ہے، پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل کیں، عقل سلیم عطا فرمائی، مگر دنیا میں خاموش کوئی نہیں رہتا باطل سے باطل چیز کے لیے بھی کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑ دیتے ہیں۔

ایک مشہور کہاوت ہے کیا پدی کیا پدی کا شوربہ۔ پدّی چھوٹا سا جانور ہے چڑی کی طرح، یہ روڑی پر بیٹھا اس کی ٹانگ

دھاگوں کے ساتھ اُلجھ گئی، اُڑتی پھڑ پھڑا کر گر جاتی۔ بڑا زور لگایا لیکن خلاصی نہ ہوئی دھاگا مضبوط تھا اور نیچے کسی مطبوط شے کے ساتھ اڑا ہوا تھا وہ نہ ٹوٹا۔ کوے نے پوچھا خالہ کیا بات ہے؟ مقصد یہ تھا کہ کہ گی میں پھنسی ہوئی ہوں میں دھاگے کاٹ کے چھڑا دوں گا، مگر پدی نے کہا کہ میں زمین تول رہی ہوں۔ بھئی! ٹانگ تو دھاگے سے چھڑا نہیں سکتی زمین کیسے تول رہی ہے؟ مگر دنیا میں خاموش کوئی نہیں رہتا اپنی غلط سے غلط بات پر بھی کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑ دیتے ہیں۔

رب تعالیٰ نے تو تمھیں پیغمبروں کے ذریعے کفر شرک سے منع کیا ہے، جادو ٹونے سے منع کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ شیطان کی بات نہ مانو، برائیاں نہ کرو، شراب نہ پیو، بدمعاشی نہ کرو۔ ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ﴾ پس ان میں سے وہ بھی تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی۔ ہدایت کن کو دی؟ تم تیرہویں پارے میں پڑھ چکے ہو ﴿وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ﴾ [الرعد: ۲۷] "اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع کرتا ہے۔" ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ﴾ اور ان میں سے وہ بھی تھے جن پر گمراہی لازم ہو چکی اور گمراہی کن پر لازم کرتا ہے؟ ﴿يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [مومن: ۷۴] "گمراہ کرتا ہے کافروں کو جو کفر پر ضد کرتے ہیں۔" ﴿فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ پس سیر کرو تم زمین میں ﴿فَانْظُرُوْا﴾ پس دیکھو! ﴿كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ کیسے انجام ہوا ان لوگوں کا جو جھٹلانے والے تھے رب کی توحید کو، اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو، کیا حشر ہوا ان کا۔ سیر و سیاحت اس ارادے سے کرنی ہے کہ مجرم قوموں کے حالات دیکھنے ہیں، رب تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں دیکھنی ہیں کہ رب نے پہاڑ کیسے پیدا فرمائے، دریا پیدا کیے، نہریں چلائیں، درخت کیسے کیسے پیدا فرمائے۔ اس ارادے سے سیاحت کرو گے تو جو خرچ کرو گے اس پر ثواب ملے گا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں دیکھنی ہیں۔

طالب حق اور غیر طالب حق کا حال

آگے اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں ﴿اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ﴾ اگر آپ حرص کریں ان کی ہدایت پر ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا جس کو گمراہ کرتا ہے اور گمراہ اس کو کرتا ہے جو کفر پر مصر ہو، اُڑا ہوا ہو اور ہدایت کا طالب نہ ہو۔ میں نے بات سمجھانے کے لیے کئی دفعہ عرض کیا ہے کہ ٹونٹی ہے، اگر برتن کا منہ پانی کی طرف کرے گا تو اس میں پانی پڑے گا چھوٹا برتن جلدی بھر جائے گا بڑا دیر کے ساتھ بھر جائے گا۔ اگر کوئی شخص جگ، گلاس، مٹکا، کوئی بھی برتن نلکے یا ٹونٹی کے نیچے اُلٹا کر کے رکھ دے تو وہ سارا دن بھی چلتا رہے تو برتن میں پانی نہیں آئے گا۔ یہی حال حق کو طلب کرنے والے اور نہ طلب کرنے والے کا ہے۔ جس کے دل میں طلب نہیں ہے اس نے اپنا برتن اُلٹا کیا ہوا ہے اس پر ٹیوب ویل بھی چلتا رہے تو اس کو کچھ حاصل نہیں ہوگا اور طلب نہ ہو تو رب زبردستی ہدایت کسی کو نہیں دیتا ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ اور نہیں ہے ان کے لیے کوئی مددگار۔ آگے ان مشرکوں کا ذکر ہے جو قیامت کے منکر تھے۔ ایسے مشرک بھی تھے جو قیامت کے قائل تھے باوجود کافر ہونے کے۔

منکرین قیامت :

مشرکین عرب کی اکثریت قیامت کی منکر تھی بلکہ دوبارہ زندہ ہونے پر تعجب کرتے تھے۔ سورت ق آیت نمبر ۲۔۳ میں ہے ﴿فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ "پس کہا کافروں نے ﴿هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ﴾ یہ عجیب شے ہے ﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا﴾ جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی ﴿ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ﴾ یہ لوٹ کر آنا بہت بعید ہے۔" اور سورۃ مومنون آیت نمبر ۳۶ میں ہے ﴿هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ "بعید ہے یہ بات بعید ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔" پھر کہتے تھے ﴿مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ﴾ [یٰسین: ۷۸] "کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو حالاں کہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔" اس طرح کے شوشے چھوڑتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ﴾ اور انھوں نے قسمیں اُٹھائیں اللہ کے نام کی ﴿جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ﴾ اپنی مضبوط قسمیں، زوردار الفاظ کے ساتھ قسمیں اُٹھاتے تھے ﴿لَا یَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ یَّمُوْتُ﴾ اللہ تعالیٰ نہیں کھڑا کرے گا اس کو جو مر گیا یعنی دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کا رد فرمایا ﴿بَلٰی﴾ کیوں نہیں کھڑا کرے گا ﴿وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا﴾ وعدہ ہے رب کے ذمے سچا۔ تم کہتے ہو جو مر گیا دوبارہ نہیں اُٹھایا جائے گا غلط کہتے ہو رب کا وعدہ ہے قیامت ضرور آئے گی جو ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے ان میں بھی جان پڑے گی اور جس طرح اب ہے اسی طرح دوبارہ انسان بنا کر کھڑا کر دے گا۔

بخاری وغیرہ میں روایت ہے ایک بندہ گنہگار کلمہ پڑھنے والا، مرتے وقت اس کے دل میں خیال آیا میں بڑا گنہگار رہوں زندگی میں کوئی نیکی تو کی نہیں ہے۔ انسانی شکل میں رب کے سامنے پیش ہوا تو رب تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا؟ اولاد کو اکٹھا کیا اور کہا کہ پہلے قسم اُٹھاؤ کہ اس پر عمل کرو گے پھر بات بتلاؤں گا۔ انھوں نے کہا ابا جی! آپ بات کریں کہا نہیں! پہلے قسم اُٹھاؤ پھر بات بتلاؤں گا، سب سے قسم لی اس کے بعد کہنے لگا کہ میں جب مر جاؤں تو بہت سارا ایندھن اکٹھا کر کے مجھے جلا دینا اور میری کچھ راکھ کو اُڑا دینا اور کچھ کو سمندر میں پھینک دینا۔ بیٹے ایک دوسرے کے منہ کو دیکھنے لگے کہ والد صاحب نے ہمیں کس مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ مثلاً: دیکھو! ہمارے علاقے میں جلانے کی تو عادت نہیں ہے ہندو، سکھ جلاتے ہیں مسلمان تو نہیں جلاتے اس لیے بیٹے پریشان ہوئے۔ خیر وہ فوت ہو گیا اولاد نے باپ کی وصیت پر عمل کیا راکھ کو پیس کر کچھ ہوا میں اُڑا دی اور کچھ سمندر میں ڈال دی۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا کہ ایک ذرہ بھی ضائع نہ ہو، سمندر کو حکم دیا کہ ایک ذرہ بھی ضائع نہ ہو اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ اس کی راکھ کو اکٹھا کر کے انسان بنایا اور فرمایا کہ اے میرے بندے! تو نے یہ کارروائی کیوں کی؟ حالانکہ رب تعالیٰ کو تو سارا علم تھا۔ اس نے کہا اے پروردگار! میں نے انسانوں والا کام تو کوئی کیا نہیں تھا میں نے یہ تیرے ڈر کی وجہ سے کیا کہ رب کے سامنے انسان ہو کر نہ پیش ہوں شاید رب مجھے معاف کر دے۔ فرمایا جاؤ میں نے معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔ تو فرمایا ﴿بَلٰی﴾ کیوں نہیں دوبارہ کھڑا کروں گا رب کا وعدہ سچا ہے ﴿وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ اور لیکن اکثریت لوگوں کی نہیں جانتی۔

وقوعِ قیامت کی وجہ :

اب سوال یہ ہے کہ قیامت کیوں قائم ہوگی، دوبارہ کیوں اٹھائے جائیں گے؟ اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں ﴿لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ﴾ تاکہ بیان کرے ان کے سامنے وہ چیز جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ دنیا میں بہت سی چیزوں میں لوگ اختلاف کرتے ہیں عملی طور پر حق و باطل واضح نہیں ہوتا، دلائل کے اعتبار سے اگرچہ حق واضح ہے۔ تو قیامت والے دن عملی طور پر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ توحید کا انجام کیا ہے؟ اور شرک کا انجام کیا ہے؟ اگر قیامت نہ ہو تو پھر حق اور باطل خلط ملط رہیں گے اور کچھ بھی پتا نہیں چلے گا اس لیے قیامت کا قائم ہونا ضروری ہے ﴿وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور تاکہ جان لیں وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ﴾ کہ بے شک وہ جھوٹے تھے۔ اگر قیامت قائم نہ ہو تو عملی طور پر جھوٹے سچے کا پتہ نہ چلا۔ فرمایا ﴿إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ﴾ بے شک ہماری بات کسی چیز کے بارے میں ﴿إِذَا أَرَدْنَاهُ﴾ جب ہم ارادہ کرتے ہیں اس کا ﴿أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ﴾ یہ کہ ہم اس کو کہتے ہیں ہو جا ﴿فَيَكُونُ﴾ پس وہ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ہمارے لیے قیامت برپا کرنا کون سی مشکل بات ہے۔ لہٰذا قیامت ضرور آئے گی اور نیکی بدی کا بدلہ ضرور ملے گا۔

﴿وَالَّذِينَ﴾ اور وہ لوگ ﴿هَاجَرُوا﴾ جنھوں نے ہجرت کی ﴿فِي اللَّهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ﴿مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا﴾ بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا ﴿لَنُبَوِّئَنَّهُمْ﴾ البتہ ہم ضرور ٹھکانا دیں گے ان کو ﴿فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ دنیا میں اچھا ﴿وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ﴾ اور آخرت کا اجر ﴿أَكْبَرُ﴾ بہت بڑا ہے ﴿لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ کاش کہ یہ لوگ جان لیں ﴿الَّذِينَ صَبَرُوا﴾ وہ لوگ جنھوں نے صبر کیا ﴿وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾ اور اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے ﴿مِنْ قَبْلِكَ﴾ آپ سے پہلے ﴿إِلَّا رِجَالًا﴾ مگر مردوں کو ﴿نُوحِي إِلَيْهِمْ﴾ ہم وحی بھیجتے رہے ان کی طرف ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ﴾ پس پوچھو تم اہل علم سے ﴿إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ اگر تم نہیں جانتے ﴿بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ﴾ واضح دلائل کے ساتھ اور صحیفوں کے ساتھ ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ﴾ اور نازل کی ہم نے آپ کی طرف نصیحت والی کتاب ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ﴾ تاکہ آپ بیان کریں لوگوں کے لیے ﴿مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ جو ان کی طرف نازل کی گئی ﴿وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ اور تاکہ وہ غور و فکر کریں ﴿أَفَأَمِنَ الَّذِينَ﴾ کیا پس امن میں ہیں وہ لوگ ﴿مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ﴾ جو تدبیر کرتے ہیں برائیوں کی ﴿أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ﴾ یہ کہ دھنسا دے ان کو اللہ تعالیٰ ﴿الْأَرْضَ﴾ زمین میں ﴿أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ﴾ یا آئے ان پر عذاب ﴿مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ﴾ جہاں سے شعور بھی نہ رکھتے ہوں ﴿أَوْ يَأْخُذَهُمْ﴾ یا پکڑے ان کو اللہ تعالیٰ ﴿فِي تَقَلُّبِهِمْ﴾ چلنے

پھرنے میں ﴿فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴾ پس نہیں ہیں وہ عاجز کرنے والے ﴿اَوْ يَاْخُذَهُمْ﴾ یا پکڑے ان کو ﴿عَلٰى تَخَوُّفٍ﴾ ڈراتے ہوئے ﴿فَاِنَّ رَبَّكُمْ﴾ پس بے شک تمھارا رب ﴿لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ البتہ بڑی شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

ماقبل سے ربط

پچھلے رکوع میں کافروں کا ذکر تھا کہ اُنھوں نے شرک اور تکبر کیا، حق کو ٹھکرایا اور حق والوں پر ظلم کیا۔ اب مظلوموں کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی ﴿فِي اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ﴿مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا﴾ بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا ﴿لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ البتہ ہم ضرور ٹھکانا دیں گے ان کو دنیا میں اچھا ﴿وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾ اور آخرت کا اجر بہت بڑا ہے۔ مکی زندگی میں کافروں نے مسلمانوں پر بہت ظلم کیا، زیادتی کی یہاں تک کہ وہ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے پھر حبشہ سے مدینہ منورہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان مظلوموں کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ ضرور ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانا دے گا۔ چنانچہ ان مظلوموں کو اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ میں ٹھکانا دیا۔ اس وقت بھی دنیا میں تین کروڑ کے قریب مہاجر موجود ہیں جو اپنا ملک چھوڑ کر دوسرے ممالک میں رہتے ہیں اور ان میں زیادہ تر مسلمان ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں افغانی پاکستان میں موجود ہیں جو روس کے مظالم سے تنگ ہو کر آئے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تکالیف برداشت کرتا ہے رب تعالیٰ اس کی محنت کو ضائع نہیں کرتا ﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ کاش کہ یہ جان لیں کہ جو رب تعالیٰ کی رضا کے لیے تکلیفیں اُٹھاتا ہے اس کے لیے آخرت میں ہمیشہ کے لیے راحت ہے ﴿الَّذِيْنَ صَبَرُوْا﴾ وہ لوگ جنھوں نے صبر کیا کافروں کے ظلم پر اور ایمان پر ڈٹے رہے، تکلیفیں برداشت کیں اور حق کو نہ چھوڑا ﴿وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ اور وہ اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں کہ ان کا اعتماد صرف رب تعالیٰ کی ذات پر ہے۔

توکل کا معنیٰ

توکل کا معنیٰ کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ ظاہری اسباب کو اختیار کر کے نتیجہ رب پر چھوڑ دینے کا نام توکل ہے۔ اور ظاہری اسباب کو اختیار نہ کرنے کا نام تَعَطُّل ہے۔ حقیقتاً تو ہر کام رب تعالیٰ نے کرنا ہے لیکن ظاہری اسباب کو اختیار کرنے کا بھی حکم ہے۔ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا۔ آنحضرت ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ مہمان سے پوچھتے تھے تو کس کا مہمان ہے؟ چنانچہ آپ ﷺ نے پوچھا آپ کون ہیں؟ اس نے اپنا نام بتلایا اور یہ کہ میں فلاں جگہ سے آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو کس کا مہمان ہے؟ اس نے کہا کہ میں آپ کا مہمان ہوں۔ فرمایا اکیلے ہو یا تمھارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ کہنے لگا میں اکیلا ہوں۔ سوار ہو یا پیدل ہو؟ کہنے لگا میں اُونٹنی پر سوار ہو کر آیا ہوں۔ فرمایا تیری اُونٹنی کہاں ہے؟ کہنے لگا اس کو میں نے رب کے توکل پر چھوڑ دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: قَيِّدْهَا وَتَوَكَّلْ " اس کے پاؤں باندھو پھر توکل کرو۔"

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

بر توکل زانوئے اُشتر بہ بند
گفت پیغمبر باآواز بلند

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا (تاکہ سب حاضرین سن لیں) کہ اپنی اُونٹنی کے پاؤں باندھ پھر رب پر بھروسا کر۔"

پیغمبر کے مرد ہونے کی حکمتیں

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے مگر مردوں کو ہم وحی بھیجتے ہیں ان کی طرف۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تک جتنے پیغمبر تشریف لائے ہیں سب مرد تھے عورت کوئی نبی نہیں بنی۔ حکمت کا تقاضا ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ پیغمبر نے ہر نیک اور بد کے پاس جانا ہے، رات کو بھی جانا ہے دن کو بھی۔ عورت کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ ہر نیک اور بد کے پاس جائے، رات کو پہنچے دن کو پہنچے، عورت کے جسم کی رب نے ساخت ایسی بنائی ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ پھر جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے ہیں وہ اپنی اپنی قوموں میں چنے ہوئے لوگ تھے، حسن و جمال کے لحاظ سے، ڈول ڈیل کے اعتبار سے، اگر عورت نبی بنتی تو وہ بھی چنی ہوئی ہوتی تو پھر غلط کار لوگ اس وجہ سے اس کے پیچھے پڑ جاتے نبی کی صداقت تو ظاہر نہ ہوتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں مرد ہی بھیجے ہیں۔ ﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ پس تم سوال کرو پوچھ لو اہل علم سے اگر تم خود نہیں جانتے۔ دیکھو! قرآن پاک کی یہ آیت بتلا رہی ہے کہ اگر آدمی کو خود علم نہ ہو کسی چیز کا تو دوسرے سے پوچھ لے۔ اگر خود بھی علم نہ ہو اور دوسرے سے بھی نہ پوچھے تو کیا کرے؟

مولانا نذیر حسین مرحوم کی تردید تقلید اور اس کی شرعی حیثیت

غیر مقلدین حضرات کے ایک بزرگ گزرے ہیں مولانا نذیر حسین صاحب مرحوم۔ انھوں نے کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے معیارِ حق۔ اپنے خیال کے مطابق انھوں نے اس میں تقلید کی تردید کی ہے لیکن پھر بھی اس آیت کریمہ کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں کہ جب آدمی کو خود علم نہ ہو تو وہ شرعی طور پر پابند ہے کہ پوچھے اور اس کا مکلف نہیں کہ سب علماء سے پوچھے ایک عالم سے پوچھ لے تو فریضہ ادا ہو جاتا ہے اور میں نے اپنی کتاب "الکلام المفید" میں لکھا ہے کہ اسی کا نام تو تقلیدِ شخصی ہے۔ تقلیدِ شخصی کا معنیٰ ہے ایک کی بات پر اعتماد کر کے اس کو تسلیم کر لے۔ اس سلسلے میں آج کل اس فرقے نے بڑا غلو کیا ہوا ہے حالاں کہ تقلید سے کوئی چارہ نہیں ہے۔ تقلید کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی مسئلہ قرآن و حدیث میں نہیں ہے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت نہیں ہے تو ایسے مسئلہ میں ائمہ کرام میں سے کسی امام کی بات کو تسلیم کر لینا تقلید ہے اور اماموں کا علم بھی زیادہ ہے اور تقویٰ اور ورع بھی زیادہ ہے اور اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ہے کیوں کہ بے علم نے صاحب علم سے ہی پوچھنا ہے اور یہاں ایک ضروری بات بھی سمجھ لیں وہ

یہ کہ یہ حضرات عوام کو مغالطے میں ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انھوں نے امام کو نبی کی گدی پر بٹھا دیا ہے۔ یہ بالکل غلط بیانی کرتے ہیں کوئی مُقَلِّدْ بھی اس کا قائل نہیں ہے کہ امام معصوم ہوتا ہے۔ جب کہ نبی معصوم ہوتا ہے نبی کی گدی پر تو تب بٹھائیں کہ ہم امام کو معصوم سمجھیں۔ حاشا وکلا! حنبلی، شافعی، مالکی، حنفی کوئی بھی اپنے امام کو معصوم نہیں سمجھتا، مجتہد سمجھتے ہیں اور مجتہد سے خطا بھی ہو جائے تو حدیث صحیح میں ہے کہ اس پر کوئی گرفت نہیں ہے۔

تو غیر منصوص مسائل میں تقلید کے بغیر چارہ ہی نہیں ہے قرآن کریم کا حکم ہے ﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اہل علم سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔ اور سب علماء سے پوچھنے کا کوئی پابند نہیں ہے کہ پاکستان، ہندوستان، عرب، غیر عرب کے تمام علماء سے پوچھے۔ اس کی ضرورت نہیں ہے بس ایک عالم سے پوچھ لے کافی ہے اور اسی کا نام تقلیدِ شخصی ہے۔ قیامت والے دن دوخیوں سے پوچھا جائے گا تم دوزخ میں کیوں آئے ہو؟ تو وہ کہیں گے ﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ [الملک:۱۰] "اگر ہم سنتے یا ہم سمجھتے تو ہم دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے۔" اس آیت کی تفسیر میں شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں:

"دوزخ سے چھٹکارے کے لیے دو سبب ہیں، ایک تقلید اور ایک تحقیق۔ تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

تو دوزخی کہیں گے ہمیں خود بھی تحقیق نہیں تھی اور دوسروں کی بات بھی تسلیم نہیں کی۔ لہٰذا بندہ اگر خود نہیں جانتا تو وہ اس بات کا مکلف ہے کہ کسی عالم سے پوچھے۔ تو فرمایا ہم نے پیغمبر بھیجے ﴿بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ﴾ واضح دلائل اور معجزات کے ساتھ اور صحیفوں کے ساتھ۔ زُبُرٌ زُبُوْرٌ کی جمع ہے۔ زبور کا معنیٰ ہے کتاب اور جس طرح ہم نے پہلے پیغمبروں کو کتابیں اور صحیفے اور واضح دلائل دیئے۔

تعلیم وتعلّم کی ضرورت ہے

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ﴾ اور نازل کی ہم نے آپ کی طرف نصیحت والی کتاب ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ﴾ تاکہ آپ بیان کریں لوگوں کے لیے ﴿مَا﴾ وہ چیز ﴿نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ جو نازل کی گئی ان کی طرف۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک جو ہم نے آپ پر نازل کیا اس سے آپ لوگوں کو سمجھائیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باوجود یہ کہ عربی تھے اور قرآن کریم بھی عربی زبان میں تھا۔ پھر بھی بعض آیات کا مفہوم سمجھنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ قرآن پاک کی ایک آیت کا حصہ ہے ﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ [النساء:۱۲۳] "جو شخص برا عمل کرے گا اس کو بدلہ دیا جائے گا۔" اس آیت کا مطلب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی نہ سمجھے حالانکہ وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑے عالم تھے۔ انھوں نے عرض کیا حضرت! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ تو ہم میں سے کون معصوم ہے، کوئی نہ کوئی خطا تو ہم سے ہوتی رہتی ہے پھر تو کوئی بھی نہیں بچ سکے گا۔ انھوں نے ﴿يُجْزَ بِهٖ﴾ کا مفہوم یہ سمجھا کہ قبر میں عذاب ہوگا، دوزخ میں عذاب ہوگا۔ بخاری شریف کی روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا تم یہ سمجھے ہو کہ قبر کا عذاب ہوگا، دوزخ کا عذاب ہوگا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ آدمی کو جو بدنی تکلیفیں ہوتی رہتی ہیں، وہ گناہوں کا کفارہ ہوجاتی ہیں۔

مثلاً: سر درد ہوگیا، پیٹ درد ہوگیا، کمر درد ہوگیا، گھٹنے کا درد ہوگیا، ٹخنوں میں درد ہوگیا کوئی بھی تکلیف ہو مومن کے لیے وہ گناہوں کا کفارہ ہے۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جو دیوبند کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے، فرماتے ہیں اَلْحَرُّ وَ الْقَرُّ لِکُفْرَانِ الذُّنُوْبِ "یہ گرمی سردی بھی گناہوں کا کفارہ ہیں۔" تو باوجود عربی ہونے کے ان کو سمجھانے کی ضرورت تھی۔ آج غلام احمد پرویز کہتا ہے کہ قرآن میں سمجھا ہوں۔ ساری زندگی انگریز کے جوتے چاٹتا رہا یہ قرآن سمجھا ہے۔ جس نے نہ کسی سے پڑھا نہ سمجھا۔ یاد رکھنا! قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا آپ سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے سمجھا، ان سے تابعین ائمہ مجتہدین نے سمجھا، محدثین اور مفسرین نے سمجھا، ازخود قرآن کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل فرمائی تاکہ آپ لوگوں کے لیے بیان کریں ﴿وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ اور تاکہ وہ غور وفکر کریں اور اس کی مراد اور مطلب کو سمجھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی ہزار نفل پڑھتا ہے اور ایک آدمی قرآن کریم کی ایک آیت کا صحیح ترجمہ سیکھتا ہے۔ ترجمہ سیکھنے والے کا ثواب زیادہ ہے۔ آج کل تو لوگوں کو فضولیات سے فرصت نہیں ہے گھروں میں ٹی وی ہیں، وی سی آر (ڈی، وی، ڈی پلیئر، ایل، سی، ڈی، کیبل، ڈش، انٹرنیٹ) جیسی خرافات ہیں۔ بچو یاد رکھنا! تمھارے گھر میں بہشتی زیور ہونا چاہیے، تعلیم الاسلام ہونی چاہیے، گلدستۂ توحید ہونی چاہیے تاکہ کم از کم عقائد تو صحیح ہوں۔ رات کے وقت کوئی سمجھدار عورت سب کو اکٹھا کر کے ایک دو مسئلے بتلا دیا کرے تاکہ بچوں کا ذہن بن جائے۔ آج آٹھ نو سال کے بچے بچیاں تعویذات کے لیے آتی ہیں میں پوچھتا ہوں بیٹی نماز پڑھتی ہو؟ کہتی ہے جی مجھے آتی نہیں۔ حالاں کہ حکم یہ ہے کہ بچہ سات سال کا ہوجائے تو اس کو نماز کا حکم دو اور حکم تب ہی ہوگا کہ نماز پہلے آتی ہو ورنہ کیا پڑھے گا؟ ہم سب مسلمان ہیں مگر مسلمانوں والا کام کوئی نہیں ہے۔ فرمایا تاکہ فکر کریں۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ﴾ کیا پس امن میں ہیں وہ لوگ ﴿مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ﴾ جو تدبیر کرتے ہیں برائیوں کی، کیا برے کام کرنے والے امن میں ہیں ﴿اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ﴾ یہ کہ دھنسا دے ان کو اللہ تعالیٰ زمین میں ﴿اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ﴾ یا آئے ان پر عذاب ﴿مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ جہاں سے ان کو شعور بھی نہ ہو۔ یہ لوگ جو قومی رقمیں لوٹ کر بیرون ملک بینکوں میں جمع کراتے رہے ہیں اور آج قید کاٹ رہے ہیں ان کے وہم میں بھی نہیں تھا کہ ہمارے ساتھ یہ ہوگا۔ یہ بہت جھوٹے لوگ ہیں ووٹ مانگتے وقت وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اسلام نافذ کریں گے پھر اسلام سے سرکشی کرتے ہیں آج رب کے عذاب میں مبتلا ہیں ﴿اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ﴾ یا پکڑے ان کو اللہ تعالیٰ چلنے پھرنے میں وہ قادر مطلق ہے ﴿فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴾ پس نہیں ہیں وہ عاجز کرنے والے ﴿اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ﴾ یا پکڑے ان کو اللہ تعالیٰ ڈراتے ہوئے۔ تھوڑا زلزلہ آیا پھر زیادہ آیا پھر اور زیادہ آیا اور تباہ ہوگئے۔ یہ سب واقعات ہم دنیا میں دیکھتے سنتے ہیں مگر عبرت حاصل نہیں کرتے ﴿فَاِنَّ

﴿رَبَّكُمْ﴾ پس بے شک تمھارا رب ﴿لَرَءُوْفٌ﴾ بڑی شفقت کرنے والا ہے ﴿رَّحِيْمٌ﴾ اور بڑا ہی مہربان ہے۔ اگر وہ ہمارے گناہوں کو سامنے رکھے تو ایک قطرہ پانی کا اور ایک جھونکا ہوا کا نہ دے مگر وہ مہربان ہمارے سب گناہ اور شرارتیں برداشت کرتا ہے اور اپنی رحمت سے سب کو نوازتا ہے۔

﴿اَوَلَمْ يَرَوْا﴾ کیا نہیں دیکھا اُنھوں نے ﴿اِلٰى مَا﴾ ان چیزوں کی طرف ﴿خَلَقَ اللّٰهُ﴾ جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں ﴿مِنْ شَيْءٍ﴾ کوئی بھی چیز ہو ﴿يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ﴾ مائل ہوتا ہے سایہ اس کا ﴿عَنِ الْيَمِيْنِ﴾ دائیں طرف ﴿وَالشَّمَآئِلِ﴾ اور بائیں طرف ﴿سُجَّدًا لِّلّٰهِ﴾ سجدہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو ﴿وَهُمْ دٰخِرُوْنَ﴾ اور وہ عاجزی کرتے ہیں ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرتے ہیں ﴿مَا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ وہ جو آسمانوں میں ہیں ﴿وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ اور وہ جو زمین میں ہیں ﴿مِنْ دَآبَّةٍ﴾ کوئی بھی جان دار ﴿وَّالْمَلٰٓئِكَةُ﴾ اور فرشتے ﴿وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ اور وہ تکبر نہیں کرتے ﴿يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ﴾ وہ خوف کھاتے ہیں اپنے رب سے ﴿مِّنْ فَوْقِهِمْ﴾ اپنے اُوپر سے ﴿وَيَفْعَلُوْنَ﴾ اور کرتے ہیں ﴿مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ جو کچھ انھیں حکم دیا جاتا ہے ﴿وَقَالَ اللّٰهُ﴾ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿لَا تَتَّخِذُوْٓا﴾ نہ بناؤ ﴿اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ دو الٰہ ﴿اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ پختہ بات ہے کہ وہ ایک ہی الٰہ ہے ﴿فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ﴾ پس تم خاص مجھ سے ڈرو ﴿وَلَهٗ﴾ اور اسی کے لیے ہے ﴿مَا فِي السَّمٰوٰتِ﴾ جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین میں ﴿وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا﴾ اور اسی کے لیے ہے دین ہمیشہ کا ﴿اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ﴾ کیا پس تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں سے ڈرتے ہو ﴿وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ﴾ اور جو کچھ تمھارے پاس نعمت ہے ﴿فَمِنَ اللّٰهِ﴾ پس وہ اللہ کی طرف سے ہے ﴿ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ﴾ پھر جس وقت تمھیں پہنچتی ہے کوئی تکلیف ﴿فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ﴾ پس اسی کے سامنے تم گڑگڑاتے ہو ﴿ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ﴾ پھر جس وقت دور کر دیتا ہے تکلیف کو تم سے ﴿اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ﴾ اچانک ایک گروہ تم میں سے ﴿بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ﴾ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتا ہے ﴿لِيَكْفُرُوْا﴾ تاکہ ناشکری کریں ﴿بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ﴾ اس چیز کی جو ہم نے ان کو دی ہے ﴿فَتَمَتَّعُوْا﴾ پس تم فائدہ اُٹھالو ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب تم جان لوگے۔

دلائل قدرت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرت اور وحدانیت کے لیے مختلف چیزوں کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ان چیزوں کی

پیدائش پر غور وفکر کرو گے اور ان کے محکم نظام کو دیکھو گے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت سمجھ آئے گی۔ اسی نوع میں ارشاد ہے ﴿اَوَلَمْ یَرَوْا﴾ کیا نہیں دیکھا انھوں نے ﴿اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ﴾ ان چیزوں کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں کوئی بھی چیز ہو۔ انسان اپنی ہی تخلیق کو دیکھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک حقیر قطرے سے پیدا کیا ہے دل ودماغ، ہاتھ پاؤں، ٹانگیں بنائیں، سیدھی قامت کا، خوب صورت شکل بنائی اور اس کے ظاہر وباطن کا کیسا نظام بنایا؟ اگر انسان صرف اپنے اُوپر ہی غور کرے تو سب کچھ سمجھ سکتا ہے لیکن انسان سرکش ہے یہ جو تھوڑی بہت تکلیف اس کو ہوتی ہے مالی پریشانی، بدنی پریشانی اگر یہ بھی نہ ہو تو خدا بالکل ہی بھول جائے یہ تکلیفیں اسی لیے آتی ہیں تاکہ انسان انسان رہے۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نفس ما کمتر از فرعون نیست
لیک او را عونُ ما را عون نیست

"ہمارا نفس فرعون سے کم نہیں ہے اُس کے پاس قوت تھی اور ہمارے پاس قوت نہیں ہے۔"

اس نفس امارہ کو قابو کرنا بہت ضروری ہے۔ ایک صوفی شاعر کہتے ہیں:

علاج نفس ظالم زود ہنگام جوانی کن
کہ ایں پیر سیاہ چوں مار گردد اژدھا گردد

"اس ظالم نفس کا علاج جوانی میں ہی جلدی کرلو۔ یہ چھوٹا سانپ ہے اب آسانی سے مر جائے گا جب یہ بڑا سانپ بن کر اژدھا بن گیا تو علاج مشکل ہو جائے گا۔"

چھوٹا سانپ لاٹھی جوتے سے بھی مر جاتا ہے اور جب اژدھا بن جائے گاؤں والے اکٹھے ہو کر بھی نہیں مار سکتے۔ نفس کی اصلاح کے لیے بزرگان دین نے ریاضتیں بتلائی ہیں، چلے بتلائے ہیں تاکہ انسان اپنے نفس پر قابو پالے۔

فرمایا ان چیزوں کی طرف نہیں دیکھا جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے ﴿یَتَفَیَّؤُا ظِلٰلُہٗ﴾ ان کے سائے مائل ہوتے ہیں، ڈھلتے ہیں ﴿عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ﴾ دائیں اور بائیں طرف۔ مکہ مکرمہ کے علاقے میں گرمیوں میں سایہ دائیں طرف ہوتا ہے اور سردیوں میں بائیں طرف ہوتا ہے۔ دائیں طرف کا سایہ ذرا کم ہوتا ہے اور بائیں طرف ذرا لمبا ہوتا ہے۔ جس جگہ جو بھی چیز ہے اس کا سایہ دائیں بائیں ہوتا رہتا ہے اور عین دوپہر کے وقت سایہ بالکل برائے نام رہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انسان باغی سجدہ نہ کرے اس کا سایہ سجدہ کرتا ہے اور ہر چیز کا سایہ سجدہ کرتا ہے ﴿سُجَّدًا لِّلّٰہِ﴾ سجدہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو ﴿وَهُمْ دٰخِرُوْنَ﴾ اور وہ عاجزی کرتے ہیں۔ سائے والا سرکش ہے مگر سایہ عاجزی کرتا ہے۔

مخلوقِ خدا کا سربسجود ہونا

فرمایا کیا پوچھتے ہو ﴿وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کرتی ہے وہ مخلوق جو آسمانوں

میں ہے اور جو زمین میں ہے ﴿مِنْ دَآبَّۃٍ﴾ کوئی بھی جان دار ہو سب رب کو سجدہ کرتے ہیں۔ آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی مخلوق ہوگی جو ہمارے علم میں نہیں ہے اور زمین میں تو بے شمار چیزیں ہیں سمندر کی تہہ میں بہت کچھ ہے اور سب میں اتنا ادراک و شعور ہے کہ ہمارا کوئی خالق ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں بارشیں رک گئیں، قحط پڑ گیا لوگ بڑے پریشان ہوئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اعلان فرمایا کہ تمام لوگ فلاں جگہ اکٹھے ہوں صلوٰۃ استسقاء پڑھنی ہے تاکہ بارش نازل ہو۔ لوگ پہنچے حضرت سلیمان علیہ السلام تشریف لے جا رہے تھے کہ دیکھا کہ ایک چیونٹی ٹانگیں آسمان کی طرف کیے ہوئی ہے اور دعا کر رہی ہے پروردگار! میں بھی تیری مخلوق ہوں اور بارش نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہوں اور بھی مخلوق پریشان ہے۔ اے پروردگار! اپنے فضل و کرم سے بارش برسا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ساتھیوں کو فرمایا جلدی جلدی اپنے گھروں کو پہنچ جاؤ بھیگ جاؤ گے بڑی زور کی بارش آئے گی اُسْتُجِیْبُ الدَّعْوَۃُ مِنْ اَجْلِ نَمْلَۃٍ "چیونٹی کی وجہ سے رب تعالیٰ نے دعا قبول کر لی ہے۔" پاؤں کا اُٹھانا بمنزلہ ہاتھ اُٹھانے کے تھا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب کوئی مومن آدمی اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ اُٹھائے تو اللہ تعالیٰ کو حیا آتی ہے کہ اس کے ہاتھ خالی لوٹائے۔

دعا قبول ہونے کی شرطیں

مگر یاد رکھنا! دعا کی قبولیت کے لیے کچھ شرائط ہیں اور ہم میں ان میں سے کوئی شرط نہیں پائی جاتی الا ماشاء اللہ۔

☆......پہلی شرط یہ ہے کہ بالغ ہونے کے بعد دعا کرنے کے وقت تک اس کے ذمہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، قربانی کوئی فریضہ نہ ہو سب فرائض ادا کر چکا ہو۔ یہ بنیادی شرط ہے کہ بالغ ہونے کے بعد فرائض واجبات میں سے اس کے ذمہ کوئی شے نہ ہو۔

تو ہم میں تو یہ پہلی شرط ہی نہیں پائی جاتی۔ نمازیں ہمارے ذمہ ہیں، روزے ہمارے ذمہ ہیں، قربانیاں ہمارے ذمہ ہیں، فطرانے اور حج ہمارے ذمہ ہیں۔

☆......دوسری شرط یہ ہے کہ اس نے کبھی حرام نہ کھایا ہو۔ حرام کا ایک لقمہ کھانے سے آدمی چالیس دن تک دعا کی قبولیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور ہمارا حال یہ ہے کہ سو میں سے ایک آدمی ہوگا جس کی کمائی حلال کی ہوگی۔ حرام صرف چوری، ڈکیتی

• اور رشوت ہی کا نام نہیں ہے بلکہ حرام کی بڑی قسمیں ہیں۔

اگر کوئی آدمی ملازم ہے اور ملازمت کا جو وقت طے شدہ ہے اگر وہ دیانت داری کے ساتھ پورا وقت نہیں دیتا تو اس کی تنخواہ بھی حلال کی نہیں ہے اور اخبارات میں تم پڑھتے رہتے ہو فلاں اسکول کے ماسٹر حاضری لگا کر چلے جاتے ہیں۔ نماز کی اذان ہو جانے کے بعد دکان دار کا سامان بیچنا حلال نہیں ہے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں قبول فرمائے تو وہ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْن ہے۔ ورنہ ہم میں تو دعاؤں کے قبول ہونے کی کوئی شرط نہیں ہے باقی ہم نے مانگنا تو اسی سے ہے اور تو کوئی دروازہ ہی

نہیں ہے۔

ایک نیک آدمی کا سبق آموز واقعہ

ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ تھا دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگا رہتا تھا اس سے تھوڑی سی کوتاہی ہوئی۔ سحری کے وقت وضو کیا نماز شروع کی۔ غیب سے آواز آئی تیری کوئی عبادت قبول نہیں ہے اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈال لیکن وہ عبادت میں لگا رہا۔ دوسری رات آواز آئی، تیسری رات آواز آئی وہ بدستور اپنی عبادت میں لگا رہا۔ مریدوں نے، ساتھیوں نے کہا کہ حضرت! جب آپ کی عبادت قبول نہیں ہو رہی تو اپنے آپ کو مشقت میں کیوں ڈالتے ہو؟ تو وہ رو کر کہنے لگا کہ رب کے دروازے کے سوا اور کون سا دروازہ ہے جہاں میں جاؤں۔ دنیا کے سائل کو ایک دروازے سے نہیں ملتا دوسرے پر چلا جاتا ہے دوسرے پر نہیں ملتا تیسرے پر چلا جاتا ہے میں یہ دروازہ چھوڑ کر کہاں جاؤں؟ آزمائش تھی جب پوری ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور عبادت قبول کر لی۔

تو فرمایا آسمان و زمین کی ساری جان دار چیزیں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ﴾ اور فرشتے بھی ﴿وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا بڑے گناہ کی بات ہے۔ حق کی بات کو ٹھکرا دینا بڑے گناہ کی بات ہے۔ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا اور ہم تکبر کے بھڑولے بنے ہوئے ہیں۔ فرمایا تکبر یہ ہے کہ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ حق کو ٹھکرا دینا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔ فرمایا ﴿يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ﴾ وہ فرشتے اپنے رب سے ڈرتے ہیں ﴿مِّنْ فَوْقِهِمْ﴾ جو ان کے اوپر ہے ﴿وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ اور کرتے ہیں جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے۔

سجدہ تلاوت کا طریقہ

یہ آیت کریمہ سجدے والی ہے، جن مرد، عورتوں اور بچوں نے سنی ہے ان پر سجدہ واجب ہو گیا ہے اور یہ سجدہ صبح صادق کے بعد طلوع آفتاب تک بھی کیا جا سکتا ہے، عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک بھی کیا جا سکتا ہے ان اوقات میں قضا نمازیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں، نماز جنازہ بھی پڑھی جا سکتی ہے کیونکہ وہ فرض کفایہ ہے البتہ نفلی نمازیں نہیں پڑھی جا سکتیں ان اوقات میں اور سجدہ تلاوت کے لیے ہاتھ نہیں اُٹھانے صرف اللہ اکبر! کہہ کے سجدہ کرنا ہے اور اللہ اکبر! کہہ کر اُٹھ جانا ہے، نہ اس میں التحیات، نہ سلام ہے لیکن نماز کی باقی شرائط اس کے لیے ضروری ہیں۔ وہ یہ کہ کپڑے پاک ہوں، باوضو ہو، جگہ پاک ہو۔

غیر اللہ کی نفی

﴿وَقَالَ اللّٰهُ﴾ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ نہ بناؤ دو معبود، دو حاجت روا، مشکل کشا، فریاد رس

﴿اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ بے شک وہ معبود ایک ہی ہے، حاجت روا، مشکل کشا، فریاد رس، دست گیر صرف ایک ہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ﴿وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ [یونس: ۱۰۷] "اور اگر اللہ تعالیٰ پہنچائے آپ کو کوئی تکلیف پس کوئی نہیں کھولنے والا اس کے سوا اور اگر وہ ارادہ کرے بھلائی کا آپ کے ساتھ پس نہیں رد کرنے والا اس کے فضل کو۔" ساری کائنات مل کر بھی اس کو نہیں روک سکتی۔ دعا ہے: اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ "اے اللہ! جو آپ کسی کو دینا چاہیں اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس چیز کو آپ روک لیں کوئی دے نہیں سکتا۔" لہٰذا اسی ذات سے مانگنا چاہیے۔

فرمایا ﴿فَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ﴾ پس تم خاص مجھ ہی سے ڈرو ﴿وَلَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اسی کے لیے ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ﴿وَلَهُ الدِّیْنُ وَاصِبًا﴾ اور اسی کے لیے ہے دین ہمیشہ کا۔ یہ نہیں کہ کسی وقت اس کا دین ہو اور کسی وقت کسی اور کا ہو۔ نہیں! بلکہ ہمیشہ دین اسی کا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جو دین اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے بس دین وہی ہے اس کے علاوہ باقی سب بے دینی ہے۔ ﴿اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ﴾ کیا پس تم اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں سے ڈرتے ہو۔ غیر اللہ کا ڈر ایمان کے خلاف ہے ﴿وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ﴾ اور جو کچھ تمھارے پاس نعمت ہے جتنی نعمتیں تمھیں حاصل ہیں ﴿فَمِنَ اللّٰهِ﴾ پس وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں ظاہری ہوں یا باطنی جسمانی ہوں یا روحانی حسی ہوں یا معنوی، سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اللہ تعالیٰ کوئی نعمت چھین لیں تو پھر اس کی قدر کا پتا چلتا ہے۔ ہر نعمت اس نے ہر ایک کو نہیں دی۔

دنیا میں اکثریت پاگلوں کی ہے

عقل ایک نعمت ہے لیکن ہر آدمی کو حاصل نہیں ہے۔ بسا اوقات ایک آدمی آتا ہے اس کی شکل و صورت بڑی اچھی ہوتی ہے قد بڑا ہوتا ہے، عمدہ لباس پہنے ہوئے ہے جب بات کرتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ پاگل ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس کو دماغی امراض کے ماہر کے پاس لے جاؤ۔ صحیح عقل والے لوگ بہت کم ہیں۔ مردوں میں بھی اور عورتوں میں پاگل زیادہ ہیں اور یاد رکھنا! پاگلوں کو سینگ نہیں لگے ہوتے۔ بے موقع اور بے ڈھنگی بات کرنا پاگلوں کا کام ہے اور ضرورت سے زیادہ بات کرنا یہ بھی پاگلوں کا کام ہے، قصہ چھیڑ دینا اور اس کو ختم نہ کرنا بھی پاگل پن ہے۔ کئی عورتیں تعویذ لینے کے لیے آتی ہیں سر درد کا اور قصہ چھیڑ دیتی ہیں آدم علیہ السلام کے دور سے لے کر اب تک کا۔ میں کہتا ہوں بی بی! میں مصروف آدمی ہوں میرا وقت ضائع نہ کر تو نے تعویذ لینا ہے لے اور جا۔ نہیں جی! میری بات سنو! یہ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے؟ حدیث پاک میں آتا ہے: ((خَیْرُ الْكَلَامِ مَا قَلَّ وَدَلَّ)) "بہتر کلام وہ ہے جو مختصر ہو اور مطلب کے مطابق ہو۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ﴾ پھر جب تم کو تکلیف پہنچتی ہے ﴿فَاِلَیْهِ تَجْـَٔرُوْنَ﴾ پس اسی کے سامنے تم گڑگڑاتے ہو، عاجزی کرتے ہو، اے پروردگار! میری تکلیف کو دور فرما دے ﴿ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ﴾ پھر جب وہ دور کر دیتا

ہے تکلیف کو تم سے ﴿اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ﴾ اچانک ایک فریق تم میں سے ﴿بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ﴾ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے نظر ہٹا کر کہتا ہے کہ میرے بڑے بڑے پیسے خرچ ہوئے ہیں میں نے علاج پر بڑی محنت کی ہے ﴿لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ﴾ تاکہ ناشکری کریں اس چیز کی جو ہم نے ان کو دی ہے ﴿فَتَمَتَّعُوْا﴾ پس تم فائدہ اُٹھالو کتنی دیر اُٹھاؤ گے ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب تم جان لوگے۔ بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے سب کچھ سامنے آجائے گا۔

﴿وَيَجْعَلُوْنَ﴾ اور بناتے ہیں ﴿لِمَا﴾ اس مخلوق کے لیے ﴿لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ جس کو نہیں جانتے ﴿نَصِيْبًا﴾ حصہ ﴿مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ﴾ اس چیز سے جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے ﴿تَاللّٰهِ﴾ اللہ کی قسم ہے ﴿لَتُسْـَٔلُنَّ﴾ تم سے ضرور سوال کیا جائے گا ﴿عَمَّا﴾ اس چیز کے بارے میں ﴿كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ﴾ جو تم افترا باندھتے تھے ﴿وَيَجْعَلُوْنَ﴾ اور بناتے ہیں ﴿لِلّٰهِ الْبَنٰتِ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں ﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ پاک ہے اس کی ذات ﴿وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ﴾ اور اپنے لیے وہ کچھ جو وہ چاہتے ہیں ﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ﴾ اور جب خوش خبری دی جائے ان میں سے کسی ایک کو ﴿بِالْاُنْثٰى﴾ بیٹی کی ﴿ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا﴾ ہو جاتا ہے چہرہ اس کا سیاہ ﴿وَّهُوَ كَظِيْمٌ﴾ اور اس کا دم گھٹنے لگتا ہے ﴿يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ﴾ چھپتا پھرتا ہے قوم سے ﴿مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ﴾ اس بری خبر سے جس کی اس کو خوش خبری دی گئی ہے ﴿اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ﴾ کیا اس کو روکے ذلت اُٹھاتے ہوئے ﴿اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ﴾ یا اس کو دفن کر دے مٹی میں ﴿اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ﴾ خبردار بُرا ہے فیصلہ جو وہ کرتے ہیں ﴿لِلَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ جو ایمان نہیں لاتے ﴿بِالْاٰخِرَةِ﴾ آخرت پر ﴿مَثَلُ السَّوْءِ﴾ بُری مثال ہے ﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى﴾ اور اللہ تعالیٰ کی مثال بلند ہے ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ اور وہ غالب ہے، حکمت والا ہے۔

مشرکین کی ناانصافی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہلی آیت کریمہ میں مشرکوں کی ناانصافی اور شرک کا ذکر کیا ہے کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں وہ غیر اللہ کے تقرب کے لیے دیتے ہیں۔ اس مقام پر اجمال ہے اور سورت انعام آیت نمبر ۱۳۶ میں تفصیل ہے ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا﴾ "اور ٹھہراتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے اس چیز میں سے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے کھیتی اور جانوروں میں سے حصہ ﴿فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا﴾ پھر کہا انھوں نے یہ اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے اپنے خیال کے مطابق اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے ﴿فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ﴾ پس وہ حصہ جو ان کے شریکوں کا ہوتا ہے ﴿فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ﴾ پس وہ نہیں مل سکتا اللہ تعالیٰ کے حصے میں ﴿وَمَا كَانَ لِلّٰهِ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے ﴿فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ﴾ پس وہ مل جاتا

ہے ان کے شریکوں کے حصے کے ساتھ۔" مثلاً: گیارہ من چیز پیدا ہوئی اس میں سے ایک من اللہ تعالیٰ کا حصہ نکالتے اور ایک من غیروں کے نام کا، لات، منات، عزیٰ وغیرہ کے لیے۔ اب ایک ڈھیر اللہ تعالیٰ کا ہے اور ایک غیر اللہ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ڈھیر سے کچھ دانے اگر غیر اللہ کے ڈھیر کے ساتھ مل جاتے تو کہتے کوئی حرج نہیں ہے رب تو بے پروا ہے اور یہ محتاج ہیں اور اگر غیر اللہ کے ڈھیر سے کچھ دانے اللہ تعالیٰ کے ڈھیر میں مل جاتے تو فوراً نکال لیتے کہ یہ محتاج ہیں اور مانتے بھی تھے کہ یہ محتاج ہیں اور رب تعالیٰ محتاج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ﴾ "برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔" کہ پیدا تو رب کرے اور حصہ اوروں کا کیوں؟ یا تو کسی غیر نے بھی کوئی چیز پیدا کی ہو پھر تو بات ہے جب ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے کھیتیاں پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور ان کے تھنوں میں دودھ پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے تو کتنا ناانصافی کا فیصلہ ہے کہ حصے اوروں کے مقرر کیے جائیں۔

رب تعالیٰ اس چیز کا شکوہ کرتے ہیں۔ فرمایا ﴿وَیَجْعَلُوْنَ﴾ اور بناتے ہیں ﴿لِمَا﴾ اس مخلوق کے لیے ﴿لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ جن کے بارے میں ان کو کچھ علم نہیں ہے ﴿نَصِیْبًا﴾ حصہ مقرر کرتے ہیں ﴿مِّمَّا رَزَقْنٰھُمْ﴾ اس چیز سے جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے ﴿تَاللّٰہِ﴾ اللہ کی قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی قسم اٹھاتے ہیں ﴿لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا کُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ﴾ تم سے ضرور سوال کیا جائے گا اس چیز کے بارے میں جو تم افترا باندھتے ہو کہ ہم جو اس طرح کرتے ہیں یہ حصے رب نے مقرر کیے ہیں اور یہ کار ثواب ہے اور نیکی ہے یہ تم سے پوچھا جائے گا کہ یہ حق تمھیں کس نے دیا تھا اس طرح تقسیم کرنے کا۔ پیدا تو ہر چیز کو رب کرے اور پکنے اور تیار ہونے پر دوسرے بھی حصہ دار بن جائیں۔

کفار کے غلط نظریات

ان کے اور غلط نظریات سنو! اور ان سے پہلے یہود و نصاریٰ کے بھی ایسے ہی غلط نظریات تھے۔ سورت توبہ آیت نمبر ۳۰ میں ہے ﴿وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰہِ وَقَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰہِ﴾ "اور کہا یہود نے عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔" مشرکین عرب اور دنیا کے مختلف علاقوں کے مشرک بھی کہتے تھے کہ فرشتے رب تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰہِ الْبَنٰتِ﴾ اور بناتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور رب اپنی بیٹیوں کی موڑ تا نہیں ہے اس وجہ سے پھر یہ فرشتوں کی پوجا کرتے تھے اور ان کو پکارتے تھے یا جبرئیل، یا میکائیل، یا اسرافیل اور آج بھی مشرک قسم کے لوگ تعویذوں پر باقاعدہ یہ الفاظ لکھتے ہیں۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں بناتے ہیں ﴿سُبْحٰنَہٗ﴾ پاک ہے اس کی ذات ﴿وَلَھُمْ مَّا یَشْتَھُوْنَ﴾ اور اپنے لیے جو وہ چاہتے ہیں۔ اپنے لیے لڑکے پسند کرتے ہیں۔ اگر رب تعالیٰ کی شان کے لائق لڑکے لڑکیاں ہوتیں تو دو چار نہ ہوتے بے شمار ہوتے۔

انگریز دور کا واقعہ ہے کہ امریکہ کی ریاست جارجیا کا رہنے والا ایک انگریز جو بڑا شاطر اور زبان دراز پادری تھا شاہی مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر کھڑا ہو کر تقریر کر رہا تھا اور ثابت کر رہا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور ہمارے منجی ہیں۔

کالے رنگ کا ایک بھٹیارہ دانے بھون رہا تھا دانے بھی بھونتا رہا اور تقریر بھی سنتا رہا کافی لوگ جمع ہو گئے بھٹیارے کو اس کی تقریر پر غصہ آیا اور جا کر کہنے لگا مجھے یہ بتلاؤ کہ رب کے کتنے بیٹے ہیں۔ فانڈر کہنے لگا ایک ہی ہے۔ بھٹیارے نے کہا دیکھ میں غریب آدمی ہوں دانے بھون کر گزارا کرتا ہوں میرے چودہ (۱۴) بیٹے ہیں اور رب اتنی بڑی ذات ہے اس کا ایک ہی بیٹا ہے؟ کچھ عقل سے کام لے رب مجھ سے بھی رہ گیا ہے۔ یہ بات کر کے وہ چلا گیا۔

دیکھو! رب تعالیٰ کی صفت کمال ہے تو پھر اس کی اولاد سب سے زیادہ ہونی چاہیے اور اگر صفت نقصان ہے تو پھر ایک بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اس کی صفت ہے ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ﴾ "نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے۔" یہود بھی جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ بھی جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور مشرکین بھی جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ رب کی ذات پاک ہے۔

جو اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں بناتے ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ ﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى﴾ اور جب خوش خبری دی جائے ان میں سے کسی ایک کو بیٹی کی۔ مجلس میں بیٹھا ہو اور کوئی آ کر آہستہ سے کان میں کہے تیرے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے ﴿ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ﴾ تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کا دم گھٹنے لگتا ہے ﴿يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ﴾ چھپتا پھرتا ہے قوم سے ﴿مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ﴾ اس بری خبر سے جو اس کو خوش خبری دی گئی ہے۔ سوچتا ہے ﴿اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ﴾ کیا اس کو روکے ذلت اُٹھاتے ہوئے یعنی زندہ چھوڑ دے ﴿اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ﴾ یا اس کو دفن کر دے مٹی میں۔ خود تو تمھارا یہ حال ہے کہ لڑکی کی خبر سنتے ہو تو تمھارے چہرے بگڑ جاتے ہیں اور رب تعالیٰ کی طرف تم لڑکیوں کی نسبت کرتے ہو۔

تاریخ کے جھروکے: عربوں کا بیٹی کی پیدائش کو باعث عار سمجھنا

تاریخ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک سردار تھا جس کی کنیت ابوحمزہ تھی۔ امیر آدمی تھا ہر وقت اس کی مجلس ساتھیوں سے بھری رہتی تھی۔ ایک دن اپنے دوستوں میں بیٹھا تھا کہ لونڈی نے آ کر آہستہ سے اس کے کان میں کہا کہ تیرے ہاں لڑکی ہوئی ہے۔ یہ سنتے ہی اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا مجلس سے اُٹھ کر کہیں چلا گیا پھر ساری زندگی واپس گھر نہیں آیا اس پر اس کی بیوی نے درد مندانہ اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے: "کہ میرے خاوند ابوحمزہ کو کیا ہو گیا ہے اس لیے نہیں آتا کہ میرے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے میرا کیا اختیار ہے پیدا کرنے والا تو رب ہے۔ اگر ہمارے اختیار میں ہو تو ہم اپنی مرضی کی اولاد پیدا کریں۔" اب مسلمانوں کا بھی یہ حال ہے کہ لڑکا پیدا ہو تو خوشی کرتے ہیں اور اگر لڑکی پیدا ہو تو بگڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں ہائے ہائے کیا ہو گیا۔ حالانکہ حدیث پاک میں آتا ہے جس نے دو بچیوں کی تربیت کی اپنی بیوی سے ہوں یا غیر کی بیوی سے ہوں كَانَ لَهٗ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ "وہ دوزخ سے بچانے کا ذریعہ بنیں گی۔" اپنی بچیاں ہیں، بھتیجیاں ہیں، بھانجیاں ہیں یا اور کسی کی ہیں ان کی تربیت کی، جوان ہوئیں شادی کر دی دوزخ سے چھٹکارا مل گیا بشرطیکہ مومن ہو۔ سارے مکے والے بچیوں کو زندہ درگور نہیں کرتے تھے۔ کچھ تھے جو

زندہ درگور کرتے تھے اور مارتے نہیں تھے کہتے تھے گناہ ہوتا ہے۔ بھئی! وہ قبر میں کتنی دیر زندہ رہے گی؟ پانچ منٹ، دس منٹ، بیس منٹ۔

بیٹی کو زندہ درگور کرنے کا واقعہ

تاریخ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص کے ہاں بڑی خوب صورت لڑکی پیدا ہوئی۔ بیوی بڑی پریشان ہوئی کہ اس کو انھوں نے چھوڑنا نہیں ہے۔ خاوند نے فوراً کہیں تجارت کے لیے جانا تھا بیوی نے کہا کہ اگر مجھے تم اجازت دے دو تو میں اس کو زندہ دفن کر دوں۔ اس نے کہا ہاں! اجازت ہے۔ خاوند سفر پر چلا گیا اس عورت نے اپنی بیٹی اپنی کسی سہیلی کے پاس بھیج دی اور بچی وہیں نشوونما پاتی رہی۔ خاوند کچھ عرصہ کے بعد آیا پوچھا بچی کہاں ہے؟ بیوی نے کہا دفن کر دیا ہے۔ یہ پھر سفر پر چلا گیا اور یہ کہہ گیا کہ میں تین ماہ بعد آؤں گا۔ بیوی نے سنا کہ اس نے تین ماہ بعد آنا ہے تو اس نے بچی منگوالی کہ اتنی دیر بچی میرے پاس رہے گی۔ اتفاقاً اس کو جلدی آنا پڑ گیا دیکھا گھر میں بچی پھر رہی ہے پوچھا یہ کس کی بچی ہے؟ عورت پہلے تو تھرائی، تھتلائی، بعد میں بتلایا کہ یہ ہماری بچی ہے۔ خاوند نے کہا تو نے کہا تھا کہ میں نے اس کو دفن کر دیا ہے۔ کہنے لگی بس مجھ سے غلطی ہوئی۔ خاوند نے کہا کہ میرے لیے یہ بڑی ذلت ہے کہ یہ زندہ پھرے۔ وہاں کوئی میلہ لگتا تھا بیوی کو اعتماد میں لیا کہ میں نے اس کو میلے پر لے جانا ہے۔ بچی چلتی پھرتی باتیں کرتی تھی لے جا کر قبر کھودنی شروع کی تو مٹی اس کی ڈاڑھی پر پڑتی وہ بچی صاف کرتی حالاں کہ وہ اس کے لیے قبر کھود رہا تھا۔ اس نے قبر کھودی، بچی کو اس میں ڈالا بچی نے کہا ابا جی! مجھے یہاں ڈال رہے ہو مجھے ساتھ لے جاؤ میلا دکھاؤ۔ وہ عاجزی اور زاری کرتی رہی اور اس نے اس کو زندہ دفن کر دیا۔

سورۃ تکویر میں ہے ﴿وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝﴾ "اور جب زندہ درگور کی گئی بچیوں سے پوچھا جائے گا کہ انھیں کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا۔" تو یاد رکھنا! بچیوں کی تربیت نجات کا ذریعہ ہے اگر ثواب سمجھ کر کرے۔ ﴿أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ خبردار بُرا ہے وہ جو فیصلہ کرتے ہیں کہ رب کے لیے بیٹیاں اور اپنے لیے بیٹے ﴿لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ﴾ ان لوگوں کے لیے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ﴿مَثَلُ السَّوْءِ﴾ بُری مثال ہے۔ یہ کون لوگ ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو رب تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اور رب کے باغی ہیں ﴿وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی مثال بلند ہے۔ اس کی صفت بہت بلند ہے۔ وہ کیا ہے؟ لا الٰہ الا اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، احد اس کی صفت ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ "تمام اذکار میں افضل ترین ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے۔" لا الٰہ الا اللہ، لا الٰہ الا اللہ۔ ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے سب کچھ اسی کے پاس ہے۔

﴿ وَ لَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ پکڑے ﴿ النَّاسَ ﴾ لوگوں کو ﴿ بِظُلْمِهِمْ ﴾ ان کے ظلم کی وجہ سے ﴿ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا ﴾ نہ چھوڑے اس زمین پر ﴿ مِنْ دَآبَّةٍ ﴾ کوئی چلنے والا ﴿ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ ﴾ اور لیکن ان کو مہلت دیتا ہے ﴿ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ ایک مدت مقرر تک ﴿ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ ﴾ پس جس وقت آئے گی ان کی میعاد ﴿ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً ﴾ نہیں موخر ہوں گے ایک گھڑی ﴿ وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾ اور نہ آگے ہوں گے ﴿ وَيَجْعَلُوْنَ ﴾ اور یہ بناتے ہیں ﴿ لِلّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿ مَا يَكْرَهُوْنَ ﴾ وہ چیز جو خود پسند نہیں کرتے ﴿ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ ﴾ اور بیان کرتی ہیں ان کی زبانیں ﴿ الْكَذِبَ ﴾ جھوٹ ﴿ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ﴾ بے شک ان کے لیے بھلائی ہے ﴿ لَا جَرَمَ ﴾ ضرور بالضرور ﴿ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ ﴾ بے شک ان کے لیے آگ ہے ﴿ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴾ اور بے شک وہ اس میں دھکیلے جائیں گے ﴿ تَاللّٰهِ ﴾ اللہ کی قسم ہے ﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ ﴾ البتہ تحقیق بھیجے ہم نے رسول ﴿ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ ﴾ ان اُمتوں کی طرف جو آپ سے پہلے تھیں ﴿ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ ﴾ پس مزین کیا ان کے لیے شیطان نے ﴿ اَعْمَالَهُمْ ﴾ ان کے اعمال کو ﴿ فَهُوَ ﴾ پس وہی شیطان ﴿ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ ﴾ آج ان کا ساتھی ہے ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک ﴿ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ ﴾ اور نہیں نازل کی ہم نے آپ پر کتاب ﴿ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ ﴾ مگر یہ کہ آپ بیان کریں ان کے سامنے ﴿ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ﴾ وہ چیزیں جن میں اُنھوں نے اختلاف کیا ہے ﴿ وَهُدًى ﴾ اور ہدایت ہے ﴿ وَّرَحْمَةً ﴾ اور رحمت ہے ﴿ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے ﴿ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ہی نازل کیا ہے آسمان کی طرف سے پانی ﴿ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ ﴾ پس زندہ کیا اس کے ذریعے زمین کو ﴿ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴾ اس کے مرنے کے بعد ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ﴾ بے شک اس میں البتہ نشانی ہے ﴿ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴾ اس قوم کے لیے جو سنتی ہے۔

گرفتِ خداوندی

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ﴿ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ پکڑے لوگوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے، کفر، شرک، بدکاری، گناہوں کی وجہ سے تو نہ چھوڑے اس زمین پر کسی دابہ کو۔ ﴿ دَآبَّةٍ ﴾ کا معنیٰ ہے زمین پر چلنے پھرنے والا۔ لغوی معنیٰ کے اعتبار سے دابہ انسان پر بھی بولا جاتا ہے چونکہ یہ بھی زمین پر چلتا پھرتا ہے۔ تو معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اگر انسانوں کو ان کے ظلم اور زیادتیوں کی وجہ سے پکڑے تو زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہ رہے۔

قانونِ استدراج

﴿وَلٰكِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ﴾ اور لیکن ان کو مہلت دیتا ہے ﴿اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ایک مدت مقرر تک جو رب تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے۔ اور دابّہ کا معنیٰ چوپایہ بھی ہوتا ہے، چار ٹانگوں والا۔ تو پھر معنیٰ ہوگا اور اگر پکڑے اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے نہ چھوڑے زمین پر کوئی چار ٹانگوں والا۔ تو پھر اس تفسیر پر اعتراض ہوگا کہ گناہ انسان کریں اور مارا جائے چار ٹانگوں والا، اس کا کیا مطلب ہے؟ وہ تو غیر مکلف ہیں ان کو کیوں تباہ کرنا ہے؟ اس کے جواب میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو تباہ اس لیے نہیں کرنا کہ انھوں نے کوئی ظلم زیادتی کی ہے بلکہ ان کو تباہ اس لیے کریں گے کہ یہ انسان کے فائدے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں جب انسان ہی کو ختم کر دیا جائے گا تو ان کو باقی رکھنے کا کیا فائدہ؟ گائے، بھینس، گھوڑا، گدھا وغیرہ کو تو انسان کے لیے پیدا کیا ہے جب انسان ہی نہیں تو پھر یہ کس کام کے؟ جیسے لباس، پگڑی، جوتا وغیرہ انسان کے لیے ہیں جب انسان ہی نہیں تو ان کی کیا ضرورت ہے؟۔

تو ان کو اس لیے ختم کر دیا جائے گا کہ ان کی ضرورت نہیں رہی۔ لیکن اللہ تعالیٰ قانون استدراج کے ذریعے مہلت دیتا ہے مدت مقرر تک ﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ﴾ پس جس وقت ان کی میعاد آ جائے گی ﴿لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً﴾ نہیں مؤخر ہوں گے ایک گھڑی۔ موت کا جو وقت مقرر ہے اس سے ایک لمحہ بھی پیچھے نہیں ہوگی ﴿وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ اور نہ آگے ہوں گے ایک لمحہ بھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وقت مقرر ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔

مکروہ چیز کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف

﴿وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا یَكْرَهُوْنَ﴾ اور یہ بناتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے وہ چیز جو خود پسند نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ان چیزوں کی نسبت کرتے ہیں جن کو خود اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔ مثلاً: اپنے لیے جائیداد میں شریک پسند نہیں کرتے کہ کوئی حصہ وصول کرے اور رب کے شریک بناتے ہیں۔ اس سے پہلے رکوع میں تم پڑھ چکے ہو کہ اپنے لیے لڑکیاں پسند نہیں کرتے اگر کسی کو لڑکی کی خوش خبری سنائی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دم گھٹنے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف لڑکیوں کی نسبت کرتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ ان کا کوئی قاصد، سفیر اور نمائندہ ہو اس کی توہین کی جائے تو گوارا نہیں کرتے اور یہ ظالم رب تعالیٰ کے سفیر پیغمبروں کی توہین کرتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ کی طرف ان چیزوں کی نسبت کرتے ہیں جن کو یہ خود پسند نہیں کرتے ﴿وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ﴾ اور بیان کرتی ہیں ان کی زبانیں جھوٹ کہ ﴿اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى﴾ بے شک ان کے لیے بھلائی ہے۔ مکے والے کافر اولاً تو قیامت کے قائل نہیں تھے اور کہتے تھے فرض کرو اگر قیامت ہوئی اور دوبارہ اٹھایا گیا تو وہاں بھی ہمارے لیے بھلائی ہوگی۔ چنانچہ سورت سجدہ آیت نمبر ۵۰ میں ہے ﴿وَّلَىٕنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّیْۤ اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى﴾ "اور اگر میں لوٹا دیا گیا اپنے رب کے پاس تو

بے شک میرے لیے اس کے پاس بھلائی ہوگی۔" قیاس یہ کرتے تھے کہ اگر رب ہم سے ناراض ہوتا تو دنیا میں ہمیں مال اولاد کیوں دیتا، یہ دنیا کی خوشیاں ہمیں کیوں نصیب ہوتیں۔ تو جس نے یہاں سب کچھ دیا ہے وہاں بھی دے گا یہ ان کا قیاس باطل ہے کیوں کہ دنیا کا مسئلہ علیحدہ ہے اور آخرت کا مسئلہ علیحدہ ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کی قدر اگر مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو کافر کو پانی کا ایک گھونٹ نہ دیتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ دنیا کا مال اگر اللہ تعالیٰ کی خوشی کا سبب ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں سے بڑھ کر کس سے راضی ہے اور پھر آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی سے بڑھ کر کوئی مقبول ترین ہستی ہے ہی نہیں، نہ ہوئی ہے، نہ ہوگی۔ اور آپ ﷺ کو جو مکان ملا آج ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ چھوٹا سا کمرہ تھا اور اس میں چراغ ہی نہیں تھا، جو کی روٹی کبھی سیر ہو کر نہیں ملی، اچھی قسم کی کھجوریں مسلسل دو دن بھی نہیں ملیں، بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے، اپنے کپڑوں کو پیوند خود لگاتے تھے، اپنا جوتا خود گانٹھتے تھے تو کیا معاذ اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ ان سے ناراض تھا؟

اور اگر قیامت نہ ہو تو نیکوں کو تو دنیا میں نیکی کا صحیح معنیٰ میں بدلہ نہیں ملا اور بروں کو برائی کی سزا ابھی نہیں ملی تو کیا خدائی حکومت معاذ اللہ تعالیٰ اندھیر نگری ہے؟ دنیا میں ایسے مجرم بھی گزرے ہیں اور اب بھی موجود ہیں کہ انھوں نے دنیا میں کوئی غمی نہیں دیکھی خوشیاں ہی خوشیاں ہیں، قیامت نہ آئے تو ایسے باغی، مشرک اور نافرمانوں کو تو بدلہ نہ ملا۔ حالانکہ رب تعالیٰ تو اَحْکَمُ الْحَاکِمِین ہے لہٰذا قیامت ماننی پڑے گی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ لَا جَرَمَ ﴾ ضرور بالضرور ﴿ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ ﴾ بے شک ان کے لیے آگ ہے ﴿ وَ اَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴾ اور بے شک وہ دوزخ میں دھکیلے جائیں گے۔ فرشتے ہتھکڑیاں، بیڑیاں پہنا کر کے دوزخ کے کنارے مجرموں کو پہنچائیں گے تو وہ اپنی مرضی سے تو دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے تو فرشتے دھکے دے کر دوزخ میں گرا دیں گے۔ اس کو اس طرح سمجھو کہ سزائے موت والے کو جب پھانسی کے لیے لے جاتے ہیں تو کم ایسے ہوتے ہیں جو خود چل کر جاتے ہیں ورنہ کئی تو راستے میں ہی چل بستے ہیں اور بہت سے لوگوں کو پولیس دھکے دے کر لے جاتی ہے پھر اپنی کارروائی کرتے ہیں۔ تو مفرطون کو دھکے دے کر جہنم میں گرایا جائے گا۔

تسلی رسول ﷺ

اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتے ہیں ﴿ تَاللّٰهِ ﴾ تا حرف قسم ہے، اللہ کی قسم ہے ﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ ﴾ البتہ تحقیق بھیجے ہم نے رسول ان امتوں کی طرف جو آپ سے پہلے تھیں ﴿ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ ﴾ پس مزین کیا ان کے لیے شیطان نے ان کے اعمال کو۔ چوری کو مزین کیا، شراب نوشی کو مزین کیا، بدمعاشی اور ہر برے کام کو مزین کیا ﴿ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ ﴾ پس وہی شیطان آج ان کا ساتھی ہے۔ پہلے لوگوں کو بھی شیطان نے بہکایا اور گمراہ کیا آج بھی وہی شیطان ان کا

ساتھی ہے اور بُرے کام مزین کر کے دکھا رہا ہے۔اس لیے آپ ﷺ پریشان نہ ہوں پہلے بھی نیکیاں بدیاں ہوتی رہی ہیں اور اب بھی ہوتی رہیں گی آپ ﷺ پریشان نہ ہوں اور اپنا کام کرتے رہیں۔﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک، سب مجرموں کے لیے۔

مقصدِ قرآن :

﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ﴾ اور نہیں نازل کی ہم نے آپ پر کتاب ﴿اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ﴾ مگر یہ کہ آپ بیان کریں ان کے سامنے ﴿الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ﴾ وہ چیزیں جن میں اُنھوں نے اختلاف کیا۔حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ سمجھے بغیر دین سمجھ نہیں آسکتا۔بے شک قرآن پاک کا پڑھنا بھی ثواب ہے لیکن اصل مقصد قرآن کا سمجھنا ہے۔اگر کوئی شخص مرد عورت قرآن کریم کا لفظی ترجمہ ہی سمجھ لے تو کبھی کفر، شرک اور برائی میں مبتلا نہ ہو۔قرآن صرف علماء کے لیے نازل نہیں ہوا سب کے لیے نازل ہوا ہے۔مردوں کے لیے، عورتوں کے لیے، ہم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ چلو رمضان شریف آئے گا تو زیادہ سے زیادہ تلاوت کرلیں گے اور ثواب اکٹھا کریں گے مگر اس طرف توجہ بہت کم ہے کہ قرآن کریم کا سمجھنا ہر مسلمان کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ سمجھیں، مفہوم و مطلب سمجھیں تو پتا چلے گا کہ لوگ کیا کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کیا کہتے ہیں۔

یاد رکھنا! قرآن حکیم کو سمجھنا بہت بڑی عبادت ہے۔سورۃ فرقان آیت نمبر ۵۲ میں ہے ﴿وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا﴾ "اور جہاد کریں اس قرآن پاک کے ذریعے بڑا جہاد" محاذ پر لڑنا بے شک جہاد ہے مگر قرآن کے سمجھنے کے مقابلے میں چھوٹا جہاد ہے۔قرآن کریم کا سمجھنا سمجھانا بڑا جہاد ہے۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بڑا جہاد فرمایا ہے۔﴿وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا﴾ اس سے مراد قرآن کریم کا سمجھنا سمجھانا ہے۔﴿وَهُدًی﴾ اور ہدایت ہے، یہ قرآن پاک نری ہدایت ہے ﴿وَّرَحْمَةً﴾ اور رحمت محض ہے لیکن کن کے لیے؟ ﴿لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو ایمان لائے اور تسلیم کرے۔

دلائلِ توحید :

آگے اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل شروع کیے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے سمجھایا ہے کہ یہ سب نعمتیں تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں جن کو یہ اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں انھوں نے کیا پیدا کیا ہے۔ارشادِ ربانی ہے ﴿وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی نے نازل کیا ہے آسمان کی طرف سے پانی۔یہ بارش اللہ تعالیٰ کے سوا کون برساتا ہے؟ اسی حصر کے لیے لفظ اللہ کو مقدم لائیں ہیں اور اگر حصر مقصود نہ ہوتا تو اس طرح ہوتا ﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ اور معنیٰ ہوتا "اور نازل کرتا ہے اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف سے پانی۔" اور جب لفظ اللہ کو مقدم کیا تو معنیٰ ہے "اللہ تعالیٰ ہی نازل کرتا ہے اور کوئی نہیں نازل کرتا آسمان کی طرف سے پانی۔" ﴿فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ پس زندہ کیا اس کے ذریعے زمین کو اس کے مرنے کے بعد کہ درخت اگائے، سبزیاں اُگائیں، کھیتیاں اُگائیں جو انسانوں کے لیے خوراک ہیں، حیوانوں کے لیے خوراک ہیں ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً﴾ بے شک اس میں البتہ نشانی ہے

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی اس کی وحدانیت کی کھلی دلیل ہے ﴿لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو سنتی ہے، تسلیم کرتی ہے۔ سننا، ماننے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ کہتے ہیں فلاں میری بات سنتا نہیں ہے یعنی مانتا نہیں ہے۔ لہٰذا جو قوم مان لے ان کے لیے بارش کے برسانے میں رب کی قدرت کی نشانی ہے۔ باقی دلائل آگے آئیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿وَاِنَّ لَكُمْ﴾ اور بے شک تمھارے لیے ﴿فِي الْاَنْعَامِ﴾ مویشیوں میں ﴿لَعِبْرَةً﴾ البتہ عبرت ہے ﴿نُسْقِيْكُمْ﴾ ہم پلاتے ہیں تم کو ﴿مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ﴾ اس سے جو ان کے پیٹ میں ہے ﴿مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ﴾ گوبر اور خون کے درمیان سے ﴿لَّبَنًا خَالِصًا﴾ دودھ خالص ﴿سَآئِغًا﴾ آسانی سے حلق سے اُترنے والا ﴿لِّلشّٰرِبِيْنَ﴾ پینے والوں کے لیے ﴿وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ﴾ اور کھجوروں کے پھلوں سے ﴿وَالْاَعْنَابِ﴾ اور انگوروں کے پھلوں سے ﴿تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ﴾ بناتے ہو تم اس سے ﴿سَكَرًا﴾ میٹھی چیزیں ﴿وَّرِزْقًا حَسَنًا﴾ اور اچھا رزق ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں ﴿لَاٰيَةً﴾ البتہ نشانی ہے ﴿لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو سمجھتی ہے ﴿وَاَوْحٰى رَبُّكَ﴾ اور الہام کیا آپ کے رب نے ﴿اِلَى النَّحْلِ﴾ شہد کی مکھیوں کو ﴿اَنِ اتَّخِذِيْ﴾ کہ بناؤ تم ﴿مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا﴾ پہاڑوں میں گھر ﴿وَّمِنَ الشَّجَرِ﴾ اور درختوں پر ﴿وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ﴾ اور ان جگہوں میں جو لوگ چھپر باندھتے ہیں ﴿ثُمَّ كُلِيْ﴾ پھر کھاؤ ﴿مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ ہر قسم کے پھلوں سے ﴿فَاسْلُكِيْ﴾ پس چلو ﴿سُبُلَ رَبِّكِ﴾ اپنے رب کے راستوں پر ﴿ذُلُلًا﴾ جو ہموار کیے ہوئے ہیں ﴿يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا﴾ نکلتا ہے شہد مکھیوں کے پیٹ سے ﴿شَرَابٌ﴾ ایک پینے کی چیز ﴿مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ﴾ جس کی رنگت مختلف ہوتی ہے ﴿فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ﴾ اس میں شفا ہے لوگوں کے لیے ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً﴾ بے شک اس میں البتہ نشانی ہے ﴿لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو فکر کرتی ہے ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی نے تمھیں پیدا کیا ہے ﴿ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ﴾ پھر تم کو وفات دے گا ﴿وَمِنْكُمْ﴾ اور تم میں سے بعض ﴿مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ﴾ جو لوٹائے جاتے ہیں نکمی عمر کی طرف ﴿لِكَيْ لَا يَعْلَمَ﴾ تاکہ نہ جانے ﴿بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا﴾ جاننے کے بعد کچھ بھی ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا قدرت والا ہے۔

انعاماتِ خداوندی کا ذکر

اللہ تعالیٰ اپنی کچھ نشانیوں اور نعمتوں کا ذکر فرماتے ہیں جو اس نے اپنی مخلوق پر کی ہیں۔ فرمایا ﴿وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ

﴿لَعِبْرَةً﴾ اور بے شک تمہارے لیے مویشیوں میں البتہ عبرت ہے خدا کی قدرت سمجھنے کے لیے اور مویشیوں سے مراد گائے، بھینس، بھیڑ، بکری، اُونٹنی ہیں ﴿نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ﴾ ہم پلاتے ہیں تم کو اس سے جو ان کے پیٹ میں ہے ﴿مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ﴾ گوبر اور خون کے درمیان سے ﴿لَبَنًا خَالِصًا﴾ دودھ خالص۔ گوبر اور خون کے درمیان سے دودھ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جانور کے پیٹ میں ایک طرف گوبر ہوتا ہے اور دوسری طرف خون ہوتا ہے اور درمیان میں دودھ ہوتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جانور جو چارہ کھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے معدہ اس کو ہضم کرتا ہے تو کچھ تو فضلہ گوبر، مینگنیاں بن جاتا ہے کچھ پیشاب بن جاتا ہے اور کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خون بن جاتا ہے پھر خدا کی قدرت کہ کچھ خون تو بدن کی قوت کے لیے سب اعضاء میں پھیل جاتا ہے اور کچھ خون کو اللہ تعالیٰ دودھ کی شکل دے دیتے ہیں۔

خدا کی قدرت کو سمجھنا چاہو تو بڑی آسانی سے سمجھ سکتے ہو۔ وہ چارہ تم بیل، بھینسے کو ڈالو تو دودھ نہیں بنے گا، گائے اور بھینس کو ڈالو تو دودھ بنتا ہے خالص ﴿سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ﴾ آسانی سے حلق سے اُترنے والا پینے والوں کے لیے، بڑا لذیذ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ بچوں کی خوراک ہی یہی ہے اور بیماروں کے لیے بھی اسے خوراک بنایا ہے۔

﴿وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ﴾ اور کھجوروں کے پھلوں سے ﴿وَالْأَعْنَابِ﴾ اور انگوروں کے پھلوں سے بھی ﴿تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا﴾ بناتے ہو تم اس سے میٹھی چیزیں۔ کھجور سے جو چینی بنتی ہے وہ سب سے زیادہ میٹھی ہوتی ہے، پھر کماد کی اور پھر شکر قندی کی۔ بعض بے چارے سادے لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں دکان دار نے ٹھگ لیا ہے میٹھی چینی نہیں دی اس میں کوئی چیز ملا دی ہے۔ حالاں کہ دکان دار کا کوئی قصور نہیں ہے وہ چینی شکر قندی کی ہوتی ہے اور اس میں مٹھاس کم ہوتا ہے۔ کھجوروں سے اور بہت ساری میٹھی چیزیں بنتی ہیں حلوہ وغیرہ اور کھجور ویسے بھی دیر تک رہتی ہے۔ انگور خشک ہو کر منقہ بنتا ہے، سوگی (کشمش) بنتی ہے اور دیر تک رہتی ہے اور اس سے چینی بھی بناتے ہیں، شیرے اور شربت بھی بناتے ہیں ﴿وَرِزْقًا حَسَنًا﴾ اور اچھا رزق ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ﴾ بے شک اس میں ﴿لَآيَةً﴾ البتہ نشانی ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ﴿لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ اس قوم کے لیے جو سمجھتی ہے اور عقل سے کام لیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے کھجوریں پیدا فرمائی ہیں، انگور پیدا فرمایا ہے جو ہمارے لیے رزق ہے۔

شہد کی مکھیوں کا عجیب نظام :

﴿وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ﴾ یہاں وحی کا معنیٰ ہے الہام کرنا۔ اور الہام کیا آپ کے رب نے شہد کی مکھیوں کو ﴿أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا﴾ کہ بناؤ پہاڑوں میں اپنے گھر ﴿وَمِنَ الشَّجَرِ﴾ اور درختوں پر اپنے چھتے بناؤ ﴿وَمِمَّا يَعْرِشُونَ﴾ اور ان جگہوں میں جو چھپر باندھتے ہیں لوگ۔

شہد کی مکھیوں کا بھی عجیب نظام ہے۔ ان کا ایک بادشاہ ہوتا ہے جس کا نام یعسوب ہے وہ جسم میں دوسری مکھیوں سے بڑا ہوتا ہے اس کا سر بھی بڑا ہوتا ہے اگر کسی وقت کوئی اور بادشاہی کا دعویٰ کر دے تو اس کو قتل کر دیتی ہیں تاکہ فساد پیدا نہ ہو۔ سب

مکھیاں بادشاہ کے تابع ہوتی ہیں۔ سفر میں سردار آگے آگے ہوتا ہے اور باقی مکھیاں پیچھے ہوتی ہیں اور چھتوں کے دروازے پر مکھیوں کا باقاعدہ پہرہ ہوتا ہے مجال نہیں کہ دوسرے چھتے کی مکھی یہاں آجائے پہرے دار نہیں چھوڑتے کیوں کہ ان کو شناخت ہوتی ہے اپنے چھتے کی مکھیوں کی اور جو مکھی شہد لینے کے لیے گئی ہے اگر دیر سے آئے گی تو باقاعدہ اس سے باز پرس ہوتی ہے کہ تو دیر سے کیوں آئی ہے۔ بتیس (۳۲) میل فی گھنٹہ سفر کر سکتی ہے۔ ہم کبھی نیا مکان بنائیں تو بھول بھی جاتے ہیں مگر اس کو اللہ تعالیٰ نے ایسا ادراک دیا ہے کہ یہ نہیں بھولتی۔ عجیب قسم کا نظام ہے۔

تو فرمایا ہم نے مکھی کو الہام کیا کہ بنائے پہاڑوں میں مکان اور درختوں پر اور چھپروں پر۔ پہاڑی علاقوں میں لوگوں نے دیواروں میں جالے بنائے ہوئے ہیں جن میں مکھیاں رہتی ہیں ﴿ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ﴾ پھر کھاؤ ہر قسم کے پھلوں سے۔ تجربہ کار لوگ بتاتے ہیں کہ بیری کے پھولوں سے حاصل کردہ شہد بہت عمدہ ہوتا ہے عرب حضرات اس کو زیادہ پسند کرتے ہیں باقی خدا کی شان ہے کہ پھول کھٹا ہو، پھیکا ہو یا کڑوا ہو لیکن وہ جب مکھی کے پیٹ سے گزر کر آتا ہے تو میٹھا ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔

فرمایا ﴿فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا﴾ پس چلو اپنے رب کے راستوں پر جو ہموار کیے ہوئے ہیں۔ بڑی آسانی کے ساتھ جاتی ہے اور واپس سیدھی اپنے چھتے میں آکر داخل ہو جاتی ہے ﴿يَخْرُجُ مِن بُطُونِهَا شَرَابٌ﴾ نکلتا ہے شہد مکھیوں کے پیٹ سے ایک پینے کی چیز ﴿مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ﴾ جس کی رنگت مختلف ہوتی ہے۔ کوئی بالکل سفید ہے کوئی سرخی مائل ہوتا ہے کوئی کسی اور رنگ کا ہوتا ہے۔ اس میں ایک تو موسم اور پھلوں کا اثر ہوتا ہے اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ بوڑھی مکھی کے شہد کا رنگ اور ہوتا ہے اور جوان مکھی کے شہد کا رنگ اور ہوتا ہے۔

شہد علاج بھی اور ذریعہ شفا بھی

﴿فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ﴾ اس شہد میں شفا ہے لوگوں کے لیے جو رب تعالیٰ نے اس میں رکھی ہے۔ جتنی سرد بیماریاں ہیں مثلاً: فالج ہے، لقوہ ہے، گنٹھیا ہے، بدن میں درد ہے، ان سب کے لیے شفا ہے، مفرداً بھی اور دوسری دوائیوں کے ساتھ ملا کر بھی۔ باقی طریقہ استعمال اور کتنا استعمال کرنا ہے یہ تو کوئی سمجھ دار ہی بتا سکتا ہے۔ پھر یہ کہ جوانی میں کتنا استعمال کرنا ہے اور بڑھاپے میں کتنا استعمال کرنا ہے ان سب چیزوں کا تعلق حکمت کے ساتھ ہے۔ پھر جوانی میں زیادہ فائدہ دیتا ہے بڑھاپے میں کم فائدہ دیتا ہے۔ جس میں جتنی قبول کرنے کی صلاحیت ہوگی اس کو اتنا فائدہ دے گا۔ پہلے حکیم دواؤں کو محفوظ رکھنے کے لیے شہد استعمال کرتے تھے کہ دوائی میں شہد ڈال کر رکھ دو تو وہ خراب نہیں ہوتی۔ جس طرح آج کل ڈاکٹر حضرات الکحل استعمال کرتے ہیں دواؤں کو محفوظ کرنے کے لیے اور الکحل کا حکم شراب کا نہیں ہے۔

جس وقت میں دار العلوم سے فارغ ہو کر گکھڑ پہنچا تو مجھ پر ٹی۔بی کا حملہ ہوا۔ ڈاکٹروں نے جو دوائی تجویز کی اس میں

تیرہ (۱۳) فیصد الکحل تھا میں الکحل کو شراب سمجھتا تھا میں نے وہ دوائی استعمال نہ کی اور مجھے کوئی کتاب بھی نہ ملی کہ خود مسئلہ دیکھ لوں۔ کیونکہ اس وقت یہاں کتابیں بہت کم تھیں۔ مفتی اعظم ہندوستان حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ زندہ تھے میں نے ان کو خط لکھا کہ میرے لیے ڈاکٹروں نے جو دوائی تجویز کی ہے اس میں تیرہ (۱۳) فیصد الکحل ہے اس دوائی کو استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟ مفتی صاحب نے اپنے ہاتھ مبارک سے لکھا کہ الکحل کا حکم شراب والا نہیں ہے۔ اس کے بعد پھر مجھے بھی شامی، درمختار اور امداد الفتاوی وغیرہ ساری کتابیں مل گئیں جن میں میں نے خود بھی مسئلہ دیکھ لیا۔ اس وقت میرے خسر صاحب میاں محمد اکبر صاحب مرحوم زاہد الراشدی کے نانا جان زندہ تھے وہ مجھے سول ہسپتال گوجرانوالا لے گئے ڈاکٹروں کا بورڈ بیٹھا اور میرا پیشاب، خون اور تھوک ٹیسٹ کیا، رپورٹ آئی تو بڑے ڈاکٹر صاحب نے کہا تم مشکل سے چھ ماہ زندہ رہو گے۔ میاں جی مرحوم پریشان ہوئے اور میں ہنس پڑا۔ ڈاکٹر بڑے حیران ہوئے کہ ہم نے اس کو موت کی خبر دی ہے اور یہ ہنس پڑا ہے۔ مجھے کہنے لگے کہ آپ ہنسے کیوں ہیں؟ میں نے کہا میرا رب پر ایمان ہے اور رب تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ موت کی خبر کسی کو نہیں ہے۔ تم کس طرح کہتے ہو کہ میں چھ ماہ بعد مرجاؤں گا اس لیے مجھے ہنسی آئی ہے۔ اس وقت سے لے کر اب تک اکاون (۵۱) سال گزر گئے ہیں میں زندہ ہوں۔

تو خیر شہد کے متعلق بتا رہا تھا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے سرد بیماریوں کے لیے شفا رکھی ہے۔ اور یاد رکھنا! اگر کوئی صفراوی مزاج والا یا پتلے دبلے بدن والا استعمال کرنا چاہے تو زیادہ مقدار استعمال نہ کرے مقدار سے زیادہ استعمال فائدے کی بجائے نقصان دیتا ہے۔ شہد کی خوراک دو تولے سے لے کر چار تولے تک ہے۔ بحسب عمر اور چھوٹے بچوں کے لیے مقدار اور بھی کم ہوتی ہے۔ عورتیں عموماً کہتی ہیں کہ ڈوا ہوگیا ہے۔ یہ ڈوا کیا ہے؟ معدے میں بلغم جمع ہو جاتی ہے جس سے چھاتی بولتی رہتی ہے۔ اس کا آسان علاج یہ ہے کہ بچے کو کسٹر یل پلا دو معدہ بھی صاف ہو جائے گا اور چھاتی بھی صاف ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کھانسی بھی ختم ہو جائے گی۔ کسی ڈاکٹر حکیم کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور پہلے سمجھ دار عورتیں اسی طرح کرتی تھیں کہ پندرہ دن کے بعد بچوں کو کسٹر یل پلا دیتی تھیں۔ پہلے حکیم معدے کی صفائی سے علاج کرتے تھے پھر تحلیہ ہوتا تھا آج تمام ڈاکٹر جلاب کے مخالف ہیں حالانکہ جلاب میں بڑا فائدہ ہے۔ اور میرا ذاتی تجربہ ہے کہ جب تک معدے کی صفائی نہ ہو تو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ معدہ صاف ہو جائے اور اس سے مواد فاسدہ خارج ہو جائیں پھر آگے علاج ہوگا۔ اور حدیث پاک میں آیا ہے کہ تین چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے بڑا فائدہ رکھا ہے ان میں سے ایک جلاب فرمایا۔ لہٰذا جلاب بڑے بھی لیں اور چھوٹے بھی لیں اس سے معدہ صاف ہو جائے گا چھاتی صاف ہو جائے گی عروق سے مواد فاسدہ خارج ہو جائیں گے اور بڑا فائدہ ہوگا۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شہد میں شفا ہے لوگوں کے لیے مگر شرط ہے کہ خالص ہو۔ اگر خالص نہ ہوا تو اس کا نقصان بھی زیادہ ہوگا اور چھوٹی مکھی کا شہد زیادہ مفید ہوتا ہے بہ نسبت بڑی مکھی کے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً﴾ بے شک اس میں البتہ نشانی ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ﴿لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو فکر کرتی ہے کہ حیوان ہیں اور ان کا کیا

مستقل نظام ہے۔ باقاعدہ ان کا بادشاہ ہے اور اس کی اطاعت کرتی ہیں اس کے حکم سے جاتی ہیں اور آتی ہیں اگر کوئی لیٹ ہو جائے تو اس سے باز پرس ہوتی ہے شہد غلط لے کر آئے تو سزا ہوتی ہے۔ اپنے مکان میں کسی کو داخل نہیں ہونے دیتیں۔ یہ شعور ان کو کس نے دیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے دیا۔

فرمایا ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی نے تمھیں پیدا کیا ہے ﴿ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ﴾ پھر وہ تم کو وفات دے گا ﴿وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ﴾ اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو لوٹائے جاتے ہیں ﴿اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ﴾ نکمی عمر کی طرف۔ ایسی نکمی عمر کہ نہ آنکھیں ساتھ دیتی ہیں، نہ کان ساتھ دیتے ہیں، نہ منہ ساتھ دیتا ہے کہ اس میں دانت نہیں ہیں ﴿لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا﴾ تاکہ نہ جانے جاننے کے بعد کچھ بھی۔ اپنے پوتوں، پڑپوتوں کے نام بھی یاد نہیں رکھ سکتا۔ آئیں تو پوچھتا ہے تم کون ہو اور تم کون ہو۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایسا بڑھاپا کہ جس میں ہوش و حواس قائم ہوں ٹھیک ہے اور ایسا بڑھاپا کہ جس میں ہوش و حواس قائم نہ رہیں تو سب دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بابے کی سختی سے معاف کر دے یعنی ہمارا پیچھا چھوڑ دے۔ کبھی ایسا بڑھاپا انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا، قدرت والا ہے۔ مگر کوئی غور و فکر کرنے والا ہو تو۔

﴿وَاللّٰهُ فَضَّلَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی ﴿بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ تم میں سے بعض کو بعض پر ﴿فِي الرِّزْقِ﴾ رزق میں ﴿فَمَا﴾ پس نہیں ہیں ﴿الَّذِيْنَ﴾ وہ لوگ ﴿فُضِّلُوْا﴾ جن کو فضیلت دی گئی ﴿بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ﴾ لوٹانے والے اپنے رزق کو ﴿عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ ان پر جن کے مالک ہیں ان کے دائیں ہاتھ ﴿فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ﴾ تاکہ وہ ہو جائیں اس میں برابر ﴿اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾ کیا پس وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں ﴿وَاللّٰهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ﴿جَعَلَ لَكُمْ﴾ بنائے تمھارے لیے ﴿مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ تمھاری جانوں سے ﴿اَزْوَاجًا﴾ جوڑے ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ﴾ اور بنائے تمھارے لیے ﴿مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ﴾ تمھاری بیویوں سے ﴿بَنِيْنَ﴾ بیٹے ﴿وَحَفَدَةً﴾ اور پوتے ﴿وَّرَزَقَكُمْ﴾ اور رزق دیا تم کو ﴿مِّنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ پاکیزہ چیزوں میں سے ﴿اَفَبِالْبَاطِلِ﴾ کیا پس باطل پر ﴿يُؤْمِنُوْنَ﴾ وہ ایمان لاتے ہیں ﴿وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا وہ انکار کرتے ہیں ﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور یہ عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے نیچے ﴿مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا﴾ نہیں مالک ان کے لیے روزی کے ﴿مِّنَ السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں سے ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین سے ﴿شَيْـًٔا﴾ کچھ بھی ﴿وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ﴾ اور نہیں طاقت رکھتے ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ﴾ پس نہ بیان کرو تم اللہ تعالیٰ

کے لیے مثالیں ﴿ اِنَّ اللّٰہَ ﴾ بیشک اللہ تعالیٰ ﴿ یَعْلَمُ ﴾ جانتا ہے ﴿ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ اور تم نہیں جانتے۔

غلام کی مثال اور مسئلہ توحید ؟

قرآن پاکؐ کے نزول کے وقت سرزمین عرب میں بہت سارے غلام اور لونڈیاں تھیں۔غلام کی حیثیت جانور کی ہوتی تھی جس طرح جانوروں کی منڈیاں ہوتی ہیں اسی طرح غلاموں کی بھی منڈیاں ہوتی تھیں بیچے اور خریدے جاتے تھے۔مختلف ممالک کے غلام ہوتے تھے حبشی رومی وغیرہ۔غلام بالکل بے اختیار ہوتا ہے اپنی مرضی سے نہ خرید وفروخت کرسکتا ہے اور نہ شادی کرسکتا ہے جب تک مالک اجازت نہ دے اور جب تک مالک اس کو آزاد نہ کرے اس نے غلام ہی رہنا ہے۔غلام اپنی استعداد کے مطابق مالک کا کام کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے غلام کی مثال دے کر مسئلہ توحید سمجھایا ہے اور شرک کی تردید فرمائی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم جو میری مخلوق کو میرا شریک ٹھہراتے ہو فرشتوں کو، پیغمبروں کو، ولیوں کو کہ ان کے پاس بھی خدائی اختیارات ہیں اور یہ رب والے کام کر سکتے ہیں تم یہ بتلاؤ کہ رب تعالیٰ نے جو تمھیں مال و دولت اور جائیداد دی ہے کیا تم یہ گوارا کرتے ہو کہ اپنے غلاموں اور باندیوں کو اس میں اپنا برابر کا شریک بنالو کہ تمھارے غلام اور لونڈیاں تمھارے مال اور جائیداد میں برابر کے شریک ہیں حالاں کہ غلام اور لونڈیاں بھی انسان ہیں اور ان کی تمام ضروریات وہی ہیں جو آقا کی ہیں صرف مجازاً یہ مالک ہے اور وہ مملوک ہے۔ظاہر بات ہے کہ کوئی بھی یہ گوارا نہیں کرتا تو رب تعالیٰ اپنی مخلوق کو کس طرح اپنا شریک بنا سکتا ہے؟ او ظالمو! تم نے رب کی مخلوق کو رب کا شریک کس طرح بنا دیا ہے۔خالق اور مخلوق کے درمیان تو کوئی نسبت بھی نہیں ہے تو وہ رب کے شریک کس طرح بن سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی نے فضیلت دی ہے تم میں سے بعض کو بعض پر ﴿ فِی الرِّزْقِ ﴾ رزق میں۔کسی کو زیادہ دیا ہے کسی کو کم دیا ہے ظاہر بات ہے ﴿ فَمَا الَّذِیْنَ ﴾ پس نہیں ہیں وہ لوگ ﴿ فُضِّلُوْا ﴾ جن کو فضیلت دی گئی ہے ﴿ بِرَآدِّیْ رِزْقِہِمْ ﴾ لوٹانے والے اپنے رزق کو ﴿ عَلٰی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُہُمْ ﴾ ان پر جن کے مالک ہیں ان کے دائیں ہاتھ یعنی اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو وہ ایسے طریقے سے رزق دینے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ ﴿ فَہُمْ فِیْہِ سَوَآءٌ ﴾ پس وہ ہوجائیں اس میں برابر۔ایسا نہیں کریں گے، یہاں رزق سے مراد کھانا، پینا، لباس مراد نہیں ہے یہ تو مالک نے دینا ہی ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد مال اور جائیداد ہے کہ اپنے مال، جائیداد، کارخانہ، مل، زمین میں غلاموں کو شریک کرنا گوارا نہیں کرتے کہ وہ تمھارے برابر کے ہوجائیں، رب تعالیٰ کس طرح گوارا کرتا ہے کہ مخلوق اس کے برابر ہوجائے اور خدائی اختیارات وہ اپنی مخلوق کو دے دے اتنی موٹی بات بھی تم نہیں سمجھ سکتے۔

﴿ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ ﴾ کیا پس تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہو کہ نہ اپنے لیے شریک گوارا کرتے ہو اور نہ

لڑکیاں گوارا کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے لیے شریک اور بیٹیاں بناتے ہو، اپنے قاصد اور سفیر کی توہین برداشت نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی توہین کرتے ہو۔ روس کے ایک پروفیسر نے کتاب لکھی ہے جس میں قرآن پاک کی اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ ملکیت میں سب لوگ برابر ہیں لیکن لوگ دوسروں کو دیتے نہیں ہیں۔ لہٰذا بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ اس کا استدلال صحیح نہیں ہے ﴿هُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ﴾ کے جملہ پر فا داخل ہے ﴿فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ﴾ پس وہ اس میں برابر ہو جائیں۔ اور واو ہوتی تو اس کا استدلال کرنا صحیح ہوتا۔ پھر معنیٰ ہوتا کہ یہ ان کو رزق نہیں دیتے حالانکہ وہ اس میں برابر ہیں۔ تو واو اور فا کا اتنا فرق ہے۔

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے بنائے تمھاری جانوں سے تمھارے جوڑے۔ مرد بھی پیدا کیے عورتیں بھی پیدا کیں ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً﴾ اور بنائے تمھارے لیے بیویوں سے بیٹے اور پوتے حَفَدَةٌ حَفِيْدٌ کی جمع ہے، پوتے بھی بنائے یعنی نسل چلائی۔ رزق دینے والا، اولاد دینے والا، مرد اور عورتوں کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ ﴿وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ﴾ اور رزق دیا تمھیں پاکیزہ چیزوں میں سے، اللہ تعالیٰ نے مغز تمھیں دیا اور چھلکا اور بھوسہ جانوروں کو دیا ﴿اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ﴾ کیا پس تم باطل پر ایمان لاتے ہو ﴿وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا وہ انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اتنی نعمتیں ہیں کہ تم شمار نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ [ابراہیم: ۳۴] "اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں شمار کر سکتے۔" سانس اللہ کی نعمت ہے کہ جس کے ذریعے انسان زندہ رہتا ہے اسی کو شمار کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا کہ چوبیس گھنٹوں میں کتنا سانس لیتا ہے باقی نعمتیں تو درکنار رہیں۔

ہم نے اللہ تعالیٰ کی قدر ہی نہیں کی اللہ تعالیٰ نے بھی اس چیز کا شکوہ کیا ہے ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ﴾ [الانعام: ۹۱] "اور نہیں قدر کی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق تھا۔" دیکھو! اگر کوئی ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے تو ہم اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور مسئلہ بھی آنحضرت نے فرمایا: مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ "جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ بھی ادا نہیں کرتا۔" چاپلوسی بری بات ہے لیکن شکریہ ادا کرنا صحیح ہے۔ حدیث کا مفہوم ہے کہ کسی نے تمھارے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے تو کہو جزاك الله "اللہ تعالیٰ تجھے جزا دے۔"

تو تم بندوں کا شکریہ ادا کرتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے انکار کرتے ہو ﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور یہ عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے نیچے ﴿مَا﴾ اس مخلوق کی ﴿لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا﴾ نہیں مالک وہ ان کے لیے روزی کے آسمانوں سے اور نہ زمین سے کچھ بھی۔ رزق نہ فرشتوں کے پاس ہے نہ انسانوں کے پاس ہے نہ جنوں کے پاس ہے رزق صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ یہ جن کی پوجا کرتے ہیں وہ رزق کے مالک نہیں ہیں۔ رزق دینا تو درکنار ﴿وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ﴾ اور نہیں وہ طاقت رکھتے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی ایک دانہ بھی نہیں اُگا سکتا یہ سب نعمتیں رب تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اور وہی دیتا ہے لیکن تم رب کی نعمتیں استعمال کرتے ہو اور پھر سرکشی کرتے ہو۔

مشرکین کے ڈھکوسلے !!

آگے اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے ڈھکوسلوں کا رَد فرمایا ہے۔ مشرک رب تعالیٰ کی ذات کا منکر نہیں ہوتا بلکہ ظاہراً رب کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ کو بڑی بلند ذات مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری رسائی اللہ تعالیٰ تک نہیں ہے کیوں کہ وہ بہت بلند ذات ہے اور ہم گنہگار لوگ ہیں ہماری خدا تک رسائی نہیں ہے اور یہ جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں ان کی اللہ تعالیٰ تک پہنچ ہے اس لیے ہم ان کی عبادت کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔ سورۃ زمر آیت نمبر ۳ میں ہے ﴿مَا نَعۡبُدُهُمۡ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى ٱللَّهِ زُلۡفَىٰٓ﴾ "نہیں عبادت کرتے ہم ان کی مگر اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب دلائیں۔" پھر اس پر مثالیں دیتے تھے کہ مکان پر چڑھنے کے لیے سیڑھیوں کی ضرورت ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات تو بہت بلند ہے اس تک پہنچنے کے لیے یہ بابے (بزرگ) سیڑھیاں ہیں۔ پھر کہتے بادشاہ کو ملنے کے لیے وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ، ڈی سی وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے براہِ راست کون مل سکتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ کی ذات تو بہت بلند ہے براہِ راست اس کو کون مل سکتا ہے، یہ ولی پیغمبر اللہ تعالیٰ تک رسائی کے لیے وسیلے ہیں اس لیے ہم ان کی پوجا کرتے ہیں، ان کو سجدے کرتے ہیں اور ان کے نام کے چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے کام نکلواتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَا تَضۡرِبُواْ لِلَّهِ ٱلۡأَمۡثَالَ﴾ پس نہ بیان کرو تم اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں اس طرح کی ﴿إِنَّ ٱللَّهَ يَعۡلَمُ وَأَنتُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ دیکھو! بادشاہ کو ملنے کے لیے وسیلے کی ضرورت دو وجہ سے ہوتی ہے۔

(۱)...... ایک تو اس لیے کہ بادشاہ کو خطرہ ہوتا ہے کہ آنے والا معلوم نہیں کون ہے کہیں مجھے گولی ہی نہ مار دے اس لیے تسلی کے لیے وہ واسطے سے ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس طرح کا کوئی خطرہ نہیں ہے کہ وہ تسلی کے لیے واسطے بنائے اور مقرر کرے۔

(۲)...... اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بادشاہ نہ عالم الغیب ہے اور نہ علیم کل ہے کہ اس کو اپنی رعایا کے حالات کا علم ہو۔ تو ملنے والا وسیلہ تلاش کرتا ہے کہ میں جا کر صحیح حالات سے آگاہ کروں اور اللہ تعالیٰ کو اس وجہ سے بھی وسیلوں کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ وہ عالم الغیب ہے اور علیم کل ہے، وہ ظاہر باطن کو جانتا ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ رہی مثال مکان پر چڑھنے کے لیے سیڑھیوں کی تو سورۃ ق میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَنَحۡنُ أَقۡرَبُ إِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ ٱلۡوَرِيدِ﴾ "اور ہم زیادہ قریب ہیں اس کے شہ رگ سے۔" تو رب تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے یہاں کون سی سیڑھی لگاؤ گے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مت بیان کرو مثالیں اللہ تعالیٰ کے لیے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ لہٰذا ایسی مثالوں اور ڈھکوسلوں کی اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں ہے وہ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ لہٰذا اس کے لیے کسی وسیلے کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿ضَرَبَ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے ﴿مَثَلًا﴾ مثال ﴿عَبْدًا﴾ ایک غلام ہے ﴿مَّمْلُوْكًا﴾ کسی کی ملک میں ﴿لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ﴾ نہیں وہ قدرت رکھتا کسی شے پر ﴿وَّمَنْ﴾ اور ایک وہ شخص ہے ﴿رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا﴾ جس کو ہم نے رزق دیا اپنی طرف سے اچھا رزق ﴿فَهُوَ يُنْفِقُ﴾ پس وہ خرچ کرتا ہے ﴿مِنْهُ﴾ اس سے ﴿سِرًّا﴾ پوشیدہ بھی ﴿وَّجَهْرًا﴾ اور ظاہر بھی ﴿هَلْ يَسْتَوٗنَ﴾ کیا یہ دونوں برابر ہیں ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ بلکہ اکثر ان کے نہیں جانتے ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا﴾ اور بیان کی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال ﴿رَّجُلَيْنِ﴾ دو آدمی ہیں ﴿اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ﴾ ان میں سے ایک گونگا ہے ﴿لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ﴾ نہیں قدرت رکھتا کسی شے پر ﴿وَّهُوَ كَلٌّ﴾ اور وہ بوجھ ہے ﴿عَلٰى مَوْلٰىهُ﴾ اپنے آقا پر ﴿اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ﴾ جدھر بھی اس کا آقا اس کو متوجہ کرتا ہے ﴿لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ﴾ وہ نہیں لاتا خیر ﴿هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ﴾ کیا برابر ہے وہ ﴿وَمَنْ﴾ اور وہ ﴿يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ﴾ جو حکم کرتا ہے انصاف کا ﴿وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور وہ سیدھے راستے پر ہے ﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے آسمانوں کا غیب ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کا ﴿وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ﴾ اور نہیں ہے معاملہ قیامت کا ﴿اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ﴾ مگر جیسے آنکھ کا جھپکنا ﴿اَوْ هُوَ اَقْرَبُ﴾ یا اس سے بھی زیادہ قریب ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ہر چیز پر قادر ہے۔

ماقبل سے ربط :

پچھلے سبق میں آپ نے یہ بات پڑھی کہ کوئی آدمی اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ اس کا غلام اس کے مال اور جائیداد، کارخانے میں، سونے چاندی میں برابر کا شریک ہو جائے اور اس مال جائیداد میں اس کا بھی اسی طرح کا حق ہو جس طرح کا تمھارا حق ہے۔ تم اپنے غلاموں کو اپنے ساتھ برابر کا حق دار بنانا پسند نہیں کرتے حالاں کہ وہ بھی انسان ہیں اور جو ضروریات تمھاری ہیں ان کی بھی وہی ہیں اور رب تعالیٰ کی مخلوق کو رب تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو اس کی کیا وجہ ہے؟ اسی سلسلے میں یعنی مشرک اور شرک کے رد میں اللہ تعالیٰ دو مثالیں اور بیان فرماتے ہیں۔

شرک کی تردید بطریق امثال :

فرمایا ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا﴾ اللہ تعالیٰ نے مثال بیان کی ہے ﴿عَبْدًا مَّمْلُوْكًا﴾ عبد کا لفظ بندے پر بولا جاتا ہے وہ آزاد بھی ہو سکتا ہے اور غلام بھی، اور عبد ہونا بڑی صفت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی پہلی صفت عبد بیان فرمائی ہے عَبْدُهٗ پھر فرمایا وَرَسُوْلُهٗ ۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اور رسالت کا درجہ بہت بلند ہے اور عبدیت کا بھی

ایک مقام ہے۔ کیوں کہ عبدیت کہتے ہیں اس تعلق کو جو بندے کا رب کے ساتھ ہوتا ہے اور رسالت وہ تعلق ہے جو بندے کا مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے۔ رسالت کا معنیٰ ہے پیغام پہنچانا اور رسول کا معنیٰ ہے پیغام پہنچانے والا، اللہ کی مخلوق تک اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے والا۔ اور وہ حق جو بندے کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اس کے لیے عَبْدُہٗ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق استوار کرنے کے بعد رَسُوْلُہٗ ہے کہ رب کے احکام پہنچاتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے معراج کا ذکر پندرھویں پارے میں ہے اس میں بھی عبد کا لفظ فرمایا ہے ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ﴾ "پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گئی۔" اور ساتوں آسمانوں کے اُوپر عرشِ عظیم کے پاس پہنچ کر رب تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوئے، اس کا ذکر فرمایا تو لفظ عبد کے ساتھ ہی فرمایا ہے ﴿فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی﴾ "پس وحی کی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف جو وحی کی۔" [نجم: ۱۰]۔ واپس تشریف لائے تو التَّحیّات کا تحفہ لے کر آئے۔ اس میں بھی عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ہے۔ یعنی عبد کا وصف اس میں بھی موجود ہے۔ زمین پر تھے تو عبد تھے عرش پر پہنچے تو بھی عبد رہے اور واپس تشریف لائے تو بھی عبد ہی تھے۔ لہٰذا عبد کا مقام بہت بلند ہے۔

اور مملوک کا معنیٰ ہے غلام۔ تو عبد آزاد بھی ہوتا ہے اور غلام بھی۔ اللہ تعالیٰ نے مثال بیان کی ہے کہ ایک غلام ہے جو کسی کی ملک میں ہے ایک بندہ ہے غلام ﴿لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ﴾ نہیں وہ قدرت رکھتا کسی شے پر۔ غلام نہ کوئی شے خرید سکتا ہے نہ بیچ سکتا ہے نہ اپنی مرضی سے شادی کر سکتا ہے۔ ایک شخص یہ ہے ﴿وَّمَنْ﴾ اور ایک وہ ہے ﴿رَّزَقْنٰہُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا﴾ جس کو ہم نے رزق دیا ہے اپنی طرف سے بڑا اچھا رزق، وافر، حلال اور طیب ﴿فَہُوَ یُنْفِقُ مِنْہُ سِرًّا وَّجَہْرًا﴾ پس وہ اس سے خرچ کرتا ہے اس میں سے پوشیدہ بھی اور ظاہر بھی۔ تو ایک غلام ہے جو کسی شے پر قدرت نہیں رکھتا بے اختیار ہے اور دوسرا اپنے مال کا مالک ہے جس طرح چاہے اپنے مال میں تصرف کرے ﴿ہَلْ یَسْتَوٗنَ﴾ کیا یہ دونوں برابر ہیں۔

مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مثال سے یہ بات سمجھائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے اپنے ملک میں جو چاہے کرے اور مخلوق مملوک ہے چاہے کوئی کتنی اُونچی شان والا کیوں نہ ہو وہ خدا کے دیئے ہوئے اختیار سے زیادہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی سے بڑھ کر اس مخلوق میں نہ کوئی ہوا ہے اور نہ ہوگا یہ ایمان کی بنیاد ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان سے اعلان کروایا ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ [اعراف: ۱۸۸] "اے نبی کریم ﷺ! آپ کہہ دیں میں نہیں مالک اپنے نفس کے لیے نفع کا اور نہ نقصان کا۔" اور سورۃ جن آیت نمبر ۲۱ میں ہے ﴿قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ "اے پیغمبر آپ کہہ دیں نہیں مالک میں تمھارے لیے نقصان کا اور نہ نفع کا۔" اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے یہ اعلان اس لیے کروایا کہ آپ ﷺ کے بلند و بالا درجے کو دیکھ کر کوئی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے تو جب آپ ﷺ کسی نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں اور نہ اپنے نفع نقصان کے مالک ہیں تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اور کون مالک ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے جو چاہے سو کرے اور جس طرح چاہے کرے کسی کو کچھ دے، نہ دے۔ اور مخلوق ساری مملوک ہے وہ کیا کر سکتی ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک قید خانے میں بہت سارے قیدی ہوں۔ ایک قیدی دوسرے قیدی کو کہے کہ تو مجھے چھڑا دے تو کیا وہ اس کو چھڑا سکتا ہے وہ تو خود قیدی ہے تجھے کیا چھڑائے گا؟ ساری مخلوق رب تعالیٰ کے احکام میں قیدی ہے رب کے احکام سب پر نافذ ہیں وہ خدائی اختیارات میں سے تمھارے لیے کیا کر سکتے ہیں؟ ہاں! دعا کر سکتے ہیں کہ اے پروردگار! یہ بندہ عاجز ہے اس کی امداد کر۔ فرمایا ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ﴾ ہم نے بات سمجھا دی ہے کوئی مانے یا نہ مانے۔ قادر اور عبدالقادر برابر نہیں ہو سکتے، مالک اور مملوک برابر نہیں ہو سکتے ﴿ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ بلکہ اکثر ان کے نہیں جانتے نہیں سمجھتے۔

دوسری مثال:

دوسری مثال ﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا ﴾ اور بیان کی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال ﴿ رَّجُلَيْنِ ﴾ دو آدمی ہیں ﴿ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ ﴾ ان دو میں سے ایک گونگا ہے اس کی زبان نہیں چلتی ﴿ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ ﴾ نہیں قدرت رکھتا کسی شے پر۔ نہ بات کر سکتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے اور جو بات نہ سمجھے تو اس پر بڑا غصہ آتا ہے کہ میری بات کیوں نہیں سمجھتا ﴿ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ﴾ اور وہ بوجھ ہے اپنے آقا پر، اپنے مالک پر جس کے پاس بھی ہوگا اس پر بوجھ ہوگا چاہے باپ اور بھائی کے پاس بھی ہو ﴿ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ ﴾ جدھر بھی اس کا آقا اس کو بھیجتا ہے متوجہ کرتا ہے ﴿ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ﴾ وہ نہیں لاتا خیر۔ کام بگاڑ کر آتا ہے سنوار کر نہیں آتا ایک تو یہ ہے ﴿ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ﴾ کیا برابر ہو سکتا ہے وہ ﴿ وَمَنْ ﴾ اور وہ ﴿ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ﴾ جو حکم کرتا ہے انصاف کا، عدل کا زبان اس کی چلتی ہے کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یہی حال ہے کافر اور مومن کا۔ کافروں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ۔ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ حقیقتاً بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔ نہیں! بلکہ کان ہیں مگر حق کی بات سنتے نہیں ہیں، زبانیں ہیں مگر حق بات کہنے کے لیے تیار نہیں ہیں، آنکھیں ہیں مگر حق کی نشانیاں نہیں دیکھتے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اَنْ تَرَى الصُّمَّ الْبُكْمَ مُلُوْكَ الْاَرْضِ" یہ کہ "تو بہرے اور گونگوں کو زمین کا بادشاہ دیکھے گا۔"

آج سے تقریباً پینسٹھ، ستر (۶۵، ۷۰) سال پہلے کی بات ہے کہ ہم نے جب یہ حدیث پڑھی نوعمری تھی استاذ محترم مولانا عبدالقدیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہاں بھی تشریف لاتے رہتے تھے اب فوت ہو گئے ہیں ان کی نماز جنازہ بھی میں نے پڑھائی تھی۔ ان سے ہم نے پوچھا کہ حضرت! اس وقت آنکھوں والے نہیں ہوں گے، کان اور زبان والے نہیں ہوں گے کہ لوگ بہروں، گونگوں کو بادشاہ بنائیں گے؟ تو حضرت نے فرمایا میاں! آنکھیں ہوں گی، زبانیں بھی ہوں گی، کان بھی ہوں گے لیکن حق کی بات نہیں سنیں گے حق بات زبان سے نکالیں گے نہیں حق کی نشانیاں نہیں دیکھیں گے۔

اس وقت جتنے حکمران ہیں سب بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔ بے چارے طالبان کے پاس تھوڑا سا رقبہ ہے سب

مغربی دنیا ان کے پیچھے پڑی ہوئی ہے کہ یہ انسانی حقوق ضائع کرتے ہیں عورتوں کو سزا دیتے ہیں یعنی قرآن پاک پر عمل کرنا ان کے نزدیک حق تلفی ہے اور خود جو ظلم کرتے ہیں ان سے پوچھنے والا کوئی نہیں ہے۔ ان پر تو اتنا افسوس نہیں کیوں کہ وہ ہیں ہی کافر افسوس تو ان پر ہے جو مسلمان کہلاتے ہیں کہ تم کم از کم طالبان کی تائید تو کھل کر کرو کہ یہ کوئی ظلم نہیں کر رہے کوئی حق تلفی نہیں کر رہے اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کر رہے ہیں۔ واحد ملک ہے جس میں قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کا حکم نافذ ہے اور ان کو تنگ کرنے کی بھی یہی وجہ ہے۔ کیوں کہ کافر یہ بات کب برداشت کرسکتا ہے کہ دنیا کے کسی خطے میں مکمل اسلامی قانون نافذ ہو۔ تو مومن اور کافر برابر نہیں ہوسکتے ﴿وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور وہ سیدھے راستے پر ہے۔ مومن عدل وانصاف کرتا ہے زبان اس کی چلتی ہے حق پر ہے اور کافر گونگا ہے اور باطل پر ہے کیسے برابر ہوسکتے ہیں۔

غیب کا معنیٰ اور مفہوم ؟

﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے غیب آسمانوں کا اور زمین کا۔ غیب کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ جو چیز رب تعالیٰ سے غیب ہے بلکہ اس کا معنیٰ ہے کہ مخلوق سے جو چیز غائب ہے اس کو بھی رب جانتا ہے اور جو چیز مخلوق کے سامنے ہے اس کو بھی رب جانتا ہے عالم الغیب والشہادۃ رب تعالیٰ کی صفت ہے۔ کوئی ذرہ، کوئی قطرہ اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔ رات کو چلنے والا، دن کو چلنے والا، روشنی میں چلنے والا، اندھیرے میں چلنے والا اس کے سامنے سب برابر ہیں اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ آسمانوں اور زمینوں کا غیب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ہاں! غیب کی خبریں اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بتلائی ہیں اور سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلائی ہیں۔ فرمایا ﴿وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ﴾ اور نہیں ہے معاملہ قیامت کا مگر جیسے آنکھ کا جھپکنا۔ آنکھ کے جھپکنے کی دیر میں قیامت قائم ہو جائے گی ﴿اَوْ هُوَ اَقْرَبُ﴾ یا اس سے بھی زیادہ قریب ہے، قیامت دور نہیں ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ "جو مرا اس قیامت قائم ہوگئی۔" بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے اگلا سارا جہان سامنے ہے بلکہ آنکھیں بند ہونے سے پہلے جان نکالنے والے فرشتے نظر آتے ہیں اور ان کے ساتھ گفتگو ہوتی ہے۔ اور نیک ہے تو کہتا ہے: قَدِّمُوْنِيْ قَدِّمُوْنِيْ "مجھے جلدی لے چلو، مجھے جلدی لے چلو" اور بُرا ہے تو کہتا ہے اَيْنَ تَذْهَبُوْنِيْ "مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟" یہ سب کچھ صحیح ہے مگر ہمیں اللہ تعالیٰ نے ایمان بالغیب کا مکلف بنایا ہے۔ تو قیامت آنکھ جھپکنے کی دیر میں برپا ہوگی یا اس سے بھی زیادہ قریب میں ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ "بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔" اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

﴿وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی نے تم کو نکالا ﴿مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ﴾ تمھاری ماؤں کے پیٹوں سے ﴿لَا

تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴾ تم نہیں جانتے تھے کچھ بھی ﴿ وَّجَعَلَ لَكُمُ ﴾ اور بنائے تمھارے لیے ﴿ السَّمْعَ ﴾ کان ﴿وَالْاَبْصَارَ﴾ اور آنکھیں ﴿وَالْاَفْئِدَةَ﴾ اور دل ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿اَلَمْ يَرَوْا﴾ کیا نہیں دیکھا اُنھوں نے ﴿اِلَى الطَّيْرِ﴾ پرندوں کی طرف ﴿مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ﴾ جو مسخر ہیں آسمان کی فضا میں ﴿مَا يُمْسِكُهُنَّ﴾ نہیں روکتا ان کو ﴿اِلَّا اللّٰهُ﴾ مگر اللہ تعالیٰ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ﴾ بے شک البتہ اس میں نشانیاں ہیں ﴿لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی نے بنائے ہیں تمھارے لیے ﴿مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا﴾ تمھارے گھر سکونت کے لیے ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ﴾ اور بنائے تمھارے لیے ﴿مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ﴾ جانوروں کے چمڑوں سے ﴿بُيُوْتًا﴾ گھر ﴿تَسْتَخِفُّوْنَهَا﴾ جن کو تم ہلکا سمجھتے ہو ﴿يَوْمَ ظَعْنِكُمْ﴾ جس دن تم کوچ کرتے ہو ﴿وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ﴾ اور جس دن تم ٹھہرتے ہو ﴿وَمِنْ اَصْوَافِهَا﴾ اور ان کی اُون سے ﴿وَاَوْبَارِهَا﴾ اور ان کی پشم سے ﴿وَاَشْعَارِهَآ﴾ اور ان کے بالوں سے ﴿اَثَاثًا﴾ سامان بناتے ہو ﴿وَّمَتَاعًا﴾ اور نفع کی چیزیں ﴿اِلٰى حِيْنٍ﴾ ایک مدت تک ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی نے بنائے ہیں تمھارے لیے ﴿مِّمَّا خَلَقَ﴾ اس چیز سے جو پیدا کی ہے ﴿ظِلٰلًا﴾ سائے ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ﴾ اور بنائے ہیں تمھارے لیے ﴿مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا﴾ پہاڑوں سے غار ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ﴾ اور بنائے ہیں تمھارے لیے ﴿سَرَابِيْلَ﴾ قمیصیں ﴿تَقِيْكُمُ الْحَرَّ﴾ جو بچاتی ہیں تمھیں گرمی سے ﴿وَسَرَابِيْلَ﴾ اور قمیصیں ﴿تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ﴾ جو بچاتی ہیں تمھیں میدانِ جنگ میں ﴿كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ﴾ اسی طرح مکمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کو ﴿عَلَيْكُمْ﴾ تم پر ﴿لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ﴾ تاکہ تم فرماں بردار ہو جاؤ ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ پس اگر یہ اعراض کریں ﴿فَاِنَّمَا﴾ پس پختہ بات ہے ﴿عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ آپ کے ذمہ ہے بات کو پہنچا دینا بات کو کھول کر ﴿يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ﴾ پہچانتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ﴿ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا﴾ پھر انکار کرتے ہیں اس نعمت کا ﴿وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور اکثر ان کے نافرمان ہیں۔

دو تین رکوعوں سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور قدرت کے دلائل کا ذکر چلا آ رہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ذات وصفات سے وحدہ لاشریک لہٗ ہے۔ نہ انسانوں میں اس کا کوئی شریک ہے، نہ فرشتوں میں، نہ جنوں میں، نہ پیغمبروں میں، نہ ولیوں میں اس کا کوئی شریک ہے۔ خدائی اختیارات میں اللہ تعالیٰ ہی تمھارا خالق ہے اور وہی تمھارا مالک ہے اور وہی تمھارا رازق ہے۔ اس سلسلے کے بعض دلائل کا ذکر ہے۔

توحید کے بعض دلائل :

فرمایا ﴿وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی نے تم کو نکالا ﴿مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ﴾ تمھاری ماؤں کے پیٹوں سے ﴿لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا﴾ تم نہیں جانتے تھے کچھ بھی۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کو کوئی شُدبُد نہیں ہوتی، کسی شے کا کوئی علم نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ میں نے اپنی خوراک ماں کی چھاتی سے حاصل کرنی ہے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں رکھی ہے کہ پیدا ہوتے ہی ماں کے پستان تلاش کرتا ہے اور چوستا ہے یہ اس کی فطرت ہے اور اس کے اختیار میں بھی نہیں ہے۔ یہ اس کو کس نے پڑھایا ہے کہ تیری خوراک تیری ماں کی چھاتی میں ہے اور تو نے چوس کر حاصل کرنی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں رکھا ہے۔ سورۃ البلد پارہ ۳۰ میں ہے ﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ "اور ہم نے ہدایت کردی دونوں راستوں کی۔" کہ تو دایاں پستان بھی چوس اور بایاں پستان بھی چوس پھر خدا کی شان ہے کہ اگر خوراک کی وجہ سے ماں کے دودھ میں خرابی پیدا ہو جائے تو بچہ دودھ نہیں پیتا۔ اس وقت فوراً دودھ ٹیسٹ کروانا چاہیے ضروری نہیں کہ یہ خرابی ہمیشہ کے لیے ہو بسا اوقات عورتیں ایسی خوراک کھالیتی ہیں کہ عارضی طور پر دودھ میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے یہ سب فطرتی باتیں ہیں کہ اس وقت بچہ دودھ نہیں پیتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے بنائے تمھارے لیے کان اور آنکھیں اور دل۔ کانوں کے ساتھ سنتے ہو، آنکھوں کے ساتھ دیکھتے ہو، دل کے ساتھ سمجھتے اور غور کرتے ہو۔ یہ نعمتیں کیوں دیں ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ تاکہ تم شکر ادا کرو۔ مگر انسان جیسا کہ آگے آئے گا ﴿وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور اکثریت ان کی ناشکری کرنے والی ہے۔ اور سورۃ السبا آیت نمبر ۱۳ میں ہے ﴿وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ "اور بہت تھوڑے ہیں میرے بندوں میں شکر ادا کرنے والے۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کی جَوّ یعنی فضا کی طرف توجہ دلائی۔ فرمایا ﴿اَلَمْ يَرَوْا﴾ کیا نہیں دیکھا انھوں نے ﴿اِلَى الطَّيْرِ﴾ پرندوں کی طرف ﴿مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ﴾ جو مسخر ہیں آسمان کی فضا میں۔ زمین و آسمان کے درمیان فضا میں کافی وزنی وزنی پرندے پھرتے ہیں ان کو پر کس نے دیئے ہیں اور ہوا میں اُڑنے کا طریقہ کس نے بتلایا؟ کون ہے جو وزنی وزنی پرندوں کو فضا میں اُڑاتا ہے ﴿مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ﴾ نہیں روکتا ان کو مگر اللہ تعالیٰ۔ پیدا بھی اسی نے کیا، پر بھی اسی نے دیئے اور اُڑنے کا طریقہ بھی اسی نے بتلایا ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ﴾ بے شک اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں کہ کتنے وزنی وزنی پرندے اُڑتے ہیں بلندی پر جاتے ہیں اور اُترتے ہیں اور بعضے کئی کئی گھنٹے فضا میں رہتے ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں ﴿لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے۔

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی نے بنائے تمھارے لیے ﴿مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا﴾ تمھارے گھر سکونت کے لیے۔ جن میں تم رہتے ہو گرمی اور سردی سے بچتے ہو، بارش اور طوفان سے بچتے ہو، جن میں تمھاری جانیں اور مال محفوظ ہیں۔ یہ مکان تمھیں کس نے دیئے ہیں؟ یہ رب تعالیٰ کی نعمت نہیں ہے؟ ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا﴾ اور بنائے تمھارے لیے

جانوروں کے چمڑوں سے گھر۔ عرب میں اُس وقت بھی خانہ بدوش لوگ ہوتے تھے اور اب بھی ہیں۔ سادہ زمانہ تھا وہ لوگ دو دو، تین تین چمڑے جوڑ کر سائبان بناتے تھے، خیمے بناتے تھے جہاں ٹھہرتے تھے خیمہ لگا لیتے۔ تو یہ چمڑے کس نے پیدا فرمائے ہیں جن سے تم مکان بناتے ہو ﴿تَسْتَخِفُّوْنَهَا﴾ جن کو تم ہلکا سمجھتے ہو ﴿يَوْمَ ظَعْنِكُمْ﴾ جس دن تم کوچ کرتے ہو ﴿وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ﴾ اور جس دن تم اقامت کرتے ہو۔ خانہ بدوش لوگ جہاں پانی، سبزہ، درخت دیکھتے تھے وہاں ڈیرہ لگا لیتے تھے کچھ مدت وہاں ٹھہرے پھر آگے چل پڑے آگے جا کر ڈیرہ لگا لیا۔ ظاہر بات ہے کہ اینٹ، پتھر، گارے کے مکان تو ساتھ نہیں لے جا سکتے اور چمڑے کے خیمے ہلکے پھلکے ساتھ اُٹھائے پھرتے، یہ کس نے تمھارے لیے بنائے ہیں؟

﴿وَمِنْ اَصْوَافِهَا﴾ اور ان جانوروں کی اون سے ﴿وَاَوْبَارِهَا﴾ اور ان جانوروں کی پشم سے ﴿وَاَشْعَارِهَآ﴾ اور ان کے بالوں سے ﴿اَثَاثًا﴾ سامان بناتے ہو۔ اَصْوَاف صُوْف کی جمع ہے بھیڑوں کی اون۔ اس سے سردی سے بچاؤ کے کپڑے بنتے ہیں۔ اَوْبَارْ وَبَرٌ کی جمع ہے معنٰی ہے اُونٹ کی پشم۔ اور اُونٹ کی پشم سے کمبل وغیرہ بنتے ہیں اور اَشْعَار شَعْرٌ کی جمع ہے بکریوں کے بال۔ اور بکریوں کے بالوں سے بوریاں بنتی ہیں اور سامان بنتے ہیں قالین بناتے ہو، یہ سب چیزیں کس نے پیدا فرمائی ہیں؟ ﴿وَّمَتَاعًا﴾ اور سامان اور نفع کی چیزیں ان سے بناتے ہو ﴿اِلٰى حِيْنٍ﴾ ایک مدت تک ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی نے بنائے ہیں تمھارے لیے ﴿مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا﴾ اس چیز سے جو اس نے پیدا کی ہے سائے۔ گرمی کے زمانے میں درختوں کا سایہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ ہمارے علاقے قدرے معتدل ہیں اور عرب کا علاقہ بڑا گرم ہے تو ان کو سائے کی قدر بھی زیادہ ہے ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا﴾ اور بنائے ہیں تمھارے لیے پہاڑوں سے غار۔ اَکْنَان کِنٌّ کی جمع ہے اور کِنٌّ کا معنٰی ہے غار۔ تمھارے چھپنے کے لیے پہاڑوں میں یہ غاریں کس نے بنائی ہیں؟

طالبان کی کامیابی:

افغانستان میں طالبان کو حقیقتاً تو اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی ہے لیکن ظاہری اسباب میں وہاں کے بڑے بڑے پہاڑ ہیں ان کی غاروں میں ان کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا کہ نہ جہاز ان کا کچھ بگاڑ سکے نہ ٹینک کچھ کر سکے نہ توپیں اور بم ان کا کچھ بگاڑ سکے۔ یہ قدرتی پہاڑ ان کے دفاع کا سامان تھا اگر میدانی علاقہ ہوتا جیسے ہمارا علاقہ ہے تو روس جیسی طاغوتی طاقت کے آگے ٹھہرنا عالم اسباب میں بہت مشکل تھا۔ تو اللہ تعالیٰ ہی نے تمھارے لیے پہاڑوں میں غار بنائے چھپنے کے لیے۔ ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ﴾۔ سَرَابِيْل سِرْبَالٌ کی جمع ہے اور بنائیں تمھارے لیے قمیصیں ﴿تَقِيْكُمُ الْحَرَّ﴾ جو بچاتی ہیں گرمی سے، سردی سے بچاؤ کا ذریعہ ہیں۔ ابھی تم نے اون اور ریشم کا ذکر سنا ہے ﴿وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ﴾ اور قمیصیں جو تمھیں میدانِ جنگ میں بچاتے ہیں۔ جن کو زرہ کہتے ہیں۔ زرہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بنائی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا ﴿وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ﴾ [سبا: ۱۰] "اور ہم نے نرم کر دیا ان کے لیے لوہے کو۔" کہ لوہا ان کے ہاتھ میں موم ہو جاتا تھا اور وہ اس سے زرہ بناتے تھے اور

میدانِ جنگ میں پہنتے تھے جس سے نہ تلوار اثر کرتی تھی اور نہ نیزہ اور تیر اثر کرتا تھا۔ یہ چیزیں کس نے پیدا فرمائی ہیں؟ اور نزولِ قرآن کے وقت یہی چیزیں اہم نعمتیں تھیں اور اب تو ان کی ضرورت اور بڑھ گئی ہے۔

﴿ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ ﴾ اسی طرح مکمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کو ﴿ عَلَيْكُمْ ﴾ تم پر ﴿ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴾ تاکہ تم فرمان بردار ہو جاؤ۔ نعمتوں کی قدر کرنا یہ انسانیت کا جذبہ ہے اور ناشکری کرنا ابلیس لعین کی صفت ہے۔ اور شکریہ کا بہترین عمل نماز ہے۔ نماز میں ہاتھ بھی نیچے لگیں گے، گھٹنے اور پاؤں بھی، ناک اور پیشانی بھی اور عاجزی کے ساتھ کہے گا سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ، سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى اور ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ رب کی نعمتیں کھا کر الحمد للہ! کہہ دیں بس شکریہ ادا ہو گیا۔ بے شک لفظ الحمد للہ! بھی اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کا طریقہ ہے مگر اسی میں بند سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ نعمتوں سے فائدہ تو سر سے لے کر پاؤں تک سارا بدن اٹھائے گا اور شکریہ کے لیے صرف دو تولے کی زبان سے الحمد للہ! کہنا کافی سمجھا جائے۔ لہٰذا یاد رکھنا! کامل شکریہ نماز پڑھنا ہے۔

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ پس اگر یہ اعراض کریں ساری نعمتیں سن کر اور دیکھ کر بھی توجہ نہ کریں تو ﴿ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ پس پختہ بات ہے اے نبی کریم ﷺ! آپ کے ذمہ ہے بات کو کھول کر پہنچا دینا منوانا اور تسلیم کرانا آپ ﷺ کا فریضہ نہیں ہے۔ ہدایت پیش کرنا پیغمبر کا کام اور فریضہ ہے اور دینا رب تعالیٰ کا کام ہے ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ [قصص:۵۶] "بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کے ساتھ آپ کی محبت ہے اور لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔"

ہادی کا مفہوم :

آپ ﷺ ہادی ہیں بایں معنیٰ آپ ﷺ ہدایت پیش کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ کے بغیر ہدایت کوئی نہیں دے سکتا۔ تو فرمایا آپ کے ذمہ ہے بات کو کھول کر پہنچا دینا آگے ان کی مرضی ہے تسلیم کریں یا نہ کریں ﴿ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ﴾ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہچانتے ہیں کہ زمین اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، آسمان اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، چاند، سورج، ستارے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، خوراک، لباس، آنکھیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، کان، ہاتھ، پاؤں، دل، دماغ وغیرہ بے شمار اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ﴾ [ابراہیم:۳۴] "اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہ کر سکو گے۔" ﴿ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا﴾ پھر انکار کرتے ہیں ان کا کہ شکر ادا نہیں کرتے جیسا کہ شکر ادا کرنا چاہیے ﴿وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور اکثر ان کے نافرمان ہیں ناشکرے ہیں۔ رب تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے شکر ادا نہیں کرتے جو کہ انسان کے فریضے میں شامل ہے۔

﴿وَيَوْمَ﴾ اور جس دن ﴿نَبْعَثُ﴾ ہم کھڑا کریں گے ﴿مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ﴾ ہر اُمت سے ﴿شَهِيدًا﴾ ایک گواہ ﴿ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ﴾ پھر نہیں اجازت دی جائے گی ﴿لِلَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ان لوگوں کو جو کافر ہیں ﴿وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ﴾ اور نہ ان سے توبہ وصول کی جائے گی ﴿وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ اور جس وقت دیکھیں وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا ﴿الْعَذَابَ﴾ عذاب کو ﴿فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ﴾ پس ہلکا نہیں کیا جائے گا ان سے ﴿وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ﴾ اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی ﴿وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا﴾ اور جس وقت دیکھیں گے وہ لوگ جنھوں نے شرک کیا ﴿شُرَكَاءَهُمْ﴾ اپنے شریکوں کو ﴿قَالُوا﴾ کہیں گے ﴿رَبَّنَا هَؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا﴾ اے ہمارے رب! یہ ہمارے شریک ہیں ﴿الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا﴾ وہ جن کو ہم پکارتے تھے ﴿مِنْ دُونِكَ﴾ آپ سے نیچے نیچے ﴿فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ﴾ پس وہ ڈالیں گے ان کی طرف بات (اور کہیں گے) ﴿إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ﴾ بے شک تم البتہ جھوٹے ہو ﴿وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ﴾ اور ڈالیں گے اللہ کی طرف اس دن ﴿السَّلَمَ﴾ صلح کی بات ﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ﴾ اور غائب ہو جائے گی ان سے ﴿مَا﴾ وہ چیز ﴿كَانُوا يَفْتَرُونَ﴾ جو افترا باندھتے تھے ﴿الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا ﴿وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اور روکا اللہ تعالیٰ کے راستے سے ﴿زِدْنَاهُمْ عَذَابًا﴾ ہم زیادہ کریں گے ان کے لیے عذاب ﴿فَوْقَ الْعَذَابِ﴾ عذاب پر ﴿بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ﴾ اس وجہ سے کہ وہ فساد کرتے تھے ﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ﴾ اور جس دن ہم کھڑا کریں گے ﴿فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا﴾ ہر اُمت میں سے ایک گواہ ﴿عَلَيْهِمْ﴾ ان پر ﴿مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ ان کی جانوں میں سے ﴿وَجِئْنَا بِكَ﴾ اور ہم لائیں گے آپ کو ﴿شَهِيدًا﴾ گواہ بنا کر ﴿عَلَى هَؤُلَاءِ﴾ ان لوگوں پر ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ﴾ اور ہم نے نازل کی آپ پر کتاب ﴿تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ﴾ جو کھول کر بیان کرتی ہے ہر چیز کو ﴿وَهُدًى﴾ اور ہدایت ہے ﴿وَرَحْمَةً﴾ اور رحمت ہے ﴿وَبُشْرَى﴾ اور خوش خبری ہے ﴿لِلْمُسْلِمِينَ﴾ مسلمانوں کے لیے۔

عقیدۂ توحید

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدہ توحید ہے اور توحید سمجھ نہیں آسکتی جب تک شرک کا مفہوم سمجھ نہ آئے۔ جس طرح دن کا مفہوم رات کے مفہوم کے بغیر نہیں سمجھ آسکتا۔ ضد کے ساتھ چیز سمجھ آتی ہے۔ گزشتہ گیارہ رکوعوں میں توحید کا اثبات اور شرک کا رد تھا۔

مسئلہ قیامت

اب آگے مسئلہ قیامت کا بیان ہے اور قیامت بھی اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ فرمایا ﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ﴾ اور جس دن ہم اٹھائیں گے کھڑا کریں گے ﴿مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا﴾ ہر اُمت میں سے ایک گواہ اور وہ پیغمبر ہوگا۔ اس کی تفصیل یوں آتی ہے کہ مثلاً: حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی اُمت کو اللہ تعالیٰ اپنی عدالت میں بلائیں گے اور ان کا حساب ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام سے سوال کریں گے هَلْ بَلَّغْتَ أُمَّتَكَ. میں نے آپ کو ان لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا تھا آپ نے ان کو تبلیغ کی ہے؟ حضرت نوح علیہ السلام دعویٰ کریں گے کہ میں نے ان کو تبلیغ کی ہے۔ قوم سے پوچھا جائے گا هَلْ بَلَّغَكُمْ نُوحٌ کیا نوح علیہ السلام نے تمھیں تبلیغ کی؟ وہ کہیں گے یہ ہمارے پاس کب آئے ہیں ہمیں پتا ہی نہیں ہے۔ اب دیکھو! ڈھیٹ قوم ایسی ہوتی ہے کہ قیامت کا دن ہے اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت ہے اور جھوٹ سے باز نہیں آئیں گے اور کہیں گے کہ ہمارے پاس تو کوئی تبلیغ کے لیے آیا ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ آپ کی قوم کہتی ہے کہ آپ نے تبلیغ نہیں کی اور آپ دعویٰ کر رہے ہیں کہ میں نے ان کو تبلیغ کی ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ: اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِیْ وَ الْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ أَنْكَرَ "کہ جو کسی شے کا دعویٰ کرے گواہ اس نے پیش کرنے ہوتے ہیں اور اگر یہ گواہ نہ پیش کر سکے تو منکر پر قسم آتی ہے۔" یعنی گواہ مدعی کے ذمہ ہوتے ہیں اور اگر یہ گواہ نہ پیش کر سکے تو مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی۔

تو اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام سے فرمائیں گے تیرے اس دعوے پر مَنْ يَّشْهَدُ لَكَ "گواہ کون ہیں تیرے لیے۔" حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے میری گواہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہے۔ (اگر وہ لوگ یہ سوال کریں گے کہ یہ گواہ تو ہمارے زمانے میں موجود نہ تھے لہٰذا یہ گواہ کیسے ہوئے تو اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام جواب دے گی کہ ہم نے قرآن پڑھا ہے جس میں صاف طور پر لکھا تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور اسی طرح دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام نے تبلیغ کی تھی اور ہمیں ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا فرمایا تھا۔ جب خدا تعالیٰ اور اس کا رسول برحق یہ فرماتے ہیں کہ مثلاً: حضرت نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی تھی تو ہم برحق اور سچی گواہی دیتے ہیں۔ آپ نے قرآن میں فرمایا ہے ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ﴾ [اعراف: ۵۹] "البتہ تحقیق بھیجا ہم نے نوح علیہ السلام کو رسول بنا کر ان کی قوم کی طرف پس کہا انھوں نے اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔" قرآن پاک میں آتا ہے کہ نوح علیہ السلام نے پچاس کم ہزار سال تبلیغ کی اور تبلیغ بھی رات دن ایک کر کے کی، بلند آواز سے بھی کی اور آہستہ بھی کی [سورۃ نوح] اے پروردگار! اگر آپ سچے ہیں اور یقیناً سچے ہیں اور تیری کتاب سچی ہے اور یقیناً سچی ہے اور تیرے آخری پیغمبر سچے ہیں اور یقیناً سچے ہیں تو ہم بھی سچے ہیں۔)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت گواہی دے چکے گی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کی شہادت اور گواہی کی صفائی اور تصدیق کریں گے گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سرکاری گواہ کی ہوگی۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ گواہی کے لیے گواہوں کا موقع

پر موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔ ہاں! یقین ہو جائے کہ یہ واقعہ اس طرح ہوا ہے تو گواہی دے سکتے ہیں۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ نے اس کی بہت ساری مثالیں دی ہیں۔ مثلاً: یہ گواہی دینا کہ فلاں فلاں کا بیٹا ہے یا فلاں آدمی فوت ہو گیا ہے یا فلاں کا فلانی کے ساتھ نکاح ہو گیا ہے، موقع پر موجود نہ ہونے کے باوجود ان چیزوں کی گواہی دے سکتا ہے۔ اگر حالات، واقعات اور کثرت کے ساتھ سننے سے یقین حاصل ہو گیا ہو کیوں کہ پیدائش کے وقت دایہ کے سوا وہاں کوئی نہیں ہوتا تو الشَّهَادَةُ عَلَى السَّامِعِ سنی ہوئی باتوں پر جب یقین ہو جائے تو گواہی دی جاسکتی ہے۔

تزکیۃ الشہود کا مطلب

البتہ جو اہم مقدمات ہیں ان میں صرف گواہوں کی گواہی پر ہی فیصلہ نہیں ہوگا بلکہ وہاں تَزْكِيَةُ الشُّهُوْد بھی ضروری ہے اور تَزْكِيَةُ الشُّهُوْد کا مطلب یہ ہے کہ قاضی اور جج گواہوں کے متعلق خفیہ تحقیق کرائے کہ یہ گواہ جھوٹے تو نہیں ہیں پیشہ ور تو نہیں ہیں گواہوں کو اس آدمی کے ساتھ دشمنی تو نہیں ہے کوئی لین دین اور ذاتی عناد تو نہیں ہے اگر ان میں سے کوئی بات نہ ہوئی تو ان کی گواہی پر فیصلہ ہوگا ورنہ نہیں۔ اور اہم مقدمات سے مراد مثلاً: زنا ہے، قتل ہے، چوری ہے۔ تو زنا کے متعلق قرآن کا حکم ہے کہ چار آدمی گواہی دیں جنھوں نے عین موقع پر اپنی آنکھوں سے ملزمان کو بدی کرتے دیکھا ہو۔ پھر جج قاضی تحقیق کرے گا کہ یہ گواہ جھوٹے تو نہیں ہیں ان کی ان کے ساتھ کوئی عداوت تو نہیں ہے جس وقت اچھی طرح تسلی ہو جائے گی تو پھر فیصلہ کرے گا۔ اور قتل کے متعلق دو آدمی گواہی دیں گے پھر قاضی اور جج گواہوں کا تزکیہ کریں گے اس کے بعد فیصلہ ہوگا۔ اسی طرح چوری کے کیس میں دو آدمیوں کی گواہی پر فوراً ہاتھ نہیں کاٹ دیا جائے گا بلکہ جج اور قاضی گواہوں کی تحقیق کرے گا کہ یہ جھوٹے اور پیشہ ور تو نہیں ہیں اور ان کی ان کے ساتھ ذاتی عداوت تو نہیں ہے پھر فیصلہ کرے گا اسلام نے سزائیں بھی سخت رکھی ہیں اور ان کے ثبوت کے لیے ضابطے بھی بڑے سخت رکھے ہیں۔

تو فرمایا ہم کھڑا کریں گے ہر اُمت میں سے ایک گواہ ﴿ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ﴾ پھر اجازت نہیں دی جائے گی ﴿لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ان لوگوں کو جو کافر ہیں ﴿وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ﴾ اور نہ ان سے توبہ قبول کی جائے گی۔ اتمام حجت کے بعد کچھ بھی نہیں ہوگا ﴿وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا﴾ اور جس وقت دیکھیں گے وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا ﴿الْعَذَابَ﴾ عذاب کو۔ ابھی میدان حشر میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ان کو نظر آئے گا دوزخ نظر آئے گی ﴿فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ﴾ پس نہ ان سے تخفیف کی جائے گی عذاب سے ﴿وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴾ اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ مثلاً: فیصلہ ہوگا کہ بارہ بج کر ایک منٹ پر دوزخ میں ڈالے جائیں گے تو کیا مجال ہے کہ ایک منٹ کی بجائے دو منٹ ہو جائیں بغیر مہلت کے ان کو دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا بڑا واویلا کریں گے ﴿ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ﴾ [مومن:۴۹] جہنمی داروغہ جہنم کو کہیں گے "دعا کرو اپنے پروردگار سے وہ تخفیف کر دے ہم سے ایک دن ہی عذاب سے۔" ہم سانس لے لیں، کوئی شنوائی نہیں ہوگی نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو

مہلت دی جائے گی ﴿وَ اِذَا رَاَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا﴾ اور جب دیکھیں گے وہ لوگ جنھوں نے شرک کیا ﴿شُرَكَآءَهُمْ﴾ اپنے شریکوں کو جن کو انھوں نے رب کا شریک بنایا تھا ﴿قَالُوْا﴾ کہیں گے ﴿رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا﴾ اے ہمارے رب! یہ ہمارے شریک ہیں ﴿الَّذِیْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ﴾ وہ جن کو ہم پکارتے تھے آپ کے علاوہ مشکل کشا، حاجت روا سمجھ کر، فریادرس سمجھ کر ﴿فَاَلْقَوْا اِلَیْهِمُ الْقَوْلَ﴾ پس وہ شریک ڈالیں گے ان کی طرف بات اور کہیں گے ﴿اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ بے شک تم البتہ جھوٹے ہو۔ یہ کیسے کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو؟ ان کی تفصیل ہے مثال کے طور پر لوگوں نے عزیر علیہ السلام کی پوجا کی تھی، مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم علیہا السلام کی پوجا کی تھی ان کے علاوہ دیگر انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی بھی پوجا کی گئی ہے حالاں کہ ان میں سے کسی کی بھی پوجا جائز نہیں تھی اور نہ ہی ان میں سے کسی نے کہا ہے کہ تم ہمیں مشکل کشا، حاجت روا سمجھو۔

فتوح الغیب کی تعلیمات

سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی کتابیں ہیں ان میں سے ایک کتاب "فتوح الغیب" ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر کسی اور سے مانگتا ہے اس کا نہ ایمان ہے اور نہ رب پر اس کا کوئی یقین ہے۔ اس کے باوجود لوگ آج بھی کہتے ہیں: ؎

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن یا غوث اعظم دست گیر

دیکھو! ان کا تو سبق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ سے جو مانگتا ہے اس کا کوئی ایمان نہیں ہے رب تعالیٰ کی ذات پر۔ اسی طرح کسی پیغمبر اور فرشتے نے نہیں کہا کہ ہم حاجت روا ہیں، مشکل کشا ہیں اور نہ کسی ولی نے کہا ہے کہ ہمیں سجدہ کرو اور ہماری نذریں دو اور ہمارے چڑھاوے چڑھاؤ، یہاں آکر تیل جلاؤ اور چادریں چڑھاؤ اور جاہل لوگ یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ لہٰذا وہ کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو ہم بالکل خدا کے شریک نہیں ہے۔ تم اپنی خواہشات پر عمل کرتے رہے ہو اب تم جانو اور تمھارا کام جانے۔ یہ تو بات ہے نیک لوگوں کی کہ وہ تو واقعتاً اس گناہ سے بری تھے۔ اور اگر وہ بُرے تھے جن کی پوجا کی گئی جیسے: شیطان اور اس کے چیلے، تو وہ جان چھڑانے کے لیے کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو ایک دوسرے پر بات ڈالیں گے۔ پھر مشرک یہ بھی کہیں گے ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ﴾ [انعام: ۲۳] "اللہ کی قسم ہے جو ہمارا پروردگار ہے نہیں تھے ہم شرک کرنے والے۔" ہم نے شرک کیا ہی نہیں ہے۔ اُو ساری زندگی تمھاری شرک میں گزری اور اب کہتے ہو شرک نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ اَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ یَوْمَىٕذِ السَّلَمَ﴾ اور ڈالیں گے اللہ کی طرف اس دن صلح کی بات۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ صلح کی باتیں کریں گے کہ اے اللہ! تیری قسم ہے ہم نے شرک نہیں کیا ﴿وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ﴾ اور غائب ہو جائے گی ان سے وہ چیز جو افتراء باندھتے تھے اور کہتے تھے ﴿هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [یونس: ۱۸] "جن کی ہم عبادت کرتے

ہیں یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں۔" فرمایا ان میں سے کوئی بھی ان کے قریب نہیں آئے گا ﴿اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اور روکتے ہیں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے قولاً اور فعلاً ﴿زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ﴾ ہم زیادہ کریں گے ان کے لیے عذاب پر عذاب۔ یعنی پہلے دن سے دوسرے دن زیادہ عذاب ہوگا اور تیسرے دن اور زیادہ ہوگا اور چوتھے دن اور زیادہ ہوگا جیسے جیسے دوزخ میں وقت گزرتا جائے گا عذاب میں اضافہ ہوتا جائے گا ادھر جنتیوں کی نعمتوں میں لذت بڑھتی جائے گی۔ آج جو خوراک ملی ہے کل والی خوراک کا مزا اس سے زیادہ ہوگا روزانہ مزا بڑھتا جائے گا اور کافروں کے عذاب میں اضافہ ہوتا جائے گا ﴿بِمَا كَانُوْا یُفْسِدُوْنَ﴾ اس وجہ سے کہ وہ فساد کرتے تھے۔ شرک سے زیادہ فساد اور کون سا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اوروں کی پوجا کی جائے۔

ہم میں سے کوئی آدمی یہ گوارا کرتا ہے کہ ہمارا ملازم جس کو تنخواہ ہم دیں اور اس کی خوراک اور لباس کا انتظام ہم کریں، رہائش کے لیے کمرہ ہم دیں اور وہ خدمت ہمارے علاوہ کسی اور کی کرے۔ جب ہم یہ گوارا نہیں کرتے تو رب کب گوارا کرتا ہے کہ بندہ اس کا ہو، اس کی دھرتی پر رہے رب تعالیٰ کی پیدا کردہ روزی کھائے اور پانی پیے اور ہوا لے اور پیشانی اوروں کے سامنے جھکائے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: ((مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰهَ یَغْضَبْ عَلَیْهِ)) "جو رب سے نہیں مانگتا رب اس سے سخت ناراض ہوتا ہے۔"

﴿وَیَوْمَ نَبْعَثُ فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا﴾ اور جس دن ہم کھڑا کریں گے ہر اُمت میں سے ایک گواہ ﴿عَلَیْهِمْ﴾ ان پر ﴿مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ ان میں سے ﴿وَجِئْنَا بِكَ شَهِیْدًا عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ﴾ اور ہم لائیں گے آپ کو گواہ بنا کر ان لوگوں پر۔ جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ جس وقت یہ اُمت پہلے نبیوں کے حق میں گواہی دے دے گی تو اللہ تعالیٰ اس اُمت کی صفائی کے لیے کہ یہ اُمت گواہی کے قابل ہے یا نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طلب فرمائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیں گے کہ میری اُمت عادل ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے ساتھ قیامت والے دن قوموں کی قسمت کا فیصلہ ہوگا۔ فرمایا ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ﴾ اور ہم نے نازل کی آپ پر کتاب قرآن مجید ﴿تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ﴾ جو کھول کر بیان کرتی ہے ہر چیز کو۔ قرآن پاک میں اصول اور ضابطے بڑے واضح ہیں اور جن جن چیزوں کی وضاحت اور صراحت منظور تھی ان کی پوری پوری تشریح کی ہے ﴿وَّهُدًى﴾ اور نری ہدایت ہے ﴿وَّرَحْمَةً﴾ اور نری رحمت ہے ﴿وَّبُشْرٰى﴾ اور خوش خبری ہے مگر کن لوگوں کے لیے ﴿لِلْمُسْلِمِیْنَ﴾ مسلمانوں کے لیے۔ جو مانتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں ان کے لیے ہدایت ہے، رحمت ہے، خوش خبری ہے اور جو نہیں مانتے ان کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔

~~~

﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ﴾ حکم دیتا ہے انصاف کا ﴿وَالْاِحْسَانِ﴾ اور اچھا سلوک کرنے کا ﴿وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى﴾ اور قریبی رشتہ داروں کو دینے کا ﴿وَیَنْهٰى﴾ اور منع کرتا ہے ﴿عَنِ الْفَحْشَآءِ﴾ بے حیائی
~~~

سے ﴿ وَالْمُنْكَرِ ﴾ اور برائی سے ﴿ وَالْبَغْيِ ﴾ اور سرکشی سے ﴿ يَعِظُكُمْ ﴾ وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے ﴿ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴾ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ﴿ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ﴾ اور پورا کرو اللہ تعالیٰ کے وعدے کو ﴿ اِذَا عٰهَدْتُّمْ ﴾ جب تم وعدہ کر چکے ہو ﴿ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ ﴾ اور نہ توڑو تم قسموں کو ﴿ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا ﴾ ان کو پختہ کرنے کے بعد ﴿ وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ ﴾ اور تحقیق بنایا ہے تم نے اللہ تعالیٰ کو ﴿ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ﴾ اپنے اُوپر ضامن ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ﴿ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ جو تم کرتے ہو ﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا ﴾ اور نہ ہو جاؤ تم ﴿ كَالَّتِيْ ﴾ اس عورت کی طرح ﴿ نَقَضَتْ غَزْلَهَا ﴾ جو اُدھیڑ دیتی ہے اپنے کاتے ہوئے سوت کو ﴿ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ﴾ مضبوطی کے بعد ﴿ اَنْكَاثًا ﴾ دھاگا دھاگا کر کے ﴿ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ ﴾ بناتے ہو تم اپنی قسموں کو ﴿ دَخَلًا ﴾ مکاری کا ذریعہ ﴿ بَيْنَكُمْ ﴾ آپس میں ﴿ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ ﴾ اس واسطے کہ ہوتا ہے ایک گروہ ﴿ هِيَ اَرْبٰى ﴾ بڑھا ہوا ﴿ مِنْ اُمَّةٍ ﴾ ایک گروہ سے ﴿ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ﴾ پختہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھارا امتحان لیتے ہیں اس کے ذریعے ﴿ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ ﴾ اور البتہ ضرور بیان کرے گا تمھارے سامنے ﴿ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ قیامت کے دن ﴿ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴾ اس چیز کو جس میں تم اختلاف کرتے رہے ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ ﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے ﴿ لَجَعَلَكُمْ ﴾ البتہ کر دے تمھیں ﴿ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ ایک ہی گروہ ﴿ وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ اور لیکن وہ بہکاتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ﴿ وَلَتُسْـَٔلُنَّ ﴾ اور البتہ ضرور تم سے سوال کیا جائے گا ﴿ عَمَّا ﴾ ان کاموں کے بارے میں ﴿ كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ جو تم کرتے تھے۔

زندگی کے بہترین اصول

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے زندگی کے بہترین اصول بیان فرمائے ہیں۔ خلیفہ راشد حضرت عمر ابن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جمعہ کے خطبہ میں اس آیت کو شامل کیا تھا اور اس وقت بھی الحمد للہ! اکثر مساجد میں جمعہ کے خطبہ میں پڑھی جاتی ہے اور اپنا معمول بھی یہی ہے۔ کیوں کہ اس میں بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں لہٰذا یاد کرانے کے لیے خطبہ میں پڑھی جاتی ہے۔

اکثم ابن صیفی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ملاقات کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ تم کیا پروگرام رکھتے ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت پڑھی۔ عربی تھا مفہوم سمجھتا تھا، مطلب جانتا تھا مسلمان ہو گیا اور فوراً اپنی قوم کے پاس پہنچا ابو داؤد شریف کی روایت ہے قوم کو کہا کہ میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ آیت سنی ہے اس میں بہترین اصول ہیں مسلمان ہو جاؤ اور ان کو اپناؤ، سر بنو دم نہ بنو۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام میں پہل کرو پیچھے نہ رہو۔ اس کی ساری قوم مسلمان ہو گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا سبب بھی یہی آیت کریمہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے یہ آیت کریمہ سنی تو کہنے لگے بہترین سبق ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

عدل وانصاف کا حکم :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے انصاف کا، اعتدال کا۔ عقیدے میں اعتدال ہو افراط و تفریط نہ ہو، مخلوق کے ساتھ بھی عدل ہو کس پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہونی چاہیے ہر ایک کے ساتھ ہر معاملے میں عدل وانصاف کو سامنے رکھو چاہے سامنے تمھارا دشمن ہو یا قریبی رشتہ دار ہو۔ سورت مائدہ آیت نمبر ۸ میں ہے ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ "اور نہ آمادہ کرے تمھیں کسی قوم کی دشمنی کہ انصاف کرنا چھوڑ دو انصاف کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد ابن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو خیبر کا محصل بنا کر بھیجا کہ وہاں کی زمین پر جو ٹیکس ہے، جزیہ ہے وصول کر کے لاؤ۔ مؤطا امام مالک میں روایت ہے کہ یہ جس وقت وہاں پہنچے تو یہودیوں نے ان کے سامنے سونے، چاندی اور قیمتی ہیروں کے ڈھیر لگا دیے۔ حضرت محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ یہودی کہنے لگے کہ آپ چونکہ ہمارے افسر ہیں یہ آپ کے لیے ہماری طرف سے ہدیہ اور تحفہ ہے۔ آپ اس طرح کریں کہ ہمارے اُوپر جو ٹیکس ہے اس میں سے کچھ کمی کر دیں اس پر صحابی رسول نے فرمایا: اس رب کی قسم ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا تم میرے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سے بدترین مخلوق ہو کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک اور حضرت عزیر علیہ السلام کو رب کا بیٹا بنایا اور مسیح علیہ السلام کے تم دشمن ہوئے اور اب تم اسلام کے دشمن ہو۔ لیکن تمھاری یہ عداوت اور دشمنی مجھے اس پر آمادہ نہیں کرتی کہ میں تم پر ایک رتی برابر بھی ظلم کروں یہ تمام چیزیں یہاں سے اٹھا کر لے جاؤ، یہ حرام ہے میں لینے کے لیے تیار نہیں ہوں جو ٹیکس اور جزیہ تم نے تسلیم کیا ہے وہ تمھیں دینا پڑے گا اور میں وہی لوں گا۔

اور سورۃ انعام آیت نمبر ۱۵۲ میں ہے ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ "اور جب تم بات کرو تو انصاف کی کرو اگرچہ قرابت داری ہی کیوں نہ ہو۔" اور سورۃ النساء آیت نمبر ۱۳۵ میں ہے "اے ایمان والو! ہو جاؤ قائم رہنے والے انصاف پر گواہی دینے والے ہو اللہ تعالیٰ کے لیے اگرچہ تمھارے نفسوں کے خلاف یا ماں باپ اور قرابت داروں کے خلاف ہو۔" تو عدل بڑی چیز ہے۔

دوسرا اصول، احسان :

دوسری چیز ...... ﴿وَالْاِحْسَانِ﴾ اور اچھا سلوک کرنے کا۔ احسان کا معنیٰ حدیث میں آتا ہے: ((أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ)) "اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کرو گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔" یہ رب تعالیٰ کے ساتھ احسان ہے اور مخلوق کے ساتھ

احسان یہ ہے کہ بولو تو نرمی کے ساتھ، لینا ہے تو نرمی کے ساتھ لو، دینا ہے تو نرمی کے ساتھ دو۔ کسی کو تم سے قولاً فعلاً دکھ نہ پہنچے۔

تیسرا اصول، قریبی رشتہ داروں کا خیال

تیسری چیز ..... فرمایا ﴿وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى﴾ اور قریبی رشتہ داروں کو دینے کا۔ قریبی رشتہ داروں کی مالی امداد کرو۔ اگر وہ زکوٰۃ کا مصرف ہیں تو زکوٰۃ، فطرانہ اور عشر میں سے دے دو نہیں تو ویسے مالی امداد کر دو بہر حال اپنے قریبی رشتہ داروں کا خیال رکھو۔

بے حیائی اور برائی کا صحیح مفہوم

﴿وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ﴾ اور منع کرتا ہے بے حیائی سے ﴿وَالْمُنْكَرِ﴾ اور برائی سے۔ بے حیائی اور برائی میں کیا فرق ہے؟ بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ بے حیائی وہ ہے کہ آدمی اکیلا نہ کر سکے دوسرے کے ساتھ مل کر کرے۔ جیسے: زنا ہے لواطت ہے۔ اور منکر وہ ہے کہ اکیلا بھی کر سکتا ہے۔ جیسے: شراب کا پینا کہ اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ لوگوں کو اکٹھا کر کے پیے۔ اور دوسرا فرق یہ بیان کرتے ہیں کہ فحشا کا تعلق فعل کے ساتھ ہے اور منکر کا تعلق قول کے ساتھ ہے۔ مثلاً: جھوٹ بولنا، غیبت کرنا۔ اور یہ تفسیر بھی کرتے ہیں کہ فحشا وہ گناہ ہے جو اعلانیہ کیا جائے اور منکر وہ ہے جو چھپ کے کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بے حیائی سے بھی بچو اور برائی سے بھی بچو۔ ﴿وَالْبَغْيِ﴾ اور سرکشی سے روکتا ہے کسی پر کوئی زیادتی نہ کرو نہ قولاً نہ فعلاً۔ یہ زندگی کے بڑے اہم اصول ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں بیان فرمائے ہیں ﴿يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ وہ اللہ تعالیٰ تمھیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

تحریفِ معنوی

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کیسے سنہری اصول بیان فرمائے ہیں لیکن شیعوں کے خبث باطن کا اندازہ لگاؤ کہ انھوں نے کیسی تحریفِ معنوی کی ہے۔ شیعہ کا ترجمہ جس کا نام ہے "ترجمہ مقبول" ان کا کوئی مولوی ہے مقبول احمد دہلوی، رافضی شیعہ تھا۔ اس نے ترجمہ کیا ہے تاج کمپنی اور دیگر مطابع نے اسے شائع کیا ہے۔ اس نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ فحشآء سے مراد ابوبکر ہیں اور مُنْكَر سے مراد عمر ہیں اور بَغْي سے مراد عثمان ہیں کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے قریب نہ جاؤ۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ پاکستان میں یک طرفہ کارروائی ہوتی ہے۔ یہ اس قدر خیانت کا مظاہرہ کریں مگر ان کو پوچھنے والا کوئی نہیں ہے اور ہم لوگ جب کہتے ہیں کہ دیکھو! پاکستان میں ستانوے [۹۷] فیصد آبادی مسلمانوں کی ہے اور تین [۳] فیصد رافضی ہیں وہ ہماری دل آزاری کیوں کرتے ہیں؟ کیا ان کی اس گندگی سے ہمارے دل نہیں دکھتے۔ ہمارے ماں باپ کو کوئی گالی دے تو ہم آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور ہمارے ان بزرگوں کو کوئی برا بھلا کہے جو ہمارے ایمان کا مدار ہیں اور ان کو ایسے الفاظ کے ساتھ پکارا جائے تو ہمیں غصہ نہیں آئے گا، تو ہمیں کہتے ہیں کہ تم فرقہ واریت پھیلاتے ہو کتنے ظلم کی بات ہے۔

دوستو، نوجوانو، یاد رکھنا! لڑنا جھگڑنا بری بات ہے مگر اپنے عقیدے کو محفوظ رکھنا تمھارا حق ہے اور غلط بات کو غلط کہنا بھی حق ہے۔

ایفائے عہد

﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ﴾ اور پورا کرو اللہ تعالیٰ کے وعدے کو ﴿اِذَا عٰهَدْتُّمْ﴾ جب تم وعدہ کر چکے ہو۔ ازل میں جب اللہ تعالیٰ نے کہا تھا ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ "کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ ﴿قَالُوْا بَلٰى﴾ [اعراف: ۱۷۲] اُنھوں نے کہا کیوں نہیں آپ ہمارے رب ہیں۔" اب تم رب کو رب مانو اس کے علاوہ کو کیوں رب مانتے ہو؟ اور جب ایمان مجمل اور مفصل کی باری آتی ہے تو منہ بھر کر کہتے ہو وَ قَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ میں نے رب کے تمام احکام قبول کیے۔ تو یہ وعدہ پورا کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا ﴿وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا﴾ اور نہ توڑو تم قسموں کو ان کو پختہ کرنے کے بعد۔ اگر کسی اچھے کام پر قسم اٹھائی ہے کہ میں کروں گا تو اس کو نہ توڑو ﴿وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا﴾ اور تحقیق بنایا ہے تم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے اُوپر ضامن۔ رب تعالیٰ کا نام لے کر تم نے قسم اٹھائی ہے اب تم اپنے مفاد کی خاطر قسم توڑ و تو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم کرتے ہو اس سے کوئی شے مخفی نہیں ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ مثال کے ذریعے یہی بات سمجھاتے ہیں ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا﴾ اور نہ ہو جاؤ تم اس عورت کی طرح جو اُدھیڑ دیتی ہے اپنے کاتے ہوئے سوت کو مضبوطی کے بعد دھاگا دھاگا کر کے۔

مکہ مکرمہ میں رَیْطَۃ بنت سعد قرشی نامی ایک عورت تھی رَیْطَۃ اس کا نام تھا سعد اس کے باپ کا نام تھا قبیلہ قریش سے تعلق رکھتی تھی۔ اس بی بی کے دماغ میں فطور تھا کسی کو پتھر مارتی، کسی کو گالیاں دیتی، کسی نہ کسی سے جھگڑا کرتی رہتی تھی اس کے گھر والے بھی اس سے تنگ تھے اور اس زمانے میں پاگل خانہ تو نہیں تھا کہ اس کو پاگل خانے میں داخل کر دیتے۔ اس نے گھر میں چرخہ دیکھ لیا اور کاتنا شروع کر دیا اور جس عورت کا چرخہ تھا اس کو بھی قریب نہ لگنے دیا گھر والے بھی خوش ہو گئے کہ چلو کام میں لگ گئی ہے کسی سے لڑتی جھگڑتی نہیں ہے اس کو روئی دے دی وہ سارا دن سوت کاتتی اور شام کے بعد کاتے ہوئے سوت کا دھاگا دھاگا کر کے اُدھیڑ دیتی تھی۔ روزانہ اس کا یہی کسب تھا اسی دھیان (فکر) میں لگی رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ تشبیہ دے کر فرماتے ہیں کہ وہ عورت کاتے ہوئے سوت کو دھاگا دھاگا کر کے ادھیڑ دیتی تھی تم اس طرح نہ ہو جاؤ کہ اپنی قسموں کو پختہ کر کے توڑ دو اَنْكَاثًا نِكْثٌ کی جمع ہے اس کا معنیٰ ہے دھاگا۔

فرمایا ﴿تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ﴾ بناتے ہو تم اپنی قسموں کو مکاری کا ذریعہ آپس میں ﴿اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ﴾ اس واسطے کہ ہوتا ہے ایک گروہ بڑھا ہوا دوسرے گروہ سے۔ اب لوگوں کا حال تمھارے سامنے ہے کہ جو سیاسی پارٹی بڑھ جاتی ہے لوگ اس میں چھلانگ لگا دیتے ہیں وعدہ کسی کے ساتھ ووٹ کسی کو دے رہے ہیں۔ پھر جب آگے چل کر دیکھا کہ فلاں پارٹی اس سے طاقت ور ہے اور میرا فائدہ اس کے ساتھ ملنے میں ہے تو اس کے ساتھ ہو گئے۔ ہمیشہ سے دنیادار اسی طرح کرتے آئے ہیں مالی مفادات کو سامنے رکھتے ہیں۔

آزمائش خداوندی :

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللّٰهُ بِهٖ﴾ پختہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھارا امتحان لیتے ہیں اس کے ذریعے کہ کون اپنی بات پر پختہ رہتا ہے اور کون غلبہ دیکھ کر دوسری طرف چلا جاتا ہے۔ بھئی! یہ مشاہدے کی بات ہے۔ ﴿وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ﴾ اور البتہ اللہ تعالیٰ ضرور بیان فرمائیں گے تمھارے سامنے ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن ﴿مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ اس چیز کو جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو اور اس کا بدلہ دے گا پوچھے گا یہ کام تم نے کیا ہے یا نہیں؟ مشرک پہلے انکار کریں گے اور کہیں گے ﴿مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ [الانعام:۲۳] "نہیں تھے ہم شرک کرنے والے۔" پھر اللہ تعالیٰ زبانوں پر مہر لگا دیں گے ﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ [یٰسین:۶۵] "آج ہم مہر لگا دیں گے ان مونہوں پر اور کلام کریں گے ہمارے سامنے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں جو کچھ وہ کماتے تھے۔" بلکہ آنکھیں بولیں گی، گھٹنے بولے گے، چمڑے بولیں گے بلکہ ہر ہر عضو بولے گا۔ سورۃ حم سجدہ آیت نمبر ۲۰ میں ہے ﴿شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ "گواہی دیں گے ان پر ان کے کان ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں اس چیز کی جو کچھ وہ کرتے تھے۔ ﴿وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا﴾ اور وہ کہیں گے اپنی کھالوں سے کہ تم کیوں گواہی دیتے ہو ہمارے خلاف؟ یہ اعضاء کہیں گے ہماری کیا مجال ہے ﴿اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ ہمیں بلایا ہے اس اللہ نے جس نے ہر چیز کو بلایا ہے۔" اس کے ساتھ تو ہمارا کوئی مقابلہ نہیں ہے اور تمام مجرموں کا یہی حال ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو البتہ کر دے تمھیں ایک گروہ۔ سب کو مومن بنا دے قادر ہے اگر چاہے تو سب کو کافر بنا دے، معاذ اللہ تعالیٰ۔ مگر اس نے بندے کو اختیار دیا ہے کہ اپنی مرضی کے ساتھ ایمان لائے اور اپنی مرضی کے ساتھ کفر اختیار کرے۔ ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [کہف:۲۹] "پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔" اور پہلے تم یہ بھی پڑھ چکے ہو ﴿يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [مومن:۷۴] "کہ وہ ان کو بہکاتا ہے جو کفر پر مصر ہیں" ﴿يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [ابراہیم:۲۷] "اللہ تعالیٰ ظالموں کو بہکاتا ہے۔" جو ظلم چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے اپنے ظلم اور کفر پر اڑے ہوئے ہیں۔ اس کا ضابطہ ہے ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ [صف:۵] "پس جب وہ ٹیڑھے چلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔" زبردستی نہیں کرتا اس کا قانون ہے ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ [نساء:۱۱۵] "ہم اس کو پھیر دیں گے اسی طرف جس طرف اس نے رخ کیا۔"

جبراً نہ کسی کو ہدایت ہے اور نہ کسی کو گمراہ کرتا ہے۔ ﴿وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اور لیکن بہکاتا ہے وہ جس کو چاہتا ہے ضابطے کے مطابق ﴿وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ضابطے کے مطابق۔ اور یہ تم سورۃ رعد آیت نمبر ۲۷ میں پڑھ چکے ہو ﴿وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ﴾ "اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع کرتا ہے۔" ﴿وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ اور البتہ ضرور سوال کیا جائے گا تم سے ان کاموں کے بارے میں جو تم کرتے تھے۔ کوئی چیز رب تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے

دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا اور سب کچھ سامنے آ جائے گا۔

﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا﴾ اور نہ بناؤ ﴿اَیْمَانَكُمْ﴾ اپنی قسموں کو ﴿دَخَلًۢا بَیْنَكُمْ﴾ مکاری کا ذریعہ آپس میں ﴿فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ﴾ پس پھسل جائیں گے قدم ﴿بَعْدَ ثُبُوْتِهَا﴾ پختہ ہونے کے بعد ﴿وَ تَذُوْقُوا السُّوْٓءَ﴾ اور چکھو گے تم سزا ﴿بِمَا صَدَدْتُّمْ﴾ اس وجہ سے کہ تم نے روکا ﴿عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ اللہ کے راستے سے ﴿وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ اور تمھارے لیے عذاب ہوگا بڑا ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا﴾ اور نہ خریدو ﴿بِعَهْدِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے عہد کے ساتھ ﴿ثَمَنًا قَلِیْلًا﴾ تھوڑی قیمت ﴿اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ بے شک جو چیز اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ﴿هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ﴾ وہ تمھارے لیے بہت ہی بہتر ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم جانتے ہو ﴿مَا عِنْدَكُمْ یَنْفَدُ﴾ جو چیز تمھارے پاس ہے ختم ہو جائے گی ﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ﴿بَاقٍ﴾ باقی رہنے والی ہے ﴿وَلَنَجْزِیَنَّ الَّذِیْنَ﴾ اور البتہ ہم ضرور بدلہ دیں گے ان لوگوں کو ﴿صَبَرُوْٓا﴾ جنھوں نے صبر کیا ﴿اَجْرَهُمْ﴾ ان کا اجر ﴿بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ اس سے اچھا ہوگا جو وہ عمل کرتے ہیں ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا﴾ جس نے اچھا عمل کیا ﴿مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ مرد ہو یا عورت ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ بشرطیکہ وہ مومن ہو ﴿فَلَنُحْیِیَنَّهٗ﴾ پس ہم اس کو ضرور دیں گے زندگی ﴿حَیٰوةً طَیِّبَةً﴾ پاکیزہ زندگی ﴿وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ﴾ اور ہم ان کو ضرور بدلہ دیں گے ﴿اَجْرَهُمْ﴾ ان کے اجر کا ﴿بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ اس سے اچھا ہوگا جو وہ عمل کرتے رہے ﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ﴾ پس جب تو قرآن شریف پڑھے ﴿فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ﴾ پس تو پناہ لے اللہ تعالیٰ کی ﴿مِنَ الشَّیْطٰنِ﴾ شیطان سے ﴿الرَّجِیْمِ﴾ جو مردود ہے ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک شان یہ ہے ﴿لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ﴾ نہیں ہے اس شیطان کے لیے کوئی زور ﴿عَلَى الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں پر ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿وَعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ﴾ اور وہ اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں ﴿اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ﴾ پختہ بات ہے کہ اس شیطان کا زور ﴿عَلَى الَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں پر ہے ﴿یَتَوَلَّوْنَهٗ﴾ جو اس کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں ﴿وَالَّذِیْنَ﴾ اور ان لوگوں پر ہے ﴿هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ﴾ جو اس کی وجہ سے شرک کرتے ہیں۔

ماقبل سے ربط:

اس سے پہلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ اور البتہ ضرور سوال کیا جائے گا تم سے ان کاموں کے بارے میں جو تم کرتے تھے۔ لہٰذا کسی کے ساتھ بدعہدی نہیں کرنی چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو عہد کیے

ہیں وہ بھی پورے کرو۔

قسموں کو آپس میں مکاری کا ذریعہ نہ بناؤ :

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ﴾ اور نہ بناؤ اپنی قسموں کو مکاری کا ذریعہ آپس میں۔ پہلے قسم اُٹھا کر معاملہ کر لیا پھر اس کی خلاف ورزی کی یہ بڑی معیوب بات ہے اگر ایسا کرو گے تو ﴿فَتَزِلَّ قَدَمٌ﴾ پس پھسل جائیں گے قدم ﴿بَعْدَ ثُبُوْتِهَا﴾ مضبوط ہونے کے بعد۔ اگر تم بدعہدی کرو گے تو کوئی تم پر اعتماد نہیں کرے گا اور لوگوں کو دین سے بیزار کرنے کا ذریعہ بنو گے اور اگر بدعہدی نہیں کرو گے تو ساری دنیا اسلام کی برتری کی قائل ہو جائے گی اور تمھارے دین کو سچا مذہب تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے گی اور بدعہدی کا نتیجہ یہ بھی ہوگا ﴿وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ﴾ اور چکھو گے تم سزا ﴿بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اس وجہ سے کہ تم نے روکا اللہ تعالیٰ کے راستے سے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے کا سبب بنے ﴿وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ اور تمھارے لیے عذاب ہوگا بڑا۔ یعنی تم بڑے عذاب کے مستحق ہو جاؤ گے۔ دنیا میں بھی ناکامی ہوگی اور آخرت میں بھی سخت سزا سے دوچار ہو گے۔ لہٰذا ازل کے دن اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ کے جواب میں ﴿قَالُوْا بَلٰى﴾ کہہ کر جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کرو اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا کلمہ پڑھ کر وعدہ کیا پھر وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ کہہ کر وعدہ کیا کہ میں نے تمام احکام کو قبول کیا اور وہ وعدے جو تم نے لوگوں کے ساتھ کیے ہیں جائز، وہ بھی پورے کرو ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا﴾ اور نہ خریدو تم ﴿بِعَهْدِ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے عہد کے ساتھ، عہد کے بدلے ﴿ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ تھوڑی قیمت۔ کہ مالی مفاد کی خاطر تم عہد اور وعدے کو چھوڑ دو پورا نہ کرو ایسا نہ کرو۔ ثمن قلیل فرمایا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ زیادہ قیمت مل جائے تو تم بدل جاؤ۔

ترمذی شریف، مسند احمد وغیرہ کتب حدیث میں حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس رب کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی قدر مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو کافر کو پانی کا ایک گھونٹ نہ دیتا۔ یہ تو ہمارے نزدیک سونا، چاندی، ہیرے وغیرہ دنیا کی چیزیں قیمتی ہیں رب تعالیٰ کے ہاں ان کی کوئی قدر نہیں ہے اور یہ سب کے سب ثمن قلیل میں شامل ہیں ﴿اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ پختہ بات ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ﴿هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ وہ تمھارے لیے بہت ہی بہتر ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ اگر تم جانتے ہو ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ﴾ جو چیز تمھارے پاس ہے ختم ہو جائے گی کسی نہ کسی وقت ﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے پاس ہے باقی رہنے والی ہے وہ ختم ہونے والی نہیں ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے اور قرآن کریم میں سورۃ واقعہ میں بھی ہے جس وقت کوئی جنت میں پھل کا دانہ توڑے گا فوراً وہاں دوسرا لگ جائے گا اور کوئی روکے گا بھی نہیں۔ دنیا کے پھل موسم میں آتے ہیں۔ بعض پھل ہیں جو سال میں دو بار لگتے ہیں لیکن وہاں سدا بہار ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے پاس جو نعمتیں ہیں وہ ختم ہونے والی نہیں ہیں لہٰذا تم ان کے بدلے ختم ہونے والی چیزیں نہ خریدو ﴿وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ﴾ اور البتہ ہم ضرور بدلہ دیں گے ان لوگوں کو

﴿صَبَرُوْٓا﴾ جنھوں نے مصائب پر صبر کیا ﴿اَجْرَهُمْ﴾ ان کا اجر ﴿بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اس سے اچھا ہوگا جو وہ عمل کرتے ہیں۔ وہ اچھا بدلہ کیسے ہوگا؟ سورۃ انعام آیت نمبر ۱۶۰ میں ہے ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ "جو شخص لایا نیکی اس کے لیے دس گنا اجر ہے۔" یہ ادنیٰ ترین ہے۔

اجر کی تین شرائط

لیکن اجر ملنے کے لیے تین بنیادی شرطیں ہیں اگر وہ ہوں گی تو دس گنا اجر ملے گا ورنہ نہیں۔

☆ پہلی شرط یہ ہے کہ ایمان و اعتقاد صحیح ہو اگر ایمان نہیں ہے تو کسی چیز کا اجر نہیں ملے گا۔

☆ دوسری شرط، اخلاص ہو ریاکاری نہ ہو۔ جو کرے رب کی ذات کے لیے کرے۔

☆ اور تیسری شرط اتباع سنت ہے۔ جو کام کرے سنت کی پیروی میں کرے۔

یہ تین بنیادی چیزیں ہونے کے بعد جس نے نیکی کی اس کو دس گنا اجر ملے گا عام حالات میں اور فی سبیل اللہ کی مد میں ادنیٰ ترین نیکی کا بدلہ سات سو ہے ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ "اللہ تعالیٰ بڑھا دے جس کے لیے چاہے۔" مثلاً: صبح جب تم گھروں سے چلے تو ارادہ کیا کہ ہم نماز کے بعد درسِ قرآن سنیں گے تو اب تمھارا چل کے آنا فی سبیل اللہ کی مد میں ہے ایک ایک قدم پر سات سات سو نیکیاں ملیں گی کیوں کہ علم دین حاصل کرنا، دین کی تبلیغ کرنا، کافروں کے مقابلے میں جہاد کے لیے نکلنا یہ فی سبیل اللہ کی مد میں ہے۔ تو آتے جاتے ہوئے ایک ایک قدم پر سات سات سو نیکیاں ملیں گی اور اگر کوئی کرایہ خرچ کر کے گاڑی پر آتا ہے تو ایک ایک روپے کے بدلے سات سات سو نیکیاں ملیں گی اور یہ ادنیٰ ترین ہے۔ اللہ تعالیٰ جتنا چاہے بڑھا دے ہزار گنا یا اس سے بھی زیادہ کر دے اس کی مرضی ہے۔

تو فرمایا جنھوں نے صبر کیا ہم ان کو ضرور بدلہ دیں گے اچھا اس سے جو انھوں نے کام کیے ہیں۔ ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا﴾ جس نے اچھا عمل کیا ﴿مِّنْ ذَكَرٍ﴾ مرد ہے ﴿اَوْ اُنْثٰى﴾ یا عورت ہے ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ بہ شرطے کہ وہ مومن ہو۔ کیوں کہ دین جیسے مردوں کے لیے ہے ایسے ہی عورتوں کے لیے ہے۔ جنت دوزخ مردوں کے لیے بھی ہے اور عورتوں کے لیے بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

حیاتِ طیبہ کی تفسیر

﴿فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ پس ہم اس کو ضرور دیں گے پاکیزہ زندگی۔ اس کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ دنیا میں جب تک رہے گا نمازیں پڑھتا رہے گا، روزے رکھتا رہے گا، پاکیزہ اور صاف رہے گا، اچھے معاملات، اچھے اخلاق، اچھی زبان اور جنت کی زندگی تو ہے ہی پاکیزہ اور ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہے جس کے ختم ہونے کا تصور ہی نہیں۔ علامہ اقبال مرحوم نے دل لگی کے طور پر کہا ہے:

تیرے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا
یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی

فرمایا ﴿ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ ﴾ اور ہم ان مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی ضرور دیں گے بدلہ ان کے اجر کا ﴿ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ اس سے اچھا ہوگا جو وہ عمل کرتے ہیں۔ دس گنا ہوگا یا سات سوگنا ہوگا یا اس سے بھی زیادہ ہوگا جتنا رب چاہے گا۔ مثلاً: ایک آدمی کہتا ہے السلام علیکم اس کو دس نیکیاں مل گئیں۔ دوسرا کہتا ہے وعلیکم السلام اس کو دس نیکیاں مل گئیں اور اگر کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ تو بیس نیکیاں مل گئیں اور ساتھ بَرَكَاتُهٗ کہا تو تیس نیکیاں مل گئیں اور مَغْفُوْرٌ کہا تو چالیس نیکیاں مل گئیں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا سفر بازار :

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما آخری عمر میں کمزور ہو گئے تھے چلنے کے لیے سہارے کی ضرورت پڑتی تھی۔ ایک خادم سے فرمایا کہ میرے ساتھ چلو بازار سے سودا لینا ہے اس وقت مدینہ منورہ کا بازار بڑا لمبا ہوتا تھا۔ خادم ساتھ گیا کہ یہ بوڑھے اور کمزور ہیں میں سامان اُٹھالاؤں گا۔ یہ جاتے ہوئے بازار کے دائیں طرف کے لوگوں کو سلام کرتے گئے آخر تک واپسی پر بائیں طرف کے لوگوں کو سلام کرتے آئے اور گھر پہنچ گئے۔ خادم نے پوچھا حضرت! آپ نے سودا تو نہیں لیا؟ فرمایا جھلّیا سودا تو لے لیا ہے کتنے آدمیوں کو جاتے آتے سلام کیا ہے اور السلام علیکم کے بدلے میں دس نیکیاں ہیں تو کتنا سودا لے کر آیا ہوں تو نے سمجھا تھا شاید گٹھڑی اُٹھانی ہے۔ اس وقت ہر ایک کو سلام کیا جاتا تھا اور اب تو صرف اس کو سلام کرتے ہیں جس کے ساتھ تعلق ہو پہچان ہو۔ اور مسلمان کا کام ہے کہ جس کو پہچانتا ہے اس کو بھی سلام کرے اور جس کو نہیں پہچانتا اس کو بھی سلام کرے اللہ تعالیٰ بہتر اور اچھا اجر دیں گے۔

آدابِ قرآن :

پہلے ذکر تھا کہ ﴿ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾ "اور ہم نے نازل کی آپ پر کتاب جو کھول کر بیان کرتی ہے ہر چیز کو۔" اب رب تعالیٰ اس کتاب کے پڑھنے کے آداب میں سے ایک ادب بیان فرماتے ہیں۔ فرمایا ﴿ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ ﴾ پس جس وقت تو قرآن پڑھے یعنی قرآن پڑھنے کا ارادہ کرے ﴿ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴾ تو پناہ لے تو اللہ تعالیٰ کی شیطان مردود سے۔

مسئلہ یہ ہے کہ جب آدمی قرآن کریم پڑھنے کا ارادہ کرے تو پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھے پھر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھے۔ اعوذ باللہ پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم پڑھنے سے بڑا ثواب اکٹھا ہو جاتا ہے کہ اس کو باوضو ہاتھ لگانا ثواب ہے بے وضو ہاتھ نہیں لگا سکتے، اس کو دیکھنا ثواب، اس کا پڑھنا ثواب، سمجھنا ثواب، تو کتنے ثواب اکٹھے ہو گئے اور یہ شیطان گوارا نہیں کرتا کہ اللہ کا بندہ اتنے ثواب حاصل کرے لہٰذا وہ ضرور کوئی شیطانی کرے گا۔ کہے گا تیرا فلاں کام

رہ گیا ہے تو نے فلاں کام کرنا ہے کبھی نیند غالب کر دے گا اور وہ نظر آتا نہیں ہے اس لیے قرآن کریم پڑھنے سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھ لو۔ تاکہ اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ جاؤ۔ جب اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ جائیں گے تو اس کی شیطانی سے محفوظ ہو جائیں گے۔ یہ مردود ہے رب تعالیٰ نے اس کو رد کیا ہے۔ اور اس مردود کے متعلق حدیث پاک میں آتا ہے: ((اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَجْرِيْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ)) "جہاں تک انسان کے بدن میں خون کی گردش ہوتی ہے شیطان کے اثر کی گردش بھی وہاں تک ہوتی ہے۔"

اور شیطان سے مراد صرف ابلیس نہیں ہے ابلیس نے تو اپنا تخت سمندر پر بچھایا ہوا ہے اور اپنے شتونگڑے بھیجتا رہتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ شتونگڑوں کی ڈیوٹیاں لگاتا ہے۔ رات کے شیطانوں کی الگ اور دن کے شیطانوں کی الگ ڈیوٹی ہوتی ہے اور پھر وہ واپس آ کر اپنی کارگزاری سناتے ہیں کہ میں نے یہ کیا، میں نے یہ کیا۔ ان کو بٹھاتا جاتا ہے۔ ایک چھوٹے قد والا شیطان آتا ہے وہ کہتا ہے لَمْ اَزَلْ بِهٖ حَتّٰى اَشْرَكَ میں فلاں آدمی کے پیچھے پڑا رہا یہاں تک کہ اس سے شرک کرا کر آیا ہوں ابلیس لعین اپنے تخت سے اُٹھ کر اس کو گلے لگا کر کہتا ہے نِعْمَ الْوَلَدُ اَنْتَ زندہ باد میرا اصل بیٹا تو ہے کہ ایک انسان کو تو نے میرا ہمیشہ کا دوست بنا دیا ہے۔ کیونکہ مشرک نے ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے اور کفر شرک کے علاوہ جتنے گناہ ہیں ان کی سزا بھگت کر ایک نہ ایک دن نکل آئیں گے اور مشرک اصل دوست ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ دل کے دائیں کونے پر فرشتہ ہے اور بائیں طرف شیطان ہے۔ جب کسی اچھی بات کا خیال اور تصور آئے تو وہ فرشتے کی طرف سے القا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تعریف بیان کرو اور لیٹ نہ کرو اور اگر بُرا خیال آئے تو بائیں طرف تھوک دو کہ یہ شیطان کی طرف سے وسوسہ ہے۔ جب تھوکو گے، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھو گے، اَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھو گے تو شیطان شرمندہ ہو جائے گا پھر اس کو ہمت نہیں ہوگی وسوسہ ڈالنے کی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ نہیں ہے اس شیطان کے لیے کوئی زور ﴿عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ان لوگوں پر جو ایمان لائے ہیں ﴿وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس کا زور کس پر ہے؟ فرمایا ﴿اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ﴾ پختہ بات ہے کہ اس شیطان کا زور ان لوگوں پر ہے جو اس کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں اس کی اطاعت کرتے ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ﴾ اور ان لوگوں پر ہے جو اس کی وجہ سے شرک کرتے ہیں۔ مشرک شیطان کا گہرا دوست ہے اس پر اس کا تسلط ہے اور مومن پر شیطان کا کوئی اثر اور تسلط نہیں ہے لہٰذا جب بھی قرآن کریم پڑھو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھ لیا کرو اور اللہ تعالیٰ کے کلام سے فائدہ اٹھاؤ۔

﴿وَ اِذَا بَدَّلْنَاۤ﴾ اور جس وقت ہم تبدیل کردیں ﴿اٰیَةً﴾ کسی آیت کو ﴿مَّكَانَ اٰیَةٍ﴾ دوسری آیت کی جگہ ﴿وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ﴿بِمَا یُنَزِّلُ﴾ جس کو وہ اُتارتا ہے ﴿قَالُوْۤا﴾ یہ کہتے ہیں ﴿اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ﴾ بے شک تو افترا باندھنے والا ہے ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ نہیں بلکہ اکثر ان میں سے نہیں جانتے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ﴾ اُتارا ہے اس قرآن کو پاکیزہ روح نے ﴿مِنْ رَّبِّكَ﴾ آپ کے رب کی طرف سے ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿لِیُثَبِّتَ الَّذِیْنَ﴾ تاکہ ثابت رکھے ان لوگوں کو ﴿اٰمَنُوْا﴾ جو ایمان لائے ﴿وَ هُدًى﴾ اور ہدایت ہے ﴿وَّ بُشْرٰى﴾ اور خوش خبری ہے ﴿لِلْمُسْلِمِیْنَ﴾ مسلمانوں کے لیے ﴿وَ لَقَدْ نَعْلَمُ﴾ اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں ﴿اَنَّهُمْ﴾ بے شک وہ ﴿یَقُوْلُوْنَ﴾ کہتے ہیں ﴿اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ﴾ پختہ بات ہے سکھاتا ہے اس کو ایک انسان ﴿لِسَانُ الَّذِیْ﴾ اس شخص کی زبان ﴿یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ﴾ جس کی طرف نسبت کرتے ہیں ﴿اَعْجَمِیٌّ﴾ عجمی ہے ﴿وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ﴾ اور یہ عربی زبان ہے بالکل واضح ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ جو نہیں ایمان لاتے اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ﴿لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہیں دیتا ﴿وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ ان کے لیے عذاب ہے دردناک ﴿اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ﴾ پختہ بات ہے افترا باندھتے ہیں جھوٹ کا ﴿الَّذِیْنَ﴾ وہ لوگ ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ جو ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ﴿وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ﴾ اور یہی لوگ جھوٹے ہیں۔

ماقبل سے ربط اور مخالفین کے اعتراض کا جواب

اس سے قبل قرآن کریم پڑھنے کا ادب بیان فرمایا کہ جب آپ قرآن کریم پڑھنا چاہیں تو پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھ لیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے مخالفین کے اعتراض کا جواب دیا ہے۔ قرآن پاک میں بعض احکام پہلے تھے پھر منسوخ ہو گئے۔ مثلاً: پہلے شراب حلال تھی ۳ھ میں حرام ہوئی۔ پہلے کافر عورت کے ساتھ مسلمان مرد کا نکاح جائز تین [۳] ہجری میں حرمت کا حکم نازل ہوا، پہلے ایک مسلمان پر دس کافروں کا مقابلہ کرنا فرض تھا اور اب ایک مسلمان پر دو کافروں کا مقابلہ کرنا لازم ہے، پہلے کچھ عرصہ قبلہ کعبۃ اللہ رہا پھر مسجد اقصیٰ قبلہ بنی پھر کچھ عرصہ بعد کعبۃ اللہ بن گیا۔ یہ جو احکام بدلتے رہے اس کو ناسخ، منسوخ کہتے ہیں۔ اس پر کافروں نے اعتراض کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ کل وہ حکم تھا اور آج یہ حکم آ گیا ہے۔ بھلا اللہ تعالیٰ کو اپنا حکم بدلنے کی کیا ضرورت تھی کیا اللہ تعالیٰ کو پہلے معلوم نہیں تھا کہ کون سا حکم مخلوق کے لیے بہتر ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے سمجھایا کہ اس کو خوب معلوم ہے کہ اس نے کون سا حکم کب نازل کرنا ہے۔ یہ حکامات کا بدلنا اللہ تعالیٰ کی ذات کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ مخلوق کی حکمت کے لحاظ سے ہے کہ مخلوق کے لیے پہلے کون سا حکم بہتر تھا اور اب کون سا حکم بہتر ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی مریض کو کسی وقت میں کسی دوا کی ضرورت ہوتی ہے پھر کچھ وقت کے بعد اس کی حالت کے مطابق دوا تبدیل کرنا پڑتی ہے۔ مریض کے مرض کے مطابق طبیب دوا تبدیل کرتا رہتا ہے۔ کون نادان ہوگا جو ڈاکٹر حکیم پر یہ اعتراض کرے کہ یہ ڈاکٹر حکیم بڑا بے وقوف ہے حکیم بڑا نادان ہے کہ کل اس نے یہ دوا دی تھی اور آج یہ دیتا ہے۔ یہ اعتراض کرنے والے کی غلطی اور نادانی ہوگی حکیم ڈاکٹر تو اس فن کے ماہر ہیں وہ جانتے ہیں کہ کل اس کے لیے یہ دوا مفید تھی اور آج اس کے لیے یہ دوا مفید ہے اور وہ مریض کی حالت کے مطابق خوراک بھی بدلتے رہتے ہیں کہ پہلے یہ کھاؤ پھر جب چند دن کے بعد معدہ قوی ہو جائے گا تو یہ خوراک استعمال کرنا۔ یہ دوا اور خوراک کی تبدیلی ڈاکٹر حکیم کی نادانی نہیں ہے بلکہ دانائی ہے اور جس طرح جسمانی بیماریوں کا علاج ہے اسی طرح روحانی بیماریوں کا بھی علاج ہے۔

موسم کے بدلنے سے کپڑے بدلتے ہیں چند دن پہلے تم نے گرم کپڑے پہنے ہوئے تھے اور اب گرمی شروع ہوگئی ہے تو وہ تم نے اُتار دیئے ہیں، بیماری کے بدلنے سے دوا اور خوراک بدلتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ حکیم و دانا ہے اس نے روحانی بیماریوں کے مطابق علاج فرمایا ہے۔ ضرورت کے مطابق ایک حکم نازل فرمایا جب اس کی ضرورت نہ رہی تو اس کی جگہ دوسرا حکم نازل فرما دیا۔ پہلے مسلمانوں کا ایمان جتنا مضبوط تھا بعد والوں کا اتنا نہیں تھا پہلے والوں کو حکم تھا کہ ایک مسلمان دس کافروں کا مقابلہ کرے اور بعد والوں کو فرمایا کہ ایک مسلمان دو کافروں کا مقابلہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے جو احکام منسوخ کیے ہیں حکمت کے مطابق کیے ہیں یہ اعتراض والی کون سی بات ہے۔

تنسیخ احکام کی حکمت

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً﴾ اور جس وقت ہم تبدیل کر دیں کسی آیت کو، حکم کو ﴿مَّكَانَ اٰيَةٍ﴾ دوسری آیت کی جگہ کہ پہلے وہ حکم تھا اور اب یہ حکم ہے ﴿وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ﴾ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جس کو وہ اُتارتا ہے۔ وہ حکیم علی الاطلاق ہے ضروریات کو بہتر جانتا ہے۔ جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلتے ہیں کہ پہلے وہ حکم تھا اور اب یہ حکم ہے تو ﴿قَالُوْٓا﴾ یہ کہتے ہیں ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ﴾ بے شک اے نبی کریم ﷺ! آپ افترا باندھنے والے ہیں معاذ اللہ تعالیٰ۔ ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ یہ الزام غلط ہے بلکہ اکثر ان میں سے نہیں جانتے کہ رب تعالیٰ نے جو حکم نازل فرمایا ہے یہ عین ان کی بیماری کے مطابق ہے۔ ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ﴾ اُتارا ہے اس قرآن کو پاکیزہ روح نے۔ روح القدس جبرئیل علیہ السلام کا لقب ہے جبرئیل علیہ السلام اس کتاب کو لے کر آئے ﴿مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ﴾ آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ۔ لہٰذا یہ سچی کتاب ہے رب تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے میں مفتری نہیں ہوں ﴿لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ تاکہ ثابت رکھے ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ قرآن کریم مومنوں کے لیے ثابت قدمی کے لیے بڑی دلیل ہے ﴿وَهُدًى﴾ اور تری ہدایت ہے اول سے لے کر آخر تک ﴿وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ﴾ اور خوش خبری ہے مسلمانوں کے لیے۔ ان کے لیے ہدایت اور نجات کا ذریعہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غریب پروری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غریبوں کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کے قریب ایک رومی غلام رہتا تھا نسطاس، جبر، یعیش اور بلعام بتاتے ہیں۔ مختلف نام نقل کیے گئے ہیں۔ وہ بے چارہ بیمار ہو گیا اور اس کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تیمارداری کے لیے تشریف لے جاتے اس کو پانی لا دیتے اور حسب توفیق اس کی ضرورت پوری کرتے اور بیمار پرسی کرنا بھی بڑی عبادت ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جو شخص کسی کی بیمار پرسی کے لیے جاتا ہے ستر ہزار فرشتے رات تک اس کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ پھر خصوصاً کوئی اپنا عزیز ہو تو اور زیادہ ثواب ہے۔ والد ہو، والدہ ہو، بھائی ہو ان کا زیادہ حق ہے۔ تو آپ اس کی تیمارداری کے لیے جاتے تھے تو کافر، مشرک دیکھتے تھے تو ان شریروں نے اس کے ساتھ یہ کڑی ملائی کہ یہ اس سے قرآن سیکھتا ہے وہ اس کو قرآن سکھاتا ہے۔

اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ﴾ اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں ﴿اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ﴾ بے شک یہ کہتے ہیں ﴿اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ﴾ پختہ بات ہے سکھاتا ہے اس کو ایک انسان۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ﴾ اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ نسبت کرتے ہیں عجمی ہے عربی نہیں ہے ﴿وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ﴾ اور یہ قرآن پاک عربی زبان ہے بالکل واضح۔ وہ بے چارہ ٹوٹی پھوٹی عربی نہیں بول سکتا تھا سوائے روزمرہ کی ضرورت کے الفاظ، وہ قرآن پاک جیسی فصیح بلیغ عبارت کہاں سے لائے گا اتنی موٹی بات بھی سمجھ نہیں آتی۔ مگر اعتراض کرنے والوں کو اس سے کچھ غرض نہیں ہوتی ان کا کام ہے شوشہ چھوڑنا وہ چھوڑ دیتے ہیں چاہے صادق آئے یا نہ آئے۔

قرآن پاک کا چیلنج

قرآن پاک تو ایسی فصیح بلیغ کتاب ہے کہ آج تک اس کا کوئی فصیح بلیغ مقابلہ نہیں کر سکا اور قرآن پاک نے اس بات کا دنیا کو چیلنج دیا ہے ﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ [بقرہ: ۲۳] "پس لاؤ تم کوئی چھوٹی سی سورت اس کی طرح ﴿وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور بلا لو اپنے امدادیوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ اگر ہو تم سچے ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا﴾ پھر اگر تم نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے۔" آج تک صدیاں گزر گئیں ہیں قرآن پاک کے اس چیلنج کو کسی نے قبول نہیں کیا۔ حالاں کہ وہ لوگ زبان کے اعتبار سے بڑے فصیح بلیغ تھے یہاں تک کہ آج کا کوئی بڑا ماہر پروفیسر جس نے ساری زندگی عربی زبان میں گزاری ہو اس وقت کے جو جاہل شاعر تھے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ مرد تو در کنار عورتیں اور لڑکیاں جو شعر کہتی تھیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا باقی اعتراض کر دینا کہ نسطاس رومی اس کو پڑھاتا ہے فرمایا یہ غلط کہتے ہیں۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ﴿لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو زبردستی ہدایت نہیں دیتا۔ ہدایت دیتا ہے مَنْ يُّنِيْبُ جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ برتن کو اُلٹا کر کے رکھ

دوٹیوب ویل کے نیچے تو بھی اس میں پانی نہیں آئے گا سیدھا رکھو گے تو بھرے گا۔ یہی طلب اور عدم طلب کی مثال ہے اگر تمھارے اندر ہدایت کی طلب نہیں ہوگی تو زبردستی نہیں دے گا اور اگر اعتراض کرو گے تو پھر کچھ بھی نہیں ہے ﴿وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک۔ مرنے کے بعد پتا چل جائے گا کہ قرآن کے انکار کا کیا نتیجہ ہے۔

فرمایا ﴿اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ﴾ پختہ بات ہے افترا باندھتے ہیں جھوٹ کا وہ لوگ ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ جو ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر۔ کہتے ہیں یہ جادو ہے، کبھی کہتے ہیں کہانت ہے، کبھی کہتے ہیں شعروشاعری ہے، کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی کچھ کہتے ہیں یہ جھوٹے لوگ ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے بارے میں شوشے چھوڑتے ہیں۔ کافروں نے کہا تو افترا باندھنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے جواب دے دیا کہ یہ افترا نہیں باندھتا یہ اللہ تعالیٰ کا سچا پیغمبر ہے اس کی سچی زبان ہے پوری زندگی میں ان کی زبان سے خلاف حقیقت بات نہیں نکلی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے ہیں الزام لگانے والے لوگ جھوٹے ہیں سچوں کو جھوٹا کہتے ہیں ﴿وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ﴾ اور یہی لوگ جھوٹے ہیں۔ دنیا میں ایسا ہوتا رہتا ہے کہ لوگ حقیقت کے برعکس باتیں کرتے ہیں جن کی فطرت مسخ ہو جاتی ہے۔

~~~

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ﴾ جس آدمی نے کفر کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ﴾ اس پر ایمان لانے کے بعد ﴿اِلَّا﴾ مگر ﴿مَنْ اُكْرِهَ﴾ وہ شخص جو مجبور کیا گیا ﴿وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ اور اس کا دل مطمئن ہے ایمان کے ساتھ ﴿وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ﴾ اور لیکن وہ شخص جس نے کھولا ﴿بِالْكُفْرِ صَدْرًا﴾ کفر کے لیے سینہ ﴿فَعَلَيْهِمْ﴾ پس ان پر ﴿غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ غضب ہوگا اللہ تعالیٰ کا ﴿وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ اور ان کے لیے بڑا عذاب ہوگا ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ کیوں ﴿بِاَنَّهُمُ﴾ اس وجہ سے کہ انھوں نے ﴿اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ پسند کیا دنیا کی زندگی کو ﴿عَلَى الْاٰخِرَةِ﴾ آخرت پر ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ﴿لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ ہدایت نہیں دیتا کافر قوم کو ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ﴾ یہی وہ لوگ ہیں ﴿طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ﴿وَ سَمْعِهِمْ﴾ اور ان کے کانوں پر ﴿وَ اَبْصَارِهِمْ﴾ اور ان کی آنکھوں پر ﴿وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ اور یہی لوگ غافل ہیں ﴿لَا جَرَمَ﴾ ضرور بالضرور ﴿اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ بے شک وہ آخرت میں ﴿هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ وہ نقصان اُٹھانے والے ہیں ﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ﴾ پھر بے شک آپ کا رب ﴿لِلَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے ﴿هَاجَرُوْا﴾ جنھوں نے ہجرت کی ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا﴾ بعد اس کے کہ وہ فتنے میں مبتلا کیے گئے ﴿ثُمَّ جٰهَدُوْا﴾ پھر انھوں نے جہاد کیا ﴿وَ صَبَرُوْٓا﴾ اور صبر کیا ﴿اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا﴾ بے شک تیرا رب اس کے بعد ﴿لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ البتہ بخشنے والا مہربان ہے۔
~~~

مرتد کی سزا

ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرنا بڑا گناہ ہے۔ مرتد کی سزا قتل ہے۔ اگر کوئی آدمی مرتد ہو تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے گی تا کہ وہ اپنے شکوک وشبہات پیش کرے اور ان کا ازالہ کیا جائے اگر نہ سمجھے تو تین دن کے بعد اس کو قتل کیا جائے گا۔ حدیث پاک میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَاقْتُلُوْا پس تم اس کو قتل کر دو۔ مرتد کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے اس کا ذبیحہ جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس کا جنازہ جائز ہے اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی نہیں کیا جائے گا مسلمان سے اس کو وراثت بھی نہیں ملے گی ہاں! اگر کسی نے مجبوراً کلمہ کفر کہا ہے تو اس کا مسئلہ علیحدہ ہے۔

اکراہ کا مسئلہ اور چند تاریخی واقعات

اس مقام پر اکراہ کا مسئلہ ہی بیان کیا گیا ہے۔ تاریخی واقعات ہیں کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا پر کافروں نے بڑے ظلم کیے۔ ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں کافروں نے ان تینوں کو گھیر لیا اور کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ آگ جل رہی تھی اور اس میں لوہے کی سلاخیں رکھی تھیں۔ گرم سلاخ ان کی آنکھ کے قریب کی کہ کلمہ چھوڑ دے ورنہ یہ گرم سلاخ تیری آنکھ میں پھیر دیں گے۔ ان کا ایمان بڑا قوی اور مضبوط تھا انکار کر دیا۔ انھوں نے آنکھ میں سلاخ پھیری وہ پھٹ گئی۔ کہنے لگے اب دوسری آنکھ کو بچا لے کلمہ چھوڑ دے۔ کہنے لگے کلمہ نہیں چھوڑوں گا دوسری آنکھ میں بھی انھوں نے سلاخ پھیر دی نابینا ہو گئے اور تڑپتے تھے اسی حالت میں انھوں نے شہید کر دیا۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اول شہید الاسلام ہیں۔

پھر انھوں نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا پر جبر کیا کہ کلمہ چھوڑ دے انھوں نے انکار کیا تو ظالموں نے ان کی ایک ٹانگ ایک اُونٹ کے ساتھ باندھ دی اور دوسری دوسرے اُونٹ کے ساتھ باندھ دی اور مخالف سمت دوڑا دیئے اس حالت میں ظالم ابوجہل نے ان کے نازک مقام پر برچھی ماری وہ چر کر دو ٹکڑے ہو گئیں اور جان دے دی۔ اسلام میں پہلی شہید ہونے والی پہلی عورت حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ پھر انھوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا والد اور والدہ کا منظر سامنے تھا گھبرا گئے اور جان بچانے کے لیے انھوں نے کلمہ کفر کہہ دیا لیکن بہت زیادہ پریشان ہو گئے کہ میں نے جان بچانے کے لیے کلمہ کفر کیوں کہا۔ روتے روتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے ماں باپ کا سارا قصہ سنایا اور کہا کہ وہ مجھے بھی ظلم کے ساتھ قتل کرنا چاہتے تھے مگر میں نے کلمہ کفر کہہ کر جان بچالی ہے۔ اب میرے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا دل کی کیا کیفیت ہے؟ فرمایا دل مطمئن بالایمان ہے۔ فرمایا تیرا ایمان برقرار ہے۔

تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ﴾ جس آدمی نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ یعنی اس کے احکام کا انکار کیا ﴿مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ﴾ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد ﴿اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ﴾ مگر وہ جو مجبور کیا گیا ﴿وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ﴾

بِالْاِیْمَانِ﴾ اور اس کا دل مطمئن ہے ایمان کے ساتھ تو اس کا ایمان برقرار ہے۔ اکراہ کی تعریف فقہائے کرام یہ فرماتے ہیں۔ فقہائے کرام نے دین کی بڑی خدمت کی ہے یہ لوگ دین کی روح کو سمجھتے ہیں، محدثین عظام رحمہم اللہ نے دین کی بڑی خدمت کی ہے، مفسرین کرام رحمہم اللہ نے دین کی بڑی خدمت کی ہے عالم اسباب میں ہم سب ان کے محتاج ہیں۔

تو فقہائے کرام رحمہم اللہ اکراہ کی تعریف فرماتے ہیں کہ ایسا شخص یا ایسی جماعت جس کے پاس اتنی قوت ہو کہ وہ اپنی بات کو پورا کر کے دکھا سکتی ہو وہ کسی پر جبر کرے اور کہے کہ تم کلمہ کفر زبان سے نکالو ورنہ ہم تجھے قتل کر دیں گے یا تیرا عضو مثلاً: ٹانگ کاٹ دیں گے یا بازو کاٹ دیں گے، آنکھ نکال دیں گے یا جوڑ علیحدہ کر دیں گے اور وہ کر بھی سکتے ہوں تو ایسی حالت میں اگر دل مطمئن بالایمان ہے تو آدمی کو کلمہ کفر کہنے کی اجازت ہے۔ اور اگر ضرب کی دھمکی دیں یا قید کی دھمکی دیں کہ کلمہ کفر کہہ ورنہ تجھے قید کر دیں گے تو کلمہ کفر زبان سے نکالنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر مال چھین لینے کی دھمکی دیں تو بھی کلمہ کفر کہنے کی اجازت نہیں ہے چاہے سارا مال چھین لیں اور قتل کی دھمکی پر کلمہ کفر کہنے کی اجازت ہے اور اگر ڈٹ جائے نہ کہے تو عزیمت ہے اور عزیمت کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کی شہادت:

حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کافروں کے ہاتھ آ گئے ان سے مکہ والوں نے ان کو قتل کرنے کے لیے خرید لیا۔ کیونکہ انھوں نے ان کا ایک بڑا آدمی قتل کیا تھا۔ پہلے ان پر بڑا زور لگایا کہ کلمہ چھوڑ دو انھوں نے فرمایا کہ نہیں چھوڑوں گا ان کو قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر تنعیم کی طرف لے گئے جہاں مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا ہے۔ یہ حرم سے باہر ہے عرفات بھی حرم سے باہر ہے جعرانہ بھی حرم سے باہر ہے۔ حرم کا وہ بھی احترام کرتے تھے اس لیے حرم سے باہر لے گئے۔ مرد، عورتیں، بوڑھے، جوان، سب اکٹھے ہوئے ان کا قتل دیکھنے کے لیے عجیب منظر تھا۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب زاد المعاد میں لکھا ہے اور تاریخ کی دیگر کتابوں میں بھی ہے۔ ابوسفیان اس وقت رضی اللہ عنہ نہیں ہوئے تھے خبیب بن عدی کے پاس آئے کہنے لگے برخوردار مجھے جانتے ہو میں کون ہوں؟ فرمانے لگے ہاں چچا جان! آپ ابوسفیان ہیں (اور ابوجہل کے مرنے کے بعد قیادت ان کے ہاتھ میں تھی۔ اس کے بعد جتنی جنگیں ہوئی ہیں اُحد، خندق وغیرہ ان میں یہی پیش پیش تھے) ابوسفیان نے کہا کہ تم ایک لفظ کہہ دو میں تمھاری رہائی کا ذمہ دار ہوں کہ میرے بدلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا جائے تو کیا ہی اچھا ہے۔ فرمایا چچا جان! آپ نے کیا کہا ہے؟ انھوں نے دوبارہ وہی لفظ دہرائے کہ یہ کہہ دو کہ میری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا جائے تو کیا ہی اچھا ہے۔ فرمایا چچا جان سنو! یہ لفظ تو در کنار وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں یہ لفظ بھی کہنے کے لیے تیار نہیں کہ میری سولی کے بدلے شَوْکَۃٌ یُشَاکُ لِرِجْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کوئی کانٹا چبھے، یہ بھی گوارا نہیں ہے۔ حالانکہ یہ کہنے کی انھیں اجازت تھی۔

شہید ہو گئے عزیمت پر عمل کیا۔شہادت کے وقت انھوں نے دردناک اشعار کہے جو بخاری شریف وغیرہ میں موجود ہیں۔

وَ لَسْتُ أُبَالِيْ حِيْنَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا

عَلٰی أَيِّ شِقٍّ كَانَ مَصْرَعِيْ

"مجھے کوئی پروانہیں جب میں حالت اسلام میں قتل کیا جاؤں کسی بھی پہلو پر میرا گرنا ہو۔"

مسیلمہ کذاب اور ختم نبوت کے دیوانے

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کا واقعہ لکھا ہے۔ایک ہیں حضرت خُبیب بن عدی رضی اللہ عنہ،وہ اور صحابی ہیں۔اور ایک ہیں حبیب بن زید رضی اللہ عنہ،وہ اور ہیں۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت تھی یمامہ کا مقام تھا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کمانڈر تھے۔مسیلمہ کذاب کے مقابلے میں لڑائی تھی تین دنوں میں سات سو حافظ قرآن شہید ہوئے اور جو حافظ نہیں تھے ان کی تعداد چودہ سو(۱۴۰۰)تھی۔یہ سب حضرات ختم نبوت کی خاطر شہید ہوئے۔کچھ مسلمان قید ہو گئے۔ان میں حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔بڑے خوب صورت نوجوان تھے۔

قیدیوں کو مسیلمہ کذاب کے سامنے پیش کیا گیا مسیلمہ کذاب نے ان سے پوچھا تم کون ہو اور کیوں لڑنے کے لیے آئے ہو؟ ہمارے خلاف کیوں لڑنے کے لیے آئے ہو؟ فرمایا تو نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔مسیلمہ کذاب نے کہا کہ میں کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہوں اور اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا بھی قائل ہوں مگر میں یہ کہتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجھے نبوت ملی ہے۔فرمایا میں تیری یہ بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔مسیلمہ نے کہا پہلی سن لی ہے اور یہ نہیں سنتا۔فرمایا پہلی ایمان کا حصہ تھی اس لیے سن لی یہ نہیں سنتا۔مسیلمہ نے کہا اُقَطِّعُكَ اَرْبًا اَرْبًا اگر تم یہ نہیں مانو گے تو میں تیرا ایک ایک جوڑا الگ کر دوں گا۔فرمانے لگے اَنْتَ وَ ذَاكَ جو تیرے دل میں آتا ہے کر۔یہاں سے ان کا ہاتھ کاٹا،یہاں سے کاٹا،یہاں سے کاٹا(حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بازو اور پاؤں کی طرف اشارہ کر کے سمجھایا۔)پھر ٹانگ یہاں سے کاٹی،یہاں سے کاٹی،یہاں سے کاٹی۔بالآخر سینے میں برچھا مار کر شہید کر دیا مگر انھوں نے کفر نہیں اختیار کیا۔

عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کی عزیمت

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ رومیوں کے مقابلے میں لڑتے ہوئے گرفتار ہو گئے۔بڑے صحت مند،خوبصورت،فصیح اللسان تھے۔ان کو ہرقل روم کے سامنے پیش کیا گیا اور قیدیوں کے ساتھ دیکھا بڑا خوب صورت صحت مند جوان ہے اور گفتگو بڑی معقول کرتا ہے۔ہرقل روم نے کہا: اُشْرِكُكَ فِيْ مُلْكِيْ وَ اُزَوِّجُكَ اِبْنَتِيْ "تو عیسائی بن جا میں تجھے حکومت میں بڑا عہدہ دوں گا اور اپنی لڑکی کا تجھے رشتہ دوں گا۔" کتنی بڑی پیش کش ہے۔اس وقت دو ہی حکومتیں ہوتی تھیں ایک کسریٰ کی جو آتش پرست تھا دوسری رومیوں کی۔فرمایا یہ بات دوبارہ کہو اس نے وہ الفاظ دہرائے اور عجیب بات یہ ہے کہ قیدی ہیں اور نہیں

مانتے۔ کڑاہ کے اندر تیل ڈال کر گرم کیا گیا جو مسلمان کلمہ نہیں چھوڑتا تھا اس کو اس میں ڈال کر قتل دیتے تھے۔ جب حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کی باری آئی تو رونے لگے۔ ہرقل روم نے کہا کیا بات ہے کیوں روتے ہو؟ فرمایا اس لیے روتا ہوں کہ میری ایک جان ہے اور رب تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں کاش کہ میرے بدن پر جتنے بال ہیں اتنی جانیں ہوتیں اور میں ایک ایک کر کے قربان کر دیتا۔

آگے روایات مختلف ہیں۔ ایک یہ ہے کہ ان کو بھی کڑاہ میں ڈال کر قتل دیا گیا جان دے دی مگر کلمہ کفر نہیں کہا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ بادشاہ نے کہا کہ میرے ماتھے کو بوسا دے دے تو تجھے چھوڑ دیتا ہوں۔ فرمایا نہیں! بلکہ جو میرے ساتھی بچ گئے ہیں ان کو بھی رہا کر تو بوسا دے دیتا ہوں۔ اس نے یہ مطالبہ مان لیا انھوں نے اس کے ماتھے کو بوسا دیا اور ساتھی رہا کرا کے واپس لے آئے۔

تو اگر مجبور ہو کر کوئی کلمہ کفر کہے تو اجازت ہے جب کہ دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو اور اگر ڈٹ جائے گا تو عزیمت ہے۔ فرمایا ﴿وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا﴾ اور لیکن وہ شخص جس نے کھولا کفر کے لیے سینہ ﴿فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ پس ان پر رب کا غضب ہوگا ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ اور ان کے لیے بڑا عذاب ہوگا۔ کیوں؟ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے پسند کیا دنیا کی زندگی کو ﴿عَلَى الْاٰخِرَةِ﴾ آخرت پر ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کافر قوم کو جبراً۔ ہدایت اس کو ملے گی جو اس کی طرف رجوع کرے گا ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ﴾ یہی وہ لوگ ہیں کافر ﴿طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ﴿وَسَمْعِهِمْ﴾ اور ان کے کانوں پر ﴿وَاَبْصَارِهِمْ﴾ اور ان کی آنکھوں پر ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ اور یہی لوگ غافل ہیں رب تعالیٰ سے ﴿لَا جَرَمَ﴾ ضرور بالضرور ﴿اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ﴾ بے شک یہی لوگ آخرت میں ﴿هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ گھاٹا اٹھانے والے ہیں۔ دنیا کی زندگی تو آخرت کے مقابلے میں ایک خواب کی حیثیت بھی نہیں رکھتی اور وہ نہ ختم ہونے والی زندگی ہے اس کو سوچ کر ہمارے دماغ خراب ہو جائیں۔ اقبال مرحوم نے کہا ہے: ؎

تیرے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا
یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی

﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ﴾ پھر بے شک آپ کا رب ﴿لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا﴾ ان لوگوں کے لیے جنھوں نے ہجرت کی رب تعالیٰ کی رضا کے لیے ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا﴾ بعد اس کے کہ ان کو فتنے میں مبتلا کیا گیا ﴿ثُمَّ جٰهَدُوْا﴾ پھر انھوں نے جہاد کیا ﴿وَصَبَرُوْٓا﴾ اور صبر کیا تکالیف پر ﴿اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا﴾ بے شک آپ کا رب ان کاموں کے بعد ﴿لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ البتہ بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ بندے کی نجات کے اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں۔

﴿ یَوْمَ ﴾ اس دن ﴿ تَاْتِیْ ﴾ آئے گا ﴿ كُلُّ نَفْسٍ ﴾ ہر نفس ﴿ تُجَادِلُ ﴾ جھگڑا کرے گا ﴿ عَنْ نَّفْسِهَا ﴾ اپنے نفس کی طرف سے ﴿ وَتُوَفّٰى ﴾ اور پورا پورا دیا جائے گا ﴿ كُلُّ نَفْسٍ ﴾ ہر نفس کو ﴿ مَّا عَمِلَتْ ﴾ جو اس نے کیا ہے ﴿ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے مثال بیان کی ہے ﴿ قَرْيَةً ﴾ ایک بستی کی ﴿ كَانَتْ اٰمِنَةً ﴾ جو امن والی تھی ﴿ مُّطْمَئِنَّةً ﴾ اطمینان والی تھی ﴿ يَّاْتِيْهَا ﴾ آتا تھا اس بستی میں ﴿ رِزْقُهَا ﴾ اس کا رزق ﴿ رَغَدًا ﴾ کشادہ ﴿ مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ ﴾ ہر طرف سے ﴿ فَكَفَرَتْ ﴾ پس اس بستی والوں نے کفر کیا ﴿ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ﴿ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ ﴾ پس چکھایا اس کو اللہ تعالیٰ نے ﴿ لِبَاسَ الْجُوْعِ ﴾ بھوک کا لباس ﴿ وَالْخَوْفِ ﴾ اور خوف کا ﴿ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴾ بہ سبب اس کارروائی کے جو وہ کرتے تھے ﴿ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ ﴾ اور البتہ تحقیق آیا ان کے پاس رسول ﴿ مِّنْهُمْ ﴾ ان میں سے ﴿ فَكَذَّبُوْهُ ﴾ پس انھوں نے جھٹلایا اس کو ﴿ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ﴾ پس پکڑا ان کو عذاب نے ﴿ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴾ اور وہ ظالم تھے ﴿ فَكُلُوْا ﴾ پس کھاؤ تم ﴿ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ﴾ اس چیز سے جو اللہ نے تمھیں رزق دیا ہے ﴿ حَلٰلًا طَيِّبًا ﴾ حلال پاکیزہ ﴿ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ ﴾ اور شکر ادا کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا ﴿ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴾ اگر ہو تم خاص اسی کی عبادت کرتے ﴿ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ ﴾ پختہ بات ہے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے تم پر مردار کو ﴿ وَالدَّمَ ﴾ اور خون ﴿ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ ﴾ اور خنزیر کا گوشت ﴿ وَمَآ اُهِلَّ ﴾ اور وہ جو نامزد کیا گیا ہو ﴿ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ﴾ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے نام پر ﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ ﴾ پس جو شخص مجبور کیا گیا ﴿ غَيْرَ بَاغٍ ﴾ وہ لذت تلاش کرنے والا نہیں ﴿ وَّلَا عَادٍ ﴾ اور نہ تجاوز کرنے والا ہے ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ ﴿ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ بخشنے والا مہربان ہے۔

ماقبل سے ربط اور ذکرِ آخرت

پیچھے ذکر تھا ﴿ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ ضرور بالضرور پختہ بات ہے وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والے ہیں۔ آگے اسی آخرت کے دن کا ذکر ہے۔ فرمایا ﴿ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ ﴾ جس دن آئے گا ہر نفس ﴿ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا ﴾ جھگڑا کرے گا دفاع کرے گا اپنے نفس کی طرف سے۔ قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت قائم ہوگی ساری کائنات اکٹھی ہو گی کسی کو کسی کی فکر نہیں ہوگی صرف اپنی جان کی فکر ہوگی ﴿ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝ ﴾ [عبس: پارہ ۳۰] "جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے۔" کہ یہ کہیں مجھ سے نیکی نہ مانگ لیں۔

تفسیروں میں آتا ہے کہ ایک بندے کی ایک نیکی کم ہوگی یوں سمجھو کہ پچاس اس کی نیکیاں اور پچاس برائیاں ہوں گی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ ایک نیکی تلاش کر کے لاؤ تاکہ نیکیوں کا پلہ بھاری ہو جائے۔ پہلے تو یہ آدمی بڑا خوش ہوگا کہ ایک نیکی کا کیا ہے میں ابھی لے آتا ہوں۔ اپنے لنگوٹیے یاروں کے پاس جائے گا جن کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا تھا، کھاتا پیتا تھا، گپیں مارتا تھا کہ بھئی! مجھے ایک نیکی دے دو میرا بیڑا پار ہو جائے گا۔ ہر ایک کہے گا اِلَيْكَ عَنِّیْ پیچھے ہٹ! میں تجھے ایک نیکی دینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ پھر اپنے بھائی کے پاس جائے گا، اپنے باپ کے پاس جائے گا، عزیز رشتہ داروں کے پاس جائے گا سب یہی جواب دیں گے آخر میں اپنی والدہ کے پاس جائے گا ماں سے کہے گا اَتَعْرِفِيْنِیْ کیا تو مجھے پہچانتی ہے میں کون ہوں؟ کہے گی ہاں! میں نے تجھے پیٹ میں اُٹھایا پھر تجھے جنا پھر دودھ پلایا۔ کہے گا ماں مجھے ایک نیکی کی ضرورت ہے۔ ماں کہے گی میرے سے دور ہو جا تجھے نیکی دے کر میں کہاں جاؤں گی مجھے خود ضرورت ہے۔ غرض یہ کہ وہاں کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔

جس دن دفاع کرے گا ہر نفس اپنی جان سے ﴿وَتُوَفّٰی كُلُّ نَفْسٍ﴾ اور پورا پورا دیا جائے گا ہر نفس کو ﴿مَّا عَمِلَتْ﴾ جو اس نے کیا ہر نیکی بدی کا صلہ ملے گا ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا نیکیوں میں کمی نہیں کی جائے گی اور برائی نہیں کی اور اس کے نامہ اعمال میں درج کر دی جائے ایسا نہیں ہوگا۔

قریہ مطمئنہ

آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا﴾ اور بیان کی ہے اللہ تعالیٰ نے مثال ﴿قَرْيَةً﴾ ایک بستی کی ﴿كَانَتْ اٰمِنَةً﴾ وہ بستی امن والی تھی ﴿مُّطْمَئِنَّةً﴾ اطمینان والی تھی ﴿يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا﴾ آتا تھا اس بستی میں اس کا رزق کشادہ ﴿مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ﴾ ہر طرف سے ﴿فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ﴾ پس بستی والوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی ﴿فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ﴾ پس چکھایا اس کو اللہ تعالیٰ نے بھوک کا لباس اور خوف کا ﴿بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ بہ سبب اس کارروائی کے جو وہ کرتے تھے۔

قریہ کا مصداق

یہ بستی کون سی ہے؟ اس کے متعلق بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ کوئی خاص بستی نہیں ہے بلکہ دنیا میں بہت سی بستیاں ایسی ہوئی ہیں جو آیت کریمہ کا مصداق بنتی ہیں اور اکثر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ حرم کعبہ ہونے کی وجہ سے وہ بڑے امن کی جگہ ہے۔ حرم سے باہر چوریاں ہوتی تھیں، ڈاکے پڑتے تھے، قتل ہوتے تھے کسی کی جان محفوظ نہیں تھی کوئی رات کو اطمینان کے ساتھ نہیں سو سکتا تھا جیسے: ہمارے ملکی حالات ہیں اور حرم والے بڑے مزے سے سوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ جہاں کچھ نہیں ہوتا، نہ پھل، نہ فصلیں، کوئی پیداوار نہیں ہوتی وہاں ہر طرف سے وافر مقدار میں رزق آتا ہے اور ہر چیز اتنی وافر مقدار میں پہنچتی ہے کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔ اس دفعہ حج پر تقریباً اٹھائیس (۲۸) لاکھ بندے تھے۔

ان سے پوچھ گیا کہ تمھیں کھانے پینے میں دشواری ہوئی ہو؟ کہنے لگے اتنی وافر مقدار میں چیزیں تھیں کہ کوئی حساب ہی نہیں ہے۔ یہاں ہم ایک آم لینا چاہیں مل جائے گا، ایک کنو، مالٹا مل جائے گا لیکن وہاں کلو کے حساب سے دیتے ہیں کم دینے کے لیے کوئی تیار نہیں ہے اگر کوئی تھوڑی مقدار میں چیز مانگے تو کہتے ہیں یَلّاً دوڑ جاؤ۔ اتنی وافر مقدار میں چیزیں اللہ تعالیٰ نے دی ہیں۔

بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ ﴾ اور البتہ تحقیق آیا ان کے پاس رسول ان میں سے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام پیغمبروں کے امام اور ساری کائنات کے سردار ہیں ﴿ فَكَذَّبُوْهُ ﴾ پس انھوں نے جھٹلایا اس کو۔ ابوجہل اور ابولہب نے باری مقرر کی ہوئی تھی کہ آج تو نے اس کی تقریر کی تردید کرنی ہے اور کل میں نے کرنی ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے تو بڑے شریفانہ انداز میں بیٹھے رہتے جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ ختم ہو جاتا تو کھڑے ہو کر تردید کر دیتے۔ مثلاً: ابولہب کھڑے ہو کر کہتا: اَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو! میرا نام عبد العزیٰ ابن عبد المطلب ہے اور ابولہب میری کنیت ہے یہ میرا بھتیجا ہے صَابِیٌٔ كَذَّابٌ یہ صابی اور جھوٹا ہے۔ جس طرح آج کل حق والوں کو وہابی کہتے ہیں اس وقت صابی کہتے تھے۔ تو کہتا یہ صابی ہے، جھوٹا ہے اس کے پھندے میں نہ آنا اسی طرح کسی مقام پر ابوجہل کھڑا ہو جاتا اور صاف لفظوں میں کہتا کہ یہ جھوٹا ہے اس کے پھندے میں نہ آنا۔ تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی تکذیب کی صاف لفظوں میں۔ کبھی کہتے سٰحِرٌ كَذَّابٌ معاذ اللہ تعالیٰ! یہ جادوگر ہے اور بڑا جھوٹا ہے، کبھی کہتے مجنوں ہے، کبھی کہتے مفتری ہے خود بنا کر لاتا ہے، جو منہ میں آتا کہتے۔ ﴿ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ﴾ پس پکڑا ان کو عذاب نے۔

بخاری شریف وغیرہ کتب میں روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باتوں سے کافی پریشان ہوئے تو عرض کیا اے پروردگار! ان پر ایسے سال مسلط کر جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط سالی کے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مکے والوں پر قحط سالی مسلط فرمائی بارشیں رک گئیں، اناج ختم ہو گیا حَتّٰى اَكَلُوا الْجُلُوْدَ وَ الْعِظَامَ وَ الْمَيْتَةَ "یہاں تک کہ انھوں نے چمڑے کھائے، ہڈیاں کھائیں اور مردار جانور کھائے۔" ہڈیاں پیس کر کھاتے تھے، چمڑے پانی میں بھگو کر نرم کر کے بھون کر کھاتے تھے اُٹھتے تھے تو آنکھوں کے آگے اندھیرا ہوتا تھا بھوک کی وجہ سے گر پڑتے تھے۔ ابوسفیان اس وقت کافر تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری قوم بھوک میں مبتلا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ان پر رحمت نازل فرمائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چچا جان! حق کا ساتھ دیں کلمہ پڑھ لیں اور کفر کا ساتھ چھوڑ دیں پھر دیکھو کیسے رب کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ کہنے لگا نہ نہ یہ بات نہ کریں ویسے ہی دعا کر دیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قحط کے سات سال مسلط فرمائے اسی کا ذکر ہے کہ پکڑا ان کو عذاب نے ﴿ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴾ اور وہ ظالم تھے۔ یہ بھوک کا لباس تھا پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ پہنچایا اور مسلمانوں میں کچھ قوت آگئی اور بدر کی

لڑائی ہوئی اس کے بعد پھر کافر مسلمانوں سے ڈرتے رہتے تھے کہ مسلمان ہم پر حملہ کردیں گے تو خوف بھی ان پر مسلط کیا کیوں کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کو جھٹلایا پھر سات سال کے بعد ان کی مصیبت ٹلی۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس بستی سے مراد مدینہ طیبہ ہے۔ مدینہ طیبہ میں بڑا سکھ چین تھا آرام تھا زرخیز علاقہ تھا فصلیں اور کھجوریں ہوتی تھیں بڑا کچھ ہوتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب شہید کیا گیا تو اس کے کافی عرصہ کے بعد تک مدینے والوں کو پھر سکھ نصیب نہیں ہوا۔ اور طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہوئے تھے کیوں کہ مظلوم کو شہید کیا تھا۔ سب تفسیریں صحیح ہیں۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ پس کھاؤ تم اس چیز سے جو اللہ نے تمھیں رزق دیا ہے ﴿حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ حلال پاکیزہ۔ حلال کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے اس کے استعمال کی اجازت دی ہے جیسے، اُونٹ، بکری، مرغی، گائے، بھینس وغیرہ اور طیب کا مطلب یہ ہے کہ غیر کا حق اس کے ساتھ متعلق نہ ہو۔ مثلاً: بکری حلال ہے لیکن اگر چوری کر کے لائے گا چھین کے لائے گا اور ذبح کرے گا تو طیب نہیں ہوگی، مرغی چوری کر کے ذبح کرے طیب نہیں ہے، گندم حلال ہے مگر چوری کی ہوگی تو طیب نہیں ہے۔ تو کھانے کے لیے دو قیدیں ہیں ایک حلال ہونا دوسرا طیب ہونا۔ کسی کے حق میں تصرف کرنا بڑا سخت جرم ہے۔ ﴿وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو ﴿اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ اگر ہو تم خاص اسی کی عبادت کرتے۔ اور سورۃ مومن آیت نمبر ۵۱ میں ہے "اے رسولو! کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے اور عمل کرو نیک۔" حلال چیز سے رکنا بغیر کسی شرعی عذر کے اچھی بات نہیں ہے۔ ہاں! اگر کوئی بیمار ہے اس کو کوئی چیز ہضم نہیں ہوتی تو وہ بات علیحدہ ہے۔ بغیر کسی عذر کے حلال چیزوں کو چھوڑنا کوئی نیکی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو کہ نماز پڑھو کیوں کہ اس میں تمام اعضاء رب تعالیٰ کے سامنے جھکتے ہیں۔

محرمات کا ذکر :

آگے اللہ تعالیٰ نے بعض حرام چیزوں کا ذکر فرمایا ہے ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ﴾ پختہ بات ہے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے تم پر مردار کو۔ جو جانور شرعی طریقے سے ذبح نہیں کیا گیا وہ حرام ہے چاہے گائے ہے، بکری ہے، بیل ہے البتہ اس کا چمڑا اُتارنے کی اجازت ہے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ لوگ ایک موٹی تازی بکری جو مردار ہوگئی تھی کو کھینچ کر لے جا رہے تھے دور پھینکنے کے لیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: هَلَّا اَخَذْتُمْ اِهَابَهَا تم نے اس کی کھال کیوں نہیں اُتاری؟ کہنے لگے حضرت! مردار ہے فرمایا یہ تو نظر آ رہی ہے لیکن اس کی کھال اُتار کر دباغت دے کر فائدہ اُٹھا سکتے ہو۔

﴿وَالدَّمَ﴾ اور خون حرام ہے۔ ذبح کرتے ہوئے جو خون شرّاٹے مار کر نکلتا ہے دم مسفوح، وہ حرام ہے۔ یہ اندرونی طور پر بھی اور بیرونی طور پر بھی کسی طرح بھی استعمال نہیں کیا جا سکتا یہ حرام قطعی ہے۔ ﴿وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ﴾ اور خنزیر کا گوشت بھی

حرام ہے۔ گوشت اس لیے کہا کہ اُوپر کھانے والی چیزوں کا ذکر ہے باقی خنزیر کی کھال، اس کی ہڈیاں، اس کے بال سب حرام ہیں ﴿وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ اور وہ جو نامزد کیا گیا ہو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے نام پر یہ بھی حرام ہے۔ غیر اللہ کے تقرب کی نیت سے نامزد کیا گیا ہو۔ مثلاً: جانور فلاں کے نامزد کرتا ہوں میرے کاروبار میں برکت ہوگی نہ دیا تو نقصان ہوگا یہ نیت تقرب ہے اس نیت کے ساتھ کوئی شخص جانور کو تکبیر پڑھ کر بھی ذبح کرے تو حلال نہیں ہوگا۔

تکبیر کا مسئلہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی اور فتاویٰ عزیزی میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی تکبیر پڑھ کے کتے کو ذبح کرے تو کتا حلال نہیں ہوگا کوئی شخص خنزیر کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو خنزیر حلال نہیں ہوگا یہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر تقرب کی نیت سے نامزد ہوا ہے حرام ہو گیا ہے بسم اللہ اللہ اکبر! کہنے سے بھی حلال نہیں ہوگا اور صرف جانور ہی کی بات نہیں ہے فرماتے ہیں کہ "جملہ ماکولات ومشروبات وملبوسات ہمیں حکم دارند۔" تمام کھانے، پینے اور پہننے کی چیزیں یہی حکم رکھتی ہیں۔

آج عموماً جاہل قسم کے لوگ قبروں پر دیگیں پکاتے اور چڑھاوا چڑھاتے ہیں اور بکرے وقف کرتے ہیں یہ سب حرام کی مد ہیں ایصال ثواب کی مد علیحدہ ہے۔ وہ اس طرح کہ تم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کوئی چیز دو اور اس کا ثواب کسی بزرگ کو پہنچاؤ یہ ٹھیک ہے۔ اور یہ بات بھی غور سے سمجھ لیں کہ ایک ہے ولیمے کا بکرا، عقیقے کا بکرا، قربانی کا بکرا، یہ شریعت کا حکم ہے اور یہ سارے جاتے اللہ تعالیٰ کے نام پر ہیں یا کسی شخص کی ملک ہو تو کہا جاتا ہے یہ زید کا بکرا ہے، یہ عمرو کا بیل ہے، یہ فلانے کی گائے ہے، یہ جائز ہے۔ اگرچہ حقیقی مالک تو رب ہے لیکن عالم اسباب میں بندے بھی مالک ہوتے ہیں تو یہ مِلک کی نسبت کرنا صحیح ہے اور غیر اللہ کے تقرب کی نیت سے نامزد کرنا حرام ہے۔

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ﴾ پس جو شخص مجبور کیا گیا ﴿غَیْرَ بَاغٍ﴾ وہ لذت تلاش کرنے والا نہیں ہے ﴿وَّ لَا عَادٍ﴾ اور نہ تجاوز کرنے والا ضرورت سے۔ مثلاً: کسی آدمی کو بھوک کی وجہ سے جان کا خطرہ ہے اور مردار اور خنزیر کے علاوہ کوئی چیز وہاں نہیں ہے اگر نہیں کھاتا تو جان خطرے میں ہے تو اس کو اتنا مردار اور خنزیر کھانے کی اجازت ہے کہ جتنا کھا کر جان بچا سکتا ہے اگر زیادہ کھائے گا تو جائز نہیں ہے۔ ایک آدمی ایسی پیاس میں مبتلا ہے اگر کچھ نہیں پیتا تو جان خطرے میں ہے اور اس کے پاس شراب کے سوا کوئی چیز نہیں تو اس کے لیے اتنی شراب پینا ضروری ہے کہ جس سے جان بچ جائے حالاں کہ شراب قطعی حرام ہے۔ اگر ایسے موقع پر خنزیر نہیں کھائے گا اور شراب نہیں پیے گا تو گنہگار موت مرے گا۔ کیوں کہ رب نے اجازت دی ہے اس سے فائدہ کیوں نہیں اُٹھاتا لیکن کھائے ضرورت کے مطابق۔ لذت تلاش کرنے والا بھی نہ ہو اور ضرورت سے زیادہ بھی نہ کھائے۔ اگر ایک چھٹانک کھانے سے جان بچتی ہے تو چھٹانک ہی، سیر نہیں کھا سکتا ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا﴾ اور نہ کہو تم ﴿لِمَا﴾ اس چیز کے بارے میں ﴿تَصِفُ اَلْسِنَتُکُمُ﴾ بیان کرتی ہیں تمھاری زبانیں ﴿الْکَذِبَ﴾ جھوٹ ﴿ھٰذَا حَلٰلٌ﴾ یہ حلال ہے ﴿وَّ ھٰذَا حَرَامٌ﴾ اور یہ حرام ہے ﴿لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰہِ﴾ تاکہ باندھو تم اللہ تعالیٰ پر افترا ﴿الْکَذِبَ﴾ جھوٹ کا ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰہِ﴾ جو افترا باندھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر ﴿الْکَذِبَ﴾ جھوٹ کا ﴿لَا یُفْلِحُوْنَ﴾ وہ فلاح نہیں پائیں گے ﴿مَتَاعٌ قَلِیْلٌ﴾ فائدہ ہے تھوڑا سا ﴿وَّ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ اور ان کے لیے عذاب ہے درد ناک ﴿وَعَلَى الَّذِیْنَ﴾ اور ان لوگوں پر ﴿ھَادُوْا﴾ جو یہودی ہیں ﴿حَرَّمْنَا﴾ ہم نے حرام کیں ﴿مَا قَصَصْنَا عَلَیْکَ﴾ وہ چیزیں جو ہم نے بیان کی ہیں آپ پر ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿وَمَا ظَلَمْنٰھُمْ﴾ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا ﴿وَلٰکِنْ کَانُوْا﴾ اور لیکن تھے وہ ﴿اَنْفُسَھُمْ﴾ اپنی جانوں پر ﴿یَظْلِمُوْنَ﴾ ظلم کرتے ﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ﴾ پھر بے شک آپ کا رب ﴿لِلَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے ﴿عَمِلُوا السُّوْٓءَ﴾ جنھوں نے عمل کیے بُرے ﴿بِجَھَالَۃٍ﴾ جہالت کی وجہ سے ﴿ثُمَّ تَابُوْا﴾ پھر توبہ کی ﴿مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ﴾ اس کے بعد ﴿وَاَصْلَحُوْٓا﴾ اور اصلاح کی ﴿اِنَّ رَبَّکَ﴾ بے شک آپ کا رب ﴿مِنْ بَعْدِھَا﴾ اس کے بعد ﴿لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ البتہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حلال وحرام کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

کسی چیز کو حلال کرنا اور حرام کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی بھی کسی شی کو از خود نہ حلال کر سکتا ہے اور نہ حرام کر سکتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "حُجَّۃُ اللّٰہِ الْبَالِغَہ" میں فرماتے ہیں کہ حلال کرنا اور حرام کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں ہے لیکن حلال وحرام کرنے کا اختیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں تھا۔

یہ بات تم کئی دفعہ سن چکے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خانگی معاملات درست رکھنے کے لیے صرف اپنی ذات کے لیے شہد حرام کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ کو یہ بات گوارا نہ ہوئی اور پوری سورت تحریم نازل فرمائی ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ﴾ "اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کیوں حرام قرار دیتے ہیں اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال ٹھہرائی ہے اپنی بیویوں کی رضا چاہتے ہوئے۔ آگے فرمایا ﴿قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ﴾ تحقیق اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے فرض کیا ہے تمھاری قسموں کا توڑنا۔" اب ظاہر بات ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی صرف اپنی ذات کے لیے شہد کو حرام نہیں کر سکتی تو اور کون ہے جس کو حلال وحرام کا اختیار حاصل ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی لڑکی کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا ہے تو

آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ میں نے ایسی خبر سنی ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟ کہنے لگے حضرت! جیسے آپ نے سنی ہے ایسے ہی ہے۔ بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت میں ہے فرمایا سن لو: لَسْتُ اُحِلُّ حَرَامًا وَلَا اُحَرِّمُ حَلَالًا "میں نہ کسی حرام کو حلال کر سکتا ہوں اور نہ حلال کو حرام کر سکتا ہوں۔" اس کا رشتہ تیرے لیے حلال ہے میں نہیں کہتا کہ حرام ہے لیکن باپ ہونے کی حیثیت سے میں سمجھتا ہوں کہ میری بیٹی کا مزاج اور ہے اور ابوجہل کے خاندان کا مزاج اور ہے لہٰذا دونوں کا گزارا نہیں ہو سکتا اس لیے اگر تم اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے ہو تو میری بیٹی کو طلاق دے دو۔

جس طرح آج کل کھانے کے ساتھ پیاز، مولی، گاجر وغیرہ کا سلاد رکھتے ہیں اس زمانے میں عموماً لہسن رکھا جاتا تھا۔ ڈاکٹر حضرات کہتے ہیں کہ دل کی بیماریوں کے لیے لہسن بہت مفید چیز ہے۔ ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی خاصیت رکھی ہے۔ تو ایک دفعہ کچا لہسن کھانے میں سلاد کے طور پر رکھا گیا آپ ﷺ نے باقی چیزیں کھائیں مگر لہسن نہ کھایا۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ حضرت! یہ حرام ہے فرمایا: لَسْتُ اُحَرِّمُ حَلَالًا حلال چیز کو حرام کرنا میرا کام نہیں ہے۔ لہسن حلال ہے لیکن میں نے اس لیے نہیں کھایا کہ اس سے بدبو آتی ہے فَاِنِّیْ اُنَاجِیْ مَنْ لَّمْ تُنَاجِیْ میں ان کے ساتھ گفتگو کرتا ہوں جن کے ساتھ تم نہیں کرتے۔ مطلب یہ ہے کہ میں فرشتوں کے ساتھ گفتگو کرتا ہوں اور فرشتوں کو بدبو سے سخت نفرت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ نہ کوئی کسی چیز کو حلال کر سکتا ہے اور نہ حرام کر سکتا ہے اسی کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا﴾ اور نہ کہو تم ﴿لِمَا﴾ اس چیز کے بارے میں ﴿تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ﴾ بیان کرتی ہیں تمھاری زبانیں جھوٹ۔ کیا نہ کہو ﴿هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ﴾ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ یہ تمھارا کام نہیں ہے ﴿لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ تاکہ باندھو تم اللہ تعالیٰ پر افترا جھوٹ کا۔ حلال حرام ٹھہرانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے تم از خود کسی چیز کو حلال حرام نہیں کہہ سکتے۔ یہ صفت اور خوبی رب نے تمھیں نہیں دی۔ اسی چیز کو حلال کہو جو رب نے حلال کی ہے اور اسی چیز کو حرام کہو جو رب نے حرام کی ہے۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ بے شک وہ لوگ جو افترا باندھتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿لَا يُفْلِحُوْنَ﴾ وہ فلاح نہیں پائیں گے ﴿مَتَاعٌ قَلِيْلٌ﴾ فائدہ ہے تھوڑا سا۔ کتنا عرصہ دنیا میں رہیں گے دس سال، بیس سال، تیس سال، پچاس سال، سو سال، پھر ﴿وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک۔

یہود کی وجہ تسمیہ

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ اور ان لوگوں پر جو یہودی ہیں۔ یہودیوں کو یہودی کیوں کہتے ہیں؟ اس کے متعلق مفسرین کرام رحمہم اللہ نے مختلف باتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ ان کے بڑوں نے جب غلطی کی کہ چند دن بچھڑے کی پوجا کی تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی۔ اس موقع پر انھوں نے کہا ﴿اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ﴾ [اعراف: ۱۵۶] "ہم نے رجوع کیا ہے تیری طرف۔" ہم سے غلطی ہوئی ہے۔ تو انھوں نے توبہ میں هُدْنَا کا لفظ کہا تو اس سے ان کو یہودی کہا گیا یعنی وہ فرقہ جو

رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔اور یہ بات بھی فرمائی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام یہودا تھا تو اس کی طرف نسبت کی وجہ سے ان کو یہودی کہا جاتا ہے۔اور یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ تَهَوَّدَ کا معنیٰ ہے حرکت کرنا، یہ تورات پڑھتے ہوئے حرکت کرتے تھے یعنی ہلتے تھے جس طرح قرآن کریم پڑھتے ہوئے بچے ہلتے ہیں تو اس وجہ سے ان کو یہودی کہا جاتا ہے۔

تمام آسمانی کتابوں میں قرآن کریم کے بعد تورات کا بہت بلند مقام ہے مگر اس وقت آسمانی کتابوں میں قرآن کریم کے علاوہ کوئی آسمانی کتاب اپنی اصل شکل میں موجود نہیں ہے تحریفات ہو چکی ہیں۔خود پادری صاحبان کو اقرار ہے کہ ہماری کتابوں میں تحریفات ہو چکی ہیں۔میں نے اپنی کتاب "عیسائیت کا پس منظر" میں بہت سے حوالے دیئے ہیں۔

یہود پر حرام کردہ اشیاء

تو فرمایا ان لوگوں پر جو یہودی ہیں ﴿حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ﴾ حرام کیں ہم نے وہ چیزیں جو ہم نے بیان کیں آپ پر ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے۔یہودیوں پر اللہ تعالیٰ نے کیا حرام کیا تھا۔اس کا ذکر سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۴۶ میں ہے ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا﴾ "اور ان لوگوں پر جو یہودی تھے حرام کر دیا ہم نے ﴿كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ﴾ ہر ناخن والا جانور جس کے ناخن پھٹے ہوئے نہیں تھے جیسے: اُونٹ، شتر مرغ، بطخ ﴿وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ﴾ اور گائے اور بھیڑوں میں سے حرام کر دی ہم نے ان پر ﴿شُحُوْمَهُمَآ﴾ ان کی چربی یعنی گائے حلال ہے مگر اس کی چربی حرام ہے، بھیڑ بکری حلال ہے مگر اس کی چربی حرام ہے ﴿اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ﴾ مگر وہ جو لگی ہوئی ہو ان کی پشتوں کے ساتھ وہ حلال تھی ﴿اَوِ الْحَوَايَآ﴾ یا آنتوں کے ساتھ لگی ہوئی ہو وہ بھی حلال تھی ﴿اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ﴾ یا وہ جو ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو وہ بھی حلال ہے۔حرام کون سی تھی؟ چکی کی چربی اور معدے کی جو چربی ہوتی ہے یہ ہم نے حرام قرار دی تھی۔کیوں ﴿ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ﴾ یہ ہم نے ان کو سزا دی ان کی سرکشی کی وجہ سے۔" اس کو تم اس طرح سمجھو کہ ویسے تو چند آدمیوں کا اکٹھا ہونا کوئی جرم نہیں ہے لیکن حکومت کو جب خدشہ ہو کہ یہ کوئی فتنہ کھڑا کر دیں گے تو وہ دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دیتی ہے کہ چند آدمی اکٹھے کھڑے نہیں ہو سکتے تو یہ حکم عارضی طور پر ہوتا ہے۔اسی طرح یہ چیزیں فی نفسہٖ حلال تھیں مگر ان کی سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام کر دیں۔اس کا حوالہ رب تعالیٰ دیتے ہیں۔فرمایا ﴿وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا ﴿وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ اور لیکن تھے وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے۔یہ بڑی باغی قوم تھی۔

یہودیوں کی اسلام دشمنی

اس وقت یہودی بڑی قوت میں ہیں بھارت نے بھی یہود کے ساتھ فوجی معاہدہ کیا ہے اپنے فوجی وہاں بھیجے ہیں ٹریننگ کے لیے اور یہودیوں کے افسر ہندوستان میں آ کر ان کی تربیت کرتے ہیں مسلمانوں کے خلاف لڑنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے۔مسلمانوں کے خلاف جہاں بھی شورش سنتے ہیں وہاں پہنچتے ہیں۔اب چیچنیا اور فلپائن میں مسلمانوں کے خلاف

لڑنے کے لیے پہنچے ہوئے ہیں جہاں کہیں بھی مسلمانوں کے خلاف لڑائی ہو رہی ہوتی ہے وہاں پہنچتے ہیں بہت خبیث قوم ہے۔

آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے ہم مولانا عبد القدیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مشکوٰۃ شریف پڑھتے تھے۔ حضرت یہاں بھی کئی سال آتے رہے ہیں ان کا علاقہ مومن پور چھچھ ہے ان کی خواہش اور وصیت کے مطابق ان کا جنازہ بھی میں نے پڑھایا تھا۔ مشکوٰۃ شریف میں جب یہ حدیث آئی تُقَاتِلُوْنَكُمُ الْيَهُوْدُ مسلمانوں یہودی تمھارے ساتھ لڑیں گے وَتُقَاتِلُوْنَ الْيَهُوْدَ اور تم یہودیوں کے ساتھ لڑو گے تو ہم نے پوچھا حضرت! ہمارے آگے یہودیوں کی کیا پوزیشن ہے کہ وہ ہمارے ساتھ لڑیں گے۔ اُس وقت فلسطین کے علاقے میں تقریباً چھ سات ہزار یہودی تھے اور حدیث بخاری شریف اور مسلم شریف کی ہے کہ یہودی تمھارے ساتھ لڑیں گے اور تم یہودیوں کے ساتھ لڑو گے۔ آج سے ساٹھ سال پہلے یہ بات ہمیں سمجھ نہیں آتی تھی۔ پھر یہودی فلسطین میں اکٹھے ہونے شروع ہوئے اِس وقت فلسطین میں نوے لاکھ یہودی ہے۔ اسرائیل کی آبادی اس وقت نوے لاکھ ہے۔

اور یاد رکھنا! اس میں فلسطینیوں کی اپنی غلطی ہے اور اُنھوں نے بڑی غلطی کی۔ یہودی تاجر قسم کے لوگ ہے پیسے ان کے پاس بڑے ہیں۔ امریکہ، روس کے کارخانے اور تجارت ان کے پنجے میں ہے۔ انھوں نے فلسطین میں آ کر بڑی رقمیں دے کر جگہیں خریدنی چاہیں کہ ہم نے مکان بنانے ہیں۔ اگر جگہ کی قیمت دس ہزار ہے تو ہم تمھیں چالیس ہزار دیتے ہیں فلسطینی لالچ میں آ گئے جب کہ فلسطین کے مفتیوں نے ان کو منع بھی کیا کہ یہ حرکت نہ کرو مگر لالچ بری بلا ہے۔ ان کے آگے زمینیں بیچتے رہے آج وہ ایک قوت بن چکے ہیں۔ پھر تمام کافر حکومتوں نے ان کے ساتھ تعاون کیا۔ امریکہ، افریقہ، برطانیہ، فرانس، ڈنمارک، بیلجیم کے یہودی وہاں اکٹھے ہو گئے اور فلسطینیوں کی تباہی کا سبب بن گئے۔

وعدۂ آخرت

سورت بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۰۴ میں ہے ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا﴾ "پس جب آئے گا آخرت کا وعدہ تو ہم لے آئیں گے تم سب کو سمیٹ کر۔" یعنی جب قیامت کا وعدہ قریب آئے گا تو ہم تم سب کو اکٹھا کر دیں گے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ جب قیامت قریب آئے گی تو رب تعالیٰ ان یہودیوں کو اکٹھا کر دیں گے پھر ان کی تباہی ہوگی۔

تو ہمارے استاذ محترم فرماتے تھے کہ میاں جب چیونٹی کی موت آتی ہے تو اس کو پَر لگ جاتے ہیں ان کی جب موت آئے گی تو ان کو پَر لگ جائیں گے۔ تو اب ان کو پَر لگے ہوئے ہیں۔ بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث ہے کہ مسلمان ان کو ایسی ماریں گے کہ پتھر کے پیچھے یہودی چھپا ہوگا تو پتھر بول کر کہے گا اللہ کے بندے خَلْفِيْ يهودي "میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے۔" اگر درخت کے پیچھے چھپے گا تو درخت بول کر کہے گا کہ میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے۔

مسلم شریف میں آتا ہے اِلَّا الْغَرْقَدَ غرقد ایک جھاڑی ہے وہ نہیں بولے گی اس کا تعلق یہود کے ساتھ ہوگا۔ ان چیزوں کا بھی تعلق ہوتا ہے اور انس ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈال گیا تو یہ چھپکلی دور سے پھونک مار رہی تھی آگ کو تیز کرتی تھی۔ اس کو کوئی پوچھتا کہ تیرے پھونک مارنے سے کیا ہوتا ہے آگ کے شعلے تو پہلے ہی آسمان کے ساتھ لگ رہے ہیں مگر وہ اپنا خبث باطن ظاہر کررہی تھی۔ تو بعض چیزیں کفر کی طرف مائل ہوتی ہیں۔ تو یہود کے ساتھ لڑائی کا وقت قریب آچکا ہے آج شروع ہوئی یا کل، کہ یہود تمھارے ساتھ لڑیں گے اور تم یہود کے ساتھ لڑو گے اور کنز العمال کی حدیث ہے کہ اِدھر وہ قصہ ہوگا اور اُدھر انڈیا کے ساتھ تمھاری لڑائی ہوگی اب یہ سب کڑیاں آپس میں مل رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ﴾ پھر بے شک آپ کا رب ان لوگوں کے لیے ﴿عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ﴾ جنھوں نے عمل کیے بُرے جہالت میں مبتلا ہوکر ﴿ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ پھر توبہ کریں اس کے بعد ﴿وَاَصْلَحُوْٓا﴾ اور اپنی حالت درست کی یعنی صرف زبانی توبہ نہیں کی بلکہ عملی لحاظ سے بھی اصلاح کی ﴿اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا﴾ بے شک آپ کا رب اس توبہ کے بعد ﴿لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ البتہ بخشنے والا مہربان ہے۔

~~~

﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ﴾ بیشک ابراہیم علیہ السلام ﴿كَانَ اُمَّةً﴾ تھے پیشوا ﴿قَانِتًا﴾ فرماں بردار تھے ﴿لِّلّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے ﴿حَنِيْفًا﴾ ایک طرف ہونے والے ﴿وَلَمْ يَكُ﴾ اور وہ نہیں تھے ﴿مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ شرک کرنے والوں میں سے ﴿شَاكِرًا﴾ شکریہ ادا کرنے والے تھے ﴿لِّاَنْعُمِهٖ﴾ رب تعالیٰ کی نعمتوں کا ﴿اِجْتَبٰىهُ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کو چنا ﴿وَهَدٰىهُ﴾ اور ان کی راہنمائی کی ﴿اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ سیدھے راستے کی طرف ﴿وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ اور دی ہم نے ان کو دنیا میں بھلائی ﴿وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ اور بے شک وہ آخرت میں ﴿لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ البتہ نیک لوگوں میں سے تھے ﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ﴾ پھر ہم نے وحی کی آپ کی طرف ﴿اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ﴾ یہ کہ پیروی کر ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی ﴿حَنِيْفًا﴾ جو ایک طرف ہونے والے تھے ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور نہیں تھے وہ شرک کرنے والوں میں سے ﴿اِنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿جُعِلَ السَّبْتُ﴾ مقرر کیا گیا ہفتے کا دن ﴿عَلَى الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں پر ﴿اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾ جنھوں نے اس میں اختلاف کیا ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ﴾ اور بے شک آپ کا رب ﴿لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ﴾ البتہ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن ﴿فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ ان چیزوں میں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔
~~~

یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا ابراہیمی ہونے کا جھوٹا دعویٰ:

حق تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے بڑی شان اور بلند مرتبہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اس جہان میں بھی اور اگلے جہان میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے اور مقام کا کوئی نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے بعد دوسرا نمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے، بڑی شان والے تھے اور بڑی تکالیف برداشت کی ہیں۔ چوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت بڑی قابل قدر اور مسلم شخصیت تھی اس لیے ساری قومیں اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرتی تھیں یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور عیسائیوں کا دعویٰ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام عیسائی تھے۔ صابی ایک فرقہ تھا ان کا باطل خیال یہ تھا کہ وہ ہمارے ہیں اور مشرکین عرب کہتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام بھی ہمارے ہیں اور کعبہ بھی ہمارا ہے ہم ان کی نسل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران آیت نمبر ۶۷ میں ان سب کی تردید فرمائی اور فرمایا ﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ "نہیں تھے ابراہیم علیہ السلام یہودی نہ نصرانی اور لیکن تھے وہ ایک طرف ہو کر رہنے والے اور مسلمان اور نہیں تھے وہ شرک کرنے والوں میں سے۔" اور اس کے متعلق موٹی سی علامت بتلائی۔ فرمایا ﴿وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾ [آل عمران:۶۵] "حالاں کہ نہیں نازل کی گئی توراۃ اور انجیل مگر ان کے بعد۔" یہودیوں کا مذہب تورات تھا اور انجیل پر چلنے والے عیسائی کہلاتے ہیں اور تورات اور انجیل تو ابراہیم علیہ السلام سے بہت بعد نازل ہوئی ہیں۔ تقریباً دو ہزار سال بعد تورات نازل ہوئی ہے اور تقریباً ساڑھے چار ہزار سال بعد انجیل نازل ہوئی ہے تو تورات اور انجیل کا مذہب رکھنے والے تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے تم اپنی کڑی ان کے ساتھ کیسے ملاتے ہو اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے وہ تو موحد تھے تم تین سو ساٹھ بتوں کے پجاری ابراہیمی کیسے بن گئے۔

فرمایا ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ﴾ بے شک ابراہیم علیہ السلام ﴿كَانَ اُمَّةً﴾ تھے پیشوا۔ قرآن پاک میں لفظ اُمت کے تین معانی آئے ہیں۔ ایک معنیٰ گروہ، طائفہ، طبقہ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ﴾ [سورہ آل عمران:۱۱۰] "تم سب سے بہتر اُمت ہو۔" اور اُمت کا معنیٰ وقت بھی آتا ہے۔ سورت یوسف میں ہے ﴿وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ﴾ ایک زمانے کے بعد ان کو یاد آیا اور اُمت کا معنیٰ پیشوا اور مقتدا بھی ہے جس کی لوگ پیروی کرتے ہیں۔ اس معنیٰ کے لحاظ سے معنیٰ بنے گا بے شک ابراہیم علیہ السلام پیشوا تھے اور یہ تفسیر بھی موجود ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو گروہ کہا گیا ہے یعنی اکیلے ابراہیم علیہ السلام نے ایک جماعت اور گروہ کا کام کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ بعض افراد کو یہ خوبی عطا فرماتے ہیں کہ اچھی خاصی جماعت مل جل کر وہ کام نہیں کر سکتی جتنا کام اس اکیلے، اکیلے سے لے لیتا ہے۔

تو ابراہیم علیہ السلام نے پوری اُمت جتنا کام کیا ہے ﴿قَانِتًا لِّلّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار تھے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا ملک چھوڑ دے، ملک چھوڑ دیا، رب تعالیٰ نے فرمایا بیوی بچے کو لے کر جنگل بیابان میں چھوڑ آ جہاں کوئی آدمی نہیں، چھوڑ آئے۔ بچہ جب چلنے پھرنے کے قابل ہوا فرمایا اس کو ذبح کر دو، ذبح کے لیے تیار ہو گئے۔ غرض یہ کہ کسی حکم سے انکار نہیں کیا۔ ﴿حَنِيْفًا﴾

حنیف کا معنیٰ ہے ایک طرف ہونے والا، جوایک طرف ہونے والے تھے سب مذاہب اور ادیان کو ٹھکرا کر۔ پھر اس کا معنیٰ مفسرین موحد کرتے ہیں۔ صرف ایک رب کی توحید کے قائل تھے کسی اور طرف جانے والے نہیں تھے۔ مشرکو! تم بھی سن لو کان کھول کر ﴿وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔ ظالمو! تم نے بیت اللہ کی دیواروں پر تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے ہیں جن میں ابراہیم علیہ السلام کا مجسمہ بھی ہے اور اسماعیل علیہ السلام کا بھی، عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کا بھی، اور بھی بزرگوں کے بت تھے۔ ظالمو! جو گھر انھوں نے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنایا تھا وہاں اوروں کی پوجا ہو رہی ہے اور کڑی تم ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ملاتے ہو کہ ہم ابراہیمی ہیں۔

شکر گزاری اور ناشکری کی مثال

﴿شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ﴾۔ اَنْعُمٌ نِعْمَةٌ کی جمع ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے والے تھے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری کو گوارا نہیں کرتے تھے۔ بخاری وغیرہ میں روایت ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے قبیلہ بنو جُرہُم کی ایک عورت سے نکاح کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام شام کے علاقہ میں رہتے تھے کچھ عرصہ کے بعد ملاقات کے لیے آئے حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر نہیں تھے بہو پہلے نہیں دیکھی تھی پوچھا تمھارا خاوند کہاں ہے؟ بتایا کہ شکار کرنے گئے ہوئے ہیں کبھی ایک دن بعد کبھی دو تین دن بعد آتے ہیں شکار کا گوشت ہم کھاتے ہیں اور زم زم کا پانی پیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا بی بی! تمھاری گھریلو حالت کیسی ہے کس طرح کا گزران ہوتا ہے؟ کہنے لگی: نَحْنُ بِشَرٍّ وَخَيْبَةٍ "ہم تو مر گئے ہمارا تو کچھ بھی نہیں رہا۔" صرف گوشت کھاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں اور کوئی چیز نہیں ملتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ الفاظ سنے تو گوارا نہ کیے کہ پرندوں، خرگوشوں اور ہرنوں کا گوشت کھاتی ہے اور زم زم پیتی ہے اور ہے بھی خوب پہلوان اور رب کی ناشکری کرتی ہے۔ فرمایا جس وقت خاوند آئے تو اس کو کہنا وہ پیغام دے گئے ہیں غَيِّرْ عَتَبَةَ بَابِ "اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دو۔" حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زیادہ دیر ٹھہرنے کی اجازت نہیں تھی واپس چلے گئے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر آئے ملک شام کے تحفے تحائف دیکھے۔ فرمانے لگے یہ کون لایا ہے؟ تو بی بی بولی ایک بابا جی بزرگ آئے تھے یہ ان کا حلیہ تھا اور ٹھہرے نہیں اور زیادہ باتیں بھی نہیں کیں بس اتنی بات ہوئی کہ مجھ سے پوچھا تھا کہ تمھارا کیا حال ہے؟ تو میں نے کہا کہ ہم بڑے بُرے حال میں ہیں۔ تو اس پر انھوں نے کیا کہا؟ انھوں نے فرمایا: غَيِّرْ عَتَبَةَ بَابِ "دروازے کی چوکھٹ بدل دینا۔" فرمایا وہ میرے والد ابراہیم علیہ السلام تھے اور یہ جو تو نے ناشکری کے الفاظ کہے ہیں یہ ان کو پسند نہیں آئے انھوں نے کہا ہے کہ میں تجھے طلاق دے دوں ایسی ناشکری بیوی کو گھر میں رکھنا صحیح نہیں ہے۔

چنانچہ اس کو طلاق دے دی ایک اور عورت کے ساتھ نکاح کیا۔ پھر ایک عرصے کے بعد ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت بھی اسماعیل علیہ السلام گھر پر نہیں تھے۔ بیوی بڑی با اخلاق تھی عزت کے ساتھ بٹھایا کھانے پینے کے

متعلق پوچھا۔ فرمایا مجھے ضرورت نہیں ہے تمھارا گزران کیسا ہے؟ کہنے لگی الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے شکار کا گوشت کھاتے ہیں زم زم کا پانی پیتے ہیں اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ فرمایا جس وقت تمھارا خاوند آئے تو اس کو کہنا: ثَبِّتْ عَتَبَةَ بَابِ "دروازے کی چوکھٹ کو قائم رکھنا۔" ناشکری بڑے گناہوں میں سے ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں نے دوزخ میں زیادہ عورتیں جلتی ہوئی دیکھی ہیں۔ کیوں یَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ ناقدری کرتی ہیں خاوند کی۔ ساری عمر مرضی کے مطابق چیز ملتی رہے اگر ایک آدھ مرتبہ نہ ملے تو کہتی ہے میں نے اس گھر میں کیا دیکھا ہے، یہی لفظ اس کو دوزخ میں لے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو ناشکری پسند نہیں آئی۔ فرمایا طلاق دے دو حالاں کہ طلاق بڑی نامناسب چیز ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: اِنَّ اَبْغَضَ الْمُبَاحَاتِ عِنْدَ اللّٰهِ الطَّلَاقُ "حلال چیزوں میں سے بری چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں طلاق ہے۔"

تو فرمایا ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے ﴿اِجْتَبٰهُ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کو چنا ﴿وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی راہنمائی کی صراط مستقیم کی طرف ﴿وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ اور دی ہم نے ان کو دنیا میں بھلائی۔ ساری قومیں ان کو عقیدت کے ساتھ دیکھتی ہیں، احترام کے ساتھ نام لیتی ہیں اور سب اپنی کڑیاں ان کے ساتھ ملاتے ہیں ﴿وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ اور بے شک وہ آخرت میں البتہ نیک لوگوں میں سے ہیں۔

درجاتِ انبیاء علیہم السلام

اگر آنحضرت ﷺ کے فضائل الگ نہ ہوتے تو ان آیات سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا درجہ سب سے بلند ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا درجہ سب سے بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اور آپ ﷺ کے بعد ابراہیم علیہ السلام کا نمبر ہے اور تیسرے نمبر پر موسیٰ علیہ السلام کا نمبر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ﴾ پھر ہم نے وحی کی آپ کی طرف اے محمد رسول اللہ ﷺ! ﴿اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ﴾ یہ کہ پیروی کر ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی۔ مطلب یہ ہے کہ توحید پر قائم رہیں اور رب تعالیٰ نے جو احکام نازل کیے ہیں ان پر قائم رہیں ﴿حَنِيْفًا﴾ جو ایک طرف ہونے والے تھے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی طرف ان کا دھیان نہ تھا اور اے مشرکو، سن لو! ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور نہیں تھے وہ شرک کرنے والوں میں سے اور تم سر سے پاؤں تک شرک میں مبتلا ہو اور کہتے ہو ہم ابراہیمی ہیں لہٰذا تمھارا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے۔

گستاخی معاف! اس کو ایسے ہی سمجھو جیسے آج کل اہل بدعت اپنے آپ کو حنفی اور سنی کہتے ہیں حالاں کہ معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ بدعات کی تردید جتنی فقہ حنفی میں ہے اتنی اور کسی فقہ میں نہیں ہے اور جتنی رسومات ہندوؤں اور سکھوں کی ہیں وہ ساری ان میں پائی جاتی ہیں یہ سنی حنفی کیسے بن گئے؟ حاشا وکلا! یہ نہ سنی ہیں نہ حنفی ہیں۔ حنفیت ایسی چیزوں کی سختی کے ساتھ تردید کرتی ہے۔ چوں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اس اُمت میں بڑی شخصیت ہے اس لیے یہ اپنی کڑی ان کے ساتھ ملاتے ہیں۔

اسی طرح سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی بڑی شخصیت اور اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے لہٰذا ان کے ساتھ بھی اپنی کڑی ملاتے ہیں حالاں کہ وہ حنبلی مسلک کے تھے،، رفع یدین کرتے تھے آمین بلند آواز سے کہتے تھے اگر آج وہ ان کی مساجد میں آجائیں تو ان کو مار مار کر مسجدوں سے باہر نکال دیں جن کی یہ گیارہویں دیتے ہیں اور وہ آج کل کے غیر مقلدوں کی طرح حنبلی نہیں تھے کہ دوسروں کو مسلمان ہی نہ سمجھتے ہوں۔ حاشا وکلا! اتنا غلو بھی نہیں ہونا چاہیے اختلافی مسائل میں برداشت ہے۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب حق پر ہیں۔ غلو بری شے ہے کہ یہ کہنا صرف میری نماز ہی ہوتی ہے اور کسی کی نہیں ہوتی۔

یہود کی نافرمانی اور اس کی سزا

فرمایا ﴿ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ ﴾۔ سَبْت کا معنی ہفتے کا دن۔ پختہ بات ہے مقرر کیا گیا ہفتے کا دن ﴿ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ﴾ ان لوگوں پر جنھوں نے اس میں اختلاف کیا اکثر نے مچھلیوں کا شکار کیا، رب تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ یہودیوں کے لیے ہفتے کے دن چوبیس گھنٹے یعنی جمعہ کے دن سورج غروب ہونے سے لے کر ہفتے کے دن سورج غروب ہونے تک سوائے عبادت کے ہر کام ناجائز تھا۔ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی ہے لیکن انھوں نے اس میں اختلاف کیا مچھلیوں کا شکار کرنا شروع کر دیا۔ چونکہ بحر قلزم کے کنارے سے بستی ایلہ میں رہتے تھے جس کو یہودی آج کل ایلات کہتے ہیں اور یہ اسرائیل کی بندرگاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ ہفتے والے دن مچھلیاں بالکل پانی کے اُوپر نظر آتی تھیں اور آگے پیچھے نظر نہیں آتی تھیں۔ ان لوگوں نے حیلہ کیا باہر بڑے بڑے حوض بنائے اور سمندر سے نالیاں نکالیں حوضوں میں پانی چھوڑتے مچھلیاں حوضوں میں چلی جاتی پیچھے سے بند کر دیتے اور دوسرے دنوں میں پکڑتے رہتے۔ سورۃ مائدہ آیت نمبر ۶۰ میں ہے ﴿ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ ﴾ "اور بنایا ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر۔" جوانوں کو بندر اور بوڑھوں کو خنزیر کی شکل میں تبدیل کیا یہ تین دن رہے تین دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ سب ختم کر دیئے۔ آج کل جو بندر اور خنزیر ہیں یہ حیوانات کی نسل ہیں اُن کی نسل نہیں رہی تھی۔

یہ اتنی بڑی سزا ان کو ہفتے کے دن کی تعظیم نہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کے نتیجے میں ہوئی۔ ان کے لیے تو یہ حکم چوبیس گھنٹوں کے لیے تھا اور ہمارے لیے تو تقریباً دو گھنٹوں کے لیے یہ حکم ہے۔ جمعہ کی پہلی اذان سے لے کر امام کے سلام پھیرنے تک ہر وہ کام حرام ہے جس کا تعلق جمعہ کے ساتھ نہیں ہے۔ وضو کر سکتے ہو، غسل کر سکتے ہو، کپڑے تبدیل کر سکتے ہو، خوش بو لگا سکتے ہو کیوں کہ یہ تمام جمعہ کے لوازمات ہیں ان کے علاوہ کوئی بھی کام کرو گے تو حرام ہے۔ حتی کہ احکام القرآن وغیرہ کتابوں میں تصریح ہے کہ اذان ہو جانے کے بعد نکاح بھی نہیں ہوتا دوبارہ پڑھانا پڑے گا اگر کسی نے پڑھایا ہے تو۔ حالاں کہ نکاح کے بارے میں آتا ہے کہ نصف دین ہے لیکن جمعہ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

لہٰذا پہلی اذان کے بعد نماز کے اختتام تک کوئی کام کرنا، خریدنا، بیچنا، لکھنا، پڑھنا، سب حرام ہے۔ دکان دار حضرات سمجھ لیں کہ پہلی اذان کے بعد نہ کوئی چیز بیچیں نہ خریدیں۔ یہ حرام کی خوراک ہم پر اثر کرتی ہے۔ ایک لقمہ حرام کا کھا لیا تو حدیث

پاک میں آتا ہے کہ بندہ چالیس دن اور چالیس راتیں دعا کی قبولیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ ہمارا میلان نیکی کی طرف کیوں نہیں ہوتا اس لیے کہ ہماری خوراک حرام ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ کسی مسجد میں اذان جلدی ہو جاتی ہے اور کسی میں دیر سے؟ تو جس مسجد میں تم جمعہ پڑھتے ہو اس کی اذان کا اعتبار ہوگا۔

تو ہمارے لیے تو دو گھنٹوں کی پابندی ہے اور ان کے لیے چوبیس گھنٹوں کی پابندی تھی اور نافرمانی پر اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں یہ سزا دی ﴿وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ﴾ اور بے شک تیرا رب البتہ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن ﴿فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ ان چیزوں میں جن میں یہ اختلاف کرتے تھے۔ دنیا میں تو ان پر عذاب آیا لیکن صحیح فیصلہ قیامت والے دن ہوگا۔ جب دوزخ میں جلیں گے تو پتا چلے گا کہ رب تعالیٰ کی نافرمانی کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔

﴿اُدْعُ﴾ آپ دعوت دیں ﴿اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ﴾ اپنے رب کے راستے کی طرف ﴿بِالْحِكْمَةِ﴾ دانائی کے ساتھ ﴿وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ اور اچھی نصیحت کے ساتھ ﴿وَ جَادِلْهُمْ﴾ اور جھگڑا کریں ان کے ساتھ ﴿بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ ایسے طریقے کے ساتھ جو بہت اچھا ہو ﴿اِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک تیرا رب ﴿هُوَ اَعْلَمُ﴾ وہ خوب جانتا ہے ﴿بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ اس کو جو گمراہ ہوا اس کے راستے سے ﴿وَهُوَ اَعْلَمُ﴾ اور وہ خوب جانتا ہے ﴿بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ ہدایت پانے والوں کو ﴿وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ﴾ اور اگر تم بدلہ لو ﴿فَعَاقِبُوْا﴾ پس بدلہ لو ﴿بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾ اس کے مثل جتنی تمھیں تکلیف پہنچائی گئی ہے ﴿وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ﴾ اور اگر تم صبر کرو ﴿لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ﴾ البتہ صبر بہت ہی بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے ﴿وَاصْبِرْ﴾ اور آپ صبر کریں ﴿وَ مَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ اور نہیں ہے آپ کا صبر کرنا مگر اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ ﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾ اور آپ غم نہ کریں ان پر ﴿وَ لَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ﴾ اور نہ ہوں آپ تنگی میں ﴿مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ﴾ اس چیز سے جو وہ تدبیر کرتے ہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ﴿مَعَ الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کے ساتھ ہے ﴿اتَّقَوْا﴾ جو ڈرتے ہیں ﴿وَّالَّذِيْنَ﴾ اور ان لوگوں کے ساتھ ﴿هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ جو نیکی کرنے والے ہیں۔

بلند ترین منصب، منصب رسالت و نبوت ہے

اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لیے سب سے بلند درجہ اور مقام نبوت و رسالت کا ہے۔ جس طرح ملک میں کوئی وزیر اعلیٰ ہوتا ہے کوئی وزیر خارجہ ہوتا ہے کوئی وزیر داخلہ ہوتا ہے مگر ملکی اصطلاح میں سب سے بڑا عہدہ اور منصب صدارت کا ہے۔ رسول اللہ تعالیٰ سے پیغام لیتا ہے اور مخلوق خدا کو پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت کا یہ درجہ پیغمبروں کو عطا فرمایا اگر تبلیغ یعنی

دعوت الی اللہ سے بہتر کوئی کام ہوتا تو عہدے کے مطابق اللہ تعالیٰ وہ ان کے سپرد کرتا لیکن حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے ان کو دعوت الی اللہ ہی کی ڈیوٹی سونپی گئی۔ اس کے لیے انھوں نے ماریں کھائیں، وطن چھوڑا، تکلیفیں برداشت کیں، بہت کچھ ہوا لیکن انھوں نے کام اور مشن کو نہیں چھوڑا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعی :

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ [حم سجدہ: ۳۳] "اور اس شخص سے بہتر بات کس کی ہوگی جو بلاتا ہے اللہ کی طرف اور نیک عمل کرتا ہے اور کہتا ہے بے شک میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔" اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرماتے ہیں ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ دعوت دیں لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف۔ دعوت کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا ﴿بِالْحِكْمَةِ﴾ بڑی دانائی کے ساتھ کہ پہلے قرآن پاک کا حوالہ دیا جائے کہ بھئی دیکھو! قرآن پاک میں یہ ہے کیوں کہ قرآن کریم کی عزت واحترام سب مسلمانوں کے دل میں ہے۔ پھر اپنے دعوے پر حدیث شریف کا حوالہ دیا جائے پھر بزرگان دین کا حوالہ دیا جائے کہ انھوں نے یہ فرمایا ہے۔

اور مبلغ کا لہجہ ایسا ہو کہ جس میں لوگوں کی حقارت نہ ہو۔ مثلاً: یہ نہ کہے کہ او جاہلو! او بیوقوفو! میری بات سنو! اس طرح تو کوئی بھی نہیں سنے گا وہ بے چارے جاہل اور ناواقف ہیں ان کے ساتھ نہایت پیار کی بات کرنی چاہیے۔ جس طرح جسمانی مریض کا مزاج بیماری کی وجہ سے چڑچڑا ہو جاتا ہے کڑوی دوائی دو تو حکیم، ڈاکٹر کے ساتھ بھی لڑتا ہے اور گھر کے افراد کے ساتھ بھی کہ مجھے یہ دوا نہ کھلاؤ، نہ پلاؤ۔ لیکن ڈاکٹر حکیم نہایت نرمی کے ساتھ کہتے ہیں بیٹا، بھائی یہ تیرے لیے مفید ہے، سختی نہیں کریں گے اور جیسے جسمانی بیماریوں سے مزاج بگڑ جاتا ہے اس سے کہیں بڑھ کر روحانی بیماریوں میں بگڑ جاتا ہے۔ جب سچی بات ہوگی تو چڑے گا لہٰذا لہجہ اور انداز نرم ہونا چاہیے۔ موقف میں نرمی نہیں ہونی چاہیے اور بات دلائل کے ساتھ کرنی چاہیے تاکہ لوگ سمجھیں۔

﴿وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ اور اچھی نصیحت کے ساتھ، ان کی خیر خواہی کے ساتھ۔ ایک موقع پر خرقوس بن زہیر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی دیہات کے رہنے والے تھے۔ نماز کے بعد دعا مانگی: اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ وَمُحَمَّدًا ﷺ وَلَا تَرْحَمْ مَعَنَا اَحَدًا "اے اللہ اپنی رحمت مجھ پر نازل فرما اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور کسی پر نازل نہ فرما۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے رب تعالیٰ کی وسیع رحمت کو تنگ کر دیا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت تو سب کے لیے ہے۔ دعا کر کے جس وقت اٹھا تو مسجد میں پیشاب کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اٹھے اور کہا او، او.....کیا کر رہے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ روکو کرنے دو۔ نہ روکنے کی ایک وجہ محدثین کرام رحمہم اللہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اب تو مسجد کا ایک کونہ پلید ہوگا دوڑے گا تو ساری مسجد کو ناپاک کرے گا۔

اور دوسری وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس کو پیشاب کی کوئی تکلیف تھی اس لیے مجبوراً اس نے کیا تھا روکو گے تو تکلیف

زیادہ ہوگی۔ جب وہ پیشاب سے فارغ ہوا تو آنحضرت ﷺ نے اس کو بلایا اور نہایت نرمی کے ساتھ فرمایا دیکھو بھئی! یہ مسجدیں نماز کے لیے ہیں، قرآن پاک کی تلاوت کے لیے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے ہیں یہ پیشاب پاخانے کے لیے نہیں ہیں اور جو صحابہ کرام سختی اور مارنے کے لیے اُٹھے تھے ان کو آپ ﷺ نے فرمایا: اِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُیَسِّرِیْنَ وَلَا مُعَسِّرِیْنَ "اللہ تعالیٰ نے تمھیں نرمی کے لیے اُٹھایا ہے سختی کرنے کے لیے نہیں بھیجا۔" اندازہ لگاؤ مسجد نبوی میں پیشاب کر رہا تھا آپ ﷺ نے وہاں بھی فرمایا نرمی کرو۔ آپ ﷺ جس وقت مبلغین کو باہر بھیجتے تھے تو فرماتے: یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا "نرمی کرنا سختی نہ کرنا۔" تو فرمایا دانائی کے ساتھ، پیار کے ساتھ اور خیر خواہی کے ساتھ ان کو سمجھاؤ۔

اور تیسرا درجہ ﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ اور جھگڑا کریں ان کے ساتھ ایسے طریقے کے ساتھ جو بہت اچھا ہو۔ کیوں کہ سچی بات ہر آدمی کو تو موافق نہیں آتی کسی وقت جھگڑا بھی ہو جاتا ہے تو جھگڑا بہتر طریقے کے ساتھ کرنا چاہیے۔

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ علیہ کے سمجھانے کا انداز

اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جس انداز میں وہ بات کر رہا ہے اس کو اسی انداز میں جواب دو۔ میں سمجھانے کے لیے اپنا ایک واقعہ سناتا ہوں۔ گکھڑ کالج میں میں نے الحمد للہ چالیس سال درس دیا ہے۔ کافی کلاسیں ہوتی تھیں اوسطاً پانچ چھ سو آدمی ہوتا تھا میرے خیال کے مطابق چالیس سال میں بیس بائیس ہزار آدمی وہاں سے قرآن پڑھ کر گئے ہیں۔ ایک دفعہ ڈاڑھی کا مسئلہ آیا میں نے پرنسپل صاحب کی موجودگی میں بڑے احسن طریقے کے ساتھ بتایا کہ لوگ ڈاڑھی کو سنت سمجھتے ہیں یہ سنت نہیں واجب ہے اور واجب عملی طور پر فرض ہوتا ہے۔ عملی لحاظ سے واجب اور فرض میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس پر میں نے کچھ احادیث بھی بیان کیں اور ترغیب دی۔ ایک صاحب کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ آپ نے ڈاڑھی کے متعلق بڑی ترغیب دی ہے مگر یہ تو فطرت کے خلاف ہے۔ میں نے کہا ڈاڑھی فطرت کے خلاف کیسے ہے؟ وہ صاحب کہنے لگے بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کی ڈاڑھی نہیں ہوتی تو معلوم ہوا کہ ڈاڑھی فطرت کے خلاف ہے۔ یہ اس کا جدال اور جھگڑا تھا۔ میں نے کہا جی بھائی! اگر آپ کی منطق تسلیم کر لیں تو دانت بھی توڑ دیں کیوں کہ پیدائش کے وقت دانت نہیں تھے اور یہ کپڑے جو پہنے ہوئے ہیں یہ بھی اُتار پھینکیں کیوں کہ پیدائش کے وقت کون سے کپڑے تھے۔ دو دو روٹیاں کھانا بھی فطرت کے خلاف ہے کیوں کہ اس وقت ماں کا پستان چوستے تھے، بولنا بھی فطرت کے خلاف ہے، پیدائش کے وقت تو روں روں کرتے تھے تم روں روں کرو، کوئی سمجھے یا نہ سمجھے چلنا پھرنا بھی فطرت کے خلاف ہے اس وقت کب چل سکتے تھے؟ اس پر سب ہنس پڑے۔ تو یہ ہے احسن جدال کہ جس انداز کے ساتھ کوئی بات کرے اسی انداز میں اس کو سمجھاؤ۔ بعض دفعہ اس کو اسی کی بولی میں سمجھانا پڑتا ہے۔ ﴿اِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک تیرا رب ﴿هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ﴾ وہ خوب جانتا ہے اس کو جو گمراہ ہوا ہے اس کے راستے سے ﴿وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ﴾ اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے نہ گمراہ اور نہ ہدایت یافتہ۔

اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ کا شانِ نزول :

اگلی آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ اُحد کے مقام پر آپ ﷺ کے چچا محترم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا۔ آپ ﷺ کے صرف دو چچا مسلمان ہوئے تھے ایک حضرت حمزہ اور دوسرے حضرت عباس رضی اللہ عنہ، تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا گیا، کان کاٹے گئے، ناک کاٹا گیا، شکل بگاڑ دی گئی۔ اس کو عربی میں مُثلہ کہتے ہیں کہ میت کی شکل بگاڑ دی جائے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے نَهٰى عَنِ الْمُثْلَةِ۔ تمھارا مقصد اللہ تعالیٰ کے دشمن کی جان نکالنا ہے پس قتل کرو شکل نہ بگاڑو۔

تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بڑی زیادتی کی جب آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھا تو طبعاً آپ ﷺ کو تکلیف ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم بھی ان کے ساتھ ایسا ہی کریں گے ان کی شکلیں بگاڑیں گے۔ تو اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ﴾ اور اگر تم بدلہ لو ﴿فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾ پس بدلہ لو اس کے مثل جتنی تکلیف تمھیں پہنچائی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہم ان کے ستر آدمیوں کا مثلہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہ اس طرح نہیں بلکہ جتنی تکلیف تمھیں دی گئی ہے اتنی ہی تم دے سکتے ہو لیکن بعد میں مثلہ کرنے سے بھی منع کر دیا گیا کہ انسان چاہے کسی درجے کا ہو بحیثیت انسان ہونے کے اس کا احترام ہے اسی لیے حکم ہے کہ انسان کے اعضاء کی حفاظت کرو اگر انسان کا احترام ختم ہو جائے تو لوگ اس کی کھال اُتار کر جوتیاں بنائیں گے اور اعضاء بیچے جائیں گے۔ اور اس وقت دنیا میں بہت کچھ ہو رہا ہے۔ اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ فلاں علاقے میں مردوں کو اُٹھا کر بیچ دیتے ہیں رب جانے ان کا کیا کرتے ہوں گے۔

(ایک نمازی نے سوال کیا کہ آنکھوں کا عطیہ دینا کیسا ہے؟ فرمایا یہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ یہ تو مُثلہ ہو گیا بلکہ ایک حدیث کے مطابق مردے کی ہڈی توڑنا اس کے اعضاء کو بدلنا سخت منع ہے)۔

تو فرمایا کہ اگر تم بدلہ لینا چاہو تو بدلہ لو اتنا جتنی تمھیں تکلیف پہنچائی گئی ہے ﴿وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ﴾ اور اگر تم صبر کرو بدلہ نہ لو ﴿لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ﴾ البتہ یہ صبر بہت ہی بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے۔ آگے آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے رب تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وَاصْبِرْ﴾ اور آپ صبر کریں۔ کیوں کہ تمام انسانوں کا معاملہ اور ہے اور آپ ﷺ کا اور ہے۔ اگر معاذ اللہ تعالیٰ آپ بھی ایسا کرنے لگ جائیں تو آپ میں اور عوام میں کیا فرق ہوگا؟ ﴿وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ اور نہیں ہے آپ کا صبر کرنا مگر اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ۔

آنحضرت ﷺ بڑے صابر تھے کیوں کہ ایسے بدبخت بھی تھے جو آنحضرت ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر کہتے تھے سٰحِرٌ كَذَّابٌ یہ بڑا جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے، مجنوں کہتے تھے کہ پاگل ہے، مفتری کہتے تھے کہ افترا باندھنے والا ہے۔ اندازہ لگائیں یہ کتنے سنگین الفاظ ہیں؟ اور یہ سارے الفاظ قرآن مجید میں موجود ہیں لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ جواب نہیں دیتے تھے اور توحید کا بیان جاری رکھتے تھے۔ صالح علیہ السلام کو کہا گیا ﴿كَذَّابٌ اَشِرٌ﴾ [القمر: ۲۵] "بڑا جھوٹا اور شرارتی ہے۔"

کتنے سنگین الفاظ ہے؟ لیکن کسی پیغمبر نے کوئی جواب نہیں دیا سارا قرآن پڑھ لو۔ ان کی جگہ ہم ہوتے تو کہتے تمھارا باپ جھوٹا، تمھارا دادا جھوٹا، تمھارا خاندان جھوٹا لیکن اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بہت بلند لوگ ہوتے ہیں اور اولوالعزم ہوتے ہیں۔ دیکھو! وہ جھوٹا کہہ رہے ہیں، پاگل کہہ رہے ہیں، شرارتی کہہ رہے ہیں اور یہ فرماتے ہیں ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ﴾۔

اصحاب الرس کی تفسیر؟

قرآن پاک میں دو جگہ اَصْحٰبُ الرَّسِّ کا ذکر آیا ہے، کھوہ والے۔ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یمن کا علاقہ تھا، حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام نے ان کو تبلیغ کی عَبْدٌ اَسْوَدُ حَبْشِیٌّ صرف ایک کالے رنگ کا غلام مسلمان ہوا اور کسی نے کلمہ نہیں پڑھا۔ لوگوں نے ان کی تبلیغ سے تنگ آ کر میٹنگ کی کہ ان کو کسی کنویں میں پھینک دیں اور اُوپر چٹان رکھ دیں خود بہ خود مر جائے گا چنانچہ شہر سے باہر دور افتادہ ایک پرانا کنواں تھا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو اس میں پھینک دیا اور اُوپر بھاری چٹان رکھ دی اس کو کوئی ہلا نہیں سکتا تھا۔ وہ کالے رنگ کا غلام رات کو جاتا اور روٹی سوراخ سے نیچے گرا دیتا تھا اور کہتا کہ اگر مجھے حکم ہو تو میں بھی کسی کنویں میں چھلانگ لگا دوں؟ وہ فرماتے نہیں! میں نے خود تو چھلانگ نہیں لگائی ظالموں نے مجھے ڈالا ہے۔

کافی دنوں کے بعد لوگ گئے چٹان ہٹائی اور تمسخر کیا کَیْفَ بِكَ یَا حَنْظَلَةُ "حنظلہ تمھارا کیا حال ہے؟" اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے اس گہرے کنویں میں کہا ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ﴾ "اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں ہے" اس کے سوا تمھاری عبادت کے لائق اور کوئی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے اس حال میں بھی مشن کو نہیں چھوڑا لوگوں نے کہا کہ بڑا سخت جان ہے نہ مرتا ہے نہ بات چھوڑتا ہے۔ پھر انھوں نے کنویں میں ریت، مٹی اور پتھر ڈال کر پیغمبر کو زندہ دفن کر دیا۔

تو فرمایا آپ صبر کریں اور آپ کا صبر کرنا اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ ہوگا ﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ﴾ اور آپ غم نہ کریں ان پر ﴿وَلَا تَكُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ﴾ اور نہ ہوں آپ تنگی میں اس چیز سے جو وہ تدبیریں کرتے ہیں ان کی تدابیر سے پریشان نہ ہوں۔ کیوں؟ ﴿اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں رب تعالیٰ سے ﴿وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ اور ان لوگوں کے ساتھ جو نیکی کرتے والے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو تو کوئی کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

آج بروز سوموار ۲ جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ بمطابق ۱۷ مئی ۲۰۱۰ء سورۂ نحل مکمل ہوئی۔

والحمد للہ علیٰ ذٰلک

(مولانا) محمد نواز بلوچ

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس جناح روڈ، گوجرانوالا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَۃُ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مَکِّیَّۃٌ

پارہ ⇦ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ

(۱۵)

آیاتھا ۱۱۱ ⑰ سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مَکِّیَّۃٌ ⑤⓪ رکوعاتھا ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿سُبْحٰنَ﴾ پاک ہے ﴿الَّذِیْٓ﴾ وہ ذات ﴿اَسْرٰی﴾ جو لے گئی ﴿بِعَبْدِهٖ﴾ اپنے بندے کو ﴿لَیْلًا﴾ ایک ہی رات میں ﴿مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ مسجد حرام سے ﴿اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾ مسجد اقصیٰ تک ﴿الَّذِیْ﴾ وہ مسجد اقصیٰ ﴿بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ﴾ برکت رکھی ہے ہم نے اس کے اردگرد ﴿لِنُرِیَهٗ﴾ تاکہ ہم دکھائیں اس بندے کو ﴿مِنْ اٰیٰتِنَا﴾ اپنی نشانیوں میں سے کچھ ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ بے شک وہ ذات سننے والی ہے، دیکھنے والی ہے ﴿وَ اٰتَیْنَا﴾ اور دی ہم نے ﴿مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ موسیٰ علیہ السلام کو کتاب ﴿وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى﴾ اور ہم نے بنایا اس کو ہدایت ﴿لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾ بنی اسرائیل کے لیے ﴿اَلَّا تَتَّخِذُوْا﴾ یہ کہ نہ بناؤ تم ﴿مِنْ دُوْنِیْ﴾ میرے سوا ﴿وَكِیْلًا﴾ کسی کو کارساز ﴿ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ﴾ اے اولاد! ان لوگوں کی جن کو سوار کیا ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ ﴿اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا﴾ بے شک وہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے تھے۔

سورہ بنی اسرائیل کی وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام بنی اسرائیل ہے۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا ان کے بارہ بیٹے تھے بیٹی کوئی نہیں تھی۔ ان بارہ بیٹوں میں سے ایک یوسف علیہ السلام بھی تھے جن کے پورے حالات سورت یوسف میں مذکور ہیں۔ ان بارہ بیٹوں کی آگے نسل در نسل چلی اور بہت صدیوں تک اقتدار انھی کے پاس رہا۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چار ہزار پیغمبر بھیجے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی انھی کی طرف آئے تھے۔ سوۃ آل عمران آیت نمبر ۴۹ میں ہے ﴿وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾۔ کسی قوم میں ایک نبی بھیجا جائے تو وہ قوم بڑی شان والی ہو جاتی ہے اور ان میں تو چار ہزار پیغمبر آئے ہیں لیکن انھوں نے ناشکری کی ﴿وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ﴾ [آل عمران: ۲۱] اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے حق کہنے کی پاداش میں۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے کچھ حالات

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق تاریخ بتلاتی ہے کہ اس وقت ایک نوجوان بادشاہ تھا باوجود اس کے کہ اس کی بیویاں بھی تھیں اور لونڈیاں بھی تھیں اس نے اپنی سگی بھانجی کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا حالاں کہ ان کی شریعت میں یہ حرام تھا جس طرح ہماری

شریعت میں حرام ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے سنا کہ بادشاہ اس طرح کا ارادہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے معصوم پیغمبر نے خیال فرمایا کہ اگر میں اس وقت خاموش رہا تو رب تعالیٰ کی طرف سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اس کو روکا کیوں نہیں؟ حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کے ساتھ اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ تم اپنی حقیقی بھانجی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے ہو اس کی تحقیق کرنے کے لیے آیا ہوں۔ کہنے لگا تمھیں اس سے کیا ہے میں کروں یا نہ کروں؟ یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں میرا فرض ہے حق بات سے آگاہ کرنا۔ یحییٰ علیہ السلام نے نہایت نرمی کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی مگر اس پر بھانجی کا عشق سوار تھا اس ظالم نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کر دیا۔ زکریا علیہ السلام کو بھی لوگوں نے شہید کیا۔ ایک موقع پر ان ظالموں نے تینتالیس (۴۳) پیغمبر ایک دن میں شہید کیے تو یہ ایسی ظالم قوم ہے۔

دنیا کی ذہین اور ضدی قوموں میں بنی اسرائیل ہے۔ اس سورت میں ان کا ذکر ہے اس لیے اس سورت کا نام بنی اسرائیل ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس سے پہلے انچاس [۴۹] سورتیں نازل ہو چکی تھیں پچاسواں [۵۰] نمبر اس کا ہے۔ اس کے بارہ [۱۲] رکوع اور ایک سو گیارہ [۱۱۱] آیات ہیں۔ پہلی آیت کریمہ میں اسراء کا ذکر ہے۔ نہایت مختصر طریقے سے میں بات عرض کرتا ہوں غور سے سنیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قادر مطلق ہے وہ اسباب کے تحت بھی کام کرتا ہے اور مافوق الاسباب بھی کام کرتا ہے۔ دیکھو! عام بچے ماں باپ کے ذریعے پیدا ہوتے ہیں مگر آدم علیہ السلام کی نہ ماں ہے نہ باپ ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہے والد کوئی نہیں ہے ان کو اللہ تعالیٰ نے خرقِ عادت اور خلافِ عادت کے طور پر پیدا کیا ہے اور دنیا میں اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جو خلافِ عادت ہیں۔ ایسی خلافِ عادت چیزیں اگر کسی پیغمبر کے ہاتھ سے صادر ہوں تو ان کو معجزہ کہتے ہیں اور اگر ولی کے ہاتھ سے صادر ہوں تو ان کو کرامت کہتے ہیں۔ معجزہ بھی حق ہے اور کرامت بھی حق ہے۔ قرآن اور احادیثِ متواترہ سے اس کا ثبوت ہے اور اجماعِ اُمت بھی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین بڑے معجزے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار معجزات تھے مگر تین معجزے بڑے اہم تھے اور تینوں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے ساتھ سامنے موجود ہیں۔ ایک معجزہ قرآن کریم ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کافروں کو چیلنج کیا کہ اگر یہ رب تعالیٰ کی کتاب نہیں ہے اور مخلوق میں سے کسی نے بنائی ہے تو تم سب انسان اور جن مل کر اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت لے آؤ۔ تین سورتیں سب سے چھوٹی ہیں۔

①......سورۃ العصر، تین آیات ہیں۔ ②......سورۃ الکوثر، تین آیات ہیں۔ ③......اور سورۃ النصر، تین آیات ہیں۔

فرمایا اگر نہ کر سکو اور یقیناً نہیں کر سکو گے تو عذابِ الٰہی سے بچو۔ آج تک الحمد للہ! قرآن پاک کی ایک چھوٹی سی سورت کے مثل بھی کوئی نہیں لا سکا۔ دوسرا اہم اور بڑا معجزہ چاند کا دو ٹکڑے ہونا ہے۔ جس کا ذکر سورۃ القمر ستائیسویں پارے میں موجود ہے۔ چودھویں رات کا چاند تھا بڑے بڑے اہم کافر مشرک اکٹھے ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے چاند

دوٹکڑے ہوجائے تو ہم آپ کو تسلیم کرلیں گے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معجزے رب تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ ہوتے ہیں لیکن اگر اللہ تعالیٰ میری تائید اور تصدیق کے لیے ایسا کردے تو تسلیم کرلو گے؟ کہنے لگے ہاں۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کے لیے چاند کو دوٹکڑے کردیا ایک ٹکڑا مشرق کی طرف اور دوسرا مغرب کی طرف،سب نے آنکھوں سے دیکھا اور ایک دوسرے سے پوچھتے تھے تجھے بھی دوٹکڑے نظر آرہے ہیں، تجھے بھی دوٹکڑے نظر آرہے ہیں وہ کہتا ہاں! دور جاکر دیکھا دوٹکڑے ہی نظر آتے تھے ﴿وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ "اور کہنے لگے یہ جادو ہے جو مسلسل چلا آرہا ہے۔" ایک نے بھی تسلیم نہ کیا۔اور تیسرا اہم معجزہ معراج شریف کا ہے جس کا ذکر یہاں ہے۔

واقعہ معراج اختصار کے ساتھ

معراج شریف کا قصہ مختصراً یہ ہے کہ نبوت کے ملنے کے دس سال بعد ہجرت سے تقریباً تین سال پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُم ہانی کے گھر تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بڑی ہمشیرہ تھیں فاختہ نام تھا ہجرت کے آٹھویں سال مسلمان ہوئی ہیں ان کا گھر حجر اسود سے جنوب مشرق کی طرف تقریباً ایک سو قدم کے فاصلے پر تھا آج وہاں بہت بڑا دروازہ ہے جس کے اندر بھی لکھا ہوا ہے "باب اُمِّ ہانی" اور باہر بھی جلی حروف کے ساتھ لکھا ہوا ہے "باب اُمِّ ہانی" اس وقت وہ گھر مسجد حرام میں آگیا ہے۔رات کا وقت تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سوئے ہوئے تھے اور بائیں طرف حضرت عقیل رضی اللہ عنہ تھے اور نیچے سوئے ہوئے تھے۔آج بھی عرب عموماً زمین پر سوتے ہیں چارپائی پر بھی سوتے ہیں لیکن بہت کم۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام آئے اور فرشتے بھی ان کے ساتھ تھے۔انھوں نے آپس میں گفتگو کی ایک نے کہا کہ ہمارا مطلوب ان میں سے کون ہے؟ دوسرے نے کہا اوسط جو درمیان میں ہے اس کو ہم نے لے جانا ہے۔چنانچہ چھت پھاڑی گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُٹھالیا اور حطیم کعبہ میں لے جاکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھایا۔حطیم بیت اللہ کا وہ حصہ ہے جس پر چھت نہیں ڈالی گئی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور اس میں عالم بالا کے لیے استعداد رکھی گئی اور جو حکمت مطلوب تھی اور پھر اس کو سی دیا گیا اور ایک جانور لایا گیا جو خچر سے ذرا ہلکا تھا اور گدھے سے ذرا بھاری تھا نام اس کا براق تھا۔بُراق برق سے مشتق ہے اور برق کا معنیٰ بجلی ہے۔انسان کی ایجاد کی ہوئی بجلی جس سے یہ ٹیوبیں اور پنکھے وغیرہ چلتے ہیں اس کے متعلق سائنس دان کہتے ہیں کہ یہ ایک منٹ میں زمین کے اردگرد پانچ سو دفعہ چکر لگا سکتی ہے اور جو رب تعالیٰ کی بنائی ہوئی بجلی ہے اس کی رفتار کا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جبرئیل علیہ السلام دونوں آناً فاناً مسجد اقصیٰ جاپہنچے جس پر آج یہود کا قبضہ ہے۔پہلے بھی ایک دور میں اس پر قبضہ ہوا تھا مگر اس وقت یہ مسلمان بڑے باغیرت مسلمان تھے۔اللہ تعالیٰ نے صلاح الدین ایوبی جیسی شخصیت کو کھڑا کیا اس نے عیسائی کافروں کے پنجے سے آزاد کرایا۔آج عوام میں غیرت ہے مگر بادشاہ سب کے سب بے غیرت ہیں الا ماشاء اللہ۔

اس وقت مسلمانوں کے چھپن (۵۶) ملک ہیں سوائے طالبان کے کسی ملک کے سربراہ میں غیرت نہیں ہے۔ ۱۹۶۷ء میں یہودیوں نے قبضہ کیا اور ابھی تک اس کی آزادی کا کوئی انتظام نہیں ہوا ہے۔ آج مسجد اقصیٰ مسلمانوں کو پکار رہی ہے کہ ہے کوئی مجھے رہا اور آزاد کرانے والا؟ مسجد اقصیٰ کی ابتدائی بنیاد حضرت یعقوب علیہ السلام نے رکھی تھی اس وقت چھوٹی سی اور سادہ تھی جب لوگ بڑھ گئے تو اس میں توسیع کی گئی۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں پہلے سے زیادہ توسیع کی گئی پھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ آیا تو انھوں نے بڑے ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ تعمیر کرائی۔

تو خیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ پہنچے۔ اکثر مفسرین کرام اور محدثین عظام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ آپ نے جاتے ہوئے انبیائے کرام علیہم السلام کی امامت کرائی ہے اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب امام الانبیاء بھی ہے۔ اگر آپ امامت نہ کراتے تو امام الانبیاء کا لفظ بے معنیٰ ہو کر رہ جاتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے جسم مبارک کے ساتھ زندہ موجود تھے اور باقی پیغمبروں کی ارواح کو ان کی شکلوں میں لایا گیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو اصلی اجساد کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعزاز کے لیے لایا ہو۔ بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جاتے ہوئے انبیائے کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمانوں سے واپسی پر نماز پڑھائی ہے اور یہ فجر کی نماز تھی۔ بہرحال اس پر سب کا اتفاق ہے اور احادیث میں بھی موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انبیائے کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی ہے۔ نماز کے بعد فرشتہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے آسمان پر لے گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ دربانوں نے پوچھا کون ہے؟ کہا میں جبرئیل ہوں مَنْ مَّعَكَ؟ آپ کے ساتھ کون ہے؟ بتایا کہ میرے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ فرشتوں نے کہا مرحباً! مرحباً! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام سنا ہوا تھا دیکھا نہیں تھا۔

پہلے آسمان پر ایک بوڑھے بزرگ بیٹھے ہوئے تھے ان کے دائیں طرف کچھ نشانات تھے جن کو دیکھ کر وہ خوش ہوتے تھے۔ بائیں طرف بھی کچھ نشانات تھے ان کو دیکھ کر رو پڑتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ اور ہنستے کیوں ہیں اور روتے کیوں ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ آپ کے باپ آدم علیہ السلام ہیں (یہ ان کی مثالی شکل تھی) ان کو جا کر سلام کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو جا کر سلام کیا۔ وہ دائیں طرف والے اصحاب الیمین تھے جن کو قیامت والے دن پرچہ دائیں ہاتھ میں ملے گا اور بائیں طرف والے اصحاب الشمال تھے جن کو پرچہ بائیں ہاتھ میں ملے گا۔ اہل ایمان کو دیکھ کر آدم علیہ السلام خوش ہوتے تھے اور کافروں اور نافرمانوں کو دیکھ کر پریشان ہوتے تھے اور روتے تھے آخر پدری شفقت تھی۔

پھر دوسرے آسمان پر پہنچے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ تیسرے، چوتھے، پانچویں آسمان پر پہنچے۔ چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے پھر اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی اور براہ راست کلام ہوا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تین تحائف

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین چیزوں کا تحفہ ملا۔ایک پچاس نمازوں کا تحفہ اور سورت بقرہ کی آخری آیات اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے لے کر آخر تک اور تیسری یہ بشارت کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو اُمتی اس حال میں مرا کہ اس نے میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہ ٹھہرایا ہو تو میں اس کو بخش دوں گا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کیا تحفہ لے کر آئے ہو؟ فرمایا چوبیس گھنٹوں میں پچاس نمازیں۔موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میرے تجربہ سے فائدہ اُٹھاؤ کہ بنی اسرائیل پر چوبیس گھنٹوں میں صرف دو نمازیں تھیں وہ ان کی پابندی نہیں کر سکے آپ کی اُمت چوبیس گھنٹوں میں پچاس کیسے پڑھے گی لہٰذا ابھی وقت ہے اللہ تعالیٰ سے تخفیف کرالو۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی۔ایک اپیل میں پانچ نمازیں کم ہوئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نو چکر لگائے تو پینتالیس (۴۵) نمازیں معاف ہو گئیں۔موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ایک چکر اور لگاؤ۔فرمایا: اِنِّیْ اِسْتَحْیَیْتُ مِنْ رَّبِّیْ۔ اب مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے کہ تحفے میں سے کچھ نہ لے کر جاؤں سب معاف ہو جائیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا پچاس بھی ہیں اور پانچ بھی ہیں۔پچاس کیسے ہیں؟ فرمایا پڑھو گے پانچ ثواب پچاس کا دوں گا۔ہر ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہے ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ [انعام:۱۶۰] "جو شخص لایا ایک نیکی اس کے لیے دس گنا اجر ہے۔" تو عمل کے لحاظ سے پانچ اور درجے کے لحاظ سے پچاس۔

یہ معراج جسمانی تھی روحانی نہیں تھی کہ یہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا ہو بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیداری کی حالت میں اِسی جسدِ خاکی کے ساتھ سیر اور معراج کیا۔اس رات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کوئی ضرورت پیش آئی تھی۔انہوں نے آکر آہستہ سے دروازہ کھولا اس کمرے کا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم رہتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی پر ہاتھ مار کر دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج سے واپس آئے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضرت! اِلْتَمَسْتُكَ عَلٰى فِرَاشِكَ فَلَمْ اَجِدْكَ "میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چارپائی پر دیکھا آپ نہیں تھے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں معراج پر گیا ہوا تھا۔اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چارپائی پر ہوتے کیوں کہ خواب دیکھنے والے کا جسم تو غائب نہیں ہوتا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختصاراً بتلایا کہ اس طرح اللہ تعالیٰ کا فرشتہ آیا تھا اور مجھے لے گیا تھا عرش تک۔مجھے سیر کرائی ہے اور نمازوں کا تحفہ ملا ہے اور یہ یہ تحفہ ملا ہے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بلا قیل و قال کہا: اٰمَنْتُ وَ صَدَّقْتُ آپ جو کچھ فرماتے ہیں اس پر میرا ایمان ہے اور میں تصدیق کرتا ہوں۔ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ جب لوگوں کو سنایا اور لوگوں نے ایک دوسرے کو سنایا تو کہنے لگے ابوبکر کا دماغ پھر گیا ہے، عقل ماری گئی ہے، عجیب عجیب باتیں کرتا ہے۔وہ کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک گئے ہیں اور پھر آسمانوں پر بھی گئے ہیں ہم دو مہینوں میں مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ تک اُونٹوں پر پہنچتے ہیں اور دو مہینوں میں واپس آتے ہیں چار ماہ لگ جاتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میں ہو آئے ہیں سمجھ کی

بات نہیں ہے۔ چنانچہ پھر یہ لوگ براہ راست آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور پوچھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس طرح کہہ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ابوبکر ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ مکہ والوں نے مسجد اقصیٰ کی نشانیاں دیکھ رکھی تھیں کیوں کہ تاجر لوگ تھے وہاں آتے جاتے رہتے تھے اور حافظے ان لوگوں کے بڑے مضبوط ہوتے تھے انھوں نے آپ ﷺ سے کچھ نشانیاں پوچھیں۔ حدیث میں آتا ہے لَمْ اُثْبِتْهُ میں نے ان نشانیوں کی طرف توجہ نہیں کی۔ مثلاً:

دیکھو اس مسجد کا سنگ بنیاد میں نے اپنے ان گنہگار ہاتھوں سے رکھا ہے اور سالہا سال سے میں اس میں آ جا رہا ہوں۔ اگر تم مجھ سے پوچھو کہ اس کے دروازے کتنے ہیں، کھڑکیاں کتنی ہیں اور روشن دان کتنے ہیں؟ تو میں تمھیں نہیں بتا سکتا کیوں کہ مسجد میں آنا دروازے، کھڑکیاں، روشن دان گننے کی غرض سے تو نہیں ہے۔ نماز پڑھنے کے لیے آتا ہے درس دینے کے لیے آتا ہے۔

تو آپ ﷺ وہاں یہ چیزیں گننے کے لیے تو نہیں گئے تھے۔ تو کافروں نے جب یہ چیزیں پوچھیں تو آپ ﷺ پریشان ہو گئے اور کافروں نے بغلیں بجائیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے بھولے کو منا سکتا ہے ہم سے منوائے۔ ان کو بات کرنے کا بہانہ مل گیا جب آتا تو کہتا اے محمد (ﷺ)! ہمیں بتاؤ کہ سنگ مرمر کے کتنے ستون ہیں اور سنگ یشب کے کتنے ہیں اور سنگ عقیق کے کتنے ہیں، چھوٹے منارے کتنے ہیں اور بڑے کتنے ہیں، برج کتنے ہیں وغیرہ وغیرہ سوال کرتے۔ ایک دن سارے اکٹھے ہو کر آئے آپ ﷺ نے فرمایا: فَجَلَّى اللّٰهُ لِيَ الْبَيْتَ الْمَقْدِسَ۔ پس اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میرے سامنے کر دیا وہ پوچھتے جاتے تھے اور میں ان کو بتلاتا جاتا تھا۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے تھے کہ ٹھیک کہتے ہیں لیکن کسی نے تسلیم نہیں کیا۔ اس واقعہ کو اسراء کہتے ہیں۔ مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک اور مسجد اقصیٰ سے آگے جو اوپر کا سفر ہے جس کا ذکر سورۃ النجم میں اور احادیث متواترہ میں موجود ہے اس کو معراج کہتے ہیں۔ واقعہ معراج کے متعلق جو عقلی و نقلی شبہات ہیں ان سب کے جوابات میں نے اپنی کتاب "چراغ کی روشنی" جس کا عربی نام "ضوء السراج فی تحقیق المعراج" ہے، اس میں دیئے ہیں۔ اور معراج کے متعلق میں نے تقریباً پینتالیس [۴۵] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایات نقل کی ہیں اور اس پر مرزا غلام احمد قادیانی اور دیگر ملحدین کے اعتراضات بھی نقل کیے ہیں اور ان کے جوابات بھی دیئے ہیں۔ اس کا ذکر ہے۔

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ﴾ پاک ہے وہ ذات ﴿اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ﴾ جو رات کو لے گئی اپنے بندے کو ﴿لَيْلًا﴾ صرف ایک رات میں۔ یہ جو قصے بنے ہوئے ہیں کہ اٹھارہ ہزار سال کی رات تھی اور یہ تھا اور وہ تھا یہ ساری خرافات ہیں۔ اگر وہ سردی کی رات تھی تو لمبی ہوگی اور گرمی کی تھی تو چھوٹی ہوگی۔ صرف ایک رات میں ﴿مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ﴿الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ﴾ وہ مسجد اقصیٰ برکت رکھی ہے ہم نے اس کے اردگرد۔ ظاہری برکت بھی ہے کہ بڑا زرخیز علاقہ ہے، باغات ہیں، کھیت ہیں، درخت ہیں، پانی کے چشمے ہیں اور روحانی برکت بھی ہے کہ بے شمار انبیائے کرام علیہم السلام اس علاقے میں تشریف لائے اور وہاں ان کی قبریں ہیں۔ ﴿لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ تاکہ ہم دکھائیں اس بندے کو اپنی نشانیوں میں سے کچھ، اسی لیے اس کو اوپر لے گئے تاکہ اپنی کچھ نشانیاں اس کو دکھائیں۔ آپ ﷺ نے جنت بھی دیکھی دوزخ بھی، پہلا

آسمان، دوسرا آسمان بے شمار نشانیاں دیکھیں ﴿ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴾ بے شک وہ ذات سننے والی ہے دیکھنے والی ہے سب کچھ اس کے علم میں ہے۔

﴿ وَ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ﴾ اور دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات ﴿ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى ﴾ اور بنایا ہم نے اس کتاب کو ہدایت ﴿ لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ بنی اسرائیل کے لیے۔ لیکن انھوں نے اس سے روشنی حاصل نہیں کی۔ اس کتاب میں بنیادی سبق کیا تھا؟ فرمایا ﴿ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا ﴾ یہ کہ نہ بناؤ تم میرے سوا کسی کو کارساز، حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس، دست گیر، یہ سب میری صفات ہیں۔ ﴿ ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ﴾ اے اولاد ان لوگوں کی جن کو ہم نے سوار کیا نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں ﴿ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴾ بے شک وہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے تھے۔ لہٰذا تم کیوں ناشکری کرتے ہو؟ اپنے باپ دادا کی اچھی صفات اختیار کرو، ان کو چھوڑو مت۔

﴿ وَ قَضَیْنَاۤ ﴾ اور ہم نے فیصلہ سنا دیا ﴿ اِلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ بنی اسرائیل کو ﴿ فِی الْكِتٰبِ ﴾ کتاب کے ذریعے ﴿ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ ﴾ البتہ ضرور تم فساد کرو گے زمین میں ﴿ مَرَّتَیْنِ ﴾ دو مرتبہ ﴿ وَ لَتَعْلُنَّ ﴾ اور ضرور تم سرکشی کرو گے ﴿ عُلُوًّا كَبِیْرًا ﴾ سرکشی بڑی ﴿ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا ﴾ پس جب آیا وعدہ ان کی پہلی سرکشی کا ﴿ بَعَثْنَا عَلَیْكُمْ ﴾ مسلط کیے ہم نے تم پر ﴿ عِبَادًا لَّنَاۤ ﴾ اپنے بندے ﴿ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ ﴾ جو سخت پکڑ والے تھے ﴿ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّیَارِ ﴾ پس وہ گھس گئے گھروں کے درمیان ﴿ وَ كَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ﴾ اور تھا وعدہ طے شدہ ﴿ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ ﴾ پھر ہم نے لوٹائی تمھارے لیے باری ﴿ عَلَیْهِمْ ﴾ ان کے خلاف ﴿ وَ اَمْدَدْنٰكُمْ ﴾ اور ہم نے تمھاری مدد کی ﴿ بِاَمْوَالٍ ﴾ مالوں کے ساتھ ﴿ وَّ بَنِیْنَ ﴾ اور بیٹوں کے ساتھ ﴿ وَ جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِیْرًا ﴾ اور بنایا ہم نے تمھیں زیادہ تعداد میں ﴿ اِنْ اَحْسَنْتُمْ ﴾ اور ہم نے کہا اگر تم نیکی کرو گے ﴿ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ﴾ نیکی کرو گے اپنی جانوں کے لیے ﴿ وَ اِنْ اَسَاْتُمْ ﴾ اور اگر تم برائی کرو گے ﴿ فَلَهَا ﴾ تو ان جانوں کے لیے ہو گی ﴿ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ ﴾ پس جب آیا وعدہ دوسری سرکشی کا ﴿ لِیَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ ﴾ تاکہ وہ بگاڑ دیں تمھارے چہروں کو ﴿ وَ لِیَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ ﴾ اور تاکہ وہ داخل ہو جائیں مسجد میں ﴿ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ جیسا کہ وہ داخل ہوئے پہلی مرتبہ ﴿ وَّ لِیُتَبِّرُوْا ﴾ اور تاکہ ہلاک کر دیں ﴿ مَا ﴾ اس چیز کو ﴿ عَلَوْا ﴾ جس پر غالب آ گئے ﴿ تَتْبِیْرًا ﴾ ہلاک کر دینا ﴿ عَسٰى رَبُّكُمْ ﴾ قریب ہے کہ تمھارا رب ﴿ اَنْ یَّرْحَمَكُمْ ﴾ یہ کہ رحم کرے تم پر ﴿ وَ اِنْ عُدْتُّمْ ﴾ اور اگر تم لوٹو گے شرارتوں کی طرف ﴿ عُدْنَا ﴾ ہم لوٹیں گے سزا دینے کی طرف ﴿ وَ جَعَلْنَا جَهَنَّمَ ﴾ اور ہم نے بنائی ہے جہنم

﴿لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا﴾ کافروں کے لیے قید خانہ۔

بنی اسرائیل پر ظاہری و باطنی انعامات :

اپنے دور اور اپنے زمانے میں بنی اسرائیل پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑی رحمتیں نازل فرمائیں، ظاہری بھی اور باطنی بھی۔ باطنی نعمتوں میں چار ہزار پیغمبر بنی اسرائیل میں سے تھے اور چار مشہور آسمانی کتابوں میں سے تین کتابیں تورات، زبور، انجیل ان کو ملیں۔ اور ظاہری نعمتیں تو بہت عنایت فرمائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دور تھا وادی تیہ جس کو آج کل وادی سینائی کہتے ہیں اس کے کچھ حصہ پر مصر کا قبضہ ہے اور وہ حصہ جو فوجی اہمیت کا حامل ہے وہ اس وقت بھی یہودیوں کے پاس ہے۔ یہ چھتیس میل لمبا اور چوبیس میل چوڑا میدان ہے۔ یہ سطح سمندر سے تقریباً پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔ بنی اسرائیل فرعون سے نجات پانے کے بعد جب اس وادی میں پہنچے تو نہ کھانے کا کوئی انتظام اور نہ پینے کا کوئی انتظام، نہ دھوپ سے بچنے کے لیے سائے کا کوئی انتظام۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کھانے کا انتظام یہ کیا کہ عین کھانے کے وقت پر ایک پلیٹ میں بھونے ہوئے بٹیرے آ جاتے اور ایک میں کھیر آ جاتی، سائے کے لیے جونہی سورج چڑھتا تھا ان پر بادل مسلط کر دیے جاتے اور جب غروب ہوتا تو بادل چھٹ جاتے۔

اور پانی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک پتھر پر مارا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بارہ چشمے جاری فرما دیئے۔ بارہ خاندان تھے موسیٰ علیہ السلام نے ہر خاندان کے لیے الگ الگ چشمہ متعین فرما دیا کہ یہ یہودیوں کے لیے ہے جو کہ یہودا کی اولاد تھی اور یہ روبیلیوں کا ہے، یہ یوسفیوں کا ہے اور یہ بنیامینیوں کا ہے تاکہ آپس میں جھگڑا نہ کریں اور یہ انعامات کوئی ایک دو دن کے لیے نہیں تھے بلکہ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً چالیس سال تک یہ سلسلہ چلتا رہا لیکن ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی کوئی قدر نہیں کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ عمالقہ قوم کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔ یہ عملیق کی اولاد میں سے تھے بڑے قد آور اور لڑاکے۔ ان کھیر کھانے والوں نے کہا ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ [مائدہ: ۲۴] "پس آپ جائیں اور آپ کا رب جائے اور دونوں جا کر لڑو بے شک ہم تو یہاں بیٹھنے والے ہیں۔" کھیر کھانے کے لیے۔ کتنا گستاخانہ جواب ہے؟ اس ناشکری کی وجہ سے ان پر بڑے بڑے عذاب آئے ﴿وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ﴾ [مائدہ: ۶۰] "اور بنایا ان میں سے بعض بندر اور خنزیر۔" اور یہ بندر اور خنزیر تین دن کے بعد ختم ہو گئے۔ چوں کہ ان پر انعامات زیادہ تھے اس لیے رب تعالیٰ کی گرفت بڑی سخت تھی۔ عقلی بات یہ ہے کہ انسان جتنی بلندی سے گرتا ہے اسے اتنا ہی زیادہ نقصان ہوتا ہے تھوڑی بلندی سے گرے گا تو چوٹ کم لگے گی۔ نعمتیں بڑی تھیں اس لیے سزا بھی بڑی سخت دی۔ بڑی نافرمان اور سرکش قوم تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف بھی انہی لوگوں نے کارروائیاں کیں۔

بنی اسرائیل کے مولویوں اور پیروں نے دین کا نقشہ بدل دیا :

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان لوگوں نے اپنے مولویوں اور پیروں کو رب بنا لیا۔ چنانچہ سورۃ توبہ آیت نمبر ۳۱ میں ہے

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ "بنالیا انھوں نے اپنے عالموں اور پیروں کو رب اللہ تعالیٰ کے سوا۔" اور ان کے مولویوں اور پیروں نے دین کا حلیہ بگاڑ دیا جیسے آج کل اہل بدعت نے دین کا بالکل نقشہ بدل دیا ہے۔ بدعات کو دین اور دین، نادین بنادیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی اصلاح کی کوشش کی اور فرمایا کہ یہ چیزیں جو تم کررہے ہو دین کے خلاف ہیں تو یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالف ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے خلاف جلوس نکالنے اور جلسے کرنے شروع کر دیے۔ رومیوں کی حکومت تھی جب احتجاج نے زور پکڑا تو گورنر نے مرکز کو خط لکھا کہ ایک آدمی کی وجہ سے بڑی گڑبڑ ہے میں کیا کروں؟ مرکز نے کہا کہ اگر ایک آدمی کو سولی پر لٹکانے سے امن قائم ہوتا ہے تو اس کو سولی پر لٹکا دو۔ شمعون قرینی ایک منافق آدمی تھا اور اس کی شکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملتی جلتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف زندہ اُٹھالیا سورۃ نساء آیت نمبر ۱۵۸ میں ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ "بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف اُٹھالیا۔" اور حکومت نے شمعون قرینی کو پکڑ کر سولی پر لٹکا دیا۔ من وسلویٰ کے متعلق کہا کہ ﴿لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ﴾ [بقرہ:۶۱] "ہم ہرگز صبر نہیں کریں گے ایک قسم کے کھانے پر۔"

بنی اسرائیل کے معذّب ہونے کی وجہ

تو یہ ایسی نافرمان قوم ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو قتل کیا، خدا کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ اس جگہ ان کے متعلق دو واقعات کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بذریعہ تورات پہلے بتا دیا تھا کہ تم نافرمانی کرو گے، پیغمبروں کو شہید کرنا، رب تعالیٰ کے دین میں رخنہ ڈالنا، فسادات کرنا یہ تمام اسی مد میں آتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تم پر دشمن مسلط کرے گا۔ چنانچہ ایران کے بادشاہ بخت نصر کے پاس بڑی فوجیں تھیں اس نے حملہ کر کے فوجیں شام کے علاقہ میں داخل کر دیں۔ اس وقت فلسطین، کنعان، اردن شام میں داخل تھے انگریز خبیث نے اپنے مفاد کی خاطر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اب فلسطین جدا ہے، اسرائیل جدا ہے، اردن جدا ہے، شام جدا ہے۔ اور انگریزوں نے ان کے ایسے ذہن بنا دیئے ہیں کہ یہ کافروں کے ساتھ مل سکتے ہیں آپس میں اکٹھے نہیں ہو سکتے اور سب امریکہ کے پٹھو ہیں کیا سعودیہ اور کیا دوسرے، اس کے علاوہ کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

اگر صدام نے سر اُٹھایا تھا تو اس کا ساتھ دیتے۔ اس سے بھی تھوڑی بے وقوفی ہوئی بلکہ امریکہ نے طارق عزیز جو اس کا وزیر اعظم تھا اب نائب وزیر اعظم ہے اور وہ عیسائی ہے اس کے ذریعے اس کو (صدام کو) کویت کے خلاف اُبھارا۔ یہ سب امریکہ کی سازش تھی کہ یہ کویت کے خلاف حملہ کرے گا عرب سارے اس کے مخالف ہو جائیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ یہ بڑی خبیث قومیں ہیں اللہ تعالیٰ نے ویسے ہی نہیں فرمایا ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ﴾ [مائدہ:۵۱] "اے ایمان والو! نہ بناؤ یہود و نصاریٰ کو دوست۔"

اسی نکتے کو لیا ہے اسامہ بن لادن نے اور وہ بے چارہ ساری دنیا میں معتوب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ امریکہ کو کیا حق ہے کہ ہمارے علاقے میں فوج رکھے اور اس کا سارا خرچہ سعودیہ برداشت کرے۔ اس میں ان کی شراب وغیرہ ساری بدمعاشیاں شامل

ہیں۔اس حق گوئی کی وجہ سے اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔اب امریکہ کے جاسوس قبائلی علاقے میں آئے ہوئے ہیں اس کو ڈھونڈنے کے لیے۔اللہ تعالیٰ ان کو ناکام کرے۔تصنے یہود و نصاریٰ بڑی خبیث قومیں ہیں۔پہلی مرتبہ انھوں نے نافرمانی کی تو بخت نصر نے ان پر حملہ کر دیا ان کے گھروں میں داخل ہو گئے،مکان تباہ کیے،مردوں کو قتل کیا،عورتوں کی بے عزتی کی اور ایسے موقع پر جو کچھ ہوتا ہے وہ سب کچھ کیا۔اس کا ذکر ہے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ اور ہم نے فیصلہ سنا دیا بنی اسرائیل کو ﴿فِي الْكِتٰبِ﴾ کتاب تورات کے ذریعے۔قبل از وقت فیصلہ سنا دیا تھا ﴿لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ﴾ البتہ تم ضرور فساد کرو گے زمین میں ﴿مَرَّتَيْنِ﴾ دو مرتبہ۔ اللہ تعالیٰ کے صریح احکام کو توڑنا اور اپنی من مانی کرنا یہ سب فساد فی الارض ہے ﴿وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾ اور ضرور تم سرکشی کرو گے بڑی سرکشی ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا﴾ پس جب آیا وعدہ ان سرکشیوں میں پہلی سرکشی کا یعنی پہلی سرکشی کا وقت آ گیا ﴿بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ﴾ ہم نے مسلط کیے تم پر ﴿عِبَادًا لَّنَآ﴾ اپنے بندے۔

لفظِ عباد پر امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت

امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کا مطلب اس طرح بیان کرتے تھے کہ ہم نے ان پر اپنے کمی مسلط کیے۔پھر مثال دے کر سمجھاتے تھے کہ اگر کسی کا بیٹا نافرمان ہو جائے اور بار بار سمجھانے پر بھی نہ سمجھے تو پھر باپ اپنے ملازم اور نوکر کو کہتا ہے کہ میرے سامنے اس کو جوتے لگاؤ۔تو کمی ملازموں کے ذریعے اس کو جوتے لگواتا ہے۔اسی طرح جب انھوں نے نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے کافر کمی کے ذریعے ان کو جوتے لگوائے۔﴿عِبَادًا﴾ کا لفظی معنیٰ ہے بندے، لیکن شاہ صاحب اس کا ترجمہ کمی کا کرتے تھے۔تو ایسا ہوتا ہے کہ جب قومیں نافرمانی کرتی ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ذریعے کہ جن کی دینی حیثیت کچھ نہیں ہوتی مرمت کرواتے ہیں، یہ ایرانی مجوسی تھے۔

تو فرمایا ہم نے اپنے بندے بھیجے ﴿اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ﴾ جو سخت پکڑ والے تھے ﴿فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ﴾ پس وہ گھس گئے گھروں کے درمیان۔تاریخ بتاتی ہے کہ انھوں نے اتنی قتل و غارت کی کہ بیت المقدس شہر کی گلیوں کا خون گھوڑوں کے گھٹنوں تک آتا تھا۔﴿وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا﴾ اور تھا یہ وعدہ طے شدہ کہ تم نافرمانی کرو گے اور ہم اپنے کمیوں کے ذریعے تمھاری مرمت کروائیں گے۔چنانچہ خوب ان کی ٹھکائی ہوئی ﴿ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ﴾ پھر ہم نے لوٹائی تمھارے لیے باری ان کے خلاف۔ان کی نئی پود آئی اس نے توبہ استغفار کیا اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اس پر کچھ صدیاں گزریں ﴿وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ﴾ اور ہم نے تمھاری مدد کی مال کے ذریعے اور بیٹوں کے ساتھ ﴿وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا﴾ نفیر کا معنیٰ تعداد۔اور بنایا ہم نے تمھیں زیادہ تعداد میں۔صدیاں گزرنے کے بعد ایک وقت آیا کہ ان کا مال بھی بڑھا اور تعداد بھی بڑھی کافی ساری، ہم نے اس وقت تمھیں کہہ دیا ﴿اِنْ اَحْسَنْتُمْ﴾ اگر تم نیکی کرو گے ﴿اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ﴾ نیکی کرو گے اپنی جانوں کے لیے۔اپنے لیے

کرو گے تمھاری نیکیوں سے خدا کی شان میں زیادتی نہیں ہوگی اور نہ ہی وہ تمھاری نیکیوں کا محتاج ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر سارے لوگ بد بخت اور نافرمان ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی شان میں ایک رتی برابر بھی فرق نہیں پڑے گا اور اگر سب کے سب نیک ہو جائیں تو رب تعالیٰ کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ تو یہ تمھاری نیکیاں تمھارے لیے ہیں ﴿وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا﴾ اور اگر تم برائی کرو گے ان جانوں کے لیے ہوگی۔ اس کا وبال تمھاری جانوں پر پڑے گا۔

چنانچہ دوسری دفعہ انھوں نے نافرمانی کی اور یہ وہ زمانہ تھا جب ان ظالموں نے حضرت زکریا علیہ السلام کو شہید کیا، حضرت شعیا علیہ السلام کو شہید کیا، حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کیا۔ اس دور کے قریب قریب کا واقعہ ہے طیطس رومی بعضے طیطاؤس بھی لکھتے ہیں طو طے والی 'طا' کے ساتھ۔ بعضے کہتے ہیں کہ یہ عیسائی تھا اور بعضے کہتے ہیں کہ مشرک تھا۔ اکثر عیسائی کہتے ہیں، اس کی فوجیں آئیں۔

فرمایا ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ﴾ پس جب آیا وعدہ دوسری سرکشی کا اور اس کی سزا کا ﴿لِیَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ﴾ تاکہ وہ بگاڑ دیں تمھارے چہروں کو۔ جب انھوں نے اس کی فوجیں دیکھی تو ان کے چہرے فق ہو گئے کہ ہمارے ساتھ کیا بنا ﴿وَلِیَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ﴾ اور تاکہ وہ داخل ہو جائیں مسجد میں۔ اس وقت مسجد اقصیٰ بڑی وسیع تھی حضرت سلیمان علیہ السلام نے بڑی ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ بنائی تھی۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے گھر میں داخل ہو گئے تاکہ ہماری جانیں بچ جائیں مگر انھوں نے مسجد میں بھی کسی کو نہیں چھوڑا ﴿كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ جیسا کہ وہ داخل ہوئے پہلی مرتبہ اور کسی کو نہیں چھوڑا تھا اب بھی نہیں چھوڑا ﴿وَّلِیُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِیْرًا﴾ اور تاکہ وہ ہلاک کر دیں اس چیز کو جس پر وہ غالب آگئے ہلاک کرنا۔ نہ آدمی چھوڑے، نہ جانور چھوڑے، نہ مکان چھوڑے، سب کچھ تباہ و برباد کر دیا۔ یہ تمھاری نافرمانی کا نتیجہ تمھیں دنیا میں ملا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یَّرْحَمَكُمْ﴾ قریب ہے کہ تمھارا رب یہ کہ تم پر رحم کرے۔ اگر تم صحیح معنیٰ میں انسان بن جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں تم پر نازل ہونے کے لیے تیار اور بے تاب ہیں اور اگر نافرمانی کرو گے تو یہی کچھ ہوگا اور یاد رکھو! ﴿وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا﴾ اور اگر تم لوٹو گے شرارتوں کی طرف ہم لوٹیں گے سزا دیں گے تمھیں۔ یہ تو دنیا کی سزائیں ہیں اور یاد رکھو! ﴿وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا﴾ اور ہم نے بنائی ہے جہنم کافروں کے لیے قید خانہ۔ حَصِیْر کا معنیٰ جیل، قید خانہ۔ یہ روکنے والا ہے یہ سب کو وہاں روکے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم کے ساتھ نافرمانیوں سے بچائے دنیا اور آخرت کے عذاب سے محفوظ فرمائے اور نیکی کی توفیق عطا فرمائیں۔

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ﴾ بے شک یہ قرآن کریم ﴿یَهْدِیْ﴾ راہنمائی کرتا ہے ﴿لِلَّتِیْ﴾ اس راستے کی ﴿هِیَ اَقْوَمُ﴾ جو سب سے زیادہ درست ہے ﴿وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور خوش خبری دیتا ہے مومنوں کو ﴿الَّذِیْنَ﴾ وہ مومن

﴿یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ﴾ جو عمل کرتے ہیں اچھے ﴿اَنَّ لَهُمْ﴾ بے شک ان کے لیے ﴿اَجْرًا كَبِيْرًا﴾ اجر ہے بہت بڑا ﴿وَّاَنَّ الَّذِيْنَ﴾ اور بے شک وہ لوگ ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ جو ایمان نہیں لاتے ﴿بِالْاٰخِرَةِ﴾ آخرت پر ﴿اَعْتَدْنَا لَهُمْ﴾ ہم نے تیار کیا ہے ان کے لیے ﴿عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ دردناک عذاب ﴿وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ﴾ اور انسان مانگتا ہے ﴿بِالشَّرِّ﴾ برائی ﴿دُعَآءَهٗ﴾ جیسے مانگتا ہے ﴿بِالْخَيْرِ﴾ بھلائی ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا﴾ اور ہے انسان جلد باز ﴿وَجَعَلْنَا الَّيْلَ﴾ اور بنائی ہم نے رات ﴿وَالنَّهَارَ﴾ اور دن ﴿اٰيَتَيْنِ﴾ دو نشانیاں ﴿فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ﴾ پس ہم نے مٹائی نشانی رات کی ﴿وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ﴾ اور بنائی ہم نے دن کی نشانی ﴿مُبْصِرَةً﴾ روشن ﴿لِّتَبْتَغُوْا﴾ تاکہ تم تلاش کرو ﴿فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ فضل کو اپنے رب کی طرف سے ﴿وَلِتَعْلَمُوْا﴾ اور تاکہ تم جان لو ﴿عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ﴾ سالوں کی گنتی اور حساب ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ﴾ اور ہر چیز کو ﴿فَصَّلْنٰهُ﴾ ہم نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے ﴿تَفْصِيْلًا﴾ تفصیل کے ساتھ بیان کرنا۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سبق میں تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھا ﴿وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ "اور دی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور بنایا اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت۔" تو تورات صرف بنی اسرائیل کے لیے ہدایت تھی، زبور بھی صرف بنی اسرائیل کے لیے تھی۔

عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے ان کے متعلق سورۃ آل عمران آیت نمبر ۴۹ میں ہے ﴿وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ "اور اللہ تعالیٰ اس کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا۔" تو عیسیٰ علیہ السلام بھی صرف بنی اسرائیل کے لیے رسول تھے۔ اور انجیل متی میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں اور صحابیوں کو تعلیم دے رہے تھے کہ ایک عورت نے آ کر کہا کہ میں آپ سے کچھ خیر لینا چاہتی ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تیرا تعلق کس خاندان کے ساتھ ہے؟ اس نے کہا میں کنعانی خاندان کے ساتھ تعلق رکھتی ہوں۔ فرمایا تیرے لیے میرا فیض نہیں ہے۔ اتنے لفظ کہہ کر اپنا بیان شروع کر دیا۔ وہ عورت بار بار کہتی تھی میں آپ سے فیض لینا چاہتی ہوں، مجھے بھی فیض دو۔ اس کے بار بار کہنے پر شاگردوں نے کہا حضرت! اس کو کچھ دیں۔ تو فرمایا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ تو تورات، انجیل، زبور صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے آئی تھیں۔

قرآن تمام جن وانس کے لیے کتاب ہدایت ہے

اب اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے متعلق فرماتے ہیں ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ﴾ بے شک یہ قرآن کریم راہنمائی کرتا ہے ﴿لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾ اس راستے کی جو سب سے زیادہ درست ہے۔ اور کن کی راہنمائی کرتا ہے؟ ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ [بقرہ:۱۸۵] "تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے۔" اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو فرمایا ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ [اعراف:۱۵۸] "اے پیغمبر آپ کہہ دیں اے انسانو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف۔" اور صرف انسان ہی نہیں بلکہ سورۃ فرقان میں ہے ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ "بابرکت ہے وہ ذات جس نے اتارا ہے فرقان اپنے بندے پر تاکہ ہو جائے وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا۔" تو عالمین کے لفظ میں جنات بھی شامل ہیں اور حدیث پاک میں آتا ہے: بُعِثْتُ اِلَى الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ وَاِلَى الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اوکما قال "اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے کالے اور سرخ کی طرف جنوں اور انسانوں کی طرف۔" تو پہلے پیغمبر آتے رہے خاص خاص قوموں کی ہدایت کے لیے۔ ان پر جو کتابیں نازل ہوئیں وہ بھی خاص قوموں کی ہدایت کے لیے تھیں اور قرآن کریم تمام انسانوں اور جنات کی ہدایت کے لیے ہے۔ فرمایا بے شک یہ قرآن راہنمائی کرتا ہے اس راستے کی جو سب سے زیادہ درست ہے۔ وہ راستہ مستقیم ہے۔ ہر نماز میں ہم پڑھتے ہیں ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ ۔ تو قرآن کریم صراط مستقیم کی راہنمائی کرتا ہے۔

اور کیا کرتا ہے؟ ﴿وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور خوش خبری دیتا ہے مومنوں کو۔ کون سے مومن؟ ﴿الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ﴾ وہ مومن جو عمل کرتے ہیں اچھے۔ ایک ہیں زبانی مومن، زبان سے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مومن ہیں اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ کہہ کر نہ بلکہ ساتھ اچھے عمل بھی کرتے ہیں يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ کی قید بھی ہے۔ کیا بشارت سناتا ہے ﴿اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا﴾ بے شک ان کے لیے اجر ہے بہت بڑا اور سب سے بڑی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ اور جنت کی خوشی، راحت اور آرام کا دنیا میں صحیح معنیٰ میں تصور بھی نہیں کر سکتے اور جو سعادت مند نیک بخت جنت میں داخل ہو گیا وہ کبھی جنت سے نکلے گا نہیں ایسی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہے کہ سوچتے سوچتے ہمارے دماغ فیل ہو جائیں۔ اور قرآن پاک کیا کہتا ہے؟ ﴿وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ اور بے شک وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر ﴿اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ ہم نے تیار کیا ہے ان کے لیے دردناک عذاب۔ مومنوں کو جنت کی خوش خبری اور کافروں اور نافرمانوں کو جہنم کے عذاب سے ڈرانا یہ قرآن پاک کے دو اصول ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ انسان کی تلوّن مزاجی کا ذکر کرتے ہیں کہ انسان بہت جلد بدل جاتا ہے۔ فرمایا ﴿وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ﴾ اور مانگتا ہے انسان برائی دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ اَيْ كَدُعَآءِهٖ بِالْخَيْرِ جیسے مانگتا ہے بھلائی یعنی انسان جس طرح راحت مانگتا ہے کبھی تنگ آکر اپنی برائی بھی مانگ لیتا ہے کہ میں مرجاؤں، اولاد سے تنگ آکر کہتا ہے اولاد مر جائے، کبھی مال سے پریشان ہو کر مال کے لیے بددعا کرتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اپنی اولاد کے لیے بددعا نہ کرو اور نہ اپنے مال

کے لیے بددعا کردہو سکتا ہے وہ وقت دعا کی قبولیت کا ہو۔بعض اوقات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ دعا جلدی قبول کر لیتے ہیں اگر قبول ہوگئی تو بعد میں خود پریشان ہوگا ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا﴾ اور ہے انسان جلد باز، بڑی جلدی فیصلے کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں

آگے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی نشانیاں بتلاتے ہیں۔فرمایا ﴿وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ايَتَيْنِ﴾ اور بنائی ہم نے رات اور دن دو نشانیاں اپنی قدرت کی ﴿فَمَحَوْنَا ايَةَ الَّيْلِ﴾ پس ہم نے مٹائی رات کی نشانی ﴿وَجَعَلْنَا ايَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً﴾ اور بنائی ہم نے دن کی نشانی روشن۔رات تاریک ہے اور دن روشن ہے ان کو روشن کیوں بنایا؟ ﴿لِتَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ﴾ تاکہ تم تلاش کرو اپنے رب کے فضل کو۔روزی کماؤ، روزی کمانا بھی عبادت کا حصہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے نماز کا حکم امر کے ساتھ دیا ہے ﴿أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور زکوٰۃ کا حکم امر کے ساتھ دیا ہے ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ اسی طرح روزی کمانے کا حکم بھی امر کے ساتھ دیا ہے ﴿فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ [سورہ جمعہ] "پس جب فارغ ہو جاؤ جمعہ کی نماز سے تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ تعالیٰ کا فضل۔" یعنی روزی کماؤ تو ﴿وَابْتَغُوا﴾ امر کا صیغہ ہے۔

تن آسانی حرام ہے

اور مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((كَفٰى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُّضَيِّعَ مَنْ يَّقُوْتُ)) آدمی کے گنہگار ہونے کے لیے کافی ہے کہ وہ ضائع کرے ان کو جن کی روزی کا یہ ذمہ دار ہے۔" تو جو شخص تن آسانی کی وجہ سے کماتا نہیں ہے یہ حرام ہے اور گھر کے افراد تنگ ہیں دال روٹی کو ترستے ہیں تو یہ بھی بڑے گناہوں میں سے ہے۔اور حدیث پاک میں آتا ہے: ((إِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الشَّابَّ الصَّحِيْحَ الْفَارِغَ أَوْ كَمَا قَالَ))۔ "بے شک اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہے ایسے نوجوان سے جو تندرست ہے اور فارغ رہتا ہے۔" تو حلال کمائی بھی عبادت کا حصہ ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے دن بنایا تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا فضل رزق حاصل کرو۔

ایک آدمی کا حیرت ناک و عبرت ناک خواب دیکھنا

بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ ایک آدمی نے خواب دیکھا کہ میں جنگل کے ایک میدان میں اکیلا جا رہا ہوں اور کوئی ہتھیار بھی میرے پاس نہیں ہے میں نے اچانک دیکھا تو میرے پیچھے ایک موٹا تازہ شیر دوڑتا ہوا آ رہا ہے۔میں بڑا گھبرایا کہ اکیلا ہوں اور میرے ہاتھ میں تلوار وغیرہ کوئی ہتھیار بھی نہیں ہے اور شیر بڑا موٹا تازہ ہے۔بھاگنا شروع کر دیا دیکھا تو ایک کنواں ہے جس میں درخت کی دو ٹہنیاں لٹک رہی ہیں میں نے سوچا کہ ٹہنیوں کو پکڑ کر نیچے لٹک جاتا ہوں جب شیر چلا جائے گا تو ٹہنیاں پکڑ کر باہر آ جاؤں گا۔ٹہنیاں بڑی مضبوط تھیں لٹک کر نیچے دیکھا تو بہت بڑا اژدھا ہے جس کا منہ کھلا ہوا ہے پھر دیکھا تو ایک سیاہ

رنگ کا چوہا ہے اور ایک سفید رنگ کا جو ٹہنیوں کو کاٹ رہے ہیں۔ میں بڑا خوف زدہ ہوا کہ اُوپر شیر ہے نیچے اژدہا ہے اور ٹہنیوں کو چوہے کاٹ رہے ہیں۔ اُوپر جاتا ہوں شیر کا خطرہ ہے ٹہنیاں کٹیں گی تو اژدہا کے منہ میں جاؤں گا اللہ تعالیٰ ہی بچانے والا ہے۔ میں اسی کیفیت میں تھا کہ مجھے جاگ آ گئی ہے۔ الحمدللہ! پڑھا کہ خواب تھا میرا وہ غم اور خوف ٹل گیا اس سخت پریشانی سے نجات ملی۔ صبح کو مُعبِّر کے پاس پہنچا کہ خواب کی تعبیر پوچھوں۔ خواب سنایا تو اس نے تعبیر بتلائی کہ وہ شیر موت ہے جو تیرے پیچھے لگی ہوئی ہے ملک الموت فرشتہ ہے جس نے تیری جان نکالنی ہے اور وہ اژدہا قبر ہے جس کے منہ میں تو نے جانا ہے اور وہ ٹہنیاں جو تو نے پکڑی ہیں وہ زندگی کی دو ٹہنیاں ہیں اور کالے اور سفید رنگ کے چوہے رات اور دن ہیں جو تمھاری زندگی کو ختم کر رہے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم رات کی نشانی کو مٹاتے ہیں اور دن کی نشانی کو روشن کیا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا رزق تلاش کرو ﴿وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ﴾ اور تاکہ تم جان لو سالوں کی گنتی اور حساب۔ یہ رات دن، چاند، سورج، مہینے اور سالوں کی گنتی کے لیے بھی ہیں اور فرمایا ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا﴾ اور ہر چیز کو ہم نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے تفصیل کے ساتھ بیان کرنا۔ یعنی جو اصول اور قواعد ہیں، کلیات دین ہیں ان کو ہم نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ باقی جزئیات ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً اور فعلاً بیان فرمائی ہیں وہ قرآن پاک کی تفصیل ہے۔

~~~

﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ﴾ اور ہر انسان ﴿اَلْزَمْنٰهُ﴾ ہم نے لازم کر دیا ہے اس پر ﴿طٰٓئِرَهٗ﴾ اس کا اعمال نامہ ﴿فِيْ عُنُقِهٖ﴾ اس کی گردن میں ﴿وَنُخْرِجُ لَهٗ﴾ اور ہم نکالیں گے اس کو ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن ﴿كِتٰبًا﴾ ایک نوشتہ ﴿يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا﴾ ملے گا اس کو کھلا ہوا اور اس سے کہا جائے گا ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ﴾ پڑھ اپنی کتاب کو ﴿كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ﴾ کافی ہے تیرے نفس کے لیے آج کے دن ﴿عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ تجھ پر محاسبہ کرنے والا ﴿مَنِ اهْتَدٰى﴾ جس نے ہدایت حاصل کی ﴿فَاِنَّمَا﴾ پس پختہ بات ہے ﴿يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ﴾ اس نے ہدایت حاصل کی اپنی ذات کے لیے ﴿وَمَنْ ضَلَّ﴾ اور جو گمراہ ہوا ﴿فَاِنَّمَا﴾ پس پختہ بات ہے ﴿يَضِلُّ عَلَيْهَا﴾ وہ گمراہ ہوتا ہے اپنے ہی نقصان میں ﴿وَلَا تَزِرُ﴾ اور نہیں اُٹھائے گا ﴿وَازِرَةٌ﴾ کوئی اُٹھانے والا ﴿وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ دوسرے کا بوجھ ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ﴾ اور ہم نہیں سزا دیتے ﴿حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ یہاں تک کہ ہم رسول بھیجتے ہیں ﴿وَاِذَآ اَرَدْنَآ﴾ اور جس وقت ہم ارادہ کرتے ہیں ﴿اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً﴾ یہ کہ ہلاک کر دیں کسی بستی کو ﴿اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا﴾ حکم دیتے ہیں ہم اس بستی کے آسودہ حال لوگوں کو ﴿فَفَسَقُوْا فِيْهَا﴾ پس وہ نافرمانی کرتے ہیں اس بستی میں ﴿فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ﴾ پس لازم ہو جاتا ہے اس پر قول ﴿فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا﴾ پس ہم اس کو ہلاک کر
~~~

دیتے ہیں ہلاک کرنا ﴿وَ كَمْ اَهْلَكْنَا﴾ اور ہم نے ہلاک کی ہیں ﴿مِنَ الْقُرُوْنِ﴾ کتنی ہی جماعتیں ﴿مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ﴾ نوح علیہ السلام کے بعد ﴿وَ كَفٰى بِرَبِّكَ﴾ اور کافی ہے آپ کا رب ﴿بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ﴾ اپنے بندوں کے گناہوں کو ﴿خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا﴾ خبر رکھنے والا، دیکھنے والا ﴿مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَةَ﴾ جو شخص ارادہ کرتا ہے دنیا کی زندگی کا ﴿عَجَّلْنَا لَهٗ﴾ ہم اس کے لیے جلدی کر دیتے ہیں ﴿فِیْهَا﴾ دنیا میں ﴿مَا نَشَآءُ﴾ جو ہم چاہتے ہیں ﴿لِمَنْ نُّرِیْدُ﴾ جس کے لیے چاہتے ہیں ﴿ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ﴾ پھر ہم بناتے ہیں اس کے لیے جہنم ﴿یَصْلٰىهَا﴾ اس میں داخل ہوگا ﴿مَذْمُوْمًا﴾ مذمت کیا ہوا ﴿مَّدْحُوْرًا﴾ پھٹکارا ہوا ﴿وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ﴾ اور جو شخص ارادہ کرے گا آخرت کا ﴿وَ سَعٰى لَهَا سَعْیَهَا﴾ اور اس کے لیے کوشش کرتا ہے کوشش کرنا ﴿وَ هُوَ مُؤْمِنٌ﴾ اور شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو ﴿فَاُولٰٓىِٕكَ كَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْكُوْرًا﴾ پس یہی لوگ ہیں ان کی کوشش کی قدر کی جائے گی۔

انسان جو کچھ کرتا یا بولتا ہے اس کا ریکارڈ محفوظ ہے

ہم جو کچھ کرتے ہیں یا بولتے ہیں ان سب چیزوں کا ریکارڈ محفوظ ہے۔ جیسے یہ ٹیپ ریکارڈر ہے کہ میں جو بولتا ہوں اور جس انداز میں بولتا ہوں اس میں محفوظ ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح انسان جو لفظ زبان سے نکالتا ہے اور جو عمل کرتا ہے وہ درج ہوتا جاتا ہے اور قیامت والے دن وہ کھلی کتاب سامنے آجائے گی۔ جیسے تم نے دیکھا ہوگا کہ ایک کاغذ پر پورا قرآن لکھا ہوا ہے مگر حفاظ کے بغیر اور خوردبین کے بغیر پڑھا نہیں جاسکتا لیکن بسم اللہ سے لے کر والناس تک مکمل قرآن کریم ایک کاغذ پر لکھا ہوا ہے اور سارا سامنے نظر آتا ہے۔ تو اسی طرح اعمال نامہ بھی سارا نظر آئے گا۔ ایک فرشتہ ہمارے دائیں طرف بیٹھا ہوا ہے اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے۔

سورت قٓ آیت نمبر ۱۷ میں ہے ﴿اِذْ یَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ﴾ "جب لیتے ہیں دو لینے والے دائیں اور بائیں طرف سے جو بیٹھے ہوئے ہیں۔" اور آیت نمبر ۱۸ میں ہے ﴿مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ﴾ "نہیں بولتا وہ کوئی لفظ مگر اس کے پاس ایک نگران ہوتا ہے تیار۔" جو بھی لفظ زبان سے نکلتا ہے وہ اس کو نوٹ کرتے ہیں۔ دائیں طرف والا نیکیاں لکھنے والا ہے اور یہ افسر ہے اور بائیں طرف والا گناہ لکھتا ہے اور یہ ماتحت ہے دائیں طرف والے کا۔ جب کوئی اچھی بات منہ سے نکلتی ہے تو اس کو تو فرشتہ فوراً نوٹ کر لیتا ہے اور جب کوئی بُری بات منہ سے نکلتی ہے اور فرشتہ لکھنے کی تیاری کرتا ہے تو اس کو افسر حکم دیتا ہے کہ ذرا ٹھہر جا لَعَلَّهٗ یَتُوْبُ اَوْ یَسْتَغْفِرُهٗ "ہوسکتا ہے کہ یہ شخص توبہ کر لے یا معافی مانگ لے۔" جب کچھ وقفے تک وہ توبہ نہیں کرتا تو پھر وہ افسر فرشتہ حکم دیتا ہے اُكْتُبْ اب لکھ لو۔ تو تمام چیزوں کا ریکارڈ محفوظ ہے۔ اس کا ذکر ہے۔

﴿وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ﴾ اور ہر انسان پر ہم نے لازم کر دیا ہے اس کا اعمال نامہ، پروانہ ﴿فِيْ عُنُقِهٖ﴾ اس کی گردن میں۔ جب قبر سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی عدالت میں جائے گا تو وہ اعمال نامہ اس کی گردن میں لٹکا ہوا ہوگا۔ فرمایا ﴿وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ اور ہم نکالیں گے اس کو قیامت کے دن ﴿كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا﴾ ایک نوشتہ ہے ملے گا اس کو کھلا ہوا۔ وہ کتاب اس کے سامنے آ جائے گی۔ دنیا میں کتنے لوگ اَن پڑھ ہیں جو خود نہیں پڑھ سکتے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اتنا ادراک اور بصیرت دے گا کہ وہ اپنا اعمال نامہ خود پڑھے گا۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ﴾ پڑھ تو اپنی کتاب اعمال نامے کو ﴿كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ کافی ہے تیرے نفس کے لیے آج کے دن تجھ پر محاسبہ کرنے والا۔ آج دنیا میں ہمارے حافظے کمزور ہیں بہت سی چیزیں ہم کر کے بھول جاتے ہیں قیامت کے دن کی خصوصیت ہوگی کہ حافظے اتنے تیز کر دیئے جائیں گے کہ ﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ﴾ [آل عمران: ۳۰] "جس دن حاضر پائے گا اپنے سامنے ہر نفس جو کچھ اس نے عمل کیا ہے نیکی سے اور جو اس نے برائی کی ہے۔" نیکی بدی جو بھی اس نے کی ہے سب ذہن میں آ جائے گی۔

تفسیروں میں آتا ہے اور روایات میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ا بندے! اپنا پرچہ پڑھ۔ صفحہ دو صفحے یا اس سے کم وبیش پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے مَهْلًا "ذرا ٹھہر جا هَلْ ظَلَمَكَ كَتَبَتِيْ میری طرف سے جو فرشتے لکھنے والے تھے انھوں نے کوئی زیادتی تو نہیں کی؟" کہے گا نہیں! حکم ہوگا اور پڑھو۔ مزید چند صفحے پڑھے گا اللہ تعالیٰ پھر سوال کریں گے اب بتلاؤ میرے فرشتوں نے کوئی زیادتی تو نہیں کی؟ بندہ کہے گا نہیں جو کچھ لکھا ہے صحیح لکھا ہے۔ اپنا سارا پروانہ پڑھے گا اور کہے گا ﴿مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ [کہف: ۴۹] "کیا ہے اس کتاب کو نہیں چھوڑتی یہ کسی چھوٹی چیز کو نہ بڑی چیز کو مگر اس کے کہ اس کو سنبھال رکھا ہے اور وہ پائیں گے جو بھی انھوں نے عمل کیے ہیں موجود اور نہیں زیادتی کرے گا تیرا رب کسی پر۔" تو تمام نیکیوں اور برائیوں کا ریکارڈ تیار ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَنِ اهْتَدٰى﴾ جس نے ہدایت حاصل کی ﴿فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ﴾ پس پختہ بات ہے وہ ہدایت حاصل کرے گا اپنی ذات کے لیے ﴿وَمَنْ ضَلَّ﴾ اور جو گمراہ ہوا ﴿فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا﴾ پس پختہ بات ہے وہ گمراہ ہوتا ہے اپنے ہی نقصان میں، اس کی گمراہی اس کے نفس پر ہے ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ اور نہیں اُٹھائے گا کوئی اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ۔ یہودی کہتے ہیں ہمارے گناہ حضرت عزیر علیہ السلام نے اُٹھا لیے، عیسائی کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے گناہوں کا کفارہ ہیں وہ ہمارے منجی ہیں ہم چاہے جتنے گناہ کریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر لٹک کر ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو لئے ہیں۔ عجیب منطق ہے کہ گناہ کرو تم اور سولی پر لٹکیں وہ اور تم گناہ کرو دو ہزار سال بعد اور وہ سولی پر لٹک جائیں دو ہزار سال پہلے۔ بھئی! یہ کون سا انصاف ہے؟ سب باطل نظریات ہیں نہ کوئی کسی کا بوجھ اٹھائے گا اور نہ کوئی کسی کے گناہوں کا کفارہ ہو گا حاشا وکلا! ان باتوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اتمام حجت کے بعد سزا دیتے ہیں ؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ﴾ اور ہم نہیں سزا دیتے کسی کو ﴿حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ یہاں تک کہ ہم رسول بھیجتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تک اللہ تعالیٰ نے دنیا کے ہر کونے میں ہر قوم کی طرف پیغمبر بھیجے اور بھیجے بھی ان کی زبان میں تاکہ قوم یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں ان کی زبان سمجھ نہیں آئی، معجزات دکھائے، کتابیں سنائیں، پیغمبروں نے سمجھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمیں حق اور باطل سے آگاہ نہیں کیا گیا۔ لیکن جب قوموں نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا اور حق ماننے کی بجائے حق کو مٹانے پر آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے عذاب بھیج کر مجرموں کا صفایا کر دیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر ہیں ؟

اور یہ مسئلہ بھی ذہن نشین کر لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے بعد اب قیامت تک دنیا میں کوئی نبی، رسول پیدا نہیں ہو سکتا اور دین کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے آخری پیغمبر کی اُمت پر ڈالی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس اُمت نے دین کو محفوظ رکھا ہے اور قیامت تک رہے گا باطل تو تیں اس دین کو مٹانے کی کوشش کرتی رہی ہیں اور کر رہی ہیں اور کرتی رہیں گی لیکن جتنا مرضی زور لگا لیں دین حق کوئی نہیں مٹا سکتا۔ ایک حدیث پاک میں آتا ہے: عُلَمَآءُ اُمَّتِيْ كَاَنْبِيَآءِ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ "میری امت کے علمائے حق ایسے ہیں کہ جیسے بنی اسرائیل کے انبیاء۔" جیسے انھوں نے دین کی حفاظت کی تھی، انھوں نے بھی دین کی حفاظت کی جانوں کی قربانی دے کر حق کو محفوظ اور باقی رکھا۔ یہ علماء پہلے بھی تھے اور اب بھی ہیں۔ یہ دنیائے کفر یہ خیال کرتی ہے کہ اسلام مٹ جائے گا حاشا وکلا! یہ نہیں مٹے گا اس کو جتنا دباؤ گے ان شاء اللہ! یہ اتنا ہی اُبھرے گا۔ یہ دین آج تک اپنی اصل شکل میں محفوظ ہے اگرچہ اہل بدعت نے بدعت کو دین بنایا ہوا ہے لیکن الحمد للہ ثم الحمد للہ! دنیا کے کونے کونے میں توحید و سنت بھی برقرار اور موجود ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کسی قوم کو سزا نہیں دیتے جب تک پیغمبر پہنچ کر اتمام حجت نہ کر دیں۔

ظالم کیسے ہلاک ہوتے ہیں ؟

آگے فرمایا ﴿وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا﴾ اور جس وقت ہم ارادہ کرتے ہیں یہ کہ ہلاک کر دیں کسی بستی کو تو حکم دیتے ہیں اس بستی کے آسودہ حال لوگوں کو۔ قرآن پاک کے اُمت میں اول نمبر کے مفسر حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ جس وقت ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کر دیں تو وہاں کے آسودہ حال لوگوں کو مال اور زیادہ دے دیتے ہیں اور جب مال زیادہ مل جائے تو پھر ﴿فَفَسَقُوْا فِيْهَا﴾ پس وہ نافرمانی کرتے ہیں اس بستی میں۔ اس مال کے بل بوتے پر جب مال چار گنا ہو گا تو نافرمانیاں بھی چار گنا ہوں گی ﴿فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ﴾ پس لازم ہو جاتا ہے اس بستی پر قول اللہ تعالیٰ کے عذاب کا۔ سورت شوریٰ آیت نمبر ۲۷ میں ہے ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ﴾ "اور اگر اللہ تعالیٰ کشادہ کر دے اپنے بندوں کا رزق تو البتہ وہ سرکشی کریں زمین میں۔" یعنی سب باغی ہو جائیں۔ عموماً پیسے کا یہ اثر ہے

کہ جس کے پاس آجاتا ہے وہ دین پر اس طرح کار بند نہیں رہتا جس طرح غریب رہتا ہے۔ پھر وہ شراب پیے گا، شادیوں پر بے جا خرچ کرے گا، ٹھاہ ٹھاہ کرے گا، بدمعاشی کرے گا ہزار میں سے کوئی ایک ہو جو بچ جائے کہ ہو بھی مال دار اور شریعت کے تقاضے بھی پورے کرے ورنہ اکثریت کا بُرا حال ہے۔

تو فرمایا پھر رب کے عذاب کا قول لازم ہو جاتا ہے ﴿فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا﴾ پس ہم اس کو ہلاک کر دیتے ہیں ہلاک کر دینا۔ تو زیادہ مال ہلاکت کا پیش خیمہ ہے کھا کر ہضم کرنے والے بہت تھوڑے ہیں۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ إِلَى الْغُرَبَآءِ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَآءِ)) "فرمایا اسلام کی ابتداء بھی غریبوں میں ہوئی ہے اور رہے گا بھی غریبوں میں اے غریبو! میری طرف سے تمھیں مبارک باد ہو۔" فرمایا ﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ﴾ اور کتنی ہلاک کیں ہم نے جماعتیں ﴿مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ﴾ نوح علیہ السلام کے بعد۔ قوم ہود تباہ ہوئی، قوم ثمود تباہ ہوئی، قوم لوط تباہ ہوئی، قوم شعیب تباہ ہوئی، مدین والی اور بے شمار قومیں تباہ ہوئیں۔ ﴿وَكَفٰى بِرَبِّكَ﴾ اور کافی ہے آپ کا رب ﴿بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا﴾ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے والا، دیکھنے والا۔ ظاہر، باطن، قول، فعل، سب اس کے سامنے ہے اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ﴾ جو شخص ارادہ کرتا ہے دنیا کی زندگی کا ﴿عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ﴾ ہم اس کے لیے جلدی کر دیتے ہیں دنیا میں جو ہم چاہتے ہیں ﴿لِمَنْ نُّرِيْدُ﴾ جس کے لیے چاہتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ جو دنیا حاصل کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے اس کو مل جائے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے جتنی چاہتا ہے اس کو اتنی مل جاتی ہے۔ لیکن یاد رکھو! ﴿ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ﴾ پھر ہم بناتے ہیں اس کے لیے جہنم۔ مطلب یہ ہے کہ نہ ایمان ہے، نہ آخرت کی فکر، نہ دین ہے، صرف دنیا ہی دنیا ہے، دنیا کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا ہے لیکن وہ بھی اس کو اتنی نہیں ملتی جتنی وہ چاہتا ہے بلکہ اتنی ملتی ہے جتنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ پھر ﴿يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا﴾ داخل ہوگا دوزخ میں مذمت کیا ہوا پھٹکارا ہوا۔ اور اس کے برعکس ﴿وَمَنْ أَرَادَ الْاٰخِرَةَ﴾ اور جو شخص ارادہ کرتا ہے آخرت کا ﴿وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا﴾ اور اس کے لیے کوشش کرتا ہے کوشش کرنا۔ اگلے دو رکوعوں میں آخرت کی کوشش کا ذکر آئے گا کہ آخرت کے لیے یہ کام کرنے ہیں۔ تو فرمایا جس نے آخرت کا ارادہ کیا اور اس کے لیے کوشش بھی کی جس طرح کوشش کرنے کا حق ہے وَهُوَ مُؤْمِنٌ اور یہ شرط ہے کہ وہ مومن ہو پھر اس کے لیے آخرت ہے۔ کیوں کہ آخرت کا سارا دارومدار ایمان پر ہے۔

قبولیتِ عمل کی تین شرائط

بات اچھی طرح سمجھ لیں اور دماغ میں بٹھا لیں کہ ہر عمل کی قبولیت کی تین شرطیں ہیں۔

- ...... پہلی شرط ایمان ہے۔
- ...... دوسری شرط اخلاص ہے کہ عمل صرف رب کی رضا کے لیے ہو۔

۞ … اور تیسری شرط اتباع سنت ہے کہ عمل سنت کی پیروی میں ہو۔

اگر یہ تینوں چیزیں حاصل ہیں تو پھر خوشی ہونی چاہیے کہ آخرت میں سرخرو ہوگا اور اگر ایمان بھی نہیں اور اخلاص بھی نہیں، ریاکاری ہے، ناک ہے اور اس میں اچھلتا پھر رہا ہے اور سنت کے مطابق بھی نہیں پھر مشقت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کی ساری محنت رائیگاں جائے گی اور اگر ایمان، اخلاص، اتباع سنت ہے ﴿فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا﴾ پس یہی لوگ ہیں ان کی کوشش کی قدر کی جائے گی رائیگاں نہیں جائے گی ان کو ضرور صلہ ملے گا۔

﴿كُلًّا﴾ سب کو ﴿نُّمِدُّ﴾ ہم امداد دیتے ہیں ﴿هٰٓؤُلَآءِ﴾ ان کو بھی ﴿وَهٰٓؤُلَآءِ﴾ اور ان کو بھی ﴿مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ﴾ یہ تیرے رب کا عطیہ ہے ﴿وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ﴾ اور نہیں ہے تیرے رب کا عطیہ ﴿مَحْظُوْرًا﴾ روکا ہوا ﴿اُنْظُرْ﴾ دیکھ ﴿كَيْفَ فَضَّلْنَا﴾ کیسے ہم نے فضیلت دی ہے ﴿بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ ان میں سے بعض کو بعض پر ﴿وَ لَلْاٰخِرَةُ﴾ اور البتہ آخرت ﴿اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ﴾ بہت بڑی ہے درجات کے لحاظ سے ﴿وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا﴾ اور بہت بڑی ہے فضیلت کے اعتبار سے ﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ نہ بنائیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا معبود ﴿فَتَقْعُدَ﴾ پس بیٹھا رہے گا ﴿مَذْمُوْمًا﴾ مذمت کیا ہوا ﴿مَّخْذُوْلًا﴾ رسوا کیا ہوا ﴿وَ قَضٰى رَبُّكَ﴾ اور آپ کے رب نے حکم دیا ہے ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ یہ کہ نہ عبادت کرو تم مگر صرف اسی کی ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو ﴿اِمَّا يَبْلُغَنَّ﴾ اگر پہنچ جائیں ﴿عِنْدَكَ﴾ تمھارے پاس ﴿الْكِبَرَ﴾ بڑھاپے کو ﴿اَحَدُهُمَآ﴾ ان میں سے ایک ﴿اَوْ كِلٰهُمَا﴾ یا دونوں ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ﴾ پس نہ کہو تم ان کو اُف ﴿وَّلَا تَنْهَرْهُمَا﴾ اور نہ ان کو جھڑک ﴿وَقُلْ لَّهُمَا﴾ اور کہو ان دونوں کو ﴿قَوْلًا كَرِيْمًا﴾ بات شریفانہ ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا﴾ اور پست رکھو ان کے لیے ﴿جَنَاحَ الذُّلِّ﴾ نرمی کا بازو ﴿مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ شفقت کرتے ہوئے ﴿وَقُلْ﴾ اور کہو ﴿رَّبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿ارْحَمْهُمَا﴾ ان پر رحمت نازل فرما ﴿كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ جیسا کہ انھوں نے میری تربیت کی ہے بچپن میں ﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ﴾ تمھارا رب خوب جانتا ہے ﴿بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ﴾ جو تمھارے دلوں میں ہے ﴿اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ﴾ اگر ہو گے تم نیکی کرنے والے ﴿فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا﴾ پس بے شک وہ اللہ تعالیٰ ہے رجوع کرنے والوں کو بخشنے والا ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ اور دو قریبی رشتہ داروں کو ان کا حق ﴿وَالْمِسْكِيْنَ﴾ اور مسکین کو ﴿وَابْنَ السَّبِيْلِ﴾ اور مسافر کو ﴿وَلَا تُبَذِّرْ﴾ اور مت اُڑاؤ مال کو بے جا ﴿تَبْذِيْرًا﴾ بے جا اُڑانا ﴿اِنَّ

الْمُبَذِّرِیْنَ﴾ بے شک فضول خرچی کرنے والے ﴿کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ﴾ ہیں شیطانوں کے بھائی ﴿وَ کَانَ الشَّیْطٰنُ﴾ اور ہے شیطان ﴿لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾ اپنے رب کا سخت نافرمان۔

پچھلے سبق میں تم نے پڑھا ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ﴾ "جو شخص چاہتا ہے صرف دنیا ہم جلدی کرتے ہیں اس کے لیے دنیا میں جو ہم چاہیں اور جس کے لیے چاہیں۔" نہ ہر ایک کو دیتے ہیں اور نہ اس کی مرضی کے مطابق دیتے ہیں لیکن اس کی آخرت برباد ہے ﴿وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ﴾ "اور جو آخرت کا ارادہ کرتا ہے اور وہ اس کے لیے کوشش بھی کرتا ہے اور وہ مومن ہے تو اس کی کوشش کی قدر کی جائے گی۔" باقی رہا معاملہ خوراک، لباس اور صحت وغیرہ کا تو ﴿كُلًّا نُّمِدُّ﴾ ہر ایک کو ہم دیتے ہیں ﴿هٰٓؤُلَآءِ﴾ ان کو بھی جو دنیا کے طالب ہیں ﴿وَهٰٓؤُلَآءِ﴾ اور ان کو بھی جو آخرت کے طالب ہیں۔ بقدر ضرورت رزق سب کو ملے گا ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ "کوئی جان دار چیز نہیں ہے جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو۔" رزق کا دروازہ رب تعالیٰ کسی پر بند نہیں کرتے۔ باقی کسی کو زیادہ دینا یا تھوڑا دینا وہ الگ بات ہے۔ رزق کسی کا وہ بند نہیں کرتا چاہے کوئی اسے گالیاں دے یا جھوٹا کہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت خدا کو گالی دینا ہے

حدیث قدسی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: یَسُبُّنِیْ اِبْنُ اٰدَمَ وَ لَمْ یَکُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ "ابن آدم مجھے گالیاں نکالتا ہے حالاں کہ اُسے گالیاں نکالنے کا کوئی حق نہیں ہے وَ یُکَذِّبُنِیْ اِبْنُ اٰدَمَ وَ لَمْ یَکُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ. ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے اس کا بھی اسے حق نہیں پہنچتا۔ گالیاں کیسے نکالتا ہے؟ یَدْعُوْلِیْ وَلَدًا میری طرف اولاد کی نسبت کرتا ہے۔" رب تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا رب کو گالی دینا ہے۔ جیسے: ہماری ثابت النسب اولاد کے بارے میں کوئی ہمیں کہے یہ تمھاری نہیں ہے یہ ہمارے حق میں گالی ہے۔ اسی طرح رب تعالیٰ کے لیے اولاد ثابت کرنا اس کے لیے گالی ہے۔ اور جھٹلاتا کس طرح ہے؟ کہتا ہے کہ قیامت نہیں آئے گی۔ میں کہتا ہوں قیامت ضرور برپا ہوگی تو یہ کہتا ہے کہ قیامت نہیں آئے گی، یہ اللہ تعالیٰ کو جھٹلانا ہے۔

تو یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیتے ہیں اور جھٹلاتے ہیں رزق، خوراک، صحت وغیرہ ان کو بھی دیتا ہے۔ فرمایا ﴿مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ﴾ یہ تیرے رب کا عطیہ ہے سب کے لیے ﴿وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا﴾ اور نہیں ہے تیرے رب کا عطیہ روکا ہوا۔ خوراک، صحت کا عطیہ کسی سے روکا ہوا نہیں ہے چاہے کوئی فرماں بردار ہے یا نافرمان ہے۔ ﴿اُنْظُرْ﴾ دیکھو اے مخاطب! ﴿كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ کیسے ہم نے فضیلت دی ہے ان میں سے بعض کو بعض پر۔ کسی کو شکل میں فضیلت دی، کسی کو قد میں، کسی کو مال میں، کسی کو علم میں فضیلت دی، کسی کو کسی چیز میں اور کسی کو کسی چیز میں۔ فرمایا یہ دنیا کی فضیلتیں کیا ہیں؟ کچھ بھی نہیں ہیں ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ﴾ اور البتہ آخرت بہت بڑی ہے درجات کے لحاظ سے۔ یہ کوشش کرو کہ آخرت کے درجوں میں کمی نہ آئے دنیا کا کیا اعتبار ہے؟ اب ہے ایک لمحے کے بعد نہیں ہے، صبح ہے شام کو نہیں ہے، آج ہے کل نہیں ہے، یہ بالکل

بے وفا زندگی ہے اور آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے ﴿وَ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا﴾ اور بہت بڑی ہے فضیلت کے اعتبار سے اور آخرت کے لیے کرنا کیا ہے؟

مشرک ذلیل وخوار ہوگا

سب سے بڑی چیز فرمایا ﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ نہ بنائیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا معبود، مشکل کشا، حاجت روا، کوئی فریاد رس، کوئی دست گیر، کوئی قانون بنانے والا، کوئی رزق دینے والا، کوئی اولاد دینے والا، کوئی صحت دینے والا، رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اے مخاطب! اگر تو نے رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا ﴿فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا﴾ پس بیٹھا رہے گا مذمت کیا ہوا، رسوا کیا ہوا۔ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہو گے اور ساری کائنات مذمت اور رسوا کرے گی لہٰذا آج وقت ہے دنیا میں ہی سمجھ جاؤ اور رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اللہ تعالیٰ کو ذات میں بھی وحدہٗ لاشریک سمجھو اور صفات میں بھی وحدہٗ لاشریک سمجھو۔

والدین کے ساتھ حسن وسلوک کا حکم

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ قَضٰى رَبُّكَ﴾ اور حکم دیا ہے آپ کے رب نے ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ﴾ یہ کہ نہ عبادت کرو تم مگر صرف اسی رب کی۔ عبادت صرف رب تعالیٰ کی ہے چاہے بدنی ہو یا زبانی ہو یا مالی ہو ہر قسم کی عبادت صرف رب کے لیے ہے۔ رب کا اور کیا حکم ہے؟ ﴿وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ ماں باپ مسلمان ہوں تو ان کا حق تو بہت زیادہ ہے اور اگر کافر ہیں تو اللہ تعالیٰ کے معاملات میں تو ان کی بات نہیں ماننی یعنی اگر وہ کوئی ایسی بات کریں جو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہو تو نہیں ماننی اور دنیاوی لحاظ سے ان کی خدمت میں کوئی کسر باقی نہیں رکھنی۔ سورت لقمان آیت نمبر ۱۵ میں ہے ﴿وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا﴾ "اور اگر وہ تجھے مجبور کریں اس بات پر کہ تم میرے ساتھ شریک کرو اس چیز کو جس کا تمھیں علم نہیں ہے پس ان کی بات نہ مانو اور رفاقت اختیار کرو ان کے ساتھ دستور کے مطابق۔" کفر شرک پر آمادہ کریں تو ان کی بات نہیں ماننی لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ "اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں، رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی میں مخلوق میں سے کسی کی بات نہیں ماننی۔"

﴿اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ﴾ اگر پہنچ جائیں تمھارے پاس وہ بڑھاپے کو ﴿اَحَدُهُمَاۤ﴾ ان میں سے ایک۔ تم جوان ہو ان میں سے کوئی ایک بوڑھا ہے مطلب یہ ہے کہ رشتہ بے جوڑ ہوا ہے رشتے کے وقت کسی کی عمر زیادہ تھی۔ دنیا میں ایسا ہوتا ہے کہ مرد زیادہ عمر کا ہوتا ہے اور بیوی کم عمر کی ﴿اَوْ كِلٰهُمَا﴾ یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ﴾ پس نہ کہو تم ان کو اُف۔ بڑھاپے میں عموماً انسان دوسرے کا محتاج ہوتا ہے اُٹھنے بیٹھنے میں، وضو کرنے میں اور بسا اوقات ان کی کوئی بات اچھی نہیں لگتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تمھیں اُف کہنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ اُف کا معنی ہے ہوں، ہاں۔ ماں باپ کے سامنے ہوں ہاں کی بھی

اجازت نہیں ہے کیوں کہ ان الفاظ میں تلخی ہے۔ اگر ماں باپ بلائیں تو نہایت عاجزی کے ساتھ جی کہے، لہجہ ایسا ہو کہ اس میں تلخی کی بو بھی نہ ہو۔ اسی آیت کی تفسیر میں رئیس التابعین حضرت سعید ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ماں باپ کے سامنے ایسے انداز سے گفتگو کرے جیسے سخت آقا کے سامنے غلام نرمی سے بات کرتا ہے۔ لیکن اب تم اپنا ماحول بھی دیکھ لو۔

فرمایا ﴿وَلَا تَنْهَرْهُمَا﴾ اور نہ ان کو جھڑک۔ بے چارے اَن پڑھ تھے ان سے کوئی غلطی ہو گئی ہے، مالی نقصان ہو گیا ہے تو ان کو جھڑکو نہ تاکہ تمھارا دین محفوظ رہے۔ اگر پیسوں کی خاطر جھڑکو گے تو تمھارا دین برباد ہو جائے گا آخرت برباد ہو جائے گی ﴿وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾ اور کہو ان دونوں کو بات شریفانہ، نرمی کے ساتھ بات کرو۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ یہ بھی نافرمانی کی قسم میں شامل ہے کہ بیٹا آگے چلے اور باپ پیچھے ہو۔ ہاں! اگر باپ خود بیٹے کو آگے بھیجے تو بات علیحدہ ہے۔ خود بلند جگہ پر بیٹھے اور باپ پست جگہ پر بیٹھے یہ بھی گستاخی ہے، ماں باپ کے سامنے اُونچی آواز سے بولنا بھی گناہ ہے اور یہی حکم چچے تائے کا ہے۔ جو بھی اپنے سے بڑا ہے اس کا یہی حکم ہے۔ آج ہمارا معاشرہ اتنا گندہ ہو چکا ہے کہ خدا کی پناہ! کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہماری شکلیں انسانوں والی ہیں باطن میں ہم انسانیت سے محروم ہیں۔ مسلمان بننا تو بڑی مشکل بات ہے اللہ کرے ہم انسان بن جائیں تو یہ بھی ہمارے لیے بڑی بات ہے۔

﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ﴾ اور پست رکھو ان کے لیے نرمی کا بازو ﴿مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ شفقت کرتے ہوئے۔ تم نے بچوں کو دیکھا ہوگا کہ جب ان کو کوئی کام کہے بیٹا، برخوردار، عزیز! یہ کام کرو۔ اگر انھوں نے کرنا ہو تو کندھا برابر رہتا ہے اور اگر نہ کرنا ہو تو کندھا مارتے ہیں کہ میں نے نہیں کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ماں باپ کے سامنے کندھا پست رکھنا ہے یہ اُونچا نہیں کرنا اس حرکت میں بھی گستاخی اور نافرمانی ہے ﴿وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا﴾ اور کہو اے میرے رب! ان پر رحمت نازل فرما ﴿كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ جیسا کہ انھوں نے میری تربیت کی ہے بچپن میں جب کہ میں چھوٹا تھا انھوں نے مجھے پالا تھا۔ آج اس بات کو کون سمجھتا ہے۔ آج تو یہ سمجھتے ہیں کہ جیسے ہم اب ہیں اسی طرح پیدا ہوئے ہیں آج سو میں سے کوئی ایک ہوگا ماں باپ کی قدر کرنے والا ﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ﴾ تمھارا رب خوب جانتا ہے جو تمھارے دلوں میں ہے خیالات اور وساوس سب رب تعالیٰ کے علم میں ہیں ﴿اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ﴾ اگر تم نیک ہو گے ﴿فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا﴾ پس بے شک ہے وہ اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والوں کو بخشنے والا۔ اَوَّابٌ کہتے ہیں جو رب کی طرف کثرت سے رجوع کرے۔ سوائے پیغمبروں کے انسان معصوم نہیں ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کی برکت سے معاف کرتے رہتے ہیں۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنا حق بتایا پھر والدین کا اس کے علاوہ اور بھی حقوق ہیں ان کا ذکر ہے ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ اے مخاطب! اپنے قریبی رشتہ داروں کو ان کا حق دے۔ تیرے ذمہ رشتہ داروں کا حق بھی ہے۔ وہ حق مالی بھی ہے اور بدنی بھی ہے اگر وہ مالی طور پر کمزور ہیں تو ان کی مالی مدد کرو اور اگر بدنی طور پر کمزور ہیں تو ان کی امداد کرو مگر آج ہم نے یہ باتیں سمجھی ہی نہیں ہیں ﴿وَالْمِسْكِيْنَ﴾ اور مسکین کو اس کا حق دو۔ مسکین وہ ہے جو صاحبِ نصاب نہیں ہے۔ اس کی بھی امداد کرنی ہے مالی بھی اور قولی

بھی ﴿وَابْنَ السَّبِيْلِ﴾ اور مسافر کو بھی اس کا حق دو اس کی مالی امداد کرو۔

اسراف اور تبذیر کی تعریف

اور اے مخاطب! ﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا﴾ اور مت اُڑاؤ مال کو بے جا، بے جا اُڑانا۔ایک ہے اسراف اور ایک ہے تبذیر۔ اسراف کہتے ہیں جہاں خرچ کرنا جائز ہو مگر ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے۔اور تبذیر کہتے ہیں جہاں خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہے وہاں خرچ کیا جائے۔ یہ شادیوں کے موقع پر ٹھاہ ٹھاہ کرتے ہیں، چراغاں کرتے ہیں، مرچیں لگاتے ہیں یہ تمام شیطانی کام ہیں سب گناہ ہیں۔

مسجدوں میں ضرورت سے زیادہ روشنی بھی گناہ ہے

فقہائے کرام رحمہم اللہ نے مسئلہ لکھا ہے کہ مسجدوں میں ضرورت سے زیادہ روشنی بھی گناہ ہے۔عام طور پر لوگ شب قدر اور شب براءت کے موقع پر ایسا کرتے ہیں رب تعالیٰ کی طرف سے پکڑ ہوگی اور یاد رکھو! گھروں میں جتنی ضرورت ہے اتنی روشنی کرو اور جو ٹیوبیں، بلب ضرورت سے زائد ہیں ان کو بجھا دو، بند کر دو یہ اسراف کی مد میں آئے گا۔شریعت نے نہ اسراف کی اجازت دی ہے اور نہ فضول خرچی کی اجازت دی ہے۔

بے جا خرچ کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں

فرمایا ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾ بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اپنی طرف سے خرچ کر کے شیطانوں کے بھائی بنتے ہیں۔ کیسے بھائی بنتے ہیں شیطان جن ہے؟ ﴿فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾ [کہف:۵۰] "پس نافرمانی کی اس نے اپنے رب کی۔" جنات میں بھی اللہ تعالیٰ نے خیر اور شر کی قوت رکھی ہے اپنی مرضی کے ساتھ نیکی بدی کر سکتا ہے۔تو شیطان نے اپنی قوت شر میں خرچ کی اور تم نے بھی رب تعالیٰ کے دیئے ہوئے پیسے بُرے کاموں میں لگا دیئے تو شیطان کے بھائی بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مال دولت دی تھی اچھے کاموں میں لگانے کے لیے تم نے بُرے کاموں میں لگا دی۔

عموماً مشاہدے میں آیا ہے، دیکھنے میں آیا ہے لوگ منگنی شادی کی رسموں میں وہ کچھ کرتے ہیں کہ بندہ حیران رہ جاتا ہے کہ انھوں نے کیا کیا ہے اور اگر ان سے کہا جائے کہ تمھارے ہاں دینی مدارس ہیں جن میں لڑکے بھی پڑھتے ہیں لڑکیاں بھی پڑھتی ہیں ان کی امداد کرو، مدرسے کا کوئی کمرہ بنا دو، مسجد بنا دو تو ان کے منہ کا عجیب ماڈل بن جاتا ہے، ان پر موت طاری ہو جاتی ہے اور شرارتوں اور جنایتوں میں رقم اُڑاتے پھرتے ہیں یہ شیطانوں کے بھائی ہیں ﴿وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾ اور ہے شیطان اپنے رب کا سخت نافرمان۔نافرمانی چھوڑ دو اور فرماں برداری کرو اور وہ کام کرو جو آخرت میں کام آئیں۔

﴿وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ﴾ اور اگر آپ اعراض کریں ﴿عَنْهُمُ﴾ ان سے ﴿ابْتِغَآءَ﴾ تلاش کرتے ہوئے ﴿رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ﴾ اپنے رب کی رحمت ﴿تَرْجُوْهَا﴾ جس کی آپ اُمید رکھتے ہیں ﴿فَقُلْ لَّهُمْ﴾ پس آپ ان سے کہیں ﴿قَوْلًا مَّيْسُوْرًا﴾ نرم بات ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ﴾ اور نہ کریں اپنا ہاتھ ﴿مَغْلُوْلَةً﴾ باندھا ہوا ﴿اِلٰى عُنُقِكَ﴾ اپنی گردن کی طرف ﴿وَلَا تَبْسُطْهَا﴾ اور نہ پھیلا دیں اپنے ہاتھ کو ﴿كُلَّ الْبَسْطِ﴾ پوری طرح پھیلا دینا ﴿فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾ پھر آپ بیٹھ جائیں ملامت کیا ہوا اور تھکا ہارا ہوا ﴿اِنَّ رَبَّكَ﴾ بے شک آپ کا رب ﴿يَبْسُطُ الرِّزْقَ﴾ کشادہ کرتا ہے رزق ﴿لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ جس کے لیے چاہے ﴿وَيَقْدِرُ﴾ اور تنگ کرتا ہے ﴿اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ﴾ بے شک وہ ہے اپنے بندوں سے ﴿خَبِيْرًا بَصِيْرًا﴾ خبردار اور دیکھنے والا ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ﴾ اور نہ قتل کرو تم اپنی اولاد کو ﴿خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ﴾ فقر کے خوف سے ﴿نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ﴾ ہم ان کو رزق دیں گے ﴿وَاِيَّاكُمْ﴾ اور تمھیں بھی دیتے ہیں ﴿اِنَّ قَتْلَهُمْ﴾ بے شک ان کا قتل کرنا ﴿كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا﴾ ہے گناہ بہت بڑا ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى﴾ اور نہ قریب جاؤ زنا کے ﴿اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً﴾ بے شک یہ بے حیائی ہے ﴿وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾ اور بُرا راستہ ہے ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ﴾ اور نہ قتل کرو اس نفس کو ﴿حَرَّمَ اللّٰهُ﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے ﴿اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ مگر حق کے ساتھ ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا﴾ اور جو شخص قتل کیا گیا مظلوم ﴿فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ﴾ پس تحقیق ہم نے بنایا اس کے وارثوں کے لیے ﴿سُلْطٰنًا﴾ غلبہ ﴿فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ﴾ پس وہ اسراف نہ کریں قتل میں ﴿اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا﴾ بے شک اس کی مدد کی جائے گی ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ﴾ اور نہ قریب جاؤ یتیم کے مال کے ﴿اِلَّا بِالَّتِيْ﴾ مگر ایسے طریقے کے ساتھ ﴿هِيَ اَحْسَنُ﴾ جو بہت ہی اچھا ہو ﴿حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ﴾ یہاں تک کہ وہ پہنچ جائے اپنی قوت اور جوانی کو ﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ﴾ اور پورا کرو عہد کو ﴿اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا﴾ بے شک وعدے کے متعلق سوال ہوگا ﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ﴾ اور پورا کرو ماپ کو ﴿اِذَا كِلْتُمْ﴾ جس وقت تم ماپو ﴿وَزِنُوْا﴾ اور تولو ﴿بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ﴾ ایسے ترازو کے ساتھ جو بالکل درست ہو ﴿ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ یہ بہتر ہے ﴿وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ اور اچھا ہے انجام کے اعتبار سے۔

کامیابیٔ آخرت کا انحصار درج ذیل کاموں پر ہے:

جن کاموں سے آخرت بنتی ہے اور آخرت کی کامیابی ان پر موقوف ہے ان کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ ان میں سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ "پس نہ بناؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور الٰہ۔"

☆ دوسرا حکم تھا کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی۔

☆ تیسرا حکم والدین کے ساتھ اچھا سلوک۔

☆ چوتھا حکم قریبی رشتہ داروں کا حق ادا کرو۔

☆ پانچواں حکم مسکینوں اور مسافروں کی مالی امداد کرو۔

☆ چھٹا حکم یہ تھا کہ فضول خرچی نہ کرو کیوں کہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

ضرورت مند کو احسن طریقہ سے جواب دو

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی مالی امداد کی امید لے کر آتا ہے لیکن جن کے پاس آتا ہے اس کے حالات سازگار نہیں ہوتے کہ ملازم ہے تو ابھی تنخواہ نہیں ملی، زراعت پیشہ ہے تو ابھی فصل گھر نہیں آئی، تاجر ہے تو وصولی کسی وجہ سے نہیں ہوسکی۔ اور بھی بہت سی صورتیں پیش آسکتی ہیں کہ جن کی وجہ سے آدمی مالی معاونت نہیں کرسکتا۔ تو اس کا ذکر ہے کہ اگر ان میں سے کوئی تمھارے پاس آئے اے مخاطب! ﴿وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ﴾ اور اگر آپ ان سے اعراض کریں ﴿ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ﴾ تلاش کرتے ہوئے اپنے رب کی رحمت ﴿تَرْجُوْهَا﴾ جس کی آپ امید رکھتے ہیں کہ مجھے تنخواہ ملے گی ابھی نہیں ملی، فصل میری پکے گی پھر میں کچھ کرسکوں گا، رقم میری پھنسی ہوئی ہے ملے گی تو تمھاری امداد کروں گا۔ یہ وجوہات بیان کرتا کہ وہ محسوس نہ کرے کہ مجھے ٹرخا دیا ہے اور اس کو سمجھ آجائے کہ واقعی بات ٹھیک کہتا ہے کیوں کہ اگر تم خالی کہو گے کہ میرے پاس نہیں ہیں میں معذرت خواہ ہوں تو اس کے دل میں رنجش پیدا ہوگی لہٰذا وجہ بیان کرو کہ اس وجہ سے میں تیری مدد نہیں کر سکتا ﴿فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا﴾ پس آپ ان سے کہیں نرم بات۔ نرمی کے ساتھ بتلا دو کہ میں تمھاری اس وقت مدد نہیں کرسکتا کہ یہ مجبوری ہے۔

اور یہ حکم بھی سن لیں ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ﴾ اور نہ کریں اپنا ہاتھ باندھا ہوا اپنی گردن کی طرف۔ مطلب یہ ہے کہ پیسے ہوتے ہوئے گھر کے افراد پر خرچہ کرنے میں تنگی نہ کرو ہاتھ نہ روکو یہ بھی گناہ ہے۔ جو آدمی عرف کے مطابق مناسب خرچہ گھر کے افراد پر نہیں کرتا بخل سے کام لیتا ہے تو یہ گناہ ہے۔ اور ایسا بھی نہ کرو ﴿وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾ اور نہ پھیلا دیں آپ اپنے ہاتھ کو پوری طرح پھیلانا کہ ہاتھ کو کھلا چھوڑ دو کہ جو آیا اُڑا دیا، جو آیا اُڑا دیا، جو آیا اُڑا دیا، کیوں کہ تم اگر ایسا کرو گے ﴿فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾ پس آپ بیٹھ جائیں گے ملامت کیا ہوا تھکا ہارا ہوا۔ آخر انسان ہے اس کو غمی بھی پیش آتی ہے خوشی بھی۔ اگر تم سارا پیسہ اُڑا دو گے تو ایسے موقع پر کیا کرو گے؟ پھر یہی رشتہ دار تمھیں ملامت کریں گے کہ تمھارا ہمارے ساتھ برتاؤ اچھا نہیں ہے اور تم تھکے ہارے ہو گے لہٰذا افراط و تفریط دونوں جائز نہیں ہیں کہ رقم پاس ہو تو بخل سے بھی کام نہیں لینا چاہیے اور سارا اُڑا بھی نہیں دینا چاہیے تاکہ ضرورت کے وقت کام آئے۔

نیوندرہ حرام ہے ؟

مسئلہ یاد رکھنا! کہ شادی کے موقع پر سلامی اور نیوندرہ (نیوتا) کے طور پر جو امداد کی جاتی ہے یہ بالکل حرام ہے ہاں اس کی ایک صورت جائز ہے کہ واپس لینے کی نیت سے نہ دے اور اگر اس نیت سے دیتا ہے کہ میرے لڑکے لڑکی کی شادی ہوگی تو یہ مجھے اس سے زیادہ دے گا یہ بالکل حرام ہے۔ یہ مسئلہ نہ بھولنا ویسے غریب ساتھی یا غریب رشتہ دار سمجھ کر مدد کرتا ہے اور غریب نہ بھی ہو تو تحفہ دینا جائز ہے۔ عورتیں بھی بیٹھی ہوئی ہیں وہ بھی مسئلہ اچھی طرح سمجھ لیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ بے شک آپ کا رب رزق کشادہ کرتا ہے جس کا چاہے ﴿وَيَقْدِرُ﴾ اور تنگ کرتا ہے جس کے لیے چاہے۔ رزق کا کشادہ اور تنگ کرنا رب تعالیٰ کا کام ہے ﴿اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا﴾ بے شک وہ ہے اپنے بندوں سے خبردار اور دیکھنے والا۔

فقر کے خوف سے اولاد کو قتل نہ کرو ؟

اور حکم سنو! ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ﴾ اور نہ قتل کرو تم اپنی اولاد کو ﴿خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ﴾ فقر کے خوف سے۔ زمانہ جاہلیت میں بے چاری لڑکیوں کو تو زندہ درگور کر دیتے تھے کہ ان کے اخراجات کون برداشت کرے گا ان کے رشتے کون کرے گا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس نے دو لڑکیوں کی نگرانی کی تربیت کی اس کی اپنی ہوں یا غیر کی یہاں تک کہ وہ جوان ہو گئیں تو وہ بچیاں ان کے درمیان اور دوزخ کے درمیان دیوار بن جائیں گی۔ اور جب لڑکے زیادہ ہو جاتے تھے تو ان کو اس لیے قتل کر دیتے تھے کہ ان کو کہاں سے کھلائیں گے؟ بھئی! آج سے پچاس سال پہلے مخلوق کم تھی پیداوار کے ذرائع بھی کم تھے لوگ زمین کاشت کرتے تھے پیداوار کم ہوتی تھی جیسے جیسے مخلوق بڑھتی جارہی ہے اللہ تعالیٰ رزق بھی بڑھاتے جارہے ہیں لہٰذا تمھیں رزق کا فکر نہیں ہونا چاہیے۔ اور فقر کے خوف سے اولاد کو قتل نہ کرو ﴿نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ﴾ ہم ان کو رزق دیں گے ﴿وَاِيَّاكُمْ﴾ اور تمھیں بھی دیتے ہیں ﴿اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا﴾ بے شک ان کا قتل کرنا ہے گناہ بہت بڑا۔

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى﴾ اور نہ قریب جاؤ زنا کے۔ زنا کرنا تو در کنار اس کے قریب بھی نہ جاؤ یعنی ایسے اسباب (ذرائع) اختیار نہ کرو جن کا نتیجہ زنا ہو ﴿اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً﴾ بے شک یہ بے حیائی ہے ﴿وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾ اور برا راستہ ہے۔ اس سے بچ گئے تو پھر آخرت بنے گی۔ آج اخبارات پڑھ کر آدمی حیران ہوتا ہے کہ انسان کہاں چلا گیا ہے کوئی شرم نہیں کوئی حیا نہیں بے حیائی حد سے بڑھ گئی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس عورت نے غیر کا نطفہ اپنے خاوند کے نسب کے ساتھ ملایا اس پر جنت حرام ہے۔ کیوں کہ اس سلسلے میں دنیا کے مسائل بھی ہیں اور آخرت کا مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ دنیا کے مسائل تو یہ کہ اس کا خرچہ کون اٹھائے گا، تربیت کون کرے گا؟ وراثت کے مسائل ہیں۔ نطفہ کسی کا ہے وارث کسی کا بنے گا اور آخرت کا مسئلہ یہ ہے کہ اس عورت نے حرام کا ارتکاب کیا ہے۔ شریعت حرام اور حلال کی بڑی تمیز کرتی ہے اسی لیے عدت کی

پابندی ہے کہ طلاق اور وفات کے بعد عورت کوئی حرکت نہ کرے تا کہ نسب میں کوئی گڑبڑ نہ ہو۔نسب کی حفاظت کا شریعت نے بڑا انتظام کیا ہے۔﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ اور نہ قتل کرو اس نفس کو کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس کا قتل کرنا مگر حق کے ساتھ۔

قتل حق کی تین صورتیں ؟

قتل حق کی تین صورتیں ہیں۔پہلی صورت یہ ہے کہ العیاذ باللہ کوئی شخص مرتد ہو گیا اسلام چھوڑ گیا اس کو تین دن تک سمجھایا جائے گا اس کے شکوک وشبہات دور کیے جائیں گے۔اگر تین دن تک بھی اس کو سمجھ نہ آئی تو پھر اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن عزیزو، برخوردارو! مسئلہ یاد رکھنا! یہ قتل حکومت کرے گی ہم تم اس کے مجاز نہیں ہیں۔چور کی سزا قرآن نے ہاتھ کاٹنا بیان فرمائی ہے مگر ہاتھ حکومت نے کاٹنا ہے ہم تم نے نہیں کاٹنا۔اسی طرح زانی غیر شادی شدہ کی سزا سو کوڑے ہیں اور شادی شدہ کی سزا رجم ہے تو یہ سزائیں حکومت نے دینی اور جاری کرنی ہیں ہم اس کے مجاز نہیں ہیں۔

قتل حق کی دوسری صورت: شادی شدہ مرد عورت زنا کا ارتکاب کریں جس کے ثبوت کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ خود اقرار کریں یا شرعاً چار گواہ گواہی دیں تو ان کو قتل کیا جائے گا۔یہ قتل کرنا بالحق ہے۔اس حکم پر صرف طالبان کے علاقے میں عمل ہو رہا ہے اور خدا کی خدائی میں کسی جگہ عمل نہیں ہو رہا۔

اور قتل حق کی تیسری صورت کسی کو ناحق قتل کرنا ہے تو قاتل کو قصاص میں قتل کرنا بھی قتل حق ہے۔اس حکم پر بھی اس وقت صرف طالبان کے علاقے میں عمل ہو رہا ہے اور کسی جگہ پر نہیں ہے۔

ان تین صورتوں کے علاوہ قتل حق کی اور کوئی صورت نہیں ہے۔نہ کوئی مسلمان کو قتل کر سکتا ہے نہ کافر کو۔کافر کو کافر کہو کیوں کہ اگر تم کافر کو کافر نہیں کہو گے تو تم خود مسلمان نہیں رہو گے۔مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ کافر کو کافر کہو اور پھر اس کو کاٹنا شروع کر دو۔یہ جو دہشت گردی کی فضا ایران سے نکلی اور اٹھی ہے۔سنیوں کو قتل کرنے کی ابتداء ایران نے کی ہے وہ دہشت گردی کا مبدأ ہے۔پہلے انھوں نے ابتدا کی پھر یہ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔اس قتل و غارت کی شریعت قائل نہیں ہے۔پہلے یہاں سارے ہوتے تھے عیسائی بھی، پارسی بھی، یہودی بھی یہ سب کافر ہیں اکٹھے رہتے تھے کوئی ان کے ساتھ لڑتا تھا؟ نہیں! مگر دہشت گردی کی لہر جب ایران سے اٹھی تو پھر یہ سارا کچھ ہوا۔شریعت قاعدے کے مطابق قتل کی قائل ہے۔

فرمایا ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا﴾ اور جو شخص قتل کیا گیا مظلوم ﴿فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّہٖ سُلْطٰنًا﴾ پس تحقیق ہم نے بنایا اس کے وارثوں کے لیے غلبہ۔وہ اس طرح کہ قانون مقتول کے وارثوں کا ساتھ دے گا اور ظاہر بات ہے کہ جب قانون ساتھ دے گا تو غلبہ ہوگا اور خود بخود سارا مسئلہ حل ہو جائے گا ﴿فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ﴾ پس وہ اسراف نہ کریں قتل میں۔اسراف یہ ہے کہ قاتل کے علاوہ کسی اور کو قتل کر دیا جائے کیوں کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر کسی آدمی نے کسی کو قتل کر دیا تو اس کے رشتہ دار جذبات میں آ کر قاتل

کو بھی اور اس کے باپ کو بھی اور اس کے بھائیوں کو بھی قتل کر دیتے ہیں، یہ جائز نہیں ہے۔ گنہگار ایک ہے دوسروں کا کیا گناہ ہے، اس کے باپ کا کیا قصور ہے، اس کے بھائیوں کا کیا قصور ہے، بیٹے کا کیا قصور ہے اور قتل کرنے کے بھی تم مجاز نہیں ہو یہ کام اور ذمہ داری حکومت کی ہے اور شرعی احکامات پر عمل کرنے میں امن ہے۔

ذمیوں کی حفاظت فرض ہے

جتنا امن قرآن نے بتلایا ہے، اسلام نے بتلایا ہے اور کسی نے نہیں بتلایا۔ اور حدیث پاک میں ہے جو ذمی کو قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آ رہی ہوگی۔ ذمی ان کافروں کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کی حکومت میں رعایا کی حیثیت سے رہتے ہیں۔ تو اقلیت کی حفاظت جس طرح اسلام نے کی ہے اور کسی مذہب نے نہیں کی مگر افسوس کہ یہ تمام چیزیں کتابوں میں ہیں عمل میں کچھ بھی نہیں ہے۔

تو فرمایا قتل میں اسراف نہ کرو ﴿اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا﴾ بے شک اس کی مدد کی جائے گی۔ اور کیا کام کرنا ہے ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ﴾ اور نہ قریب جاؤ یتیم کے مال کے ﴿اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ مگر اس طریقے کے ساتھ جو بہت ہی اچھا ہو ﴿حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ﴾ یہاں تک کہ وہ پہنچ جائے قوت اور جوانی کو۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ اور معاف کرنا! ہم سارے ہی کھا کر آتے ہیں تیجے میں، ساتے میں، دسویں اور چالیسویں میں۔ کیوں کہ مال ابھی تک وارثوں میں شرعی طور پر تقسیم نہیں ہوا ہوتا مشترک کھاتہ ہوتا ہے اور وارثوں میں یتیم بچے بھی ہوتے ہیں جن کی اجازت کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ تو ایسے مال میں سے کھانا بالکل حرام ہے۔ ایک ہے ان رسموں کا بدعات ہونا وہ الگ بات ہے ایک ہے ان رسموں میں یتیم کا مال کھانا، یہ بالکل حرام ہے۔ مگر ہم ان رسموں کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

اور کیا کرنا ہے؟ فرمایا ﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ﴾ اور پورا کرو عہد کو۔ جو وعدہ تم نے کسی کے ساتھ کیا ہے اس کو پورا کرو ﴿اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا﴾ بے شک وعدے کے متعلق سوال ہوگا ﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ﴾ اور پورا کرو ماپ کو جس وقت تم ماپو ﴿وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ﴾ اور تولو ایسے ترازو کے ساتھ جو بالکل درست ہو ﴿ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ یہ چیزیں جو بتلائی گئی ہیں بہتر ہیں ﴿وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ اور ان کا انجام بہت اچھا ہے۔ یہ آخرت کے کام ہیں جن سے آخرت بنتی ہے۔ کچھ کل تم نے پڑھے ہیں اور کچھ آج پڑھے ہیں اور زندگی رہی تو کچھ اگلے حصے میں آئیں گے۔

﴿وَلَا تَقْفُ﴾ اور نہ پیچھے پڑو ﴿مَا﴾ اس چیز کے ﴿لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ جس کا تمھیں علم نہیں ہے ﴿اِنَّ السَّمْعَ﴾ بے شک کان ﴿وَالْبَصَرَ﴾ اور آنکھ ﴿وَالْفُؤَادَ﴾ اور دل ﴿كُلُّ اُولٰٓئِكَ﴾ ان سب چیزوں کے بارے میں ﴿كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾ سوال کیا جائے گا ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا﴾ اور نہ چلو زمین میں اکڑتے ہوئے ﴿اِنَّكَ لَنْ

﴿تَخْرِقَ الْاَرْضَ﴾ بے شک تم زمین کو نہیں پھاڑ سکتے ﴿وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا﴾ اور نہیں پہنچ سکتے پہاڑوں کی بلندی تک ﴿كُلُّ ذٰلِكَ﴾ یہ سب چیزیں ﴿كَانَ سَيِّئُهٗ﴾ ہے ان کی برائی ﴿عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا﴾ تیرے رب کے نزدیک بہت ناپسندیدہ ﴿ذٰلِكَ﴾ یہ چیزیں ﴿مِمَّآ﴾ اس میں ہیں ﴿اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ﴾ جو وحی کی ہیں آپ کی طرف آپ کے رب نے ﴿مِنَ الْحِكْمَةِ﴾ دانائی کی باتیں ﴿وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ﴾ اور نہ بناؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ کسی دوسرے کو معبود ﴿فَتُلْقٰى﴾ پھر تم ڈالے جاؤ گے ﴿فِيْ جَهَنَّمَ﴾ جہنم میں ﴿مَلُوْمًا﴾ ملامت کیے ہوئے ﴿مَّدْحُوْرًا﴾ دھکیلے ہوئے ﴿اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ﴾ کیا چن لیا ہے تمھیں تمھارے پروردگار نے ﴿بِالْبَنِيْنَ﴾ بیٹوں کے ساتھ ﴿وَاتَّخَذَ﴾ اور اللہ نے بنا لیں ﴿مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا﴾ فرشتوں سے لڑکیاں ﴿اِنَّكُمْ﴾ بے شک تم ﴿لَتَقُوْلُوْنَ﴾ البتہ کہتے ہو ﴿قَوْلًا عَظِيْمًا﴾ بات بہت بڑی ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے پھیر پھیر کر بیان کیا ﴿فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ اس قرآن پاک میں ﴿لِيَذَّكَّرُوْا﴾ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿وَمَا يَزِيْدُهُمْ﴾ اور نہیں زیادہ کیا ان کے لیے ﴿اِلَّا نُفُوْرًا﴾ مگر نفرت ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ﴾ اگر ہوتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور الہٰ ﴿كَمَا يَقُوْلُوْنَ﴾ جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں ﴿اِذًا لَّابْتَغَوْا﴾ اس وقت البتہ وہ ضرور تلاش کرتے ﴿اِلٰى ذِي الْعَرْشِ﴾ عرش والے کی طرف ﴿سَبِيْلًا﴾ راستہ ﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ اس کی ذات پاک ہے ﴿وَتَعٰلٰى﴾ اور بلند ہے ﴿عَمَّا يَقُوْلُوْنَ﴾ ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں ﴿عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾ بہت بڑی بلند ذات۔

وہ چیزیں جن سے آخرت بنتی ہے ان کا ذکر تھا کہ رب تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، قریبی رشتہ داروں کو، مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دو، فضول خرچی نہ کرو، عزیز رشتہ داروں کو کسی وقت دینے کی توفیق نہ ہو تو تسلی کے ساتھ جواب دو۔ پھر فرمایا کہ اپنے ہاتھ کو بالکل روکو بھی نہ اور زیادہ خرچ بھی نہ کرو اور فقر کے خوف سے اولاد کو قتل نہ کرو، وعدہ کرو تو پورا کرو، ماپو تو پورا ماپو اور تولو تو پورا تولو۔

بغیر تحقیق کے کوئی بات نہیں کرنی چاہیے

اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ اور نہ پیچھے پڑو اس چیز کے اے مخاطب! جس کا تجھے علم نہیں ہے۔ جس چیز کی تحقیق نہیں ہے اس کو بیان ہی نہ کرو۔ یہ ایک ایسا اہم اصول ہے کہ اگر ہم اس پر عمل کریں تو گھروں کی، برادریوں اور جماعتوں کی اکثر لڑائیاں ہی ختم ہو جائیں۔ بات سنتے ہیں اور اس کو بغیر تحقیق کے پلے باندھ لیتے ہیں تحقیق نہیں

کرتے کہ یہ بات ہے بھی یا نہیں، کہی ہے یا نہیں اور اگر کہی ہے تو کس انداز میں کہی ہے۔ کیوں کہ بیان کرنے والے نے تو اپنی سمجھ کے مطابق بیان کرنی ہے لہٰذا جس بات کی تحقیق نہ ہو وہ نہیں کرنی چاہیے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ "آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے کافی ہے کہ وہ بیان کرے ہر سنی ہوئی بات کو۔" یعنی وہ بڑا جھوٹا آدمی ہے جو ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرتا ہے۔ بات وہ بیان کرنی چاہیے جس کا ثبوت ہو بغیر ثبوت کے بات نہیں کرنی چاہیے۔ برائی کے اسباب میں آج اخبارات بھی شامل ہیں کہ ہر قسم کی بات شائع کر دیتے ہیں۔ نوجوان طبقہ اس کو اخذ کرتا ہے اور برائیاں شروع کر دیتا ہے۔ اخبارات والے اس کے ذمہ دار ہیں۔

تو فرمایا ایسی چیز کے پیچھے مت پڑو جس کا علم نہیں ہے کیوں؟ ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ﴾ بے شک کان اور آنکھ اور دل ﴿كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾ ان سب چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ اے بندے! میں نے تجھے کان دیئے تھے کہاں استعمال کیے، میں نے تجھے آنکھیں دیں کہاں استعمال کیں، تجھے دل دیا تھا اس دل کے ساتھ کیا کچھ غور کیا فکر کیا؟ ایک ایک چیز کے بارے میں سوال ہوگا ﴿وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا﴾ اور نہ چلو زمین میں اکڑ کر اس لیے کہ اے انسان! اکڑ کر چلنے سے ﴿اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ﴾ بے شک تم زمین کو نہیں پھاڑ سکتے چاہے جتنا زور سے پاؤں زمین پر مارو ﴿وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا﴾ اور نہیں پہنچ سکتے پہاڑ کی بلندی تک چاہے گردن کو جتنا مرضی اکڑاؤ۔

ان دو رکوعوں میں اللہ تعالیٰ نے حقوق اللہ بھی بیان فرمائے ہیں اور حقوق العباد بھی، عقیدہ بھی بیان فرمایا اور اخلاق اور اعمال بھی بیان فرمائے جن پر عمل کرنے سے آخرت بنتی ہے ﴿كُلُّ ذٰلِكَ﴾ یہ تمام چیزیں جو اُوپر بیان ہوئی ہیں تکبر وغیرہ ﴿كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا﴾ ہے ان کی بُرائی تیرے رب کے نزدیک بہت ناپسندیدہ۔ یتیم کا مال کھانا، زنا کرنا، وعدہ خلافی کرنا، بے پر کی اُڑانا، سنی سنائی بات آگے چلا دینا، اکڑ کر چلنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، اپنے عزیزوں کو تنگ کرنا، یہ تمام باتیں رب تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہیں۔ ﴿ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ﴾ یہ چیزیں اس میں ہیں جو وحی کی ہیں آپ کے رب نے آپ کی طرف یعنی آپ کو وحی کے ذریعے بتلائی ہیں ﴿مِنَ الْحِكْمَةِ﴾ دانائی کی باتیں ہیں ان پر غور کرو۔ آگے اللہ تعالیٰ نے اس بات کو دوبارہ پھر دہرایا ہے۔

ردِ شرک

یہ مضمون یہاں سے شروع ہوا تھا کہ شرک نہ کرنا۔ فرمایا ﴿وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ اور نہ بناؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود، مشکل کشا، حاجت روا نہ بناؤ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی معبود ہے، نہ کوئی مسجود ہے، نہ کوئی فریادرس ہے، نہ کوئی نذر و نیاز کے لائق ہے، نہ کوئی کسی سے کوئی چیز لے سکتا ہے اور نہ کوئی کسی کو فوق الاسباب دے سکتا ہے۔ یہ ساری خوبیاں اور کمالات صرف رب تعالیٰ کے پاس ہیں ﴿وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ﴾ [آل عمران: ۲۶] "اور جس کو چاہے

عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کرے تیرے ہاتھ میں ہے بھلائی۔" یہ سب کچھ تم آنکھوں کے ساتھ دیکھتے ہو اور کانوں کے ساتھ سنتے ہو کہ سب کام رب تعالیٰ کرتا ہے۔ اے مخاطب! اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ گے ﴿فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ﴾ پھر تم ڈالے جاؤ گے جہنم میں ﴿مَلُوْمًا﴾ ملامت کیے ہوئے ﴿مَّدْحُوْرًا﴾ دھکیلے ہوئے، لہٰذا شرک کے قریب نہ جانا۔

آگے بھی شرک کی تردید ہے۔ عرب میں بھی ایسے لوگ موجود تھے اور دوسرے علاقوں میں بھی جو فرشتوں کو رب تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے کہ فرشتے رب تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ سورۃ النحل آیت نمبر ۵۷ میں ہے ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ﴾ اور بناتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں اور پہلے تم پڑھ چکے ہو کہ اگر ان میں سے کسی کو یہ خوش خبری سنائی جائے کہ تمھارے ہاں لڑکی ہوئی ہے تو ﴿ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ﴾ ہو جاتا ہے چہرہ اس کا سیاہ اور بڑا پریشان ہو جاتا ہے اور لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ اخبارات میں تم پڑھتے ہو گے کئی ایسے بے وقوف لوگ بھی ہیں پاکستان میں رہنے والے کلمہ پڑھنے والے کہ لڑکی پیدا ہوئی تو بیوی کو طلاق دے دی، یکے بعد دیگرے دو تین لڑکیاں ہوئیں تو بیوی کو طلاق دے دی کہ تم لڑکیاں کیوں جنتی ہو؟ بھئی! کیا یہ ان کے اختیار میں ہے؟ یہ تو رب تعالیٰ کا کام ہے تم رب تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ کرتے ہو مگر جہالت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔

فرمایا ﴿اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ﴾ کیا چن لیا ہے تمھیں تمھارے پروردگار نے بیٹوں کے ساتھ ﴿وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا﴾ اور اس اللہ نے بنالیں اپنے لیے فرشتے بیٹیاں۔ تمھیں بیٹے دے اور اپنے لیے بیٹیاں؟ اگر اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد مناسب ہوتی تو سارے بیٹے ہوتے ایک بھی بیٹی نہ ہوتی۔

ردِ عیسائیت پر ایک اہم اور دلچسپ واقعہ

ہندوستان میں جارجیا کے علاقے کا ایک پادری تھا جو کہ امریکہ کی ایک ریاست ہے۔ فانڈر اس کا نام تھا بتیس (۳۲) زبانیں وہ جانتا تھا۔ اس وقت ہمارے پاکستان میں بتیس زبانیں بولی جاتی ہیں۔ یہ بڑا ذہین اور زبان آور آدمی تھا اور للکارتا پھرتا تھا کہ کوئی اپنے اسلام کو سچا ثابت کرے، قرآن کو سچا ثابت کرے۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کا خود محافظ ہے اس نے اس کی سرکوبی کے لیے مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا وزیر خان رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ابو المنصور رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیات کو کھڑا کیا۔ انھوں نے اس کے ساتھ مناظرے کیے اور ہندوستان سے بھگایا۔

ایک دفعہ اس نے شاہی مسجد دہلی کی سیڑھیوں میں کھڑے ہو کر تقریر شروع کی اور کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رب کے بیٹے ہیں اور ہمارے منجی ہیں۔ پاس ہی ایک کالے رنگ کا بھٹیارا کرتا اُتارے ہوئے دانے بھون رہا تھا پادری کے سامنے بڑا مجمع تھا جس میں ہندو، مسلمان اور سکھ بھی تھے۔ اس پادری نے جب زوردار آواز میں کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اس کو رب کا بیٹا مانو اور ہمارے منجی ہیں اسے تسلیم کرو۔ وہ مومن بھٹیارا ہاتھ میں درانتی پکڑے ہوئے آ کھڑا ہوا اور کہنے لگا پادری صاحب!

میری بھٹی گرم ہے نقصان نہ ہو جائے مجھے یہ بتلاؤ کہ رب کا ایک بیٹا ہے یا زیادہ ہیں؟ فانڈر نے کہا ایک ہی بیٹا ہے۔ بھٹیارے نے کہا کہ پھر تو تمھارا رب مجھ سے بھی پیچھے رہ گیا میں روٹی کا محتاج ہوں اور میرے چوداں بیٹے ہیں اور رب کا ایک بیٹا ہے۔ پادری سے اس کا جواب نہ بن آیا تو اس نے جا کر پھر بھٹی گرم کر لی اور دانے بھوننے لگ گیا۔

تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا ہے ﴿اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا﴾ بے شک تم البتہ کہتے ہو بات بہت بڑی اور بہت بری۔ اس سے پہلے قرآن پاک کے متعلق فرمایا تھا ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾ "بے شک یہ قرآن رہنمائی کرتا ہے اس راستے کی طرف جو بہت درست اور سیدھا ہے۔" اب رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے پھیر پھیر کر بیان کیا اس قرآن پاک میں مختلف مثالوں کے ساتھ اور مختلف انداز کے ساتھ۔ کیوں؟ ﴿لِيَذَّكَّرُوْا﴾ "تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔" کبھی عقلی دلائل کے ساتھ بیان کیا کبھی نقلی دلائل کے ساتھ، کبھی آسمان کی طرف توجہ دلائی، کبھی زمین کی طرف، کبھی فضا کی طرف اور کبھی فرمایا ﴿وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ [ذاریات: ۲۱] "اور تمھارے نفسوں میں نشانیاں کیا تم سوچتے نہیں۔" تو ہمیں مختلف انداز میں سمجھایا۔

وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا کی تفسیر

﴿وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا﴾ اور نہیں زیادہ کیا ان کے لیے مگر نفرت۔ قرآن پاک تو بڑی عظمت اور برکت والی کتاب ہے اس کے ساتھ نفرت کیسے بڑھی اور پھیلی؟ اس بات کا جواب شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے پیارے انداز میں سمجھایا ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ بڑے اکابر بزرگوں میں سے تھے۔ ان کی کتابیں ہیں گلستان، بوستان، کریما وغیرہ، جو آج تک درسیات میں شامل ہیں۔ ان میں توحید وسنت، اخلاقیات، اصلاحِ نفس بہت کچھ ہے۔ وہ گلستان صفحہ نمبر ۴۹ میں فرماتے ہیں :۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم وخس

"بارش کہ اس کے پاکیزہ ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔ باغ میں گل لالہ اُگاتی ہے اور خراب زمین میں کانٹے دار گھاس۔" بارش سے زرخیز زمین میں اچھی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ سبزیاں، اناج، پھل پھول اور شور زدہ زمین میں نکمی اور بری چیزیں کانٹے دار گھاس وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ بارش تو وہی ہے بارش کا تو کوئی قصور نہیں ہے قصور تو جگہ کا ہے، زمین کا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش ہے اس کے قطرے تو بالکل صاف ہیں جس کا دل پاک صاف ہے وہاں اچھے اخلاق پیدا ہوں گے اور جس کا دل گندگی اور نجاست سے بھرا ہوا ہے اس سے بدبو پھیلے گی، سچے دین کے خلاف نفرت بڑھے گی۔ بارش کے قطرے وہی ہیں۔

ایک الٰہ ہونے کی دلیل

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ قُلْ ﴾ آپ فرما دیں ﴿ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ ﴾ اگر ہوتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور الٰہ ﴿ كَمَا يَقُوْلُوْنَ ﴾ جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں اور بہت سارے الٰہ بنائے ہوئے ہیں ﴿ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴾ اس وقت البتہ وہ ضرور تلاش کرتے عرش والے کی طرف راستہ۔ دنیا میں متعدد بادشاہ ہوتے ہیں کسی نہ کسی وقت ان کا آپس میں ٹکراؤ بھی ہو جاتا ہے۔ یہ آپ نے کبھی نہیں سنا ہوگا کہ دنیا کے بادشاہ آپس میں کبھی نہیں ٹکرائے آپس میں کبھی نہیں لڑے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اور الٰہ ہوتے تو سب مل جل کر عرش والے کے خلاف چڑھائی کرتے مگر رب تعالیٰ کے مقابلے میں کون ہے؟ کوئی بھی نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں ہے اگر ہوتے تو عرش والے کے خلاف اکٹھا کر کے چڑھائی کرتے۔ جیسے: اس وقت مسلمانوں کے خلاف ساری کفریہ حکومتیں اندر سے ایک ہو چکی ہیں کیا امریکہ، کیا برطانیہ، کیا فرانس، کیا جرمنی یہ جتنے خبیث ہیں انھوں نے مسلمانوں کے خلاف اکا کیا ہے۔ کیوں کہ یہ ڈرتے ہیں کہ کہیں اسلام نہ نافذ ہو جائے ان کو پسو پڑے ہوئے ہیں، کبھی کوئی شوشہ چھوڑتے ہیں کبھی کوئی شوشہ چھوڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمان قوم کو سمجھ عطا فرمائے اور یہ حق کو حق سمجھیں اور باطل کو باطل سمجھیں۔ مسلم ممالک میں ان کے آلہ کار افسر موجود ہیں جن کے ذریعے وہ مداخلت کرتے ہیں۔

دین کے متعلق سازشیں

آج کل اخبارات میں یہ باتیں آ رہی ہیں تم پڑھتے ہو گے دینی مدارس پر حکومت کنٹرول کرنا چاہتی ہے کہ اپنا نصاب ان میں داخل کرے اور جہاد کے متعلق مضامین نصاب سے نکال دیں۔ محکمہ تعلیم آزاد کشمیر نے کہا ہے کہ سورت تو بہ مشکل ہے بچوں کو سمجھ نہیں آتی اور نہ پڑھانے والوں کو سمجھ آتی ہے لہٰذا اس کو نصاب سے نکال دیں۔ حالاں کہ یہ سورت کوئی مشکل نہیں ہے اصل بات یہ ہے کہ اس میں جہاد کے احکام ہیں بچے پڑھیں گے ان کا ذہن جہادی بنے گا اور کشمیر انڈیا کے ساتھ ملتا ہے کل پرسوں ہمارے لیے مشکلات پیدا ہوں گی نہ پڑھیں، نہ جہادی ذہن بنے اور نہ ہمارے لیے مشکلات پیدا کریں۔ یہ ہے ذہن ان بے ایمانوں کا۔ ہمارا حکمران طبقہ بھی پکا بے دین ہے ان کے نام اسلامی ہیں اندر سے سارے گنڈا سنگھ ہیں۔

تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہوتے تو ضرور عرش والے کے خلاف چڑھائی کرتے ﴿ سُبْحٰنَهٗ ﴾ اس کی ذات پاک ہے ﴿ وَتَعٰلٰى ﴾ اور بلند ہے ﴿ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ ﴾ ان باتوں سے جو یہ کرتے ہیں کہ رب کے شریک ہیں رب کا بیٹا ہے بیٹیاں ہیں اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے بہت بلند ہے، نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ اس کا کوئی بیٹا ہے نہ رب کی کوئی بیٹی ہے ﴿ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴾ بہت بڑی بلند ذات ہے۔ اس کی طرف ان چیزوں کی نسبت کرنی اپنے ایمان کو برباد کرنا ہے اور اپنی زندگی برباد کرنی ہے رب تعالیٰ کا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔

﴿تُسَبِّحُ﴾ پاکیزگی بیان کرتے ہیں ﴿لَهُ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ﴾ سات آسمان ﴿وَالْاَرْضُ﴾ اور زمین ﴿وَمَنْ﴾ اور وہ مخلوق ﴿فِيْهِنَّ﴾ جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ اور نہیں ہے کوئی بھی چیز ﴿اِلَّا يُسَبِّحُ﴾ مگر پاکیزگی بیان کرتی ہے ﴿بِحَمْدِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ ﴿وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ اور لیکن تم نہیں سمجھتے ان کی تسبیح کو ﴿اِنَّهٗ كَانَ﴾ بے شک وہ ہے ﴿حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ تحمل کرنے والا، بخشنے والا ﴿وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ﴾ اور جس وقت آپ پڑھتے ہیں قرآن کو ﴿جَعَلْنَا﴾ ہم ڈال دیتے ہیں ﴿بَيْنَكَ﴾ آپ کے درمیان ﴿وَبَيْنَ الَّذِيْنَ﴾ اور ان لوگوں کے درمیان ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر ﴿حِجَابًا﴾ پردہ ﴿مَّسْتُوْرًا﴾ لٹکا ہوا ﴿وَّجَعَلْنَا﴾ اور کر دیتے ہیں ہم ﴿عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ ان کے دلوں پر ﴿اَكِنَّةً﴾ پردے ﴿اَنْ يَّفْقَهُوْهُ﴾ اس بات سے کہ وہ قرآن کو سمجھیں ﴿وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دیتے ہیں ﴿وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ﴾ اور جس وقت آپ یاد کرتے ہیں اپنے رب کو ﴿فِي الْقُرْاٰنِ﴾ قرآن میں ﴿وَحْدَهٗ﴾ اکیلے رب کو ﴿وَلَّوْا﴾ پھرتے ہیں ﴿عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ﴾ اپنی پشتوں پر ﴿نُفُوْرًا﴾ نفرت کرتے ہوئے ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ﴾ ہم خوب جانتے ہیں ﴿بِمَا﴾ اس چیز کو ﴿يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ﴾ سنتے ہیں وہ جس کی وجہ سے ﴿اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ﴾ جس وقت وہ کان لگاتے ہیں آپ کی طرف ﴿وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى﴾ اور جس وقت وہ سرگوشیاں کرتے ہیں ﴿اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ جس وقت کہتے ہیں وہ ظالم ﴿اِنْ تَتَّبِعُوْنَ﴾ نہیں پیروی کرتے تم ﴿اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا﴾ مگر ایسے آدمی کی جس پر جادو ہوا ہے ﴿اُنْظُرْ﴾ دیکھو ﴿كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ﴾ کیسے بیان کرتے ہیں آپ کے لیے مثالیں ﴿فَضَلُّوْا﴾ پس وہ گمراہ ہوئے ﴿فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا﴾ پس وہ نہیں طاقت رکھتے راستے کی۔

تسبیح کا معنیٰ اور اس کے طریقے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ﴾ پاکیزگی بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی سات آسمان۔ تسبیح کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام عیبوں اور کمیوں (کوتاہیوں) اور کمزوریوں سے پاک ہے وَالْاَرْضُ اور زمین بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہے۔ آسمان اور زمین زبان حال سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں ﴿وَمَنْ فِيْهِنَّ﴾ اور وہ مخلوق جو آسمانوں اور زمین میں ہے وہ بھی تسبیح پڑھتے ہیں۔ آسمانوں میں فرشتے ہیں جن کا کام ہی تسبیح پڑھنا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آسمانوں پر ہتھیلی کے برابر بھی کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ نہ کھڑا ہو اور سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کی تسبیح نہ پڑھ رہا ہو۔ دن

رات، نہ وہ تھکتے ہیں اور نہ اُکتاتے ہیں، کھانے پینے اور سونے سے وہ مستثنیٰ ہیں، وہ ہر وقت تسبیح میں ہیں۔ اور فرمایا ﴿ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ ﴾ اور نہیں ہے کوئی چیز مگر پاکیزگی بیان کرتی ہے اللہ تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ ﴿ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ﴾ اور لیکن تم نہیں سمجھتے ان کی تسبیح کو۔ ایک ایک ذرہ، ایک ایک پتا اس کی تسبیح کرتا ہے جو اس کی شان کے لائق ہے مگر تم نہیں سمجھتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بڑی بات ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ چار کلمے اللہ تعالیٰ کو بڑے پیارے ہیں۔ ایک سُبْحَانَ اللہِ، دوسرا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، تیسرا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ اور چوتھا اللہُ اَکْبَرُ۔ سُبْحَانَ اللہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاللہُ اَکْبَرُ۔ اور تسبیح آہستہ آہستہ پڑھنی چاہیے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے ہم آہستہ آہستہ ذکر کرتے تھے اور کچھ لوگ اونچی اونچی بھی ذکر کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ اِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَ لَا غَائِبًا "اپنی جانوں پر نرمی کرو بے شک تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے۔" تو بلند آواز سے ذکر کرنا ممنوع ہے۔ ہاں! اگر کوئی آدمی اکیلا ہے کسی کی نیند، کسی کے آرام اور کسی کے مطالعہ اور نماز میں خلل پیدا نہیں ہوتا تو بلند آواز سے کر سکتا ہے ورنہ بلند آواز سے ذکر کرنا حرام ہے۔ کئی دیوانے قسم کے لوگ بلند آواز سے ذکر کر کے اپنا شوق پورا کرتے ہیں اور بجائے ثواب کے گناہ حاصل کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آہستہ آہستہ پڑھ رہے تھے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الفاظ نہیں سنے فرمایا ابوموسیٰ میں تجھے عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتلاؤں۔ عرض کی حضرت! ضرور۔ فرمایا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ تو سب مل کر تیسرا کلمہ بن گیا سُبْحَانَ اللہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاللہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ یہ کم از کم دن میں دو سو مرتبہ پڑھا کرو۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس کے پڑھنے کے لیے وضو شرط نہیں ہے، بیٹھنا بھی شرط نہیں ہے، چلتے پھرتے بھی پڑھ سکتے ہیں اور عورتیں ان دنوں میں بھی پڑھ سکتی ہیں جن دنوں میں انھوں نے نماز نہیں پڑھنی ہوتی۔ ہماری کوتاہی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت بڑی وسیع ہے۔

سُبْحَانَ اللہِ وَ بِحَمْدِهٖ کی تشریح :

اور بخاری شریف کی آخری حدیث ہے: كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللہِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللہِ الْعَظِيْمِ "دو کلمے ہیں جو رحمان کو بہت پیارے ہیں زبان پر ہلکے پھلکے ہیں ترازو میں بڑے وزنی ہیں۔ قیامت والے دن جب ترازو پر تولے جائیں گے تو بڑے وزنی ہوں گے۔ ایک کلمہ ہے سُبْحَانَ اللہِ وَ بِحَمْدِهٖ اور دوسرا کلمہ ہے سُبْحَانَ اللہِ الْعَظِيْمِ۔" اور نماز والا درود شریف درود ابراہیمی اگر ایک دفعہ پڑھو گے اور دوسرا درود دس دفعہ پڑھو گے تو پھر بھی درود ابراہیمی کا ثواب زیادہ ہے۔ بعض لوگ اس کے لمبا ہونے سے گھبراتے ہیں مختصر الفاظ والے درود شریف پڑھتے ہیں سب جائز ہیں ناجائز کوئی بھی نہیں ہے لیکن ثواب کا اتنا فرق ہے۔ کیوں کہ درود ابراہیمی کا ایک ایک لفظ

آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا ہے۔ اگرچہ باقی درود بھی اپنی جگہ ثابت ہیں۔ اور کثرت کے ساتھ استغفار پڑھا کرو أَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَ أَتُوْبُ إِلَيْهِ. اور سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی سلبی اور ایجابی دونوں صفتیں آ جاتی ہیں۔

سلبی اور ایجابی صفات کی وضاحت

سلبی سے مراد وہ صفتیں ہیں جن کی اللہ تعالیٰ سے نفی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا باپ نہیں، ماں نہیں، بیوی نہیں ہے، اس کا بیٹا بیٹی نہیں ہے، وہ کھاتا نہیں، پیتا نہیں، سوتا نہیں، تو "نہیں نہیں" کے ساتھ جتنی صفتیں ہیں یہ سلبی ہیں۔ جب کہا سبحان اللہ! تو یہ ساری صفتیں اس میں آ گئیں۔ ویسے الگ الگ آدمی کتنی دیر بیان کرتا رہے گا۔

اور ایجابی سے مراد وہ صفتیں ہیں جو رب تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں کہ اللہ تعالیٰ عَالِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ہے، اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، خالق ہے، مالک ہے، رازق ہے، بادشاہ بناتا ہے، گدا بناتا ہے، بیمار کرتا ہے، شفا دیتا ہے، یہ "ہے ہے" کے ساتھ جتنی صفتیں ہیں کوئی کتنی بیان کرے گا۔ ایک دفعہ کہا وَبِحَمْدِهٖ یا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا تو یہ ساری اس میں آ گئی۔ ان کو اپنا ورد بنالو مرد بھی اور عورتیں بھی۔ جتنی چیزیں میں نے بیان کی ہیں تیسرا کلمہ، درود شریف، استغفار اور سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ۔

فرمایا ﴿إِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ تحمل کرنے والا ہے، بخشنے والا ہے ﴿وَ إِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ﴾ اور جس وقت آپ پڑھتے ہیں قرآن کو ﴿جَعَلْنَا﴾ ڈال دیتے ہیں ہم ﴿بَيْنَكَ﴾ آپ کے درمیان ﴿وَبَيْنَ الَّذِيْنَ﴾ اور ان لوگوں کے درمیان ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر ﴿حِجَابًا﴾ پردہ ﴿مَّسْتُوْرًا﴾ لٹکا ہوا ﴿وَّ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ اور کر دیتے ہیں ہم ان کے دلوں پر ﴿أَكِنَّةً﴾ پردہ ﴿أَنْ يَّفْقَهُوْهُ﴾ اس بات سے کہ وہ اس قرآن کو سمجھیں ﴿وَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ اور ان کے کانوں میں ڈاٹ ڈال دیتے ہیں قرآن کو نہیں سمجھ سکیں گے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ نے ان دلوں پر پردے ڈال دیئے، کانوں میں ڈاٹ چڑھا دیئے تو پھر ان کا کیا قصور ہے؟ لہٰذا بات کو اچھی طرح سمجھنا ہے کیوں کہ جب کوئی قرآن پاک کو سطحی طور پر پڑھتا ہے تو اس طرح کے اشکالات اس کے ذہن میں آتے ہیں۔ قرآن آسان بھی ہے اور مشکل بھی ہے۔ اس طرح کے مضمون کی آیات جب کوئی آدمی پڑھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے دلوں پر اور کانوں پہ ڈاٹے چڑھا دیئے اور آنکھوں پر پردے ڈال دیئے تو پریشان ہو جاتا ہے کہ پھر اس میں بندے کا کیا دخل اور اختیار ہے۔ یا تو معاذ اللہ تعالیٰ بندہ اللہ تعالیٰ سے طاقت ور ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ڈالے ہوئے پردے اُتار دے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جبراً اور

پیدائش کے ساتھ ہی کسی پر پردے نہیں ڈال دیتا بندہ جب خود ان چیزوں کو اختیار کر لیتا ہے اور راضی ہو جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس کیفیت پر پکا کر دیتا ہے۔

چوبیسواں پارہ سورۃ حٰم السجدہ نکالو آیت نمبر ۵ ہے ﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ﴾ "اور کہا انھوں نے بہ طور فخر کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں اس چیز سے جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو، قرآن پاک سننے کے لیے ﴿وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ﴾ اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگائے ہوئے ہیں ﴿وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ﴾ اور ہمارے اور تمھارے درمیان پردہ ہے، ہم نے پردہ لٹکایا ہوا ہے ﴿فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ﴾ پس آپ اپنا عمل کریں ہم اپنا عمل کر رہے ہیں۔" جب انھوں نے اس چیز کو اپنے لیے پسند کر لیا کہ ہم نے حق کو سمجھنا نہیں، سننا نہیں، اہلِ حق کو دیکھنا نہیں اور کفر شرک پر ہی جم کر رہنا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ [نساء:۱۱۵] "ہم پھیر دیں گے اس کو اسی طرف جس طرف اس نے رخ کیا۔" آدمی جو چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اسی کی توفیق دے دیتے ہیں۔ پہلے دن سے اللہ تعالیٰ نے کسی کے دل پر پردہ نہیں ڈالا نہ کان میں ڈاٹ چڑھایا ہے نہ کسی کی آنکھ پر پردہ ڈالا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جب انھوں نے اپنی مرضی سے ان چیزوں کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ویسا ہی کر دیا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ہے کہ جس راستے پر کوئی چلتا ہے اسی راستے پر چلا دیتے ہیں۔ سورۂ صف میں ہے ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ "پس جب وہ ٹیڑھے چلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔" تو ان کا اپنا جرم اور قصور ہے۔ تو فرمایا ہم نے کر دیئے ان کے دلوں پر پردے کہ قرآن سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ۔

﴿وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ﴾ اور جب آپ ذکر کرتے ہیں اپنے رب کا قرآن میں ﴿وَحْدَهٗ﴾ اکیلے رب کا ﴿وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا﴾ پھرتے ہیں اپنی پیٹھوں پر نفرت کرتے ہوئے۔ پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں نفرت سے۔ اور سورۂ صٰفٰت میں ہے ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ "بے شک یہ لوگ کہ جب ان کے سامنے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں ہے تو تکبر کرتے ہیں، اچھلتے کودتے ہیں اور کہتے ہیں ﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا﴾ [ص:۵] "کیا بنا دیا ہے اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود۔" باقی کوئی الٰہ نہیں، مشکل کشا کوئی نہیں، حاجت روا کوئی نہیں، فریادرس کوئی نہیں، دست گیر کوئی نہیں، ایک ہی رہ گیا ہے۔ مشرک کے لیے رب کی وحدانیت بڑی مشکل ہے۔ کسی نہ کسی طرح دوسروں کے لیے کونے تلاش کرتا ہے۔

تو فرمایا کہ جب آپ قرآن میں یاد کرتے ہیں اپنے رب کی وحدانیت کو تو یہ نفرت کرتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں اور ان میں سے کچھ سنتے بھی ہیں ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ﴾ ہم خوب جانتے ہیں اس چیز کو سنتے ہیں وہ جس کی وجہ سے قرآن کریم کو ﴿اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ﴾ جس وقت وہ کان لگاتے ہیں آپ کی طرف ﴿وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى﴾ اور جس وقت وہ سرگوشیاں کرتے ہیں جا کر ﴿اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ جس وقت کہتے ہیں وہ ظالم ﴿اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا﴾ نہیں پیروی کرتے تم مگر ایسے آدمی کی جس پر جادو ہوا ہے۔ پاگل کے پیچھے کیوں چلتے ہو؟ استغفر اللہ تعالیٰ۔ وہ قرآن اس لیے سنتے تھے کہ

ہمیں کوئی اعتراض کا نکتہ مل جائے۔ اس لیے نہیں سنتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

چنانچہ سورۃ عنکبوت آیت نمبر ۴۱ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی مثال بیان فرمائی ہے ﴿مَثَلُ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡلِیَآءَ کَمَثَلِ الۡعَنۡکَبُوۡتِ﴾ "مثال ان لوگوں کی جنھوں نے بنائے اللہ تعالیٰ کے سوا کارساز ایسے ہی ہے جیسے مکڑی ﴿اِتَّخَذَتۡ بَیۡتًا﴾ اس نے بنایا اپنا گھر ﴿وَ اِنَّ اَوۡهَنَ الۡبُیُوۡتِ لَبَیۡتُ الۡعَنۡکَبُوۡتِ﴾ اور بے شک تمام گھروں میں کمزور گھر البتہ مکڑی کا گھر ہے۔" یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر دوسروں کا جو سہارا تلاش کرتا ہے وہ مکڑی کے جالے میں رہتا ہے۔ یہ رب تعالیٰ نے سمجھایا ہے کہ قادرِ مطلق کو چھوڑ کر دوسری جگہ پناہ لیتے ہو تو یوں سمجھو کہ مکڑی کے جالے میں رہتے ہو جو نہ سردی سے بچا سکتا ہے اور نہ گرمی سے۔ ذرا تنکا لگنے سے جالا اُڑ جاتا ہے۔ اور سورۃ الحج آیت نمبر ۷۳ میں ہے ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَنۡ یَّخۡلُقُوۡا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجۡتَمَعُوۡا لَهٗ﴾ "جن کو تم پکارتے ہو مشکل کشا، حاجت روا سمجھ کر، وہ مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ سب اکٹھے ہو جائیں۔" اسی طرح کی آیات سننے کے بعد انھوں نے کہا کہ یہ خدا کا کلام ہے؟ جس میں کہیں مکھی کا ذکر ہے اور کہیں مکڑی کا ذکر ہے اور کہیں مچھر کا ذکر ہے۔

تو وہ قرآن اعتراض کرنے کے لیے سنتے تھے ہدایت حاصل کرنے کی غرض سے نہیں سنتے تھے تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ زبردستی ہدایت نہیں دیتا۔ فرمایا ﴿اُنۡظُرۡ کَیۡفَ ضَرَبُوۡا لَكَ الۡاَمۡثَالَ﴾ دیکھو! کیسے بیان کرتے ہیں آپ کے لیے مثالیں۔ کبھی مسحور، کبھی ساحر، کبھی مجنون، کبھی کاہن، کبھی مفتری، کبھی کذاب کہتے ہیں معاذ اللہ تعالیٰ، کسی ایک بات پر بھی نہیں ٹھہرتے کیوں کہ یہ ساری باتیں ہی غلط ہیں۔ ﴿فَضَلُّوۡا﴾ نتیجہ یہ ہوا کہ پس وہ گمراہ ہوئے ﴿فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ سَبِیۡلًا﴾ پس وہ نہیں طاقت رکھتے راستے کی کہ حق پر آ جائیں جب اتنی ضد ان میں ہے تو رب تعالیٰ بھی جبراً کسی کو ہدایت نہیں دیتا۔

﴿وَ قَالُوۡۤا﴾ اور کہا کافروں نے ﴿ءَاِذَا کُنَّا عِظَامًا﴾ کیا جب ہم ہو جائیں گے ہڈیاں ﴿وَّ رُفَاتًا﴾ اور ریزہ ریزہ ﴿ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ﴾ کیا بے شک ہم کھڑے کیے جائیں گے ﴿خَلۡقًا جَدِیۡدًا﴾ نئی مخلوق بنا کر ﴿قُلۡ﴾ آپ کہہ دیں ﴿کُوۡنُوۡا حِجَارَةً﴾ تم ہو جاؤ پتھر ﴿اَوۡ حَدِیۡدًا﴾ یا لوہا ﴿اَوۡ خَلۡقًا﴾ یا کوئی اور مخلوق ﴿مِّمَّا یَکۡبُرُ فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ﴾ جو بڑی نظر آتی ہو تمھارے دلوں میں ﴿فَسَیَقُوۡلُوۡنَ﴾ پس بہ تاکید وہ کہیں گے ﴿مَنۡ یُّعِیۡدُنَا﴾ کون ہمیں لوٹائے گا ﴿قُلِ﴾ آپ کہہ دیں ﴿الَّذِیۡ فَطَرَکُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ جس نے تمھیں پیدا کیا پہلی دفعہ ﴿فَسَیُنۡغِضُوۡنَ اِلَیۡكَ﴾ پس بہ تاکید وہ ہلائیں گے آپ کی طرف ﴿رُءُوۡسَهُمۡ﴾ اپنے سروں کو ﴿وَ یَقُوۡلُوۡنَ﴾ اور کہیں گے ﴿مَتٰی هُوَ﴾ کہ وہ کب ہے ﴿قُلۡ﴾ آپ کہہ دیں ﴿عَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ قَرِیۡبًا﴾ ممکن ہے یہ کہ وہ قریب ہو ﴿یَوۡمَ یَدۡعُوۡکُمۡ﴾ جس دن وہ بلائے گا تمھیں ﴿فَتَسۡتَجِیۡبُوۡنَ بِحَمۡدِهٖ﴾ پس تم اللہ کے حکم کو قبول کرو گے اس کی

تعریف کرتے ہوئے ﴿وَ تَظُنُّوْنَ﴾ اور تم یقین کرو گے ﴿اِنْ لَّبِثْتُمْ﴾ کہ تم نہیں ٹھہرے دنیا میں ﴿اِلَّا قَلِیْلًا﴾ مگر بہت تھوڑا۔

بنیادی چیز توحید ہے

قرآن کریم میں جن چیزوں پر زور دیا گیا ہے ان میں سے پہلی چیز توحید ہے کہ اللہ تعالیٰ ذات میں بھی وحدہٗ لاشریک ہے اور صفات میں بھی وحدہٗ لاشریک ہے اور وہ اپنے افعال میں بھی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور دوسری چیز جس پر زور دیا گیا ہے وہ شرک کا رد ہے۔ عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ شرک کی تردید کی گئی ہے۔ ایک مسئلہ رسالت کا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے پیغمبر بھیجے ہیں اور چوتھا مسئلہ قیامت کا ہے کہ قیامت ضرور آئے گی۔ مشرکین مکہ قیامت کے منکر تھے انھوں نے مختلف الفاظ میں قیامت کا انکار کیا ہے کہ قیامت کوئی چیز نہیں ہے اور قرآن پاک نے اس کو ثابت کیا ہے کہ قیامت ضرور برپا ہوگی۔ یہ بنیادی مسائل ہیں یہ سمجھ آجائیں تو باقی فرعی مسائل ہیں ان کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ قرآن پاک کی کل ایک سو چودہ [۱۱۴] سورتیں ہیں ان میں سے چھیاسی [۸۶] سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوتی ہیں جن میں انھی مسائل پر زور دیا گیا ہے۔

بعث بعد الموت کا مسئلہ

قیامت کے متعلق کافروں کے الفاظ یہ ہیں ﴿وَقَالُوْٓا﴾ اور کہا کافروں نے ﴿ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا﴾ کیا جس وقت ہم ہو جائیں گے ہڈیاں ﴿وَّ رُفَاتًا﴾ اور چورا چورا، ریزہ ریزہ ہو جائیں گے ﴿ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا﴾ کیا بے شک ہم کھڑے کیے جائیں گے نئی مخلوق بنا کر۔ ہڈیاں گل کر چورا چورا اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گی کون دوبارہ زندہ کرے گا۔ عرب کے مشرک مردوں کو جلاتے نہیں تھے نہ یہودی اور عیسائی جلاتے تھے نہ صابی اور مجوسی جلاتے تھے یہ سارے دفن کرتے تھے۔ یہ جلانے کی رسم ہندوؤں کی ہے اور سکھوں کی ہے۔

تفسیروں میں ابوجہل کا نام بھی آتا ہے اور عقبہ ابن ابی معیط کا نام بھی آتا ہے، عاص ابن وائل اور امیہ ابن خلف کا نام بھی آتا ہے کہ اس کو کسی پرانی قبر سے کھوپڑی مل گئی۔ وہ ایسی بھربھری تھی کہ ہاتھ لگانے سے ریزہ ریزہ ہوتی تھی وہ اس کھوپڑی کو رومال میں ڈال کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ستانے کے لیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہمیشہ تھوڑے بہت آدمی رہتے تھے جن میں اپنے بھی ہوتے تھے اور مسخرے کے لیے آنے والے بھی ہوتے تھے۔ سب نے دیکھا کہ کپڑے میں کوئی چیز لپٹی ہوئی ہے۔ ساتھیوں نے نگرانی کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔ خیر جب اس نے کپڑا ہٹایا تو وہ پرانی سی کھوپڑی تھی۔ کہنے لگا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس کو ذرا ہاتھ لگاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت ہاتھ لگایا تو وہ ریزہ ریزہ ہونے لگی کیوں کہ پرانی بوسیدہ ہڈی تھی تو ابوجہل ٹھاہ ٹھاہ کر کے ہنسا اور کہنے لگا: مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ " کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو حالاں کہ

وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔" اللہ تعالیٰ نے اس کے چار جواب دیے جو سورت یٰسین کے آخری رکوع میں مذکور ہیں۔

پہلا جواب: ﴿أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ﴾ "کیا نہیں دیکھا انسان کہ بے شک ہم نے اس کو پیدا کیا ہے ایک پانی کے قطرے سے پس اچانک وہ جھگڑنے والا ہے۔" کیا جس نے اس کو حقیر قطرے سے پیدا کیا ہے وہ دوبارہ اس کھوپڑی کو بندہ نہیں بنا سکتا۔

دوسرا جواب: ﴿قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ "آپ کہہ دیں زندہ کرے گا ان کو وہ جس نے پیدا کیا ہے ان کو پہلی مرتبہ۔"

تیسرا جواب: ﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا﴾ "وہ پیدا کرے گا جس نے بنائی تمھارے لیے سبز درخت سے آگ۔"

عرب میں تین قسم کے درخت ہوتے تھے۔ایک کا نام تھا مَرْخ، دوسرے کا نام تھا کَلَخ، اور تیسرے کا نام تھا عَفَار۔ ان کی ٹہنیاں آپس میں رگڑنے سے آگ پیدا ہوتی تھی۔ یہ لوگ جب سفر پر جاتے تھے تو ان درختوں کی ٹہنیاں کپڑوں میں لپیٹ کر ساتھ لے جاتے تھے جہاں ضرورت پیش آتی تھی ٹہنیاں رگڑ کر آگ نکال لیتے تھے اور استعمال کرتے تھے جیسے آج کل لوگ ماچس کی ڈبی جیب میں رکھتے ہیں۔تو فرمایا وہ زندہ کرے گا جو سبز درختوں سے آگ کے شعلے نکالتا ہے۔

چوتھا جواب: ﴿أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُم﴾ "کیا نہیں ہے وہ ذات جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمینوں کو اس بات پر قادر کہ پیدا کر دے ان جیسے۔"

تو فرمایا یہ کہتے ہیں کیا جب ہم ہو جائیں گے ہڈیاں اور چورا چورا کیا ہم کھڑے کیے جائیں گے نئی مخلوق بنا کر ﴿قُلْ﴾ آپ ان سے کہہ دیں ﴿كُونُوا حِجَارَةً﴾ ہو جاؤ تم پتھر ﴿أَوْ حَدِيدًا﴾ یا لوہا۔ یہ تو بوسیدہ ہڈی ہے تم پتھر اور لوہا بن جاؤ رب اس میں بھی جان ڈال دے گا ﴿أَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ﴾ یا کوئی اور مخلوق جو بڑی نظر آتی ہو تمھارے دلوں میں بڑی سخت اور مشکل نظر آتی ہو پھر بھی تم ضرور کھڑے کیے جاؤ گے۔ پتھر لوہا تو سخت ہونے کے باوجود گھس جاتے ہیں ہیرا ان سے زیادہ سخت ہے وہ گھستا نہیں ہے گھڑیوں کی جولیں ہیرے کی ہوتی ہیں تو ایسی کوئی سخت چیز بن جاؤ پھر بھی وہ تمھیں کھڑا کرے گا۔

پتھروں کی مختلف خاصیتیں ہوتی ہیں۔ افغانستان میں ایک پہاڑ ہے اس میں لاَجْوَرْد پتھر پیدا ہوتا ہے اس کی خاصیت ہے کہ اس پر کسی بھی درجے کی زہر ڈالی جائے تو وہ تڑ تڑ کر کے بتلا دیتا ہے کہ میرے اُوپر زہر رکھا گیا ہے۔لوگ اس پتھر کے پیالے بناتے ہیں۔ پہلے زمانے میں وہ پیالے بادشاہ رکھتے تھے۔ گلاس بھی بناتے ہیں، پلیٹیں بھی بناتے ہیں ان میں اگر کوئی زہریلی چیز ڈالی جائے تو وہ تڑ تڑ کرتے ہیں۔تو بادشاہ لاَجْوَرْد کے برتنوں میں کھاتے پیتے تھے تاکہ کسی دشمن یا خانسامے نے زہر ملایا ہے تو پتا چل جائے۔ آج کل تو ڈاکٹر ٹیسٹ کرتے ہیں۔ یہ پتھر صرف افغانستان میں ہوتا ہے اور کسی علاقے میں نہیں ہے۔

تو فرمایا تم پتھر بن جاؤ، لوہا بن جاؤ یا اور کوئی سخت چیز بن جاؤ پھر بھی رب تعالیٰ تمھیں دوبارہ کھڑا کرے گا۔ پھر اس

سیڑھی سے اُتر کر دوسری سیڑھی پر چڑھ گئے ﴿فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا﴾ پس بہ تاکید وہ کہیں گے کون ہمیں لوٹائے گا دوبارہ ہمیں کون انسان بنائے گا ﴿قُلِ﴾ آپ کہہ دیں ﴿الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ جس نے پیدا کیا ہے تمھیں پہلی مرتبہ۔ جس ذات نے پہلی مرتبہ تمھارے اندر جان ڈالی ہے، زندگی دی ہے وہی تمھیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ جن قوموں میں آخرت کی فکر نہیں ہے وہ حیوانوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں نیکی بدی کی ان میں کوئی تمیز نہیں ہوتی کیوں کہ ان کو انجام کا فکر ہی نہیں ہے۔ اور جس آدمی کو یقین ہو قیامت آئے گی حساب کتاب ہوگا اور اعمال کے نتائج سامنے آنے والے ہیں تو اس سے اولاً تو کوئی گناہ سرزد نہیں ہو سکتا اور اگر ہو بھی جائے تو فوراً پچھتائے گا اور توبہ کرے گا۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ "لذتوں کو توڑنے والی کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔" یعنی موت کو ہر وقت یاد رکھو۔

مردوں کو قبرستان جانے کی اجازت دینے کی وجہ

حدیث پاک میں آتا ہے کہ کُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ "میں نے تمھیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا" مشرک قبر پرستی کرتے تھے۔ قبر دیکھی سجدے میں گر گئے، طواف شروع کر دیا جیسے آج کل قبر پرست لوگ کرتے ہیں۔ تو فرمایا میں نے تمھیں پہلے منع کیا تھا قبرستان جانے سے، بخاری اور مسلم کی روایت ہے، اب تمھیں اجازت دیتا ہوں قبرستان جانے کی (کیوں کہ اب ذہن پختہ ہو گئے تھے۔) لیکن کس نظریے کے تحت جانا ہے؟ تاکہ تمھیں قبر دیکھ کر موت یاد آ جائے قبر دیکھ کر آخرت یاد آ جائے۔ اور یہ اجازت بھی مردوں کے لیے ہے عورتوں کو اجازت نہیں ہے۔ صحاح ستہ کی چھ کتابوں میں سے چار کے اندر یہ روایت موجود ہے ابوداؤد، ترمذی شریف، ابن ماجہ اور نسائی، لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ زَوَّارَاتِ الْقُبُورِ وَالْمُتَّخِذِينَ عَلَيْهَا السُّرُجَ "آنحضرت نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو قبروں کی زیارتوں کے لیے جاتی ہیں اور ان لوگوں پر بھی رب کی لعنت ہے جو قبروں پر چراغ جلاتے ہیں۔" اندازہ لگاؤ جس کام پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے وہ کام ہم اچھل اچھل کر کرتے ہیں اگر کوئی یہ کہے کہ ہم ایصالِ ثواب کے لیے جاتے ہیں تو ایصالِ ثواب ہر جگہ سے ہو سکتا ہے۔ جہاں کوئی چاہے ثواب پہنچائے۔ قبر پر کھڑے ہو کر کوئی قبر والے کی جھولی اور جیب میں تو نہیں ڈال سکتا۔ رب ہر جگہ موجود ہے اور ہر جگہ سے ثواب رب تعالیٰ ہی نے پہنچانا ہے۔ ایصالِ ثواب اچھی چیز ہے۔ قرآن پڑھ کر بخشو، نفل پڑھ کر بخشو، نفلی روزے رکھ کر بخشو، صدقہ خیرات کر کے بخشو۔ تو نیز آخرت سے بے فکر لوگ حیوانوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھنے والے انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں اور موت یاد ہو تو آدمی کا مزاج صحیح رہتا ہے۔

موت کے متعلق ایک واقعہ

ایران کا ایک بادشاہ تھا وہ روز بہ روز موٹا ہوتا جاتا تھا حکیموں نے بہت علاج کیے پرہیز بتلائے مگر اس کا بدن بڑھتا ہی گیا۔ بعض بلغمی مزاج ہوتے ہیں چاہے تھوڑا ہی کھائیں بدن ان کا پھولتا جاتا ہے اور بعض صفراوی مزاج ہوتے ہیں چاہے زیادہ

کھائیں ان کا بدن نہیں پھولتا۔ تو وہ روز بہ روز موٹا ہوتا گیا وہاں سے سارے حکیم عاجز آ گئے۔ دور بستی میں کوئی حکیم رہتا تھا اس کی شہرت سنی بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو بلاؤ۔ حکیم نے آ کر کہا کہ پہلے میں تمھارا ستارہ دیکھوں گا پھر علاج شروع کروں گا کیوں کہ وہ ستارہ پرست تھے تو اس نے بادشاہ کے اطمینان کے لیے کہا کہ میں پہلے ستارے کے ذریعے تمھاری بیماری کی تشخیص کروں گا۔ بادشاہ نے کہا بہت اچھا۔ ایک دو دن کے حساب کے بعد حکیم نے کہا کہ میں نے حساب لگایا ہے کہ تم نے چالیس دن کے بعد مر جانا ہے اگر تم چالیس دن کے بعد نہ مرے تو مجھے سولی پر لٹکا دینا میں نے ستارہ دیکھ لیا ہے تمھاری موت مقدر ہے۔ جوں ہی اس نے موت سنی تو سارے کام ترک کر دیے کھیل وغیرہ ختم ہو گئے، روٹی کم کر دی، غم میں مبتلا ہو گیا وہ چالیس دنوں میں دبلا پتلا ہو گیا مگر مرا نہیں۔ کہنے لگا حکیم کو بلاؤ وہ کہتا تھا تو چالیس دنوں کے بعد مر جائے گا میں مرا تو نہیں ہوں۔ حکیم آیا اور مسکرا کر کہنے لگا بادشاہ سلامت یہ تو میں نے آپ کا علاج کیا ہے مرنا تو آپ نے اپنے وقت پر ہے۔

آج اگر ہمیں بھی پتا چل جائے کہ اس سال کے بعد ہم نے مر جانا ہے تو ہم ابھی سے کمزور ہونا شروع ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ موت کا راز اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیا۔

؎ آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں

اگر اللہ تعالیٰ سب کو علم دے دیتا کہ فلاں نے فلاں وقت فلاں جگہ مرنا ہے تو نظام زندگی معطل ہو جاتا اس لیے اس نے یہ راز اپنے پاس رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ اس نے کب مرنا ہے۔

مشرکوں کی تیسری سیڑھی ﴿فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ﴾ پس بہ تاکید وہ ہلائیں گے آپ کی طرف اپنے سروں کو مسخرہ کرتے ہوئے ﴿وَيَقُولُونَ﴾ اور کہیں گے ﴿مَتَىٰ هُوَ﴾ وہ کب ہے ہمارا اُٹھنا، ہمیں کون اُٹھائے گا اور کب اُٹھیں گے۔ جس نے بات نہ ماننی ہو وہ کج بحثی کرتا ہے۔ لیکن کج بحثی سے حق تو نہیں ٹلتا قیامت ضرور آ کر رہے گی ﴿قُلْ﴾ آپ ان سے کہہ دیں ﴿عَسَىٰ﴾ ممکن ہے ﴿أَن يَكُونَ قَرِيبًا﴾ یہ کہ وہ قریب ہو۔ آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے قیامت سب کے آگے ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ "جو مرا اس کی قیامت قائم ہو گئی۔"

مومن اور کافر کی موت کا نقشہ

موت کے وقت دو فرشتوں کو آگے دیکھے گا اور اٹھارہ فرشتوں کی لائن ان کے پیچھے ہو گی۔ ملک الموت سامنے ہو گا مرنے والے کو نظر آ رہے ہوں گے۔ حکیم ڈاکٹر ماں باپ، عزیز رشتہ دار جو وہاں ہوں گے ان کو نظر نہیں آئیں گے۔ مومن ہے تو اس کو کہیں گے تجھ پر رب کی رحمتیں اور سلامتی ہو یہ تیرا جنت کا نقشہ یہ کوٹھی ہے جہاں تو نے جانا ہے اور خوش خبریاں سنائیں گے بڑی خوشی اور چاہت کے ساتھ اس کی جان نکلے گی اور اگر بُرا ہے تو کہیں گے اے خبیث روح! رب تجھ سے ناراض ہے روح

بدن سے نکلنے کا نام نہیں لے گی فرشتے کھینچ کر نکالیں گے ﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا﴾ "قسم ہے ان فرشتوں کی جو غوطہ لگا کر جان کو کھینچنے والے ہیں۔" مومن کے لیے جنت کی خوشبوؤں والا کفن ہوگا جس میں روح کو رکھ کر لے جائیں گے اور جہنمی کے لیے جہنم کے بدبودار ٹاٹ ہوں گے جس میں اس کی روح کو رکھ کر لے جائیں گے۔

تو فرمایا آپ کہہ دیں ممکن ہے قریب ہو ﴿يَوْمَ يَدْعُوكُمْ﴾ جس دن وہ اللہ تعالیٰ بلائے گا تمھیں۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم ہوگا بگل پھونکنے کا جس جگہ وہ بگل پھونکیں گے مشرق، مغرب، شمال، جنوب والے سارے وہاں اکٹھے ہو جائیں گے۔ قبروں سے سارے ننگ دھڑنگ نکلیں گے پھر ہر ایک کو ان کے اعمال کے مطابق لباس پہنایا جائے گا، کسی کو چار قدم کے بعد کسی کو دس قدم کے بعد۔ سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پہلا نمبر اس لیے ہوگا کہ ان کو جب ظالموں نے آگ کے بھٹے میں ڈالا تھا تو کپڑے اُتار کر برہنہ کر کے ڈالا تھا۔ اس کے بدلے میں ان کو اللہ تعالیٰ پہلے لباس دیں گے۔

تو فرمایا جس دن رب تعالیٰ تمھیں بلائیں گے ﴿فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ﴾ پس تم اللہ کے حکم کو قبول کرو گے اس کی تعریف کرتے ہوئے۔ ہر ایک کی زبان پر ہوگا سبحان اللہ، سبحان اللہ! مگر کافر کے سبحان اللہ کہنے کا کوئی اعتبار اور حیثیت نہیں ہوگی کیوں کہ وہ دار العمل نہیں ہے دار الجزاء ہے۔ وہاں کی نیکی کا کوئی بدلہ نہیں ہے اس جہان میں جو نیکی کرے گا اس کا بدلہ ملے گا ﴿وَتَظُنُّونَ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا﴾ اور تم یقین کرو گے کہ ہم دنیا میں نہیں ٹھہرے مگر بہت تھوڑا سا۔ وہ آخرت جو نہ ختم ہونے والی زندگی ہے اس کے مقابلے میں دنیا کے دس بیس، پچاس، سو سال، ہزار سال کچھ بھی نہیں ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر مبارک تقریباً چودہ سو سال تھی۔ وفات کے وقت کسی نے پوچھا حضرت تم نے بڑا لمبا عرصہ حیات پائی ہے دنیا کو کیسا دیکھا؟ فرمایا یوں سمجھو کہ ایک مکان کے دو دروازے ہیں ایک سے داخل ہوا ہوں دوسرے سے نکل کر جا رہا ہوں۔ لیکن ہم نے یہ سمجھا ہوا ہے کہ ہم نے زندگی کے پٹے لکھوائے ہوئے ہیں۔ ساتھیو! موت کو، آخرت کو، قبر کو کبھی نہ بھولو ہر وقت یاد رکھو۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق عطا فرمائے۔

﴿وَقُلْ﴾ اور آپ کہہ دیں ﴿لِعِبَادِي﴾ میرے بندوں کو ﴿يَقُولُوا﴾ کہ وہ کہیں ﴿الَّتِي﴾ ایسی بات ﴿هِيَ أَحْسَنُ﴾ جو بہت اچھی ہو ﴿إِنَّ الشَّيْطٰنَ﴾ بے شک شیطان ﴿يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ﴾ پھوٹ ڈالتا ہے ان کے درمیان ﴿إِنَّ الشَّيْطٰنَ﴾ بے شک شیطان ﴿كَانَ لِلْإِنْسَانِ﴾ ہے انسان کے لیے ﴿عَدُوًّا مُبِينًا﴾ دشمن کھلا ﴿رَبُّكُمْ أَعْلَمُ﴾ تمھارا رب خوب جانتا ہے ﴿بِكُمْ﴾ تم کو ﴿إِنْ يَشَأْ يَرْحَمْكُمْ﴾ اگر چاہے تو تم پر رحم کرے ﴿أَوْ إِنْ يَشَأْ يُعَذِّبْكُمْ﴾ یا اگر چاہے تو تم کو سزا دے ﴿وَمَا أَرْسَلْنٰكَ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ﴿عَلَيْهِمْ وَكِيلًا﴾ وکیل بنا کر ﴿وَرَبُّكَ أَعْلَمُ﴾ اور تیرا پروردگار خوب جانتا ہے ﴿بِمَنْ﴾ ان کو ﴿فِي السَّمٰوٰتِ﴾ جو آسمانوں میں

﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور جو زمین میں ہیں ﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے فضیلت دی ﴿بَعْضَ النَّبِیّٖنَ﴾ بعض انبیاء کو ﴿عَلٰی بَعْضٍ﴾ بعض پر ﴿وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾ اور عطا کی ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ﴾ آپ کہہ دیں پکارو تم ان کو ﴿زَعَمْتُمْ﴾ جن کے بارے میں تم خیال کرتے ہو ﴿مِّنْ دُوْنِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿فَلَا یَمْلِكُوْنَ﴾ پس وہ نہیں ہیں مالک ﴿كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ﴾ تکلیف کو دور کرنے کے تم سے ﴿وَلَا تَحْوِیْلًا﴾ اور نہ کسی اور پر ڈالنے کے ﴿اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ﴾ یہ لوگ ﴿یَدْعُوْنَ﴾ جن کو یہ پکارتے ہیں ﴿یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ﴾ تلاش کرتے ہیں اپنے رب کی طرف ﴿الْوَسِیْلَةَ﴾ وسیلہ ﴿اَیُّهُمْ اَقْرَبُ﴾ کون ان میں سے زیادہ قریب ہو ﴿وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ﴾ اور اُمید رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ﴿وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ﴾ اور ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ﴾ بے شک تیرے رب کا عذاب ﴿كَانَ مَحْذُوْرًا﴾ ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔

مومنوں کے لیے سبق

کافروں کی کج بحثی تم نے سنی کہ کہتے تھے کہ اس پر جادو ہوا ہے اور کہتے کہ یہ ہڈیاں جب چورا چورا ہو جائیں گی تو کیا ہم دوبارہ اُٹھائیں جائیں گے۔ تو ان کی ایسی لایعنی باتوں سے مومنوں کو طبعاً صدمہ ہوتا تھا، تکلیف ہوتی تھی، رنج پہنچتا تھا تو ایسے موقع پر آدمی سخت بات بھی کہہ سکتا ہے اور کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو سبق دیا۔ فرمایا ﴿وَقُلْ لِّعِبَادِیْ﴾ اور اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیں میرے بندوں کو ﴿یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ وہ کہیں ایسی بات جو بہت اچھی ہو۔ یہ جاہل بے وقوف احمق ہیں جو ایسی نازیبا باتیں کرتے ہیں اگر تم بھی جواب میں ایسی باتیں شروع کر دو گے تو معاملہ طول پکڑ جائے گا لہٰذا مومنوں کو اچھی بات کہنی چاہیے۔ اچھی بات کا مطلب یہ ہے کہ ان کے سوالوں کے جواب معقول انداز میں دو، لہجہ پیار محبت والا ہو اور ان کی بات کو رد کر دو کیوں کہ یہ تمھارا فریضہ ہے۔ لیکن ایسے انداز کو شریعت پسند نہیں کرتی جس سے فتنہ فساد برپا ہو۔

﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ﴾ بے شک شیطان پھوٹ ڈالتا ہے ان کے درمیان۔ اختلاف کی باتیں ان میں پیدا کرتا ہے۔ شیطان کہے گا کہ دیکھو جی! تمھاری موجودگی میں تمھارے نبی کو مجنون کہا گیا ہے جھوٹا اور مفتری کہا گیا ہے تم بھی ان کو کہو۔ طبعاً یہ باتیں ذہن میں آتی ہیں شیطان اور اُبھارے گا ﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا﴾ بے شک شیطان ہے انسان کا دشمن کھلا۔ شیطان سے کبھی خیر کی توقع نہیں رکھنی چاہیے اگر بہ ظاہر کوئی چیز خیر کی نظر بھی آئے گی تو اس میں شیطان کا فائدہ ہوگا۔

شیطان سے کبھی خیر کی توقع نہیں رکھنی چاہیے، ایک حکایت

ایک مشہور کہانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک نیک بندہ تھا جو شیطان کی بات نہیں مانتا تھا۔ گرمی کے موسم میں وہ ایک دیوار

کے سائے کے نیچے لیٹ گیا۔ حدیث پاک میں آتا ہے: اَلْقَیْلُوْلَۃُ مِنْ دَابِ الصّٰلِحِیْنَ" دوپہر کے وقت تھوڑا سا سونا نیک لوگوں کی عادت ہے۔" کیوں کہ وہ دوپہر کو سوئیں گے تو رات کو تہجد کے لیے آسانی سے اُٹھیں گے۔ دوپہر کا سونا گویا رات کے جاگنے کی تمہید ہے۔ تو وہ دیوار کے سائے میں سوئے تھے شیطان نے کہا جلدی سے اٹھ جاؤ دیوار گرنے والی ہے اور ایسا ہی ہوا کہ وہ اٹھ کر ایک دو قدم چلے تو دیوار گر گئی۔ انھوں نے پوچھا تم کون ہو میرے لیے فرشتہ رحمت ثابت ہوئے ہو؟ اس نے کہا تمھارا مقصد حاصل ہو گیا ہے کہ تمھاری جان بچ گئی اگلی بات چھوڑو۔ انھوں نے کہا نہیں مجھے تم ضرور بتلاؤ کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں ابلیس ہوں۔ اس نیک بندے نے پڑھا لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ میں نے تو کبھی ابلیس کا ساتھ نہیں دیا تم نے میرے ساتھ ہمدردی کیوں کی ہے؟ ابلیس نے کہا کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص دیوار کے نیچے آکر مر جائے، مکان کے نیچے دب کر مر جائے وہ شہید ہوتا ہے تو میں اپنے دشمن کو شہید ہونے کا موقع کیوں دیتا؟ تو شیطان کی ہمدردی میں بھی دشمنی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بلاوجہ نہیں فرمایا کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ﴾ تمھارا رب خوب جانتا ہے تمھیں ﴿اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ﴾ اگر چاہے تو تم پر رحم کرے رحمت نازل فرمائے۔ رحمت کے مستحق ہونے کے اس نے طریقے بھی بتلائے ہیں کہ توحید کو تسلیم کرو اس کی عبادت کرو اس کے احکام مانو گے تو رحمت نازل ہوگی۔ ﴿اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ﴾ یا اگر چاہے تو تمھیں سزا دے۔ اس کے پیغمبروں کے ساتھ عداوت کرو گے نافرمانی کرو گے تو رب تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہو گے۔

اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کو تسلی دینا کہ پریشان نہ ہوں آپ ؐ کے ذمہ پہنچانا ہے ہدایت دینا نہیں

آنحضرت ﷺ جب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی دعوت دیتے اور لوگ نہ مانتے تو آپ ﷺ کو تکلیف اور بڑا صدمہ ہوتا تھا کوفت ہوتی تھی کہ میں ان کی زبان اور بولی میں بغیر کسی لالچ اور طمع کے ان کی خیر خواہی کرتا ہوں یہ اُلٹا مجھے دیوانہ اور کذاب کہتے ہیں کبھی جادوگر کہتے ہیں کبھی کچھ کہتے ہیں اور کبھی کچھ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان پر وکیل بنا کر۔ آپ مبلغ ہیں ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ [مائدہ: ۶۷] اے رسول ﷺ! آپ حق کو پہنچا دیں سنا دیں اگر یہ منکر ہو کر جہنم میں جاتے ہیں تو ﴿لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ﴾ [بقرۃ: ۱۱۹] " آپ سے دوزخیوں کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا۔" کہ یہ جہنم میں کیوں گئے ہیں۔

یہ سوال اس وقت ہو سکتا تھا اگر آپ ﷺ کوتاہی کرتے اور اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ پیغمبر تبلیغ میں کوتاہی کرے۔ پیغمبروں نے جانیں دے دیں لیکن تبلیغ میں کوتاہی نہیں کی۔ یا آپ ﷺ سے سوال کی دوسری صورت یہ ہو سکتی تھی کہ آپ ﷺ کو ہدایت دینے کا اختیار ہوتا تو پھر سوال ہوتا کہ آپ ﷺ نے ان کو ہدایت کیوں نہیں دی اور یہ بات بھی صاف ہے کہ ہدایت کا اختیار آپ کو نہیں ہے ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [قصص: ۵۶] " آپ جس کو

چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے ہدایت پیش کرنا ہدایت دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں نہیں ہے۔ اگر دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہوتا تو اپنے چچا ابوطالب عبد مناف کو بھی دوزخ میں نہ جانے دیتے۔ اس نے آپ کی پچاس سال خدمت کی ہے اور خدمت بھی ایسی کہ دنیا کی تاریخ نہیں بتلا سکتی کہ کسی چچا نے بھتیجے کی ایسی خدمت کی ہو۔ مگر دھڑا دھڑا ہوتا ہے اس نے آخر دم تک کفر کا دھڑا نہیں چھوڑا دوزخ میں گیا اور ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ سب سے ہلکا عذاب ابوطالب کو ہوگا کہ آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی جس کی وجہ سے اس کا دماغ ایسے اُبلے گا جیسے تیز آگ پر ہنڈیاں کا پانی کھولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بچائے اور محفوظ فرمائے۔

تو فرمایا ہم نے آپ کو ان پر وکیل بنا کر نہیں بھیجا۔ ﴿وَرَبُّكَ أَعْلَمُ﴾ اور آپ کا رب خوب جانتا ہے ﴿بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ ان کو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔ ساتوں آسمانوں میں فرشتے ہیں جن کی تعداد رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ﴾ [مدثر: ۳۱] "اور تیرے رب کے لشکروں کو صرف وہی جانتا ہے۔" ایک ایک انسان اور جن کے ساتھ چوبیس چوبیس فرشتے ہیں اور زمین کی مخلوق کو بھی رب ہی جانتا ہے۔ زمین میں انسان ہیں، جنات ہیں، کیڑے مکوڑے ہیں، نہ معلوم کیا کیا مخلوق ہے تمام مخلوقات کا علم رب تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔

﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے فضیلت دی بعض انبیاء کو ﴿عَلٰى بَعْضٍ﴾ بعض پر۔ ایمان کے سلسلے میں مومن کا فریضہ ہے کہ سب پیغمبروں پر ایمان لائے اور یہ کہے ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ [بقرۃ: ۲۸۵] "ہم نہیں تفریق کرتے کسی میں اس کے رسولوں میں سے۔" ہمارا سب پر ایمان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے اور اپنے اپنے زمانہ میں ہدایت کا بہترین نمونہ تھے۔ جب کہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے تھے بلکہ نبی ماننا تو درکنار معاذ اللہ! کہتے تھے حلال زادہ ہی نہیں ہے، اتنے بے ایمان تھے۔ پھر عیسائی ضد میں آکر کہتے تھے ہم تمھارے نبی موسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے۔ تو انھوں نے تفریق شروع کی ہوئی تھی۔ عرب کے مشرک کہتے تھے کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ کسی کو نہیں مانتے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو کہا ﴿قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ کہو ہم ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ نازل کیا گیا ہے ہماری طرف اور جو اتارا گیا ہے ابراہیم علیہ السلام پر، اسماعیل علیہ السلام پر، اسحاق علیہ السلام پر، یعقوب علیہ السلام پر اور ان کی اولاد پر اور جو دیا گیا موسیٰ علیہ السلام کو اور عیسیٰ علیہ السلام کو اور جو دیا گیا دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ [بقرۃ: ۱۳۶] "ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔" باقی درجے کے لحاظ سے ان میں فرق ہے جس کا ثبوت تیسرے پارے کی پہلی آیت کریمہ میں ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ "یہ سب رسول ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔" تمام پیغمبروں کے امام سردار خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کی ذاتِ گرامی کے بعد دوسرا نمبر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ہے اور تیسرا نمبر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا ہے۔ تو فرمایا ہم نے فضیلت دی بعض نبیوں کو بعض پر ﴿وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴾ اور عطا کی ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور۔

خصوصیت کے ساتھ زبور کے ذکر کرنے کی وجہ

مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ زبور کے ذکر کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں آخری دور کے نبی اور آپ کی اُمت کی خلافتِ ارضی کا ذکر ہے ﴿وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ [الانبیاء:۱۰۵] "ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ بات لکھ دی کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔" اور نیک بندوں کی تشریح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لوگ آتے ہیں۔ آج بھی زبور، انجیل، تورات کوئی بھی آسمانی کتاب قرآن کریم کے علاوہ صحیح شکل میں موجود نہیں ہے ان میں بڑی تحریفات ہو چکی ہیں۔ پھر بھی کچھ چیزیں آج ملتی ہیں جن کا تعلق آخری پیغمبر اور آخری اُمت کے ساتھ ہے۔ چنانچہ انجیل داؤد کا سینتیسواں (۳۷) باب آیت نمبر ۹-۱۰ میں ایسا مضمون موجود ہے جس میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کا ذکر موجود ہے۔ انجیل یوحنا میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو کہا میں جاتا ہوں دنیا کا سردار آئے گا اس کا مجھ میں کچھ نہیں ہے۔ یعنی جو خوبیاں اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہیں وہ مجھے حاصل نہیں ہیں۔ یہ آیت آج بھی انجیل یوحنا میں موجود ہے لیکن پادری بے ایمان کہتے ہیں کہ اس سے مراد ابلیس ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں جاتا ہوں ابلیس آئے گا، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کی عیسائی پادریوں سے گفتگو

سردیوں کا موسم تھا میں نصرت العلوم سے اسباق پڑھا کر گھر پہنچا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے بچوں کو کہا جا کر دیکھو کون ہے؟ بچہ واپس دوڑتا ہوا آیا کہ کوٹ پتلون والے دو آدمی ہیں۔ میں نے کہا بیٹھک میں بٹھا کر چائے پلاؤ میں آتا ہوں۔ میں گیا ملاقات کی میں نے پوچھا تم کون ہو؟ ایک نے کہا کہ میرا نام پطرس گل ہے اور میں پادری ہوں دوسرے کا نام مجھے یاد نہیں ڈائری کے اندر لکھا ہوا ہے۔ کہاں سے آئے ہو؟ کہنے لگے انار کلی لاہور والے گرجے سے، یہ اس کا انچارج ہے اور میں اس کا معاون ہوں۔ میں حیران ہوا کہ یہ پادری کا میرے ساتھ کوئی جوڑ ہے؟ کوئی مولوی ملنے آتا، کوئی حافظ، قاری، طالب علم آتا تو سمجھ میں آسکتا تھا پادریوں کا میرے ساتھ کیا جوڑ ہے؟ یہ میرے دل میں سوچ تھی میں نے کہا کیسے آئے ہو؟ کہنے لگا ہم نے آپ کی کتاب "عیسائیت کا پس منظر" پڑھی ہے اس کے حوالے سے بات کرنے آئے ہیں آپ نے اس میں انجیل یوحنا کا حوالہ دیا ہے اور اس کا مصداق اپنے پیغمبر کو بنایا ہے یہ آپ نے غلط لکھا ہے۔ میں نے کہا دنیا کے سردار سے مراد تمہارے نزدیک کیا ہے؟ کہنے لگے اس سے مراد شیطان ہے۔

میں نے کہا پادری صاحب بڑی عجیب بات ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ابلیس کو دنیا کا سردار کہہ رہے ہیں اور کیا ابلیس پہلے نہیں تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ کہیں کہ میں جا رہا ہوں اور ابلیس صاحب آئیں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو جنت سے کس نے نکالا تھا؟ تو پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کو دنیا کا سردار کیسے کہا؟ پھر وہ پہلے سے موجود تھا تو اس کے آنے

کی خوشخبری دینے کا کیا مطلب ہوا؟ میں نے کہا پادری صاحب کوئی ایسی تاویل کرو جو کم از کم بندے کے ذہن میں آئے یہ تو نکمی اور بودی تاویل تم نے کی ہے۔ پھر میں نے کہا کہ انجیل متی میں ہے جو میرے بعد آتا ہے وہ مجھ سے زور آور ہے میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے لائق نہیں تو کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام شیطان کی جوتیاں اٹھانے کے قابل نہیں یا اس کو جوتیاں مارتے ہیں؟ کچھ تو سوچو۔ آج بھی اگر یہ لوگ ضد چھوڑ دیں تو تورات انجیل اور زبور میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق اشارے موجود ہیں مگر ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کسی شے کا اختیار نہیں ہے

تو فرمایا ہم نے فضیلت دی بعض پیغمبروں کو بعض پر اور حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور دی۔ ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ﴾ آپ کہہ دیں پکارو تم ان کو جن کے متعلق تم خیال کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے۔ تفسیروں میں اس آیت کا شانِ نزول یہ لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان وجہ نامی ایک جنگل تھا وہاں جنات بکثرت رہتے تھے اور متبادل راستہ کوئی نہیں تھا۔ یہ لوگ جب جاتے تو وہاں دہائی دیتے کہ ہمیں کچھ نہ کہنا یہ کھجوریں اور مکھن اور ستو ہم رکھ جاتے ہیں کھاؤ پیو اور ہمیں کچھ نہ کہو۔ جنات بڑے خوش ہوئے کہ مفت میں یہ چیزیں ملتی ہیں۔ جنات بھی ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں۔ بعد میں وجہ جنگل کے سارے جنات مسلمان ہو گئے تھے مگر ان لوگوں نے ان کی پوجا پھر بھی نہ چھوڑی۔

تو فرمایا آپ ان کو کہہ دیں پکارو تم ان کو جن کے بارے میں تم خیال کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے ﴿فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا﴾ پس وہ نہیں ہیں مالک تکلیف کو دور کرنے کے تم سے اور نہ کسی اور پر ڈالنے کے کہ تمھارے اُوپر سے اُتار کر کسی اور پر ڈال دیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی تکلیف کو دور کرنے والا نہیں ہے۔ سورت یونس آیت نمبر ۱۰۷ میں ہے ﴿وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ﴾ "اور اگر اللہ تعالیٰ پہنچائے آپ کو کوئی تکلیف تو اس کے سوا اس تکلیف کو کوئی دور نہیں کر سکتا ﴿وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ اور اگر ارادہ کرے آپ کے ساتھ بھلائی کا پس کوئی نہیں روک سکتا اس کے فضل کو۔"

﴿اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ﴾ وہ لوگ جن کو پکارتے ہیں ﴿یَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ﴾ تلاش کرتے ہیں اپنے رب کی طرف وسیلہ عبادت اور اطاعت کے ذریعے ﴿اَیُّهُمْ اَقْرَبُ﴾ کون ان میں سے زیادہ قریب ہو۔ وہ خود رب کی عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتے ہیں اور رب تعالیٰ کے تقرب کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں ﴿وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ﴾ اور اُمید رکھتے ہیں رب کی رحمت کی ﴿وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ﴾ اور ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے۔ ان کی اپنی یہ کیفیت ہے کہ پہلے وہ باغی تھے لیکن اب وہ رب پرست بن گئے ہیں یہ پھر بھی ان کی پوجا نہیں چھوڑتے۔ مدعی سست اور گواہ چست کا مصداق ہیں ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا﴾ بے شک تیرے رب کا عذاب ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کے قابل ہے کسی

بعت بھی رب کے عذاب سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہر قسم کے عذاب سے بچائے اور محفوظ رکھے۔

﴿وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ﴾ اور نہیں ہے کوئی بستی ﴿اِلَّا﴾ مگر نَحْنُ ہم ﴿مُهْلِكُوْهَا﴾ ہلاک کر دیں گے اس کو ﴿قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن سے پہلے ﴿اَوْ مُعَذِّبُوْهَا﴾ یا اس کو سزا دینے والے ہیں ﴿عَذَابًا شَدِيْدًا﴾ بڑی سخت سزا ﴿كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ﴾ لوح محفوظ میں ﴿مَسْطُوْرًا﴾ لکھی ہوئی ﴿وَمَا مَنَعَنَآ﴾ اور نہیں روکا ہمیں ﴿اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ﴾ کہ ہم بھیجیں نشانیاں ﴿اِلَّآ اَنْ﴾ مگر اس بات نے ﴿كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ﴾ کہ جھٹلایا ان نشانیوں کو پہلے لوگوں نے ﴿وَاٰتَيْنَا﴾ اور دی ہم نے ﴿ثَمُوْدَ﴾ قوم ثمود کو ﴿النَّاقَةَ﴾ اونٹنی ﴿مُبْصِرَةً﴾ روشن ﴿فَظَلَمُوْا بِهَا﴾ پس انھوں نے زیادتی کی اونٹنی کے ساتھ ﴿وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ﴾ اور ہم نہیں بھیجتے نشانیاں ﴿اِلَّا تَخْوِيْفًا﴾ مگر ڈرانے کے لیے ﴿وَاِذْ قُلْنَا لَكَ﴾ اور جس وقت ہم نے کہا آپ کو ﴿اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ﴾ بے شک آپ کا رب احاطہ کرنے والا ہے لوگوں کا ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا﴾ اور نہیں بنایا ہم نے وہ دکھاوا ﴿الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ﴾ جو ہم نے آپ کو دکھایا ﴿اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ مگر لوگوں کے لیے آزمائش ﴿وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ﴾ اور درخت جو ملعون ہے ﴿فِي الْقُرْاٰنِ﴾ قرآن میں ﴿وَنُخَوِّفُهُمْ﴾ اور ہم ان کو ڈراتے ہیں ﴿فَمَا يَزِيْدُهُمْ﴾ پس نہیں زیادہ کرتا ﴿اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا﴾ مگر سرکشی بڑی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ﴾ اور نہیں ہے کوئی بستی ﴿اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا﴾ مگر ہم اس کو ہلاک کر دیں گے ﴿قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن سے پہلے ﴿اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا﴾ یا ہم اس کو سزا دیں بڑی سخت سزا۔

اسبابِ ہلاکت

ہر چیز کا ایک ظاہری سبب ہوتا ہے اور ایک باطنی سبب ہوتا ہے۔ ہلاکت کا ظاہری سبب یہ ہے کہ حکومتوں کی آپس میں لڑائیاں ہوں گی اور مہلک ہتھیار استعمال ہوں گے بستیوں کی بستیاں تباہ ہو جائیں گی، اجڑ جائیں گی کوئی بستی نہیں رہے گی۔ اور باطنی سبب یہ ہے کہ انسانوں کے گناہ زیادہ ہو جائیں گے یہ گناہوں کا بڑھنا ہلاکت کا پیش خیمہ ہے۔ ہر بستی گناہوں میں ڈوبی ہوئی ہوگی حکومتوں کے آپس میں اختلافات ہوں گے۔ آج نہ سہی کل سہی یہ تباہی دنیا میں پھیلے گی۔ قرآن کریم کے اردو تراجم میں پہلے نمبر کا ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو بیٹے ہیں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے۔ شاہ صاحب کے چار بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تھا رحمہ اللہ تعالیٰ۔ انھوں نے بہت ساری کتابیں لکھی ہیں۔ تفسیر عزیزی، فتاویٰ عزیزیہ مشہور ہیں۔ یہ پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا اور قوم انگریز کے خلاف

اُٹھ کھڑی ہوئی۔ انگریز نے اس زمانے میں ستر ہزار علماء کو سولی پر لٹکایا۔

انگریز کے خلاف جہاد میں علمائے دیوبند کی شرکت

انگریز کے خلاف جہاد میں ہمارے بزرگ بھی شامل تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم دیوبند، مولانا حافظ ضامن رحمۃ اللہ علیہ، مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، ان حضرات نے شاملی کے مقام پر انگریز کے خلاف جنگ لڑی اور حافظ ضامن صاحب شہید ہوئے، رحمۃ اللہ علیہ۔ تو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں علمی لحاظ سے، سیاسی لحاظ سے، اخلاقی لحاظ سے اور روحانی لحاظ سے بڑی شخصیت گزری ہے۔ دوسرے بیٹے کا نام شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ ہے جنھوں نے قرآن پاک کا اردو میں ترجمہ کیا۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ الہامی ترجمہ ہے اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ قرآن اگر ہندوستان میں نازل ہوتا تو شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کی زبان میں نازل ہوتا۔ یعنی صحیح ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ انھوں نے چالیس سال کے عرصہ میں کیا ہے۔ تو قرآن پاک کا سب سے پہلے اردو میں ترجمہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ تیسرے بیٹے شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ ہیں ان کا ترجمہ دوسرے نمبر پر ہے۔ یہ طبع شدہ تراجم ہیں۔ چوتھے بیٹے شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کے بیٹے ہیں شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ۔ بالاکوٹ میں سکھوں کے ساتھ لڑے اور شہید ہوئے۔ یہ سارا خاندان ہی انقلابی خاندان تھا۔

اس آیت کی تفسیر میں شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"یعنی تقدیر میں لکھ چکے ہر شہر کے لوگ بزرگ کو پوجتے ہیں کہ ہم اس کی رعیت ہیں اور اس کی پناہ میں ہیں سو وقت آئے پر کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔"

مطلب یہ ہے کہ ہر بستی کے بزرگوں کو یہ سمجھا ہوا ہے کہ وہ اس شہر کا نگران ہے اس نے اس شہر کو پناہ دی ہوئی ہے۔ کہیں عبد اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور کہیں دولے شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہے، کہیں علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ شادیاں کریں گے تو وہاں جا کر سلامیاں دیں گے اور کوئی بھی کام کریں گے تو وہاں جا کر چادریں چڑھائیں گے۔ قیامت سے پہلے رب تعالیٰ ان سب کو تباہ کرے گا اور بتلائے گا کہ رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے بچانے والا۔ ان بزرگوں کا تو کوئی گناہ نہیں ہے یہ تو سارے بڑے نیک اور پارسا تھے لوگوں کا قصور ہے جنھوں نے یہ سمجھا ہوا ہے کہ یہ ہمارے پناہ دہندہ ہیں۔

﴿كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا﴾ ہے یہ بات لکھی ہوئی لوح محفوظ میں اور جو بات لوح محفوظ میں درج ہو چکی ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائشی معجزے مانگتے تھے۔ اسی سورت میں آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ کہتے تھے اگر آپ پیغمبر ہیں تو آپ کی کوٹھی سونے کی ہونی چاہیے، آپ کے لیے باغ ہونے چاہییں جن میں ہر قسم کے پھل ہوں اگر آپ پیغمبر ہیں تو صفا مروہ کو سونا بنا دیں، یہ پہاڑ یہاں سے دور کر کے ہموار میدان بنا دیں تاکہ ہم کاشت کر سکیں، آپ اُڑ کر

آسمانوں پر جائیں اور اُوپر سے ہمارے سامنے کتاب لائیں پھر ہم مانیں گے۔

نفع نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے ؟

ان تمام باتوں کا اللہ تعالیٰ نے جواب دیا ﴿ قُلْ ﴾ اے نبی کریم ﷺ! آپ کہہ دیں ﴿ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ "نہیں ہوں میں مگر بشر ہوں رسول ہوں۔" اور جو فرمائشیں تم کر رہے ہو یہ خدائی کام ہیں اور خدائی اختیارات میرے پاس نہیں ہیں۔ اور سورۂ انعام آیت نمبر ۵۸ میں ہے ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ﴾ "اگر ہو میرے پاس وہ چیز جس کی تم جلدی کرتے ہو تو البتہ فیصلہ کر دیا جاتا تمھارے اور ہمارے درمیان۔" یعنی اگر خدائی اختیارات میرے پاس ہوتے تو جس دن تم نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کیا تھا اور میری رسالت کا انکار کیا تھا اور قیامت کا انکار کیا تھا اسی دن میں تمھارا بیڑا اغرق کر دیتا مگر خدائی اختیارات خدا کے پاس ہیں۔ ہاں! اگر مخلوق میں سے کسی کو ملتے تو آنحضرت ﷺ سے بڑی شخصیت کوئی نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے صاف اعلان کروایا ﴿ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴾ [سورۃ الجن: ۲۱] "بے شک میں نہیں ہوں مالک تمھارے نقصان اور نہ نفع کا۔" اور سورۃ یونس آیت نمبر ۴۹ میں اپنے متعلق فرمایا ﴿ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴾ "نہیں ہوں میں مالک اپنے لیے نقصان اور نفع کا۔" اختیارات سارے رب تعالیٰ کے پاس ہیں وہی ہوتا ہے جو رب کرتا ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے جواب دیا فرمایا ﴿ وَمَا مَنَعَنَآ ﴾ اور نہیں روکا ہمیں ﴿ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ ﴾ کہ ہم بھیجیں نشانیاں ﴿ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ﴾ مگر اس بات نے کہ جھٹلایا ان نشانیوں کو پہلوں نے۔ فرمائشی معجزے طلب کیے مگر مانا نہیں تو پکڑے گئے کیوں کہ فرمائشی معجزہ ملنے کے بعد اگر نہ مانیں تو گرفت میں آجاتے ہیں اس لیے ہم فرمائشی معجزے نہیں ظاہر کر رہے کہ تم عذاب سے بچ جاؤ۔ چنانچہ آگے اس کے متعلق ایک واقعہ بیان فرمایا ﴿ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ ﴾ اور دی ہم نے ثمود قوم کو اُونٹنی مُبْصِرَةً دکھانے والی، روشن، سب کو نظر آتی تھی۔ حجر کے علاقہ میں ثمود قوم آباد تھی ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ ان لوگوں نے چٹانوں میں مکان بنائے تھے تاکہ زلزلے سے گریں نہ۔ کیوں کہ اینٹوں اور گارے کے مکان زلزلے سے گر جاتے تھے ایک ہی چٹان ہوگی اس کا کیا بگڑے گا۔ ایک چٹان میں پورا محل تیار کرتے اس میں مختلف کمرے بناتے، یہ بیڈ روم ہے، یہ مہمان خانہ ہے، یہ ناچنے کا کمرہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ خدا کی قدرت جس عذاب سے ڈرتے تھے ان پر وہی عذاب آیا۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۷۸ میں ہے فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ "پس پکڑا ان کو زلزلے نے۔" تو اس قوم نے حضرت صالح علیہ السلام سے مطالبہ کیا اگر آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں تو جس چٹان پر ہم ہاتھ رکھیں اس سے اونٹنی نکل آئے اور بعض تفسیروں میں بچے کا بھی ذکر ہے کہ اونٹنی کے ساتھ بچہ بھی ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا معجزے اور نشانیاں ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے ہم تو اللہ تعالیٰ کے آگے دعا کر سکتے ہیں درخواست کر سکتے ہیں کہ اے پروردگار! قوم کا یہ مطالبہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ یہ جو کہتے ہیں

ہم کر دیں گے چنانچہ دن مقرر ہوا کہ فلاں دن تم آ جاؤ جس چٹان پر ہاتھ رکھو گے اللہ تعالیٰ اس سے اُونٹنی نکال دیں گے۔ سب لوگ مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے ٹولیوں کی شکل میں ایک دوسرے کے ساتھ مذاق کرتے ہوئے آئے کہ آج چٹان سے اُونٹنی نکلنی ہے۔ ایک چٹان پر انھوں نے ہاتھ رکھا اللہ تعالیٰ کی قدرت چٹان پھٹی اور اُونٹنی باہر آ گئی۔ فرمایا ﴿هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ﴾ [سورۃ ہود] "یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارے لیے اُونٹنی ہے۔" لیکن یقین جانو اتنا بڑا معجزہ دیکھنے کے باوجود ایک آدمی بھی مسلمان نہ ہوا۔ کہنے لگے جادو ہوا ہے۔ اب بتاؤ اس ضد کا بھی دنیا میں کوئی علاج ہے۔

فرمایا ﴿فَظَلَمُوْا بِهَا﴾ پس انھوں نے زیادتی کی اُونٹنی کے ساتھ کہ اس کی ٹانگیں کاٹ دی۔ اُونٹنی چوں کہ خرقِ عادت کے طور پر تھی کنویں پر جاتی تو سارا پانی پی جاتی۔ قوم نے شکایت کی تو حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا باری مقرر کر لو ایک دن تمھارے جانور پانی پییں اور ایک دن یہ اُونٹنی، لیکن یہ بھی ان کو برداشت نہ ہوا اور اُونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں۔ اُونٹنی نے آواز نکالی بڑبڑائی حضرت صالح علیہ السلام دوڑتے ہوئے آئے اور فرمایا او ظالمو! تم نے بڑا ظلم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھیں تین دن کی مہلت ہے ﴿ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ﴾ [ہود: ۶۵] "یہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہوگا۔" تین دن کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے ایک ڈراؤنی آواز نکالی اور ساتھ زلزلہ آیا جہاں جہاں تھے وہیں وہیں ان کے کلیجے پھٹ گئے اور ڈھیر ہو گئے۔ وہ مکان ان کے آج بھی موجود ہیں مگر وہاں کوئی بستا رہتا نہیں ہے۔

ہمارے ایک شاگرد مولوی محمد عقیل صاحب نصرۃ العلوم کے فارغ تھے۔ مدینہ یونیورسٹی میں پڑھتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے درخواست دی کہ ہم قوم ثمود کا علاقہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بڑا دور علاقہ ہے اور راستے کچے ہیں جب ہم قریب پہنچے تو وہاں کچھ چرواہے بکریاں اونٹ چرا رہے تھے انھوں نے ہم سے پوچھا کہ تم کہاں جانا چاہتے ہو؟ ہم نے کہا کہ ہم قوم ثمود کی بستیاں دیکھنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا لَا تَذْهَبُوْا هِنَا "ادھر مت جاؤ هِنَا عذابُ الله وہاں اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا ہے۔" کہتے ہیں ہم گئے سو کے قریب ہم نے چٹانیں دیکھیں۔ مکان ہیں ان کے اندر کمرے بنے ہوئے ہیں لیکن وہاں رہنے والا کوئی نہیں ہے۔

تو فرمایا انھوں نے اُونٹنی پر ظلم کیا ﴿وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ﴾ اور نہیں بھیجتے ہم نشانیاں ﴿اِلَّا تَخْوِيْفًا﴾ مگر ڈرانے کے لیے۔ جو ڈرے گا اس کو اللہ تعالیٰ بچالیں گے ﴿وَاِذْ قُلْنَا لَكَ﴾ اور جس وقت ہم نے آپ کو کہا ﴿اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ﴾ آپ کا رب لوگوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے علماً بھی اور قدرتاً بھی، رب تعالیٰ کے علم اور قدرت سے کوئی باہر نہیں ہے ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ اور نہیں بنایا ہم نے وہ دکھاوا جو ہم نے آپ کو دکھایا مگر آزمائش لوگوں کے لیے۔ اس سورت کی ابتدا میں ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ﴾ کی تفسیر میں تم سن چکے ہو کہ دکھاوے سے مراد معراج کی رات ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہلا آسمان، دوسرا آسمان، تیسرا اور چوتھا آسمان اور عرش تک جو کچھ دکھایا وہ آزمائش ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو فرمایا کہ رب تعالیٰ نے مجھے معراج کرایا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے

آنکھیں بند کر کے کہا: اٰمَنْتُ وَ صَدَّقْتُ ۔کافر کہنے لگے یہ بھلا سادہ آدمی ہے اس کی ہر بات مان لیتا ہے ہمیں منا کر دکھائے۔ قریش مکہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یہ بتلاؤ کہ مسجد اقصیٰ کے بڑے مینار کتنے ہیں اور چھوٹے کتنے ہیں اور اس میں سنگ بشپ کے ستون کتنے ہیں اور سنگ مرمر کے کتنے ہیں اور عقیق کے کتنے ہیں؟ فلاں جگہ کیسی ہے اور فلاں جگہ کیسی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ میں لَمْ اُثْبِتْهُ "میں کوئی ان کو گننے تو نہیں گیا تھا۔" ایک دن سارے شریر اکٹھے ہو کر آئے۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ جب آپ نے ان کو دیکھا تو گھبرائے کیوں کہ وہ شرارت کے لیے آئے تھے۔ جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا گھبرائیں نہیں۔ فرمایا: فَجَلَّی اللّٰهُ لِیْ بَیْتَ الْمُقَدَّسِ "اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میرے سامنے کر دیا۔" وہ جو پوچھتے تھے میں بتاتا جاتا تھا مگر مانے پھر نہیں۔

جہنم کے درختوں کا بیان

﴿وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ﴾ اور جو درخت ملعون ہے قرآن میں اس کا ذکر ہے۔ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ تھوہر کا درخت اور غسلین کا درخت اور ضریع کا درخت، یہ دوزخ میں پیدا ہوتے ہیں۔ کافروں نے کہا کہ عجیب قسم کی منطق ہے۔ ایک طرف کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہے اور ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں درخت پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے لیے تو یہ بات بڑی نرالی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ان چیزوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ مشہور تفسیر مدارک اور دوسری تفسیروں میں بھی ہے کہ ترکی کے علاقے میں ایک جانور ہے جس کا نام سمندل ہے یہ بھیڑ بکری کی طرح ہوتا ہے اس کی اون کے لوگ کپڑے بناتے ہیں وہ کپڑے جب میلے ہوتے ہیں تو ان کو آگ میں ڈالتے ہیں جس سے میل جل جاتی ہے کپڑا نہیں جلتا۔ صراح لغت کی کتاب ہے اس میں تصریح ہے کہ ہندوستان میں ایک جانور ہے جس کا نام سمندل ہے وہ آگ میں ایسے خوش ہوتا ہے جیسے پانی میں مچھلی۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جنھوں نے مغربی پاکستان کا جھنڈا لہرایا تھا اور مشرقی پاکستان کا جھنڈا مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لہرایا تھا اور قرار داد مقاصد ان کی کوشش سے پاس ہوئی تھی مگر ترپن (۵۳) سال گزر چکے ہیں اس پر عمل کچھ بھی نہیں ہوا۔ اگر اس پر عمل ہو جاتا تو مشرقی پاکستان ہم سے جدا نہ ہوتا اور یہاں بے دینی نہ ہوتی لیکن افسوس کہ اس پر کسی حاکم نے عمل نہیں کیا جو آتا ہے ایک سے ایک بڑھ کر آتا ہے۔ تمام امریکہ کے بیٹے ہیں سارے باپ کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے شر سے بچائے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سہارن پور کمپنی باغ میں ایک درخت ہے جس کی پرورش آگ سے ہوتی ہے۔ یہ بہت بڑا باغ ہے اس میں جمعیت علماء ہند کا جلسہ تھا حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت تھی ہم اس جلسے میں شریک تھے لیکن وہ درخت آنکھوں سے نہیں دیکھ سکے۔

بہرحال دنیا میں اس کی نظیریں موجود ہیں اور آخرت کا تو مسئلہ ہی جدا ہے وہ ہمیں یہاں کیا سمجھ آئے گی۔ اس میں

سانپ بھی ہوں گے جو دوزخیوں کو ڈنگ ماریں گے۔ درد ساری زندگی نہیں جائے گا اور خچر کے برابر بچھو ہوں گے ایک دفعہ ڈسیں گے ساری زندگی اس کی جلن ختم نہیں ہوگی لیکن یہ چیزیں ہمیں یہاں سمجھ نہیں آسکتیں کہ آگ بھی ہو، سانپ اور بچھو بھی ہوں اور درخت بھی ہوں مگر سب کچھ صحیح ہے، قرآن میں ہے، حدیث میں ہے۔ فرمایا ﴿وَنُخَوِّفُهُمْ﴾ اور ہم ان کو ڈراتے ہیں نشانیوں کے ذریعے ﴿فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا﴾ پس یہ قرآن نہیں زیادہ کرتا ان کے لیے مگر سرکشی بڑی۔

﴿وَإِذْ قُلْنَا﴾ اور جس وقت کہا ہم نے ﴿لِلْمَلَائِكَةِ﴾ فرشتوں کو ﴿اسْجُدُوا﴾ سجدہ کرو ﴿لِآدَمَ﴾ آدم علیہ السلام کو ﴿فَسَجَدُوا﴾ پس سجدہ کیا انھوں نے ﴿إِلَّا إِبْلِيسَ﴾ مگر ابلیس نے ﴿قَالَ﴾ ابلیس نے کہا ﴿أَأَسْجُدُ﴾ کیا میں سجدہ کروں ﴿لِمَنْ﴾ اس کو ﴿خَلَقْتَ طِينًا﴾ جس کو تو نے پیدا کیا ہے گارے سے ﴿قَالَ﴾ کہا ابلیس نے ﴿أَرَأَيْتَكَ﴾ آپ بتلائیں مجھے ﴿هَٰذَا الَّذِي﴾ یہ وہ ہے ﴿كَرَّمْتَ عَلَيَّ﴾ جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے ﴿لَئِنْ أَخَّرْتَنِ﴾ اگر تو مجھے مہلت دے گا ﴿إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ قیامت کے دن تک ﴿لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ﴾ البتہ ضرور میں قابو کروں گا اس کی اولاد کو ﴿إِلَّا قَلِيلًا﴾ مگر بہت تھوڑے ﴿قَالَ﴾ فرمایا رب تعالیٰ نے ﴿اذْهَبْ﴾ جا ﴿فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ﴾ پس جو پیروی کرے گا ان میں سے تیری ﴿فَإِنَّ جَهَنَّمَ﴾ پس بے شک جہنم ﴿جَزَاؤُكُمْ﴾ تمھارا بدلہ ہوگا ﴿جَزَاءً مَوْفُورًا﴾ بدلہ پورا ﴿وَاسْتَفْزِزْ﴾ اور ملا لو تم ﴿مَنِ اسْتَطَعْتَ﴾ جس پر تم طاقت رکھتے ہو ﴿مِنْهُمْ﴾ ان میں سے ﴿بِصَوْتِكَ﴾ اپنی آواز کے ساتھ ﴿وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ﴾ اور کھینچ لاؤ ان پر ﴿بِخَيْلِكَ﴾ اپنے سوار ﴿وَرَجِلِكَ﴾ اور پیدل ﴿وَشَارِكْهُمْ﴾ اور شریک ہو ان کے ساتھ ﴿فِي الْأَمْوَالِ﴾ مالوں میں ﴿وَالْأَوْلَادِ﴾ اور اولاد میں ﴿وَعِدْهُمْ﴾ اور ان کو وعدے دو ﴿وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ﴾ اور نہیں وعدہ دیتا شیطان ان کو ﴿إِلَّا غُرُورًا﴾ مگر دھوکے کا ﴿إِنَّ عِبَادِي﴾ بے شک میرے بندے ﴿لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ نہیں ہوگا تیرے لیے ان پر کوئی زور ﴿وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا﴾ اور کافی ہے آپ کا رب کارساز۔

سارے کافر شیطان کے چیلے ہیں

مسلسل کئی رکوعوں سے یہ مضمون چلا آرہا ہے کہ کافر دلائل سن کر اور دیکھ کر ایمان نہیں لائے اور اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کو نہیں چھوڑا۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ سب شیطان کے چیلے ہیں اور شیطان رب تعالیٰ کا نافرمان ہے۔ ارشاد ربانی ہے ﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ﴾ اور جس وقت کہا ہم نے فرشتوں کو۔ مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: خُلِقَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ نُّوْرٍ "فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔" اور جنات کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے پیدا فرمایا ہے اور انسان کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے۔ تو فرشتے ایک نورانی مخلوق ہیں مگر نور سے وہ نور نہ سمجھنا جو رب تعالیٰ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام نور بھی ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۔ اس نور سے کوئی چیز نہیں نکلی اور ایک نور مخلوق ہے جس طرح آگ مخلوق ہے، پانی مخلوق ہے، مٹی مخلوق ہے ان سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مخلوق نور سے پیدا فرمایا ہے۔ فرشتے جنسی خواہشات سے پاک ہیں۔ نہ مرد، نہ عورت، نہ بیٹا، نہ بیٹی، کوئی چیز نہیں ہے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں مشغول رہتے ہیں وہ چوبیس گھنٹے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہتے ہیں۔

انسان کا درجہ فرشتوں سے زیادہ کیوں؟

لیکن انسان کا درجہ عبادت میں ان سے چار گنا زیادہ ہے۔ اس لیے کہ فرشتوں کی عبادت کرنے میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں ہے نہ ان کے ساتھ جنسی خواہشات ہیں نہ ان کے پیٹ ہیں کہ روٹی کی فکر ہو اور نہ ان پر نیند کا غلبہ ہے یہ ساری چیزیں انسان کے ساتھ ہیں۔ یہ ان تمام چیزوں پر قابو پا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، کھانے میں حلال حرام کی تمیز کرے، مشکلات کے باوجود نیند پر قابو پا کر رب کو یاد کرے تو اس کا درجہ چار گنا زیادہ ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ دنیا میں جو مومنوں کی بیویاں ہیں جنت میں ان کا درجہ حوروں سے زیادہ ہوگا۔ وہ حوریں ان سے گفتگو کریں گی کہ ہم زعفران سے پیدا ہوئی ہیں کافور سے پیدا ہوئی ہیں کوئی عنبر اور کستوری سے پیدا ہوئی ہوگی حوروں کا مادہ خاکی نہیں ہے اور تم خاکی ہو کر درجے میں ہم سے بڑھ گئی ہو؟ یہ دنیا والی بیویاں جواب دیں گی، یہ اس لیے کہ ہم نے نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، تکالیف اُٹھائیں، بچوں کی تربیت کی، تم نے جنت میں کوئی تکلیف اُٹھائی ہے؟ ہم نے یہ ساری تکالیف برداشت کر کے اپنے دین کو قائم رکھا اس لیے ہمارا درجہ زیادہ ہے۔ اسی طرح انسان کا درجہ فرشتوں سے زیادہ ہے مگر ہر ہر فرد کا نہیں کہ ہر انسان کا درجہ ہر فرشتے سے زیادہ ہو بلکہ مجموعی اعتبار سے ہے۔ چوں کہ انسانوں میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے ہیں ان کی وجہ سے ان کا پلہ بھاری ہو گیا۔

ہماری شریعت میں سجدہ تعظیمی ناجائز ہے

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس وقت ہم نے کہا فرشتوں سے ﴿اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ سجدہ کرو آدم علیہ السلام کو۔ سجدے سے مراد کیا سجدہ ہے جو ہم نماز میں کرتے ہیں اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلی شریعتوں میں سجدہ تعظیمی جائز ہوتا تھا ہماری شریعت میں جائز نہیں ہے۔ قیس ابن اسعد بڑے اونچے درجے کے صحابی ہیں آپ کے زمانے میں جو مختصر سی پولیس تھی اس کے یہ افسر تھے۔ یوں سمجھو کہ اس زمانے میں یہ آئی۔جی پولیس تھے۔ یہ عراق کے علاقے میں گئے وہاں دیکھا کہ لوگ اپنے سرداروں کو، چودھریوں کو، راجوں کو سجدہ تعظیمی کرتے ہیں۔ کر کہنے لگے حضرت! میں نے دیکھا ہے کہ عراق کے علاقے میں

لوگ اپنے بڑوں کو سجدے کرتے ہیں فَاَنْتَ اَحَقُّ اَنْ یُّسْجَدَ لَكَ "آپ زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔"
آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر میری وفات ہو جائے اور قبر میں دفن کر دیا جاؤں اور تم میری قبر کے پاس سے گزرو تو قبر کو سجدہ کرو گے؟ کہنے لگے نہیں۔ فرمایا جیسے قبر کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح زندگی میں بھی سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ دونوں مسئلے حل کر دیئے کہ نہ قبر کو سجدہ کرنا درست ہے اور نہ زندہ کو۔ فرمایا میری شریعت میں اگر کسی کو سجدہ تعظیمی کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے اس کے بڑے حقوق ہیں۔

تو فرمایا ﴿اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ ﴿فَسَجَدُوْٓا﴾ پس سجدہ کیا انھوں نے اور سورت حجر آیت نمبر ۳۰ میں ہے ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ﴾ "تمام فرشتوں نے اکٹھا سجدہ کیا۔" ﴿اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾ مگر ابلیس نے نہیں کیا۔ ظاہر اً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سجدے کا حکم تو فرشتوں کو تھا ابلیس تو فرشتہ نہیں تھا؟ اسی پارے میں آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾ [الکھف:۵۰] "ابلیس جنات میں سے تھا پس نافرمانی کی اس نے اپنے پروردگار کی۔" یہ جنات کا بابا تو ناری مخلوق میں سے تھا اور سجدے کا حکم نوری مخلوق کا تھا پھر اس پر عتاب کیوں ہوا؟ تو یاد رکھنا! جس طرح فرشتوں کو سجدے کا حکم تھا اس کو بھی حکم تھا۔ چنانچہ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۲ میں ہے ﴿مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ﴾ "کس چیز نے تجھے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔" یہ آیت بتلا رہی ہے کہ جس طرح فرشتوں کو حکم تھا اسی طرح ابلیس کو بھی حکم تھا اس نے نہ کیا۔

آگے ابلیسی منطق سنو! ﴿قَالَ﴾ کہنے لگا ﴿ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا﴾ کیا میں سجدہ کروں اس کو جس کو تو نے پیدا کیا ہے گارے سے اور سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۲ میں ہے کہنے لگا ﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ "میں اس سے بہتر ہوں مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے، آگ میں روشنی اور بلندی ہوتی ہے، اور اس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا۔" میں اعلیٰ ہو کر ادنیٰ کو سجدہ کیوں کروں؟ پھر آگے رب کے آگے طعنے پیش کرتا ہے۔ ﴿قَالَ﴾ کہا ابلیس نے ﴿اَرَءَيْتَكَ﴾ آپ بتلائیں مجھے ﴿هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ﴾ یہ وہ ہے جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ یہ رب تعالیٰ کے ساتھ گفتگو ہو رہی ہے۔ ﴿لَئِنْ اَخَّرْتَنِ﴾ اگر تو مجھے مہلت دے گا ﴿اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن تک ﴿لَاَحْتَنِكَنَّ﴾ البتہ ضرور میں قابو کروں ﴿ذُرِّيَّتَهٗٓ﴾ اس کی اولاد کو ﴿اِلَّا قَلِيْلًا﴾ مگر بہت تھوڑے۔

اکثریت ہمیشہ گمراہوں کی رہی ہے۔ اس وقت دنیا کی آبادی چھ ارب بتلاتے ہیں ان میں ایک ارب اور کچھ اوپر کلمہ پڑھنے والے مسلمان ہیں پھر ان مسلمانوں میں باطل فرقے بھی ہیں رافضی، قادیانی، ذکری، بابی، بہائی، تو مخلص کلمہ پڑھنے والے بہت تھوڑے ہیں۔ جس ایمان کو قرآن نے ایمان کہا ہے، آنحضرت ﷺ نے ایمان کہا ہے، صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین نے ایمان کہا ہے، ائمہ مجتہدین نے، فقہائے کرام اور محدثین بزرگان دین رحمہم اللہ نے ایمان کہا ہے اس معیار پر پورا اُترنے والے تو بہت تھوڑے مومن ہیں۔

شیطان ناری کو نار میں کیسے عذاب ہوگا ؟

﴿قَالَ﴾ فرمایا رب تعالیٰ نے ﴿اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ﴾ پس جس نے پیروی کی تیری ان میں سے ﴿فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُورًا﴾ پس بے شک جہنم تمھارا بدلہ ہوگا پورا پورا بدلہ۔ تمھارے لیے دوزخ ہے۔ ملحد قسم کے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جہنم نار ہے اور ابلیس بھی ناری ہے تو آگ کو آگ میں کیا تکلیف ہوگی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے علمائے کرام کو وہ فرماتے ہیں کہ شیطان دنیا کی آگ سے پیدا ہوا ہے اور جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہے۔ اور بخاری، مسلم کی حدیث میں ہے کہ دوزخ کے بعض طبقات نے دوسرے بعض طبقات کا شکوہ کیا کہ اے پروردگار! مجھے اس سے تکلیف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طبقے کو اجازت دی کہ ایک سانس لے لو۔ یہ جو گرمی ہے یہ دوزخ کا سانس ہے اور ایک طبقہ زمہریر کا ہے سردی کا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جو تم سخت سردی محسوس کرتے ہو یہ جہنم کے اس طبقے کا ایک سانس ہے۔ تو جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا زیادہ تیز ہے اس میں جائے گا تو تکلیف ہوگی۔ اس آگ میں کسی کو مارنا مقصود ہو تو ایک شعلہ ہی کافی ہے لیکن ﴿لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ [سورہ اعلیٰ] "وہاں نہ مرے گا نہ جیے گا۔" اگر مر جائے تو سزا کون بھگتے اور عذاب کی زندگی کوئی زندگی نہیں ہے۔ کافر خود آرزو کریں گے ﴿يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ﴾ [الحاقہ:۲۷] "کاش کہ یہ موت مجھے ختم ہی کر دیتی۔" اور سب جل کر جہنم کے انچارج فرشتے مالک کو کہیں گے ﴿يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾ [الزخرف:۷۷] "اے مالک علیہ السلام! چاہیے کہ فیصلہ کر دے ہم پر تیرا پروردگار۔" ہمیں مار ہی دے لیکن موت بھی نہیں آئے گی۔

جو شخص گانے سن کر خوش ہو وہ کافر ہے ؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ﴾ اور ملا لو تم جس پر تم طاقت رکھتے ہو ﴿مِنْهُمْ﴾ ان انسانوں میں سے ﴿بِصَوْتِكَ﴾ اپنی آواز کے ساتھ۔ یہ گانوں کی جو آوازیں ہیں یہ تمام اس مد میں آتی ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریف سات جلدوں میں ہیں۔ ان میں ان کا فتویٰ ہے کہ جو شخص گانے سن کر خوش ہو وہ کافر ہے مسلمان نہیں رہتا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گانے کو پسند کرے خوشی منائے اور لذت محسوس کرے تو وہ مسلمان نہیں رہتا۔ آج تو ہمارے سب گھرانے اس سے بھرے ہوئے ہیں۔ ایک ساتھی مجھے بتا رہے تھے کہ اب ایک تار آ گئی ہے معلوم نہیں اس کو کیا کہتے ہیں کیبل سسٹم یا کچھ اور بلا ہے۔ مسلمان روز بہ روز ابتری کی طرف جا رہے ہیں۔ آج تم عہد کرو کہ اگر ہم طاقت ور ہوئے تو نہیں لگانے دیں گے۔ آدمی کھڑا ہو جائے تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ دھکے کے ساتھ تو کوئی کچھ نہیں کرا سکتا۔ آدھے شیطان تو ہم ہیں، ہم نے خود خود چن چن کر خرابیاں کرنی ہیں۔ یاد رکھنا! تم تو الحمد للہ! کچھ نمازیں بھی پڑھتے ہو روزے بھی رکھتے ہو نئی نسل کی فکر کرو۔ اگر یہی حالت رہی تو آنے والی نسل کلمے سے بھی محروم ہو جائے گی اور ذمہ دار تم ہو گے کیوں کہ تم نے اس قسم کے حالات پیدا کیے تھے۔ حدیث پاک میں آتا ہے قیامت کے قریب کچھ لوگ رات کو اکٹھے ہو کر گانے سنیں گے صبح کو اللہ تعالیٰ ان میں سے جو

بوڑھے ہوں گے ان کو خنزیروں کی شکل میں تبدیل کر دیں گے اور جوانوں کو بندروں کی شکل میں۔ پوچھا گیا حضرت! وہ کلمہ نہیں پڑھتے ہوں گے؟ مسند احمد کی روایت ہے کہ کلمہ کہتے ہو یُصَلُّوْنَ وَ یَصُوْمُوْنَ وَ یَحُجُّوْنَ نمازیں بھی پڑھتے ہوں گے، روزے بھی رکھتے ہوں گے، حاجی بھی ہوں گے۔ نری نمازوں پر خوش نہ ہو۔ نمازوں کی حفاظت بھی کرو کہ برائی سے بچو اور اپنی اولاد کے کلمے کی فکر کرو اگر یہی حالات رہے تو وہ کلمے سے بھی محروم ہو جائیں گے۔

﴿وَ اَجْلِبْ عَلَیْهِمْ بِخَیْلِكَ﴾ اور کھینچ لاؤ ان پر اپنے سوار اپنے لشکروں کے ساتھ، ان پر حملہ آور ہو ﴿وَ رَجِلِكَ﴾ اور پیدل لشکروں کے ساتھ۔ قرآن پاک کے نزول کے وقت سوار لشکر ہوتا تھا یا پیدل ہوتا تھا فضائی نہیں ہوتا تھا۔ فرمایا تم اپنے سوار لشکر بھی تیار کر لو اور پیدل بھی جتنا کر سکتے ہو کر لو ﴿وَ شَارِكْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ﴾ اور شریک ہو ان کے ساتھ مالوں میں اور اولاد میں۔ آج حلال حرام کی تمیز کرنے والے لوگ بہت کم ہیں اکثریت کا حال یہ ہے کہ دیکھتے ہیں کہ زیادہ کمائی کہاں سے آتی ہے۔ حلال حرام کی کوئی تمیز نہیں ہے جائز ناجائز کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ یہ سب شیطانی اثرات ہیں۔

﴿وَ عِدْهُمْ﴾ اور ان کے ساتھ وعدے کرتے رہو ﴿وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ اور نہیں وعدہ دیتا ان کو شیطان مگر دھوکے کا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت ہی فرما دیا تھا ﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾ بے شک میرے بندوں پر نہیں ہوگا تیرے لیے کوئی زور، کوئی تسلط نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے جو خاص بندے ہیں وہ شیطان کے چیلے نہیں بنتے، وہ پہلے بھی تھے اب بھی ہیں اور قیامت تک رہیں گے گو تھوڑے ہی سہی۔ وہ شیطانی کارروائیوں سے گریز کریں گے اور شیطان کی اطاعت نہیں کریں گے۔ ﴿وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِیْلًا﴾ اور کافی ہے آپ کا رب کارساز۔ اب غریبوں کا کام رب خود کرتا ہے کرتا رہے گا تھوڑا کھائیں گے مگر حلال کا کھائیں گے آخرت برباد نہیں ہوگی۔ آج اکثریت زیادہ کی فکر میں ہے۔ کہتے ہیں صبح اُٹھتے ہی امیر بنے ہوئے ہوں۔ یہ منشیات وغیرہ سب بُرے کام ہیں۔ بھئی! زیادہ اکٹھا کر کے کتنا عرصہ کھا لو گے؟ یہ چند دن کھا کے ہمیشہ کی زندگی برباد کر لو گے۔ آخرت کو نہ بھولو، قبر کو نہ بھولو، حلال حرام کی تمیز کرو، شیطان کے چیلے نہ بنو رحمٰن کی اطاعت کرو۔

~~~~~~~~

﴿رَبُّكُمُ﴾ تمھارا پروردگار ﴿الَّذِیْ﴾ وہ ہے ﴿یُزْجِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ﴾ جو چلاتا ہے تمھارے لیے کشتیاں ﴿فِی الْبَحْرِ﴾ سمندر میں ﴿لِتَبْتَغُوْا﴾ تاکہ تلاش کرو تم ﴿مِنْ فَضْلِهٖ﴾ اس کے فضل کو ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک وہ ﴿كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا﴾ ہے تمھارے ساتھ بڑا مہربان ﴿وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ﴾ اور جس وقت پہنچتی ہے تمھیں تکلیف ﴿فِی الْبَحْرِ﴾ سمندر میں ﴿ضَلَّ﴾ غائب ہو جاتے ہیں ﴿مَنْ﴾ وہ ﴿تَدْعُوْنَ﴾ جن کو تم پکارتے ہو ﴿اِلَّاۤ اِیَّاهُ﴾ مگر اسی اللہ تعالیٰ کی ذات ﴿فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ﴾ پس جس وقت وہ تمھیں نجات دیتا ہے ﴿اِلَى الْبَرِّ﴾ خشکی کی طرف ﴿اَعْرَضْتُمْ﴾ تو تم اعراض کرتے ہو ﴿وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا﴾ اور ہے انسان ناشکری کرنے والا ﴿اَفَاَمِنْتُمْ﴾
~~~~~~~~

کیا پس تم امن میں ہو ﴿اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ﴾ اس سے کہ تمھیں زمین میں دھنسا دے خشکی کے کنارے ﴿اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا﴾ یا بھیجے تم پر سنگ ریزے اور پتھر ﴿ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ﴾ پھر نہ پاؤ تم اپنے لیے ﴿وَكِیْلًا﴾ کسی کو وکیل ﴿اَمْ اَمِنْتُمْ﴾ کیا تم امن میں ہو ﴿اَنْ یُّعِیْدَكُمْ﴾ یہ کہ لوٹا دے تمھیں ﴿فِیْهِ﴾ اسی سمندر میں ﴿تَارَةً اُخْرٰى﴾ ایک مرتبہ اور ﴿فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ﴾ پھر چھوڑ دے تم پر ﴿قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ﴾ توڑ پھوڑ کرنے والی ہوا ﴿فَیُغْرِقَكُمْ﴾ پس وہ غرق کر دے تمھیں ﴿بِمَا كَفَرْتُمْ﴾ تمھارے کفر کرنے کی وجہ سے ﴿ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ﴾ پھر نہ پاؤ تم اپنے لیے ﴿عَلَیْنَا﴾ ہمارے مقابلے میں ﴿بِهٖ تَبِیْعًا﴾ اس کا کوئی مطالبہ کرنے والا ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا﴾ اور البتہ ہم نے عزت دی ﴿بَنِیْٓ اٰدَمَ﴾ اولادِ آدم کو ﴿وَحَمَلْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے سوار کیا ان کو ﴿فِی الْبَرِّ﴾ خشکی میں ﴿وَالْبَحْرِ﴾ اور سمندر میں ﴿وَرَزَقْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے روزی دی ان کو ﴿مِّنَ الطَّیِّبٰتِ﴾ پاکیزہ چیزوں سے ﴿وَفَضَّلْنٰهُمْ﴾ اور ہم نے ان کو فضیلت دی ﴿عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا﴾ بہت سی مخلوق پر جو ہم نے پیدا کی ﴿تَفْضِیْلًا﴾ فضیلت دینا۔

اللہ تعالیٰ کے بے حد و بے شمار احسانات اور انعامات ہیں۔ ان میں کچھ ظاہری اور حسی ہیں اور کچھ باطنی اور معنوی ہیں۔ ظاہری نعمتیں، انسان کا بدن ہے، شکل و صورت ہے، زمین آسمان ہیں، دولت جائیداد وغیرہ ہیں اور باطنی نعمتیں، ایمان ہے، علم ہے، سمجھ اور عقل ہے۔ سمجھ اور عقل بڑی نعمتیں ہیں۔ بسا اوقات ایک آدمی دیکھنے میں بڑا لگتا ہے اس کی قد و قامت لباس دیکھ کر آدمی حیران ہوتا ہے کہ اتنا قد کاٹھ، صحت مند، خوب صورت، مگر جب وہ بات کرتا ہے تو آدمی کہتا ہے کہ اس کا خاموش رہنا ہی بہتر تھا، عقل نہیں ہوتی۔ تو عقل رب تعالیٰ کی بڑی نعمت اور دولت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جا بہ جا فرمایا ہے ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ﴿اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ﴾ کیا وہ عقل سے کام نہیں لیتے۔ اس مقام پر بھی اللہ تعالیٰ نے بعض نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿رَبُّكُمُ الَّذِیْ﴾ تمھارا رب وہ ہے ﴿یُزْجِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ﴾ جو چلاتا ہے تمھارے لیے کشتیاں ﴿فِی الْبَحْرِ﴾ سمندر میں ﴿لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ تاکہ تلاش کرو تم اللہ تعالیٰ کے فضل کو۔ پہلے زمانے میں صرف کشتیاں ہوتی تھیں جہاز بعد کی ایجاد ہے۔ کشتیوں کے ذریعے ہی ایک علاقے سے سامان دوسرے علاقے میں لے جاتے تھے تجارت کرتے تھے۔ ادھر کا سامان اُدھر اور اُدھر کا سامان اِدھر لاتے تھے۔ کشتیاں ہوا کے ساتھ چلتی تھیں، بڑے بڑے ٹاٹ لگا لیتے تھے، ہوائیں ان کو دھکیلتی تھیں اور یہ منزل مقصود پر پہنچتے تھے۔ ہوا مرضی کے مطابق ہوتی تو بڑے خوش ہوتے تھے مسافت بھی جلدی طے ہوتی اور خطرہ بھی نہ ہوتا۔ تو فرمایا تمھارا رب وہ ہے جو کشتیاں چلاتا ہے سمندر میں تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو، تجارت

کرو، نفع کماؤ، آمدن حاصل کرو ﴿اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ بے شک وہ ہے تمھارے ساتھ بڑا مہربان، شفقت کرنے والا۔

انتہائی مشکل میں مشرک بھی صرف رب تعالیٰ کو پکارتے ہیں؟

﴿وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ﴾ اور جس وقت پہنچتی ہے تمھیں تکلیف ﴿فِي الْبَحْرِ﴾ سمندر میں ﴿ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ غائب ہو جاتے ہیں وہ جن کو تم پکارتے ہو مگر اسی اللہ تعالیٰ کی ذات۔ اس وقت پروردگار کے سوا تمھیں کوئی یاد نہیں آتا۔ اور سورہ عنکبوت آیت نمبر ۶۵ میں ہے ﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ "پس جب یہ سوار ہوتے ہیں اور ہر طرف سے موجیں آتی ہیں اور خطرے کا آلارم بج جاتا ہے تو اس وقت صرف رب تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔"

اس آیت کریمہ کا شانِ نزول یہ بتاتے ہیں کہ ۸ ھ میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو وہ نامی گرامی لوگ جنھوں نے اسلام کا مقابلہ کیا تھا اور مسلمانوں پر ظلم ڈھائے تھے سب بھاگ گئے۔ بھاگنے والوں میں صفوان ابن امیہ بھی تھا۔ یہ بڑا مالدار آدمی تھا اور کافروں کو سارا اسلحہ یہ سپلائی کرتا تھا بعد میں مسلمان ہو گیا رضی اللہ عنہ، ہبار ابن اسود بھی بھاگ گیا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ٹانگ سے پکڑ کر اونٹ سے نیچے گرایا تھا وہ حاملہ تھیں ایسی چوٹ لگی کہ بیمار ہو گئیں اور فوت ہو گئیں وحشی ابن حرب بھی بھاگ گیا جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا اور عکرمہ ابو جہل کا بیٹا بھی بھاگ گیا۔

اُس وقت جدہ کوئی معروف شہر نہ تھا برائے نام چند جھونپڑیاں تھیں کعبۃ اللہ کے دروازے کے سامنے سے سمندر تیس میل کی مسافت پر تھا۔ جدہ مکہ مکرمہ سے پینتالیس میل کی مسافت پر ہے پندرہ میل کا فرق ہے۔ اس زمانے میں بیت اللہ کے دروازے بالمقابل سمندر کے کنارے چند جھونپڑیاں تھیں دودھ، کھجوریں، ستو وغیرہ قسم کی چیزیں ان کے پاس ہوتی تھیں جو مسافر خریدتے تھے وہیں کشتیاں آتی تھیں لوگ ان پر سوار ہو کر حبشہ یا دوسرے علاقوں کی طرف جاتے تھے۔ یہ عکرمہ جب وہاں پہنچا تو اتفاق کی بات ہے کہ حبشہ کی کشتی آ گئی عکرمہ بھی اس میں سوار ہو گیا کشتی چند میل چلی تو بڑے بڑے طوفان اُٹھے کشتی کو خطرہ لاحق ہوا لوگوں نے یَا لَاتُ اَغِثْنِيْ "اے لات میری مدد کر" کہنا شروع کیا یَا عُزّٰى اَغِثْنِيْ "اے عزیٰ میری مدد کر" ملاحوں نے کہا یہاں رب تعالیٰ کو پکارو فَاِنَّ اٰلِهَتَكُمْ لَا تُغْنِيْ هٰهُنَا شَيْئًا "بے شک تمھارے خدا یہاں کچھ کفایت نہیں کر سکتے۔" جن کو تم پکارتے ہو یہاں ان کی ٹانگ نہیں اڑتی حالانکہ ملاح بھی مشرک تھے مگر کہہ رہے ہیں کہ یہاں صرف رب کو پکارو یہاں کسی اور کا بس نہیں چلتا۔

عکرمہ نے کہا کہ اگر ہمارے الٰہ یہاں کام نہیں آ سکتے اور کہاں کام آئیں گے؟ میں عہد کرتا ہوں کہ اگر مجھے نجات مل گئی تو جس کلمے سے میں بھاگتا پھرتا تھا وہ پڑھ کر رہوں گا۔ کشتی واپس آ گئی آگے نہ جا سکی۔ عکرمہ نے دیکھا کہ کنارے پر اس کی بیوی اُم حکیم کھڑی ہے اور کوئی چیز بغل میں لیے ہوئے ہے۔ دیکھ کر خیال کیا کہ انھوں نے بہت زیادتی کی ہے کہ عورتوں کو بھی گھروں میں نہیں رہنے دیا۔ پوچھا اُم حکیم تم کیسے آئی ہو، خیریت ہے؟ اس نے کہا بالکل خیریت ہے کوئی بات نہیں ہے۔ پھر کیسے آئی ہو؟

کہنے لگی میں تمھارے لیے خیر کا پیغام لے کر آئی ہوں اس وقت تک اُم حکیم بھی مسلمان نہیں ہوئی تھی بعد میں مسلمان ہوئی۔

کہنے لگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا کی چٹان پر کھڑے ہو کر مکے والوں کو خطاب کیا ان کے جرائم شمار کر کے بتلائے کہ فلاں نے فلاں موقع پر یہ زیادتی کی، فلاں نے فلاں موقع پر یہ زیادتی کی، تم نے میرے ساتھ یہ کیا اور میرے ساتھیوں کے ساتھ یہ سلوک کیا، میرے فلاں ساتھی کو تم نے شہید کیا، فلاں بی بی کو تم نے شہید کیا، فلاں کو تم نے انگاروں پر لٹایا، فلاں کو ریت پر لٹایا، جرائم شمار کرنے کے بعد فرمایا تمھیں معلوم ہے کہ اب تمھارے ساتھ کیا ہونا ہے؟ سب کے طوطے اُڑ گئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ "میں نے تم سب کو معاف کیا" کسی کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ میں نے کہا میرے خاوند عکرمہ کو بھی معاف کیا؟ فرمایا ہاں! معاف کر دیا۔ میں نے کہا وہ وہمی سا آدمی ہے وہ ایسے نہیں آئے گا کوئی نشانی ہونی چاہیے۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کالی پگڑی باندھی ہوئی تھی وہ اُتار کر بطور نشانی کے دے دی کہ یہ میری پگڑی لے جاؤ اس کو کہو نہ ڈرے اس کے لیے امان ہے۔ یہ میری بغل میں وہ پگڑی ہے، (عکرمہ) واپس آ کر مسلمان ہو گیا۔ تو مشرکین مکہ جب انتہائی مصیبت میں گرفتار ہوتے تھے تو صرف رب کو پکارتے تھے حالاں کہ وہ سکے بند مشرک تھے اور آج کے مشرک کا کیا حال ہے، یہ کہتا ہے:

بگرداب بلا افتاد کشتی
مدد کن یا معین الدین چشتی

"ہماری کشتی سخت پھنسی ہوئی ہے اے معین الدین ہماری مدد کریں۔"

وہ سکہ بند مشرک انتہائی مصیبت میں غیروں کو چھوڑ کر صرف رب کو پکارتے تھے اور آج کا کلمہ گو مشرک یہ انتہائی مصیبت میں بھی غیروں کو پکارتا ہے۔

یا بہاؤ الحق بیڑا دھک

بڑا فرق ہے اُس میں اور اِس میں۔ بزرگانِ دین کا کوئی قصور نہیں ہے ان کی بڑی خدمات ہیں یہ ان لوگوں کی خرافات ہیں۔ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جن کو داتا گنج بخش کہتے ہیں ان کے ہاتھ پر چالیس ہزار ہندو مسلمان ہوئے۔ اور معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر نوے ہزار ہندو مسلمان ہوئے۔ ان لوگوں کی بڑی خدمات ہیں آج لوگوں نے ان کو الٰہ بنایا ہوا ہے۔ اسلم بیگ چیف کمانڈر تھے ان کی بیوی علی گڑھ کی پڑھی ہوئی تھی۔ جس وقت حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کو چالیس من دودھ کے ساتھ غسل دیا گیا تو اس نے اعتراض کیا کہ قبر کو دودھ سے دھونے کا کیا فائدہ یہ دودھ غریبوں کو دے دو۔ تو بدعتی مولوی ان کے پیچھے پڑ گئے اور کہنے لگے تمھارا نکاح ٹوٹ گیا ہے۔ اسلم بیگ صاحب تمھاری بیوی وہابن ہو گئی ہے۔ آج تک ہمارے نظریات نہیں بدلے۔

تو فرمایا جس وقت تمھیں تکلیف پہنچتی ہے سمندر میں تو سارے غائب ہو جاتے ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے ﴿فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ﴾ پس جس وقت اللہ تعالیٰ تمھیں نجات دیتا ہے خشکی کی طرف تو ﴿اَعْرَضْتُمْ﴾ تم اعراض کرتے ہو رب تعالیٰ کی

وحدانیت سے ﴿ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴾ اور ہے انسان بڑا ناشکرا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا موت سمندر میں ہی ہے؟ ﴿ اَفَاَمِنْتُمْ ﴾ کیا پس تم امن میں ہو ﴿ اَنْ ﴾ اس سے ﴿ يَّخْسِفَ بِكُمْ ﴾ کہ تمھیں دھنسا دے زمین میں ﴿ جَانِبَ الْبَرِّ ﴾ خشکی کے کنارے پر۔ جب تم سمندر سے نکل کر خشکی پر پہنچو تو کیا اللہ تعالیٰ کو قدرت نہیں ہے کہ تمھیں زمین میں دھنسا دے۔ قارون جو موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا اس کا ذکر قرآن پاک میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کا باغی تھا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ﴾ [قصص: ۸۱] "پھر ہم نے دھنسا دیا قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں۔" قارون کی بڑی کوٹھی تھی اس میں اس نے بڑے کمرے بنائے ہوئے تھے، ملازموں کے لیے الگ، مہمانوں کے لیے الگ، اللہ تعالیٰ نے اس کو کوٹھی سمیت زمین میں دھنسا دیا اب معلوم نہیں کہاں گیا ہے۔

قیامت کی کچھ نشانیوں کا تذکرہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے قحط سالی بھی ہے، دجال لعین کا نکلنا بھی ہے اور خروج دجال سے پہلے قحط سالی عام ہوگی اور فرمایا تین علاقے زمین میں دھنس جائیں گے خَسْفٌ فِي الْمَشْرِقِ ایک مشرق کے علاقے میں کئی دیہات زمین میں دھنس جائیں گے خَسْفٌ فِي الْمَغْرِبِ اور مغرب کے علاقے میں کئی دیہات زمین میں دھنس جائیں گے وَخَسْفٌ بِجَزِيْرَةِ الْعَرَبِ اور عرب کے جزیرے میں بھی خسف ہوگا۔ زمین لوگوں کو کھا جائے گی، اُمید ہے یہ وہی جگہ ہوگی جہاں امریکی فوجیں بیٹھی ہیں۔ پاک سرزمین پر ان کی بدمعاشیاں، شراب نوشی جوان کی گھٹی میں ہے ان کو لے ڈوبے گی۔ موت صرف سمندر ہی میں نہیں چاہے تو خشکی پر پاؤں رکھو تو تمھیں زمین میں دھنسا دے ﴿ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ﴾ یا بھیجے تم پر سنگ ریزے اور پتھر۔ لوط علیہ السلام کی قوم پر رب تعالیٰ نے پتھر برسائے تو کیا تم پر نہیں آسکتے؟ ﴿ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴾ پھر نہ پاؤ تم اپنے لیے کوئی وکیل جو تمھاری حمایت کرے۔

﴿ اَمْ اَمِنْتُمْ ﴾ کیا تم امن میں ہو ﴿ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى ﴾ کہ لوٹا دے تمھیں اسی سمندر میں ایک مرتبہ اور۔ تمھیں کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے کہ تم مجبور ہو جاؤ سمندر کا سفر کرنے پر ﴿ فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ ﴾ پھر چھوڑ دے تم پر توڑ پھوڑ کرنے والی ہوا۔ کشتی کے تختے ہی ٹوٹ جائیں، ٹاٹ اُڑ جائیں ﴿ فَيُغْرِقَكُمْ ﴾ پس وہ غرق کر دے تمھیں اور یہ کیوں ہوگا؟ ﴿ بِمَا كَفَرْتُمْ ﴾ بہ وجہ تمھارے کفر کرنے کے۔ وہ تمھیں سمندر میں بھی ہلاک کر سکتا ہے، خشکی میں بھی اور پتھر برسا کے بھی ہلاک کر سکتا ہے۔ اس کی قدرت بڑی وسیع ہے۔ ﴿ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴾ پھر نہ پاؤ تم اپنے لیے ہمارے مقابلے میں اس کا کوئی مطالبہ کرنے والا۔ کوئی ہمیں پوچھ نہیں سکتا کہ اے پروردگار! یہ تو نے کیوں کیا ہے؟ ﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے عزت دی اولاد آدم کو ﴿ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ﴾ اور ہم نے ان کو سوار کیا خشکی میں اور سمندر میں ﴿ وَرَزَقْنٰهُمْ ﴾ اور ہم نے ان کو روزی دی ﴿ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ﴾ پاکیزہ چیزوں سے ﴿ وَفَضَّلْنٰهُمْ ﴾ اور ہم نے ان کو فضیلت دی ﴿ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا

تَفْضِيلًا﴾ بہت سی مخلوق پر جو ہم نے پیدا کی فضیلت دینا۔ مجموعی حیثیت سے انسان سب پر فضیلت رکھتا ہے۔

انسان کی فرشتوں پر فضیلت کی وضاحت !

اہل حق اہل سنت والجماعت ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ مجموعی حیثیت سے انسان کی فضیلت فرشتوں سے بھی زیادہ ہے جنات سے تو بہرصورت زیادہ ہے۔ مجموعی حیثیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں پیغمبر بھیجے ان پیغمبروں کی وجہ سے اس نوع کا پلہ بھاری ہو گیا اور تمام پیغمبر تمام فرشتوں سے افضل ہیں ان کی برکت اور وسیلے کی وجہ سے اس نوع کی فضیلت فرشتوں سے زیادہ ہو گئی۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر ہر آدمی ہر ہر فرشتے سے اعلیٰ ہے۔ شرابی کبابی، بدمعاش، غنڈے تو فرشتوں سے اعلیٰ اور افضل نہیں ہیں۔ ہاں! جو صحیح معنیٰ میں انسان ہیں وہ فرشتوں سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنیٰ میں انسان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿يَوْمَ﴾ اُس دن ﴿نَدْعُوا﴾ بلائیں گے ہم ﴿كُلَّ أُنَاسٍ﴾ ہر گروہ کو ﴿بِإِمَامِهِمْ﴾ ان کے امام کے نام کے ساتھ ﴿فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ﴾ پس جس کو دیا گیا اس کا پرچہ ﴿بِيَمِينِهِ﴾ اس کے دائیں ہاتھ میں ﴿فَأُولَئِكَ﴾ پس وہ لوگ ﴿يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ﴾ پڑھیں گے اپنے پرچے ﴿وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا﴾ اور نہیں ظلم کیا جائے گا ان پر دھاگے کے برابر بھی ﴿وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى﴾ اور جو شخص ہے اس دنیا میں اندھا ﴿فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى﴾ پس وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا ﴿وَأَضَلُّ سَبِيلًا﴾ اور وہ بہت بہکا ہوا ہے راستے کے لحاظ سے ﴿وَإِنْ كَادُوا﴾ اور بے شک شان یہ ہے کہ قریب تھا ﴿لَيَفْتِنُونَكَ﴾ کہ وہ آپ کو فتنے میں ڈال دیں ﴿عَنِ الَّذِي﴾ اس چیز سے ﴿أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ﴾ وحی کی ہم نے آپ کی طرف ﴿لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا﴾ تاکہ تم افترا باندھو ہم پر ﴿غَيْرَهُ﴾ اس کے علاوہ کسی اور چیز کا ﴿وَإِذًا﴾ اور اس وقت ﴿لَاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا﴾ البتہ وہ بنا لیں آپ کو دوست ﴿وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ﴾ اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے ﴿لَقَدْ كِدْتَ﴾ البتہ قریب تھا ﴿تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ﴾ آپ مائل ہو جاتے ان کی طرف ﴿شَيْئًا قَلِيلًا﴾ کچھ تھوڑا سا ﴿إِذًا لَأَذَقْنَاكَ﴾ اس وقت ہم آپ کو چکھاتے ﴿ضِعْفَ الْحَيَاةِ﴾ دوگنی سزا دنیا کی زندگی میں ﴿وَضِعْفَ الْمَمَاتِ﴾ اور دوگنی سزا مرنے کے بعد ﴿ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ﴾ پھر آپ نہ پاتے اپنے لیے ﴿عَلَيْنَا نَصِيرًا﴾ ہمارے خلاف کوئی مددگار ﴿وَإِنْ كَادُوا﴾ اور بے شک شان یہ ہے کہ قریب تھا ﴿لَيَسْتَفِزُّونَكَ﴾ کہ یہ لوگ آپ کے قدم ہلا دیں ﴿مِنَ الْأَرْضِ﴾ زمین سے ﴿لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا﴾ تاکہ وہ آپ کو

نکال دیں اس زمین سے ﴿وَ اِذًا﴾ اور اس وقت ﴿لَّا یَلْبَثُوْنَ﴾ نہیں ٹھہریں گے ﴿خِلٰفَكَ﴾ آپ کے بعد ﴿اِلَّا قَلِیْلًا﴾ مگر تھوڑا ﴿سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا﴾ طریقہ ہے ان کا جن کو ہم نے بھیجا ﴿قَبْلَكَ﴾ آپ سے پہلے ﴿مِنْ رُّسُلِنَا﴾ اپنے رسولوں سے ﴿وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا﴾ اور نہیں پائیں گے آپ ہمارے دستور میں کوئی تبدیلی۔

آخری اُمت کا حساب سب سے پہلے ہوگا

قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت قائم ہوگی۔ تمام اُمتوں سے پہلے اس اُمت کا حساب ہوگا حالاں کہ قاعدے کے مطابق اس اُمت کا حساب آخر میں ہونا چاہیے کیوں کہ دنیا میں آنے کے اعتبار سے یہ سب سے آخر میں آئی ہے لیکن آنحضرت ﷺ کے وسیلہ جلیلہ کی برکت سے اس اُمت کا حساب سب سے پہلے ہوگا اور پل صراط بھی سب سے پہلے یہ اُمت عبور کرے گی اور جنت میں بھی سب سے پہلے یہ اُمت داخل ہوگی۔ جنت میں سب سے پہلا قدم آنحضرت ﷺ کا پڑے گا دوسرا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اور تیسرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اور چوتھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اور پانچواں قدم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پڑے گا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے پیغمبر تشریف لائے سب کی اُمتوں کو ان کے پیغمبروں کے نام سے بلایا جائے گا۔ مثلاً: اعلان ہوگا کہ نوح علیہ السلام اور ان کی اُمت حساب کے لیے آجائے۔ اس کا ذکر ہے ﴿یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ﴾ اُس دن ہم بلائیں گے ہر گروہ اور ٹولے کو ان کے امام کے نام کے ساتھ۔

یہ اُمت پہلے پیغمبروں کے لیے گواہ ہوگی

سب آجائیں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نوح علیہ السلام سے سوال کریں گے۔ اے نوح! هَلْ بَلَّغْتَ قَوْمَكَ "کیا آپ نے قوم کو تبلیغ کی تھی۔" حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے میں نے قوم کو تبلیغ کی تھی۔ قوم سے پوچھا جائے گا هَلْ بَلَّغَكُمْ نُوْحٌ "کیا نوح علیہ السلام نے تمھیں تبلیغ کی تھی۔" قوم کہے گی ہمیں کب تبلیغ کی ہے ہمارے پاس تو کوئی آیا ہی نہیں ہے۔ شرعی قاعدہ یہ ہے کہ: اَلْبَیِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِیْ وَ الْیَمِیْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ۔ گواہ مدعی کے ذمہ ہوتے ہیں۔ یعنی جس نے دعویٰ کیا ہے وہ اپنے دعوے پر گواہ پیش کرے اور قسم منکر پر آتی ہے۔ یعنی اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے۔ یہ حدیث متواتر ہے۔ تو اس ضابطے کے تحت اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام کو فرمائیں گے: مَنْ یَّشْهَدُ لَكَ آپ کے پاس گواہ ہیں؟ نوح علیہ السلام عرض کریں گے ہاں اے پروردگار! میرے پاس گواہ ہیں۔ کون گواہ ہیں؟ نوح علیہ السلام کہیں گے محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کی اُمت۔ اس اُمت کو بلایا جائے گا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ حضرت نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی تھی؟ یہ اُمت کہے گی ہاں! ہم گواہی دیتے ہیں کہ نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی تھی۔ وہ لوگ اعتراض کریں گے کہ یہ تو موقع کے گواہ ہی نہیں ہیں کیوں کہ یہ تو ہمارے سے ہزار ہا سال بعد میں آئے

ہیں۔ انھوں نے نہ تو ہمیں دیکھا ہے نہ ہمارا زمانہ پایا ہے اور نہ ہی نوح علیہ السلام کو تبلیغ کرتے دیکھا ہے نہ ہمیں سنتے دیکھا ہے ان کی گواہی کا کیا اعتبار ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس اُمت سے کہیں گے سنتے ہو دوسرا فریق کیا کہتا ہے؟ یہ اُمت کہے گی اے پروردگار! ہم نے ان کی بات سن لی ہے لیکن بے شک ہم ان کے دور میں نہیں تھے اور نہ ہی ہم نے نوح علیہ السلام کو تبلیغ کرتے دیکھا ہے اور ان کو سنتے ہوئے بھی نہیں دیکھا مگر اے پروردگار! اگر آپ سچے ہیں اور یقیناً سچے ہیں تو پھر ہماری گواہی بھی سچی ہے۔ کیوں کہ پروردگار! آپ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ﴾ [الاعراف: ۵۹] "اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف پس کہا انھوں نے اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے، کوئی الٰہ نہیں ہے۔" اور اے پروردگار! اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں اور یقیناً سچے ہیں تو پھر ہماری گواہی بھی سچی ہے۔ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: لَقَدْ بَلَّغَ نُوحٌ قَوْمَهُ "پکی بات ہے کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی۔"

جو اہم مقدمات ہوتے ہیں ان میں گواہوں کی صفائی کا مسئلہ بھی ہوتا ہے۔ مثلاً: چوری کا مقدمہ ہے دو آدمیوں نے گواہی دی کہ ہم نے اس کو چوری کرتے ہوئے دیکھا ہے تو اس کی گواہی پر فوراً اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ ان گواہوں کے متعلق قاضی، جج تحقیق کرے گا کہ گواہوں کی ملزم کے ساتھ دشمنی تو نہیں ہے، لاگت بازی تو نہیں ہے یہ لالچی تو نہیں ہیں کہ پیسے لے کر گواہی دے رہے ہوں۔ اس کو تزکیۃ الشہداء کہتے ہیں مخفی طور پر گواہوں کی صفائی۔ جب قاضی اور جج کے سامنے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ واقعتاً یہ گواہ بالکل ٹھیک ہیں تو پھر وہ فیصلہ کرے گا۔ اسی طرح زنا کا مقدمہ ہے اور چار گواہوں نے گواہی دی کہ اُنھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے بُرا کام کرتے ہوئے تو ملزم کو فوراً سزا نہیں دی جائے گی بلکہ قاضی اور جج تحقیق کریں گے کہ گواہ پیشہ ور تو نہیں ہیں، لالچی تو نہیں ہیں، ملزم کے ساتھ کوئی دشمنی تو نہیں ہے۔ جب گواہوں کی صفائی ہو جائے گی تو پھر فیصلہ سنائے گا۔ اسلام نے جرائم کے لیے سزائیں سخت رکھی ہیں تو ان کے ثبوت کے لیے بھی شرائط رکھی ہیں۔

تو جس وقت یہ اُمت گواہی دے گی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کی صفائی پیش کریں گے کہ میری اُمت نے گواہی بالکل صحیح دی ہے ﴿لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ "تاکہ تم تمام لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔" سورہ حج آیت نمبر ۷۸ میں ہے ﴿لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ "تاکہ ہو رسول گواہ تم پر اور تم گواہ ہو لوگوں پر۔" تو اس اُمت کی جب صفائی ہو جائے گی تو پھر پہلی اُمتوں کا فیصلہ ہوگا۔ پھر نوح علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کی ذات گرامی تک تمام اُمتوں کو ان کے پیغمبروں کے ساتھ بلایا جائے گا۔

﴿فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ﴾ پس جس کو دیا گیا اس کا پرچہ دائیں ہاتھ میں ﴿فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ﴾ پس وہ لوگ پڑھیں گے اپنے پرچے کو ﴿وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا﴾ اور نہیں ظلم کیا جائے گا ان پر دھاگے کے برابر۔ کھجور کی گٹھلی میں ایک نالی

ہوتی ہے اس نالی میں ایک باریک سا دھاگا ہوتا ہے عربی میں اس دھاگے کو فتیل کہتے ہیں۔ عربی لوگ جب کسی چیز کی قلت بیان کرتے تھے تو کہتے تھے یہ تو فتیل بھی نہیں ہے۔ جس طرح ہم کہتے ہیں کہ فلاں کے پاس تو تنکا بھی نہیں ہے۔ اس گٹھلی کی پچھلی طرف ایک نقطہ ہوتا ہے اس کو نقیر کہتے ہیں ﴿فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا﴾ [نساء:۵۳] ۔ نباتات والے بتاتے ہیں کہ جب گٹھلی پھوٹتی ہے تو اسی جگہ سے پھوٹتی ہے اور اس گٹھلی پر ایک چھلکا ہوتا ہے اس کو قطمیر کہتے ہیں ﴿مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ﴾ [فاطر:۱۳] "وہ مالک نہیں ہیں گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی۔" مراد ان سب سے قلت ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ ان پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

بظاہر یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن کو پرچہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا بس وہی پڑھیں گے دوسرے نہیں پڑھیں گے۔ مگر ایسی بات نہیں ہے تم اس کی تفصیل اسی پارے میں پہلے پڑھ چکے ہو ﴿وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ﴾ "ہر آدمی کا پروانہ اس کے گلے میں لٹکا دیں گے۔ ﴿وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا﴾ اور ہم نکالیں گے اس کے سامنے قیامت والے دن جسے پائے گا وہ کھلا ہوا ﴿اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا﴾ اے بندے! اپنا پرچہ پڑھ کافی ہے تیرا نفس آج کے دن تیرے اُوپر حساب دان۔" تو ہر بندہ اپنا اعمال نامہ پڑھے گا چاہے دنیا میں پڑھنا جانتا تھا یا نہیں جانتا تھا اور اُسی مقام پر تم یہ حدیث بھی سن چکے ہو کہ جب وہ دو صفحے پڑھ لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے بندے! بتلا میرے لکھنے والوں نے تجھ پر کوئی زیادتی تو نہیں کی؟ کہے گا نہیں۔

اندھا ہونے کا معنٰی ؟

فرمایا ﴿وَمَن كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ﴾ اور جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے ﴿فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ﴾ پس وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ ﴿وَأَضَلُّ سَبِيلًا﴾ اور وہ بہت بہکا ہوا ہے راستے کے لحاظ سے۔ دنیا میں اندھا ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس کی ظاہری آنکھیں نہیں ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے متعلق فرمایا ہے ﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ﴾ "وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں۔" تو سارے کافر تو بہرے، گونگے اور اندھے نہیں ہیں۔ بہرے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حق بات نہیں سنتے، حق بات کہتے نہیں ہیں، حق کی نشانیاں نہیں دیکھتے، لہٰذا یہ مطلب نہیں ہے کہ آنکھیں نہیں ہوں گی رب سب کو آنکھیں دے گا ہر ان کے سامنے ہوگی جنت بھی، دوزخ بھی، خوشیاں بھی سامنے اور غمیاں بھی سامنے۔

ایک حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے: ((أَنْ تَرَى الصُّمَّ الْبُكْمَ الْعُمْيَ مُلُوكَ الْأَرْضِ)) "کہ تم بہروں، گونگوں، اندھوں کو زمین کے بادشاہ دیکھو گے۔" ہم نے یہ حدیث ابتدائی دور میں پڑھی تو استاذ محترم مولانا عبدالقدیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا حضرت! عجیب بات ہے لوگ اندھوں، بہروں، گونگوں کو بادشاہ بنائیں گے آنکھوں، کانوں والے، زبان والے کوئی نہیں ہوں گے۔ حضرت مرحوم کا تکیہ کلام تھا میاں۔

فرمایا میاں! آنکھیں ہوں گی، کان بھی ہوں گے، زبان بھی ہو گی لیکن حق کی بات کہیں گے نہیں، حق کی بات سنیں گے نہیں، حق کی نشانیاں نہیں دیکھیں گے۔ آج سارا قصہ وہی ہے۔ اوروں پر تو کوئی گلہ نہیں ہے اور نہ افسوس ہے لیکن جو مسلمان کہلانے والے بادشاہ ہیں وہ کافروں سے بھی اس وقت بُرے ہیں۔ کافر پھر بھی کسی وقت دل کی بات کہہ دیتے ہیں اور یہ منافق اپنی جگہ سے ہلنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ بے چارے طالبان جنھوں نے تھوڑا بہت دین نافذ کیا ہے سارے ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

دین کے معاملے میں کوئی نرمی نہیں ہے ؟

آگے اللہ تعالیٰ ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ طائف کے پاس ایک علاقہ تھا وہاں کے لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم کلمہ پڑھنا چاہتے ہیں مگر ہماری کچھ شرائط ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ ہم نماز نہیں پڑھیں گے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ لَا نُعَشِّرُ ہم عشر نہیں دیں گے۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ ہمیں جہاد کے لیے نہیں بلایا جائے گا اور چوتھی شرط یہ ہے کہ ہمارے علاقے کو حرم کا درجہ دے دیں جیسا کہ بیت اللہ کے اردگرد کا علاقہ حرم ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خیال فرمایا کہ کلمہ پڑھنے کا تو کہہ رہے ہیں اگر فی الحال نمازیں نہیں پڑھیں گے تو کلمہ کا اثر ہو گا نمازیں پڑھیں گے، عشر بھی دیں گے، جہاد بھی کریں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اتنی نرمی بھی پسند نہ آئی بڑے سخت الفاظ میں تنبیہ فرمائی۔

فرمایا ﴿وَاِنْ كَادُوْا﴾ اور بے شک قریب تھا ﴿لَيَفْتِنُوْنَكَ﴾ البتہ آپ کو فتنے میں ڈال دیں ﴿عَنِ الَّذِيْٓ﴾ اس چیز کے بارے میں ﴿اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ﴾ جو وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے۔ وحی یہ کی کہ نماز ضروری ہے، عشر ضروری ہے، جہاد ضروری ہے۔ اور کوئی شخص کسی جگہ کو اپنی طرف سے حرم نہیں بنا سکتا۔ یہ تو رب کا کام ہے انھوں نے کوشش کی ہے کہ آپ کو فتنے میں ڈال دیں اور ﴿لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ﴾ تاکہ تم افترا باندھو ہم پر اس کے علاوہ کسی اور چیز کا۔ ایسا دین ان کو بتلائیں کہ اس میں نہ نماز ہو نہ عشر ہو نہ اس میں جہاد ہو ﴿وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا﴾ اور اس وقت وہ بنالیں آپ کو دوست۔ فرمایا ﴿وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ﴾ اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے ﴿لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ﴾ قریب تھا کہ آپ ان کی طرف جھک جاتے شَيْـًٔا قَلِيْلًا کچھ تھوڑا سا۔ آپ کے دل میں تو خیال آیا کہ اگر ایسا ہو جائے تو پھر یہ نمازیں بھی پڑھیں گے، روزے بھی رکھیں گے، جہاد بھی کریں گے مگر ہم نے آپ کو ثابت قدم رکھا اگر آپ ایسا کرتے تو ﴿اِذًا﴾ اس وقت ﴿لَّاَذَقْنٰكَ﴾ ہم آپ کو چکھاتے ﴿ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ﴾ دُگنی سزا دنیا کی زندگی میں بھی اور دُگنی سزا مرنے کے بعد بھی۔

جتنا کسی کا مقام بلند ہوتا ہے سزا بھی اتنی زیادہ ہوتی ہے۔ سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کے بارے میں فرمایا اگر تم بے حیائی کرو گی تو ﴿يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ﴾ "تو دوگنا عذاب دیا جائے گا۔" ازواج مطہرات ہیں رضی اللہ عنہن۔ اگر ان میں سے کوئی گناہ کرے تو ڈبل عذاب۔ کیوں کہ مقام بہت بلند ہے، مقام بلند ہونے کی وجہ سے سزا ڈبل ہے اور آنحضرت ﷺ کا مقام تو خدا کی تمام مخلوق میں سب سے بلند ہے۔ تو فرمایا اگر آپ ان کی اطاعت کرتے تو ہم آپ کو ڈبل سزا

دیتے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

﴿ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا﴾ پھر آپ نہ پاتے اپنے لیے ہمارے خلاف کوئی مددگار۔ اللہ تعالیٰ نے سخت الفاظ میں تنبیہ فرمائی ہے کہ رب تعالیٰ کے احکام میں کسی قسم کی نرمی نہیں ہونی چاہیے۔ ﴿وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ﴾ اور بے شک شان یہ ہے کہ قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کے قدم ہلا دیں اکھاڑ دیں ﴿مِنَ الْاَرْضِ﴾ زمین سے۔ انھوں نے ایسے حالات پیدا کیے ہیں کہ آپ مکہ میں نہ رہ سکیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کو شہید کرنے کا انھوں نے منصوبہ بنایا، رات متعین ہو گئی، آدمی متعین ہو گئے اور آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا، شہید کرنے کا وقت آیا ﴿لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا﴾ تاکہ وہ آپ کو نکال دیں اس زمین سے ﴿وَ اِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ اور اس وقت وہ نہیں ٹھہریں گے آپ کے بعد مگر بہت تھوڑا۔ اس واقعہ کے پونے دو سال بعد بلکہ پونے دو سال بھی نہیں گزرے تھے کہ آپ ﷺ کے نکالنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے بدر کے مقام پر بڑا ذلیل و رسوا کیا کہ ستر مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے اور باقیوں کو بھاگنے کے لیے راستہ نہ ملا۔ لہٰذا رب تعالیٰ کے حکم میں کسی قسم کی قیل و قال نہیں ہونی چاہیے۔ ﴿سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا﴾ طریقہ ہے ان کا جن کو ہم نے بھیجا ہے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے کہ ان کو لوگوں نے مجبور کیا ہجرت کرنے پر اور جنھوں نے پیغمبروں کی مخالفت کی ان کو رب تعالیٰ نے سزا دی ﴿وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا﴾ اور نہیں پائیں گے آپ ہمارے دستور میں کوئی تبدیلی۔ یہ اس بات پر خوش نہ ہوں کہ آپ کو نکال کر یہ سکھ کا سانس لیں گے سکھ کا سانس ان کو نصیب نہیں ہوگا۔

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ﴾ قائم کریں آپ نماز کو ﴿لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ﴾ سورج کے ڈھلنے کے بعد ﴿اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ﴾ رات کی تاریکی تک ﴿وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ اور فجر کی نماز کے وقت قرآن پڑھو ﴿اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ﴾ بے شک فجر کا قرآن پڑھنا ﴿كَانَ مَشْهُوْدًا﴾ ہوتا ہے روبرو ﴿وَمِنَ الَّيْلِ﴾ اور رات کو ﴿فَتَهَجَّدْ بِهٖ﴾ پس آپ تہجد پڑھیں اس قرآن کے ساتھ ﴿نَافِلَةً لَّكَ﴾ یہ زائد ہے آپ کے لیے ﴿عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ﴾ قریب ہے کہ آپ کو کھڑا کرے گا آپ کا رب ﴿مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ مقام محمود میں ﴿وَ قُلْ﴾ اور کہو ﴿رَّبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿اَدْخِلْنِیْ﴾ مجھے داخل کریں ﴿مُدْخَلَ صِدْقٍ﴾ سچائی کا داخل کرنا ﴿وَّ اَخْرِجْنِیْ﴾ اور مجھے نکالیں ﴿مُخْرَجَ صِدْقٍ﴾ سچائی کا نکالنا ﴿وَّ اجْعَلْ لِّیْ﴾ اور بنائیں آپ میرے لیے ﴿مِنْ لَّدُنْكَ﴾ اپنی طرف سے ﴿سُلْطٰنًا﴾ غلبہ ﴿نَّصِيْرًا﴾ مدد کیا ہوا ﴿وَ قُلْ﴾ اور کہو ﴿جَآءَ الْحَقُّ﴾ حق آ گیا ہے ﴿وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ اور باطل چلا گیا ہے ﴿اِنَّ الْبَاطِلَ﴾ بے شک باطل ﴿كَانَ زَهُوْقًا﴾ ہے باطل بھاگنے والا ﴿وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ اور ہم اُتارتے

ہیں قرآن کریم سے ﴿ مَا ﴾ وہ ﴿ هُوَ شِفَآءٌ ﴾ جو شفا ہے ﴿ وَّ رَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴾ اور رحمت ہے مومنوں کے لیے ﴿ وَلَا يَزِيۡدُ الظّٰلِمِيۡنَ ﴾ اور نہیں زیادہ کرتا قرآن کریم ظالموں کے لیے ﴿ اِلَّا خَسَارًا ﴾ مگر نقصان ﴿ وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا ﴾ اور جس وقت ہم انعام کرتے ہیں ﴿ عَلَى الۡاِنۡسَانِ ﴾ انسان پر ﴿ اَعۡرَضَ ﴾ اعراض کرتا ہے ﴿ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ﴾ اور اپنے پہلو کو بچا تا ہے ﴿ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ ﴾ اور جس وقت اس کو پہنچتی ہے تکلیف ﴿ كَانَ يَـئُوۡسًا ﴾ ہو جاتا ہے نا اُمید ﴿ قُلۡ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ كُلٌّ يَّعۡمَلُ ﴾ ہر ایک عمل کرتا ہے ﴿ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ﴾ اپنے طریقے پر ﴿ فَرَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ ﴾ پس تمھارا رب خوب جانتا ہے ﴿ بِمَنۡ هُوَ اَهۡدٰى سَبِيۡلًا ﴾ اس کو جو زیادہ ہدایت یافتہ ہے راستے کے لحاظ سے۔

ماقبل سے ربط :

پچھلے سبق میں تم نے پڑھا کہ طائف کے نزدیک رہنے والے لوگوں نے ایمان قبول کرنے کے لیے چند مطالبات پیش کیے کہ ہمارے یہ مطالبات مان لو تو ہم کلمہ پڑھ لیں گے۔ ان کے مطالبات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ہم نماز نہیں پڑھیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے پہلے ان کے ساتھ نرمی کرنا چاہی کہ یہ کلمہ پڑھ لیں گے تو پھر خود ہی نماز بھی پڑھیں گے اور باقی ارکان پر بھی عمل کریں گے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے سختی کے ساتھ منع فرمایا تو آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا: لَا خَيۡرَ فِيۡ دِيۡنٍ لَا رُكُوۡعَ فِيۡهِ. "اس دین میں کوئی خیر نہیں ہے جس میں نماز نہیں ہے۔"

اجمالی طور پر پانچ نمازوں کا ذکر :

اب نماز ہی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ﴾ قائم کریں آپ نماز ﴿ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ ﴾ سورج کے ڈھلنے کے بعد، زوال کے بعد۔ آج کل زوال کا ٹائم بارہ بجے کے قریب قریب ہوتا ہے۔ سورج ڈھلنے کے بعد پڑھتے رہو ﴿ اِلٰى غَسَقِ الَّيۡلِ ﴾ رات کی تاریکی اور اندھیرے تک۔ اس میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں آ گئیں ﴿ وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ﴾ اور فجر کی نماز کے وقت قرآن پڑھو زیادہ۔ آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ فجر کی نماز میں ساٹھ آیات سے لے کر سو آیات تک پڑھتے تھے تاکہ لوگ نماز میں مل جائیں۔ اور ظہر کی نماز میں ﴿ سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى ﴾ جیسی سورتیں پڑھتے تھے اور عصر اور مغرب کی نماز میں چھوٹی سورتیں پڑھتے تھے جیسے ﴿ اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ ﴾ اور ﴿ لِاِيۡلٰفِ قُرَيۡشٍ ﴾ ہو گئی۔ عشاء کی نماز میں درمیانی سورتیں پڑھتے تھے لمبی سورتیں پسند نہیں کرتے تھے۔

نماز فجر اور نماز عصر کی تاکید کی وجہ :

اور نمازوں میں سے زیادہ قرات فجر کی نماز میں ہوتی تھی۔ کیوں؟ ﴿ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ كَانَ مَشۡهُوۡدًا ﴾ بے شک فجر کی نماز کے وقت جو قرآن پڑھا جاتا ہے اس وقت فرشتوں کی حاضری ہوتی ہے۔ جو اعمال لکھنے والے فرشتے ہیں ایک دائیں طرف اور

ایک بائیں طرف۔ جب صبح کی نماز کھڑی ہوتی ہے تو فرشتوں کی ڈیوٹی بدلتی ہے دن کے فرشتے رات والے فرشتوں سے چارج لے لیتے ہیں اور رات والے فرشتے چلے جاتے ہیں یہ عصر کی نماز تک رہتے ہیں۔ عصر کی نماز کے وقت پھر ڈیوٹی بدلتی ہے رات والے فرشتے ان سے چارج لے لیتے ہیں اور دن والے فرشتے چلے جاتے ہیں۔ فرشتے قرآن پاک بڑے ذوق کے ساتھ سنتے ہیں کیوں کہ ان کو رب تعالیٰ کے ساتھ طبعاً محبت ہے ان کا اور کوئی کام ہی نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں چوں کہ سارے ہی تہجد خوان ہوتے تھے اس لیے آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ صبح صادق ہوتے ہی فوراً فجر کی نماز پڑھا دیتے تھے۔ اور اُمت کے لیے حکم ہے: اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ "صبح کو خوب روشن کر کے پڑھو کیوں کہ اس میں اجر زیادہ ہے۔" کیوں کہ نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے ہر ایک کے ثواب میں زیادتی ہوتی جائے گی۔ یعنی جماعت کی نماز میں جتنے آدمی ہوتے ہیں ہر ایک آدمی کی نماز کا ثواب ہر ایک کو ملتا ہے اپنی نماز کے علاوہ۔ تو جتنے آدمی زیادہ ہوں گے اتنا ثواب بڑھ جائے گا۔

﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ﴾ اور رات کو پس آپ تہجد پڑھیں اس قرآن کے ساتھ۔ تہجد کی نماز میں بھی قرآن کریم پڑھو ﴿نَافِلَةً لَّكَ﴾ یہ زائد ہے آپ کے لیے۔ بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ اس کا یہ معنیٰ کرتے ہیں کہ پانچ نمازیں تو فرض ہیں ہر ایک کے لیے اور اے نبی کریم ﷺ! آپ کے حق میں تہجد مزید فرض ہے۔ لیکن جمہور مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ تہجد کی نماز آپ ﷺ کے لیے پہلے سال فرض رہی ہے بعد میں اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی تھی۔ البتہ نفل نمازیں جتنی ہیں ان میں تہجد کی نماز کا بہت بڑا درجہ ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ سحری کے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتی ہے اور اللہ تعالیٰ آواز دیتے ہیں: هَلْ مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَهٗ "ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا کہ میں اس کو بخش دوں هَلْ مِنْ مُّسْتَرْزِقٍ فَاُرْزِقَهٗ ہے کوئی رزق طلب کرنے والا کہ میں اس کو رزق دوں۔" هَلْ مِنْ كَذَا هَلْ مِنْ كَذَا مختلف چیزوں کے متعلق اعلان ہوتا ہے۔ صبح صادق تک رب تعالیٰ کی طرف سے یہ صدا آتی رہتی ہے اور رب تعالیٰ کی ذات سے سچی ذات اور کوئی نہیں ہے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ رب بلائے اور پھر دے نہ۔ تو نفل نمازوں میں تہجد کا درجہ بڑا بلند ہے۔ آنحضرت ﷺ نے تہجد کے دو نفل بھی پڑھے ہیں، چار رکعتیں بھی پڑھی ہیں اور چھ بھی اور آٹھ بھی اور بارہ رکعات بھی پڑھی ہیں۔

آپ ﷺ کے تہجد پڑھنے کی کیفیت

بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آنحضرت ﷺ کی رات کی نماز کے متعلق ہمیں بتلائیں۔ فرمایا: يُصَلِّيْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَ طُوْلِهِنَّ "آپ ﷺ چار رکعتیں پڑھتے تھے نہ پوچھو ان کی خوبصورتی اور لمبائی کے بارے میں۔" یعنی چار رکعتیں پڑھتے تھے اور بڑی سنوار کر لمبی پڑھتے تھے پھر چار پڑھتے تھے ثُمَّ يُصَلِّيْ ثَلَاثًا پھر تین وتر پڑھتے تھے پھر دو رکعت نفل پڑھتے تھے وتروں کے بعد۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

سے روایت ہے یُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ رَکْعَتَیْنِ "چھ مرتبہ دو دو رکعتیں پڑھیں۔" تو اس طرح بارہ رکعتیں ہو گئیں۔ پھر تین وتر پڑھتے اور اس کے بعد دو نفل پڑھتے۔ تو آٹھ بھی صحابہ سے ثابت ہیں اور بارہ بھی ثابت ہیں۔

میرا اپنا معمول یہ ہے کہ عام سال میں آٹھ رکعات تہجد پڑھتا ہوں اور رمضان المبارک میں بارہ رکعات پڑھتا ہوں کیوں کہ رمضان میں ثواب زیادہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے۔ اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل ہو جاتا ہے۔ باقی لوگوں نے اپنی طرف سے کچھ مسائل گھڑے ہوئے ہیں کہ مثلاً: تہجد کی پہلی رکعت میں اتنی دفعہ قل شریف پڑھو اور دوسری میں اتنی دفعہ اور تیسری میں اتنی دفعہ پڑھو۔ یہ کوئی فقہی مسئلہ نہیں ہے قطعاً۔ جتنا قرآن تمھیں یاد ہے اتنا پڑھ لو۔ عام سب چاروں کو صرف ﴿قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ﴾ یاد ہوتی ہے، پڑھتے ہیں اس میں کوئی تعیین نہیں ہے کہ اتنی دفعہ پڑھو یا اتنی دفعہ پڑھو یہ لوگوں کی خانہ ساز باتیں ہیں۔ اسی طرح عام لوگ بڑے بڑے فضائل کی احادیث سناتے رہتے ہیں ان میں اکثر بے سند ہوتی ہیں یا عملیات والوں کی گھڑی ہوئی سندیں پیش کی ہیں صحیح بہت کم ہوتی ہیں۔ سارا قرآن شریف پڑھو اس میں ساری ضروریات پوری ہو جاتی ہیں اور تہجد کی نماز سحری کے وقت پڑھو صبح سے پہلے بعد میں نہیں پڑھ سکتے۔

مقامِ محمود کی تشریح

﴿عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ قریب ہے کہ کھڑا کرے گا آپ کو آپ کا رب مقامِ محمود میں۔ اس کو اس طرح سمجھو کہ جیسے جلسہ ہوتا ہے تو عام لوگوں کے لیے جلسہ گاہ میں دریاں بچھاتے ہیں یا پرال وغیرہ ڈالتے ہیں اور لیڈروں کے لیے سٹیج ہوتا ہے۔ اسی طرح میدانِ محشر میں پیغمبروں کے لیے مخصوص جگہ ہوگی عام لوگ میدان میں ہوں گے۔ اس مخصوص جگہ میں پھر ایک خاص جگہ ہوگی اس کا نام مقامِ محمود ہے وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوں گے لواء الحمد حمد کا جھنڈا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کا نام ہے، یہ لہرا رہا ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سارے پیغمبر میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ فرمایا: انا سیّد ولد ادم "میں آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں۔" اس مقامِ محمود میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ ریز ہوں گے پچاس ہزار سال کا لمبا دن ہوگا سورج میل یا دو میل کی مسافت پر ہوگا لوگ پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے۔ بخاری شریف کی روایت ہے ایک ہفتے یا پندرہ دن کا لمبا سجدہ ہوگا۔ فرمایا: يُلْهِمُنِيْ بِمَحَامِدَ لَمْ تَحْضُرْنِيْ اْلاٰنَ "اللہ تعالیٰ مجھے سجدے میں ایسے کلمات الہام فرمائیں گے جو آج مجھے معلوم نہیں ہے۔" اللہ تعالیٰ فرمائیں گے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اِرْفَعْ رَاْسَكَ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! سر اٹھاؤ سفارش کرو آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔" اسی کا نام شفاعت کبریٰ ہے۔ یہ تمام مخلوق کے لیے ہوگی کہ حساب کتاب جلدی شروع ہو جائے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔

فرمایا ﴿وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ﴾ اور کہو اے میرے رب! مجھے داخل کریں سچائی کا داخل کرنا۔ مکہ والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لے کر غارِ ثور میں روپوش ہو گئے۔ حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ڈیوٹی تھی کہ وہ سارا دن مکہ میں رہتے لوگوں کی باتیں سنتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کیا باتیں کرتے ہیں اور رات کی تاریکی میں جا کر بتلاتے تھے اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ دودھ غار میں پہنچاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تین دن اور تین راتیں غار ثور میں چھپے رہے۔ تین دن کے بعد عبداللہ بن اُرَیْقِط کی رہبری میں مدینہ طیبہ پہنچے۔ اس موقع پر رب تعالیٰ نے فرمایا کہو اے پروردگار! داخل کریں مجھے سچائی کا داخل کرنا ﴿وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ﴾ اور مکے سے نکال مجھ کو سچائی کا نکالنا۔ سچائی لے کر جاؤں اور سچائی کے ساتھ داخل ہوں، سچ پر قائم رہو۔ ﴿وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا﴾ اور بنائیں آپ میرے لیے اپنی طرف سے غلبہ مدد کیا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی اور صرف آٹھ سال کے بعد مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔ آٹھ سال قوموں کے لیے کوئی چیز نہیں ہوتے۔

کعبۃ اللہ کی بیرونی دیواروں پر چاروں طرف تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بت تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بت تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کا بت تھا اور سب سے بڑا بت ہُبُل کا تھا حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل کا۔ یہ کعبۃ اللہ کے مجاوروں نے اپنے کھانے کے ڈھنگ بنائے ہوئے تھے۔ آج اس کے نام کا چڑھاوا کل اس کے نام کا چڑھاوا، پرسوں اس کے نام کا چڑھاوا۔ سال کے تین سو ساٹھ دنوں میں کوئی دن خالی نہیں ہوتا تھا۔ جس دن مکہ فتح ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ جا کر بت گراؤ کیوں کہ میرا دل نہیں چاہتا کہ میں کعبہ کے قریب جاؤں جب کہ بت بھی وہاں موجود ہوں۔ پھر خود خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی ہمت عطا فرمائی ہے میں خود کیوں نہ جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں لاٹھی تھی ایک ایک بت کو مارتے جاتے تھے اور فرماتے ﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا، مٹ گیا۔

اس موقع پر فرمایا ﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ اور آپ کہیں حق آ گیا ہے اور باطل چلا گیا ہے ﴿اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ بے شک باطل بھاگنے والا، دوڑنے والا اور اُڑنے والی چیز ہے ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ اور ہم اُتارتے ہیں قرآن کریم سے ﴿مَا﴾ وہ چیز ﴿هُوَ شِفَآءٌ﴾ جو شفا ہے۔ قرآن کریم روحانی بیماریوں کے لیے تو شفا ہے ہی جسمانی بیماریوں کے لیے بھی شفا ہے اگر ہمیں شفا حاصل نہیں ہوتی تو اس میں ہمارے اندر کمی ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے "اعمال قرآنی" اور دوسرے بزرگوں نے بھی لکھی ہیں۔ اعمال قرآنی چھوٹا سا رسالہ ہے اس میں اُنھوں نے بتلایا ہے کہ یہ پڑھو گے تو اس بیماری سے شفا ہوگی، یہ پڑھو گے تو اس سے شفا ہوگی، یہ پڑھو گے تو فلاں تکلیف دور ہوگی۔ لیکن یاد رکھنا! دم جھاڑ کے لیے نیک ہونا شرط ہے۔ اگر کوئی گناہ کرے، جھوٹ بولے، غیبت کرے اور حرام کھائے تو پھر اثر کم ہوتا ہے۔ قرآن میں اثر ضرور ہے ہماری زبان اور ہمارے عمل میں کوئی اثر نہیں ہے۔ تو قرآن شفاء ہے ﴿وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور رحمت ہے مومنوں کے لیے ﴿وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا﴾ اور نہیں زیادہ کرتا ظالموں کے لیے قرآن مگر نقصان۔ جیسے جیسے قرآن نازل ہوتا ہے وہ انکار کرتے ہیں، انکار کرتے ہیں، انکار کرتے ہیں، کفر

بڑھتا ہے، خسارا بڑھتا ہے، ان کو نقصان ہی نقصان ہے۔

انسان کی ناشکری کا بیان

آگے اللہ تعالیٰ نے انسان کی ملوّن مزاجی اور ناشکری کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے ﴿وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ﴾ اور جس وقت ہم انعام کرتے ہیں انسان پر تو اعراض کرتا ہے ہمیں یاد نہیں کرتا۔ مال و دولت دیتے ہیں، اولاد دیتے ہیں، عزت دیتے ہیں ﴿وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ﴾ اور پہلو تہی کرتا ہے، ہماری یاد سے گریز کرتا ہے ﴿وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ﴾ اور جس وقت اس کو پہنچتی ہے تکلیف ﴿كَانَ يَئُوْسًا﴾ نا اُمید ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید ہونا گناہ ہے اور رب تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہونا بھی گناہ ہے۔ اَلْاِيْمَانُ بَيْنَ الرَّجَآءِ وَالْخَوْفِ "ایمان اُمید اور خوف کے درمیان ہے۔" اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی رحمت کی اُمید بھی رکھو۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی پر انعام کرے تو وہ رب تعالیٰ کا زیادہ شکر ادا کرے ناشکری نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے ترقی دی ہے مال اولاد میں کشادگی پیدا فرمائی ہے۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ﴾ [شوریٰ:۲۷] "اور اگر اللہ تعالیٰ کشادگی پیدا کر دے رزق میں اپنے بندوں کے لیے تو سرکشی کرتے ہیں زمین میں۔" کہ مال کو فضول خرچی میں اُڑاتے ہیں۔ فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ﴾ ہر ایک عمل کرتا ہے اپنے طریقے پر، مومن اپنی جگہ اور کافر اپنی جگہ۔ ﴿فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا﴾ پس تمھارا رب خوب جانتا ہے اس کو جو زیادہ ہدایت یافتہ ہے راستے کے لحاظ سے۔ وہ گمراہوں کو بھی جانتا ہے اور ہدایت یافتوں کو بھی جانتا ہے۔

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ﴾ اور سوال کرتے ہیں یہ لوگ آپ سے ﴿عَنِ الرُّوْحِ﴾ روح کے بارے میں ﴿قُلِ﴾ آپ کہہ دیں ﴿الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾ روح میرے رب کے امر سے ہے ﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ﴾ اور نہیں دیئے گئے تم ﴿مِّنَ الْعِلْمِ﴾ علم سے ﴿اِلَّا قَلِيْلًا﴾ مگر بہت تھوڑا ﴿وَلَئِنْ شِئْنَا﴾ اور البتہ اگر ہم چاہیں ﴿لَنَذْهَبَنَّ﴾ البتہ ہم لے جائیں ﴿بِالَّذِيْٓ﴾ وہ چیز ﴿اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ﴾ جو وحی کی ہم نے آپ کی طرف ﴿ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ﴾ پھر آپ نہیں پائیں گے اپنے لیے ﴿بِهٖ﴾ اس کی وجہ سے ﴿عَلَيْنَا﴾ ہمارے خلاف ﴿وَكِيْلًا﴾ کوئی وکیل ﴿اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ مگر رحمت ہے تیرے رب کی طرف سے ﴿اِنَّ فَضْلَهٗ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا فضل ﴿كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا﴾ ہے آپ پر بڑا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ﴾ البتہ اگر جمع ہو جائیں سارے انسان، ﴿وَالْجِنُّ﴾ اور جن ﴿عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا﴾ اس بات پر کہ لائیں ﴿بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ اس قرآن کے مثل ﴿لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ﴾ نہیں لا سکتے اس کی مثل ﴿وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ﴾ اور اگرچہ ہوں ان کے بعض ﴿لِبَعْضٍ﴾ بعض کے لیے

﴿ظَهِيرًا﴾ مددگار ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے پھیر پھیر کر بیان کی ہیں ﴿لِلنَّاسِ﴾ لوگوں کے لیے ﴿فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ اس قرآن کریم میں ﴿مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ ہر قسم کی مثالیں ﴿فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ﴾ پس انکار کیا اکثر لوگوں نے ﴿اِلَّا كُفُوْرًا﴾ مگر نہ ماننے کا۔

مدینہ طیبہ میں یہودیوں کے تین خاندان

مدینہ طیبہ میں یہودی کافی تعداد میں تھے۔ ان کے تین خاندان تھے بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریضہ۔ یہ پڑھے لکھے لوگ تھے۔ تجارت پر ان کا قبضہ تھا، تعلیم ان کے ہاتھ میں تھی اور سیاست ان کے پاس تھی۔ ان کے علاوہ وہاں دو قبیلے اوس وخزرج کے تھے۔ یہ لوگ اَن پڑھ اور یہود سے مرعوب تھے۔ یہود کا ان پر اتنا اثر ورسوخ تھا کہ اگر اوس وخزرج کے کسی آدمی نے اپنی لڑکی یا لڑکے کی شادی کرنی ہوتی تھی رشتہ کرنا ہوتا تھا تو اس محلے کے بڑے یہودی سے مشورے کے بغیر نہیں کرسکتا تھا۔ اس کو پوچھنا پڑتا تھا کہ میں اپنی لڑکی کا رشتہ فلاں جگہ کرنا چاہتا ہوں تمھاری کیا رائے ہے؟ اجازت ہے یا نہیں۔ اس سے تم اندازہ لگاؤ کہ یہود کا ان پر کتنا اثر ورسوخ تھا۔ باوجود یہ کہ ان کا عقیدہ علیحدہ تھا اور یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ یہودی پاس سے گزریں اور یہ سلوٹ نہ ماریں۔ لیکن جب آنحضرت ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو لوگوں نے اصل علم دیکھا، اخلاق دیکھے، کردار سامنے آیا تو آنکھیں کھل گئیں۔ معلوم ہوا کہ یہود کے پاس تو شعبدہ بازی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ یہودی کے پاس سے گزرے تو وہ انتظار کرتا کہ یہ مجھے سلام کرے گا لیکن وہ نہیں کرتا تھا۔ اس پر یہودی بڑے کڑھتے تھے کہ یہ لوگ تو ہمیں سلوٹ کیے بغیر نہیں گزرتے تھے اور اب ہمیں پوچھتا بھی کوئی نہیں ہے۔ کہنے لگے یہ ساری وجہ آنحضرت ﷺ کی ہے کہ ان کے آنے سے ہمارے حالات تبدیل ہوئے ہیں۔ تو پھر انھوں نے آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر مختلف قسم کے الزامات لگانے شروع کیے جو دشمن کا طریقہ ہوتا ہے۔

جیسے اس وقت دشمنوں نے طالبان حکومت کے خلاف پروپیگنڈا شروع کیا ہوا ہے۔ کیوں کہ اس وقت وہ دنیا میں واحد اسلامی امارت ہے جس میں مکمل دین نافذ ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دور کے بعد یہ طالبان کی پہلی حکومت ہے جس میں خلافتِ راشدہ کا نظام نافذ ہے۔ درمیان میں نیک دل بادشاہ بہت ہوئے ہیں جیسے سلطان الپ ارسلان سلجوقی رحمۃ اللہ علیہ، صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ، محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ، غوری رحمۃ اللہ علیہ بڑے نیک دل بادشاہ گزرے ہیں مگر من وعن اسلام نافذ نہیں کرسکے حالات ایسے نہیں تھے۔

تو عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دور کے بعد اس وقت پوری دنیا میں اگر خلافت راشدہ کا نظام ہے تو وہ صرف افغانستان میں ہے۔ مگر دشمن ہاتھ دھو کر پیچھے پڑا ہوا ہے اور پروپیگنڈا ایسا کرتے ہیں کہ جس سے لوگوں کے ذہن خراب ہوتے ہیں۔ تو خیر یہودیوں نے منصوبہ بنایا کہ آنحضرت ﷺ سے سوال کر کے ان کو لوگوں کے سامنے شرمندہ کرو۔ یعنی سوال ایسے کرو کہ جن کا یہ

جواب نہ دے سکیں پھر لوگوں کو کہو کہ تم لوگ اس کے علم کے بڑے گن گاتے ہو اس کو تو کچھ پتا ہی نہیں ہے۔

یہودیوں کے تین سوالوں کا ذکر :

ایک موقع پر انھوں نے آنحضرت ﷺ سے تین سوال کیے۔

- ...... ایک یہ کہ ہمیں روح کی حقیقت بتلاؤ کیا ہے؟
- ...... دوسرا یہ بتلاؤ کہ اصحاب کہف کون بزرگ تھے، ان کے کیا کارنامے ہیں؟
- ...... اور تیسرا سوال ذوالقرنین کے متعلق کہ کون بزرگ تھے، ان کے حالات کیا تھے؟

یہ تین سوال یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے کیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کل بتادوں گا زبان سے ان شاء اللہ نہ کہہ سکے۔ اس بات کا تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ ﷺ کے دل میں یہ خیال ہو کہ رب کی مشیت کے بغیر میں یہ کرلوں گا۔ یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بس زبان سے نہ کہہ سکے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ کسی کا پابند نہیں ہے وہ ہر ایک سے پوچھ سکتا ہے چاہے کتنی بڑی سے بڑی ہستی کیوں نہ ہو۔

ایک دن گزرا تو وہ آئے کہ ہمارے سوالوں کا جواب نہیں آیا ہمارے سوالوں کا جواب دو فَتَاَخَّرَ الْوَحْيُ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پندرہ دن وحی نہ آئی۔ یہودیوں نے بغلیں بجانا شروع کیں، روزانہ آکر سوال کرتے، تنگ کرتے، ستاتے، جواب دو۔ پندرہ دن کے بعد وحی آئی ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ [کہف: ۲۳-۲۴] "اور نہ کہیں آپ کسی چیز کے بارے میں کہ میں اس کو کرنے والا ہوں کل مگر یہ کہ ساتھ ان شاء اللہ کہو، مگر یہ اللہ چاہے گا تو ہوگا۔" اس مقام پر روح کے متعلق ذکر ہے اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں سورۂ کہف میں قدرے تفصیل آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ﴾ اور سوال کرتے ہیں یہ لوگ آپ سے ﴿عَنِ الرُّوْحِ﴾ روح کے بارے میں کہ روح کیا چیز ہے؟ ﴿قُلِ﴾ آپ کہہ دیں ﴿الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾ روح میرے رب کا ایک امر ہے۔ جب تک جان دار کے جسم میں روح ہے وہ حیات ہے روح نکلی تو ممات ہے۔ پھر محض دھڑ ہے اور اس کی حقیقت تم نہیں جان سکتے۔ ﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ اور نہیں دیئے گئے تم علم سے مگر بہت تھوڑا۔ روح کی حقیقت کو صرف رب تعالیٰ ہی جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا۔ بس اس بدن میں جب تک روح ہے زندگی ہے جب نکل جائے تو لاشئ ہے۔ جس طرح اس جسم کی زندگی روح کے ساتھ ہے اسی طرح روحانی حیات قرآن پاک کے ذریعے ہے۔ اس وقت آسانی کتابوں میں سے صرف قرآن کریم ہے جس کے ساتھ تمام اقوام عالم کی زندگی وابستہ ہے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَئِنْ شِئْنَا﴾ اور اگر البتہ ہم چاہیں ﴿لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ﴾ البتہ ہم لے جائیں سلب کرلیں وہ چیز جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ﴿ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا﴾ پھر آپ

نہیں پائیں گے اپنے لیے اس کی وجہ سے ہمارے خلاف کوئی وکیل۔

کرنا اور چیز ہے اور کر سکنا اور چیز ہے

یہ قرآن اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے واپس نہیں لیا، چھینا نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے قدرت بتلائی ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔ تو کرنے اور کر سکنے میں بڑا فرق ہے۔ اہل حق کا یہی مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے باقی بالفعل کسی چیز کا کرنا یا نہ کرنا وہ الگ بات ہے۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ نے ابولہب کو دوزخی کہا ہے اور جائے گا بھی دوزخ میں رب تعالیٰ اس کے خلاف نہیں کرے گا لیکن اگر اس کے خلاف کرنا چاہے کہ اس کو جنت میں بھیج دے تو کر سکتا ہے قدرت حاصل ہے۔

معتزلہ، رافضی، خارجی، بریلوی، یہ چار طبقے کہتے ہیں کہ رب اس خلاف کر ہی نہیں سکتا کیوں کہ وہ فرما چکا ہے لہٰذا کر ہی نہیں سکتا۔ اہل حق کہتے ہیں کہ کرے گا نہیں لیکن اگر کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ اب دیکھو! انہی آیات پر غور کرو کہ قرآن کریم رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھینا تو نہیں ہے لیکن قدرت بتلائی ہے ﴿وَلَئِنْ شِئْنَا﴾ اور اگر ہم چاہیں تو لے جائیں آپ سے وہ وحی جو ہم نے آپ کی طرف کی ہے۔ قدرت اللہ اور ہے اور سنت اللہ اور ہے، کرنا اور ہے اور کر سکنا اور ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑی شخصیت گزرے ہیں ان کی وجہ سے ہندوستان میں اسلام پھیلا ہے۔ اکبر نے بے دینی پھیلائی۔ جیسے ہمارے حکمران بے دین ہیں وہ بھی ایسا ہی تھا اور اس بے دینی کو دین کی شکل دے دی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو انھوں نے اکبری دین کا خوب مقابلہ کیا اور لوگوں کے ذہن صاف کیے۔ حکمران طبقے نے ہمیشہ یہ چاہا ہے کہ اتنا اسلام رہے کہ جس سے ہماری کرسی محفوظ رہے۔ اس سے زیادہ کی ان کو ضرورت نہیں ہے۔ حضرت کے مکتوبات بڑی بڑی جلدوں میں ہیں جن میں توحید، رسالت، قیامت، تصوف کے علوم سے بھرے ہوئے ہیں دفتر کے دفتر ہیں۔

مکتوبات شریف میں ہے کہ ایک سائل نے سوال کیا کہ حضرت! یہ بتلاؤ کہ ایک آدمی نیک متقی پرہیز گار ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ جنت کا وعدہ کیا ہے کیا رب اس کو دوزخ میں ڈال سکتا ہے یا نہیں؟ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسل میں سے تھے، فاروقی تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان بھی فاروقی ہے۔ وہ آبائی اثرات سب میں موجود ہیں کہ اَشَدُّهُمْ فِيْ أَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ دین کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت عمر ہیں، رضی اللہ عنہ۔ تو دین کے معاملے میں سختی سب میں موجود ہے۔ تو حضرت نے پوچھنے والے کو جواب دیا کہ ایک نیک کے متعلق پوچھتے ہو" اگر ہمہ را دوزخ فرستاد جائے اعتراض نیست۔" تمام نیکوں کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں پھینک دے تو اس کو کوئی پوچھ نہیں سکتا ہے۔ مگر ایسا کرے گا نہیں۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن چھینا نہیں ہے لیکن قدرت بتلائی ہے کہ اگر ہم چاہیں تو لے جائیں وہ وحی جو

ہم نے آپ کی طرف کی ہے۔ ہمیں قدرت ہے پھر آپ اپنے لیے ہمارے خلاف کسی کو وکیل بھی نہیں پائیں گے لیکن کرتے نہیں۔ ﴿اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ مگر رحمت ہے تیرے رب کی طرف سے جو قرآن کو باقی رکھا ہے آپ کے سینے میں ﴿اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ کا فضل ہے آپ پر بڑا۔ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سے سب سے بلند اور اونچی آپ ﷺ کی شان ہے۔ آپ ﷺ کی شان کو نہ عرش پہنچ سکتا ہے نہ کرسی، نہ لوح، نہ قلم، کوئی چیز اس درجے کو نہیں پہنچ سکتی نہ اس جہان میں اور نہ آخرت میں۔ مگر اس رتبے اور درجے کے باوجود آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے احکام کے پابند ہیں۔ خدائی اختیارات خدا کے پاس ہیں آپ ﷺ کے پاس نہیں ہیں۔

قرآن کریم کے سچے ہونے کی دلیل

آگے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے متعلق فرمایا ہے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ﴾ اگر جمع ہو جائیں سارے انسان اور سارے جن ﴿عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ اس بات پر کہ لائیں اس قرآن کے مثل۔ اس قرآن جیسی کتاب بنا کر لائیں ﴿لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ﴾ نہیں لا سکتے اس کتاب کی مثل ﴿وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ اور اگرچہ ہوں ان کے بعض بعض کے مددگار۔ پوری طاقت کے ساتھ ایک دوسرے کی مدد کریں پھر بھی نہیں لا سکتے۔ سالہا سال اس چیلنج پر گزر گئے ہیں آج تک اس چیلنج کو کوئی قبول نہیں کر سکا نہ آج تک کوئی لا سکا ہے اور نہ قیامت تک لا سکیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے چھوٹ دی قرآن پاک جیسی دس سورتیں لے آؤ ﴿فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ﴾ [ہود: ۱۳] "لاؤ دس سورتیں اس جیسی گھڑی ہوئی۔" اگر تم کہتے ہو کہ یہ گھڑ کے لایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر جس کو تم بلا سکتے ہو بلا لو، جنات، انسان، فرشتے۔ پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ [بقرہ: ۲۳] "اور اگر ہو تم شک میں اس چیز کے متعلق جو ہم نے نازل کی ہے اپنے بندے پر پس لے آؤ تم ایک سورت چھوٹی سی اس جیسی۔" قرآن پاک کی تین سورتیں سب سے چھوٹی ہیں: ① ایک سورۃ العصر ② دوسری سورۃ الکوثر ③ اور تیسری سورۃ النصر۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر سب انسانوں، فرشتوں اور جنات کو ساتھ ملا لو تم قرآن پاک کی چھوٹی سی سورت کے مثل نہیں لا سکتے۔ بڑی کوشش کی گئی ہے مگر آج تک کوئی نہیں لا سکا اور نہ قیامت تک لا سکے گا۔ مسیلمہ کذاب نے ایک قرآن بنایا تھا جو معمولی سی بھی عربی جانتا ہے اس کو پڑھ کر ہنسے گا کہ یہ کیا خرافات ہیں اس کو پڑھتے ہی شرم آتی ہے۔ تو فرمایا اس قرآن جیسا قرآن نہیں لا سکتے چاہے ایک دوسرے کی مدد کریں۔

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے پھیر پھیر کر بیان کی ہیں ﴿لِلنَّاسِ﴾ لوگوں کے لیے ﴿فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ اس قرآن کریم میں ہر قسم کی مثالیں۔ کبھی نقلی دلائل بیان کیے، کبھی عقلی دلائل بیان کیے، کبھی آسمان کی طرف توجہ دلائی، کبھی زمین کی طرف توجہ دلائی، کبھی پہاڑوں کی طرف، کبھی انسان کو اپنے وجود کی طرف توجہ دلائی کہ اے انسان! تم اپنی حقیقت

کو دیکھو تم کیا تھے۔ سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی مثال بیان فرمائی ہے۔ ﴿فَاَبٰۤی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا﴾ پس انکار کیا اکثر لوگوں نے مگر نہ ماننے کا۔ ہمیشہ اکثریت انکار پر ہی رہی ہے۔ آج بھی اور قیامت تک رہے گی۔ حق کو ماننے والے ہمیشہ بہت تھوڑے رہے ہیں اس لیے قلت سے نہ گھبراؤ۔ اس وقت دنیا کی آبادی چھ ارب بتلاتے ہیں جن میں سوا ارب مسلمان ہیں جو کلمہ پڑھنے والے ہیں مگر اس میں بھی سارے حقیقتاً کلمہ پڑھنے والے نہیں ہیں کہ ان میں رافضی بھی ہیں، ذکری، بابی اور قادیانی بھی ہیں، منکرین حدیث بھی ہیں باطل فرقوں کے ساتھ مردم شماری کی ہے۔ لیکن صحیح معنٰی میں مسلمان کتنے ہیں۔ حقوق اللہ ادا کرنے والے اور حقوق العباد ادا کرنے والے بہت تھوڑے ہیں۔ بس دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان مرد عورت کو ایمان پر قائم رکھے۔ [آمین]

﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا کافروں نے ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ﴾ ہم ہرگز نہیں ایمان لائیں گے آپ پر ﴿حَتّٰى﴾ یہاں تک کہ ﴿تَفْجُرَ لَنَا﴾ بہادیں آپ ہمارے لیے ﴿مِنَ الْاَرْضِ﴾ زمین سے ﴿يَنْۢبُوْعًا﴾ چشمے ﴿اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ﴾ یا ہو آپ کے لیے باغ ﴿مِّنْ نَّخِيْلٍ﴾ کھجوروں کا ﴿وَّعِنَبٍ﴾ اور انگوروں کا ﴿فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ﴾ پس چلائیں آپ نہریں ﴿خِلٰلَهَا﴾ اس باغ کے درمیان ﴿تَفْجِيْرًا﴾ چلا دینا ﴿اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ﴾ یا آپ گرادیں آسمان کو ﴿كَمَا زَعَمْتَ﴾ جیسا کہ آپ خیال کرتے ہیں ﴿عَلَيْنَا﴾ ہمارے اُوپر ﴿كِسَفًا﴾ ٹکڑے کر کے ﴿اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ﴾ یا آپ لے آئیں اللہ تعالیٰ کو ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةِ﴾ اور فرشتوں کو ﴿قَبِيْلًا﴾ سامنے ﴿اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ﴾ یا ہو آپ کے لیے مکان ﴿مِّنْ زُخْرُفٍ﴾ سنہری ﴿اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ﴾ یا آپ چڑھ جائیں آسمان کی طرف ﴿وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ﴾ اور ہم ہرگز تصدیق نہیں کریں گے آپ کے چڑھ جانے کی ﴿حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا﴾ یہاں تک کہ آپ اُتار لائیں ہم پر ﴿كِتٰبًا﴾ کتاب ﴿نَّقْرَؤُهٗ﴾ جس کو ہم پڑھیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿سُبْحَانَ رَبِّيْ﴾ پاک ہے میرا رب ﴿هَلْ كُنْتُ﴾ نہیں ہوں میں ﴿اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ مگر بشر ہوں رسول ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیغمبروں کی تصدیق کے لیے بہت سے معجزات ان کے ہاتھ پر صادر فرمائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی بہت سارے معجزات صادر فرمائے۔ یہ قرآن پاک جس کے متعلق کل گزر چکا ہے کہ اس جیسی کوئی چھوٹی سی سورت نہیں لاسکتا چاہے ساری دنیا اکٹھی ہو جائے اور آپ کا یہ معجزہ قیامت تک رہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چاند کو دو ٹکڑے کیا سب نے آنکھوں سے دیکھا اور اسی سورت میں تم پڑھ چکے ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے معراج جسمانی کرایا یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائے۔ ضد، عناد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

کافروں کے مطالبات کا تذکرہ

اس مقام پر کافروں کے ان مطالبات کا ذکر ہے جن کی ان لوگوں نے فرمائش کی تھی کہ اگر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں تو ان چیزوں کو صادر فرمائیں پھر ہم مانیں گے۔ ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا کافروں نے ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ﴾ ہم ہرگز نہیں ایمان لائیں گے آپ پر ﴿حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا﴾ یہاں تک کہ آپ بہادیں چلادیں ہمارے لیے ﴿مِنَ الْاَرْضِ﴾ زمین سے ﴿يَنْبُوْعًا﴾ چشمے۔ اس وقت مکہ مکرمہ میں صرف زم زم کا چشمہ ہوتا تھا قریب کوئی جگہ تھی جہاں پانی کے کچھ چھوٹے چھوٹے چشمے ہوتے تھے۔ پہاڑی علاقہ ہے پانی کی بڑی قلت ہوتی تھی۔ اب تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پانی کی بڑی سہولت ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے زبیدہ رحمہا اللہ تعالیٰ کو کہ سب چشموں کا پانی جمع کر کے مکہ مکرمہ پہنچایا۔ نہر زبیدہ کی وجہ سے مکہ والے خوش حال ہیں اسی کا پانی پیتے ہیں۔ (اب یہ نہر بند ہو چکی ہے اس کے نشانات موجود ہیں اور کہیں کہیں پانی کھڑا بھی نظر آتا ہے لیکن نہر چالو نہیں ہے۔ لیکن ۲۴۔ اگست ۲۰۱۰ء بروز منگل کو شاہ عبداللہ نے اعلان کیا ہے کہ میں نہرِ زبیدہ کو مکہ والوں کے لیے وقف کرتا ہوں۔ چنانچہ اب یہ نہر دوبارہ جاری کر دی جائے گی۔ بلوچ)

تو کافروں نے کہا کہ ہم ہرگز نہیں ایمان لائیں گے آپ پر یہاں تک کہ آپ بہادیں ہمارے لیے چشمے۔ پتا چلے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور یہ قدرت اور طاقت آپ کو حاصل ہے۔ ﴿اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ﴾ یا ہو آپ کے لیے باغ ﴿مِّنْ نَّخِيْلٍ﴾ کھجوروں کا ﴿وَّعِنَبٍ﴾ اور انگوروں کا۔ ہمیں نہ دینا آپ کا ہی ہو ہم یہ دیکھیں کہ پیغمبر کا باغ ہے ﴿فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا﴾ پس چلائیں آپ نہریں اس باغ کے درمیان میں چلانا۔ تاکہ ہم پیغمبر کی خصوصیت تو سمجھیں۔ اب حال یہ ہے کہ ہمیں تو سیر ہو کر روٹی ملتی ہے آپ کو تو سیر ہو کر کھانا بھی نہیں ملتا۔ احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو دو دن تین دن مسلسل گندم کی روٹی سیر ہو کر نصیب نہیں ہوئی۔ سالن کے ساتھ جو کی روٹی کسی وقت ملی اور کسی وقت نہیں ملی۔ کبھی ستو کھا لیے، کبھی کھجوریں اور کبھی دودھ پر گزارا کیا۔

تو اگر آپ خدا کے پیغمبر ہیں تو تمھارے لیے کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہونا چاہیے درمیان میں نہریں بہتی ہوں تاکہ معلوم ہو کہ خدا کا پیغمبر ہے۔ آپ لوگوں کو ڈراتے ہیں کہ اگر میری بات نہیں مانو گے رب تعالیٰ کی نافرمانی کرو گے تو تم پر آسمان سے پتھر برسیں گے جیسا کہ لوط علیہ السلام کی قوم پر برسے تھے اور ہو سکتا ہے کہ آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تم پر گر پڑے۔ اس کا ذکر ہے ﴿اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ﴾ یا آپ گرادیں آسمان کو ﴿كَمَا زَعَمْتَ﴾ جیسا کہ آپ خیال کرتے ہیں ﴿عَلَيْنَا﴾ ہمارے اوپر ﴿كِسَفًا﴾ ٹکڑے کر کے۔ کِسَفًا کِسْفَةٌ کی جمع ہے، آسمان کے ٹکڑے ہم پر گرادیں۔ ہم مر جائیں گے اور میدان آپ کے لیے صاف ہو جائے گا۔ خوشی نہیں دکھا سکتے تو اس طرح کرو۔ ﴿اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا﴾ یا ایسا کرو کہ لے آؤ اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو سامنے۔ قَبِيْلًا کا معنیٰ ہوتا ہے بالکل سامنے۔ آگے اللہ تعالیٰ کھڑے ہوں اور پیچھے فرشتے کھڑے ہوں اور کہیں کہ یہ میرا پیغمبر ہے اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی تائید کریں کہ ہاں واقعی یہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں پھر ہم مانیں گے ﴿اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ﴾ یا آپ

کے لیے مکان ہو سنہری۔ دیواریں سونے کی، چھت سونے کی، دروازے کھڑکیاں سونے کی، پلنگ کرسیاں سونے کی، ہمیں پتا تو چلے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہے ہمیں نہ دینا آپ کے لیے ہی ہوتا کہ نبی غیر نبی کا فرق ہمیں معلوم ہو۔

اور صورت حال یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہائش کے لیے مکان نہیں تھا۔ جس مکان میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی ہے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کا قبضہ تھا۔ پھر اس کے بڑے بیٹے طالب نے اس پر قبضہ کر کے سارا مکان بیچ دیا اور اپنے باقی تین بھائیوں کو بھی حصہ نہ دیا۔ باقی تینوں بھائی مسلمان ہو کر فوت ہوئے ہیں۔ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک ہمشیرہ تھی اُمِ ہانی رضی اللہ عنہا۔ فاختہ اس کا نام تھا، رضی اللہ عنہا۔ آج اس کے نام پر حرم کا ایک دروازہ ہے "باب اُمِ ہانی" اندر بھی بڑے جلی حروف میں لکھا ہوا ہے اور باہر بھی۔ تو طالب نے وہ مکان بیچ کر رقم ساری خورد برد کر دی۔ ۸ھ میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے پوچھا حضرت! اب آپ اپنے مکان میں ٹھہریں گے جو آپ کا آبائی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ مکان ہمارے لیے کہاں چھوڑا ہے طالب نے اور عقیل نے وہ مکان تو ختم ہو گیا۔ فرمایا خیف بنی کنانہ میں ٹھہریں گے۔ یہ ایک جگہ تھی اُوپر چھپر (شہتیر) پڑا ہوا تھا اور مشرک یہاں اکٹھے ہو کر گپیں مارتے تھے۔ جہاں کافروں نے ہمارے خلاف سازش کی تھی اَنْ لَّا یُنَاکِحُوْھُمْ وَلَا یُبَایِعُوْھُمْ۔ "کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ نہ نکاح کریں گے اور نہ خرید و فروخت کریں گے۔" اور رب تعالیٰ کی قدرت بتلائی کہ جس جگہ تم نے ہمارے خلاف کارروائی پر اتفاق کیا تھا آج وہاں ہمارا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو سادہ مکان بھی نہیں تھا چہ جائے کہ سونے کی کھڑکی ہوتی۔ پھر جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح ہوا تو ان کے اپنے ذاتی مکان تھے ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم رہتے تھے۔

﴿اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ﴾ یا آپ چڑھ جائیں آسمان کی طرف ﴿وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ﴾ اور ہم ہرگز تصدیق نہیں کریں گے آپ کے چڑھ جانے کی ﴿حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ﴾ یہاں تک کہ آپ اتار لائیں ہم پر کتاب جس کو ہم پڑھیں۔ ہمارے سامنے آپ آسمان کی طرف جائیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو کتاب دے ہم دیکھ رہے ہوں وہ کتاب آپ لے کر آئیں اس کو ہم پڑھیں اس میں لکھا ہوا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے رسول ہیں پھر ہم مانیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خدائی اختیارات نہیں تھے

اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ان مطالبات کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ ان پر اپنی حیثیت خود واضح فرما دیں اور ان کو بتا دیں کہ معجزات اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں میں خدا نہیں ہوں اور نہ ہی خدائی اختیارات میرے پاس ہیں۔ فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿سُبْحَانَ رَبِّیْ﴾ پاک ہے میرا رب ہر عیب، نقص اور کمزوری سے۔ وہ جس طرح چاہے اور جو چاہے کر سکتا ہے ﴿هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ نہیں ہوں میں مگر بشر ہوں رسول ہوں۔ میں نے خدائی کا دعویٰ کب کیا ہے کہ تم خدائی افعال کا مجھ سے مطالبہ کرتے ہو۔ میں تو انسان ہوں دوسرے انسانوں کی طرح اور دوسرے رسولوں کی طرح رسول ہوں۔

اور انبیاء کے بس میں یہ نہ تھا کہ وہ اپنے اختیار سے معجزات صادر کریں۔ اس سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوا اگر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار اور بس میں یہ ہوتا کہ وہ معجزات کو ظاہر کر سکتے تو اس سے بڑھ کر مناسب موقع اور کیا ہوسکتا تھا جس میں مشرکین نے از روئے تعنت وعناد اور از روئے فرمائش اور امتحان آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معجزات طلب کیے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ایمان لانے کے حریص بھی تھے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب ارشاد ہوا کہ آپ صاف لفظوں میں فرما دیں کہ جیسے پہلے پیغمبر آئے اور وہ بشر اور آدمی تھے کسی پیغمبر کو خدائی اختیارات حاصل نہیں تھے ان کا تو صرف یہ کام تھا کہ جو حق تعالیٰ کی طرف سے ملا وہ انھوں نے بلا کم وکاست پہنچا دیا اور اپنے ہر کام کو خدائے واحد کے سپرد کیا کہ میں اپنا فریضہ رسالت ادا کر رہا ہوں۔ فرمائشی معجزے دکھانا نہ دکھانا اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے چاہے تو دکھائے اور چاہے تو نہ دکھائے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورہ مومن آیت نمبر ۷۸ میں ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ ﴿وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ "کسی نبی یا رسول کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ از خود کوئی نشانی یا معجزہ پیش کرے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔"

اور یہ بھی بتا دیا کہ میں انسان ہوں فرشتہ اور نوری مخلوق نہیں۔ اور جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے ہیں وہ سارے کے سارے انسان تھے، بشر تھے، آدم علیہ السلام کی اولاد تھے۔ سب سے پہلے بشر کو حقیر سمجھنے والا ابلیس ہے۔ چودھویں پارے میں ہے ﴿لَمْ أَكُنْ لِأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ﴾ [حجر: ۳۳] "میں نہیں ہوں کہ سجدہ کروں بشر کو جس کو تو نے پیدا کیا ہے گارے سے۔" ناری ہو کر خاکی مخلوق کو سجدہ کروں۔ اور سب سے پہلے بشر کی تعظیم فرشتوں نے کی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سجدہ تعظیمی کر کے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿سُبْحَانَ رَبِّي﴾ پاک ہے میرا رب ہر عیب سے ﴿هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا﴾ نہیں ہوں میں مگر بشر ہوں رسول ہوں۔ خدائی اختیارات میرے پاس نہیں ہیں یہ جو کام تم کہتے ہو کہ یہ کرو اور یہ کرو اور یہ کر دو یہ بندے کے بس میں نہیں ہے۔ یہ الٰہ کے کام ہیں اور الٰہ ہونے کا دعویٰ میں نہیں کرتا میں تو بشر ہوں رسول ہوں۔

﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ﴾ اور نہیں روکا لوگوں کو ﴿أَنْ يُؤْمِنُوا﴾ اس بات سے کہ وہ ایمان لائیں ﴿إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ﴾ جس وقت آگئی ان کے پاس ہدایت ﴿إِلَّا أَنْ قَالُوا﴾ مگر اس بات نے کہ انھوں نے کہا ﴿أَبَعَثَ اللَّهُ﴾ کیا بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے ﴿بَشَرًا رَسُولًا﴾ بشر رسول بنا کر ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ﴾ اگر ہوتے زمین میں ﴿مَلَائِكَةٌ﴾ فرشتے ﴿يَمْشُونَ﴾ چلتے پھرتے ﴿مُطْمَئِنِّينَ﴾ بسنے والے ﴿لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ﴾ البتہ ہم نازل کرتے ان پر ﴿مِنَ السَّمَاءِ﴾ آسمان سے ﴿مَلَكًا رَسُولًا﴾ فرشتے کو رسول بنا کر ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿كَفَىٰ بِاللَّهِ﴾ کافی ہے اللہ تعالیٰ ﴿شَهِيدًا﴾ گواہ ﴿بَيْنِي﴾ میرے درمیان ﴿وَبَيْنَكُمْ﴾ اور تمھارے درمیان ﴿إِنَّهُ كَانَ﴾ بے شک وہ ہے ﴿بِعِبَادِهِ﴾ اپنے بندوں کے بارے میں ﴿خَبِيرًا﴾ خبردار ﴿بَصِيرًا﴾

دیکھنے والا ﴿وَمَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے ﴿فَهُوَ الْمُهْتَدِ﴾ پس وہی ہدایت پانے والا ہے ﴿وَمَنْ یُّضْلِلْ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے ﴿فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ﴾ پس ہرگز نہ پائیں گے آپ ان کے لیے ﴿اَوْلِیَآءَ﴾ کوئی کارساز ﴿مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿وَنَحْشُرُهُمْ﴾ اور ہم ان کو اکٹھا کریں گے ﴿یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ قیامت کے دن ﴿عَلٰى وُجُوْهِهِمْ﴾ چہروں کے بل ﴿عُمْیًا﴾ اندھے ہوں گے ﴿وَّبُكْمًا﴾ اور گونگے ہوں گے ﴿وَّصُمًّا﴾ اور بہرے ہوں گے ﴿مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ﴾ ٹھکانا ان کا جہنم ہوگا ﴿كُلَّمَا خَبَتْ﴾ جس وقت وہ بجھنے لگے گی ﴿زِدْنٰهُمْ سَعِیْرًا﴾ ہم زیادہ کردیں گے اس کے شعلوں کو ﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ﴾ یہ ان کا بدلہ ہوگا ﴿بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا﴾ اس لیے کہ انھوں نے انکار کیا ﴿بِاٰیٰتِنَا﴾ ہماری آیتوں کا ﴿وَقَالُوْٓا﴾ اور انھوں نے کہا ﴿ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا﴾ کیا جس وقت ہم ہوجائیں گے ہڈیاں ﴿وَّرُفَاتًا﴾ اور چورا چورا ﴿ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ﴾ کیا بے شک البتہ ہم کھڑے کیے جائیں گے ﴿خَلْقًا جَدِیْدًا﴾ نئی مخلوق بنا کر ﴿اَوَلَمْ یَرَوْا﴾ کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے ﴿اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ وہ ہے ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ﴿قَادِرٌ﴾ قادر ہے ﴿عَلٰٓى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ﴾ اس پر کہ وہ پیدا کرے ان جیسوں کو ﴿وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا﴾ اور بنائی اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے میعاد ﴿لَّا رَیْبَ فِیْهِ﴾ جس میں کوئی شک نہیں ہے ﴿فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ﴾ پس انکار کیا ظالموں نے ﴿اِلَّا كُفُوْرًا﴾ مگر انکار کرنا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ﴾ اگر ہوتے تم مالک ﴿خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ﴾ میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے ﴿اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ﴾ اس وقت البتہ تم روک لیتے ﴿خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ﴾ ختم ہونے کے خوف سے ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا﴾ اور ہے انسان تھوڑے دل والا بخیل۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نوح علیہ السلام تک ﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ [بقرہ: ۲۱۳] "سب لوگ ایک ہی دین پر تھے۔" اور گناہ ہوتے تھے لیکن کفر شرک نہیں تھا دنیا میں مشرک قوم کی طرف جو پہلے پیغمبر مبعوث ہوئے وہ نوح علیہ السلام تھے۔ ان کی قوم شرک میں ڈوبی ہوئی تھی۔ پانچ بزرگوں کی پوجا کرتی تھی ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر۔ وَد حضرت ادریس علیہ السلام کا لقب تھا اور باقی چار ان کے نیک اور بزرگ بیٹے تھے۔ ان پانچ بزرگوں کے انھوں نے مجسمے بنائے ہوئے تھے اصل پوجا ان بزرگوں کی ہوتی تھی۔

سب سے پہلے قوم نوح علیہ السلام نے بشریت پیغمبر کا انکار کیا:

حضرت نوح علیہ السلام نے جب فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمھاری طرف نبی بنا کر بھیجا ہے تو اس قوم نے کہا کہ تم تو بشر ہو

بشر پیغمبر کس طرح بن گیا؟ تو یہ پہلی قوم تھی جنھوں نے پیغمبر کی بشریت کا انکار کیا۔ اس کے بعد حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے بھی کہا ﴿مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ "نہیں ہے یہ مگر ایک بشر تمھاری طرح کا (یہ پیغمبر کس طرح بن گیا) ﴿يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ﴾ [مومنون: ۳۳] یہ کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔" نبی کیسے بن گیا؟ یہ عقیدہ کافروں کا بدستور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور تک رہا ہے کہ پیغمبر کو بشر نہیں ہونا چاہیے اور جو بشر ہے وہ پیغمبر نہیں ہے۔

اس کا ذکر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ﴾ اور نہیں روکا لوگوں کو ﴿اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا﴾ اس بات سے کہ وہ ایمان لائیں ﴿اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى﴾ جس وقت آگئی ان کے پاس ہدایت ﴿اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا﴾ مگر اس بات نے کہ انھوں نے کہا ﴿اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ کیا بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنا کر۔ اس نظریے نے ان کو ایمان سے روکا کہ بشر ہو کر نبی کیسے ہوسکتا ہے۔ وہ لوگ بشریت اور نبوت کو آپس میں ضد سمجھتے تھے۔ جیسے آگ اور پانی جمع نہیں ہوسکتے مشرکوں کے نزدیک بشر پیغمبر نہیں ہوسکتا، بشر ہے تو نبی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ فرمادیں ﴿لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ﴾ اگر ہوتے زمین میں فرشتے ﴿يَّمْشُوْنَ﴾ چلتے پھرتے ﴿مُطْمَئِنِّيْنَ﴾ بسنے والے۔ اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے اور زمین کی خلافت فرشتوں کو دی ہوتی ﴿لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا﴾ البتہ ہم نازل کرتے ان پر آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر۔ لیکن خلافتِ ارضی چونکہ انسان کو دی ہے لہٰذا ان کی ہدایت کے لیے بشر ہی رسول ہوگا۔ آدم علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار سال پہلے زمین پر جنات کا اقتدار تھا لیکن ان میں اتنی استعداد اور صلاحیت نہیں تھی کہ نبوت کے عہدے پر فائز ہوں۔ علمائے اسلام نے یہ تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض فرشتوں کی یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ جنات کو بتلاتے تھے کہ یہ کام کرنا ہے اور یہ کام نہیں کرنا۔ کیوں کہ نبوت و رسالت اعلیٰ عہدہ ہے اس کے سنبھالنے کی ان میں لیاقت نہیں تھی۔ جنات زمین میں فتنہ فساد، قتل و غارت کرتے تھے جو انسان کرتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زمین کی خلافت انسانوں کے حوالے کی۔ فرمایا ﴿اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ [بقرہ: ۳۰] "بے شک میں بنانے والا ہوں زمین میں خلیفہ۔" تو زمین میں انسان کو آباد کیا اور اس کی اصلاح کے لیے بشر ہی چاہیے تھا۔

فرشتہ انسانوں کے لیے نمونہ نہیں بن سکتا

بڑی واضح بات ہے کیوں کہ فرشتہ انسان کے لیے نمونہ نہیں بن سکتا تھا۔ مثلاً: جبرئیل علیہ السلام جیسی شخصیت نبی ہوتی تو انسانوں کا اس میں کوئی فائدہ نہیں تھا کہ اس کو بھوک کا پتا اور نہ پیاس کا احساس۔ بس وہ فرماتے کہ تم روزے رکھو نہ کھانا ہے نہ پینا۔ وہ نہیں جانتے کہ بھوک کیا بلا ہے اور پیاس کیا چیز ہوتی ہے؟ گرمی کے روزوں کا ان کو کیا احساس ہوتا کہ گرمی میں روزہ رکھنا کیسا ہوتا ہے۔ بس اس نے تو آڈر ہی جاری کرنا تھا ان چیزوں کا احساس تو اس کو ہوسکتا ہے کہ جس کو خود بھوک لگے اور بھوک کی وجہ سے پیٹ پر دو پتھر باندھے اور پیاس لگے تو پانی کو تلاش کرے۔ بیٹے کے فوت ہونے کے صدمے کا فرشتے کو کیا معلوم،

ماں باپ، عزیز رشتہ داروں کے فوت ہونے کی تکلیف کا فرشتے کو کیا پتا۔ جس کا نہ باپ، نہ ماں، نہ بیٹا، نہ بیٹی، نہ بہن، نہ بھائی، اگر ان میں سے کوئی فوت ہوتا تو فرشتہ محض تلقین کرتا کہ رونا نہیں صبر کرنا ہے۔ کوئی کہتا کہ میرے سر میں درد ہے تو فرشتے کو سر درد کا کیا احساس ہوتا؟ نمونہ وہ بن سکتا تھا جس کو ان تمام چیزوں کا احساس ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الاحزاب: ۲۱] "البتہ تحقیق تمھارے لیے اللہ کے رسول میں اچھا نمونہ ہے۔"

اگر کوئی باپ ہے تو باپ بن کر دکھایا ہے، خاوند ہے تو خاوند بن کر دکھایا ہے، استاد بن کے دکھایا ہے شاگردوں کے ساتھ برتاؤ بتلایا ہے۔ غمی خوشی، بھوک پیاس، دکھ درد ہر حال میں نمونہ ہیں۔ تو انسانوں کے لیے نمونہ انسان ہی بن سکتا ہے جو کھائے بھی پیئے بھی اس کو دکھ درد کا احساس بھی ہو۔ سورۃ فرقان آیت نمبر ۷ میں ہے کافروں نے کہا ﴿مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ﴾ "کیا ہے اس رسول کو کھانا کھاتا ہے اور چلتا ہے بازاروں میں اور پھر کہتا ہے میں نبی ہوں۔" اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۸ میں دیا ﴿وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ﴾ "ہم نے رسولوں کو ایسے جسم نہیں دیئے کہ وہ کھانا نہ کھائیں۔" وہ بشر ہیں اور بشری تقاضے سارے ان کے ساتھ ہیں۔ تو یہ اللہ تعالیٰ نے حکمت بتلائی کہ ہم نے فرشتے کو پیغمبر بنا کر اس لیے نہیں بھیجا کہ زمین کی خلافت ہم نے انسان کو دی ہے لہٰذا انسانوں کی رہنمائی کے لیے انھی میں سے نبی ہونا چاہیے۔

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ﴾ کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ میرے اور تمھارے درمیان۔ اللہ تعالیٰ نے کیسی گواہی دی ہے اور بات کو کیسی تحقیق کے ساتھ بیان کیا ہے ﴿إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ ہے اپنے بندوں کے بارے میں خبردار دیکھنے والا۔

اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے کا مطلب

بات یہ ہے کہ ﴿وَمَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ﴾ اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے پس وہی ہدایت پانے والا ہے۔ اور یہ بات تم تیرہویں پارے میں پڑھ چکے ہو کہ رب تعالیٰ ہدایت اس کو دیتا ہے اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور جو رجوع ہی نہیں کرتا تو جبراً اللہ تعالیٰ کسی کو ہدایت نہیں دیتا۔ ﴿وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِهِ﴾ اور جس کو گمراہ کر دے پس آپ ہرگز نہیں پائیں گے ان کے لیے کوئی کارساز اللہ تعالیٰ کے سوا۔ اور گمراہ کن کو کرتا ہے؟ ﴿يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ﴾ [مومن: ۷۴] "گمراہ کرتا ہے کافروں کو۔" جو کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں شرک پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ ﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾ [صف: ۵] "پس جب وہ ٹیڑھے چلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔" جب کوئی غلط راستے پر چلے تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرف چلا دیتا ہے۔ اور کوئی رب کی طرف آنا چاہے تو اس کی اپنے راستوں کی طرف راہنمائی فرما دیتا ہے۔ سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۶۹ میں ہے ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ "اور جو کوشش کرتے ہیں ہمارے لیے ہم ضرور راہنمائی کرتے

ہیں ان کی اپنے راستوں کی طرف۔" ہم مزید آنے کی توفیق دے دیتے ہیں۔ ہدایت اور گمراہی دونوں چیزیں اختیاری ہیں ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف:۲۹] "پس جو چاہے اپنی مرضی سے ایمان لائے اور جو چاہے اپنی مرضی سے کفر اختیار کرے۔" جبر کسی بات پر نہیں ہے۔

﴿وَ نَحْشُرُهُمْ﴾ اور ہم ان کو اکٹھا کریں گے ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن ﴿عَلٰى وُجُوْهِهِمْ﴾ ان کے چہروں کے بل۔ ٹانگیں اوپر اور سر نیچے ہوں گے۔ جب قبروں سے نکلیں گے تو سر کے بل چلیں گے۔ ﴿عُمْيًا﴾ اندھے ہوں گے ﴿وَّ بُكْمًا﴾ اور گونگے ہوں گے ﴿وَّ صُمًّا﴾ اور بہرے ہوں گے۔ یہ تھوڑا سا عرصہ ایسے رہیں گے پھر ان کی آنکھیں بھی لوٹا دی جائیں گی اور سنیں گے بھی اور زبان سے بولیں گے بھی واویلہ کریں گے لیکن اس وقت ان کو واویلے کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ حضرت وہ سر کے بل کیسے چلیں گے تو فرمایا جس رب نے پاؤں پر چلایا ہے وہ سر کے بل بھی چلا سکتا ہے۔

یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ ان کی کھوپڑیاں اُلٹی تھیں۔ دنیا میں ان کی چال اُلٹی تھی اور جن کی چال سیدھی تھی وہ سیدھے پاؤں پر کھڑے ہوں گے۔ اور جن کی چال اُلٹی تھی ﴿مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ﴾ ٹھکانا ان کا دوزخ ہوگا ﴿كُلَّمَا خَبَتْ﴾ جس وقت وہ بجھنے لگے گی اس کے شعلے مدہم ہوں گے ﴿زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا﴾ ہم زیادہ کر دیں گے اس کے شعلوں کو، اور تیز کر دیں گے۔ ﴿فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا﴾ [سورہ نبا:۳۰] "پس عذاب کا مزہ چکھو پس ہم نہیں زیادہ کریں گے تمھارے لیے مگر عذاب۔" روز بروز عذاب میں اضافہ ہوگا جیسے جنتیوں کی نعمتوں اور خوشیوں میں اضافہ ہوگا۔ آج کے کھانے کی لذت اور ہوگی اور کل کے کھانے کی لذت اور ہوگی شکل اگرچہ ملتی جلتی ہوگی۔ ان کی لذتوں میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور کافروں کے عذاب میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ﴾ یہ ان کا بدلہ ہوگا۔ کیوں؟ ﴿بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ اس لیے کہ انھوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا ﴿وَ قَالُوْٓا﴾ اور انھوں نے کہا ﴿ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا﴾ کیا جس وقت ہم ہو جائیں گے ہڈیاں ﴿وَّ رُفَاتًا﴾ اور چورا چورا ﴿ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا﴾ کیا ہم بے شک کھڑے کیے جائیں گے نئی مخلوق بنا کر۔ وہ کہتے تھے کہ جب ہم ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، خاک ہو جائیں گے تو پھر دوبارہ انسان بنائیں جائیں گے یہ چیز ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَوَ لَمْ يَرَوْا﴾ کیا انھوں نے دیکھا نہیں ہے ﴿اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ﴿قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ﴾ قادر ہے وہ اس پر کہ وہ پیدا کرے ان جیسوں کو۔ جس رب نے زمین آسمان پیدا کیے ہیں اور ابتداءً پیدا کیا ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ دوبارہ پیدا کرے ﴿وَ جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا﴾ اور بنائی اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے میعاد ﴿لَّا رَيْبَ فِيْهِ﴾ جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ ہر آدمی کی موت کا ایک وقت مقرر ہے مگر رب تعالیٰ نے کسی کو بتلایا نہیں ہے اگر بتلا دے تو دنیا کا نظام ہی معطل ہو جائے۔ کسی کو علم نہیں ہے چاہے اس نے آج ہی مرنا ہو اور اگر آج کسی کو بتلا دیا جائے کہ مثال کے طور پر تم نے دس سال بعد مرنا ہے تو وہ آج سے ہی سوکھنا شروع ہو جائے گا اور دنیا کا کوئی کام اس سے نہیں

ہو سکے گا۔ یہ رب تعالیٰ کا راز ہے اس نے کسی کو نہیں بتلایا۔

﴿ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴾ پس انکار کیا ظالموں نے مگر انکار کرنا۔ انکار ہی کرتے ہیں مانتے نہیں۔ ﴿ قُلْ ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّیْۤ ﴾ اگر ہوتے تم مالک میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے کہ تمھاری مرضی سے کسی کو نبوت ملتی، رسالت ملتی، عہدہ ملتا، ترقی ہوتی تو ﴿ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ ﴾ اس وقت البتہ تم روک لیتے ﴿ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ ﴾ ختم ہونے کے خوف سے کہ یہ ختم نہ ہو جائے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ: لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِیَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَا بْتَغٰی ثَالِثًا وَ لَا يَمْلَاُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ اَوْ كَمَا قَالَ ﷺ. "اگر ابن آدم کے پاس دو میدان ہوں بھرے ہوئے سونے کے تو وہ اس پر مطمئن نہیں ہوگا تیسرا میدان بھی تلاش کرے گا اور فرمایا ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے۔" قبر کی مٹی ہی اس کو بھرے گی اور کوئی چیز اس کو نہیں بھر سکتی۔ فرمایا اور کیا پوچھتے ہو ﴿ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴾ اور ہے انسان تھوڑے دل والا بخیل اور کنجوس۔ اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے کوئی ہزار میں سے ایک آدھ نکل آئے بڑے دل والا سخی تو علیحدہ بات ہے ورنہ مال کے سلسلے میں سب ایسے ہی ہیں الا ماشاء اللہ۔ بہر حال جو رب تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ حق ہے۔

﴿ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰى ﴾ اور البتہ تحقیق دیں ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ﴿ تِسْعَ اٰیٰتٍۭ ﴾ نو نشانیاں ﴿ بَیِّنٰتٍ ﴾ بڑی واضح ﴿ فَسْــٴَـلْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ پس آپ پوچھ لیں بنی اسرائیل سے ﴿ اِذْ جَآءَهُمْ ﴾ جس وقت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آئے ﴿ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ ﴾ پس کہا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے ﴿ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰى ﴾ بے شک میں آپ کے بارے میں خیال کرتا ہوں اے موسیٰ! ﴿ مَسْحُوْرًا ﴾ تجھ پر جادو کر دیا گیا ہے ﴿ قَالَ ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿ لَقَدْ عَلِمْتَ ﴾ البتہ تحقیق تو جانتا ہے ﴿ مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ ﴾ نہیں نازل کیں یہ نشانیاں ﴿ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ مگر آسمانوں اور زمین کے پروردگار نے ﴿ بَصَآىِٕرَ ﴾ بصیرت کے لیے ﴿ وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ ﴾ اور بے شک میں البتہ یقین کرتا ہوں تیرے بارے میں ﴿ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴾ اے فرعون! تو ہلاک کر دیا جائے گا ﴿ فَاَرَادَ ﴾ پس ارادہ کیا فرعون نے ﴿ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ ﴾ کہ اکھاڑ دے قدم ان کے ﴿ مِّنَ الْاَرْضِ ﴾ زمین سے ﴿ فَاَغْرَقْنٰهُ ﴾ پس ہم نے غرق کیا فرعون کو ﴿ وَ مَنْ مَّعَهٗ ﴾ اور ان کو جو اس کے ساتھ تھے ﴿ جَمِیْعًا ﴾ سارے ﴿ وَّ قُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ ﴾ اور کہا ہم نے اس کے غرق ہونے کے بعد ﴿ لِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ بنی اسرائیل کو ﴿ اسْكُنُوا الْاَرْضَ ﴾ رہو تم زمین میں ﴿ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ ﴾ پس جس وقت آئے گا وعدہ آخرت کا ﴿ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ﴾ تو ہم لے آئیں گے تم سب کو سمیٹ کر۔

عرب میں مختلف فرقوں کی آبادی کی نسبت

سرزمین عرب میں مشرکوں کے بعد یہود کی کافی تعداد تھی ۔ مردم شماری کے لحاظ سے ان کا دوسرا نمبر تھا تیسرے نمبر پر عیسائی تھے۔خیبر سارا یہود کا تھا۔ مدینہ طیبہ میں ان کے بڑے بڑے کاروبار تھے اور مدینہ طیبہ کے علاوہ دوسرے علاقوں میں بھی ان کے کاروبار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر انعام بھی فرمائے اور عذاب بھی بڑے نازل فرمائے۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں وادی سیناء میں ان پر اللہ تعالیٰ نے بادلوں کا سایہ مسلسل چالیس سال رکھا، عین وقت پر من وسلویٰ آجاتا، نمکین اور میٹھی غذا۔ پتھر سے اللہ تعالیٰ نے پانی کے بارہ چشمے جاری فرمائے ۔لیکن بڑی ضدی، نافرمان اور مجرم قوم تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل اور فرعون کی طرف مبعوث فرمایا۔ فرعون مصر کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا، نام الگ ہوتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون تھا اس کا نام ولید ابن مصعب بن ریان تھا۔ بڑا شاطر، چالاک اور ہوشیار قسم کا آدمی تھا جیسے اس وقت ہمارے لیڈر ہیں باتوں میں کسی کے قابو نہیں آتے ۔

موسیٰ علیہ السلام کی نو نشانیاں کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ﴾ اور البتہ تحقیق دیں ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو نشانیاں۔

☆ ...... ایک نشانی: عصا کا سانپ بن جانا۔

☆ ...... دوسری نشانی: ہاتھ کا گریبان میں ڈال کر نکالنا اور اس کا سورج کی طرح چمکنا۔

☆ ...... تیسری نشانی: فرعونیوں کو قحط سالی میں مبتلا کرنا۔

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق قحط سالی تیسری نشانی تھی اور پھلوں کی کمی جدا نشانی تھی یعنی چوتھی نشانی تھی۔ جب کہ دوسرے حضرات قحط سالی اور پھلوں کی کمی کو ایک ہی نشانی شمار کرتے ہیں۔

☆ ...... تو پھر ان حضرات کے نزدیک چوتھی نشانی ان پر طوفان کا بھیجنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون مسلط کیا۔

☆ ...... پانچویں نشانی: مکڑیوں کے لشکر بھیجے۔

☆ ...... چھٹی نشانی: اللہ تعالیٰ نے ان کے بدنوں میں جوئیں پیدا فرمادیں۔

☆ ...... ساتویں نشانی: مینڈکوں کی کثرت۔

☆ ...... اور آٹھویں نشانی خون کہ ان کا کھانا پانی خون کی شکل اختیار کر جاتا تھا۔ آٹھ نشانیوں کا ذکر سورۃ الاعراف میں ہے۔

☆ ...... اور نویں نشانی کا ذکر سورت یونس میں ﴿رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ﴾ [آیت نمبر ۸۸] "اے ہمارے پروردگار! مٹادے ان کے مالوں کو۔"

جب فرعونیوں نے اپنی دولت پر گھمنڈ کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا مقابلہ کیا حق کا مقابلہ کیا تو موسیٰ علیہ السلام

نے بددعا کی۔اے پروردگار! یہ جن مالوں پر گھمنڈ کرتے ہیں ان کے مالوں کو مٹادے۔ چنانچہ ان کے ہیرے موتی، سونا چاندی کے جو سکے تھے خدا کی قدرت کہ سب پتھر بن گئے، ٹھیکرے بن گئے ان کی کوئی قیمت نہ رہی۔ تو یہ نو نشانیاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دیں۔ ﴿ بَيِّنٰتٍ ﴾ بڑی واضح ﴿ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پوچھ لیں بنی اسرائیل سے ﴿ اِذْ جَآءَهُمْ ﴾ جس وقت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آئے ﴿ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ ﴾ پس کہا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے ﴿ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴾ بے شک میں آپ کے بارے میں گمان کرتا ہوں کہ تجھ پر جادو کیا گیا ہے۔ بدحواسی کی باتیں کرتے ہو معاذ اللہ تعالیٰ تمھارا دماغ ٹھیک نہیں ہے۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کے منہ پر فرعون نے کہا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کے اثرات کا ذکر

جادو کا اثر پہلے بھی ہوتا تھا اور اب بھی ہوتا ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر لبید ابن اعصم یہودی نے جادو کیا تھا اس جادو کے اثر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان، اداس اور مغموم رہتے تھے۔ دینی معاملات میں تو اس کا کوئی اثر نہ ہوا البتہ دنیاوی معاملات میں اس کا اثر تھا۔ مثلاً: پانی پیا پھر خیال ہوا کہ پتا نہیں پیا ہے یا نہیں پیا، کھانا کھایا پھر خیال ہوا کہ معلوم نہیں کھایا ہے یا نہیں کھایا۔ تقریباً ایک سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے رہے۔ تو جادو بھی حق ہے لیکن یاد رکھنا! وہمی نہ بننا بہت ساری بیماریاں طبعی ہوتی ہیں اور لگتا یوں ہے کہ کسی نے جادو کر دیا ہے ضروری نہیں کہ ہر آدمی پر جادو ہوا اور یہ سمجھنا کہ ہر بیمار پر جادو ہوا ہے یہ بات بھی صحیح نہیں ہے۔ کاروبار میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے ضروری نہیں کہ کسی نے جادو کر دیا ہے۔ عموماً لوگ دم تعویذ کے لیے آتے ہیں ان میں سے نوے فیصد کا یہی غلط خیال ہوتا ہے کہ ہمارے اُوپر کسی نے جادو کر دیا ہے، ہمارا کسی نے کاروبار بند کر دیا ہے، ہمارے گھر سے بیماری نہیں جاتی۔ مسلمان کو اتنا وہمی نہیں ہونا چاہیے۔ کوئی دو چار واقعی ایسے ہوتے ہیں کہ جن پر جادو کے اثرات ہو تے ہیں لیکن ہر کام میں جادو کو شامل کرنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ خصوصاً عورتیں تو توبہ توبہ۔ ان کی باتوں سے تو حیرانگی ہوتی ہے۔ مسلمان کا عقیدہ اتنا کچا نہیں ہونا چاہیے۔

تو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ میرے خیال میں آپ پر جادو کیا گیا ہے۔ ﴿ قَالَ ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿ لَقَدْ عَلِمْتَ ﴾ البتہ تحقیق تو جانتا ہے ﴿ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ نہیں نازل کیں یہ نشانیاں مگر اس پروردگار نے جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ کیوں نازل کی ہیں؟ ﴿ بَصَآئِرَ ﴾ بصیرت کے لیے۔ بَصَائِر بَصِيْرَةٌ کی جمع ہے۔ بصیرت کا معنیٰ ہے دل کی روشنی۔ اور بصارت کہتے ہیں آنکھ کی روشنی کو۔ دلوں میں روشنی پیدا کرنے کے لیے رب تعالیٰ نے یہ نشانیاں نازل فرمائی ہیں تاکہ لوگ سمجھیں میرے اُوپر کوئی جادو نہیں ہوا ﴿ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴾ اور بے شک البتہ میں یقین کرتا ہوں تیرے بارے میں اے فرعون! تو ہلاک کر دیا جائے گا۔ تم بڑے اکھڑ خان بنے ہوئے ہو، تکبر کر رہے ہو رب تعالیٰ کے نافرمان ہو یوں سمجھو کہ ہلاک ہو گئے ہو۔

﴿فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ پس ارادہ کیا فرعون نے کہ اکھاڑ دے ان کے قدم زمین سے کہ ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام اور ان کے ساتھی علاقہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور راتوں رات وہاں سے ہجرت کر کے نکلے۔ شام، فلسطین کے علاقے میں جانا چاہتے تھے فرعون کو پتا چلا کہ جن کی وجہ سے ہمارا ملک آباد تھا وہ تو نکل چکے ہیں یہی ہمارے مزدور اور کمی تھے کھیتی باڑی کرتے تھے، باغوں کے مالی تھے، ہمارے دھوبی تھے اب ملک کا کیا بنے گا کیوں کہ مزدور نہ ہوں تو ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ رب تعالیٰ نے نظام ایسا بنایا ہے کہ ایک کو پیسے دیئے ہیں اور دوسرے کو بدنی قوت دی ہے مل جل کر کام پورا ہوتا ہے۔ فقط پیسے ہوں کام کرنے والا کوئی نہ ہو تو پھر بھی نظام نہیں چل سکتا اور کام کرنے والے ہوں اور پیسے نہ ہوں تو بھی دنیا کا نظام نہیں چل سکتا۔ خدا کی شان ہے کوئی امیر ہے کوئی غریب ہے، کوئی مالک ہے کوئی مزدور ہے، کوئی آجر ہے کوئی اجیر ہے۔

تو فرعون ان کے پیچھے پڑ گیا ان کا تعاقب کیا ﴿فَاَغْرَقْنٰهُ﴾ پس ہم نے غرق کر دیا فرعون کو ﴿وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا﴾ اور ان کو جو ان کے ساتھ تھے سارے۔ سورج چڑھ چکا تھا ﴿فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ﴾ [شعراء: ۶۰] "پھر وہ پیچھے آئے ان کے سورج نکلنے کے وقت۔" ہامان فرعون کا وزیر اعظم تھا اور اسی انداز کا تھا جیسے فرعون تھا۔ فرعون نے اپنے وزیر اعظم کو کہا کہ تم آگے ہو اور میں پیچھے ہوں گا اور درمیان میں فوج ہو گی۔ آگے بحر قلزم تھا پیچھے فرعونی، موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی گھبرائے اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اے میرے پیغمبر! گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے اپنی لاٹھی سمندر پر مار دو۔ بس لاٹھی کا اشارہ ہی کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پانی روک دیا ﴿کَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ﴾ [سورۃ الشعراء: ۶۳] "ایک بڑے پہاڑ کی طرح۔" درمیان میں خشک راستے بن گئے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی پار چلے گئے۔ آگے ہامان، پیچھے فوجیں، پیچھے فرعون، جب سارے سمندر میں داخل ہو گئے تو رب تعالیٰ نے پانی کو حکم دیا کہ چل پڑو۔ یہ سیدھے وہاں سے جہنم رسید ہوئے۔

غرق ہوتے وقت فرعون نے بڑا واویلا کیا۔ سورت یونس آیت نمبر ۹۰ میں ہے ﴿قَالَ﴾ کہنے لگا ﴿اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ﴾ "ایمان لایا ہوں میں بے شک نہیں کوئی معبود مگر وہی جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں ﴿وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ اور میں بھی فرمانبرداروں میں سے ہوں۔" بڑا عجیب موقع تھا فرعون بڑی عاجزی کے ساتھ رو رہا تھا۔ ترمذی شریف کی روایت میں ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں دریا کی تہہ سے گارا نکال کر اس کے منہ میں ٹھونستا تھا کہ اس بے ایمان کی آواز سن نہ نکلے کہ اس پر رب کو رحم نہ آ جائے۔ اس نے بڑے ظلم کیے ہیں اس کو سزا ملنی چاہیے۔ سارے غرق ہو گئے ان میں سے ایک بھی نہ بچا البتہ فرعون کا وجود اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ سورت یونس میں ہے ﴿فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً﴾ "پس آج کے دن ہم بچا لیں گے تیرے جسم کو تاکہ ہو جائے تو ان لوگوں کے لیے جو تیرے پیچھے ہیں نشانی۔" تاکہ آنے والے دیکھیں کہ یہ وہ تھا جو اپنے آپ کو رب الاعلیٰ کہتا تھا آج اس کے منہ اور ناک سے پانی بہہ رہا ہے اور رب جانے کہاں کہاں سے بہہ رہا تھا۔ ایسے بڑا تھا جیسے مشک ہوتی ہے پانی سے بھری ہوئی۔ آج تک مصر کے عجائب گھر میں اس کا مجسمہ موجود ہے عبرت کے لیے۔

قیامت سے پہلے یہودی ایک جگہ جمع ہوں گے

﴿وَّ قُلْنَا مِنۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ اور کہا ہم نے اس کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل کو ﴿اسْكُنُوا الْاَرْضَ﴾ رہو تم زمین میں ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ﴾ پس جس وقت آئے گا وعدہ آخرت کا ﴿جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا﴾ تو ہم لے آئیں گے تم سب کو سمیٹ کر۔ اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ اس کی تفسیر کرتے ہیں کہ قیامت والے دن تم سب کو اکٹھا کریں گے حساب کے لیے، جزا کے لیے۔ لیکن حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے چوٹی کے بزرگ بھی ہیں، مفسر اور مؤرخ بھی ہیں اور محدث بھی ہیں۔ وہ اور کچھ دوسرے حضرات اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اب تم دنیا میں جہاں چاہو رہو اور جب قیامت قریب ہوگی تو ہم تم سب کو اکٹھا کریں گے۔

آج سے تقریباً ساٹھ پینسٹھ سال پہلے کی بات ہے جب ہم استاذ مولانا عبدالقدیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مشکوۃ پڑھتے تھے۔ تو حدیث پڑھی تُقَاتِلُوْنَكُمُ الْيَهُوْدَ کہ یہودی تمھارے ساتھ لڑیں گے۔ تو ہم بڑے حیران ہوئے کہ یہودی ہمارے ساتھ کیسے لڑیں گے؟ کیوں کہ اس وقت یہودیوں کی تعداد چھ سات ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ تو یہ چھ سات ہزار یتیم مسلمانوں کے ساتھ کیا لڑیں گے؟ اور روایت بخاری شریف اور مسلم کی ہے کہ یہود تمھارے ساتھ لڑیں گے وَ تُقَاتِلُوْنَ الْيَهُوْدَ اور تم یہودیوں کے ساتھ لڑو گے۔ تو ہم نے حضرت سے پوچھا کہ حضرت! یہ چھ سات ہزار یتیم بے چارے مسلمانوں کے ساتھ کیا لڑیں گے؟ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر ان کے مقابلے میں ہوں گے مقابلے میں کوئی بندہ تو ہونا چاہیے ان یتیموں کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لڑنا تو ان کی توہین ہے۔

تو حضرت نے اتنے لفظ فرمائے کہ چیونٹی جب مرنے پہ آتی ہے تو اس کو پَر لگ جاتے ہیں جب ان کی ہلاکت کا وقت آئے گا تو اس وقت یہ خاصی قوت والے بن جائیں گے۔ اس وقت یہود کی آبادی اسی لاکھ ہے اور اخبارات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ روس سے مزید دس لاکھ یہودی اسرائیل بھیجے جا رہے ہیں۔ دس لاکھ یہودیوں نے کہا ہے کہ ہم آنا چاہتے ہیں اور انھوں نے منظوری دے دی ہے۔ تو افرادی اعتبار سے ایک کروڑ کے قریب یہودی ہو چکے ہیں اور اسلحہ کے لحاظ سے دوسرے تیسرے نمبر پر ہیں اور ان کے آس پاس تیرہ کروڑ مسلمان ہیں ان کو وہ کچھ نہیں سمجھتے کہ یہ بھی کوئی چیز ہیں۔ بس وہ وقت بالکل قریب آگیا ہے یوں سمجھو کہ سر پر آگیا ہے۔

پھر حدیث پاک میں یہ بھی آتا ہے کہ جب تم یہود کے ساتھ لڑو گے اور یہودی درختوں اور پتھروں کے پیچھے چھپیں گے تو وہ بھی ان کو پناہ نہیں دیں گے بول کر کہیں گے کہ ہمارے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے۔ پتھر بولیں گے اے غازی! خَلْفِي الْيَهُوْدِيْ میرے پیچھے یہودی ہے۔ درخت بولے گا خَلْفِي الْيَهُوْدِيْ میرے پیچھے یہودی ہے۔ ایک درخت نہیں بولے گا جس کا نام ہے غَرْقَدْ. فَاِنَّهَا مِنْ شَجَرِ الْيَهُوْدِ مسلم شریف کی روایت ہے اور مسلمان یہودیوں کو چن چن کر ماریں گے اور ختم کریں گے۔ وہ وقت بالکل قریب آ رہا ہے۔

﴿وَبِالْحَقِّ﴾ اور حق کے ساتھ ﴿اَنْزَلْنٰهُ﴾ ہم نے اُتارا ہے اس قرآن کو ﴿وَبِالْحَقِّ نَزَلَ﴾ اور حق کے ساتھ ہی نازل ہوا ہے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ﴿اِلَّا مُبَشِّرًا﴾ مگر خوش خبری سنانے والا ﴿وَّنَذِيْرًا﴾ اور ڈر سنانے والا ﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ﴾ اور قرآن کو ہم نے تفریق کے ساتھ اُتارا ہے ﴿لِتَقْرَاَهٗ﴾ تا کہ آپ پڑھیں اس کو ﴿عَلَى النَّاسِ﴾ لوگوں کے سامنے ﴿عَلٰى مُكْثٍ﴾ ٹھہر ٹھہر کر ﴿وَّنَزَّلْنٰهُ﴾ اور ہم نے اُتارا ہے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے ﴿تَنْزِيْلًا﴾ تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارنا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اٰمِنُوْا بِهٖٓ﴾ تم ایمان لاؤ اس قرآن پر ﴿اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا﴾ یا تم ایمان نہ لاؤ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ﴾ بے شک وہ لوگ ﴿اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ جن کو دیا گیا علم ﴿مِنْ قَبْلِهٖٓ﴾ اس سے پہلے ﴿اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ﴾ جس وقت پڑھا جاتا ہے ان کے پاس قرآن ﴿يَخِرُّوْنَ﴾ گر پڑتے ہیں ﴿لِلْاَذْقَانِ﴾ اپنی ٹھوڑیوں کے بل ﴿سُجَّدًا﴾ سجدہ کرتے ہوئے ﴿وَّيَقُوْلُوْنَ﴾ اور کہتے ہیں ﴿سُبْحٰنَ رَبِّنَآ﴾ پاک ہے ہمارے رب کی ذات ﴿اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا﴾ بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا کیا ہوا ہے ﴿وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ﴾ اور گرتے ہیں اپنی ٹھوڑیوں کے بل ﴿يَبْكُوْنَ﴾ روتے ہیں ﴿وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا﴾ اور یہ قرآن زیادہ کرتا ہے ان کے لیے عاجزی کو ﴿قُلِ﴾ آپ کہہ دیں ﴿ادْعُوا اللّٰهَ﴾ پکارو تم اللہ کو ﴿اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ﴾ یا پکارو رحمٰن کو ﴿اَيًّا مَّا تَدْعُوْا﴾ جس نام سے بھی پکارو گے ﴿فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ پس اسی کے لیے ہیں سب اچھے نام ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ﴾ اور نہ جہر کریں آپ اپنی نماز میں ﴿وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ اور نہ آپ آہستہ پڑھیں ﴿وَابْتَغِ﴾ اور تلاش کریں ﴿بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا﴾ اس کے درمیان راستہ ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ اور آپ کہہ دیں سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ﴿الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا﴾ جس نے نہیں ٹھہرائی اولاد ﴿وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ﴾ اور نہیں ہے اس کے لیے کوئی شریک ملک میں ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ﴾ اور نہیں ہے اس کے لیے کوئی حمایتی ﴿مِّنَ الذُّلِّ﴾ جو کمزوری سے بچائے ﴿وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا﴾ اور آپ بڑائی بیان کریں اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنا۔

آنحضرت ﷺ کا منصب اور ماننے والوں کی فضیلت کا ذکر

پچھلے سبق میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور نشانیوں کا ذکر تھا اور آج کے درس میں قرآن پاک کی حقانیت، آنحضرت ﷺ کا منصب اور قرآن پاک کے ماننے والوں کی فضیلت کا ذکر ہے۔ ارشاد ہے ﴿وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ﴾ اور حق کے ساتھ اُتارا ہے ہم نے اس قرآن پاک کو ﴿وَبِالْحَقِّ نَزَلَ﴾ اور حق کے ساتھ ہی نازل ہوا ہے۔ لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر

ایک مقام ہے بیت العزت وہاں تک سارے کا سارا قرآن کریم لیلۃ القدر کو نازل ہوا پھر آسمان دنیا کے اس مقام سے آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی پر تیئس (۲۳) سالوں میں نازل ہوا۔

سب سے پہلے سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیتیں نازل ہوئیں ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ سے لے کر ﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ تک۔ اس وقت آپ ﷺ جبل نور کی چوٹی پر غار حرا میں تشریف فرما تھے۔ پہلی تاریخ کی کتابوں میں اور تورات وغیرہ میں جبل نور کا نام فاران ہے اب اس کو جبل نور کہتے ہیں۔ مکہ مکرمہ سے تقریباً اڑھائی میل دور ہے۔ تو یہ پانچ آیات وہاں نازل ہوئی ہیں اور قرآن پاک کا آخری حصہ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [مائدہ:۳] عرفات کے میدان میں ہجرت کے دسویں سال نو ذوالحجہ جمعہ کے دن عصر کے وقت نازل ہوا۔ اس کے بعد پھر آپ ﷺ پر قرآن کریم نازل نہیں ہوا ویسے وحی آتی رہی ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوتے رہے ہیں لیکن قرآن پاک نازل نہیں ہوا۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کو حق کے ساتھ نازل کیا اور قرآن حق کے ساتھ نازل ہوا ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر خوش خبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا۔ جو ایمان لائے ہیں ان کو آپ اس بات کی خوش خبری سنا دیں کہ رب تم سے راضی ہے اور وہ تمھیں جنت میں پہنچائے گا اور عذاب سے بچائے گا اور جو رب تعالیٰ کی توحید کو اور آپ ﷺ کی رسالت کو نہیں مانتے، قرآن کریم کے اور قیامت کے منکر ہیں ان کو بتا دیں کہ ان پر دنیا میں بھی عذاب آ سکتا ہے اور آخرت کا عذاب تو یقینی ہے۔ ہر پیغمبر کا یہی منصب تھا، بشیر اور نذیر۔ منوانا پیغمبروں کے فرائض میں داخل نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [قصص:۵۶] "اے نبی کریم ﷺ! آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کے ساتھ آپ کی محبت ہو لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے۔" نبی ہدایت پیش کرتے ہیں۔

قرآن کریم کے نجماً نجماً نازل ہونے کی وجہ ؟

فرمایا ﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ﴾ اور ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے تفریق کے ساتھ قرآن پاک کو اتارا ہے۔ اکٹھا کیوں نہیں اُتارا ﴿لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ﴾ تاکہ آپ پڑھیں اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر ﴿وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا﴾ اور ہم نے اس کو اتارا ہے تھوڑا تھوڑا، تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارنا۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال ہوا کہ پہلی کتابیں (تورات، انجیل، زبور) اکٹھی نازل ہوئی ہیں اور قرآن پاک تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا، فرمایا جس دور میں آنحضرت ﷺ تشریف لائے اس دور میں سارے گناہ کفر، شرک، چوری، ڈاکا، زنا، قتل عروج پر تھے بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ اس زمانے میں اس آدمی کو رشتہ کوئی نہیں دیتا تھا جس نے چوری ڈاکا، قتل نہیں کیا ہوتا تھا۔ جہاں رشتے کا پیغام لے جاتے وہ پوچھتے تمھارے لڑکے نے چوری کتنی دفعہ کی ہے، کتنے ڈاکے ڈالے ہیں، کتنے آدمی قتل کیے ہیں؟ اگر جواب

ملا کہ اس نے کچھ بھی نہیں کیا تو کہتے ہم نے اس کو رشتہ نہیں دینا یہ ہماری لڑکی کو کیسے سنبھالے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر سارے احکام اکٹھے نازل ہوتے تو ایسی سخت قوم کا ماننا مشکل تھا کہ تم توحید بھی مانو، قیامت بھی تسلیم کرو، نمازیں پڑھو، روزے رکھو، حج کرو، زکوٰۃ دو۔ اس لیے قرآن آہستہ آہستہ نازل ہوا۔

تقریباً چھیاسی سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں جن میں توحید کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، شرک کا رد ہے، قیامت کا اثبات ہے، نبوت کا اثبات ہے، قرآن کریم کی حقانیت کا بیان ہے۔ جس وقت ذہن بن گیا پھر احکام نازل ہوئے اور کسی نے ماننے میں تامل نہیں کیا اور نہ کوئی قیل وقال ہوئی۔ اللہ تعالیٰ جو حکیم مطلق ہے اس نے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھیں لوگوں کے سامنے، پہلا سبق یاد کرلیں اور اس پر عمل ہو جائے۔ اور آہستہ آہستہ نازل ہوتا رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے، ساتھی یاد کرتے رہے اور عمل کرتے رہے۔ دفعتاً سارا اُتارا جاتا تو اس قوم کا ماننا بہت مشکل تھا۔ لوگوں کے ذہن خراب تھے ہر گناہ عروج پر تھا سیدھی بات کرنے والے کو اُلٹا جواب ملتا تھا۔ کچھ اچھے آدمی بھی تھے مگر آٹے میں نمک کے برابر، ہزار میں ایک دو، سارا ماحول ہی گندہ تھا۔

فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا﴾ تم ایمان لاؤ اس قرآن پر یا نہ لاؤ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ بے شک وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ﴿مِنْ قَبْلِهٖٓ﴾ اس قرآن کریم سے پہلے ﴿اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ﴾ جس وقت قرآن پاک پڑھا جاتا ہے ان کے پاس ﴿يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا﴾ گر پڑتے ہیں وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے۔ ذَقَن ٹھوڑی کو کہتے ہیں۔ سجدہ اس پر تو نہیں ہوتا سجدہ تو ناک اور پیشانی پر ہوتا ہے۔ یہ کمال مبالغہ ہے کہ وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل۔ فقط پیشانی ٹیکنے سے سجدہ نہیں ہوتا جب تک ساتھ ناک نہیں لگے گا۔

نماز کے کچھ ضروری مسائل

حدیث پاک میں آتا ہے: لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَا يَمُسُّ اَنْفُ الْاَرْضِ "سجدے میں جس کا ناک زمین پر نہیں لگا اس کی نماز نہیں ہوگی۔" اگر ناک کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اور اسی طرح اگر فقط ناک لگایا اور پیشانی نہ لگائی تو بھی نماز نہیں ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجدہ کرتے وقت اس بات کا لحاظ رکھو کہ ناک، پیشانی، گھٹنے اور ہاتھ اور پاؤں زمین پر لگیں۔ اگر کسی نے سجدے میں دونوں پاؤں اُٹھا لیے تو نماز باطل ہو جائے گی نماز نہیں ہوگی۔ اگر ایک پاؤں اُٹھایا اور ایک پاؤں زمین سے نہیں اُٹھایا تو نماز مکروہ ہے اور سجدے میں پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ ہوں۔ اگر پاؤں کی کوئی انگلی دکھتی ہے اور قبلہ رخ نہیں ہو سکتی تو معذوری ہے۔ اور ہاتھ چہرے کے برابر ہوں نہ آگے ہوں اور نہ پیچھے ہوں۔ اور ہاتھوں کی انگلیاں بھی قبلہ رخ ہوں اور التحیات میں بیٹھے ہوئے بھی ہاتھ رانوں پر رکھیں اور ہاتھوں کی انگلیاں قبلہ کی طرف ہوں۔ بعض حضرات ہاتھوں کی انگلیوں کو گھٹنوں پر لٹکا دیتے ہیں اس سے نماز میں خلل پیدا ہوگا لہٰذا ہاتھوں کو اُوپر رکھیں۔

تو فرمایا جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں ﴿وَّيَقُوْلُوْنَ﴾ اور کہتے ہیں ﴿سُبْحٰنَ رَبِّنَآ﴾ پاک ہے ہمارے رب کی ذات ﴿اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا﴾ بے شک ہمارے رب کا وعدہ طے شدہ ہے پورا کیا ہوا ہے۔ اس نے جو فرمایا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا۔ ﴿وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ﴾ اور گر پڑتے ہیں اپنی ٹھوڑیوں کے بل ﴿يَبْكُوْنَ﴾ روتے ہیں ﴿وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا﴾ اور یہ قرآن زیادہ کرتا ہے ان کے لیے عاجزی کو۔

اہل کتاب میں کچھ لوگ تھے جو قرآن کریم سنتے ہی ایمان لے آئے۔ جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ، حضرت بنیامین رضی اللہ عنہ، حضرت اسد رضی اللہ عنہ، حضرت اسید رضی اللہ عنہ، یہ حضرات پہلے یہودی تھے اور بڑے نیک دل لوگ تھے۔ اور تمیم داری رضی اللہ عنہ، حضرت عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ اور حضرت عدی ابن بدّاء رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، یہ حضرات پہلے عیسائی تھے جب ان کے سامنے قرآن پیش کیا گیا تو بغیر کسی قیل وقال کے انھوں نے مانا اور اقرار کیا۔

تو فرمایا تم نہیں مانتے تو نہ مانو ماننے والے موجود ہیں۔ یہ آیت سجدہ ہے اور آیت سجدہ کا حکم یہ ہے کہ پڑھنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ مثلاً: اب یہ آیت میں نے پڑھی اور تم مردوں نے بھی اور عورتوں نے بھی سنی ہے تو میرے اُوپر بھی سجدہ واجب ہے اور تمھارے اُوپر بھی۔ اس سجدے کا وقت وہ ہے جو نماز کا وقت ہوتا ہے یعنی جن اوقات میں نماز جائز نہیں ہے ان اوقات میں یہ سجدہ بھی جائز نہیں ہے۔ اب سورج طلوع ہونے سے پہلے تم سجدہ کر سکتے ہو اور سورج طلوع ہوتے وقت نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ سجدے کے لیے وہی شرائط ہیں جو نماز کے لیے ہیں۔ بدن کا پاک ہونا، کپڑوں کا پاک ہونا، جگہ کا پاک ہونا، قبلہ رخ ہونا، نماز کا وقت ہونا۔ اور سجدہ تلاوت فی الفور لازم نہیں ہے یہ اس کے ذمے ہے فوری کرے تو بہت اچھی بات ہے دیر سے کرے تو اس کے ذمہ قرض ہے اور سجدہ تلاوت میں صرف نیت کرنی ہے ہاتھ اُٹھانے کی ضرورت نہیں ہے بس نیت کر کے اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں چلا جائے تین یا پانچ یا سات دفعہ یا نو دفعہ تسبیحات پڑھے اور اللہ اکبر کہہ کر سر اُٹھا لے۔ ایک ہی سجدہ ہے اور اس میں التحیات بھی نہیں ہے اور سلام بھی نہیں ہے۔ قرآن پاک میں چودہ پندرہ آیات سجدہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ﴾ آپ فرما دیں پکارو تم اللہ تعالیٰ کو یا پکارو تم رحمٰن کو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی فرماتے: یا اللہُ یا کبھی یا رحمٰنُ یا رَحِیمُ فرماتے تھے۔ اس پر کافروں نے کہا کہ ہمیں کہتا ہے ایک کو پکارو اور خود کبھی اللہ کو کبھی رحمٰن کو اور کبھی رحیم کو، اس کے لیے دروازے کھلے ہیں۔ تو اس کا اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ آپ کہہ دیں لفظ اللہ کے ساتھ پکارو یا رحمٰن کے ساتھ ﴿اَيًّا مَّا تَدْعُوْا﴾ جس نام کے ساتھ بھی پکارو گے ﴿فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ پس اسی کے لیے ہیں سب اچھے نام۔ اس کا ذاتی نام ایک ہی ہے اللہ! باقی سب صفاتی نام ہیں وہ رحمٰن بھی ہے، رحیم بھی، قہار بھی ہے، ستار بھی ہے، اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام مشہور ہیں ویسے پانچ ہزار نام ہیں۔

کچھ وظائف کا بیان

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص یہ ننانوے نام پڑھے گا اور ان کے مطابق عمل کرے گا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ کو جس نام کے ساتھ بھی پکارو صحیح ہے کیوں کہ اس کے سارے نام ہی اچھے ہیں اور اس کے ہر نام میں برکت ہے۔ رزق میں کمی ہو تو یَا رَزَّاقُ اور یَا بَاسِطُ کہہ کر پکارو۔ باسط کا معنیٰ ہے رزق کشادہ کرنے والا۔ رشتے یا کاروبار میں رکاوٹ ہو تو یَا لَطِیْفُ کثرت کے ساتھ پڑھو۔ آپس میں الفت ومحبت پیدا کرنے کے لیے یَا وَدُوْدُ کا ورد کرو۔ ودود کا معنیٰ محبت کرنے والا۔ میں نے پہلے بھی کئی دفعہ سمجھایا ہے کہ اللہ جی! کہنا جائز نہیں ہے۔ لوگ جہالت کی وجہ سے محبت میں آکر کہتے ہیں اللہ جی! کیوں کہنا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ یہ جملہ دعائیہ ہے، زندہ رہنے کی دعا ہے، یہ وہاں بولا جاتا ہے جس پر موت آئے۔ مثلاً: ابا جی، اماں جی، حافظ جی، قاری جی، مولوی جی، منشی جی کہنا صحیح ہے۔ کیوں کہ ان سب نے مرنا ہے اور رب پر موت نہیں آسکتی۔ لہٰذا اللہ جی! کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس کو خطرہ کوئی نہیں ہے۔ اسی طرح اَلسَّلَامُ عَلَی اللّٰہِ کہنا جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ اس کا معنیٰ ہے اے اللہ! آپ پر سلامتی ہو۔ وہ خود سلام ہے سلامتی دینے والا ہے۔ لوگ محبت کی وجہ سے کہتے ہیں مگر محبت وہ جائز ہے جو شریعت بتلائے۔

﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ اور نہ جہر کریں آپ اپنی نماز میں، ورنہ آپ آہستہ پڑھیں۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جہری نمازوں میں قرأت ذرا اونچی پڑھتے تھے تاکہ قریب کے لوگ قرآن سن کر متاثر ہوں لیکن کافر لوگ گالیاں نکالتے تھے آپ ﷺ کو بھی اور جبرئیل علیہ السلام کو بھی۔ تو آپ ﷺ نے آہستہ آہستہ پڑھنا شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوتے تھے وہ بے چارے بھی نہیں سن سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سمجھایا کہ اتنا جہر بھی نہ کرو کہ لوگ سن کر گالیاں دیں اور اتنا آہستہ بھی نہ پڑھو کہ پیچھے مقتدی بھی نہ سن سکیں۔

فقہائے کرام رحمہم اللہ دین میں بڑے محتاط ہوتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ امام کو بس اتنی آواز بلند کرنی چاہیے کہ پیچھے جو مقتدی کھڑے ہیں وہ سارے سنیں۔ آہستہ آواز نکالے کہ سب تک نہ پہنچے تو گنہگار ہوگا اور اتنی بلند آواز سے قرأت کرے کہ مقتدیوں سے باہر جائے تو یہ برا کام ہے فقہ میں اَسَاءَ کا لفظ آیا ہے۔ آج کل ایسے دیوانے ہیں کہ رمضان المبارک میں آگے پیچھے سپیکر لگا کر سناتے ہیں یہ سخت گناہ ہے۔ ثواب کمانے کی بجائے الٹا گناہ کماتے ہیں۔ کسی کی نیند میں خلل ڈالنا، کسی کی عبادت میں خلل ڈالنا، بیمار کے آرام میں خلل ڈالنا سب گناہ ہے اور فساد فی الارض کی مد میں ہے۔ اسلام بڑا امن والا مذہب ہے۔ حتیٰ کہ تفسیر مظہری میں تصریح ہے کہ اگر مسجد میں ایک آدمی بھی نماز پڑھ رہا ہے تو بلند آواز سے قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے۔ قرآن آہستہ پڑھو، ذکر آہستہ کرو، دوسروں کے امن اور سکون کو تباہ نہ کرو۔

تو فرمایا اتنی آواز بلند نہ کرو کہ دور کے لوگ سنیں اور اتنا آہستہ بھی نہ ہو کہ آواز مقتدیوں تک نہ جائے۔ ﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا﴾ اور تلاش کریں اس کے درمیان راستہ کہ آپ کے پیچھے جو مقتدی ہیں وہ سن لیں اور دور تک آواز نہ جائے۔ ﴿وَقُلِ

﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ﴾ اور آپ فرمادیں سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ﴿الَّذِیۡ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا﴾ جس نے نہیں ٹھہرائی اور بنائی اپنے لیے اولاد۔ یہودی کہتے تھے ﴿عُزَیۡرُ ابۡنُ اللّٰہِ﴾ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ اور عیسائی کہتے تھے ﴿الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ اللّٰہِ﴾ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ اور عرب اور دوسرے علاقوں کے جاہل کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ﴿وَ یَجۡعَلُوۡنَ لِلّٰہِ الۡبَنٰتِ﴾۔ اللہ تعالیٰ نے سب کی تردید فرمائی ہے ﴿لَمۡ یَلِدۡ ۙ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ﴾ "نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے۔"

﴿وَّلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ﴾ اور نہیں ہے اس کے لیے کوئی شریک ملک میں۔ نہ پیغمبروں میں سے اس کا کوئی شریک ہے، نہ فرشتوں میں سے، نہ انسانوں میں سے، نہ جنات میں سے ﴿وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ﴾ اور نہیں ہے اس کے لیے کوئی حمایتی جو کمزوری سے بچائے۔ رب تو قادر مطلق ہے حمایت کی ضرورت تو اس کو ہوتی ہے جو کمزور ہو اس کا تو نام ہی قوی ہے اس کو حمایت کی کیا ضرورت ہے۔ ﴿وَ کَبِّرۡہُ تَکۡبِیۡرًا﴾ اور آپ بڑائی بیان کریں اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنا۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ، اللّٰہُ اَکۡبَر کَبِیۡرًا کثرت کے ساتھ پڑھو، درود شریف کثرت کے ساتھ پڑھو، استغفار کرو۔ مسلمان کو رب تعالیٰ کی یاد سے ایک لمحہ بھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔

آج بروز ہفتہ ۲۷ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ بمطابق ۱۰ رجولائی ۲۰۱۰ء
سورت بنی اسرائیل مکمل ہوئی۔
والحمد للہ علیٰ ذالک

(مولانا) محمد نواز بلوچ
مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس جناح روڈ گوجرانوالا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تَفۡسِیۡر

سُوۡرَۃُ الۡکَھۡفِ مَکِّیَّۃٌ

سُوۡرَۃُ مَرۡیَمَ مَکِّیَّۃٌ

سُوۡرَۃُ طٰہٰ مَکِّیَّۃٌ

فہرست عنوات

ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن

(حصہ بارہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پیشِ لفظ

نَحْمَدُهٗ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی قدس سرہ العزیز برصغیر پاک وہند و بنگلہ دیش کو فرنگی استعمار سے آزادی دلانے کی جدو جہد میں گرفتار ہو کر مالٹا جزیرے میں تقریباً ساڑھے تین سال نظر بند رہے اور رہائی کے بعد جب دیوبند واپس پہنچے تو انہوں نے اپنے زندگی بھر کے تجربات اور جدو جہد کا نچوڑ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے نزدیک مسلمانوں کے ادبار و زوال کے دو بڑے اسباب ہیں۔ ایک قرآن پاک سے دوری اور دوسرا باہمی اختلافات و تنازعات۔ اس لیے مسلم اُمہ کو دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کو عام کیا جائے اور مسلمانوں میں باہمی اتحاد و مفاہمت کو فروغ دینے کے لیے محنت کی جائے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا یہ بڑھاپے اور ضعف کا زمانہ تھا اور اس کے بعد جلد ہی وہ دنیا سے رخصت ہو گئے مگر ان کے تلامذہ اور خوشہ چینوں نے اس نصیحت کو پلے باندھا اور قرآن کریم کی تعلیمات کو عام مسلمانوں تک پہنچانے کے لیے نئے جذبہ و لگن کے ساتھ مصروف عمل ہو گئے۔ اس سے قبل حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اور ان کے عظیم المرتبت فرزندوں حضرت شاہ عبد العزیز، حضرت شاہ عبد القادر اور حضرت شاہ رفیع الدین رحمہم اللہ نے قرآن کریم کے فارسی اور اردو میں تراجم اور تفسیریں کر کے اس خطہ کے مسلمانوں کی توجہ دلائی تھی کہ ان کا قرآن کریم کے ساتھ فہم و شعور کا تعلق قائم ہونا ضروری ہے اور اس کے بغیر وہ کفر و ضلالت کے حملوں اور گمراہ کن افکار و نظریات کی یلغار سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتے۔

جب کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے تلامذہ اور خوشہ چینوں کی یہ جدو جہد بھی اسی کا تسلسل تھی بالخصوص پنجاب میں بدعات واوہام کے سراب کے پیچھے بھاگتے چلے جانے والے ضعیف العقیدہ مسلمانوں کو خرافات و رسوم کی دلدل سے نکال کر قرآن وسنت کی تعلیمات سے براہِ راست روشناس کرانا بڑا کٹھن مرحلہ تھا۔ لیکن اس کے لیے جن اربابِ عزیمت نے عزم و ہمت سے کام لیا اور کسی مخالفت اور طعن و تشنیع کی پروا کیے بغیر قرآن کریم کو عام لوگوں کی زبان میں ترجمہ و تفسیر کے ساتھ پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا ان میں امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی قدس سرہ العزیز آف واں بھچراں ضلع میانوالی، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ العزیز اور حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستی نور اللہ مرقدہ کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔ جنہوں

نے اس دور میں علاقائی زبانوں میں قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر سے عام مسلمانوں کو روشناس کرانے کی مہم شروع کی جب عام سطح پر اس کا تصور بھی موجود نہیں تھا۔ مگر ان اربابِ ہمت کے عزم واستقلال کا ثمرہ ہے کہ آج پنجاب کے طول وعرض میں قرآن کریم کے دروس کی محافل کو شمار کرنا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم کی ذات گرامی بھی ہے ۔جنہوں نے ۱۹۴۳ء میں گکھڑ کی جامع مسجد بوہڑ والی میں صبح نماز کے بعد روزانہ درسِ قرآن کریم کا آغاز کیا اور جب تک صحت نے اجازت دی کم وبیش پچپن برس تک اس سلسلہ کو پوری پابندی کیساتھ جاری رکھا۔ انہیں حدیث میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے اور ترجمہ وتفسیر میں امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ سے شرف تلمذ واجازت حاصل ہے اور انہی کے اسلوب وطرز پر انہوں نے زندگی بھر اپنے تلامذہ اور خوشہ چینوں کو قرآن وحدیث کے علوم وتعلیمات سے بہرہ ور کرنے کی مسلسل محنت کی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے درس قرآن کریم کے چار الگ الگ حلقے رہے ہیں ایک درس بالکل عوامی سطح کا تھا جو صبح نمازِ فجر کے بعد مسجد میں ٹھیٹھ پنجابی زبان میں ہوتا تھا۔ دوسرا حلقہ گورنمنٹ نارمل سکول گکھڑ میں جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لئے تھا جو سالہا سال جاری رہا۔ تیسرا حلقہ مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ میں متوسط اور منتہی درجہ کے طلبہ کیلئے ہوتا تھا اور دو سال میں مکمل ہوتا تھا اور چوتھا مدرسہ نصرۃ العلوم میں ۷۶ء کے بعد شعبان اور رمضان کی تعطیلات کے دوران دورۂ تفسیر کی طرز پر تھا جو پچیس برس تک پابندی سے ہوتا رہا اور اس کا دورانیہ تقریباً ڈیڑھ ماہ کا ہوتا تھا۔ ان چار حلقہ ہائے درس کا اپنا اپنا رنگ تھا اور ہر درس میں مخاطبین کی ذہنی سطح اور فہم کے لحاظ سے قرآنی علوم ومعارف کے موتی ان کے دامن قلب وذہن میں منتقل ہوتے چلے جاتے تھے۔ ان چاروں حلقہ ہائے درس میں جن علماء کرام، طلبہ، جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں اور عام مسلمانوں نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے براہِ راست استفادہ کیا ہے ان کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق چالیس ہزار سے زائد بنتی ہے۔

﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ﴾

ان میں عام لوگوں کے استفادہ کے لئے جامع مسجد گکھڑ والا درسِ قرآن کریم زیادہ تفصیلی اور عام فہم ہوتا تھا جس کے بارے میں متعدد حضرات نے خواہش کا اظہار کیا اور بعض دفعہ عملی کوشش کا آغاز بھی ہوا کہ اسے قلمبند کر کے شائع کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے مستفید ہو سکیں لیکن اس میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ درس خالص پنجابی میں ہوتا تھا جو اگرچہ پورے کا پورا ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے محفوظ ہو چکا ہے مگر اسے پنجابی سے اُردو میں منتقل کرنا سب سے کٹھن مرحلہ تھا اس لیے بہت سی خواہشیں بلکہ کوششیں اس مرحلہ پر آ کر دم توڑ گئیں۔

البتہ ہر کام کا قدرت کی طرف سے ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور اس کی سعادت بھی قدرتِ خداوندی کی طرف سے طے شدہ ہوتی ہے۔ اس لئے تاخیر در تاخیر کے بعد یہ صورت سامنے آئی کہ اب مولانا محمد نواز بلوچ فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم اور برادرم

محمد لقمان میر صاحب نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے اور تمام تر مشکلات کے باوجود اس کا آغاز بھی کر دیا جس پر دونوں حضرات اور ان کے دیگر سب رفقاء نہ صرف حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے تلامذہ اور خوشہ چینوں بلکہ ہمارے پورے خاندان کی طرف سے بھی ہدیہ تشکر وتبریک کے مستحق ہیں۔ خدا کرے کہ وہ اس فرضِ کفایہ کی سعادت کو تکمیل تک پہنچا سکیں اور ان کی یہ مبارک سعی قرآنی تعلیمات کے فروغ، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے افادات کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے اور اَن گنت لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنے اور بارگاہِ ایزدی میں قبولیت سے سرفراز ہو۔ (آمین)

یہاں ایک امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ یہ دروس کی کاپیاں ہیں اور درس وخطاب کا انداز تحریر سے مختلف ہوتا ہے اس لیے بعض جگہ تکرار نظر آئے گا جو درس کے لوازمات میں سے ہے۔ لہٰذا قارئین سے گزارش ہے کہ اس کو ملحوظ رکھا جائے اس کے ساتھ ہی ان دروس کے ذریعے محفوظ کرنے میں محمد اقبال آف دبئی اور محمد سرور منہاس آف گکھڑ کی مسلسل محنت کا تذکرہ بھی ضروری ہے جنہوں نے اس عظیم علمی ذخیرہ کو ریکارڈ کرنے کے لیے سالہا سال تک پابندی کے ساتھ خدمت سرانجام دی، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے۔ آمین یارب العالمین

یکم مارچ ۲۰۰۲ء

ابوعمار زاہد الراشدی

خطیب جامع مسجد مرکزی، گوجرانوالا

اہلِ علم سے گزارش

بندۂ ناچیز امام المحدثین مجدد وقت شیخ الاسلام حضرت العلام مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کا شاگرد بھی ہے اور مرید بھی۔

اور محترم لقمان اللہ میر صاحب حضرت اقدس کے مخلص مرید اور خاص خدام میں سے ہیں۔

ہم وقتاً فوقتاً حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے جایا کرتے۔ خصوصاً جب حضرت شیخ اقدس کو زیادہ تکلیف ہوتی تو علاج معالجہ کے سلسلے کے لیے اکثر جانا ہوتا۔ جانے سے پہلے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے اکٹھے ہو جاتے۔ ایک دفعہ جاتے ہوئے میر صاحب نے کہا کہ حضرت نے ویسے تو کافی کتابیں لکھی ہیں اور ہر باطل کا رد کیا ہے مگر قرآن پاک کی تفسیر نہیں لکھی تو کیا حضرت اقدس جو صبح بعد نمازِ فجر درس قرآن ارشاد فرماتے ہیں وہ کسی نے محفوظ نہیں کیا کہ اسے کیسٹ سے کتابی شکل سے منظر عام پر لایا جائے تاکہ عوام الناس اس سے مستفید ہوں۔ اور اس سلسلے میں جتنے بھی اخراجات ہوں گے وہ میں برداشت کروں گا اور میرا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے، شاید یہ میرے اور میرے خاندان کی نجات کا سبب بن جائے۔ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمائی تھی۔

اس سے تقریباً ایک سال قبل میر صاحب کی اہلیہ کو خواب آیا تھا کہ ہم حضرت شیخ اقدس کے گھر گئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت کیلوں کے چھلکے لے کر باہر آ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے دے دیں میں باہر پھینک دیتی ہوں۔ حضرت نے وہ مجھے دے دیے اور میں نے باہر پھینک دیے۔

چوں کہ حضرت خواب کی تعبیر کے بھی امام ہیں۔ میں نے مذکورہ بالا خواب حضرت سے بیان کیا اور تعبیر پوچھنے پر حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ جو علمی فیض ہے اس سے تم بھی فائدہ حاصل کرو گے۔ چنانچہ وہ خواب کی تعبیر تفسیر قرآن "ذخیرۃ الجنان" کی شکل میں سامنے آئی۔

میر صاحب کے سوال کے جواب میں مَیں نے کہا اس سلسلے میں مجھے کچھ معلوم نہیں حضرت اقدس سے پوچھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب گکھڑ حضرت کے پاس پہنچ کر بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ درس دو تین مرتبہ ریکارڈ ہو چکا ہے اور محمد سرور منہاس کے پاس موجود ہے ان سے رابطہ کر لیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ گکھڑ والوں کے اصرار پر میں یہ درسِ قرآن پنجابی زبان میں دیتا ہوں اس کو اُردو زبان میں منتقل کرنا انتہائی مشکل اور اہم مسئلہ ہے۔

اس سے دو دن پہلے میرے پاس میرا ایک شاگرد آیا تھا اس نے مجھے کہا کہ میں ملازمت کرتا ہوں تنخواہ سے اخراجات

پورے نہیں ہو پاتے ، دورانِ گفتگو اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے ایم۔اے پنجابی بھی کیا ہے۔اس کی یہ بات مجھے اس وقت یاد آگئی۔میں نے حضرت سے عرض کی کہ میرا ایک شاگرد ہے اس نے پنجابی میں ایم۔اے کیا ہے اور کام کی تلاش میں ہے، میں اس سے بات کرتا ہوں۔

حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ہم حضرت کے پاس سے اٹھ کر محمد سرور منہاس صاحب کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنی خواہش رکھی انھوں نے کیسٹیں دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔کچھ کیسٹیں ریکارڈ کرانے کے بعد اپنے شاگرد ایم۔اے پنجابی کو بلایا اور اس کے سامنے یہ کام رکھا اُس نے کہا کہ میں یہ کام کر دوں گا ، میں نے اسے تجرباتی طور پر ایک عدد کیسٹ دی کہ یہ لکھ کر لاؤ پھر بات کریں گے۔دینی علوم سے ناواقفی اس کے لیے سدِ راہ بن گئی۔وہ قرآنی آیات ، احادیث مبارکہ اور عربی عبارت سمجھنے سے قاصر تھا۔تو میں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام خود ہی کرنے کا ہے میں نے خود ایک کیسٹ سنی اور اُردو میں منتقل کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کی۔حضرت نے اس میں مختلف مقامات میں سے پڑھ کر اظہارِ اطمینان فرمایا۔ اس اجازت پر پوری تن دہی سے متوکل علی اللہ ہو کر کام شروع کر دیا۔

میں بنیادی طور پر دنیاوی تعلیم کے لحاظ سے صرف پرائمری پاس ہوں ، باقی سارا فیض علمائے ربانیین سے دورانِ تعلیم حاصل ہوا۔اور میں اصل رہائشی بھی جھنگ کا ہوں وہاں کی پنجابی اور لاہور ، گوجرانوالا کی پنجابی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لہٰذا جہاں دشواری ہوتی وہاں حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری شہیدؒ سے رجوع کرتا یا زیادہ ہی الجھن پیدا ہو جاتی تو براہِ راست حضرت شیخؒ سے رابطہ کر کے تشفی کر لیتا لیکن حضرت کی وفات اور مولانا جلالپوریؒ کی شہادت کے بعد اب کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کی طرف رجوع کروں۔اب اگر کہیں محاورہ یا مشکل الفاظ پیش آئیں تو پروفیسر ڈاکٹر اعجاز سندھو صاحب سے رابطہ کر کے تسلی کر لیتا ہوں۔

اہل علم حضرات سے التماس ہے کہ اس بات کو بھی مدِ نظر رکھیں کہ یہ چونکہ عمومی درس ہوتا تھا اور یادداشت کی بنیاد پر مختلف روایات کا ذکر کیا جاتا تھا اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جو روایت جس کتاب کے حوالہ سے بیان کی گئی ہے وہ پوری روایت اسی کتاب میں موجود ہو۔بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ روایت کا ایک حصہ ایک کتاب میں ہوتا ہے جس کا حوالہ دیا گیا ہے مگر باقی تفصیلات دوسری کتب کی روایت بلکہ مختلف روایات میں ہوتی ہیں۔جیسا کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اساتذہ اور طلبہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لیے ان دروس میں بیان کی جانے والی روایات کا حوالہ تلاش کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے۔

علاوہ ازیں کیسٹ سے تحریر کرنے سے لے کر مسودہ کے زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے تک کے تمام مراحل میں اس مسودہ کو انتہائی ذمہ داری کے ساتھ میں بذاتِ خود اور دیگر تعاون کرنے والے احباب مطالعہ اور پروف ریڈنگ کے دوران غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور حتی المقدور اغلاط کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔کمپوزنگ اور اغلاط کی نشاندہی کے بعد میں

ایک مرتبہ دوبارہ مسودہ کو چیک کرتا ہوں تب جا کر انتہائی عرق ریزی کے بعد مسودہ اشاعت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہم سارے انسان ہیں اور انسان نسیان اور خطا سے مرکب ہے غلطیاں ممکن ہیں۔ لہٰذا اہل علم سے گزارش ہے کہ تمام خامیوں اور کمزوریوں کی نسبت صرف میری طرف ہی کی جائے اور ان غلطیوں سے مطلع اور آگاہ کیا جائے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔

العارض

محمد نواز بلوچ

فارغ التحصیل مدرسہ نصرۃ العلوم وفاضل وفاق المدارس العربیہ، ملتان

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ الۡكَهۡفِ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇦ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ ، قَالَ اَلَمۡ
(۱۵) (۱۶)

آیاتُہا ۱۱۰ (۱۸) سُوْرَۃُ الْکَھْفِ مَکِّیَّۃٌ (۶۹) رُکُوْعَاتُہا ۱۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ﴾ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ﴿الَّذِیْٓ﴾ وہ ذات ﴿اَنْزَلَ﴾ جس نے نازل کی ﴿عَلٰی عَبْدِہِ﴾ اپنے بندے پر ﴿الْکِتٰبَ﴾ کتاب ﴿وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ﴾ اور نہیں رکھی اس نے کتاب کے لیے ﴿عِوَجًا﴾ کوئی کجی ﴿قَیِّمًا﴾ بالکل سیدھی ہے ﴿لِّیُنْذِرَ﴾ تا کہ وہ ڈرائے ﴿بَاْسًا شَدِیْدًا﴾ سخت گرفت سے ﴿مِّنْ لَّدُنْہُ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ﴿وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اور تا کہ خوش خبری سنائے مومنوں کو ﴿الَّذِیْنَ﴾ وہ مومن ﴿یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ﴾ جو عمل کرتے ہیں اچھے ﴿اَنَّ لَہُمْ اَجْرًا حَسَنًا﴾ بے شک ان کے لیے بدلہ ہے اچھا ﴿مَّاکِثِیْنَ فِیْہِ﴾ رہنے والے ہوں گے اس اجر میں ﴿اَبَدًا﴾ ہمیشہ ﴿وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ﴾ اور تا کہ ڈرائے ان لوگوں کو ﴿قَالُوا﴾ جنھوں نے کہا ﴿اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا﴾ بنا لی ہے اللہ تعالیٰ نے اولاد ﴿مَا لَہُمْ بِہٖ مِنْ عِلْمٍ﴾ نہیں ہے ان کے لیے اس کا کوئی علم ﴿وَّلَا لِاٰبَآئِہِمْ﴾ اور نہ ان کے باپ دادا کو ﴿کَبُرَتْ کَلِمَۃً﴾ بڑی ہے بات ﴿تَخْرُجُ﴾ جو نکلتی ہے ﴿مِنْ اَفْوَاہِہِمْ﴾ ان کے مونہوں سے ﴿اِنْ یَّقُوْلُوْنَ﴾ نہیں کہتے ﴿اِلَّا کَذِبًا﴾ مگر جھوٹ ﴿فَلَعَلَّکَ﴾ پس شاید کہ آپ ﴿بَاخِعٌ نَّفْسَکَ﴾ ہلاک کر لیں اپنی جان کو ﴿عَلٰٓی اٰثَارِہِمْ﴾ ان کے پیچھے ﴿اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا﴾ اگر وہ ایمان نہ لائے ﴿بِہٰذَا الْحَدِیْثِ﴾ اس بات پر ﴿اَسَفًا﴾ افسوس کرتے ہوئے ﴿اِنَّا جَعَلْنَا﴾ بے شک ہم نے بنایا ہے ﴿مَا عَلَی الْاَرْضِ﴾ جو کچھ زمین پر ہے ﴿زِیْنَۃً لَّہَا﴾ زمین کے لیے زینت ﴿لِنَبْلُوَہُمْ﴾ تا کہ ہم امتحان لیں ان کا ﴿اَیُّہُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ان میں سے کون ہے زیادہ اچھا عمل کرنے والا ﴿وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ﴾ اور بے شک ہم بنانے والے ہیں ﴿مَا عَلَیْہَا﴾ جو زمین پر ہے ﴿صَعِیْدًا جُرُزًا﴾ میدان چٹیل۔

سورہ کہف کی وجہ تسمیہ؟

اس سورت کا نام سورۃ الکہف ہے۔ کہف کے معنی غار کے ہیں۔ آگے بیان آئے گا کہ دقیانوس ایک ظالم بادشاہ تھا اور کٹر قسم کا مشرک تھا اس کے شر سے ڈرتے ہوئے چند نوجوان جو ایمان لائے تھے غار میں جا چھپے تھے جس کی تفصیل خود آگے قرآن میں آ رہی ہے۔ چوں کہ اس سورت میں غار والے واقعہ کا ذکر ہے اس لیے اس کو سورۃ الکہف کہتے ہیں یعنی وہ سورت جس میں غار

کا ذکر ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس سے پہلے اڑسٹھ [۶۸] سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس سورت کے بارہ [۱۲] رکوع اور ایک سو دس [۱۱۰] آیات ہیں۔

اصل عبد اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں :

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ﴾ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے نازل کی اپنے بندے پر کتاب۔ عبد سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں اور کتاب سے مراد قرآن پاک ہے۔ عام جاہل قسم کے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ پیغمبروں کو بندہ نہیں کہنا چاہیے ان کا یہ نظریہ غلط ہے۔ اور غلط اس لیے ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو بندہ سمجھا ہے کہ بندے ہماری طرح ہوتے ہیں اور ہم سے کوتاہیاں ہوتی ہے ہم سر سے لے کر پاؤں تک گناہوں سے بھرے ہوئے ہیں اور پیغمبر تو ایسے نہیں ہوتے لہٰذا پیغمبر کو بندہ نہیں کہنا چاہیے۔ لیکن ان کی یہ غلطی ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو بندہ سمجھا۔ یہ بندے نہیں ہیں ان پر بندوں کا چمڑا چڑھا ہوا ہے۔ عبد ہونا بڑی بات ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی شریف میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک نیک پرہیزگار آدمی نے سر پر گیس لیمپ رکھا ہوا تھا اور بازار میں گھوم رہا تھا لوگوں نے پوچھا کہ سورج چڑھا ہوا ہے اور تم سر پر گیس لیمپ رکھ کر گھوم رہے ہو کیا تلاش کرتے ہو؟ کہنے لگا بندہ تلاش کر رہا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ یہ بازار میں، منڈی میں تمھیں بندے نظر نہیں آتے جن سے بازار بھرا ہوا ہے، منڈی بھری ہوئی ہے۔ اس اللہ کے بندے نے کہا :

آنکہ مے بینی خلاف آدم اند
نیستند آدم غلاف آدم اند

"جن کو آپ دیکھ رہے ہیں یہ بندے نہیں ہیں ان پر تو بندے کی کھال چڑھی ہوئی ہے۔" تو ہمارے اُوپر تو بندوں کی کھال چڑھی ہوئی ہے۔ عبد ہونا بڑی بات ہے لہٰذا لفظ عبد میں قطعاً کوئی توہین نہیں ہے۔ اگر لفظ عبد میں توہین ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پیغمبروں کے لیے کبھی نہ استعمال کرتا اور نہ اس کا التحیات میں ذکر ہوتا۔ حالاں کہ کوئی نماز فرض ہو یا وتر ہو، نفل ہوں یا جمعہ ہو یا عید ہو اس میں ہمیں التحیات پڑھنی پڑتی ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ معاذ اللہ تعالیٰ اگر لفظ عبد میں توہین ہے تو پھر ہم ہر نماز میں توہین کرتے ہیں جب کہ التحیات کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی لہٰذا لفظ عبد میں قطعاً کوئی توہین نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ جب دنیا میں تھے تو اس وقت بھی عبد تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات اپنے پاس بلایا اس وقت بھی عبد تھے اور جب واپس آئے تو اس وقت بھی عبد تھے۔ چنانچہ معراج کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ﴾ "پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو راتوں رات۔" جب بلندیوں پر پہنچے فرمایا ﴿فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی﴾ [النجم : ۱۰] "پس وحی کی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف جو وحی کی۔" تو وہاں بھی بندے ہی رہے۔ اور

واپس آئے تو عبدہ ورسولہ کا تحفہ لے کر آئے۔ تو لفظ عبد میں قطعاً کوئی توہین نہیں۔ ہماری کوتاہی ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو بندہ سمجھا ہے حالاں کہ ہم بندے نہیں ہیں ہمارے اُوپر بندوں کی کھال چڑھی ہوئی ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگوں کی شکلیں انسانوں والی ہوں گی وَ قُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الذِّيَابِ "اور دل بھیڑیوں جیسے ہوں گے۔" آج سو میں سے دو چار اللہ کے بندے ہیں باقی سب بھیڑیئے ہیں۔

تو فرمایا تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے نازل کی اپنے بندے پر کتاب ﴿وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا﴾ اور نہیں رکھی اس کتاب میں کجی۔ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں ہے ﴿قَيِّمًا﴾ بالکل سیدھی ہے درست ہے۔ کیوں اُتاری؟ اُتارنے کی علت ﴿لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا﴾۔ يُنْذِرُ کی ضمیر کتاب کی طرف بھی لوٹاتے ہیں۔ معنیٰ ہوگا تاکہ وہ کتاب ڈرائے سخت گرفت سے عذاب سے۔ اور عبد کی طرف بھی لوٹاتے ہیں۔ اس وقت معنیٰ ہوگا تاکہ وہ بندہ ڈرائے۔ مفہوم دونوں کا ایک ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کتاب کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے لوگوں کو ڈرایا کہ نافرمانی کی صورت میں دنیا میں تم پر عذاب آسکتا ہے اور مرنے کے بعد قبر میں عذاب ہوگا، پھر میدان محشر میں ہوگا پھر دوزخ میں عذاب ہوگا ﴿مِّنْ لَّدُنْهُ﴾ اس اللہ کی طرف سے ﴿وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور تاکہ خوش خبری سنائے مومنوں کو۔ مومن کون ہیں؟ ﴿الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ﴾ جو عمل کرتے ہیں اچھے۔

محض ایمان کے دعویٰ سے کچھ نہیں بنتا ساتھ دلیل بھی ہو وہ اعمال صالح ہے۔ دعویٰ تو ہم سب کرتے ہیں مگر عمل کرنے والے کتنے ہیں؟ میں یہ نہیں کہتا کہ نہیں ہیں اور قیامت تک رہیں گے مگر بہت تھوڑے۔ اکثریت دعویٰ کرنے والوں کی ہے کہ دعویٰ ہی دعویٰ ہے حقیقت کچھ نہیں ہے۔ اور کس چیز کی خوش خبری سنائی ہے ﴿اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا﴾ بے شک ان کے لیے بدلہ ہے اچھا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ملے گا۔

نیکی کے بدلے کا اصول

ضابطہ یہ ہے کہ ایمان کی حالت میں اخلاص کے ساتھ سنت کی پیروی میں جو نیکی کی جائے اس کا ادنیٰ ترین بدلہ دس گنا ہے ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ [انعام: ۱۶۰] "جو شخص لایا ایک نیکی پس اس کے لیے دس گنا اجر ہے۔"

ایک دفعہ سبحان اللہ کہنے کی برکت سے دس نیکیاں مل جائیں گی اور ایک صغیرہ گناہ خود بخود مٹ جائے گا اور ایک درجہ ایمان میں بڑھ جائے گا۔ کسی مسلمان بھائی کو السلام علیکم کہا تو دس نیکیاں مل گئیں نقد اور ایک صغیرہ گناہ خود بخود مٹ گیا اور ایک درجہ بلند ہو جائے گا۔ اور فی سبیل اللہ کی مد میں ہر نیکی کا ادنیٰ ترین بدلہ سات سو گنا ہے۔ کافروں کے مقابلے میں جو قدم اُٹھے گا لڑائی کے لیے، جہاد کے لیے وہ فی سبیل اللہ ہے۔ دین حاصل کرنے کے لیے جو قدم اُٹھتا ہے وہ فی سبیل اللہ ہے۔ آپ حضرات صبح کو گھر سے اس ارادے سے چلے کہ ہم نے قرآن کریم کا درس سننا ہے یہ فی سبیل اللہ ہے۔ اور فی سبیل اللہ نیکی کا ادنیٰ ترین بدلہ سات سو گنا ہے۔ آنے کا بھی اتنا ثواب ہے اور جب واپس گھروں کو جاؤ گے تو واپسی کے قدموں کا بھی اتنا ہی ثواب ہے۔

ابو داؤد شریف کی روایت ہے قَفْلَةٌ كَغَزْوَةٍ. حالاں کہ آدمی جب کسی کام سے فارغ ہو جائے تو آگے اس کا سفر فالتو ہوتا ہے مگر رب تعالیٰ کی رحمت اس وقت بھی پیچھا نہیں چھوڑتی ۔ تو فرمایا مومنوں کے لیے اچھا اجر ہے ﴿مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا﴾ رہنے والے ہوں گے اس اجر میں ہمیشہ ۔ اجرِ حسن کا محل جنت ہے اور جنت کی نعمتوں اور آسائشوں کا ہم اس جہاں میں تصور بھی نہیں کر سکتے جس میں ایمان والے ہمیشہ رہیں گے ۔ اور کتاب کیوں اُتاری گئی؟ فرمایا ﴿وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ﴾ اور تاکہ ڈرائے ان کو ﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا﴾ جنھوں نے کہا بنا لی ہے اللہ تعالیٰ نے اولاد ۔ یہودیوں نے کہا ﴿عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں ۔ اور نصاریٰ نے کہا ﴿الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ﴾ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں ۔ جب لوگوں کا تھوڑا سا ذہن بن گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ابنیت کی نسبت کرنا درست ہے تو پھر اپنے بارے میں دعویٰ کر لیا ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ [المائدہ:۱۸] "یہود و نصاریٰ نے کہا ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور محبوب ہیں ۔" اور عرب اور دوسرے علاقوں کے جاہلوں نے کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ﴾ [النحل:۵۷] فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان سب کی تردید فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیٹی ہے نہ بیٹا ہے، نہ ماں ہے، نہ باپ ہے، نہ بیوی ہے ۔ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے بالا اور پاک ہے ۔ رب تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے نہ ذات میں، نہ صفات میں اور نہ افعال میں ۔ اور جنھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد بنا لی ہے ﴿مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ﴾ نہیں ہے ان کے لیے اس کا کوئی علم ﴿وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ﴾ اور نہ ان کے آباء واجداد کو اس کا کوئی علم ہے ۔ ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ﴾ بڑی ہے بات جو نکلتی ہے ان کے مونہوں سے ۔

حدیث قدسی میں آتا ہے بخاری اور مسلم وغیرہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں يَسُبُّنِي ابن آدم وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذٰلِكَ "ابن آدم مجھے گالیاں نکالتا ہے حالانکہ اس کو گالیاں نکالنے کا کوئی حق نہیں ہے ۔ گالیاں کیسے نکالتا ہے؟ يَدْعُوْ لِيْ وَلَدًا میری طرف اولاد کی نسبت کرتا ہے ۔" اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹے بیٹی کی نسبت کرنا رب تعالیٰ کو گالی دینا ہے ۔ اور فرمایا آدم کا بیٹا میری تکذیب کرتا ہے مجھے جھٹلاتا ہے ۔ حالاں کہ اس کو کوئی حق نہیں ہے کہ مجھے جھٹلائے ۔ کہتا ہے لَنْ يُعِيْدَنِيْ رب مجھے قیامت والے دن دوبارہ نہیں اُٹھائے گا ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴾ [المومنون:۳۷] اور ہم دوبارہ نہیں اُٹھائے جائیں گے ۔ ﴿مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ﴾ [یٰسین:۷۸] "کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو اور وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی ۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے پہلی مرتبہ زندہ کیا ہے وہی دوبارہ زندہ کرے گا ۔

فرمایا ان کے مونہوں سے بڑی بات نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد بنالی ہے ﴿اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا﴾ نہیں کہتے مگر جھوٹ ۔ قریش مکہ جب حق کی بات نہیں مانتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی کوفت ہوتی تھی اور یہ طبعی بات ہے کہ قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا اور اس کی فصاحت اور بلاغت کو بھی جانتے اور سمجھتے تھے مگر ظالم ﴿سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ کہہ کر حق کے اثر کو ٹال دیتے تھے کہ یہ جو اتنا اثر رکھتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جادو ہے ۔ تو ان کی باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوفت ہوتی تھی کہ میں

ان کو بغیر کسی معاوضے کے حق سناتا ہوں ان کی خیرخواہی کرتا ہوں اور یہ مجھے ساحر جادوگر کہتے ہیں، کبھی کذاب اور کبھی مفتری کہتے ہیں اور کبھی مجنوں دیوانہ کہتے ہیں۔ جو ان کے منہ میں آتا ہے کہتے جاتے ہیں اس پر آپ کو تکلیف ہوتی تھی۔

ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ؟

اس وجہ سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ﴾ پس شاید کہ آپ ہلاک کرلیں اپنی جان کو ﴿عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ﴾ ان کے پیچھے ﴿اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ اگر وہ ایمان نہ لائیں اس بات پر، قرآن پاک پر افسوس کرتے ہوئے اپنی جان ہلاک کرلیں گے۔ انسان غم کی وجہ سے بوڑھا بھی جلدی ہوتا ہے اور کمزور بھی ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نوبت ہلاکت تک پہنچ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو آپ اپنی جان ضائع نہ کریں کیوں کہ آپ کے ذمہ پہنچانا ہے، ہدایت یافتہ بنانا آپ کے ذمہ نہیں ہے۔ ﴿وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ﴾ [بقرۃ:۱۱۹] "اور آپ سے دوزخیوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا کہ یہ دوزخ میں کیوں گئے ہیں۔" یہ سوال اس لئے نہیں کیا جائے گا کہ ہدایت دینا آپ ﷺ کے اختیار میں نہیں تھا۔ ہدایت دینا اگر آپ ﷺ کے اختیار میں ہوتا تو پھر سوال ہوتا کہ آپ ﷺ نے ان کو ہدایت دے کر جنت میں کیوں نہیں بھیجا۔ اور ہدایت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فیصلہ سنا دیا ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [القصص:۵۶] "اے نبی کریم ﷺ! آپ ہدایت نہیں دے سکتے اس کو جس کے ساتھ آپ کی محبت ہے (پیش کر سکتے ہیں) اور لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔" اس لیے آپ سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ یہ دوزخ میں کیوں گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا﴾ بے شک ہم نے بنایا ہے جو کچھ زمین پر ہے زمین کے لیے زینت۔ زمین پر درخت ہیں، باغات ہیں، پھل ہیں، پھول ہیں، سبزیاں ہیں اور بہت کچھ ہے ﴿لِنَبْلُوَهُمْ﴾ تاکہ ہم ان کا امتحان لیں ﴿اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ان میں سے کون ہے زیادہ اچھا عمل کرنے والا۔ زمین پر جو آدمی محنت کرتا ہے اس کی فصل کھیت، باغات، سبزیاں، اچھی ہوتی ہیں۔ وہ اناج پھل حاصل کرتا ہے اور جو کچھ نہیں کرتا وہ محروم رہتا ہے۔ اور محنت کرنے والوں میں بھی کچھ زیادہ محنت کرنے والے ہوتے ہیں اور کچھ کم۔ جو جتنی محنت کرے گا اتنا پھل پائے گا۔ یہی حال آخرت کی کھیتی کا ہے۔ کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے جو یہاں جتنا بیج کر جائے گا اتنا وہاں جا کر کاٹے گا اور جو بیج کر جائے گا وہی جا کر کاٹے گا۔ اور جو شخص کچھ نہیں بوئے گا اسے وہاں کچھ نہیں ملے گا۔ اسی لیے شاعر نے کہا ہے اور بہت اچھا کہا ہے:۔

از مکافات عمل غافل مشو

گندم از گندم بروید جو از جو

"اے بندے اپنے اعمال کے بدلے سے بے خبر اور غافل نہ ہو گندم سے گندم اگتی ہے اور جو بیجو گے تو جو ہی کاٹو گے۔"

آج ہماری مصیبت یہ ہے کہ بیجتے کچھ بھی نہیں اور کہتے ہیں کہ کاٹیں گے سب کچھ۔ نیکیاں ہمارے پاس ہے نہیں اور

جنت کے ہم ٹھیکیدار ہیں۔

فرمایا ہم ان کو آزمائیں گے کہ ان میں سے کون ہے زیادہ اچھا عمل کرنے والا۔ اور فرمایا ﴿وَ اِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْهَا﴾ اور بے شک ہم کرنے والے ہیں جو زمین پر ہے ایک وقت آئے گا ﴿صَعِیْدًا جُرُزًا﴾ میدان چٹیل۔ آج تو زمین پر پہاڑ ہیں، ٹیلے ہیں، نشیب و فراز ہے۔ ایک وقت آئے گا یہ سب برابر کر دی جائے گی۔

سورہ طٰہٰ آیت نمبر ۱۰۶-۱۰۷ میں ہے ﴿فَیَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا﴾ "پس کر دے گا ان کو صاف ہموار زمین ﴿لَّا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا وَّ لَاۤ اَمْتًا﴾ نہیں دیکھے گا تو اس میں کوئی کجی اور نہ کوئی ٹیلا۔" اللہ تعالیٰ ساری زمین کو ہموار کر دے گا۔ اگر کوئی مغرب کی طرف سے انڈے کو چھوڑ دے گا تو اس کے مشرق تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ تو جس طرح اس زمین پر تم محنت کرتے ہو اور پھل ملتا ہے اسی طرح اس جہان میں نیکیاں کرو گے تو اگلے جہان میں تمھیں پھل ملے گا اور فائدہ ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ زندگی رہی تو باقی بات آگے آئے گی۔

﴿اَمْ حَسِبْتَ﴾ کیا آپ خیال کرتے ہیں ﴿اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ﴾ بے شک اصحاب کہف ﴿وَ الرَّقِیْمِ﴾ اور وہ جن کے نام لکھے ہوئے تھے ﴿كَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا﴾ تھے ہماری نشانیوں میں سے عجیب تر ﴿اِذْ اَوَی الْفِتْیَةُ﴾ جس وقت ٹھکانا لیا چند نوجوانوں نے ﴿اِلَی الْكَهْفِ﴾ غار میں ﴿فَقَالُوْا﴾ پس اُنھوں نے کہا ﴿رَبَّنَاۤ﴾ اے رب ہمارے ﴿اٰتِنَا﴾ دے ہمیں ﴿مِنْ لَّدُنْكَ﴾ اپنی طرف سے ﴿رَحْمَةً﴾ رحمت ﴿وَّ هَیِّئْ لَنَا﴾ اور تیار کر دے ہمارے لیے ﴿مِنْ اَمْرِنَا﴾ ہمارے معاملے میں ﴿رَشَدًا﴾ بھلائی ﴿فَضَرَبْنَا عَلٰۤی اٰذَانِهِمْ﴾ پس ہم نے تھپکی ماری ان کے کانوں پر ﴿فِی الْكَهْفِ﴾ غار میں ﴿سِنِیْنَ عَدَدًا﴾ سال گنتی کے ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ﴾ پھر ہم نے ان کو کھڑا کیا ﴿لِنَعْلَمَ﴾ تاکہ ہم ظاہر کریں ﴿اَیُّ الْحِزْبَیْنِ﴾ دونوں گروہوں میں سے کون ﴿اَحْصٰی﴾ زیادہ یاد رکھنے والا ہے ﴿لِمَا لَبِثُوْۤا﴾ جو وہ ٹھہرے ہیں ﴿اَمَدًا﴾ مدت کے لحاظ سے ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ﴾ ہم بیان کرتے ہیں آپ پر ﴿نَبَاَهُمْ﴾ اصحابِ کہف کی خبر ﴿بِالْحَقِّ﴾ حق کے ساتھ ﴿اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ﴾ بے شک وہ چند نوجوان تھے ﴿اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ﴾ جو ایمان لائے اپنے رب پر ﴿وَ زِدْنٰهُمْ هُدًی﴾ اور ہم نے زیادہ دی ان کو ﴿وَّ رَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ﴾ اور ہم نے مضبوط کیے ان کے ﴿اِذْ قَامُوْا﴾ جس وقت وہ کھڑے ہوئے ﴿فَقَالُوْا﴾ پس کہا انھوں نے ﴿رَبُّنَا﴾ ہمارا رب وہ ہے ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا ﴿لَنْ نَّدْعُوَاۡ﴾ ہم ہرگز نہیں پکاریں گے ﴿مِنْ دُوْنِهٖۤ﴾ اس کے علاوہ ﴿اِلٰهًا﴾ کسی اور کو الٰہ ﴿لَقَدْ قُلْنَاۤ﴾ البتہ تحقیق ہم کہیں گے

﴿اِذًا﴾ اس وقت ﴿شَطَطًا﴾ بات زیادتی والی ﴿هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا﴾ یہ ہماری قوم ہے ﴿اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً﴾ انھوں نے بنالیے ہیں اللہ تعالیٰ سے ورے اور معبود ﴿لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ﴾ کیوں نہیں لاتے وہ ان معبودوں کے بارے میں ﴿بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ﴾ کوئی کھلی دلیل ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ﴾ پس کون زیادہ ظالم ہے ﴿مِمَّنِ افْتَرٰى﴾ اس سے جو افترا باندھے ﴿عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ﴾ اور جس وقت تم الگ ہو گئے ان سے ﴿وَمَا يَعْبُدُوْنَ﴾ اور ان سے بھی جن کی وہ عبادت کرتے ہیں ﴿اِلَّا اللّٰهَ﴾ سوائے اللہ تعالیٰ کے ﴿فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ﴾ پس ٹھکانا بناؤ غار میں ﴿يَنْشُرْ لَكُمْ﴾ بکھیرے گا تمھارے لیے ﴿رَبُّكُمْ﴾ تمھارا رب ﴿مِّنْ رَّحْمَتِهٖ﴾ اپنی رحمت سے ﴿وَيُهَيِّئْ لَكُمْ﴾ اور تیار کرے گا تمھارے لیے ﴿مِّنْ اَمْرِكُمْ﴾ تمھارے معاملے میں ﴿مِّرْفَقًا﴾ نرمی۔

پچھلی سورت کی آیت ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ﴾ کی تفسیر میں تم یہ بات سن چکے ہو کہ مدینہ طیبہ کے کچھ یہودیوں نے ایک موقع پر آنحضرت ﷺ کا امتحان لینا چاہا۔ انھوں نے آپ سے تین سوال کیے۔ ایک یہ کہ آپ ہمیں روح کی حقیقت بتلائیں کہ روح کیا چیز ہے؟ جوہر ہے یعنی جسم ہے یا عرض ہے یعنی صفت ہے؟ دوسرا یہ بتلاؤ کہ اصحاب کہف کون لوگ تھے اور ان کے حالات کیا ہیں؟ اور تیسرا سوال یہ کیا کہ ذوالقرنین کون تھا اور اس کے کارنامے؟

روح کے متعلق سوال کا جواب پہلی سورت میں دیا کہ روح کی حقیقت کوئی نہیں سمجھ سکتا بس یوں سمجھو کہ رب کے حکم سے ایک چیز جسم میں داخل ہوتی ہے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے، نکل جاتی ہے تو وہ مرجاتا ہے۔

واقعہ اصحابِ کہف

اصحابِ کہف کے متعلق سوال کا جواب یہاں دیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد تقریباً اڑھائی صدیاں گزر چکی تھیں یعنی دو سو پچاس سال اور ان کے مذہب کے جو مخلص لوگ تھے وہ دین کی نشرواشاعت کے لیے کوشش اور محنت سے کام کر رہے تھے جب یہ واقعہ پیش آیا۔ ایشیائے کوچک کا علاقہ تھا جو اس وقت ترکیوں کے قبضے میں ہے۔ اس وقت کے بادشاہ کا نام دقیانوس تھا اور یہ بڑا ظالم، جابر اور کٹر قسم کا مشرک تھا۔ اس کے دفتر میں چھ نوجوان ملازم تھے اور یہ آپس میں دوست تھے۔ اکٹھے اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے تھے۔ کسی پادری نے ان کے سامنے توحید ورسالت کا اور قیامت کا مسئلہ پیش کیا۔ اس وقت وہ پادری دینِ حق پر تھا۔ ابھی آنحضرت ﷺ کی ولادت نہیں ہوئی تھی۔ پادری نے ان کو اچھی طرح سمجھایا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عِيْسٰى رُوْحُ اللّٰهِ۔ پڑھو تو کامیاب ہو جاؤ گے۔ نوجوان بڑے صاف دل تھے تفسیروں میں ان کے نام بھی بتلائے گئے ہیں۔ ایک کا نام یملیخا، دوسرے کا نام مکسل مین، تیسرے کا نام مَشلینا، چوتھے کا نام مرنوش،

پانچویں کا نام برنوش، چھٹے کا نام شاذنوش رحمہم اللہ۔

بادشاہ کو جب ان کے توحید اور کلمے کا علم ہوا تو ان کو عدالت میں طلب کیا اور پوچھا کہ معلوم ہوا ہے کہ تم نے اپنا دین بدل لیا ہے؟ ان نوجوانوں نے بڑی ہمت، جرأت اور بہادری کے ساتھ حق گوئی سے کام لیتے ہوئے اپنا عقیدہ بتلایا کہ ہم صرف رب کے پجاری ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں ہے اور یہ جو عدالت میں تماشائی بیٹھے ہیں اور وکیل ہیں یہ اپنے شرک پر کوئی دلیل پیش کریں۔ انھوں نے کھل کر باتیں کیں تاریخ بتلاتی ہے کہ وہ شادی شدہ تھے اور ان کے ماں باپ بھی زندہ تھے۔ عدالت نے یہ سمجھا کہ نوجوان ہیں جذبات میں آ کر باتیں کر رہے ہیں ان کو تنبیہ کر دینی کافی ہے قید نہ کریں اور سوچنے کا موقع دیں۔ چنانچہ ان کو کہا کہ اتنے دنوں میں تم نے اپنا عقیدہ چھوڑ دینا ہے اگر نہ چھوڑا تو ہم تمھیں سنگسار کریں گے یعنی پتھر مار مار کر ختم کر دیں گے۔ عدالت نے ان کو یہ دھمکی دے کر چھوڑ دیا۔

ان نوجوانوں نے رات کو مشورہ کیا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اگر ہم اپنے ایمان اور عقیدے کو چھوڑتے ہیں تو ہماری آخرت برباد ہو جائے گی اور اگر ہم جھوٹ بولیں کہ ان کو کہیں کہ ہم نے عقیدہ بدل لیا ہے اور حقیقت میں نہ بدلیں تو یہ بات بھی غلط ہے۔ لہٰذا ایسا کرتے ہیں کہ علاقہ بڑا وسیع ہے اور پہاڑی علاقہ تھا، بڑے بڑے پہاڑ تھے، کسی غار میں جا کر وقت گزارو اور حالات کا جائزہ لو۔ یہ بات طے کرنے کے بعد تقریباً سورج طلوع ہونے کے ایک گھنٹہ بعد اپنے شہر جس کا نام افسوس تھا کو چھوڑ کر چل پڑے۔ آج کل کے جغرافیہ میں اس شہر کا نام طرطوس ہے۔

جب کچھ سفر کر چکے تو راستے میں ان کو بھیڑ بکریاں چرانے والا ملا جس کا نام کفش طیطوس تھا۔ اس نے ان جوانوں سے پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو اور کیوں جا رہے ہو؟ انھوں نے اس کو سارا واقعہ سنایا کہ ہمیں حکومت نے دھمکی دی ہے کہ اگر تم نے عقیدہ نہ چھوڑا تو تمھیں رجم کر دیں گے۔ اس لیے ہم شہر چھوڑ کر جنگل کی طرف نکل آئے ہیں تاکہ ہمارا ایمان بچ جائے اور کہیں غار میں رہ کر زندگی گزاریں۔ اس چرواہے نے کہا کہ میرا بھی یہی عقیدہ ہے جو تمھارا ہے لہٰذا میں بھی تمھارے ساتھ چلتا ہوں۔ اس نے بھیڑ بکریاں چھوڑیں، ماں باپ اور بیوی بچے چھوڑے اور ان کے ساتھ چل پڑا۔ اس کا ایک وفادار کتا تھا جس کا نام قطمیر تھا وہ بھی ساتھ چل پڑا۔ تو یہ سات آدمی اور آٹھواں ساتھ کتا ہو گیا۔ ان کو خدشہ ہوا کہ دوسرے کتے اس کتے کو دیکھیں گے تو لازمی بات ہے کہ وہ بھونکیں گے تو لوگ دیکھیں گے اور ہم پکڑے جائیں گے لہٰذا کتے کو ہٹا دینا چاہیے۔ انھوں نے کتے کو پتھر مارے کہ ہمارے ساتھ مت چلو کتے نے پیچھا نہ چھوڑا۔ پھر پتھر مارے تو اللہ تعالیٰ نے کتے کو زبان عطا فرمائی اس نے ان سے پوچھا کہ مجھے کیوں مارتے ہو جس رب کے تم پجاری ہو میں بھی اسی کی عبادت کرتا ہوں میں تمھارے ساتھ رہوں گا تم جہاں سوئے ہو گے میں وہاں پہرہ دوں گا مجھ سے تمھیں کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے۔

۱۳ قسم کے جانور جنت میں جائیں گے

فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ تیرہ (۱۳) قسم کے جانور ہیں جو جنت میں جائیں گے ان میں سے ایک یہ کتا بھی

ہے جو بلعم بن باعورا کی شکل میں جنت میں جائے گا۔ بلعم بن باعورا بنی اسرائیل میں ایک بزرگ تھا بعد میں لالچ کی وجہ سے اس کی بزرگی زائل ہوگئی تھی۔ یہ بڑا خوب صورت عبادت گزار آدمی تھا اور اس کے ہاتھ پر بڑی کرامات ظاہر ہوتی تھیں مگر دنیا کے لالچ میں آکر ذلیل ہو گیا۔ وہ اس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام کے مخالفوں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہمیں بڑا تنگ کیا ہوا ہے ہر وقت ہمیں ایک ہی بات سناتا رہتا ہے۔ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور تم مقبول الدعا ہو موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بددعا کرو یہ تباہ ہو جائے۔ اس نے انکار کیا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں تم میرا مقابلہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے ساتھ کراتے ہو۔ چوں کہ وہ اس کو جانتے تھے کہ لالچی آدمی ہے۔ دوسری مرتبہ کچھ تحفے تحائف لے آئے پھر بھی اس نے انکار کیا۔ تیسری مرتبہ سونا، چاندی، ہیرے، جواہر بڑی تعداد میں لے کر آئے۔ اس کے سامنے ڈھیر لگا دیا۔ اور کہا کہ یہ تمھارے لیے ہدیہ ہے موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بددعا کرو، لالچ میں آگیا، ہاتھ اُٹھائے بس اتنے لفظ منہ سے نکالے اے اللہ! موسیٰ .... آگے کہنا چاہتا تھا کہ تباہ و برباد کر زبان ناف تک نیچے لٹک گئی اور ہلکے (باؤلے) کتے کی طرح پھرنے لگ گیا اور پھر ہلکے کتے کی طرح پھرتا رہتا تھا تو اصحاب کہف کے کتے کو بلعم بن باعورا کی شکل میں جنت میں داخل کیا جائے گا۔ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ گلستان میں لکھتے ہیں:

پسر نوح بابداں بہ نشست خاندان نبوتش گم شد

"نوح علیہ السلام کا بیٹا بروں کی صحبت میں رہا اس کی نبوت کا خاندان ختم ہو گیا۔

سگ اصحاب کہف چند روزے پئے نیکاں گرفت مردم شد

اصحاب کہف کے کتے نے چند دن نیکوں کی پیروی کی آدمی ہو گیا۔"

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

"اچھے کی صحبت تجھے اچھا کرے گی اور بُرے کی صحبت تجھے بُرا بنا دے گی۔"

اور آدمی کی صحبت اس کے اچھے اور بُرے ہونے کی پہچان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کسی سے نہ پوچھو کہ نیک ہے یا بد فَلْيَنْظُرْ مَنْ يُّخَالِلُ یہ دیکھو کہ کن لوگوں کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہے فَاِنَّ الْمَرْءَ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ بے شک آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ جو نظریہ اس کے ساتھی کا ہوگا اس کا بھی وہی ہوگا۔

بہر حال وہ نوجوان دو سو پچاس عیسوی میں اس غار کے اندر داخل ہوئے اور تین سو نو سال تک اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کر دی اور ان کو اللہ تعالیٰ نے بغیر کھانے پینے کے زندہ رکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بیس سال پہلے بیدار ہوئے۔ آگے قصہ آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہ غار ایشیائے کوچک میں اِفسوس نامی شہر سے نو میل کے فاصلے پر ہے۔ اور یہ علاقہ ترکی والوں کے پاس ہے دمشق شہر سے متصل ایک پہاڑ ہے جس کا نام قاسیون ہے۔ دمشق شہر اس پہاڑ کے دامن میں ہے وہاں بھی کچھ ملنگوں نے ایک مصنوعی غار بنایا ہوا ہے وہ غار میں نے دیکھا ہے اور اس کے اندر بھی داخل ہوا ہوں۔ اس میں تین

چار بڑی بڑی قبریں تھیں اور ایک چھوٹی سی قبر تھی۔ میں نے پوچھا یہ چھوٹی قبر کس کی ہے؟ تو مجاور کہنے لگا کہ ھذا القبر لکلبہ کتے کی قبر ہے۔ میں ہنس پڑا۔ چوں کہ میں جانتا تھا کہ یہ سب کچھ بناوٹی ہے مگر ان سے کیا الجھنا ہے چھوڑ دو۔ تو وہ غار دمشق میں نہیں ہے وہ ایشیائے کوچک میں فسوس نامی شہر سے نو میل کے فاصلے پر ہے۔ اور آج کل اس شہر کا نام طرطوس ہے۔

اس کا ذکر ہے ﴿ اَمْ حَسِبْتَ ﴾ کیا آپ خیال کرتے ہیں ﴿ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ ﴾ کہ بے شک کہف والے ﴿ وَالرَّقِيْمِ ﴾ اور جن کے نام لکھے ہوئے تھے ان کے نام لکھ کر حکومت نے تھانوں میں پہنچا دیئے تھے جس طرح آج کل مفروروں کا نام حلیہ تھانوں میں پہنچا دیا جاتا ہے کہ ہمیں یہ آدمی مطلوب ہیں اسی طرح ان کے نام بھی لکھے ہوئے تھے ﴿ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴾ تھے ہماری نشانیوں میں سے عجیب تر۔ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ یہ ہماری نشانیوں میں سے بڑی عجیب ہے۔ بے شک یہ بھی عجیب ہے لیکن آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور خود انسان کا اپنا وجود کہ رب تعالیٰ نے اس کو کس چیز سے پیدا کیا ہے یہ زیادہ عجیب ہے۔

﴿ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ ﴾ جس وقت ٹھکانا لیا چند نوجوانوں نے ﴿ اِلَى الْكَهْفِ ﴾ غار میں ﴿ فَقَالُوْا ﴾ پس انھوں نے کہا ﴿ رَبَّنَآ ﴾ اے ہمارے رب! ﴿ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ﴾ دے ہمیں اپنی طرف سے رحمت ﴿ وَّ هَيِّئْ لَنَا ﴾ اور تیار کر دے ہمارے لیے ﴿ مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴾ ہمارے معاملے میں بھلائی۔ اس کام میں ہمارے لیے بھلائی ہو ﴿ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ ﴾ پس ہم نے تھپکی ماری ان کے کانوں پر غار میں۔ نیند مسلط کر دی ان پر غار میں ﴿ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴾ سال گنتی کے۔ جن کا ذکر آگے آرہا ہے تین سو نو سال ﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ ﴾ پھر ہم نے ان کو کھڑا کیا ﴿ لِنَعْلَمَ ﴾ تا کہ ہم ظاہر کریں ﴿ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴾ دونوں گروہوں میں سے کون زیادہ یاد رکھنے والا ہے جو وہ ٹھہرے ہیں مدت کے لحاظ سے۔ ان دونوں گروہوں کا ذکر آگے آرہا ہے وہ انھی میں سے تھے۔ ایک گروہ نے کہا اتنا عرصہ ٹھہریں ہیں اور دوسرے نے کہا اتنا عرصہ ٹھہرے ہیں۔

اصحابِ کہف نے اپنا موقف پیش کیا

﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ ﴾ ہم بیان کرتے ہیں آپ پر ﴿ نَبَاَهُمْ ﴾ اصحاب کہف کی خبر ﴿ بِالْحَقِّ ﴾ حق ﴿ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ ﴾ بے شک وہ چند نوجوان تھے ﴿ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ ﴾ جو ایمان لائے اپنے رب پر ﴿ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴾ اور ہم نے زیادہ دی ان کو ہدایت ﴿ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ اور ہم نے مضبوط کیے ان کے دل ﴿ اِذْ قَامُوْا ﴾ جب وہ کھڑے ہوئے عدالت میں ﴿ فَقَالُوْا ﴾ پس کہا انھوں نے ﴿ رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ہمارا رب وہ ہے جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا ﴿ لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا ﴾ ہم ہرگز نہیں پکاریں گے اس کے سوا کسی اور کو الٰہ۔ عدالت میں کھڑے ہو کر انھوں نے واشگاف لفظوں میں کہہ دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود نہیں سمجھتے نہ اس کے سوا کسی کی عبادت کریں گے۔ ﴿ لَقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴾ البتہ تحقیق ہم کہیں گے اس وقت بات زیادتی والی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود بنائیں مشکل کشا اور حاجت روا سمجھیں، فریاد رس سمجھیں تو ہم نے تو بڑی

زیادتی کی۔

﴿هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا﴾ یہ عدالت میں ہماری قوم ہے انھوں نے بنا لیے ہیں اللہ تعالیٰ سے ورے ورے اور معبود جن کو یہ حاجت روا، مشکل کشا سمجھتے ہیں ﴿لَوْلَا يَأْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ﴾ کیوں نہیں لاتے ان معبودوں کے بارے میں کوئی کھلی دلیل۔ ہماری دلیل تو واضح ہے کہ ہمارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے، آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے۔ یہ حاضرین تماشائی بتلائیں کہ ان کے خداؤں نے کیا کیا ہے؟ ان کے اختیار میں کیا ہے کہ جس کی وجہ سے یہ ان کی عبادت کرتے ہیں اور ان کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں اور پھر یہ ساری باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اختیار دیئے اور یہ اللہ تعالیٰ پر افترا باندھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو افترا باندھے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا۔

عدالت نے دیکھا کہ یہ نوجوان جذبات میں ہیں ان کو فوری طور پر سزا نہیں دینی چاہیے بلکہ سوچنے کا موقع دینا چاہیے اور ان کو تنبیہ تو ہو ہی گئی ہے کہ ان کے عقیدہ پر بادشاہ ناراض ہے اور یہ عقیدہ پوری قوم کے خلاف ہے۔ چنانچہ عدالت نے ان کو چھوڑ دیا مہلت دے دی کہ اپنے متعلق کچھ سوچو اور غور و فکر کرو۔ اب انھوں نے آپس میں مشورہ کیا ﴿وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ﴾ اور اے ساتھیو! جب تم الگ ہو گئے ہو ان سے ﴿وَمَا يَعْبُدُوْنَ﴾ اور ان سے بھی جن کی یہ عبادت کرتے ہیں اِلَّا اللّٰهَ سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ تو ایسا کرو ﴿فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ﴾ پس ٹھکانا بناؤ کسی غار میں بڑے پہاڑ کی اور فی الحال وقت گزارو اور حالات کا جائزہ لو ﴿يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ﴾ بکھیرے گا تمھارے لیے تمھارا رب ﴿مِّنْ رَّحْمَتِهٖ﴾ اپنی رحمت سے ﴿وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا﴾۔ اور تیار کرے گا تمھارے لیے تمھارے معاملے میں نرمی۔ تمھارے لیے سہولت پیدا کرے گا۔

چنانچہ عدالت سے باہر آ کر یہ مشورہ کر کے گھروں میں چلے گئے یہ ان کے ایمان کی مضبوطی کی دلیل تھی۔ آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے ایمان کے لیے بیوی بچوں کو چھوڑنا، ماں باپ کو چھوڑنا، گھر بار چھوڑنا، پھر اس چرواہے کو دیکھو بھیڑ بکریاں چھوڑیں، ماں باپ گھر بار چھوڑا۔ اصل بات یہ ہے کہ ان کا ایمان بڑا مضبوط تھا اور کتنے پختہ لوگ تھے آج ہم تصور کر سکتے ہیں دین کے لیے بیوی بچے گھر بار ماں باپ چھوڑنے کا، عزیز رشتہ داروں کو چھوڑنے کا۔ اصل وجہ یہ ہے کہ ہمیں ایمان موروثی طور پر مفت میں ملا ہے کہ ہمارے باپ دادا مسلمان تھے ہم بھی مسلمان پیدا ہو گئے ہمیں اس کے لیے کوئی قربانی نہیں دینی پڑی۔ اس لیے اس کی قدر نہیں ہے۔

﴿وَتَرَى﴾ اور آپ دیکھیں گے ﴿الشَّمْسَ﴾ سورج کو ﴿اِذَا طَلَعَتْ﴾ جس وقت وہ طلوع ہوتا ہے ﴿تَّزٰوَرُ﴾ کترا جاتا ہے ﴿عَنْ كَهْفِهِمْ﴾ ان کے غار سے ﴿ذَاتَ الْيَمِيْنِ﴾ دائیں طرف ﴿وَاِذَا غَرَبَتْ﴾ اور جس وقت

غروب ہوتا ہے ﴿تَّقۡرِضُهُمۡ﴾ مائل ہو جاتا ہے ان سے ﴿ذَاتَ الشِّمَالِ﴾ بائیں طرف ﴿وَهُمۡ فِیۡ فَجۡوَةٍ مِّنۡهُ﴾ اور وہ ایک کھلی جگہ میں ہیں ﴿ذٰلِكَ مِنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے ﴿مَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ﴾ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے ﴿فَهُوَ الۡمُهۡتَدِ﴾ پس وہی ہدایت یافتہ ہے ﴿وَمَنۡ يُّضۡلِلۡ﴾ اور جس کو بہکائے ﴿فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ﴾ پس ہرگز نہیں پائیں گے آپ اس کے لیے ﴿وَلِيًّا﴾ حمایتی ﴿مُّرۡشِدًا﴾ راہنمائی کرنے والا ﴿وَتَحۡسَبُهُمۡ اَيۡقَاظًا﴾ اور آپ خیال کرتے ہیں اصحاب کہف کو بیدار ﴿وَّهُمۡ رُقُوۡدٌ﴾ حالاں کہ وہ سوئے ہوئے ہیں ﴿وَّنُقَلِّبُهُمۡ﴾ اور ہم ان کو پلٹتے ہیں ﴿ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ﴾ دائیں طرف ﴿وَذَاتَ الشِّمَالِ﴾ اور بائیں طرف ﴿وَكَلۡبُهُمۡ﴾ اور ان کا کتا ﴿بَاسِطٌ ذِرَاعَيۡهِ﴾ اپنے دونوں بازوؤں کو پھیلائے ہوئے ہے ﴿بِالۡوَصِيۡدِ﴾ چوکھٹ پر ﴿لَوِ اطَّلَعۡتَ عَلَيۡهِمۡ﴾ اگر تو جھانک کر دیکھے ان کو ﴿لَوَلَّيۡتَ مِنۡهُمۡ فِرَارًا﴾ البتہ تو پھر جائے ان سے بھاگتے ہوئے ﴿وَّلَمُلِئۡتَ﴾ اور بھر جائے گا تو ﴿مِنۡهُمۡ رُعۡبًا﴾ ان سے رعب میں ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿بَعَثۡنٰهُمۡ﴾ ہم نے جگایا ان کو ﴿لِيَتَسَآءَلُوۡا﴾ تاکہ وہ سوال کریں ﴿بَيۡنَهُمۡ﴾ آپس میں ﴿قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ﴾ ایک کہنے والے نے کہا ان میں سے ﴿كَمۡ لَبِثۡتُمۡ﴾ تم کتنی دیر تک ٹھہرے ہو ﴿قَالُوۡا﴾ انھوں نے کہا ﴿لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ﴾ ہم ٹھہرے ہیں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ﴿قَالُوۡا﴾ انھوں نے کہا ﴿رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ﴾ تمھارا رب خوب جانتا ہے ﴿بِمَا لَبِثۡتُمۡ﴾ جتنا تم ٹھہرے ہو ﴿فَابۡعَثُوۡۤا﴾ پس بھیجو تم ﴿اَحَدَكُمۡ﴾ اپنے میں سے ایک کو ﴿بِوَرِقِكُمۡ هٰذِهٖۤ﴾ یہ چاندی کے سکے دے کر ﴿اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ﴾ شہر کی طرف ﴿فَلۡيَنۡظُرۡ﴾ پس چاہیے کہ وہ دیکھے ﴿اَيُّهَاۤ اَزۡكٰى طَعَامًا﴾ کون سا کھانا پاکیزہ ہے ﴿فَلۡيَاۡتِكُمۡ﴾ پس وہ لے آئے تمھارے پاس ﴿بِرِزۡقٍ مِّنۡهُ﴾ رزق اس میں سے ﴿وَلۡيَتَلَطَّفۡ﴾ اور چاہیے کہ نرمی کرے ﴿وَلَا يُشۡعِرَنَّ بِكُمۡ اَحَدًا﴾ اور نہ بتلائے تمھارے بارے میں کسی کو ﴿اِنَّهُمۡ اِنۡ يَّظۡهَرُوۡا﴾ بے شک وہ اگر مطلع ہو جائیں ﴿عَلَيۡكُمۡ﴾ تم پر ﴿يَرۡجُمُوۡكُمۡ﴾ وہ تمھیں سنگسار کر دیں گے ﴿اَوۡ يُعِيۡدُوۡكُمۡ﴾ یا تمھیں لوٹا دیں گے ﴿فِیۡ مِلَّتِهِمۡ﴾ اپنے دین میں ﴿وَلَنۡ تُفۡلِحُوۡۤا﴾ اور تم ہرگز نہیں فلاح پاؤ گے ﴿اِذًا﴾ اس وقت ﴿اَبَدًا﴾ کبھی بھی۔

کل کے سبق میں تم سن چکے ہو کہ ایشیائے کوچک کے علاقہ میں افسوس نامی شہر تھا جس کی آبادی کافی تھی۔ وہاں کا بادشاہ دقیانوس بڑا ظالم اور جابر اور بڑا مشرک تھا۔ وہاں چھ نوجوانوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت نصیب فرمائی۔ اس وقت کا جو کلمہ تھا انھوں نے پڑھا اور توحید کے قائل ہو گئے۔ چوں کہ سارا علاقہ کفر و شرک سے بھرا ہوا تھا انھوں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ چند نوجوانوں

نے عقیدہ بدل لیا ہے ہوسکتا ہے چند اور اس کے ساتھ مل جائیں تو ملک میں افراتفری پیدا ہو جائے گی۔ بادشاہ نے ان کو عدالت میں طلب کیا کہ تمھارے متعلق عوام نے شکایت کی ہے کہ تم نے آباؤ اجداد کا عقیدہ مذہب چھوڑ دیا ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟ ان نوجوانوں نے عدالت میں کھڑے ہو کر صاف لفظوں میں توحید کا اقرار کیا اور اپنی قوم کے عقیدے کی تردید کی کہ ان کا عقیدہ غلط ہے۔ عدالت نے سمجھا کہ نوجوان جذبات میں آئے ہوئے ہیں ذرا ان کو تنبیہ کردو تا کہ یہ باز آجائیں۔ چنانچہ عدالت نے دھمکی دی کہ اگر تم اس عقیدے سے باز نہ آئے تو ہم تمھیں رجم کردیں گے حکومت چند دن کی تمھیں مہلت دیتی ہے۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کر کے طے کیا کہ ہمیں یہاں نہیں رہنا چاہیے فی الحال کسی اور جگہ چلے جاؤ اور دیکھو کیا بنتا ہے۔ یہ نوجوان صبح سورج چڑھنے کے بعد گھر سے چل پڑے راستے میں ایک چرواہا بھی مل گیا اس کے ساتھ کتا بھی تھا۔ شہر سے نو میل کے فاصلے پر ایک پہاڑ کی غار میں چلے گئے۔

اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَتَرَى الشَّمْسَ﴾ اور اے مخاطب! آپ دیکھیں گے سورج کو ﴿إِذَا طَلَعَتْ﴾ جس وقت وہ طلوع ہوتا ہے ﴿تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ﴾ کترا جاتا ہے ان کے غار سے ﴿ذَاتَ الْيَمِيْنِ﴾ دائیں طرف ﴿وَإِذَا غَرَبَتْ﴾ اور جس وقت غروب ہوتا ہے ﴿تَّقْرِضُهُمْ﴾ مائل ہو جاتا ہے ان سے ﴿ذَاتَ الشِّمَالِ﴾ بائیں طرف۔ یعنی اس غار کا رخ نہ تو مشرق کی طرف ہے تا کہ صبح کے وقت سورج ان کو تکلیف پہنچائے، نہ اس کا رخ مغرب کی طرف ہے کہ پچھلے پہر سورج ان پر پڑے اور اس سے ان کو تکلیف ہو۔ اس غار کا منہ شمال کی طرف ہے کہ نہ پہلے پہر سورج چڑھنے سے ان کو تکلیف ہو نہ پچھلے پہر سورج کے ڈھلنے سے ان کو کوئی تکلیف ہو ﴿وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ﴾ اور وہ ایک کھلی جگہ میں ہیں غار میں۔

اللہ تعالیٰ نہ کسی کو جبراً ہدایت دیتا ہے اور نہ گمراہ کرتا ہے

﴿ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے ﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ﴾ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے ﴿فَهُوَ الْمُهْتَدِ﴾ پس وہی ہدایت یافتہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہدایت اس کو دیتا ہے جو ہدایت کا طالب ہو۔ غیر طالب کو جبراً ہدایت نہیں دیتا ﴿وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾ اور جس کو رب بہکائے گمراہ کرے پس آپ ہرگز نہیں پائیں گے اس کے لیے حمایتی راہ نمائی کرنے والا۔ رب تعالیٰ گمراہ اس کو کرتا ہے جو گمراہی پر ڈٹ جائے اور اپنی ساری قوت گمراہی کیلئے صرف کر دے، جبراً کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ متعدد مرتبہ تم یہ بات سن چکے ہو اور اگلے رکوع میں بھی یہ بات آ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی اختیار کرنے میں بندے کو اختیار دیا ہے۔ نہ زبردستی کسی کو ہدایت دیتا ہے اور نہ زبردستی کسی کو گمراہ کرتا ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ "پس جو شخص چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔" اللہ تعالیٰ نے اس کو قدرت اور طاقت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں راستے بھی بتا دیئے ہیں اور ان پر چلنے کی قوت بھی دی ہے اس میں انسان کی مرضی اور ارادے کا بڑا دخل ہے۔ جو شخص غلط راستے پر چلنے کا ارادہ کرے گا رب اس کو اس طرف چلا دے گا اور جو ہدایت کے راستے پر

چلنے کا ارادہ کرے گا رب اس کو اس طرف چلا دے گا اور جس کو وہ گمراہ کر دے گا تو آپ اس کے لیے حمایتی اور راہنمائی کرنے والا نہیں پائیں گے۔

﴿وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا﴾ اور اے مخاطب! آپ خیال کرتے ہیں ان اصحاب کہف کو بیدار جاگتے ہیں یعنی اگر آپ ان کو غار میں جا کر دیکھیں تو آپ خیال کریں گے کہ وہ جاگتے ہیں اَيْقَاظ يَقِظٌ کی جمع ہے بمعنی بیدار آنکھیں کھلی ہیں ﴿وَّهُمْ رُقُوْدٌ﴾ حالاں کہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔ آج بھی بعض آدمی ایسے ہیں کہ وہ سوئے ہوئے ہوتے ہیں اور آنکھیں کھلی ہوتی ہیں۔ مفسرین کرام رحمہم اللہ اس کی یہ حکمت بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کی آنکھیں اس لیے کھلی چھوڑیں تاکہ آنکھوں کو تازہ ہوا پہنچتی رہے اور آنکھوں کو نقصان نہ پہنچے۔ تین سو نو سال کا طویل عرصہ آنکھیں بند رہیں تو متاثر بھی ہو سکتی ہیں۔ ﴿وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ﴾ اور ہم ان کو پلٹتے ہیں دائیں طرف اور بائیں طرف۔ نیند کی حالت میں کبھی اللہ تعالیٰ ان کو دائیں طرف پلٹ دیتے ہیں اور کبھی بائیں طرف پہلو بدلتے رہتے ہیں۔ کیوں کہ ایک طرف پر لیٹے رہیں تو وہ پہلو آفت زدہ ہو جائے ماؤف ہو جائے۔ یہ رب تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے انسان کی حفاظت کے لیے ایسا کیا ہے۔ ﴿وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ﴾ اور ان کا کتا اپنے دونوں بازوؤں کو پھیلائے ہوئے ہے چوکھٹ پر۔ جس طرح وہ اندر سوئے رہے کتا اس حالت میں غار کے منہ پر سویا رہا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ﴾ اے مخاطب! اگر تو جھانک کر دیکھے ان کو ﴿لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا﴾ البتہ تو پھر جائے ان سے بھاگتے ہوئے ﴿وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا﴾ اور بھر جائے گا تو ان سے رعب میں۔ وہ صحت مند بڑے بڑے قد والے تھے آنکھیں کھلی تھیں رب تعالیٰ نے ایسا رعب طاری فرمایا کہ اے مخاطب اگر تو ان کو دیکھے تو مرعوب ہو جائے اور ڈر کے وہاں سے بھاگ جائے ﴿وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ﴾ اور اسی طرح ہم نے ان کو جگایا جس طرح ان پر نیند طاری کی ﴿لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ﴾ تاکہ وہ سوال کریں آپس میں ﴿قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ﴾ ایک کہنے والے نے کہا ان میں سے ﴿كَمْ لَبِثْتُمْ﴾ کتنی دیر تم ٹھہرے ہو سوئے ہو ﴿قَالُوْا﴾ دوسروں نے کہا ﴿لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ ہم ٹھہرے ہیں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ سوئے ہیں جس وقت وہ غار میں داخل ہوئے تھے تو ہمارے ٹائم کے مطابق موٹا تخمینہ تقریباً آٹھ بجے تھے اور جس وقت وہ بیدار ہوئے تو ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا انھوں نے خیال کیا کہ اگر وہی دن ہے تو دن کا کچھ حصہ گزرا ہے اور کچھ باقی ہے پورا دن بھی نہیں ہوا اور اگر وہ دن گزر چکا ہے تو پھر ایک دن پورا ہو گیا ہے اور دوسرے دن کا بھی کچھ حصہ باقی ہے اور کچھ گزر چکا ہے۔ ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے اس فضول بحث میں نہ پڑو ﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ﴾ تمھارا رب خوب جانتا ہے جتنا تم ٹھہرے ہو۔

اللہ تعالیٰ کو تین چیزیں ناپسند ہیں

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((كَرِهَ اللّٰهُ لَكُمْ ثَلَاثًا)) "اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے تین

چیزیں ناپسند فرمائی ہیں۔" ایک قیل قال، یعنی بلاضرورت کسی چیز کے بارے میں بحث کرنا۔ اور وقت ضائع کرنا، اس پر اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتا ہے۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر تم کسی کے اسلام کی خوبی دیکھنا چاہو تو دیکھو! ترکہ ما لا یعنیہ غیر مقصود کاموں میں تو الجھا ہوا نہیں ہے۔ اگر وہ غیر مقصودی باتوں میں الجھا ہوا نہیں ہے تو سمجھو اچھا مسلمان ہے۔ مقصودی اور غیر مقصودی کے فرق کا کس طرح پتا چلے گا؟

تو یاد رکھنا! وہ باتیں جن کا تعلق دین کے ساتھ ہے وہ ساری مقصودی ہیں اور دنیا کی جائز باتیں جن کے ساتھ اس کا تعلق ہے وہ تو ٹھیک ہیں اور جن باتوں کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہے ان کے پیچھے پڑنا اسلام کی خوبی میں سے نہیں ہے۔ بھئی! تیرا ان چیزوں کے ساتھ تعلق نہیں کیوں خواہ مخواہ ان کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ تو پہلی بات یہ بتلائی کہ غیر متعلق باتوں میں پڑنا، مغز کھانا اور فضول گپیں مارنے کو رب تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ اسی لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ عشاء کی نماز سے پہلے سونے کو پسند نہیں کرتے تھے اور عشاء کی نماز کے بعد گفتگو کو پسند نہیں کرتے تھے فوراً سو جاتے تھے تاکہ سحری کے وقت آسانی سے اُٹھ سکیں۔ ہاں اگر مہمان آئے ہوئے ہوتے تھے یا کوئی مسئلہ پوچھتا تھا تو وہ الگ بات ہے۔

دوسری چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا ہے اضاعة المال ہے۔ مال کو ضائع کرنا۔ مال کو جائز کام میں لگاؤ، جائز جگہ پر خرچ کرو اور وہ بھی اتنا جتنے کی شریعت اجازت دیتی ہے۔ اور جہاں خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہے وہاں خرچ نہ کرو قیامت والے دن پوچھ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے بے جا خرچ کرنے سے منع فرمایا ہے اور بے جا خرچ کرنے والوں کو شیطانوں کا بھائی فرمایا ہے۔ دیکھو! آج لوگ منگنیوں اور شادیوں میں فضول کاموں پر مال خرچ کرتے ہیں، مرچیں لگاتے ہیں، ضرورت سے زائد بجلی خرچ ہوتی ہے قیامت والے دن سب چیزوں کا حساب ہوگا۔

اور تیسری چیز: فرمایا عقوق الامھات ماؤں کو تنگ کرنا۔ ماں کی قید اس لیے لگائی کہ عموماً بچوں کا واسطہ ماں سے پڑتا ہے۔ باپ بے چارے کوئی ملازم ہوگا، کوئی دکان دار ہوگا، کوئی کارخانہ دار ہوگا اور اپنے اپنے کام پر چلے جائیں گے۔ پھر ماں کا رعب بھی بہ نسبت باپ کے کم ہوتا ہے۔ بچے اس کو زیادہ ستاتے اور تنگ کرتے ہیں۔ تو ماں کو تنگ کرنا بھی بڑے گناہوں میں سے ہے۔ (اور ایک روایت میں تیسری چیز فرمایا کثرة السوال بہت زیادہ سوالات کرنا۔ اس کو بھی ناپسند فرمایا ہے۔)

تو اصحاب کہف نے کہا فضول بحث کو چھوڑو تمھارا رب خوب جانتا ہے کہ تم یہاں کتنا عرصہ ٹھہرے ہو۔ ایسا کرو ﴿فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ﴾ پس بھیجو تم اپنے میں سے ایک کو یہ چاندی کے سکے دے کر۔ اس وقت چاندی کے سکے رائج تھے ﴿اِلَى الْمَدِيْنَةِ﴾ شہر کی طرف۔ ان کے قریب شہر افسوس ہی تھا جہاں سے آئے تھے ﴿فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا﴾ پس چاہیے کہ وہ دیکھے کون سا کھانا پاکیزہ ہے مردار حرام نہ ہو ﴿فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ﴾ پس وہ لے آئے تمھارے پاس رزق اس میں سے خوراک تمھارے لیے لے آئے ﴿وَلْيَتَلَطَّفْ﴾ اور چاہیے کہ نرمی کرے باریک بینی سے کام لے۔ ایسے طریقے سے جائے کہ کسی کو پتا نہ چلے اور گفتگو اس انداز سے کرے کہ کوئی محسوس نہ کرے ﴿وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا﴾ اور نہ بتلائے تمھارے بارے

میں کسی کو۔ ان میں سے یملیخا رحمۃ اللہ علیہ ذہین، سمجھدار اور پھرتیلا نوجوان تھا۔ اس کو انھوں نے چاندی کا وہ سکہ دے کر بھیجا جس پر دقیانوس کی تصویر اور دوسری طرف حکومت کی مہر تھی۔ نومیل کافی سفر تھا یہ بے چارہ دائیں بائیں دیکھتا ہوا بڑی احتیاط کے ساتھ گیا۔

آگے ذکر آئے گا کہ ہوٹل پر پہنچا، روٹیوں کا بھاؤ پوچھا، سالن کا بھاؤ پوچھا، طرفین راضی ہو گئے روٹیاں سالن پکڑ لیا پیسے دیئے تو تین سو نو سال پہلے کا سکہ دیا۔ دکان دار نے کہا بھئی جی! یہ کھوٹا سکہ ہے۔ اس نے اور نکال دیئے وہ بھی پرانا سکہ تھا۔ دیکھو! آج کل سکہ کاغذوں کی شکل میں ہے انگریز کے زمانہ میں چاندی کا سکہ ہوتا تھا اس کو لوگ کھڑکا کر لیتے، وہ بجتا تھا۔ اگر نہ بجتا تو کھوٹا ہوتا تھا اب تو وہ سکے کے طور پر استعمال نہیں ہو سکتا اب وہ چاندی کے طور پر استعمال ہوگا۔ تو انھوں نے کہ یہ تو پرانا سکہ ہے۔ اردگرد کے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ باقی واقعہ آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

تو انھوں نے کہا کہ بڑی احتیاط کے ساتھ دیکھ کر پاکیزہ کھانا لائے اور کسی کو بتلائے بھی نہ۔ ﴿ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ ﴾ بے شک وہ اگر تم پر مطلع ہو گئے ان کو خبر ہو گئی تو ﴿ يَرْجُمُوْكُمْ ﴾ وہ تمھیں سنگسار کر دیں گے پتھر مار مار کر تمھیں ہلاک کر دیں گے ﴿ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ ﴾ یا تمھیں لوٹا دیں گے اپنے دین میں۔ جیسے ہم پہلے کافر تھے اسی طرح پھر کافر ہو جائیں گے۔ دو ہی صورتیں ہیں یا جان جائے گی یا ایمان جائے گا ﴿ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴾ اور تم ہرگز نہیں فلاح پاؤ گے اس وقت کبھی بھی۔ لہٰذا احتیاط سے کام لو اور جاؤ۔

~~~

﴿ وَكَذٰلِكَ ﴾ اور اسی طرح ﴿ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ ﴾ ہم نے اطلاع دی اصحابِ کہف کے بارے میں لوگوں کو ﴿ لِيَعْلَمُوْٓا ﴾ تا کہ وہ جان لیں ﴿ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے ﴿ وَّاَنَّ السَّاعَةَ ﴾ اور بے شک قیامت ﴿ لَا رَيْبَ فِيْهَا ﴾ کوئی شک نہیں ہے اس میں ﴿ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ ﴾ جس وقت اُنھوں نے جھگڑا کیا ﴿ بَيْنَهُمْ ﴾ آپس میں ﴿ اَمْرَهُمْ ﴾ اپنے معاملے میں ﴿ فَقَالُوا ﴾ پس اُنھوں نے کہا ﴿ ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ﴾ بناؤ ان کے اُوپر ایک عمارت ﴿ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ﴾ ان کا رب خوب جانتا ہے ان کو ﴿ قَالَ الَّذِيْنَ ﴾ کہا ان لوگوں نے ﴿ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ ﴾ جو غالب رہے اپنے معاملے میں ﴿ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴾ البتہ ہم ضرور بنائیں گے ان کے قریب ایک مسجد ﴿ سَيَقُوْلُوْنَ ﴾ عنقریب کہیں گے ﴿ ثَلٰثَةٌ ﴾ تین تھے ﴿ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ﴾ چوتھا ان کا کتا تھا ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ ﴾ اور بعض کہیں گے ﴿ خَمْسَةٌ ﴾ پانچ تھے ﴿ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ ﴾ چھٹا ان کا کتا تھا ﴿ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ﴾ تیر اندازی کرتے ہیں بن دیکھے ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ ﴾ اور کہنے والے کہیں گے ﴿ سَبْعَةٌ ﴾ سات تھے ﴿ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ﴾ اور آٹھواں ان کا کتا تھا ﴿ قُلْ رَّبِّيْٓ ﴾ آپ کہہ دیں میرا رب ﴿ اَعْلَمُ ﴾ خوب جانتا ہے ﴿ بِعِدَّتِهِمْ ﴾ ان کی گنتی کو
~~~

﴿مَا یَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا قَلِیۡلٌ﴾ نہیں جانتے اس کو مگر بہت تھوڑے ﴿فَلَا تُمَارِ فِیۡهِمۡ﴾ پس آپ نہ جھگڑا کریں ان کے بارے میں ﴿اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا﴾ مگر سرسری جھگڑا ﴿وَّلَا تَسۡتَفۡتِ فِیۡهِمۡ﴾ اور آپ نہ پوچھیں ان کے بارے میں ﴿مِّنۡهُمۡ﴾ ان میں سے ﴿اَحَدًا﴾ کسی ایک سے۔

اصحاب کہف کا ذکر چلا آ رہا ہے کہ ظالم بادشاہ، ظالم عدالت اور ظالم عوام سے جان بچانے کے لیے وہ نوجوان اپنا شہر چھوڑ کر پہاڑ کی غار میں جا چھپے۔ اور اگلے رکوع میں آئے گا کہ تین سو نو سال تک کھانے پینے کے بغیر وہاں سوئے رہے۔ حالاں کہ عادتاً انسان اتنی دیر تک بغیر کھانے پینے کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ تین سو نو سال کوئی معمولی زمانہ نہیں ہے۔

تمام بشری تقاضے انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ تھے :

اللہ تعالیٰ نے انسان کے وجود کو ایسا بنایا ہے کہ عالم اسباب میں یہ خوراک کا محتاج ہے حتی کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ﴿وَمَا جَعَلۡنٰهُمۡ جَسَدًا لَّا یَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ﴾ [الانبیاء: ۸] "اور ہم نے رسولوں کو بھی ایسے جسم نہیں دیئے جو کھانا نہ کھاتے ہوں۔" پیغمبروں کو بھوک پیاس بھی لگتی تھی، گرمی سردی بھی لگتی تھی، بیمار بھی ہوتے تھے، تکلیفیں بھی آتی تھیں، تمام بشری تقاضے ان کے ساتھ تھے۔ لیکن اصحابِ کہف اور ان کے کتے کا بغیر کھانے پینے کے تین سو نو سال تک زندہ رہنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے ﴿ذٰلِكَ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔

کل کے درس میں تم نے سنا ہے کہ جب وہ بیدار ہوئے تو آپس میں یہ بات چھڑی کہ ہم یہاں کتنا عرصہ ٹھہرے؟ بعضوں نے کہا ایک دن اور بعضوں نے کہا دن کا کچھ حصہ۔ پھر کہنے لگے فضول بحث کو چھوڑ و اپنے میں سے ایک کو بھیجو جو صاف ستھرا کھانا لے کر آئے اور بڑی احتیاط کے ساتھ جائے اور تمھارے متعلق کسی کو اطلاع نہ دے۔ کیوں کہ اگر ان کو پتا چل گیا تو وہ ہمیں پتھر مار مار کے ختم کر دیں گے یا کافر بنا دیں گے۔ یملیخا رحمۃ اللہ علیہ ہلکے پھلکے جسم کا پھرتیلا نوجوان تھا اس کو بھیجا۔ جب روٹی سالن لے لیا اور پیسے دیئے تو دکان دار نے کہا کہ یہ سکہ تو نہیں چلتا، اور نکال کر دیئے تو وہ بھی نہیں چلتے۔ اور نکال کر دیئے دکان دار نے کہا یہ بھی نہیں چلتے کیوں کہ اس وقت نیا سکہ رائج تھا وہ اس کو دکھایا کہ اب تو یہ سکہ چلتا ہے تم تین سو نو سال پہلے کی بات کرتے ہو۔ جس وقت اس نے سنا کہ تین سو سال گزر گئے ہیں تو اس کو اطمینان ہوا کہ الحمد للہ! دقیانوس سے تو ہماری جان چھوٹ گئی ہے۔ دقیانوس اور عدالت کا ڈر تو جاتا رہا مگر دکان دار پیچھے پڑ گیا۔ تو اس نے بتایا کہ ہم چند ساتھی غار میں چھپے ہوئے ہیں۔ دکان دار کو بھی تاریخی طور پر ان کے متعلق کچھ معلومات تھیں کہ کسی زمانے میں چند نوجوان گم ہو گئے تھے جن کا کوئی اتا پتہ نہیں ملتا کہ وہ کہاں گئے ہیں۔ چنانچہ اس دوران کافی لوگ جمع ہو گئے پولیس بھی آ گئی یملیخا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سارے غار کی طرف چل پڑے روٹی سالن بھی ساتھ لے کر جا رہے ہیں۔ وہ انتظار کر رہے تھے انھوں نے جب ان کو آتے ہوئے دیکھا ڈر گئے کہ لوگوں کی فوج

اور پولیس ساتھ ہے لگتا ہے ہمارا پتا چل گیا ہے یہ ہمیں پکڑ کر لے جائیں گے۔

طبعی خوف ایمان کے خلاف نہیں

اور طبعاً موذی چیز سے ڈرنا ایمان کے خلاف نہیں ہے۔ دیکھو! قرآن پاک میں تصریح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملنے کے بعد پہلا معجزہ عطا کیا گیا رات کا وقت تھا کوہ طور کے قریب وادی مقدس کا علاقہ تھا لیکن روشنی خوب تھی کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی تجلی ڈالی تھی۔ فرمایا ﴿ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴾ [طٰہٰ:۱۹] "اس لاٹھی کو ڈالو اے موسیٰ علیہ السلام۔" جب انھوں نے لاٹھی ڈالی تو وہ سانپ بن کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگا تو موسیٰ علیہ السلام ﴿ وَلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ يُعَقِّبْ ﴾ [القصص:۳۱] "پیٹھ پھیری اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔" موسیٰ علیہ السلام نے خیال کیا کہ سانپ موذی چیز ہے اس سے ڈرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ لَا تَخَفْ ﴾ خوف نہ کریں اس سانپ کو آپ پکڑیں ﴿ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴾ [طٰہٰ:۲۱] "ہم اس کو پلٹ دیں گے پہلی حالت پر۔"

تو معلوم ہوا کہ طبعی ڈر سے ایمان پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ تو اصحاب کہف لوگوں کو دیکھ کر ڈرے کہ ہم گرفتار ہو جائیں گے۔ یملیخا رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کو کہا کہ پہلے میں جا کر اپنے ساتھیوں کو اطلاع کرتا ہوں کہ دقیانوس کا زمانہ ختم ہو گیا ہے ہمیں یہاں تین سو سال ہو گئے ہیں یہ لوگ تمھاری ملاقات کے لیے آ رہے ہیں، تمھارے دیدار کے لیے آ رہے ہیں خطرے والی بات کوئی نہیں۔ پھر یہ لوگ ان کو بڑی عقیدت کے ساتھ ملے۔ آگے پھر تفسیروں میں روایات مختلف ہیں کہ اصحاب کہف کا پھر کیا بنا؟ اکثر تو فرماتے ہیں کہ وہ فوت ہو گئے لیکن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں اپنا کشف بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پھر ان پر نیند مسلط کر دی جب مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں گے تو وہ اس زمانے میں بیدار ہوں گے اور مہدی علیہ السلام کا ساتھ دیں گے ان کے ساتھ تعاون کریں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ ﴾ اور اسی طرح ہم نے اطلاع دی اصحاب کہف کے بارے میں لوگوں کو ﴿ لِيَعْلَمُوْٓا ﴾ تاکہ وہ لوگ جان لیں ﴿ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ﴾ کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے ﴿ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ﴾ اور بیشک قیامت کوئی شک نہیں ہے اس میں۔ تفسیروں میں لکھا ہے کہ اس زمانے میں اس علاقے میں قیامت کا مسئلہ خوب زوروں پر تھا۔ ایک گروہ کہتا تھا کہ قیامت آئے گی دوسرا کہتا تھا نہیں آئے گی۔ جو لوگ قیامت کے قائل تھے ان کی تائید اس واقعہ سے ہوئی کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنے عرصہ کے بعد جگایا ہے جو رب یہ کر سکتا ہے اس کے لیے دوبارہ کائنات کا زندہ کرنا کون سا مشکل ہے۔ وہ تمام انسانوں اور حیوانوں کو زندہ کر کے میدان محشر میں جمع کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بطور دلیل کے پیش کیا کہ لوگ اس کو دیکھ کر سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ قیامت آئے گی اور اس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے اور قیامت کا آنا عقلی طور پر بھی بہت ضروری ہے۔ کیوں کہ دنیا میں ایسے مجرم بھی ہیں جن کو ان کے جرم کی سزا نہیں ملی اور ایسے نیک متقی پرہیزگار بھی ہیں کہ ان کو نیکی کا صلہ نہیں ملا تو اگر قیامت نہ آئے اور مجرموں کو سزا نہ

ملے اور نیکوں کو جزا نہ ملے تو معاذ اللہ تعالیٰ! پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین نہیں ہے اور اس کے ہاں کوئی عدل وانصاف نہیں ہے۔

فرمایا ﴿اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ﴾ جس وقت انھوں نے جھگڑا کیا آپس میں ﴿اَمْرَهُمْ﴾ اپنے معاملے میں ﴿فَقَالُوا﴾ پس کچھ لوگوں نے کہا ﴿ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا﴾ بناؤ ان کے اوپر ایک عمارت یادگار کے طور پر کہ آنے والی نسلوں کو معلوم ہو کہ اصحاب کہف یہاں رہے ہیں۔ کسی نے کہا یہاں لائبریری بنادو، کسی نے کہا یہاں مینار بنادو، کسی نے کہا یہاں کوئی عمارت بنادو۔ اہل حق کا اس وقت غلبہ تھا وہ عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر چلنے والے تھے اگرچہ دوسرے پیغمبروں کے دین پر چلنے والے بھی تھے مگر غلبہ ان کا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ﴾ ان کا رب ان کو خوب جانتا ہے کہ وہ کس انداز کے لوگ تھے ﴿قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ﴾ کہا ان لوگوں نے جو غالب رہے اپنے معاملے میں۔ کیا کہا انھوں نے؟ ﴿لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا﴾ البتہ ہم ضرور بنائیں گے ان کے قریب ایک مسجد۔ کیوں کہ یہ برگزیدہ لوگ تھے جنھوں نے اپنا ایمان بچانے کے لیے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا شرف بخشا ہے کہ تین سو سال کے بعد ان کو بیدار کر کے اپنی قدرت کا کرشمہ دکھایا ہے لہٰذا ان کی شایان شان یہ ہے کہ یہاں مسجد تعمیر کی جائے جہاں پر لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا فریضہ سرانجام دیا کریں اور انہیں پتا ہے کہ ایمان بہت بڑی حقیقت ہے اور اسی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو بلند مرتبہ عطا فرمایا۔ اصحاب کہف کی تعداد کے متعلق بھی اختلاف رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ﴾ عنقریب کچھ لوگ کہیں گے تین تھے ﴿رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ﴾ چوتھا ان کا کتا تھا ﴿وَيَقُوْلُوْنَ﴾ اور کچھ کہنے والے کہیں گے ﴿خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ﴾ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں قول بیان کر کے فرمایا ﴿رَجْمًا بِالْغَيْبِ﴾ تیراندازی کرتے ہیں بن دیکھے۔ بن دیکھے تیر چلانے کا مطلب یہ ہے کہ آگے کوئی نشان نظر نہ آئے اور آدمی اندھا بن کر تیر چلاتا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قولوں کی تردید فرمادی۔ ﴿وَيَقُوْلُوْنَ﴾ اور کچھ کہنے والے کہیں گے ﴿سَبْعَةٌ﴾ سات تھے ﴿وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ﴾ اور آٹھواں ان کا کتا تھا اس قول کی رب تعالیٰ نے تردید نہیں فرمائی۔ فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ﴾ میرا رب خوب جانتا ہے ان کی گنتی کو ﴿مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ نہیں جانتے اصحاب کہف کو مگر بہت تھوڑے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما دوسرے نمبر کے مفسر قرآن ہیں۔ پہلے نمبر کے مفسر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اَنَا مِنَ الْقَلِيْلِ "میں ان تھوڑے لوگوں میں سے ہوں جو اصحاب کہف کی گنتی کو جانتے ہیں۔" شاگردوں نے پوچھا حضرت کتنے تھے؟ فرمایا سات تھے آٹھواں کتا تھا۔ شاگردوں نے کہا حضرت! اس کی کوئی دلیل بھی ہے؟

فرمایا اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے دونوں قول نقل کر کے کہ کچھ لوگ کہیں گے اصحاب کہف تین تھے اور چوتھا کتا تھا اور کچھ لوگ کہیں گے پانچ تھے اور چھٹا کتا تھا ﴿رَجْمًا بِالْغَيْبِ﴾ فرما کر رد کر دیئے کہ یہ بن دیکھے تیر چلاتے ہیں۔ اور تیسرا

قول رب تعالیٰ نے فرمایا کہ سات تھے اور آٹھواں کتا تھا، اس کی تردید نہیں فرمائی۔ اس لیے اصحاب کہف سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ چھ نوجوان آپس میں دوست تھے ساتواں چرواہا ساتھ شریک ہوا اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ کتا بدستور ان کے ساتھ رہا اور پھر جس طرح وہ مر گئے اسی طرح کتا بھی مر گیا۔

اور یہ بات بھی تم سن چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ جن جانوروں کو جنت میں داخل کرے گا ان میں ایک یہ کتا بھی ہوگا اور ایک حضرت صالح علیہ السلام کی اُونٹنی بھی ہوگی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہدہد بھی ہوگا اور بھی کئی جانور ہوں گے جن کے نام تفسیروں میں آتے ہیں اور اس کتے کو اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے ایک صوفی بزرگ بلعم بن باعورا کی شکل دے کر جنت میں داخل کرے گا۔ یہ بلعم بن باعورا بزرگی سے نکل گیا تھا کتے نے نیکوں کا ساتھ دیا اللہ تعالیٰ نے کتے کو ان کا ساتھی بنا دیا اور نوح علیہ السلام کے بیٹے نے کافروں کا ساتھ دیا ایمان کی دولت سے محروم ہو گیا۔

فرمایا ﴿فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ﴾ پس آپ اے مخاطب نہ جھگڑا کریں ان کے بارے میں کوئی بحث نہ کریں ﴿إِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا﴾ مگر سرسری جھگڑا۔ بس جو ہم نے بتلا دیا ہے یہی کافی ہے ﴿وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا﴾ اور آپ نہ پوچھیں ان کے بارے میں ان میں سے کسی ایک سے۔ یعنی اصحاب کہف کے بارے میں کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے جو کچھ ہم نے بتلا دیا ہے اس پر یقین رکھیں۔ اصحابِ کہف کا کچھ ذکر آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ﴾ کسی چیز کے بارے میں ﴿إِنِّي﴾ بے شک میں ﴿فَاعِلٌ ذَٰلِكَ﴾ کرنے والا ہوں اس کو ﴿غَدًا﴾ کل ﴿إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ﴾ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے ﴿وَاذْكُر رَّبَّكَ﴾ اور یاد کریں اپنے پروردگار کو ﴿إِذَا نَسِيتَ﴾ جب آپ بھول جائیں ﴿وَقُلْ﴾ اور آپ کہیں ﴿عَسَىٰ﴾ قریب ہے ﴿أَن يَهْدِيَنِ﴾ یہ کہ راہنمائی کرے میری ﴿رَبِّي﴾ میرا رب ﴿لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا﴾ اس سے زیادہ قریب ﴿رَشَدًا﴾ بھلائی میں ﴿وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ﴾ اور وہ ٹھہرے اپنی غار میں ﴿ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ﴾ تین سو سال ﴿وَازْدَادُوا تِسْعًا﴾ اور زیادہ کیے اُنھوں نے نو ﴿قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ﴾ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے ﴿بِمَا لَبِثُوا﴾ جتنا عرصہ وہ ٹھہرے ﴿لَهُ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ﴾ اسی کے لیے ہے غیب آسمانوں کا ﴿وَالْأَرْضِ﴾ اور زمین کا ﴿أَبْصِرْ بِهِ﴾ کیسا ہی دیکھنے والا ہے ﴿وَأَسْمِعْ﴾ اور کیسا ہی سننے والا ہے ﴿مَا لَهُم مِّن دُونِهِ﴾ نہیں ہے ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿مِن وَلِيٍّ﴾ کوئی حمایتی ﴿وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ﴾ اور نہیں شریک ٹھہراتا اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں ﴿أَحَدًا﴾ کسی ایک کو ﴿وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ﴾ اور آپ تلاوت کریں اس کی جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف ﴿مِن كِتَابِ رَبِّكَ﴾ آپ

کے رب کی کتاب ﴿لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ﴾ اور کوئی نہیں تبدیل کرنے والا اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو ﴿وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اور آپ ہرگز نہیں پائیں گے اللہ تعالیٰ سے ورے ﴿مُلْتَحَدًا﴾ کوئی جائے پناہ ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ﴾ اور آپ روکیں رکھیں اپنے آپ کو ﴿مَعَ الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کے ساتھ ﴿يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ﴾ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو ﴿بِالْغَدٰوةِ﴾ پہلے پہر ﴿وَالْعَشِيِّ﴾ اور پچھلے پہر ﴿يُرِيْدُوْنَ﴾ چاہتے ہیں ﴿وَجْهَهٗ﴾ اللہ تعالیٰ کی رضا ﴿وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ﴾ اور نہ ہٹیں آپ کی نگاہیں ان سے ﴿تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ تاکہ آپ ارادہ کریں دنیا کی زندگی کی زیب و زینت ﴿وَلَا تُطِعْ﴾ اور آپ اطاعت نہ کریں ﴿مَنْ﴾ اس کی ﴿اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ﴾ کہ غافل کردیا ہم نے اس کے دل کو ﴿عَنْ ذِكْرِنَا﴾ اپنی یاد سے ﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾ اور اس نے پیروی کی اپنی خواہش کی ﴿وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ اور ہے اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا۔

تفصیل بیان ہو چکی ہے کہ مدینہ طیبہ میں یہودیوں میں سے بعض نے آنحضرت ﷺ سے تین سوال کیے کہ اگر آپ نبی ہیں، پیغمبر ہیں تو ہمارے ان تین سوالوں کا جواب دیں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟ جو جاندار کے جسم میں ہو تو حیات ہے اور نکل گئی تو موت ہے۔ یہ کیا چیز ہے؟ کوئی ہوا ہے، جسم ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ اصحاب کہف کون تھے اور ان کا کیا کردار تھا؟ اور تیسرا سوال یہ ہے کہ ذوالقرنین کون تھا اور اس کے کارنامے کیا تھے؟

ان شاء اللہ تعالیٰ کہنے کی تاکید

روح کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیں وہ میرے رب کا حکم ہے تم اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے اصحابِ کہف کا قصہ تم نے کافی تفصیل کیساتھ سنا ہے ذوالقرنین رحمہ اللہ کا ذکر اس سورت کے آخر میں آئے گا جس وقت یہودیوں نے آپ ﷺ سے یہ سوال کیے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کل بتاؤں گا زبان سے ان شاء اللہ نہ کہہ سکے خیال تھا کہ معمولی معمولی باتوں پر وحی نازل ہوتی رہتی ہے اور یہ تو یہودیوں کے اہم سوال ہیں ضرور وحی نازل ہوگی۔ کل کا دن ہوا تو یہودی آگئے کہ ہم نے آپ سے تین سوال کئے تھے ان کا جواب دو۔ آپ ﷺ نے فرمایا ابھی کوئی وحی نہیں آئی وحی آئے گی تو بتلا دوں گا۔ دو دن گزرے، چار دن گزرے وحی نہ آئی۔ اس پر یہود نے بڑا اودھم مچایا بڑی باتیں کیں کہ نبی بنا پھرتا ہے اور سارے لوگوں کو دھوکے میں مبتلا کرتا ہے ہمارے علمی سوالوں کا جواب نہیں دے سکا معلوم نہیں اس کا کل کب آئے گا۔

تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں ہے فَتَاَخَّرَ الْوَحْيُ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا "پورے پندرہ دن وحی نازل نہ ہوئی۔" اور

بیوویوں نے تنگ کر کے رکھ دیا اور جگہ جگہ باتیں کرتے کہ پتہ نہیں اس کی وحی کب آنی ہے؟ پندرہ دن کے بعد یہ وحی نازل ہوئی ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ﴾ اور ہرگز نہ کہیں آپ کسی چیز کے بارے میں ﴿اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا﴾ کہ بے شک میں کرنے والا ہوں اس کو کل ﴿اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے، مرضی تو رب کی ہوگی۔ ان شاء اللہ کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا آئندہ کے بارے میں جب بھی کوئی بات کرو تو ساتھ ان شاء اللہ کہو۔

اللہ تعالیٰ کے سوا سب کو نسیان ہوتا ہے ؟

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ﴾ اور یاد کریں اپنے پروردگار کو اگر آپ بھول جائیں۔ جب بھول جاؤ تو فوراً اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو بات یاد آجائے گی۔ آپ ﷺ پر نسیان بھی طاری ہوتا تھا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے ظہر کی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ جلد باز لوگ مسجد سے باہر نکل گئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ہیبت زدہ ہو گئے پوچھنے کی جرأت نہ کر سکے۔ ایک صحابی تھے خرباق ان کا نام تھا ان کو ذوالیدین بھی کہتے تھے اور ذوالشمالین بھی کہتے تھے۔ انھوں نے کہا حضرت! اب نماز کم ہو گئی ہے یا آپ ﷺ بھول گئے ہیں؟ فرمایا کیسے؟ عرض کیا حضرت! آپ نے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں میں نے تو پوری پڑھی ہے۔ عرض کیا نہیں حضرت! پوری نہیں دو پڑھی ہیں۔ آپ ﷺ نے دوسرے نمازیوں سے پوچھا کہ ذوالیدین سچ کہتا ہے۔ کہنے لگے حضرت ٹھیک کہتا ہے۔ اس وقت نماز میں گفتگو جائز تھی اگر کوئی سلام کرتا تو نماز پڑھنے والا جواب دے دیتا تھا۔ آنے والا پوچھ لیتا کہ تم کون سی رکعت میں ہو اور یہ بتلا دیتا کہ دوسری میں ہیں یا تیسری میں ہیں۔ تو آپ ﷺ نے دو رکعتیں اور پڑھیں اور سجدہ سہو کیا پھر فرمایا: اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ اَنْسٰی كَمَا تَنْسَوْنَ فَذَكِّرُوْنِیْ "بے شک میں بشر ہوں بھول جاتا ہوں جس طرح تم بھول جاتے ہو جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد کرا دیا کرو۔" حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾ [طٰہٰ:۱۱۵] "پس وہ بھول گئے اور نہ پائی ہم نے اس کے لیے پختگی۔" اسی پارے میں آگے آرہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو کہا ﴿لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ﴾ "نہ پکڑنا مجھے اس چیز پر جو میں بھول جاؤں۔" تو نسیان شروع سے چلا آرہا ہے نہ بھولنے والی ذات صرف پروردگار کی ہے ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِیًّا﴾ [مریم:۶۴] "اور نہیں ہے تیرا پروردگار بھولنے والا۔" تو پھر اپنے رب کو یاد کریں جب بھول جائیں۔

﴿وَقُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا﴾ اور آپ کہیں کہ قریب ہے کہ راہنمائی کرے میرا رب اس سے زیادہ قریب بھلائی میں یعنی جس طرح اس نے اصحاب کہف کا قصہ بتلا کر میری تائید کی ہے اس سے مزید معجزات بھی رب تعالیٰ صادر فرمائیں تاکہ لوگوں کے شکوک و شبہات دور ہوں اور ہوئے بھی لیکن ضد کا کوئی علاج نہیں ہے۔ اور اس میں اس طرف اشارہ بھی تھا کہ ایک دن تم بھی دشمنوں کے شر سے بچنے کے لیے غار میں چھپو گے۔ چنانچہ جبل ثور کی چوٹی پر غار ثور میں

آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تین دن تین راتیں چھپے رہے۔ فرمایا ﴿وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ﴾ اور وہ ٹھہرے رہے اپنے غار میں ﴿ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ﴾ تین سو سال ﴿وَازْدَادُوْا تِسْعًا﴾ اور زیادہ کیے انھوں نے نو سال۔ یہ مدت قمری تھی کیوں کہ چاند کے لحاظ سے دس دن چھوٹا ہوتا ہے اور پینتیس چھتیس سال کے بعد ایک سال کا فرق پڑ جاتا ہے شمسی اعتبار سے۔ اسی لیے شریعت کا حکم ہے کہ زکوٰۃ چاند کے حساب سے دو سورج کے حساب سے نہ دو کیوں کہ سورج کے لحاظ سے فرق آ جاتا ہے۔ دیکھو! ایسے آدمی بھی موجود ہیں جن کی عمریں ساٹھ ستر سال ہیں اور ماشاء اللہ وہ زکوٰۃ بھی باقاعدگی کے ساتھ دیتے ہیں اگر وہ چاند کے حساب سے دیں گے تو حساب پورا نکلے گا اور اگر سورج کے حساب سے دیں گے تو فرق آئے گا۔ ستر سال والے کی دو سال کی زکوٰۃ رہ جائے گی وہ اس کے ذمہ رہے گی۔ ہماری شریعت میں کچھ احکام کا تعلق چاند کے ساتھ اور کچھ کا سورج کے ساتھ ہے۔ نمازوں کے اوقات سورج کے ساتھ وابستہ ہیں سورج کے لحاظ سے وقت بدلتا ہے اور روزوں کا تعلق چاند کے ساتھ ہے زکوٰۃ بھی چاند کے لحاظ سے ہے۔ سورۃ رحمٰن میں ہے ﴿اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ﴾ "سورج اور چاند تمھارے حساب کے لیے بنائے ہیں۔"

تو اصحاب کہف غار میں تین سو نو سال قمری لحاظ سے ٹھہرے۔ ﴿قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا﴾ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے جتنا عرصہ وہ ٹھہرے ﴿لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اسی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے غیب آسمانوں کا اور زمین کا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا ہاں غیب کی خبریں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو وحی کے ذریعے بتلائی ہیں وہ غیب کی خبریں جانتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۴۴ میں ہے ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ﴾ "یہ غیب کی خبریں ہیں ہم ان کی وحی کرتے ہیں آپ کی طرف۔" اور سورۃ ہود آیت نمبر ۴۹ میں ہے ﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا﴾ "یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کو وحی کے ذریعے بتلاتے ہیں نہیں تھے آپ ان کو جانتے اور نہ آپ کی قوم جانتی تھی۔" اس سے پہلے تو غیب کی خبریں اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بتلائی ہیں اور سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کو بتلائی ہے لیکن علم غیب اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

﴿اَبْصِرْ بِهٖ﴾ کیسا ہی دیکھنے والا ہے وَاَسْمِعْ اور کیسا ہی سننے والا ہے۔ اور تیرھواں پارہ سورت رعد آیت نمبر ۱۰ میں تم پڑھ چکے ہو کہ تم میں سے کوئی آہستہ بات کرے تو اس کو بھی جانتا ہے اور ظاہری طور پر کرے تو اس کو بھی جانتا ہے اور جو رات کو چھپنے والا ہے اس کو بھی جانتا ہے اور جو دن کو چلنے والا ہے اس کو بھی جانتا ہے۔ ﴿مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ﴾ نہیں ہے ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حمایتی۔ کوئی کسی کو نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ﴿وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا﴾ اور نہیں شریک ٹھہراتا اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی ایک کو۔ تشریعی حکم ہو یا تکوینی رب تعالیٰ کے ساتھ ہے قطعاً ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ [الانعام: ۵۷] اور سورۃ الاعراف میں آیت نمبر ۵۴ میں ہے ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ "خبردار مخلوق بھی اللہ تعالیٰ کی ہے اور حکم بھی اللہ تعالیٰ کا ہے۔" اس نے اپنے حکم میں قطعاً کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔

غریب مومن اللہ تعالیٰ کو پیارے ہیں

آگے ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔ تفسیروں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس مشرکین مکہ کا ایک وفد آیا جس میں ہر ہر قبیلے کا ایک ایک آدمی شریک تھا۔ ان کو دیکھ کر آپ بڑے خوش ہوئے اور حیران بھی ہوئے کہ یہ کیوں آئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بلال رضی اللہ عنہ، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ جیسے غریب صحابہ بیٹھے ہوتے تھے۔ وفد والے بھی آپ ﷺ کے پاس آکر بیٹھ گئے اور ان کے نمائندے نے آپ ﷺ کے ساتھ گفتگو کی کہ آپ کی قوم کا نمائندہ وفد آپ کے پاس آیا ہے اور آپ ہم سب کو جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! میں سب کو جانتا ہوں۔ کہنے لگا ہم آپ کی بات سننے کے لیے آئے ہیں لیکن ہماری شرط یہ ہے کہ ان غریبوں کو مجلس سے اٹھادو ہم سردار لوگ ہیں ان کو اپنی مجلس میں بٹھانا پسند نہیں کرتے۔

اسی مضمون کا بیان ساتویں پارے میں بھی گزرا ہے۔ سورۃ الانعام آیت نمبر ۵۲ آنحضرت ﷺ نے خیال فرمایا کہ تھوڑے سے وقت کے لیے میں ان ساتھیوں کو مجلس سے اُٹھادوں تا کہ یہ لوگ توحید اور قیامت کی حقانیت کے دلائل سن لیں قرآن کی حقانیت سن لیں۔ اور یہ فقہی طور پر بھی جائز تھا اور ہے کہ استاد اپنے شاگرد کو مجلس سے اُٹھادے، باپ کو حق ہے کہ بیٹے کو اٹھادے، پیر مرید کو مجلس سے اُٹھادے یہ ان کے حقوق ہیں اور ان کے حقوق آنحضرت ﷺ کے مقابلے میں صفر ہیں آپ ﷺ کا اُمتیوں پر حق بہت زیادہ ہے اور سب سے زیادہ ہے۔ آپ ﷺ کے حق کے سامنے نہ باپ کی دال گلتی ہے نہ استاد کی نہ پیر کی۔ اور آپ ﷺ کی نیت بھی اچھی تھی اور یہ تو تصور میں ہی نہیں تھا کہ حقیر سمجھ کر ان کو اُٹھا رہے ہوں بس یہ خیال تھا کہ یہ سردار ہیں ان کو موقع دیتا ہوں تا کہ یہ لوگ حق کو سن لیں۔ اللہ تعالیٰ نے ساتویں پارے میں فرمایا ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ﴾ "اور آپ باہر نہ نکالیں اپنی مجلس سے ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام۔" آخر میں فرمایا ﴿فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ "پس آپ ان کو نکالیں گے تو ہو جائیں گے ناانصافوں میں سے۔" یقین جانو! اگر ایسا ہو جاتا تو غریبوں کے لیے کوئی ٹھکانا نہیں تھا لوگ کہتے یہ سنت ہے کہ غریبوں کو مجلس سے اُٹھادو، امیروں کو موقع دو۔

امیر غریب کے فرق نے دنیا کو پریشان کیا ہوا ہے

اور اس وقت اسی خبط نے مغربی دنیا کو پریشان کیا ہوا ہے۔ گوروں کے عبادت خانے علیحدہ اور کالوں کے عبادت خانے علیحدہ ہیں۔ وہ بھی عیسائی اور وہ بھی عیسائی، لیکن مجال ہے کہ کالا کسی گورے کے گرجے میں داخل ہو جائے۔ اِن کے ہسپتال علیحدہ اُن کے ہسپتال علیحدہ، اِن کے اسکول کالج علیحدہ اور اُن کے علیحدہ۔ اور جب مسلمان کالے گورے اکٹھے ہوتے ہیں تو وہ حیران ہوتے ہیں کہ یہ کیا ہوا۔

آج سے کئی سال پہلے کی بات ہے یہ بات اخبارات میں آئی تھی کہ ایک گوری عورت کو تکلیف ہوئی وہ بیمار ہوئی

ڈاکٹروں نے تجویز کیا کہ اس کو فوراً خون کی بوتل لگاؤ۔ اتفاق کی بات ہے کہ وہاں جتنی گوری عورتیں تھیں ان کے خون کا گروپ نمبر اس کے خون کے ساتھ نہ ملا ایک کالی عورت کے خون کا گروپ نمبر مل گیا۔ اس کو ڈاکٹروں نے کہا کہ بی بی! تیرے خون کا گروپ نمبر اس کے ساتھ ملتا ہے اور ایک جان بچانی ہے آپ ایک بوتل خون کی دے دیں۔ اس نے قربانی دی اور خون دے دیا۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ خون دینا ٹیکہ لگانا ضرورت کے موقع پر شرعی طور پر جائز ہے۔ جس وقت گوری کے پاس کالی عورت کے خون کی بوتل گئی اور اس کو بتلایا گیا کہ اور کسی کا خون تیرے خون کے ساتھ نہیں ملا مگر ایک کالی عورت کا۔ تو وہ گوری کہنے لگی مجھے موت منظور ہے مگر کالی کا خون میرے بدن میں ہو یہ منظور نہیں۔ اس نے جان دے دی مگر کالی کا خون نہیں لگوایا۔ اندازہ لگاؤ نفرت کا اور کالوں اور گوروں کے بُعد کا۔ اور اسلام ان سب چیزوں کو مٹاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ﴾ اے نبی کریم ﷺ! آپ تلاوت کریں اس کی جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف ﴿مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ﴾ آپ کے رب کی کتاب ﴿لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ﴾ اور کوئی نہیں تبدیل کرنے والا اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو ﴿وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا﴾ اور آپ ہرگز نہیں پائیں گے اللہ تعالیٰ سے ورے کوئی جائے پناہ ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ﴾ اور آپ روکیں رکھیں اپنے آپ کو ﴿مَعَ الَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کے ساتھ ﴿يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ﴾ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو ﴿بِالْغَدٰوةِ﴾ پہلے پہر ﴿وَالْعَشِيِّ﴾ اور پچھلے پہر بھی، انھی میں رہو ﴿يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ چاہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی رضا ﴿وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ﴾ اور نہ ہٹیں آپ کی نگاہیں ان سے، اپنی آنکھوں کو ان سے دور نہ کریں ﴿تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ تاکہ آپ ارادہ کریں دنیا کی زندگی کی زیب و زینت کہ کھانے پینے والے بڑے لوگ آگئے ہیں سردار آگئے ہیں مجلس کی رونق بڑھ جائے گی ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا﴾ اور آپ اطاعت نہ کریں اس کی کہ ہم نے غافل کر دیا ﴿قَلْبَهٗ﴾ اس کے دل کو ﴿عَنْ ذِكْرِنَا﴾ اپنی یاد سے ﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾ اور اس نے پیروی کی اپنی خواہش کی کہ وہ کہتے ہیں کہ ان غریبوں کو مجلس سے اٹھا دو یہ بات ان کی نہیں ماننی اور ان غریبوں کو نہیں نکالنا ﴿وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ اور ہے اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا اس کے کہنے میں نہ آنا۔ مزید بات آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

﴿وَقُلِ﴾ اور آپ کہہ دیں ﴿الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ حق تمھارے رب کی طرف سے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ﴾ پس جو شخص چاہے ایمان لے آئے ﴿وَّمَنْ شَآءَ﴾ اور جو شخص چاہے ﴿فَلْيَكْفُرْ﴾ کفر اختیار کرے ﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا﴾ بے شک ہم نے تیار کی ہے ﴿لِلظّٰلِمِيْنَ﴾ ظالموں کے لیے ﴿نَارًا﴾ آگ ﴿اَحَاطَ بِهِمْ﴾ گھیر لیں گے ان کو ﴿سُرَادِقُهَا﴾ اس آگ کے پردے ﴿وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا﴾ اور اگر وہ مدد طلب کریں گے تو ﴿يُغَاثُوْا بِمَآءٍ﴾ ان کی مدد کی جائے گی پانی کے ساتھ ﴿كَالْمُهْلِ﴾ جو تلچھٹ کی طرح ہوگا ﴿يَشْوِي الْوُجُوْهَ﴾ وہ بھون دے گا ان کے

چہروں کو ﴿بِئْسَ الشَّرَابُ﴾ بُرا ہے پانی ﴿وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا﴾ اور بُرا ہوگا آرام ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور اُنھوں نے عمل کیے اچھے ﴿اِنَّا لَا نُضِیْعُ﴾ بے شک ہم ضائع نہیں کریں گے ﴿اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا﴾ اس کا اجر جس نے اچھا عمل کیا ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ وہ لوگ ہیں ﴿لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ﴾ ان کے لیے باغ ہوں گے ہمیشگی کے ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ﴾ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿یُحَلَّوْنَ فِیْهَا﴾ پہنائے جائیں گے ان باغوں میں ﴿مِنْ اَسَاوِرَ﴾ کنگن ﴿مِنْ ذَهَبٍ﴾ سونے کے ﴿وَّیَلْبَسُوْنَ﴾ اور پہنیں گے ﴿ثِیَابًا﴾ کپڑے ﴿خُضْرًا﴾ سبز رنگ کے ﴿مِّنْ سُنْدُسٍ﴾ باریک ریشم کے ﴿وَّاِسْتَبْرَقٍ﴾ اور موٹے ریشم کے ﴿مُّتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا﴾ تکیے لگائے ہوئے ہوں گے ان باغوں میں ﴿عَلَى الْاَرَآئِكِ﴾ آرام دہ کرسیوں پر ﴿نِعْمَ الثَّوَابُ﴾ بہت اچھا بدلہ ہے ﴿وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا﴾ اور اچھا ہے آرام۔

قریش مکہ کے کچھ سردار عیینہ بن حصن کی نمائندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ عیینہ بڑے اثر ورسوخ والا اور بڑا باتونی آدمی تھا گفتگو ایسے انداز میں کرتا تھا کہ خواہ مخواہ آدمی اس کی باتیں سننے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ قدو قامت، شکل وصورت بھی تھی اور اچھی وضع قطع رکھتا تھا۔ اس نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آج ہم سارے کام چھوڑ کر آپ کی گفتگو سننے کے لیے آئے ہیں کہ آپ کیا کہتے ہیں لیکن ہماری شرط یہ ہے کہ آپ مجلس میں جو یہ غرباء بیٹھے ہیں ان کو یہاں سے اُٹھا دیں ان کمزوروں کے ساتھ بیٹھنا ہم گوارا نہیں کرتے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ﴾ "اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ روکے رکھیں اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام۔" اُنھی کے ساتھ رہنا ہے جو پہلے پہر بھی رب تعالیٰ کو پکارتے ہیں اور پچھلے پہر بھی رب تعالیٰ کو پکارتے ہیں ان سے اپنی نظر نہ ہٹائیں ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا﴾ "اور نہ اطاعت کریں اس کی جس کے دل کو ہم نے غافل کر دیا اپنے ذکر سے ﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾ اور جس نے اپنی خواہش کی پیروی کی۔" کافروں کی بات مان کر ان غریبوں کو اپنی مجلس سے نہ اُٹھانا۔

﴿وَقُلِ﴾ اور آپ کہہ دیں ﴿الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ حق تمھارے رب کی طرف سے ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ﴾ پس جو شخص چاہے ایمان لے آئے ﴿وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ﴾ اور جو شخص چاہے کفر اختیار کرے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو اختیار دیا ہے کہ اپنی مرضی اور اختیار سے ایمان لانا چاہیں تو ایمان لے آئیں اور اگر کفر اختیار کرنا چاہتے ہیں تو کفر اختیار کریں لہٰذا ان غریبوں کو مجلس سے نہیں اُٹھانا۔ جی چاہتا ہے تو ان کے ہوتے ہوئے اللہ کے نبی کی بات سنیں ورنہ ان کی مرضی ہے۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مجلس سے مصلحت کی بنا پر اُٹھا دینے کا اختیار رکھتے تھے جیسا کہ باپ کو بیٹے پر حق، استاد کو شاگرد پر حق ہے، پیر کو مرید پر حق ہے۔ ان کے حقوق میں ان سب سے زیادہ حق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق استعمال نہیں کرنے دیا اور اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان غریبوں کو مجلس سے اُٹھا دیں۔ کیوں کہ اگر ایسا

ہو جاتا تو غریبوں کے لیے کوئی ٹھکانا نہ رہتا۔ لوگ اس کو سنت کے طور پر پیش کرتے کہ سنت ہے کہ امیروں کی مجلس اور ہو اور غریبوں کی مجلس اور ہو۔ پھر امیروں کی مسجدیں الگ ہوتیں اور غریبوں کی مسجدیں الگ ہوتیں۔

اسلام نے غریب امیر کی تفریق ختم کر دی ہے

لیکن اسلام نے اس تفریق کو مٹایا ہے ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ [حجرات:۱۰] "پختہ بات ہے سب مومن بھائی بھائی ہیں۔" حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے لَا فَخْرَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَ لَا لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ كُلُّكُمْ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ اَوْ كَمَا قَالَ ﷺ "کسی عربی کو محض عربی ہونے کی وجہ سے غیر عربی پر کوئی فخر نہیں ہے اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فخر نہیں ہے تم سارے آدم علیہ السلام کی اولاد ہو، کالے بھی اور گورے بھی، اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔" ہاں! ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ [حجرات:۱۳] "بے شک تم میں سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہے۔" یہاں ذات اور نسل کا کوئی سوال نہیں ہے۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم ہندوستان بہت بڑے درجے کے عالم اور مفتی تھے ذات کے نائی (حجام) شاہ جہان پور کے رہنے والے تھے اور ہم نے دیکھا ہے کہ سیدان کے جوتے سیدھے کرتے تھے۔ بات تو تقویٰ اور نیکی کی ہے۔ پیشہ کوئی بھی ہو مگر ہو جائز، اگر کوئی حجام ہے سر مونڈتا ہے، لبیں کاٹتا ہے، ناخن تراشتا ہے اور اس کی اجرت لیتا ہے تو جائز ہے کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر داڑھی صاف کرتا ہے اور بودا بنا کر اجرت لیتا ہے تو یہ کمائی حرام ہے فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کوئی مسلمان حجام کسی غیر مسلم عیسائی وغیرہ کی ڈاڑھی مونڈ کر اجرت لے گا تو بھی حرام ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام ترکھانوں کا کام کرتے تھے، موسیٰ علیہ السلام نے بکریاں چرائی ہیں خود آنحضرت ﷺ نے عَلٰى قَرَارِيْطَ لِاَهْلِ مَكَّةَ ٹکے ٹکے پر اہل مکہ کی بکریاں چرائی ہیں۔ حضرت طالوت رحمۃ اللہ علیہ جن کا ذکر دوسرے پارے کے آخر میں ہے مزدوروں کا کام کرتے تھے، کبھی کپڑے رنگتے تھے کبھی ماشکیوں کا کام کرتے تھے لوگوں کا پانی بھرتے تھے کبھی لوگوں کے جانور چراتے تھے جو کام ملا، کرلیا۔ جائز پیشہ کوئی بھی ہو اس پر کوئی قدغن کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اصل چیز ہے ایمان، اخلاص، عمل صالح، اتباع سنت۔

فرمایا آپ ان سے کہہ دیں حق تمہارے رب کی طرف سے ہے پس جس کا جی چاہے اپنی مرضی سے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے اپنی مرضی سے کفر اختیار کرے۔ نہ ایمان لانے میں کوئی مجبور ہے اور نہ کفر کرنے میں کوئی مجبور ہے اور نہ کوئی نیکی اور بدی میں مجبور ہے۔ رب تعالیٰ نے اختیار دیا ہے جو کرنا ہے اپنی مرضی سے کرنا ہے ﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا﴾ بے شک ہم نے تیار کی ہے ظالموں کے لیے آگ جو دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہے۔ اور دنیا کی آگ میں لوہے تک ہر چیز پگھل جاتی ہے اگر مارنا مقصود ہو تو اُس آگ کا ایک شعلہ ہی کافی ہے لیکن وہاں تو ﴿لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ "نہ کوئی مرے گا اور نہ جیے گا۔"

﴿اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا﴾ گھیرلیں گے ان کو اس آگ کے پردے، قناتیں۔ مجرموں کے اردگرد آگ ہی آگ ہوگی، چھت آگ کی، کنارے آگ کے۔ جیسے خیمہ ہوتا ہے اور اس کے اردگرد قناتیں ہوتی ہیں۔ ﴿وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا﴾ اور اگر وہ مدد طلب کریں گے پیاسے ہوکر ﴿يُغَاثُوْا بِمَآءٍ﴾ ان کی مدد کی جائے گی ایسے پانی کے ساتھ ﴿كَالْمُهْلِ﴾ جو تلچھٹ کی طرح ہوگا۔ تیل کے نیچے جو گندمند ہوتا ہے جس کو آدمی دیکھنا پسند نہیں کرتا اس کو تلچھٹ کہتے ہیں تو وہ پانی تلچھٹ کی طرح ہوگا۔ اور مُہل کا معنی پگھلا ہوا تانبا بھی کرتے ہیں اس میں حرارت تیز ہوتی ہے وہ پلایا جائے گا ﴿يَشْوِي الْوُجُوْهَ﴾ وہ بھون دے گا ان کے چہروں کو ہونٹوں کے ساتھ لگے ہونٹ جل جائیں گے وہ پی بھی نہیں سکیں گے۔ سورۃ ابراہیم آیت نمبر ۱۷ میں ہے ﴿يَّتَجَرَّعُهٗ﴾ گھونٹ گھونٹ کر کے اُتارے گا دوزخی۔ جیسے گرم چائے وغیرہ کو تھوڑا تھوڑا کر کے پیتے ہیں۔ ان کو پیاس اتنی شدید ہوگی کہ پینے پر مجبور ہوں گے وہ پیاس کا عذاب ہوگا۔ جس وقت چند قطرے اندر چلے گئے تو سورۃ محمد آیت نمبر ۱۵ میں ہے ﴿فَقَطَّعَ اَمْعَآءَ هُمْ﴾ "پس وہ کاٹ ڈالے گا ان کی آنتوں کو" ریزہ ریزہ کردے گا اور وہ انتڑیاں پاخانے کے راستے سے نکل آئیں گی پھر وہ منہ کے راستے ڈالی جائیں گی۔ یہ صرف پیاس کی تکلیف ہوگی اور رہی بھوک، ایسی شدید تکلیف سے بھوک بجھانے کیلئے کیا ملے گا؟ ﴿زَقُّوْمٍ﴾ [واقعہ:۵۲] ﴿ضَرِيْعٍ﴾ کانٹے دار جھاڑیاں [غاشیہ:۶] اور ﴿غِسْلِيْنٍ﴾ زخموں کے دھوون [الحاقہ:۳۶] یہ تین چیزیں قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ یہ چیزیں اتنی کڑوی ہیں کہ ایک قطرہ سمندر میں ڈال دیا جائے تو سارا سمندر کڑوا ہو جائے اور اتنی بدبودار کہ ایک قطرہ بدبو کا چھوڑا جائے تو اس کی بدبو سے تمام جان دار چیزیں ختم ہو جائیں، یہ دوزخیوں کو کھانا ملے گا۔ تو فرمایا کہ اگر پانی کے سلسلے میں مدد طلب کریں گے تو ان کی امداد کی جائے گی ایسے پانی کے ساتھ جیسے تلچھٹ ہے یا پگھلا ہوا تانبا جو ان کے چہروں کو بھون دے گا ﴿بِئْسَ الشَّرَابُ﴾ بُرا ہے وہ پانی ﴿وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا﴾ اور برا ہوگا آرام۔ ﴿مُرْتَفَقًا﴾ مصدر بھی ہے جس کا معنیٰ ہے آرام۔ اور آرام کیا ہونا ہے یہ تو ان پر طنز ہے۔ ﴿مُرْتَفَقًا﴾ اور ظرف کا صیغہ بھی ہے پھر معنیٰ ہوگا اور بری ہے آرام کی جگہ، یہ تو کافروں کے لیے ہوگا۔

جنت کا نقشہ

آگے ایمان والوں کے متعلق فرمایا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور خالی ایمان ہی نہیں ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور انھوں نے عمل کیے اچھے، عمل کا بڑا دخل ہے ﴿اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا﴾ بے شک ہم ضائع نہیں کریں گے اس شخص کا اجر جس نے اچھا عمل کیا ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ﴾ وہ لوگ ہیں ان کیلئے باغات ہونگے ہمیشگی کے۔ دنیا کے باغ وقتی ہیں اور ان کے پھل موسمی ہیں یعنی موسم ہوگا تو پھل ہوگا۔ جنت کے باغوں کی یہ خصوصیت ہے کہ ﴿اُكُلُهَا دَآئِمٌ﴾ ان کے پھل ہمیشہ ہوں گے ﴿لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ﴾ [واقعہ:۳۳] "نہ ختم ہوں گے اور نہ روکے جائیں گے۔" دانہ توڑا دیکھتے ہی دوسرا لگ جائے گا کبھی ختم نہیں ہوں گے جس جگہ سے کوئی پھل کھانا چاہے گا کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ بڑے بڑے وسیع باغ

ہوں گے اور اُوپر چڑھنے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی ﴿قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ﴾ [الحاقۃ: ۲۳] اس کے پھل قریب ہوں گے ارادہ کرے گا کہ یہ دانہ کھانا ہے وہ ٹہنی خود بخود جھک جائے گی۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جنت کیا ہوگی؟ چھوٹی خدائی ہوگی ﴿لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا﴾ [ق: ۳۵] "ان کے لیے ہوگا جو وہ چاہیں گے اس میں۔" ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ﴾ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ﴾ پہنائے جائیں گے ان باغوں میں کنگن سونے کے۔ اَسَاوِرَ اَسْوِرَةٌ کی جمع ہے اس کا معنٰی ہے کنگن۔ پہلے زمانے میں رواج تھا کہ بادشاہ اور رئیس سونے کے کنگن پہنتے تھے۔ جیسے آج کل آپ لوگوں نے گھڑیاں پہنی ہوئی ہیں۔ یہاں سونے کے لفظ آئے ہیں اور سورہ دہر آیت نمبر ۲۱ میں ہے ﴿وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ﴾ "اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔" تو وہ جو چاہیں گے پہنائے جائیں گے، سونے کے چاہیں گے یا چاندی کے یا ہیرے کے ان میں کوئی عار اور شرم نہیں ہوگی۔ جیسے تم نے گھڑیوں کے چین پہن رکھے ہیں اور مسئلہ یاد رکھنا! کہ لوہے اور سٹیل کے جو چین ہیں یہ مکروہ ہیں چمڑے کا جائز ہے۔ ایک اور کوئی چیز آئی ہے جینز کہتے ہیں اچھی طرح معلوم نہیں ہے کیا کہتے ہیں وہ جائز ہے۔ البتہ لوہے اور سٹیل کے چین میں نماز تو ہو جائے گی۔ بعض حضرات غلو کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نماز نہیں ہوتی، نماز ہو جاتی ہے بس پہننا مکروہ ہے۔

ابوداؤد شریف کی روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے بازو میں لوہے کا کڑا دیکھا فرمایا: "یہ دوزخیوں کی علامت ہے۔" اور عورتوں کے لیے سونے چاندی کے زیور بھی درست ہیں اور چین بھی درست ہیں۔ اور مردوں کے لیے جنت میں ہوں گے جنت کا مسئلہ علیحدہ ہے۔ ﴿وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ﴾ اور پہنیں گے کپڑے سبز رنگ کے باریک ریشم کے ﴿وَّاِسْتَبْرَقٍ﴾ اور موٹے ریشم کے۔ سرزمین عرب میں دو تین چیزوں کی بڑی قدر ہوتی تھی۔ ایک پانی کی، چوں کہ پانی کی وہاں بڑی قلت تھی ایسے واقعات بھی ہیں کہ چوبیس چوبیس گھنٹوں کا سفر طے کر کے پانی لاتے تھے لہٰذا جہاں پانی دیکھتے تھے وہاں ڈیرہ لگا دیتے تھے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جہاد کے سفر میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ایک جگہ دیکھی کہ پانی ہے بڑے درخت ہیں اور سبزہ ہے دل بڑا خوش ہوا کیوں کہ خشک علاقہ تھا سبزہ دیکھ کر بڑے خوش ہوتے تھے خیال کیا کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر میں یہیں ڈیرہ لگا لوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت! بڑی عمدہ جگہ ہے میرا دل چاہتا ہے کہ میں یہاں ٹھہر جاؤں۔

تبتل ممنوع ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نَهٰى عَنِ التَّبَتُّلِ تبتل سے منع فرمایا کہ شریعت اس زندگی کو پسند نہیں کرتی کہ بیوی بچوں و چھوڑ دو بہن بھائیوں کو چھوڑ دو عزیز رشتہ داروں سے الگ تھلگ ہو جاؤ اپنی تن آسانی کے لیے یہ کوئی زندگی نہیں ہے۔ زندگی وہ

ہے کہ دوسروں کی خدمت کرو، ماں باپ کی خدمت کرو، بیوی بچوں کی خدمت کرو، مہمانوں کی خدمت کرو، آنے جانے والوں کی خدمت کرو۔ یہ خدمت نفلی نماز اور نفلی روزوں سے زیادہ ثواب رکھتی ہے۔ وہ عورتیں جن کا عقیدہ صحیح ہے اور نماز روزے کی پابند ہیں یہ جو گھر میں خدمت کرتی ہیں بچوں کا پیشاب پاخانہ صاف کرتی ہیں ہنڈیا پکاتی ہیں گھر میں جھاڑ دپھیرتی ہیں اس کا ثواب ان کو نفلی عبادت سے زیادہ ملتا ہے اور یہ نفلی عبادت سے بڑی عبادت ہے۔

تو فرمایا وہ کپڑے پہنیں گے سبز رنگ کے باریک ریشم کے اور موٹے ریشم کے ﴿مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ﴾۔ اَرَآئِك اَرِیْکَۃٌ کی جمع ہے اور اَرِیْکَۃٌ کا معنیٰ ہے آرام دہ کرسی، اِدھر اُدھر پھرنے والی۔ وہ تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے آرام دہ کرسیوں پر ﴿نِعْمَ الثَّوَابُ﴾ بہت اچھا بدلہ ہے ﴿وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا﴾ اور کیا اچھا ہے آرام۔ اللہ تعالیٰ تمام مومنین اور مومنات، مسلمین، مسلمات کو نصیب فرمائے اور جنتی والے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ﴾ اور آپ بیان کریں ان کے لیے ﴿مَّثَلًا﴾ مثال ﴿رَّجُلَيْنِ﴾ دو آدمیوں کی ﴿جَعَلْنَا﴾ بنائے ہم نے ﴿لِاَحَدِهِمَا﴾ ان میں سے ایک کے لیے ﴿جَنَّتَيْنِ﴾ دو باغ ﴿مِنْ اَعْنَابٍ﴾ انگوروں کے ﴿وَّحَفَفْنٰهُمَا﴾ اور ہم نے گھیر لیا ان دونوں باغوں کو ﴿بِنَخْلٍ﴾ کھجوروں کے ساتھ ﴿وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا﴾ اور بنائی ہم نے ان دونوں کے درمیان ﴿زَرْعًا﴾ کھیتی ﴿كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ﴾ دونوں باغ ﴿اٰتَتْ﴾ لاتے تھے ﴿اُكُلَهَا﴾ اپنا پھل ﴿وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا﴾ اور نہ کمی کرتے تھے اس پھل میں سے کسی چیز کی ﴿وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا﴾ اور ہم نے چلائی ان دونوں کے درمیان نہر ﴿وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ﴾ اور اس شخص کے لیے اور بھی پھل تھے ﴿فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ﴾ پس کہا اس نے اپنے ساتھی کو ﴿وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ﴾ اور وہ اس کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا ﴿اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا﴾ میں زیادہ ہوں تجھ سے مال میں ﴿وَّاَعَزُّ نَفَرًا﴾ اور زیادہ ہوں تعداد میں ﴿وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ﴾ اور وہ داخل ہوا اپنے باغ میں ﴿وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والا تھا اپنے نفس پر ﴿قَالَ﴾ اس نے کہا ﴿مَآ اَظُنُّ﴾ میں نہیں خیال کرتا ﴿اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا﴾ کہ یہ باغ ہلاک ہوگا کبھی بھی ﴿وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ﴾ اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت ﴿قَآئِمَةً﴾ قائم ہونے والی ہے ﴿وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ﴾ اور اگر میں لوٹایا گیا ﴿اِلٰى رَبِّيْ﴾ اپنے رب کی طرف ﴿لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا﴾ البتہ میں ضرور پاؤں گا ان باغات سے بہتر ﴿مُنْقَلَبًا﴾ لوٹنے کی جگہ ﴿قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ﴾ کہا اس کو اس کے ساتھی نے ﴿وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ﴾ اور وہ اس کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا ﴿اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ﴾ کیا تو انکار کرتا ہے اس ذات کا ﴿خَلَقَكَ﴾ جس نے تجھے پیدا کیا ہے ﴿مِنْ تُرَابٍ﴾ مٹی سے ﴿ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾

پھر نطفے سے ﴿ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا﴾ پھر تجھے برابر کر دیا ایک مرد ﴿لٰكِنَّا۠ هُوَ﴾ لیکن میں کہتا ہوں وہ ﴿اللّٰهُ رَبِّيْ﴾ اللہ تعالیٰ ہی میرا رب ہے ﴿وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا﴾ اور میں شریک نہیں ٹھہراتا اپنے رب کے ساتھ کسی ایک کو۔

اس سے پہلے رکوع میں تم پڑھ چکے ہو کہ کفار قریش کا نمائندہ وفد جو ان کے سرداروں اور وڈیروں پر مشتمل تھا آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم آپ کی باتیں ٹھنڈے دل کے ساتھ سننے کے لیے تیار ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان غریب اور کمزور لوگوں کو اپنی مجلس سے اٹھا دو ہم گوارا نہیں کرتے کہ ہم سرداروں کی مجلس میں کمزور لوگ بیٹھیں۔ ان کمزور لوگوں کے ساتھ بیٹھنا ہماری توہین ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے فرمایا آپ ان سے کہہ دیں ﴿الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف:۲۹] "حق تمھارے رب کی طرف سے ہے پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔" رب تعالیٰ نہ کسی کو کفر پر مجبور کرتا ہے اور نہ ایمان پر مجبور کرتا ہے۔ سرداروں کو اپنے مال و دولت پر گھمنڈ تھا تو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ناپائیداری کا ذکر فرمایا ہے اور اس سلسلے میں پورے رکوع میں ایک واقعہ بیان فرمایا ہے۔

مشہور تفسیر "درمنثور" وغیرہ میں لکھا ہے کہ شام کے علاقہ میں رملہ شہر تھا اس کے پاس نہر تھی اور نہر کے پاس ایک مال وار آدمی رہتا تھا اس کے علاوہ اور بھی کافی لوگ وہاں آباد تھے۔ اس امیر آدمی کے دو انگوروں کے باغ تھے اور اس کے اردگرد کھجوروں کی باڑ لگائی ہوئی تھی اور انگوروں اور کھجوروں کے علاوہ جو پھل اس علاقے میں ہو سکتے تھے وہ بھی وہاں موجود تھے۔ اس علاقہ کو شام بھی کہتے تھے، ارض مقدس اور کنعان بھی کہتے تھے۔ اردن، لبنان، فلسطین اور جو علاقہ اسرائیل کے پاس ہے یہ سارا ایک ملک تھا۔ وہاں بے شمار پیغمبروں کی قبریں ہیں اور بڑا زرخیز علاقہ ہے ٹھنڈا پانی ہے۔ برطانیہ خبیث نے ۱۹۱۷ء میں اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اب شام علیحدہ ہے اردن علیحدہ ہے لبنان علیحدہ ہے اور جو علاقہ یہودیوں کے پاس ہے وہ علیحدہ ہے اور ان کی ایسی ذہن سازی کی ہے کہ باوجود مسلمان ہونے کے ایک دوسرے کو ملنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور سارے یہودیوں سے مار کھا رہے ہیں۔ برطانیہ کے بعد اب امریکہ کی چودھراہٹ ہے سعودیہ سمیت سارے امریکہ کے بیٹے بنے ہوئے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا﴾ اور آپ بیان کریں ان دولت مندوں کیلئے ایک مثال ﴿رَّجُلَيْنِ﴾ دو آدمیوں کی ﴿جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ﴾ بنائے ہم نے ان دو میں سے ایک کے لیے دو باغ ﴿مِنْ اَعْنَابٍ﴾ انگوروں کے ﴿وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ﴾ اور ہم نے گھیر لیا ان انگوروں کے دونوں باغوں کو کھجوروں کے ساتھ۔ ان کے کناروں پر کھجوریں تھیں تاکہ دیواروں کا کام بھی دیں اور پھل بھی لائیں ﴿وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا﴾ اور بنائی ہم نے ان دونوں کے درمیان کھیتی ﴿كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ﴾ دونوں باغ ﴿اٰتَتْ اُكُلَهَا﴾ لاتے تھے اپنا پھل ﴿وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا﴾ اور نہ کمی کرتے تھے اس پھل میں سے کسی چیز کی یعنی عادت کے مطابق جتنا پھل ہونا چاہیے تھا دونوں باغ اتنا پھل لاتے اور ان باغوں کا محل وقوع ایسا تھا کہ ﴿وَّفَجَّرْنَا

﴿خِلٰلَهُمَا نَهَرًا﴾ اور ہم نے چلائی ان دونوں کے درمیان نہر ان کے درمیان سے نہر گذرتی تھی اور صرف یہی نہیں کہ انگور اور کھجوریں تھیں ﴿وَّ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ﴾ اور اس شخص کے لیے اور بھی پھل تھے۔

قرآن پاک میں انگور اور کھجور کا ذکر بکثرت آتا ہے یہ دونوں پھل دیر تک رہتے ہیں اور سالہا سال تک خراب نہیں ہوتے۔ انگور کو خشک کر کے منقی بنایا جاتا ہے اور کشمش بنائی جاتی ہے۔ باقی پھل موسمی ہیں اب سائنس کی ترقی کی وجہ سے ان پھلوں کی حفاظت کے لیے بھی کولڈ سٹور بنائے ہوئے ہیں لیکن جو مزا اور لذت تازہ پھل میں ہوتی ہے وہ سٹور والے میں نہیں ہوتی بس لوگ اس کو پھل سمجھ کر کھاتے ہیں حالاں کہ بسا اوقات مضر صحت بھی ہوتے ہیں۔ تو خیر ان باغوں کا جو مالک تھا وہ کافر مشرک تھا اس کا ایک دوست تھا جو کہ مومن موحد تھا لیکن مالی طور پر کمزور تھا۔ موحد اس کو سمجھاتا رہتا تھا کہ دیکھ بھئی! رب تعالیٰ نے تجھے بہت کچھ دیا ہے اس کو اس طرح مان جس طرح ماننے کا حق ہے اس کیساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا۔ قیامت کا اقرار کر کلمہ پڑھ لے جو اس زمانے میں تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے۔ اللہ تعالیٰ کے دین صحیح کو قبول کر تیری دنیا بھی باقی رہے گی اور آخرت بھی بن جائے گی۔

﴿فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ﴾ پس کہا اس کافر مشرک نے جو باغ کا مالک تھا اپنے ساتھی کو جو موحد تھا ﴿وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ﴾ اور وہ اس کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا مُحَاوَرَۃ کے معنی گفتگو کے ہیں۔ کہنے لگا کہ تم مجھے روزانہ کوستے رہتے ہو کہ میں کافر ہوں مشرک ہوں دیکھتے نہیں ہو ﴿اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا﴾ میں زیادہ ہوں تجھ سے مال میں ﴿وَّ اَعَزُّ نَفَرًا﴾ اور زیادہ ہوں تعداد میں، بیٹے ہیں غلام ہیں نوکر چاکر ہیں مال و دولت ہے۔ اگر رب میرے اُوپر ناراض ہوتا تو یہ چیزیں مجھے دیتا؟ بلکہ رب تجھ سے ناراض ہے کہ تجھے کھانے کے لیے وافر نہیں دیا۔ مثل مشہور ہے کہ دشمن کبھی دشمن کو نوازتا نہیں ہے۔ اگر رب میرے ساتھ دشمنی کرتا تو مال دولت کیوں دیتا اور مشرکوں نے ہر دور میں اس بات کو بطور دلیل کے پیش کیا ہے۔

مال و دولت اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی دلیل نہیں

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر ان کی اس بات کا رد فرمایا ہے کہ مال کا دینے نہ دینے کا سلسلہ اور ہے اور رضا، عدم رضا کا سلسلہ اور ہے۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ راضی پیغمبروں پر ہے اور پھر تمام پیغمبروں کے امام اور سردار خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ راضی ہے۔ لیکن آپ کی مالی حیثیت یہ تھی کہ چھوٹا سا کمرہ تھا اور اس میں چراغ بھی نہیں تھا اندھیرے میں نماز پڑھتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دو دو ماہ ہمارے چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی کہ پکانے کے لیے کچھ نہیں ہوتا تھا۔ پوچھنے والوں نے پوچھا کہ پھر وقت کیسے گذرتا تھا؟ تو فرماتی ہیں کہ ردی قسم کی کھجوریں ہوتی تھیں جن کو لوگ خوش ہو کر نہیں کھاتے تھے وہ کبھی ہمیں مل جاتی تھیں اور کچھ دودھ انصار تحفے کے طور پر دے جاتے تھے جس سے گذارا ہو جاتا تھا۔ تو اگر مال خوشی اور ناراضگی کا معیار ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالی پوزیشن یہ نہ ہوتی کہ فاقہ پہ فاقہ آتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جوتا مبارک اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتے تھے۔ ایک عورت خود کپڑے بُنتی تھی کھڈی پر اس

بی بی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہبند دیکھی کہ بہت پرانی ہے ایک لنگی بُن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی کہ حضرت! آپ یہ استعمال کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل لی نئی پہن کر آئے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت! یہ مجھے دے دو۔ سارے لوگ ان کے پیچھے پڑ گئے کہ تم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لنگی کیوں مانگی ہے؟ تمھیں معلوم نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پرانی لنگی بدل کر یہ پہن کر تشریف لائے ہیں تمھیں مانگتے ہوئے شرم نہیں آئی۔ انھوں نے کہا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لنگی استعمال کرنے کے لیے نہیں مانگی بلکہ اس لیے مانگی ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے ساتھ لگی ہے اس کو میں اپنے کفن کے لیے رکھوں گا۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ اس روایت کی بنا پر فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی اپنا کفن اپنے پاس رکھے تو جائز ہے مگر اپنی قبر کھود کر رکھے تو یہ جائز نہیں ہے کیوں کہ معلوم نہیں کہاں مرنا ہے ﴿وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ﴾ [لقمان: ۳۴] "اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ وہ کس زمین پر مرے گا۔" کیوں کہ یہ غیب کا علم ہے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خوشی اور ناراضگی کا معیار مال و دولت نہیں ہے بلکہ دین اور ایمان ہے اِنَّ اللّٰهَ یُعْطِی الدُّنْیَا مَنْ یُّحِبُّ وَمَنْ لَّا یُحِبُّ "بے شک اللہ تعالیٰ دیتا ہے دنیا اس کو جس کے ساتھ محبت کرتا ہے اور اس کو بھی جس کے ساتھ محبت نہیں کرتا۔" قارون جیسے باغی اور سرکش کو بھی دنیا دی۔ آج بھی دنیا میں اکثر مال دار وہی لوگ ہیں وَلَا یُعْطِی الْاِیْمَانَ اِلَّا مَنْ یُّحِبُّ "اور ایمان نہیں دیتا مگر اس کو جس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔" ایمان صرف ان کو دیتا ہے جن کے ساتھ رب تعالیٰ کی محبت ہوتی ہے وَفِیْ رِوَایَةٍ لَا یُعْطِی الدِّیْنَ اِلَّا مَنْ یُّحِبُّ "اور ایک روایت میں ہے کہ رب دین صرف اس کو دیتا ہے جس کے ساتھ رب کی محبت ہوتی ہے۔" تو جس کو ایمان کی دولت نصیب ہے وہ سمجھے کہ رب تعالیٰ اس سے راضی ہے۔

تو کافر مشرک نے اپنے مومن ساتھی سے کہا جب وہ اس کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور گنتی اور افراد کے لحاظ سے بھی زیادہ ہوں ﴿وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ﴾ اور وہ ظالم مشرک داخل ہوا اپنے باغ میں ﴿وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ﴾ اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والا تھا اپنے نفس پر کفر اور شرک کی وجہ سے ﴿قَالَ﴾ اس نے کہا ﴿مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِیْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا﴾ میں نہیں خیال کرتا کہ یہ باغ ہلاک ہوگا کبھی بھی۔ کیوں کہ باغ کے ہلاک ہونے اور اُجڑنے کی ظاہری صورتیں یہ ہیں کہ اس کو پانی نہ ملے تو درخت خشک ہو جاتے ہیں اور ان میں نہریں چل رہی ہیں یا باغ کی دیکھ بھال کرنے کے لیے مالی نہ ہوں ﴿وَاَعَزُّ نَفَرًا﴾ اور میرے پاس بڑے آدمی ہیں۔ تو یہ دونوں چیزیں میسر ہیں لہٰذا یہ کبھی تباہ نہیں ہوں گے اور جس قیامت کا تم مجھے بار بار کہتے ہو ﴿وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآىِٕمَةً﴾ اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے خواہ مخواہ تم مجھے قیامت سے ڈراتے ہو اول تو قیامت آئے گی نہیں ﴿وَّلَىِٕنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّیْ﴾ اور اگر بالفرض میں لوٹایا گیا اپنے رب کی طرف قیامت آ گئی ﴿لَاَجِدَنَّ خَیْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا﴾ البتہ میں ضرور پاؤں گا ان باغات سے بہتر لوٹنے کی جگہ۔ جس رب نے مجھے یہاں دیا ہے وہاں مجھے کیوں نہیں دے گا۔ کافر مشرک نے یہ سمجھا کہ رب مجھ سے راضی ہے تبھی تو مجھے یہاں دیا ہے لہٰذا قیامت ہوئی تو وہاں بھی مجھے دے گا۔

﴿قَالَ لَہٗ صَاحِبُہٗ﴾ کہا اس کو اس کے مومن ساتھی نے ﴿وَھُوَ یُحَاوِرُہٗٓ﴾ اور وہ مومن اپنے اس مشرک ساتھی سے گفتگو کر رہا تھا ﴿اَكَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ﴾ کیا تو انکار کرتا ہے اس ذات کا جس نے تجھے پیدا کیا ہے مٹی سے کہ آدم علیہ السلام کو ﴿خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ﴾ پیدا کیا مٹی سے۔ پھر آگے نسل انسانی چلی اور دوسری صورت یہ ہے کہ انسان اب بھی مٹی سے پیدا ہوتا ہے وہ اس طرح کہ مادہ تولید جس خون سے پیدا ہوتا ہے وہ خون اناج، پھل اور سبزیوں سے بنتا ہے جو انسان کی خوراک ہیں اور یہ تمام چیزیں مٹی سے پیدا ہوتی ہیں تو گویا انسان مٹی سے ہی پیدا ہوا۔

رب تعالیٰ نے اس کو مٹی سے ہی پیدا کیا ﴿ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ پھر حقیر قطرے نطفے سے رب تعالیٰ نے پیدا کیا ﴿ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا﴾ پھر تجھے برابر کر دیا ایک مرد، اس رب کے احکام کا تم انکار کرتے ہو ﴿لٰكِنَّا۠ ھُوَ اللّٰہُ رَبِّیْ﴾ لیکن میں تو کہتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ ہی میرا رب ہے اس کے علاوہ کوئی رب نہیں ہے ﴿وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّیْٓ اَحَدًا﴾ اور میں شریک نہیں ٹھہراتا اپنے رب کے ساتھ کسی ایک کو۔ نہ فرشتوں میں اس کا کوئی شریک ہے، نہ پیغمبروں میں سے کوئی اس کا شریک ہے، نہ اولیاء میں سے اس کا کوئی شریک ہے، نہ شہیدوں میں سے کوئی اس کا شریک ہے وہ ذات میں بھی وحدہ لاشریک ہے اور صفات میں بھی وحدہ لا شریک ہے وہ اپنے کاموں میں بھی وحدہ لاشریک ہے۔ باقی واقعہ آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿وَلَوْلَآ﴾ اور تو نے ایسا کیوں نہ کیا ﴿اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ﴾ جب تو داخل ہوا اپنے باغ میں ﴿قُلْتَ﴾ تو کہتا ﴿مَا شَآءَ اللّٰہُ﴾ جو چاہے اللہ تعالیٰ ﴿لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ﴾ نہیں قوت مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿اِنْ تَرَنِ﴾ اگر تو دیکھتا ہے مجھے ﴿اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا﴾ میں بہت کم ہوں تجھ سے مال میں ﴿وَّوَلَدًا﴾ اور اولاد میں ﴿فَعَسٰی رَبِّیْٓ﴾ پس قریب ہے کہ میرا رب ﴿اَنْ یُّؤْتِیَنِ﴾ یہ کہ دے دے مجھے ﴿خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ﴾ بہتر تیرے باغ سے ﴿وَیُرْسِلَ عَلَیْھَا﴾ اور بھیجے اس باغ پر ﴿حُسْبَانًا﴾ بجلی ﴿مِّنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان سے ﴿فَتُصْبِحَ﴾ پس ہو جائے وہ باغ ﴿صَعِیْدًا﴾ میدان ﴿زَلَقًا﴾ صاف ﴿اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُھَا﴾ یا ہو جائے اس باغ کا پانی ﴿غَوْرًا﴾ بہت گہرا ﴿فَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَہٗ طَلَبًا﴾ پس ہرگز نہیں طاقت رکھے گا تو اس کے طلب کی ﴿وَاُحِیْطَ بِثَمَرِہٖ﴾ اور احاطہ کر لیا گیا اس کے پھلوں کا ﴿فَاَصْبَحَ﴾ پس ہو گیا ﴿یُقَلِّبُ كَفَّیْہِ﴾ ملتا تھا اپنے ہاتھ ﴿عَلٰی مَآ اَنْفَقَ﴾ اس چیز پر جو اس نے خرچ کیا ﴿فِیْھَا﴾ اس میں ﴿وَھِیَ خَاوِیَةٌ﴾ اور وہ گرا ہوا تھا ﴿عَلٰی عُرُوْشِھَا﴾ اپنے چھپروں پر ﴿وَیَقُوْلُ﴾ اور اس نے کہا ﴿یٰلَیْتَنِیْ﴾ کاش کہ میں ﴿لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْٓ اَحَدًا﴾ نہ شریک ٹھہراتا اپنے رب کے ساتھ کسی کو ﴿وَلَمْ تَكُنْ لَّہٗ فِئَةٌ﴾ اور نہیں تھی اس شخص کے لیے کوئی جماعت ﴿یَّنْصُرُوْنَہٗ﴾ جو اس کی مدد کرتی ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ﴾ اللہ تعالیٰ سے

نیچے نیچے ﴿وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا﴾ اور نہ وہ خود انتقام لے سکتا تھا ﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ﴾ یہاں پر سارے اختیارات ﴿لِلّٰهِ الْحَقِّ﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو سچا ہے ﴿هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا﴾ وہ بہتر ہے بدلہ دینے کے اعتبار سے ﴿وَخَيْرٌ عُقْبًا﴾ اور بہتر ہے انجام کے اعتبار سے۔

رکوع کے پہلے حصے میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ ملک شام میں رملہ شہر کے پاس ایک نہر چلتی تھی اور اب بھی ہے۔ اس نہر کے قریب دو دوست رہتے تھے۔ ایک پکا موحد تھا اور دوسرا پکا کافر مشرک تھا مشرک کے پاس بڑے وسیع رقبے میں دو انگوروں کے باغ تھے اور ان کی باڑ کھجوروں کی تھی اور اس کے علاوہ اور پھل بھی تھے اور زراعت بھی تھی۔ افرادی اعتبار سے بھی اس کو کثرت حاصل تھی۔ اور جو موحد تھا وہ غریب تھا بیچارے کو کبھی کھانے کو ملتا تھا اور کبھی نہیں ملتا تھا اولاد بھی تھوڑی تھی۔ فطرت اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ غریب آدمی کا کوئی ساتھ نہیں دیتا برادری میں جو امیر اور مالدار ہو جائے تو سارے اپنا رشتہ اس کیساتھ جوڑتے ہیں یہ ہمارا ہے۔ اور اگر مالی لحاظ سے گر جائے تو آنکھیں چرا لیتے ہیں۔ کمزور کا کوئی نہیں ہے اور طاقتور کے سب ہیں۔ یہ موحد مشرک دوست کو سمجھاتا رہتا تھا کہ تو اپنا عقیدہ درست کر لے اور آخرت سنوار لے۔ ایک دن اس مشرک نے طعنہ دیا کہ تم مجھے کہتے ہو کہ میں رب کا نافرمان ہوں مشرک ہوں اور رب میرے اوپر راضی نہیں ہے اگر رب مجھ پر راضی نہیں ہے تو اس نے مجھے باغ اور اولاد کیوں دی ہے یہ میرے نوکر چاکر افرادی قوت کیوں دی ہے؟ اور تیرے اُوپر اچھا راضی ہے کہ تجھے سیر ہو کر کھانا بھی نہیں ملتا اور نہ تجھے زیادہ اولاد دی ہے نہ تمھارے آگے پیچھے نوکر پھرتے ہیں۔ موحد نے کہا دیکھو! مال و دولت کا معاملہ الگ ہے یہ ایسا نہیں ہے کہ جس پر راضی ہوتا ہے اس کو دیتا ہے اور جس پر راضی نہیں ہوتا اس کو نہیں دیتا۔ تم مال، دولت، اولاد پر گھمنڈ نہ کرو اور اپنے پیدا کرنے والے کی ناشکری نہ کرو۔ میں تو یہی کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی میرا رب ہے اس کے سوا اور کوئی میرا رب نہیں ہے۔ وہ مشرک جب باغ میں داخل ہوا تو بڑے متکبرانہ انداز میں داخل ہوا اپنے ساتھی کو نیچا دکھانے کے لیے کہ یہ میرا باغ ہے اور تم بھوکے مرتے ہو اور مجھے کہتے ہو کہ تو مشرک ہے اس پر اس اللہ کے بندے موحد نے کہا ﴿وَلَوْلَآ إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ﴾ اور تو نے ایسا کیوں نہ کیا اور ایسا کیوں نہ ہوا جب تو داخل ہوا اپنے باغ میں ﴿قُلْتَ﴾ تو کہتا ﴿مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ﴾ جو چاہے اللہ تعالیٰ وہی ہوتا ہے نہیں قوت مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ قوت ساری اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

نظرِ بد سے بچنے کا وظیفہ

حدیث پاک میں آتا ہے کہ نظرِ بد سے بچنے کے لیے یہ دعا اور وظیفہ ہے مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ اور نظر لگ جاتی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: اَلْعَيْنُ حَقٌّ وَلَهَا رُقْيَةٌ "نظر لگنا بھی حق ہے اور اس کا دم بھی ہے۔" نظر کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ آدمی کسی کو دیکھ کر اس کی خوب صورتی پر تعجب کرے کہ کیسا خوب صورت ہے، کیسا سوہنا ہے تو جب یہ اس کی خوب صورتی پر تعجب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فوراً اس میں عیب پیدا کر دیتا ہے کہ میں حسن دینے پر قادر ہوں تو عیب دار بنانے پر بھی قادر ہوں۔ اسی

طرح کسی کی صحت پر تعجب کا اظہار کرتا ہے کہ اتنا صحت مند ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بیمار کر دیتا ہے اور اگر کسی کے مال پر تعجب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مال میں کمی کر دیتا ہے۔ یہ سب کچھ کرنے والا رب ہے نظر لگانے والے کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے اس کا کام صرف تعجب کرنا ہے حیران ہونا ہے۔

اگر دیکھنے والا یہ دم پڑھے مَا شَآءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ تو پھر نظر بد نہیں لگتی کیوں کہ اب ہر شے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگئی ہے اور یہ قرآنی دم ہے۔ اور ایک حدیث میں بھی آتا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کلمات مَا شَآءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔ پڑھ کر پھونک دیئے جائیں تو اللہ تعالیٰ نظر بد سے بچا دیتے ہیں۔

تو اس موحد نے کہا ﴿اِنْ تَرَنِ﴾ اگر تو دیکھتا ہے مجھے ﴿اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا﴾ میں بہت کم ہوں تجھ سے مال میں ﴿اَقَلَّ﴾ اسم تفضیل کا صیغہ ہے معنیٰ ہوگا بہت ہی کم ﴿وَّ وَلَدًا﴾ اور اولاد کے لحاظ سے بھی تیرے سے بہت ہی کم ہوں۔ فرمایا اے ساتھی! ﴿فَعَسٰی رَبِّیْۤ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ﴾ پس قریب ہے ممکن ہے کہ میرا رب یہ کہ دے دے مجھے بہتر تیرے باغ سے دنیا میں کہ وہ قادر مطلق ہے اس کی قدرت سے کوئی بعید نہیں ہے اور آخرت میں تو ہمیشہ کے باغوں کا وعدہ ہے نیکوں کے ساتھ۔ اور اے میرے ساتھی! مشرک دولت پر گھمنڈ کرنے والے اور باغات پر ناز کرنے والے ہوسکتا ہے ﴿وَ یُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ اور بھیجے تیرے اس باغ پر بجلی آسمان سے۔ آسمان سے بجلی گرتی ہے جس سے بندے بھی مرتے ہیں، جانور بھی مرتے ہیں اور مکان بھی تباہ ہوتے ہیں تو ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے باغات کو بجلی سے تباہ کر دے ﴿فَتُصْبِحَ صَعِیْدًا زَلَقًا﴾ پس ہو جائے میدان صاف پھسلنے کے قابل۔ اس وقت تو اس میں پھول دار اور پھل دار درخت ہیں ہر طرح کے میوؤں کے درخت ہیں یہ سب درخت ختم ہو جائیں اور یہ باغ والی جگہ صاف میدان ہو جائے اور میدان بھی ایسا کہ وہاں سے پھسلنا شروع کر دے اس قادر مطلق کے لیے کوئی کام مشکل نہیں ہے ﴿اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا﴾ یا ہو جائے اس باغ کا پانی بہت گہرا نیچے چلا جائے ﴿فَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَهٗ طَلَبًا﴾ پس ہرگز طاقت نہیں رکھے گا تو اس پانی کے طلب کی کہ اتنا گہرا ہو جائے کہ تم پانی نکال ہی نہ سکو اور ظاہر بات ہے کہ کھیتی کو جب پانی نہ لگے تو وہ پرورش نہیں پا سکتی۔ اب دیکھو! علاقے ایسے ہیں کہ اتنی خشک سالی ہے کہ لوگ وہاں سے نقل مکانی کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائشیں ہیں۔ اور احادیث میں آتا ہے کہ دجال لعین کے خروج سے پہلے خشک سالی اور قحط ہوں گے، لڑائیاں ہوں گی، قتل و غارت بھی ہوگی، ہر برائی ہوگی، حکمران پرلے درجے کے کمینے اور بددیانت ہوں گے اور آپ نے جو کچھ فرمایا سچ فرمایا وہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت ﴿وَ اُحِیْطَ بِثَمَرِهٖ﴾ اور احاطہ کر لیا گیا اس کے پھلوں کا یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بجلی گری سب باغات ختم ہو گئے۔ باغات پر کیا ہوا خرچ کھاد گوڈی وغیرہ کی مزدوری بھی سب ضائع ہو گئی، رب تعالیٰ کے عذاب میں آ گئے ﴿فَاَصْبَحَ یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ﴾ پس ہو گیا ملتا تھا اپنے ہاتھ ﴿عَلٰی مَاۤ اَنْفَقَ فِیْهَا﴾ اس چیز پر جو اس نے خرچ کیا کف افسوس ملنے لگا ﴿وَ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا﴾ اور وہ باغ گرا ہوا تھا اپنے چھپروں پر۔ انگوروں کے باغ ستونوں پر کھڑے کر کے چھپر بنائے جاتے

ہیں اور ان پر انگوروں کی بیلیں چڑھاتے ہیں۔ تو پہلے ستون گرے پھر چھتیں گریں بیلوں کے ساتھ اور سب پھل ختم ہو گئے ﴿وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ﴾ اور کہا اس مشرک نے اس وقت کاش میں ﴿لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا﴾ نہ شریک ٹھہراتا اپنے رب کے ساتھ کسی کو۔ لیکن ایسے ہی موقع پر کہا گیا ہے:

اب پچھتائے کیا ہوت
جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

اب تکبر اور گھمنڈ کا مزا چکھو۔ موحد کے ساتھ جو استہزاء اور مسخرہ تم نے کیا اب اس کا مزا تم نے چکھ لیا ﴿وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ﴾ اور نہیں تھی اس شخص کے لیے کوئی جماعت ﴿يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ جو اس کی مدد کرتی اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے۔ حالاں کہ وہ فخریہ کہتا تھا ﴿اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا﴾ میں مال میں تجھ سے زیادہ ہوں ﴿وَّاَعَزُّ نَفَرًا﴾ اور زیادہ ہوں تعداد میں۔ میرے افراد خانہ نوکر چاکر بہت زیادہ ہیں لیکن اب کوئی بھی کام نہ آیا اور رب تعالیٰ کی گرفت سے، نہ اہل خانہ بچا سکے، نہ نوکر چاکر، نہ ساتھی، نہ جھوٹے معبود اور کفِ افسوس ملتا رہا۔ ﴿وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا﴾ اور نہ وہ خود انتقام لے سکتا تھا۔ انتقام تو وہ لے سکتا ہے جو سخت اور قوت والا ہو اور رب تعالیٰ کی ذات سے زیادہ سخت اور قوت والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ اَلْقَوِیُّ قوت والا ہے۔ سورہ انعام میں ہے ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ﴾ وہ اپنی ساری مخلوق پر غالب ہے اس سے بدلہ کس نے لینا ہے ﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ﴾ یہاں پر سارے اختیارات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو سچا ہے وَلَایَۃُ واو کے فتح کے ساتھ معنیٰ ہے اختیار۔

سارے اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں؟

سب کے سب اختیار اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کا اختیار کسی کو نہیں دیا۔ بعض اہل بدعت کہتے ہیں مُخْتَارُ مُلْكِ اللّٰهِ آنحضرت ﷺ کو سارے ملک کا اختیار ہے حَاشَا وَ كَلَّا! اللہ تعالیٰ نے خدائی اختیارات میں سے ایک رتی اختیار بھی کسی کو نہیں دیا۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ سے اعلان کروایا ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ [الاعراف:۱۸۸] "اے پیغمبر علیہ السلام! آپ کہہ دیں اعلان کر دیں کہ میں مالک نہیں ہوں اپنی جان کے لیے نقصان کا نہ نفع کا مگر جو رب چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔" اور سورت جن میں ہے ﴿اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ "اور بے شک میں مالک نہیں ہوں تمھارے نقصان اور نفع کا۔" جب آپ ﷺ مالک نہیں ہیں تو اور کسی کی کیا حیثیت ہے کہ وہ مالک ہو جب آپ ﷺ کو اختیارات حاصل نہیں ہیں تو پھر اور کس کو اختیارات حاصل ہیں؟ تو فرمایا یہاں سارے اختیارات اللہ سچے کے لیے ہیں ﴿هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا﴾ وہ بہتر ہے بدلہ دینے کے اعتبار سے ﴿وَّخَيْرٌ عُقْبًا﴾ اور بہتر ہے انجام کے اعتبار سے۔ سب کا بدلہ بھی اس کے پاس ہے اور سب کا انجام بھی اسی کے پاس ہے اسی پر اعتماد کرو اور اسی کے دروازے پر جھکو۔

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ﴾ اور آپ بیان کریں ان کے لیے ﴿مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی کی مثال ﴿كَمَآءٍ﴾ جیسے پانی ﴿اَنْزَلْنٰهُ﴾ اُتارا ہم نے اس کو ﴿مِنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان کی طرف سے ﴿فَاخْتَلَطَ بِهٖ﴾ پس مل گیا اس پانی کے ساتھ ﴿نَبَاتُ الْاَرْضِ﴾ زمین کا سبزہ ﴿فَاَصْبَحَ﴾ پھر ہو گیا وہ ﴿هَشِيْمًا﴾ چورا چورا ﴿تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ﴾ اُڑاتی پھرتی ہیں اس کو ہوائیں ﴿وَكَانَ اللّٰهُ﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ﴿عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا﴾ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ﴿اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ﴾ مال اور بیٹے ﴿زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی کی زینت ہیں ﴿وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ﴾ اور باقی رہنے والی اچھی چیزیں ﴿خَيْرٌ﴾ بہتر ہیں ﴿عِنْدَ رَبِّكَ﴾ تیرے رب کے ہاں ﴿ثَوَابًا﴾ بدلے کے لحاظ سے ﴿وَّخَيْرٌ اَمَلًا﴾ اور بہتر ہیں اُمید کے لحاظ سے ﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ﴾ اور جس دن ہم چلائیں گے پہاڑوں کو ﴿وَتَرَى الْاَرْضَ﴾ اور دیکھے گا تو زمین کو ﴿بَارِزَةً﴾ کھلی ﴿وَّحَشَرْنٰهُمْ﴾ اور ہم ان کو اکٹھا کریں گے ﴿فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا﴾ پس ہم نہیں چھوڑیں گے ان میں سے کسی ایک کو ﴿وَعُرِضُوْا﴾ اور پیش کیے جائیں گے ﴿عَلٰى رَبِّكَ﴾ آپ کے رب کے سامنے ﴿صَفًّا﴾ صف در صف ﴿لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا﴾ البتہ تحقیق تم لائے ہو ہمارے پاس ﴿كَمَا خَلَقْنٰكُمْ﴾ جیسا کہ ہم نے تم کو پیدا کیا تھا ﴿اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ پہلی دفعہ ﴿بَلْ زَعَمْتُمْ﴾ بلکہ تم نے خیال کیا ﴿اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ﴾ یہ کہ ہم نہیں کریں گے تمھارے لیے ﴿مَّوْعِدًا﴾ کوئی وعدے کا وقت ﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ﴾ اور رکھے جائیں گے دفتر ﴿فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ﴾ پس دیکھے گا تو مجرموں کو ﴿مُشْفِقِيْنَ﴾ خوف زدہ ہوں گے ﴿مِمَّا فِيْهِ﴾ اس چیز سے جو اس کے اندر ہے ﴿وَيَقُوْلُوْنَ﴾ اور کہیں گے ﴿يٰوَيْلَتَنَا﴾ ہائے افسوس ہم پر ﴿مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ﴾ کیا ہے اس کتاب کو ﴿لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً﴾ نہیں چھوڑتی کسی چھوٹی چیز کو ﴿وَّلَا كَبِيْرَةً﴾ اور نہ بڑی چیز کو ﴿اِلَّآ اَحْصٰىهَا﴾ مگر اس نے اس کا احاطہ کیا ہوا ہے ﴿وَوَجَدُوْا﴾ اور وہ پائیں گے ﴿مَا عَمِلُوْا﴾ جو انھوں نے عمل کیا ﴿حَاضِرًا﴾ اپنے سامنے ﴿وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ اور نہیں ظلم کرتا آپ کا رب کسی پر بھی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ﴾ اور آپ بیان کریں ان کے لیے ان کے سامنے ﴿مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی کی مثال دنیا کی زندگی کی ناپائیداری اور بے ثباتی کی مثال ایسے ہی ہے ﴿كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ جیسے پانی اتارا ہم نے اس کو آسمان کی طرف سے بارش نازل ہوتی ہے ﴿فَاخْتَلَطَ بِهٖ﴾ پس مل گیا اس بارش کے ساتھ ﴿نَبَاتُ الْاَرْضِ﴾ زمین کا سبزہ۔ بارش ہوتی ہے سبزیاں اُگتی ہیں مختلف قسموں کی اور عجیب وغریب قسم کے پھول پیدا ہوتے ہیں اور

گندم، چاول، اناج وغیرہ پیدا ہوتے ہیں زمین ہری بھری ہوتی ہے پھر ایک وقت آتا ہے کہ خشک ہو جاتی ہے ﴿فَاَصۡبَحَ ہَشِیۡمًا﴾ پس ہو جاتی ہے چورا چورا، پھر اس کو گاہتے ہیں اور دانے نکالتے ہیں ﴿تَذۡرُوۡہُ الرِّیٰحُ﴾ ہوائیں اس کو اڑاتی ہیں تو جس طرح زمین میں یہ سبزہ اور فصلیں ہمیشہ نہیں رہتیں اسی طرح تمھاری زندگی بھی ہمیشہ کے لیے نہیں ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے، خوشی ہوتی ہے پھر وہ جوان ہوتا ہے پھر بابا بن جاتا ہے ہِل جُل بھی نہیں سکتا پھر دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے ﴿وَ کَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ مُّقۡتَدِرًا﴾ اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا۔

اس آیت کریمہ کی روشنی میں خواب کی تعبیر میں جو ماہر ہیں وہ بتلاتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی خواب میں پانی دیکھے تو اس سے مراد زندگی ہوگی صاف پانی دیکھے تو صاف زندگی ہوگی گدلا پانی دیکھے تو پریشانی والی زندگی ہوگی۔ اگر پانی زیادہ دیکھے تو زیادہ زندگی ہوگی۔ جس طرح دیکھے گا اسی طرح اس کے سامنے ہوگا۔ فرمایا ﴿اَلۡمَالُ وَ الۡبَنُوۡنَ﴾ مال اور بیٹے ﴿زِیۡنَۃُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا﴾ دنیا کی زندگی کی زینت ہیں۔ لوگ ان پر فخر کرتے ہیں خوش ہوتے ہیں ﴿وَ الۡبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ﴾ اور باقی رہنے والی اچھی چیزیں ﴿خَیۡرٌ عِنۡدَ رَبِّکَ﴾ بہتر ہیں تیرے رب کے ہاں ﴿ثَوَابًا﴾ بدلے کے لحاظ سے ﴿وَّ خَیۡرٌ اَمَلًا﴾ اور بہتر ہیں اُمید کے لحاظ سے بھی۔

باقیات صالحات سے کیا مراد ہے؟

باقیات الصالحات سے کیا مراد ہے؟ تو تفسیروں میں بہت کچھ کہا گیا ہے مثلاً: سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکۡبَرُ وَلَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِیۡمِ پڑھے گا تو اس کا نتیجہ اور پھل باقی رہے گا۔ کوئی ایک دفعہ کہے سُبۡحَانَ اللّٰہِ تو جنت میں ایک درخت لگ جاتا ہے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ جنت میں ایک درخت لگ جاتا ہے ایک دفعہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے تو جنت میں ایک درخت لگ جائے گا ایک دفعہ اللّٰہُ اَکۡبَرُ کہا جنت میں ایک درخت لگ گیا۔

حدیث پاک میں آتا ہے معراج کی رات جب آنحضرت ﷺ کی ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ملاقات ہوئی تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اِقۡرَأۡ اُمَّتَکَ السَّلَامَ "میری طرف سے اپنی اُمت کو سلام کہنا۔" عَلَیۡہِ وَعَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلٰی جَمِیۡعِ الۡاَنۡبِیَاءِ صَلَوٰتُ اللّٰہِ وَالتَّسۡلِیۡمَاتُ۔ بڑی بات ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کی وساطت سے اپنا سلام اس اُمت تک پہنچایا اور فرمایا ان کو میرا پیغام دے دینا کہ جنت کی زمین بالکل سفید ہے اور بڑی زرخیز ہے اس میں جو درخت اور باغات ہیں وہ تمھارے عمل ہیں۔ ایک دفعہ سبحان اللہ! کہو گے جنت میں درخت لگ جائے گا الحمد للہ! کہو گے درخت لگ جائے لا الٰہ الا اللہ کہو گے درخت لگ جائے گا لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھو گے درخت لگ جائے گا۔ تو جو اچھی بات تم نے منہ سے نکالی وہ آخرت کی دولت بن کے باقی رہے گی تو یہ کلمات کثرت سے پڑھنے چاہئیں، درود شریف کثرت سے پڑھنا چاہیے، توبہ استغفار کثرت سے کرو۔ اور تفسیروں میں یہ بھی لکھا ہے کہ انسان کی جب وفات ہو جاتی ہے تو اِنۡقَطَعَ عَنۡہُ عَمَلُہٗ تو اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر نیک اولاد اور اس کی اولاد آگے ان کی نیک اولاد جب تک رہے گی اور نیکیاں کرتی رہے گی اس کا ثواب

اس مرنے والے کو ملتا رہے گا پہنچتا رہے گا۔ایک آدمی فوت ہو گیا اس کے دینی شاگرد، شاگرد در شاگرد جب تک دینی تعلیم دیتے رہیں گے ثواب اس کو پہنچتا رہے گا۔ کسی نے مسجد بنادی، مدرسہ بنادیا جب تک یہ قائم ہیں اس کا ثواب اس کو بدستور پہنچتا رہے گا۔اگر کہیں سڑک کی ضرورت ہے سڑک بنادی، مسافر خانے کی ضرورت ہے مسافر خانہ بنوادیا، ہسپتال کی ضرورت ہے ہسپتال بنوادیا لوگ ان سے فائدہ اُٹھاتے رہیں گے اس کو ثواب پہنچتا رہے گا۔ یہ سب صدقہ جاریہ ہیں، باقیات صالحات ہیں۔لیکن افسوس ہے کہ اس طرف کوئی دھیان ہی نہیں کرتا۔لوگ شادیوں کے موقع پر بے تحاشا خرچ کرتے ہیں محض نام کے لیے اور جب کوئی نیکی کی بات آتی ہے اچھی جگہ خرچ کرنے کے لیے کہا جاتا ہے تو منہ بنالیتے ہیں پیشانی پر بل ڈال لیتے ہیں الا ماشاء اللہ ہزار میں سے کوئی ایک دو نکلیں گے جو نیکی کے راستے میں خرچ کرنے والے ہوں گے لہٰذا اپنی زندگی میں کوشش کرو کہ تمھارا کوئی نہ کوئی صدقہ جاری ہو مسجد کی شکل میں، مدرسہ کی شکل میں، کسی شکل میں ہو تا کہ وہ نیکی تمھاری باقی رہے دنیا میں کب تک رہنا ہے۔

فرمایا باقیات صالحات ﴿خَیْرٌ﴾ بہتر ہیں ﴿عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا﴾ آپ کے رب کے ہاں بدلے کے لحاظ سے اور بہتر ہیں اُمید کے لحاظ سے کہ اُمید رکھی جائے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہمارے لیے مفید بنائے گا۔اور دو ساتھیوں کی گفتگو کے دوران مومن موحد نے قیامت کا حوالہ بھی دیا تھا کہ قیامت آئے گی اور کافر مشرک نے کہا تھا ﴿وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً﴾ میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت آئے گی۔ یہ جو منکرین قیامت ہیں وہ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ قیامت نام ہے توڑ پھوڑ کا تو یہ بڑے بڑے پہاڑ کہاں جائیں گے ان کو کون برباد کرے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یاد رکھو! ﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ﴾ اور جس دن ہم چلائیں گے پہاڑوں کو۔ یہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہو کر دُھنی ہوئی روئی کی طرح اڑتے ہوئے نظر آئیں گے۔کیا چھوٹے اور کیا بڑے ﴿وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً﴾ اور دیکھے گا تو زمین کو بالکل کھلی۔آج تو تمھیں زمین میں اونچ نیچ نظر آتی ہے ٹیلوں اور پہاڑوں کی وجہ سے۔قیامت آئے گی پہاڑ ٹیلے ختم کر دیئے جائیں گے گڑھے مٹی سے بھر دیئے جائیں گے اور یہ زمین بالکل ہموار ہو جائے گی ﴿صَفْصَفًا ۙ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا﴾ [طٰہٰ:۱۰۶،۱۰۷] "ہموار زمین نہیں دیکھے گا تو اس میں کوئی کجی اور نہ کوئی ٹیلہ۔" اگر مغرب کی طرف سے انڈا لڑھکا یا جائے گا تو مشرق تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔تو جس ذات نے ان پہاڑوں کو قائم کیا ہے وہی ذات ان کو فنا کر دے گی۔

﴿وَّحَشَرْنٰهُمْ﴾ اور ہم ان کو جمع کریں گے میدان محشر میں ﴿فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا﴾ پس ہم نہیں چھوڑیں گے ان میں سے کسی ایک کو۔سارے کے سارے میدان محشر میں اللہ تعالیٰ کی عدالت میں جمع ہوں گے ﴿وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا﴾ اور پیش کیے جائیں گے آپ کے رب کے سامنے صف در صف۔لائنیں لگی ہوں گی اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ﴿لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ البتہ تحقیق آئے ہمارے پاس جیسا کہ ہم نے تم کو پیدا کیا تھا پہلی دفعہ۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ عُرَاةً ننگے ہوں گے غُرْلًا غیر مختون ہوں گے حُفَاةً ننگے پاؤں ہوں گے جیسے ماں کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔بس وہی کیفیت ہوگی پھر

درجہ بہ درجہ ان کولباس پہنایا جائے گا۔قیامت والے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کولباس پہنایا جائے گا کیوں؟اس لیے کہ جب ظالموں نے ان کوآگ کے بھٹے میں ڈالا تھا جُرِّدَ عَنِ الثِّيَابِ "کپڑے اُتار کر ننگا کر کے ڈالا تھا" تو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ سب سے پہلے ان کولباس پہنائیں گے۔دوسرے نمبر پر حدیث میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے لباس پہنایا جائے گا پھر درجہ بہ درجہ دوسروں کولباس پہنایا جائے گا۔تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہمارے پاس آئے اس حالت میں جیسے ہم نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔

﴿بَلْ زَعَمْتُمْ﴾ بلکہ تم نے خیال کیا ﴿اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا﴾ یہ کہ ہم نہیں کریں گے تمھارے لیے کوئی وعدے کا وقت،تم کہتے تھے قیامت نہیں ہے۔پہلے تم پڑھ چکے ہو کہ ایک مشرک نے کہا تھا کہ ﴿مَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً﴾ میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت آئے گی تو تم قیامت کا انکار کرتے تھے ﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ﴾ اور رکھے جائیں گے دفتر۔ہر آدمی کا الگ الگ ریکارڈ ہوگا وہ اعمال نامہ اس کے سامنے رکھا جائے گا۔اور سورت بنی اسرائیل میں تم پڑھ چکے ہو کہ ﴿طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ﴾ اس کا اعمال نامہ اس کی گردن میں لٹک رہا ہوگا پہلے پھر وہ کتابی شکل میں سامنے رکھا جائے گا ﴿فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ﴾ اے مخاطب!پس تو دیکھے گا مجرموں کو ﴿مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ﴾ خوف زدہ ہوں گے اس چیز سے جو اس کے اندر ہے۔

عمل کی کتاب میں جو کچھ ہوگا اس کو دیکھ کر خوف زدہ ہوں گے۔قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ہر آدمی کو پڑھنے کی قوت عطا فرمائے گا۔آج جو لوگ خود نہیں پڑھ سکتے قیامت والے دن وہ بھی اپنی کتاب کو خود پڑھیں گے۔حکم ہوگا ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ [بنی اسرائیل:۱۴] "پڑھ اپنی کتاب کافی ہے تیرا نفس تجھ پر آج کے دن محاسبہ کرنے والا۔" تھوڑا سا پڑھے گا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ هَلْ ظَلَمَكَ كَتَبَتِيْ "اے بندے!بتا جو کچھ تو نے پڑھا ہے تیرے ہی اعمال ہیں میرے فرشتوں نے تم پر کوئی زیادتی تو نہیں کی۔" قَالَ لَا کہے گا نہیں!جو کچھ میں نے کیا ہے،وہ ہے۔اچھا اور پڑھو.... تھوڑا سا پڑھے گا...... پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جو تم نے پڑھا ہے اس میں کوئی بات واقعہ کے خلاف تو نہیں ہے،تیرے اُوپر کوئی زیادتی ہوئی ہو؟ کہے گا نہیں!اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اور پڑھ۔

مرد،عورتیں،بوڑھے،جوان سارے اپنا نامہ اعمال خود پڑھیں گے اور آج تو ہم کچھ چیزیں کرنے کے باوجود بھول جاتے ہیں اور وہاں ﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ﴾ [آل عمران:۳۰] "جس دن پائے گا ہر نفس جو اس نے عمل کیا ہے نیکی اپنے سامنے حاضر اور جو اس نے برائی کی ہے اس کو بھی اپنے سامنے حاضر پائے گا۔" حافظہ اتنا قوی کر دیا جائے گا کہ جو کچھ اس نے کیا ہے اس کو یاد ہوگا۔

تو فرمایا مجرم خوف زدہ ہوں گے اس چیز سے جو کتاب میں درج ہوگی ﴿وَيَقُوْلُوْنَ﴾ اور وہ کہیں گے ﴿يٰوَيْلَتَنَا﴾ ہائے افسوس!ہم پر ﴿مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ﴾ یہ لام جارہ ہے اور ما استفہامیہ ہے۔یہ مال نہ سمجھنا جس کی جمع اموال آتی ہے۔معنیٰ ہوگا کیا ہے اس کتاب کو ﴿لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً﴾ نہیں چھوڑتی کسی چھوٹی چیز کو اور نہ بڑی چیز کو ﴿اِلَّآ اَحْصٰىهَا﴾ مگر اس

نے اس کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اگر کسی نے آنکھ سے اشارہ کیا ہے نیکی بدی کا تو وہ بھی درج ہوگا۔ ہاتھ کے ساتھ اشارہ کیا ہے وہ بھی لکھا ہوا ہوگا زبان سے جو بات نکلی ہے چھوٹی بڑی صحیح غلط سب کچھ درج ہوگا۔ سورۃ ق آیت نمبر ۱۸ میں ہے ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ "نہیں بولتا وہ کوئی لفظ مگر اس کے پاس ایک نگران ہوتا ہے تیار ﴿عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ﴾ ایک دائیں طرف بیٹھا ہے اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہے۔" کندھے پر مگر ہمیں محسوس نہیں ہوتا۔ دائیں طرف نیکیاں لکھنے والا فرشتہ ہے اور بائیں طرف بدیاں لکھنے والا فرشتہ ہے، دائیں طرف افسر ہے اور بائیں طرف ماتحت ہے۔ جب کوئی آدمی اچھی بات کرتا ہے یا اچھا کام کرتا ہے تو دائیں طرف والا فرشتہ جو افسر ہے فوراً درج کر لیتا ہے اور جب انسان بری بات کرتا ہے یا برا کام کرتا ہے اور بائیں طرف والا فرشتہ لکھنا چاہتا ہے تو اس کو افسر حکم دیتا ہے: مَهْلًا يَتُوْبُ اَوْ يَسْتَغْفِرُ کہ "ٹھہر جا شاید توبہ کر لے یا استغفار کر لے۔" کچھ وقفے کے بعد جب وہ بندہ توبہ نہیں کرتا، استغفار نہیں کرتا تو پھر حکم دیتا ہے کہ اب لکھ لو۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آدمی جب مجلس سے اُٹھے تو یہ کلمات پڑھے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ اگر مجلس میں اچھی باتیں ہوئی ہیں تو ان کلمات کے پڑھنے سے ان پر مہر لگ جائے گی اور اگر بری باتیں ہوئی ہیں تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ لہٰذا جب کسی مجلس سے اُٹھو تو یہ کلمات پڑھا کرو۔ مگر ہائے افسوس! کہ ہم بے فکرے لوگ ہیں۔ تو وہ مجرم کہیں گے ہائے افسوس! ہم پر اس کتاب کو کیا ہو گیا ہے کہ اس نے نہ کوئی چھوٹی بات چھوڑی ہے اور نہ بڑی بات چھوڑی ہے مگر اس پر حاوی ہے اس کا احاطہ کرنے والی ہے۔ ﴿وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا﴾ اور وہ پائیں گے جو انھوں نے کیا ہے اپنے سامنے نیکی بھی، بدی بھی ﴿وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ آپ کا رب کسی پر رتی برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ جو کسی نے کیا ہے اس کا صلہ اس کو ضرور ملے گا۔

﴿وَاِذْ قُلْنَا﴾ اور جس وقت کہا ہم نے ﴿لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ فرشتوں کو ﴿اسْجُدُوْا﴾ سجدہ کرو ﴿لِاٰدَمَ﴾ آدم علیہ السلام کو ﴿فَسَجَدُوْٓا﴾ پس انھوں نے سجدہ کیا ﴿اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾ مگر ابلیس نے ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ﴾ وہ جنات میں سے تھا ﴿فَفَسَقَ﴾ پس اس نے نافرمانی کی ﴿عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾ اپنے رب کے حکم سے ﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ﴾ کیا پس تم بناتے ہو اس کو ﴿وَذُرِّيَّتَهٗٓ﴾ اور اس کی اولاد کو ﴿اَوْلِيَآءَ﴾ دوست ﴿مِنْ دُوْنِيْ﴾ میرے علاوہ ﴿وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ﴾ حالانکہ وہ تمھارے دشمن ہیں ﴿بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾ برا ہے ظالموں کے لیے بدلہ ﴿مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ﴾ میں نے ان کو حاضر نہیں کیا ﴿خَلْقَ السَّمٰوٰتِ﴾ آسمانوں کے بنانے کے وقت ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کے بنانے کے وقت ﴿وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ﴾ اور نہ خود ان کی جانوں کے پیدا کرنے کے وقت ﴿وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ﴾ اور نہیں ہوں میں بنانے والا گمراہ کرنے والوں کو ﴿عَضُدًا﴾ اپنا بازو ﴿وَيَوْمَ يَقُوْلُ﴾ اور جس دن کہے گا ﴿نَادُوْا

شُرَكَآءِيَ ﴾ پکارو میرے شریکوں کو ﴿ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ ﴾ جن کے بارے میں تم خیال کرتے تھے ﴿ فَدَعَوْهُمْ ﴾ پس وہ ان کو پکاریں گے ﴿ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ ﴾ پس وہ ان کی دعاؤں کو قبول نہیں کر سکیں گے ﴿ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴾ اور ہم کر دیں گے ان کے درمیان خندق ﴿ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ ﴾ اور دیکھیں گے مجرم آگ کو ﴿ فَظَنُّوْا ﴾ پس وہ یقین کر لیں گے ﴿ اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا ﴾ بے شک وہ اس آگ میں گرنے والے ہیں ﴿ وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا ﴾ اور نہیں پائیں گے اس آگ سے ﴿ مَصْرِفًا ﴾ پھرنے کی کوئی جگہ۔

اس سے پہلے ذکر تھا مجرموں کا ﴿ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ ﴾ "اور کتاب رکھی جائے گی پس آپ دیکھیں گے مجرموں کو ڈرنے والے ہوں گے اس چیز سے جو اس اعمال نامہ میں ہوگی۔" اور بڑے پریشان ہو کر کہیں گے ﴿ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا ﴾ "ہائے افسوس ہم پر کیا ہو گیا اس کتاب کو نہیں چھوڑتی کوئی چھوٹی چیز اور نہ کوئی بڑی چیز مگر اس پر حاوی ہے اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔"

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجرم وہ ہیں جو شیطان کے راستے پر چلتے ہیں اگر تم رحمٰن کے راستے پر چلو تو کبھی مجرم نہیں بنو گے اور نہ قبر حشر میں پریشان ہوں گے مگر تم نے شیطان کا راستہ اختیار کیا ہوا ہے اور شیطان اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے۔ اس کا کام سن لو ﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ ﴾ اور جس وقت ہم نے کہا فرشتوں کو۔

فرشتوں کی تخلیق مخلوق نور سے ہوئی ہے :

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خُلِقَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ نُّوْرٍ "فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔" لیکن اس نور سے نہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذاتی نور ہے۔ وہ مراد نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ وہ تو قدیم ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم اور ازلی ابدی ہے اسی طرح اس کی صفات بھی قدیم اور ازلی ابدی ہیں اس نور سے نہیں پیدا کیے گئے بلکہ ایک مخلوق نور ہے۔ جس طرح پانی مخلوق ہے، آگ مخلوق ہے، ہوا مخلوق ہے، مٹی مخلوق ہے اسی طرح ایک نور مخلوق ہے اس مخلوق نور سے فرشتے پیدا کیے گئے ہیں اور جنات کے بارے میں سورۃ حجر آیت نمبر ۲۷ میں ہے ﴿ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴾ "اور جنوں کو ہم نے پیدا کیا اس سے پہلے آگ کی لو سے۔" تو جنات کی پیدائش آگ سے ہے اور آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہے ﴿ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ [آل عمران:۵۹] "پیدا کیا اس کو مٹی سے پھر فرمایا اس کو ہو جا بس وہ ہو گیا۔" تو فرشتوں کی نوع الگ ہے انسان کی نوع الگ ہے۔ جنات ناری ہیں، فرشتے نوری ہیں اور آدم علیہ السلام خاکی ہیں۔

فرمایا جس وقت کہا ہم نے فرشتوں سے ﴿ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ﴾ سجدہ کرو آدم علیہ السلام کو۔ یہ سجدۂ تعظیمی تھا عبادت کا سجدہ نہیں تھا۔ عبادت کا سجدہ صرف رب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ﴿ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ﴾ [یوسف:۱۰۰] کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ سجدۂ تعظیمی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور تک جائز تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت

میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے سجدۂ تعظیمی بھی حرام ہے۔ فرمایا تم آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو ﴿فَسَجَدُوْٓا﴾ پس فرشتوں نے سجدہ کیا بغیر کسی قیل قال کے ﴿اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾ مگر ابلیس نے نہ کیا۔ اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ سجدے کا حکم تو فرشتوں کو تھا ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا﴾ تو ابلیس فرشتہ تو نہیں تھا پھر اس پر رب تعالیٰ کی ناراضگی کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو حکم تھا۔ دیکھو! سورہ اعراف آیت نمبر ۱۲ ﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ﴾ "فرمایا رب تعالیٰ نے کس چیز نے روکا تجھ کو کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے تجھے حکم دیا تھا۔" قرآن پاک کا یہ صریح حکم ہے کہ جس طرح فرشتوں کو حکم تھا اسی طرح ابلیس کو بھی تھا ﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾ "ابلیس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں۔" مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے آگ شعلہ ہے بلندی ہے اور خاک پاؤں کے نیچے روندی اور مسلی جاتی ہے۔ میں اعلیٰ ہو کر ادنیٰ کو سجدہ کیوں کروں۔

ابلیس نے سجدہ نہ کیا ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ﴾ یہ ابلیس جنات میں سے تھا ﴿فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾ پس اس نے نافرمانی کی اپنے رب کے حکم سے اور یہ امر کا لفظ بھی بتاتا ہے کہ رب نے اس کو بھی امر اور حکم دیا تھا اور اس نے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں اے انسانو! ﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ﴾ کیا پس تم بناتے ہو اس شیطان کو اور اس کی اولاد کو دوست ﴿مِنْ دُوْنِيْ﴾ میرے سوا، مجھے چھوڑ کر ﴿وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ﴾ حالاں کہ شیطان اور اس کی اولاد تمھارے دشمن ہیں۔ دشمن کے ساتھ تمہاری دوستی ہے اور رحمٰن مہربان کے ساتھ دشمنی ہے۔ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ دشمن کو دشمن سمجھو کیونکہ اس سے کبھی بھی خیر کی توقع نہیں ہوسکتی۔

ابلیس کی ہمدردی بھی دشمنی ہے!

کئی دفعہ میں نے یہ مشہور کہاوت سنائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک نیک بندہ تھا جو شیطان کے پھندے میں کبھی نہیں آتا تھا۔ گرمی کے موسم میں دوپہر کے وقت ایک دیوار کے سائے کے نیچے سویا ہوا تھا۔ حدیث پاک میں آتا ہے: مِنْ دَاْبِ الصَّالِحِيْنَ اَلْقَيْلُوْلَةَ "نیک آدمیوں کی عادت میں سے ہے دوپہر کے وقت تھوڑا سا سونا۔" کیوں کہ دوپہر کا سونا رات کو بیدار رہنے کی تمہید ہے۔ رات کو تہجد کے لیے آسانی سے اُٹھے گا۔ تو بے چارہ سویا ہوا تھا کسی نے آکر اس کا پاؤں ہلایا اور کہا کہ جلدی سے یہاں سے اُٹھ جاؤ کہ دیوار گرنے والی ہے۔ وہ وہاں سے ہٹا ہی تھا کہ سچ مچ دیوار گر گئی۔ اس اللہ کے بندے نے کہا کہ تو میرے لیے رحمت کا فرشتہ ثابت ہوا ہے تو ہے کون؟ اس نے کہا یہ بات نہ پوچھو بس تیری جان بچ گئی۔ لیکن بزرگ نے اصرار کیا کہ ضرور بتلاؤ کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں ابلیس ہوں۔ اس بزرگ نے لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھا کہ ابلیس کو میرے ساتھ کیا ہمدردی ہے۔ ابلیس نے کہا نہ پوچھو بس تمھاری جان بچ گئی۔ بزرگ نے کہا بتلاؤ نکتہ کیا ہے راز کیا ہے؟ میں تو تیرا دشمن ہوں میرے ساتھ ہمدردی کا کیا مطلب ہے؟ ابلیس نے کہا میں نے تیرے ساتھ دشمنی کی ہے ہمدردی نہیں کی۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص دیوار کے نیچے دب کر مر جائے وہ شہید ہے۔ اور تم میرے دشمن تھے میں تمھیں کیوں شہید ہونے دیتا؟

تو ابلیس کی ہمدردی میں بھی دشمنی ہے اور تم نے دشمنوں کو دوست بنایا ہوا ہے ﴿بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾ بُرا ہے ظالموں کے لیے بدلہ۔ یہ تبدیلی ظالموں کے لیے بُری ہے کہ رحمٰن کو چھوڑ کر شیطان کو تم نے دوست بنالیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور دوستی نہیں چاہتے شیطان اور اس کے چیلوں کے ساتھ دوستی ہے وہ تمھیں کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں کہ میرے شریک ہیں۔ آسمانوں اور زمین کے بناتے وقت فرمایا ﴿مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ میں نے ان کو حاضر نہیں کیا آسمانوں کے بنانے کے وقت اور زمین کے بنانے کے وقت کہ مجھے کوئی حاجت ہوتی کہ دیکھو میں نے آسمان پیدا کیے ہیں ان میں کوئی کجی کی ہے۔ یہ زمین میں نے پیدا کی ہے اس کے متعلق کوئی مشورہ دو کوئی کمی رہ گئی ہو مجھے کیا ضرورت تھی؟ رب تعالیٰ سے زیادہ علیم خبیر کون ہے۔ اس نے آسمان بنائے ہیں ان میں کوئی تفاوت نہیں ہے، زمین بنائی ہے اس میں کوئی نقص نہیں نکال سکتا ﴿وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ﴾ اور نہ خود ان کی جانوں کے پیدا کرنے کے وقت میں نے ان کو حاضر کیا کہ دیکھ لو میں تمھیں کیسے بناؤں۔ میری مرضی تھی جس طرح بناتا تھا میں نے بنا دیا میں کسی کا محتاج نہیں ہوں ﴿وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا﴾ اور نہیں ہوں میں بنانے والا گمراہ کرنے والوں کو اپنا بازو۔ اول تو مجھے ضرورت ہی نہیں ہے اور اگر بالفرض والمحال ضرورت ہوتی بھی تو کیا میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا بازو بناتا؟ یہ ابلیس اور اس کی اولاد مخلوق کو گمراہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بتلا دیا ہے کہ راستے دو ہی ہیں ایک راستہ رب والا اور ایک راستہ شیطان والا۔ رب تعالیٰ کے راستے کو چھوڑ کر ابلیس والے راستے پر چلو گے تو پھر قیامت والے دن کہنا پڑے گا ﴿يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً﴾ "ہائے افسوس ہم پر کیا ہو گیا اس کتاب کو کہ نہیں چھوڑی کوئی چھوٹی بات اور نہ کوئی بڑی بات۔"

﴿وَيَوْمَ يَقُوْلُ﴾ اور جس دن رب تعالیٰ فرمائے گا میدان محشر میں ساری کائنات جمع ہو گی اس میں انسان بھی ہوں گے، جنات بھی، حیوانات بھی، جیسے کوئی بڑا جلسہ ہو تو اس میں آدمی اپنے ساتھی کو تلاش نہیں کر سکتا یا جیسے رائیونڈ کا اجتماع لاکھوں کی تعداد میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے میرے شاگرد تھے مولانا حافظ خان محمد مرحوم وہیں میرے پاس گھر میں پڑھتے تھے۔ پاکستان بننے سے پہلے ہیڈ فقیریاں کے رہنے والے تھے اور اچھے خاصے زمین دار تھے آتے جاتے مجھے مل کر جاتے تھے۔ کہنے لگے کہ اجتماع پر میرے پاس سامان کی گٹھڑی تھی جس میں چادر لوٹا وغیرہ تھا میں اسے اپنے تکیے پر رکھ کر قضائے حاجت کے لیے چلا گیا کہ دعا سے پہلے وضو کر لوں کہ راستے میں دقت پیش آتی ہے۔ جب آ کے گیا تو رش بڑا تھا میری باری بہت دیر سے آئی جب واپس آیا تو دعا ہو چکی تھی اپنی جگہ بھول گیا بڑی کوشش کی مگر جگہ نہ مل سکی۔ مخلوق زیادہ تھی اب میں نے یہ سوچا کہ یہی صورت ہو سکتی ہے کہ جب پنڈال خالی ہو جائے گا تو پھر تلاش کروں گا۔ میری قسمت میں ہوئی تو مجھے مل جائے گی۔ جب پنڈال خالی ہوا اور صرف نگران رہ گئے تو دیکھا کہ میری دری، تکیہ اور گٹھڑی وہی پڑی تھی اس کو کسی نے نہیں چھیڑا۔ جب لوگوں کا ذہن ایسا ہو تو پھر پہرے داروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔

میں ۱۹۸۶ء میں انگلستان کے دورے پر تھا وہاں ساتھیوں نے بتایا کہ ڈیوز بری ایک مقام ہے وہاں ہمارا مرکز ہے ہم

نے اعلان کیا کہ وہاں تبلیغی اجتماع ہوگا مقامی افسروں نے پوچھا کہ کتنے آدمی ہوں گے ہم نے کہا کہ ستر اسی ہزار کے قریب ہوں گے انھوں نے کہا کہ کنٹرول کے لیے تمھیں کتنی پولیس چاہیے؟ ہم نے کہا کہ پولیس کی ضرورت نہیں ہے۔ انگریز افسر نے کہا کہ ستر اسی ہزار افراد کے کنٹرول کے لیے پولیس کی کوئی ضرورت نہیں ہے؟ اس کو بالکل سمجھ نہیں آرہا تھا وہ بار بار اصرار کرتا رہا۔ ہم نے کہا ان شاء اللہ تعالیٰ آپ دیکھ لیں گے کہ ہمارا پروگرام پرامن ہو جائے گا۔ البتہ اگر تم قانون کے تقاضے پورے کرنا چاہو تو کرلو ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ ستر اسی ہزار کے مجمع میں مختلف علاقوں سے لوگ آئے ہوئے تھے کسی قسم کا کوئی حادثہ اور مسئلہ پیش نہ آیا اور اطمینان کے ساتھ پروگرام ہوگیا اس پر وہ بڑے حیران ہوئے کہ اتنے زیادہ لوگ اکٹھے ہوں اور کوئی جھگڑا وغیرہ نہ ہو۔

تو اسلام امن والا مذہب ہے مگر نافذ ہو تو۔ اس وقت پوری دنیا کے مقابلے میں افغانستان میں کم جرائم ہیں یہاں طالبان کی حکومت ہے اور قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کا قانون نافذ ہے۔ اور مغربی دنیا کے سب سے بڑے بے ایمان ہاتھ دھو کے ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور اسلامی حکومت کو ختم کرنے کیلئے حیلہ تلاش کرتے ہیں کبھی اسامہ بن لادن کا نام لے کر کبھی کوئی اور نام لے کر آنے کی راہ تلاش کررہے ہیں دیکھو! روس اور امریکہ ایک دوسرے کے سخت دشمن ہیں اور اس مسئلہ پر آپس میں دوست بن گئے ہیں محض اس لیے کہ افغانستان پر حملہ کرنے کے لیے ہمیں کوئی جواز مل جائے بڑی خبیث قومیں ہیں۔

تو جس دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے محشر والے دن ﴿نَادُوْا شُرَكَآءِيَ﴾ پکارو میرے شریکوں کو ﴿الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ﴾ جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے۔ ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [یونس:۱۸] "یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں۔" ان کو ذرا بلاؤ ﴿فَدَعَوْهُمْ﴾ پس وہ ان کو پکاریں گے یَا لَاتُ اَغِثْنِيْ یَا مَنَاتُ اَغِثْنِيْ یَا عُزّٰى اَغِثْنِيْ "اے لات، منات، عزیٰ، ہماری مدد کرو۔" ﴿فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ﴾ پس وہ ان کی دعاؤں کو قبول نہیں کرسکیں گے پس وہ ان کی پکار کو نہیں سنیں گے ﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا﴾ اور ہم کردیں گے ان کے درمیان خندق۔ یہ اس طرف ہوں گے درمیان میں آگ کی خندق ہوگی۔ جرائم کے اعتبار سے عذاب کا تفاوت ضرور ہوگا ﴿وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ﴾ اور دیکھیں گے مجرم آگ کو۔ میدان محشر میں ہی وہ آگ نظر آئے گی ﴿فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا﴾ پس وہ یقین کرلیں گے کہ بے شک وہ اس آگ میں گرنے والے ہیں ہمیں آگ میں پھینکا جائے گا خوشی کے ساتھ تو آگ میں کوئی نہیں جائے گا۔ سورہ رحمٰن میں ہے ﴿فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ﴾ "پس پکڑا جائے گا ان کو پیشانیوں اور پاؤں سے۔" فرشتے پکڑ کر جیسے قصاب دنبے کو پکڑ کر گراتا ہے اس طرح دوزخ میں پھینک دیں گے ﴿وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا﴾ اور نہیں پائیں گے اس آگ سے پھرنے کی کوئی جگہ۔ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے سارے واقعات جو ہونے والے ہیں دنیا میں بتادیے ہیں اور یہ بھی بتادیا ہے کہ یہ رحمٰن کا راستہ ہے اور وہ شیطان کا راستہ ہے، یہ حق ہے اور وہ باطل ہے، یہ سچ ہے اور وہ جھوٹ ہے، یہ توحید ہے اور وہ شرک ہے، یہ سنت ہے اور وہ بدعت ہے۔ فرق کو ملحوظ رکھو اور سوچ سمجھ کر چلو۔

﴿وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے پھیر پھیر کر بیان کی ہیں ﴿فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ اس قرآن میں ﴿لِلنَّاسِ﴾ لوگوں کے لیے ﴿مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ ہر طرح کی مثالیں ﴿وَ كَانَ الْاِنْسَانُ﴾ اور ہے انسان ﴿اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا﴾ ہر شے سے زیادہ جھگڑالو ﴿وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ﴾ اور نہیں روکا لوگوں کو ﴿اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا﴾ اس سے کہ وہ ایمان لائیں ﴿اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى﴾ جس وقت آچکی ان کے پاس ہدایت ﴿وَ یَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ﴾ اور یہ کہ اپنے رب سے معافی مانگیں ﴿اِلَّاۤ﴾ مگر ﴿اَنْ تَاْتِیَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ اس بات نے کہ آئے ان کے پاس پہلے لوگوں کے طریقے ﴿اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ﴾ یا آئے ان کے پاس عذاب ﴿قُبُلًا﴾ بالکل سامنے ﴿وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو ﴿اِلَّا﴾ مگر ﴿مُبَشِّرِیْنَ﴾ خوش خبری سنانے والے ﴿وَ مُنْذِرِیْنَ﴾ اور ڈرانے والے ﴿وَ یُجَادِلُ الَّذِیْنَ﴾ اور جھگڑتے ہیں وہ لوگ ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿بِالْبَاطِلِ﴾ باطل کے ہتھیار لے کر ﴿لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ﴾ تاکہ پھسلا دیں اس کے ذریعے حق کو ﴿وَ اتَّخَذُوْۤا﴾ اور اُنھوں نے بنالیا ہے ﴿اٰیٰتِیْ﴾ میری آیتوں کو ﴿وَ مَاۤ﴾ اور اس چیز کو ﴿اُنْذِرُوْا﴾ جس کے ذریعے ان کو ڈرایا گیا ﴿هُزُوًا﴾ مسخرہ ﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ﴾ اور کون ہے زیادہ ظالم ﴿مِمَّنْ﴾ اس شخص سے ﴿ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ﴾ جس کو یاددہانی کرائی گئی اپنے رب کی آیات کے ساتھ ﴿فَاَعْرَضَ عَنْهَا﴾ پس اس نے اعراض کیا ان آیات سے ﴿وَ نَسِیَ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ﴾ اور بھول گیا وہ بُرے اعمال جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں ﴿اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً﴾ بے شک ہم نے ڈال دیے ہیں ان کے دلوں پر پردے ﴿اَنْ یَّفْقَهُوْهُ﴾ اس بات سے کہ وہ قرآن کو سمجھیں ﴿وَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ اور ان کے کانوں میں ڈاٹ ہیں ﴿وَ اِنْ تَدْعُهُمْ﴾ اور اگر تم ان کو بلاؤ ﴿اِلَى الْهُدٰى﴾ ہدایت کی طرف ﴿فَلَنْ یَّهْتَدُوْۤا﴾ پس ہرگز نہیں ہدایت پائیں گے ﴿اِذًا﴾ اس وقت ﴿اَبَدًا﴾ کبھی بھی ﴿وَ رَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ﴾ اور آپ کا رب بخشنے والا ہے، رحمت والا ہے ﴿لَوْ یُؤَاخِذُهُمْ﴾ اگر پکڑے ان کو ﴿بِمَا كَسَبُوْا﴾ ان کی کمائی کی وجہ سے ﴿لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ﴾ البتہ جلدی کردے ان کے لیے عذاب ﴿بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ﴾ بلکہ ان کے لیے ایک وعدہ ہے ﴿لَّنْ یَّجِدُوْا﴾ ہرگز نہیں پائیں گے ﴿مِنْ دُوْنِهٖ﴾ اس کے علاوہ ﴿مَوْىِٕلًا﴾ کوئی پھرنے کی جگہ ﴿وَ تِلْكَ الْقُرٰۤى﴾ اور یہ بستیاں ہیں ﴿اَهْلَكْنٰهُمْ﴾ ہلاک کیا ہم نے ان کو ﴿لَمَّا ظَلَمُوْا﴾ جب اُنھوں نے ظلم کیا ﴿وَ جَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا﴾ اور ٹھہرایا ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک وعدہ۔

مثالیں بیان کرنے کی حکمت ؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں احکام بیان فرمائے ہیں اور عبرت کے لیے قصے بھی بیان فرمائے ہیں اور احکامات سمجھانے کے لیے مثالیں بھی بیان فرمائی ہیں کیوں کہ مثال کے ذریعے آدمی بات کو جلد سمجھتا ہے۔مثلاً: بیسویں پارے کے آخر میں شرک کرنے والوں کی حقیقت کو مثال کے ساتھ واضح کیا ہے کہ جو لوگ شرک کرتے ہیں ﴿کَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ﴾ ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے۔مکڑی نے جالا بنایا ﴿وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْكَبُوْتِ﴾ تمام گھروں سے کمزور گھر مکڑی کا ہے۔ اب اس مثال میں اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ بیان فرمایا اور سمجھایا ہے۔

①..... مکڑی جو جالا بنتی ہے وہ کسی مکان کے کونے میں یا کسی درخت کے نیچے۔اس سے کوئی پوچھے کہ اتنا بڑا مکان تیرے لیے کافی نہیں ہے کہ اپنے لیے نیچے جالا بنایا ہے یہی حال مشرک کا ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات کو سب پر قاہر، جابر، قادر مطلق مان کر اس سے نیچے اپنے لیے سوراخ تلاش کرتا ہے پناہ کے لیے چھوٹے چھوٹے خدا بناتا ہے۔

②...... یہ مکڑی کا جالا نہ اسے سردی سے بچا سکتا ہے اور نہ گرمی سے۔یہی حال مشرکوں کا ہے کہ انھوں نے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور الٰہ بنائے ہوئے ہیں وہ نہ تو ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان سے بچ سکتے ہیں۔

③......اور تیسری بات یہ ہے کہ مکڑی اپنے جالے کے لیے میٹریل باہر سے نہیں لاتی بلکہ اپنے پیٹ کے لعاب سے ہی تاریں بنتی ہے۔یہی حال مشرک کا ہے کہ اس کے پاس بھی شرک پر خارج سے کوئی دلیل نہیں ہے نہ نقلی اور نہ عقلی۔ جو کچھ نکلتا ہے مشرک کے پیٹ سے ہی نکلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے پھیر پھیر کر بیان کی ہیں اس قرآن پاک میں لِلنَّاسِ لوگوں کے لیے مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ہر طرح کی مثالیں۔تاکہ بات کو سمجھ لیں اور حقیقت ان کے سامنے کھل جائے ﴿وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا﴾ اور ہے انسان ہر شے سے زیادہ جھگڑالو۔حق کی بات کو نہیں مانتا کوئی نہ کوئی کج بحثی اور حیلے بہانے تراشتا ہے۔آگے ارشاد ہے ﴿وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا﴾ اور نہیں روکا لوگوں کو اس سے کہ وہ ایمان لائیں ﴿اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى﴾ جس وقت آ چکی ہدایت ان کے پاس اور اس بات سے ﴿وَ یَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ﴾ اور یہ کہ وہ معافی مانگیں اپنے رب سے ﴿اِلَّاۤ﴾ مگر ﴿اَنْ تَاْتِیَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ یہ کہ آئے ان کے پاس پہلے لوگوں کا طریقہ پھر مانیں گے ﴿اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا﴾ یا آئے ان کے پاس عذاب بالکل سامنے پھر مانیں گے۔مطلب یہ ہے کہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں سے بعض اوقات بے موقع فرمائشی معجزات مانگے اور فرمائشی چیزیں طلب کیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کو ظاہر کر دیا مگر پھر وہ نہ مانے تو عذاب میں آ گئے۔

مثال کے طور پر قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا کہ ہم تب آپ کو رب کا نبی مانیں گے کہ جس چٹان پر ہم ہاتھ رکھیں وہ چٹان سب کے سامنے پھٹے اور اس میں سے اونٹنی نکلے۔ان کے خیال میں تھا کہ یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا کہ پتھروں

سے اونٹ نکلیں۔ مگر اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اس کے لیے کوئی شے مشکل نہیں ہے۔ جس چٹان پر انھوں نے ہاتھ رکھا وہ پھٹی اور اونٹنی نکل آئی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: ﴿هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً﴾ [الاعراف: ۷۳] "یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمھارے لیے نشانی ہے۔" اب تو مان لو مگر وہ یہ بات کہہ کر ٹال گئے کہ یہ بڑا جادو ہے ہم جادو نہیں مانتے۔ اب اس ضد کا دنیا میں کوئی علاج ہے؟

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے بڑھ کر کوئی شخصیت نہیں ہے، نہ اس جہان میں اور نہ اگلے جہان میں، مگر نہ ماننے والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بھی نہیں مانی۔ رات کا وقت تھا چودھویں رات کا چاند تھا مشرکین مکہ نے کہا کہ چاند دو ٹکڑے ہو جائے تو ہم آپ کو مان لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تائید فرمائی ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ [القمر: ۱] "قریب آ گئی ہے قیامت اور پھٹ گیا ہے چاند۔" سب نے آنکھوں کے ساتھ دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے۔ ایک دوسرے سے پوچھتے تھے بھئی! تجھے بھی نظر آ رہا ہے؟ وہ کہتا ہاں بھئی! مجھے بھی نظر آ رہا ہے، ہاں! نظر آ رہا ہے۔ دُور دُور جا کر دیکھتے دو ٹکڑے ہی نظر آتا۔ کہنے لگے ﴿سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ "یہ جادو ہے جو مسلسل چلا آ رہا ہے۔" اب اس ضد کا دنیا میں کوئی علاج ہے؟ تو فرمائشی معجزے آنے کے بعد جب ایمان نہ لائے تو عذاب میں مبتلا ہوئے۔ تو یہ بھی اسی انتظار میں ہیں اور یہی چیز ان کے لیے ایمان سے رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ﴾ اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوش خبری سنانے والے جو نیک ہیں ان کو جنت کی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خوش خبری سناتے ہیں ﴿وَمُنْذِرِيْنَ﴾ اور ڈرانے والے نافرمانوں کو۔ رب کے عذاب سے ڈراتے ہیں کہ دنیا میں بھی آئے گا اور مرنے کے بعد تو ہے ہی لیکن ﴿وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ﴾ اور جھگڑتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں باطل کے ہتھیار کے ساتھ یعنی باطل کے شبہات پیش کرتے ہیں ﴿لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ﴾ تاکہ پھسلا دیں اس کے ذریعے حق کو۔ مختلف قسم کی بحثیں کرتے ہیں اور صاف بات کو ٹیڑھا بناتے ہیں تاکہ یہ لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے ﴿وَاتَّخَذُوْا اٰيٰتِيْ وَمَا اُنْذِرُوْا هُزُوًا﴾ اور انھوں نے بنا لیا ہے میری آیتوں کو اور اس چیز کو جس کے ذریعے ان کو ڈرایا جاتا ہے مسخرہ بناتے ہیں، ٹھٹھا کرتے ہیں کہ یہ جادو ہے اگر ہم چاہیں تو اس طرح کی آیات ہم بھی بنا سکتے ہیں۔ نہ ماننے والوں کے لیے دنیا میں کچھ نہیں ہے۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ﴾ اور کون ہے زیادہ ظالم اس شخص سے جس کو یاددہانی کرائی گئی اپنے رب کی آیات کے ساتھ، نصیحت کی گئی رب کی آیات کے ساتھ ﴿فَاَعْرَضَ عَنْهَا﴾ پس اس نے اعراض کیا ان آیات سے۔ اس سے بڑا ظالم کون ہے ﴿وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ﴾ اور بھول گیا وہ بُرے اعمال جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں۔ اپنی غلطی اور قصور نہیں مانتا اپنے گناہوں کا اقرار نہیں کرتا اُلٹا رب تعالیٰ کی آیات پر اعتراض کرتا ہے۔ مثلاً: ایک مقام پر مکھی کا ذکر ہے، ایک جگہ مکڑی کا ذکر ہے۔ کافروں نے کہا ﴿مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا﴾ [بقرۃ: ۲۶] "کیا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس مثال کے ساتھ۔" یہ خدا کا کلام ہے اس میں مکھی کا ذکر ہے، مکڑی کا ذکر ہے، بلند ذات اور نکمی چیزوں کا ذکر۔

کام کے آدمی بہت کم ہیں :

عوام بڑے سطحی ہوتے ہیں سمجھ دار آدمی بہت کم ہیں جو گہرائی میں جائیں اور سمجھیں کہ مثال سے مخاطب کو سمجھانا مقصود ہوتا ہے اور مخاطب کو سامنے رکھ کر مثال دی جاتی ہے یا مقصود کو سامنے رکھ کر مثال دی جاتی ہے لیکن اکثریت سطحی قسم کے لوگوں کی ہوتی ہے۔ بخاری شریف میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا سو اُونٹ ہوں یا سو اُونٹنیاں ہوں تو ان میں منزل تک پہنچانے والا ایک نکلے گا۔ اسی طرح سو آدمیوں میں سے آدمی ایک ہی نکلے گا باقی سب بھرتی ہے۔ جس بندے پر صحیح معنیٰ میں اعتماد کیا جاسکے اور صحیح معنیٰ میں رب کا بندہ ہو وہ سو میں سے ایک نکلے گا۔ باقی شکلیں انسانوں کی ہیں لیکن اندر انسانیت کا مادہ نہیں ہے۔ جب ان کے ساتھ برتاؤ کرو گے تو اس وقت پتا چلے گا کہ یہ کیا ہے۔ بعض آدمیوں کو دیکھ کر خیال آتا ہے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ خضر علیہ السلام ہیں یا ان کے بھائی ہیں اور جب ان کے ساتھ برتاؤ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ یہ کیا چیز ہیں؟ انسانیت بڑی بلند چیز ہے کاش! کہ لوگوں میں انسانیت آجائے۔ بشریت اور آدمیت بڑی اُونچی صفت ہے مگر کاش! کہ آجائے۔ علامہ بُوصیریؒ قصیدہ بردہ والے کہتے ہیں:

وَ مَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيْهِ اَنَّهٗ بَشَرٌ
وَ اَنَّهٗ خَيْرُ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

"انتہائی علم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ بشر ہیں اور سب مخلوق میں سے افضل ہیں۔"

ابن سینا بہت بڑا حکیم گزرا ہے وہ کہتا ہے کہ: "طبی نکتہ نظر سے بھی آنحضرت ﷺ کامل ترین انسان ہیں۔" یعنی اوصاف اخلاق کے لحاظ سے تو اعلیٰ و افضل تھے ہی طبی لحاظ سے بھی رب تعالیٰ نے آپ ﷺ میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ تو انسان بننا بڑی بلند بات ہے۔ انھوں نے قرآن سے اعراض کیا اور ان کے ہاتھوں نے جو کرتوت آگے بھیجے تھے وہ سب بھول گئے۔ پھر کیا ہوا؟

﴿اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً﴾۔ اَكِنَّةٌ كِنَانٌ کی جمع ہے۔ بے شک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ﴿اَنْ يَّفْقَهُوْهُ﴾ اس بات سے کہ وہ قرآن کو سمجھیں ﴿وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ اور ان کے کانوں میں ڈاٹ ہیں۔ اسی پارے میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ جب ربّ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے اور کانوں میں ڈاٹے چڑھا دیئے تو پھر ان کا کیا قصور ہے؟ قصور تو تب ہو معاذ اللہ تعالیٰ! کہ ان کی قوت اللہ تعالیٰ سے زیادہ ہو اور وہ رب تعالیٰ کے پردوں کو اُتار دیں اس کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی مخلوق رب تعالیٰ سے زیادہ قوی اور طاقت ور ہو۔ تو کافی تفصیل کے ساتھ میں نے عرض کی تھی کہ اللہ تعالیٰ پہلے دن پردے نہیں لٹکاتا بلکہ جب وہ لوگ گمراہی پر راضی ہو جاتے ہیں تب اللہ تعالیٰ مہریں لگا دیتا ہے پردے ڈال دیتا ہے۔

اور سورۃ حٰم سجدہ چوبیسویں پارے میں ہے کہ کافروں کے سامنے جب قرآن پیش کیا ﴿فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ﴾ "تو ان

میں سے اکثر نے اعراض کیا ﴿فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ﴾ پس وہ نہیں سنتے ﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ وَفِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ﴾ اور کہا ان کافروں نے ہمارے دل پردوں میں ہیں اس چیز سے جس کی طرف آپ بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان پردہ ہے پس آپ اپنا کام کریں بے شک ہم اپنا کام کررہے ہیں۔" جیسے کوئی شخص آنکھیں بند کرلے تو اسے کوئی چیز نظر نہیں آئے گی۔

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے

اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

توانھوں نے کہا کہ ہم نے دلوں کو غلافوں میں محفوظ رکھا ہوا ہے آپ کی بات ہمارے دلوں تک پہنچتی ہے نہ پہنچنے دیتی ہے اور کوئی بات ہم نے کانوں تک بھی نہیں پہنچنے دینی۔ کیوں کہ کانوں میں ہم نے ڈاٹ چڑھائے ہوئے ہیں۔ جب انھوں نے اپنے لیے یہ پردے تسلیم کرلیے اور اس پر فخر کیا اور اس کو اپنا عمل اور کسب بتلایا۔ ادھر رب تعالیٰ کا قاعدہ ہے ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ [النساء:۱۱۵] "جدھر کوئی چلتا ہے رب اس کو اُدھر چلا دیتا ہے۔" رب تعالیٰ کسی پر جبر نہیں کرتا کہ جبراً ہدایت دے یا جبراً گمراہ کرے۔ کرنا چاہے تو کرسکتا۔ ہے قادر مطلق ہے کہ انسانوں سے برائی کا مادہ سلب کر کے فرشتے بنادے لیکن پھر انسان تو نہیں ہوں گے فرشتے ہوں گے۔ انسانوں اور جنات میں اللہ تعالیٰ نے خیر کی قوت بھی رکھی ہے اور شر کی قوت بھی رکھی ہے اور پھر اختیار دیا ہے کہ اپنے اختیار سے جو کام کرنا چاہو کرسکتے ہو۔ جو کرو گے اس کا نتیجہ سامنے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں، عقل سلیم دی، اچھائی برائی سے آگاہ فرمایا ہے۔ سوچ سمجھ کر قدم اُٹھاؤ پھر اس کی مہربانی کہ نابالغی کا زمانہ اس میں شامل نہیں فرمایا۔ بالغ ہو گیا عقل پوری ہو گئی اب مکلف اور پابند ہے اگر پھر نہ مانے تو اس کا قصور ہوگا۔

فرمایا ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے اور کانوں میں ڈاٹ چڑھا دیئے اس لیے کہ اس کو انھوں نے پسند کیا۔ ﴿وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى﴾ اور اگر تم ان کو بلاؤ ہدایت کی طرف ﴿فَلَنْ يَّهْتَدُوْۤا اِذًا اَبَدًا﴾ پس ہرگز وہ ہدایت نہیں پائیں گے اس وقت کبھی بھی ﴿وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ﴾ اور آپ کا رب بخشنے والا ہے اور رحمت والا ہے۔ رحمت کا دروازہ کھلا ہے، توبہ کا دروازہ کھلا ہے جس دن سورج مغرب سے طلوع ہوگا اس دن توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس دن سے پہلے جس نے ایمان قبول نہیں کیا اس دن اگر ایمان لائے گا تو وہ ایمان قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس دن کے بعد جو نیکیاں شروع کرے گا ان کا کوئی اجر نہیں ملے گا ایسے ہی جیسے نزع کی حالت طاری ہونے سے پہلے کا ایمان معتبر ہے نیکی بھی معتبر ہے اور نزع کی حالت طاری ہونے کے بعد نہ ایمان معتبر ہے نہ کوئی نیکی معتبر ہے بلکہ اس حالت میں توبہ کا بھی احتمال نہیں ہے۔ سورج جب مغرب سے طلوع کرے گا تو وہ جہان کی نزع کا وقت ہوگا اس سے پہلے پہلے جو کرنا ہے کرلو رب کی رحمت کا دروازہ کھلا ہے۔

﴿لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا﴾ اگر پکڑے ان کو ان کی کمائی کی وجہ سے ان کے کسب کی وجہ سے ﴿لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ﴾ البتہ جلدی کردے گا اللہ تعالیٰ ان کے لیے عذاب۔ پکڑنا چاہے تو ایک آن میں پکڑ سکتا ہے۔ دیکھو! جس طرح دنیا میں کسی بھی

محکمے کا ملازم غیر حاضر ہو ڈیوٹی نہ دے تو اس کو معطل کر دیتے ہیں، برخاست کر دیتے ہیں، نوکری سے نکال دیتے ہیں کہ تم محکمے میں رہنے کے قابل نہیں۔ تو بندہ سوچے کہ یہ محکمے رب تعالیٰ کے محکمے کے مقابلے میں کچھ نہیں ہیں رب تعالیٰ نے جس وقت پوچھا کہ اے بندے! بتلاؤ یہ یہ عبادتیں تیرے ذمہ لگائی تھیں تو تم نے کتنی ڈیوٹی دی ہے؟ تو کیا جواب دو گے؟ اور پھر وہ ایسی عبادتیں نہیں ہیں کہ انسان کر نہ سکے بلکہ انسان کے بس میں ہیں۔ ہاں! اگر ایسا ہوتا کہ انسان کے بس میں نہ ہوتیں تو بات علیحدہ تھی۔ رب تعالیٰ نے بڑی سہولتیں دی ہیں۔

مثال کے طور پر ایک آدمی کے پاس مال نہیں ہے تو رب تعالیٰ نے اس کو زکوٰۃ فطرانہ دینے کا پابند نہیں فرمایا زمین نہیں ہے عشر کا پابند نہیں کیا۔ نماز کا وقت ہو گیا اور قریب قریب پانی نہیں ہے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے رب تعالیٰ نے اس کا پابند نہیں فرمایا کہ میلوں تک پانی تلاش کرتا پھرے۔ روزے والا آدمی اچانک بیمار ہو گیا روزہ مکمل کرنے کی طاقت نہیں ہے تو روزہ توڑ دے۔ بڑی سہولتیں ہیں لیکن لوگ بے پرواہ ہیں رب تعالیٰ کے احکامات کو ٹھکرا رہے ہیں۔

تو اگر اللہ تعالیٰ ان کے کسب پر پکڑنا چاہے تو اللہ عذاب جلد کر دے ﴿بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ﴾ بلکہ ان کے لیے ایک وعدہ ہے ﴿لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا﴾ ہرگز نہیں پائیں گے اس کے علاوہ کوئی پھرنے کی جگہ۔ جب وہ وقت آئے گا تو ٹلے گا نہیں اور کوئی چھپنے کی جگہ نہیں ملے گی۔ ﴿وَتِلْكَ الْقُرٰۤى﴾ اور یہ بستیاں ہیں ﴿اَهْلَكْنٰهُمْ﴾ ہم نے ان کو ہلاک کیا ہے ﴿لَمَّا ظَلَمُوْا﴾ جس وقت وہاں کے باشندوں نے ظلم کیا ﴿وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا﴾ اور ٹھہرایا ہے ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک وعدہ۔ ایک وقت مقرر کیا ہے۔ پہلے تفصیل ہو چکی ہے نوح علیہ السلام کی قوم، ہود علیہ السلام کی قوم، صالح علیہ السلام کی قوم، لوط علیہ السلام کی قوم، شعیب علیہ السلام کی قوم کے واقعات بیان ہو چکے ہیں۔ رب تعالیٰ ان کا حوالہ دیتے ہیں کہ یہ بستیاں ہم نے ہلاک کی ہیں۔ ان کی ہلاکت کا بھی ایک وقت مقرر تھا، تمہارا ابھی ایک وقت مقرر ہے اس سے پہلے ہی اپنی اصلاح کر لو۔

﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى﴾ اور جب فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿لِفَتٰىهُ﴾ اپنے نوجوان کو ﴿لَاۤ اَبْرَحُ﴾ میں نہیں ٹلوں گا ﴿حَتّٰۤى اَبْلُغَ﴾ یہاں تک کہ میں پہنچ جاؤں ﴿مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ﴾ دو دریاؤں کے جمع ہونے کی جگہ پر ﴿اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا﴾ یا میں چلتا رہوں زمانہ بھر ﴿فَلَمَّا بَلَغَا﴾ پس جس وقت وہ دونوں پہنچے ﴿مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا﴾ ان دونوں دریاؤں کے جمع ہونے کی جگہ ﴿نَسِيَا حُوْتَهُمَا﴾ وہ دونوں بھول گئے اپنی مچھلی ﴿فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ﴾ پس بنا لیا اس مچھلی نے اپنا راستہ ﴿فِي الْبَحْرِ﴾ سمندر میں ﴿سَرَبًا﴾ سرنگ کے طور پر ﴿فَلَمَّا جَاوَزَا﴾ پس جس وقت وہ آگے بڑھے ﴿قَالَ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿لِفَتٰىهُ﴾ اپنے نوجوان کو ﴿اٰتِنَا﴾ لاؤ ہمارے پاس ﴿غَدَآءَنَا﴾ ہمارا ناشتہ ﴿لَقَدْ لَقِيْنَا﴾ البتہ تحقیق ہم ملے ہیں ﴿مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا﴾ اپنے اس سفر میں ﴿نَصَبًا﴾ مشقت کو ﴿قَالَ﴾ اس نے کہا

﴿اَرَءَيْتَ﴾ دیکھیں آپ ﴿اِذْ اَوَيْنَآ﴾ جب ہم نے ٹھکانا لیا ﴿اِلَى الصَّخْرَةِ﴾ چٹان کی طرف ﴿فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ﴾ پس بے شک میں بھول گیا مچھلی کو ﴿وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ﴾ اور نہیں بھلائی مجھ کو وہ مچھلی ﴿اِلَّا الشَّيْطٰنُ﴾ مگر شیطان نے ﴿اَنْ اَذْكُرَهٗ﴾ کہ اس کو میں یاد رکھ سکوں ﴿وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ﴾ اور بنالیا اس مچھلی نے اپنا راستہ ﴿فِى الْبَحْرِ﴾ سمندر میں ﴿عَجَبًا﴾ عجیب طریقے سے ﴿قَالَ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ﴾ یہ وہ جگہ تھی جس کو ہم تلاش کر رہے تھے ﴿فَارْتَدَّا﴾ پس دونوں لوٹے ﴿عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا﴾ اپنے پاؤں کے نشانات پر ﴿قَصَصًا﴾ تلاش کرتے ہوئے ﴿فَوَجَدَا﴾ پس پایا ان دونوں نے ﴿عَبْدًا﴾ ایک بندہ ﴿مِّنْ عِبَادِنَآ﴾ ہمارے بندوں میں سے ﴿اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً﴾ دی تھی ہم نے اس کو رحمت ﴿مِّنْ عِنْدِنَا﴾ اپنی طرف سے ﴿وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ اور ہم نے سکھایا تھا اس کو اپنی طرف سے ایک قسم کا علم۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ

چند رکوع پہلے تم یہ بات پڑھ چکے ہو کہ قریش کے سرداروں کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ ہم آپ کے ساتھ ملاقات کرنا چاہتے ہیں مگر اس شرط پر کہ آپ کے پاس یہ غریب غلام اور ادنیٰ قسم کے لوگ بیٹھے ہیں ان کو مجلس سے اُٹھائیں ان کے ساتھ بیٹھنا ہم اپنے لیے عار سمجھتے ہیں۔ اس کی تفصیل تو سن چکے ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ غریبوں کے ساتھ بیٹھ کر حق سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اور یہاں یہ قصہ ہے کہ اعلیٰ نے ادنیٰ سے کچھ علم حاصل کیا ہے اور عار محسوس نہیں کی۔ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ایک بہت بڑے مجمع میں تقریر کی جو بڑی بلیغ اور مؤثر تھی۔ ایک شخص نے اُٹھ کر کہا اے موسیٰ علیہ السلام! زمین میں آپ سے بڑا کوئی عالم ہے؟ قَالَ لَا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نہیں! مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے۔ ظاہری طور پر موسیٰ علیہ السلام کی بات غلط نہیں تھی۔ پیغمبر ہیں اور پیغمبروں میں بھی تیسرے نمبر پر ہیں۔ پہلا نمبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، دوسرا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اور تیسرا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا، اور وقت کے پیغمبر سے زیادہ علم کسی کو نہیں ہوتا۔

تو فرمایا مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے۔ بس اس جملے پر رب تعالیٰ ناراض ہو گئے کہ یہ کیوں نہیں فرمایا اَللّٰهُ اَعْلَمُ اللہ سب سے بڑا عالم ہے۔ فرمایا اے موسیٰ (علیہ السلام)! مجمع البحرین کے مقام پر پہنچ کر ہمارے ایک بندے سے ملاقات کر کے ان سے کچھ معلومات حاصل کریں۔ وہ بندہ حضرت خضر علیہ السلام تھے جن کا نام بلیا ابن ملکان تھا۔ بلیا ان کا نام تھا اور ملکان ان کے والد کا نام تھا۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ وہ پیغمبر تھے۔ ان کا اصل دور ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ ہے اور ذوالقرنین جس کا ذکر آگے آئے گا اس کے وزیر اعظم تھے اور جمہور یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ ابھی تک زندہ ہیں۔ دجال لعین جب نکلے گا تو خضر علیہ السلام اس کے سامنے آ کھڑے ہو جائیں گے دجال کہے گا تم مجھے رب نہیں مانتے؟ فرمائیں گے تو کانا دجال ہے میں تجھے رب کیوں مانوں

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ تلوار کے ساتھ خضر علیہ السلام کے دو ٹکڑے کر کے درمیان سے گزر جائے گا پھر جادو کے ذریعے زندہ کرے گا اور کہے گا اب تو مجھے مان لو خضر علیہ السلام فرمائیں گے کہ اب تو میں پہلے سے بھی زیادہ یقین پر ہو گیا ہوں کہ تو دجال ہے۔ دوبارہ قتل کرنے کی کوشش کرے گا مگر کامیاب نہیں ہو سکے گا۔

مجمع البحرین سے کون سی جگہ مراد ہے؟ بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں جہاں فارس اور روم کے دونوں دریا ملتے ہیں وہ جگہ مراد ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہاں دجلہ اور فرات خلیج فارس میں آ کر گرتے ہیں وہ جگہ مراد ہے۔ فرمایا مجمع البحرین کے مقام پر آپ کو وہ ہمارا بندہ ملے گا۔ بخاری اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کَیْفَ سَبِیْلُ اِلٰی لُقِیِّہٖ "اے پروردگار میری اس کے ساتھ ملاقات کیسے ہوگی۔" فرمایا ایک مردہ مچھلی لے جاؤ نُوْنًا مَیِّتَۃً جہاں یہ مچھلی زندہ ہو جائے وہاں پر وہ ہمارا بندہ ملے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو ساتھ لیا جن کو بعد میں اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا۔ فرمایا یہ مچھلی جہاں زندہ ہو جائے مجھے بتلا دینا، یہ مچھلی جہاں زندہ ہو جائے مجھے بتلا دینا، بار بار فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا حضرت! بار بار کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ جہاں زندہ ہو گئی میں بتلا دوں گا۔

چنانچہ ٹوکری میں مچھلی ڈالی اور دونوں بزرگ چل پڑے چلتے چلتے مجمع البحرین پہنچ گئے۔ وہاں پر ایک بہت بڑی چٹان تھی اس چٹان کے سائے میں دونوں بزرگ لیٹ گئے۔ اس چٹان کے پاس آبِ حیات کا چشمہ تھا اس چشمے کے کچھ قطرے مچھلی پر پڑے وہ زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی کیوں کہ قریب تھا۔ موسیٰ علیہ السلام سوئے ہوئے تھے خادم اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھ رہا تھا کہ پانی تو پیچھے مل جاتا ہے مگر وہ پانی نہ ملا سرنگ بنی رہی پانی میں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ مردہ مچھلی زندہ ہو کر سمندر میں داخل ہو جائے اور جدھر جائے پانی کی سرنگ بنتی جائے۔ حضرت یوشع علیہ السلام کو بتلانا یاد نہ رہا۔ موسیٰ علیہ السلام کے بار بار تاکید کرنے پر انھوں نے کہا تھا کہ بار بار کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں یاد کرا دوں گا۔ انانیت کو اللہ تعالیٰ کسی جگہ پسند نہیں کرتے۔ موسیٰ علیہ السلام اُٹھ کر چل پڑے سارا دن چلتے رہے اگلی رات بھی چلتے رہے صبح جس وقت ناشتے کا وقت ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بھوک لگی ہے ناشتہ لاؤ۔ جب تھیلے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو کہنے لگے حضرت! اُہ ہو...... میں تو بڑی بات بھول گیا وہ کل جس چٹان کے پاس ہم نے آرام کیا تھا مچھلی تو وہاں زندہ ہو کر سمندر میں چھلانگ لگا گئی اور سمندر کا پانی پیچھے سے ملا نہیں سرنگ بنتی گئی۔ فرمایا ہماری تو منزل وہی تھی اس فالتو سفر کی وجہ سے ہمیں تھکاوٹ ہوئی ہے سڑک وغیرہ کا راستہ تو تھا نہیں اپنے پاؤں کے نشانات دیکھتے ہوئے واپس تشریف لائے۔

وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک آدمی چادر تان کر پانی کی سطح پر لیٹا ہوا ہے۔ بخاری شریف کے الفاظ ہیں عَلٰی کَبِدِ الْبَحْرِ موسیٰ علیہ السلام نے جا کر ان کو سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا۔ فرمایا تم کون ہو؟ جواب دیا میں موسیٰ ہوں۔ کون سا موسیٰ؟ فرمایا جو بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا ہے۔ فرمایا اچھا اچھا تو حضرت! آپ یہاں کیسے آئے؟ جواب دیا میں آپ سے کچھ معلومات لینے کے لیے آیا ہوں۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا میری اور آپ کی کوئی مناسبت نہیں ہے یہ ٹیڑھی کھیر ہے۔

لطیفہ:

(حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ایک لطیفہ سنایا کرتے تھے کہ ایک نابینے حافظ کو کسی نے کہا حافظ جی کھیر کھانی ہے۔اس نے کہا وہ کیسی ہوتی ہے۔اس نے جواباً کہا کہ بگلے کی طرح سفید ہوتی ہے۔حافظ جی نے کہا کہ بگلا کیسا ہوتا ہے؟ تو اس نے ایک ہاتھ بگلے کی طرح بنایا اور دوسرے ہاتھ سے حافظ جی کا ہاتھ پکڑ کر اوپر پھیرا کہ بگلا ایسا ہوتا ہے تو حافظ جی نے کہا کہ ایسی ٹیڑھی کھیر میں نے نہیں کھانی۔نواز بلوچ،مرتب)

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں صبر کروں گا ان شاء اللہ تعالیٰ اور آپ سے کچھ حاصل کروں گا۔یہ اس واقعہ کا خلاصہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی﴾ اور جب فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿لِفَتٰىهُ﴾ اپنے نوجوان اور خادم کو جن کا نام یوشع بن نون تھا۔جو حضرت موسیٰ اور ہارون کے بعد بنی اسرائیل کے لیے نبی بنائے گئے تھے۔فرمایا ﴿لَآ اَبْرَحُ﴾ میں نہیں ٹلوں گا ﴿حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ﴾ یہاں تک کہ میں پہنچ جاؤں دو دریاؤں کے جمع ہونے کی جگہ پر۔اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس مراد فارس اور روم کے دریا ہیں۔علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دجلہ اور فرات مراد ہیں کہ جس جگہ یہ دونوں مل کر سمندر میں گرتے ہیں۔﴿اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا﴾ یا میں چلتا رہوں زمانہ بھر۔حُقُبٌ کی جمع احقاب آتی ہے سورہ نبا میں احقابًا کا لفظ موجود ہے۔

﴿فَلَمَّا بَلَغَا﴾ پس جس وقت وہ دونوں بزرگ پہنچے ﴿مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا﴾ ان دونوں دریاؤں کے جمع ہونے کی جگہ ﴿نَسِيَا حُوْتَهُمَا﴾ دونوں بھول گئے اپنی مچھلی کو ﴿فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ﴾ پس بنالیا اس مچھلی نے اپنا راستہ سمندر میں ﴿سَرَبًا﴾ سرنگ کے طور پر۔پانی سیال ہے اس میں رقت ہے آپس میں مل جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت وہ پانی نہیں ملا غار کی غار بنا رہا۔اور جو میں نے روایت بتلائی ہے کہ آبِ حیات کا پانی مچھلی پر پڑا یہ بخاری اور مسلم شریف کی روایت کا خلاصہ ہے کہ آبِ حیات چشمہ قریب تھا اس کے پانی کا قطرہ مچھلی پر پڑا وہ زندہ ہو کر سمندر میں چھلانگ لگا گئی اور یہ دونوں بھول گئے۔﴿فَلَمَّا جَاوَزَا﴾ پس جب دونوں اس جگہ سے تجاوز کر گئے، آگے بڑھے ﴿قَالَ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿لِفَتٰىهُ﴾ اپنے نوجوان کو جوان کا خادم تھا ﴿اٰتِنَا غَدَآءَنَا﴾ لاؤ ہمارے پاس ہمارا ناشتہ ﴿لَقَدْ لَقِيْنَا﴾ البتہ تحقیق ہم ملے ہیں ﴿مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ اپنے اس سفر میں تھکاوٹ کو۔یہ جو کل سے اب تک کا سفر تھا اس میں مشقت تھی کیوں کہ ضرورت سے زائد تھا اور قدرتی طور پر تھکاوٹ بھی ہوئی۔

﴿قَالَ﴾ کہا خادم نے ﴿اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ﴾ حضرت! آپ دیکھیں جب ہم نے ٹھکانا لیا چٹان کی طرف ﴿فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ﴾ پس بے شک میں بھول گیا مچھلی کو ﴿وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ﴾ اور نہیں بھلائی مجھ کو وہ مچھلی مگر شیطان نے ﴿اَنْ اَذْكُرَهٗ﴾ کہ اس کو میں یاد رکھ سکوں۔حضرت! اس کا قصہ یہ ہوا کہ وہ زندہ ہو کر ﴿وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ﴾ اور بنالیا اس مچھلی نے اپنا راستہ سمندر میں۔وہ تو زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی ہے ﴿عَجَبًا﴾ عجیب طریقے سے کہ مچھلی زندہ ہو جائے نقل و حرکت کر کے پانی میں داخل ہو جائے اور پانی کی سرنگ بنتی جائے۔خادم نے کہا تھا آپ فکر نہ کریں بار بار تاکید نہ کریں میں یاد

کرادوں گا۔ اس نے سمندر میں جاتے ہوئے آنکھوں سے دیکھا مگر یاد نہ رہی کیوں کہ رب انانیت کو پسند نہیں کرتا اپنے سوا کے لیے۔ انسان کبھی اپنی قابلیت پر فخر نہ کرے بلکہ اپنی کسی چیز پر فخر نہ کرے میں یہ ہوں اور میں وہ ہوں، انسان کچھ بھی نہیں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے صرف اتنے لفظ کہے ہاں مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے۔ اور ظاہراً جواب ٹھیک تھا کیوں کہ پیغمبر سے بڑا عالم کون ہو سکتا ہے مگر رب نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ ایسے کیوں نہیں کہا اللہ اعلم۔ رب تعالیٰ کو انانیت کسی کی بھی پسند نہیں ہے۔

﴿قَالَ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ﴾ یہ وہ جگہ تھی جس کو ہم تلاش کر رہے تھے ﴿فَارْتَدَّا﴾ پس دونوں لوٹے ﴿عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا﴾ اپنے پاؤں کے نشانات پر ﴿قَصَصًا﴾ تلاش کرتے ہوئے۔ چوں کہ سڑک اور پختہ راستہ تو تھا نہیں قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے واپس آگئے ﴿فَوَجَدَا﴾ پس دونوں نے پایا ﴿عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ﴾ ایک بندہ ہمارے بندوں میں سے جو حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ ان کو خضر اس لیے کہتے ہیں کہ خضر کا معنیٰ ہے سبزہ ہریالی، حضرت خضر علیہ السلام جہاں بیٹھتے تھے وہ جگہ فوری طور پر سبز ہو جاتی تھی اس لیے خضر ان کا لقب پڑ گیا اور نام ان کا بلیا ہے۔ وہ جمہور کے نزدیک پیغمبر ہیں اور اب تک موجود ہیں۔ ﴿اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ دی تھی ہم نے ان کو رحمت اپنی طرف سے، زندگی بھی لمبی دی اور تجربہ بھی وسیع دیا ﴿وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ اور ہم نے سکھایا تھا اس کو ایک خاص قسم کا علم۔ اس علم کی کچھ شقیں آگے آ رہی ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے تکوینیات کا علم عطا فرمایا تھا۔ آگے ذکر آئے گا۔

﴿قَالَ لَهٗ مُوْسٰى﴾ کہا اس کو موسیٰ علیہ السلام نے ﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ﴾ کیا میں آپ کی پیروی کر سکتا ہوں ﴿عَلٰٓى﴾ اس شرط پر ﴿اَنْ تُعَلِّمَنِ﴾ کہ آپ سکھائیں مجھے ﴿مِمَّا عُلِّمْتَ﴾ اس میں سے جو سکھلائی گئی ہے آپ کو ﴿رُشْدًا﴾ بھلائی ﴿قَالَ﴾ اس نے کہا ﴿اِنَّكَ﴾ بے شک آپ ﴿لَنْ تَسْتَطِيْعَ﴾ ہرگز طاقت نہیں رکھ سکو گے ﴿مَعِيَ﴾ میرے ساتھ ﴿صَبْرًا﴾ صبر کرنے کی ﴿وَكَيْفَ تَصْبِرُ﴾ اور کیسے آپ صبر کریں گے ﴿عَلٰى مَا﴾ اس چیز پر ﴿لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا﴾ جس کی خبر کا آپ نے احاطہ نہیں کیا ہوا ﴿قَالَ﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿سَتَجِدُنِيْٓ﴾ بہ تاکید آپ مجھے پائیں گے ﴿اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا﴾ اگر چاہا اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والا ﴿وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا﴾ اور میں نافرمانی نہیں کروں گا آپ کے حکم کی ﴿قَالَ﴾ انھوں نے کہا ﴿فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ﴾ پس اگر آپ میری پیروی کرنا چاہتے ہیں ﴿فَلَا تَسْئَلْنِيْ﴾ پس نہ سوال کرنا مجھ سے ﴿عَنْ شَيْءٍ﴾ کسی چیز کے بارے میں ﴿حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ﴾ یہاں تک کہ میں خود بیان کروں آپ کے سامنے ﴿مِنْهُ ذِكْرًا﴾ اس کا ذکر ﴿فَانْطَلَقَا﴾ پس دونوں چلے ﴿حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا﴾ یہاں تک کہ جب دونوں سوار ہوئے ﴿فِي السَّفِيْنَةِ﴾ کشتی میں ﴿خَرَقَهَا﴾ خضر علیہ السلام نے کشتی کو پھاڑ دیا ﴿قَالَ﴾ موسیٰ

علیہ السلام نے کہا ﴿اَخَرَقْتَهَا﴾ کیا آپ نے کشتی کو پھاڑ دیا ﴿لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا﴾ تاکہ آپ غرق کر دیں اس کی سواریوں کو ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا﴾ البتہ تحقیق آپ لائیں ہیں چیز بڑی نامناسب ﴿قَالَ﴾ اس نے کہا ﴿اَلَمْ اَقُلْ﴾ کیا میں نے نہیں کہا تھا ﴿اِنَّكَ﴾ بے شک آپ ﴿لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ آپ ہرگز نہیں طاقت رکھیں گے میرے ساتھ صبر کرنے کی ﴿قَالَ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿لَا تُؤَاخِذْنِيْ﴾ آپ گرفت نہ کریں میری ﴿بِمَا نَسِيْتُ﴾ اس چیز کی وجہ سے جو میں بھول گیا ہوں ﴿وَلَا تُرْهِقْنِيْ﴾ اور نہ سختی کریں آپ مجھ پر ﴿مِنْ اَمْرِيْ﴾ میرے معاملے میں ﴿عُسْرًا﴾ تنگی کے لحاظ سے ﴿فَانْطَلَقَا﴾ پس دونوں چلے ﴿حَتّٰى اِذَا لَقِيَا﴾ یہاں تک کہ وہ ملے ﴿غُلٰمًا﴾ ایک بچے کو ﴿فَقَتَلَهٗ﴾ پس خضر علیہ السلام نے اس بچے کو قتل کر دیا ﴿قَالَ﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿اَقَتَلْتَ نَفْسًا﴾ کیا تو نے قتل کر دیا ایک نفس کو ﴿زَكِيَّةً﴾ جو صاف ستھرا تھا ﴿بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ بغیر کسی جان کے عوض ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا﴾ البتہ آپ لائیں ہیں ایسی چیز جو بہت ہی نامناسب ہے۔

پچھلے درس میں تم نے سنا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے خادم یوشع بن نون علیہ السلام کے ہمراہ مجمع البحرین کے علاقے میں پہنچے۔ خضر علیہ السلام چادر تان کر سوئے ہوئے تھے۔ انھوں نے سلام کیا اُنھوں نے جواب دیا اور پوچھا کہ سلام کرنے والا کون ہے؟ فرمایا میں موسیٰ ہوں (علیہ السلام)۔ کون سا موسیٰ؟ فرمایا وہ جن کو نبی بنا کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا ہے۔ اچھا حضرت! آپ یہاں کیسے تشریف لائے؟ فرمایا آپ سے کچھ علم حاصل کرنے کے لیے آیا ہوں۔ کہنے لگے ٹیڑھی کھیر ہے۔

ٹیڑھی کھیر ہے

سمجھانے کے لیے لوگوں نے کہاوت بنائی ہوئی ہے۔ ایک بے چارہ نابینا حافظ تھا اس کو کہا کہ حافظ جی! کھیر کھانی ہے۔ اس نے کہا کھیر کس طرح کی ہوتی ہے۔ اس نے کہا سفید سفید ہوتی ہے۔ حافظ جی نے کہا سفید کس طرح کی ہوتی ہے؟ اس نے کہا جیسے بگلا سفید ہوتا ہے اس طرح سفید ہوتی ہے۔ حافظ جی نے کہا بگلا کیسا ہوتا ہے؟ اندھے بے چارے نے کچھ بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے ہاتھ ایسے ٹیڑھا کر کے بتلایا کہ ایسا ایک جانور ہوتا ہے گردن اس کی لمبی ہوتی ہے۔ حافظ جی نے کہا کہ میں نے ایسی ٹیڑھی کھیر نہیں کھانی۔

تو خضر علیہ السلام نے کہا کہ معاملہ بڑا ٹیڑھا ہے۔ اس موقع پر خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا: اِنَّكَ عَلٰى عِلْمٍ عَلَّمَكَ اللّٰهُ تعالیٰ "اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسا علم دیا ہے جو مجھے نہیں دیا وَ اَنَا عَلٰى عِلْمٍ عَلَّمَنِيَ اللّٰهُ اور مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک علم دیا ہے جو آپ نہیں جانتے۔" کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے شریعت کا علم دیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا علم شریعت کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی۔ قرآن پاک کے بعد تمام آسمانی کتابوں میں تورات کا مقام بہت بلند ہے۔ اور مجھے تکوینیات کا علم ہے جو

آپ نہیں جانتے۔

﴿قَالَ لَهٗ مُوْسٰى﴾ کہا خضر علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام نے ﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ﴾ کیا میں آپ کی پیروی کر سکتا ہوں ﴿عَلٰٓى﴾ اس شرط پر ﴿اَنْ تُعَلِّمَنِ﴾ کہ آپ مجھے سکھائیں تعلیم دیں ﴿مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ اس میں سے جو سکھلائی گئی ہے جو آپ کو تعلیم دی گئی ہے اچھی باتوں کی ﴿قَالَ﴾ خضر علیہ السلام نے کہا ﴿اِنَّكَ﴾ بے شک آپ ﴿لَنْ تَسْتَطِيْعَ﴾ ہرگز طاقت نہیں رکھ سکو گے ﴿مَعِيَ صَبْرًا﴾ میرے ساتھ صبر کرنے کی۔ میری باتیں اوٹ پٹانگ ہوں گی آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں گی ﴿وَكَيْفَ تَصْبِرُ﴾ اور کیسے آپ صبر کریں گے ﴿عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا﴾ اس چیز پر جس کی خبر کا آپ نے احاطہ نہیں کیا ہوا۔ جس چیز کی حقیقت آپ کو معلوم نہیں ہے اس پر آپ کیسے خاموش رہیں گے۔

﴿قَالَ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا﴾ بہ تاکید آپ پائیں گے مجھے ان شاء اللہ تعالیٰ صبر کرنے والا۔ آپ نے جو کرنا ہے کریں میں صبر کروں گا ﴿وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا﴾ اور میں نافرمانی نہیں کروں گا آپ کے حکم کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ خیال فرمایا ہوگا کہ بعض احکام عزیمت کے ہوتے ہیں اور بعض رخصت کے۔ عزیمت والے کام وہ ہوتے ہیں جو کرنے پڑتے ہیں اور رخصت وہ ہے جس کا جواز ہو کہ ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ تو شریعت میں دونوں حکم ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے سمجھا کہ کوئی رخصت والا کام کریں گے تو میں خاموش رہوں گا۔ ﴿قَالَ﴾ خضر علیہ السلام نے کہا ﴿فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ﴾ پس اگر آپ میری پیروی کرنا چاہتے ہیں میرے ساتھ چلتے ہیں ﴿فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ﴾ پس نہ سوال کرنا مجھ سے کسی شے کے بارے میں۔ جو میں کروں تم نے اس کے متعلق پوچھنا نہیں ہے ﴿حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا﴾ یہاں تک کہ میں خود بیان کروں آپ کے سامنے اس کا ذکر کہ یہ کام میں نے کیوں کیا ہے۔ جب بات طے ہوگئی تو چل پڑے۔

سفر میں موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے ساتھ یوشع بن نون علیہ السلام تھے یا نہیں ؟

آگے اس میں اختلاف ہے کہ سفر میں صرف موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام تھے یا یوشع ابن نون علیہ السلام بھی ساتھ تھے۔ تفسیروں میں دونوں باتیں لکھی ہیں۔ ایک یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی خضر علیہ السلام کے ساتھ ملاقات ہوگئی تو یوشع بن نون علیہ السلام کو چھٹی دے دی کہ آپ واپس چلے جائیں۔

اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ بھی ساتھ تھے۔ خادم کا ذکر اس لیے نہیں ہوتا کہ جب اصل کا ذکر ہو گیا تو خادم بھی ساتھ ہی ہے۔ ﴿فَانْطَلَقَا﴾ پس دونوں بزرگ چل پڑے ﴿حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ﴾ یہاں تک کہ جب دونوں سوار ہوئے کشتی میں۔ جزیرہ اندلس کے قرطبہ شہر جانا چاہتے تھے وہ پرلے کنارے پر تھا۔ ادھر جب یہ کشتی کے پاس پہنچے۔ کشتی پر سوار ہونے والے کافی لوگ تھے۔ مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے، جوان اور جانور بھی تھے۔ کشتی بہت بڑی تھی۔ بخاری شریف میں روایت آتی ہے ملاحوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا کہنے لگے عَبْدٌ صَالِحٌ یہ نیک آدمی ہے۔ اس سے ہم نے کرایہ نہیں لینا اور اس کے ساتھی

سے بھی نہیں لینا۔ انھوں نے کرائے پر بڑا اصرار کیا لیکن انھوں نے کہا کہ بزرگوں سے ہم نے کرایہ نہیں لینا۔ حدیث شریف میں بِغَیْرِ نَوْلٍ کے لفظ آتے ہیں کہ بغیر کرایہ کے انھوں نے سوار کر لیا اور کشتی چل پڑی۔

کشتی میں کلہاڑی اور تیشہ بھی پڑا تھا جب اگلے کنارے کے قریب پہنچے تو خضر علیہ السلام نے کلہاڑی پکڑی اور کشتی کا تختہ توڑ دیا اور تختہ بھی جو پانی کی سطح کے اندر تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ پانی اندر نہیں آیا یہ ان کا معجزہ تھا پیغمبر تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جلالی مزاج تھے بول پڑے۔ فرمایا ان لوگوں نے ہمیں بغیر کرائے کے سوار کیا نیکی کی اس احسان کا آپ نے بڑا اچھا بدلہ دیا کہ ان کی کشتی پھاڑ دی اور یہ بھی خیال نہ کیا کہ اس پر مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان کتنی سواریاں ہیں حیوان بھی ہیں سب ڈوب جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿خَرَقَهَا﴾ خضر علیہ السلام نے کشتی کو پھاڑ دیا کلہاڑی لے کر ایک تختہ نکال دیا ﴿قَالَ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿أَخَرَقْتَهَا﴾ کیا آپ نے کشتی کو پھاڑ دیا ﴿لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا﴾ تاکہ آپ غرق کر دیں اس کی سواریوں کو۔ کیوں کہ عالم اسباب میں اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ کشتی میں پانی آ جائے گا کشتی ڈوبے گی سواریاں ڈوب جائیں گی تو آپ نے یہ کام اچھا نہیں کیا ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا﴾ البتہ تحقیق آپ لائیں ہیں چیز بڑی نامناسب۔ آپ نے برا کام کیا ہے۔ یہاں روایت میں کچھ اور لفظ بھی آتے ہیں۔ بخاری شریف اور مسلم شریف میں روایت موجود ہے کہ ایک چڑیا آ کر کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ خدا کی قدرت ہے سمندری جانور سمندر میں رہتے اور پلتے ہیں اور آگے ان کی نسلیں چلتی ہیں۔

میں بحری جہاز میں سوار تھا دیکھا کافی پرندے پانی کی سطح پر تیر رہے ہیں۔ جہاز ران سے پوچھا کہ کیا کنارہ قریب آ گیا ہے کہ یہ پرندے آ کر بیٹھ گئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ کنارہ یہاں سے سو میل دور ہے۔ تو میں نے کہا کہ یہ پرندے یہاں کیا کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یہ یہیں رہتے ہیں یہیں ان کی نسلیں پیدا ہوتی ہیں اور پرورش پاتی ہیں۔ خدا کی قدرت ان کے لیے یہی جگہ ہے۔ سمندر کی سطح پر غول در غول تھے جن میں بڑے بھی تھے اور چھوٹے بھی تھے۔

تو ایک چڑیا آ کر بیٹھی اور سمندر سے ایک قطرہ پانی کا چونچ میں لیا۔ خضر علیہ السلام نے استادانہ رنگ میں فرمایا: يَا مُوسَى إِنَّ عِلْمِي وَعِلْمَكَ وَعِلْمَ جَمِيعِ الْخَلَائِقِ "اے موسیٰ! میرا علم اور آپ کا علم اور اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اتنا بھی نہیں ہے جتنا سمندر کے مقابلے میں چڑیا کی چونچ میں پانی ہے۔"

تو فرمایا تو نے کشتی پھاڑ دی ہے بڑا برا کام کیا ہے ﴿قَالَ﴾ خضر علیہ السلام نے کہا ﴿أَلَمْ أَقُلْ﴾ کیا میں نے نہیں کہا تھا ﴿إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ آپ ہرگز نہیں طاقت رکھیں گے میرے ساتھ صبر کرنے کی ﴿قَالَ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ﴾ آپ گرفت نہ کریں اس چیز کی وجہ سے جو میں بھول گیا ہوں۔ مجھے شرط یاد نہیں رہی تھی بھول کر سوال کر بیٹھا ہوں ﴿وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا﴾ اور نہ آپ سختی کریں میرے معاملے میں تنگی کے لحاظ سے۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے معاف کر دیں۔

کشتی کنارے جا لگی سواریاں خیر و عافیت کے ساتھ اُتر گئیں۔ سمندر کے کنارے پر قرطبہ شہر تھا اور اس کے پاس بہت بڑا میدان تھا اس کے اطراف میں بڑے بھی کھیلتے تھے اور چھوٹے بچے بھی کھیلتے تھے۔ بڑا عجیب قسم کا منظر تھا یہ پہنچے سامنے بچے کھیل رہے تھے۔ ﴿فَانْطَلَقَا﴾ پس دونوں چلے ﴿حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا﴾ یہاں تک کہ وہ ملے ایک بچے کو جس کا نام حَیْسور تھا اسؔ کے والد کا نام کازیر تھا اور والدہ کا نام سہویٰ تھا، نابالغ بچہ تھا خضر علیہ السلام نے اس کو ٹانگوں سے پکڑا جیسے دھوبی کھیس کو پکڑ کر اُٹھا کے مارتے ہیں اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ بے چارے کا سر پھٹ گیا بچہ تڑپنے لگا جان نہیں نکل رہی تھی پھر چھری لے کر اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام اس بات پر خاموش نہیں رہ سکتے تھے کیوں کہ نابالغ بچے پر تو قانون نہیں لگتا۔ تنبیہ کرنا ادب سکھانا الگ بات ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: ثَلٰثَۃٌ رُفِعَ عَنْہُ الْقَلَمُ "تین قسم کے آدمیوں سے قلم اُٹھا لیا گیا ہے یعنی ان پر قانون لاگو نہیں ہوتا عَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ بچے سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے۔" تو نابالغ بچے کو کسی جرم پر سزا نہیں دی جاسکتی۔ شراب پی لے کوڑے نہیں لگیں گے، چوری کرلے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ہاں! تنبیہ کی جاسکتی ہے جیسے چھوٹے بچے نہ پڑھیں یا کوئی شرارت کریں تو ماں باپ کو مارنے کا حق ہے۔ دوسرا: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ "سونے والے پر قانون لاگو نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے۔" اور تیسرا: عَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يُفِيْقَ "پاگل پر قانون جاری نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ ٹھیک ہو جائے۔"

تو پہلی بات یہ تھی کہ نابالغ بچہ تھا اور دوسری بات یہ تھی کہ اس نے کسی کو قتل بھی نہیں کیا تھا اور خضر نے اس کو قتل کر دیا ﴿فَقَتَلَهٗ﴾ پس اس کو خضر علیہ السلام نے قتل کر دیا ﴿قَالَ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ﴾ کیا تو نے قتل کر دیا ایک نفس کو جو صاف ستھرا تھا ﴿بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ بغیر کسی جان کے عوض ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا﴾ البتہ آپ لائیں ہیں ایسی چیز جو بہت ہی نامناسب ہے کہ چھوٹے بچے کو بلا وجہ قتل کر دیا ہے۔ مزید واقعہ آگے آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

الحمدللہ! آج مورخہ ۱۶ شوال ۱۴۳۱ھ کو پندرھواں پارہ مکمل ہوا۔

محمد نواز بلوچ

﴿قَالَ﴾ خضر علیہ السلام نے کہا ﴿اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ﴾ کیا میں نے آپ کو نہیں کہا تھا ﴿اِنَّكَ﴾ بے شک آپ ﴿لَنْ تَسْتَطِيْعَ﴾ ہرگز طاقت نہیں رکھیں گے ﴿مَعِيَ﴾ میرے ساتھ ﴿صَبْرًا﴾ صبر کرنے کی ﴿قَالَ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا﴾ اگر میں نے سوال کیا آپ سے کسی شے کے بارے میں اس واقعہ کے بعد ﴿فَلَا تُصٰحِبْنِيْ﴾ پس آپ مجھے اپنی رفاقت میں نہ رکھنا ﴿قَدْ بَلَغْتَ﴾ تحقیق آپ پہنچ چکے ﴿مِنْ لَّدُنِّيْ﴾ میری طرف سے ﴿عُذْرًا﴾ عذر کو ﴿فَانْطَلَقَا﴾ پس دونوں چلے ﴿حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ﴾ یہاں تک کہ آئے دونوں ﴿اَهْلَ قَرْيَةِ﴾ ایک بستی والوں کے پاس ﴿اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا﴾ دونوں نے کھانا طلب کیا اس کے باشندوں سے ﴿فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا﴾ پس ان لوگوں نے انکار کیا اس بات سے کہ ان کو اپنا مہمان بنائیں ﴿فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا﴾ پس پائی ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار ﴿يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ﴾ جو ارادہ کر رہی تھی کہ گر پڑے ﴿فَاَقَامَهٗ﴾ پس خضر علیہ السلام نے اس کو ٹھیک کر دیا ﴿قَالَ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿لَوْ شِئْتَ﴾ اگر آپ چاہتے ﴿لَتَّخَذْتَ﴾ البتہ آپ لے لیتے ﴿عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ اس پر کوئی معاوضہ ﴿قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ﴾ کہا یہ جدائی کا وقت ہے میرے اور آپ کے درمیان ﴿سَاُنَبِّئُكَ﴾ بہ تحقیق میں آپ کو بتلاؤں گا ﴿بِتَاْوِيْلِ﴾ حقیقت کا ﴿مَا﴾ اس چیز کی ﴿لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾ آپ طاقت نہیں رکھتے تھے اس پر صبر کرنے کی ﴿اَمَّا السَّفِيْنَةُ﴾ بہرحال کشتی ﴿فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ﴾ پس وہ تھی کچھ مسکینوں کی ﴿يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ﴾ جو کام کرتے تھے سمندر میں ﴿فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا﴾ پس میں نے ارادہ کیا کہ عیب دار کر دوں اس کشتی کو ﴿وَكَانَ وَرَآءَهُمْ﴾ اور تھا ان کے آگے ﴿مَّلِكٌ﴾ ایک بادشاہ ﴿يَّاْخُذُ﴾ پکڑ لیتا تھا ﴿كُلَّ سَفِيْنَةٍ﴾ ہر کشتی ﴿غَصْبًا﴾ چھین کر۔

یہ بات چلی آ رہی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں تقریر فرمائی، تقریر بڑی مدلل اور موثر تھی۔ اس سے متاثر ہو کر ایک شخص نے کہا کہ زمین میں آپ سے بڑا عالم بھی کوئی ہے؟ فرمایا نہیں! یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئے کہ کہنا چاہیے تھا اَللّٰهُ اَعْلَمُ اللہ سب سے بڑا عالم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا ایک بندہ ہے جو ایک فن میں آپ سے زیادہ عالم ہے اس کے پاس جا کر آپ علم حاصل کریں۔ کہاں ملے گا؟ مجمع البحرین پر۔ نشانی کیا ہوگی؟ فرمایا بے جان مچھلی لے جاؤ جہاں مچھلی میں جان پڑ جائے وہاں ملے گا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اپنے خادم یوشع ابن نون علیہ السلام کو لے کر چل پڑے۔ ملاقات ہوئی، انھوں نے کہا میری اور آپ کی کوئی مناسبت نہیں ہے، میرے کام ایسے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں صبر کروں گا۔ خضر علیہ السلام نے کہا کہ میں آپ کو اس شرط پر ساتھ لے کر چلتا ہوں کہ جب تک میں خود کسی شے کی حقیقت بیان نہ کروں آپ نے مجھ سے کسی شے کے بارے میں سوال نہیں کرنا۔ وعدہ معاہدہ ہو گیا اور چل پڑے۔ آگے سمندری سفر تھا کشتی میں سوار ہو گئے کشتی والوں نے بغیر کرایہ کے سوار کر

خضر علیہ السلام نے کشتی کا پھٹہ توڑ کر سوراخ کر دیا موسیٰ علیہ السلام سے صبر نہ ہو سکا اور فرمایا کہ ان لوگوں نے ہمارے ساتھ ہمدردی کی ہے مفت میں سوار کیا آپ نے ان کی کشتی توڑ کر اچھا کام نہیں کیا۔ کشتی سے اُترے تو آگے جزیرہ اندلس قرطبہ شہر تھا ساحل پر بچے کھیل رہے تھے۔ انھوں نے جیسور نامی بچے کو پکڑا کھوپڑی اتاری جان نہ نکلی پھر پاؤں سے پکڑ کر دیوار پر مارا جان نہ نکلی چھری لے کر ذبح کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ﴾ "کیا تو نے قتل کر دیا ایسے شخص کو جو صاف ستھرا تھا بغیر نفس کے عوض، بُرا اور نامناسب کام کیا ہے۔"

اس سلسلے میں ﴿ قَالَ ﴾ خضر علیہ السلام نے کہا ﴿ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ ﴾ کیا میں نے آپ کو نہیں کہا تھا ﴿ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴾ بے شک آپ ہرگز طاقت نہیں رکھیں گے میرے ساتھ صبر کرنے کی۔ تو وہی قصہ ہوا کہ آپ بار بار مجھ پر اعتراض کرتے ہیں ﴿ قَالَ ﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا ﴾ اگر میں آپ سے سوال کروں کسی شے کے بارے میں اس واقعہ کے بعد کہ دو دفعہ سوال کر چکا ہوں اب تیسری دفعہ مجھے موقع دیں۔ اگر کوئی بات میری سمجھ میں نہ آئی اور پھر اگر میں سوال کروں ﴿ فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ﴾ پس آپ مجھے اپنی رفاقت میں نہ رکھنا اپنا ساتھی نہ بنانا۔ واقعتاً میری اور آپ کی مناسبت نہیں ہے ﴿ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴾ تحقیق آپ پہنچ چکے ہیں میری طرف سے عذر کو۔ آپ فیصلہ کرنے میں معذور ہوں گے آپ اپنی کارروائی کرتے رہیں میں سوال کرتا رہوں گا تنقید کرتا رہوں گا۔

چنانچہ اندلس کے جزیرے سے چلے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کتنے دنوں کے بعد اگلے شہر میں پہنچے ﴿ فَانْطَلَقَا ﴾ پس دونوں چلے ﴿ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ﴾ یہاں تک کہ جب دونوں پہنچے ایک بستی والوں کے پاس۔ اکثر تفسیروں میں اس کا نام انطاکیہ ہے۔ انطاکیہ شہر آج بھی مصر میں موجود ہے۔ دوپہر کا وقت تھا بھوک لگی ہوئی تھی دونوں کے پاس پیسے نہیں تھے ﴿ اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا ﴾ دونوں نے کھانا طلب کیا اس کے باشندوں سے۔ وہاں کے لوگوں سے کہا کہ بھئی! ہمیں بھوک لگی ہے ہمیں کھانا کھلاؤ۔ دونوں بڑی شان والے پیغمبر ہیں مگر بشری تقاضے ساتھ ہیں، بھوک بھی ہے، پیاس بھی ہے اور پاس پیسہ کوئی نہیں ہے مجبوری ہے ایسے موقع پر مانگنے کی اجازت ہے۔ ﴿ فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا ﴾ پس ان لوگوں نے انکار کر دیا اس بات سے کہ ان کو اپنا مہمان بنائیں۔ مفت کھانا کھلانے سے وہاں کے لوگوں نے اِنکار کر دیا۔

کھانا کھلانے سے انکار کی وجہ ؟

محققین اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ دونوں بزرگوں کی صحت بڑی عمدہ تھی، ہاتھ پاؤں ٹھیک تھے، آنکھیں درست تھیں، ان لوگوں کا نظریہ یہ تھا کہ سوال وہ کرے جو معذور ہو، نابینا ہو، لنگڑا ہو، اپاہج ہو اور یہ اچھے بھلے ہو کر سوال کرتے ہیں کما کر کیوں نہیں کھاتے۔ ان کو تو معلوم نہیں تھا کہ یہ کون بزرگ ہیں کیوں کہ غیب صرف پروردگار کے پاس ہے مخلوق غیب نہیں جانتی اور مسئلہ بھی یہی ہے کہ معذور سوال کرے دوسرا سوال نہ کرے۔ حدیث پاک میں آتا ہے

جو شخص مانگنے کو پیشہ بنالے قیامت والے دن اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا ہڈیوں کا ڈھانچہ ہی ہوگا۔ پیشے کے طور پر مانگنا یہ شریعت میں سخت ممنوع ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ عرفات کے میدان میں نویں ذوالحجہ کو ایک شخص مانگ رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تھی اور وہ بھی موجود تھے۔ انھوں نے دیکھا تو اس کو بلایا اور فرمایا کیوں مانگتے ہو اور یہاں مانگتے ہو اور آج کے دن مانگتے ہو۔ رب سے نہیں مانگتا بندوں سے مانگتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں یہودی تھا مسلمان ہو گیا ہوں میرا خرچہ زیادہ ہے آمدن کم ہے بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہاں چوں کہ لوگ اکٹھے ہیں مجبوراً مانگ رہا ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا پتہ معلوم کیا اور منشی کو حکم دیا کہ اس کا نام پتا نوٹ کرلو۔ جب حج سے فارغ ہوں گے تو اس کا باقاعدہ وظیفہ مقرر کریں گے۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ واقعی یہ شخص حاجت مند ہے۔ تو تندرست آدمی کا بغیر کسی مجبوری کے مانگنا شرعاً درست نہیں ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص تکثر یعنی مال بڑھانے کے لیے مانگتا ہے وہ دوزخ کی آگ کے شعلے اور انگارے کھاتا ہے۔ تو مانگنا اچھی چیز نہیں ہے مگر انسان ہے کسی وقت اچانک مجبور ہو جاتا ہے اور پیشہ ور نہیں ہے تو الگ بات ہے۔

دونوں پیغمبروں نے انطاکیہ بستی کے باشندوں سے کھانا مانگا مگر انھوں نے مہمان بنانے سے انکار کر دیا۔ اسی بھوک کی حالت میں جا رہے تھے کہ ﴿فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا﴾ پس پائی ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار ﴿يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ﴾ جو ارادہ کر رہی تھی کہ گر پڑے ﴿فَاَقَامَهٗ﴾ پس خضر علیہ السلام نے اس کو ٹھیک کر دیا۔ ایک بہت بلند دیوار تھی وہ ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ ابھی گری۔ دیوار کے ارادے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جھک گئی تھی گرنے کے لیے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے وہ دیوار ٹھیک کر دی۔ دیوار کیسے ٹھیک کر دی؟ اکثر روایات اور احادیث میں آتا ہے کہ ایسے ہاتھ سے اشارہ کیا تو دیوار بالکل سیدھی ہو گئی کوئی زیادہ محنت کی ضرورت پیش نہیں آئی یہ ان کا معجزہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت! آپ نے ان بے مروت لوگوں کے ساتھ یہ احسان کیا ہے جنھوں نے ہمیں کھانا کھلانے سے انکار کیا ہے ہم کوئی پیشہ ور تو نہیں تھے بھوک نے ہمیں ستایا تھا ہم نے ان سے کھانا طلب کیا انھوں نے کورا جواب دیا ایسے لوگوں کے ساتھ ہمدردی کا کیا معنیٰ ہے؟

﴿قَالَ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ اگر آپ چاہتے البتہ آپ لے لیتے اس پر آپ کوئی معاوضہ تاکہ ہم کھانا کھا لیتے۔ آپ نے بغیر مزدوری کے دیوار ٹھیک کر دی یہ آپ نے اچھا کام نہیں کیا۔ یہ تین واقعات پیش آئے، کشتی کا پھاڑنا، بچے کا قتل کرنا اور تیسرا دیوار کا مفت ٹھیک کرنا۔ اس موقع پر حضرت خضر علیہ السلام نے ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ﴾ یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر موسیٰ علیہ السلام مزید صبر کرتے تو ہمیں مزید عجیب عجیب واقعات معلوم ہوتے مگر موسیٰ علیہ السلام صبر نہ کر سکے۔ تو خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت ہے ﴿سَاُنَبِّئُكَ﴾ بہ تاکید میں آپ کو بتلاؤں گا ﴿بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾ حقیقت اس چیز کی آپ طاقت نہیں رکھتے تھے صبر کرنے کی۔ اب میں بتلاتا ہوں کہ میں نے کیوں کیا۔

پہلا واقعہ کشتی کے پھاڑنے کا تھا کہ کشتی سے تختہ نکالا لیکن خدا کی قدرت کہ پانی اندر نہیں آیا یہ ان کا معجزہ تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض بھی بجا تھا کہ ان لوگوں نے ہمیں مفت میں سوار کیا کشتی میں کافی سواریاں تھیں، مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان اور حیوانات بھی تھے آپ نے کشتی پھاڑ دی اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کشتی غرق ہوگی اس وقت خضر علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا لیکن یہ مشاہدہ ہوا کہ پانی کا ایک قطرہ بھی کشتی میں داخل نہیں ہوا جہاں تک کشتی جاتی تھی وہاں تک پہنچی اور اطمینان کے ساتھ سواریاں نیچے اُتر گئیں۔

اس کشتی کے متعلق خضر علیہ السلام فرماتے ہیں ﴿أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ﴾ بہرحال کشتی وہ تھی کچھ مسکینوں کی۔ دس افراد پر مشتمل ایک خاندان تھا ان کا ذریعہ معاش کشتی کی آمدنی تھی اس پر وہ اپنا گزارا کرتے تھے اور کوئی چیز ان کے پاس نہیں تھی ﴿يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ﴾ جو کام کرتے تھے سمندر میں۔ سواریوں کو ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک پہنچاتے تھے اور اس کے کرائے کے ساتھ اپنا وقت گزارتے تھے ﴿فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيبَهَا﴾ پس میں نے ارادہ کیا کہ اس کشتی کو عیب دار کر دوں۔ ایسا کیوں کیا؟ کہتے ہیں ﴿وَكَانَ وَرَاءَهُم مَّلِكٌ﴾ اور تھا ان کے آگے ایک بادشاہ قرطبہ کا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کا نام بتلاتے ہیں هُدَدُ بن بُدَدْ، اور عام تفسیروں والے اس کا نام جلندی بن کر کر بتلاتے ہیں۔

بادشاہ ہمیشہ رعایا کو پریشان کرتے ہیں؟

بڑا ظالم جابر قسم کا آدمی تھا جیسے حکمران ہوتے ہیں۔ ان کو کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے جب کسی کا جلسہ ہوتا ہے تو لوگوں کی گاڑیاں بسیں وغیرہ پکڑ لیتے ہیں دو چار دن بے چاروں کو تنگ کرتے ہیں، سواریاں اپنی جگہ پریشان ہوتی ہیں اور یہ اپنے نمبر بنانے کے لیے ظلم کرتے ہیں۔ کون سا ایسا ملک ہے جہاں ایسا نہیں ہوتا؟ کیا ہمارے ملک میں ایسا نہیں ہوتا بسیں وغیرہ نہیں پکڑی جاتیں، مسافر پریشان نہیں ہوتے؟ صرف ایک شخص کی ظالمانہ تقریر کے لیے یہ سب کچھ ہوتا ہے اس ظلم کا انجام یقیناً سامنے آئے گا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں ہے۔ اب اس حکومت نے ٹیکسوں کا نظام شروع کیا ہے اس کا نتیجہ بھی بہت بُرا نکلے گا۔ جو بھی آتا ہے معاذ اللہ تعالیٰ! وہ اپنے آپ کو سمجھتا ہے کہ خدا میں ہی ہوں۔ دن بہ دن تنگی آ رہی ہے غریب لوگ رو رہے ہیں یہ سارے ظالمانہ قانون ہیں۔

کل کے اخبار میں یہ پڑھ کر تھوڑی سی خوشی ہوئی ہے کہ تاجروں نے مطالبہ کیا ہے کہ پاکستان میں اسلامی شریعت نافذ کی جائے کیوں کہ اسلامی نظام میں ٹیکس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ اب پشاور میں تاجروں کی کانفرنس ہو رہی ہے خدا کرے جو تاجر سوئے ہوئے ہیں وہ بھی جاگ جائیں اور جیسے افغانستان میں طالبان حکومت میں اسلامی قانون نافذ ہے اور کوئی ٹیکس ویکس نہیں ہے حالاں کہ تمام ممالک سے غریب ملک افغانستان ہے لیکن وہ کسی ملک کا مقروض نہیں ہے کیوں کہ ٹیکس نہ لیتے ہیں اور نہ دیتے ہیں بھوکے مر رہے ہیں لیکن کسی ملک کا ان پر قرضہ نہیں ہے اور ہمیں امریکہ خبیث نے قرضوں کے بوجھ کے نیچے دبایا ہوا ہے

تاکہ یہ میرے شکنجے سے نکل نہ سکیں۔ یہ ظالمانہ ٹیکس شریعت کے خلاف ہیں اللہ کرے کہ تاجر اس بات پر ڈٹے رہیں کہ اس ملک میں شریعت نافذ ہو۔ ٹیکسوں سے ان کی جان چھوٹ جائے۔

تو وہ جو بادشاہ تھا ھُدَدْ بن بُدَدْ یا جلندی بن کرکر بڑا ظالم تھا اس کے کارندے ساحل پر گھومتے رہتے تھے جو کشتی صحیح ہوتی تھی اس کو پکڑ لیتے تھے بیگار کے طور پر، کسی کو مہینہ کسی کو دو مہینے اپنے سرکاری کاموں پر لگا لیتے تھے اور مالک بے چارے دیکھتے رہتے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے اس کشتی کو اس لیے عیب ناک کیا کہ کارندے دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اس کو کون ٹھیک کرے گا اس کو نہیں لیتے اور یہ لوگ ایک آدھ دن میں تختہ لگا کر اپنا کام چلالیں گے چھ ماہ کی بیگار سے بچی رہے گی تو میں نے پھاڑ کر ان کی ہمدردی کی ہے تاکہ ان کا کام چلتا رہے۔ فرمایا آگے ان کا ایک بادشاہ تھا ﴿یَّاْخُذُ كُلَّ سَفِیْنَةٍ غَصْبًا﴾ پکڑ لیتا تھا ہر صحیح سالم کشتی چھین کر۔ عوام سے ظالمانہ طور پر تو میں نے ان کے ساتھ دشمنی نہیں کی بلکہ ہمدردی کی ہے تاکہ ان کی کشتی بچی رہے اور ان مسکینوں کا کام چلتا رہے۔

﴿وَ اَمَّا الْغُلٰمُ﴾ اور بہر حال وہ بچہ ﴿فَكَانَ﴾ پس تھے ﴿اَبَوٰهُ﴾ اس کے ماں باپ دونوں ﴿مُؤْمِنَیْنِ﴾ مومن ﴿فَخَشِیْنَاۤ﴾ پس ہمیں خوف ہوا ﴿اَنْ یُّرْهِقَهُمَا﴾ کہ یہ بچہ چھا جائے گا ان دونوں پر ﴿طُغْیَانًا﴾ سرکشی میں ﴿وَّ كُفْرًا﴾ اور کفر میں ﴿فَاَرَدْنَاۤ﴾ پس ہم نے ارادہ کیا ﴿اَنْ یُّبْدِلَهُمَا﴾ یہ کہ بدل دے ان دونوں کے لیے ﴿رَبُّهُمَا﴾ ان دونوں کا رب ﴿خَیْرًا مِّنْهُ﴾ بہتر اس سے ﴿زَكٰوةً﴾ پاکیزگی میں ﴿وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا﴾ اور زیادہ قریب شفقت میں ﴿وَ اَمَّا الْجِدَارُ﴾ اور بہر حال دیوار ﴿فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ﴾ پس وہ تھی دو بچوں کی ﴿یَتِیْمَیْنِ﴾ جو یتیم تھے ﴿فِی الْمَدِیْنَةِ﴾ شہر میں ﴿وَ كَانَ تَحْتَهٗ﴾ اور تھا اس دیوار کے نیچے ﴿كَنْزٌ لَّهُمَا﴾ ان دونوں کا خزانہ ﴿وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا﴾ اور تھا ان دونوں کا باپ نیک ﴿فَاَرَادَ رَبُّكَ﴾ پس ارادہ کیا آپ کے رب نے ﴿اَنْ یَّبْلُغَاۤ﴾ کہ پہنچیں وہ دونوں ﴿اَشُدَّهُمَا﴾ اپنی جوانی کو ﴿وَ یَسْتَخْرِجَا﴾ اور نکالیں وہ دونوں ﴿كَنْزَهُمَا﴾ اپنے خزانے کو ﴿رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ یہ سب مہربانی ہے آپ کے رب کی طرف سے ﴿وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ﴾ اور نہیں کی میں نے یہ کارروائی اپنی رائے سے ﴿ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ﴾ یہ حقیقت ہے ﴿مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا﴾ اس چیز کی کہ نہیں رکھتے تھے آپ طاقت اس پر صبر کرنے کی۔

خضر علیہ السلام کا اصل نام :

تفصیل کے ساتھ سن چکے ہو کہ خضر علیہ السلام جن کا نام بلیا بن ملکان علیہ السلام تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں پیدا ہو

اور ذوالقرنین کے وزیر اعظم تھے جمہور مفسرین کرام اور محدثین عظام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ وہ پیغمبر تھے اور اب بھی زندہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام ان سے کچھ تکوینی چیزیں سیکھنے کے لیے مجمع البحرین کے مقام پر ان کی خدمت میں پہنچے جہاں دجلہ اور فرات دونوں ملتے ہیں۔ کشتی پر سوار ہوئے تو خضر علیہ السلام نے اس کا ایک تختہ پھاڑ دیا حالاں کہ انھوں نے مفت میں سوار کیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کیا کہ ان لوگوں نے ہمارے ساتھ ہمدردی کی بغیر کرائے کے سوار کیا اور آپ نے ان کی کشتی پھاڑ دی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ساری سواریاں غرق ہو جائیں گی۔ فرمایا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ کی اور میری مناسبت نہیں ہے۔

جس وقت کشتی سے اُترے اندلس کا جزیرہ تھا ساحل پر بچے کھیل رہے تھے ایک نابالغ بچہ جس کا نام جیسور تھا اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے ہاتھ ڈالا اور کھوپڑی اُتار کر پھینک دی جان نہ نکلی تو اس کو پاؤں سے پکڑ کر زمین پر دے مارا جس طرح دھوبی کپڑے کو اٹھا کر مارتے ہیں پھر بھی جان نہ نکلی تو چھری لے کر اس کا گلہ کاٹ دیا۔ اب اس کارروائی پر موسیٰ علیہ السلام کس طرح خاموش رہ سکتے تھے پھر سوال کر دیا کہ آپ نے یہ بڑا غلط کام کیا ہے۔ آگے چلے مصر کے علاقہ میں انطاکیہ شہر پہنچے تو بھوک لگی ہوئی تھی کھانا طلب کیا تو انھوں نے کھانا دینے سے انکار کر دیا کہ تم صحت مند آدمی ہو اندھے نہیں لولے لنگڑے نہیں کیوں مانگتے ہو؟ کماؤ اور کھاؤ۔ وہاں ایک دیوار گر رہی تھی خضر علیہ السلام نے اس کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ بے مروت لوگ جنھوں نے ہمارا شرعی حق ادا نہیں کیا۔ حدیث پاک میں آتا ہے: مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمِ الضَّيْفَ "جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنی حیثیت کے مطابق مہمان کی خدمت کرے۔" یہ مہمان نوازی ایمان کا حصہ ہے تو انھوں نے کوئی ایمان کا ثبوت نہیں دیا آپ نے ان بے مروتوں کے ساتھ نیکی کی ہے۔

خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے پہلے دن ہی کہہ دیا تھا کہ میری اور آپ کی کوئی مناسبت نہیں ہے۔ کل کے درس میں تم سن چکے ہو کہ خضر علیہ السلام نے کشتی پھاڑنے کی وضاحت فرمائی کہ قرطبہ کا بادشاہ بڑا جابر اور ظالم ہے اس کے کارندے صحیح سالم کشتیاں بیگار کے طور پر پکڑ لیتے ہیں اور دو مہینہ تین مہینے چھ چھ ماہ تک واپس نہیں کرتے اور کرایہ بھی نہیں دیتے۔ جیسے ہمارے حکمران الیکشن کے موقع پر یا کسی بڑے کے جلسے کے موقع پر ویگنیں بسیں پکڑ لیتے ہیں۔ تو میں نے کشتی کو عیب ناک کر دیا تاکہ اس کے کارندے عیب دار سمجھ کر پکڑیں گے نہیں اور یہ ایک آدھ دن میں ٹھیک کر کے اپنا کام چلاتے رہیں گے اور جب وہ موسم نکل جائے گا تو پھر اس کے کارندے نہیں آئیں گے۔

باقی رہا بچے کا مسئلہ؟ تو فرمایا ﴿وَ اَمَّا الْغُلٰمُ﴾ اور بہر حال وہ بچہ جس کا نام جیسور تھا والد کا نام کازیر اور اس کی والدہ کا نام سہوی تھا۔ کازیر رحمۃ اللہ علیہ بڑے نیک تھے سہوی بھی بڑی نیک عورت تھیں دونوں مومن تھے۔ مسلم شریف میں روایت ہے یہ بچہ طُبِعَ كَافِرًا پیدائشی طور پر کافر تھا۔ ویسے ضابطہ یہ ہے کہ ہر بچہ صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ "کہ ہر بچہ صحیح فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔" اسی لیے کافروں کے بچوں کے متعلق اختلاف کرتے ہیں کہ آیا جنتی ہیں یا جہنمی؟ اور صحیح بات یہ ہے کہ کافروں کے جو نابالغ بچے فوت ہوئے ہیں وہ جنتی ہیں اَطْفَالُ اَهْلِ الْمُشْرِكِيْنَ

خَدَمُ اَهْلِ الْجَنَّةِ. صحیح حدیث ہے کہ کافروں کے جو نابالغ بچے فوت ہوئے ہیں وہ جنتیوں کی خدمت کریں گے۔ کیوں کہ نابالغ پر کوئی حکم لاگو نہیں ہوتا اور صحیح فطرت ان میں موجود ہے فَاَبَوٰهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ. ماں باپ یہودی ہیں تو بچے کو یہودی بنا دیتے ہیں، عیسائی ہیں تو عیسائی بنا دیتے ہیں، مجوسی ہیں تو مجوسی بنا دیتے ہیں۔ بچہ فطرتاً موحد پیدا ہوتا ہے لیکن یہ بچہ فطرتاً کافر تھا اور بڑا خوب صورت تھا ماں باپ کو اس سے بڑی محبت تھی۔

تو فرمایا بہر حال وہ بچہ جو مارا گیا ﴿فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ﴾ پس تھے اس کے ماں باپ دونوں مومن ﴿فَخَشِيْنَآ﴾ پس ہم نے خوف کیا ﴿اَنْ يُّرْهِقَهُمَا﴾ کہ وہ بچہ چھا جائے گا ماں باپ دونوں پر ﴿طُغْيَانًا﴾ سرکشی میں ﴿وَّكُفْرًا﴾ اور کفر میں۔ خود تو کافر ہے ان کو بھی کافر بنائے گا اس لیے راستے سے پتھر کو ہٹانا تھا تا کہ ماں باپ کا ایمان بچ جائے۔ ﴿فَاَرَدْنَآ﴾ پس ہم نے ارادہ کیا ﴿اَنْ يُّبْدِلَهُمَا﴾ یہ کہ بدلہ دے ان دونوں کے لیے ﴿رَبُّهُمَا﴾ ان دونوں کا رب ﴿خَيْرًا مِّنْهُ﴾ اس سے بہتر بچہ ﴿زَكٰوةً﴾ پاکیزگی میں اور ستھرا ہونے میں ﴿وَّاَقْرَبَ رُحْمًا﴾ اور زیادہ قریب شفقت میں۔

تمام تفسیروں میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک لڑکی عطا فرمائی جس کا نکاح ایک پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ ہوا اور اس کی اولاد در اولاد سے ستر (۷۰) پیغمبر پیدا ہوئے۔ تو بچے کو قتل کرنے کی وجہ بیان فرمائی کہ یہ بچہ فطرتاً کافر تھا اور خطرہ تھا کہ اس کے ماں باپ اس کی محبت کی وجہ سے کافر نہ ہو جائیں یہ ان کو کافر نہ بنا دے اس لیے اس پتھر کو راستے سے ہٹایا۔ یہ رب تعالیٰ نے مجھے بتایا ﴿وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ﴾ یہ کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔ ﴿وَاَمَّا الْجِدَارُ﴾ اور بہر حال دیوار جو میں نے صحیح کی ہے ﴿فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ﴾ پس وہ تھی دو لڑکوں کی جو یتیم تھے ﴿فِي الْمَدِيْنَةِ﴾ شہر میں ﴿وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا﴾ اور تھا اس دیوار کے نیچے ان دونوں کا خزانہ ﴿وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا﴾ اور تھا ان دونوں کا باپ نیک۔ اس نیک والد کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کے خزانے کی حفاظت فرمائی۔ اگر وہ دیوار گر جاتی تو بچے ابھی ناسمجھ تھے لوگ ان کا خزانہ لے جاتے۔ دیوار میں نے اس لیے ٹھیک کی ہے کہ جب بالغ اور جوان ہوں گے اور مکان بنانا شروع کریں گے تو اپنا خزانہ نکال لیں گے۔ ایک بچے کا نام اَصْرَمْ تھا صاد کے ساتھ، دوسرے کا نام صَرِیْم تھا باپ کا نام کاشح تھا اور والدہ کا نام دنیا تھا رحمہا اللہ۔ یہ سارا نیک خاندان تھا ﴿فَاَرَادَ رَبُّكَ﴾ پس ارادہ کیا آپ کے رب نے ﴿اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا﴾ کہ پہنچیں وہ دونوں بچے اپنی جوانی کو ﴿وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا﴾ اور نکالیں وہ دونوں اپنے خزانے کو۔ یہاں ایک بات سمجھ لیں وہ یہ کہ بچے کے قتل کرنے کے موقع پر فرمایا ﴿فَاَرَدْنَآ﴾ ہم نے ارادہ کیا جمع کا صیغہ ہے۔ اور بچوں کے خزانے کے تحفظ کے موقع پر فرمایا ﴿فَاَرَادَ رَبُّكَ﴾ پس ارادہ کیا آپ کے رب نے۔ اور کشتی پھاڑنے کے بارے میں فرمایا ﴿فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا﴾ پس میں نے ارادہ کیا کہ اس کو عیب ناک بناؤں۔ یہ تَفَنُّن کیوں ہے؟ تو مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے عالم اسباب میں بندے کو اختیار دیا ہے اور ظاہراً اس کا کرنا اچھا بھی نہیں ہے تو اس مقام پر ﴿فَاَرَدْتُّ﴾ کہا نسبت اپنی طرف کی ہے پس میں نے ارادہ کیا اور جو کام بندہ تنہا نہیں کر سکتا کہ بچے کا قتل کرنا تنہا بندے کا کام نہیں ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ روح نہ نکالے اس لیے وہاں اَرَدْنَا کہا کہ میرا ارادہ تو یہ ہوا

اور رب تعالیٰ نے اس کی جان نکالی یعنی بظاہر میں نے مارا ہے لیکن حقیقتاً اللہ تعالیٰ نے مارا ہے۔ اور جس چیز میں خیر ہی خیر تھی اس کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف فرمائی ﴿فَاَرَادَ رَبُّكَ﴾ آپ کے رب نے ارادہ کیا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں۔

خضر علیہ السلام کے تین واقعات کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کی مماثلت

یہ تین عجیب قسم کے واقعات پیش آئے خضر علیہ السلام نے فرمایا ﴿رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ یہ سب مہربانی ہے آپ کے رب کی طرف سے ﴿وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ﴾ اور نہیں کی میں نے یہ کارروائی اپنی رائے اور اپنی مرضی سے۔ رب نے کروایا ہے تو میں نے کیا ہے۔ ان کے نبی ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کیوں کہ ولی معصوم نہیں ہوتا اور اس کا کشف اور الہام قطعی نہیں ہوتا کہ اپنے الہام کی وجہ سے کسی کو قتل کر دے یا خواب کی وجہ سے کسی کو قتل کر دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں حکم دیا بچے کو ذبح کرنے کا تو انھوں نے گردن پر چھری رکھ کر اپنی طرف سے ذبح کر دیا کیوں کہ معصوم پیغمبر تھے ان کا خواب حجت تھا۔ یہ جو تین واقعات ہیں ان کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ساتھ بھی تعلق ہے بلکہ ان واقعات کے ساتھ ملتے جلتے واقعات خود موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش آئے ان پر تعجب نہیں کیا اور ان پر اعتراض کیا۔

پہلا واقعہ کہ فرعون جس کا نام ولید ابن مصعب تھا کو نجومیوں نے بتلایا کہ دو تین سال میں بنی اسرائیل کے گھروں میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری حکومت کے زوال کا سبب بنے گا۔ فرعون نے مرد عورتوں کی سپیشل پولیس بھرتی کی اور بنی اسرائیلیوں کے گھروں پر پہرے بٹھا دیئے۔ جو بچہ پیدا ہوتا اس کو قتل کر دیا جاتا۔ بقول شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ ہزار بچہ قتل ہوا اور جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ کو الہام کیا سورۃ القصص آیت نمبر ۷ میں ہے ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ﴾ "اور وحی بھیجی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف کہ اس بچے کو دودھ پلاتی رہو پھر جب تم خوف کھاؤ اس پر تو ڈال دو اس کو بحر قلزم میں اور نہ خوف کھاؤ اور نہ غمگین ہونا۔" تو انھوں نے صندوق میں رکھ کر سمندر میں ڈال دیا۔ نہ کشتی ہے اور نہ کوئی ملاح ہے رب تعالیٰ نے اس صندوق کو محفوظ رکھا فرعون کے مچھیرے یا دھوبی اٹھا کر لے گئے۔ پہلے سوچا کہ اس بچے کے بارے میں کیا کریں؟

فرعون کی بیوی حضرت آسیہ بڑی سخت تھیں انھوں نے کہا ﴿لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ "اس کو قتل مت کرو شاید کہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔" قتل نہ کرنے کا فیصلہ ہو گیا موسیٰ علیہ السلام نے کسی دائی کا دودھ نہ پیا اپنی والدہ کا دودھ پیا۔ فرعون نے کہا بی بی! یہاں رہو تمہیں رہائش ملے گی وظیفہ ملے گا خوراک کا انتظام ہوگا۔ اس نے کہا میرے گھر بچے ہیں میں یہاں نہیں رہ سکتی وہ موسیٰ علیہ السلام کو گھر لے گئیں وظیفہ گھر ہی ملتا تھا۔ تو موسیٰ علیہ السلام صندوق میں زندہ رہے جو بحر قلزم میں ڈالا گیا نہ کشتی نہ ملاح ہے اس پر کوئی تعجب نہیں کیا۔

دوسرا واقعہ کہ دوپہر کے وقت جا رہے تھے سورۃ القصص آیت نمبر ۱۵ میں ہے دو آدمی جھگڑ رہے تھے ایک کا نام قاب

تھا جو فرعون کے باورچی خانے کا افسر تھا وہ بازار سے سودا خریدتا اور کسی آدمی کو پکڑ لیتا کہ یہ سودا فرعون کے باورچی خانے میں پہنچاؤ۔ مزدوری نہیں دیتا تھا لوگ فرعون کے ظلم سے ڈرتے تھے وہاں پہنچا آتے تھے۔ ایک مزدور اَڑ گیا اور کہا کہ تمھیں وہاں سے سرکاری طور پر پیسے ملتے ہیں قلی کے لیے وہ تم جیب میں ڈالتے ہو اور لوگوں پر ظلم کرتے ہو اور زبردستی بیگار لیتے ہو اور دوسری بات یہ ہے یہ گٹھڑی بھاری ہے مجھ سے نہیں اٹھائی جاتی۔ اس نے جب اس کے سارے کرتوت ظاہر کر دیئے تو اس کو غصہ آیا اور اس کے ساتھ اُلجھ پڑا حضرت موسیٰ علیہ السلام پاس سے گزر رہے تھے مزدور نے آواز دے کر کہا کہ اس کا اور میرا یہ جھگڑا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ ٹھیک کہہ رہا ہے کہ تجھے سرکاری خزانے سے قلی کے پیسے ملتے ہیں اس کو دو اور ساتھ لے جاؤ۔ وہ کہنے لگا آپ کے پیٹ کے لیے تو میں انتظام کرتا ہوں آپ بھی تو وہاں سے کھانا کھاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے علم نہیں تھا کہ اتنے ظالمانہ طریقے سے تو کھانا پکا کر مجھے دیتا ہے اور تنبیہ کے طور پر اسے مکا مارا وہ ڈھیر ہو گیا۔ تو خود مکا مارا تو کوئی تعجب نہ کیا اور خضر علیہ السلام کے بچہ مارنے پر تعجب کیا۔

تیسرا واقعہ بھی سورۃ قصص میں ہے کہ جب مصر سے مدین پہنچے تو باہر کنواں تھا اس سے سارے لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے، دو بچیاں اپنی بکریوں کو روک کر پیچھے کھڑی تھیں بیری کا درخت تھا موسیٰ علیہ السلام اس کے نیچے بیٹھ کر دیکھ رہے تھے کہ ان عورتوں کی بکریاں آگے جاتی ہیں تو وہ ان کو پیچھے ہٹاتی ہیں۔ پوچھا کیا بات ہے؟ انھوں نے کہا ﴿ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴾ [قصص:۲۳] "ہمارا باپ (حضرت شعیب علیہ السلام) بہت بوڑھا ہے۔" وہ خود کچھ نہیں کر سکتے اور ہمارا بھائی بھی کوئی نہیں ہے یہ بکریاں اپنی گزر اوقات کے لیے رکھی ہوئی ہیں۔ یہ سارے لوگ جب اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جاتے ہیں تو بچا ہوا پانی ہم اپنے جانوروں کو پلاتی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلوان تو تھے ہی وہ تو مکے سے ہی معلوم ہو گیا کہ ایک مکا مارا اور بندہ ڈھیر ہو گیا کنویں سے پانی نکال کر پلایا اور فرمایا تم جاؤ۔ جب وہ وقت سے پہلے گھر آ گئیں والدین نے پوچھا کہ تم نے بھیڑ بکریوں کو پانی نہیں پلایا؟ جواب دیا پلایا ہے۔ وقت سے پہلے آ گئی ہو؟ انھوں نے بتلایا کہ ایک آدمی نے اس طرح ہمارے ساتھ ہمدردی کی ہے اور پانی پلا دیا ہے۔ تو خود مفت پانی پلا دیا اس پر تعجب نہیں کیا اور خضر علیہ السلام نے دیوار مفت میں سیدھی کی تو تعجب کیا اور اعتراض کیا۔ (حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ان واقعات کا موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ساتھ بھی تعلق ہے۔)

تو خضر علیہ السلام نے فرمایا یہ جو کچھ ہوا ہے آپ کے رب کی رحمت سے ہوا ہے ﴿ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ﴾ اور نہیں کی میں نے یہ کارروائی اپنے ارادے اور مرضی سے ﴿ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ ﴾ یہ مآل اور حقیقت ہے ﴿ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴾ اس چیز کی کہ آپ طاقت نہیں رکھتے تھے اس پر صبر کرنے کی۔ اور میں نے پہلے کہا تھا کہ تم مجھ سے نہ پوچھنا میں خود بیان کروں گا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کاش موسیٰ علیہ السلام کچھ اور خاموش رہتے تو ایسے عجیب وغریب واقعات اور ہمارے علم میں آتے مگر صرف تین واقعات آئے اور آگے موسیٰ علیہ السلام صبر نہیں کر سکے۔

﴿وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ﴾ اور لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں ﴿عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ﴾ ذوالقرنین کے بارے میں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿سَاَتْلُوْا عَلَیْكُمْ﴾ بہ تاکید میں پڑھ کر سناتا ہوں تمھیں ﴿مِّنْهُ﴾ اس کا ﴿ذِكْرًا﴾ ذکر ﴿اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ﴾ بے شک ہم نے قدرت دی اس کو ﴿فِی الْاَرْضِ﴾ زمین میں ﴿وَ اٰتَیْنٰهُ﴾ اور ہم نے دیا اس کو ﴿مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا﴾ ہر قسم کا سامان ﴿فَاَتْبَعَ سَبَبًا﴾ پس وہ پیچھے لگا سامان کے ﴿حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ﴾ یہاں تک کہ جب وہ پہنچا ﴿مَغْرِبَ الشَّمْسِ﴾ سورج کے غروب ہونے کی جگہ ﴿وَجَدَهَا﴾ پایا اس نے سورج کو ﴿تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ﴾ غروب ہو رہا ہے ایسے چشمے میں ﴿حَمِئَةٍ﴾ جو سیاہی مائل ہے ﴿وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا﴾ اور اس نے پایا اس کے پاس ایک قوم کو ﴿قُلْنَا﴾ ہم نے کہا ﴿یٰذَا الْقَرْنَیْنِ﴾ اے ذوالقرنین ﴿اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ﴾ یا آپ ان کو خود سزا دیں ﴿وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا﴾ اور یا یہ کہ آپ بنائیں ان کے ساتھ اچھا سلوک ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿اَمَّا مَنْ ظَلَمَ﴾ بہرحال جس نے ظلم کیا ﴿فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ﴾ پس عنقریب ہم اس کو سزا دیں گے ﴿ثُمَّ یُرَدُّ﴾ پھر لوٹایا جائے گا ﴿اِلٰى رَبِّهٖ﴾ اپنے رب کی طرف ﴿فَیُعَذِّبُهٗ﴾ پس وہ اس کو سزا دے گا ﴿عَذَابًا نُّكْرًا﴾ نرالی سزا ﴿وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ﴾ اور بہرحال جو ایمان لایا ﴿وَ عَمِلَ صَالِحًا﴾ اور عمل کیا اچھا ﴿فَلَهٗ جَزَآءَ اِ۟لْحُسْنٰى﴾ پس اس کے لیے بدلہ ہوگا اچھائی کا ﴿وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ﴾ اور بہ تاکید ہم اس کو کہیں گے ﴿مِنْ اَمْرِنَا یُسْرًا﴾ اپنے معاملے میں آسانی کی بات ﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا﴾ پھر پیچھے لگا سامان کے ﴿حَتّٰۤى﴾ یہاں تک کہ ﴿اِذَا بَلَغَ﴾ جب پہنچا ﴿مَطْلِعَ الشَّمْسِ﴾ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ ﴿وَجَدَهَا﴾ پایا اس کو ﴿تَطْلُعُ﴾ کہ سورج طلوع کر رہا ہے ﴿عَلٰى قَوْمٍ﴾ ایسی قوم پر ﴿لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ﴾ ہم نے نہیں بنایا ان کے لیے ﴿مِّنْ دُوْنِهَا﴾ سورج کے سامنے ﴿سِتْرًا﴾ کوئی پردہ ﴿كَذٰلِكَ﴾ یہ اسی طرح ہوا ﴿وَ قَدْ اَحَطْنَا﴾ اور تحقیق ہم احاطہ کیے ہوئے ہیں ﴿بِمَا لَدَیْهِ﴾ جو اس کے پاس تھی ﴿خُبْرًا﴾ خبر۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو وہاں یہود کا غلبہ تھا۔ تجارت زراعت پر ان کا کنٹرول تھا، قلعے تھے، زمینیں، باغات ان کے پاس تھے مدرسے کالج ان کے تھے ان چیزوں پر ان کو بڑا گھمنڈ اور غرور تھا علمی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھیڑنا اور تنگ کرنا ان کا کام تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کوئی بات پوچھتے کبھی کوئی بات پوچھتے۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ کسی طرح جواب سے عاجز آ جائیں اور لوگ ان سے بدظن ہو جائیں۔ ایک موقع پر انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوال کیے کہ ہمیں یہ بتلاؤ روح کی حقیقت کیا ہے؟ جان دار چیزوں میں جب تک روح ہوتی ہے وہ زندہ ہوتی

ہیں اور جب روح نکل گئی تو مر جاتی ہیں۔ یہ روح کیا ہے؟

اور دوسری چیز یہ بتلاؤ کہ اصحاب کہف کا کیا واقعہ ہے؟ یہ کون لوگ تھے، کہاں رہتے تھے، ان کا کارنامہ کیا ہے؟ اور تیسری بات یہ بتلاؤ کہ ذوالقرنین کون تھا اور اس کا قصہ کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کل بتلاؤں گا اور زبان مبارک سے ان شاء اللہ نہ کہہ سکے۔ رب، رب ہے وہ کسی کا پابند نہیں ہے چاہے کتنی بڑی شخصیت کیوں نہ ہو۔ کل کا دن آیا وحی نہ آئی۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے فَتَأَخَّرَ الْوَحْيُ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا "پندرہ دن وحی موخر ہوگئی۔" یہودیوں کو موقع مل گیا بغلیں بجانے کا آپ کے خلاف تشہیر کرتے کہ معلوم نہیں ان کا کل کب آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی ﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا﴾ [کہف: ۲۳] "اور آپ کبھی نہ کہنا کسی شے کے بارے میں کہ میں کرنے والا ہوں اس کو کل ﴿إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ﴾ مگر یہ کہ اللہ چاہے۔" یعنی ساتھ ان شاء اللہ ضرور کہیں پھر ان سوالات کے جواب دیئے۔ روح کے متعلق اور اصحاب کہف کا واقعہ تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے۔

ذوالقرنین کا واقعہ

اب ذوالقرنین کے متعلق فرمایا ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَن ذِي الْقَرْنَيْنِ﴾ اور لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں ذوالقرنین کے بارے میں کہ یہ کون بزرگ تھے اور ان کے کارنامے کیا ہیں؟ تاریخ اور تفسیر کی کتابوں میں بہت کچھ لکھا ہے۔ ان کا نام سکندر اور والد کا نام فیلقوس عِیْنَا اللّٰہ تھا یونان کے شہر مقدونیہ کے باشندے تھے۔ جمہور یہی فرماتے ہیں کہ پیغمبر نہیں تھے۔ ابوداؤد شریف اور حدیث کی دیگر کتابوں میں بھی یہ حدیث آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لَا أَدْرِيْ أَذِي الْقَرْنَيْنِ نَبِيٌّ كَانَ أَمْ لَا "میں نہیں جانتا کہ ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں تھے۔" اور تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ نیک دل مومن بادشاہ تھے نبی نہیں تھے۔ ان کو ذوالقرنین اس لیے کہا جاتا ہے کہ قرن کے معنیٰ کنارے کے ہیں اور یہ زمین کے دونوں کناروں تک پہنچے ہیں۔ پہلے مغرب تک پھر مشرق تک۔ ان دونوں سفروں کا ذکر ان آیات میں ہے تیسرے سفر کا ذکر آگے آئے گا۔

تو ذوالقرنین یعنی زمین کے مشرقی اور مغربی کنارے تک پہنچنے والے، پوری دنیا پر ان کی حکومت تھی ان کے دور میں اور کوئی بادشاہ نہیں تھا اور ان کا دور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریب قریب ہے۔ اور تفسیروں میں آتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام ان کے وزیر اعظم تھے اسی مناسبت سے خضر علیہ السلام کے واقعے کے بعد ان کا ذکر آرہا ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ صاحبِ علم اور صاحبِ عمل بھی تھے رب نے ان کو دونوں حصے عطا فرمائے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جذبہ جہاد بھی عطا فرمایا تھا۔ کافروں کے خلاف جہاد بھی مذکور ہے۔

تو فرمایا یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿سَأَتْلُوا عَلَيْكُم﴾ بہ تاکید میں تلاوت کرتا ہوں پڑھ کر سناتا ہوں تمھیں ﴿مِّنْهُ﴾ اس ذوالقرنین کا ﴿ذِكْرًا﴾ کچھ تھوڑا سا ذکر۔ پوری تفصیل تو

رب تعالیٰ جانتا ہے اور ساری تفصیل بتانے کی ضرورت بھی نہیں ہے اختصار کے ساتھ جو رب تعالیٰ نے مجھے بتلایا ہے وہ میں تمھیں پڑھ کر سناتا ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ﴾ ہم نے قدرت دی طاقت دی زمین میں ذوالقرنین رحمہ اللہ تعالیٰ کو ﴿وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا﴾ اور ہم نے دیا اس کو ہر قسم کا سامان اس دور میں جو ان کی شان کے لائق تھا جو چیزیں بادشاہوں کی ضرورت ہوتی ہیں وہ سب ہم نے ان کو دیں۔ اس کی حکومت ساری دنیا پر تھی۔ اس نے ارادہ کیا کہ میں لوگوں کے ساتھ براہ راست ملاقات کر کے ان کی ضروریات معلوم کروں۔ خلیفہ راشد کے فریضہ میں یہ بات داخل ہے کہ وہ لوگوں کے حالات سے بے خبر نہ رہے یہ تو ٹھیک ہے کہ وہ خود تو ہر جگہ نہیں جا سکتا لیکن اپنے نمائندے اور کارندے بھیج کر حالات سے آگاہی حاصل کرتا رہے تا کہ لوگوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو اور لوگوں کے مال، جان، عزت کی طرف کوئی ٹیڑھی اور ترچھی نگاہ سے نہ دیکھے۔

تو انھوں نے سفر کا ارادہ کیا ﴿فَاَتْبَعَ سَبَبًا﴾ پس وہ پیچھے لگا سامان کے جو سفر کے لیے ضروری تھا وہ اس نے مہیا کیا ﴿حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ﴾ یہاں تک کہ جب وہ پہنچا سورج کے غروب ہونے کی جگہ پر یعنی زمین ختم ہو جاتی ہے اور آگے سمندر ہی سمندر ہے ﴿وَجَدَهَا﴾ پایا اس نے سورج کو ﴿تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ﴾ غروب ہو رہا ہے ایسے چشمے میں جو سیاہی مائل ہے۔ سورج کسی چشمے میں نہیں ڈوبتا لیکن پانی گہرا تھا اس طرح محسوس ہوا کہ اس میں غروب ہو رہا ہے۔ جن لوگوں نے بحری سفر کیا ہے انھوں نے دیکھا ہو گا کہ جب سورج غروب ہوتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ سمندر میں غروب ہو رہا ہے حالاں کہ سورج زمین سے کئی گنا بڑا ہے سمندر تو اس کا ایک حصہ ہے۔ زمین کے سو حصوں میں سے اکہتر حصے زیر آب ہیں انتیس (۲۹) حصے خشک ہیں جن پر مختلف حکومتیں ہیں۔

تو ایسے محسوس ہوا کہ سیاہ چشمے میں غروب ہو رہا ہے ﴿وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا﴾ اور اس نے پایا اس کے پاس ایک قوم کو ﴿قُلْنَا﴾ ہم نے کہا ﴿يٰذَا الْقَرْنَيْنِ﴾ اے ذوالقرنین! کچھ حضرات جو ذوالقرنین رحمۃ اللہ علیہ کے نبی ہونے کے قائل ہیں ان کے دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے ﴿قُلْنَا﴾ ہم نے کہا۔ براہِ راست اللہ تعالیٰ پیغمبروں کے ساتھ خطاب کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ پیغمبر ہے۔ اور جمہور فرماتے ہیں کہ وہ نبی نہیں تھے اور ﴿قُلْنَا﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ اس وقت کے جو نبی تھے ان کے ذریعے رب نے ان کو حکم دیا یا کشف اور الہام کے ذریعے آگاہ کیا ہو گا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو کشف بھی ہوتا ہے اور الہام بھی ہوتا ہے۔ تو مطلب یہ بنے گا کہ ہم نے ان کو الہام کے ذریعے خبر دی اے ذوالقرنین! ﴿اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ﴾ یا آپ ان کو خود سزا دیں ﴿وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا﴾ اور یا یہ کہ آپ بنائیں ان کے ساتھ اچھا سلوک۔ آپ کو اختیار ہے کہ ان کو سزا دیں یا ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

تبلیغ کے متعلق ضابطہ:

ان لوگوں کی اکثریت کافر مشرک تھی اور ضابطہ یہ ہے کہ کافروں کو ایمان کی دعوت دی جائے اگر وہ قبول کر لیں تو بہت

اچھی بات ہے اگر قبول نہ کریں تو پھر ان کو کہو کہ جزیہ دیں اگر جزیہ دینے کے لیے تیار نہ ہوں تو پھر ان کے ساتھ لڑائی ہوگی۔اس وقت کفر کے ساتھ دنیا بھری پڑی ہے اکثر ممالک کافر ہیں مسلمان بھی کم نہیں ہیں چھپن (۵۶) ممالک مسلمانوں کے ہیں اور بہت سارے مادی اسباب مسلمانوں کے پاس ہیں۔مثلاً: تیل ہر قسم کا سونا چاندی، غلہ اناج، فروٹ وغیرہ بہت اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا ہے دنیا کی ہر نعمت ان کے پاس موجود ہے اگر نہیں ہے تو اتفاق نہیں ہے، ایمانی غیرت اور جذبہ نہیں ہے۔انھی کافر قوموں نے ان کے درمیان تفریق پیدا کی ہوئی ہے اگر یہ متفق ہو کر بات کریں تو اس کا اثر ہو مگر ان کے ذہن ایسے بنا دیئے گئے ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے پر اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔دشمن کے ایجنٹوں کے شکنجے میں آئے ہیں کہ صحیح بات بھی نہیں کرتے گونگے شیطان ہیں الا ماشاء اللہ۔

﴿قَالَ﴾ حضرت ذوالقرنین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ﴿اَمَّا مَنْ ظَلَمَ﴾ بہرحال جس نے ظلم کیا۔سب سے بڑا ظلم شرک ہے۔لقمان حکیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا اے بیٹے! ﴿لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ﴾ نہ شریک ٹھہرانا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ [لقمان:۱۳] "بے شک شرک البتہ بہت بڑا ظلم ہے۔" تو جس نے شرک کیا ﴿فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ﴾ عنقریب ہم اس کو سزا دیں گے جو ہم سے ہو سکی اور ظلم کی باقی اقسام بھی مراد ہیں، کسی انسان پر ظلم نہ کرے، کسی حیوان پر ظلم نہ کرے، کسی کا حق نہ کھائے، نہ دبائے اگر ایسا کرے گا تو ہم اس کو سزا دیں گے ﴿ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ﴾ پھر لوٹایا جائے گا اپنے رب کی طرف مرنے کے بعد ﴿فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا﴾ پس وہ اس کو سزا دے گا نرالی سزا۔عجیب قسم کی سزا جس کا آج تصور بھی نہیں کیا جا سکتا دنیا کی آگ میں لوہا پگھل جاتا ہے، پیتل، تانبا پگھل جاتا ہے، سب دھاتیں پگھل جاتی ہیں بعض پتھر جل کر خاک ہو جاتے ہیں اور دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا تیز ہے اگر اس میں مارنا مقصود ہو تو اس کا ایک شعلہ ہی کافی ہے لیکن ﴿لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ "دوزخی نہ مریں گے نہ جئیں گے۔" وہ سب مل جل کر جہنم کے انچارج فرشتے مالک علیہ السلام کو کہیں گے ﴿يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾ [زخرف:۷۷] "اے مالک علیہ السلام چاہیے کہ فیصلہ کر دے ہم پر تیرا رب۔" یعنی رب سے ہماری درخواست کرو کہ ہمیں مار کر ختم ہی کر دے۔حضرت مالک علیہ السلام کہیں گے تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نہیں آئے تھے کتابیں نہیں آئی تھیں ﴿فَادْعُوْا﴾ "اب تم پکارتے رہو ﴿وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾ [مومن:۵۰] اور نہیں ہے پکار کافروں کی مگر ناکامی میں۔" موت کی دعا بھی قبول نہیں ہوگی۔اور سورۃ زخرف آیت نمبر ۷۷ میں ہے ﴿قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ﴾ "مالک علیہ السلام کہیں گے بے شک تم رہنے والے ہو (اسی مقام پر)۔"

تو فرمایا رب تعالیٰ تمھیں عجیب قسم کا عذاب دے گا ﴿وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ﴾ اور جو ایمان لائے گا ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ اور عمل کرے گا اچھے ﴿فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى﴾ پس اس کے لیے بدلہ ہوگا اچھائی کا۔دنیا میں بھی راحت کی زندگی بسر کرے گا اور مرنے کے بعد قبر برزخ میں بھی اچھی زندگی ہوگی اور پھر آخرت کی زندگی تو آخرت کی زندگی ہوگی ﴿وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا﴾ اور بہ تاکید ہم اس کو کہیں گے اپنے معاملے میں آسانی کی بات۔ہم اس کے ساتھ نرمی کریں گے کوئی سختی نہیں کریں گے یہ پہلا سفر

ذوالقرنین رحمۃ اللہ علیہ کا مغرب کی سمت تھا۔

اب دوسرا سفر شروع ہو رہا ہے ﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا﴾ پھر پیچھے لگا سامان کے دوسرے سفر کے لیے انھوں نے سامان مہیا کیا۔ یہ سفر مشرق کی طرف تھا ﴿حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ﴾ یہاں تک کہ جب پہنچا سورج کے طلوع ہونے کی جگہ۔ مشرق اقصیٰ کا جو حصہ تھا ﴿وَجَدَهَا﴾ پایا اس نے سورج کو ﴿تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا﴾ کہ سورج طلوع کر رہا ہے ایسی قوم پر کہ ہم نے نہیں بنایا ان کے لیے سورج کے سامنے کوئی پردہ یعنی سورج اور ان کے درمیان کوئی پردہ نہیں تھا جانگلی قسم کے لوگ تھے کھلی جگہ رہتے تھے مکان اور چھپر وغیرہ نہیں بنائے ہوئے تھے نہ ان میں مکان وغیرہ بنانے کا سلیقہ تھا سردی گرمی اور بارش ہوتی تو پہاڑوں کی غاروں میں داخل ہو جاتے اور تفسیروں میں یہ بھی لکھا ہے کہ بالکل ننگے تھے جیسے پیدا ہوئے تھے حیوانوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کے پیغام لوگوں کو پہنچائے ہیں اور انسانیت سکھائی ہے کہ انسان انسان ہے حیوان نہیں ہے۔

﴿كَذٰلِكَ﴾ یہ معاملہ اسی طرح ہوا جس طرح ہم بتلاتے ہیں ﴿وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا﴾ اور تحقیق ہم احاطہ کیے ہوئے ہیں جو اس کے پاس تھی خبر۔ ذوالقرنین کی پوری خبروں کا احاطہ تو رب تعالیٰ کے پاس ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کی تفصیل کوئی نہیں جانتا۔ یہ موٹی موٹی باتیں بتلائی ہیں۔ پہلا سفر مغرب کا اور دوسرا سفر مشرق کا تھا۔ آگے تیسرے سفر کا ذکر آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا﴾ پھر وہ پیچھے پڑ گئے سامان کے ﴿حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ﴾ یہاں تک کہ جب وہ پہنچا ﴿بَيْنَ السَّدَّيْنِ﴾ پہاڑوں کے دو کناروں کے درمیان ﴿وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا﴾ پایا اس نے ان دونوں کے اس طرف ﴿قَوْمًا﴾ ایک قوم کو ﴿لَّا يَكَادُوْنَ﴾ نہیں قریب تھا ﴿يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا﴾ کہ وہ بات سمجھتے ﴿قَالُوْا﴾ انھوں نے کہا ﴿يٰذَا الْقَرْنَيْنِ﴾ اے ذوالقرنین ﴿اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ﴾ بے شک یاجوج اور ماجوج ﴿مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ فساد مچاتے ہیں زمین میں ﴿فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا﴾ پس کیا ہم بنائیں آپ کے لیے کوئی چندہ ﴿عَلٰۤی﴾ اس بات پر ﴿اَنْ تَجْعَلَ﴾ کہ آپ بنائیں ﴿بَيْنَنَا﴾ ہمارے درمیان ﴿وَبَيْنَهُمْ سَدًّا﴾ اور ان کے درمیان رکاوٹ ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ﴾ وہ چیز جس میں مجھے قدرت دی ہے ﴿رَبِّيْ﴾ میرے رب نے ﴿خَيْرٌ﴾ بہتر ہے ﴿فَاَعِيْنُوْنِيْ﴾ پس تم تعاون کرو میرے ساتھ ﴿بِقُوَّةٍ﴾ قوت کے ساتھ ﴿اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ﴾ تاکہ میں بنا دوں تمھارے درمیان ﴿وَبَيْنَهُمْ﴾ اور ان کے درمیان ﴿رَدْمًا﴾ دیوار ﴿اٰتُوْنِيْ﴾ لاؤ میرے پاس

﴿زُبَرَ الْحَدِيْدِ﴾ لوہے کی چادریں ﴿حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى﴾ یہاں تک کہ جب برابر کر دیا ﴿بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ﴾ دونوں کناروں کے درمیان ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿انْفُخُوْا﴾ پھونکو تم آگ کو ﴿حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا﴾ یہاں تک کہ جب کر دیا ان چادروں کو آگ کی طرح سرخ ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿اٰتُوْنِیْۤ﴾ لاؤ میرے پاس ﴿اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا﴾ ڈال دوں میں اس پر تانبا پگھلا ہوا ﴿فَمَا اسْطَاعُوْۤا﴾ پس نہ طاقت رکھی اُنھوں نے ﴿اَنْ يَّظْهَرُوْهُ﴾ یہ کہ اس پر چڑھ سکیں ﴿وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا﴾ اور نہ طاقت رکھی انھوں نے اس میں سوراخ کرنے کی ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ﴾ یہ رحمت ہے میرے رب کی طرف سے ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ﴾ پس جب آئے گا میرے رب کا وعدہ ﴿جَعَلَهٗ دَكَّآءَ﴾ کر دے گا اس کو ہموار ﴿وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا﴾ اور ہے میرے رب کا وعدہ سچا۔

یہ بات پہلے سے چلی آ رہی ہے کہ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوال کیے تھے۔ ایک روح کے متعلق، دوسرا اصحاب کہف کے متعلق۔ ان دونوں سوالوں کے متعلق تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ تیسرا سوال ذوالقرنین کے متعلق تھا کہ وہ کون تھا اور اس کے کارنامے کیا ہیں۔ اس کے متعلق بھی کافی بحث گذر چکی ہے کہ ان کا نام اسکندر اور ان کے والد کا نام فیلفوس تھا رحمہما اللہ۔ یونان کے شہر مقدونیہ کے باشندے تھے بڑے متقی اور پرہیز گار مومن اور اللہ تعالیٰ کے ولی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو پوری دنیا پر حکومت عطا فرمائی۔ پہلا سفر انھوں نے شہر مقدونیہ سے مغرب کی طرف اور دوسرا سفر مشرق کی طرف کیا۔ اب تیسرے سفر کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا﴾ پھر پیچھے پڑ گئے سامان کے۔ سفر کے لیے جو ضروری سامان تھا وہ انھوں نے مہیا کیا ﴿حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ﴾ یہاں تک کہ جب پہنچا دو پہاڑوں کے دو کناروں کے درمیان۔ سَدٌّ کا معنیٰ ہے پہاڑ کا کنارہ۔ بڑے اُونچے اُونچے پہاڑ تھے اس طرف بھی اور اُس طرف بھی اور ان پر برف جمی ہوئی تھی درمیان میں ایک درّہ تھا۔ درّے سے اس طرف رہنے والے سارے لوگ اکٹھے ہوئے کہ بادشاہ آیا ہے اس کے سامنے اپنی تکلیف رکھیں۔ چنانچہ انھوں نے نمائندوں کا انتخاب کیا جو بادشاہ کے آگے اپنی فریاد کریں کہ ہمیں یہ تکلیف ہے۔ تکلیف یہ تھی کہ پہاڑوں کی دوسری طرف جو لوگ تھے وہ بڑے لڑاکے، شرارتی اور ضدی تھے۔ درّے کے اندر آ کر قتل و غارت کرتے، لوٹ مار کرتے اور عورتیں اغواء کر کے لے جاتے جو ظالم قومیں کرتی ہیں وہ سب کچھ کرتے تھے۔ ان کے پاس اتنی طاقت نہیں تھی کہ ان کا مقابلہ کر سکتے اور درّے کو بند کرنے کی طاقت بھی نہیں تھی۔ اگر درّہ بند ہو جاتا تو وہ لوگ پہاڑوں کے اوپر سے نہیں آ سکتے تھے۔ کیوں کہ پہاڑ بہت بلند اور برفانی تھے یہ درّہ ہی ان کا راستہ تھا۔

تو اس طرف کے لوگوں نے ذوالقرنین رحمہ اللہ سے درخواست کی، اپیل کی اس کا ذکر ہے کہ جب وہ پہنچے دو پہاڑوں کے دو کناروں کے درمیان ﴿وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا﴾ پایا اس نے ان دونوں پہاڑوں کے اس طرف ایک قوم کو ﴿لَّا يَكَادُوْنَ

﴿يَفْقَهُونَ قَوْلًا﴾ نہیں قریب تھا کہ وہ بات سمجھتے۔ اِن کی بولی اور تھی اور اُن کی بولی اور تھی تو ایسی صورت میں ترجمان کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو ترجمان کے ذریعے ان لوگوں نے درخواست کی ﴿قَالُوا﴾ کہنے لگے ﴿يٰذَا الْقَرْنَيْنِ﴾ اے ذوالقرنین رحمۃ اللہ علیہ! ﴿اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ بے شک یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد مچاتے ہیں۔ اس درّے سے آکر قتل وغارت کرتے ہیں لوٹ مار اور عورتیں اغوا کر کے لے جاتے ہیں ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ آپ بادشاہ ہیں اس درّے کو بند کر دیں تو اِدھر آنے کا ان کے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے بلند اور برفانی پہاڑ ہیں ان کو وہ سر نہیں کر سکتے چوٹیوں پر برف جمی ہوئی ہے ان کے اوپر سے نہیں آسکتے۔ یاجوج ماجوج کے بارے میں تفسیروں میں بہت کچھ لکھا ہے۔

یاجوج ماجوج کی حقیقت ؟

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں اور حافظ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری میں، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ میں، یہ ان کی تاریخ کی کتاب ہے اور ان کے علاوہ دوسرے بزرگ لکھتے ہیں کہ یاجوج ماجوج یہی چینی، جاپانی، منگولیا اور روس میں رہنے والی خبیث قومیں ہیں۔ ان کی علامتیں بتلاتی ہیں کہ یہ وہی ہیں چہرے چوڑے، ناک چپٹے ہوئے، باغی ہوں گے۔ اس وقت دنیا میں جتنے آباد ملک ہیں ان میں سے چین پہلے نمبر پر ہے کہ اس کی آبادی ایک ارب چالیس کروڑ ہے۔ دوسرے نمبر پر ہندوستان ہے کہ اس کی آبادی ایک ارب کے قریب ہے جس میں تیس کروڑ کے قریب مسلمان ہیں۔ سب سے زیادہ مسلمان ہندوستان میں ہیں ہندوستان کے بعد انڈونیشیا کا نمبر ہے۔ اس میں مسلمان زیادہ ہیں عیسائی بھی تھے انھوں نے تھوڑا سا شور مچایا تو ان کے چچے امریکہ نے ان کو علیحدہ علاقہ لے کر دے دیا اور کشمیری باون سال سے رو رہے ہیں ان کی بات کوئی سننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ جب اپنی باری آتی ہے تو یہ کافر فوری طور پر انصاف کے نام پر سب کچھ کر لیتے ہیں اور بے چارے مسلمانوں کی بات کوئی نہیں سنتا۔ تو یہی قومیں یاجوج ماجوج ہیں۔

تو فرمایا یاجوج ماجوج زمین میں فساد مچاتے ہیں ﴿فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا﴾ پس کیا بنائیں ہم آپ کے لیے کوئی چندہ۔ ہم آپ کو چندہ اکٹھا کر کے دیں ﴿عَلٰٓى﴾ اس شرط پر ﴿اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا﴾ کہ آپ بنائیں ہمارے درمیان اور ان کے درمیان رکاوٹ۔ اس درے میں بلند دیوار کھڑی کر دیں کہ جس پر چڑھ کر وہ ادھر نہ آسکیں۔ قَالَ ذوالقرنین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ﴿مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ﴾ وہ چیز جس میں مجھے قدرت دی ہے میرے رب نے بہتر ہے۔ یعنی مالی امداد میں تم سے نہیں لوں گا اللہ تعالیٰ نے مجھے سونے چاندی جواہرات کے بڑے بڑے خزانے عطا فرمائے ہیں تمھارے چندے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں! ﴿فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ﴾ پس تم تعاون کرو گے میرے ساتھ بدنی قوت کے ساتھ۔ چوں کہ کافی مزدوروں کی ضرورت ہے وہ میں پیچھے سے نہیں بلا سکتا مالی بوجھ تم پر نہیں ڈالوں گا بدنی قوت تم استعمال کرو ﴿اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا﴾ تاکہ میں بنادوں تمھارے اور ان کے درمیان دیوار حائل کر دوں گا۔

تفسیروں میں بھی ہے اور تاریخ کی کتابوں میں بھی ہے کہ انھوں نے دیوار اس طرح بنائی کہ نیچے لکڑیاں رکھیں ان کے اوپر کوئلے رکھے اور ان کے اوپر لوہے کی چادریں رکھیں پھر لکڑیاں رکھیں ان کے اوپر کوئلے پھر چادریں رکھیں اسی ترتیب سے آخر تک گئے جیسے ہماری دریاں بچھی ہوئی ہیں اسی طرح اُوپر نیچے رکھتے ہوئے اُوپر تک لے گئے ہیں۔ اور تفسیروں میں یوں بھی آتا ہے کہ لوہے کی چادریں کھڑی کیں ان کے اُوپر کوئلے بھی رکھے اور لکڑیاں بھی رکھیں آخر تک اسی طرح رکھتے گئے جس وقت درمیان کا خلا بھر دیا گیا۔ تو فرمایا کہ آگ جلاؤ کیوں کہ درمیان میں کوئلے اور لکڑیاں تھیں آگ خوب جلی تو لوہے کی چادریں سرخ ہو گئیں آگ کی طرح۔ فرمایا ان میں پگھلا ہوا تانبا ڈال دو کہ چادروں کے درمیان جو درزیں ہیں پُر ہو جائیں گی اور چادریں اور تانبا یک جان ہو جائے۔ اس دیوار کی لمبائی لوگ ایک سو دس میل بتلاتے ہیں۔ دیوار چین اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے ہم نے تو دیکھی نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمت اور طاقت عطا فرمائی تھی کہ انھوں نے اتنا بڑا کام کیا ہے۔ بادشاہوں کی یادگاریں ہم دیکھتے ہیں جیسے اہرام مصر ہیں لوگ ان کو دیکھ کر حیران ہو کر کہ لوگوں نے یہ کیسے تعمیر کی ہیں؟ جب کہ اس وقت مشینیں نہیں ہوتی تھیں نہ مشینی دور تھا۔ لوگ ان کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ تو ذوالقرنین رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں کی اپیل پر دونوں پہاڑوں کے درمیان درے کو لوہے کی چادروں اور تانبے سے پُر کر دیا۔ اس کا ذکر ہے ﴿اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ﴾ لاؤ میرے پاس لوہے کی چادریں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں زُبَرٌ زُبْرَۃٌ کی جمع ہے اس کا معنیٰ ٹکڑا، مراد چادر ہے۔ اور اس کا مفرد زبور بھی آتا ہے اس کی جمع بھی زُبُرًا آتی ہے کتاب کے معنیٰ میں۔ لاؤ میرے پاس لوہے کی چادریں ﴿حَتّٰٓی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ﴾ یہاں تک کہ جب برابر کر دیا دونوں کناروں کے درمیان لوہے کی چادریں بچھا بچھا کر اور درمیان میں کوئلے اور لکڑیاں رکھ کر اوپر تک برابر کر دیا۔ ان لوگوں نے بدنی قوت کے ساتھ پورا ساتھ دیا۔ ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿انْفُخُوْا﴾ پھونکو تم آگ کو بہت خوب آگ جلائی ﴿حَتّٰٓی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا﴾ یہاں تک کہ جب کر دیا لوہے کی چادروں کو آگ کی طرح سرخ ﴿قَالَ﴾ فرمایا ذوالقرنین رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿اٰتُوْنِیْٓ﴾ لاؤ میرے پاس ﴿اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا﴾۔ قِطر کے معنیٰ ہیں پگھلا ہوا تانبا۔ ڈال دوں میں اس پر پگھلا ہوا تانبا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ پگھلا ہوا تانبا انھوں نے کس طرح اُوپر ڈالا۔ بہر حال جب تانبا ڈالا تو درزیں پُر ہو گئیں اور وہ یک جان ہو گیا۔ چوں کہ دیواریں بہت اُونچی تھیں ﴿فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ﴾ پس نہ طاقت رکھی یاجوج ماجوج نے یہ کہ اس پر چڑھ سکیں ﴿وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا﴾ اور نہ طاقت رکھی اس میں سوراخ کرنے کی کہ لوہا اور تانبا یک جان ہو چکا تھا دیوار مضبوط بن چکی تھی۔

ان کی مدد کرنے کے بعد ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ﴾ یہ رحمت ہے میرے رب کی طرف سے۔ وہ لوگ ہر کام کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف کرتے تھے اور آج ہم ہیں کہ میں میں کرتے ہیں۔ میں نے یوں کیا، میں یوں کروں گا، ہم یہ کریں گے۔ اس میں اور ہم نے ہمیں برباد کر دیا ہے۔ ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ﴾ پس جب آئے گا وعدہ میرے رب کا ﴿جَعَلَهٗ دَكَّآءَ﴾ کر دے گا اس کو ہموار۔ ایسے اسباب پیدا ہو جائیں گے کہ وہ دیوار ہموار ہو جائے گی اور آمد و رفت کے اسباب پیدا

ہو جائیں گے ﴿وَ كَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا﴾ اور ہے میرے رب کا وعدہ سچا۔

قیامت کی بڑی نشانیاں

قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ہے یاجوج ماجوج کا نکلنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا امام مہدی علیہ السلام کا ظاہر ہونا اور تین علاقوں میں زمین کا دھنس جانا ایک مشرق اور ایک مغرب میں اور ایک جزیرہ عرب میں۔ ان تین علاقوں کو زمین نگل جائے گی ویسے تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ عرب میں کہاں سے زمین دھنسے گی لیکن ظن غالب یہ ہے کہ تبوک کا وہ مقام جہاں امریکی فوجیوں نے بدمعاشی، شراب نوشی اور زنا کا اڈا بنایا ہوا ہے امریکہ کی چالیس ہزار سے زائد فوج وہاں موجود ہے۔ یہی علاقہ زمین میں دھنس جائے گا۔ بڑے ظلم کی بات ہے کہ اس وقت تیرہ ہزار کے قریب علماء سعودیہ کی جیلوں میں بند ہیں صرف اس جرم کی پاداش میں کہ ان بے چاروں نے جمعہ کے خطبوں میں کہا تھا کہ حکومت نے امریکی فوج یہاں بٹھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اَخْرِجُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصَارٰى عَنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ "یہود و نصاریٰ کو عرب کے جزیرے سے نکال دو۔" اور تم شہزادوں نے ان کو داخل کیا ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خلاف ورزی ہے۔

امریکہ نے ان شہزادوں کو ایسا ڈرایا ہے کہ اگر ہماری فوج یہاں نہ رہی تو تمھیں عراق کھا جائے گا، کویت کھا جائے گا، فلاں کھا جائے گا اور غضب کی بات یہ ہے کہ ان کی تنخواہیں بھی سعودیہ دیتا ہے کہ ہم تمھاری چوکیداری کر رہے ہیں اور ان کے لیے شراب وغیرہ بدمعاشی کا انتظام بھی کرتا ہے۔ کتنا بڑا ظلم ہے۔ یہی آواز اسامہ بن لادن نے بلند کی ہے کہ امریکہ کو کیا حق ہے عرب میں رہنے کا۔ یہ سب امریکہ کی اولادیں ہیں جو اس کے نیچے لگے ہوئے ہیں خدا ہمارے حکمرانوں کو سمجھ دے بے غیرت نہ بنیں مگر آج تک کوئی غیرت مند حکمران آیا نہیں ہے نہ ہم نے دیکھا ہے کہ جس میں اسلامی حمیت اور غیرت ہو۔ فرمایا جب رب کا وعدہ آئے گا یہ ہموار ہو جائے گی اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔ باقی واقعہ آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿وَ تَرَكْنَا﴾ اور ہم نے چھوڑ دیا ﴿بَعْضَهُمْ﴾ ان کے بعض کو ﴿يَوْمَىِٕذٍ﴾ اس دن ﴿يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ﴾ گھس رہے ہوں گے ایک دوسرے میں ﴿وَّ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ﴾ اور پھونکی جائے گی بگل ﴿فَجَمَعْنٰهُمْ﴾ پس ہم ان کو اکٹھا کریں گے ﴿جَمْعًا﴾ اکٹھا کرنا ﴿وَّ عَرَضْنَا﴾ اور ہم پیش کریں گے ﴿جَهَنَّمَ﴾ جہنم کو ﴿يَوْمَىِٕذٍ﴾ اس دن ﴿لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ کافروں کے سامنے ﴿عَرْضَا﴾ پیش کرنا ﴿الَّذِيْنَ﴾ کافر وہ ہیں ﴿كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ﴾ ہیں ان کی آنکھیں ﴿فِيْ غِطَآءٍ﴾ پردے میں ﴿عَنْ ذِكْرِيْ﴾ میری یاد سے ﴿وَ كَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ﴾ اور وہ طاقت نہیں رکھتے ہیں

﴿سَمْعًا﴾ حق سننے کی ﴿اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ﴾ کیا پس خیال کیا ان لوگوں نے ﴿كَفَرُوْٓا﴾ جو کافر ہیں ﴿اَنْ یَّتَّخِذُوْا﴾ یہ کہ بنائیں ﴿عِبَادِیْ﴾ میرے بندوں کو ﴿مِنْ دُوْنِیْٓ﴾ میرے نیچے ﴿اَوْلِیَآءَ﴾ کارساز ﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ﴾ بے شک ہم نے تیار کی ہے جہنم ﴿لِلْكٰفِرِیْنَ﴾ کافروں کے لیے ﴿نُزُلًا﴾ مہمانی ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هَلْ نُنَبِّئُكُمْ﴾ کیا ہم تمھیں خبر دیں ﴿بِالْاَخْسَرِیْنَ﴾ ان لوگوں کی جو سب سے زیادہ خسارے میں ہیں ﴿اَعْمَالًا﴾ اعمال کے لحاظ سے ﴿اَلَّذِیْنَ﴾ وہ لوگ ہیں ﴿ضَلَّ سَعْیُهُمْ﴾ ضائع ہوگئی ان کی کوشش ﴿فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿وَ هُمْ یَحْسَبُوْنَ﴾ اور وہ خیال کرتے ہیں ﴿اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾ کہ بے شک وہ اچھا کام کر رہے ہیں ﴿اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ﴾ یہ وہ لوگ ہیں ﴿كَفَرُوْا﴾ جنھوں نے انکار کیا ﴿بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کی آیتوں کا ﴿وَ لِقَآىِٕهٖ﴾ اور اس کی ملاقات کا ﴿فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ﴾ پس ضائع ہوگئے ان کے اعمال ﴿فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ﴾ پس ہم نہیں قائم کریں گے ان کے لیے ﴿یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿وَزْنًا﴾ کوئی وزن ﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ﴾ یہ ان کا بدلہ ہوگا ﴿جَهَنَّمُ﴾ جہنم ﴿بِمَا كَفَرُوْا﴾ اس وجہ سے کہ انھوں نے کفر کیا ﴿وَاتَّخَذُوْٓا﴾ اور بنایا انھوں نے ﴿اٰیٰتِیْ﴾ میری آیتوں کو ﴿وَ رُسُلِیْ﴾ اور میرے رسولوں کو ﴿هُزُوًا﴾ مسخرہ۔

یاجوج ماجوج کا ذکر چلا آرہا ہے۔ یہ جسم کے لحاظ سے مضبوط ہوں گے اور اس سے مراد یہ چینی، جاپانی، منگولیا کے گاگ مگاگ اور روسی قومیں ہیں۔ یہ ساری قومیں یاجوج ماجوج ہیں اور یاجوج ماجوج کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے حق اور سچ ہے اسی طرح ہوگا اور قیامت کی جو نشانیاں آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی ہیں وہ پوری ہوں گی تو قیامت آئے گی۔ ان قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی الْمَلْحَمَةُ الْكُبْرٰی ہے۔ یعنی بہت بڑی لڑائی ہوگی ساری دنیا اس لڑائی کی لپیٹ میں آجائے گی شاذ و نادر ہی کوئی ملک ہوگا جو اس سے الگ رہے گا اس لڑائی میں سو میں سے اٹھانوے مرد تباہ ہوں گے صرف دو زندہ رہیں گے اور فرمایا اس وقت پچاس عورتوں کا ایک نگران اور محافظ ہوگا۔ یہ مراد نہیں ہے کہ سب بیوہ ہوں گی بلکہ بہنیں، بیٹیاں، خالائیں، پھوپھیاں وغیرہ ہوں گی جن کا نگران صرف ایک ہوگا۔ تو یہ مَلْحَمَةُ الْكُبْرٰی سر پر کھڑی ہے۔

دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے نجات دی ہے

اور یہ بھی حدیث ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میری اُمت میں سے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے نجات دی ہے عِصَابَةٌ تَغْزُوا الْهِنْدَ "ایک گروہ وہ ہے جو ہندوستان کے ساتھ لڑائی کرے گا اور دوسرا گروہ ہوگا جو امام مہدی علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دے گا۔" ان دو گروہوں کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔ یہ روایت نسائی شریف میں ہے جو صحاح ستہ میں تیسرے درجے کی کتاب ہے۔ دنیا کی لڑائیاں زور پر ہوں گی مسلمانوں کا بادشاہ مرے گا

اس کے بعد اختلاف ہوگا کہ اب خلیفہ کس کو بنائیں اس اختلاف کے موقع پر امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا وہ مدینہ منورہ کے باشندے ہوں گے۔ ان کا نام محمد والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ ہوگا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں گے۔

چند دن ہوئے ہیں کسی مولوی صاحب نے ان روایات کو پیش نظر رکھ کر اس طرح کڑی ملائی ہے کہ شاہ فہد مرے گا اس کے بعد لوگ اس کے بھائی عبداللہ کو بادشاہ بنائیں گے عبداللہ امریکہ کا مخالف ہے اور فہد اس کا وفادار ہے اس کی ہاں میں ہاں ملانے والا ہے جو امریکہ کہتا ہے وہ کرتا ہے۔ (مولوی صاحب کی یہ کڑی اور تشریح حالات نے غلط ثابت کردی ہے۔ نواز بلوچ) بہرحال حالات پیدا ہو رہے ہیں۔ امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے وقت دنیا بڑی تنگ ہوگی ہر طبقے کے لوگ تنگ ہوں گے مُلِئَتِ الْاَرْضُ ظُلْمًا وَّجَوْرًا ابوداؤد شریف کی حدیث ہے کہ: " زمین ظلم اور جور کے ساتھ بھری ہوگی۔" ظلم کا معنیٰ ہے حقوق اللہ اور جور کا معنیٰ ہے حقوق العباد۔ یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد ضائع کیے جائیں گے نہ اللہ کا حق محفوظ ہوگا اور نہ بندوں کا حق محفوظ ہوگا لڑائیاں خوب زوروں پر ہوں گی۔ اب یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ انڈیا کے ساتھ لڑائی آج شروع ہوتی ہے یا کل بہرحال یہ لازماً ہو کر رہے گی۔

طالبان کا وجود امام مہدی کے ظہور کی علامت ہے

اور یہ بات بھی احادیث سے ثابت ہے کہ جب مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا تو اس وقت افغانستان میں مسلمانوں کی کافی قوت ہوگی یہ طالبان کی قوت اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پیش خیمہ بنائی ہے اور یہاں سے لوگ ان کی امداد اور اعانت کے لیے جائیں گے۔ اس وقت یہودی بھی بڑی قوت میں ہوں گے تُقَاتِلُكُمُ الْيَهُوْدُ کے لفظ بھی آتے ہیں یہودی تمھارے ساتھ لڑیں گے تُقَاتِلُوْنَ الْيَهُوْدَ اور تم یہودیوں کے ساتھ لڑو گے۔ غرض یہ کہ کافروں کے ساتھ لڑائیاں ہوں گی اور کوئی ملک لڑائی سے خالی نہیں ہوگا ساری دنیا میں لڑائیاں ہی لڑائیاں ہوں گی، جھگڑے ہی جھگڑے ہوں گے اس وقت مسلمانوں کی مدد کے لیے امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔ وہ لڑائی کے لیے لشکر ترتیب دے رہے ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور اسی اثنا میں دجال کا خروج ہوگا اور وہ یہود میں سے ہوگا، ایک آنکھ سے کانا ہوگا اور دعویٰ کرے گا کہ میں خدا ہوں، میں رسول ہوں۔ عجیب قسم کے جادو اور مسمریزم اس کے پاس ہوں گے۔

بارش نہیں ہو رہی ہوگی وہ بادلوں کو اشارہ کرے گا اکٹھے ہو جائیں گے اور برسنا شروع کر دیں گے لوگ کہیں گے ہم بہت غریب ہیں زمین پر پاؤں مارے گا سونا چاندی اُگل دے گی۔ جو شخص دجال لعین کو رب اور رسول نہیں مانے گا دجال اس کے گھر کی طرف اشارہ کرے گا اس کے گھر کا سارا سامان دجال کے پیچھے چل پڑے گا۔ کیا ٹرنک، کیا پیٹیاں، کرسیوں اور پیڑیوں تک، مسلمان کے گھر کوئی چیز نہیں رہے گی سب دجال کے پیچھے چل پڑے گی۔ فرمایا اس وقت ایمان بچانا بہت مشکل ہوگا۔

فرمایا وَاَمَّا الطَّعَامُ فَلَا اس وقت روٹی کا تو نام بھی نہیں ہوگا۔ خاندان میں بڑا بہادر نوجوان وہ ہوگا جو گھر کے افراد

کو پانی تلاش کر کے لا دے۔ عرض کیا حضرت! پھر وہ کیا کھائیں گے؟ فرمایا سبحان اللہ، الحمد للہ کا پڑھنا یہ ان کی خوراک ہوگی اور بعض ایسے ہوں گے ان کی توجہ سبحان اللہ، الحمد للہ کی طرف نہیں ہوگی وہ زمین کی مٹی اور ریت کو پھکی بنا کر کھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ان کے لیے شکر بنا دے گا۔ بڑا افراتفری کا زمانہ ہوگا اور یہ بھی فرمایا کہ جس وقت تمھاری ہندوستان کے ساتھ لڑائی ہوگی تم ان کے کمانڈروں اور جرنیلوں کو قید کر کے لاؤ گے بس اسی اثناء میں امام مہدی علیہ السلام بھی آ جائیں گے۔ اب یہ کڑیاں ملتی جارہی ہیں۔ دجال کا خروج پہلے ہوگا یا جوج ماجوج کا زور بعد میں ہوگا۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی جائے گی کہ اب وہ لوگ آ رہے ہیں کہ ان کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکے گا۔ بحیرہ طبریہ بڑا سمندر ہے۔ فرمایا ان کا اگلا حصہ بحیرہ طبریہ سے گزرے گا تو وہ پئیں گے اور اپنے برتنوں میں ڈال لیں گے جب پچھلا حصہ پہنچے گا تو وہاں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہوگا وہ کہیں گے کہ سنتے تھے یہاں پانی ہوتا تھا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بددعا کریں گے اور یاجوج ماجوج جہاں جہاں ہوں گے مر جائیں گے۔

یہود کے ساتھ مسلمانوں کی لڑائی

آج سے تقریباً پینسٹھ سال پہلے جب ہم نے حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب رحمہ اللہ سے مشکوٰۃ شریف پڑھی تو ہم نے حضرت سے سوال کیا کہ حضرت! احادیث میں آتا ہے کہ تم یہودیوں کے ساتھ لڑو گے اور یہودی تمھارے ساتھ لڑیں گے اس وقت یہودیوں کی آبادی چھ سات ہزار تھی اور چھپتے پھرتے تھے۔ ہم نے کہا کہ یہ یتیم بے چارے ہمارے ساتھ کیا لڑیں گے اور ہماری شان کے خلاف ہے کہ ہم ان کے ساتھ لڑیں اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آ کر یہود کے ساتھ لڑیں یہ تو ان کی توہین ہے۔ حضرت نے فرمایا میاں! (یہ ان کا تکیہ کلام تھا۔) جب چیونٹی مرنے پر آتی ہے تو اس کو پر لگ جاتے ہیں۔ یہود کی ہلاکت کا جب وقت آئے گا اس وقت یہ مضبوط قوت بن جائیں گے۔ اس وقت ہمیں یہ بات سمجھ نہیں آتی تھی اور اب دنیا سے سارے یہودی وہاں اکٹھے ہو رہے ہیں۔ اس وقت اسرائیل میں نوے لاکھ یہودی ہیں اور ایسی قوت ہے کہ ان کے ارد گرد بارہ کروڑ سے زیادہ مسلمان حکومتوں کے افراد ہیں اور سب ان سے ڈرتے ہیں دنیا میں اسلحہ کے لحاظ سے یہودیوں کا تیسرا نمبر ہے لیکن جس وقت لڑائی شروع ہوگی تو یہ میدان میں کھڑے نہیں ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم یہود کے ساتھ لڑو گے تو یہ چھپتے پھریں گے درختوں اور پتھروں کے پیچھے چھپیں گے۔ پتھر آواز دے گا یَا عَبْدَ اللّٰهِ خَلْفِیْ یَهُوْدِیٌّ "اے غازی مجاہد، اے اللہ کے بندے میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے اِلَّا الْغَرْقَدُ فَاِنَّهَا مِنْ شَجَرَةِ الْيَهُوْدِ۔ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ غرقد ایک درخت ہے وہ نہیں بولے گا اس کی یہودیوں کے ساتھ کوئی مناسبت ہوگی۔" یہ لڑائیاں ہوں گی اور یاجوج ماجوج کا خروج بعد میں ہوگا۔ اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ ان کو تباہ و

برباد کردے گا۔

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ﴾ اور ہم نے چھوڑ دیا ان کے بعض کو اس دن جب ذوالقرنین رحمۃ اللہ علیہ نے دیوار قائم کی ﴿يَمُوجُ فِي بَعْضٍ﴾ گھس رہے ہوں گے وہ ایک دوسرے میں، حرکتیں کرتے ہیں فساد کرتے ہیں اور ادھر کے ادھر ہی رہے ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ﴾ اور پھونکی جائے گی بگل جب ساری دنیا تباہ ہو جائے گی ﴿فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا﴾ پس ہم ان کو اکٹھا کریں گے اکٹھا کرنا ﴿وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ﴾ اور ہم پیش کریں گے جہنم ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ اس دن ﴿لِلْكَافِرِينَ﴾ کافروں کے سامنے ﴿عَرْضًا﴾ پیش کرنا۔ ابھی اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ہی ہوں گے ﴿وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ﴾ [شعراء:۹۱] "اور ظاہر کر دیا جائے گا دوزخ کو گمراہوں کے لیے۔" اور مومنوں کے سامنے جنت پیش کی جائے گی ابھی اس میں داخل نہیں ہوں گے اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت میں ہوں گے اور وہاں سے جنت کا نظارہ کر رہے ہوں گے۔

فرمایا کون سے کافر ہیں ﴿الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي﴾ کافر وہ ہیں کہ ان کی آنکھوں میں پردے ہیں میری یاد سے ان کو میری یاد نہیں میری توحید نہیں وحدانیت نہیں ہے ﴿وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا﴾ اور وہ طاقت نہیں رکھتے ہیں حق سننے کی یعنی اتنے بدفطرت اور بدمزاج ہیں کہ حق سننے کی ان میں طاقت ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ کیا پس خیال کیا ان لوگوں نے جو کافر ہیں ﴿أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ﴾ یہ کہ بنائیں میرے بندوں کو میرے نیچے کارساز۔ کافروں کا خیال ہے کہ جو میرے بندے ہیں وہ میرے نیچے ان کے کارساز ہیں، مشکل کشا ہیں، حاجت روا، فریادرس، دست گیر بن جائیں گے۔ یہی نظریہ کفر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مان کر اس کے نیچے اوروں کو حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس سمجھنا ﴿إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا﴾ بے شک ہم نے تیار کی ہے جہنم کافروں کے لیے مہمانی۔ یہ تمسخر اور مذاق ہے۔

﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿هَلْ نُنَبِّئُكُمْ﴾ کیا ہم تمہیں خبر دیں ﴿بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا﴾ ان لوگوں کی جو سب سے زیادہ خسارے میں ہیں اعمال کے لحاظ سے۔ وہ کون سے لوگ ہیں؟ ﴿الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ﴾ وہ لوگ ہیں ضائع ہو گئی ان کی کوشش ﴿فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ دنیا کی زندگی میں ﴿وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا﴾ اور وہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک وہ اچھے کام کر رہے ہیں یعنی دنیا کی ترقی کے لیے بہت کچھ کیا۔ دیکھو! کلاشنکوف ایک انگریز کا نام ہے جس نے کلاشنکوف ایجاد کی ہے اس وقت اس کی عمر اَسّی [۸۰] سال سے زیادہ ہے۔ میں اخبارات میں اس کا بیان پڑھ رہا تھا کہ اس نے کہا کہ کاش میں اس کی بجائے کوئی اور چیز ایجاد کرتا تو اچھا ہوتا۔ یہ لوگوں کی تباہی کا سامان ہے جو تم لیے پھرتے ہو۔ اس کا بانی اس کی ایجاد پر شرمندہ ہے۔

تو کافر جو کام دنیا میں کر رہے ہیں اس پر وہ افسوس کریں گے کہ کاش! کہ اس کی بجائے کوئی اور کام کرتے تو اچھا تھا ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے انکار کیا ﴿بِآيَاتِ رَبِّهِمْ﴾ اپنے رب کی آیتوں کا ﴿وَلِقَائِهِ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی

ملاقات کا انکار کیا یعنی قیامت کے منکر ہیں ﴿فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ﴾ پس ضائع ہو گئے ان کے اعمال۔ آج اگر مجموعی حیثیت سے دیکھو تو کافر مسلمانوں سے زیادہ اچھے کام کرتے ہیں، سڑکیں بناتے ہیں، ہسپتال، کالج بناتے ہیں، رفاہِ عام کے بہت کام کرتے ہیں لیکن ایمان کے بغیر کوئی نیکی نیکی نہیں ہے یہ سارے اعمال ان کے اکارت ہیں ﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ پس ہم قائم نہیں کریں گے ان کیلئے قیامت والے دن کوئی وزن۔ چیز اس وقت تولی جاتی ہے جب اس کا تقابل ہو ان کا کچھ مقابلہ ہو، کفر کے مقابلے میں ایمان تو ہے نہیں کیا تولا جائے لہٰذا ان کے لیے وزن قائم نہیں ہوگا ﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ﴾ یہ ان کا بدلہ ہوگا ﴿جَهَنَّمُ﴾ جہنم ﴿بِمَا كَفَرُوْا﴾ اس وجہ سے کہ انھوں نے کفر کیا ﴿وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ﴾ اور بنایا انھوں نے میری آیتوں کو ﴿وَرُسُلِيْ﴾ اور میرے رسولوں کو ﴿هُزُوًا﴾ مسخرہ۔ کیا دنیا کی ترقی پر فخر کیا اور اس پر نازاں ہوئے یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ناکام اور بڑے گھاٹے میں ہوں گے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور انھوں نے عمل کیے اچھے ﴿كَانَتْ لَهُمْ﴾ ہوں گی ان کے لیے ﴿جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ﴾ ٹھنڈی چھاؤں والی جنتیں ﴿نُزُلًا﴾ مہمانی ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ہمیشہ رہیں گے ان میں ﴿لَا يَبْغُوْنَ﴾ نہیں تلاش کریں گے ﴿عَنْهَا حِوَلًا﴾ ان سے منتقل ہونا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ﴾ اگر ہو جائے سمندر ﴿مِدَادًا﴾ سیاہی ﴿لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ﴾ میرے رب کے کلمات کے لیے ﴿لَنَفِدَ الْبَحْرُ﴾ البتہ ختم ہو جائے سمندر ﴿قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ﴾ پہلے اس سے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں ﴿وَلَوْ جِئْنَا﴾ اور اگرچہ ہم لائیں ﴿بِمِثْلِهٖ﴾ اس جیسی ﴿مَدَدًا﴾ اور سیاہی ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ﴾ پختہ بات ہے کہ میں بشر ہوں ﴿مِّثْلُكُمْ﴾ تمھاری طرح ﴿يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ وحی کی جاتی ہے میری طرف ﴿اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ پختہ بات ہے تمھارا معبود صرف ایک معبود ہے ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا﴾ پس جو شخص اُمید رکھتا ہے ﴿لِقَآءَ رَبِّهٖ﴾ اپنے رب کی ملاقات کی ﴿فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا﴾ پس اس کو چاہیے کہ کام کرے اچھے ﴿وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ اور نہ شریک ٹھہرائے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی۔

اس سے قبل کافروں کے انجام کا ذکر تھا ﴿جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ﴾ ان کا بدلہ جہنم ہے ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اب اس کے بالمقابل مومنوں کا ذکر ہے اور ان کے ٹھکانے کا ذکر ہے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ﴾۔ فِرْدَوْس کا معنیٰ ہے ٹھنڈی چھاؤں۔ معنیٰ ہوگا ان کے لیے ٹھنڈی چھاؤں والی جنتیں ہیں۔

عرب کا علاقہ بڑا گرم ہے وہاں درخت، پانی اور سایہ یہ چیزیں بڑی غنیمت سمجھی جاتی ہیں اور ہمارے علاقے میں گرمی بہ نسبت اس علاقے کے کم ہے اور درخت پانی بھی وافر ہے۔ اس لیے ہمیں ان چیزوں کی قدر بھی کم ہے ان لوگوں کو ان چیزوں کی بڑی قدر تھی۔ ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں آتا ہے کہ ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے انھوں نے ایک جگہ دیکھی کہ درخت ہیں، سبزہ ہے پانی کا چشمہ ہے۔ ارادہ کرلیا کہ میں یہاں بیوی بچوں کو چھوڑ کر ڈیرہ لگالوں اور اللہ اللہ کرتا رہوں۔ پھر خیال آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حضرت! یہ جگہ مجھے بڑی عمدہ نظر آرہی ہے درخت اور سبزہ ہے پانی کا چشمہ ہے میرا جی چاہتا ہے کہ میں یہاں ڈیرہ لگالوں اور اللہ اللہ کرتا رہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا تَبَتُّلَ فِي الْإِسْلَامِ اسلام تَبَتُّل کی زندگی کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی تن آسانی کے لیے بیوی بچوں کو چھوڑنا، برادری کو خیر باد کہہ دینا، ملنا جلنا چھوڑ دینا اسلام کی رو سے بالکل حرام ہے۔

تو خیر ان لوگوں کے لیے ٹھنڈا سایہ، درخت، نہریں، بہت عمدہ چیزیں تھیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے لیے ٹھنڈی چھاؤں والے باغ ہوں گے ﴿نُزُلًا﴾ مہمانی کی جگہ ہوگی۔ وہاں وہ ٹھہریں گے ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ان میں۔ وہ ہمیشہ کی زندگی آج ہمارے تصور میں بھی نہیں آسکتی کیوں کہ ہم نے محدود قسم کا زمانہ دیکھا ہے اسی کو سمجھتے ہیں اور وہ سو سال نہیں، ہزار سال نہیں، لاکھ سال نہیں، کروڑ سال نہیں، ارب اور کھرب سال بھی نہیں، سوچ سوچ کر دماغ فیل ہوجاتا ہے کہ اس کی حد ہی نہیں ہے۔

محدود گناہ کی لمبی سزا کیوں؟

اس پر بعض ملحدوں نے اعتراض کیا ہے کہ آدمی کفر، شرک اور گناہ تو کرتا ہے محدود وقت میں دس سال، بیس سال، پچاس سال، سو سال، ہزار سال، تو یہ محدود زمانہ ہے اور اس کو سزا ملے غیر محدود کہ ہمیشہ ہمیشہ وہ دوزخ میں رہیں گے یہ تو انصاف کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے علمائے کرام کو جنھوں نے دین کی خدمت کی ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح کی چوری ہوگی اسی طرح کی سزا ہوگی۔ اگر کوئی معمولی چیز چوری کرتا ہے تو اس کی سزا بھی معمولی ہوگی اگر کوئی مال غیر محفوظ کو چوری کرتا ہے تو اس کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے اور اگر کوئی قیمتی شی محفوظ کو چوری کرتا ہے تو اس کے ہاتھ کاٹے جائیں گے تو غرضیکہ جس طرح کی چوری ہوگی اس طرح کی سزا ہوگی۔ مشرک رب تعالیٰ کی صفات پر ڈاکہ ڈالتا ہے اور رب تعالیٰ کی صفات غیر محدود اور غیر متناہی ہیں مشرک نے ان پر ڈاکہ ڈالا ہے لہٰذا اس کی سزا بھی لامحدود اور ختم نہ ہونے والی ہوگی۔ اس کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگی۔ پھر ملحد ٹولے نے یہ بھی کہا کہ مومن جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کیوں رہیں گے؟

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت میں داخل ہونے کا سبب عمل ہے اور علت رب تعالیٰ کی رحمت

ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوسکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی اس کے شامل حال نہ ہو۔صحابہ کرام ﷺ نے سوال کیا حضرت! ہمارے عمل جو ہیں سو ہیں وَلَا اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ! آپ بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جاسکو گے فَوَضَعَ یَدَهٗ عَلٰی هَامَتِهٖ وَ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ اَوْ کَمَا قَالَ رسول الله ﷺ۔آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنے سر پر رکھا اور فرمایا اور میں بھی اپنے عمل کے زور پر جنت میں نہیں جاسکتا مگر یہ کہ ڈھانپ لے گا مجھے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل میں۔

تو جنت میں داخلے کا سبب عمل ہے اور علت رب تعالیٰ کی رحمت ہے اور اس کی رحمت چوں کہ غیر متناہی ہے یعنی جس کی کوئی انتہا نہیں ہے اس لیے اس کا بدلہ بھی غیر متناہی ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے ﴿لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ نہیں تلاش کریں گے اس سے منتقل ہونا، بدلنا۔دنیا میں کوئی جگہ تکلیف دہ ہوتی ہے بندہ وہ جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جاتا ہے جنت میں چوں کہ کوئی تکلیف نہیں ہوگی اس لیے وہاں سے دوسری جگہ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔

آگے پھر اللہ کی رحمت کا ذکر ہے جو بے انتہا ہے۔فرمایا ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ﴾ اگر ہو جائے سمندر ﴿مِدَادًا﴾ سیاہی ﴿لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ﴾ میرے رب کے کلمات کے لیے، اس کی صفات اور کمالات کے لیے، اس کی خوبیاں لکھنے کے لیے سارا سمندر سیاہی بن جائے اور اس کے کمالات اور خوبیاں لکھی جائیں ﴿لَنَفِدَ الْبَحْرُ﴾ البتہ ختم ہو جائے سمندر ﴿قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ﴾ پہلے اس سے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں، اس کی خوبیاں ختم ہوں، رب کی صفت میں سے کوئی صفت ختم نہ ہوگی اور یہ سمندر ختم ہو جائے گا ﴿وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا﴾ اور اگرچہ ہم لائیں اس جیسی اور سیاہی پھر بھی رب تعالیٰ کی صفات اور خوبیاں ختم نہیں ہو سکتیں۔

یہاں یہ فرمایا اور سورت لقمان آیت نمبر ۲۷ میں ہے ﴿وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ﴾ "اور اگر ہو جائیں جو زمین درخت ہیں قلمیں ﴿وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ﴾ اور سمندر اس کی سیاہی بن جائیں ﴿مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ﴾ اس کے بعد سات سمندر اور سیاہی بن جائیں ﴿مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰهِ﴾ نہیں ختم ہوں گے اللہ تعالیٰ کے کلمات۔" اندازہ لگاؤ اللہ تعالیٰ کی خوبیوں اور کمالات کا کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اور جب تک رہے گی مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک جتنے درخت ہیں، تھے اور ہوں گے سب کے سب قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائے۔جغرافیہ والے بتاتے ہیں کہ زمین کے اکہتر [۷۱] حصے زیر آب ہیں۔یہ سارا سمندر سیاہی بن جائے اور اس جیسے سات سمندر اور سیاہی بن جائیں اور تمام انسان، تمام جنات اور تمام فرشتے اللہ تعالیٰ کی خوبیاں اور کمالات لکھنا شروع کر دیں یہ سب کچھ ختم ہو جائے گا اور رب تعالیٰ کی تعریف کا الف بھی مکمل نہیں ہوگا۔اس کی صفات اور کمالات غیر محدود ہیں۔اسی لیے مشرک بڑا مجرم ہے کہ اس رب سے ورے ورے اوروں کو خدا بنائے پھرتا ہے اور رب کا دروازہ چھوڑ کر دوسروں سے مانگتا پھرتا ہے۔

نسائی شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰهَ یَغْضَبْ عَلَیْهِ "جو رب سے نہیں

مانگنا رب اس پر ناراض ہوتا ہے۔" رب کو اس پر غصہ آتا ہے کہ میرا بندہ ہو کر مجھ سے کیوں نہیں مانگتا۔ اس کو تم اس طرح سمجھو کہ ہمارے گھروں میں بچے بچیاں ہیں، عورتیں ہیں ان کو اگر کسی چیز کی ضرورت پیش آئے تو گھر کے سربراہ سے مانگتے ہیں کہ مجھے کپڑے چاہئیں، مجھے جوتا چاہیے، مجھے فلاں چیز کی ضرورت ہے وغیرہ وغیرہ۔ اگر ہمارے گھر کے افراد میں سے کوئی بھی محلے کے لوگوں سے مانگے کہ مجھے سلیٹ لے کر دو، مجھے کرتا لے کر دو، مجھے جوتا لے کر دو، غیرت مند بندہ گوارا نہیں کرے گا کہ میری بیٹی، میری بیوی، میری بہن کسی سے جا کر دوپٹہ مانگے، کپڑے مانگے، جوتا کنگھی مانگے تو رب کی غیرت کب برداشت کرتی ہے کہ میرا بندہ میرے سوا کسی غیر سے مانگے۔ اکبر الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے:

اسی سے مانگ جو کچھ مانگنا ہو اکبرؔ
یہی وہ در ہے جہاں ذلت نہیں سوال کے بعد

تو اس کے دروازے کو چھوڑ کر کسی اور سے مانگنا رب تعالیٰ کی سخت ناراضگی کا باعث ہے اور رب تعالیٰ کی خوبیاں اور کمالات غیر محدود ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے

آگے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اعلان کر دیں ﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ پختہ بات ہے کہ میں بشر ہوں تمھاری طرح۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسان ہیں اور رب تعالیٰ کی مخلوق میں درجے کے لحاظ سے سب سے بلند ہیں نہ اس جہان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے اور شان کا کوئی ہے نہ اگلے جہان میں ہوگا مگر ہیں بشر۔ بعض جاہل قسم کے لوگ ایسے مغالطے دیتے ہیں کہ یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے آپ کو بشر کہا ہے یا رب نے کہا ہے یا کافروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا ہے، ہمیں تمھیں نہیں کہنا چاہیے۔ ان کے یہ بات بالکل غلط ہے۔

شمائل ترمذی، ترمذی شریف، مسند احمد اور دیگر احادیث کی کتابوں میں یہ روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اے ام المومنین! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھر سے باہر کی زندگی تو ہمارے سامنے ہے، میدان کی بھی، مسجد کی بھی، سفر کی بھی، لیکن آپ رضی اللہ عنہا یہ بتلائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں آ کر کیا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: كَانَ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ يَفْلِيْ ثَوْبَهٗ وَيَحْلِبُ شَاتَهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ يَخْصِفُ نَعْلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ يَكْنُسُ بَيْتَهٗ " آپ بشر تھے، انسان تھے جو کام انسان کرتے ہیں آپ بھی کرتے تھے اپنے ہاتھ سے اپنے کپڑوں سے جوئیں تلاش کرتے تھے، بکری کا دودھ بھی دوہ لیتے تھے، جھاڑو بھی پھیر لیتے تھے، جوتا بھی گانٹھ لیتے تھے۔" سب کام کرتے تھے۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری باتیں لکھ لیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

کہ مجھ سے زیادہ احادیث کسی کو معلوم نہیں ہیں ہاں! عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو زیادہ معلوم ہیں فَاِنَّهٗ يَكْتُبُ وَ لَا اَكْتُبُ کیوں کہ وہ لکھ لیتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پانچ ہزار تین سو چوہتر (٥٣٧٤) روایات مروی ہیں۔ ابوداوٗد، مسند احمد اور دیگر احادیث کی کتابوں میں ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو روکا کہ برخوردار! تم سب کچھ لکھ لیتے ہو و رسول اللہ ﷺ بَشَرٌ يَّتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَآءِ۔ ابوداوٗد شریف میں یہ لفظ ہیں کہ آپ ﷺ بشر ہیں کبھی غصے میں بات کرتے ہیں، کبھی راضی ہوتے ہیں، کبھی دل لگی کی بات بھی کرتے ہیں ہر بات نہ لکھا کرو۔ جس میں کوئی حکم ہو وہ لکھا کرو۔ انھوں نے لکھنا چھوڑ دیا آپ ﷺ کی مجلس برخاست ہوئی تو عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضرت! میں آپ کی تمام باتیں لکھ لیتا تھا لیکن انھوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں کبھی آپ ﷺ غصے میں بات کرتے ہیں اور کبھی راضی ہونے کی حالت میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اُكْتُبْ لکھا کر وَ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا میری زبان سے جس حالت میں بھی بات نکلے حق ہی ہوتی ہے۔

دیکھو! یہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کو بشر کہتے ہیں لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ آپ ﷺ کو بشر بشر کہتے پھرو۔ ادب احترام بڑی چیز ہے۔ مثلاً: ایک آدمی کا نام عبد اللہ ہے لیکن وہ قابل قدر اور قابل احترام ہے تو لوگ اس کو عبد اللہ کی بجائے قاری صاحب، حافظ صاحب، مولوی عبد اللہ کہتے ہیں محض نام وہ لے گا تو اس سے بڑا ہوگا یا اس کا ہم عمر اور ساتھی ہوگا۔ تو چھوٹے تو ادب سے نام لیں گے۔ آنحضرت ﷺ بشر ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے جو آپ ﷺ کو درجہ دیا ہے اس سے آپ ﷺ کے پلہ کا کوئی نہیں ہے۔

آپ ﷺ کی بشریت کا منکر کافر ہے

باقی آپ ﷺ کی بشریت کا انکار تو دور کی بات ہے میں نے عرض کیا تھا کہ "روح المعانی" تفسیر کی کتاب ہے اور "فتاویٰ ہندیہ" جس کو "فتاویٰ عالمگیری" کہتے ہیں اس میں بھی یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے اور اس کے علاوہ فقہ کی دیگر کتابوں میں بھی موجود ہے کہ اگر کسی شخص سے یہ پوچھا جائے کہ یہ بتلاؤ کہ آنحضرت ﷺ کس جنس میں سے تھے، کس نوع میں سے تھے، کس ملک میں تشریف لائے تھے فَقَالَ لَا اَدْرِيْ اور اس نے کہا کہ میں نہیں جانتا يَكْفُرُ ایسا شخص کافر ہے۔ کیوں کافر ہے؟ اس لیے کہ ضروریات دین میں سے ہے یہ جاننا کہ آپ ﷺ بشر ہیں اور عربی ہیں یہ کیوں کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں ہے؟ تو آپ ﷺ کی بشریت کا انکار کرنے والا بھلا کس طرح مسلمان رہے گا؟

تو فرمایا آپ کہہ دیں میں بشر ہوں تمھارے جیسا ﴿يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ وحی کی جاتی ہے میری طرف۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے رتبے کے ساتھ مجھے نوازا ہے یاد رکھو! ﴿اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ پختہ بات ہے تمھارا معبود صرف ایک معبود ہے۔ حاجت روا، مشکل کشا، فریاد رس، دست گیر، مقنن، قانون ساز، دینے لینے والا صرف ایک رب ہے ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ﴾ پس

شخص اپنے رب کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہے، اس کا قیامت پر یقین ہے کہ ایک وقت آئے گا مجھے رب تعالیٰ کی سچی عدالت میں پیش کیا جائے گا اور مجھ سے میری زندگی کے متعلق پوچھا جائے گا ﴿فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا﴾ پس اس کو چاہیے کہ کام کرے اچھے۔ دوسری بات ﴿وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ اور نہ شریک ٹھہرائے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی۔ عبادت وہی قبول ہوگی جو شرک سے پاک ہوگی اگر ایک رائی برابر بھی شرک ہوا تو عبادت اور نیک عمل اس کے منہ پر مار دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توحید اور سنت پر قائم رکھے اور شرک و بدعت اور رسومات، رواج اور گناہوں سے بچائے اور محفوظ رکھے۔

آج بروز بدھ ۴ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ بمطابق ۱۳ر اکتوبر ۲۰۱۰ء
سورۃ الکہف کی تفسیر مکمل ہوئی۔
والحمد للہ علی ذٰلک

(مولانا) محمد نواز بلوچ
مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس جناح روڈ گوجرانوالا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تَفْسِيْر

سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇐ قَالَ اَلَمْ

(۱۶)

آیاتھا ۹۸ (۱۹) سُوْرَۃُ مَرْیَمَ مَکِّیَّۃٌ (۴۴) رکوعاتھا ۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿کٓھٰیٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ﴾ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے ﴿عَبْدَهٗ زَكَرِیَّا﴾ جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی ہے ﴿اِذْ نَادٰی﴾ جس وقت پکارا اُس نے ﴿رَبَّهٗ﴾ اپنے رب کو ﴿نِدَآءً خَفِیًّا﴾ پکارنا مخفی طریقے سے ﴿قَالَ﴾ عرض کیا زکریا علیہ السلام نے ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿اِنِّیْ﴾ بے شک میں ﴿وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ﴾ کمزور ہو چکی ہیں ہڈیاں میری ﴿وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ﴾ اور بھڑک اُٹھا ہے سر ﴿شَیْبًا﴾ بڑھاپے کی وجہ سے ﴿وَّلَمْ اَكُنْ﴾ اور نہیں ہوں میں ﴿بِدُعَآئِكَ﴾ آپ کو پکارنے کی وجہ سے ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿شَقِیًّا﴾ محروم ﴿وَاِنِّیْ خِفْتُ﴾ اور بے شک میں خوف کرتا ہوں ﴿الْمَوَالِیَ﴾ اپنے بھائی بندوں سے ﴿مِنْ وَّرَآءِیْ﴾ اپنے بعد ﴿وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ﴾ اور ہے میری بیوی ﴿عَاقِرًا﴾ بانجھ ﴿فَهَبْ لِیْ﴾ پس آپ دیں مجھ کو ﴿مِنْ لَّدُنْكَ﴾ اپنی طرف سے ﴿وَلِیًّا﴾ جانشین ﴿یَّرِثُنِیْ﴾ جو وارث بنے میرا ﴿وَیَرِثُ﴾ اور وارث بنے ﴿مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ﴾ یعقوب علیہ السلام کے خاندان کا ﴿وَاجْعَلْهُ﴾ اور آپ کر دیں اس کو ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿رَضِیًّا﴾ پسندیدہ ﴿یٰزَكَرِیَّآ﴾ اے زکریا (علیہ السلام)! ﴿اِنَّا نُبَشِّرُكَ﴾ بے شک ہم آپ کو خوش خبری سناتے ہیں ﴿بِغُلٰمِ﴾ ایک لڑکے کی ﴿اسْمُهٗ یَحْیٰی﴾ نام اس کا یحییٰ ہوگا ﴿لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ﴾ نہیں بنایا ہم نے اس کے لیے ﴿مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا﴾ اس سے پہلے کوئی ہم نام ﴿قَالَ﴾ عرض کیا زکریا علیہ السلام نے ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ﴾ کیسے ہوگا میرے لیے لڑکا ﴿وَّكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا﴾ اور ہے میری بیوی بانجھ ﴿وَّقَدْ بَلَغْتُ﴾ اور تحقیق میں پہنچ چکا ہوں ﴿مِنَ الْكِبَرِ﴾ بڑھاپے سے ﴿عِتِیًّا﴾ میری کمر سوکھ گئی ہے۔

تاریخ مسجد اقصیٰ

حضرت زکریا علیہ السلام کے ہم زلف تھے عمران ابن ماثان رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ اپنے دور کے ولی تھے اور مسجد اقصیٰ کے امام تھے۔ مسجد اقصیٰ کی بنیاد حضرت یعقوب علیہ السلام نے رکھی تھی اور اس میں توسیع حضرت داؤد علیہ السلام نے کی تھی۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی تعمیر شاہی ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ کرائی۔ مسجد اقصیٰ بیت المقدس شہر میں واقع ہے۔ یہ شہر صیہون بروزن بزوْن پہاڑ پر واقع ہے جو سطح سمندر سے پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے جیسے ہمارے ہاں مری ہے۔ ۱۹۶۷ء کی لڑائی میں یہود نے اس علاقہ پر

قبضہ کرلیا تھا اور آج تک وہ اس پر قابض ہیں جب چاہیں مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے دیتے ہیں اور جب چاہیں نہیں پڑھنے دیتے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی کا نام عیشاعہ بنت فاقوذ تھا اور عمران بن ماثان کی بیوی کا نام حنّہ بنت فاقوذ تھا۔ یہ دونوں بہنیں تھیں حضرت عمران بن ماثان رحمۃ اللہ علیہ کا ایک لڑکا تھا جس کا نام ہارون تھا۔ اسی سورت میں آگے اس کا نام اور ذکر آئے گا، یہ بھی بڑا نیک اور پارسا لڑکا تھا اور جوانی میں فوت ہوگیا۔

حنّہ بنت فاقوذ بڑی پریشان تھیں کہ میرا خاوند بہت بوڑھا اور کمزور ہے اس کی گدی (سیٹ) کو کون سنبھالے گا؟ دعا کی اے پروردگار! مجھے کوئی اولاد عطا فرما میں اسے تیری رضا کے لیے وقف کردوں گی۔ تیسرے پارے میں اس کا ذکر ہے خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ لڑکا عطا فرمائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے لڑکی عطا کی جس کا نام مریم رکھا علیہا السلام۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مریم کا معنی ہے عابدہ۔ یہ مریم عبرانی زبان کا لفظ ہے والدین بچپن ہی میں فوت ہوگئے تربیت کے سلسلہ میں اختلاف ہوا ہر ایک کا خیال تھا کہ میں تربیت کروں۔ تیسرے پارے میں اس کا ذکر ہے۔ قرعہ اندازی ہوئی قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا (مریم علیہا السلام) ان کی تحویل میں دیدی گئیں۔ آگے تفصیل آرہی ہے کہ جب وہ جوان ہوئیں اور غسل سے فارغ ہوکر کپڑے پہنے تو ایک صحت مند نوجوان ان کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا، یہ گھبرا گئیں کہ اس کا ارادہ اچھا نہیں ہے۔ اس نے کہا بی بی! گھبرائیں نہیں میں تیرے رب کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں آپ کو لڑکے کی خوش خبری دینے کے لیے آیا ہوں۔ فرمانے لگیں میرے ہاں لڑکا کیسے ہو گا؟ ﴿لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا﴾ "نہیں چھوا مجھے کسی بشر نے نکاح کے ساتھ اور نہ ہی میں بدکار ہوں۔" کہا اسی طرح اللہ تعالیٰ تجھے بچہ دے گا۔ چوں کہ اس سورۃ میں تفصیلاً حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر آرہا ہے اس لیے اس سورت کا نام مریم ہے یعنی وہ سورت جس میں مریم علیہا السلام کا ذکر ہے۔

حروفِ مقطعات کی بحث

یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اس سے پہلے تینتالیس [۴۳] سورتیں نازل ہوچکی تھیں اس کے چھ رکوع اور اٹھانوے [۹۸] آیات ہیں۔ پہلی آیت کریمہ ﴿كٓهٰيٰعٓصٓ﴾ ہے۔ قرآن کریم میں انتیس [۲۹] سورتیں ہیں جن کے شروع میں ایسے حروف ہیں، حٰمٓ، یٰسٓ، طٰهٰ، الٓر، الٓمٓ، جیسا کہ تفسیر مظہری وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سِرٌّ فِيْمَا بَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَبَيْنَ رَسُوْلِهٖ ﷺ "یہ حروف مقطعات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان راز ہیں۔" یعنی ان کا مطلب صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور آنحضرت ﷺ جانتے ہیں اور کسی کو ان کا مطلب معلوم نہیں ہے۔ اور اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ ان کے متعلق فرماتے ہیں اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ "ان الفاظ کی مراد رب ہی بہتر جانتا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں هِيَ مِنْ اَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں اس پر اعتراض ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نام تو ننانوے ہیں ان میں تو یہ نام نہیں آتے؟ تو اس کے دو جواب علمائے کرام نے دیئے ہیں۔

پہلا یہ کہ ننانوے ناموں میں حصر نہیں ہے یہ مشہور نام ہیں۔ تفسیر کبیر، ابن کثیر، ابو سعود وغیرہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پانچ ہزار نام ہیں جو نازل ہوئے ہیں لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ان پانچ ہزار ناموں میں ہوں۔ دوسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ ایک ایک حرف ایک ایک نام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مستدرک حاکم حدیث کی کتاب ہے اس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے تفسیر منقول ہے کہ کاف سے مراد کَافٍ ہے، کفایت کرنے والا۔ سورہ زمر میں آتا ہے ﴿اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ﴾ "کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کافی اپنے بندے کو" یعنی کفایت کرنے والا صرف رب ہے۔ اور 'ھا' سے مراد ہادی ہے۔ سورہ نور میں ہے ﴿وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ "اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔" 'یا' سے مراد یامین ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے 'ع' سے مراد عزیز ہے اس کا معنیٰ ہے غالب۔ قرآن پاک میں آتا ہے ﴿عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ﴾۔ اور 'ص' سے مراد صادق ہے، سورۃ النسآء میں ہے ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا﴾ [آیت:۱۲۲] "اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کے اعتبار سے۔"

بلند آواز سے دعا و ذکر مکروہ ہے

﴿ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدَہٗ زَکَرِیَّا﴾ "یہ ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی ہے" ﴿اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا﴾ "جس وقت پکارا اس نے اپنے رب کو پکارنا مخفی طریقے سے۔" سلف صالحین اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ دعا بھی آہستہ ہو اور ذکر بھی آہستہ ہو اور اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بہت سخت ہیں۔ البحر الرائق، عمدۃ القاری اور کبیر وغیرہ میں تصریح ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وَیُکْرَہُ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالدُّعَآءِ وَالذِّکْرِ مُخَالِفًا لِاَمْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَفِیْ قَوْلٍ بِدْعَۃٌ "بلند آواز سے دعا کرنا اور ذکر کرنا مکروہ ہے اور ایک قول میں ہے کہ بدعت ہے۔" اور رب تعالیٰ کے قول ﴿اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً﴾ [اعراف:۵۵] کے مخالف ہے۔ "پکارو اپنے پروردگار کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے۔" ہاں! جہاں شریعت نے جہر کے ساتھ ذکر بتلایا ہے وہاں جہر کے ساتھ ٹھیک ہے۔ مثلاً: اذان بلند آواز سے ہوگی، تکبیر بلند آواز سے ہوگی، تلبیہ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ ...الخ بلند آواز سے ہوگا، بڑی عید کے موقع پر نویں تاریخ سے لے کر تیرھویں تاریخ کی عصر تک بلند آواز سے تکبیر پڑھنی ہے۔

تو جہاں شریعت نے بلند آواز سے پڑھنے کا حکم فرمایا ہے وہاں بلند آواز سے پڑھنی ہے اور جہاں بلند آواز سے پڑھنے کا حکم نہیں ہے وہاں بلند آواز سے پڑھنا مکروہ بھی ہے اور بدعت بھی ہے۔ موارد الظمآن وغیرہ میں حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خَیْرُ الذِّکْرِ الْخَفِیُّ "بہترین ذکر آہستہ ہے۔" صرف اپنے کان سنیں لوگوں کے کان نہ کھائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آہستہ ذکر کرنا بلند آواز سے ذکر کرنے سے ستر گنا زیادہ درجہ رکھتا ہے۔

تو حضرت زکریا علیہ السلام نے مخفی طریقہ سے اپنے رب کو پکارا ﴿قَالَ﴾ عرض کیا ﴿رَبِّ اِنِّیْ وَھَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ﴾ اے میرے رب! یہ ﴿رَبِّ﴾ کا لفظ جہاں بھی آئے گا اصل میں یَا رَبِّیْ ہے۔ تخفیفاً حرف ندا 'یا' کو حذف کر دیتے ہیں اور آخر میں 'ی' متکلم کو بھی حذف کر دیتے ہیں۔ اے میرے رب! بے شک میں بڑھاپے کی وجہ سے میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں ﴿وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ

شَيْبًا﴾ اور بھڑک اٹھا ہے میرا سر بڑھاپے کی وجہ سے، ہڈیاں کمزور ہیں سر کے بال سفید ہیں۔ تفسیروں میں آتا ہے اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ اور اے میرے رب! ﴿وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا﴾ اور نہیں ہوں میں آپ کو پکارنے کی وجہ سے اے میرے رب محروم۔ اے پروردگار! آپ کو پکارنے کی وجہ سے میں کبھی نامراد نہیں رہا جب بھی آپ سے سوال کیا آپ نے میری مراد پوری کی۔ اے پروردگار! اب میرا سوال یہ ہے کہ ﴿وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ﴾۔ مَوَالِيَ مَوْلٰی کی جمع ہے اس کا معنی ہے وارث، رشتہ دار، خاندان کے لوگ۔ میں اپنے خاندان کے لوگوں سے خوف کرتا ہوں ﴿مِنْ وَّرَآءِيْ﴾ اپنے بعد۔ دین کی حفاظت کا خوف تھا کہ میرے بعد دین کی حفاظت نہیں کریں گے ﴿وَكَانَتِ امْرَأَتِيْ عَاقِرًا﴾ اور ہے میری بیوی بانجھ۔ عیشاعہ اس کا نام تھا بنت فاقوذ۔

وراثت سے مراد علمی وراثت ہے انبیاء علیہم السلام کا مالی وارث کوئی نہیں ہوتا

تفسیروں میں آتا ہے کہ ان کی اس وقت عمر ۹۹ سال تھی ﴿فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا﴾ پس آپ دیں مجھ کو اپنی طرف سے جانشین وارث ﴿يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ﴾ جو وارث بنے میرا اور وارث بنے یعقوب کے خاندان کا ﴿وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا﴾ اور آپ کر دیں اس کو اے میرے رب پسندیدہ۔ یہاں وراثت سے مراد کس چیز کی وراثت ہے؟ تو یاد رکھنا! تمام اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ پیغمبروں کی مال میں وراثت تقسیم نہیں ہوتی۔ بخاری و مسلم اور تمام صحاح میں یہ روایت ہے نَحْنُ مَعْشَرُ الْأَنْبِيَآءِ لَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَهُ صَدَقَةٌ "فرمایا آنحضرت ﷺ نے ہم جو پیغمبروں کی جماعت ہیں ہماری مالی وراثت نہیں ہوتی جو مال ہمارے پاس ہوتا ہے وہ صدقہ ہوتا ہے۔" حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "قُرَّةُ الْعَيْنَيْنِ فِيْ تفضيل الشيخين" کتاب لکھی ہے جس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان فرمائے ہیں۔ انھی فضائل سے سڑ جل کر نجف خان دہلوی نے جو شیعہ تھا حضرت شاہ صاحب کی انگلیاں کاٹ دی تھیں۔ اس کتاب میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ روایت نقل کرتے ہیں لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرِثُ "نہ ہم وارث ہوتے ہیں اور نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے۔" ہماری وراثت آگے تقسیم نہیں ہوتی۔ لَا نَرِثُ کے الفاظ مجھے اور کسی کتاب میں نہیں ملے لَا نُوْرِثُ کے الفاظ تو کثرت کے ساتھ ہیں۔

شیعوں اور قادیانیوں کا دعویٰ باطل ہے وہ کہتے ہیں کہ پیغمبروں کی وراثت تقسیم ہوتی ہے اور آپ ﷺ کی وراثت بھی تقسیم ہوئی ہے۔ شیعہ روافض کا اصل مقصد یہ ہے کہ وراثت کے مسئلے پر زور دیں گے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کا ظالم ہونا ثابت ہو جائے گا کہ انھوں نے پیغمبر کی وراثت تقسیم نہیں کی۔ چنانچہ خمینی نے اپنی کتاب "کشف الاسرار" میں لکھا ہے کہ قرآن کا پہلا باغی ابو بکر تھا (رضی اللہ عنہ) کیوں کہ ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ میں وراثت کا مسئلہ بیان ہوا ہے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کا حصہ نہیں دیا لہٰذا قرآن کا پہلا باغی اور منکر ابو بکر ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) اور دوسرا منکر اور زندیق عمر ہے۔ اس نے بھی نہیں دیا۔

توان کا اصل مقصد یہ ہے کہ وراثت کے مسئلے پر زور لگا کر ان کا ظالم ہونا ثابت کریں۔ اہل حق نے قادیانیوں کو کہا کہ تم کہتے ہو کہ غلام احمد قادیانی معاذ اللہ تعالیٰ! پیغمبر ہے اس کے والد کا نام مرتضیٰ تھا اور وہ انگریز کا ٹاؤٹ، اس کی وراثت مرزے قادیانی نے کیوں لی؟ اور پھر مرزے قادیانی کی وراثت کیوں چلی پیغمبروں کی وراثت تو نہیں چلتی؟ تو اس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ پیغمبروں کی وراثت چلتی ہے اور ان آیات سے دھوکہ دیتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا اے پروردگار! مجھے کوئی وارث دے جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی وارث ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبروں کی وراثت چلتی ہے لیکن ان کا اس آیت سے استدلال بالکل باطل ہے۔ کیوں کہ اول تو پیغمبر کی نگاہ میں دنیا کے مال کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہوتی تو پھر یہ کیسے مان لیں کہ زکریا علیہ السلام کو اپنے مال کی اتنی فکر تھی کہ اس کے لیے دعائیں کر رہے تھے کہ اے میرے رب! مجھے وارث دے کہ میرا مال کہیں برادری نہ کھا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان کے پاس مال تھا کتنا؟ کیوں کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے كَانَ عَبْدًا نَجَّارًا وہ بڑھئی تھے۔ لکڑی کا کام کرتے تھے مشینی دور ہوتا تو پھر بھی سمجھ لیتے بڑا کچھ کمایا ہوگا۔ مشینی دور تو تھا نہیں، تبلیغ بھی کرتے تھے، نماز بھی پڑھتے تھے پھر تیشہ آری چلا کر کتنی دولت اکٹھی کر لی ہوگی کہ جس کے لیے فکر مند تھے کہ اے میرے اللہ! مجھے اولاد دے تا کہ میرا مال کوئی اور نہ کھا جائے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو مال کی وراثت کا کوئی فکر نہیں تھا ان کو فکر تھا نبوت کی وراثت کا، علم کی وراثت کا، دین کی وراثت کا۔ آیت کریمہ سے دین کی وراثت مراد ہے کہ اے پروردگار! مجھے خاندان میں ایسا کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا جو میرے اس دین کے کام کو سنبھالے لہٰذا مجھے بیٹا عطا فرما جو میرے دین کے کام کا وارث بنے۔ اسی طرح سورہ نمل کی آیت نمبر ۱۶ سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ اس میں ہے ﴿ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ ﴾ "اور وارث ہوئے سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے۔" دیکھو! باپ بھی پیغمبر تھا اور بیٹا بھی پیغمبر ہے۔ اس وراثت سے مراد بھی نبوت کی وراثت ہے۔

میری کتاب ہے "ارشاد الشیعہ" اس میں میں نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس مسئلے کو بیان کیا ہے۔ اتنی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ تمھیں کسی اور کتاب میں نہیں ملے گی۔ اس آیت کریمہ سے استدلال کرنا اس لیے بھی صحیح نہیں ہے کیوں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اٹھارہ بھائی اور تھے اور مالی وراثت مراد ہوتی تو آیت اس طرح ہوتی وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ وَاِخْوَتُهٗ "حضرت سلیمان علیہ السلام اور اس کے بھائی داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے۔" مالی وراثت ہوتی تو سب کو ملتی صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو وراثت ملی۔ تو یہ نبوت کی وراثت تھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملی اور کسی بھائی کو نہیں ملی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اَلْاَنْبِيَاءُ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا "انبیاء علیہم السلام درہم اور دینار کا وارث نہیں بناتے اِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ پیغمبر علم کی وراثت دیتے ہیں جس نے علم حاصل کیا اس نے پورا حصہ لیا۔" سورہ فاطر آیت نمبر ۳۲ میں ہے ﴿ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ﴾ "پھر ہم نے وارث بنایا ان لوگوں کو جنھیں ہم نے منتخب کیا اپنے بندوں میں سے۔" تو ان آیات میں جس وراثت کا ذکر ہے وہ نبوت کی وراثت ہے، رسالت کی وراثت ہے، مال کی وراثت قطعاً مراد نہیں ہے۔

عرض کیا ﴿وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا﴾ اور آپ کر دیں اس کو اے میرے رب پسندیدہ۔ فرمایا ﴿يٰزَكَرِيَّآ﴾ اے زکریا علیہ السلام ! ﴿اِنَّا نُبَشِّرُكَ﴾ بیشک ہم آپ کو خوشخبری دیتے ہیں ﴿بِغُلٰمِ ِۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى﴾ ایک لڑکے کی اس کا نام یحییٰ ہوگا، علیہ السلام ﴿لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا﴾ نہیں بنایا ہم نے اس کے لیے اس سے پہلے کوئی ہم نام، اس نام کا پہلے کوئی لڑکا نہیں۔ اکثر مفسرین یہی معنی کرتے ہیں اور بعض نے یہ بھی معنیٰ کیا ہے کہ اگرچہ اس نام کا کوئی ہو لیکن اتنی صفات اور خوبیاں جو ان میں تھیں اس دور میں وہ کسی اور میں نہیں تھیں۔ ﴿قَالَ﴾ زکریا علیہ السلام نے عرض کیا ﴿رَبِّ﴾ اے میرے پروردگار ! ﴿اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ﴾ کیسے ہوگا میرے لیے لڑکا ﴿وَّ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا﴾ اور ہے میری بیوی بانجھ۔ ننانوے سال کی ہو چکی ہے کوئی بچہ نہیں ہوا اب بچہ جننے کے قابل نہیں ہے ﴿وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا﴾ عِتِیٌّ کے دو معنیٰ آتے ہیں۔ ایک معنیٰ ہے کمر کبڑی ہو جائے، آدمی بوڑھا ہو جائے تو کبڑا ہو جاتا ہے۔ اور اکثر معنیٰ کرتے ہیں کمر جھک گئی ہے۔ جس وقت رطوبات خشک ہو جاتی ہیں تو درد شروع ہو جاتے ہیں۔ تو کمر میری جھک گئی ہے اس حالت میں مجھے بچہ کیسے ملے گا؟ باقی ذکر آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿قَالَ رَبُّكَ﴾ فرمایا آپ کے رب نے ﴿هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ﴾ یہ مجھ پر آسان ہے ﴿وَّقَدْ خَلَقْتُكَ﴾ اور تحقیق میں نے پیدا کیا آپ کو ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿وَلَمْ تَكُ شَيْئًا﴾ اور آپ نہیں تھے کوئی چیز ﴿قَالَ﴾ عرض کیا زکریا علیہ السلام نے ﴿رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً﴾ اے میرے رب! بنا دیں آپ میرے لیے کوئی نشانی ﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿اٰيَتُكَ﴾ آپ کی نشانی یہ ہے ﴿اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ﴾ کہ آپ کلام نہیں کر سکیں گے لوگوں کے ساتھ ﴿ثَلٰثَ لَيَالٍ﴾ تین راتیں ﴿سَوِيًّا﴾ آپ ٹھیک ٹھاک ہوں گے ﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ﴾ پس وہ نکلے اپنی قوم پر ﴿مِنَ الْمِحْرَابِ﴾ اپنے حجرے سے ﴿فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ﴾ پس اشارہ کیا ان کی طرف زکریا علیہ السلام نے ﴿اَنْ سَبِّحُوْا﴾ کہ تسبیح بیان کرو ﴿بُكْرَةً﴾ پہلے پہر ﴿وَّعَشِيًّا﴾ اور پچھلے پہر ﴿يٰيَحْيٰى﴾ اے یحییٰ علیہ السلام ﴿خُذِ الْكِتٰبَ﴾ پکڑیں آپ کتاب کو ﴿بِقُوَّةٍ﴾ مضبوطی کے ساتھ ﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ﴾ اور دیا ہم نے ان کو حکم ﴿صَبِيًّا﴾ جب کہ وہ بچے تھے ﴿وَّحَنَانًا﴾ اور شفقت دی ﴿مِّنْ لَّدُنَّا﴾ اپنی طرف سے ﴿وَزَكٰوةً﴾ اور پاکیزگی ﴿وَكَانَ تَقِيًّا﴾ اور تھے وہ پرہیزگار ﴿وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ﴾ اور اچھا سلوک کرنے والے تھے اپنے والدین کے ساتھ ﴿وَلَمْ يَكُنْ﴾ اور نہیں تھے ﴿جَبَّارًا﴾ جبر کرنے والے ﴿عَصِيًّا﴾ نافرمان ﴿وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ﴾ اور سلامتی ہے اس پر ﴿يَوْمَ وُلِدَ﴾ جس دن پیدا ہوئے ﴿وَيَوْمَ يَمُوْتُ﴾ اور جس دن وفات پائیں گے ﴿وَيَوْمَ يُبْعَثُ﴾ اور جس دن کھڑے کیے جائیں ﴿حَيًّا﴾ زندہ ہو کر ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ﴾ اور ذکر کریں

آپ کتاب میں مریم علیہا السلام کا ﴿اِذِ انْتَبَذَتْ﴾ جس وقت وہ الگ ہوئیں ﴿مِنْ اَهْلِهَا﴾ اپنے گھر کے افراد سے ﴿مَكَانًا شَرْقِيًّا﴾ مکان کے مشرق کی طرف ﴿فَاتَّخَذَتْ﴾ پس بنایا اس نے ﴿مِنْ دُوْنِهِمْ﴾ ان سے ورے ﴿حِجَابًا﴾ پردہ ﴿فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا﴾ پس ہم نے بھیجا ان کی طرف ﴿رُوْحَنَا﴾ اپنے روح القدس فرشتے کو ﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا﴾ پس اس نے شکل اختیار کی اس کے سامنے ﴿بَشَرًا﴾ بشر کی ﴿سَوِيًّا﴾ جو بالکل ٹھیک ٹھاک ہو۔

حضرت زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے۔ قوم کو سمجھاتے تبلیغ کرتے عمر زیادہ ہوگئی، بیوی عیشاعہ بنت فاقوذ بانجھ ہوگئی وہ بھی بڑی نیک پارسا بیوی تھی، دعائیں کرتی تھی اے پروردگار! یہ تبلیغ کا سلسلہ چلتا رہے ختم نہ ہو۔ زکریا علیہ السلام بھی بوڑھے ہو گئے ہیں ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ "موت کا ذائقہ سب نے چکھنا ہے۔" اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی کے لیے خلود نہیں ہے ﴿وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ [رحمٰن:۲۷] "اور باقی رہے گی تیرے رب کی ذات جو بزرگی اور عظمت والا ہے۔" باقی سب پر فنا آئے گی۔ اس سلسلے میں زکریا علیہ السلام بھی بڑے پریشان تھے۔ خاندان بڑا وسیع تھا ان میں اچھے لوگ بھی تھے لیکن بُرے ہمیشہ زیادہ رہے ہیں۔ ان سے خوف تھا اب تو ان پر تھوڑا بہت خوف ہے میرے مرنے کے بعد وہ بھی جاتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے کوئی وارث عطا فرما جو میری نبوت کے سلسلے میں وارث بنے۔
تیسرے پارے میں ہے ﴿فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ﴾ [آل عمران:۳۹] "پس آواز دی زکریا علیہ السلام کو فرشتوں نے جب کہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے کمرے میں۔" نماز کی حالت میں گفتگو شروع کر دی۔ فرشتوں کے ساتھ گفتگو کرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ لوگوں کے ساتھ گفتگو کرو نماز کی حالت میں تو نماز ٹوٹ جاتی ہے نماز میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرشتہ اللہ تعالیٰ کا سفیر ہوتا ہے۔ سفیر کے ساتھ بات کرنا رب تعالیٰ کے ساتھ بات کرنا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو لڑکے کی خوش خبری سناتے ہیں اور اس کا نام یحییٰ علیہ السلام ہوگا۔ حضرت زکریا علیہ السلام بڑے تعجب اور جرأت سے فرمانے لگے کہ مجھے لڑکا کیسے حاصل ہوگا بیوی میری بانجھ ہے اور بڑھاپے کی وجہ سے میری کمر دوہری ہوگئی ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر اس وقت ایک سو بیس سال تھی اور ننانوے سال بیوی کی عمر تھی۔ اس کا ذکر ہے۔

﴿قَالَ﴾ رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ہوگا ﴿قَالَ رَبُّكَ﴾ آپ کے رب نے فرمایا ہے اے مخاطب! ﴿هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ﴾ یہ میرے لیے آسان ہے۔ اس بڑھاپے میں ہمارے لیے اولاد دینا کوئی مشکل چیز نہیں ہے۔ مشکل مخلوق کے لیے ہوگی اے زکریا علیہ السلام! ﴿وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ﴾ اور تحقیق میں نے آپ کو پیدا کیا اس سے پہلے ﴿وَلَمْ تَكُ شَيْئًا﴾ اور نہیں تھے آپ کوئی چیز۔ آپ کا وجود بھی نہیں تھا اور میں قادر مطلق نے جس طرح تجھے پیدا کیا ایسے ہی تجھ کو لڑکا بھی دوں گا۔ ﴿قَالَ﴾ زکریا علیہ السلام نے عرض کیا ﴿رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً﴾ اے میرے رب! بنا دیں آپ میرے لیے کوئی نشانی جس سے میں سمجھوں کہ میری بیوی اُمید سے ہے۔

نبی کو مافی الارحام کا علم نہیں تو ولی کو کیسے ہوسکتا ہے؟

دیکھو! آج کل بعض غالی قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ ولی نہیں ہوسکتا جب تک مَا فِی الْاَرْحَامِ کو نہ جانے یعنی جو کچھ رحموں میں ہے اس کا علم نہ ہو تو ولی نہیں ہوسکتا، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ بچائے اس بُرے عقیدے سے۔ یاد رکھنا! اَرْحَام کی کیفیت صرف رب جانتا ہے۔ ہاں! وحی کے ذریعے، کشف کے ذریعے اور الہام کے ذریعے کسی کو رب تعالیٰ دو چار واقعات بتا دے اور اس کو معلوم ہو جائے تو یہ الگ بات ہے اور غیب نہیں ہے یہ تو رب تعالیٰ بتلاتے ہیں۔ اگر مَا فِی الْاَرْحَامِ کا علم نبی ولی کو ہوتا تو حضرت زکریا علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے نشانی کیوں مانگتے کہ میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دے تا کہ میں سمجھ جاؤں کہ میری بیوی باُمید ہوگئی ہے۔

﴿قَالَ﴾ رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿اٰیَتُكَ﴾ آپ کی نشانی یہ ہے ﴿اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا﴾ کہ آپ کلام نہیں کر سکیں گے لوگوں کے ساتھ تین راتیں۔ ٹھیک ٹھاک ہوں گے لوگوں کے ساتھ بات کرنا چاہیں گے تو زبان نہیں چلے گی۔ ذکر و تسبیح کے لیے چلے گی، نماز کے لیے چلے گی لیکن جب کسی آدمی کے ساتھ بات کرنا چاہو گے تو زبان ساتھ نہیں دے گی۔ اس مقام پر تین راتوں کا ذکر ہے اور تیسرے پارے میں ﴿ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ﴾ [آل عمران: ۴۱] "تین دن" دونوں آیتوں کو ملا کر مفہوم بنے گا کہ تین دن اور تین راتیں جب آپ لوگوں کے ساتھ بات کرنا چاہو گے تو بات نہیں کر سکو گے اور ہو گے بھی ٹھیک ٹھاک زبان پر چھالے نہیں ہوں گے، زخم نہیں ہوں گے جب یہ کیفیت ہو تو سمجھ جانا کہ آپ کی بیوی باُمید ہے۔ ﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ﴾ محراب کا معنیٰ کمرہ پس وہ نکلے اپنی قوم پر اپنے خاص کمرے سے ﴿فَاَوْحٰۤى اِلَیْهِمْ﴾ پس اشارہ کیا ان لوگوں کی طرف زکریا علیہ السلام نے ﴿اَنْ سَبِّحُوْا﴾ کہ تسبیح بیان کرو اللہ تعالیٰ کی ﴿بُكْرَةً وَّعَشِیًّا﴾ صبح اور شام ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ یہ فرشتوں کی تسبیح ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو پیدا کیا ابھی بچے تھے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿یٰیَحْیٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ﴾ اے یحییٰ علیہ السلام! آپ کتاب کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو۔ تمام مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ کتاب سے مراد تورات ہے قرآن کریم کے بعد تمام آسمانی کتابوں میں تورات کا مقام بہت بلند ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے انجیل عطا فرمائی اس میں کچھ احکام جدید تھے اور زیادہ تر اخلاق ہیں قانون زندگی تورات میں ہی ہے۔ تو فرمایا اس کتاب کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو۔ ﴿وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا﴾ اور دیا ہم نے ان کو حکم جبکہ وہ بچے تھے۔ تین سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی آگے ذکر آئے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بچپن میں نبوت ملی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا﴾ اور شفقت دی اپنی طرف سے، بڑی شفقت اور نرمی کرنے والے تھے ﴿وَّزَكٰوةً﴾ اور پاکیزگی دی، پاکیزہ خصلت والے اور بڑی نظافت والے تھے۔

تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں منقول ہے کہ بچپن میں محلے کے بچوں نے کہا اے یحییٰ علیہ السلام! آؤ کھیلیں۔ فرمانے لگے لَمْ

نُخۡلَقۡ لِلَّعِبۡ "ہم کھیل کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔" حالاں کہ بچوں کو کھیل بڑی پیاری لگتی ہے۔ تو یہ بچپن میں بڑے اخلاق کے مالک تھے ﴿وَ كَانَ تَقِيًّا﴾ اور تھے وہ پرہیز گار ﴿وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيۡهِ﴾ اور اچھا سلوک کرنے والے تھے والدین کے ساتھ۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک

حقوق العباد میں والدین کے ساتھ حسن وسلوک کی بڑی تاکید ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے والدین کے حقوق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے لَا تَقُلۡ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَ قُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا [بنی اسرائیل: ۲۳] "اور اے مخاطب نہ کہو والدین کو اف اور بات کرو ان کے سامنے ادب کے ساتھ۔" اُف کا معنیٰ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کرتے ہیں "ہوں ہاں" لوگ کسی کو بلاتے ہیں اور وہ کہتا ہے جواب میں ہاں کہ میں نے تمھاری بات سن لی ہے اور بعض علاقوں میں ہوں کہتے ہیں۔ تو اگر ماں باپ بلائیں تو ہوں ہاں بھی نہیں کہہ سکتے۔ کیوں؟ اگرچہ اس میں ان کی بات کا جواب ہے مگر لفظ بڑے سخت اور کرخت ہیں ادب کا پہلو اس میں نہیں ہے۔ جی بول کر کہو۔ رئیس التابعین حضرت سعید ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ماں باپ کے سامنے ایسے انداز سے گفتگو کرے جیسے سخت آقا کے سامنے کمزور غلام بولتا ہے مگر آج تو قصہ ہی اور ہے آج کی نافرمانی الامان لوگوں کے ذہن بدل گئے ہیں، حالات بدل گئے ہیں، ہزار میں سے کوئی ایک آدھ ہوگا خوش قسمت جس کو اولاد سے سکھ ملا ہوگا۔

فرمایا ﴿وَ لَمۡ يَكُنۡ جَبَّارًا﴾ اور نہیں تھے جبر کرنے والے۔ جبر کا معنیٰ قہر کرنا، ظلم اور زیادتی کرنا ﴿عَصِيًّا﴾ نافرمان بھی نہیں تھے۔ والدین کے فرمانبردار تھے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ سَلٰمٌ عَلَيۡهِ﴾ اور سلامتی ہو یحییٰ علیہ السلام پر ﴿يَوۡمَ وُلِدَ﴾ جس دن پیدا ہوئے ﴿وَيَوۡمَ يَمُوۡتُ﴾ اور جس دن وفات پائیں گے ﴿وَيَوۡمَ يُبۡعَثُ حَيًّا﴾ اور جس دن کھڑے کیے جائیں گے زندہ کر کے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کی وجہ

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تعریف میں حَصُوۡرًا کے لفظ بھی آئے ہیں تیسرے پارے میں۔ انھوں نے شادی نہیں کی تھی سارا وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہی گزارتے تھے۔ اس علاقہ کا جو بادشاہ تھا اس کے گھر کافی عورتیں تھیں، لونڈیاں تھیں۔ اس کی ایک سگی بھانجی بڑی خوب صورت تھی۔ اس ظالم بادشاہ نے کہا کہ میں نے اس بھانجی کے ساتھ نکاح کرنا ہے۔ لوگوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اطلاع دی کہ وہ اپنی بھانجی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام بڑے پریشان ہوئے کہ تورات کو ماننے والا ہے، کلمہ پڑھنے والا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والا ہے اور یہ کیا کر رہا ہے۔ اپنا فریضہ ادا کرنے کے لیے دو چار ساتھی لے کر اس کے پاس گئے۔ بادشاہ سے کہا کہ میں نے یہ بات سنی ہے کہ آپ اپنی بھانجی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے ہیں بادشاہ بڑے کرخت اور سخت لہجے میں بولا تجھے کیا ہے؟ اپنا کام کرو۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا فریضہ ہے جہاں کہیں

برائی ہو اس کو روکنا اور مسئلہ بتلانا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہمارے فریضہ میں شامل ہے اس کے پاس دوست اور لفنگے قسم کے لوگ کافی سارے بیٹھے تھے۔ اس نے اپنی سخت توہین سمجھی کہ میرے ساتھیوں اور دوستوں میں آکر مجھے ایسا کہا ہے یہ کون ہوتا ہے ایسا کہنے والا؟ اس ظالم نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کر دیا۔

دمشق شہر میں جامع اموی مسجد ہے عبدالملک بن مروان نے ۱۲۸ ھ میں بنوائی تھی۔ اس مسجد میں یحییٰ علیہ السلام کی قبر ہے میں نے خود دیکھی ہے اور صلاۃ وسلام بھی پیش کر کے آیا ہوں۔ سوق حمیری وہاں مشہور بازار ہے اور مسجد اموی سوق حمیدیہ میں ہے۔ اس مسجد کے مشرقی طرف سفید اونچا مینارہ ہے اس مینارہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔ حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش چوں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے گھر ہوئی تھی اسی لیے ان کا ذکر ہوا۔ آگے حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر ہے اور ان کی ولادت کا ذکر تیسرے پارے میں بڑی تفصیل کے ساتھ ہوا ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ﴾ اور ذکر کریں آپ کتاب میں مریم علیہا السلام کا۔ قرآن پاک میں حضرت مریم علیہا السلام کے سوا اور کسی عورت کے نام کا ذکر نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے جوڑے کا ذکر ہے زَوْجُكَ الْجَنَّةَ لیکن حضرت حوا علیہا السلام کا نام نہیں ہے۔ نوح علیہ السلام کی بیوی کا ذکر ہے اِمْرَاَتَ نُوْحٍ نام نہیں ہے۔ لوط علیہ السلام کی بیوی کا ذکر ہے اِمْرَاَتَ لُوْطٍ لیکن نام نہیں ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کا نام قرآن پاک میں تیس دفعہ آیا ہے۔ اوسطاً گویا فی پارہ ایک دفعہ ان کا نام آیا ہے۔ مریم کے لفظی معنیٰ ہیں عابدہ عبادت کرنے والی۔ یہ عبرانی لفظ ہے اور عابدہ عربی لفظ ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام جوان ہوئیں۔ اپنی خالہ کے گھر رہتی تھیں۔ سادہ زمانہ ہوتا تھا بیرونی دیوار کے دو کونوں کے ساتھ انھوں نے ایک ٹاٹ لٹکایا ہوا تھا جس نے غسل کرنا ہوتا تھا پردہ آگے کر کے غسل کر لیتا تھا۔ آج جو سہولتیں لوگوں کو حاصل ہیں یہ ان کے تصور میں بھی نہیں تھیں۔

چنانچہ ﴿اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا﴾ جس وقت مریم علیہا السلام الگ ہوئیں اپنے گھر کے افراد سے ﴿مَكَانًا شَرْقِيًّا﴾ مشرقی کونے میں۔ وہاں پر ان کا غسل خانہ تھا دو دیواروں کے درمیان ٹاٹ لٹکایا ہوا تھا وہاں غسل کر لیتے تھے ﴿فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا﴾ پس بنایا حضرت مریم علیہا السلام نے ان سے ورے یعنی افراد خانہ کے سامنے پردہ تاکہ وہ غسل کر لیں۔ جب وہ غسل سے فارغ ہوئیں کپڑے پہن لیے ﴿فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا﴾ پس ہم نے بھیجا ان کی طرف اپنے روح القدس فرشتے کو، جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا ﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾ پس اس نے شکل اختیار کی اس کے سامنے ایسے انسان کی جو بالکل ٹھیک ٹھاک ہو صحت مند خوبصورت نوجوان۔ حضرت مریم علیہا السلام نے دیکھا کہ میں غسل کر کے کپڑے پہن کے فارغ ہوئی ہوں اور یہ موٹا تازہ نوجوان آ گیا ہے اس کی نیت اچھی نہیں ہے گھبرا گئیں۔ آگے بیان آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اگر زندگی رہی تو۔

﴿قَالَتْ﴾ کہا مریم علیہا السلام نے ﴿اِنِّیْٓ﴾ بے شک میں ﴿اَعُوْذُ﴾ پناہ لیتی ہوں ﴿بِالرَّحْمٰنِ﴾ رحمٰن کے ساتھ ﴿مِنْكَ﴾ تجھ سے اِنْ كُنْتَ اگر ہے تو ﴿تَقِيًّا﴾ پرہیزگار ﴿قَالَ﴾ اس نے کہا ﴿اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ﴾ بے شک میں قاصد ہوں آپ کے رب کا ﴿لِاَهَبَ لَكِ﴾ تاکہ میں دے دوں آپ کو ﴿غُلٰمًا﴾ لڑکا ﴿زَكِيًّا﴾ پاکیزہ ﴿قَالَتْ﴾ وہ کہنے لگی ﴿اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ﴾ کیسے ہوگا میرے ہاں لڑکا ﴿وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ﴾ اور نہیں چھوا مجھے کسی انسان نے ﴿وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا﴾ اور نہیں ہوں میں بدکار ﴿قَالَ﴾ اس نے کہا ﴿كَذٰلِكِ﴾ اسی طرح ہوگا ﴿قَالَ رَبُّكِ﴾ فرمایا ہے آپ کے رب نے ﴿هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ﴾ وہ میرے لیے آسان ہے ﴿وَلِنَجْعَلَهٗٓ﴾ اور تاکہ کریں ہم اس کو ﴿اٰيَةً لِّلنَّاسِ﴾ نشانی لوگوں کے لیے ﴿وَرَحْمَةً مِّنَّا﴾ اور رحمت اپنی طرف سے ﴿وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا﴾ اور ہے معاملہ طے شدہ ﴿فَحَمَلَتْهُ﴾ پس اس نے اُٹھایا اس کو اپنے پیٹ میں ﴿فَانْتَبَذَتْ بِهٖ﴾ پس الگ ہوئیں وہ اس کو لے کر ﴿مَكَانًا قَصِيًّا﴾ دور مکان میں ﴿فَاَجَآءَهَا﴾ پس اس کو مجبور کر دیا ﴿الْمَخَاضُ﴾ دردِ زہ نے ﴿اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ﴾ کھجور کے تنے کی طرف ﴿قَالَتْ﴾ کہنے لگی ﴿يٰلَيْتَنِيْ﴾ کاش کہ ﴿مِتُّ قَبْلَ هٰذَا﴾ مر چکی ہوتی اس سے پہلے ﴿وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا﴾ اور میں ہوتی بھولی بسری ﴿فَنَادٰىهَا﴾ پس اس نے آواز دی اس کو ﴿مِنْ تَحْتِهَآ﴾ اس درخت کے نیچے سے ﴿اَلَّا تَحْزَنِيْ﴾ یہ کہ آپ غم نہ کریں ﴿قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ﴾ تحقیق بنایا ہے آپ کے رب نے ﴿تَحْتَكِ سَرِيًّا﴾ آپ کے نیچے چشمہ ﴿وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ﴾ اور حرکت دیں اپنی طرف ﴿بِجِذْعِ النَّخْلَةِ﴾ کھجور کے تنے کو ﴿تُسٰقِطْ﴾ گرائے گا ﴿عَلَيْكِ﴾ آپ پر ﴿رُطَبًا جَنِيًّا﴾ تازہ کھجوریں ﴿فَكُلِيْ﴾ پس کھائیں آپ ﴿وَاشْرَبِيْ﴾ اور پئیں ﴿وَقَرِّيْ عَيْنًا﴾ اور ٹھنڈی کریں آنکھ کو ﴿فَاِمَّا تَرَيِنَّ﴾ پس اگر آپ دیکھیں ﴿مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا﴾ انسانوں میں سے کسی کو ﴿فَقُوْلِيْٓ﴾ پس کہیں آپ ﴿اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا﴾ بے شک میں نے نذر مانی ہے رحمان کے لیے خاموش رہنے کی ﴿فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا﴾ پس ہرگز میں کلام نہیں کروں گی آج کے دن کسی انسان سے۔

پچھلے درس میں تم نے پڑھا کہ حضرت مریم علیہا السلام جب غسل کر کے کپڑے پہن کر فارغ ہوئیں تو ایک صحیح سالم انسان، صحت مند، تندرست سامنے آ گیا اس کو دیکھ کر گھبرا گئیں کہ اس شخص کی نیت اچھی نہیں ہے۔ اس وقت ﴿قَالَتْ﴾ کہا مریم علیہا السلام نے ﴿اِنِّيْٓ اَعُوْذُ﴾ بے شک میں پناہ لیتی ہوں ﴿بِالرَّحْمٰنِ﴾ رحمٰن کے ساتھ ﴿مِنْكَ﴾ تجھ سے۔ میں رحمٰن کا تجھ کو واسطہ دیتی ہوں، رحمٰن سے مدد حاصل کرتی ہوں ﴿اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا﴾ اگر ہے تو پرہیزگار تو چلے جاؤ۔ کیوں کہ ایسے موقع پر ایسا ہی خیال پیدا ہو سکتا

ہے ﴿قَالَ﴾ اس آنے والے نے کہا ﴿اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ﴾ بے شک میں قاصد ہوں آپ کے رب کا۔ رسول کا معنی ہے پیغام پہنچانے والا۔ میں نے تو آپ کو رب کا پیغام پہنچانا ہے ﴿لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا﴾ تاکہ میں دے دوں آپ کو لڑکا پاکیزہ۔

بیٹے بیٹیاں صرف اللہ تعالیٰ دیتا ہے

دینے کا مطلب تیسرے پارے میں آتا ہے ﴿اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ﴾ [آل عمران: ۴۵] "جب کہا فرشتوں نے اے مریم علیہا السلام! بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو خوش خبری دیتا ہے ایک کلمے کی اپنی طرف سے نام اس کا مسیح ابن مریم ہوگا۔" تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں آپ کو رب کی طرف سے ایک بچے کی خوش خبری دینے آیا ہوں کہ رب آپ کو بچہ دے گا۔ بعض جاہل قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ دیکھو! اگر فرشتہ بیٹا دے سکتا ہے تو ولی کیوں نہیں دے سکتے۔ بھئی! وہ بے چارہ تو آواز دے رہا ہے ﴿اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ﴾ بے شک میں آپ کے رب کا بھیجا ہوا ہوں، قاصد ہوں، ڈاکیا ہوں، ڈاکیے کا کام خط دینا ہے لکھنا نہیں ہے۔ ﴿قَالَتْ﴾ حضرت مریم علیہا السلام نے کہا ﴿اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ﴾ کیسے ہوگا میرے ہاں لڑکا ﴿وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ﴾ اور نہیں چھوا مجھے کسی انسان نے جائز طریقے سے کہ میرا کسی کے ساتھ نکاح ہوا ہو ﴿وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا﴾ اور نہیں ہوں میں بدکار۔

عادتاً بچہ دو طریقوں سے ہی ملتا ہے یا حلال طریقے سے یا حرام طریقے سے اور یہاں دونوں باتیں نہیں ہیں بچہ کیسے ہوگا؟ ﴿قَالَ﴾ فرشتے نے کہا ﴿كَذٰلِكِ﴾ اسی طرح ہوگا۔ کیوں؟ ﴿قَالَ رَبُّكِ﴾ فرمایا ہے آپ کے رب نے ﴿هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ﴾ وہ میرے لیے آسان ہے۔ رب تعالیٰ نے دینا ہے میں نے تو نہیں دینا اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا ﴿خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ [آل عمران: ۵۹] "آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا پھر فرمایا اس کو ہو جا پس وہ ہوگیا۔" اور حضرت حوا علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا تو کتنے صریح اور صاف لفظ ہیں ﴿هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ﴾ وہ میرے لیے آسان ہے۔ بغیر باپ کے بیٹا ہوا ہے بغیر خاوند کے بیٹا ملا ہے۔

مرزا قادیانی بدزبان تھا

اب مرزا قادیانی کی راگ سنو! مرزا غلام احمد قادیانی دجال نے اپنی کتاب "کشتی نوح" صفحہ ۱۴ میں لکھا ہے میرے پاس پرانا نسخہ طبع قادیان ہے اب نئے نسخے کا صفحہ اور ہوگا۔ اس میں پہلے تو مولویوں کو گالیاں دی ہیں۔ 'الف' سے شروع کر کے 'ی' تک۔ اسی طرح الو مولوی، بلی مولوی کہ مولوی برے ہیں۔ بھئی! برے کیوں نہ ہوں کہ انھوں نے تیری اس جھوٹی نبوت سے لوگوں کو آگاہ کیا ہے اور جھوٹی نبوت کا دروازہ بند کیا ہے۔ اگر لوگوں کو نہ بتلایا جاتا تو لوگ دھڑا دھڑ تیرے پیچھے لگ جاتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے عالم اسباب میں لوگوں کے ایمان کی حفاظت فرمائی ہے۔ علمائے حق نے آواز بلند کی یہاں ان پر پابندی ہے۔ جھوٹی نبوت کی تبلیغ کھلے بندوں نہیں کر سکتے اور جہاں پابندی نہیں ہے وہاں آج بھی تبلیغ کر رہے ہیں۔ میں نے کل کے اخبار میں پڑھا

ہے کہ انڈونیشیا میں کتنے سو آدمی قادیانی ہو گئے ہیں ان کی کوشش کے ساتھ۔ چوں کہ وہاں ان پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ آزاد کشمیر میں بھی ان پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہ لوگوں کو ویزے کا لالچ دے کر، رشتوں اور نوکریوں کا لالچ دے کر قادیانی بناتے ہیں۔ آزاد کشمیر میرپور کے علاقے میں کافی قادیانی ہیں۔

قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی

تو خیر پہلے تو علماء کو گالیاں دیں پھر کہتا ہے کہ یہ بدذات مولوی کہتے ہیں کہ میں عیسیٰ علیہ السلام کی عزت نہیں کرتا مجھ سے زیادہ عزت کرنے والا کون ہوگا۔ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت کرتا ہوں ان کی ماں مریم کی عزت کرتا ہوں، ان کے چھ بہن بھائیوں کی عزت کرتا ہوں، میں عیسیٰ علیہ السلام کے باپ یوسف نجار کی عزت کرتا ہوں۔ اس بے ایمان سے کوئی پوچھے کہ یوسف نجار حضرت مریم کا خاوند کہاں سے آ گیا ہے؟ اور بہن بھائی کہاں سے آ گئے؟ حضرت مریم علیہا السلام تو فرماتی ہیں ﴿اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ﴾ میرے لیے بچہ کیسے ہوگا؟ ﴿وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ﴾ اور مجھے کسی بشر نے چھوا نہیں ہے ہاتھ نہیں لگایا ﴿وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا﴾ اور میں بدکارہ بھی نہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ کہتا ہے ﴿كَذٰلِكِ﴾ اسی طرح ہوگا۔ رب تعالیٰ آپ کو دے گا آپ کا رب کہتا ہے یہ میرے لیے آسان ہے۔ بھئی! اس سے بڑھ کر عیسیٰ علیہ السلام کی کیا توہین ہوگی کہ یوسف نجار ترکھان کو عیسیٰ علیہ السلام کا باپ بنا دیا اور پھر آگے جو کچھ لکھا ہے نقل کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے اور کفر کا ڈر بھی لگتا ہے۔ "نقل کفر کفر نہ باشد" کے تحت نقل کرتے ہیں۔ لکھتا ہے پہلے ان کے آپس میں ناجائز تعلقات تھے پھر جب حمل ہو گیا تو نکاح ہوا، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

اور اس کی ایک کتاب ہے "تریاق القلوب" اس میں لکھتا ہے کہ تم کہتے ہو کہ میں عیسیٰ علیہ السلام سے کم ہوں۔ عیسیٰ علیہ السلام کی تو تین دادیاں، نانیاں زناکار اور کسبی عورتیں تھیں۔ بھئی! سوال یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی دادیاں کہاں سے آ گئیں؟ تو اس میں مرزا قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی ہے۔ مرزا دجال بے ایمان اور کافر ہے اس کو نبی مجتہد ماننے والے بھی کافر اور بے ایمان ہیں مگر جب لوگوں کی عقل ماری جائے تو اس کا کیا علاج ہے کہ ویزوں کے پیچھے پڑ جائیں، نوکریوں کے پیچھے پڑ جائیں، شادیوں کے پیچھے پڑ کر ایمان برباد کر لیتے ہیں۔ قادیانی بیرون ملک ملازمت کے لیے بھیجتے ہیں اور یہ ان کو لکھ دیتے ہیں کہ ہم احمدی ہیں ان کا فارم پُر کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو دھوکا دے دیا ہے۔ دھوکا نہیں دیا بلکہ تم کافر ہو گئے ہو اور تمھارے بھیجنے والے ماں باپ بھی کافر ہو گئے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کیسے ہوئی

تو حضرت مریم علیہا السلام نے فرمایا کہ میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا مجھے کسی بشر نے چھوا نہیں جائز طریقے سے اور نہ میں بدکارہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے نے کہا اسی حالت میں آپ کو ملے گا آپ کے رب نے فرمایا ہے میرے لیے آسان ہے۔ ﴿وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ﴾ اور تاکہ ہم اس کو بنائیں اپنی قدرت کی نشانی لوگوں کے لیے کہ رب تعالیٰ قادر مطلق ہے بغیر باپ کے بیٹا

دے سکتا ہے ﴿وَرَحْمَةً مِّنَّا﴾ اور رحمت بنائیں اس کو اپنی طرف سے۔اور فرمایا ﴿وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا﴾ اور ہے معاملہ طے شدہ۔ چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک ماری اس کا اثر ہوا کہ ان کے پیٹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود بن گیا۔آگے پھر روایات مختلف ہیں کہ پیدائش کتنے عرصہ کے بعد ہوئی۔بعض تین دن لکھتے ہیں،بعض نے تین مہینے لکھے ہیں اور بعض نے نو مہینے بھی لکھے ہیں۔

بہر حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود حضرت مریم علیہا السلام کے رحم میں بن گیا ﴿فَحَمَلَتْهُ﴾ پس اس نے اٹھایا اس کو پھر جب محسوس کیا کہ بچہ پیدا ہونے والا ہے ﴿فَانْتَبَذَتْ بِهِ﴾ پس وہ الگ ہوئیں اس پیٹ کے بچے کو لے کر ﴿مَكَانًا قَصِيًّا﴾ دور مکان میں یعنی ایسی جگہ جو گھر سے دور ہٹی ہوئی تھی پریشان تھیں کہ لوگوں کی تسلی کس طرح ہوگی۔عمران بن ماثان جیسے ولی کے گھر میں پیدا ہوئی ہوں ولی کامل میرا باپ ہے زکریا علیہ السلام کے گھر میری پرورش ہوئی ہے سب کو معلوم ہے کہ میری شادی نہیں ہوئی لوگوں کو کس طرح مطمئن کروں گی؟ پریشان تھیں دور کی جگہ میں چلی گئیں۔

﴿فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ﴾ پیدائش کے وقت جو درد ہوتا ہے اس کو مخاض کہتے ہیں معنیٰ ہوگا پس اس کو مجبور کر دیا درد زہ نے ﴿إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ﴾ کھجور کے تنے کی طرف۔وہاں کھجور کا ایک درخت تھا اس کے ساتھ انھوں نے تکیہ لگا یا نہ کوئی کھانے پینے کی کوئی چیز نہ کوئی دائی۔﴿قَالَتْ﴾ کہنے لگی ﴿يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا﴾ کاش کہ میں مر چکی ہوتی اس سے پہلے ﴿وَكُنتُ نَسْيًا مَّنسِيًّا﴾ اور میں ہوتی بھولی بسری۔میرا نام تک بھی نہ ہوتا کہ نہ کھانے پینے کی کوئی چیز ہے اور نہ مدد کے لیے کوئی دایہ ہے اور بدنامی علیحدہ ہے۔ اپنی جگہ مطمئن تھیں لیکن لوگوں کا منہ بند کرنا بڑا مشکل ہے ﴿فَنَادَاهَا مِن تَحْتِهَا﴾ پس اس نے آواز دی اس کو اس درخت کے نیچے سے،خوش خبری دینے والا فرشتہ جہاں وہ تھیں ٹیلے پر اس سے چند قدم نیچے آ کے کھڑا ہو گیا اور آواز دی ﴿أَلَّا تَحْزَنِي﴾ اے مریم علیہا السلام غم نہ کر،پریشان نہ ہو کیوں کہ ﴿قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا﴾ تحقیق بنایا ہے آپ کے رب نے آپ کے نیچے چشمہ۔ آپ کے پاؤں کے نیچے رب تعالیٰ نے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے پینے کے لیے ﴿وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ﴾ اور حرکت دیں ہلائیں اپنی طرف کھجور کے تنے کو ﴿تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا﴾ گریں گی آپ پر تازہ کھجوریں۔کھجوریں کھاؤ اور پانی پیو۔

تفسیروں میں یہ آتا ہے کہ تنا خشک تھا خشک تنے پر اللہ تعالیٰ نے کھجوریں لگائیں۔طبی نقطہ نظر سے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو عموماً عورتوں کو گرم چیزیں دیتے ہیں ٹھنڈی نہیں دیتے اور کھجور گرم بھی ہے اور مقوی اعصاب بھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ خاصیت بھی رکھی ہے کہ بدن کے فاسد مادے اس کے ذریعے پاخانے کے راستے نکل جاتے ہیں۔ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی اثر رکھا ہے۔فرمایا ﴿فَكُلِي وَاشْرَبِي﴾ تازہ کھجوریں کھاؤ اور پانی پیو ﴿وَقَرِّي عَيْنًا﴾ اور ٹھنڈی کریں آنکھ کو بچے کو دیکھ کر۔

عالم اسباب میں اسباب کو کام میں لاؤ

اب یہاں غور کرو بڑی عجیب بات ہے اور ہمارے تمہارے لیے اس میں سبق ہے کہ رب تعالیٰ کے فرشتے نے کہا

کھجور کو اپنی طرف ہلائیں تازہ کھجوریں گریں گی آپ کی طرف ۔ دیکھو! یہ حکم اس عورت کو دیا جا رہا ہے جس نے بچہ جنا ہے۔ اس حالت میں تو عورت خود نہیں ہل سکتی اس کو کھجور کے تنے کو ہلانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ جس کو گوگا پہلوان گوجرانوالہ رستم پاکستان بھی نہیں ہلا سکتا۔ پھر دیکھو جو رب خشک کھجور پر پھل لگا سکتا ہے اور وہ بھی بغیر موسم کے تو وہ اُوپر سے گرا نہیں سکتا؟ وہ لگا بھی سکتا ہے اور گرا بھی سکتا ہے لیکن ہمارے لیے اس میں سبق ہے کہ حرکت میں برکت ہے۔ تم بھی کچھ کرو فارغ نہ بیٹھو۔ ہلانا کیا تھا اشارہ ہی کرنا تھا اللہ تعالیٰ نے کھجوریں گرا دیں۔ یہ عالم اسباب ہے سبق دیا کہ اس میں محنت مشقت کرنی ہے۔

﴿فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا﴾ پس اگر آپ دیکھیں انسانوں میں سے کسی ایک کو ﴿فَقُوْلِیْٓ﴾ پس ان کو کہہ دینا ﴿اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا﴾ بے شک میں نے نذر مانی ہے رحمان کے لیے خاموش رہنے کی میں نے بات نہیں کرنی ﴿فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا﴾ پس ہرگز میں کلام نہیں کروں گی آج کے دن کسی انسان سے۔ ان کی شریعت میں خاموش رہنے کی نذر و منت جائز تھی ہماری شریعت میں خاموش رہنے کی نذر جائز نہیں ہے۔ بعض معتکفین پر جہالت کا غلبہ ہوتا ہے مسائل سے واقف نہیں ہوتے دُلہن کی طرح گھونگھٹ نکال لیتے ہیں اور کسی سے بات نہیں کرتے۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ بری بات ہے پھر خصوصاً رمضان شریف میں پھر مسجد میں۔ البتہ جائز باتیں کرنی ہیں۔ دین کی باتیں سیکھو سکھاؤ، پڑھو پڑھاؤ، بولو، خاموش رہنے کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

بخاری شریف میں روایت ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حج کے موقع پر ایک عورت کو دیکھا کہ وہ کسی سے بات نہیں کرتی اشاروں سے بات کرتی تھی۔ پوچھا اس عورت کو کیا مسئلہ ہے؟ بتایا گیا اس نے نذر مانی ہے کہ میں حج کے دوران احرام کی حالت میں کسی سے گفتگو نہیں کروں گی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بی بی! ہماری شریعت میں جائز نہیں ہے۔ کہنے لگی تم کون ہے؟ فرمایا میرا نام ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے۔ کون ابوبکر رضی اللہ عنہ؟ فرمایا جو مسلمانوں کا خلیفہ ہے۔ کہنے لگی خلیفہ کیا ہوتا ہے۔ جو مسلمانوں کا سربراہ ہے۔ آگے اس نے اور سوالات شروع کر دیئے۔ فرمایا پہلے تو بولتی نہیں تھی اور اب خاموش نہیں ہوتی۔ مشہور مقولہ ہے: "مردہ نہ بولے، بولے تو کفن پھاڑ کے بولے۔" شعر ہے:۔

سنے جاتے نہ تھے تم سے میرے دن رات کے شکوے
کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

تو فرمایا میں نے آج کے دن خاموش رہنا ہے۔ باقی قصہ آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿فَاَتَتۡ بِهٖ﴾ پس لے آئیں وہ اس کو ﴿قَوۡمَهَا﴾ اپنی قوم کے پاس ﴿تَحۡمِلُهٗ﴾ اُٹھا رہی تھی اس کو ﴿قَالُوۡا﴾ کہا قوم نے ﴿یٰمَرۡیَمُ﴾ اے مریم! ﴿لَقَدۡ جِئۡتِ شَیۡـًٔا فَرِیًّا﴾ البتہ تحقیق لائی ہے تو ایک چیز اوپری ﴿یٰۤاُخۡتَ هٰرُوۡنَ﴾ اے ہارون کی بہن! ﴿مَا كَانَ اَبُوۡكِ امۡرَاَ سَوۡءٍ﴾ نہیں تھا آپ کا باپ بُرا آدمی ﴿وَّمَا كَانَتۡ اُمُّكِ بَغِیًّا﴾ اور نہیں تھی آپ کی والدہ بدکار ﴿فَاَشَارَتۡ اِلَیۡهِ﴾ پس اس نے اشارہ کیا بچے کی طرف ﴿قَالُوۡا﴾ کہنے لگے ﴿كَیۡفَ نُكَلِّمُ﴾ ہم کس طرح کلام کریں ﴿مَنۡ﴾ اس سے ﴿كَانَ فِی الۡمَهۡدِ صَبِیًّا﴾ جو ہے گود میں بچہ ﴿قَالَ﴾ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا ﴿اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰهِ﴾ بے شک میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں ﴿اٰتٰىنِیَ الۡكِتٰبَ﴾ اس نے مجھے کتاب دی ہے ﴿وَ جَعَلَنِیۡ نَبِیًّا﴾ اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے ﴿وَّ جَعَلَنِیۡ مُبٰرَكًا﴾ اور اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے ﴿اَیۡنَ مَا كُنۡتُ﴾ میں جہاں بھی ہوں ﴿وَ اَوۡصٰنِیۡ﴾ اور اس نے مجھے تاکید کی ہے ﴿بِالصَّلٰوةِ﴾ نماز کی ﴿وَالزَّكٰوةِ﴾ اور زکوٰۃ دینے کی ﴿مَا دُمۡتُ حَیًّا﴾ جب تک میں زندہ رہوں ﴿وَّ بَرًّا﴾ اور اچھا سلوک کروں ﴿بِوَالِدَتِیۡ﴾ اپنی والدہ کے ساتھ ﴿وَلَمۡ یَجۡعَلۡنِیۡ جَبَّارًا﴾ اور نہیں بنایا مجھے جبر کرنے والا ﴿شَقِیًّا﴾ نامراد ﴿وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ﴾ اور سلام ہے مجھ پر ﴿یَوۡمَ وُلِدۡتُّ﴾ جس دن میں پیدا ہوا ﴿وَیَوۡمَ اَمُوۡتُ﴾ اور جس دن میں مروں گا ﴿وَیَوۡمَ اُبۡعَثُ حَیًّا﴾ اور جس دن میں کھڑا کیا جاؤں گا زندہ ﴿ذٰلِكَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ﴾ یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم ﴿قَوۡلَ الۡحَقِّ﴾ سچی بات ہے ﴿الَّذِیۡ فِیۡهِ یَمۡتَرُوۡنَ﴾ جس میں یہ شک کرتے ہیں ﴿مَا كَانَ لِلّٰهِ﴾ نہیں ہے لائق اللہ تعالیٰ کے ﴿اَنۡ یَّتَّخِذَ مِنۡ وَّلَدٍ﴾ کہ ٹھہرائے اپنے لیے اولاد ﴿سُبۡحٰنَهٗ﴾ اس کی ذات پاک ہے ﴿اِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا﴾ جس وقت طے کرتا ہے کسی چیز کو ﴿فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَهٗ﴾ پس پختہ بات ہے اس کو کہتا ہے ﴿كُنۡ﴾ ہو جا ﴿فَیَكُوۡنُ﴾ پس وہ ہو جاتی ہے ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیۡ﴾ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی میرا رب ہے ﴿وَرَبُّكُمۡ﴾ اور تمھارا رب ہے ﴿فَاعۡبُدُوۡهُ﴾ پس تم اس کی عبادت کرو ﴿هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ﴾ یہی سیدھا راستہ ہے۔

پچھلی آیات میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا وقت قریب آیا تو حضرت مریم علیہا السلام گھر سے باہر ایک بلند ٹیلے پر تشریف لے گئیں جس پر درخت تھے، ایک کھجور کے خشک تنے کے ساتھ ٹیک لگالی۔ وہاں پر نہ تو کوئی عورت خدمت کے لیے تھی اور نہ کھانے پینے کا کوئی انتظام تھا حالاں کہ اس موقع پر ان چیزوں کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ اکیلی تھیں ایک تو یہ پریشانی تھی اور دوسری پریشانی یہ تھی کہ لوگوں کو میں کس طرح مطمئن کروں گی۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے جبرئیل علیہ السلام نے چند قدم نیچے کھڑے ہو کر آواز دی کہ آپ پریشان نہ ہوں رب تعالیٰ نے تمھارے پاؤں کے نیچے پانی کا چشمہ جاری کر دیا ہے اگر

سے پیو اور جس درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھی ہو اس کو اپنی طرف ہلاؤ اس خشک درخت سے بغیر موسم کے کھجوریں گریں گی ان سے کھاؤ اور اپنے بچے کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو اور اگر کسی انسان کو دیکھو تو کہہ دینا ﴿اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا﴾ "بے شک میں نے نذر مانی ہے رحمٰن کے لیے چپ رہنے کی۔" آج میں کسی انسان سے بات نہیں کروں گی۔ پہلا دن وہیں گزرا دوسرے دن وہاں سے چلیں رہائش کی طرف۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا﴾ پس حضرت مریم علیہا السلام لے آئیں اس بچے کو اپنی قوم کے پاس ﴿تَحْمِلُهٗ﴾ اُٹھا رہی تھیں اس بچے کو گود میں۔ لوگوں نے دیکھا تو تعجب میں مبتلا ہوئے ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿یٰمَرْیَمُ﴾ اے مریم! ﴿لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا﴾ البتہ تحقیق لائی ہے تو ایک چیز اَوپری۔ یہ تو نے بڑا برا کام کیا ہے شادی تمھاری ہوئی نہیں ہے بچہ کہاں سے آگیا ؟ ایسے موقع پر اس کے علاوہ اور کیا تصور ہو سکتا ہے کہ بچہ حلالی نہیں ہے۔ بہت بُرا کام کیا ہے تو نے ﴿یٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ﴾ اے ہارون کی بہن۔ یہ ہارون حضرت عمران بن ماثان کے بیٹے تھے حضرت مریم علیہا السلام کے بڑے بھائی تھے۔ بڑے نیک، پارسا اور صالح آدمی تھے بچہ بچہ ان کی نیکی اور پارسائی کو جانتا تھا۔ آپ ایسے نیک بھائی کی بہن ہیں یہ کیا حرکت کی ہے ﴿مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ﴾ نہیں تھا آپ کا باپ بُرا آدمی۔ مسجد اقصیٰ کا امام، خطیب، روحانی پیشوا، لوگوں کا مرجع تھا، تم نے یہ کیا کیا ہے ﴿وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا﴾ اور نہیں تھی آپ کی والدہ حنّہ بنت فاقوذ بدکار۔ آپ کا سارا خاندان نیکوں کا ہے: ؂

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

ایسے نیک گھرانے میں یہ حرکت کہ تم بغیر شادی کے بچہ اٹھائے پھرتی ہو۔ دیکھو! ظاہری طور پر تو لوگوں کا شبہ بے جا نہ تھا۔ ﴿فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ﴾ پس حضرت مریم علیہا السلام نے اشارہ کیا بچے کی طرف۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے پوچھو تم کون ہو کہاں سے آئے ہو یہ قصہ کیا ہے؟ ﴿قَالُوْا﴾ لوگ کہنے لگے ﴿كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا﴾ ہم کیسے گفتگو کریں اس سے جو گود میں بچہ ہے۔ کیا یہ ہمارے سوالات کا جواب دے گا۔ عام حالات یہی ہیں کہ بچہ جوابات نہیں دے سکتا نہیں بولتا لیکن یہ تو نظام ہی سارے ضابطے سے ہٹ کر تھا۔

جن بچوں نے بچپن میں کلام کیا ؟

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جن بچوں نے بچپن میں کلام کیا ہے ان میں ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ایک وہ بچہ ہے جس نے یوسف علیہ السلام کی صفائی بیان کی تھی جب زلیخا نے ان پر الزام لگایا تھا کہ اس نے مجھے چھیڑا ہے۔ ابن عمّہا کے لفظ آتے ہیں۔ اسی کے چچا کے بیٹے نے صفائی دی تھی اور ابن خالتہا کے لفظ بھی آتے ہیں اس کی خالہ کا دودھ پیتا بچہ تھا۔ اس کی والدہ سودا لینے کے لیے بازار چلی گئی تھی اور بچے کو اس کے پاس چھوڑ گئی تھی جب یہ معاملہ ہوا تو بچہ بول اٹھا۔ اور تیسرا بچہ وہ تھا جس نے حضرت جریج رحمۃ اللہ علیہ کی صفائی بیان کی تھی۔ جریج ایک پادری تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزرا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی

پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت وہ مذہب حق تھا۔ جریج جنگل میں رہتا اللہ اللہ کرتا تھا ایک عورت بکریاں چرانے والی ان کے پاس آئی کہنے لگی میری خواہش پوری کرو۔ انھوں نے کہا توبہ، توبہ! میں اپنی بیوی کو چھوڑ کر جنگل میں اللہ اللہ کرنے آیا ہوں میں یہ حرام کام نہیں کرتا۔ اس عورت نے کسی چرواہے کے ساتھ رابطہ کیا بدکاری کی، حاملہ ہوگئی۔ اس سے پوچھا گیا کہ تیری شادی نہیں ہوئی یہ بچہ کس کا ہے؟ کہنے لگی جریج کا ہے۔ لوگ آئے اس کو مارا پیٹا اور اس کی جھونپڑی بھی گرا دی۔

ہوش آئی تو انھوں نے پوچھا کہ بات کیا ہے؟ مجھے کیوں مارا ہے؟ کہنے لگے تو نیک بنا پھرتا ہے اور عورتوں کو حاملہ کرتا ہے یہ سارا تو نے ڈھونگ رچایا ہوا ہے۔ اس نے کہا بتلاؤ تو سہی بات کیا ہے؟ کہنے لگے فلاں عورت نے بچہ جنا ہے اور کہتی ہے کہ وہ بچہ جریج کا ہے۔ فرمایا مجھے وہاں لے جاؤ۔ بچے کے پاس جا کر فرمایا بچے بتلا: من ابوك اے کاکے! بتلاؤ تمھارا باپ کون ہے؟ اس دو تین دن کے بچے نے بول کر بتلایا کہ فلاں چرواہا ہے۔ اب لگے معافیاں مانگنے کہ ہم آپ کو سونے کا محل بنا دیں گے۔ اس نے کہا نہیں بس تم میری جھونپڑی بنا دو۔ باقی جو تم نے میری مرمت کی ہے یہی کافی ہے۔ تو گود میں بولنے والے بچوں میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں۔

تو لوگوں نے کہا کہ ہم اس سے کس طرح بات کریں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بول پڑے ﴿قَالَ﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا ﴿اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ بے شک میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ بولتے ہی عیسائیت پر کاری ضرب لگائی۔ عیسائیوں کا ایک فرقہ عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہتا ہے۔ اور ایک کہتا ہے کہ خدائی کا رکن ہیں اور ایک کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں گڈمڈ ہو گیا ہے۔ پہلی بات ہی یہ فرمائی کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور سب کی تردید فرما دی ﴿اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ﴾ اس نے مجھے کتاب دی ہے یعنی کتاب دینے کا میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے، انجیل کا ﴿وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنایا ہے۔ بچپن ہی میں اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا کر دی تھی۔

﴿وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا﴾ اور مجھے اللہ تعالیٰ نے برکت والا بنایا ہے ﴿اَیْنَ مَا كُنْتُ﴾ میں جہاں بھی ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جہاں بھی ہوتے تھے لوگوں کی اخلاقی تربیت کرتے تھے، مسائل بتاتے تھے، بیمار آتے تھے ان کو دم کرتے تھے دعا کرتے تھے، اندھے کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے رب تعالیٰ ان کو ٹھیک کر دیتا تھا، برص والوں کو ہاتھ پھیرتے تھے وہ ٹھیک ہو جاتے تھے، مٹی کی چڑیا بنا کر پھونک مارتے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُڑ جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چند مردے زندہ کیے۔ برکت ہی برکت تھے۔ ﴿وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے تاکید کی نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک میں زندہ رہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں دو نمازیں تھیں اور جب تک وہ آسمان پر رہیں گے دو نمازیں ہی پڑھیں گے اور پڑھتے ہیں۔

قادیانیوں کے شوشے کا جواب

قادیانیوں کا یہ شوشہ کہ وضو کہاں کرتے ہیں اور کس طرف چہرہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ ان کے شوشوں کے ساتھ حق کو

باطل نہیں کیا جا سکتا۔ وہاں جو بھی شکل وصورت ہے اور جو ان کے شان کے لائق ہے اس کے مطابق پڑھتے ہیں جب تشریف لائیں گے ان کے پاس مال ہوگا، زکوۃ بھی دیں گے اور نازل ہونے کے بعد پانچ نمازیں پڑھیں گے جو ہماری ہیں۔ پہلی نماز فجر کی ہوگی جو دمشق شہر میں جامع مسجد اموی میں پڑھیں گے۔ امامت مہدی علیہ السلام کرائیں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے اس کے بعد جہاں عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے وہ خود نماز پڑھائیں گے لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے ﴿وَبَرًّا بِوَالِدَتِیْ﴾ اور مجھے رب نے تاکید کی ہے والدہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی۔ دیکھو! پہلے تم نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بیان میں پڑھا ہے ﴿وَبَرًّا بِوَالِدَیْهِ﴾ کہ مجھے رب تعالیٰ نے ماں باپ دونوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی ہے اور یہاں فرمایا ﴿بِوَالِدَتِیْ﴾ والدہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ہوتا تو اس کا بھی ذکر ہوتا۔ فرمایا ﴿وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا﴾ اور نہیں بنایا مجھے جبر کرنے والا، ضدی نہیں بنایا کہ اپنی منواؤں اور کسی کی نہ سنوں اور نامراد بھی نہیں بنایا ﴿وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا ﴿وَیَوْمَ اَمُوْتُ﴾ اور جس دن میں مروں گا ﴿وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا﴾ اور جس دن میں کھڑا کیا جاؤں گا زندہ۔

نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر

صحیح احادیث میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر چالیس سال حکومت کریں گے اور فجِ روحاء کے مقام سے احرام باندھ کر حج اور عمرہ بھی کریں گے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری قبر پر تشریف لائیں گے اور مجھے سلام کریں گے اور میں ان کے سلام کا جواب دوں گا اور وہ اس جواب کو سنیں گے۔ آج مسئلہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دور سے صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے میرے پاس پہنچاتے ہیں اور جو میری قبر کے پاس پڑھتا ہے وہ میں خود سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں لیکن سلام کرنے والا اس جواب کو نہیں سنتا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب خود سنیں گے اس کے بعد پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس میں مدفون ہوں گے۔ تین قبریں اس وقت وہاں موجود ہیں۔ ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اور ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اور ایک قبر کی جگہ خالی ہے وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دفن کیے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ذٰلِكَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ﴾ یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم جن کی ولادت کا ذکر، والدہ کا ذکر اور بچپن میں بولنے کا ذکر ہوا ہے ﴿قَوْلَ الْحَقِّ﴾ سچی بات ہے ﴿الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ﴾ جس میں یہ شک کرتے ہیں شک کرنے والے۔ اتنی واضح بات کے بعد بھی یہودی آج تک اس بات پر مصر ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حلال زادے نہیں ہیں معاذ اللہ تعالیٰ۔ سورۃ النساء آیت نمبر ۱۵۶ میں ہے ﴿وَقَوْلِهِمْ عَلٰی مَرْیَمَ بُهْتَانًا عَظِیْمًا﴾ "اور بہ وجہ ان کے کہنے کے حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان عظیم۔" کہ اس کا بچہ حرام کا ہے معاذ اللہ تعالیٰ۔ اب اس ضد کا دنیا میں کوئی علاج ہے؟ ﴿مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ﴾ نہیں ہے لائق

اللہ تعالیٰ کے کہ ٹھہرائے اپنے لیے اولاد۔ رب کی شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اولاد بنائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا اللہ تعالیٰ کو گالی دینا ہے۔ وہ ﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نہ والدہ ہے، نہ والد ہے، نہ بیوی ہے، نہ بیٹا ہے، نہ بیٹی ہے۔ ان تمام چیزوں سے رب تعالیٰ کی ذات پاک اور صاف ہے ﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ اس کی ذات پاک ہے ﴿اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا﴾ جس وقت طے کرتا ہے کسی چیز کو جب وہ کسی معاملے کا فیصلہ کرتا ہے ﴿فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ پس پختہ بات ہے اس کو کہتا ہے ہو جا وہ ہو جاتا ہے۔ رب تعالیٰ کے لیے کوئی شے مشکل نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہی بیان چلا آ رہا ہے۔ فرمایا ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ﴾ اور بے شک میرا رب اللہ ہے اور تمھارا رب اللہ ہے ﴿فَاعْبُدُوْهُ﴾ پس تم اس کی عبادت کرو۔ یہ ساری تقریر عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے دوسرے یا تیسرے دن کے بعد کی ہے۔ سب مردوں عورتوں نے سنی، بوڑھوں بچوں نے سنی کیوں کہ لوگ اس وقت تواتر کے ساتھ اکٹھے ہو گئے تھے مگر یہودی بے ایمان ابھی تک اسی پر مصر ہیں وہ حلال زادے نہیں ہیں۔ تو فرمایا میرا رب بھی اللہ ہے اور تمھارا رب بھی اللہ ہے اسی کی عبادت کرو ﴿هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ یہی سیدھا راستہ ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی پر چلو کسی اور راستے پر نہ چلو۔

﴿فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ﴾ پس اختلاف کیا گروہوں نے ﴿مِنْۢ بَيْنِهِمْ﴾ آپس میں ﴿فَوَيْلٌ﴾ پس خرابی ہے ﴿لِّلَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کے لیے ﴿كَفَرُوْا﴾ جنھوں نے انکار کیا ﴿مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ بڑے دن کی حاضری کے وقت ﴿اَسْمِعْ بِهِمْ﴾ کیا ہی سننے والے ہوں گے ﴿وَاَبْصِرْ﴾ اور کیا ہی دیکھنے والے ہوں گے ﴿يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا﴾ جس دن ہمارے پاس آئیں گے ﴿لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ﴾ لیکن ظالم ﴿الْيَوْمَ﴾ آج کے دن ﴿فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ کھلی گمراہی میں ہیں ﴿وَاَنْذِرْهُمْ﴾ اور آپ ڈرائیں ان کو ﴿يَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾ حسرت والے دن سے ﴿اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ﴾ جس وقت طے کیا جائے گا معاملہ ﴿وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ﴾ اور وہ غفلت میں ہیں ﴿وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ اور وہ ایمان نہیں لاتے ﴿اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ﴾ بے شک ہم وارث ہوں گے زمین کے ﴿وَمَنْ عَلَيْهَا﴾ اور جو کچھ اس پر ہے ﴿وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ﴾ اور ہماری طرف ہی سب لوٹائے جائیں گے۔

پہلے رکوع میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آ کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مریم علیہا السلام کو بچے کی خوشخبری سنائی تو انہوں نے تعجب سے کہا کہ میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا نہ میری شادی ہوئی ہے اور نہ میں بدکار ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر

فرمایا اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اسی حالت میں آپ کو بچہ دیں گے۔ گریبان میں پھونک ماری حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت مریم کے پیٹ میں تیار ہو گیا۔ پیدائش کے وقت گھر سے دور ایک کھجور کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھیں کھانے پینے کے لیے پاس کچھ نہیں ہے نہ کوئی سہارا دینے والا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو فرشتے نے چند قدم نیچے کھڑے ہو کر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے پاؤں کے نیچے پانی کا چشمہ جاری کر دیا ہے اس سے پانی پیو اور کھجور کے تنے کو ہلاؤ، کھجوریں گریں گی کھجوریں کھاؤ اور بچے کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرو اور جو کوئی تمھارے ساتھ بات کرنا چاہے تو کہنا کہ میں نے آج کے دن نہ بولنے کی نذر مانی ہے۔

دوسرا دن ہوا بچے کو اٹھا کر لے گئیں قوم دیکھ کر حیران ہو گئی کہ یہ کیا قصہ ہے۔ کیوں کہ سب کو علم تھا کہ حضرت مریم علیہا السلام کا نکاح کسی کے ساتھ نہیں ہوا نیک، پرہیز خاندان کی عورت ہے اس نے کیا حرکت کی ہے؟ کہنے لگے مریم! یہ تو نے کیا بُرا کام کیا ہے؟ تمھارا بھائی نیک، والد نیک، والدہ نیک، نیک گھرانے میں تمھاری تربیت ہوئی ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام خدا کے پیغمبر ان کی بیوی تمھاری خالہ نیک خاتون آپ نے یہ کیا حرکت کی ہے۔ کہنے لگی اس سے پوچھو کہاں سے آیا ہے؟ لوگوں نے کہا ﴿كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا﴾ "ہم اس سے کیسے بات کریں جو گود میں اٹھایا ہوا بچہ ہے۔" یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بول پڑے ﴿إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ۖ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا﴾ "میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اس نے میرے ساتھ نبوت دینے کا وعدہ کیا ہے اور کتاب دینے کا وعدہ کیا۔" لمبی چوڑی تقریر فرمائی اور آخر میں فرمایا یاد رکھنا! ﴿إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ﴾ "بے شک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے۔" اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ کی تفسیر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہی رب تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ﴾۔ اَحزاب، حزب کی جمع ہے۔ حزب کا معنیٰ ہے گروہ۔ معنیٰ ہوگا پس اختلاف کیا گروہوں نے آپس میں۔ ان گروہوں سے کون سے گروہ مراد ہیں؟ تو گروہوں کی تفسیر یہ کرتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہودیوں نے غلط نظریہ قائم کیا اور کہا کہ معاذ اللہ تعالیٰ وہ حلال زادے نہیں ہیں۔ چنانچہ چھٹا پارہ سورۃ النساء آیت نمبر ۱۵۶ میں ﴿وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا﴾ "اور ان یہودیوں کے کہنے کی وجہ سے حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان عظیم۔" یہودیوں کا یہ دعویٰ ہے اور وہ اسی پر مصر ہیں کہ معاذ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حلال زادے نہیں ہیں اور عرب کے مشرکوں نے بھی مذاق اُڑایا اور کہا ﴿أَآلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا﴾ [زخرف: ۵۸] "کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ انھوں نے یہ مثال نہیں بیان کی آپ کے سامنے مگر جھگڑا کرنے کے لیے۔" عربوں کے حافظے بڑے قوی ہوتے تھے کہتے تھے ہم اپنے الٰہوں کی ولدیت اور نسب نامہ سناتے ہیں تم سچے ہو تو عیسیٰ علیہ السلام کا سناؤ اور عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو رب بنایا، رب کا بیٹا بنایا، خدائی کا رکن بنایا۔ تو ایک تفسیر کے مطابق گروہوں سے مراد یہود و نصاریٰ اور مشرکوں کے گروہ مراد ہیں۔

عیسائیوں کے گروہ :

اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ احزاب سے عیسائیوں کے گروہ مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بنے۔ ایک ہے نسطوریہ جو یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدائی کا رکن ہیں ثَالِثُ ثَلٰثَه۔ خدا تین ہیں جن کی قوت اور طاقت کے ساتھ دنیا کا نظام چل رہا ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی ذات، دوسرے عیسیٰ علیہ السلام اور تیسرے رکن کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ تیسرا رکن روح القدس حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اور ایک گروہ کہتا ہے کہ تیسرا رکن حضرت مریم علیہا السلام ہیں۔ دوسرا فرقہ یعقوبیہ ہے وہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ میں گڈمڈ ہیں یعنی عیسیٰ علیہ السلام ہی اللہ تعالیٰ ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ [مائدہ: ۱۷] "البتہ تحقیق کافر ہیں وہ لوگ جنھوں نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ بعینہٖ عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔" ان کا دعویٰ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذاتاً تو علیحدہ ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات الگ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات الگ ہے مگر اب ایک ہو گئے ہیں۔ جیسے لوہے کو آگ میں ڈال دو تو اس میں آگ کی تاثیر آجاتی ہے اور آگ کی طرح لوہا بھی جلتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام عبادت کرتے کرتے خدا میں گڈمڈ ہو گئے ہیں اب جو کام عیسیٰ علیہ السلام کرتے ہیں، مردوں کو زندہ کرنا، برص والوں کو باذن اللہ ٹھیک کرنا، مادرزاد اندھوں کو ٹھیک کرنا، یہ دراصل اللہ تعالیٰ کرتا تھا جو عیسیٰ علیہ السلام کے اندر حلول کیے ہوئے تھے۔

میری کتاب ہے "عیسائیت کا پس منظر" اس میں مَیں نے اس فرقے سے سوال کیا ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ ایک ہیں تو سوال یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بقول تمھارے جیسا کہ چاروں انجیلوں میں موجود ہے کہ سولی پر لٹکایا گیا معاذ اللہ تعالیٰ، کیا اس وقت اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کے اندر تھا یا نہیں تھا؟ اگر تھا تو پھر تو دونوں سولی پر لٹک گئے پھر تو خدا بھی ساتھ ہی ختم ہو گیا معاذ اللہ تعالیٰ۔ اور اگر اس وقت اللہ تعالیٰ اندر سے نکل گیا تھا تو پھر ایک تو نہ ہوئے بلکہ علیحدہ علیحدہ ہوئے۔ بات سمجھ میں آ رہی ہے نا؟ اور چاروں انجیلوں میں یہ بھی موجود ہے بقول تمھارے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکانے لگے تو انھوں نے فریاد کی اِيْلِيْ اِيْلِيْ لِمَا سَبَقْتَنِيْ۔ اِیْل رب کو کہتے ہیں۔ "اے میرے رب، اے میرے رب! آپ نے مجھے ان میں کیوں پھنسا دیا ہے۔" سوال یہ ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام میں خدائی اختیارات تھے اور آج تم دنیا میں تبلیغ کر رہے ہو کہ یسوع مَسِیحی ہیں ہمارے نجات دہندہ ہیں تو ان کو خدا کے سامنے فریاد کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور پھر بقول تمھارے وہ سولی پر لٹکا دیئے گئے تو وہ اپنے آپ کو نہ بچا سکے تو جو اپنے آپ کو نہ بچا سکے وہ دوسروں کو کیا نجات دیں گے۔

الحمد للہ! ہمارا عقیدہ بالکل کھرا، صاف اور صحیح ہے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہ ﴿مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ﴾ "نہ انھوں نے ان کو قتل کیا ہے اور نہ سولی پر لٹکایا ہے۔ اور فرمایا ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا﴾ اور انھوں نے نہیں قتل کیا عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ [النساء: ۱۵۷-۱۵۸] بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھا لیا اپنی طرف روح اور جسم کے ساتھ۔" اور قیامت سے پہلے نازل ہوں گے۔ تو اس تفسیر کے مطابق احزاب سے عیسائیوں کے تین فرقے مراد ہیں۔ تیسرا فرقہ ملکائیہ کا ہے۔ جو کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام

اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ تو ایک فرقہ یعقوبیہ ہے جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کیا ہوا ہے۔ دوسرا فرقہ نسطوریہ ہے جو کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدائی کا تیسرا رکن ہیں اور تیسرا فرقہ ملکائیہ ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ پس خرابی ہے ان لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر کیا حق کا انکار کیا ﴿مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ بڑے دن کی حاضری کے وقت۔ مَشْهَدٌ کو ظرف کا صیغہ بھی قرار دیا گیا ہے پھر ظرف زمان بھی اور ظرف مکان بھی بن سکتا ہے۔ ظرف زمان ہو تو معنیٰ ہوگا بڑے دن کی حاضری کے زمانے میں۔ اور ظرف مکان ہو تو معنیٰ ہوگا بڑے دن کی حاضری کی جگہ خرابی ہوگی جہاں سارے کافر ہوں گے اللہ تعالیٰ کی عدالت ہوگی اور مَشْهَدٌ کو مصدر میمی بھی قرار دیا گیا ہے۔ تو اس وقت معنیٰ ہوگا خرابی ہے ان کے لیے بڑے دن کے حاضر ہونے کے موقع پر جب اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری ہوگی، سچی عدالت میں حاضری ہوگی اس وقت ان کے لیے خرابی ہوگی۔

﴿أَسْمِعْ بِهِمْ﴾۔ یہ تعجب کا صیغہ ہے، کیا ہی سننے والے ہوں گے ﴿وَأَبْصِرْ﴾ یہ بھی تعجب کا صیغہ ہے۔ اور کیا ہی دیکھنے والے ہوں گے ﴿يَوْمَ يَأْتُوْنَنَا﴾ جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے۔ دنیا میں جو اندھے ہیں یا نگاہ کمزور ہے ان کی نگاہیں بھی ٹھیک کر دی جائیں گی، بہروں کے کان ٹھیک کر دیئے جائیں گے، بڑا دیکھیں گے، بڑا سنیں گے اور جوان بڑھ ہیں مرد عورتیں سب کو اللہ تعالیٰ پڑھنے کی قوت عطا کریں گے۔ یہ اپنا پرچہ خود پڑھیں گے۔ سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۴ میں ہے ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾ "پڑھ اپنی کتاب کافی ہے تیرا نفس آج کے دن محاسبہ کرنے والا۔" اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے بندے! اپنا اعمال نامہ خود پڑھ۔ جب ایک دو صفحے پڑھ لے گا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے هَلْ ظَلَمَكَ كَتَبَتِيْ "یہ بتلا میرے فرشتوں نے تجھ پر کوئی زیادتی تو نہیں کی؟" کہے گا نہیں۔ اور پڑھو۔ چند صفحے اور پڑھے گا پھر رب تعالیٰ پوچھیں گے میرے فرشتوں نے تجھ پر کوئی زیادتی تو نہیں کی جو جرم تم نے نہ کیا ہو وہ لکھ دیا ہو اور نیکی درج نہ کی ہو؟ کہے گا نہیں جو کچھ میں نے کیا ہے وہی کچھ لکھا ہوا ہے۔ پھر مارے تعجب کے کہے گا ﴿مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا﴾ [کہف: ۴۹] "کیا ہے اس کتاب کو نہیں چھوڑتی کسی چھوٹی چیز کو اور نہ بڑی چیز کو مگر اس نے اس کو سنبھال رکھا ہے۔"

تو فرمایا کیا ہی سننے والے ہوں گے اور کیا ہی دیکھنے والے ہوں گے جس دن ہمارے پاس آئیں گے ﴿لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ لیکن ظالم آج کے دن کھلی گمراہی میں ہیں ﴿وَاَنْذِرْهُمْ﴾ اور اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کو ڈرائیں ﴿يَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾ افسوس والے دن سے۔ قیامت کا دن ہوگا ﴿يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ﴾ "جس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا ﴿لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا﴾ [فرقان: ۲۸] کاش کہ میں نے فلانے کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔"

غلط یار بنانے والے افسوس کریں گے

وہ حسرت اور افسوس والا دن ہوگا اور کہے گا ﴿يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا﴾ [فرقان: ۲۷] "کاش کہ میں نے بنا لیا

ہوتا رسول کے ساتھ راستہ۔" تو فرمایا آپ ان کو اس دن سے ڈرائیں ﴿إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ﴾ جس وقت طے کیا جائے گا معاملہ ﴿وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ﴾ اور وہ غفلت میں ہیں ﴿وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ اور وہ ایمان نہیں لاتے۔ یہ سب چیزیں ان کے سامنے آجائیں گی ﴿إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ﴾ بے شک ہم زمین کے وارث ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ حقیقی مالک ہے ﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ [جاثیہ: ۲۷] "اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی۔" ہمارے تو محض دعوے ہی دعوے ہیں کہ یہ میری زمین ہے، یہ میرا مکان ہے، یہ میرا کارخانہ ہے، یہ میری جائیداد ہے یہ تیری جائیداد ہے۔ یہ میری تیری کچھ بھی نہیں ہے حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے، مجازی طور پر بندے ہیں۔

تو فرمایا ہم زمین کے وارث ہوں گے ﴿وَمَنْ عَلَيْهَا﴾ اور اس مخلوق کے بھی ہم وارث ہوں گے جو زمین پر ہے ﴿وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ﴾ اور ہماری طرف ہی سب لوٹائے جائیں گے۔ سچی عدالت قائم ہوگی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ حق اور باطل کا فیصلہ ہوگا، سچ اور جھوٹ بالکل نکھر جائے گا، ایمان اور توحید کا فرق ہوگا، کفر اور اسلام کا فرق ہوگا۔ اس دن اللہ تعالیٰ نیکوں کو کامیاب فرمائے گا۔

﴿وَاذْكُرْ﴾ اور ذکر کر ﴿فِي الْكِتَابِ﴾ کتاب میں ﴿إِبْرَاهِيمَ﴾ ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ﴿إِنَّهُ﴾ بے شک وہ ابراہیم علیہ السلام ﴿كَانَ صِدِّيقًا﴾ تھے وہ بڑے سچے ﴿نَبِيًّا﴾ نبی ﴿إِذْ قَالَ﴾ جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿لِأَبِيهِ﴾ اپنے والد کو ﴿يَا أَبَتِ﴾ اے میرے باپ! ﴿لِمَ تَعْبُدُ﴾ کیوں تم عبادت کرتے ہو ﴿مَا﴾ اس چیز کی ﴿لَا يَسْمَعُ﴾ جو نہیں سنتی ﴿وَلَا يُبْصِرُ﴾ اور نہیں دیکھتی ﴿وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا﴾ اور وہ نہیں کام آسکتی آپ کے کچھ بھی ﴿يَا أَبَتِ﴾ اے میرے ابا جان! ﴿إِنِّي﴾ بے شک میں ﴿قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ﴾ تحقیق آیا ہے میرے پاس علم سے ﴿مَا لَمْ يَأْتِكَ﴾ جو آپ کے پاس نہیں آیا ﴿فَاتَّبِعْنِي﴾ پس آپ میری پیروی کریں ﴿أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا﴾ میں راہنمائی کروں گا آپ کی سیدھے راستے کی ﴿يَا أَبَتِ﴾ اے میرے باپ! ﴿لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ﴾ آپ نہ عبادت کریں شیطان کی ﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ﴾ بے شک شیطان ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿لِلرَّحْمَٰنِ﴾ رحمان کے لیے ﴿عَصِيًّا﴾ نافرمان ﴿يَا أَبَتِ﴾ اے میرے ابا جان! ﴿إِنِّي﴾ بے شک میں ﴿أَخَافُ﴾ خوف کرتا ہوں ﴿أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ﴾ کہ آپ کو پہنچے عذاب ﴿مِنَ الرَّحْمَٰنِ﴾ رحمان کی طرف سے ﴿فَتَكُونَ﴾ پس آپ ہو جائیں ﴿لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا﴾ شیطان کے ساتھی ﴿قَالَ﴾ کہا والد نے ﴿أَرَاغِبٌ﴾ کیا اعراض کرتے ہو ﴿أَنْتَ﴾ تم ﴿عَنْ آلِهَتِي﴾ میرے الٰہوں سے ﴿يَا إِبْرَاهِيمُ﴾ اے ابراہیم! ﴿لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ﴾ اگر تم باز نہ آئے ﴿لَأَرْجُمَنَّكَ﴾ البتہ میں آپ کو سنگ

سار کردوں گا ﴿وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا﴾ اور چھوڑ دے تو مجھے زمانہ بھر ﴿قَالَ﴾ کہا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكَ﴾ سلام ہو تم پر ﴿سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ﴾ عنقریب میں تمھارے لیے بخشش مانگوں گا ﴿رَبِّيْ﴾ اپنے رب سے ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک وہ ﴿كَانَ﴾ ہے ﴿بِيْ حَفِيًّا﴾ مجھ پر بڑی شفقت کرنے والا۔

پہلے تم نے حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات بڑی تفصیل سے سنے۔ اب پیغمبروں میں سے چوتھا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا علاقہ عراق تھا اور نمرود ابن کنعان بڑا ظالم اور جابر اور مشرک بادشاہ تھا کُوثٰی بروزن طُوبٰی شہر کا نام تھا۔ آج کے جغرافیہ میں اس کا نام اُر ہے۔ اور اب وہ چھوٹا سا شہر ہے اس وقت بہت بڑا شہر اور دارالخلافہ ہوتا تھا۔

نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کی درمیانی مدت

حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد سترہ سو نو (۱۷۰۹) سال گزر چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر تھا جس کا ذکر سورۃ انعام آیت نمبر ۷۴ میں ہے ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ﴾ "اور جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد آزر کو۔" یہ آزر اس وقت مذہبی ادارے کا انچارج تھا۔ بت خانے بنانا، بت بنانا، وہاں لوگوں کو مقرر کرنا اس کی ذمہ داری تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم میں دو طرح کا شرک تھا۔ ایک بتوں کی پوجا کرنا ﴿اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً﴾ "کیا تو بتوں کو معبود بناتا ہے۔" دوسرا ستارہ پرستی۔ چاند، سورج، ستاروں میں خدائی کرشمے مانتے تھے۔ دیکھو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورج میں حرارت اور روشنی کی خاصیت رکھی ہے چاند اور ستاروں میں بھی خاصیات ہیں لیکن خدائی اختیارات ان میں سے کسی کے اندر نہیں ہیں۔ خدائی اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ نہ اس نے فرشتوں کو دیئے ہیں نہ انسانوں کو دیئے ہیں اور نہ جنوں کو۔ تو ان میں شرک کی دو قسمیں تھیں۔ کواکب پرستی اور اصنام پرستی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی اور ان کے لیے مبعوث فرمایا۔

اس کا ذکر ہے ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ﴾ اور ذکر کر کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ﴿اِنَّهٗ كَانَ﴾ بے شک ابراہیم علیہ السلام تھے ﴿صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾ بڑے سچے نبی۔ نبی کا معنیٰ ہے لوگوں کو رب کے احکام کی خبر دینے والا۔ اور رسول کا معنیٰ ہے پیغام پہنچانے والا، رب تعالیٰ کے احکام مخلوق تک پہنچانے وال ﴿اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ﴾ جب فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو جس کا نام آزر تھا ﴿يٰۤاَبَتِ﴾ اے میرے ابا جان! ﴿لِمَ تَعْبُدُ﴾ کیوں تم عبادت کرتے ہو ﴿مَا﴾ اس چیز کی جو ﴿لَا يَسْمَعُ﴾ نہ وہ سنتی ہے ﴿وَلَا يُبْصِرُ﴾ اور نہ وہ دیکھتی ہے ﴿وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا﴾ اور نہ وہ کفایت کرسکتی ہے آپ کو کسی شے کی۔ بت کیا سنیں گے اور کیا دیکھیں گے سورج، چاند، ستاروں میں بے شک اللہ تعالیٰ نے روشنی رکھی ہے لیکن وہ لوگوں کی حاجات تو نہیں سن سکتے نہ پوری کرسکتے ہیں، نہ لوگوں کو دیکھ سکتے ہیں جو تاثیر رب تعالیٰ نے ان میں رکھی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ بلکہ اگر ذرا غور کے

ساتھ سوچا جائے تو باوجود اس کے کہ ان کے اجسام بہت بڑے ہیں لیکن وہ انسان جتنا بھی اختیار نہیں رکھتے۔

مخلوقات میں سب سے زیادہ اختیارات اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیئے ہیں:

انسان کے پاس اختیارات ان سے زیادہ ہیں۔ وہ اس طرح کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورج کے لیے ایک لائن مقرر کی ہے اور ایک رفتار مقرر فرمائی ہے کیا مجال ہے کہ سورج اپنی لائن چھوڑ دے یا رفتار میں تیزی لے آئے یا کسی جگہ اڑ کر کھڑا ہو جائے کہ میں آگے نہیں جاؤں گا۔ ہرگز ہرگز نہیں! بے بس ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اٹھنے بیٹھنے کا اختیار دیا ہے، چلنے پھرنے کا اختیار دیا ہے، دائیں بائیں طرف جانے کا اختیار دیا ہے، دوڑنے اور آہستہ چلنے کا اختیار دیا ہے، پیچھے مڑنے کا اختیار دیا ہے، اے انسان تجھے اللہ تعالیٰ نے چاند، سورج سے زیادہ اختیار دیا ہے وہ مجبور ہیں۔ لیکن جب عقل ماری جائے تو ہوش وحواس اڑ جاتے ہیں اور زیادہ اختیار والا انسان، مجبور چاند، سورج، ستاروں کی پوجا کرنے لگ جاتا ہے۔ بھئی! تیرے پاس اختیارات زیادہ ہیں تو ان کی پوجا کس لیے کرتا ہے اپنے ہاتھوں سے بت بنا کر ان کی پوجا کرتا ہے۔

تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اے ابا جان! ایسوں کی پوجا کیوں کرتا ہے جو نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ تیرے کوئی کام آسکتے ہیں۔ ﴿یٰۤاَبَتِ﴾ اے میرے باپ اِنِّیْ بے شک میں ﴿قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ﴾ تحقیق آچکا ہے میرے پاس علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿مَا لَمْ یَاْتِكَ﴾ جو آپ کے پاس نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت ورسالت کا علم دیا ہے ابا جان ﴿فَاتَّبِعْنِیْۤ﴾ پس آپ میری پیروی کریں۔ میری بات مان لیں ﴿اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا﴾ میں راہنمائی کروں گا آپ کی سیدھے راستے کی۔ دنیا میں بھی عذاب سے بچ جاؤ گے اور آخرت میں بھی عذاب سے بچ جاؤ گے۔

براہِ راست شیطان کی پوجا کوئی نہیں کرتا:

﴿یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ﴾ اے میرے باپ آپ نہ عبادت کریں شیطان کی۔ براہ راست تو شیطان کی پوجا کوئی نہیں کرتا لیکن شیطان کی بات مان کر غیر اللہ کی پوجا کرنا گویا شیطان کی پوجا کرنا ہے۔ سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۲۱ میں ہے ﴿وَ اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰۤی اَوْلِیٰٓـٕهِمْ﴾ "اور بے شک شیاطین القاء کرتے ہیں بری باتوں کا اپنے دوستوں کی طرف ﴿وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ﴾ اور اگر تم ان کی بات مانو گے تو بے شک تم بھی شرک کرنے والے بن جاؤ گے۔" شیطان کی اطاعت کرنا بھی شرک ہے۔ رب تعالیٰ کا حکم چھوڑ کر شیطان کے حکم پر چلنے سے بڑا شرک کیا ہے؟ تو فرمایا ابا جان میری پیروی کر شیطان کی پوجا نہ کر ﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا﴾ بے شک شیطان ہے رحمان کے لیے نافرمان۔ وہ تو رحمان کے سامنے اکڑ کر کھڑا ہو گیا تھا جب رب تعالیٰ نے فرشتوں کے ساتھ اس کو بھی حکم دیا تھا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس! ﴿مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ﴾ "کیا ہے تجھ کو کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا۔ کہنے لگا ﴿لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ [حجر: ۳۲-۳۳] میں نہیں ہوں کہ سجدہ کروں انسان کے سامنے جس کو پیدا کیا تو نے بجنے والی متغیر

سڑے ہوئے گارے سے۔" ﴿خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ﴾[اعراف:۱۲] "مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے۔" آگ میں شعلہ ہے بلندی ہے مٹی پاؤں کے نیچے روندی جاتی ہے اس میں کوئی روشنی تپش نہیں ہے۔ میں اعلیٰ ہو کر ادنیٰ کو سجدہ کیوں کرتا۔ پھر رب تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ شروع کر دیا ﴿اَرَءَیْتَکَ هٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ﴾[بنی اسرائیل:۶۲] "بھلا بتلائیں یہ شخص جس کو تو نے بزرگی بخشی ہے مجھ پر اگر آپ مجھے مہلت دیں گے قیامت تک تو میں قابو کروں گا اس کی اولاد کو مگر بہت تھوڑے۔" تو شیطان تو رب کا بڑا نافرمان ہے اس کی پوجا نہ کریں۔

﴿یٰۤاَبَتِ﴾ اے میرے باپ! ﴿اِنِّیْۤ اَخَافُ﴾ بے شک میں خوف کرتا ہوں ﴿اَنْ یَّمَسَّکَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ﴾ کہ پہنچے آپ کو عذاب رحمان کی طرف سے، دنیا کا عذاب، قبر کا عذاب اور آخرت کا عذاب ﴿فَتَکُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا﴾ پس آپ ہو جائیں گے شیطان کے ساتھی۔ کتنے پیارے انداز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو دعوت دی۔ ﴿یٰۤاَبَتِ یٰۤاَبَتِ یٰۤاَبَتِ﴾ اے میرے باپ! اے میرے باپ! اے میرے باپ! اب والد کا جواب سنو! ﴿قَالَ﴾ کہا ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر نے ﴿اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ﴾ کیا تم اعراض کرتے ہو میرے معبودوں سے ﴿یٰۤاِبْرٰهِیْمُ﴾ اے ابراہیم! ﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ﴾ اگر تم باز نہ آئے ﴿لَاَرْجُمَنَّکَ﴾ البتہ میں آپ کو پتھر مار مار کے سنگسار کر دوں گا۔ شادی شدہ مرد عورت سے بدکاری ثابت ہو جائے تو ان کی سزا رجم ہے، پتھروں کے ساتھ مارنا۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ﴿لَاَرْجُمَنَّکَ﴾ کا ترجمہ کرتے ہیں کہ میں تجھے گالیاں دوں گا اور رجم کا معنیٰ گالیاں دینا بھی آتا ہے۔ ﴿وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا﴾ اور چھوڑ دے تو مجھے زمانہ بھر، عمر بھر۔ ﴿مَلِیًّا﴾ کا معنیٰ سارا زمانہ۔ یعنی آپ میرے ساتھ اس سلسلے میں کبھی گفتگو نہ کرنا کیوں کہ تم میرے معبودوں کی توہین کرتے ہو۔

﴿قَالَ﴾ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ﴿سَلٰمٌ عَلَیْکَ﴾ ابا جان میری طرف سے آپ پر سلامتی ہو میں کچھ نہیں کہوں گا، نہ تمھیں پتھر ماروں گا، نہ گالیاں دوں گا ﴿سَاَسْتَغْفِرُ لَکَ رَبِّیْ﴾ عنقریب میں تمھارے لیے بخشش مانگوں گا اپنے رب سے ﴿اِنَّهٗ کَانَ بِیْ حَفِیًّا﴾ بے شک وہ ہے مجھ پر بڑی شفقت کرنے والا مہربان۔ سورۃ الشعراء آیت نمبر ۸۶ میں ہے ﴿وَاغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ کَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ﴾ "اے میرے پروردگار! معاف کر دے میرے باپ کو بے شک وہ ہے گمراہوں میں سے۔"

اب سوال یہ ہے کہ مشرک کے لیے تو مغفرت کی دعا جائز نہیں ہے؟ تو اس کے متعلق سورہ توبہ آیت نمبر ۱۱۴ میں ہے ﴿وَمَا کَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ﴾ "اور نہیں تھا بخشش مانگنا ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لیے مگر ایک وعدے کی بنا پر جو انھوں نے اس سے کیا تھا پس جب واضح ہو گیا ابراہیم علیہ السلام کے لیے کہ وہ ان کا باپ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔" پھر دعا نہیں کی۔ پہلے جو دعا کی تھی اس کا معنیٰ ہے کہ اس کو ہدایت دے، حق کی توفیق دے، اسلام قبول کرے، اس کو بخش دے اور جب بات واضح ہو گئی کہ کفر چھوڑنے والا نہیں ہے تو پھر ابراہیم علیہ السلام نے بے زاری کا اعلان کر دیا۔ باقی آئندہ، ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿وَ اَعْتَزِلُكُمْ﴾ اور میں کنارہ کشی کرتا ہوں تم سے ﴿وَمَا﴾ اور ان سے بھی ﴿تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ سے ورے ﴿وَ اَدْعُوْا رَبِّيْ﴾ اور میں پکارتا ہوں اپنے رب کو ﴿عَسٰى﴾ قریب ہے ﴿اَلَّا اَكُوْنَ﴾ کہ میں نہ ہوں ﴿بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا﴾ اپنے رب کو پکارنے کی وجہ سے نامراد ﴿فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ﴾ پس جس وقت وہ جدا ہوئے ان سے ﴿وَمَا﴾ اور ان سے ﴿يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ جن کی وہ عبادت کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ﴾ عطا کیا ہم نے ان کو اسحاق علیہ السلام ﴿وَيَعْقُوْبَ﴾ اور یعقوب علیہ السلام ﴿وَ كُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا﴾ اور ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا ﴿وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا﴾ اور دی ہم نے ان کو اپنی طرف سے رحمت ﴿وَ جَعَلْنَا لَهُمْ﴾ اور بنائی ہم نے ان کے لیے ﴿لِسَانَ صِدْقٍ﴾ شہرت سچائی کی ﴿عَلِيًّا﴾ بلند۔

ابراہیم علیہ السلام کو نارِ نمرود میں ڈالنے کا واقعہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اس رکوع کی ابتداء میں کافی تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے کہ ان کا علاقہ عراق تھا جس کا دارالخلافہ شہر کُوثی بروزن طوبیٰ تھا۔ نمرود ابن کنعان بادشاہ تھا جو کہ جابر، ظالم اور کٹر قسم کا مشرک تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد آزر اس کا وزیر مذہبی امور تھا۔ آزر کی ڈیوٹی بت بنانا، بت خانے بنانا اور ان میں عملہ مقرر کرنا تھی۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ اس نے بت گر کے گھر بت شکن پیدا فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقابلہ وقت کے بادشاہ، باپ اور برادری کے ساتھ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبوت ملنے کے بعد اسّی [۸۰] سال اس علاقے میں رہے۔ اتنے طویل عرصے میں بیوی سارہ کے علاوہ کوئی ساتھ دینے والا نہیں تھا۔ اور حضرت لوط علیہ السلام بن حاران بن آزر ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے۔ پیغمبر پیدائشی طور پر موحد ہوتا ہے۔ نبوت ملنے سے پہلے بھی ایک لحہ کے لیے بھی شرک نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے فطرتاً توحید ان میں رکھی ہوتی ہے۔

انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کا بھٹہ تیار کیا اور اس میں بہت زیادہ ایندھن ڈالا۔ اس وقت کے انجینئر ھیزم نے ایک آلہ تیار کیا جس کا نام منجنیق تھا جو بغیر بارود کے چلتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ننگا کر کے جُرِّدَ عَنِ الثِّيَاب رسیوں کے ساتھ خوب باندھ کر منجنیق کے ذریعے آگ کے درمیان میں ڈال دیا گیا اور مخلوق کے ساتھ، ظالم، جابر بادشاہ نمرود ابن کنعان اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد بھی تماشائی تھے۔ کنارے پر بیٹھے دیکھ رہے تھے، مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے اکٹھے تھے عجیب منظر تھا۔

جس وقت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا جا رہا تھا مشرک بتوں کے نعرے بلند کر رہے تھے ان کے دلوں میں بھڑاس تھی کیوں کہ ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کو توڑا تھا۔ اس انتظار میں ہیں کہ سر پھٹے، ٹھاہ! ہو، ہمارے کلیجے ٹھنڈے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آگ کو گلزار کر دیا۔ سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۶۹ میں ہے ﴿قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا﴾ "ہم نے کہا اے آگ! ہو جا تو ٹھنڈی

اور سلامتی والی۔" اللہ تعالیٰ کی شان کہ وہ آگ کا بھٹہ فوراً ٹھنڈا ہو گیا اور وہاں باغ بن گیا۔ آگ نے صرف وہ رسیاں جلائیں جن سے ابراہیم علیہ السلام کو باندھا گیا تھا۔ بدن تو کیا بال کو بھی نہیں چھیڑا۔ یہ کتنی بڑی بات تھی۔ جس وقت باہر نکلے تو باپ نے کہا: نِعْمَ الرَّبُّ رَبُّكَ يَاِبْرَاهِيْمُ "اے ابراہیم! تیرا رب بہت عمدہ ہے۔" لیکن دھڑا پھر بھی نہیں چھوڑا۔ حالاں کہ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ اتنا بڑا کرشمہ آنکھوں سے دیکھنے کے بعد کلمہ پڑھ لیتے مگر ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے کسی ایک نے کلمہ نہ پڑھا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت والے دن جب لوگ قبروں سے نکلیں گے تو سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ فرمایا دوسرے نمبر پر مجھے پہنایا جائے گا۔ ابراہیم علیہ السلام کو پہلے اس لیے پہنایا جائے گا کہ ظالموں نے ان کو ننگا کر کے آگ میں ڈالا تھا۔

ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت اور راستے میں پریشانی کا واقعہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا حکم آیا کہ اب حجت مکمل ہو چکی ہے لہٰذا اے ابراہیم علیہ السلام! آپ یہاں سے ہجرت کر جائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، ان کی اہلیہ حضرت سارہ علیہا السلام اور بھتیجے لوط علیہ السلام یہ عراق سے شام کی طرف چل پڑے جو وہاں سے مغرب کی طرف تھا۔ راستے میں ایک ظالم جابر بادشاہ تھا جس نے اپنے کارندے مختلف راستوں پر مقرر کیے ہوئے تھے کہ یہاں سے کوئی خوب صورت عورت گزرے تو مجھے اطلاع دو۔ چنانچہ ایک ملازم بھاگتا ہوا گیا کہ دو آدمی ہیں ساتھ ایک عورت ہے مِنْ اَجْمَلِ النِّسَاءِ "میں نے ایسی خوب صورت عورت کبھی نہیں دیکھی۔" بادشاہ نے کہا کہ اس کو میرے پاس لے آؤ۔ ملازم نے ابراہیم علیہ السلام کو کہا کہ میں بادشاہ کا ملازم ہوں مجبور ہوں ایک گر کی بات تمھیں بتاتا ہوں تا کہ تم بچ جاؤ۔ یہ عورت بادشاہ کے پاس جائے گی جب بادشاہ اس سے پوچھے گا کہ تمھارے ساتھ کون ہے؟ تو کہہ دے کہ یہ میرا بھائی ہے اور تمھارے سے پوچھے تو تم بھی کہہ دینا کہ یہ میری بہن ہے اگر تم نے بیوی کہا تو وہ تمھیں قتل کر دے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس ظالم نے بلایا بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت ہے پوچھا کہاں سے آئے ہو، کون ہو، تمھارے ساتھ کون ہے؟ فرمایا میرے ساتھ میری بہن ہے۔ حضرت سارہ علیہا السلام کو بھی سمجھا دیا کہ اگر آپ سے پوچھے کہ تمھارے ساتھ کون ہے تو کہہ دینا کہ میرا بھائی ہے۔ کیوں کہ اَنْتِ اُخْتِيْ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ "تم میری مذہبی بہن ہو۔" سورہ حجرات آیت نمبر ۱۰ میں ہے ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ "بے شک ایمان والے بھائی بھائی ہیں۔" مومن بہن بھائی ہیں اور میرے اور آپ کے علاوہ اس جگہ اور کوئی مومن نہیں ہے لہٰذا مجھے بھائی کہنا اور دینی بھائی مراد لینا۔

اس پر شہوت کا بھوت سوار تھا۔ حضرت سارہ علیہا السلام کو بلا کر چھیڑ خانی کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کا سانس رک گیا زمین پر گر پڑا۔ اُٹھا اور چھیڑ خانی کا ارادہ کیا تو گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ گھبرایا اور سمجھ گیا کہ میں اس کے قریب نہیں جا سکتا۔ کہنے لگا بی بی! میں تمھیں کچھ نہیں کہتا میرے لیے دعا کرو میں بچ جاؤں اور اس مصیبت سے چھوٹ جاؤں میں تمھیں

خدمت کے لیے لونڈی بھی دوں گا۔ حضرت سارہ علیہا السلام نے دعا کی اے پروردگار! اگر یہ بے ایمان مر گیا تو میرے ذمہ لگے گا اور ہمارے لیے پریشانی بن جائے گی اور ہم مسافر ہیں۔ چنانچہ حضرت سارہ علیہا السلام کی دعا سے اس کو نجات مل گئی۔ اس نے ہاجرہ علیہا السلام لا کر ان کو دے دی کہ یہ تمھاری خدمت کیا کرے گی۔ جس وقت واپس آئیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کیا گزری؟ کہنے لگیں اللہ تعالیٰ نے اس ظالم جابر کی نامرادی کو اس کے گلے میں ڈال دیا اور اس نے یہ لونڈی دی ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی نبوۃ کا تذکرہ

حضرت لوط علیہ السلام کو سدوم کے علاقہ میں چھوڑ دیا جس کو آج کل کے جغرافیہ میں بحر میت یعنی بحیرہ مردار کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس علاقے کی تبلیغ کے لیے لوط علیہ السلام کو مقرر فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگے چل کر شام کے علاقہ میں ڈیرہ لگایا۔ چونکہ لونڈی کی مالکہ حضرت سارہ علیہا السلام تھیں انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کر دی۔ اب ابراہیم علیہ السلام اس کے مالک بن گئے اس سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا تھا کہ اگر تو باز نہیں آئے گا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا اور تو مجھے زمانہ بھر کے لیے چھوڑ دے۔ اس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا آپ پر سلامتی ہو میں اپنے رب سے تیرے لیے معافی مانگوں گا میرا رب میرے اوپر بڑا مہربان ہے۔ اور سورہ شعراء آیت نمبر ۸۶ میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا ﴿وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ﴾ "اے میرے پروردگار! معاف کر دے میرے باپ کو وہ ہے گمراہوں میں سے۔" اور سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۱۴ میں ہے ﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ﴾ "پس جب واضح ہو گیا ابراہیم علیہ السلام کو کہ بے شک وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تَبَرَّاَ مِنْهُ تو اس سے بے زار ہو گئے۔" پھر ان کے لیے مغفرت کی دعا نہیں مانگی۔

اور فرمایا ﴿وَاَعْتَزِلُكُمْ﴾ اور میں کنارہ کشی کرتا ہوں تم سے ﴿وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور ان سے بھی کنارہ کشی کرتا ہوں جن کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ سے ورے یعنی اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے۔ ان کو تم حاجت روا سمجھتے ہو، مشکل کشا سمجھتے ہو، فریاد رس اور دست گیر سمجھ کر پکارتے ہو ﴿وَاَدْعُوْا رَبِّيْ﴾ اور میں صرف رب کو پکارتا ہوں میرا وہی حاجت روا، مشکل کشا، وہی فریاد رس اور دست گیر ہے ﴿عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا﴾ قریب ہے کہ میں نہ ہوں اپنے رب کو پکارنے کی وجہ سے نامراد۔ اللہ تعالیٰ میری مرادیں پوری کرے گا وہی مرادیں پوری کرنے والا ہے۔ اکبر الہ آبادی مرحوم نے کہا ہے:

اسی سے مانگ جو کچھ مانگنا ہے اے اکبرؔ
یہی وہ در ہے جہاں ذلت نہیں سوال کے بعد

﴿فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ﴾ پس جس وقت ابراہیم علیہ السلام ان سے الگ ہوئے ﴿وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور ان سے جن کی وہ عبادت کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے سوا۔

اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کی ولادت کا ذکر

﴿وَ هَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ عطا﴾ کیا ہم نے ان کو اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام۔ دوسری جگہ اسماعیل علیہ السلام کا ذکر ہے عمر میں حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے ہیں ان کی والدہ ہاجرہ علیہا السلام ہیں اور اسحاق علیہ السلام کی والدہ سارہ علیہا السلام ہیں۔ اِسْمَعْ کا معنی ہے سُن، ایل کا معنی ہے اللہ تعالیٰ۔ معنی ہوگا اے پروردگار! میری دعا قبول فرما۔ ایک سو بیس [۱۲۰] سال کے قریب عمر مبارک تھی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام عطا کیے۔ پھر اس کے تیرہ [۱۳] سال بعد سارہ علیہا السلام سے اسحاق علیہ السلام عطا فرمائے۔ پھر اسحاق علیہ السلام سے یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے پھر ان کے آگے بارہ بیٹے ہیں جن میں حضرت یوسف علیہ السلام بھی ہیں اور یہ بنی اسرائیل کہلائے اور یہ بڑا خاندان تھا۔

توفرمایا ہم نے ان کو عطا کیا اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام جو حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے ہیں ﴿وَ كُلًّا جَعَلْنَا نَبِیًّا﴾ اور ہر ایک کو ہم نے بنایا نبی ﴿وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا﴾ اور دی ہم نے ان کو اپنی طرف سے رحمت۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے دو کا ذکر قرآن کریم میں آتا ہے اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام۔ اور تین کا ذکر تاریخ اور تورات اور احادیث میں آتا ہے۔ ایک کا نام مدین تھا، ایک کا نام مدائن تھا اور ایک کا نام قیدار تھا علیہم السلام۔ ان کے نام پر آگے شہر آباد ہوئے اور قومیں چلیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیٹی کوئی نہیں تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق سے ہجرت کر کے شام کے علاقے میں آباد ہوئے اور وہیں تبلیغ کی۔ دو سو سال عمر تھی جب دنیا سے رخصت ہوئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَ جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا﴾ اور بنائی ہم نے ان کے لیے شہرت سچائی کی بلند۔ لسان کا لفظی معنی زبان ہے مگر یہاں مراد شہرت ہے۔ زبان کے ساتھ ہی شہرت ہوتی ہے اور بلند شہرت عطا فرمائی آج تک ابراہیم علیہ السلام کا نام عزت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ یعقوب علیہ السلام کا، اسحاق علیہ السلام کا، اسماعیل علیہ السلام کا نام بھی عزت سے لیا جاتا ہے۔ بزرگانِ دین لکھتے ہیں کہ جب پیغمبر کا نام آئے تو علیہ الصلوٰۃ والسلام کہو اور صحابی کا نام آئے تو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہو، کسی ولی کا نام آئے تو رحمہ اللہ تعالیٰ کہو۔ تمام کا نام ادب واحترام کے ساتھ لو۔ اَلدِّیْنُ كُلُّهٗ اَدَبٌ دین سارے کا سارا ادب ہی ہے۔ کسی پیغمبر، کسی صحابی، کسی ولی کا نام، کسی امام کا نام بے ادبی سے نہیں لینا۔ ان کی بڑی دینی خدمات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿وَ اذْكُرْ﴾ اور آپ ذکر کریں ﴿فِی الْكِتٰبِ﴾ کتاب میں ﴿مُوْسٰۤى﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک وہ ﴿كَانَ﴾ تھے ﴿مُخْلَصًا﴾ چنے ہوئے ﴿وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا﴾ اور رسول تھے نبی تھے ﴿وَ نَادَیْنٰهُ﴾ اور ہم نے ان کو پکارا ﴿مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَیْمَنِ﴾ طور کے دائیں طرف سے ﴿وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِیًّا﴾ اور ہم نے قریب کیا ان کو

سرگوشی کے لیے ﴿وَ وَهَبْنَا لَهٗ﴾ اور ہم نے ان کو عطا کیا ﴿مِنْ رَّحْمَتِنَآ﴾ اپنی رحمت کی وجہ سے ﴿اَخَاهُ هٰرُوْنَ﴾ اس کا بھائی ہارون علیہ السلام ﴿نَبِيًّا﴾ جو نبی تھے ﴿وَ اذْكُرْ﴾ اور ذکر کر ﴿فِي الْكِتٰبِ﴾ کتاب میں ﴿اِسْمٰعِيْلَ﴾ اسماعیل علیہ السلام کا ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک وہ ﴿كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ﴾ سچے وعدے والا تھا ﴿وَ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴾ اور تھے رسول نبی ﴿وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ﴾ اور حکم کرتا تھا اپنے گھر کے افراد کو ﴿بِالصَّلٰوةِ﴾ نماز کی پابندی ﴿وَ الزَّكٰوةِ﴾ اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا ﴿وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا﴾ اور تھے اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ۔

مختلف پیغمبروں کے واقعات چلے آ رہے ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر ہوا اور اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا نام مجلس میں لیا جائے تو رب تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں سے زیادہ نیک کون ہوگا۔

پیدائش موسیٰ سے قبل بنی اسرائیلیوں کا ابتلاء اور حفاظتِ موسیٰ

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰۤى﴾ اور آپ ذکر کریں کتاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا۔ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی بھی بڑی عجیب زندگی ہے۔ والد کا نام عمران رحمۃ اللہ علیہ تھا، والدہ کا نام یوکابدہ رحمہا اللہ تھا۔ مصر کے علاقے میں پیدا ہوئے، پیدائش سے پہلے ظالم فرعون کو کسی نجومی نے بتلایا تھا کہ ان تین سالوں کے اندر بنی اسرائیل کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری حکومت کے زوال کا سبب بنے گا۔ اقتدار کی چاٹ بہت بری ہے۔ فرعون نے بنی اسرائیل کے گھروں میں مردوں، عورتوں کے پہرے لگا دیے کہ جس عورت کے ہاں لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیں۔ بچیوں کو کچھ نہیں کہتے تھے ﴿يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ﴾ [البقرۃ:۴۹] "وہ ذبح کرتے تھے تمھارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمھاری عورتوں کو۔"

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں کہ ان تین سالوں میں بارہ ہزار بچے قتل ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ان تین سالوں کے اندر ہی پیدا ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا گھر دریائے نیل کے کنارے پر تھا جب یہ پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ کو القاء کیا، فرشتے کے ذریعے وحی بھیجی۔ یہ وحی نبوت نہیں تھی یہ صرف ان کی ذات تک محدود تھی کہ جس وقت بچہ پیدا ہو اس کو لکڑی کے صندوق میں ڈال کر دریا میں ڈال دینا ﴿اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ [قصص:۷] "بے شک ہم لوٹا دیں گے اس بچے کو آپ کی طرف اور بنانے والے ہیں ہم اس کو رسولوں میں سے۔" موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے والدہ نے ان کو صندوق میں ڈال کر بحر قلزم دریائے نیل میں ڈال دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بڑی بہن کلثوم کو کہا کہ بیٹی تم صندوق کے ساتھ ساتھ تھوڑے سے فاصلے پر رہنا کیوں کہ کناروں پر کافی لوگ ہیں مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے تماشائی ہوتے تھے دیکھنا یہ صندوق کہاں جاتا ہے۔

بچی بڑی سمجھ دار تھی وہ بھی ساتھ ساتھ چلتی رہی کبھی صندوق کو دیکھتی کبھی دھیان ادھر اُدھر کر لیتی۔ بحر نیل سے ایک نہر نکلتی

تھی جو فرعون کے باغات کو سیراب کرتی تھی اس کی کوٹھیوں کی طرف جاتی تھی وہ صندوق اس طرف چل پڑا۔ وہاں کوئی مچھیرا یا دھوبی پہلے سے لنگوٹ باندھ کر کھڑا تھا اس نے صندوق کو کھینچ لیا۔ دیکھا تو اس میں خوب صورت بچہ تھا اٹھا کر فرعون کے آگے پیش کر دیا۔ فرعون نے کہا اس کو قتل کر دو۔ فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم جن کی قسمت میں ایمان تھا اڑ گئیں۔ کہنے لگیں ﴿لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ [قصص:۹] "اس کو مت قتل کرو شاید کہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں" کہ ہماری اولاد نہیں ہے۔ فرعون نے کہا تمھیں کوئی نفع محسوس ہوتا ہوگا مجھے کوئی نفع نظر نہیں آتا۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔" اللہ تعالیٰ نے اس بی بی کو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے ایمان کا نفع دیا اور جس کسی کو دین کا ایمان کا فائدہ ہو جائے، اسلام کا فائدہ ہو جائے تو یہ بہت بڑا فائدہ ہے۔

چنانچہ فرعون کی بیوی ڈٹ گئی اور مصر میں عورتوں کا اثر زیادہ ہی تھا فرعون مجبور ہو گیا فیصلہ ہو گیا کہ قتل نہیں کرنا۔ وہاں جو عورتیں جمع تھیں ان کا دودھ پلایا موسیٰ علیہ السلام نے نہ پیا۔ بکری، گائے، اونٹنی، بھینس کا پلایا نہ پیا۔ وہاں موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ بھی موجود تھی اس نے کہا ہمارے محلے میں ایک عورت ہے اس کا دودھ پلا کر دیکھو شاید پی لے۔ اس کو بلایا گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ کا دودھ پی لیا۔ بڑی خوشی ہوئی کہ بچے کے دودھ کا مسئلہ تو حل ہو گیا۔ فرعون نے کہا بی بی! ہم تمھیں یہاں کمرہ بھی دیں گے خوراک اور وظیفہ بھی دیں گے تم یہاں رہ کر بچے کی تربیت کرو۔ اس نے کہا میرا گھر ہے، بچے ہیں میں ان کو نہیں چھوڑ سکتی اگر تمھیں ضرورت ہے تو میرے ساتھ بھیج دو ہفتہ پندرہ دن بعد معائنہ کر لیا کرنا کہ اس کی تربیت کیسی ہوئی ہے؟ وہ اس پر راضی ہو گئے اللہ تعالیٰ نے گھر میں بی بی کا وظیفہ لگا دیا اور اپنا وعدہ پورا کر دیا ﴿اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ "ہم اس کو لوٹا دیں گے آپ کی طرف اور بنانے والے ہیں ہم اس کو رسولوں میں سے۔" اور اپنے وقت پر نبوت و رسالت بھی عطا فرمائی۔

اس کا ذکر ہے ﴿وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مُوْسٰۤى﴾ اور ذکر کر کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کا ﴿اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا﴾ بے شک وہ رب کے چنے ہوئے تھے۔ بچپن سے لے کر آخر تک اللہ تعالیٰ نے ان کو چنا تھا ﴿وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا﴾ اور تھے رسول نبی۔

لفظ نبی اور رسول کی وضاحت

اس بات میں علمائے عربیت اختلاف کرتے ہیں کہ رسول اور نبی میں کوئی فرق ہے یا نہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ دونوں کا ایک معنیٰ ہے۔ رسول کا معنیٰ ہے رب تعالیٰ کا پیغام لوگوں کو پہنچانے والا اور نبی کا معنیٰ ہے رب تعالیٰ کے احکام کی خبر لوگوں کو دینے والا۔ اس اعتبار سے تو ٹھیک ہے رسول بھی تھے نبی بھی تھے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ فرق ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اسے کہتے ہیں جس کے اوپر کتاب نازل ہوئی ہو اور صاحب شریعت ہو اور نبی اسے کہتے ہیں کہ جس کو مستقل کتاب نہ ملی ہو اور نہ اس کی شریعت مستقل ہو۔ ان کی رائے پر اعتراض ہوگا کہ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے دو لفظ کیوں ذکر فرمائے ہیں کہ وہ رسول بھی تھے اور نبی بھی تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کو کتاب ملی تھی اور نہیں بھی ملی تھی، شریعت تھی بھی اور نہیں بھی۔ تو وہ

حضرات اس کا جواب دیتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلے صرف نبوت ملی کتاب نہیں ملی تھی اور نہ شریعت ملی تھی۔ کتاب اور شریعت اس وقت ملی جب فرعون کا بیڑا غرق ہوا۔ یعنی تورات ملنے سے پہلے ان کا منصب نبی کا تھا اس کے بعد رسول بنے۔

﴿وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ﴾ اور ہم نے پکارا موسیٰ علیہ السلام کو طور کی دائیں طرف سے۔ آگے سورت القصص میں واقعہ آئے گا کہ موسیٰ علیہ السلام سے ایک قبطی مر گیا تھا جو کہ فرعون کے باورچی خانے کا افسر تھا جس کی وجہ سے یہ دوڑ کر مدین چلے گئے تھے جو کہ مصر سے مغرب کی طرف آٹھ دس دن کا سفر تھا وہاں پر حضرت شعیب علیہ السلام کی بڑی بیٹی حضرت صفورہ کے ساتھ نکاح ہوا ان سے اولاد بھی ہوئی۔ دس سال کے بعد بیوی بچوں کو لے کر واپس مصر کی طرف چل پڑے کہ مصر کے حالات دیکھیں گے اگر میرے حق میں ہوئے تو ٹھیک ہے ورنہ بچوں کو وہاں چھوڑ کر کسی اور طرف نکل جاؤں گا۔ مدین سے مصر مشرق کی طرف ہے تو جب واپس آرہے تھے تو موسیٰ علیہ السلام کا رخ مشرق کی طرف تھا اور طوی وادی مقدس، پاکیزہ وادی موسیٰ علیہ السلام سے دائیں طرف تھی تو وہاں سے آواز آئی۔ فرمایا ﴿وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا﴾ اور ہم نے ان کو قریب کیا سرگوشی کے لیے۔ اسی وادی مقدس وادی طویٰ میں موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی۔ سورۃ طٰہٰ میں ذکر آئے گا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار! میری زبان میں لکنت ہے اسے کھول دے اور میرے بھائی ہیں ہارون علیہ السلام جو موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے ﴿هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا﴾ [قصص: ۳۵] "میری نسبت ان کی زبان بڑی صاف ستھری ہے۔" پروردگار ان کو بھی نبی بنا دے۔ اور سورۃ طٰہٰ میں ہے ﴿قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى﴾ "تحقیق دے دیا گیا ہے تجھے تیرا سوال۔" جو چیز آپ نے مانگی ہے وہ ہم نے دے دی ہے۔ تمھارے بھائی کو بھی اپنا نبی بنا لیا ہے۔

اس کا ذکر ہے ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ﴾ اور عطا کیا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی رحمت کی وجہ سے ﴿اَخَاهُ﴾ اس کا بھائی ﴿هٰرُوْنَ نَبِيًّا﴾ ہارون نبی۔ اس کو بھی ہم نے نبی بنایا، علیہ السلام۔ ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ﴾ اور ذکر کر کتاب میں اسماعیل علیہ السلام کا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر

کل بیان کیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے۔ سب سے بڑے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، دوسرے اسحاق علیہ السلام تھے، تیسرے حضرت مدین تھے، چوتھے حضرت مدائن اور پانچویں حضرت قیدار تھے رحمہم اللہ۔ ﴿اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ﴾ بے شک وہ سچے وعدے والا تھا۔ بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ ﴿صَادِقَ الْوَعْدِ﴾ کا مطلب بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ انھوں نے یہ خواب اسماعیل علیہ السلام کے سامنے بیان کیا کہ بیٹے میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں ﴿فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى﴾ [صف: ۱۰۲] "دیکھو تمھاری کیا رائے ہے۔" انھوں نے کہا ﴿يٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾ اے ابا جان! آپ کو جو حکم ملا ہے کر ڈالیں ﴿سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ آپ پائیں گے مجھے ان شاء اللہ صبر کرنے والوں میں۔" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہ ہتھکڑیاں ڈالیں نہ بیڑیاں ڈالیں اور ان کو ذبح کرنے کے لیے لے گئے یہ نہ دوڑے نہ بھاگے۔ جو وعدہ کیا تھا پورا کیا اور آخر دم تک ساتھ رہے۔

اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک لمبے سفر میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ ایک ساتھی تھا راستے میں کچھ درخت آئے ایک درخت کے سائے کے نیچے بیٹھ گئے۔ گاؤں ذرا دور تھا اپنے ساتھی کو فرمایا اس دیہات سے کچھ کھانے پینے کی چیزیں لاؤ۔ ساتھی نے کہا کہ حضرت! آپ تشریف رکھیں میں جا کر لاتا ہوں۔ فرمایا میں تمھارے آنے تک یہیں رہوں گا۔ وہ قصبے میں گیا تو وہاں کچھ ایسا ماحول تھا کہ وہاں کی رونقوں میں کھو گیا اور بھول گیا کہ میں نے چیزیں لے کر واپس جانا ہے۔ وہ شخص پورا ایک سال اس قصبے میں رہا حضرت اسماعیل علیہ السلام پورا ایک سال وہاں ٹھہرے رہے۔ تو وعدہ کیا تھا کہ میں تمھارے آنے تک یہاں رہوں گا اس کو پورا کیا۔ اس کو ایک سال بعد یاد آیا کہ میں اپنے ساتھی کو درخت کے نیچے بٹھا کر آیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ میں تمھارے آنے تک یہاں ٹھہروں گا تو واپس آیا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام وہیں موجود تھے۔ بعض تفسیروں میں تین سال کا بھی ذکر آتا ہے۔ تو فرمایا سچے وعدے والا تھا۔

شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خرید و فروخت کا کام کرتے تھے۔ نبوت ملنے سے پہلے کا واقعہ ہے ابوداؤد شریف جو صحاح ستہ کی کتاب ہے اس میں روایت ہے عبداللہ ابن ابی الحمساء نے آپ سے کوئی سامان خریدا اور کہا کہ اچھا آپ یہاں ٹھہریں میں آپ کو رقم لا کر دیتا ہوں۔ لیکن بھول گیا تین دن کے بعد واپس آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَقَدْ شَقَّقْتَ عَلَيَّ يَا عَبْدَ اللّٰهِ عَلٰى هٰهُنَا مُنْذُ ثَلٰثٍ "اے عبداللہ! تو نے مجھے مشقت میں ڈالا تین دن تین رات سے میں یہاں کھڑا ہوں۔" عبداللہ ابن ابی الحمساء بعد میں صحابی ہوئے، رضی اللہ عنہ۔ اور انھوں نے یہ واقعہ بیان فرمایا۔ آج ہمارے نزدیک تو وعدہ کوئی چیز ہی نہیں ہے بس یہ لفظی بات ہی ہے۔

تو فرمایا اسماعیل علیہ السلام سچے وعدے والے تھے ﴿وَ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴾ اور تھے رسول نبی۔ قبیلہ بنو جرہم کی طرف جو مکہ مکرمہ میں آ کر آباد ہوا تھا ﴿وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ﴾ اور حکم کرتے تھے اپنے گھر کے افراد کو نماز کی پابندی کا اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا۔ اھل سے مراد گھر کے افراد بھی ہیں اور جو ماتحت ہوتے ہیں وہ سب اہل ہوتے ہیں۔ جس وقت ہم یہ پڑھتے ہیں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ تو آل سے مراد صرف آپ کی نسبی اولاد ہی مراد نہیں ہوتی بلکہ ہر مومن مرد عورت مراد ہیں جو قیامت تک پیدا ہوں گے ﴿وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا﴾ اور تھے اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ۔ تمام پیغمبر اپنے رب کے ہاں بڑے پسندیدہ ہیں۔ نبوت اور رسالت سے اونچا عہدہ مخلوق کے لیے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ زندگی رہی تو باقی آئندہ، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ﴾ اور ذکر کر کتاب میں ﴿اِدْرِيْسَ﴾ ادریس علیہ السلام کا ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک وہ ﴿كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾ تھے سچے نبی ﴿وَّرَفَعْنٰهُ﴾ اور ہم نے ان کو بلند کیا ﴿مَكَانًا عَلِيًّا﴾ بہت اونچی جگہ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ﴾ یہ

بزرگ وہ لوگ ہیں ﴿اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ جن پر انعام کیا اللہ تعالیٰ نے ﴿مِّنَ النَّبِيّٖنَ﴾ نبیوں میں سے ﴿مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ﴾ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ﴿وَمِمَّنْ﴾ اور ان کی اولاد میں سے ﴿حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ﴾ جن کو ہم نے سوار کیا نوح علیہ السلام کے ساتھ ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ﴾ اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ﴿وَ اِسْرَآءِيْلَ﴾ اور اسرائیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ﴿وَمِمَّنْ﴾ اور ان کی اولاد میں سے ﴿هَدَيْنَا﴾ جن کو ہم نے ہدایت دی ﴿وَاجْتَبَيْنَا﴾ اور جن کو ہم نے چنا ﴿اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ﴾ جس وقت پڑھی جاتی ہیں ان پر ﴿اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ﴾ رحمان کی آیتیں ﴿خَرُّوْا﴾ گر پڑتے ہیں ﴿سُجَّدًا﴾ سجدہ کرتے ہوئے ﴿وَّبُكِيًّا﴾ اور روتے ہوئے ﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ﴾ پھر خلیفہ بنے ان کے بعد ﴿خَلْفٌ﴾ نا اہل لوگ ﴿اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ﴾ جنھوں نے ضائع کر دی نماز ﴿وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ﴾ اور پیروی کی انھوں نے خواہشات کی ﴿فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾ پس عنقریب ملیں گے وہ ہلاکت کو ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ﴾ مگر وہ جنھوں نے توبہ کی ﴿وَاٰمَنَ﴾ اور ایمان لائے ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿فَاُولٰٓئِكَ﴾ پس یہ لوگ ہیں ﴿يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ﴾ داخل ہوں گے جنت میں ﴿وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا﴾ اور ان پر نہیں ظلم کیا جائے گا کچھ بھی ﴿جَنّٰتِ عَدْنِ﴾ ہمیشگی کے باغات ہیں ﴿الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ﴾ وہ جن کا وعدہ کیا ہے رحمٰن نے ﴿عِبَادَهٗ﴾ اپنے بندوں کے ساتھ ﴿بِالْغَيْبِ﴾ بن دیکھے ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ ﴿كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا﴾ ہے اس کا وعدہ آنے والا ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا﴾ نہیں سنیں گے وہ اس جنت میں ﴿لَغْوًا﴾ کوئی بے ہودہ چیز ﴿اِلَّا سَلٰمًا﴾ مگر سلامتی ہی سلامتی ﴿وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ﴾ اور ان کے لیے رزق ہوگا ﴿فِيْهَا﴾ ان جنتوں میں ﴿بُكْرَةً﴾ پہلے پہر ﴿وَّعَشِيًّا﴾ اور پچھلے پہر ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ﴾ یہ جنت وہ ہے ﴿نُوْرِثُ﴾ جس کا ہم وارث بنائیں گے ﴿مِنْ عِبَادِنَا﴾ اپنے بندوں میں سے ﴿مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾ جو پرہیزگار ہوں گے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر

انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ کل آپ حضرات نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا ذکر سنا۔ آج ادریس علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ﴾ اور آپ ذکر کریں کتاب میں ادریس علیہ السلام کا ﴿اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾ بے شک وہ تھے سچے نبی۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے دور میں مفسرین کرام رحمہم اللہ اختلاف کرتے ہیں کہ کس زمانے میں تھا جمہور اور اکثر محققین فرماتے ہیں کہ ان کا دور نوح علیہ السلام سے پہلے ہے۔ یہ نوح علیہ السلام کے والد کے دادا تھے اور نوح علیہ السلام کے پردادا تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف لوگوں نے بہت سی چیزوں کی نسبت کی ہے جن کا ذکر نہ قرآن میں ہے

نہ حدیث میں ہے۔ بعض کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں ہے اور بعض کا سیرت کی کتابوں میں۔ تفسیروں میں ہے مثلاً: سب سے پہلے خط لکھنا انھوں نے شروع کیا۔ ان کو علم نجوم حاصل تھا اور اس قسم کے علوم کی نسبت ان کی طرف کی گئی ہے۔ بہر حال قرآن کریم کی نص قطعی یہ کہتی ہے کہ ﴿ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴾ بے شک وہ سچے نبی تھے۔ ﴿ وَّ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴾ اور ہم نے ان کو بلند کیا بہت اونچی جگہ۔ اس کی دو تفسیریں منقول ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمانوں پر اٹھالیا۔

چار پیغمبر اس وقت بھی زندہ ہیں ؟

عقائد کی مشہور کتاب "خیالی" میں لکھا ہے: اَرْبَعَةٌ مِّنَ الْاَنْبِيَآءِ اَحْيَآءٌ "چار پیغمبر اس وقت زندہ ہیں اِثْنَانِ فِي السَّمَآءِ وَاِثْنَانِ فِي الْاَرْضِ۔ دو آسمانوں میں زندہ ہیں اور دو زمین میں زندہ ہیں۔" جو آسمانوں پر زندہ ہیں ایک ادریس علیہ السلام اور دوسرے عیسیٰ علیہ السلام اور جو زمین میں زندہ ہیں ایک الیاس علیہ السلام اور دوسرے خضر علیہ السلام۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات پر قطعی دلائل موجود ہیں قرآن پاک کی نصوص بھی ہیں اور احادیث متواترہ بھی ہیں اور اجماعِ اُمت بھی۔ یہ تمام حوالے میں نے اپنی کتاب "توضیح المرام فی نزول المسیح علیہ السلام" میں نقل کر دیئے ہیں۔ تو حیات عیسیٰ علیہ السلام قطعی ہیں۔ ان کی حیات اور نزول کا منکر پکا کافر ہے اس کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے اور باقیوں کی حیات قطعی دلائل سے ثابت نہیں ہے لکھتے ہیں کہ یہ بھی زندہ ہیں بڑی اونچی جگہ۔ چھٹے آسمان پر ہم نے ادریس علیہ السلام کو اٹھایا ابھی تک زندہ ہیں۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف علم جفر، علم رمل، علم نجوم، علم سحر اور بہت کچھ منسوب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی صفائی بیان کی ہے کہ یہ غلط قسم کے علوم ان کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے یہ علم ناپاک ہیں ان کی شان بہت ہی بلند ہے اور ہم نے ان کو اونچا مقام دیا ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام، ادریس علیہ السلام کے نام صریح الفاظ میں ذکر فرمائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے ﴿ مِّنَ النَّبِيّٖنَ ﴾ نبیوں میں سے۔ یہ سب نبی ہیں ﴿ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ﴾ یہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ﴿ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ﴾ اور ان لوگوں کی اولاد میں سے جن کو ہم نے سوار کیا نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں۔ ان کے تین بیٹے حضرت حام، حضرت سام، حضرت یافث رحمہم اللہ اور سورۃ صٰفّٰت آیت نمبر ۷۷ میں ہے ﴿ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴾ "اور کر دیا ہم نے اس کی اولاد کو وہی باقی رہنے والے ہیں۔" حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہی آگے چلی ہے اور جو کشتی میں سوار تھے ان میں سے کسی کی اولاد آگے نہیں چلی۔ ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے بھی ہیں وَاِسْرَآءِيْلَ اور یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے۔

لفظ اسرائیل کا مطلب ؟

اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا۔ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ اسرا کا معنیٰ عبد اور ئیل کا معنیٰ اللہ۔ تو اسرائیل کا لفظی معنیٰ

عبداللہ بنتا ہے، اللہ کا بندہ۔ اسی طرح جبر کا معنیٰ عبد اور ایل کا معنیٰ اللہ۔ میکا کا معنیٰ عبد اور ایل کا معنیٰ اللہ۔ تو میکائیل کا معنیٰ عبداللہ۔ اسراف کا معنیٰ عبد اور ایل کا معنیٰ اللہ۔ تو اسرائیل کا معنیٰ عبداللہ۔ تو یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، زکریا علیہ السلام، اسمٰعیل علیہ السلام سب نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ ﴿وَمِمَّنْ هَدَيْنَا﴾ جن کو ہم نے ہدایت دی ان بزرگوں کی اولاد میں سے ہیں ﴿وَاجْتَبَيْنَا﴾ اور جن کو ہم نے چن لیا، نبوت دی، رسالت دی، ان پر کتابیں نازل کیں، صحیفے نازل ہوئے۔ یہ سب بزرگ پیغمبر اور ان کی جو نسلیں تھیں۔

﴿إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا﴾ جس وقت پڑھی جاتی ہیں ان پر رحمان کی آیتیں گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے سُجَّدًا، ساجد کی جمع ہے اور روتے ہوئے۔ بُكِيًّا، بَاكٍ کی جمع ہے۔ یہ آیت سجدہ ہے۔ مسئلہ یہ ہے آیت سجدہ پڑھنے والے پر بھی سجدہ واجب ہو جاتا ہے اور سننے والے پر بھی سجدہ واجب ہو جاتا ہے اور سجدۂ تلاوت کے لیے وہ تمام شرطیں ضروری ہیں جو نماز کے لیے ہیں کہ وضو ہو، کپڑے پاک ہوں، جگہ پاک ہو، قبلے کی طرف رخ ہو، البتہ اس میں ہاتھ نہیں اُٹھانے بس اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں چلا جانا ہے تین یا پانچ یا سات بار تسبیحات پڑھنی ہیں اور اللہ اکبر کہہ کر سر اُٹھا لینا ہے۔ نہ اس میں التحیات ہے، نہ سلام ہے۔ اور سجدہ تلاوت چوں کہ واجب ہے اس لیے صبح کی نماز سے پہلے بھی جائز ہے اور بعد میں بھی جائز ہے۔ طلوع آفتاب تک عصر کی نماز کے بعد بھی جائز ہے۔ ان اوقات میں نفلی نماز جائز نہیں ہے تو جن حضرات نے یہ آیت کریمہ سنی ہے ان پر سجدہ لازم ہو گیا ہے۔ سورج طلوع ہونے سے پہلے کر لیں یا بعد میں کر لیں یا گھر جا کے کر لیں۔

نااہلوں کی نشانیاں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ﴾ پھر خلیفہ بنے ان کے بعد نااہل لوگ۔ خَلَفٌ لام کے فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنیٰ ہے صحیح اور اہل جانشین۔ صحیح معنیٰ میں اس کے نقش قدم پر چلنے والا ہو جس کا جانشین بنا ہے۔ اور خَلْفٌ لام کے سکون کے ساتھ ہو تو اس کا معنیٰ ہے نااہل جانشین اور یہاں لام کے سکون کے ساتھ ہے۔ تو معنیٰ ہوگا پھر خلیفہ بنے ان کے بعد نااہل لوگ۔ ان کی نااہلی کی پہلی دلیل یہ ہے کہ ﴿أَضَاعُوا الصَّلَاةَ﴾ انھوں نے نماز ضائع کر دی۔ بزرگوں کے جانشینوں کی پہلی دلیل رب تعالیٰ نے یہ بیان کی ہے کہ وہ نماز کی پروا نہیں کرتے حالاں کہ نماز ایسی چیز ہے کہ سولی پر چڑھتے ہوئے کو بھی معاف نہیں ہے۔ کسی ناپاک گندی جگہ میں قید ہو، وضو نہ کر سکتا ہو، نہ تیمم کر سکتا ہو وہاں بھی نماز معاف نہیں ہے۔ لیکن ہم نے نماز کو کچھ نہیں سمجھا۔ معمولی سی تکلیف ہوتی ہے باقی سب کام چلتے رہتے ہیں نماز کے لیے کہیں تو کہتے ہیں بیمار ہوں۔ تو ساری زد بے چاری نماز پر پڑتی ہے۔

نااہلوں کی دوسری نشانی ﴿وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ﴾ اور پیروی کی انھوں نے خواہشات کی۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں خواہشات بھی رکھی ہیں خواہشات سے کوئی خالی نہیں ہے اگر جائز طریقے سے خواہشات کو پورا کرتا ہے تو کوئی گناہ نہیں ہے اور اگر

غلط طریقے سے استعمال کرتا ہے تو اس میں شرک بھی لازم آئے گا۔ سورۃ الجاثیہ آیت نمبر ۲۳ ﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾ "کیا آپ نے نہیں دیکھا اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو الٰہ بنالیا ہے۔" بندے کے دل میں جو آئے وہ کرے اور اس کے لیے شرعی ثبوت نہ ہو تو یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے۔ یاد رکھنا! مشرک کے سینگ نہیں ہوتے بیلوں اور بھینسوں کی طرح بلکہ عام بندے ہی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شرک سے بچائے۔

فرمایا ﴿فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾۔ غَيًّا کا معنیٰ ہلاکت بھی ہے غَيًّا کا معنیٰ گمراہی بھی ہے۔ اور غَیّ جہنم کے ایک طبقے کا نام بھی ہے۔ تو معنیٰ ہوگا پس عنقریب ملیں گے وہ ہلاکت کو گمراہی کو۔ جنھوں نے یہ کام کیے گمراہ ہوں گے ان کے لیے ہلاکت ہوگی اور ملیں گے جہنم کے طبقے کو، دوزخ کے طبقے میں ان کو پھینکا جائے گا۔ ہاں ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ﴾ مگر جس نے توبہ کی وہ بچ جائے گا۔

توبہ سے ہر گناہ معاف نہیں ہوتا

لیکن یاد رکھنا! توبہ سے نماز معاف نہیں ہوتی نہ روزہ معاف ہوتا ہے نہ زکوۃ عشر معاف ہوتا ہے نہ کسی کا حق معاف ہوتا ہے۔ بہت سارے پڑھے لکھے لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں کہ توبہ سے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں تو یہ سب گناہوں کیلئے چورن ہے۔ حاشا وکلا ہرگز نہیں! اچھی طرح یاد رکھنا ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی معاف نہیں ہوتی جب تک ان کو باقاعدہ قضا نہیں کرو گے پھر جا کر معافی ہے۔ فرضوں اور وتروں کی قضا ہے سنت اور نفل کی کوئی قضا نہیں ہے۔ تین وقتوں کے علاوہ جس وقت چاہو قضا نمازیں پڑھ سکتے ہو۔ طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور زوال کے وقت نہیں پڑھ سکتے اور جو کسی کا حق دینا ہے وہ ادا کرو گے تو توبہ ہوگی۔ توبہ تاخیر کی کرنی ہے کہ وقت پر نمازیں نہیں پڑھ سکا۔ اب میں قضا کرتا ہوں پروردگار مجھے معاف کردے۔

ایمان کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے

﴿وَاٰمَنَ﴾ اور ایمان لائے صحیح معنیٰ میں ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ اور اچھے عمل کرے۔ بہت سارے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کلمہ پڑھ لیا تو باقی ساری چیزیں معاف ہوگئیں کسی غلط فہمی میں نہ رہنا بے شک کلمہ بڑی چیز ہے۔ لیکن اس کے ساتھ کچھ اور چیزیں بھی ہیں وہب ابن منبہ رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سے بڑے بزرگ ہیں۔ ایک موقع پر اعمال کی ترغیب دے رہے تھے کہ نمازیں پڑھو روزے رکھو، زکوۃ ادا کرو، نیکیاں کرو، زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ایک آدمی نے کہا حضرت! لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مفتاح الجنة "جنت کی چابی ہے۔" ہمارے ہاتھ میں چابی ہے جب چاہیں گے داخل ہوجائیں گے تو حضرت وہب ابن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بھائی چابی کے دندانے بھی ہوتے ہیں۔ اگر دندانے نہ ہوں تو جتنی گھماتے رہو کچھ نہیں ہوگا تالا نہیں کھلے گا۔ تو نیک اعمال چابی کے دندانے ہیں۔

فرمایا ﴿فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ﴾ پس یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے ﴿وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْــًٔا﴾ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا کچھ بھی۔ رتی برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔ ظلم اس طرح کہ جو گناہ نہیں کیے ان کی گردن پر رکھ دیئے جائیں یا نیکیاں کی ہیں ان

کو اجر نہ ملے ایسا نہیں ہوگا ﴿جَنّٰتِ عَدْنٍ﴾ ہیشگی کے باغات ہیں۔ ہیشگی کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پھل ہمیشہ ہوں گے ﴿اُكُلُهَا دَآئِمٌ﴾ [رعد: ۳۵] "پھل ہمیشہ لگے ہوں گے۔" دانہ توڑا فوراً اور لگ جائے گا پھر توڑا اور لگ جائے گا ﴿لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ﴾ [واقعہ: ۳۳] "نہ ختم ہونے میں آئیں گے اور نہ روکا جائے گا۔" ہمیشہ ہوں گے سدا بہار۔ دنیا کے پھلوں کی طرح نہیں کہ صرف موسم میں ہوتے ہیں، وہ ہمیشہ ہوں گے۔ ﴿الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ﴾ وہ جن کا وعدہ کیا ہے رحمٰن نے اپنے بندوں کے ساتھ ﴿بِالْغَيْبِ﴾ بن دیکھے۔ نہ انھوں نے رب کو دیکھا ہے اور نہ اس کی جنتوں کو دیکھا ہے مگر رب تعالیٰ پر بن دیکھے ایمان رکھتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی ذات بھی ہے اور جنت بھی ہے اور ساری خوشیاں بھی ہیں ﴿اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا﴾ بے شک رب کا وعدہ آنے والا ہے ﴿مَاْتِيًّا﴾۔ اَتٰى يَاْتِيْ سے مفعول کا صیغہ ہے اور فاعل کے معنیٰ میں ہے، آنے والا ہے۔ یاد رکھنا! جنت بھی دور نہیں دوزخ بھی دور نہیں آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے جنت بھی سامنے دوزخ بھی سامنے: مَنْ مَاتَ قَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ "جو مرے گا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔"

﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا﴾ نہیں سنیں گے وہ ان جنتوں میں کوئی بے ہودہ چیز۔ نہ جھوٹ، نہ غیبت، نہ گالی کسی قسم کی دل آزاری کی بات نہیں سنیں گے ﴿اِلَّا سَلٰمًا﴾ مگر سلامتی ہی سلامتی ہوگی ﴿تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ﴾ [یونس: ۱۰] جنتی آپس میں سلام کریں گے فرشتے بھی سلام کریں گے ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ [یٰسین: ۵۸] رب تعالیٰ کی طرف سے بھی سلام ہوگا کہ اے میرے بندو! میری طرف سے تم پر سلام ہو۔ وہ سلامتی کا مقام ہے۔ ﴿وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا﴾ اور ان کے لیے رزق ہوگا ان جنتوں میں پہلے پہر بھی اور پچھلے پہر بھی۔ چوں کہ لوگ عادتاً دو ٹائم کھاتے ہیں اس لیے صبح و شام کا ذکر فرمایا ہے۔ اگر اس کے علاوہ بھی کوئی کھانا چاہے گا تو اس کے متعلق رب تعالیٰ نے سورۃ ق آیت نمبر ۳۵ میں ضابطہ بیان فرمایا ہے ﴿لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا﴾ "ان کے لیے ہوگا جو وہ چاہیں گے اس میں۔" ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ﴾ یہ جنت ہے جس کا ہم وارث بنائیں گے ﴿مِنْ عِبَادِنَا﴾ اپنے بندوں میں سے ﴿مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾ اس کو جو پرہیز گار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے سب کو متقی بنائے نافرمانی سے بچائے اور ہم صحیح معنیٰ میں اللہ تعالیٰ کے بندے بن جائیں۔ [آمین!]

﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ﴾ اور ہم نہیں اُترتے ﴿اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ﴾ مگر آپ کے رب کے حکم کے ساتھ ﴿لَهٗ﴾ اسی کے لیے ہے ﴿مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا﴾ جو کچھ ہمارے سامنے ہے ﴿وَمَا خَلْفَنَا﴾ اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے ﴿وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ﴾ اور جو کچھ اس کے درمیان ہے ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ اور نہیں ہے آپ کا رب بھولنے والا ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ﴾ وہ رب ہے آسمانوں کا ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین کا ﴿وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ﴿فَاعْبُدْهُ﴾ پس اسی کی عبادت کرو ﴿وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ﴾ اور جمے رہیں اس کی عبادت پر ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ کیا جانتے ہیں

آپ اس کے لیے کوئی ہم نام ﴿وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ﴾ اور کہتا ہے انسان ﴿ءَاِذَا مَا مِتُّ﴾ کیا جب میں مرجاؤں گا ﴿لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا﴾ البتہ میں نکالا جاؤں گا زندہ کر کے ﴿اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ﴾ کیا اور نہیں یاد کرتا انسان ﴿اَنَّا خَلَقْنٰهُ﴾ بے شک ہم نے اس کو پیدا کیا ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿وَلَمْ يَكُ شَيْئًا﴾ اور نہیں تھا کوئی چیز ﴿فَوَرَبِّكَ﴾ پس قسم ہے آپ کے رب کی ﴿لَنَحْشُرَنَّهُمْ﴾ البتہ ہم ان کو ضرور اکٹھا کریں گے ﴿وَالشَّيٰطِيْنَ﴾ اور شیطانوں کو بھی ﴿ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ﴾ پھر ہم ان کو ضرور حاضر کریں گے ﴿حَوْلَ جَهَنَّمَ﴾ جہنم کے اردگرد ﴿جِثِيًّا﴾ گھٹنوں کے بل ﴿ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ﴾ پھر ہم نکالیں گے ﴿مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ﴾ ہر گروہ سے ﴿اَيُّهُمْ﴾ خصوصاوہ ﴿اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ﴾ جو زیادہ سخت ہے رحمان کے سامنے ﴿عِتِيًّا﴾ نافرمانی کرنے میں ﴿ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ﴾ پھر البتہ ہم ضرور جانتے ہیں ﴿بِالَّذِيْنَ﴾ ان لوگوں کو ﴿هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا﴾ جو زیادہ لائق ہیں دوزخ میں داخل ہونے کے۔

فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں

اللہ تعالیٰ کے بے شمار فرشتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے مختلف ڈیوٹیاں لگائی ہوتی ہیں۔ سب فرشتوں کے سردار حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اور وحی بھی یہی فرشتہ لاتا تھا۔ کسی کی ڈیوٹی بارش پر اور کسی کی اور کام پر۔ کوئی ڈیوٹی میکائیل علیہ السلام کے سپرد ہے کوئی اسرافیل علیہ السلام کے سپرد ہے۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام موت کے فرشتوں کے انچارج ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لاتے تھے۔ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو فرمایا کہ آپ ہماری ملاقات اور زیارت کے لیے اس سے زیادہ آیا کرو جتنا کہ تم آتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کی زبان پر یہ بات نازل فرمائی ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ﴾ اور ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم کے ساتھ۔ ہماری ذاتی مرضی کچھ نہیں ہے اگر ہمارے اپنے اختیار میں ہو تو اپنی مرضی کریں ہم تو رب تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں۔ سورۃ تحریم آیت نمبر ۶ میں ہے ﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ "وہ نہیں نافرمانی کرتے اللہ تعالیٰ کی اس چیز میں جو وہ حکم دیتا ہے اور وہ وہی کچھ کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔" بے شک آپ کا ذوق شوق ہے کہ ہم آپ کی زیادہ زیارت کریں لیکن ہم رب کے حکم کے پابند ہیں اس کے حکم کے بغیر نہیں اتر سکتے ﴿لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا﴾ اسی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے مکان کے لحاظ سے زمانے کے لحاظ سے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے اسی کا تصرف ہے اسی کی حکومت ہے ﴿وَمَا خَلْفَنَا﴾ اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے مکان کے لحاظ سے زمانے کے لحاظ سے پیچھے گزر چکا ہے وہ سب رب تعالیٰ کا ہے ﴿وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ﴾ اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب رب تعالیٰ کا پیدا کردہ، اسی کی ملکیت اور اسی کے اختیار میں ہے ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ اور نہیں ہے آپ کا رب بھولنے والا۔

مخلوق میں بڑے سے بڑے درجے والا بھی بھول جاتا ہے

مخلوق میں سے کوئی جتنے بڑے درجے کا ہو بھول جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سے آنحضرت ﷺ کا درجہ سب سے بہت بلند ہے مخلوق میں کسی اور کا اتنا درجہ اور شان نہیں ہے مگر آپ بھی بھول جاتے تھے۔

ایک دفعہ آپ نے ظہر کی نماز چار رکعات کی بجائے دو رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے حیران ہو گئے کہ کیا قصہ ہے۔ بعض نے خیال کیا کہ شاید اب ظہر کی نماز چار رکعات کی بجائے دو ہو گئیں ہیں آپ ﷺ کے رعب کی وجہ سے پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ایک خرباق نامی صحابی تھے جن کا لقب ذوالیدین اور ذوالشمالین تھا وہ آگے بڑھے اور کہا: حضرت! اَقُصِرَتِ الصَّلٰوۃُ اَمْ نَسِیْتَ "حضرت! ظہر کی نماز کم ہو گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟" آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کُلُّ ذٰلِكَ لَمْ یَکُنْ "نہ نماز کم ہوئی ہے اور نہ میں بھولا ہوں۔" میں نے پوری چار رکعات پڑھائی ہیں۔ کہنے لگے حضرت! نہیں آپ نے دو پڑھائی ہیں۔ آپ ﷺ نے حاضرین سے پوچھا اَصَدَقَ ذُوالْیَدَیْنِ "کیا ذوالیدین ٹھیک کہہ رہا ہے کہ میں نے دو رکعتیں پڑھائی ہیں؟" ساتھیوں نے کہا ہاں! حضرت ٹھیک کہہ رہا ہے۔ پھر آپ نے دو رکعتیں اور پڑھائیں اور سجدہ سہو کیا اور فرمایا: اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنْسٰی کَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِیْتُ فَذَکِّرُوْنِیْ بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ میں بھی تمھاری طرح کا بشر ہوں، انسان ہوں، آدمی ہوں بھول جاتا ہوں جیسا کہ تم بھول جاتے ہو۔ میں جب بھول جایا کروں تو یاد کرا دیا کرو۔ اس طرح کے اور بھی واقعات ہیں کہ آپ ﷺ بھول گئے پھر ساتھیوں نے یاد کرایا۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آپ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھائی۔ پہلی التحیات بھول کر سیدھے کھڑے ہو گئے پیچھے سے لقمے ملتے رہے مگر آپ ﷺ نے پروانہ کی، تین رکعتیں پڑھانے کے بعد آپ ﷺ نے سلام پھیر دیا۔ چوں کہ یہ عملی مسئلہ ہے پیش آتا رہتا ہے لہٰذا اس کو سمجھ لیں۔ تین رکعتیں ہیں یا چار رکعتیں ہیں تو ان میں پہلی التحیات واجب ہے اور آخری التحیات فرض ہے۔ فرض کے چھوٹنے سے نماز نہیں ہوتی۔ واجب چھوٹ جائے نماز ہو جاتی ہے سجدہ سہو لازم آتا ہے۔ اس کو تم اس طرح سمجھو کہ ایک رکعت میں جو دو سجدے ہیں ان میں سے پہلا فرض ہے اور دوسرا واجب ہے اگر کسی سے دوسرا سجدہ رہ گیا تو سجدہ سہو کرے گا اور نماز صحیح ہو جائے گی۔ رکوع فرض ہے اگر رہ گیا تو نماز نہیں ہوگی از سرے نو نماز پڑھنی پڑے گی۔ اگر پہلی التحیات بھول کر کھڑا ہو گیا اگر اقرب الی القعود ہے بیٹھنے کے قریب ہے تو بیٹھ جائے سجدہ سہو لازم نہیں آئے گا اور اگر قیام کے قریب ہے تو کھڑا ہو نہ بیٹھے کیوں کہ رکعت فرض ہے اور فرض کا درجہ قوی ہوتا ہے۔ التحیات واجب ہے رہ گئی ہے سجدہ سہو کر لے۔ تو فرمایا کہ میں بھول جاؤں تو یاد کرا دیا کرو۔

اب سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ بھول گئے تحقیق فرمائی اور پھر باقی دو رکعتیں پڑھائیں اور نماز میں خلل نہیں آیا؟ تو یاد رکھنا! یہ اس وقت کی بات ہے کہ نماز میں سلام کلام، گفتگو جائز ہوتی تھی۔ آنے والا کہتا تھا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ نمازی نماز

کی حالت میں کہہ دیتا تھا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آنے والا پوچھ لیتا تھا کتنی رکعتیں ہوگئی ہیں؟ نمازی بتلا دیتے کہ ہم پہلی رکعت میں ہیں یا دوسری میں ہیں یا تیسری میں، نماز نہیں ٹوٹتی تھی۔ یہ بھی اس وقت کا واقعہ ہے جب نماز کے دوران گفتگو جائز ہوتی تھی۔ بعد میں حکم نازل ہوا ﴿قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ [بقرۃ: ۲۳۸] "کھڑے ہوجاؤ اللہ کے سامنے عاجزی سے۔"

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نماز میں بات کرلیا کرتے تھے۔ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو اُمِرْنَا بِالسُّكُوْتِ وَ نُهِيْنَا عَنِ الْكَلَامِ "ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور گفتگو کرنے سے منع کر دیا گیا۔" بہت ساری چیزیں ایسی تھیں جن کے متعلق پہلے احکام اور تھے اور بعد میں اور تھے۔ شراب پہلے جائز تھی بعد میں ناجائز ہوگئی، پہلے کافر، مشرک عورت کے ساتھ نکاح جائز تھا بعد میں منع کر دیا گیا، پہلے کافر، مشرک کو بیٹی، بہن دینا جائز تھا بعد میں منع کر دیا گیا، پہلے سود جائز تھا بعد میں ناجائز ہوگیا۔ اب کوئی آدمی پہلے احکام کو لے کر کہے کہ یہ ہوتا رہا ہے اس لیے میں کررہا ہوں تو یہ اس کی نادانی ہے۔ لہٰذا ایسی روایات کو لے کر نماز کے دوران گفتگو شروع کر دے تو یہ کوئی عقل مندی نہیں ہے۔ اس وقت جائز ہوتی تھی اب گفتگو جائز نہیں ہے، ممنوع ہے۔

خیر بات ہو رہی تھی نسیان کی کہ اللہ تعالیٰ نسیان سے، بھولنے سے پاک ہے اور مخلوق میں بڑی سے بڑی شخصیت بھی بھول جاتی ہے۔ سورہ طٰہٰ آیت نمبر ۱۱۵ میں ہے ﴿وَ لَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾ "اور ہم نے تاکید کی تھی آدم علیہ السلام کو اس سے پہلے پس وہ بھول گئے اور نہ پائی ہم نے ان کے لیے پختگی۔" تو یہ نسیان بھولنا انسان کے خواص میں سے ہے ﴿وَ مَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ اور نہیں ہے آپ کا رب بھولنے والا۔ نہ بھولنا یہ صرف رب تعالیٰ کی صفت ہے ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ وہ رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا ﴿وَ مَا بَيْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ زمین اور آسمان کے درمیان ہے سب کا رب ہے ﴿فَاعْبُدْهُ﴾ پس اے مخاطب! اسی رب کی عبادت کر اور صرف ایک آدھ دن ہی نہیں ﴿وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ﴾ اور جمے رہیں اس کی عبادت پر، قائم رہو اس کی عبادت پر۔ ایسا نہیں کہ کبھی نماز پڑھ لی اور کبھی نہ پڑھی یہ کچھ نہیں ہے ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ کیا جانتے ہیں اس کے لیے کوئی ہم نام۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کسی کا نام اللہ ہے؟ اللہ جل جلالہ کے ننانوے نام مشہور ہیں۔ ویسے تقریباً پانچ ہزار نام ہے۔ ان ننانوے ناموں میں سے اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام اللہ ہے جل جلالہ۔ اور کسی کا نام اللہ نہیں ہے کوئی کہتا ہے تو غلط کہتا ہے۔ بدایوں کے ایک مفتی صاحب تھے گجرات میں رہے ہیں کتابیں بھی اس نے کافی لکھی ہیں۔ اس نے خرافات لکھی ہے کہ ہم جس وقت بسم اللہ پڑھتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مدد مانگتے ہیں کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اللہ بھی ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ بھئی! رب کا نام تو اور کسی کا نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اللہ کیسے ہوگیا؟ ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے۔

مشرک حیات بعد الممات کے قائل نہیں تھے

﴿وَ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ﴾ اور کہتا ہے انسان۔ بعض حضرات نے کہا ہے مراد ابوجہل ہے، بعض نے کہا ہے عاص بن وائل

ہے،بعض فرماتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ تھا،بعض کہتے ہیں کہ عقبہ ابن ابی معیط مراد ہے۔مختلف موقعوں پر مختلف کافروں نے یہ باتیں کی تھیں کسی مفسر نے کسی کا نام بتلا دیا کسی نے کسی کا نام بتلا دیا۔تو کافر انسان کہتا ہے ﴿ءَاِذَا مَامِتُّ﴾ کیا جس وقت میں مرجاؤں گا ﴿لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا﴾ البتہ عنقریب میں قبر سے نکالا جاؤں گا زندہ کر کے۔دوبارہ زندگی کے کافر بڑی سختی کے ساتھ منکر تھے ﴿هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ [مومنون:۳۶] "بعید ہے یہ بات بعید ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔" کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھیں گے۔اور سورہ انعام آیت نمبر ۲۹ میں ہے ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴾ "ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔"

سورہ سجدہ آیت نمبر ۱۰ میں ہے ﴿وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ "اور کہا انھوں نے کیا جس وقت ہم رل مل جائیں گے زمین میں کیا ہم نئی پیدائش میں پیدا کیے جائیں گے۔" اور سورہ یٰسین آیت نمبر ۷۸ میں ہے ﴿مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ﴾ "کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی، ریزہ ریزہ ہو چکی ہوں گی۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ رب زندہ کرے گا جس نے حقیر نطفے سے پیدا کیا وہ رب پیدا کرے گا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا وہ رب پیدا کرے گا جو سرسبز درخت سے آگ کے شعلے نکالتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ﴾ کیا یاد نہیں کرتا انسان اس بات کو ﴿اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ﴾ بے شک ہم نے اس کو پیدا کیا اس سے پہلے ﴿وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا﴾ اور نہیں تھا کوئی چیز۔تو جس رب نے پہلے پیدا کیا ہے وہی رب دوبارہ پیدا کرے گا ﴿فَوَرَبِّكَ﴾ واؤ قسم کے لیے ہے۔پس قسم ہے آپ کے رب کی یعنی مجھے اپنی ذات کی قسم ہے ﴿لَنَحْشُرَنَّهُمْ﴾ البتہ ہم ضرور جمع کریں گے ان کو میدانِ محشر میں ﴿وَالشَّيٰطِيْنَ﴾ اور شیطانوں کو جن کی یہ اطاعت کرتے ہیں وہ چاہے انسانوں میں ہوں یا جنات میں سے۔میدان محشر میں ساری مخلوق اکٹھی ہوگی۔انسان بھی، جنات شیطان بھی، کیڑے مکوڑے بھی، حیوانات بھی سب کا حساب ہوگا۔مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ سینگ والی بکری نے بغیر سینگ والی بکری کو مارا ہوگا تو اس کا بھی بدلہ لیا جائے گا۔اگرچہ حیوانات مکلف نہیں ہیں ان پر شریعت کے احکامات لاگو نہیں ہیں مگر اللہ تعالیٰ اپنا عدل و انصاف بتلائیں گے کہ اے انسانو اور جنو! تمھیں کیسے چھٹکارا مل سکتا ہے جب کہ حیوانات میں بھی ظالم سے مظلوم بدلہ لے گا تم تو عقل مند مخلوق ہو۔

﴿ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ﴾ پھر ہم ان کو ضرور حاضر کریں گے ﴿حَوْلَ جَهَنَّمَ﴾ جہنم کے اردگرد ﴿جِثِيًّا﴾ جاثٍ کی جمع ہے، گھٹنوں کے بل، دوزانوں ہو کر بیٹھنے والا۔یہ عاجزی کی حالت ہے جیسے ہم التحیات میں بیٹھتے ہیں اگر معذور نہ ہوں تو۔اگر معذور ہو تو آدمی جس حالت میں چاہے بیٹھ کر نماز پڑھے۔﴿ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ﴾ پھر ہم نکالیں گے الگ کرلیں گے ﴿مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ﴾ ہر گروہ سے ﴿اَيُّهُمْ﴾ خاص طور پر اس کو ﴿اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا﴾ جو زیادہ سخت ہے رحمان کے سامنے نافرمانی میں یعنی سب اکٹھے ہوں پھر ان میں سے جو ان کے لیڈر، بدمعاش اور غنڈے ہوں گے ان کو علیحدہ کرلیا جائے گا ان کا حساب بڑا سخت ہوگا۔

اس لیے حدیث پاک میں آتا ہے: مَنْ نُوْقِشَ فِي الْحِسَابِ عُذِّبَ "جس کا صحیح معنیٰ میں حساب ہوا اس کی خیر نہیں۔" ہاں سرسری طور پر رب تعالیٰ اپنی مہربانی سے موٹے موٹے سوالات کرے تو وہ بات علیحدہ ہے۔

﴿ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ﴾ پھر البتہ ہم خوب جانتے ہیں ﴿بِالَّذِیْنَ ان کو هُمْ اَوْلٰی بِهَا صِلِیًّا﴾ جو زیادہ لائق ہیں دوزخ میں داخل ہونے کے۔ صَلِیَ یَصْلٰی کا معنیٰ ہے داخل ہونا۔ ابولہب کے بارے میں آتا ہے ﴿سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ﴾ "وہ عنقریب شعلہ مارنے والی آگ میں داخل ہوگا۔" تو فرمایا جو دوزخ میں داخل ہونے والے ہیں وہ ہمارے علم میں ہیں کوئی ہم سے مخفی نہیں ہے، قیامت حق ہے، میدان محشر حق ہے، حساب حق ہے، جنت دوزخ حق ہے، پل صراط حق ہے، میزان حق ہے، عدل وانصاف حق ہے۔ ان چیزوں پر سب یقین رکھو۔

﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ﴾ اور نہیں ہے تم میں سے کوئی ﴿اِلَّا وَارِدُهَا﴾ مگر وہ وارد ہونے والا ہے اس دوزخ پر ﴿كَانَ عَلٰى رَبِّكَ﴾ ہے آپ کے رب کے ذمہ ﴿حَتْمًا﴾ لازم ﴿مَّقْضِيًّا﴾ طے شدہ ﴿ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِیْنَ﴾ پھر ہم نجات دیں گے ان لوگوں کو ﴿اتَّقَوْا﴾ جو ڈرتے ہیں ﴿وَّنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ﴾ اور چھوڑ دیں گے ظالموں کو ﴿فِیْهَا﴾ اس دوزخ میں ﴿جِثِیًّا﴾ گھٹنوں کے بل ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ﴾ اور جس وقت تلاوت کی جاتی ہیں ان پر ﴿اٰیٰتُنَا﴾ ہماری آیتیں ﴿بَیِّنٰتٍ﴾ واضح اور روشن ﴿قَالَ الَّذِیْنَ﴾ کہتے ہیں وہ لوگ ﴿كَفَرُوْا﴾ جو کافر ہیں ﴿لِلَّذِیْنَ﴾ ان لوگوں کو ﴿اٰمَنُوْۤا﴾ جو ایمان لائے ہیں ﴿اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا﴾ دونوں گروہوں میں سے کون سا بہتر ہے از روئے مقام کے ﴿وَّاَحْسَنُ نَدِیًّا﴾ اور کون اچھا ہے مجلس کے اعتبار سے ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا﴾ اور کتنی ہم نے ہلاک کی ہیں ﴿قَبْلَهُمْ﴾ ان سے پہلے ﴿مِّنْ قَرْنٍ﴾ جماعتیں ﴿هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا﴾ وہ بہت اچھی تھیں ساز وسامان کے لحاظ سے ﴿وَّرِءْیًا﴾ اور نمود ونمائش کے لحاظ سے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿مَنْ كَانَ فِی الضَّلٰلَةِ﴾ جو شخص ہے گمراہی میں ﴿فَلْیَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا﴾ پس مدد دے گا اللہ تعالیٰ ان کو مدد دینا ﴿حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا﴾ یہاں تک کہ جب دیکھیں گے ﴿مَا﴾ اس چیز کو ﴿یُوْعَدُوْنَ﴾ جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے ﴿اِمَّا الْعَذَابَ﴾ یا تو عذاب ﴿وَاِمَّا السَّاعَةَ﴾ اور یا قیامت ﴿فَسَیَعْلَمُوْنَ﴾ پس بہ تاکید وہ جان لیں گے ﴿مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا﴾ کون بُرا ہے جگہ کے لحاظ سے ﴿وَّاَضْعَفُ جُنْدًا﴾ اور کون زیادہ کمزور ہے لشکر کے لحاظ سے۔

کل کے درس میں تم نے یہ پڑھا کہ کافروں کا عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد دوبارہ کوئی زندگی نہیں ہے۔ اور کہتے تھے ﴿ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا﴾ "کیا جب میں مر جاؤں گا تو کیا پھر دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا۔" اللہ تبارک وتعالیٰ نے نہایت اختصار کے ساتھ جواب دیا ﴿اَوَلَا یَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَكُ شَیْــٴًـا﴾ "کیا انسان یاد نہیں کرتا کہ بے شک ہم نے اس کو پیدا کیا اور یہ کوئی چیز نہیں تھا۔" جو رب پہلے پیدا کر سکتا ہے وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے اس کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں ہے۔

پھر جو مجرم ہیں ان کو دوزخ میں پھینکا جائے گا۔

قیامت، جنت، دوزخ کی طرح پل صراط بھی حق ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا﴾ اور نہیں ہے تم میں سے کوئی مگر وہ وارد ہونے والا ہے اس دوزخ پر۔ بات اچھی طرح سمجھ لیں۔ قیامت حق ہے، میدان محشر میں اکٹھا ہونا بھی حق ہے، اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت کا قائم ہونا بھی حق ہے، ترازو پر نیکیوں کا تلنا بھی حق ہے، جس طرح یہ تمام چیزیں حق ہیں اسی طرح پل صراط بھی حق ہے۔ جہنم کے اوپر ایک پل ہے اس کو عبور کر کے جنت کی طرف جانا پڑے گا اس کو پل صراط کہتے ہیں۔ وہ کافروں کے لیے تو اَحَدُّ مِنَ السَّيْفِ وَاَدَقُّ مِنَ الشَّعْرِ "تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک" اور نیچے آگ کے شعلے ہوں گے۔ کوئی کافر تو ایک قدم رکھے گا اور کٹ کے نیچے دوزخ میں گر جائے گا۔ کوئی دو قدم اور کوئی تین قدم اور کٹ کے نیچے دوزخ میں گر جائے گا کوئی کافر اس کو عبور نہیں کر سکے گا اور وہ مومنوں کے لیے کھلی سڑک ہوگی۔

ہر ایک نے پل صراط سے گذرنا ہے

صحیح احادیث میں موجود ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی پل صراط سے ایسے گزرے گا جیسے تیز رفتار پرندہ جاتا ہے اور کوئی تیز رفتار گھوڑے کی طرح گزرے گا، کوئی تیز رفتار اونٹ کی طرح گزرے گا، کوئی ایسے گزرے گا جیسے آدمی بھاگ کر جاتا ہے اور وہ بھی ہوں گے جو آہستہ آہستہ چل کر عبور کریں گے۔ ایمان اور اعمال میں جتنی قوت ہوگی، اخلاق میں قوت ہوگی اتنی ہی رفتار ہوگی۔ یہ قربانی کے جانوران کے لیے سواری بنیں گے۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پل صراط پر سے گزرنے والوں میں سے سب سے اول میں ہوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ، پھر عمر رضی اللہ عنہ، پھر عثمان رضی اللہ عنہ، پھر علی رضی اللہ عنہ، پھر باقی عشرہ مبشرہ پھر ساری اُمت مرتبے اور مقام کے لحاظ سے۔ اسی طرح جنت میں سب سے پہلا قدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑے گا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ داخل ہوں گے۔ سب سے پہلے اس اُمت کا حساب ہوگا حالاں کہ دنیا میں یہ اُمت سب سے بعد میں آئی ہے مگر جنت کی خوشیوں میں سب سے پہلے پہنچے گی۔ اسی پل صراط کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا﴾ یہ اِنْ نافیہ ہے۔ "اور نہیں ہے تم میں سے کوئی وارد ہونے والا اس دوزخ پر۔"

پل صراط کے بعد ایک اور پل ہے

حدیث پاک میں آتا ہے کہ پل صراط کو عبور کرنے کے بعد آگے ایک اور پل آئے گا قَنْطَرَةٌ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ "یہ پل جنت اور دوزخ کے درمیان ہوگا۔" اس پل پر صرف مسلمان پہنچیں گے اور ایک دوسرے کے خلاف جو نفرت، بغض، کینہ ہو

گا، غلط فہمیاں ہوں گی وہ ساری اس پر مومنوں کے دلوں سے نکال دی جائیں گی۔ جب جنت میں داخل ہوں گے تو کسی کے خلاف کسی کے دل میں کوئی بغض، کینہ، کدورت نہیں ہوگی شیشے کی طرح صاف ہوں گے۔ بے شمار مخلوق ہوگی مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے ساتھ کوئی جھگڑا، نہ لڑائی، نہ غیبت، نہ گالی گلوچ ہوگا۔

تو میزان کی طرح، اللہ تعالیٰ کی عدالت کی طرح، پل صراط بھی حق ہے اور اس کے اوپر سے گزرنا ہے ﴿كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾ ہے آپ کے رب کے ذمہ لازم طے شدہ۔ اس میں شک شبہے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جس وقت وہاں سے گزریں گے ﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ پھر ہم نجات دیں گے ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، کفر، شرک سے بچتے ہیں، رب تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے ہیں ان کو نجات ملے گی ﴿وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا﴾ اور ہم چھوڑ دیں گے ظالموں کو اس دوزخ میں گھٹنوں کے بل بیٹھنے والے ہوں گے۔ جیسے ہم التحیات میں بیٹھتے ہیں اوپر سے گھٹنوں کے بل گریں گے اور دوزخ میں جا پڑیں گے اور شعلوں میں جلتے رہیں گے۔ اگر دوزخ میں ان کو مارنا مقصود ہو تو اس کا ایک شعلہ ہی کافی ہے کیوں کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا زیادہ تیز ہے اور دنیا کی آگ میں لوہا پگھل جاتا ہے لیکن ﴿لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ [سورۃ الاعلیٰ] "نہ اس میں کوئی مرے گا اور نہ جیے گا۔" مر گیا تو سزا کون بھگتے گا؟ اور یہ جینا کوئی جینا نہیں ہے خود دوزخی کہیں گے ﴿يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ﴾ [الحاقۃ: ۲۷] "کاش کہ ہم مرجائیں۔" جہنم کا انچارج فرشتہ جس کا نام مالک ہے اس کے پاس جائیں گے قرآن پاک میں آتا ہے، کہیں گے ﴿يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾ [زخرف: ۷۷] "اے مالک علیہ السلام! اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ آپ کا رب ہمیں مار دے۔" وہ کہے گا کیا تمھارے پاس پیغمبر نہیں آئے، کتابیں نہیں آئیں، سمجھانے والے نہیں آئے، تمھارے پاس عقل نہیں تھی، کہیں گے آئے تھے ﴿فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ﴾ [سورۃ الملک: ۹] "پس ہم نے جھٹلایا اور کہا ہم نے اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز نازل نہیں کی۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ﴾ اور جس وقت تلاوت کی جاتی ہیں ان پر ﴿اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ﴾ ہماری آیتیں واضح اور روشن ﴿قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ کہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں ﴿لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ ان لوگوں کو جو ایمان والے ہیں۔ کیا کہتے ہیں؟ کافر مومنوں کو کہتے ہیں ﴿اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ﴾ دونوں گروہوں میں سے کون سا بہتر ہے ﴿مَّقَامًا﴾ از روئے مقام اور درجے کے ﴿وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا﴾ اور کون اچھا ہے مجلس کے لحاظ سے۔ کس کی مجلسیں بھری ہوئی ہیں۔ مکہ مکرمہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اظہار فرمایا تو وہاں کافر ہی کافر تھے، کفر ہی کفر تھا لہٰذا ان کی مجلسیں بھری رہتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی غریب لوگ تھے امیر لوگ بہت تھوڑے تھے۔ مثلاً: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آگئے۔ ورنہ ابتدائی دور میں غریب ہی تھے اور غلام تھے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ غلام تھے پھر آزاد کیے گئے۔ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بھی غلام تھے پھر آزاد کیے گئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی غلام تھے پھر آزاد کیے گئے، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ بھی غلام تھے، حضرت عمار رضی اللہ عنہ غلام تھے۔ تو آپ کی مجلس میں کمزور اور تھوڑے آدمی ہوتے

تھے۔ کافروں نے کہا کہ دیکھو! مجلسیں تمھاری بڑی ہیں یا ہماری؟ اس کا رب تعالیٰ نے جواب دیا۔

﴿وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ﴾ اور کتنی ہم نے ہلاک کیں ان سے پہلے جماعتیں ﴿هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْيًا﴾ وہ بہت اچھی تھیں ساز و سامان کے اعتبار سے اور نمود و نمائش کے اعتبار سے۔ بڑی شہرت والی نامی گرامی قومیں تھیں جن کو ہم نے تباہ کر دیا ﴿قُلْ﴾ آپ ان کو کہہ دیں ﴿مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ﴾ جو شخص ہے گمراہی میں ﴿فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا﴾ امر ہے جس کا لفظی معنیٰ ہے پس چاہیے کہ رحمان ان کو مدد دے مدد دینا لیکن خبر کے معنیٰ میں ہے کہ ان کو رحمن مدد دے گا مدد دینا۔ جو نافرمان ہیں ان کو بھی مال اولاد ملتی رہتی ہے۔ دنیا کی چیزیں کافروں کے لیے بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی خوشی اور ناراضگی کا معیار ایمان اور دین ہے

یہ حدیث آپ حضرات کئی دفعہ سن چکے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُعْطِي الدُّنْيَا لِمَنْ يُّحِبُّ وَمَنْ لَا يُحِبُّ "بے شک اللہ تعالیٰ دنیا دیتا ہے اس کو جس کے ساتھ محبت کرتا ہے اور اس کو بھی دیتا ہے جس کے ساتھ محبت نہیں کرتا۔" مال کا ملنا اس بات کی دلیل نہیں کہ رب راضی ہے یعنی مال کا ملنا اللہ تعالیٰ کی رضا اور عدم رضا کا معیار نہیں ہے وَ لَا يُعْطِي الْاِيْمَانَ اِلَّا مَنْ يُّحِبُّ "اور نہیں دیتا ایمان مگر اس کو جس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔" اور ایک روایت میں ہے وَ لَا يُعْطِي الدِّيْنَ اِلَّا مَنْ يُّحِبُّ "اور نہیں دیتا اللہ تعالیٰ دین مگر اس کو جس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔" قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سگے چچا کا بیٹا تھا۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا نام مُنَوّر بتایا ہے۔ باپ کا نام یَسْعُر تھا اور دادے کا نام قاہس تھا پڑدادے کا نام لاوی تھا اور لکڑ دادے کا نام یعقوب علیہ السلام تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے والد محترم کا نام عمران تھا دادے کا نام قاہس تھا پردادے کا نام لاوی تھا اور لکڑ دادے کا نام یعقوب علیہ السلام تھا۔ قارون کا والد بڑا نیک پرہیزگار آدمی تھا حضرت یعقوب علیہ السلام کا پڑپوتا تھا۔

انسان جب شیطان بن جائے تو نسبت کام نہیں آتی

دیکھو! نسبت کتنی اونچی ہے دو پیغمبر چچا زاد بھائی ہیں مگر جب انسان شیطان بن جائے تو نسبت کام نہیں آتی۔ نہ یعقوب علیہ السلام کی نسبت کام آئی، نہ اسحاق علیہ السلام کی نسبت کام آئی، نہ ابراہیم علیہ السلام کی، نہ یوسف علیہ السلام، نہ ہارون علیہ السلام اور نہ موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کام آئی۔ بری بات پر اکڑ گیا ایک فاحشہ عورت کو پیسے دے کر موسیٰ علیہ السلام پر معاذ اللہ تعالیٰ! بدکاری کا الزام لگا دیا مگر رب رب ہے اس کی گرفت بہت سخت ہے ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ﴾ [بروج: ۱۲] "بے شک تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔" جب رب تعالیٰ پکڑنے پر آیا سورۃ القصص آیت نمبر ۸۱ میں ہے ﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ﴾ "پس دھنسا دیا ہم نے اس قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں۔" خدا جانے کتنے رقبے میں اس کی کوٹھی تھی اس کے نوکروں چاکروں کے کمرے بنے ہوئے تھے لیکن رب تعالیٰ نے سب کو زمین میں دھنسا دیا نہ قارون بچا اور نہ اس کی دولت بچی۔

فرمایا ان کو اپنی کثرت پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہیے۔ ہم نے ان سے پہلے کتنی جماعتیں ہلاک کر دیں ہیں جو بڑی شہرت

رکھتی تھیں ﴿حَتّٰۤی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ﴾ یہاں تک کہ جب وہ دیکھیں گے اس چیز کو جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے ﴿اِمَّا الْعَذَابَ﴾ یا تو دنیا میں ان پر عذاب آئے گا ﴿وَ اِمَّا السَّاعَةَ﴾ اور یا قیامت تو ہے ہی قیامت سے تو چھٹکارا نہیں ہے ﴿فَسَیَعْلَمُوْنَ﴾ پس بہ تاکید یہ جان لیں گے ﴿مَنْ هُوَ شَرٌّ﴾ کون بُرا ہے ﴿مَّكَانًا﴾ جگہ کے لحاظ سے درجے کے لحاظ سے برے درجے والا کون ہے ﴿وَّ اَضْعَفُ جُنْدًا﴾ اور کون زیادہ کمزور ہے لشکر کے لحاظ سے۔ رب کے عذاب کے مقابلے میں ان کی دنیا کی کثرت کیا کرے گی۔ باقی مالی مدد تو اللہ تعالیٰ کافروں کی بھی کرتا ہے۔

﴿وَ یَزِیْدُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ﴾ اور زیادہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ﴿اهْتَدَوْا هُدًى﴾ جنھوں نے ہدایت قبول کی ہدایت ﴿وَ الْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ﴾ اور باقی رہنے والی نیکیاں ﴿خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ﴾ بہتر ہیں تیرے رب کے ہاں ﴿ثَوَابًا﴾ بدلے کے لحاظ سے ﴿وَّ خَیْرٌ مَّرَدًّا﴾ اور بہتر ہیں لوٹنے کی جگہ کے اعتبار سے ﴿اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ﴾ کیا پس آپ نے نہیں دیکھا اس شخص کو ﴿كَفَرَ بِاٰیٰتِنَا﴾ جس نے انکار کیا ہماری آیتوں کا ﴿وَ قَالَ﴾ اور کہا ﴿لَاُوْتَیَنَّ﴾ البتہ میں ضرور دیا جاؤں گا ﴿مَالًا﴾ مال ﴿وَّ وَلَدًا﴾ اور اولاد ﴿اَطَّلَعَ الْغَیْبَ﴾ کیا اس نے غیب پر اطلاع پالی ہے ﴿اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾ یا اس نے کر لیا ہے رحمٰن کے ساتھ کوئی وعدہ ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں ﴿سَنَكْتُبُ مَا یَقُوْلُ﴾ بہ تاکید ہم لکھتے ہیں جو باتیں وہ کہتا ہے ﴿وَ نَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا﴾ اور ہم بڑھائیں گے اس کے لیے عذاب بڑھانا ﴿وَّ نَرِثُهٗ مَا یَقُوْلُ﴾ اور ہم وارث ہوں گے اس چیز کے جو وہ کہتا ہے ﴿وَ یَاْتِیْنَا فَرْدًا﴾ اور آئے گا ہمارے پاس اکیلا ﴿وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً﴾ اور بنا لیے ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے ورے معبود ﴿لِّیَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا﴾ تاکہ ہو جائیں وہ ان کے لیے عزت کا ذریعہ ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں ﴿سَیَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ﴾ عنقریب وہ انکار کریں گے ان کی عبادت کا ﴿وَ یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِمْ ضِدًّا﴾ اور وہ ہو جائیں گے ان کے مخالف۔

اس سے پہلے فرمایا کہ بہ تاکید جان لیں گے یہ لوگ جو دنیا میں مال اولاد پر گھمنڈ کرتے ہیں کہ کون برا ہے درجے کے لحاظ سے اور کون زیادہ کمزور ہے لشکر کے لحاظ سے۔ رب کے عذاب کے مقابلے میں ان کی کثرت کیا کرے گی؟ دنیا میں اللہ تعالیٰ مالی امداد کافروں اور گمراہوں کی بھی کرتا ہے لیکن ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت زیادہ دیتا ہے اور آخرت میں ہدایت ہی کام آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَ یَزِیْدُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اهْتَدَوْا هُدًى﴾ اور زیادہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہدایت ان لوگوں کو جنھوں نے ہدایت قبول کی جو ہدایت کے طالب ہیں دن بدن ان کو مزید سے مزید ہدایت نصیب ہوتی ہے ان کے ظاہر باطن کی اصلاح

ہوتی ہے نیکیوں کی توفیق ملتی ہے برائیوں سے رکتے ہیں ﴿وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ﴾ اور باقی رہنے والی نیکیاں ﴿خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ﴾ اچھی اور بہتر ہیں آپ کے رب کے ہاں ﴿ثَوَابًا﴾ بدلے کے لحاظ سے ﴿وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا﴾ اور بہتر ہیں لوٹنے کی جگہ کے اعتبار سے۔

باقیات صالحات

باقیات صالحات میں بہت ساری چیزیں آتی ہیں۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب آدمی فوت ہوجاتا ہے اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اس کے اعمال منقطع ہوجاتے ہیں مگر اس کی نیک اولاد جو نیکی کرے گی وہ خود بخود والدین کو پہنچے گی چاہے اولاد کا دھیان اس چیز کی طرف ہو یا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے والدین کو بخش دے۔کیوں کہ والدین نے تربیت کی تھی تعلیم دی تھی اب یہ جو بھی نیکی کریں گے سب نیکیوں کا ثواب ان کو ملے گا اور ان کے ثواب میں بھی کمی نہیں آئے گی۔اسی طرح ان کی نیکیوں میں جس جس کا حصہ ہوگا دادے پڑدادے کا ان سب کو یہ نیکیاں خود بخود ملتی جائیں گی اور دنیا میں جہاں بھی کوئی نیکی ہورہی ہے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ وہ تمام نیکیاں آنحضرت ﷺ کے نامہ اعمال میں درج ہورہی ہیں۔لہٰذا بے نماز اور بے روزہ یہ نہ سمجھے کہ میں صرف اپنا نقصان کررہا ہوں۔نہیں بلکہ وہ دوسروں کا بھی نقصان کررہا ہے۔وہ نمازیں پڑھتا تو آنحضرت ﷺ کے رجسٹر میں درج ہوتیں۔نہیں پڑھیں وہ ثواب نہیں پہنچا اور عام مومنین کا بھی نقصان کرتا ہے۔کیوں کہ نمازی التحیات میں کہتا ہے السلام علینا وَ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ ہمارے اوپر بھی رب کی سلامتی ہو اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر بھی ہو۔

بخاری شریف میں روایت ہے۔ " اَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ لِلّٰهِ فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ " یہ دعا اللہ تعالیٰ کے ہر نیک بندے کو پہنچتی ہے چاہے وہ آسمانوں میں ہے یا زمین میں۔"یعنی مومن انسانوں کو بھی، مومن جنوں کو بھی اور فرشتوں کو بھی پہنچتی ہے۔اور جس نے نماز نہیں پڑھی تو اس نے یہ دعا بھی نہیں پڑھی تو جنات بھی محروم، انسان بھی محروم اور فرشتے بھی محروم۔تو باقی رہنے والی نیکیوں میں نیک اولاد بھی ہے۔اور کسی نے دینی کتابیں چھوڑی ہیں جب تک وہ لوگ پڑھتے رہیں گے اس کو ثواب ملتا رہے گا، کسی نے مسجد بنادی، مدرسہ بنادیا، یتیم خانہ بنادیا جب تک یہ چیزیں قائم رہیں گی اس آدمی کو ثواب ملتا رہے گا چاہے دنیا میں رہے یا نہ رہے۔پہلے لوگوں میں یہ شوق زیادہ ہوتا تھا اور آج بھی الحمدللہ ہے مگر تھوڑا ہے۔اکثریت لوگوں کی اس طرف توجہ نہیں کرتی۔یاد رکھنا! مسجدیں بنانا، دینی مدرسے قائم کرنا، یہ اپنی نسلوں کی حفاظت کرنا ہے۔آپ حضرات تو ماشاءاللہ پختہ ذہن کے لوگ ہیں اللہ تعالیٰ قائم رکھے اور سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔آگے اپنی اولاد کی بھی فکر کرنی چاہیے کہ ان کا کلمہ رہے گا یا نہیں، نمازیں پڑھیں گے یا نہیں۔

مغربی قومیں ہماری اخلاقیات تباہ کرنے کے لیے پوری قوت صرف کررہی ہیں اور اتنی بے حیائی دنیا میں پھیلادی ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی ان سے متاثر ہیں۔اس لیے ہمیں غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دینی مدارس قائم کرنے چاہئیں اور اپنے بچوں کو دینی تعلیم دینی چاہیے۔مگر افسوس ہے کہ اچھے کاموں پر بہت کم لوگ پیسے خرچ کرتے ہیں۔حسن پورے میں مسجد کی

دیواریں بنی ہوئی ہیں اور رک گئی ہے حالاں کہ چھوٹی سی مسجد ہے ہمت کریں تو بن سکتی ہے اس کے قریب ایک اور مسجد ہے شاید اس کی صرف بنیادیں بھری گئی ہیں اور کچھ بھی نہیں ہوا۔" ادھر علی مسجد" نامکمل پڑی ہے ان کاموں کی طرف لوگوں کی کوئی توجہ نہیں ہے اگر ہر مہینے سارے ساتھی تھوڑی تھوڑی ہمت کریں تو بڑا کچھ ہوسکتا ہے۔ تو یہ چیزیں باقیات صالحات ہیں ﴿خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ﴾ بہتر ہیں تیرے رب کے ہاں ﴿ثَوَابًا﴾ بدلے کے لحاظ سے ﴿وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا﴾ اور بہتر ہیں لوٹنے کی جگہ کے اعتبار سے۔ مَرَدٌّ یہ ظرف کا صیغہ ہے معنٰی ہے لوٹنے کی جگہ اور وہ جنت ہے، بہت بہتر جگہ ہے۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ غلام تھے بعد میں آزادی ملی۔ یہ لوہاروں کا کام کرتے تھے نیزے اور تیر سیدھے کرتے تھے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا والد عاص بن وائل بڑا اکھڑ مزاج آدمی تھا کفر پر ہی مرا ہے۔ اس نے حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ میرے تیر اور نیزے ٹھیک کردے۔ کافی کام تھا کافی دن لگ گئے پیسے بھی کافی بن گئے انہوں نے عاص بن وائل سے مطالبہ کیا کہ میرے کچھ پیسے آپ کی طرف ہیں غریب آدمی ہوں آپ ادا کردیں عاص بن وائل نے کہا کہ میں تمہیں پیسے اس شرط پر دیتا ہوں کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلمہ چھوڑ دو۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ کلمہ تو میں قیامت تک نہیں چھوڑوں گا۔ عاص کہنے لگا اچھا! تم نے قیامت لانی ہے نا تو پھر مجھ سے اپنی رقم قیامت والے دن لے لینا۔ جس نے مجھے یہاں مال دیا ہے اولاد دی ہے وہاں بھی دے گا وہیں لے لینا اب مجھ سے نہ مانگنا۔ اس کا رب تعالیٰ ذکر فرماتے ہیں ﴿أَفَرَءَيْتَ الَّذِي﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا اس شخص کو ﴿كَفَرَ بِـَٔايَٰتِنَا﴾ جس نے انکار کیا ہماری آیتوں کا یعنی عاص بن وائل ﴿وَقَالَ﴾ اور کہا ﴿لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا﴾ البتہ میں ضرور دیا جاؤں گا مال بھی اولاد بھی۔

دنیا اور آخرت کے معاملات الگ الگ ہیں

اس نے یہ قیاس کیا کہ دنیا میں مجھے ملا ہے اگر قیامت کوئی چیز ہے اور آگئی تو وہاں بھی مجھے ملے گا۔ یہ اس کا قیاس فاسد اور بے کار ہے کیونکہ دنیا اور آخرت کے معاملات الگ الگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اصل میں تھا ﴿ءَ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ﴾، ﴿أَطَّلَعَ الْغَيْبَ﴾ ایک ہمزہ حذف ہوگیا ہے۔ کیا اس نے غیب پر اطلاع پالی ہے کہ آگے بھی اس کو مال اولاد ملے گی اور ایسے ہی اس کی چودھراہٹ اور سرداری ہوگی جیسے دنیا میں ہے ﴿أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا﴾ یا کرلیا ہے اس نے رحمٰن کے ساتھ کوئی وعدہ کہ وہ وہاں بھی تجھے مال دے گا اور اولاد دے گا یعنی رحمان نے اس کو کہا ہے کہ وہاں میں تجھے مال دوں گا اولاد دوں گا۔ فرمایا ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! نہ رحمان نے کسی کے ساتھ ایسا وعدہ کیا ہے اور نہ اس کی آرزوئیں پوری ہوں گی ﴿سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ﴾ بتاکید ہم لکھتے ہیں وہ باتیں جو وہ کہتا ہے۔ رب تعالیٰ خود نہیں لکھتا اس کے فرشتے لکھتے ہیں کراماً کاتبین جو دائیں طرف اور بائیں طرف بیٹھے ہوئے ہیں وہ نیکیاں برائیاں لکھتے ہیں ﴿وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا﴾ اور ہم بڑھائیں گے اس کے لیے عذاب بڑھانا۔ دن بدن کافروں کے لیے عذاب بڑھتا جائے گا جیسے مومنوں کے لیے دن بدن خوشیوں اور لذتوں میں اضافہ ہوتا رہے گا

کافروں کے لیے عذاب بڑھتا جائے گا رب تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوگا ﴿فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا﴾ [سورۃ النباء] "پس چکھو (مجرمو! عذاب کا مزا) پس ہم نہیں زیادہ کریں گے تمھارے لیے مگر عذاب۔"

فرمایا ﴿وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ﴾ اور ہم وارث ہیں اس مال اولاد کے جو وہ کہتا ہے۔ یہ سب کچھ وہ چھوڑ کر جائے گا ساتھ نہیں لے جائے گا کوئی ایسا آدمی ہے کہ اس نے جو کچھ کمایا ہو مال، جائیداد، کوٹھیاں، کارخانے ساتھ لے کر جائے سب کچھ یہیں رہے گا ساتھ ایمان جائے گا اور اچھے برے اعمال جائیں گے۔ اچھے اعمال اس کے لیے باغ و بہار ہوں گے اور برے اعمال گلے کا ہار بنیں گے ﴿وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا﴾ اور رب تعالیٰ فرماتے ہیں اور آئے گا ہمارے پاس اکیلا۔ بیٹا بیٹی کوئی اس کے ساتھ نہیں جائے گا۔

حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں دو واپس آجاتی ہیں تیسری ساتھ رہتی ہے۔ مال میت کے ساتھ جاتا ہے، برادری رشتہ دار ساتھ جاتے ہیں۔ مال سے مراد چارپائی، کھیس، کمبل ہے۔ فرمایا مال اور برادری واپس آجاتی ہے عمل ساتھ جاتا ہے چاہے نیک ہو یا برا ہو۔ فرمایا ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً﴾ اور بنا لیے ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے ورے معبود، حاجت روا، مشکل کشا، فریادرس، دستگیر بنا لیے ہیں۔ کیوں بنائے ہیں؟ ﴿لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا﴾ تاکہ ہو جائیں وہ ان کے لیے عزت اور غلبے کا ذریعہ۔ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری حاجات پوری کرتے ہیں ہمارے مصائب دور کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کچھ نہیں کر سکتا

رب تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں! کوئی کچھ نہیں کر سکتا رب تعالیٰ کے سوا نہ کوئی مشکل کشا ہے نہ حاجت روا ہے۔ سورۃ یونس آیت نمبر ۱۰۷ میں ہے ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ﴾ "اور اگر پہنچائے اللہ تعالیٰ تجھے کوئی تکلیف پس دور کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ﴿وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ اور اگر وہ ارادہ کرے آپ کے ساتھ بھلائی کا تو کوئی اس کے فضل کو رد نہیں کر سکتا۔" ساری کائنات بھی مل کر اس خیر کو روک نہیں سکتی۔ نافع بھی رب ہے اور ضار بھی رب ہے لیکن ان بیوقوفوں نے اللہ تعالیٰ سے نیچے نیچے اور حاجت روا اور مشکل کشا بنائے ہوئے ہیں تاکہ وہ ان کے غلبے کا ذریعہ بنیں ہرگز نہیں! بلکہ ﴿سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ﴾ عنقریب وہ انکار کریں گے ان کی عبادت کا۔

مشرکوں کے معبود قیامت والے دن ان کے مخالف ہوں گے

جن کو یہ مشکل کشا، حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہیں اور ان کے نام کے چڑھاوے چڑھاتے ہیں وہ اس کا انکار کر دیں گے اور کہیں گے اے پروردگار! یہ سبق ہم نے ان کو نہیں دیا اور نہ ہم راضی ہیں ﴿وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴾ اور وہ ہو جائیں گے ان کے مخالف۔ یہ لوگ جن کو آج حاجت روا سمجھتے ہیں، مددگار سمجھتے ہیں وہ کل ان کے مخالف ہوں گے اور وہ دو قسم کے ہوں گے۔ ایک تو انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام رحمہم اللہ جیسے: حضرت عزیر علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کے فرشتے اللہ تعالیٰ

ولی، امام، شہید، ان کو بھی لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا حاجت روا، مشکل کشا سمجھا، فریاد رس سمجھا، دست گیر بنایا تھا یہ کہیں گے اے پروردگار! ہم ان کی کارروائی سے بالکل بیزار ہیں ہمیں نہیں معلوم انھوں نے کن کی پوجا کی ہے۔ ہم نے ان کو نہیں کہا ہم تو صرف رب تعالیٰ کے پجاری ہیں ہمارا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے یہ جانے اور ان کا کام جانے۔ صاف الفاظ میں انکار کردیں گے۔

اور دوسرے وہ ہوں گے جنھوں نے واقعی لوگوں کو گمراہ کیا ہوگا وہ اپنی جان چھڑانے کے لیے کہیں گے کہ ہمارا تمھارے ساتھ کیا تعلق ہے ہم نے تو تمھیں صرف ترغیب دی تھی نہ مانتے۔ یہ اپنے سب سے بڑے لیڈر شیطان کے پاس جائیں گے کہ تم ہمارا کچھ کرو دنیا میں تو ہمیں بڑے سبز باغ دکھاتا تھا ﴿فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ پس نہ ملامت کرو تم مجھ کو اور ملامت کرو اپنی جانوں کو اور اس سے پہلے ہے ﴿وَمَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ﴾ [ابراہیم: ۲۲] "میرا تمھارے اُوپر کوئی زور نہیں تھا مگر میں نے تمھیں دعوت دی تم نے قبول کر لی۔" نہ مانتے میں نے کوئی تمھارے گلے میں رسے ڈالے ہوئے تھے۔ شیطان بھی ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں ہوگا اُلٹا مخالف ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے یہ لوگ دنیا میں ہی سمجھ جائیں آگے سمجھنے کا کوئی موقع نہیں ہے کہ جن کو تم مشکل کشا، حاجت روا بناتے ہو یہ صاف انکار کردیں گے اور مخالف ہوں گے۔

﴿اَلَمْ تَرَ﴾ کیا نہیں دیکھا آپ نے ﴿اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ﴾ بے شک ہم چھوڑ دیتے ہیں شیاطین ﴿عَلَی الْكٰفِرِیْنَ﴾ کافروں پر ﴿تَؤُزُّهُمْ﴾ وہ اُبھارتے ہیں ان کو ﴿اَزًّا﴾ اُبھارنا ﴿فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْ﴾ پس آپ جلدی نہ کریں ان کے خلاف ﴿اِنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿نَعُدُّ لَهُمْ﴾ ہم ان کے لیے گنتی کرتے ہیں ﴿عَدًّا﴾ گنتی کرنا ﴿یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ﴾ جس دن ہم اکٹھا کریں گے پرہیزگاروں کو ﴿اِلَى الرَّحْمٰنِ﴾ رحمٰن کی طرف ﴿وَفْدًا﴾ وفد کی شکل میں ﴿وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ﴾ اور چلائیں گے ہم مجرموں کو ﴿اِلٰى جَهَنَّمَ﴾ جہنم کی طرف ﴿وِرْدًا﴾ پیاسے ﴿لَا یَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ﴾ نہیں مالک ہوں گے وہ شفاعت کے ﴿اِلَّا مَنِ﴾ مگر وہ ﴿اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾ جس نے پکڑا ہے رحمٰن کے پاس سے وعدہ ﴿وَقَالُوا﴾ اور کہا ان لوگوں نے ﴿اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا﴾ ٹھہرالی ہے رحمٰن نے اولاد ﴿لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْـًٔا اِدًّا﴾ البتہ تحقیق لائے ہو تم بڑی بھاری بات ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ﴾ قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں ﴿مِنْهُ﴾ اس بات کی وجہ سے ﴿وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ﴾ اور ٹکڑے ہوجائے زمین ﴿وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا﴾ اور گر جائیں پہاڑ گر جانا ﴿اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا﴾ اس لیے کہ اُنھوں نے نسبت کی ہے رحمٰن کی طرف اولاد کی ﴿وَمَا یَنْۢبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ﴾ اور نہیں ہے لائق رحمٰن کے لیے ﴿اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا﴾ کہ ٹھہرائے اولاد۔

اللہ تعالٰی نے انسانوں اور جنوں کو اختیار دیا ہے نیکی بدی اختیار کرنے کا

اللہ تبارک وتعالٰی نے انسانوں اور جنوں کو نیکی بدی کرنے کا اختیار دیا ہے کہ اپنی مرضی اور ارادے سے نیکی کرنا چاہو تو نیکی کرو اور بدی کرنا چاہو تو بدی کرو کسی ایک طرف جبر نہیں ہے ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الکہف:۲۹] "پس جس کا جی چاہے اپنی مرضی سے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے اپنی مرضی سے کفر اختیار کرے۔" نہ مبلغ جبر کر سکتا ہے کہ جبراً کسی کو ہدایت دیدے اور نہ شیاطین جبر کر سکتے ہیں۔ شیطان ابھارتے ہیں ترغیب دیتے ہیں برائی کا شوق دلاتے ہیں بدی کا۔ جیسے مبلغ لوگوں کو نیکی کی ترغیب دیتے ہیں کہ نیکی کرو گے تو یہ صلہ ملے گا یہ بدلہ ملے گا اتنا دنیا میں ملے گا اتنا آخرت میں ملے گا لیکن کسی کو نیکی پر مجبور نہیں کر سکتے۔ اگر مجبور کرنا مبلغین کے اختیار میں ہوتا تو دنیا میں پیغمبروں سے بڑا مبلغ کون ہے؟ کوئی نہیں ہے۔ پھر ان کے زمانے میں ایک بھی کافر اور نافرمان نہ رہتا حالاں کہ خود پیغمبروں کے بیٹے نافرمان ہوئے ہیں۔ آدم علیہ السلام کا بیٹا قابیل، نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان نہیں مانا دونوں نافرمان ہی رہے۔ تو مبلغ نے ترغیب دینی ہے، نیکی کے کام کرو، سعادت مند بنو، نیکی کے کام بتلانے ہیں، یہ کام نیکی کا ہے وہ کام نیکی کا ہے اور جس طرح نیکی کی ترغیب دینے والے ہیں برائی کی ترغیب دینے والے بھی ہیں اور بہت سارے ہیں قولاً بھی، فعلاً بھی، عملاً بھی لوگوں کو برائی کی طرف راغب کرتے ہیں۔

یورپ کا مسلمانوں کے خلاف منصوبہ

شیطان انسانوں میں بھی ہیں جنات میں بھی ہیں مرد بھی ہیں عورتیں بھی ہیں یورپ کی تمام قومیں یہ نکتہ سمجھ چکی ہیں کہ مسلمان کی جب تک وضع قطع اسلامی ہے اور ان میں جذبہ جہاد موجود ہے تو ان کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہے۔ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے لہٰذا مسلمانوں سے یہ دونوں چیزیں ختم کرنی چاہیے۔ اس لیے وہ سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں کہ مسلمانوں سے جذبہ جہاد ختم کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاد کو وہ دہشت گردی کہتے ہیں غنڈا گردی کہتے ہیں تاکہ عام آدمی کا ذہن بگڑ جائے اور دوسرا یہ کہ وہ مسلمانوں کی وضع قطع، شکل وصورت اسلام والی نہیں دیکھنا چاہتے کہ مسلمان اگر اپنی وضع قطع میں رہے تو پھر ان کی دال نہیں گلتی۔ ترکیوں کے پاس رقبہ بھی تھوڑا تھا افراد بھی تھوڑے تھے لیکن تن تنہا انھوں نے پانچ سو سال تک مغرب کو آگے لگائے رکھا حالانکہ وسائل ان کے پاس اتنے نہیں تھے مگر قوت ایمانی تھی جذبہ جہاد تھا اسلامی وضع قطع تھی خلافت عثمانیہ تھی یہود و نصارٰی نے جس وقت یہ سمجھا کہ اس طرح ان کا ہم مقابلہ نہیں کر سکتے تو انھوں نے فیصلہ کیا کہ ان کے ذہن بگاڑو، عقیدہ خراب کرو، شکل وصورت وضع قطع بگاڑو، طرز اور طور طریقہ ایسا بگاڑو کہ یہ صحیح معنٰی میں مسلمان نہ رہیں اور اسلام کی یہ چیزیں قائم نہ رکھ سکیں۔ تو یہ لوگ برائی کی ترغیب دیتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالٰی کا ارشاد ہے ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا ﴿اَنَّآ اَرْسَلْنَا﴾ بے شک ہم چھوڑ دیتے ہیں ﴿الشَّيٰطِيْنَ﴾ شیطانوں کو ﴿عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ کافروں پر ﴿تَؤُزُّهُمْ اَزًّا﴾ وہ ان کو برانگیختہ کرتے ہیں، اُبھارتے ہیں ابھارنا

گناہوں کی طرف قولاً بھی اور فعلاً بھی مسلمانوں کے ذہن بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ چھوٹے بچے گانے گاتے ہیں اور عجیب عجیب قسم کی حرکتیں کرتے ہیں۔ ٹیلی ویژن پر جو کچھ دیکھتے ہیں اسی کی نقالی کرتے ہیں بچوں کی عادت ہوتی ہے نقالی کرنے کی۔

نفلی نماز گھر میں پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے ؟

اس لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ نفلی نماز تم گھر میں پڑھا کرو اور نفلی نماز گھر میں پڑھنے کا ثواب مسجد حرام میں پڑھنے سے زیادہ ہے۔ کیوں؟ وہ اس لیے کہ تم نفلی نماز گھر میں پڑھو گے بچے دیکھیں گے تو ذہن بنے گا کہ ہمارے ابو کیا کر رہے ہیں دادا کیا کر رہے ہیں بڑے بھائی کیا کر رہے ہیں تایا جان چچا جان کیا کرتے ہیں ہم بھی اسی طرح کریں۔ وہ تمھاری وضع قطع کو دیکھیں گے تو ان کا ذہن بنے گا۔ تو ان کا ذہن بنانے کیلئے حکم ہے کہ نفلی نماز گھر میں پڑھنا زیادہ ثواب ہے۔ ہاں! اگر گھر میں جگہ نہیں ہے مجبور ہے تو مسجد میں پڑھ لے۔ تو اللہ تعالیٰ نے شیطان کھلے چھوڑ دیئے ہیں کافروں کو ترغیب دیتے ہیں ابھارتے ہیں برائیوں پر مجبور نہیں کر سکتے ﴿فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ﴾ اے نبی کریم ﷺ! آپ ان کے کفر اور بری حرکات کو دیکھ کر ان کے خلاف آپ جلدی نہ کریں بلکہ برداشت کریں کیونکہ ہم نے بھی ان کے خلاف پروگرام بنا رکھا ہے ﴿إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا﴾ پختہ بات ہے ہم ان کے لیے گنتی کرتے ہیں گنتی کرنا۔ ان کے سال بھی گنتے ہیں، مہینے بھی گنتے ہیں ہفتے اور دن بھی گنتے ہیں ان کے ایک ایک سانس کا ہمارے پاس حساب ہے آپ اپنا کام کرتے رہیں ان کے لیے مشقت برداشت کرنے کی ضرورت نہیں ہے ﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ﴾ جس دن ہم اکٹھا کریں گے پرہیزگاروں کو ﴿إِلَى الرَّحْمَٰنِ﴾ رحمٰن کی طرف جائیں گے اس کی عدالت میں ﴿وَفْدًا﴾ وفد کی شکل میں۔ عزت و اکرام کے ساتھ فرشتے ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں گے سلام کریں گے اور یہ رب تعالیٰ کے دربار میں پیش ہوں گے ﴿وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا﴾۔ وِرْدًا وَارِد کی جمع ہے معنٰی ہے پیاسا۔ اور ہم مجرموں کو چلائیں گے جہنم کی طرف پیاسے۔ انتہائی پیاس ہو تو بندہ چل بھی نہیں سکتا فرشتے ان کو اس حالت میں چلا کر جہنم میں پھینکیں گے ﴿لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا﴾ نہیں مالک ہوں گے وہ شفاعت کے مخلوق میں کوئی بھی شفاعت کا مالک نہیں ہے مگر وہ جس نے پکڑا ہے رحمٰن کے پاس سے وعدہ۔

کافر اور منافق کے حق میں کوئی سفارش نہیں ؟

شفاعت کرنے والے کے لیے بھی شرائط ہیں اور جس کے لیے شفاعت کی جائے گی اس کے لیے بھی۔ شفاعت کرنے والے کے لیے شرط ہے کہ وہ مومن ہو کافر کی شفاعت قبول نہیں ہوگی اور جس کے لیے سفارش کرنی ہے وہ بھی مومن ہو چاہے کتنا گنہگار ہو کافر کے لیے شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔ دیکھو! آنحضرت ﷺ سے بڑا سفارشی کوئی نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ جب عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین کی وفات ہوئی اس کا بیٹا بڑا مخلص صحابی تھا آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے

لگا حضرت! آپ کو معلوم ہے کہ میرا والد فوت ہو گیا ہے منافق تھا میں نہیں کہتا مخلص تھا مگر حضرت! اس حالت میں بھی اس کے لیے کوئی حیلہ کر سکتے ہیں تو کریں۔ بخاری وغیرہ کی روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جسم پر اپنا لعاب مبارک ملا اور اپنا کرتہ مبارک اتار کر اس کو پہنایا اور اس کا جنازہ پڑھانے کے لیے تیار ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضرت! آپ اس بے ایمان کا جنازہ پڑھاتے ہیں حضرت! اس نے فلاں دن یہ کیا، فلاں دن یہ کیا، یہ منافق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شفقت کا غلبہ تھا فرمایا عمر! تم مجھ پر داروغہ مسلط ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جنازہ پڑھایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جنازہ پڑھا اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے ستر مرتبہ بھی مغفرت کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بخشے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک اس کو جہنم سے نہیں بچا سکا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ پڑھانا اور اس میں دعا کرنا: ((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا)) اس کو نہ بچا سکا۔ پیچھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب کے سب ولی کھڑے ہیں سب صحابہ ہیں جو اس کے لیے دعا کر رہے ہیں، سفارش کر رہے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ [توبہ: ۸۰] "اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بخشش طلب کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔" تو شرط یہ ہے کہ جس کے لیے سفارش کرنی ہے مومن ہو کافر نہ ہو کافر کے لیے سفارش قبول نہیں ہے مشرک کے لیے پیغمبر کی سفارش بھی قبول نہیں ہے باقی شفاعت درجہ بہ درجہ ہے۔

شفاعت کبریٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے

ایک ہے شفاعت کبریٰ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے اس میں اور کوئی شریک نہیں ہے۔ وہ شفاعت کبریٰ یہ ہو گی کہ قیامت کا دن ہو گا ساری مخلوق میدان محشر میں جمع ہو گی پچاس ہزار سال کا لمبا دن ہو گا سورہ معارج آیت نمبر ۴ میں ہے ﴿فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ "اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔" آج سورج ہم سے کئی کروڑ میل دور ہے اور اس وقت عَلٰى قَدْرِ مِيْلًا اَوْ مِيْلَيْنِ ایک یا دو میل کی مسافت پر ہو گا۔ لوگ پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے کوئی ٹخنوں تک کوئی گھٹنوں تک کوئی ناف تک کوئی حلق تک کوئی کانوں تک اور نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے۔ سب مل جل کر کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے سفارش کرو ہمارا حساب تو ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ معذرت کریں گے، نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ عذر کریں گے، ہوتے ہوتے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے پاس آئیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام محمود میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سجدے میں گر پڑیں گے یہ ایک ہفتے کا لمبا سجدہ ہو گا یا دو ہفتوں کا لمبا سجدہ ہو گا۔

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ يُلْهِمُنِيْ رَبِّيْ مَحَامِدَ لَمْ تَحْضُرْنِي الْاٰنَ "مجھے ایسے کلمات القاء فرمائیں گے جو اب مجھے معلوم نہیں ہیں۔" ان الفاظ کے ساتھ میں رب تعالیٰ کے ہاں سفارش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اِرْفَعْ رَاْسَكَ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ "سر اٹھائیں سفارش کریں آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔" اس کا نام شفاعت کبریٰ ہے یہ صرف

آپ ﷺ کا حق اور خصوصیت ہے۔شفاعت کبریٰ کے علاوہ عام سفارشیں پیغمبر بھی کریں گے،فرشتے بھی کریں گے جو قرآن پاک کے حافظ قرآن پاک پر عمل کرتے ہیں وہ بھی کریں گے اور جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہوئے ہیں وہ بھی سفارش کریں گے،چھوٹے بچے جو فوت ہوئے ہیں وہ بھی سفارش کریں گے بشرطیکہ ماں باپ نے ان کے مرنے پر بین نہ کیا ہو۔اگر بچہ فوت ہو جائے اور ماں باپ اس پر آواز کے ساتھ روئیں تو شفاعت سے محروم ہو جائیں گے بغیر آواز کے رونے میں کوئی گرفت نہیں ہے۔تو پیغمبروں کی شفاعت حق ہے،علماء کی شفاعت حق ہے،اولیاء کی شفاعت حق ہے،فرشتوں کی شفاعت حق ہے بلکہ عام مومنین بھی ایک دوسرے کے بارے میں شفاعت کریں گے۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ جب کسی بندے کی برائیاں زیادہ ہوں گی تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اس کو دوزخ میں پھینک دو۔اس کے ساتھ جو نمازیں پڑھتے تھے اور روزے رکھتے تھے رب تعالیٰ کے ہاں سفارش کریں گے اے پروردگار! یہ ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتا تھا روزے رکھتا تھا۔اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تمہاری نیکیاں زیادہ ہیں تم جنت میں چلے جاؤ اس کی برائیاں زیادہ ہیں اس کو کچھ عرصہ دوزخ میں بھیجیں گے۔یہ کہیں گے اے پروردگار! ہم اس وقت تک جنت میں نہیں جائیں گے جب تک اس کو ساتھ نہ لے جائیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے جب کہ وہ دوزخ میں جا چکے ہوں گے،فرمائیں گے تو دوزخ میں داخل ہو جاؤ اور تمھارے لیے دوزخ ایسے ہو گی جیسے باغ و بہار،جس جس کو ہاتھ کے ساتھ پکڑ سکتے ہو پکڑ کر لے جاؤ۔اسی واسطے جماعت کی نماز کا اجر زیادہ ہے اور ان کی نیکیوں کی وجہ سے دوسروں کی بھی نجات ہو جائے گی۔تو درجہ بہ درجہ شفاعت سب کا حق ہے شرائط کے ساتھ۔

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا﴾ اور کہا ان کافروں نے کہ ٹھہرالی ہے رحمٰن نے اولاد،اللہ تعالیٰ نے اولاد بنالی ہے۔یہود نے کہا عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں نصاریٰ نے کہا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں عام مشرکوں نے کہا فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔فرمایا ﴿لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا﴾ البتہ تحقیق لائے ہو تم بھاری بات اور بہت ہی بری بات ہے۔اتنی بُری بات ہے کہ ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ﴾ قریب ہے کہ اس بات کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں ﴿وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ﴾ اور زمین شق ہو جائے ﴿وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا﴾ اور گر جائیں پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر۔اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا اتنی بری بات ہے کہ اس بات سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو کر زمین آسمانوں کا سارا نظام ہی ختم کر دیں اتنی بری بات تم کہتے ہو۔

حدیث قدسی ہے بخاری شریف میں ہے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں يَسُبُّنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذٰلِكَ "ابن آدم مجھے گالیاں نکالتا ہے حالانکہ اس کو یہ حق نہیں ہے کہ مجھے گالیاں دے وَيُكَذِّبُنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذٰلِكَ ابن آدم میری تکذیب کرتا ہے حالاں کہ اس کو لائق نہیں ہے کہ میری تکذیب کرے۔" گالیاں کس طرح نکالتا ہے يَدْعُوا لِيْ وَلَدًا "میری طرف اولاد کی نسبت کرتا ہے۔" اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا اللہ تعالیٰ کو گالیاں دینا ہے یہ جو یہودی عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بناتے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔خود پادری کہتے ہیں ﴿نَحْنُ أَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ

وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ [المائدہ: ۱۸] "ہم رب کے بیٹے ہیں اور رب کے محبوب ہیں۔" یہ رب تعالیٰ کو گالیاں نکالتے ہیں۔

فرمایا اس بات کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں، زمین شق ہو جائے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں ﴿اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا﴾ اس لیے کہ انھوں نے رحمٰن کی طرف نسبت کی ہے اولاد کی ﴿وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا﴾ اور نہیں ہے لائق رحمٰن کے لیے کہ وہ اولاد ٹھہرائے۔ وہ اولاد سے پاک ہے اس کی صفت ہے ﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ "نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے۔" نہ اس کا باپ ہے نہ بیٹا نہ ماں ہے نہ بیٹی، رب تعالیٰ کی ذات ان سب چیزوں سے پاک صاف اور مبرا ہے۔

~~~~~~

﴿اِنْ كُلُّ﴾ نہیں ہیں سب کے سب ﴿مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ جو آسمانوں میں ہیں ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور جو زمین میں ہیں ﴿اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ﴾ مگر آئیں گے رحمان کے پاس ﴿عَبْدًا﴾ بندے ہو کر ﴿لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ﴾ البتہ تحقیق اس اللہ تعالیٰ نے ان کو گھیر رکھا ہے ﴿وَعَدَّهُمْ عَدًّا﴾ اور شمار کر رکھا ہے ان کو شمار کرنا ﴿وَكُلُّهُمْ﴾ اور سب کے سب ﴿اٰتِيْهِ﴾ آئیں گے اللہ تعالیٰ کے پاس ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ قیامت کے دن ﴿فَرْدًا﴾ اکیلے اکیلے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ﴾ عنقریب بنائے گا ان کے لیے رحمٰن ﴿وُدًّا﴾ دوستی ﴿فَاِنَّمَا﴾ پس پختہ بات ہے ﴿يَسَّرْنٰهُ﴾ ہم نے آسان کر دیا اس قرآن کو ﴿بِلِسَانِكَ﴾ آپ کی زبان میں ﴿لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ﴾ تاکہ آپ خوش خبری سنائیں اس کے ذریعے ڈرنے والوں کو ﴿وَتُنْذِرَ بِهٖ﴾ اور ڈرائیں اس کے ذریعے ﴿قَوْمًا لُّدًّا﴾ ایسی قوم کو جو بہت جھگڑالو ہے ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا﴾ اور کتنی ہم نے ہلاک کی ہیں ﴿قَبْلَهُمْ﴾ ان سے پہلے ﴿مِّنْ قَرْنٍ﴾ جماعتیں ﴿هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ﴾ کیا آپ محسوس کرتے ہیں ان میں سے ﴿مِّنْ اَحَدٍ﴾ کسی ایک کو بھی ﴿اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا﴾ یا آپ سنتے ہیں ان کے پاؤں کی آہٹ کو۔

اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ بیٹی

گزشتہ درس میں تم نے سنا کہ دنیا میں وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ٹھہرائی ہے یہودیوں کا یہ باطل اور بے بنیاد دعویٰ ہے کہ عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں کا یہ باطل اور غلط عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ عرب کے مشرک اور دنیا کے اور بھی بہت سے علاقوں کے مشرکوں کا یہ عقیدہ ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اللہ تعالیٰ نے ان سب کی تردید فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے نہ بیٹا ہے اور نہ بیٹی ہے یہ اس کی شان کے لائق ہی نہیں ہے بلکہ ان چیزوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا اللہ تعالیٰ کو گالیاں دینا ہے۔
~~~~~~

چوبیس گھنٹے چوبیس فرشتے حفاظت پر مامور ہیں ہر آدمی کے ساتھ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ﴾ نہیں ہیں سب کے سب جو آسمانوں میں ہیں ﴿وَالْاَرْضِ﴾ اور زمین میں ہیں ﴿اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾ مگر آئیں گے رحمان کے پاس بندے ہو۔ عبد کا معنیٰ بڑا عاجز اور بندگی کرنے والا۔ ساتوں آسمانوں میں فرشتے ہیں اور عرش کو اُٹھانے والے فرشتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فرشتے اَن گنت اور بے شمار ہیں۔ سورہ مدثر میں ہے ﴿مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾ "کوئی نہیں جانتا آپ کے رب کے لشکروں کو مگر وہی۔" رب ہی جانتا ہے۔ احادیث کی روشنی میں چوبیس گھنٹوں میں ہر انسان اور ہر جن کے ساتھ چوبیس فرشتے ہوتے ہیں۔ دس فرشتے دن کے وقت اس کی حفاظت کرتے ہیں اور دس فرشتے رات کے وقت حفاظت کرتے ہیں ﴿يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ [سورۃ الرعد: ۱۱] "وہ اس کی حفاظت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔" جب تک اللہ تعالیٰ کو اس کی حفاظت منظور ہوتی ہے دس فرشتے دن کو حفاظت کرتے ہیں اور دس فرشتے رات کو حفاظت کرتے ہیں اور چار فرشتے جو اقوال اور اعمال کی نگرانی کرتے ہیں کراماً کاتبین دو رات کے اور دو دن کے۔ اب یہاں نماز کی تکبیر ہوئی ہے اللہ اکبر! تو اس مسجد کے ساتھ جتنے محلے والے وابستہ ہیں ان کے فرشتے کی ڈیوٹی بدل گئی۔ رات والے فرشتے چلے گئے اور دن والے آگئے پھر جب عصر کی نماز کا وقت ہوگا اور امام تکبیر تحریمہ کہے گا تو دن والے فرشتے چلے جائیں گے اور رات والے آجائیں گے۔

ایک فرشتہ انسان کے ہونٹوں کے پاس رہتا ہے۔ یہ بندہ جو تسبیحات پہنچاتا ہے، درود شریف پڑھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچاتا ہے فرشتوں کی باریاں ہوتی ہیں وہ باری باری پہنچاتے ہیں ایک فرشتہ انسان کے دل کے دائیں طرف ہوتا ہے جو بندے کو اچھی چیزوں کا القاء کرتا ہے۔ اگر کوئی اچھا خیال دل میں پیدا ہو تو سمجھو کہ فرشتے نے القاء کیا ہے۔ اور دل کے بائیں طرف شیطانوں میں سے کوئی شیطان ہوتا ہے اگر کوئی بُرا خیال آئے تو سمجھو کہ شیطان نے القاء کیا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اس وقت لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھ کر بائیں طرف تھوک دو۔ اندازہ لگاؤ کہ فرشتے کتنے ہوں گے؟

پھر احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ آسمانوں میں ایک بالشت جگہ بھی خالی نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ رب تعالیٰ کی تعریف میں مشغول نہ ہو۔ فرشتوں کی عبادت ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ۔ کعبۃ اللہ کے عین اُوپر ساتویں آسمان پر ایک مقام ہے جس کا نام بیت المعمور ہے۔ بیت المعمور کا معنیٰ ہے آباد کیا ہوا گھر۔ یہ فرشتوں کا کعبہ ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس وقت سے لے کر روزانہ ستر ہزار فرشتے بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے اور جو فرشتے ایک دفعہ طواف کر لیتے ہیں ان کو دوبارہ طواف کا موقع نہیں ملتا۔

جنگل میں نماز پڑھنے والا کس کو سلام کرتا ہے؟

فقہائے کرام رحمہم اللہ پر اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں ہوں جنھوں نے ہمیں دین سمجھایا اور محدثین کرام رحمہم اللہ پر بے شمار

رحمتیں نازل ہوں جنھوں نے دین ہم تک پہنچایا۔فرماتے ہیں کہ آدمی جب جنگل میں تنہائی میں نماز پڑھے اور سلام پھیرتے وقت السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو یہاں کون ہیں جن کو سلام کہہ رہا ہے؟ فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ وہاں جو فرشتے ہیں ان کی نیت کر لے اور جو مومن جنات ہیں ان کی نیت کر لے کہ وہ میری مراد ہیں جنگل میں فرشتے بھی موجود ہیں اور جنات بھی موجود ہیں مومن بھی ہیں اور کافر بھی ہیں اور جب آدمی جماعت کے ساتھ صف میں کھڑا ہو تو دائیں طرف سلام پھیرتے وقت یہ مراد لے کہ جو میری دائیں طرف کھڑے ہیں ان کو میں سلام کرتا ہوں اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت یہ مراد لے نیت کرے کہ جو میری بائیں طرف کھڑے ہیں ان کو سلام کر رہا ہوں۔

اب سوال یہ ہے کہ سلام تو ہوتا ہے جب کوئی باہر سے آئے اور یہ سلام پھیرنے والا بھی وہیں ہے اور دائیں بائیں والے بھی وہیں ہیں۔ اس کے سلام کرنے کا کیا مطلب ہے باہر سے کوئی آیا نہیں ہے؟ اس کے جواب میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب نمازی نماز میں مشغول ہوتا ہے تو یوں سمجھو کہ گویا وہ یہاں ہوتے ہوئے بھی یہاں نہیں ہے رب تعالیٰ کے دربار میں چلا گیا ہے پھر جب سلام پھیرتا ہے نماز سے فارغ ہوتا ہے تو کہتا ہے بھائی جان السلام علیکم! میں رب کے پاس چلا گیا تھا اب واپس آیا ہوں تمھیں سلام کرتا ہوں۔اور ہماری نمازوں کا تو یہ حال ہے کہ ہم نماز شروع کرتے ہیں تو وساوس اور خیالات آنے شروع ہو جاتے ہیں۔مگر یاد رکھنا! وساوس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ہاں نماز کی قبولیت کا حُسن یہ ہے کہ نمازی حضوری کے ساتھ ہو اور کوئی خیال نہ آئے اور غیر اختیاری طور پر خیال کے آنے سے نماز پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

﴿اِنْ كُلُّ﴾ میں اِنْ نافیہ ہے۔نہیں ہیں سب کے سب جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں مگر آئیں گے قیامت والے دن رحمٰن کے پاس عبد عاجز ہو کر۔سورہ معارج میں ہے ﴿خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ﴾ "ان کی نگاہیں پست ہوں گی ان پر ذلت سوار ہوگی۔" آنکھیں جھکی ہوں گی پسینہ بہہ رہا ہوگا عجیب منظر ہوگا۔فرمایا﴿لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ﴾ البتہ تحقیق اس اللہ تعالیٰ نے ان کو گھیر رکھا ہے قدرت کے لحاظ سے اس کی قدرت سے کوئی باہر نہیں ہے ﴿وَعَدَّهُمْ عَدًّا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے شمار کر رکھا ہے گنتی کے لحاظ سے اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے نہ اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر ہے اور نہ اس کے علم سے کوئی چیز باہر ہے ﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا﴾ اور سب کے سب آئیں گے اللہ تعالیٰ کے پاس اکیلے اکیلے۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس پر چادر ڈال دیں گے اور اس کے ساتھ سرگوشی کریں گے یعنی اس کے ساتھ آہستہ آہستہ کلام کریں گے۔رب تعالیٰ فرمائیں گے اَتَذْكُرُ ذَنْبَ كَذَا کیا تجھے یاد ہے تو نے یہ گناہ کیا اور ان چیزوں کا ذکر ہوگا جن کو وہ گناہ نہیں سمجھتا تھا اور تھیں گناہ۔

بے لذت گناہ

بہت ساری چیزیں ہیں بے لذت گناہ لیکن لوگ کرتے ہیں۔حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک چھو

سارا سال لکھا ہے اس کا نام ہی "بےلذت گناہ" ہے۔ مثلاً: نمازی نے نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکلتے وقت سیڑھیوں پر تھوک دیا یہ اس کا گناہ ہے۔ بھئی! سیڑھیوں پر کیوں تھوکا ہے؟ اس سے لوگوں کو کراہت ہوگی باہر جا کر تھوکو۔ اسی طرح گھر میں جالے لگے ہوئے ہیں ان کو نہ ہٹانا یہ بھی گناہ ہے۔ پھل کھا کر چھلکے راستے میں گلی میں پھینک دینا بھی گناہ ہے۔ یہ سب بےلذت گناہ ہیں اللہ تعالیٰ ان سے بچائے۔ تو ایسی چیزوں کا ذکر ہوگا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو نے فلاں گناہ کیا تھا، فلاں گناہ کیا تھا، بندے کے طوطے اڑ جائیں گے وہ یہ خیال کرے گا کہ میں تو ان کو گناہ ہی خیال نہیں کرتا تھا تو جب پرچے میں یہ چیزیں آ گئی ہیں تو جو گناہ میرے پرچے میں ہیں ان کا کیا بنے گا؟

کن لوگوں کے گناہ نیکیوں کے ساتھ تبدیل ہوں گے ؟

رب تعالیٰ فرمائیں گے اے میرے بندے! تیری نیکیاں بہت زیادہ ہیں ان نیکیوں کی وجہ سے میں ان گناہوں کو نیکیوں کے ساتھ بدل دوں گا ﴿ فَأُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ﴾ [فرقان: ۷۰] "پس یہی لوگ ہیں کہ تبدیل کر دے گا پروردگار ان کی برائیوں کو نیکیوں میں۔" پھر وہ بندہ خود بخود بولنے لگ جائے گا اے میرے رب! میں نے یہ بھی کیا، یہ بھی کیا، پھر بولنے سے رکے گا نہیں۔ پہلے بولتا نہیں تھا اور اب سانس نہیں لے گا۔ مگر ہر آدمی کے لیے نہیں ہے یہ اس آدمی کے لیے ہے جس کی نیکیاں زیادہ ہیں اور ہمارے پاس تو گناہوں کے انبار ہیں بوریاں بھری ہوئی ہیں۔

فرمایا سب کے سب اکیلے اکیلے آئیں گے رب تعالیٰ کے پاس قیامت والے دن ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور صرف ایمان نہیں ﴿ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ اور عمل کیے اچھے ﴿ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴾ بتاکید بنائے گا ان کے لیے رحمٰن دوستی۔ دوستی کا کیا معنیٰ ہے؟ یہ معنیٰ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو بندے مومن ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی دوستی پیدا ہو جائے گی تو بڑی بات ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اَىُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ حضرت! اعمال میں بہتر عمل کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْحُبُّ فِى اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِى اللّٰهِ "اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی سے محبت کرنا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی کے ساتھ بغض رکھنا" یہ انسان کا بہترین عمل ہے۔ نیک بندوں کے ساتھ محبت اور برے سے اس کی برائی کی وجہ سے نفرت یہ ایمان کی واضح علامت ہے۔

اور یہ معنیٰ بھی ہے کہ ان مومنوں کی آپس میں دوستی ہوگی۔ پہلے یہ حدیث سن چکے ہو کہ اسی دوستی کے نتیجے میں اس دوزخی کے بارے میں جھگڑا کریں گے کہ جو کسی وجہ سے دوزخ میں چلا گیا کہ اے پروردگار! یہ ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتا تھا، روزے رکھتا تھا اس پر مہربانی فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جاؤ اس کو پکڑ کر ساتھ جنت میں لے جاؤ۔ ﴿ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ ﴾ پس پختہ بات ہے کہ ہم نے اس قرآن کو آسان کر دیا اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی زبان میں۔

عربی زبان کی فضیلت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عربی تھے قرآن بھی عربی میں نازل ہوا، قوم بھی عربی تھی۔ ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ عربی زبان کے ساتھ محبت کرو لِاَنِّیْ عَرَبِیٌّ کیوں کہ میں عربی ہوں وَالْقُرْاٰنُ عَرَبِیٌّ اور قرآن پاک بھی عربی زبان میں ہے وَلِسَانُ اَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِیٌّ اور جنتیوں کی زبان بھی عربی ہوگی۔ تو فرمایا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں قرآن کو آسان کر دیا ﴿لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ﴾ تاکہ آپ خوش خبری سنا دیں اس کے ذریعے جو ڈرنے والے ہیں رب تعالیٰ کے عذاب سے کہ تمھارے لیے راحت ہی راحت ہے، خوشی ہی خوشی ہے، مرتے وقت بھی، قبر میں بھی، میدانِ محشر میں بھی، پل صراط پر بھی اور جنت میں بھی خوشی ہوگی اور اس لیے ہم نے قرآن پاک آپ کی زبان میں آسان کیا ہے ﴿وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا﴾۔ لُدًّا اَلَدُّ کی جمع ہے۔ سورۃ البقرہ میں آتا ہے ﴿وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ﴾ "اور وہ سخت جھگڑالو ہے۔" تو آیت کا معنیٰ ہوگا تاکہ آپ اس قرآن کے ذریعے ڈرائیں ایسی قوم کو جو بہت جھگڑالو ہے۔ عرب لوگ کمی لوگ کافی سخت مزاج تھے اب بھی وہ فطرت ان میں چلی آرہی ہے۔

حضرت مسیب بن حزن صحابی رضی اللہ عنہ تھے ان کے بیٹے حضرت سعید تابعی ہیں اور والد بھی صحابی ہیں حزن رضی اللہ عنہ۔ حزن کے معنیٰ کھردرا ہے یہ حزن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمھارا نام کیا ہے؟ کہنے لگے حزن۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نام اچھا نہیں ہے سہل نام رکھو اس کا معنیٰ ہے نرم۔ سہیل نام رکھ لو۔ کہنے لگے میرے والدین نے نام رکھا تھا میں نے بدلنا نہیں ہے۔ ان کے پوتے حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے دادا نے سختی کی کیوں کہ ان کے نام میں سختی تھی اور وہ سختی ہم میں بھی چلی آرہی ہے۔ آج کل لوگ آتے ہیں مرد بھی عورتیں بھی عجیب عجیب قسم کے ناموں کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا کیا معنیٰ ہے، اس کا کیا معنیٰ ہے؟ ایسے نام بھی ہوتے ہیں کہ ان کا مطلب ہی سمجھ نہیں آتا۔ بھائی! وہ نام رکھو جو مسلمانوں کے ہیں بس مہمل نہ ہوں۔

﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ﴾ اور کتنی ہلاک کیں ہم نے ان سے پہلے ﴿مِّنْ قَرْنٍ﴾ جماعتیں ﴿هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ﴾ کیا آپ محسوس کرتے ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی۔ وہ جماعتیں وہ امتیں کہیں چلتی پھرتی تمھیں نظر آتی ہیں ﴿اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا﴾ رِکْز کے معنیٰ پاؤں کی آہٹ، یا آپ سنتے ہیں ان کے پاؤں کی آہٹ کو کہ بات نہ کریں صرف چلیں اور پاؤں کی آہٹ سے معلوم ہو کہ کوئی چل رہا ہے۔ وہ ایسے تباہ ہوئے کہ نہ زبان سے بول سکے اور نہ پاؤں سے چل سکے۔ اللہ تعالیٰ اپنے غضب اور عذاب سے بچائے اور محفوظ رکھے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

روزانہ درسِ قرآن پاک

تفسیر

سُوۡرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ

پارہ ⇐ قَالَ اَلَمۡ

(۱۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

﴿طٰهٰ ۚ مَاۤ اَنْزَلْنَا﴾ نہیں اُتارا ہم نے ﴿عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ﴾ آپ پر قرآن کریم ﴿لِتَشْقٰۤى﴾ تاکہ آپ مشقت میں مبتلا ہو جائیں ﴿اِلَّا تَذْكِرَةً﴾ مگر نصیحت ہے ﴿لِّمَنْ﴾ اس شخص کے لیے ﴿یَّخْشٰى﴾ جو خوف کرے ﴿تَنْزِیْلًا﴾ یہ قرآن اُتارا ہوا ہے ﴿مِّمَّنْ﴾ اس ذات کی طرف سے ﴿خَلَقَ الْاَرْضَ﴾ جس نے پیدا کیا زمین کو ﴿وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى﴾ اور آسمانوں کو جو بلند ہیں ﴿اَلرَّحْمٰنُ﴾ وہ رحمٰن ہے ﴿عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ عرش پر قائم اور مستوی ہے ﴿لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ﴾ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے ﴿وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ اور جو کچھ زمین میں ہے ﴿وَمَا بَیْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں کے درمیان ہے ﴿وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى﴾ اور جو کچھ گیلی زمین کے نیچے ہے ﴿وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ﴾ اور اگر آپ بلند آواز کے ساتھ بات کریں گے ﴿فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ﴾ بے شک وہ جانتا ہے مخفی بات کو ﴿وَاَخْفٰى﴾ اور اس سے بھی زیادہ مخفی بات کو ﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ اللہ ہی ہے نہیں ہے کوئی الٰہ مگر وہی ﴿لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ اسی کے لیے نام ہیں اچھے۔

اس سورت کا نام طٰہٰ ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس سے پہلے چوالیس سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا پینتالیسواں نمبر ہے موجودہ ترتیب کے اعتبار سے بیسویں سورت ہے۔ اس کے آٹھ [۸] رکوع اور ایک سو پینتیس [۱۳۵] آیات ہیں۔ لفظ ﴿طٰهٰ﴾ کے متعلق بہت سی باتیں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ ﴿طٰهٰ﴾ اس سورت کا نام ہے۔ دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ ﴿طٰهٰ﴾ آنحضرت ﷺ کا نام ہے اور حرف 'یا' یہاں مقدر ہے اصل میں ہے یا ﴿طٰهٰ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى﴾ اے طٰہٰ! نہیں اُتارا ہم نے آپ پر قرآن تاکہ آپ مشقت میں مبتلا ہوں۔

مشرک شرک پر بڑا پکا ہوتا ہے

قرآن کریم عربی زبان میں تھا اور مکے والوں کی مادری زبان عربی تھی۔ جب نازل ہوا تو اس کے ایک ایک حرف سے ان کے عقائد پر زد پڑتی تھی کیوں کہ سمجھتے تھے۔ شرک ان کی رگوں میں پیوست تھا شرک کے خلاف کوئی بات سننا گوارا نہیں کرتے تھے جیسے آج کل بدعت کی تردید کرو تو اہل بدعت ہرگز گوارا نہیں کرتے۔ مکے والے شرک میں، رسومات میں اور برائیوں میں آلودہ تھے وہ ان کے خلاف کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ سورہ انعام آیت نمبر ۲۶ میں ہے ﴿وَهُمْ یَنْهَوْنَ

﴿ عَنۡهُ وَ یَنۡـَٔوۡنَ عَنۡهُ ﴾ "وہ کافر دوسروں کو روکتے ہیں قرآن پاک سننے سے اور وہ خود اس سے بھاگتے ہیں۔" جب آپ ﷺ قرآن کریم سنانا شروع کرتے کچھ لوگ آپ ﷺ کے پاس ہوتے دوسرے ان کا بازو پکڑ کر لے جاتے کہ چلو چلو نہیں سننا۔ بلکہ پھر انھوں نے یہ سلسلہ شروع کیا کہ جب آپ ﷺ قرآن کریم پڑھتے تو وہ شور مچاتے تھے۔ سورہ حٰم سجدہ آیت نمبر ۲۶ میں ہے ﴿ وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ﴾ "اور کہا ان لوگوں نے جو کافر ہیں ﴿ لَا تَسۡمَعُوۡا لِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ ﴾ نہ سنو اس قرآن کو ﴿ وَ الۡغَوۡا فِیۡهِ ﴾ اور شور وشر کرو اس میں ﴿ لَعَلَّکُمۡ تَغۡلِبُوۡنَ ﴾ تاکہ تم غالب آجاؤ۔" مشرکوں نے ایک دوسرے کو کہا کہ جب یہ قرآن کریم شروع کرے تو تم اس وقت شور مچا دو تاکہ کوئی لفظ کسی کے کان میں نہ پڑے۔ ان چیزوں کو دیکھ کر آپ ﷺ پریشان ہوتے تھے کہ میں کیا کروں کیسے سناؤں کس کو سناؤں؟

آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی

تو آپ ﷺ کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ﴿ طٰهٰ ! مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ ﴾ نہیں اُتارا ہم نے آپ پر قرآن ﴿ لِتَشۡقٰۤی ﴾ تاکہ آپ مشقت میں مبتلا ہوں۔ آپ کو مشقت میں مبتلا کرنے کے لیے قرآن نہیں نازل کیا ﴿ اِلَّا تَذۡکِرَةً لِّمَنۡ یَّخۡشٰی ﴾ مگر نصیحت ہے اس شخص کے لیے جو خوف کرے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرے۔ پندرھویں پارے میں آپ حضرات پڑھ چکے ہیں ﴿ فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ عَلٰۤی اٰثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسَفًا ﴾ [کہف:۶] "شاید کہ آپ اپنی جان ہی ضائع کر دیں افسوس کرتے ہوئے کہ یہ لوگ قرآن کو کیوں نہیں مانتے۔" فرمایا یہ ہدایت دینا آپ کا منصب نہیں ہے اور نہ ہی آپ اس کے لیے پریشان ہوں۔ آپ کا کام ہے سنانا ﴿ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّ مَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ ﴾ [الکہف:۲۹] "پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔" تو طٰہٰ سے مراد آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مختصر سی تفسیر لکھی ہے اس کا نام ہے "اِکۡلِیۡل "۔ اس میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ستر [۷۰] نام قرآن کریم میں آئے ہیں ان میں سے ایک ﴿ طٰهٰ ﴾ ہے، ایک یٰسین ہے۔

اور ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ رات کو تہجد کی نماز میں قیام لمبا کرتے تھے حتی کہ آپ کے پاؤں پر ورم، سوج پڑ گئی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضرت! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا بڑا درجہ اور شان عطا فرمائی ہے آپ ﷺ اتنی تکلیف کیوں اُٹھاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اَفَلَا اَکُوۡنَ عَبۡدًا شَکُوۡرًا "کیا میں رب تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔" کہ اس نے مجھے اتنا بڑا درجہ اور مقام عطا فرمایا ہے۔ مجھے رب تعالیٰ کا زیادہ شکر ادا کرنا چاہیے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ ﷺ جب تھک جاتے تھے تو وزن ایک پاؤں پر ڈال لیتے تھے اور دوسرے پاؤں کو ہلکا فرما لیتے تھے تاکہ ایک پاؤں تھوڑا سا سانس لے لے۔ تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ اپنے دونوں پاؤں زمین پر برابر رکھو یہ قرآن ہم نے آپ ﷺ کو مشقت میں ڈالنے کے لیے نہیں اُتارا، یہ تفسیر بھی کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿تَنْزِیْلًا﴾ یہ قرآن اُتارا گیا ہے ﴿مِّمَّنْ﴾ اس ذات کی طرف سے ﴿خَلَقَ الْاَرْضَ﴾ جس نے پیدا کیا زمین کو ﴿وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى﴾۔ عُلٰی عُلْیَا کی جمع ہے بمعنی بلند۔ معنیٰ ہوگا پیدا کیا آسمانوں کو جو بلند ہیں۔ یہ سات آسمان ہیں اور ہر آسمان پہلے سے بلند ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ زمین سے آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے یعنی اگر کوئی پیدل چلے تو پانچ سو سال میں زمین سے آسمان تک پہنچے گا۔ پھر پہلے آسمان سے دوسرے آسمان تک دوسرے سے تیسرے آسمان تک تیسرے سے چوتھے آسمان تک اتنی ہی مسافت ہے پھر پانچویں اور چھٹے تک اتنی ہی مسافت ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فرشتے آن واحد میں آتے جاتے ہیں ان کے لیے اس مسافت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تو یہ قرآن اس ذات کی طرف سے اُتارا ہوا ہے جس نے زمین کو پیدا کیا بلند آسمان کو پیدا کیا اور بغیر ستون اور سہارے کے کھڑا کیا ہوا ہے ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ وہ رحمٰن ہے عرش پر قائم ہے۔

عرش پر مستوی ہونے کا مطلب

سات آسمانوں کے اُوپر کرسی ہے اس کے اُوپر عرش ہے جسم اور حجم کے لحاظ سے سب سے بڑی چیز عرش ہے اور رتبے اور مقام کے لحاظ سے ساری مخلوق میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ تو جسم کے لحاظ سے اعظم المخلوقات عرش ہے اور مرتبے کے لحاظ سے اعظم المخلوقات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ عرش پر کیسے قائم اور مستوی ہے ہم کسی شے کے ساتھ تشبیہ نہیں دے سکتے کہ میں اس وقت مصلے پر بیٹھا ہوں اور آپ حضرات دریوں پر بیٹھے ہیں، کوئی کرسی پر بیٹھا ہوتا ہے، کوئی سیڑھی پر بیٹھتا ہے، حاشا وکلا ہم کسی شے کے ساتھ تشبیہ نہیں دے سکتے۔ عقیدہ ہے کہ وہ عرش پر مستوی ہے کَمَا یَلِیْقُ بِشَانِهٖ جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ چار بڑے اماموں میں سے ایک ہیں بزرگ، محدث اور فقیہ تھے۔ ان سے ان کے شاگردوں نے سوال کیا کہ حضرت! استوىٰ علی العرش کی کیا کیفیت ہوگی یا ہم کیسے سمجھیں؟ حضرت نے فرمایا: اَلْاِیْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ وَ کَیْفِیَّتُهٗ مَجْهُوْلَةٌ وَ السُّوَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ "اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں ہے اس کے متعلق بحث کرنا بدعت ہے۔" جو چیز سمجھ نہ آئے خواہ مخواہ اس کے پیچھے نہ پڑو اور مسئلہ سمجھو کہ ایک عقیدہ ہم نے یہ رکھنا ہے کہ رحمٰن عرش پر مستوی ہے اور اس کے ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھنا ہے رب ہمارے ساتھ بھی ہے۔ سورہ حدید آیت نمبر ۴ میں ہے ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ "اور وہ تمھارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔" اور ساتھ بھی کیسا؟ سورۃ ق آیت نمبر ١٦ میں ہے ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾ "اور ہم زیادہ قریب ہیں اس سے رگ جان سے۔" ایک رگ ہے جو دماغ سے دل تک جاتی ہے اس کو اردو میں رگ جان اور شہ رگ اُور عربی میں ورید کہتے ہیں۔ وہ کٹ جائے تو آدمی مر جاتا ہے۔ فرمایا ہم اس شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں ﴿وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ﴾ [واقعہ: ٨٥] "اور لیکن تم نہیں دیکھ سکتے۔" دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو کسی نے نہیں دیکھا۔

معراج کی رات آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے یا نہیں ؟

معراج کی رات آنحضرت ﷺ نے دیکھا ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے کہ آنکھوں کے ساتھ دیکھا ہے یا نہیں؟ اکثریت قائل ہے کہ آپ ﷺ نے آنکھوں کے ساتھ دیکھا ہے۔ دوسرے حضرات فرماتے رَاٰی بِقَلْبِہٖ "دل کے ساتھ دیکھا ہے" آنکھوں کے ساتھ نہیں دیکھا۔ ہاں! قیامت والے دن رب کا دیدار حق ہے سورۃ القیامہ میں ہے ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝﴾ "کتنے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔" یہ رؤیت قرآن سے ثابت ہے اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے، اجماع اُمت سے ثابت ہے اور قیامت کے مسائل کو دنیا پر قیاس کرنا غلط ہے قیامت، قیامت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات قدرت سے پہچانی جاتی ہے ؟

تو اللہ تعالیٰ کی ذات کو کسی نے نہیں دیکھا ہاں قدرت کے اعتبار سے ہم نے دیکھا ہے:۔

دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں کہ تیری پہچان یہی ہے

آسمان دیکھو، زمین دیکھو، پہاڑ دیکھو، دریا دیکھو، انسان دیکھو، شکلیں دیکھو، زمین کے پودے، پھل اور فصلیں دیکھو، درخت دیکھو، خدا کی قدرت کا مظہر ہیں وَفِيْ كُلِّ شَيْءٍ لَهٗ اٰيَةٌ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ وَاحِدٌ "اور ہر شے میں اس کے لیے دلیل ہے جو دلالت کر رہی ہے کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔" فارسی کا شاعر کہتا ہے:۔

ہر گیاہے کہ از زمین روید
وحدہٗ لا شریک لہٗ گوید

"زمین سے جو کونپل نکلتی ہے وہ وحدہ لاشریک لہٗ کہتی ہے۔"

جب زمین سے کوئی کونپل نکلتی ہے تو وہ ایک ہوتی ہے آگے پھر اس سے شاخیں نکلتی ہیں۔ تو جس وقت زمین سے کوئی دانہ پھوٹتا ہے، درخت اُگتا ہے اکیلا ہوتا ہے گویا وہ زبان حال سے یہ کہتا ہے کہ میرا خالق صرف ایک ہی ہے میں زمین سے ایک ہی نکلا ہوں۔ تو خداوند کریم قدرت سے سمجھ آتا ہے نظر نہیں آتا۔ تو دونوں عقیدے رکھنے ہیں، عرش پر قائم بھی ہے اور ہمارے ساتھ بھی موجود ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہمیں کیفیت کا مکلف نہیں بنایا کہ تم اس کیفیت کے ساتھ مانو۔

﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کا وہی مالک ہے، وہی خالق ہے، وہی متصرف ہے ﴿وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ اور جو کچھ زمین اور آسمان کے درمیان ہے، جو کچھ خلا میں، فضا میں ہے یہ سب رب تعالیٰ کا ہے ﴿وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى﴾ اور جو کچھ گیلی زمین کے نیچے ہے۔ زمین کے نیچے سمندر ہے زمین سمندر پر

ہے اور روایات میں آتا ہے کہ مچھلی کے کان پر یہ سب زمینیں قائم ہیں۔ رب کی قدرت سمجھ نہیں آتی کہاں کہاں ہے، ہر چیز رب تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ اس کی قدرت کی دلیل ہے۔ تو جو گیلی مٹی کے نیچے ہے وہ سب اس کا ہے، سب کا وہی خالق ہے، مالک ہے، متصرف ہے اور وہی مُدَبِّرُ الْاَمْر بھی ہے سب اس کی قدرت میں ہے جو چاہے کرے ﴿وَ اِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ﴾ اور اے مخاطب! اگر آپ بلند آواز کے ساتھ بات کریں گے۔ جہر کا معنی اُونچی، قول کا معنی بات ﴿فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ﴾ پس بے شک وہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے مخفی بات کو ﴿وَ اَخْفٰی﴾ اور اس سے بھی زیادہ مخفی بات کو جانتا ہے۔

بلند آواز سے ذکر مکروہ تحریمی ہے ؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ فتح خیبر کے بعد واپس تشریف لا رہے تھے اُونچی اُونچی ذکر شروع کر دیا کہ جنگل طے کر رہے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آ کر مل گئے اور فرمایا: اِرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ اِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَ لَا غَائِبًا "اپنی جانوں پر نرمی کرو بے شک تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے۔" تم اس ذات کو پکارتے ہو جو سننے والی اور قریب ہے کیوں اپنی جانوں کو مصیبت میں ڈالتے ہو۔ یہ بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت ہے اسی روایت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ سلف صالحین اُونچی ذکر کرنے کو مکروہ تحریمی سمجھتے تھے حرام کے درجے کا سمجھتے تھے سوائے ان جگہوں کے جہاں شریعت نے اُونچی ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً: اذان بلند آواز سے ہے، اقامت بلند آواز سے ہے، حج، عمرے کا تلبیہ بلند آواز سے ہے لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ...الخ عید الاضحیٰ کے موقع پر نویں تاریخ سے لے کر تیرھویں تاریخ کی عصر تک نماز کے بعد تکبیریں بلند آواز سے ہیں۔ تو جہاں جہاں بلند بتلایا ہے وہ بلند ہے باقی ذکر آہستہ ہے۔

فرمایا ﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ اللہ ہی ہے نہیں ہے کوئی الٰہ مگر وہی۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی مسجود نہیں جس کو سجدہ کیا جائے، کوئی نذر و نیاز کے لائق نہیں ہے کہ اس کی نذر دی جائے، کوئی حاجت روا نہیں ہے، کوئی مشکل کشا، فریاد رس نہیں ہے، کوئی دست گیر نہیں ہے مگر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ اسلام کا بنیادی عقیدہ اور کلمے کا پہلا جز ہے لا الٰہ الا اللہ۔ ﴿لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی﴾ اسی کے نام ہیں اچھے۔ ننانوے نام مشہور ہیں عموماً قرآن کریم اور دیگر کتابوں کے ساتھ لکھے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہر نام میں برکت ہے اور تقریباً پانچ ہزار نام ہیں اللہ تعالیٰ کے جو آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں نازل ہوئے ہیں۔ لفظ اللہ یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے باقی صفاتی ہیں۔ جیسے رحمٰن ہے، رحیم ہے، کریم ہے، جبار ہے، قہار ہے، رزاق ہے، فتاح ہے، بدیع ہے، جس نام کے ساتھ بھی رب کو پکارو ہر نام کی برکت ہے۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ اگر رشتے میں رکاوٹ ہو یا کاروبار رکا ہوا ہو تو ہر نماز کے بعد تین دفعہ توجہ کے ساتھ پڑھو یَا رَحِیْمُ، یَا کَرِیْمُ، یَا لَطِیْفُ۔ نہ نماز چھوڑے نہ وظیفہ چھوڑے ان شاء اللہ ان ناموں کی برکت سے رکاوٹ دُور ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کے نام برکت والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنی میں بندہ بننے کی توفیق نصیب فرمائے۔

﴿وَهَلْ اَتٰىكَ﴾ اور کیا آئی ہے آپ کے پاس ﴿حَدِيْثُ مُوْسٰى﴾ موسیٰ علیہ السلام کی خبر ﴿اِذْ رَاٰ نَارًا﴾ جس وقت دیکھی موسیٰ علیہ السلام نے آگ ﴿فَقَالَ﴾ پس فرمایا ﴿لِاَهْلِهِ﴾ اپنے گھر والوں کو ﴿امْكُثُوْٓا﴾ تم ٹھہرو ﴿اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا﴾ بے شک میں نے محسوس کی ہے آگ ﴿لَّعَلِّيْٓ﴾ شاید کہ ﴿اٰتِيْكُمْ﴾ لاؤں میں تمھارے پاس ﴿مِّنْهَا﴾ اس آگ سے ﴿بِقَبَسٍ﴾ کوئی شعلہ سلگا کر ﴿اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى﴾ یا میں پاؤں آگ کے پاس کوئی راہنمائی ﴿فَلَمَّآ اَتٰىهَا﴾ پس جس وقت آئے موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس ﴿نُوْدِيَ﴾ آواز دی گئی ان کو ﴿يٰمُوْسٰى﴾ اے موسیٰ (علیہ السلام)! ﴿اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ﴾ بے شک میں آپ کا رب ہوں ﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ﴾ پس اُتار دے اپنے جوتے ﴿اِنَّكَ﴾ بے شک آپ ﴿بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ﴾ ایسے میدان میں ہیں جو پاک ہے ﴿طُوًى﴾ طویٰ اس کا نام ہے ﴿وَاَنَا اخْتَرْتُكَ﴾ اور میں نے آپ کو چن لیا ہے ﴿فَاسْتَمِعْ﴾ پس آپ کان لگائیں ﴿لِمَا يُوْحٰى﴾ اس چیز کی طرف جو وحی کی جاتی ہے ﴿اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ﴾ بے شک میں اللہ ہوں ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا﴾ نہیں ہے کوئی معبود مگر صرف میں ہی ﴿فَاعْبُدْنِيْ﴾ پس میری عبادت کرو ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ﴾ اور قائم کرو نماز ﴿لِذِكْرِيْ﴾ میری یاد کے لیے ﴿اِنَّ السَّاعَةَ﴾ بے شک قیامت ﴿اٰتِيَةٌ﴾ آنے والی ہے ﴿اَكَادُ اُخْفِيْهَا﴾ قریب ہے کہ میں اس کو مخفی رکھوں ﴿لِتُجْزٰى﴾ تاکہ بدلہ دیا جائے ﴿كُلُّ نَفْسٍ﴾ ہر نفس کو ﴿بِمَا تَسْعٰى﴾ جو اس نے کوشش کی ہے ﴿فَلَا يَصُدَّنَّكَ﴾ پس ہرگز نہ روکیں آپ کو ﴿عَنْهَا﴾ اس قیامت سے ﴿مَنْ﴾ وہ لوگ ﴿لَّا يُؤْمِنُ بِهَا﴾ جو اس پر ایمان نہیں لاتے ﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾ اور پیروی کی اپنی خواہش کی ﴿فَتَرْدٰى﴾ پس تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکے والوں کو جب قرآن کریم سناتے تھے تو مکے والے بڑی سختی کے ساتھ تردید کرتے تھے۔ معاذ اللہ تعالیٰ کبھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پاگل کہتے، کبھی مفتری، کبھی جادوگر اور کبھی کذاب کہتے تھے بلکہ جو منہ میں آتا تھا بکتے تھے۔ طبعاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان باتوں سے کوفت ہوتی تھی اور ہونی بھی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرمایا کہ حق کے ساتھ دشمنی اور عداوت صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہی نہیں پہلے بھی ہوتی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر بڑے بڑے معجزے ظاہر فرمائے لیکن نہ فرعون مانا اور نہ فرعونیوں نے مانا چنانچہ کئی رکوع اسی سلسلے میں چلیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

ارشاد خداوندی ہے ﴿وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى﴾ اور کیا آپ کے پاس آئی ہے پہنچی ہے خبر موسیٰ علیہ السلام کی۔ موسیٰ کا لفظی معنی اُسترا ہے جس کے ساتھ سر مونڈتے ہیں۔ جس طرح اُسترا بالوں کو صاف کرتا ہے اسی طرح موسیٰ علیہ السلام باطل کا صفایا،

کرتے تھے۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے لِکُلِّ فِرْعَوْنَ مُوْسٰی "ہر فرعون کے لیے موسیٰ ہے۔" ہر جابر کے مقابلے میں حق والا ضرور اللہ تعالیٰ کھڑا کرتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ

موسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے۔ موسیٰ بن عمران بن قہس بن لاویٰ بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام گویا موسیٰ علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام کے پڑپوتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں پیدا ہوئے اور اس دور میں پیدا ہوئے جس وقت فرعون کے نجومیوں نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ ان تین سالوں میں بنی اسرائیل کے گھر ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیری حکومت کے زوال کا سبب بنے گا۔ چنانچہ فرعون نے بنی اسرائیل کے گھروں میں پہرہ دار بٹھا دیئے کہ جو بھی عورت حاملہ ہو اس کا نام باقاعدہ رجسٹر میں درج ہو اور دائیاں مقرر کی گئیں، نگران مقرر کئے گئے اور نگرانی شروع ہوگئی۔ ان تین سالوں میں بقول شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بارہ ہزار بچے قتل ہوئے اور بقول علامہ بونی رحمۃ اللہ علیہ ستر ہزار بچے قتل ہوئے۔ یہ علامہ بونی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے بزرگ ہوئے ہیں۔ عملیات پر ان کی کتاب ہے "شمس المعارف" عربی زبان میں چار جلدوں پر مشتمل ہے اب اس کا اردو میں بھی ترجمہ ہوگیا ہے۔ عملیات کے فن میں اس سے بڑی اور مفصل کتاب اور کوئی نہیں ہے۔ تو انھوں نے کہا کہ ستر ہزار بچے قتل ہوئے۔ اکبر الٰہ آبادی مرحوم بڑے طنزیہ نگار شاعر تھے ان کی "کلیات اکبر" پڑھو عجیب طنز کے ساتھ بات کو سمجھاتے ہیں۔ انھوں نے سرسید پر بڑا طنز کیا ہے کہ اس نے مسلمان قوم کے ذہن کس طرح خراب کیے ہیں۔

سرسید ملحد قسم کا آدمی تھا

سرسید ملحد قسم کا آدمی تھا۔ اس کے باطل نظریات تھے ان کی تردید مولانا عبدالحق صاحب حقانی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر حقانی کے مقدمہ میں کی ہے۔ یہ معجزات کا منکر تھا اس پر بھی بڑا کچھ لکھا ہے انگریز کا چہیتا تھا۔ تو اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے طنزیہ طور پر کہا:

سرسید سے تمھیں کیا ہے نسبت
وہ انگریز داں ہے تم انگریزی داں ہو

وہ انگریز کی گود میں جا کر بیٹھ گیا ہے۔ تو طنزیہ نگار شاعر تھے۔ فرماتے ہیں:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

کالج کھول کے بچوں کا ذہن بگاڑ دیتا تو اچھا ہوتا۔

دینی مدارس کی اصلاح کرنے کا مقصد ان کو خصی کرنا ہے

دیکھو اس وقت موجودہ حکومت اس معاملہ میں بڑی تیز ہے کہ دینی مدارس کی اصلاح کرنی ہے اصلاح کا مطلب ہے

کہ ان کو خصی کرنا ہے کہ انگریز حکومت کے خلاف جہاد نہ کریں، حق کی بات نہ کہہ سکیں اصل مقصد یہ ہے اور نام اصلاح کا ہے۔ ہمارے مدارس میں جو کوتاہیاں ہیں ان کی تم نشاندہی کرو ہم خود ان شاء اللہ دور کر دیں گے مگر کالجوں میں جو کوتاہیاں ہیں ان کو دور کیوں نہیں کرتے۔ جو کچھ کالجوں میں ہو رہا ہے اس کی اصلاح کیوں نہیں کرتے؟ یہ ظلم ہے اور یک طرفہ کارروائی ہے۔ بھئی! مدارس سے تمہیں کیا خطرہ ہے ان کی اصلاح کی فکر پڑی ہوئی ہے؟ تو خیر موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے انھی تین سالوں میں پیدا فرمایا۔

یہ واقعہ آگے سورت قصص میں تفصیل کے ساتھ آ رہا ہے زندگی رہی تو ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے گھر پرورش کر کے دکھلائی فرعون کے گھر پلے پھر تیس سال کی عمر تھی دو آدمیوں کو دیکھا جھگڑ رہے تھے ایک فرعون کا باورچی خانے کا انچارج افسر تھا جس کا نام کاف تھا۔ دوسرا اسرائیلی تھا جو کہ مزدور پیشہ آدمی تھا۔ جھگڑا اس بات پر ہو رہا تھا کہ وہ افسر کہہ رہا تھا کہ یہ لکڑی کا گٹھا اٹھا کر باورچی خانے میں پہنچاؤ۔ اس نے کہا کہ میں کمزور آدمی ہوں نہیں اُٹھا سکتا کسی اور کو کہہ دو اور یہ افسر مزدوری بھی نہیں دیتا تھا۔ افسر نے کہا کہ یہ تم نے ہی اُٹھانا ہے اور یہ اکڑ گیا اور کہا کہ تم نے روزمرہ کا یہ قصہ بنایا ہوا ہے کہ وہاں سے جو مزدوری ملتی ہے وہ جیب میں ڈال لیتا ہے اور لوگوں سے بیگار لیتا ہے میں نے یہ کام نہیں کرنا۔

یہ جھگڑا ہو رہا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام پاس سے گزر رہے تھے دوپہر کا وقت تھا لوگ گھروں میں آرام کر رہے تھے مظلوم نے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی کہ حضرت! یہ میرے ساتھ زیادتی کرتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے دونوں کی باتیں سنیں اور فرمایا کہ واقعی تو زیادتی کر رہا ہے خزانے سے پیسے لیتا ہے اور خود کھا جاتا ہے مزدوروں کو نہیں دیتا۔ اس نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے بھی افسری دکھائی، اکڑفوں کی موسیٰ علیہ السلام نے اس کو مکا مارا وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ وہی بنی اسرائیلی اگلے دن کسی اور سے جھگڑ رہا تھا اور موسیٰ علیہ السلام گزر رہے تھے اس نے پھر موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تو بھی شرارتی آدمی لگتا ہے۔ اس نے سمجھا کہ آج مجھے ماریں گے کہنے لگا کل تو نے فلاں کو مارا تھا آج مجھے مارنا چاہتا ہے راز فاش ہو گیا کہ افسر کو موسیٰ علیہ السلام نے قتل کیا ہے۔ فرعون نے کابینہ کا اجلاس بلایا اور فیصلہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو فوراً گرفتار کر لیا جائے کیوں کہ یہ شخص ہماری سلطنت کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ فرعون کی کابینہ کا ایک افسر تھا جس کا نام حزقیل تھا رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ فرعون کا چچا زاد بھائی تھا یہ مومن آدمی تھا اس کا ذکر سورہ مومن میں آتا ہے ﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗۤ﴾۔ یہ بچپن سے ہی موسیٰ علیہ السلام کا بڑا ہمدرد تھا اس نے کہا ﴿یٰمُوْسٰۤی اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ﴾ "اے موسیٰ علیہ السلام فرعون کے درباری تیرے متعلق مشورہ کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کر دیں ﴿فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ﴾ [قصص: ۲۰] آپ یہاں سے نکل جائیں میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں۔"

موسیٰ علیہ السلام اسی حالت میں مصر سے مغرب کی طرف چل پڑے۔ دس دن کی مسافت پر مدین شہر تھا وہ علاقہ فرعون کی قلمرو میں نہیں تھا وہاں اس کی حکومت نہیں تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بڑی بیٹی صفورہ کا نکاح ان کے ساتھ کر دیا اس سے بچے بھی ہوئے موسیٰ علیہ السلام نے وہاں دس سال گزارے۔ دس سال بعد اجازت لے کر بیوی بچوں سمیت مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ رات کا وقت تھا۔ اس کا ذکر ہے۔

﴿اِذْ رَاٰ نَارًا﴾ جس وقت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھی آگ ۔ مدین سے مصر کی طرف واپسی کے موقع پر رات کا وقت تھا سردی کا موسم تھا اور بیوی کے ہاں ولادت قریب تھی ﴿فَقَالَ لِاَهْلِهِ﴾ پس فرمایا اپنے گھر والوں کو، بیوی تھی ایک بچہ بھی تھا اور خادم بھی تھا ﴿امْكُثُوْا﴾ تم ٹھہرو ﴿اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا﴾ بے شک میں نے محسوس کی ہے آگ کہ فلاں جگہ آگ جل رہی ہے میں وہاں جاتا ہوں ﴿لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ﴾ شاید کہ میں لاؤں تمھارے لیے اس آگ سے کوئی شعلہ سلگا کر ۔ اور سورۃ القصص آیت نمبر ۲۹ میں ہے ﴿لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ﴾ "تاکہ تم آگ سیک سکو۔" تو معلوم ہوا کہ کچھ سردی بھی تھی اندھیرا بھی تھا اور بیوی کو بھی ضرورت تھی ﴿اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى﴾ یا پاؤں میں آگ کے پاس کوئی راہنمائی ۔ آگ کے پاس کوئی نہ کوئی ہوگا ۔ چونکہ سڑکیں تو ہوتی نہیں تھیں چھوٹے چھوٹے راستے ہوتے تھے ۔ کہتے ہیں کہ ضَلَّ الطَّرِيْقَ راستہ بھول گئے تھے ۔ تو آگ کے پاس کوئی نہ کوئی ہوگا اس سے راستہ پوچھ کر آتا ہوں ۔

گھر والوں کو یہ کہہ کر آگ کی طرف روانہ ہوئے ﴿فَلَمَّآ اَتٰىهَا﴾ پس جس وقت آئے موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس ﴿نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى﴾ آواز دی گئی اے موسیٰ علیہ السلام ۔ وہ دنیا کی حسی آگ نہیں تھی وہ تو اللہ تعالیٰ کے نور کی تجلی تھی جو آگ کی شکل میں نظر آرہی تھی ۔ فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام! ﴿اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ﴾ بے شک میں آپ کا رب ہوں ۔ آپ کے ساتھ جو گفتگو کر رہا ہوں میں آپ کا رب ہوں ﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ﴾ پس اُتار دے اپنے جوتے ۔ مؤطا امام مالک میں روایت ہے کہ گدھے کے چمڑے کا جوتا تھا اور اون کے کپڑے پہنے ہوئے تھے ۔ جوتا کیوں اُتاریں ﴿اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ بے شک آپ ایسے میدان میں ہیں جو پاکیزہ ہے اور اس کا نام طویٰ ہے ۔

پاکیزہ جگہ پر جوتے کے ساتھ نہیں چلنا چاہیے

اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ پاکیزہ جگہ میں جوتے کے ساتھ نہیں چلنا چاہیے ۔ جیسے مسجد ہے یا اور کوئی متبرک جگہ ہے تو وہاں جوتا پہننا ادب کے خلاف ہے ﴿وَاَنَا اخْتَرْتُكَ﴾ اور میں نے آپ کو چن لیا ہے اس مقام پر اب نبوت مل رہی ہے، تیس سال مصر میں رہے اور دس سال مدین میں، چالیس سال پورے ہو گئے چالیس سال کے بعد نبوت ملی ﴿فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى﴾ اِسْتِمَاع کا معنی ہے کان لگانا، آپ کان لگائیں توجہ کریں اس چیز کی طرف جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے ۔ جو کچھ میں آپ کو کہنا چاہتا ہوں اس کی طرف توجہ کریں غور کریں ۔ پہلی بات تو یہ ہے ﴿اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ﴾ بے شک میں جو آپ کے ساتھ گفتگو کر رہا ہوں میں اللہ جل جلالہ ہوں ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا﴾ کوئی نہیں ہے معبود میرے سوا عبادت کے لائق، سجدے کے لائق، مشکل کشا، حاجت روا میرے سوا کوئی نہیں ہے، دستگیر، قانون ساز میرے سوا کوئی نہیں ہے ﴿فَاعْبُدْنِيْ﴾ پس میری عبادت کرو ۔

اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کو یہی سبق دیا کہ اپنی قوم سے کہو عبادت صرف میری کرو ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ "اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمھارا کوئی الٰہ اس کے سوا۔" جب اس کے سوا الٰہ اور کوئی نہیں ہے تو

عبادت کے لائق بھی اور کوئی نہیں ہے۔ وہی سبق اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دیا کہ خدا صرف میں ہوں پس میری عبادت کرو ﴿وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ اور نماز قائم کرو میری یاد کے لیے۔ نماز اللہ تعالیٰ کی یاد کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۴۵ میں ہے ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ "بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی اور برائی سے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔" نماز میں جو کلمات پڑھے جاتے ہیں ان کا بڑا اثر ہے۔ نماز میں پیشانی بھی جھکتی ہے پاؤں بھی زمین پہ لگے ہوتے ہیں گھٹنے بھی لگے ہوتے ہیں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہتا ہے۔ تو فرمایا نماز قائم کریں میری یاد کے لیے اور یہ بھی یاد رکھیں ﴿اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ﴾ بے شک قیامت آنے والی ہے۔

قیامت کا علم کسی کو نہیں ؟

اللہ تعالیٰ نے قیامت کا بنیادی عقیدہ بھی بتلایا ﴿اَكَادُ اُخْفِيْهَا﴾ قریب ہے کہ میں اس قیامت کو مخفی رکھوں۔ قیامت کے قائم ہونے کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا﴾ "یہ آپ سے پوچھتے ہیں قیامت کب برپا ہوگی، ﴿قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ﴾ [اعراف:۱۸۷] آپ کہہ دیں اس کا علم میرے رب کے پاس ہے نہیں ظاہر کرے گا اس کو اس کے وقت پر مگر وہی۔" قیامت کی کچھ نشانیاں بتلائی ہیں وہ ہو کر رہیں گی مگر قیامت کا وقت رب کی ذات کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے کہ کتنی صدیاں باقی ہیں کتنے سال باقی ہیں سال کے کون سے مہینے اور مہینے کے کون سے ہفتے میں ہوگی۔ ہاں! اتنی بات صحیح روایات سے ثابت ہے کہ جمعہ کے دن ہوگی لیکن یہ معلوم نہیں کہ مہینے کا پہلا جمعہ ہوگا یا دوسرا یا تیسرا یا چوتھا ہوگا۔

قیامت کیوں قائم ہوگی ﴿لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى﴾ تاکہ بدلہ دیا جائے ہر نفس کو جس کی اس نے کوشش کی ہے۔ دیکھو! دنیا میں بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ نہ تو نیکی کرنے والے کو نیکی کا پورا بدلہ ملا ہے اور نہ برے کو برائی کا پورا بدلہ ملا ہے۔ دنیا میں مجرموں کو سزائیں ہوتی ہیں مگر پوری سزا نہیں ملتی اگر قیامت نہ آئے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ معاذ اللہ تعالیٰ! کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت اندھیر نگری ہے۔ لہٰذا قیامت کا آنا عقلاً بھی ضروری ہے تاکہ برے کو پوری پوری سزا ملے۔ اسی طرح بڑے نیک ایسے گزرے ہیں کہ ان کو نیکی کا پورا صلہ نہیں ملا۔ مثلاً: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو ہی دیکھ لو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر خدا کی مخلوق میں کوئی نیک ہوا ہے نہ ہوگا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رہنے کے لیے چھوٹا سا مکان تھا کہ چھوٹا سا کمرہ تھا اور اس میں چراغ بھی نہیں تھا اور دو دن مسلسل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سالن کے ساتھ کھانا نہیں کھایا اور دو دو مہینے چولہے میں آگ بھی نہیں جلتی تھی، جوتا مبارک پھٹ جاتا تو خود گانٹھتے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں کیا صلہ ملا کچھ بھی نہیں لہٰذا قیامت قائم ہوگی تاکہ ہر نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے۔

﴿فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا﴾ پس ہرگز نہ روکے اے موسیٰ علیہ السلام! آپ کو قیامت سے ﴿مَنْ﴾ وہ شخص ﴿لَّا يُؤْمِنُ بِهَا﴾ جو

ایمان نہیں لاتا قیامت پر۔ ایسے لوگ مختلف قسم کے شکوک وشبہات اور وساوس پیدا کریں تو ہرگز نہ رکنا ﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾ اور اس نے پیروی کی اپنی خواہش کی فَتَرْدٰی پس تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ اگر اس کی بات مان لو گے جو قیامت کا انکار کرتا ہے اس نے تو ہلاک ہونا ہی ہے اگر بالفرض آپ بھی ایسا کریں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔

﴿وَمَا تِلْكَ﴾ اور یہ کیا ہے ﴿بِيَمِيْنِكَ﴾ آپ کے دائیں ہاتھ میں ﴿يٰمُوْسٰى﴾ اے موسیٰ علیہ السلام! ﴿قَالَ﴾ عرض کیا ﴿هِيَ عَصَايَ﴾ یہ میری لاٹھی ہے ﴿أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا﴾ میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں ﴿وَأَهُشُّ بِهَا﴾ اور پتے جھاڑتا ہوں اس لاٹھی کے ذریعے ﴿عَلٰى غَنَمِيْ﴾ اپنی بھیڑ بکریوں کے لیے ﴿وَلِيَ فِيْهَا﴾ اور میرے لیے اس لاٹھی میں ﴿مَاٰرِبُ أُخْرٰى﴾ اور ضروریات بھی ہیں ﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿أَلْقِهَا﴾ اس لاٹھی کو ڈال دیں ﴿يٰمُوْسٰى﴾ اے موسیٰ (علیہ السلام)! ﴿فَأَلْقٰىهَا﴾ پس ڈال دی موسیٰ علیہ السلام نے ﴿فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ﴾ پس اچانک وہ سانپ تھا ﴿تَسْعٰى﴾ دوڑتا ہوا ﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿خُذْهَا﴾ اس کو پکڑو ﴿وَلَا تَخَفْ﴾ اور خوف نہ کرو ﴿سَنُعِيْدُهَا﴾ بتاکید ہم لوٹا دیں گے اس کو ﴿سِيْرَتَهَا الْأُوْلٰى﴾ اس کی پہلی حالت میں ﴿وَاضْمُمْ يَدَكَ﴾ اور ملا لیں اپنے ہاتھ کو ﴿إِلٰى جَنَاحِكَ﴾ اپنے بازو کے ساتھ ﴿تَخْرُجْ بَيْضَاءَ﴾ نکلے گا سفید ﴿مِنْ غَيْرِ سُوْءٍ﴾ بغیر کسی تکلیف کے ﴿اٰيَةً أُخْرٰى﴾ یہ دوسری نشانی ہے ﴿لِنُرِيَكَ﴾ تاکہ ہم آپ کو دکھائیں ﴿مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى﴾ اپنی بڑی نشانیوں میں سے کچھ ﴿اِذْهَبْ إِلٰى فِرْعَوْنَ﴾ جائیں آپ فرعون کی طرف ﴿إِنَّهُ طَغٰى﴾ بے شک اس نے سرکشی کی ہے۔

گزشتہ سبق میں تم نے پڑھا اور سنا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دس سال مدین میں گزارنے کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کے مشورے اور اجازت سے اپنی بیوی، بچے اور خادم کو لے کر اپنے آبائی شہر مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ رات کا وقت تھا آج کی طرح سڑکیں نہیں تھی راستہ بھول گئے سردی تھی ایک طرف آگ دیکھی تو گھر کے افراد سے فرمایا کہ تم یہاں ٹھہرو مجھے آگ نظر آرہی ہے میں وہاں سے آگ لاتا ہوں تاکہ تم سیکو۔ اور مصر کے راستے کے متعلق معلومات بھی حاصل کرتا ہوں۔ وہاں گئے تو وہ دنیا کی حسی آگ نہیں تھی وہ اللہ تعالیٰ کے نور کی تجلی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تیرا رب بول رہا ہوں میں نے تجھے نبوت کے لیے چن لیا ہے، میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، میری عبادت کرو، نماز قائم کرو، قیامت پر یقین رکھنا ہے وہ ضرور آئے گی اور یہ لوگ جو قیامت کے منکر ہیں آپ کو ہرگز نہ روکیں۔ آگے گفتگو چلی، فرمایا ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى﴾ اور یہ کیا ہے آپ کے دائیں ہاتھ میں اے موسیٰ علیہ السلام۔ ایک موسیٰ اور

مضبوط لاٹھی جو ہر وقت موسیٰ علیہ السلام کے پاس رہتی تھی وہ اس وقت دائیں ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم تھا یہ سوال معلومات حاصل کرنے کے طور پر نہیں تھا بلکہ حکمت کے طور پر تھا اے موسیٰ علیہ السلام! آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ پوچھنے کی ایک وجہ مفسرین کرام رحمہم اللہ یہ بھی بیان فرماتے ہیں چوں کہ اندھیرا تھا جس وقت لاٹھی سانپ بنے گی یہ غلط فہمی کا شکار نہ ہوں کہ میں غلطی کے ساتھ سانپ اُٹھا کے لایا ہوں لہٰذا توجہ دلانے کے لیے فرمایا کہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ ﴿ قَالَ ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا ﴿ هِيَ عَصَايَ ﴾ یہ میری لاٹھی ہے ﴿ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا ﴾ میں اس لاٹھی پر ٹیک لگاتا ہوں ﴿ وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي ﴾۔ أَهُشُّ کے معنیٰ ہیں درختوں سے پتے جھاڑنا۔ اور میں پتے جھاڑتا ہوں اس لاٹھی کے ذریعے اپنی بھیڑ بکریوں کے لیے۔ چوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کافی عرصہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بھیڑ بکریاں چراتے رہے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی پیغمبر نہیں آیا مگر اس نے بکریاں ضرور چرائی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بکریاں کیوں چرائیں؟

ہمارے استاد محترم مولانا حسین احمد مدنی فرماتے تھے کہ بکریاں اس لئے چرائیں کہ ان کا جسم چھوٹا سا ہوتا ہے اور شرارتی جانور ہے، ایک اس طرف بھاگے گا دوسرا اس طرف بھاگے گا تیسری اس طرف بھاگے گی، ان کو قابو کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو ٹریننگ دی ہوتی ہے کہ تمھاری اُمت میں کسی کا منہ اس طرف ہوگا کسی کا اُس طرف ہوگا کسی کا ادھر ہوگا اور سب پر قابو پانا ہے۔ اُونٹ بڑا جانور ہوتا ہے اس کو مارنے سے اس کا کچھ نہیں بگڑتا اور بھیڑ کے متعلق مشہور مقولہ ہے: "بھیڑ چال" کہ جہاں ایک گئی سب اس کے پیچھے جائیں گی۔ تو تمام پیغمبروں نے بکریاں چرائیں ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تھے اس وقت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکریاں نہیں چراتے تھے۔ تو پوچھنے والے نے پوچھا حضرت! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ فرمایا ہاں! كُنْتُ أَرْعٰى عَلٰى قَرَارِيْطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ میں مکے والوں کی بکریاں ٹکے ٹکے پر چراتا تھا۔ تو میں اس لاٹھی کے ذریعے اپنی بکریوں کے لیے پتے بھی جھاڑتا ہوں بکریوں کے لیے خوراک مہیا کرتا ہوں ﴿ وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ ﴾ اور میرے لیے اس لاٹھی میں اور ضروریات بھی ہیں۔ مَآرِبُ مَارِبَةٌ کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے ضرورت۔ مثلاً: کتا قریب آجائے تو اس کو دور کرتا ہوں، کوئی موذی جانور آئے تو اس کو مارتا ہوں، کسی جگہ لاٹھی کے ذریعے سہارا لگا لیتا ہوں کسی وقت اپنے پیچھے لاٹھی کے ساتھ سامان لٹکا لیتا ہوں، سفر میں میری اس میں کئی ضرورتیں ہیں۔

چاول کھانے کے فوائد؟

ہمارے ایک دوست تھے قاری صاحب مرحوم بڑے مسخرے مزاج کے تھے وہ کہتے تھے کہ:

① چاول کھانے والا بوڑھا نہیں ہوتا۔

② چاول کھانے والے کو کتا نہیں کاٹتا۔

③ چاول کھانے والے کی چوری نہیں ہوتی۔

ہم نے پوچھا قاری صاحب ان کا آپس میں کیا ربط ہے؟ تو کہنے لگے کہ بوڑھا تو اس لیے نہیں ہوتا کہ وہ بوڑھا ہونے سے پہلے ہی مر جاتا ہے بوڑھا ہونے کی نوبت ہی نہیں آتی اور کتا اس لیے نہیں کاٹتا کہ اس کے ہاتھ میں لاٹھی ہوتی ہے کمزوری کی وجہ سے، کتا قریب نہیں آئے گا کاٹے گا کیا اور چوری اس لیے نہیں ہوتی کہ یہ ساری رات کھانستا رہتا ہے، چور کو معلوم ہے کہ گھر والے جاگ رہے ہیں گھر میں داخل ہی نہیں ہوگا۔ (حضرت نے لاٹھی کی مناسبت سے کہ چاول کھانے والے کے ہاتھ میں لاٹھی ہوتی ہے یہ لطیفہ یہاں بیان فرمایا ہے۔ بلوچ)

تو فرمایا اس لاٹھی میں میرے لیے کئی فائدے ہیں۔ ﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى﴾ اے موسیٰ علیہ السلام! اس لاٹھی کو ڈال دیں زمین پر ﴿فَاَلْقٰىهَا﴾ پس موسیٰ علیہ السلام نے وہ لاٹھی زمین پر ڈال دی ﴿فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى﴾ پس اچانک وہ سانپ تھا دوڑتا ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے جمال کی وجہ سے ساری وادی سارا بقعہ وادی طویٰ روشن تھا ویسے رات کا وقت تھا۔

جَآنٌّ اور ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ میں تطبیق

اس مقام پر حَيَّة کا لفظ آیا ہے اور سورۃ القصص آیت نمبر ۳۱ میں ہے ﴿كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ﴾ "گویا کہ وہ باریک سانپ تھا پیٹھ پھیری اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔" اور سورۃ الشعراء آیت نمبر ۳۲ میں ﴿ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ﴾ کا لفظ آیا ہے، اژدہا بڑا سانپ۔ اور یہاں مطلق سانپ کا لفظ آیا ہے۔ تینوں میں فرق ہے، باریک سانپ، عام سانپ، اژدھا۔ امام فخر الدین رازی وغیرہ مفسرین کرام رحمہم اللہ ان میں تطبیق دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جب وادی طویٰ میں لاٹھی ڈالی تو باریک سانپ تھا اور فرعون کے دربار میں جب لاٹھی ڈالی تو وہاں اژدہا بن گیا تھا۔ تو جگہ علیحدہ علیحدہ ہے، موقع الگ الگ ہے۔ دوسری بات یہ فرماتے ہیں اژدہا بڑا اور وزنی ہوتا ہے اور بھاری چیز میں حرکت اور تیزی نہیں ہوتی لیکن یہ فرمایا باریک تھا یعنی موٹا ہونے کے باوجود تیز تھا۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ سانپ ہے اور دوڑ رہا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے دوسری طرف دوڑ لگا دی۔ ﴿قَالَ﴾ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ﴿خُذْهَا﴾ اے موسیٰ علیہ السلام! اس کو پکڑ لیں ﴿وَلَا تَخَفْ﴾ اور خوف نہ کریں اس سے۔ یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ موذی چیزوں سے طبعاً خوف کرنا ایمان کے خلاف نہیں ہے کیوں کہ موسیٰ علیہ السلام کو نبوت مل چکی ہے اور نبی سے زیادہ مضبوط ایمان کس کا ہوسکتا ہے؟ تو موذی چیز سمجھ کر دوڑنا شروع کر دیا خوفزدہ ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس کو پکڑ لیں خوف نہ کریں۔ لہٰذا طبعاً کتے سے ڈرنا، سانپ سے ڈرنا، شیر سے ڈرنا، ڈاکو چور وغیرہ سے ڈرنا ایمان کے خلاف نہیں ہے ﴿سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى﴾ بتاکید ہم لوٹا دیں گے اس سانپ کو اس کی پہلی حالت کی طرف۔ پہلی حالت لاٹھی تھی لاٹھی بن جائے گی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سانپ پر ہاتھ رکھا وہ لاٹھی بن گئی۔

معجزہ نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا

اوراس سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ معجزہ نبی کے اختیار اور بس کی بات نہیں ہے۔اگر اپنے اختیار کی بات ہوتی اور موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی کوخود سانپ بنایا ہوتا تو ڈرتے نہ۔پتا ہوتا کہ میں نے لاٹھی کوخود سانپ بنایا ہےاور اب پھر اس کو لاٹھی بنالوں گا۔تو پیغمبر کا کام ہے لاٹھی ڈالنا،اس کو سانپ بنانا رب تعالیٰ کا کام ہے،پیغمبر کا کام ہے سانپ پر ہاتھ رکھنا اس کو پھر لاٹھی بنانا رب تعالیٰ کا کام ہے اور جو خلافِ عادت چیزیں پیغمبر کے ہاتھ پر صادر ہوں ان کو معجزہ کہتے ہیں۔قرآن کریم میں بے شمار معجزات ہیں۔

سرسید معجزات کا منکر تھا

نیچریوں کا پیر سرسید احمد خان معجزات کا منکر ہے۔منکرین حدیث بھی انکار کرتے ہیں اور کس کس کا انکار کرو گے۔تو نبی کے ہاتھ پر جو خلاف عادت چیز صادر ہو اسے معجزہ کہتے ہیں اور ولی کے ہاتھ پر جو صادر ہو اس کو کرامت کہتے ہیں کرامات کا ذکر بھی قرآن پاک میں ہے لہٰذا کس کس چیز کا انکار کرو گے؟ حضرت مریم علیہا السلام چوبارے میں رہتی تھیں اس کو جالیاں لگی ہوئی تھی۔ حضرت زکریا علیہ السلام تالا لگا کر جاتے تھے اور چابی اپنے پاس رکھتے تھے جب واپس آتے تو کمرے میں بے موسم پھل موجود ہوتے تھے۔سورۃ آل عمران آیت نمبر ۳۷ میں ہے فرماتے: ﴿یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَكِ هٰذَا﴾ "اے مریم! یہ پھل کہاں سے آئے ہیں آپ کے لیے ﴿قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ فرماتی یہ خدا کی طرف سے آئے ہیں۔" تو یہ ان کی کرامت تھی۔آصف برخیا حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی تھے،رضی اللہ عنہ۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا مجھے بلقیس کا تخت ابھی چاہیے۔سورۃ نمل آیت نمبر ۴۰ میں ہے ﴿قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ﴾ "کہا اس نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا میں لادیتا ہوں اس کو قبل اس سے کہ پلٹے آپ کی نگاہ آپ کی طرف۔" تو ایک آن میں ایک مہینے کی مسافت سے تخت لاکر رکھ دیا۔کہاں کہاں انکار کرو گے؟ حضرت مریم علیہا السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت اکیلی درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھی ہوئی تھیں نہ وہاں کوئی مائی تھی،نہ دایہ،اللہ تعالیٰ نے فوراً ان کے قدموں کے نیچے پانی کا چشمہ جاری کردیا،خشک کھجور کے ساتھ پختہ دانے لگادیئے۔تو کس کس چیز کا انکار کرو گے۔

نوجوانو! ایمان بڑی قیمتی چیز ہے۔اچھی طرح یاد رکھنا! یہ بے دین طبقہ لوگوں کو ایمان سے محروم کرنے کے لیے بڑی کوشش کرتا ہے اہل حق اتنی کوشش نہیں کرتے جتنی باطل والے کرتے ہیں،ایمان نہ بگاڑنا۔تو ایک معجزہ یہ عطا کیا کہ لاٹھی کو ڈالو گے تو سانپ بن جائے گا۔دوسرا معجزہ ﴿وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ﴾ اور ملالیں اپنے ہاتھ کو اپنے بازو کے ساتھ اپنے گریبان میں ڈال کر ﴿تَخْرُجْ بَیْضَآءَ﴾ نکلے گا سفید ﴿مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ﴾ بغیر کسی تکلیف کے،نہ اس میں سوزش ہوگی،نہ جلن ہوگی،نہ حرارت ہوگی ﴿اٰیَةً اُخْرٰی﴾ یہ دوسری نشانی ہے۔یہ دو نشانیاں یہ دو معجزے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وادی طویٰ میں عطا فرمائے۔جب نبوت

عطا فرمائی ساتھ ہی یہ معجزے عطا فرمادیے ﴿لِنُرِيَكَ﴾ تاکہ ہم آپ کو دکھائیں ﴿مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى﴾ اپنی بڑی نشانیوں میں سے کچھ۔ یہ مِنْ تبعیضیہ ہے جس کا معنیٰ ہے کچھ۔ فرمایا ﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾ جائیں فرعون کی طرف بے شک اس نے سرکشی کی ہے۔ اس جگہ اجمال ہے دوسری جگہ تفصیل ہے زندگی رہی تو ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے۔

﴿قَالَ﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام نے۔ ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿اشْرَحْ﴾ کھول دے ﴿لِيْ﴾ میرے لیے ﴿صَدْرِيْ﴾ میرا سینہ ﴿وَيَسِّرْ لِيْٓ﴾ اور آسان کردے میرے لیے ﴿اَمْرِيْ﴾ میرا معاملہ ﴿وَاحْلُلْ﴾ اور کھول دے ﴿عُقْدَةً﴾ گرہ ﴿مِّنْ لِّسَانِيْ﴾ میری زبان کی ﴿يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ﴾ تاکہ وہ لوگ میری بات سمجھیں ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ﴾ اور بنادے میرے لیے ﴿وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ﴾ وزیر میرے گھر کے افراد سے ﴿هٰرُوْنَ﴾ ہارون علیہ السلام کو ﴿اَخِي﴾ میرا بھائی ہے ﴿اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ﴾ مضبوط کردے اس کے ذریعے میری کمر کو ﴿وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ﴾ اور شریک کردے اس کو میرے معاملے میں ﴿كَيْ نُسَبِّحَكَ﴾ تاکہ ہم آپ کی تسبیح بیان کریں ﴿كَثِيْرًا﴾ کثرت سے ﴿وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا﴾ اور ذکر کریں آپ کا کثرت سے ﴿اِنَّكَ﴾ بے شک آپ ﴿كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا﴾ ہم کو دیکھنے والے ہیں ﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿قَدْ اُوْتِيْتَ﴾ تحقیق آپ کو دے دی گئی ﴿سُؤْلَكَ﴾ آپ کی مانگی ہوئی چیز ﴿يٰمُوْسٰى﴾ اے موسیٰ علیہ السلام ﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے احسان کیا ﴿عَلَيْكَ﴾ آپ پر ﴿مَرَّةً اُخْرٰٓى﴾ ایک مرتبہ اور بھی ﴿اِذْ اَوْحَيْنَآ﴾ جس وقت ہم نے وحی کی ﴿اِلٰٓى اُمِّكَ﴾ آپ کی والدہ کی طرف ﴿مَا يُوْحٰٓى﴾ جو آگے وحی کی جارہی ہے ﴿اَنِ اقْذِفِيْهِ﴾ یہ کہ آپ اس کو ڈال دیں ﴿فِي التَّابُوْتِ﴾ صندوق میں ﴿فَاقْذِفِيْهِ﴾ پس ڈال دیں اس صندوق کو ﴿فِي الْيَمِّ﴾ بحر قلزم میں ﴿فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ﴾ پس ڈال دے گا سمندر اس صندوق کو ﴿بِالسَّاحِلِ﴾ کنارے پر ﴿يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ﴾ پکڑے گا اس کو میرا دشمن ﴿وَعَدُوٌّ لَّهٗ﴾ اور اس کا دشمن ﴿وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ﴾ اور ڈال دی میں نے آپ پر ﴿مَحَبَّةً﴾ محبت ﴿مِّنِّيْ﴾ اپنی طرف سے ﴿وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ﴾ اور تاکہ آپ کی تربیت کی جائے میری آنکھوں کے سامنے ﴿اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ﴾ جب چل رہی تھی آپ کی بہن ﴿فَتَقُوْلُ﴾ پھر اس نے کہا ﴿هَلْ اَدُلُّكُمْ﴾ کیا میں تمھاری راہنمائی کروں ﴿عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ﴾ اس پر جو اس کی کفالت کرے ﴿فَرَجَعْنٰكَ﴾ پس ہم نے لوٹا دیا آپ کو ﴿اِلٰٓى اُمِّكَ﴾ آپ کی والدہ کی طرف ﴿كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا﴾ تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں ﴿وَلَا تَحْزَنَ﴾ اور غم نہ کرے۔

موسیٰ علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ سے سوالات :

اس سے پہلے ذکر ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے اپنی اہلیہ بچے اور خادم سمیت واپس مصر جارہے تھے راستہ بھول گئے تاریکی تھی موسم سردی کا تھا ایک جگہ آگ نظر آئی وہاں پہنچے تو وہ اللہ تعالیٰ کا نور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی اور دو معجزے بھی عطا فرمائے اور حکم دیا کہ فرعون کی طرف جاؤ وہ سرکش ہوگیا ہے اس کو میرا پیغام پہنچاؤ۔ اس موقع پر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا ﴿قَالَ﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي﴾ اے میرے رب! کھول دے میرا سینہ۔ فرعون بڑا ظالم، جابر اور موذی ہے، اپنی چلانے والا اور کسی کی نہ سننے والا۔ تو ایسے آدمی کے مقابلے میں جانے کے لیے بڑا وسیع دل جگرا چاہیے اے پروردگار! میرا سینہ کھول دے ﴿وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي﴾ اور میرے لیے معاملہ آسان کردے۔ موسیٰ علیہ السلام تیس سال فرعون کے گھر رہے تھے اس کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھے۔ سورہ دخان آیت نمبر ۳۱ میں ہے ﴿إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ﴾ "بے شک تھا وہ مغرور اور حد سے بڑھنے والا۔" حدود پھلانگنے والا تھا میں اس کے پاس جا کر کچھ کہوں اے پروردگار! معاملہ بڑا مشکل ہے میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان کردے ﴿وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي﴾ اور کھول دے گرہ میری زبان کی ﴿يَفْقَهُوا قَوْلِي﴾ تاکہ وہ لوگ میری بات سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بڑی محبت ڈال دی تھی۔ جس کا ذکر آگے آرہا ہے وہ بڑی شفقت کرتی تھیں بیوی کو راضی کرنے کے لیے کبھی کبھی فرعون بھی موسیٰ علیہ السلام کو اُٹھا لیتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام بچے تھے مگر تماشے کرتے تھے کبھی اس کے ناک میں انگلیاں ڈال دیتے کبھی آنکھ میں انگلی، رد ی کبھی منہ پر تھپڑ لگا دیا۔ فرعون بیوی کو بلا کر کہتا آسیہ! تم اس کے ساتھ اتنی محبت کیوں کرتی ہو یہ تو بڑا موذی ہے۔ اس نے کہا دیکھو! بچہ ہے نا سمجھ ہے۔ فرعون کہتا نہیں اگرچہ میرے گھر میں بچے نہیں ہیں لیکن میں نے بچے دیکھے تو ہیں یہ بچہ اور طرح کا ہے۔ بیوی نے کہا نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے ناسمجھی میں یہ حرکتیں کرتا ہے۔ فرعون نے کہا نہیں سمجھ کر کرتا ہے۔

تو اس سلسلے میں امتحان طے ہوا ایک پلیٹ میں موتی اور ہیرا رکھ دیا اور دوسری طرف پلیٹ میں جلتا ہوا کوئلہ رکھ دیا اور طے پایا کہ اگر سیانا ہوا تو ہیرے کو ہاتھ لگائے گا اور ناسمجھ ہوا تو انگارے کو۔ بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ جو ملا اس کو منہ میں ڈال لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ پہلے ہیرے کی طرف جانے لگا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کا ہاتھ انگارے کی طرف کر دیا انھوں نے وہ انگارہ اُٹھا کر منہ میں ڈال لیا، ننھی مُنی زبان تھی انگارے کی وجہ سے متاثر ہوئی۔ بعض دفعہ بات کرنے میں کچھ رکاوٹ ہوتی تھی، لکنت تھی۔

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے پروردگار! میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ وہ لوگ میری بات سمجھ سکیں ﴿وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي﴾ اور بنا دے میرے لئے وزیر میرے گھر کے افراد میں سے۔ وزیر کا معنیٰ ہوتا ہے بوجھ اٹھانے والا وِزْر کا معنیٰ بوجھ ہے۔ میرا معاون بنا دے میرا بوجھ کچھ وہ بھی اُٹھائے اور بنا بھی میرے گھر کے افراد سے۔ وہ کون ہے؟ ﴿هَارُونَ أَخِي﴾ ہارون علیہ السلام جو میرے بھائی ہیں۔ یہ موسیٰ علیہ السلام سے ایک سال بڑے تھے اور ان کی زبان بڑی صاف شستہ تھی ﴿اشْدُدْ بِهِ

اَزْرِیْ﴾ مضبوط کردے اس کے ذریعے میری کمر کو میرا معاون بنا کر ہم دونوں بھائی آپ کے دین کی خدمت کریں گے تبلیغ کریں گے ﴿وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ﴾ اور شریک کردے اس کو میرے معاملے میں۔ مجھے نبوت عطا فرمائی ہے اس کو بھی نبوت عطا فرما ﴿كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا﴾ تاکہ ہم آپ کی پاکی بیان کریں کثرت سے ﴿وَّنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا﴾ اور آپ کا ذکر کریں کثرت سے۔ کیوں کہ ایک آدمی کی تسبیح کچھ معنیٰ رکھتی ہے دو کریں گے تو زیادہ ہوگا۔ ایک آدمی ذکر کرے اس کی حیثیت کچھ اور ہوتی ہے دو آدمی ذکر کریں تو اس کی حیثیت کچھ اور ہوتی ہے۔ ہم آپ کی تسبیح بیان کریں گے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ اور ہم آپ کا ذکر کریں گے کثرت سے۔

تو ایک سوال یہ کیا کہ میرا سینہ کھول دے کہ اس میں کسی مخلوق کا ڈر اور خوف نہ رہے۔ دوسرا سوال یہ کیا کہ میرا معاملہ آسان کردے۔ تیسرا سوال یہ کیا کہ میری زبان کی گرہ کھول دے اور میرے بھائی کو میرا معاون بنادے ﴿اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا﴾ بے شک آپ ہمیں دیکھنے والے ہیں۔ ﴿قَالَ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ﴾ آپ کو دے دی گئی آپ کی مانگی ہوئی چیز۔ سینہ کھول دیا اس میں کسی مخلوق کی ہیبت نہیں رہے گی اور آپ کا معاملہ ہم نے آسان کردیا باوجود مشکل ہونے کے اور آپ کی زبان کو ہم نے صاف کردیا۔ اور چوتھا مطالبہ تھا کہ میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو میرا معاون بنادے، ہم نے اس کو آپ کا معاون بنادیا ہے۔ آپ کے مطالباتِ مسئولات یعنی سوال کی ہوئی چیزیں سب آپ کو مل گئیں ﴿یٰمُوْسٰی﴾ اے موسیٰ علیہ السلام۔ اور اے موسیٰ علیہ السلام! ﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓی﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے احسان کیا آپ پر ایک مرتبہ اور بھی۔ ﴿مَرَّةً﴾ کا معنیٰ مرتبہ اور ﴿اُخْرٰی﴾ کا معنیٰ دوسرا۔ وہ دوسرا احسان کیا ہے؟ ﴿اِذْ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّكَ﴾ جس وقت ہم نے وحی کی آپ کی والدہ کی طرف۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام یوخابذ تھا۔ اُردو والے یوکابد لکھ دیتے ہیں۔ بڑی نیک پارسا بی بی تھیں جلیل القدر پیغمبر کی والدہ ہیں۔

یہ بات تم پہلے سن چکے ہو کہ جن دنوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہونے والی تھی کسی ماہر نجومی نے خبر دی کہ ان تین سالوں میں بنی اسرائیلیوں کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو فرعون کی حکومت کی تباہی کا سبب بنے گا چوں کہ وہ نجومی اپنے فن کا بڑا ماہر تھا اس کی اور پیش گوئیاں بھی سچی ہوتی تھیں۔ جب یہ بات فرعون تک پہنچی تو اس نے کابینہ کا اجلاس بلایا اور اس کاہن کو بھی بلایا اور اس سے پوچھا کہ کس کے گھر میں لڑکا ہوگا؟ تو اس نے کہا کہ میں یہ تو نہیں بتلا سکتا اور نہ ہی مجھے اس کا علم ہے لیکن بنی اسرائیل کے خاندانوں میں سے کسی کے ہاں دو تین سالوں میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیری حکومت کے زوال کا سبب بنے گا۔ فرعون نے آڈر جاری کردیا کہ بنی اسرائیل کے جتنے گھرانے ہیں ان کی چھان بین کرو کہ کون سی عورت حاملہ ہے اور کون سی غیر حاملہ ہے۔ مردوں اور عورتوں کی پولیس کے پہرے بٹھا دیئے گئے۔

اور یہ بات بھی تم پہلے سن چکے ہو کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان تین سالوں میں بارہ ہزار بچے قتل ہوئے۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۴۹ میں ہے ﴿یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ﴾ "وہ ذبح

کرتے تھے تمھارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمھاری عورتوں کو۔" جیسے مرغی ذبح کی جاتی ہے ایسے ہی وہ جابر کارندے آکر بچوں کو ماں باپ کے سامنے ذبح کر کے چلے جاتے تھے انھی سالوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ باامید ہوئیں لیکن ان کا پیٹ عام معمول کے مطابق نہ بڑھا جیسے عام عورتوں کا پیٹ بڑھ جاتا ہے۔ حضرت یوکابد کے پیٹ میں کچھ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نگران اور محافظ تھے عورتیں آتیں چیک کر کے چلی جاتیں تھیں۔

موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈالنے کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت پریشان ہوئیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی اس کا ذکر ہے ﴿ اِذْ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّكَ ﴾ جس وقت ہم نے وحی کی آپ کی والدہ کی طرف ﴿ مَا یُوْحٰٓی ﴾ وہ جو آگے وحی کی جارہی ہے۔ آنے والے الفاظ کی وحی ہم نے کی ﴿ اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ ﴾ یہ کہ آپ اس کو ڈال دیں ایک صندوق میں۔ لکڑی کا ایک صندوق بنائیں نیچے روئی وغیرہ رکھ کر ان کو صندوق میں رکھ کر قریب ہی ان کے دریائے قلزم بہتا تھا ﴿ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ ﴾ پس ڈال دیں اس صندوق کو بحر قلزم میں۔ اور سورہ قصص آیت نمبر ۷ میں ہے ﴿ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴾ "اور نہ خوف کھائیں اور نہ غمگین ہوں بے شک ہم اس کو لوٹا دیں گے آپ کی طرف درمیان میں کچھ گھنٹوں کا وقفہ ہوگا اور اس کو ہم رسولوں میں سے بنائیں گے۔"

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے صندوق میں نیچے روئی وغیرہ رکھ کر اوپر موسیٰ علیہ السلام کو لٹا کر اندھیرے میں بحر قلزم میں ڈال دیا ﴿ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ ﴾ پس ڈال دے گا بحر قلزم اس کو کنارے پر۔ تفسیروں میں مختلف باتیں ذکر کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ دریا کے کنارے فرعون کے سرکاری دھوبی تھے بعض کہتے ہیں کہ مچھیرے تھے مچھلیاں پکڑنے والے، بعض کہتے ہیں نہانے والے لوگ تھے اور سورہ قصص میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اپنی بیٹی کلثوم کو کہا کہ اس کا سراغ لگاؤ دیکھو! یہ صندوق کہاں جاتا ہے۔ آٹھ دس سال کی بڑی سمجھ دار بچی تھی وہ بھی کنارے کنارے ساتھ ساتھ چلتی رہی، کبھی صندوق کی طرف دیکھتی، کبھی دوسری طرف تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو کہ یہ بچی اس کے ساتھ ہے۔

خیر جب وہ آباد علاقے میں پہنچا تو دھوبیوں نے یا مچھیرے نے یا نہانے والوں نے چھلانگ لگا کر نکال لیا اور فوراً فرعون کے دربار میں پہنچا دیا۔ فرعون نے کہا کہ اس کو قتل کرو۔ بی بی آسیہ بنت مزاحم مضبوط تھیں کہنے لگیں ﴿ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓی اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ﴾ [قصص: ۹] "اس کو قتل نہ کرو شاید یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم بنالیں اس کو بیٹا۔" اسی جگہ تفسیروں میں لکھا ہے کہ فرعون نے کہا کہ تمھیں کوئی نفع معلوم ہوتا ہوگا مجھے تو کوئی نفع معلوم نہیں ہوتا اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اعمال میں نیت کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ بی بی اَڑ گئی اور قتل نہ ہونے دیا۔ آج بھی مصر کی عورتیں مردوں پر حاوی ہیں۔ جو بڑے حکمران ہیں ان کا حکم نیچے سے اُوپر جاتا ہے اُوپر سے نیچے نہیں آتا۔ بات سمجھ آ گئی نا۔

فیصلہ کر دیا بی بی نے کہ قتل نہیں کرنا، دودھ پلانا شروع کیا کسی کا دودھ نہ پیا، گائے بھینس کا منگوایا نہ پیا، بکری کا منگوایا نہ پیا، محلے کی عورتیں طلب کیں کسی کا دودھ نہ پیا۔ سورۃ القصص آیت نمبر ۱۲ میں ہے ﴿وَ حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ﴾ "اور ہم نے تکوینی طور پر حرام قرار دے دیا روک دیا موسیٰ علیہ السلام پر دودھ پلانے والیوں کو اس سے پہلے" کسی کا دودھ نہ پیا تو بڑے پریشان ہوئے۔ سرکاری فیصلہ ہو چکا ہے قتل نہیں کرنا اور بچہ کسی کا دودھ نہیں پیتا اب کیا کریں اس وقت وہاں تماشائی اکٹھے تھے موسیٰ علیہ السلام کی بہن بھی ان میں شامل ہو گئی تھی یہ بولی کہ ہمارے محلے میں ایک عورت ہے اس کا دودھ پلا کے دیکھو شاید اس کا دودھ پی لے۔

چنانچہ اس بچی کے ساتھ آدمی بھیجے فوراً وہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بلا کر لائے والدہ آئیں موسیٰ علیہ السلام کو چھاتی کے ساتھ لگایا تو انھوں نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ خوشی ہوئی کہ مسئلہ حل ہو گیا۔ فرعون نے کہا بی بی! ہم آپ کو کمرہ دیں گے اور وظیفہ بھی مقرر کرتے ہیں تم یہاں رہو اور بچے کی پرورش کرو وہ کہنے لگیں کہ میرا گھر ہے بچے ہیں میں یہاں کیسے رہ سکتی ہوں اگر تمھیں ضرورت ہے تو بچے کو میرے پاس چھوڑ دو اور وظیفہ بھی میرے گھر بھیج دیا کرو۔ چنانچہ وہ سرکاری اجازت کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کو ساتھ گھر لے آئیں، اس کا ذکر ہے۔

اس کو صندوق میں ڈال کر بحر قلزم میں ڈال دیں اور بحر قلزم اس کو کنارے پر ڈال دے گا ﴿يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ﴾ پکڑے گا اس کو میرا دشمن فرعون اور اس کا دشمن یعنی موسیٰ علیہ السلام کا ﴿وَ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ﴾ اور ڈال دی میں نے آپ پر ﴿مَحَبَّةً مِّنِّيْ﴾ محبت اپنی طرف سے فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم کے دل میں اور وہ اَڑ گئی قتل نہ کرنے دیں ﴿وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ﴾ اور تاکہ آپ کی تربیت کی جائے میری آنکھوں کے سامنے ﴿اِذْ تَمْشِيْ اُخْتُكَ﴾ جب چل رہی تھی آپ کی بہن کلثوم ﴿فَتَقُوْلُ﴾ پھر اس نے کہا ﴿هَلْ اَدُلُّكُمْ﴾ کیا میں تمھاری راہنمائی کروں ﴿عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ﴾ اس پر جو اس کی کفالت کرے چنانچہ اس نے راہنمائی کی ﴿فَرَجَعْنٰكَ﴾ پس ہم نے لوٹا دیا آپ کو ﴿اِلٰٓى اُمِّكَ﴾ آپ کی ماں کی طرف ﴿كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا﴾ تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو ﴿وَلَا تَحْزَنَ﴾ اور غم نہ کرے۔ یہ بھی ہم نے احسان کیا۔ باقی احسان کا ذکر آئندہ آیات میں آرہا ہے۔

﴿وَ قَتَلْتَ نَفْسًا﴾ اور آپ نے قتل کیا ایک نفس کو ﴿فَنَجَّيْنٰكَ﴾ پس ہم نے نجات دی آپ کو ﴿مِنَ الْغَمِّ﴾ پریشانی سے ﴿وَ فَتَنّٰكَ﴾ اور ہم نے آپ کو آزمائش میں ڈالا ﴿فُتُوْنًا﴾ آزمائش میں ڈالنا ﴿فَلَبِثْتَ﴾ پس آپ ٹھہرے ﴿سِنِيْنَ﴾ کئی سال ﴿فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ﴾ مدین والوں میں ﴿ثُمَّ جِئْتَ﴾ پھر آپ آئے ﴿عَلٰى قَدَرٍ﴾ ایک اندازے پر ﴿يٰمُوْسٰى﴾ اے موسیٰ علیہ السلام! ﴿وَ اصْطَنَعْتُكَ﴾ اور ہم نے آپ کو چن لیا ﴿لِنَفْسِيْ﴾ اپنی ذات کے لیے ﴿اِذْهَبْ اَنْتَ﴾ جائیں آپ ﴿وَ اَخُوْكَ﴾ اور آپ کا بھائی ﴿بِاٰيٰتِيْ﴾ میری نشانیوں کے ساتھ ﴿وَلَا تَنِيَا﴾

اور نہ سستی کرنا ﴿فِیۡ ذِکۡرِیۡ﴾ میری یاد میں ﴿اِذۡهَبَاۤ﴾ جاؤ تم دونوں ﴿اِلٰی فِرۡعَوۡنَ﴾ فرعون کی طرف ﴿اِنَّهٗ طَغٰی﴾ بے شک اس نے سرکشی کی ہے ﴿فَقُوۡلَا لَهٗ﴾ پس تم دونوں اس کو کہو ﴿قَوۡلًا لَّیِّنًا﴾ بات نرم ﴿لَّعَلَّهٗ یَتَذَکَّرُ﴾ شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے ﴿اَوۡ یَخۡشٰی﴾ یا وہ خوف کھائے ﴿قَالَا﴾ دونوں نے کہا ﴿رَبَّنَاۤ﴾ اے ہمارے رب! ﴿اِنَّنَا﴾ بے شک ہم ﴿نَخَافُ﴾ خوف کرتے ہیں ﴿اَنۡ یَّفۡرُطَ عَلَیۡنَاۤ﴾ یہ کہ وہ زیادتی کرے ہم پر (قولاً) ﴿اَوۡ اَنۡ یَّطۡغٰی﴾ یا وہ سرکشی کرے (فعلاً) ﴿قَالَ﴾ فرمایا رب تعالیٰ نے ﴿لَا تَخَافَاۤ﴾ تم خوف نہ کرو ﴿اِنَّنِیۡ مَعَکُمَاۤ﴾ بے شک میں تمھارے ساتھ ہوں ﴿اَسۡمَعُ﴾ میں سنتا ہوں ﴿وَ اَرٰی﴾ اور دیکھتا ہوں ﴿فَاۡتِیٰهُ﴾ پس تم دونوں جاؤ اس کے پاس ﴿فَقُوۡلَاۤ﴾ پس کہو تم دونوں ﴿اِنَّا رَسُوۡلَا رَبِّکَ﴾ بے شک ہم دونوں آپ کے رب کے رسول ہیں ﴿فَاَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ﴾ پس بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو ﴿وَ لَا تُعَذِّبۡهُمۡ﴾ اور ان کو سزا نہ دے ﴿قَدۡ جِئۡنٰکَ﴾ تحقیق ہم لائے ہیں تیرے پاس ﴿بِاٰیَةٍ مِّنۡ رَّبِّکَ﴾ نشانی آپ کے رب کی طرف سے ﴿وَ السَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰی﴾ اور سلام ہو ان پر جنھوں نے پیروی کی ہدایت کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو احسانات کیے تھے ان کا ذکر چلا آ رہا ہے کہ ہم نے آپ کو فرعونی کارندوں سے بچا کر فرعون کے گھر پہنچایا اور ڈال دی آپ پر اپنی طرف سے محبت پھر آپ کو آپ کی والدہ کے پاس پہنچا دیا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ ایک اور انعام کا ذکر فرماتے ہیں جس کی اس مقام پر تفصیل نہیں ہے۔ تفصیل بیسویں پارے سورۃ القصص میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فرعون جس کالونی میں رہتا تھا وہ مصر کے ایک طرف تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا آبائی مکان مصر سے دوسری طرف تھا درمیان میں کافی فاصلہ تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کبھی فرعون کے گھر اور کبھی اپنے گھر رہتے تھے جو ان کے خیال کے مطابق ان کی رضاعی والدہ کا تھا اور حقیقت میں حقیقی والدہ کا اور ان کا اپنا گھر تھا۔

بنی اسرائیلی اور قبطی کا جھگڑا

ایک دن سخت گرمی میں دوپہر کے وقت جب سارے لوگ سوئے ہوئے تھے آرام کر رہے تھے ﴿عَلٰی حِیۡنِ غَفۡلَةٍ مِّنۡ اَهۡلِهَا﴾ [قصص: آیت نمبر ۱۵] اپنے گھر سے فرعون کے گھر جا رہے تھے کہ راستے میں بازار کے اندر دو آدمی آپس میں الجھے ہوئے تھے۔ ایک موسیٰ علیہ السلام کی برادری بنی اسرائیل کا آدمی تھا اور دوسرا فرعون کے باورچی خانے کا انچارج افسر تھا جس کا نام تفسیروں میں کاب آتا ہے۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جاتے ہوئے دیکھا تو آواز دی کہ آئیں اور ہمارا جھگڑا ختم کرا دیں۔ حضرت

موسیٰ علیہ السلام قریب آئے فرمایا تمھارا کیا جھگڑا ہے؟ اسرائیلی نے کہا کہ دیکھو! یہ کتنی وزنی بوری ہے اس میں آٹا دانہ جو بھی تھا اور لکڑیوں کے گٹھے کا ذکر بھی تفسیروں میں آتا ہے جو کافی وزنی تھا یہ مجھے کہتا ہے کہ اس کو اٹھا کر فرعون کے باورچی خانے میں پہنچاؤ اور مزدوری دینے کے لیے بھی تیار نہیں۔ یہ بیگار کے طور پر کام کرواتا ہے۔ اول تو میں کمزور ہوں اُٹھا نہیں سکتا دوسرا یہ کہ یہ مزدوری بھی نہیں دیتا حالاں کہ سرکاری خزانے سے اس کو مزدور کی مزدوری ملتی ہے وہ وصول کر کے جیب میں ڈال لیتا ہے اور یہ اس کا روزانہ کا معمول ہے ہم بے چاروں پر ظلم کرتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بھئی! بات اس کی صحیح ہے یہ کمزور آدمی ہے اور بوجھ زیادہ ہے دوسری بات یہ ہے کہ جب تمھیں مزدوری ملتی ہے تو ان لوگوں پر ظلم کیوں کرتے ہو؟ کسی قوی طاقتور مزدور کو کرایہ دے کر سامان اُٹھوا کر لے جاؤ۔ وہ چوں کہ فرعون کے باورچی خانے کا افسر تھا اس کا دماغ بگڑا ہوا تھا موسیٰ علیہ السلام سے بھی جھگڑنے لگا۔ کہنے لگا تمھارے پیٹ کا انتظام کرتا ہوں کھانا نہیں پکے گا تو کہاں سے کھاؤ گے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس ظالمانہ طریقے سے مجھے خوراک دی جاتی ہے۔ بہرحال اس مزدور کا معاملہ حل کرو۔ کہنے لگا تجھے بھی دیکھ لوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ایک مکہ لگا دیا بس وہ فوراً مر گیا، اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ وَقَتَلْتَ نَفْسًا ﴾ اور آپ نے قتل کیا نفس کو ﴿ فَنَجَّيْنٰكَ ﴾ پس ہم نے نجات دی آپ کو ﴿ مِنَ الْغَمِّ ﴾ پریشانی سے کہ قتل کا پتا چل گیا اور فرعون نے کابینہ بلا کر موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا۔ فرعون کا چچا زاد بھائی حضرت خزقیل رحمۃ اللہ علیہ بڑا نیک دل آدمی تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بچپن سے ہی خیر خواہ تھا وہ بھاگتا ہوا موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا اور کہا اے موسیٰ علیہ السلام! ﴿ اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴾ [قصص: ۲۰] "بے شک فرعون کے سربرآوردہ لوگ مشورہ کر رہے ہیں تیرے بارے میں تاکہ تجھے قتل کر دیں پس آپ نکل جائیں یہاں سے بے شک میں آپ کے لیے البتہ خیر خواہی کرنے والا ہوں۔" حضرت موسیٰ علیہ السلام جس حال میں تھے خالی جیب کوئی خرچہ پاس نہیں تھا اسی حالت میں مدین کی طرف روانہ ہو گئے۔ جو وہاں سے مغرب کی طرف تھا چوں کہ اس زمانہ میں آبادی بہت کم ہوتی تھی آٹھ دِن بھی لکھے ہیں اور دس دن بھی لکھے ہیں کہ اتنے دنوں میں مدین پہنچے۔ اس کا ذکر بیسویں پارے میں آئے گا۔

﴿ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ﴾ اور ہم نے آپ کو آزمائش میں ڈال آزمائش میں ڈالنا۔ فتنہ کا معنیٰ آزمائش ہوتا ہے۔ ﴿ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ ﴾ پس آپ ٹھہرے کئی سال ﴿ فِیْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ﴾ مدین والوں میں۔ وہ آٹھ سال کا ذکر بھی آتا ہے اور دس سال کا ذکر بھی آتا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر آپ میری خدمت کریں میری بکریاں چرائیں تو میں اپنی بیٹیوں میں سے ایک کے ساتھ آپ کا نکاح کر دیتا ہوں چنانچہ بڑی بیٹی جن کا نام حضرت صفورہ ہے کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کا نکاح کر دیا۔ آٹھ سال پورے کرو تو ٹھیک دس سال پورے کر دو تو آپ کی مرضی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے دس سال پورے کیے پھر آپ ادھر آئے۔

فرمایا ﴿ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴾ پھر آپ آئے مصر کی طرف ایک اندازے پر۔ دس سال کے اندازے کے بعد آپ آئے۔ یہ ساری گفتگو ہو رہی ہے وادی طویٰ وادی مقدس میں ﴿ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ ﴾ اور میں نے آپ کو چن لیا اپنی ذات

کے لیے کہ اب آپ میرے پیغمبر ہیں میرا پیغام لوگوں تک پہنچانا ہے میرے احکام لوگوں تک پہنچانے ہیں ﴿ اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْكَ ﴾ آپ جائیں اور آپ کا بھائی جائے۔ گزشتہ درس میں تم سن چکے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ اے میرے پروردگار! ﴿ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ﴾ بنا دے میرے لیے وزیر میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو تا کہ میری کمر مضبوط ہو۔ اس کو میرے نبوت والے معاملے میں شریک فرما۔ اور یہ تم بات بھی گزشتہ سبق میں پڑھ چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰى ﴾ "اے موسیٰ علیہ السلام آپ نے جو مانگا تھا وہ آپ کو دے دیا گیا۔" تو ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت مل گئی۔

تو فرمایا آپ کا بھائی دونوں جاؤ ﴿ بِاٰیٰتِیْ ﴾ میری نشانیوں کے ساتھ۔ دو نشانیاں تو آپ پڑھ چکے ہیں۔ ایک یہ کہ لاٹھی ڈالتے تھے اژدھا بن جاتی تھی سانپ بن جاتی تھی اور دوسری ہاتھ کا سفید ہونا اور باقی سات نشانیوں کا ذکر نویں پارے میں ہے۔ یہ نو نشانیاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی تھیں۔ ﴿ وَلَا تَنِیَا ﴾ اور نہ سستی کرنا ﴿ فِیْ ذِكْرِیْ ﴾ میری یاد میں۔ جتنی کثرت سے بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے گا اتنا شیطان کے پھندے سے محفوظ رہے گا اور دلی اطمینان حاصل ہوگا۔ سورت رعد آیت نمبر ۲۹ میں ہے ﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴾ "خبردار اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہی دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔" اور جتنا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے گا اتنا اللہ تعالیٰ کا تقرب نصیب ہوگا اور شیطانی وساوس سے نجات ملے گی۔ ﴿ اِذْهَبَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ ﴾ دونوں جاؤ فرعون کی طرف ﴿ اِنَّهٗ طَغٰى ﴾ بے شک اس نے سرکشی کی ہے۔ اس کو جا کر میرا پیغام دو ﴿ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا ﴾ پس دونوں اس کو بات کہو نرم ﴿ لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ ﴾ شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے ﴿ اَوْ یَخْشٰى ﴾ یا شاید وہ خوف کھائے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نرمی کے ساتھ سمجھانا۔

نصیحت کا انداز اچھا ہونا چاہیے

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے بزرگوں میں سے ہیں انھوں نے دین کی بڑی خدمت کی ہے ہر فن اور ہر معاملے میں کتابیں لکھی ہیں وہ ایک تاریخی واقعہ نقل کرتے ہیں۔ ہارون الرشید تقریباً چھپن لاکھ مربع میل کا حکمران تھا، ایران، روم، افغانستان، آذربائیجان، آرمینا، چین تک اس کی حکمرانی تھی، بڑا زیرک آدمی تھا۔ خلفائے راشدین کا تو مقابلہ نہیں کیوں کہ خلافت کا مقام بہت بلند ہے البتہ آج کل کے حکمرانوں کے مقابلے میں بہت ہی نیک اور پارسا تھا۔ جمعہ کی نماز باقاعدہ آکر مسجد میں پڑھتا اور خطیب کی تقریر بھی مکمل سنتا تھا۔ ان کے خطیب صاحب نے ایک واعظ کے متعلق سن رکھا تھا کہ وہ بڑا بہترین واعظ کہتے ہیں اور لوگوں پر اس کا بڑا اثر ہوتا ہے اور بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ اس واعظ نے خطیب صاحب کو کہا کہ آج جمعہ میں نے پڑھانا ہے، مجھے موقع دو۔ خطیب صاحب نے کہا اچھا جی! آج آپ جمعہ پڑھالیں۔ خلیفہ ہارون الرشید سامنے آکر بیٹھ گیا، واعظ نے بیان شروع کیا اور تھا بڑا کرخت مزاج، کہنے لگا اے ہارون الرشید! تم بڑے فاسق فاجر آدمی ہو، تم نے فلاں موقع پر یہ کیا اور فلاں

موقع پر یہ کیا، فلاں موقع پر یہ کیا، اس کے عیب گن گن کے بتانے شروع کیے۔ خطیب صاحب بے چارے اس کا پائینچہ کھینچیں کہ بس کر مگر وہ اور تیز اور جوش میں آئے۔ پائینچہ کھینچنے کا مطلب ہوتا ہے بس کر اور بعض جان چھڑانے کے لیے جزاک اللہ کہتے ہیں مگر وہ اور خوش ہوتا ہے کہ میری تقریر کو پسند کر رہے ہیں۔

تو خیر وہ باز نہ آیا خطیب پریشان ہو گیا کہ اس نے بڑا ظلم کیا ہے اب لوگوں کا خیال تھا کہ خلیفہ اس کو قتل کرائے گا کہ اتنی بڑی پبلک کے سامنے نام لے کر کہا ہے کہ تم ایسے ہو تم ویسے ہو۔ خیر جمعہ کی نماز ہو گئی خلیفہ بھی نماز پڑھ کر چلا گیا پولیس آئی اور اس واعظ کو لے گئی۔ ہارون الرشید نے اس کو اپنے سامنے والی کرسی پر بٹھایا اور شربت وغیرہ سے تواضع کی اور پوچھا کہ حضرت! یہ بتلائیں کہ آپ کا رتبہ زیادہ ہے یا موسیٰ اور ہارون کا؟ واعظ نے کہا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ خلیفہ نے کہا جب کوئی عقل مند بات کرتا ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی تو مطلب ہوتا ہے آپ بتلائیں کہ آپ کا رتبہ زیادہ ہے یا موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا؟ واعظ نے کہا کہ میں تو گنہگار اُمتی ہوں وہ تو خدا کے پیغمبر تھے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

ان بلند مرتبہ ہستیوں کے ساتھ میری کیا نسبت ہے؟ خلیفہ صاحب نے دوسرا سوال کیا کہ یہ بتاؤ کہ میں زیادہ بُرا ہوں یا فرعون زیادہ بُرا تھا؟ اس نے پھر کہا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ خلیفہ نے کہا اس کا کچھ نہ کچھ مطلب تو ہوگا آپ جواب دیں۔ واعظ نے کہا آپ آخر اُمتی ہیں گنہگار سہی وہ تو اللہ تعالیٰ کا باغی اور سرکش تھا۔ خلیفہ نے کہا فرعون مجھ سے بُرا تھا نا۔ اس نے کہا ہاں! تو ہارون الرشید نے کہا دیکھو! رب تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو کہ جب تم فرعون کے پاس جاؤ تو بات نرمی کے ساتھ کرنا اللہ تعالیٰ نے آپ سے بہتر شخصیات کو مجھ سے بدتر شخصیت کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ بات نرمی کے ساتھ کرنا۔

آپ نے جو وعظ آج کیا ہے وہ قرآن پاک کے خلاف کیا ہے۔ لوگوں کو نرمی کے ساتھ سمجھانا ہوتا ہے طعنے دینا تو وعظ نہیں ہوتا آپ نے جتنے عیب میرے بتلائے ہیں وہ تو بہت کم ہیں میں تو عیبوں کا گھر ہوں میرے اندر عیب بہت زیادہ ہیں لیکن آپ کا جو تعلیم اور تبلیغ کا طریقہ ہے وہ ٹھیک نہیں ہے۔ اپنے منشی کو بلا کر فرمایا کہ اس کو ایک جوڑا کپڑوں کا اور دس ہزار درہم انعام دے حق گوئی کا لیکن وعظ کا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔

دیکھو! خلیفہ وقت نے کتنی معقول بات کہی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرعون کے پاس نشانیاں لے کر جاؤ اور بات کہنا نرمی کے ساتھ شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ﴿قَالَا﴾ دونوں نے کہا ﴿رَبَّنَآ﴾ اے ہمارے رب! ﴿اِنَّنَا نَخَافُ﴾ بے شک ہم ڈرتے ہیں ﴿اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ﴾ کہ وہ زیادتی کرے ہم پر زبانی طور پر ﴿اَوْ اَنْ يَّطْغٰى﴾ یا وہ سرکشی کرے فعلی طور پر کہ ہاتھ چھوٹ بھی ہے تو ہاتھ چلائے ﴿قَالَ﴾ رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَا تَخَافَآ اِنَّنِىْ مَعَكُمَآ﴾ تم خوف نہ کرو بے شک میں تمھارے ساتھ ہوں ﴿اَسْمَعُ﴾ میں سنتا ہوں، جو وہ سختی کی بات کرے گا میں سنوں گا ﴿وَاَرٰى﴾ اور

دیکھتا ہوں جو وہ کارروائی کرے گا۔ یاد رکھنا! یہ باتیں استاد کے بغیر سمجھ نہیں آتیں کہ ﴿یَّفْرُطَ﴾ کا کیا مفہوم ہے اور طغٰی کا کیا معنٰی ہے۔ تو ﴿یَّفْرُطَ﴾ کا معنٰی قولی زیادتی، قرینہ ﴿اَسْمَعُ﴾ ہے اور ﴿یَّطْغٰی﴾ کا معنٰی فعلی زیادتی اور قرینہ ﴿اَرٰی﴾ ہے۔ ﴿فَاْتِیٰهُ﴾ پس جاؤ تم دونوں اس کے پاس ﴿فَقُوْلَاۤ﴾ پس دونوں کہو ﴿اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ﴾ بے شک ہم دونوں آپ کے رب کے رسول ہیں۔ دیکھو! رب کے لفظ میں توحید کا ذکر آ گیا اور رَسُوْلَا کے لفظ میں رسالت کا ذکر آ گیا اور قیامت کے متعلق بھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ﴾ "بے شک قیامت آنے والی ہے۔" اور تینوں عقیدے بنیادی ہیں:

①.....توحید ②..... رسالت ③.....قیامت

روسیوں کی غلامی

ان تین عقیدوں کے بعد بنی اسرائیل کی آزادی کا ذکر ہے کیوں کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا ان پر بڑا ظلم کرتے تھے ان کو پورا حق نہیں دیتے تھے جیسے روس میں کاشتکار جو بوتے ہیں گاجر مولی وغیرہ اس علاقے کے افسر مجاز کے بغیر خود بھی نہیں کھا سکتے۔ اسی طرح اونٹ، بکریاں چرانے والے بھینس رکھنے والا خود دودھ نہیں پی سکتا قانوناً گرفت ہے جب تک وہ افسر سے پوچھ نہ لے کہ میں پاؤ آدھ کلو دودھ پی لوں۔ اس وقت روس میں یہ کچھ ہے کہ جو کچھ ہوگا حکومت کی اجازت سے ہوگا۔

جہادِ افغانستان کی برکت

اس غلامی میں وہ ستر سال رہے اب اللہ تعالیٰ کے فضل اور طالبان کی برکت سے افغانستان جہاد کی برکت سے سولہ ریاستیں روس کے ہاتھ سے نکل گئی ہیں اور ان میں بعض ریاستیں وہ ہیں جن میں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ وہاں پرانی مساجد آج بھی موجود ہیں لیکن کسی کو سیمنٹ گھر بنایا ہوا ہے، کسی کو سینما ہال بنایا ہوا ہے، کسی کو گھوڑوں کے اصطبل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور کسی کو خچروں کے لیے۔ حالاں کہ ایک دور میں وہ علاقہ اسلام کا مرکز تھا۔ تو فرعون نے بنی اسرائیلیوں کو غلام بنا رکھا تھا۔ فرمایا ہم دونوں آپ کے رب کے رسول ہیں ﴿فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ﴾ پس بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو ان کو مصر سے رہائی دو ہم ان کو اپنے آبائی علاقہ ارض مقدس شام کا علاقہ جہاں سے آئے تھے وہاں لے جانا چاہتے ہیں کیوں کہ حضرت یوسف علیہ السلام یہاں آئے تھے اور ان کی وجہ سے یعقوب علیہ السلام بھی خاندان کے ساتھ یہاں آئے تھے ﴿وَلَا تُعَذِّبْهُمْ﴾ اور ان کو عذاب نہ دے، ان کو سزا نہ دے ہم ان کی رہائی کا مطالبہ کرتے ہیں ان کو آزاد کر کے ہمارے ساتھ بھیج دے ﴿قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ﴾ تحقیق ہم لائے ہیں تیرے پاس نشانی تیرے رب کی طرف سے۔

دوسری جگہ تفصیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب لاٹھی ڈالی تو اژدھا بن گیا فرعون اونچے تخت پر کرسی کے اوپر تاج پہن کر بیٹھا تھا جب اژدھا نے اس کی طرف رخ کیا تو وہ کرسی سے گر گیا۔ فرعون نیچے اور کرسی اوپر تھی تمام عمائد مشیر گھبرا گئے مگر باہر نہیں نکلے کہ فرعون کہے گا تم سختی کے وقت مجھے چھوڑ کر چلے گئے کیوں کہ بڑا سخت گیر تھا۔ سورہ دخان آیت نمبر ۳۱ میں ہے ﴿اِنَّهٗ كَانَ

عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾ " بے شک وہ مغرور حد سے بڑھنے والا تھا۔" یہ نشانی دیکھ کر فرعون نے کہا کہ ہمیں بھی موقع دو ہم بھی سانپ نکالیں گے۔ فرمایا ﴿وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى﴾ اور سلام ہو اس پر جس نے پیروی کی ہدایت کی۔ غیر مسلم کو جب سلام کرو تو ان الفاظ کے ساتھ کرو ﴿وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى﴾ یعنی اگر غیر مسلم تمھیں سلام کرے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ تو تم اس کے جواب میں کہو ﴿السَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى﴾۔ آگے واقعہ آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ!

﴿إِنَّا﴾ بے شک ہم ﴿قَدْ أُوْحِيَ إِلَيْنَآ﴾ وحی بھیجی گئی ہے ہماری طرف ﴿أَنَّ الْعَذَابَ﴾ بے شک عذاب ﴿عَلٰى مَنْ كَذَّبَ﴾ اس شخص پر ہوگا جس نے جھٹلایا ﴿وَتَوَلّٰى﴾ اور اعراض کیا ﴿قَالَ﴾ فرعون نے کہا ﴿فَمَنْ رَّبُّكُمَا﴾ کون ہے تم دونوں کا رب ﴿يٰمُوْسٰى﴾ اے موسیٰ علیہ السلام! ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿رَبُّنَا الَّذِيْٓ﴾ ہمارا رب وہ ہے ﴿أَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ﴾ جس نے ہر شے کو اس کی خلقت دی ﴿ثُمَّ هَدٰى﴾ پھر اس کی راہنمائی کی ہے ﴿قَالَ﴾ کہا فرعون نے ﴿فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْأُوْلٰى﴾ کیا حال ہے ان جماعتوں کا جو پہلے تھیں ﴿قَالَ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ﴾ ان کا علم میرے رب کے پاس ہے ﴿فِيْ كِتٰبٍ﴾ محفوظ ہے کتاب میں ﴿لَا يَضِلُّ رَبِّيْ﴾ نہیں بہکتا میرا رب ﴿وَلَا يَنْسَى﴾ اور نہ بھولتا ہے ﴿الَّذِيْ﴾ رب وہ ہے ﴿جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ﴾ جس نے بنائی ہے تمھارے لیے زمین ﴿مَهْدًا﴾ بچھونا ﴿وَّسَلَكَ لَكُمْ﴾ اور چلائے اس نے تمھارے لیے ﴿فِيْهَا﴾ اس زمین میں ﴿سُبُلًا﴾ راستے ﴿وَّأَنْزَلَ﴾ اور نازل کیا اس نے ﴿مِنَ السَّمَآءِ﴾ آسمان کی طرف سے ﴿مَآءً﴾ پانی ﴿فَأَخْرَجْنَا بِهٖٓ﴾ پس نکالیں ہم نے اس پانی کے ذریعے ﴿أَزْوَاجًا﴾ قسم قسم کی ﴿مِّنْ نَّبَاتٍ﴾ سبزیاں ﴿شَتّٰى﴾ مختلف ﴿كُلُوْا﴾ کھاؤ ﴿وَارْعَوْا﴾ اور چراؤ ﴿أَنْعَامَكُمْ﴾ اپنے مویشیوں کو ﴿إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ﴾ بے شک اس میں ﴿لَأٰيٰتٍ﴾ کئی نشانیاں ہیں ﴿لِّأُولِي النُّهٰى﴾ عقلمندوں کے لیے۔

گزشتہ درس میں یہ بات بیان ہوئی تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی اور دو معجزے عصا مبارک اور ید بیضاء دے کر فرمایا کہ جاؤ فرعون کو سمجھاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے اور بات کرنا نرمی کے ساتھ تاکہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر جائے۔ دونوں پیغمبروں نے اس کو توحید و رسالت سمجھائی اور قیامت کا حق ہونا پہلے بیان ہو چکا تھا اور یہ بھی فرمایا ﴿فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ﴾ "بنی اسرائیل کو آزادی دے کر ہمارے ساتھ بھیج دو۔" کہ ہم ان کو اپنے آبائی علاقہ ارض مقدس میں لے جائیں۔ اور ان کو سزا نہ دے اور سلامتی اُس پر ہے جس نے ہدایت کی پیروی کی۔

اسی سلسلے میں فرمایا ﴿إِنَّا قَدْ أُوْحِيَ إِلَيْنَآ﴾ بے شک ہم تحقیق وحی کی گئی ہے ہماری طرف۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

ہماری طرف یہ پیغام بھیجا گیا ہے ﴿اَنَّ الْعَذَابَ﴾ بے شک عذاب، سزا، گرفت ﴿عَلٰی مَنْ كَذَّبَ﴾ اس پر ہوگی جس نے حق کو جھٹلایا ﴿وَتَوَلّٰی﴾ اور عملی طور پر اس نے حق سے گریز کیا یقیناً جو حق کو نہیں مانتا اور اس پر عمل نہیں کرتا اس کو عذاب ضرور ہوگا۔
چوں کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے فرمایا تھا ﴿اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ﴾ بے شک ہم تیرے رب کے رسول ہیں تو ﴿قَالَ﴾ فرعون نے کہا ﴿فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰی﴾ پس کون ہے تم دونوں کا رب اے موسیٰ علیہ السلام۔ کیوں کہ فرعون منحوس کا بھی دعویٰ تھا ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی﴾ "میں تمھارا اعلیٰ رب ہوں۔" حقیقت شناس تو حقیقت کو سمجھتے تھے مگر ڈر کے مارے مانتے تھے اور کہتے تھے تم رب ہو۔ تو فرعون نے کہا تم دونوں کا رب کون ہے؟

اللہ تعالیٰ کی شان

﴿قَالَ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ﴾ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت دی ہے پیدا کیا ہے پیدا کرنے کے بعد ﴿ثُمَّ هَدٰی﴾ پھر ان کی راہنمائی کی ہے۔ دیکھو! بچہ پیدا ہونے کے بعد پستان ڈھونڈتا ہے چوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی روزی ماں کے پیٹ میں رکھی ہے پستان منہ میں ڈالو تو چوستا ہے یہ سبق اس کو کس نے دیا ہے کہ تیری خوراک ماں کے پستانوں میں ہے اس طرح تم چوسو گے تو نکلے گا، کس استاد نے اس کو پڑھایا ہے؟ یہ اس کو اللہ تعالیٰ نے فطرتاً بتلایا ہے ﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ [سورہ بلد] "اور ہم نے انسانوں کو دو گھاٹیاں بتادیں۔" چھوٹے بچوں کو تم نے دیکھا ہوگا کہ اگر ان کی آنکھ میں خارش ہو تو الٹے ہاتھ سے ملتے ہیں انگلیوں سے نہیں کرتے۔ بعض غافل قسم کی مائیں ہوتی ہیں بچوں کے ناخن نہیں کاٹتیں وہ نازک آنکھ میں لگ جائیں تو آنکھ کو نقصان ہوتا ہے اس لیے بچے فطرتاً اُلٹا ہاتھ ملتے ہیں۔ ہماری پیدائش جنگلی علاقے کی ہے ہم جانور چراتے تھے، بھیڑ، بکریاں، گائیں، بھینسیں بڑا عمدہ قسم کا گھاس ہوتا تھا مگر جانور اس کو منہ نہیں لگاتے تھے اور خشک اور گندے مندے کو کھا لیتے تھے ہم اس گھاس کو اکھیڑ کر لے جاتے اپنے والد مرحوم اور دادا مرحوم کے پاس کہ جانور یہ سبزہ نہیں کھاتے خشک ہونے کے بعد کھا لیتے ہیں تو ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ رب تعالیٰ نے ان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ یہ گھاس ہرا بھرا تمھارے لیے مضر ہے سونگھ کے چھوڑ دیتے ہیں نہیں کھاتے اور خشک ہونے کے بعد اس سے زہریلا مادہ ختم ہو جاتا ہے کھا لیتے ہیں۔

بندروں کا واقعہ

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ سنایا کہ ہندوستان کے ایک شہر میں ہم گئے وہاں بندر بہت تھے اور جس ساتھی کے پاس گئے اس کا مکان بھی شہر کے کنارے پر تھا بندر آ کے روٹیاں اٹھا کر درختوں پر چڑھ جاتے اور دکھا دکھا کے کھاتے۔ گھر والے بڑے تنگ آ گئے پہرہ بھی دیتے مگر بندر بڑا چالاک جانور ہے ذرا سا اِدھر اُدھر ہوئے اٹھا کے لے جاتے۔ کسی نے ان کو کہا کہ آٹے میں زہر ملا کر روٹی پکاؤ اور اہل خانہ کو بتا دو تا کہ وہ نہ کھائیں بندر کھائیں گے مر جائیں گے۔ چنانچہ

انھوں نے ایسا ہی کیا آٹے میں زہر ڈال کر روٹیاں پکا کر رکھیں بندر آئے سونگھ کر چلے گئے لیکن کھائیں نہیں۔ حالانکہ انھوں نے زہر ڈالتے ہوئے دیکھا بھی نہیں تھا۔ بندر جنگل کی طرف گئے وہاں سے کسی بوٹی کے پتے لے کر آئے اور روٹیاں کھاتے اور اوپر سے وہ پتہ بھی کھا لیتے۔ وہ پتے زہر کا تریاق تھے روٹیاں کھا گئے اور ان کو کچھ بھی نہ ہوا۔ تو یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی فطرت میں رکھی ہیں یہ ہدایت کس نے دی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو ہر شئے کو پیدا بھی کیا اور اس کی راہنمائی بھی فرمائی۔

﴿قَالَ﴾ فرعون نے کہا ﴿فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی﴾۔ قرون قرن کی جمع ہے لغت میں قرن کے متعدد معانی آئے ہیں۔ صدی کو بھی قرن کہتے ہیں، جماعت کو بھی قرن کہتے ہیں اور جو ایک دور اور صدی میں جماعت رہے اس کو بھی قرن کہتے ہیں۔ یہاں جماعت کے معنٰی میں ہے۔ ہر جمعہ کے خطبے میں تم سنتے ہو خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ "اس وقت بہترین جماعت میرے زمانے والی ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پھر وہ جماعت ہوگی جو ان سے ملے گی تابعین رحمہم اللہ پھر وہ جماعت ہوگی جو ان سے ملے گی تبع تابعین کی جماعت۔" یہ تینوں زمانے بہترین زمانے ہیں ان کو خیر القرون کہتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان زمانوں میں گناہ نہیں ہوئے گناہ تو ہوتے رہے ہیں زنا بھی ہوا، ڈاکے بھی ہوئے، سزائیں بھی ہوئی ہیں ، ہاں! مجموعی حیثیت سے یہ دور بعد کے ادوار سے اور بعد کے زمانوں سے بہت اچھے تھے۔ افغانستان میں طالبان کا جو علاقہ ہے وہاں چوریاں بھی ہوتی ہیں ڈاکے بھی پڑتے ہیں لیکن قرآن وسنت کے مطابق باقاعدہ سزا ملتی ہے۔

تو فرعون نے پوچھا کہ جو پہلے جماعتیں گزر چکی ہیں ان کا کیا حال ہے۔ اصل میں فرعون بڑا شریر آدمی تھا دوسرے مقام پر آتا ہے اور آپ حضرات پڑھ چکے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو کہا کہ میں تیرے بارے میں خیال کرتا ہوں کہ تو ہلاک ہونے والا ہے کیوں کہ تو گندے خیالات والا ہے۔ تو فرعون نے کہا کہ جو پہلے لوگ تھے ہمارے آباؤ اجداد ان کا کیا حال ہے؟ فرعون کا مقصد یہ تھا کہ یہ کہیں گے کہ وہ ہلاک ہوئے ہیں تو یہ میری مجلس والے لوگ ان کے خلاف ہو جائیں گے۔ فرعون مصر کے بادشاہ کا لقب تھا یہ کسی کا ذاتی نام نہیں ہے، بہت سارے فرعون گزرے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون تھا اس کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا یہ بڑا شاطر قسم کا آدمی تھا جیسے آج کل کے لیڈر ہیں اسی طرح کا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں جو فرعون تھا اس کا نام ریان بن ولید تھا رحمہ اللہ تعالیٰ۔ یہ بڑا نیک سیرت آدمی تھا اس کا نیکی کا اندازہ تم یہاں سے لگاؤ کہ جب اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کا کلمہ پڑھا تو یوسف علیہ السلام کو کہا کہ اب یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تمھارا کلمہ پڑھنے کے بعد شاہی کرسی پر بیٹھوں اب یہ حکومت میں تمھارے سپرد کرتا ہوں۔ حالاں کہ آج کل چوکیدار اپنی کرسی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے بادشاہی چھوڑنا بڑا مشکل اور بڑے جگرے کی بات ہے۔

تو فرعون مصر کے بادشاہوں کا لقب تھا کہنے لگا جو پہلے ہمارے آباؤ اجداد گزرے ہیں ان کا کیا حال ہے؟ ﴿قَالَ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿عِلْمُھَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ﴾ ان کا علم میرے رب کے پاس ہے کتاب میں لوح محفوظ میں تم اپنی فکر کرو تمھیں ان کی کیا فکر ہے۔ مسئلہ سمجھ لیں کہ لوح محفوظ میں مخلوق کی پیدائش سے لے کر اختتام تک کے سب حالات درج ہیں

لیکن اس سے پہلے ازل میں جو کچھ تھا وہ اس میں درج نہیں ہے اور ابد کے جو حالات ہوں گے وہ بھی اس میں درج نہیں ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور لوح محفوظ اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں کروڑ در کروڑ در کروڑ واں حصہ بھی نہیں ہے۔ رب تعالیٰ کا علم ازلی اور ابدی ہے۔ فرمایا ان کے حالات کا علم میرے رب کے پاس ہے لوح محفوظ میں ﴿لَا يَضِلُّ رَبِّي﴾ میرا رب بھٹکتا نہیں اس سے خطا نہیں ہوتی ﴿وَلَا يَنْسَى﴾ اور نہ میرا رب بھولتا ہے۔

مخلوق میں چاہے کوئی کتنے بڑے درجے کا ہو بھول جاتا ہے آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی سے بڑی شخصیت خدا کی مخلوق میں کوئی نہیں ہے اور نہ ہی ہوگی آپ بھی بھول جاتے تھے۔ نماز میں آپ پانچ چھ دفعہ بھولے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز میں دو رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیا۔ اس نماز میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے فَهَابَاهُ کچھ ہیبت زدہ ہو گئے پوچھ نہ سکے، لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ حضرت خرباق رضی اللہ عنہ جن کی کنیت ذوالیدین اور ذوالشمالین تھی انھوں نے کہا حضرت اَقُصِرَتِ الصَّلٰوةُ اَمْ اَنْتَ نَسِيْتَ کیا نماز مختصر ہو گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ نہ نماز کم ہوئی ہے اور نہ بھولا ہوں۔ کہنے لگے حضرت! نماز پوری نہیں ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے حاضرین سے پوچھا: اَصَدَقَ ذُوالْيَدَيْنِ کیا ذوالیدین ٹھیک کہتا ہے؟ ساتھیوں نے کہا حضرت! نَعَمْ آپ نے دو رکعتیں پڑھائی ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے دو رکعتیں اور پڑھائیں اور سجدہ سہو کیا۔

فرمایا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ میں بھی بشر ہوں جب بھول جایا کروں تو مجھے یاد کرا دیا کرو۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب نماز میں سلام کلام گفتگو کی اجازت تھی بعد میں اُمِرْنَا بِالسُّكُوْتِ وَ نُهِيْنَا عَنِ الْكَلَامِ ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور بات کرنے سے منع کر دیا گیا۔ اب اگر کوئی بھول کر بھی کلام کرے گا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ تو رب نہیں بھولتا ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ [مریم: ۶۴] اور مخلوق، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری انسان کی فطرت میں ہے بھولنا۔ ﴿فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾ [طٰہٰ: ۱۱۵] "پس بھول گئے آدم علیہ السلام اور نہ پائی ہم نے ان کے لیے پختگی۔"

تو فرمایا میرا رب نہ خطا کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے ﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا﴾ رب وہ ہے جس نے بنائی زمین تمھارے لیے بچھونا، اس پر رہنے کے لیے مکان بناتے ہو اور اس پر چلتے پھرتے ہو ﴿وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا﴾۔ سُبُلٌ سَبِيْلٌ کی جمع ہے سبیل کا معنیٰ راستہ، اور چلائے اس اللہ تعالیٰ نے اس زمین میں تمھارے لیے راستے تاکہ آسانی کے ساتھ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو ﴿وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ اور اتارا آسمان کی طرف سے پانی، بارش برسائی ﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا﴾۔ اَزْوَاج زوج کی جمع ہے معنیٰ ہے جوڑے۔ پس نکالے ہم نے اس پانی کے ذریعے قسم قسم کی ﴿مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى﴾ سبزیاں مختلف، گرم بھی سرد بھی، سفید بھی سرخ بھی، میٹھی بھی کڑوی بھی (اور جوڑے جوڑے کا معنیٰ نر مادہ بھی ہے ہر چیز میں نر مادہ ہوتا ہے۔ بلوچ)

﴿كُلُوْا﴾ کھاؤ جو چیزیں زمین سے پیدا ہوتی ہیں ﴿وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ﴾۔ اَنْعَام نَعَمٌ کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے مویشی اور چراؤ اپنے مویشیوں کو۔ قرآن پاک میں ایک مستقل سورت ہے سورۃ الانعام۔ اس میں ذکر ہے آٹھ قسم کے جانوروں

کا ﴿مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ﴾ "بھیڑوں میں سے دو (نر مادہ) اور بکریوں میں سے دو (نر مادہ)" ﴿وَ مِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ﴾ اور اونٹوں میں سے دو (نر مادہ) ﴿وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ﴾ اور گائے میں سے دو (نر مادہ)۔" فقہائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں اَلْجَامُوْسُ نَوْعٌ مِّنَ الْبَقَرِ۔ جاموس میم کے ساتھ بھی لکھتے ہیں اور شین کے ساتھ بھی، جاموس کا معنیٰ بھینس ہے پنجابی میں مجھ بھینسا، یہ بھی بقر کی قسم ہے۔ تو یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے پیدا فرمائی ہیں ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ﴾ بے شک ان چیزوں میں جن کا ذکر ہوا ہے کہ اس نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اس میں تمھارے لیے راستے چلائے قسم قسم کی سبزیاں تمھارے لیے پیدا فرمائیں اس میں نشانیاں ہیں ﴿لِّاُولِی النُّهٰی﴾۔ نُهٰی نُهْیَةٌ کی جمع ہے نُهْیَه کا معنیٰ ہے روکنے والی چیز۔

عقل کا معنیٰ ؟

عقل کا معنیٰ بھی روکنے والی چیز ہے اور عقل کو عقل بھی اس لیے کہتے ہیں کہ یہ انسان کو برائی سے روکتی ہے۔ عقال اسی کو کہتے ہیں جو چیزیں اس میں باندھی جاتی ہیں وہ ان چیزوں کو بکھرنے سے روکتی ہے۔ بار بار قرآن میں آتا ہے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ، اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ "کیا تمھیں عقل نہیں ہے، کیا انہیں عقل نہیں ہے۔" اور سورۃ الملک میں آتا ہے ﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ﴾ "اگر ہم سنتے یا ہم عقل سے کام لیتے تو ہم دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے۔" یہ کافر کہیں گے۔ اس کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی میں اور مولانا عبدالحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر حقانی میں فرماتے ہیں ﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ﴾ کا معنیٰ ہے ہم تقلید کرتے ﴿اَوْ نَعْقِلُ﴾ کا معنیٰ ہے یا ہم خود مجتہد ہوتے تو ہم دوزخیوں میں سے نہ ہوتے۔ تو جہنم سے بچانے والی دو چیزیں ہیں یا تو بندہ خود مجتہد ہو بات کی حقیقت کو سمجھے اگر خود نہیں سمجھتا تو پھر دوسرے کی بات سنے۔ اگر اجتہاد بھی نہیں اور تقلید بھی نہیں تو پھر اس کے لیے دوزخ ہی ہے اور کچھ نہیں ہے۔ پھر بے راہ ہو کر جدھر جانا چاہتا ہے جائے۔ تو نُهیه کا معنیٰ عقل اور نُهٰی کا معنیٰ عقول۔ تو ان چیزوں میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو عقل سلیم عطا فرمائے اور دوزخ سے بچائے۔

﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ﴾ اسی زمین سے ہم نے تمھیں پیدا کیا ﴿وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ﴾ اور اسی میں تمھیں لوٹائیں گے ﴿وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ﴾ اور اسی زمین سے ہم تمھیں نکالیں گے ﴿تَارَةً اُخْرٰی﴾ دوسری مرتبہ ﴿وَ لَقَدْ اَرَیْنٰهُ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے دکھائیں اس فرعون کو ﴿اٰیٰتِنَا﴾ اپنی نشانیاں ﴿كُلَّهَا﴾ سب ﴿فَكَذَّبَ﴾ پس اس نے جھٹلایا ﴿وَ اَبٰی﴾ اور انکار کیا ﴿قَالَ﴾ کہا فرعون نے ﴿اَجِئْتَنَا﴾ کیا آپ آئے ہیں ہمارے پاس ﴿لِتُخْرِجَنَا﴾ تاکہ آپ نکال دیں ہمیں ﴿مِنْ اَرْضِنَا﴾ ہماری زمین سے ﴿بِسِحْرِكَ﴾ اپنے جادو کے زور سے ﴿یٰمُوْسٰی﴾ اے موسیٰ علیہ السلام ﴿فَلَنَاْتِیَنَّكَ﴾ پس ہم ضرور لائیں گے آپ کے پاس ﴿بِسِحْرٍ﴾ جادو ﴿مِّثْلِهٖ﴾ اس جیسا ﴿فَاجْعَلْ﴾ پس مقرر کر

﴿بَیْنَنَا﴾ ہمارے درمیان ﴿وَبَیْنَكَ﴾ اور اپنے درمیان ﴿مَوْعِدًا﴾ ایک وعدے کا وقت ﴿لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ﴾ نہ ہم خلاف ورزی کریں وعدے کی ﴿وَلَاۤ اَنْتَ﴾ اور نہ آپ ﴿مَكَانًا سُوًى﴾ وہ جگہ برابر ہو ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿مَوْعِدُكُمْ یَوْمُ الزِّیْنَةِ﴾ وعدہ تمھارا ہے عید کا دن ﴿وَاَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى﴾ اور یہ کہ لوگ جمع کیے جائیں گے چاشت کے وقت ﴿فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ﴾ پس پھرا فرعون ﴿فَجَمَعَ كَیْدَهٗ﴾ پس جمع کیا اس نے اپنی تدبیر کو ﴿ثُمَّ اَتٰى﴾ پھر وہ آیا ﴿قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى﴾ فرمایا ان کو موسیٰ علیہ السلام نے ﴿وَیْلَكُمْ﴾ خرابی ہے تمھارے لیے ﴿لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ نہ افتراء باندھو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا ﴿فَیُسْحِتَكُمْ﴾ پس وہ تمھیں ہلاک کر دے گا ﴿بِعَذَابٍ﴾ عذاب کے ساتھ ﴿وَقَدْ خَابَ﴾ اور تحقیق نامراد ہوا ﴿مَنِ﴾ وہ شخص ﴿افْتَرٰى﴾ جس نے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھا ﴿فَتَنَازَعُوْۤا اَمْرَهُمْ﴾ پس جھگڑا کیا انھوں نے اپنے معاملے کا ﴿بَیْنَهُمْ﴾ آپس میں ﴿وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى﴾ اور مخفی رکھا انھوں نے اپنی سرگوشی کو۔

یہ بات چلی آرہی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بڑے بھائی ہارون علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی اور حکم دیا کہ تم دونوں جا کر فرعون کو تبلیغ کرو انھوں نے جا کر فرعون کو کہا کہ ہم دونوں تیرے رب کے رسول ہیں تو رب کے لفظ میں توحید کا ذکر آ گیا اور رسول کے لفظ میں رسالت کا ذکر آ گیا اور قیامت کے حق ہونے کا ذکر بھی۔ پھر بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا۔ جب انھوں نے کہا کہ ہم آپ کے رب کے رسول ہیں تو فرعون نے کہا تمھارا رب کون ہے؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جس نے ہر شے کو خلقت دی اور راہنمائی کی۔ جس نے زمین کو تمھارے لیے بچھونا بنایا اور اس میں تمھارے لیے راستے بنائے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ کی تشریح

اسی زمین کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ﴾ اسی زمین سے ہم نے تمھیں پیدا کیا ہے ﴿وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ﴾ اور اسی زمین میں ہم تمھیں لوٹائیں گے ﴿وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾ اور اسی زمین سے ہم تمھیں نکالیں گے دوسری مرتبہ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ تمام روئے زمین سے تھوڑی تھوڑی مٹی لے کر اس کو گوندھا اور خمیر بنایا اور اس پر کئی سال گزرے اس کو خشک کیا اس مٹی کے خلاصے سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا ﴿خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ﴾ [آل عمران:۵۹] تراب کا معنیٰ خشک مٹی اور طین کا معنیٰ گارا۔ پھر صَلْصَال کے لفظ بھی آتے ہیں وہ گارا خشک ہوا کَالْفَخَّار ٹھیکری کی طرح بجنے لگا۔ اس طرح آدم علیہ السلام کی خلقت ہوئی اور آگے نسل چلی۔

تو فرمایا کہ ہم نے تمھیں اسی زمین سے پیدا کیا اور اسی میں دوبارہ لوٹائیں گے۔ مرنے کے بعد قبروں میں تم نے جانا ہے اور دوسری مرتبہ ہم تمھیں اسی زمین سے نکالیں گے چاہے تم ریزہ ریزہ ہو جاؤ۔ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں ہے کہ قبر پر مٹی

ڈالنا لازم ہے جتنی مٹی نکالی ہے اتنی ڈالنی پڑے گی اور جو حضرات مٹی ڈالیں گے ان کے لیے مستحب ہے کہ کم از کم تین چلو مٹی کے قبر پر ڈالیں۔ پہلی مٹھی لے کر کہیں ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ﴾ اور دوسری مٹھی ڈالتے وقت کہیں ﴿وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ﴾ اور تیسری مٹھی پر کہیں ﴿وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾ فرض واجب نہیں مستحب ہے۔ مؤکدہ بھی نہیں ہے، اچھی بات ہے۔ اس مقام پر اجمال ہے دوسرے مقام پر تفصیل ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اگر آپ پیغمبر ہیں تو کوئی نشانی دکھائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے نشانی دکھائی کہ لاٹھی زمین پر ڈالی وہ اژدہا بن گئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا﴾ اور البتہ تحقیق دکھائیں ہم نے فرعون کو اپنی نشانیاں ﴿كُلَّهَا﴾ سب۔ نو معجزے تھے موسیٰ علیہ السلام کے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ لاٹھی ڈالتے سانپ بن جاتی تھی اژدہا بن جاتا تھا، ہاتھ گریبان میں ڈالتے تھے سورج کی طرح چمکتا تھا اور باقی سات کا ذکر نویں پارے میں ہے۔ طوفان، مکڑی، مینڈک اور کھانے پینے کی چیزوں کا خون بن جانا وغیرہ۔ ﴿فَكَذَّبَ وَاَبٰى﴾ پس فرعون نے جھٹلایا اور انکار کیا، کہا نہیں مانتا۔ اُلٹا ﴿قَالَ﴾ کہا فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو ﴿اَجِئْتَنَا﴾ کیا آپ آئے ہیں ہمارے پاس ﴿لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى﴾ تاکہ آپ نکال دیں ہمیں ہماری زمین سے اے موسیٰ، یہ زور دکھا کر، مرعوب کر کے آپ ہمیں مصر کی زمین سے نکالنا چاہتے ہیں ﴿فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ﴾ پس ہم لائیں گے آپ کے پاس آپ کے مقابلے کے لیے جادو اس جیسا۔ اس زمانے میں جادوگر لاٹھیاں ڈالتے تھے سانپ بن جاتی تھیں، رسیاں ڈالتے تھے سانپ بن جاتی تھیں۔ فرعون نے کہا اگر تم سانپ نکال سکتے ہو تو ہم بھی نکال سکتے ہیں پس اب اس طرح کرو ﴿فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا﴾ پس مقرر کر ہمارے درمیان اور اپنے درمیان وعدے کی جگہ، وعدے کا وقت۔ کس وقت تم میدان میں آؤ گے تاکہ ہم بھی آئیں لیکن ﴿لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ﴾ نہ ہم خلاف ورزی کریں وعدے کی ﴿وَلَآ اَنْتَ﴾ اور نہ آپ کریں اور ﴿مَكَانًا سُوًى﴾ اور جگہ برابر ہو، ہموار ہو تاکہ سب دیکھ سکیں۔

حق و باطل کے مقابلہ کا دن

مصر سے باہر ایک میدان تھا اس میں کسی جگہ گھوڑے دوڑاتے تھے، کسی جگہ بچے کھیلتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ جو باہر بڑا میدان ہے یہ جگہ ہوگی اور ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ﴾ تمہارے وعدے کا دن عید کا دن ہے۔ عید والے دن چھٹی ہوتی ہے سب لوگ فارغ ہوتے ہیں سب حق و باطل کا مقابلہ دیکھیں گے ﴿وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى﴾ اور یہ کہ لوگ جمع کیے جائیں گے چاشت کے وقت۔ جگہ بھی بڑی موزوں متعین فرمائی اور وقت بھی بڑا اچھا مقرر کیا چنانچہ بات طے ہوگئی فرعون نے پورے ملک میں اعلان کرایا۔ قرآن پاک میں دوسری جگہ آتا ہے کہ فرعون کو سرداروں نے کہا بھیج دے مختلف شہروں میں اکٹھا کرنے والے تاکہ وہ لائیں تمہارے پاس ہر قسم کا جادوگر ﴿فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ [الشعراء: ۳۸] "پس اکٹھے کیے گئے جادوگر ایک معلوم دن کے وعدے پر۔" جادوگر قریب، دور سے آگئے۔ ان کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات آتی

ہیں، ستر ہزار، بہتر ہزار کی تعداد تفسیر ابن کثیر، درِ منثور اور روح المعانی وغیرہ میں لکھی ہے۔ اب بہتر ہزار تو صرف جادوگر تھے باقی مخلوق کتنی ہوگی اندازہ لگالو۔

چھٹی کا دن تھا اور اس کے لیے باقاعدہ اعلان ہوا کرسیاں لگی ہوئی ہیں فرعون آ کر بیٹھ گیا وزیر اعظم ہامان آ کر بیٹھ گیا مشیر، وزیر، عملہ، فوج، پولیس سب ایک طرف اکٹھے تھے اور دوسری طرف چند درویش اکٹھے ہیں موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بڑے بھائی ہارون علیہ السلام۔ موسیٰ علیہ السلام نے اون کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ ان چند آدمیوں کو دیکھ کر لوگوں نے تالیاں بجانی شروع کر دیں کہ یہ مقابلہ کریں گے اس دنیا کے ساتھ اور ظاہر تو ایسے ہی نظر آ رہا تھا ﴿فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ﴾ پس پھرا فرعون ﴿فَجَمَعَ كَيْدَهٗ﴾ پس اس نے جمع کیا اپنی تدبیر کو، سب جادوگر لایا ﴿ثُمَّ اَتٰى﴾ پھر موقع پر آیا ﴿قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى﴾ پہلے موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو کہا ﴿وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ خرابی ہے تمھارے لیے نہ افتراء باندھو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا میں رب تعالیٰ کے حکم سے آیا ہوں اور رب تعالیٰ کی تائید مجھے حاصل ہے۔ اگر تم حق کا مقابلہ کرو گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اپنے آپ کو سچا سمجھتے ہو اور اپنے کرتب کو رب تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہو یہ رب تعالیٰ پر افترا باندھنے کے مترادف ہے ﴿فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ﴾ پس وہ تمھیں ہلاک کر دے گا عذاب کے ساتھ ﴿وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى﴾ اور تحقیق نامراد ہو گیا جس نے رب تعالیٰ پر افتراء باندھا لہٰذا تم میرا مقابلہ کرنے سے باز آ جاؤ ﴿فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ﴾ پس جھگڑا کیا انھوں نے اپنے معاملے کا آپس میں۔ جھگڑا کس بات کا تھا؟ اس کا بھی ذکر ہے۔

جادوگروں نے کہا دیکھو ہم دور دراز سے آئے ہیں خرچہ کر کے اور خادم بھی ہمارے ساتھ ہیں، کسی کے دو خادم تھے، کسی کے تین تھے، کسی کے چار تھے، کوئی سو میل سے آیا ہے، کوئی دو سو میل سے آیا ہے پہلے اس کو مناؤ کہ ہمیں خرچہ دے گا کہ نہیں۔ کیوں کہ یہ ظالم جابر ہے لوگوں سے بیگار لیتا ہے مزدوری نہیں دیتا۔ یہ مشہور تھا کہ وہ ایسا کرتا ہے لہٰذا پہلے طے کرلو۔ چنانچہ سب مل جل کر کہنے لگے ﴿اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ﴾ "کہ بے شک ہمارے لیے اجر ہوگا اگر ہم غالب آ گئے۔" ﴿قَالَ﴾ "فرعون نے کہا ﴿وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾ [اعراف: ۱۱۳-۱۱۴] ہاں یقیناً تم البتہ مقربین میں سے ہوگے۔" تمھیں خرچہ بھی ملے گا اور تمھیں خطابات بھی ملیں گے۔ جو کوئی اچھے کارنامے دکھائے حکومت انھیں خطابات بھی دیتی ہے۔

بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ﴾ سے مراد یہ ہے کہ جادوگروں نے آپس میں اس بات پر تنازع کیا کہ اجرت مانگیں یا نہ مانگیں۔ ایک گروہ نے کہا کہ مانگو بادشاہ ہے ضرور دے گا اور دوسرے گروہ نے کہا نہ مانگو مانگنے سے ہماری خفت ہوگی۔ اور بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں جادوگروں میں کچھ سمجھ دار تھے جو اپنے جادو کی حقیقت کو جانتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کو بھی آنکھوں سے دیکھ رکھا تھا کہ لاٹھی ڈالتے ہیں تو وہ اژدہا بن جاتی ہے پھر ہاتھ رکھتے ہیں تو لاٹھی بن جاتی ہے اور بعض نے یقین کی حد تک سن رکھا تھا۔ تو انھوں نے دوسروں سے جھگڑا کیا کہ مقابلہ نہ کریں ہمارے فن میں اتنی قوت نہیں ہے شرمندہ ہوں گے اس لیے بہتر یہ ہے کہ کوئی حیلہ بہانہ کر کے ٹال دو۔ لیکن یہ بہت تھوڑے تھے اور سمجھ دار ہمیشہ

تھوڑے ہوتے ہیں، حشرات الارض زیادہ ہوتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا سو آدمیوں میں سے سمجھ دار ایک نکلے گا باقی بھرتی ہے۔ تو انھوں نے اس معاملے میں جھگڑا کیا کہ کوئی ایسا بہانہ کرو فرعون مطمئن ہو جائے اور موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ نہ کرنا پڑے ﴿وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى﴾ اور مخفی رکھا انھوں نے اپنی سرگوشی کو۔ آہستہ آہستہ سرگوشی کر کے انھوں نے طے کیا کہ اجر مانگنا چاہیے اور فرعون کے پاس گئے اور اس کو کہا کہ ہمیں کرایہ وغیرہ دو گے؟ اس نے کہا ہاں! دوں گا تمھیں انعام بھی ملے گا اور القابات بھی ملیں گے۔ یہ سب باتیں طے ہوئیں۔ باقی قصہ ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا۔

﴿قَالُوْٓا﴾ کہا ان جادوگروں نے ﴿اِنْ هٰذٰىنِ﴾ نہیں ہیں یہ دونوں بھائی ﴿لَسٰحِرٰنِ﴾ مگر جادوگر ﴿يُرِيْدٰنِ﴾ یہ ارادہ کرتے ہیں ﴿اَنْ﴾ اس بات کا ﴿يُّخْرِجٰكُمْ﴾ کہ تمھیں نکال دیں ﴿مِّنْ اَرْضِكُمْ﴾ تمھاری زمین سے ﴿بِسِحْرِهِمَا﴾ اپنے جادو کے زور سے ﴿وَيَذْهَبَا﴾ اور مٹا دیں ﴿بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى﴾ تمھارے طریقے اور مسلک کو جو عمدہ ہے ﴿فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ﴾ پس جمع کرو تم اپنی تدبیر کو ﴿ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا﴾ پھر آؤ تم صف بندی کے ساتھ ﴿وَقَدْ اَفْلَحَ﴾ اور تحقیق کامیاب ہو گیا ﴿الْيَوْمَ﴾ آج کے دن ﴿مَنِ﴾ وہ شخص ﴿اسْتَعْلٰى﴾ جو غالب آ گیا ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى﴾ کہا ان جادوگروں نے اے موسیٰ (علیہ السلام) ﴿اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ﴾ یا تو آپ ڈالیں ﴿وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ﴾ اور یا ہم ہوں گے ﴿اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى﴾ پہلے ڈالنے والے ﴿قَالَ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿بَلْ اَلْقُوْا﴾ بلکہ تم ڈالو ﴿فَاِذَا حِبَالُهُمْ﴾ پس اچانک ان کی رسیاں ﴿وَعِصِيُّهُمْ﴾ اور ان کی لاٹھیاں ﴿يُخَيَّلُ اِلَيْهِ﴾ ان کے خیال میں ڈالا گیا ﴿مِنْ سِحْرِهِمْ﴾ ان کے جادو کی وجہ سے ﴿اَنَّهَا تَسْعٰى﴾ کہ بے شک وہ دوڑ رہی ہیں ﴿فَاَوْجَسَ﴾ پس محسوس کیا ﴿فِيْ نَفْسِهٖ﴾ اپنے دل میں ﴿خِيْفَةً مُّوْسٰى﴾ خوف موسیٰ علیہ السلام نے ﴿قُلْنَا﴾ ہم نے کہا ﴿لَا تَخَفْ﴾ خوف نہ کریں ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى﴾ بے شک آپ ہی غالب آئیں گے ﴿وَاَلْقِ﴾ اور ڈال دیں ﴿مَا فِيْ يَمِيْنِكَ﴾ جو آپ کے دائیں ہاتھ میں ہے ﴿تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا﴾ نگل لے گا اس کو جو انھوں نے کارروائی کی ہے ﴿اِنَّمَا صَنَعُوْا﴾ بے شک انھوں نے جو کارروائی کی ہے ﴿كَيْدُ سٰحِرٍ﴾ جادوگر کا مکر ہے ﴿وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ﴾ اور جادوگر کامیاب نہیں ہوتا ﴿حَيْثُ اَتٰى﴾ جہاں سے بھی آئے ﴿فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ﴾ پس گر پڑے سب جادوگر ﴿سُجَّدًا﴾ سجدہ کرتے ہوئے ﴿قَالُوْٓا﴾ کہنے لگے ﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى﴾ ہم ایمان لائے ہارون علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے رب پر ﴿قَالَ﴾ فرعون نے کہا ﴿اٰمَنْتُمْ لَهٗ﴾ کیا تم ایمان لاتے ہو اس پر ﴿قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ﴾ پہلے اس سے کہ

میں تم کو اجازت دیتا ﴿اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ﴾ بے شک یہ تمھارا بڑا ہے ﴿الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾ جس نے تم کو جادو سکھایا ہے ﴿فَلَاُقَطِّعَنَّ﴾ پس میں ضرور کاٹوں گا ﴿اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ﴾ تمھارے ہاتھ اور تمھارے پاؤں ﴿مِّنْ خِلَافٍ﴾ الٹے ﴿وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ﴾ اور میں تمھیں ضرور لٹکاؤں گا ﴿فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ کھجور کے تنوں پر ﴿وَ لَتَعْلَمُنَّ﴾ اور تم ضرور جان لو گے ﴿اَیُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا﴾ ہم میں سے کون زیادہ سخت سزا دینے والا ہے ﴿وَّ اَبْقٰى﴾ اور کس کا عذاب پائیدار ہے۔

گزشتہ درس میں یہ بیان ہوا تھا کہ فرعون کے کہنے پر کہ وقت مقرر کرو ہم اپنے جادوگر بلا کر آپ کا مقابلہ کریں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ عید کا دن، چاشت کا وقت اور کھلا میدان ہو۔ چنانچہ فرعون نے اپنے ملک کے مختلف صوبوں سے جادوگر طلب کیے جن کی تعداد بہتر ہزار ذکر کی گئی ہے جو مقابلے میں شریک تھے۔ جس وقت جادوگر سامنے آئے تو ﴿قَالُوْۤا﴾ انھوں نے کہا ﴿اِنْ هٰذٰنِ﴾ یہ اِنْ نافیہ ہے اور ﴿لَسٰحِرٰنِ﴾ کے اوپر جو لام ہے وہ بمعنی اِلَّا ہے معنی ہوگا نہیں ہیں یہ دونوں بھائی مگر جادوگر ﴿یُرِیْدٰنِ﴾ یہ ارادہ کرتے ہیں ﴿اَنْ یُّخْرِجٰكُمْ﴾ اس بات کا کہ تمھیں نکال دیں ﴿مِّنْ اَرْضِكُمْ﴾ تمھاری زمین سے ﴿بِسِحْرِهِمَا﴾ اپنے جادو کے زور کے ساتھ یعنی یہ دونوں بھائی موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام جادوگر ہیں معاذ اللہ تعالیٰ! جادو کے ساتھ مرعوب کر کے ڈرا کے تمھیں ملک سے نکالنا چاہتے ہیں ﴿وَ یَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى﴾ اور مٹا دیں تمھارے طریقے اور مسلک کو جو عمدہ ہے تمھارے آباؤ اجداد سے چلا آ رہا ہے۔ تو سیاسی طور پر یہ زمین پر غلبہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور مذہبی طور پر تمھارے مسلک کو مٹانا چاہتے ہیں۔ ہر ملک میں دو ذہن ہوتے ہیں ایک سیاسی اور ایک مذہبی۔ پہلا جملہ سیاسی لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے کہا اور دوسرا جملہ مذہبی لوگوں کو ابھارنے کے لیے کہا ﴿فَاَجْمِعُوْا كَیْدَكُمْ﴾ پس جمع کرو تم اپنی تدبیر کو ﴿ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا﴾ پھر آؤ تم میدان میں صف بندی کے ساتھ ﴿وَ قَدْ اَفْلَحَ الْیَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى﴾ اور تحقیق کامیاب ہو گیا آج کے دن وہ جو غالب آ گیا۔ چنانچہ میدان میں جمع ہوئے فرعون بھی اور اس کا وزیر اعظم ہامان بھی اور مشیر اور وزیر بھی، بڑا سرکاری عملہ تھا۔ دائم تھی دوسری طرف موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام اور ان کے ساتھ چند اللہ والے تھے۔ اکثریت والوں نے تالیاں بجائیں، قہقہے لگائے کہ یہ مقابلہ کریں گے حکومت کے ساتھ پھر جادوگر آئے موسیٰ علیہ السلام کے پاس ﴿قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى﴾ کہنے لگے اے موسیٰ (علیہ السلام)! ﴿اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ﴾ یا تو آپ ڈالیں ﴿وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى﴾ یا ہم ہوں پہلے ڈالنے والے یعنی آپ نے پہل کرنی ہے یا ہم نے پہل کرنی ہے؟ ﴿قَالَ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿بَلْ اَلْقُوْا﴾ بلکہ تم ڈالو میدان میں جو ڈالنا چاہتے ہو یعنی تم پہل کرو۔

تفسیروں میں ہے کہ بہتر ہزار جادوگر جن کو مقابلے میں شرکت کی اجازت ملی ہر ایک کے پاس ایک موٹی رسی تھی اور ایک لاٹھی تھی اور ہر ایک نے لاٹھی بھی ڈالی اور رسی بھی ڈالی ﴿فَاِذَا حِبَالُهُمْ﴾۔ حِبَالٌ حَبْلٌ کی جمع ہے بمعنی رسی۔ ﴿وَ عِصِیُّهُمْ﴾۔ عِصِیٌّ عَصَا کی جمع ہے بمعنی لاٹھی۔ معنی ہوگا پس اچانک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ﴿یُخَیَّلُ اِلَیْهِ﴾ موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں ڈالا

گیا، ان کے خیال میں ایسا پایا گیا ﴿مِنۡ سِحۡرِهِمۡ﴾ ان کے جادو کی وجہ سے ﴿اَنَّهَا تَسۡعٰى﴾ کہ بے شک وہ لاٹھیاں اور رسیاں دوڑ رہی ہیں۔

رسیوں اور لاٹھیوں کے سانپ بن جانے کی حقیقت ؟

اب اس مقام پر مفسرین کرام رحمہم اللہ میں اختلاف ہے کہ آیا وہ حقیقتاً سانپ بن گئی تھیں یا نہیں؟ حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ انھوں نے لاٹھیوں میں پارہ بھرا ہوا تھا کافی مقدار میں۔ پارے کو عربی میں زیبک کہتے ہیں۔ پارہ گرم ہو تو رسی میں حرکت ہوتی ہے گرمی کا موسم تھا جب انھوں نے لاٹھیوں اور رسیوں میں پارہ ڈال کر زمین پر رکھیں اور پارہ گرم ہوا تو وہ ادھر ادھر دوڑنے لگیں۔ بہتر ہزار جادوگر اور ہر ایک کے پاس لاٹھی اور رسی ہے۔ یہ ایک لاکھ چوالیس ہزار (1,44000) سانپ میدان میں آگئے تو نعرے لگنے شروع ہو گئے عزت فرعون، فرعون زندہ باد، ہمارا طریقہ زندہ باد۔ تو امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ لاٹھیاں اور رسیاں حقیقتاً سانپ نہیں بنی تھیں بلکہ انھوں نے جادو کے زور پر موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں یہ بات ڈالی کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔

لیکن جمہور فرماتے ہیں کہ جادو کا اثر ہوتا ہے اور اس سے پہلے خود امام رازی رحمۃ اللہ علیہ پہلے پارے میں ﴿وَمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَى الۡمَلَكَيۡنِ بِبَابِلَ هَارُوۡتَ وَمَارُوۡتَ﴾ [بقرہ:۱۰۲] کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا یہ نظریہ ہے کہ جادو کے زور سے آدمی کو گدھا اور گدھے کو آدمی بنایا جا سکتا ہے۔ تو جب جادو کے ذریعے آدمی کو گدھا اور گدھے کو آدمی بنایا جا سکتا ہے تو لاٹھیوں کا سانپ بنانا کوئی عجیب بات نہیں ہے اور وہ لوگ بھی اسی صورت میں خوش ہو سکتے تھے اور مرعوب ہو سکتے تھے کہ وہ سچ مچ سانپ بنے ہوں۔ نری لاٹھیوں اور رسیوں سے تو کوئی خوش نہیں ہو سکتا۔ تو جمہور کہتے ہیں کہ وہ جادو کے زور پر سانپ بن گئے تھیں اور میدان بھرا ہوا تھا (بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ سحر ایک قسم کی نظر بندی یا کرتب ہوتا ہے۔ شعبدہ باز یا مسمریزم والے محض ہاتھ کی صفائی کے ساتھ کوئی ایسا کام کر جاتے ہیں جو دوسروں کی نگاہوں میں کچھ اور ہی نظر آتا ہے۔ جادو کسی چیز کی حقیقت کو نہیں بدل سکتا بلکہ حقیقت تو ویسی کی ویسی ہی رہتی ہے البتہ فریب نظر کے ذریعے حقیقت کے برخلاف نظر آتا ہے۔ بحوالہ معارف العرفان جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۶، غالباً امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی یہی رائے تھی۔ بلوچ)

موسیٰ علیہ السلام کے خوف کی حقیقت ؟

تو خیر ایک لاکھ چوالیس ہزار سانپ ہیں ﴿فَاَوۡجَسَ فِىۡ نَفۡسِهٖ خِيۡفَةً مُّوۡسٰى﴾ پس محسوس کیا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں خوف۔ موسیٰ علیہ السلام کچھ خوف زدہ ہو گئے۔ اب ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں انہیں جادو سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ تو اس کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو جادو کا خوف نہیں تھا کہ میں ان سے شکست کھا جاؤں گا خوف اس بات کا تھا انھوں نے لاٹھیاں رسیاں ڈالی ہیں یہ سانپ بن گئے ہیں سانپ نظر آرہے ہیں میں لاٹھی ڈالوں گا تو

وہ اژدھا بن جائے گی تو لوگ فرق کس طرح کریں گے کہ یہ معجزہ ہے اور وہ جادو ہے۔ وہ تو یہی کہیں گے کہ اس نے بھی سانپ نکالا اور انھوں نے بھی سانپ نکالے حق و باطل کی تمیز کس طرح ہوگی؟ یہ تھا خوف۔

اور دوسری بات یہ تھی کہ جس وقت ان کی لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر حرکت کرنے لگے تو لوگوں نے دوڑنا بھاگنا شروع کر دیا، نعرے بازی شروع ہوگئی تو موسیٰ علیہ السلام کو خوف ہوا کہ لوگ چلے نہ جائیں بھاگ نہ جائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ میری باری ہی نہ آئے اور لوگ میرا معجزہ دیکھنے سے پہلے چلے جائیں۔ تو لوگوں کو حق کا کیسے پتا چلے گا؟ یہ خوف تھا مغلوبیت کا خوف نہیں تھا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا پیغمبر یہ خوف کر سکتا ہے کہ حق مغلوب ہو جائے گا۔ تو خوف اس بات کا تھا کہ جب میری باری آئے گی تو ادھر اُدھر ہو جائیں اور توجہ نہ کریں تو پھر کیا بنے گا؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ قُلْنَا ﴾ ہم نے کہا ﴿ لَا تَخَفْ ﴾ اے موسیٰ علیہ السلام! آپ خوف نہ کریں ﴿ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴾ بے شک آپ ہی غالب آئیں گے، غلبہ آپ ہی کو نصیب ہوگا ﴿ وَ اَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ ﴾ اور آپ ڈالیں جو آپ کے دائیں ہاتھ میں ہے ﴿ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ﴾ نگل جائے گا اس کو جو انھوں نے کارروائی کی ہے۔ جیسے مرغیاں دانے چگتی ہیں بڑی تیزی کے ساتھ۔ اس اژدہا نے ان کے سارے سانپ نگل لیے اور میدان صاف ہو گیا ﴿ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ﴾ بے شک انھوں نے جو کارروائی کی ہے جادوگر کا مکر ہے ﴿ وَ لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴾ اور جادوگر کامیاب نہیں ہوتا جہاں سے بھی آئے۔ حق کے مقابلے میں جادوگر کو کامیابی نہیں ملتی۔

جادوگر سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں ہے جس نے ہماری ساری لاٹھیاں اور رسیاں نگل لی ہیں ﴿ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا ﴾۔ ۔سَحَرَةٌ سَاحِرٌ کی جمع ہے اور عربی کا قاعدہ ہے کہ جمع کے صیغے پر الف لام داخل ہو جائے استغراق کا معنیٰ دیتا ہے۔ تو معنیٰ ہوگا پس گر پڑے سارے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے ﴿ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى ﴾ کہنے لگے ہم ایمان لائے ہارون علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے رب پر۔ ہم غلط فہمی کا شکار تھے رب تو وہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام کا رب ہے اور ہارون علیہ السلام کا رب ہے جس نے یہ سارا کرشمہ ہمیں دکھایا ہے۔ اب انصاف کا تقاضا تو یہ تھا اور دنیا کا قانون بھی یہی ہے کہ جب مقدمے کا وکیل ہار جائے تو مؤکل کی ہار ہوتی ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ وکیل ہار جائے اور مؤکل کہے میں جیت گیا ہوں تو انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ جب فرعون کے مؤکلوں نے ہار مان لی اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے فرعون بھی ہار مان کر ایمان لے آتا اپنی غلطی کو تسلیم کرتا اور کہتا کہ ہم غلطی پر تھے ناحق مقابلہ کیا لیکن اس کے برعکس فرعون کی الٹی کارروائی سنو! ﴿ قَالَ ﴾ فرعون نے کہا ﴿ اٰمَنْتُمْ لَهٗ ﴾ کیا تم اس پر ایمان لائے ہو ﴿ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ﴾ پہلے اس سے کہ میں تمھیں اجازت دیتا۔ کس کی اجازت سے ایمان لاتے ہو۔

دیکھو! اُلٹی منطق جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ ملک مصر کا بادشاہ ہے شاہی تاج سر پر ہے ظالم جابر ہے اقتدار کے نشے میں بول رہا ہے کہ منگوایا میں نے، تمھیں بلوایا میں نے، کھلایا پلایا میں نے اور گیت اس کے گاتے ہو ﴿ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ ﴾ بے شک یہ تمھارا بڑا ہے ﴿ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ﴾ جس نے تمھیں جادو سکھایا ہے وہ تمھارا استاد ہے تم اس کے شاگرد ہو تم نے یہ

خلاف سازش تیار کی ہے، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

فرعون کی باتیں سنو! اب میں کیا کروں گا ﴿فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ﴾ پس میں ضرور کاٹوں گا تمھارے ہاتھ اور تمھارے پاؤں ﴿مِّنْ خِلَافٍ﴾ اُلٹے۔ اُلٹے کا ایک معنٰی یہ کرتے ہیں کہ دایاں ہاتھ کاٹوں بایاں پاؤں کاٹوں گا تاکہ تم بے کار ہو جاؤ۔ چلنے پھرنے کام کاج کے قابل نہ رہو، لنگڑے لولے کر دوں گا ﴿وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ﴾ اور میں تمھیں سولی پر لٹکاؤں گا ﴿فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ کھجور کے تنے پر ان کی سخت ٹہنیوں پر لٹکا دوں گا ﴿وَلَتَعْلَمُنَّ﴾ اور تم ضرور جان لو گے ﴿اَیُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا﴾ ہم میں سے کون زیادہ سخت سزا دینے والا ہے۔ میرا عذاب سخت ہے یا موسیٰ علیہ السلام کا ﴿وَّاَبْقٰی﴾ اور کس کا عذاب پائیدار ہے، یہ حقیقت کھل جائے گی۔ زندگی رہی تو باقی بیان آگے آئے گا کہ پھر کیا بنا؟

﴿قَالُوْا﴾ کہا انھوں نے ﴿لَنْ نُّؤْثِرَكَ﴾ ہم ہرگز ترجیح نہیں دیں گے تجھ کو ﴿عَلٰی مَا جَآءَنَا﴾ اس چیز پر جو ہمارے پاس آچکی ہے ﴿مِنَ الْبَیِّنٰتِ﴾ واضح دلیلوں سے ﴿وَالَّذِیْ﴾ اور اس ذات پر ﴿فَطَرَنَا﴾ جس نے ہمیں پیدا کیا ہے ﴿فَاقْضِ﴾ پس تم فیصلہ کرو ﴿مَآ اَنْتَ قَاضٍ﴾ جو تم فیصلہ کر سکتے ہو ﴿اِنَّمَا تَقْضِیْ﴾ پختہ بات ہے تم فیصلہ کرو گے ﴿هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا﴾ اس دنیا کی زندگی کا ﴿اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا﴾ بے شک ہم ایمان لائے ہیں اپنے رب پر ﴿لِیَغْفِرَ لَنَا﴾ تاکہ وہ بخش دے ہمیں ﴿خَطٰیٰنَا﴾ ہماری خطائیں ﴿وَمَآ﴾ اور وہ چیز بخش دے ﴿اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ﴾ کہ تو نے مجبور کیا ہے ہمیں اس پر ﴿مِنَ السِّحْرِ﴾ جادو سے ﴿وَاللّٰهُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی﴾ اور اللہ تعالیٰ بہتر ہے اور بہت ہی باقی رہنے والا ہے ﴿اِنَّهٗ﴾ بے شک شان یہ ہے ﴿مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ﴾ کہ جو شخص آئے گا اپنے رب کے پاس ﴿مُجْرِمًا﴾ جرم کرتے ہوئے ﴿فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ﴾ بے شک اس کے لیے جہنم ہے ﴿لَا یَمُوْتُ فِیْهَا﴾ نہیں مرے گا دوزخ میں ﴿وَلَا یَحْیٰی﴾ اور نہ زندہ رہے گا ﴿وَمَنْ یَّاْتِهٖ﴾ اور جو آئے گا اللہ تعالیٰ کے پاس ﴿مُؤْمِنًا﴾ ایمان لاتے ہوئے ﴿قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ﴾ تحقیق اس نے عمل کیے اچھے ﴿فَاُولٰٓئِكَ﴾ پس یہی لوگ ہیں ﴿لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰی﴾ ان کے لیے درجے ہوں گے بہت بلند ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ﴾ ہیشگی کے باغ ہوں گے ﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ ہمیشہ رہیں گے ان باغوں میں ﴿وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا﴾ اور یہ بدلہ ہے ﴿مَنْ تَزَكّٰی﴾ اس کا جس نے اپنا نفس پاک کیا۔

گزشتہ درس میں تم نے سنا کہ مصر کے میدان میں عید والے دن چاشت کے وقت حق و باطل کا مقابلہ ہوا۔ فرعون تخت لگا کر کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اس کے ساتھ اس کے وزیر، مشیر، فوج، پولیس اور عوام، مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان اور فرعون کے

بلائے ہوئے جادوگر تھے بہتر ہزار تک جن کی تعداد تھی نافرمانوں کے ساتھ میدان بھرا ہوا تھا۔ دوسری طرف موسیٰ علیہ السلام ہارون علیہ السلام اور ان کے چند ساتھی تھے۔ فرعون زندہ باد کے نعرے لگ رہے تھے جادوگروں کی لاٹھیاں اور رسیاں سانپ نظر آرہی تھیں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے عصا مبارک ڈالا وہ اژدہا بن کر ان کی لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا جس طرح مرغیاں دانے چگتی ہیں پھر موسیٰ علیہ السلام نے سانپ پر ہاتھ رکھا وہ لاٹھی بن گئی۔ جادوگر اپنے فن کے ماہر تھے سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں ہے خدائی کرشمہ ہے بے ساختہ مجبور ہو کر سارے کے سارے بغیر استثناء کے سجدے میں گر پڑے اور کہا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لائے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ فرعون اور اس کے وزیر مشیر سارے ایمان لے آتے اُلٹا فرعون نے کہا کہ تم میری دعوت پر آئے تھے اور میری اجازت کے بغیر ایمان لائے ہو میں تمھیں سولی پر لٹکاؤں گا تم سب نے مل کر میرے خلاف سازش کی ہے میں تمھارے ہاتھ پاؤں کاٹوں گا۔ پھر اس دھمکی پر عمل ہوا یا نہیں؟

ایمان کا کوئی مقابلہ نہیں ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عمل ہوا کہ ان میں سے چیدہ چیدہ جو اثر ورسوخ والے تھے ان ستر (۷۰) کو سولی پر لٹکایا گیا لیکن ان میں سے کوئی بھی ایمان سے نہیں پھرا۔ اب وہ مومن اور موسیٰ علیہ السلام کے صحابی تھے فرعون اور اسکی کابینہ گھبرا گئی کہ یہ نہ بھاگتے ہیں اور نہ پھرتے ہیں اور سولی پر لٹکانے کے وقت ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہیں عجیب قسم کا معاملہ ہے۔ مضبوط ایمان والا ایمان نہیں چھوڑتا۔

۱۹۵۳ء کی تحریک میں جو ختم نبوت کی تحریک تھی جنرل اعظم ظالم نے دس ہزار نوجوانوں کو لاہور میں بھون ڈالا تھا۔ نوجوان بٹن کھول کر چھاتی آگے کر کے کہتے مارو! تو ماردیتا تھا۔ ایمان کا مقابلہ نہیں ہے۔ فرعون کی کابینہ گھبرا گئی فرعون نے بات کو ٹالا کہ اس وقت، ٹائم کم رہ گیا ہے باقیوں کو پھر سزا دیں گے اور بات کو ختم کر دیا۔

تو جب فرعون نے ان کو دھمکی دی کہ میں تمھارے ہاتھ پاؤں کاٹوں گا سولی پر لٹکاؤں گا تو ﴿قَالُوْا﴾ انھوں نے کہا جو جادوگر تھے اور اب موسیٰ علیہ السلام کے صحابی بن چکے تھے ﴿لَنْ نُّؤْثِرَكَ﴾ ہم ہرگز ترجیح نہیں دیں گے تجھ کو ﴿عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ﴾ اس چیز پر جو آچکی ہے ہمارے پاس واضح دلیلوں سے۔ ہم سمجھ گئے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جادوگر نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں ﴿وَالَّذِيْ فَطَرَنَا﴾ اور اس ذات پر ہم تجھ کو ترجیح نہیں دیتے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے ﴿فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ﴾ پس تم فیصلہ کرو جو تم فیصلہ کر سکتے ہو ہم ایمان کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں ﴿اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ پختہ بات ہے تم فیصلہ کرو گے اس دنیا کی زندگی کا ﴿اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا﴾ بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لائے ہیں ﴿لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا﴾ تا کہ وہ بخش دے ہمیں ہماری خطاؤں کو ﴿وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ﴾ اور وہ چیز بخش دے کہ تو نے مجبور کیا ہے اس پر جادو سے۔ تو نے ہمیں بلوا کر جادو کروایا ہے یہ رب ہمیں معاف کر دے اور یہ بھی معنیٰ ہے کہ فرعون کی طرف سے اس وقت جادوگری کی تعلیم لازمی تھی جو

اس فن کو سیکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے جبراً ان کو حاصل کرنی پڑتی تھی۔ جیسے : این، جی اوز نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے کہ پرائمری تک تعلیم لازمی ہو۔ کسی ملک میں اس سے بھی آگے تک لازمی ہے۔ یہ اس لیے کہ بچے مساجد میں نہ جائیں ان کا ذہن بنے گا یہی عمر ہوتی ہے جس میں بچے کا تھوڑا بہت ذہن بنتا ہے۔ اب حکومت پرائمری کی تعلیم لازم کرنا چاہتی ہے اصل مقصد دین سے ہٹانا ہے آٹھ نو سال کے بچوں کا ذہن بن جاتا ہے۔

ہم سکول کالج کی تعلیم کے خلاف نہیں ہیں بچے بھی پڑھیں، بچیوں کے کالجوں میں بچیاں بھی پڑھیں کوئی پابندی نہیں ہے مگر یہ پابندی کہ مسجدوں میں نہ جائیں اسلام میں رکاوٹ ڈالنا یہ بات صحیح نہیں ہے۔ جب مسجدوں میں نہیں آئیں گے دینی مدارس میں نہیں آئیں گے دین کہاں سے سیکھیں گے۔ دین کے اڈے اور مراکز تو یہی ہیں۔ اب حکومت کی یہ پالیسی ہے دیکھو کب تک نافذ ہوتی ہے اور کیا ہوتا ہے کہ یہ مسٹر بن جائیں۔

تو انھوں نے کہا کہ تو نے ہمیں جو جادو پر مجبور کیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے ﴿وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ اور اللہ تعالیٰ بہتر ہے اور بہت ہی باقی رہنے والا ہے۔ سورہ رحمٰن میں ہے ﴿وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ "اور باقی رہے گی تیرے رب کی ذات جو بزرگی اور عظمت والا ہے۔" اَلْبَقَآءُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ بقا صرف اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے لیے ہے ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ "جو کوئی بھی زمین پر ہے سب فنا ہونے والا ہے۔" ابھی مسلمان ہوئے ہیں موسیٰ علیہ السلام کے صحابی بنے ہیں ہاتھ پاؤں کٹوانے کے لیے تیار ہیں، سولی پر لٹکنے کے لیے تیار ہیں مگر ایمان چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

عظمتِ خیر الامم

تو کیا خیال ہے، کیا رائے ہے امام الانبیاء، خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں جن کو اللہ تعالیٰ نے خیر الامم فرمایا ہے کہ تم تمام اُمتوں سے بہتر ہو خَيْرُ الْبَرِيَّه فرمایا ہے کہ یہ بہترین مخلوق ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئس سال تعلیم دی، تیرا سال مکہ مکرمہ میں اور دس سال مدینہ منورہ میں، ان کے ایمان کتنے پختہ تھے مگر رافضیوں شیعوں کا خیال ہے جو ان کی کتابوں میں تحریر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا سے رخصت ہوئے تو "ہمہ مرتد گشتند الا سہ کس یا چہار کس۔" سب کے سب صحابہ مرتد ہو گئے سوائے تین چار کے۔ حضرت مقداد، حضرت عمار، حضرت سلمان، حضرت حذیفہ۔ بھئی! عجیب بات ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی جن کو صحابی بنے ابھی چند گھنٹے بھی نہیں ہوئے جو پہلے جادوگر تھے ایمان لانے کے بعد سولی پر لٹک گئے ایمان نہیں چھوڑا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے تیئس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم حاصل کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تزکیہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بند ہوئیں تو وہ سب کے سب مرتد ہو گئے معاذ اللہ تعالیٰ۔ یہ کیا بات ہوئی؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناکام رہے معاذ اللہ تعالیٰ۔

آج دیکھو! سکولوں، کالجوں میں جو تعلیم ہوتی ہے سب جانتے ہیں کہ کتنی پڑھائی ہوتی ہے اور کتنی چھٹیاں ہوتی ہیں۔

بچوں کو ٹیوشن پر کس طرح مجبور کیا جاتا ہے، یہ سب قصے تمھارے سامنے ہیں مگر جس استاد کی جماعت کے بچے زیادہ فیل ہوتے ہیں اس سے باز پرس ہوتی ہے کہ اتنے بچے کیوں فیل ہوئے ہیں؟ تعلیم کے اوقات دیکھو، چھٹیاں دیکھو پھر ذاتی چھٹیاں بھی ہیں مگر پھر بھی باز پرس ہوتی ہے کہ یہ بچے کیوں فیل ہوئے ہیں۔ استاد کے کان کھینچے جاتے ہیں محکمہ پوچھتا ہے۔

اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم دی اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے بڑے استاد ہیں، مسجد میں تعلیم دی، میدان جنگ میں تعلیم دی، سفر میں تعلیم دی، حضر میں تعلیم دی، بیماری اور تندرستی میں تعلیم دی تو آپ ﷺ کے سارے شاگرد فیل ہو گئے کہ جس وقت آپ ﷺ کی آنکھیں بند ہوئیں تو تین چار کے سوا سارے مرتد ہو گئے معاذ اللہ تعالیٰ۔ تو پھر ایسا ناکام مدرس اور استاد تو دنیا میں کوئی نہ ہوا معاذ اللہ تعالیٰ اور پھر اس اُمت سے تو بہتر موسیٰ علیہ السلام کی اُمت ہوئی کہ پہلے جادوگر تھے اب حق واضح ہوا ایمان لائے سولی پر لٹکنے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہیں اور کلمہ نہیں چھوڑتے اور ان کے ایمان پر ابھی ایک دن بھی نہیں گزرا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آخری اُمت گھٹیا ہوئی معاذ اللہ تعالیٰ۔ آنحضرت ﷺ استادوں میں ناکام استاد ہیں العیاذ باللہ تعالیٰ، لاحول ولا قوۃ الا باللہ! بڑے ظلم کی بات ہے۔ تو یہ اللہ معاف فرمائے اہل حق جب حقیقت کو بیان کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ یہ مولوی فرقہ واریت پھیلاتا ہے۔ بھئی! مولوی نے تو وہی کچھ بتایا ہے جو ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور وہ یہ سب کچھ بتلاتے اور لکھاتے ہیں اور ان کی یہ کتابیں پھیلی ہوئی ہیں ان کو کوئی کچھ نہیں کہتا بلکہ کہتے ہیں کہ او جی! ملک میں سب کو رہنے کی آزادی حاصل ہے۔

ایران کا دارالخلافہ

تہران شہر حکومت ایران کا دارالخلافہ ہے وہاں ہندوؤں کے مندر بھی ہیں، سکھوں کے گردوارے بھی ہیں، عیسائیوں اور یہودیوں کے عبادت خانے بھی ہیں، آتش پرستوں کے آتش کدے بھی ہیں مگر سنیوں کی وہاں کوئی مسجد نہیں ہے حالانکہ سنیوں کی پانچ لاکھ کی آبادی ہے۔ جب سنی آواز بلند کرتے ہیں کہ ہمارا بھی حق ہے تو ان کی آواز کو دبا دیا جاتا ہے۔ رضا شاہ پہلوی نے ایک پلاٹ دیا تھا کہ یہاں تم مسجد بنالو۔ سنیوں نے وہاں مسجد کا کچا سا ڈھانچہ کھڑا کیا ہوا تھا وہاں نمازیں پڑھتے تھے جب خمینی خبیث آیا تو اس نے وہ بھی گرا دیا او ظالمو! پانچ لاکھ وہاں سنیوں کی آبادی ہے ان کا کوئی حق نہیں ہے کہ ایک مسجد بھی نہیں ہے وہ گھروں میں نماز پڑھتے ہیں جو پڑھتے ہیں کیوں کہ اکثر تو نام کے مسلمان ہے اور جو کچھ ہیں وہ سفارت خانوں میں جمعہ اور عید پڑھ لیتے ہیں۔ پورے ملک میں شیعہ کا قانون نافذ ہے سنیوں کے لیے بھی وہی قانون ہے وہ بے چارے مجبور ہیں حالاں کہ چوتھائی حصہ وہاں سنی ہیں تین حصہ شیعہ ہیں۔ اور پاکستان میں شیعہ تین فیصد ہیں اور سارے حقوق ان کو حاصل ہیں۔

جو بزرگ ہیں ان کو یاد ہوگا کہ ان کے نمائندے ایوب خان کے پاس گئے جب وہ صدر تھا اس سے مطالبہ کیا کہ ہمارا کلمہ علیحدہ ہے، ہماری اذان علیحدہ ہے، ہمارے نکاح کے طریقے الگ ہیں، ہماری طلاق کا طریقہ الگ ہے، وہ تین طلاقوں کو

ایک سمجھتے ہیں جیسے غیر مقلد۔ ہمارے جنازے کا طریقہ علیحدہ ہے لہٰذا اسکولوں اور کالجوں میں ہماری تعلیم بھی الگ ہونی چاہیے ، ہماری کتابیں الگ ہونی چاہئیں۔ چنانچہ اب ان کی کتابیں الگ ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب تمھارا سب کچھ ہی الگ ہے تو تمھارا اسلام کے ساتھ کیا تعلق ہے کہ جب الیکشن کے دن آتے ہیں تو کہتے ہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ جب علمائے کرام کہتے ہیں کہ تم نے خود تسلیم کیا ہے کہ تمھارا کلمہ الگ ہے، اذان الگ ہے، نماز الگ ہے، نکاح طلاق الگ ہے، جنازہ الگ ہے، مذہبی تعلیم الگ ہے پھر تم مسلمانوں کے ووٹ کیوں لیتے ہو؟ جب ہم حقیقت کو واضح کریں تو کہتے ہیں کہ مولوی فرقہ واریت پھیلاتے ہیں۔ عجیب منطق ہے جو ہمیں سمجھ نہیں آتی۔ اگر کھری بات کرو تو کہتے ہیں کہ یہ فرقہ واریت پھیلاتے ہیں ظلم کی حد ہو چکی ہے۔ خیر عرض یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے یہ جو مخلص ساتھی تھے سولی پر لٹک گئے بہتر، تہتر، مگر ایمان نہیں چھوڑا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ﴾ بے شک شان یہ ہے کہ جو شخص آئے گا اپنے رب کے پاس ﴿مُجْرِمًا﴾ جرم کرتے ہوئے ﴿فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ﴾ بے شک اس کے لیے جہنم ہے ﴿لَا يَمُوتُ فِيهَا﴾ نہ مرے گا جہنم میں ﴿وَلَا يَحْيَىٰ﴾ اور نہ جئے گا اگر وہاں مارنا مقصود ہو تو دوزخ کا ایک شعلہ ہی کافی ہے اگر یہ مر گیا تو پھر سزا کون بھگتے گا اور وہ عذاب کی زندگی زندگی نہیں ہے ﴿وَمَن يَأْتِهِ مُؤْمِنًا﴾ اور جو آئے گا اللہ تعالیٰ کے پاس ایمان لاتے ہوئے ایمان کی حالت میں آیا لیکن نرا ایمان ہی نہیں ﴿قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ﴾ تحقیق اس نے عمل بھی اچھے کیے۔ صرف اسلام کا دعویٰ ہی نہیں عمل بھی اچھے کیے ﴿فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ﴾ پس یہی لوگ ہیں ان کے درجے ہوں گے بلند۔ عُلیٰ عُلیٰ کی جمع ہے۔ کہاں ہوں گے؟ ﴿جَنَّاتُ عَدْنٍ﴾ ہمیشگی کے باغ ہوں گے، نہ ان کے پتے جھڑیں گے نہ ان کا پھل ختم ہوگا، نہ میوہ خشک ہوگا، دانہ توڑیں گے فوراً دوسرا لگ جائے گا ﴿تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ﴿خَالِدِينَ فِيهَا﴾ ہمیشہ رہیں گے ان جنتوں میں جو ایمان لائے اور عمل اچھے کیے۔ ﴿وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَن تَزَكَّىٰ﴾ اور یہ بدلہ ہے اس کا جو سنورا اور اس نے اپنا نفس پاک کیا۔

﴿وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے وحی بھیجی ﴿إِلَىٰ مُوسَىٰ﴾ موسیٰ علیہ السلام کی طرف ﴿أَنْ أَسْرِ﴾ کہ لے چلو رات کو ﴿بِعِبَادِي﴾ میرے بندوں کو ﴿فَاضْرِبْ لَهُمْ﴾ پس آپ چلائیں ان کو ﴿طَرِيقًا﴾ راستے میں ﴿فِي الْبَحْرِ﴾ سمندر کے اندر ﴿يَبَسًا﴾ جو خشک ہوگا ﴿لَّا تَخَافُ﴾ آپ خوف نہ کریں ﴿دَرَكًا﴾ دشمن کے پکڑنے کا ﴿وَلَا تَخْشَىٰ﴾ اور نہ خوف کریں غرق ہونے کا ﴿فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ﴾ پس پیچھا کیا ان کا فرعون نے ﴿بِجُنُودِهِ﴾ اپنے لشکر کے ساتھ ﴿فَغَشِيَهُم مِّنَ الْيَمِّ﴾ پس چھا گئی ان پر دریا کی موج ﴿مَا غَشِيَهُمْ﴾ جو چھا گئی ان پر ﴿وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ﴾ اور بہکایا فرعون نے اپنی قوم کو ﴿وَمَا هَدَىٰ﴾ اور ان کی راہنمائی نہ کی ﴿يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ اے بنی اسرائیل ﴿قَدْ أَنجَيْنَاكُم﴾ تحقیق ہم نے تمھیں نجات دی ﴿مِّنْ عَدُوِّكُمْ﴾ تمھارے دشمن سے ﴿وَوَاعَدْنَاكُمْ﴾

اور ہم نے وعدہ کیا تمھارے ساتھ ﴿جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ﴾ طور کے دائیں طرف ﴿وَ نَزَّلْنَا﴾ اور اُتارا ہم نے ﴿عَلَیْكُمُ﴾ تم پر ﴿الْمَنَّ﴾ مَن کو ﴿وَالسَّلْوٰى﴾ اور سلویٰ ﴿كُلُوْا﴾ کھاؤ ﴿مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو رزق دیا ہے ﴿وَلَا تَطْغَوْا فِیْهِ﴾ اور نہ سرکشی کرو اس میں ﴿فَیَحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبِیْ﴾ پس اُترے گا تم پر میرا غضب ﴿وَ مَنْ یَّحْلِلْ عَلَیْهِ غَضَبِیْ﴾ اور جس شخص پر اُترا میرا غضب ﴿فَقَدْ هَوٰى﴾ پس تحقیق وہ ہلاک ہوگیا ﴿وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ﴾ اور بے شک البتہ میں بہت بخشنے والا ہوں ﴿لِّمَنْ تَابَ﴾ اس کے لیے جس نے توبہ کی ﴿وَ اٰمَنَ﴾ اور ایمان لایا ﴿وَ عَمِلَ صَالِحًا﴾ اور عمل کیا اچھا ﴿ثُمَّ اهْتَدٰى﴾ پھر ہدایت پر قائم رہا۔

پچھلے رکوع میں اس بات کا ذکر ہوا تھا کہ فرعون کے بلائے ہوئے جادوگروں نے اپنے سانپ میدان میں نکالے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک زمین پر ڈالا تو وہ اژدھا بن کر ان کے سب سانپوں کو نگل گیا جادوگر سمجھ گئے یہ جادو نہیں ہے بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور بلند آواز سے کہنے لگے ﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى﴾ "اور ہم ہارون علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے رب پر ایمان لائے۔" فرعون نے ہاتھ پاؤں کاٹنے اور سولی پر لٹکانے کی دھمکی دی اور ستر آدمی شہید بھی کیے لیکن ایمان کو کسی نے نہ چھوڑا۔ اتنا بڑا کرشمہ دیکھ کر بھی فرعونی قوم موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائی بلکہ بنی اسرائیل کو مزید تنگ کرنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ بنی اسرائیل کو لے کر یہاں سے چلے جائیں اب آپ نے ان کو لے کر وادی تیہ میں جانا ہے آج کل کے جغرافیہ میں اس کا نام وادی سینائی ہے جس کی لمبائی چھتیس میل اور چوڑائی چوبیس میل ہے۔ ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اس کے کافی حصہ پر یہودیوں نے قبضہ کر لیا تھا لیکن مصر والوں نے بڑی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کافی حصہ چھڑا لیا ہے۔ تھوڑا سا حصہ جو فوجی اہمیت کا حامل ہے اور جہاں تیل ہے اب بھی یہودیوں کے قبضہ میں ہے یہ وادی تیہ سطح سمندر سے پانچ چھ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہجرت کا ذکر

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے رات کو ہم نے ہجرت کرنی ہے۔ اس کا ذکر ہے ﴿وَ لَقَدْ اَوْحَیْنَاۤ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے وحی بھیجی ﴿اِلٰى مُوْسٰۤى﴾ موسیٰ علیہ السلام کی طرف ﴿اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ﴾ کہ لے چلو میرے بندوں کو رات کو اور اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فرمایا کہ جب تم سمندر کے پاس پہنچو ﴿فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا﴾ پس آپ چلائیں ان کو راستے پر سمندر میں جو خشک ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحر قلزم پر پہنچ کر لاٹھی ماری پانی رک گیا۔ سورہ شعراء آیت نمبر ۶۳ میں ہے ﴿فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ﴾ "پس ہوگیا ہر ایک حصہ ایک بڑے پہاڑ کی طرح۔" فرمایا ﴿لَّا تَخٰفُ دَرَكًا﴾ آپ خوف نہ کریں دشمن کے پکڑنے کا، درک کا معنی پا لینا، پہنچ جانا۔ وہ آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے ﴿وَّ لَا تَخْشٰى﴾ اور نہ خوف کریں

غرق ہونے کا۔ کیوں کہ سمندر ہے پانی کی ایک دیوار اِس طرف کھڑی ہوگی اور ایک اُس طرف کھڑی ہوگی پریشان نہ ہونا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سب کو لے کر رات کو چلے گئے فرعون پریشان ہوگیا اور اس کی پریشانی اپنی مجبوری کی وجہ سے تھی ان کی ہمدردی کی وجہ سے نہ تھی کہ یہ لوگ ہمارے غلام تھے ہمارے گھروں اور زمینوں پر کام کرتے تھے یہ چلے گئے تو ہم کیا کریں گے۔ چنانچہ فرعون نے ہنگامی طور پر حکم جاری کیا ساری فوج کو لے کر چل پڑا۔ وزیر اعظم ہامان کو حکم دیا کہ تو آگے ہو تیرے پیچھے فوج ہوگی اور پیچھے میں ہوں گا تا کہ کوئی فوجی پیچھے نہ نکل جائے۔ اس مقام پر نہیں دوسری جگہ تفصیل ہے جس وقت فرعون کی فوجیں سمندر پر پہنچیں تو بنی اسرائیل گزر چکے تھے راستہ خشک تھا جس وقت یہ سمندر میں داخل ہوئے ہامان آگے درمیان میں فوج پیچھے فرعون۔ فرعون نے بھی اپنا گھوڑا سمندر میں داخل کر دیا اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا اب چل پڑو۔ سورہ یونس آیت نمبر ۹۰ میں ہے ﴿حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدۡرَکَہُ الۡغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنۡتُ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیۡۤ اٰمَنَتۡ بِہٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِیۡلَ وَ اَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ﴾ "یہاں تک کہ جب اس کو پالیا غرق ہونے نے تو کہنے لگا ایمان لایا ہوں میں کہ بے شک نہیں کوئی معبود مگر وہی جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں بھی فرمانبرداروں میں سے ہوں۔"

فرعون کے غرق ہونے کا عجیب منظر

ترمذی شریف کی روایت میں ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا حضرت! بڑا عجیب منظر تھا فرعون بڑی عاجزی کر رہا تھا آہ وزاری اور واویلا کر رہا تھا۔ میں نے گارا اس کے منہ میں ٹھونسا کہ اس کی آواز نہ نکلے رب تعالیٰ اس پر ترس نہ کھائے کہ یہ بڑا ظالم ہے۔ آیت نمبر ۹۲ میں ہے ﴿فَالۡیَوۡمَ نُنَجِّیۡکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوۡنَ لِمَنۡ خَلۡفَکَ اٰیَۃً﴾ "پس آج کے دن ہم بچالیں گے تمھارے جسم کو تا کہ ہو جائے وہ ان لوگوں کے لیے نشانی جو تیرے پیچھے ہیں۔" فرعون کی لاش کو سمندر نے باہر پھینک دیا۔ باقی وہاں سے سیدھے جہنم چلے گئے۔ فرمایا ﴿فَاَتۡبَعَہُمۡ فِرۡعَوۡنُ بِجُنُوۡدِہٖ﴾ پس ان کا پیچھا کیا فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ﴿فَغَشِیَہُمۡ﴾ پس چھا گئی ان فرعونیوں پر ﴿مِّنَ الۡیَمِّ﴾ بحر قلزم کی موج ﴿مَا غَشِیَہُمۡ﴾ جو چھا گئی ان پر۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا وہ چل پڑا اور وہ سارے غرق ہو گئے ﴿وَ اَضَلَّ فِرۡعَوۡنُ قَوۡمَہٗ﴾ اور بہکایا فرعون نے اپنی قوم کو ﴿وَ مَا ہَدٰی﴾ اور ان کی راہنمائی نہ کی۔ سورۃ مومن آیت نمبر ۲۹ میں ہے فرعون نے کہا ﴿وَ مَاۤ اَہۡدِیۡکُمۡ اِلَّا سَبِیۡلَ الرَّشَادِ﴾ "میں نہیں راہنمائی کرتا تمھاری مگر بھلائی کے راستے کی۔" میں تمھیں سیدھے راستے پر ڈالتا ہوں موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت نہ کرنا۔ اچھی ہدایت دی کہ خود بھی ڈوبا اور دوسروں کو بھی لے ڈوبا۔ یہ جس وقت وادی تیہ پہنچے تو بہت ساری مشکلات ان کو پیش آئیں۔

بنی اسرائیل پر انعامات خداوندی کا ذکر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ﴾ اے بنی اسرائیل ﴿قَدۡ اَنۡجَیۡنٰکُمۡ مِّنۡ عَدُوِّکُمۡ﴾ تحقیق ہم نے نجات دی تم کو تمھارے دشمن سے ﴿وَ وٰعَدۡنٰکُمۡ جَانِبَ الطُّوۡرِ الۡاَیۡمَنَ﴾ اور ہم نے وعدہ کیا تمھارے ساتھ طور کی دائیں طرف بذریعہ

موسیٰ علیہ السلام کہ تمھارے ساتھ یہ ہوگا کہ فرعون تمھیں تنگ کرے گا اور ہم اسی طرح تمھیں نجات دیں گے اور اس طرح تمھیں وادی سینائی میں پہنچائیں گے۔ جب وادی سینائی میں پہنچ گئے تو خوراک کا مسئلہ پیش آیا، پانی کا مسئلہ پیش آیا کہ انسان خوراک پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور وہاں سائے کا کوئی انتظام نہیں تھا سخت دھوپ وہاں پڑتی تھی تو دھوپ سے بچنے کا مسئلہ بھی پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل فرمایا اور تمام چیزوں کا انتظام فرمایا۔

سورہ بقرہ آیت نمبر ۵۷ میں ہے ﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى﴾ "اور ہم نے تمھارے اُوپر بادلوں کا سایہ کر دیا اور تمھارے اُوپر من اور سلویٰ اُتارا۔" سورج کے چڑھنے کے ساتھ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ ان پر بادلوں کا سایہ کر دیتے اور جب سورج غروب ہوتا تو بادل ہٹ جاتے۔ کھانے کے وقت پر کھیر بٹیر بھی آجاتے۔ پانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا ﴿اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾ مار اپنی لاٹھی کے ساتھ پتھر کو اس سے بارہ چشمے نکلیں گے۔ چوں کہ بنی اسرائیل کے بارہ خاندان تھے انتظامی امور کے لحاظ سے ہر ایک کے لیے علیحدہ چشمہ جاری فرمایا۔ ﴿قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ﴾ "تحقیق جان لیا سب لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ۔" کہ یہ چشمہ روبیلیوں کا ہے، یہ بن یامینیوں کا ہے، یہ یہودیوں کا ہے، یہ یوسفیوں کا ہے، تاکہ آپس میں جھگڑا نہ کریں۔ یہ سلسلہ چالیس سال تک جاری رہا پھر ان لوگوں نے کہا ﴿لَنْ نَصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَاحِدٍ﴾ "ہم ہرگز نہیں صبر کریں گے ایک قسم کے کھانے پر۔" پیاز، لہسن، مسور اور فلاں فلاں چیز ہمیں چاہیے۔ خداوند عزیز قادر مطلق ہے اس کے لیے کوئی چیز مشکل نہیں ہے عین موقع پر ایک پلیٹ نمکین بھنے ہوئے بٹیروں کی اور ایک کھیر کی سامنے آجاتی تھی۔

اور تفسیروں میں یہ بھی موجود ہے کہ وہاں جو جھاڑیاں تھیں کافی بڑے سایہ دار درخت تو شاذ و نادر تھے اللہ تعالیٰ نے ان جھاڑیوں میں بکثرت بٹیر پیدا فرمائے کہ ایک ہاتھ مارتے دو تین بٹیر ہاتھ لگ جاتے ان کو بھونتے اور کھاتے اور وہاں جھاڑیوں کے چوڑے چوڑے پتے تھے ان پتوں پر ایک چیز برستی تھی جیسے برفانی علاقوں میں برف برستی ہے، اس کی تہہ جم جاتی تھی وہ کھیر کی طرح میٹھی ہوتی تھی اس کو من کہتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو فرمایا کہ یہ جگہ ہماری منزل نہیں ہے یہ راستہ ہے ہماری منزل ارض مقدس فلسطین ہے۔ اس وقت اس سارے علاقے کو ارض مقدس بھی کہتے تھے شام بھی کہتے تھے کنعان بھی کہتے تھے جو ان مغربی شیطانوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ اس میں فلسطین اردن شام اور جو یہودیوں کے پاس علاقہ ہے یہ سب ایک علاقہ تھا یہ بڑا زرخیز علاقہ ہے اس میں پانی کے چشمے ہیں پھل، کھیت بہت کچھ ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ارض مقدس پر ہم نے پہنچنا ہے مگر جہاد کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ کہنے لگے کہ جب تک وہاں کے لوگوں کے متعلق معلومات نہ کر لیں ہم جہاد نہیں کریں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جاسوسی کے لیے بارہ آدمی بھیجے کہ تم مسافروں کی شکل میں، تاجروں کی شکل میں، سیاحوں کی شکل میں جا کر جائزہ لے کر آؤ کہ ان کے پاس کیا ہتھیار ہیں، کتنے قلعے اور مورچے ہیں ان پر کس طرح فتح پائی جا سکتی ہے اور واپس آ کر ہم دو بھائیوں کے علاوہ کسی کو نہیں بتلانا۔ ان میں دو وعدے پر پختہ رہے باقیوں نے سب کو آ کر بتلا دیا کہ وہاں تو بڑے جنگ جو لوگ ہیں ان کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو کہا ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُونَ﴾ [مائدہ: ۲۴] "آپ

جائیں اور آپ کا پروردگار جا کر لڑو بے شک ہم تو یہاں بیٹھنے والے ہیں۔" اللہ تعالیٰ کی رحمت کہ پھر بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑا کہ یہ سارا انتظام ان کے لیے چاہیے تو یہ تھا کہ جب انھوں نے انکار کیا تھا ان کا رزق بند کر دیتا لیکن وہ ارحم الراحمین ہے باوجود ان کی گستاخیوں کے ان پر من وسلویٰ نازل فرمایا۔

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى﴾ اور اُتارا ہم نے تم پر مَن اور سلویٰ ﴿كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تمھیں رزق دیا ہے ﴿وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ﴾ اور نہ سرکشی کرو اس میں۔ یہ بات بھی احادیث میں اور تفسیروں میں ہے کہ ان کو حکم تھا کہ جتنا کھانا کھا سکتے ہو کھاؤ مگر بچا کر نہ رکھو لیکن وہ حرص کرتے اور کھانا الگ کر کے رکھ لیتے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر بنی اسرائیل یہ خیانت نہ کرتے تو کھانا کبھی خراب نہ ہوتا مگر انھوں نے یہ خیانت کی کہ کھیر میں سے کچھ الگ کر کے رکھ لیتے، بھنے ہوئے بٹیر الگ کر کے رکھ لیتے وہ بہت جلد خراب ہو جاتے تھے یہ رب تعالیٰ کی طرف سے سزا تھی۔ تو فرمایا اس میں سرکشی نہ کرنا ﴿فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ﴾ پس اُترے گا تم پر میرا غضب ﴿وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ﴾ اور جس شخص پر اترا میرا غضب ﴿فَقَدْ هَوٰى﴾۔ هَوٰى يَهْوِيْ کا معنیٰ ہے گر گیا، تباہ ہو گیا۔ تو معنیٰ ہو گا پس تحقیق وہ ہلاک ہو گیا۔ یہ غضب ان لوگوں پر ہوا۔

مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور ضَآلِّيْن کی تشریح

یہ جو ہم ہر نماز میں پڑھتے ہیں ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ "ہمیں ان لوگوں کے راستے پر نہ چلا جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کے راستے پر۔" اس کی تشریح خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے کہ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ سے مراد یہودی ہیں اور ضالّین سے مراد نصاریٰ ہیں اور قرآن پاک میں یہ بھی آتا ہے کہ موت سے سب سے زیادہ ڈرنے والے یہودی ہیں۔ اور یہودی یہ بھی کہتے تھے کہ جنت ہماری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو ﴿فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ﴾ [بقرہ: ۹۴] "پس تم موت کی آرزو کرو۔" اور یہ بھی فرمایا ﴿وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا﴾ "اور وہ ہرگز نہیں تمنا کریں گے موت کی کبھی بھی۔" تمام قوموں میں سے بزدل قوم یہودی ہے مگر آج صرف اسلحہ کی وجہ سے اور امریکہ، برطانیہ اور فرانس جیسے شیطانوں کی وجہ سے طاقت ور ہیں۔ ان شاء اللہ العزیز جب ٹکر شروع ہوگی اور وہ وقت دور نہیں ہے ان شاء اللہ وہ وقت آ رہا ہے پھر دیکھنا ان کا حشر کیا ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے تُقَاتِلُوْنَ الْيَهُوْدَ تم یہودیوں کے ساتھ لڑو گے یہاں تک کہ اگر یہودی کسی درخت کے پیچھے چھپا ہوا ہوگا وہ درخت کہے گا خَلْفِيْ يَهُوْدِيْ میرے پیچھے یہودی ہے۔ اگر کسی پتھر کے پیچھے چھپا ہوگا تو پتھر بولے گا خَلْفِيْ يَهُوْدِيْ میرے پیچھے یہودی ہے مجاہد آگے بڑھو۔ یہ بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایات میں ہے۔ اب وہ وقت بالکل قریب آ چکا یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنے سال یا کتنے مہینے یا کتنے ہفتے باقی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ﴾ اور بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں۔ کس کو بخشوں گا؟ فرمایا اس کو بخشوں گا

جس میں چار خوبیاں ہوں گی ﴿لِّمَنْ تَابَ﴾ بخشش اس کے لیے ہے جس نے توبہ کی ﴿وَاٰمَنَ﴾ اور ایمان لایا۔ تیسرا کام ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ اور عمل کیا اچھا۔ پھر ایک آدھ دفعہ نہیں ﴿ثُمَّ اهْتَدٰى﴾ پھر ہدایت پر قائم رہا۔ توبہ کی قبولیت کیلئے اللہ تعالیٰ نے چار چیزیں بتلائی ہیں۔

① سچے دل سے توبہ کرے۔ ② ایمان لائے۔

③ عمل اچھے کرے۔ ④ اور اس پر ڈٹ جائے۔

یہ نہیں کہ کبھی کیا اور کبھی نہ کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سا عمل زیادہ پسند تھا؟ فرمایا وہ عمل جو ہمیشہ ہو چاہے تھوڑا ہو۔ اسی لیے شریعت نے ایسا کوئی کام نہیں بتلایا جو انسان کی طاقت سے باہر ہو ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ انسان کو اس کی طاقت کے مطابق احکام کا پابند بنایا گیا ہے۔ نماز ہے جو طاقت سے خارج نہیں ہے، زکوٰۃ مال داروں پر ہے جس کے پاس مال نہیں ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، عشر نہیں ہے، فطرانہ نہیں ہے، قربانی نہیں ہے، حج نہیں ہے۔ اگر کوئی بیمار ہے کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا بیٹھ کر پڑھ لے، وضو نہیں کر سکتا تیمم کر لے، بیمار ہے روزے نہیں رکھ سکتا چھوڑ دے بعد میں رکھ لے قضا کرے۔ اور اگر ایسی بیماری ہے کہ اس میں روزہ نہیں رکھ سکتا اور شفایاب ہونے کی بھی امید نہیں ہے تو فدیہ دیتا رہے۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا کام نہیں بتلایا جو انسان کی طاقت سے باہر ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ صفات بیان فرمائی ہیں کہ جس میں یہ ہوں گی اس کو میں بخشوں گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان صفات والا بنائے۔ [آمین]

﴿وَمَآ اَعْجَلَكَ﴾ اور کس چیز نے جلدی پر آمادہ کیا آپ کو ﴿عَنْ قَوْمِكَ﴾ اپنی قوم سے ﴿يٰمُوْسٰى﴾ اے موسیٰ علیہ السلام! ﴿قَالَ﴾ کہا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿هُمْ اُولَآءِ﴾ یہ میری قوم ﴿عَلٰٓى اَثَرِيْ﴾ میرے پیچھے آ رہی ہے ﴿وَعَجِلْتُ﴾ اور میں نے جلدی کی ﴿اِلَيْكَ﴾ آپ کی طرف ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿لِتَرْضٰى﴾ تاکہ آپ راضی ہو جائیں ﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿فَاِنَّا﴾ پس بے شک ہم نے ﴿قَدْ فَتَنَّا﴾ تحقیق فتنے اور آزمائش میں ڈال دیا ہے ﴿قَوْمَكَ﴾ آپ کی قوم کو ﴿مِنْۢ بَعْدِكَ﴾ آپ کے آنے کے بعد ﴿وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ﴾ اور ان کو گمراہ کیا ہے سامری نے ﴿فَرَجَعَ مُوْسٰٓى﴾ پس لوٹے موسیٰ علیہ السلام! ﴿اِلٰى قَوْمِهٖ﴾ اپنی قوم کی طرف ﴿غَضْبَانَ﴾ غصے میں ﴿اَسِفًا﴾ افسوس کرتے ہوئے ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿يٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم! ﴿اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ﴾ کیا نہیں وعدہ کیا تھا تمھارے ساتھ تمھارے رب نے ﴿وَعْدًا حَسَنًا﴾ وعدہ اچھا ﴿اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ﴾ کیا پس لمبا ہو گیا تھا تم پر وعدہ ﴿اَمْ اَرَدْتُّمْ﴾ یا تم نے ارادہ کیا ﴿اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ﴾ یہ کہ واجب ہو تم پر ﴿غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾

غضب تمھارے رب کی طرف سے ﴿فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ﴾ پس تم نے خلاف ورزی کی میرے وعدے کی ﴿قَالُوْا﴾ لوگوں نے کہا ﴿مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ﴾ نہیں خلاف ورزی کی ہم نے آپ کے وعدے کی ﴿بِمَلْكِنَا﴾ اپنے اختیار سے ﴿وَلٰكِنَّا﴾ اور لیکن ہم ﴿حُمِّلْنَآ﴾ اُٹھوائے گئے ﴿اَوْزَارًا﴾ بوجھ ﴿مِّنْ زِیْنَةِ الْقَوْمِ﴾ قوم کے زیورات ﴿فَقَذَفْنٰهَا﴾ پس ہم نے ان کو پھینک دیا ﴿فَكَذٰلِكَ﴾ پس اسی طرح ﴿اَلْقَى السَّامِرِیُّ﴾ ڈالا سامری نے ﴿فَاَخْرَجَ لَهُمْ﴾ پس نکالا ان کے لیے ﴿عِجْلًا﴾ بچھڑا ﴿جَسَدًا﴾ جسم تھا ﴿لَّهٗ خُوَارٌ﴾ اس کے لیے آواز تھی ﴿فَقَالُوْا﴾ پس کہا انھوں نے ﴿هٰذَآ اِلٰهُكُمْ﴾ یہ تمھارا معبود ہے ﴿وَاِلٰهُ مُوْسٰى﴾ اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود ہے ﴿فَنَسِیَ﴾ پس موسیٰ علیہ السلام بھول گئے ہیں ﴿اَفَلَا یَرَوْنَ﴾ کیا پس نہیں دیکھتے ﴿اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ﴾ یہ کہ وہ نہیں لوٹاتا ان کی طرف ﴿قَوْلًا﴾ کوئی بات ﴿وَّلَا یَمْلِكُ لَهُمْ﴾ اور نہیں مالک ان کے لیے ﴿ضَرًّا﴾ ضرر کا ﴿وَّلَا نَفْعًا﴾ اور نہ نفع کا۔

دو باتیں

ان آیات میں دو باتیں مذکور ہوئی ہیں۔ایک یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے بعد تورات کی تختیاں لے کر واپس آئے تو فرمایا کہ تمام مرد عورتیں اکٹھی ہو جائیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب نازل ہوئی ہے وہ سن لیں اور اس کے مطابق زندگی گزاریں۔تورات آسمانی کتابوں میں قرآن کریم کے بعد بڑی جامع مانع کتاب ہے اور قرآن حکیم کے بعد اس کا بلند مقام ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب ان کو تورات اول سے لے کر آخر تک سنائی تو کہنے لگے کہ اس کے احکام تو بڑے سخت ہیں ان پر عمل نہیں ہو سکے گا واپس جا کر اللہ تعالیٰ سے ترمیم کروا کر لائیں۔موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے ایک آزاد زندگی گزاری ہے اس لیے سن کر پریشان ہو گئے ہو جب ان احکام پر عمل کر دو گے تو آسان ہو جائیں گے۔لیکن قوم اس بات پر آمادہ نہ ہوئی تو ﴿وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا﴾ [اعراف:۱۵۵] "منتخب کیے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں ستر آدمی ہمارے وعدے کے وقت پر۔" ستر آدمیوں کو لے کر وادی طویٰ میں پہنچے مگر دوسرے آدمیوں سے خود پہلے پہنچ گئے۔ایک اس کا ذکر ہے اور دوسرا اس بات کا ذکر ہے، جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے تو قوم پیچھے گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئی چوں کہ موسیٰ علیہ السلام دوسرے آدمیوں سے تیزی کے ساتھ پہلے پہنچے تھے تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کس چیز نے آپ کو جلدی پر آمادہ کیا؟ اللہ تعالیٰ نیتوں اور مرادوں کو جانتا ہے مگر سوالات میں حکمتیں ہوتی ہیں اس کا ذکر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ یٰمُوْسٰى﴾ اور کس چیز نے جلدی پر آمادہ کیا آپ کو اپنی قوم سے اے موسیٰ علیہ السلام۔وہ پیچھے ہیں اور آپ جلدی آ گئے ہیں ﴿قَالَ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ﴿هُمْ اُولَآءِ عَلٰۤى اَثَرِیْ﴾ یہ میری قوم

میرے پیچھے آرہی ہے ﴿وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ﴾ اور میں نے جلدی کی آپ کی طرف ﴿رَبِّ لِتَرْضٰى﴾ اے میرے رب! تا کہ آپ راضی ہو جائیں۔ محض آپ کی ملاقات کے شوق کی وجہ سے جلدی آیا ہوں۔ چنانچہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا کہنے لگے آواز تو آرہی ہے لیکن معلوم نہیں جن بولتا ہے، کوئی فرشتہ بولتا ہے یا رب بولتا ہے ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ [بقرہ:۵۵] "ہم ہرگز نہیں تصدیق کریں گے آپ کی یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں اللہ تعالیٰ ظاہر آنکھوں کے ساتھ۔" اللہ تعالیٰ نے بجلی پھینکی ستر کے ستر سارے مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار! ﴿اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا﴾ [الاعراف:۱۵۵] "کیا آپ ہمیں ہلاک کرتے ہیں اس فعل کی وجہ سے جو ہم میں سے بعض بے وقوفوں نے کیا ہے۔" اے پروردگار! بے وقوف تھے میں ان کو تائید کے لیے لایا تھا واپس جاؤں گا تو قوم پوچھے گی ہمارے نمائندے کدھر گئے ہیں تو میں کیا کہوں گا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا موت کے بعد۔

دو تفسیریں ؟

سورہ بقرہ آیت نمبر ۵۶ میں ہے ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ﴾ "پھر ہم نے تمھیں زندہ کیا تمھارے مرنے کے بعد۔" ایک تفسیر یہ ہے اور دوسری تفسیر یہ کہ انھوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی اس پوجا کی معذرت کے سلسلے میں ستر آدمی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گئے تھے۔ اس موقع پر رب تعالیٰ کا کلام سنا تھا تو کہنے لگے کہ ہم رب تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھیں گے تو پھر مانیں گے تو فرمایا میں جلدی اس لیے آیا ہوں آپ مجھ سے راضی ہو جائیں موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر تشریف لے جانے لگے تو اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو تاکید کی تھی کہ قوم کو وعظ ونصیحت کرتے رہنا اور جو پروگرام میں نے دیا ہے اس پر قائم رکھنا لیکن ہوا یہ کہ بنی اسرائیل کی ایک شاخ تھی بنو سامرہ۔ بنو سامرہ قبیلے کا ایک شخص تھا جس کا نام تھا موسیٰ بن ظفر یہ منافق تھا جس وقت بحر قلزم میں فرعون کی فوجیں تباہ ہو رہی تھیں اس وقت جبرئیل علیہ السلام گھوڑے پر سوار تھے وہ گھوڑا جہاں پاؤں رکھتا تھا وہ جگہ فوراً سرسبز ہو جاتی تھی۔ تو اس نے وہاں سے تھوڑی سی مٹی اٹھا کر محفوظ کر لی تھی۔ آئندہ رکوع میں آرہا ہے کہ سامری نے کہا ﴿فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ﴾ "پس بھری میں نے ایک مٹھی رسول (جبرئیل علیہ السلام) کے قدم سے۔" تو یہ مٹی اس کے پاس محفوظ تھی بنی اسرائیل جب مصر سے آئے تھے تو فرعونیوں کے زیور ان کے پاس تھے کافی مقدار میں۔

وہ ان کے پاس کس طرح آئے تو اس کے متعلق دو تفسیریں منقول ہیں۔ ایک یہ کہ ان کا فنکشن تھا شادی وغیرہ کے لیے ان سے مانگے تھے کہ ہم استعمال کر کے دے دیں گے مگر آتے وقت ان کو دیئے نہیں اور یہ تفسیر بھی منقول ہے کہ فرعونی چوں کہ امیر لوگ تھے ان کو چوری وغیرہ کا خطرہ ہوتا تھا اور بنی اسرائیلی غریب لوگ تھے اور غریب کے گھر کسی نے کیا چوری کرنی ہے سب پتہ ہوتا ہے کہ دو چار کتابیں ہوں گی، دو چار بستر ے اور دو چار پرچ پیالیاں مہمانوں کے لیے۔ چور تو وہاں جائے گا جہاں کچھ ہو گا۔ تو ان غریبوں کے پاس انھوں نے اپنے زیور امانت کے طور پر رکھے ہوئے تھے لیکن جس وقت انھوں نے ہجرت کی تو یہ زیور

انہیں کے پاس رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بات سے بے خبر تھے جس وقت وادی سینائی پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام کو بتلایا کہ ہمارے پاس ان کے زیور ہیں کیا یہ ہمارے لیے جائز ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جائز نہیں ہیں ان کو جا کر کہیں جنگل میں دفن کر دو کیوں کہ مالِ غنیمت ان کی شریعتوں میں جائز نہیں تھا ہمارے لیے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے جائز فرمایا ہے، حلال فرمایا ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیلیوں نے جا کر وہ زیورات جنگل میں دفن کر دیئے اور سامری نے نکال لیے اور سونے چاندی کا بچھڑا بنایا اور آئندہ رکوع میں بات آ رہی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں والی مٹی اس کے منہ میں ڈال دی اس نے ٹیں ٹیں کی آواز نکالنا شروع کر دی۔

یہاں بھی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ وہ بچھڑا سونے چاندی کا ہی رہا لیکن اس میں آواز پیدا ہو گئی یعنی سونے چاندی کی حیثیت نہیں بدلی۔ اور دوسری تفسیر علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ لَحْمًا وَّ دَمًا اللہ تعالیٰ نے اس کو گوشت پوست کا بچھڑا بنا دیا۔ قادرِ مطلق کے سامنے تو کوئی مشکل نہیں ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اس بچھڑے سے ٹیں ٹیں کی آواز نکلنے لگ گئی۔ سامری نے کہا کہ یہ جو اس کے اندر ٹیں کر رہا ہے یہ رب ہے۔ پہلے موسیٰ علیہ السلام جاتے تھے تو جلدی واپس آ جاتے تھے اب وہ کوہِ طور پر رب کا انتظار کر رہے ہیں اور رب یہاں ٹیں ٹیں کر رہا ہے۔

چنانچہ ان میں سے کچھ جاہل لوگوں نے اس کی پوجا شروع کر دی، سب نے نہیں، موحد بھی تھے بس جن کی عقل ماری گئی تھی۔ کوئی اس کا طواف کر رہا ہے کوئی چڑھاوا چڑھا رہا ہے کوئی اس پر ہاتھ پھیر رہا ہے کوئی سجدہ کر رہا ہے کوئی کچھ اور کوئی کچھ کر رہا ہے اور یہ سب کچھ اس کی ٹیں ٹیں پر ہو رہا ہے۔ اندازہ لگاؤ اس قوم کا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر کتنے معجزے دیکھے ان کا اثر ذہن میں نہیں رہا بچھڑے کی ٹیں ٹیں پر قربان ہو گئے۔ یہ ساری سامری کی شرارت تھی چوں کہ حقیقتاً وہ مشرک تھا صرف ظاہری طور پر اس نے کلمہ پڑھا تھا اور بعض کو اس نے گمراہ کیا سب لوگ گمراہ نہیں ہوئے تھے اس کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ﴾ پس بے شک ہم نے فتنے اور آزمائش میں ڈال دیا ہے تیری قوم کو ﴿مِنْۢ بَعْدِكَ﴾ آپ کے وہاں سے آنے کے بعد ﴿وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ﴾ اور ان کو گمراہ کیا ہے سامری نے۔ جس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا قبیلہ بنو سامرہ سے جو بنی اسرائیل کی ایک شاخ تھی ﴿فَرَجَعَ مُوْسٰۤى﴾ پس لوٹے موسیٰ علیہ السلام چالیس دنوں کے بعد ﴿اِلٰى قَوْمِهٖ﴾ اپنی قوم کی طرف ﴿غَضْبَانَ اَسِفًا﴾ غصے میں تھے افسوس کرتے ہوئے۔ آئندہ رکوع میں آ رہا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بالوں کو پکڑ کر کھینچا کہ تیرے ہوتے ہوئے یہ کیا ہے، قوم شرک میں مبتلا ہو گئی ہے آپ نے سستی کی ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام عمر میں موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے مگر درجہ اور مقام موسیٰ علیہ السلام کا بڑا تھا۔ شرح فقہ اکبر وغیرہ عقائد کی کتابوں میں متکلمین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں پہلا درجہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور تیسرا درجہ موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔

تو موسیٰ علیہ السلام جب واپس تشریف لائے تو غصے میں تھے افسوس کرتے ہوئے کہ کیا بنا ہے؟ ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿یٰقَوْمِ اَلَمْ یَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ﴾ اے میری قوم! کیا نہیں کیا تھا تمھارے ساتھ تمھارے رب نے وعدہ وَعْدًا حَسَنًا وعدہ اچھا کہ تمہیں تورات کی صورت میں آئین ملے گا ﴿اَفَطَالَ عَلَیْكُمُ الْعَهْدُ﴾ کیا پس لمبا ہو گیا تھا تم پر وعدہ ﴿اَمْ اَرَدْتُّمْ﴾ یا تم نے ارادہ کیا ﴿اَنْ یَّحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾۔ حَلَّ یَحِلُّ باب ضَرَبَ سے ہو تو اس کا معنی ہے لازم ہونا اور نَصَرَ سے ہو تو اس کا معنی ہے اُترنا۔ تو معنی ہوگا کہ واجب ہوا تم پر لازم ہوا تم پر غضب تمھارے رب کی طرف سے ﴿فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ﴾ پس تم نے خلاف ورزی کی میرے وعدے کی۔ تم نے میرے ساتھ توحید پر پختہ رہنے کا وعدہ کیا تھا اب تم بگڑ گئے ہو بچھڑے کی پوجا شروع کر دی ہے ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿مَاۤ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ﴾ نہیں خلاف ورزی کی ہم نے آپ کے وعدے کی ﴿بِمَلْكِنَا﴾ اپنے اختیار سے ﴿وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَاۤ﴾ اور لیکن ہم اٹھوائے گئے ﴿اَوْزَارًا مِّنْ زِیْنَةِ الْقَوْمِ﴾ قوم کے زیورات کے بوجھ سے۔ ہمارے اوپر بوجھ تھا جس کی وجہ سے ہم مجبور ہو گئے ﴿فَقَذَفْنٰهَا﴾ ہم نے ان کو پھینک دیا کیونکہ ان کی شرائع میں مالِ غنیمت حلال نہیں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے انھوں نے وہ زیورات پھینک دیئے ﴿فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِیُّ﴾ پس اسی طرح ڈالا سامری نے۔ یہاں ڈالنے سے مراد ڈھالنا ہے، سامری نے سونے چاندی کو ڈھال کر بچھڑا بنا دیا ﴿فَاَخْرَجَ لَهُمْ﴾ پس نکالا ان کے لیے ﴿عِجْلًا﴾ بچھڑا ﴿جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ﴾ جسم تھا اس کے لیے آواز تھی۔ ٹیں ٹیں کی آواز نکالتا تھا۔

بچھڑے کے متعلق دو تفسیریں

اس کے متعلق دونوں تفسیروں کا میں نے حوالہ دیا ہے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ بچھڑا سونے چاندی کا ہی رہا گوشت پوست میں تبدیل نہیں ہوا لیکن وہ جو مٹی اس کے منہ میں رکھی اس کی وجہ سے اس نے ٹیں ٹیں کی آواز نکالنی شروع کر دی۔

جب کہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ لَحْمًا وَّدَمًا اس کا گوشت پوست بن گیا تھا ﴿فَقَالُوْا﴾ پس کہا انھوں نے جو ان میں سے ملحد اور مشرک قسم کے لوگ تھے ﴿هٰذَاۤ اِلٰهُكُمْ﴾ یہ تمھارا معبود ہے جو ٹیں ٹیں کر رہا ہے ﴿وَاِلٰهُ مُوْسٰى﴾ اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود بھی یہی ہے ﴿فَنَسِیَ﴾ پس موسیٰ علیہ السلام بھول گئے ہیں۔ وہ وہاں رب تعالیٰ کا انتظار کر رہے ہیں اور رب آ کر اس میں داخل ہو گیا ہے۔ جب لوگوں کی عقل ماری جائے تو پھر یہی کچھ ہوتا ہے۔ فرمایا ﴿اَفَلَا یَرَوْنَ﴾ کیا پس نہیں دیکھتے وہ ﴿اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا﴾ یہ کہ نہیں لوٹاتا وہ بچھڑا ان کی طرف کوئی بات صرف ٹیں ٹیں کی تو کچھ حقیقت نہیں ہے اصل تو یہ ہے کہ کوئی سوال کرے تو جواب دے اور اس کی حالت یہ تھی کہ تم جو بھی کہو وہ ٹیں ٹیں کر رہا ہے۔ بھئی! ٹیں ٹیں سے کیا بنے گا؟ ایک تو گفتگو نہیں کر سکتا اور دوسری بات یہ ہے کہ ﴿وَّلَا یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا﴾ اور نہیں مالک وہ ان کے لیے ضرر کا اور نہ نفع کا۔ اللہ وہ ہے جو نافع بھی ہو اور ضار بھی ہو۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ نہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر کوئی ہستی نہیں ہے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے دو اعلان کرائے ہیں پہلا اعلان یہ کروایا کہ قُلْ "اے نبی کریم ﷺ! آپ کہہ دیں ﴿اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ [جن:۲۱] "بے شک میں تمھارے نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔" اور دوسرا اپنی ذات کے متعلق اعلان کروایا قُلْ "آپ کہہ دیں ﴿لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ [اعراف:۱۸۸] میں نہیں ہوں مالک اپنے نفس کے لیے نفع کا اور نہ نقصان کا۔" جب آنحضرت ﷺ جیسی ذات گرامی نفع نقصان کی مالک نہیں ہے تو

دیگراں را چہ رسد

کسی کو کیا اختیار ہو سکتا ہے مگر جب لوگوں کی عقل ماری جائے تو پھر قبروں کی پوجا کرتے ہیں، بزرگوں کی پوجا کرتے ہیں اور بہت کچھ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شرک سے بچائے اور محفوظ رکھے۔

﴿وَلَقَدْ﴾ اور البتہ تحقیق ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿لَهُمْ﴾ ان کو ﴿هٰرُوْنُ﴾ ہارون علیہ السلام نے ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿يٰقَوْمِ﴾ اے میری قوم ﴿اِنَّمَا﴾ پختہ بات ہے ﴿فُتِنْتُمْ بِهٖ﴾ تم فتنے میں ڈالے گئے اس بچھڑے کے ساتھ ﴿وَاِنَّ﴾ اور بے شک ﴿رَبَّكُمُ﴾ تمھارا رب ﴿الرَّحْمٰنُ﴾ رحمان ہے ﴿فَاتَّبِعُوْنِیْ﴾ پس تم میری اتباع کرو (عملاً) ﴿وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِیْ﴾ اور میرے حکم کی اطاعت کرو (قولاً) ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ﴾ ہم ہرگز نہیں ٹلیں گے اس سے ﴿عٰكِفِيْنَ﴾ جھکے رہیں گے ﴿حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى﴾ یہاں تک کہ لوٹ آئیں ہماری طرف موسیٰ علیہ السلام ﴿قَالَ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿يٰهٰرُوْنُ﴾ اے ہارون علیہ السلام! ﴿مَا مَنَعَكَ﴾ کس چیز نے آپ کو روکا ﴿اِذْ رَاَيْتَهُمْ﴾ جب آپ نے دیکھا ان کو ﴿ضَلُّوْٓا﴾ کہ گمراہ ہو گئے ہیں ﴿اَلَّا تَتَّبِعَنِ﴾ کہ تم نے میری پیروی کیوں نہ کی ﴿اَفَعَصَيْتَ اَمْرِیْ﴾ کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿يَبْنَؤُمَّ﴾ اے میری ماں کے بیٹے! ﴿لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِیْ﴾ آپ نہ پکڑیں میری ڈاڑھی کو ﴿وَلَا بِرَاْسِیْ﴾ اور نہ میرے سر کو ﴿اِنِّیْ خَشِيْتُ﴾ بے شک مجھے خوف ہوا ﴿اَنْ تَقُوْلَ﴾ کہ آپ کہیں گے ﴿فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ آپ نے تفریق ڈالی بنی اسرائیل کے درمیان ﴿وَلَمْ تَرْقُبْ﴾ اور آپ نے انتظار نہیں کیا ﴿قَوْلِیْ﴾ میری بات کا ﴿قَالَ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿فَمَا خَطْبُكَ﴾ تیرا کیا معاملہ ہے ﴿يٰسَامِرِیُّ﴾ اے سامری! ﴿قَالَ﴾ سامری نے کہا ﴿بَصُرْتُ﴾ دیکھی میں نے ﴿بِمَا﴾ وہ چیز ﴿لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ﴾ جس کو ان لوگوں نے نہیں دیکھا ﴿فَقَبَضْتُ﴾ پس اٹھائی میں نے ﴿قَبْضَةً﴾ ایک مٹھی ﴿مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ﴾ فرشتے کے نشان سے ﴿فَنَبَذْتُهَا﴾ پس میں نے اس

کو پھینک دیا بچھڑے میں ﴿وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِیْ نَفْسِیْ﴾ اور اسی طرح آمادہ کیا میرے لیے میرے نفس نے ﴿قَالَ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ﴿فَاذْهَبْ﴾ پس تم جاؤ ﴿فَاِنَّ لَكَ﴾ پس تیرے لیے ہے ﴿فِی الْحَیٰوةِ﴾ زندگی میں ﴿اَنْ تَقُوْلَ﴾ یہ کہ تم کہوگے ﴿لَا مِسَاسَ﴾ نہ چھوؤ ﴿وَ اِنَّ لَكَ﴾ اور بے شک تیرے لیے ﴿مَوْعِدًا﴾ ایک وعدے کا وقت ہے ﴿لَّنْ تُخْلَفَهٗ﴾ ہرگز تیرے ساتھ اس کی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی ﴿وَانْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ﴾ اور دیکھ اپنے معبود کو ﴿الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ﴾ جس پر سارا دن تو ﴿عَاكِفًا﴾ جھکا رہا ﴿لَنُحَرِّقَنَّهٗ﴾ البتہ ہم ضرور اس کو جلائیں گے ﴿ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ﴾ پھر البتہ ضرور اس کو اڑا دیں گے ﴿فِی الْیَمِّ﴾ بحر قلزم میں ﴿نَسْفًا﴾ اُڑا دینا ﴿اِنَّمَاۤ﴾ پختہ بات ہے ﴿اِلٰهُكُمُ﴾ تمھارا معبود ﴿اللّٰهُ﴾ اللہ جل جلالہ ہے ﴿الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ وہ کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی ﴿وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾ وسیع ہے وہ ہر چیز پر از روئے علم کے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب تورات لینے کے لیے کوہ طور پر جا رہے تھے تو ہارون علیہ السلام کو تاکید فرمائی کہ قوم کے مزاج سے تم واقف ہو کہ یہ شرارت پسند لوگ ہیں لہٰذا ان کی خوب نگرانی کرنا۔ لیکن ہوا یہ کہ سامری نے بچھڑا بنا کر اس کی عبادت شروع کرا دی۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے پورا زور صرف کیا ان کو سمجھانے میں مگر وہ باز نہ آئے۔ اس کا ذکر ہے ﴿وَ لَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ﴾ اور البتہ تحقیق فرمایا ان کو ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے طور سے واپس آنے سے پہلے یعنی ان کی غیر حاضری میں فرمایا ﴿یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ﴾ اے میری قوم! پختہ بات ہے تم فتنے میں ڈالے گئے ہو اس بچھڑے کی وجہ سے۔ اے ظالمو! تم نے بچھڑے کو الٰہ بنا لیا ہے ﴿وَ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ﴾ اور بے شک تمھارا رب رحمان ہے۔

لفظ رحمٰن اور رحیم میں فرق

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لفظ رحمٰن اور رحیم میں فرق بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ رحمٰن اسے کہتے ہیں جو بن مانگے دے اور رحیم اسے کہتے ہیں جو مانگنے پر دیتا ہے رب تعالیٰ نے ہمیں جو کچھ دیا ہے بغیر مانگے کے دیا ہے وجود دیا آنکھیں دیں، کان دیئے، زبان دی، ہونٹ دیئے، ٹانگیں دیں، ہاتھ دیئے، ہمیں کیا شعور تھا، ہمیں کیا شد بدھ تھی یہ تمام نعمتیں رب تعالیٰ نے بغیر مانگنے کے دی ہیں۔ تو فرمایا رب تمھارا رحمٰن ہے ﴿فَاتَّبِعُوْنِیْ﴾ پس تم میری اتباع کرو اتباع ہوتی ہے عمل میں اور اطاعت ہوتی ہے قول میں تو عملی طور پر میری اتباع کرو ﴿وَ اَطِیْعُوْۤا اَمْرِیْ﴾ اور میرے حکم کی اطاعت کرو قولاً فعلاً میری پیروی کرو۔ اس سامری شیطان کی پیروی نہ کرو، بچھڑے کو معبود نہ بناؤ اور بد باطن لوگ ہوتے تھے جنھوں نے بچھڑے کو معبود بنایا تھا ﴿قَالُوْا﴾ کہنے لگے ﴿لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ﴾ ہم ہرگز نہیں ٹلیں گے اس سے، اسی پر ﴿عٰكِفِیْنَ﴾ جھکے رہیں گے اسی کی عبادت کریں گے ﴿حَتّٰى یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰى﴾ یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام لوٹ آئیں ہمارے پاس۔ ان کے آنے تک ہم اس کی

عبادت کریں گے کیونکہ ہمیں سبق دیا گیا ہے کہ اس میں جو تیں ٹیں کر رہا ہے وہ رب ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا جلالی مزاج

موسیٰ علیہ السلام تورات کی دس تختیاں لے کر آئے تھے چوں کہ رب تعالیٰ کی توحید میں خلل نظر آ رہا تھا اور جلالی مزاج تھے جب حضرت ہارون علیہ السلام پر نظر پڑی ﴿وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ﴾ [اعراف: ۱۵۰] "اور ڈال دیا موسیٰ علیہ السلام نے تختیوں کو اور پکڑ لیا اپنے بھائی کے سر کو اور اس کو کھینچا اپنی طرف۔" اگرچہ الْقٰی کے معنی پھینکنے کے بھی آتے ہیں مگر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ تختیاں جلدی سے نیچے رکھ دیں (حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا تا کہ ہارون علیہ السلام کے ساتھ دو ہاتھ کر لیں۔) ہارون علیہ السلام نے پٹے رکھے ہوئے تھے اور ڈاڑھی بھی۔ سر کے پٹوں اور ڈاڑھی سے پکڑا کہ رب تعالیٰ کی توحید میں خلل آیا اور تم خاموش رہے ہارون علیہ السلام طبعاً نرم مزاج تھے رب تعالیٰ کی قدرت ہے کہ ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہوتی ہے کسی کا قد بڑا کسی کا چھوٹا شکلوں میں بھی فرق ہوتا ہے مزاجوں میں بھی فرق ہوتا ہے، عقل، فہم، فراست میں بھی فرق ہوتا ہے یہ سب رب تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو پکڑا اور ﴿قَالَ﴾ فرمایا ﴿يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ﴾ اے ہارون (علیہ السلام)! تجھے کس چیز نے روکا ﴿اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْۤا﴾ جب آپ نے دیکھا کہ گمراہ ہو گئے ہیں ﴿اَلَّا تَتَّبِعَنِ﴾ کہ تم نے میری پیروی کیوں نہ کی۔

دو تفسیریں

اس کی ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خیال کیا کہ شاید انھوں نے پوری طرح تبلیغ نہیں کی چوں کہ نرم مزاج تھے میری بات پر اچھی طرح عمل نہیں کیا میں نے کہا تھا ان لوگوں کی نگرانی کرنا تم نے نگرانی نہیں کی۔ دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ تم میرے پیچھے کیوں نہیں آئے جب آپ نے دیکھا کہ یہ گمراہ ہو گئے اور تمھاری بات نہیں مانتے تو آپ میرے پیچھے چلے آتے ﴿اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ﴾ کیا آپ نے میرے حکم کی نافرمانی کی جس طرح ڈٹ کر تبلیغ کرنے کا حق تھا اس طرح نہیں کی موسیٰ علیہ السلام کے خیال کے مطابق میرے پیچھے کیوں نہیں آئے ﴿قَالَ﴾ ہارون علیہ السلام نے کہا ﴿يَبْنَؤُمَّ﴾ اے میری ماں کے بیٹے! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام عمران بن قہث بن لاوی بن یعقوب علیہم السلام تھا۔ اپنے دور کے بڑے نیک بزرگ تھے اور والدہ کا نام یوخاند عربی میں لکھتے ہیں اور اردو میں یوکابد لکھتے ہیں جس طرح وہ ماں کے بیٹے ہیں باپ کے بھی بیٹے ہیں لیکن چوں کہ ماں میں شفقت زیادہ ہوتی ہے بہ نسبت باپ کے اس لیے ماں کا ذکر کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ ماں میں یہ شفقت نہ رکھتے تو بچے کی کبھی تربیت نہ ہو سکتی۔ اسی شفقت کا نتیجہ ہے کہ اپنے بچوں کی گرمی سردی دھوپ چھاؤں میں خدمت کرتی ہے اور خود تکلیف برداشت کرتی ہے ورنہ اس طرح کون تکلیف اُٹھاتا ہے۔

فرمایا اے میری ماں کے بیٹے! ﴿لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ﴾ نہ پکڑ میری ڈاڑھی کو ﴿وَ لَا بِرَاْسِيْ﴾ اور نہ میرے سر کو ﴿اِنِّيْ

خَشِیْتُ ﴾ بے شک مجھے خوف ہوا ﴿ اَنْ تَقُوْلَ ﴾ کہ آپ کہیں گے ﴿ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ آپ نے تفریق ڈال دی بنی اسرائیل کے درمیان۔ اس لیے میں آپ کے پیچھے نہیں آیا باقی میں نے سمجھانے میں کوئی کمی نہیں کی اتنا سمجھایا کہ ﴿ کَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ﴾ [اعراف:۱۵۰] "قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے۔" پہلے موسیٰ علیہ السلام کا یہ خیال تھا کہ چوں کہ یہ نرم مزاج تھے ان کی نرمی کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا ہے لیکن جب تسلی ہو گئی تو پھر اپنے لیے بھی دعا کی اور بھائی کے لیے بھی دعا کی ﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ ﴾ [ایضاً:۱۵۱] "اے پروردگار! معاف کر دے مجھے اور میرے بھائی کو۔" بظاہر یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک یہ کہ حضرت ہارون علیہ السلام عمر میں بڑے تھے اور موسیٰ علیہ السلام چھوٹے تھے تو چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی کی بے حرمتی کیوں کی۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ ہارون علیہ السلام نبی ہیں۔ نبی کی توہین، ڈاڑھی اور سر کو پکڑ کر کھینچنا یہ اپنی جگہ گناہ ہے۔ دونوں سوالوں کا جواب یہ ہے کہ نہ بڑے بھائی کی توہین کی ہے اور نہ نبی کی توہین کی ہے بلکہ رب تعالیٰ کی توحید میں خلل دیکھ کر برداشت نہیں ہوا۔ اصل مقصد غصہ ہے کہ رب تعالیٰ کی توحید کے خلاف یہ کارروائی کیوں ہوئی ہے۔

تو ہارون علیہ السلام نے کہا کہ میں نے سمجھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی البتہ آپ کے پیچھے اس لیے نہیں آیا کہ آپ یہ نہ کہیں کہ آپ نے بنی اسرائیل کے درمیان تفریق کیوں ڈالی کیوں کہ جب میں آپ کے پیچھے آتا تو کچھ میرے ساتھ آتے کچھ پیچھے رہ جاتے تو یہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے اور آپ یہ بھی کہتے کہ ﴿ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ ﴾ اور آپ نے انتظار نہیں کیا میری بات کا میرے آنے تک۔ تو یہ کام نہ کرتے کہ کچھ ساتھ لے جائے اور کچھ وہاں چھوڑ آئے۔ جب یہ معاملہ صاف ہو گیا کہ ہارون علیہ السلام نے وضاحت فرما دی تو پھر سامری کی خبر لی ﴿ قَالَ ﴾ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے فَمَا خَطْبُكَ یٰسَامِرِیُّ وَ مَا حَالُكَ وَ مَا شَانُكَ وَ مَا بَالُكَ اے سامری! تمھارا کیا حال ہے بتاؤ تم نے یہ کارروائی کیوں کی ہے ﴿ قَالَ ﴾ سامری نے کہا ﴿ بَصُرْتُ ﴾ میں نے دیکھی ﴿ بِمَا لَمْ یَبْصُرُوْا بِهٖ ﴾ وہ چیز جس کو انھوں نے نہیں دیکھا ﴿ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ ﴾ پس اُٹھائی میں نے ایک مٹھی فرشتے کے نشان سے۔ اے من حَافِرِ فَرَسِ الرَّسُوْلِ "یعنی جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدم کے نشان سے۔" ایک تفسیر یہ کرتے ہیں کہ جس وقت فرعونیوں کو بحر قلزم میں غرق کیا گیا اس وقت جبرئیل علیہ السلام گھوڑے پر سوار تھے اور ان کے گھوڑے کا نام حیزوم تھا۔

جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کا ذکر

بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ بدر کے موقع پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دو آدمی دیکھے سفید رنگ کے کپڑے زیب تن کیے ہوئے گھوڑوں پر سوار تھے حیران ہوئے کہ یہ آدمی ہمارے ساتھ تو نہیں آئے ان کے ہاتھ میں چابک تھے جب کافر کو مارتے تھے پشت کے بل گرا دیتے تھے بعد میں انھوں نے اس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام تھے اور جبرئیل علیہ السلام جس گھوڑے پر سوار تھے اس کا نام حیزوم تھا۔ تو سامری نے دیکھا کہ وہ گھوڑا جس جگہ پاؤں رکھتا ہے وہ جگہ فوراً سرسبز ہو جاتی ہے۔ جس طرح خضر علیہ السلام جس جگہ بیٹھتے تھے یا پاؤں

رکھتے تھے وہ جگہ سرسبز ہو جاتی تھی اسی وجہ سے ان کا نام خضر ہے خضر کے معنٰی سبز ورنہ ان کا اصل نام تو بلیا بن ملکان علیہ السلام ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم عصر تھے اور جمہور کے نزدیک پیغمبر تھے اور ذوالقرنین کے وزیر اعظم تھے اور جمہور اس کے قائل ہیں کہ وہ ابھی تک زندہ ہیں۔

علم عقائد کی مشہور اور مستند کتاب ہے "خیالی" اس میں یہ لکھا ہے کہ چار پیغمبر زندہ ہیں دو آسمانوں پر اور دو زمین پر حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات دلائل قطعی سے ثابت ہے اور حضرت عیسیٰ کی حیات اور نزول کا منکر پکا کافر ہے اس پر میری مستقل کتاب ہے "توضیح المرام فی نزول المسیح علیہ السلام" اس میں قیامت کی نشانیاں، مہدی علیہ السلام کا ظہور، عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، دجال کا خروج، زلزلوں کی آمد یہ سب واقعات احادیث اور تاریخ کی روشنی میں بیان کیے ہیں اس کو ضرور پڑھیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی حیات قطعی دلیل سے نہیں ہے ظنی دلیل سے ہے۔

تو سامری نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کی مٹی تھوڑی سی برکت کے لیے اٹھا کر رکھ لی۔ پھر کیا ہوا ﴿فَنَبَذْتُهَا﴾ پس میں نے اس کو پھینک دیا بچھڑے میں اس کے منہ میں ڈالی وہ ٹیں ٹیں کرنے لگ گیا ﴿وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ﴾ اور اسی طرح آمادہ کیا میرے لیے میرے نفس نے۔ میرے نفس نے میرے لیے یہ کارروائی مزین کی میں نے سمجھا کہ اس مٹی میں کرشمہ ہے چوں کہ جگہ فوراً سرسبز ہو جاتی تھی ﴿قَالَ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿فَاذْهَبْ﴾ پس تم جاؤ ﴿فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ﴾ پس تیرے لئے ہے زندگی میں ﴿اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ﴾ کہ تم کہو گے نہ چھوؤ تیرے لیے یہ سزا ہوگی کہ تو کہتا پھرے گا مجھے ہاتھ نہ لگانا جو شخص سامری کو ہاتھ لگاتا تھا اس کو تیز بخار ہو جاتا ہے ایسا کہ ناقابل برداشت اور ہاتھ لگانے والے کو بھی بخار چڑھ جاتا ہے۔ سامری نے تو لوگوں کو جمع کرنے کا ڈھونگ رچایا تھا رب تعالیٰ نے یہ سزا دی کہ اب لوگوں کو کہتا تھا کہ میرے قریب نہ آنا اور جو کوئی قریب آتا تو یہ دوڑ لگا دیتا۔ ہندوؤں نے بھرشٹ ہونا یہیں سے لیا ہے کہ ایک دوسرے کو نہ ملنا ہندو دوسرے کو قریب نہیں آنے دیتے کہ مجھے بھرشٹ ہو جاتا ہے ﴿وَ اِنَّ لَكَ مَوْعِدًا﴾ اور بے شک تیرے لیے ایک وعدے کا وقت ہے ﴿لَّنْ تُخْلَفَهٗ﴾ ہرگز تیرے ساتھ اس کی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی۔ موت کا وقت بھی ہے اور قیامت کا وقت بھی۔ اور تیرے لیے دنیا کی سزا یہ ہے کہ تم لوگوں سے بھاگتے پھرو گے اور قیامت کی سزا اپنی جگہ ہوگی۔ ﴿وَ انْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ﴾ اور دیکھ اپنے الٰہ کی طرف جو بچھڑا تو نے بنایا تھا ﴿الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا﴾ وہ جس پر سارا دن تو جھکا رہتا تھا اس کو دیکھو ﴿لَنُحَرِّقَنَّهٗ﴾ البتہ ضرور ہم اس کو جلائیں گے ﴿ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ﴾ پھر ہم اس کو اڑا دیں گے ﴿فِي الْيَمِّ﴾ بحر قلزم میں ﴿نَسْفًا﴾ اُڑا دینا۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

بعض ملحدوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ بچھڑا سونے چاندی کا تھا اور سونا چاندی تو جلتا نہیں ہے وہ تو پگھلتا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیسے فرمایا کہ ہم اس کو جلا دیں گے اور پھر بحر قلزم میں اڑا دیں گے۔ تو مفسرین کرام رحمہم اللہ اس کے دو جواب دیتے ہیں۔ ایک

یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے دوسرے کام کون سے سمجھ آتے ہیں لاٹھی کا اژدہا بننا کیا سمجھ میں آتا ہے؟ لاٹھی کے مارنے سے سمندر کا پھٹ جانا کیا سمجھ میں آتا ہے؟ ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالیں تو روشن ہو جائے کیا یہ سمجھ میں آتا ہے کہ سونے کا جلنا سمجھ میں آجائے۔ تو جس طرح دوسرے سارے معجزات ہیں یہ بھی معجزہ ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ آج بھی لوگ سونے چاندی کا کشتہ مارتے ہیں سونے اور چاندی کو راکھ بنا کر استعمال کرتے ہیں تو کیا حکیم ڈاکٹر سونے چاندی کو راکھ بنا سکتے ہیں اور خدا کا پیغمبر نہیں بنا سکتا؟ اس میں کیا شک ہے حق کی باتوں پر تعجب کرنا اور انکار کرنا ایمان کے خلاف ہے۔

فرمایا ﴿اِنَّمَآ اِلٰـهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ﴾ پختہ بات ہے کہ تمھارا معبود اللہ ہے وہ کہ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ نہیں ہے معبود کوئی مگر وہی صرف وہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ﴿وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾ وہ وسیع ہے ہر شے پر از روئے علم کے۔ یہ جو تم نے خود ساختہ بنایا ہے یہ کوئی شے نہیں ہے الٰہ صرف رب تعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔

﴿كَذٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿نَقُصُّ﴾ ہم بیان کرتے ہیں ﴿عَلَیْكَ﴾ آپ کے سامنے ﴿مِنْ اَنْۢبَآءِ﴾ خبروں سے ﴿مَا﴾ ان اُمتوں کی ﴿قَدْ سَبَقَ﴾ تحقیق جو گزر چکی ہیں ﴿وَقَدْ اٰتَیْنٰكَ﴾ اور تحقیق ہم نے دیا آپ کو ﴿مِنْ لَّدُنَّا﴾ اپنی طرف سے ﴿ذِكْرًا﴾ ذکر ﴿مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ﴾ جو اعراض کرے گا اس ذکر سے ﴿فَاِنَّهٗ﴾ پس بے شک وہ ﴿یَحْمِلُ﴾ اُٹھائے گا ﴿یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ قیامت کے دن ﴿وِزْرًا﴾ بوجھ ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهِ﴾ ہمیشہ رہیں گے اس میں ﴿وَسَآءَ لَهُمْ﴾ اور بُرا ہوگا ان کے لیے ﴿یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿حِمْلًا﴾ بوجھ ﴿یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ﴾ جس دن پھونکی جائے گی بگل ﴿وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ﴾ اور ہم اکٹھا کریں گے مجرموں کو ﴿یَوْمَىٕذٍ﴾ اس دن ﴿زُرْقًا﴾ نیلی آنکھوں والے ہوں گے ﴿یَّتَخَافَتُوْنَ بَیْنَهُمْ﴾ آہستہ آہستہ گفتگو کریں گے۔ آپس میں ﴿اِنْ لَّبِثْتُمْ﴾ نہیں ٹھہرے تم ﴿اِلَّا عَشْرًا﴾ مگر دس دن اور دس راتیں ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ﴾ ہم خوب جانتے ہیں ﴿بِمَا یَقُوْلُوْنَ﴾ جو وہ کہیں گے ﴿اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ﴾ جس وقت کہے گا ان میں سے اچھا ﴿طَرِیْقَةً﴾ روش کے لحاظ سے ﴿اِنْ لَّبِثْتُمْ﴾ نہیں ٹھہرے تم ﴿اِلَّا یَوْمًا﴾ مگر ایک دن ﴿وَیَسْــَٔلُوْنَكَ﴾ اور سوال کرتے ہیں آپ سے ﴿عَنِ الْجِبَالِ﴾ پہاڑوں کے بارے میں ﴿فَقُلْ﴾ پس آپ کہہ دیں ﴿یَنْسِفُهَا رَبِّیْ﴾ اُڑا دے گا ان کو میرا رب ﴿نَسْفًا﴾ اُڑا دینا ﴿فَیَذَرُهَا﴾ پس چھوڑ دے گا ان پہاڑوں کی جگہ کو ﴿قَاعًا﴾ میدان ﴿صَفْصَفًا﴾ ہموار ﴿لَّا تَرٰى فِیْهَا﴾ نہیں دیکھیں گے آپ اس میں ﴿عِوَجًا﴾ کوئی موڑ ﴿وَّلَاۤ اَمْتًا﴾ اور نہ اُونچی نیچی جگہ ﴿یَوْمَىٕذٍ﴾ اُس دن ﴿یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ﴾ پیروی کریں گے پکارنے والے کی ﴿لَا عِوَجَ لَهٗ﴾ کوئی کجی نہیں ہوگی

اس کے لیے ﴿وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ﴾ اور پست ہو جائیں گی آوازیں ﴿لِلرَّحْمٰنِ﴾ رحمان کے سامنے ﴿فَلَا تَسْمَعُ﴾ پس آپ نہیں سنیں گے ﴿اِلَّا هَمْسًا﴾ مگر پاؤں کی آہٹ۔

اس سے پہلے کئی رکوعوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام، فرعون، بنی اسرائیل، سامری کا واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ﴾ اسی طرح ہم بیان کرتے ہیں جس طرح ہم نے تفصیل کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام اور فرعون اور سامری کا واقعہ بیان کیا ہے ﴿مِنْ اَنْۢبَآءِ﴾ مِنْ تبعیضیہ ہے اور اَنْبَا نباءٌ کی جمع ہے نباءٌ کا معنی ہے خبر۔ تو معنیٰ ہوگا خبروں میں سے کچھ ﴿مَا﴾ ان امتوں کی خبریں ﴿قَدْ سَبَقَ﴾ جو پہلے گزر چکی ہیں۔ یعنی جس طرح ہم نے یہ واقعہ بیان کیا ہے اسی طرح پہلی اُمتوں کے واقعات میں سے بھی کچھ کچھ بیان کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔ رب تعالیٰ نے یہ قصے بیان کرنے کی حکمت خود بیان فرمائی ﴿فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ [اعراف:۱۷۶] "پس آپ بیان کریں حالات تاکہ یہ لوگ غور وفکر کریں۔" کہ فرماں برداروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ سلوک کیا اور نافرمانوں کا یہ حشر ہوا۔ یہ سبق دینے کے لیے واقعات بیان ہوئے ہیں۔

حفاظتِ قرآن

﴿وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ﴾ اور تحقیق ہم نے دیا آپ کو ﴿مِنْ لَّدُنَّا﴾ اپنی طرف سے ﴿ذِكْرًا﴾ قرآن پاک کا نام ذکر بھی ہے ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [حجر:۹] "بے شک ہم نے نازل کیا ہے ذکر یعنی نصیحت والی کتاب کو اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔" جس کی حفاظت کی ذمہ داری رب تعالیٰ نے لی ہو اس کو کون بگاڑ سکتا ہے؟ دنیائے کفر نے پورا زور لگایا ہے قرآن حکیم میں تحریف کرنے کا لیکن آج تک کامیاب نہیں ہوئے اور نہ قیامت تک کامیاب ہوں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اُمت مرحومہ نے قرآن پاک کے الفاظ کی حفاظت کی، لب ولہجہ کی حفاظت کی، ترجمہ وتفسیر کی حفاظت کی ہے الحمد للہ! حفاظت کے جتنے جتنے انتظامات تھے وہ سب کے سب کیے ہیں۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ جو دین کی حقیقت کو بخوبی سمجھتے ہیں انہوں نے فتویٰ دیا ہے کہ رمضان المبارک میں ایک دفعہ قرآن پاک کا سننا مسلمان کے ذمہ لازم ہے اور جس جگہ جماعت ہوتی ہے تراویح میں وہاں ایک دفعہ قرآن پاک سنانا سنت مؤکدہ ہے تاکہ براہ راست ہر مسلمان اپنے کانوں کے ساتھ قرآن پاک کو سن لے تو قرآن پاک کا نام ذکر بھی ہے اور قرآن پاک کا نام فرقان بھی ہے۔ سورۃ الفرقان میں ہے ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ﴾ فرقان کا معنیٰ ہے حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والی کتاب۔

قرآن پاک سے اعراض کی سزا

تو فرمایا کہ ہم نے دیا آپ کو اپنی طرف سے ذکر قرآن پاک ﴿مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ﴾ جو اعراض کرے گا اس ذکر سے ﴿فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا﴾ پس بے شک وہ اُٹھائے گا قیامت والے دن بوجھ انکار کا۔ یعنی انکار کا جو معنوی طور پر بوجھ ہوگا

وہ اس کے کاندھے پر ہوگا جیسے کوئی کہتا ہے کہ مجھ پر قرضے کا بوجھ ہے، مجھ پر اہل خانہ کے خرچ کا بوجھ ہے، مجھ پر فلاں چیز کا بوجھ ہے۔ اب ظاہر بات ہے کہ اس کی پیٹھ پر کوئی بوری تو نظر نہیں آتی لیکن اس کی ذمہ داری ہے ذمہ داری کا بوجھ گردن پر ہوتا ہے تو جو قرآن پاک سے اعراض کرے گا اس نافرمانی کا بوجھ وہ اٹھائے گا قیامت والے دن جس طرح دوسرے بوجھ اٹھائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک روایت سنائی کہ جس شخص نے چوری کی قیامت والے دن وہ چیز اس کے کندھے پر ہو گی، اُونٹ چرایا ہے، گائے چرائی ہے، بکری چرائی ہے۔ اُونٹ اپنی آواز نکال رہا ہوگا، گائے بکری اپنی آواز نکال رہی ہوگی۔ ایک مسخرہ سا آدمی بیٹھا تھا کہنے لگا حضرت! ایک آدمی نے اونٹ چوری کیا ہے گائے چوری کی ہے تو وہ اس چھوٹی سی گردن اور پیٹھ پر کیسے اٹھائے گا یا کسی چور نے ایک سے زیادہ اونٹ چرائے ہیں تو وہ ان کو گردن پر کیسے اٹھائے گا اس کی گردن پر کیسے آئیں گے۔ اس نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو کاٹنا چاہا مگر وہ ابوہریرہ تھے۔

فرمایا تو نے یہ حدیث نہیں سنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض ایسے مجرم ہوں گے کہ ان کے کندھے کو اتنا چوڑا کر دیا جائے گا کہ تیز رفتار گھوڑا کندھے کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک تین دن میں پہنچے گا؟ اس نے کہا ہاں! یہ حدیث سنی ہے اور فرمایا کہ یہ بھی سنا ہے کہ مجرموں کو احد پہاڑ کے برابر چوڑا کر دیا جائے گا جتنا وہ پھیلا ہوا ہے؟ اس نے کہا سنا ہے۔ تو فرمایا اب بتا کتنے اُونٹ اس پر لادے جا سکتے ہیں۔ رب تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اور بخاری شریف کی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرو، زکوٰۃ ادا کرو ایسا نہ ہو کہ قیامت والے دن اُونٹ اس کی گردن پر ہو اور آوازیں نکال رہا ہو اور اٹھانے والا کہے یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ اے اللہ کے رسول! میری امداد کرو میں کہہ دوں گا لَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا قَدْ بَلَّغْتُكَ میں تیرے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں اپنے آپ بھگتو۔

ایک موقع پر آپ نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے میری پھوپھی! اَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا "اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ میں آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی شے کا مالک نہیں ہوں۔" اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے میری پیاری بیٹی! سَلِيْنِيْ مِنْ مَّا لِيْ مَا شِئْتِ "میرے پاس جو مال ہے مانگو اس میں سے جو چاہو میں دریغ نہیں کروں گا لیکن اَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ فَاِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا بے شک میں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے تمھیں نہیں بچا سکوں گا۔"

تو فرمایا جو قرآن کریم سے انکار کرے گا اس کا بوجھ اٹھانے والا ہوگا قیامت والے دن ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهِ﴾ ہمیشہ رہیں گے اس بوجھ میں۔ وہ بوجھ ان کی گردن سے نہیں ہٹے گا ﴿وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا﴾ اور بُرا ہوگا ان کے لیے قیامت والے دن یہ بوجھ انکار اور نافرمانی کا ﴿يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ﴾ جس دن بگل پھونکی جائے گی۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام جھکے ہوئے ہیں جیسے آدمی رکوع کی حالت میں جھکا ہوتا ہے اور منہ بگل پر رکھا ہوا ہے منتظر ہیں کہ کس وقت مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہو بگل

پھونکنے کا اور میں پھونک دوں یعنی یہ بوجھ اس دن اٹھائیں گے جس دن بگل پھونکی جائے گی جس کو نفخہ اولیٰ کہتے ہیں۔ ساری کائنات ختم ہو جائے گی ﴿وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ [رحمٰن: ۲۷] "اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے سوا کوئی جاندار چیز باقی نہیں رہے گی۔" پھر چالیس سال کا وقفہ ہوگا جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں ہے چالیس سال بعد سب سے پہلے اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو اٹھائیں گے پھر وہ بگل پھونکیں گے ﴿فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ﴾ [زمر: ۶۸] "پس یہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور دیکھ رہے ہوں گے۔"

سب اپنی قبروں سے نکل آئیں گے اور جن کو پرندے کھا گئے، درندے کھا گئے، مچھلیاں ہڑپ کر گئیں وہ بھی آ جائیں گے، جن کو جلا کر راکھ کر دیا گیا وہ بھی آ جائیں گے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بھی بعید نہیں ہے سب رب تعالیٰ کے سامنے ہوں گے۔ فرمایا ﴿وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ﴾ اور ہم جمع کریں گے مجرموں کو يَوْمَئِذٍ اس قیامت والے دن ﴿زُرْقًا﴾ أَزْرَقُ کی جمع ہے بمعنیٰ بلی کی آنکھوں والا۔

فارسی میں کہتے ہیں "گربہ چشم" قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ عربی جب کسی کی مذمت کرتے ہیں تو کہتے ہیں اَسْوَدُ الْكَبِدِ اَزْرَقُ الْعَيْنِ اَصْهَبُ السِّبَالِ "اس کی کیابات کرتے ہو بھئی اس کا تو جگر ہی سیاہ ہے وہ تو بلی کی آنکھوں والا ہے اس کی مونچھیں سرخ ہیں۔" یہ ان لوگوں کا تجربہ تھا واللہ اعلم۔ کہ جس آدمی کی آنکھیں بلی کی آنکھوں کی طرح ہوں مونچھیں سرخ ہوں تو اس کا مزاج عام لوگوں سے مختلف ہوتا ہے۔ تو فرمایا آنکھوں والے ہونگے ﴿يَتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ﴾ آپس میں آہستہ آہستہ گفتگو کریں گے اور کہیں گے ﴿إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا﴾ نہیں ٹھہرے تم مگر دس دن اور دس راتیں۔ دنیا میں تو تھوڑا سا عرصہ رہے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے مگر دس دن اور دس راتیں ﴿نَّحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ﴾ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے ﴿إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً﴾ جس وقت کہے گا ان میں سے اچھا روش کے اعتبار سے۔ جس کی رائے سب سے بہتر ہوگی وہ کہے گا ﴿إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا﴾ نہیں ٹھہرے تم مگر ایک ہی دن۔ صرف ایک ہی دن ٹھہرے ہو آخرت کی زندگی جو نہ ختم ہونے والی ہے اس کے مقابلے میں دنیا کی زندگی ایک دن بھی معلوم نہیں ہوتی۔ سَاعَةً ایک گھڑی بھی معلوم نہیں ہوتی۔ سورۃ النازعات میں ہے ﴿يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا﴾ "جس دن وہ لوگ قیامت کو آنکھوں سے دیکھیں گے (تو خیال کریں گے) کہ وہ نہیں ٹھہرے مگر دن کا پچھلا پہر یا دوپہر کا وقت۔" تو آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی کے مقابلہ میں یہ زندگی کچھ بھی نہیں ہے۔ قیامت کا ذکر آیا کہ منکر لوگ انکار کا بوجھ قیامت والے دن اٹھائیں گے تو منکر لوگوں نے کہا کہ قیامت تو نام ہے توڑ پھوڑ کا تو اس وقت یہ بڑے بڑے پہاڑ کہاں جائیں گے؟

قیامت کے دن توڑ پھوڑ؟

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ﴾ اور یہ پوچھتے کرتے ہیں آپ سے پہاڑوں کے بارے میں کہ یہ کہاں جائیں گے

﴿فَقُلْ﴾ پس آپ کہہ دیں ﴿يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا﴾ اُڑا دے گا ان کو میرا رب اُڑا دینا۔ سورۃ القارعۃ میں ہے ﴿وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ﴾ "اور ہو جائیں گے پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح۔" ﴿فَيَذَرُهَا قَاعًا﴾ پس چھوڑ دے گا ان پہاڑوں کی جگہ کو میدان ﴿صَفْصَفًا﴾ ہموار۔ یہ پہاڑ سارے ختم ہو جائیں گے میدان بالکل ہموار ہو جائے گا۔ اگر کوئی مشرق کی طرف سے انڈا لڑکائے تو مغرب تک اس کو کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی شمال سے لڑکا ئے گا تو جنوب تک کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔

اے مخاطب! ﴿لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا﴾ نہیں دیکھیں گے آپ اس میں کوئی موڑ۔ آج موڑ اس لیے ہیں کہ راستے میں کوئی ٹیلہ آ گیا، کوئی پہاڑ آ گیا جب جگہ ہموار ہوگی تو پھر موڑ کہاں ہوں گے ﴿وَلَا أَمْتًا﴾ اور نہ اونچی نیچی جگہ۔ آج پہاڑوں کا دس میل کا سفر خطِ مستقیم پر دو تین میل بھی نہیں بنتا پہاڑوں کی بلندی اور پستی میں موڑوں میں لوگ سارا دن کھپ جاتے ہیں اس وقت کوئی نشیب و فراز نہیں رہے گی بالکل برابر ہو جائے گی ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ اس دن ﴿يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ﴾ پیروی کریں گے پکارنے والے کی ﴿لَا عِوَجَ لَهُ﴾ کوئی کجی نہیں ہوگی اس کے لیے۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام جہاں بگل پھونک رہے ہوں گے سب مشرق مغرب والے شمال جنوب والے اس آواز کے پاس جمع ہو جائیں گے جیسے کعبۃ اللہ کے ارد گرد سب مشرق، مغرب، شمال، جنوب والے جمع ہو جاتے ہیں ہم یہاں مغرب کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ دمشق میں ہم نے نماز پڑھی جنوب کی طرف چہرہ کر کے۔ وہاں سے کعبہ جنوب کی طرف ہے۔

سجدہ کعبہ کو نہیں کرنا کعبہ تجلیات الٰہیہ کا مرکز ہے وہ اتحاد و اتفاق کا مرکز ہے مسجود لہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ مکہ کا معنی ناف ہے۔ ناف انسان کے بدن میں مرکز ہے اور مکہ مکرمہ دنیا کا مرکز ہے اس لیے اس کو مکہ کہتے ہیں۔ جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اس کو خوراک ناف کے ذریعے ملتی ہے اور مالی خوراک سارے عالم کو مکہ کے ذریعے ملتی ہے اور سب سے پہلا گھر جو رب تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنایا گیا وہ بھی مکہ مکرمہ میں ہے ﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ﴾ [آل عمران:۹۶]

تو فرمایا اس دن سارے آواز لگانے والے کی پیروی کریں گے ﴿وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ﴾ اور پست ہو جائیں گی آوازیں رحمان کے سامنے، کوئی آواز نہیں ہوگی ﴿فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا﴾ پس آپ نہیں سنیں گے مگر پاؤں کی آہٹ۔ جس وقت اونٹ اپنا پاؤں زمین پر رکھتا ہے تو اس کی جو ہلکی سی آواز ہوتی ہے اس کو ہمس کہتے ہیں پھر لوگوں کے پاؤں کی آواز پر بھی ہمس کا لفظ بولتے ہیں۔ تو سب خاموش ہو کر رب تعالیٰ کی عدالت کی طرف جائیں گے۔ قیامت حق ہے اس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس وقت حقیقت سب کے سامنے آ جائے گی۔

﴿يَوْمَئِذٍ﴾ اس دن ﴿لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ﴾ نہیں نفع دے گی سفارش ﴿إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ﴾ مگر اس کو کہ اجازت دی اس کے لیے رحمٰن نے ﴿وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا﴾ اور راضی ہوگا اس کی بات پر ﴿يَعْلَمُ﴾ رب جانتا

﴿مَا﴾ اس چیز کو ﴿بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ﴾ جو ان کے سامنے ہے ﴿وَ مَا خَلْفَهُمْ﴾ اور جو ان کے پیچھے ہے ﴿وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا﴾ اور وہ احاطہ نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ کی ذات کا ازروئے علم کے ﴿وَ عَنَتِ الْوُجُوْهُ﴾ اور جھک جائیں گے چہرے ﴿لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ﴾ اس ذات کے سامنے جو زندہ ہے، قائم رہنے والی ہے ﴿وَ قَدْ خَابَ﴾ اور تحقیق نامراد ہوا ﴿مَنْ﴾ وہ ﴿حَمَلَ ظُلْمًا﴾ جس نے ظلم اُٹھایا ﴿وَ مَنْ یَّعْمَلْ﴾ اور جو شخص عمل کرے گا ﴿مِنَ الصّٰلِحٰتِ﴾ نیکیوں کا ﴿وَ هُوَ مُؤْمِنٌ﴾ اور شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو ﴿فَلَا یَخٰفُ﴾ پس وہ نہیں خوف کرے گا ﴿ظُلْمًا﴾ زیادتی ﴿وَّ لَا هَضْمًا﴾ اور نہ کمی کا ﴿وَ كَذٰلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿اَنْزَلْنٰهُ﴾ اُتارا ہم نے اس کو ﴿قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا﴾ قرآن عربی میں ﴿وَّ صَرَّفْنَا فِیْهِ﴾ اور ہم نے پھیر پھیر کر بیان کی اس میں ﴿مِنَ الْوَعِیْدِ﴾ دھمکیاں ﴿لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ﴾ تاکہ وہ بچ جائیں ﴿اَوْ یُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا﴾ یا وہ پیدا کرے ان کے لیے نصیحت کو ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ﴾ پس بلند ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ﴿الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾ جو بادشاہ ہے سچا ﴿وَ لَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ﴾ اور آپ جلدی نہ کریں قرآن کے ساتھ ﴿مِنْ قَبْلِ﴾ پہلے اس سے ﴿اَنْ یُّقْضٰۤى اِلَیْكَ وَحْیُهٗ﴾ کہ پوری کی جائے آپ کی طرف اس کی وحی ﴿وَ قُلْ﴾ اور آپ کہہ دیں ﴿رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا﴾ اے میرے رب زیادہ کر میرا علم! ﴿وَ لَقَدْ عَهِدْنَاۤ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے تاکید کی تھی ﴿اِلٰۤى اٰدَمَ﴾ آدم علیہ السلام کو ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے ﴿فَنَسِیَ﴾ پس وہ بھول گئے ﴿وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾ اور نہیں پائی ہم نے اس کے لیے کوئی پختگی۔

مسئلہ شفاعت

قیامت کا ذکر چلا آرہا ہے اس کے متعلق رب تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿یَوْمَئِذٍ﴾ اس قیامت والے دن ﴿لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ﴾ نہیں نفع دے گی سفارش ﴿اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ﴾ مگر اس کو جس کے لیے رحمٰن نے اجازت دی ﴿وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا﴾ اور رب راضی ہوگا اس کی بات پر۔ قرآن کریم، حدیث شریف اور اُمت کا اس بات پر اجماع ہے شفاعت حق ہے سوائے فرقہ معتزلہ کے، نیچریوں میں سے جو کہتا ہے کہ شفاعت نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر شفاعت کو مان لیں تو اس کا مطلب ہے کہ لوگوں کو جرم کرنے پر ابھارنا ہے کہ تم گناہ کرلو شفاعت ہوجائے گی گویا یہ شوشہ چھوڑ کر شفاعت کے مسئلے سے جرائم زیادہ ہوتے ہیں لہٰذا شفاعت کا سرے سے انکار کرو۔ اب سوال یہ ہے کہ جس چیز کا ذکر قرآن کریم میں ہو اس سے انکار کا کیا معنیٰ؟ اصل بات یہ ہے کہ حیلے بہانے سے وہ قرآن کریم کا انکار کرتے ہیں۔

اب تمہارے سامنے قرآن پاک کی آیت کریمہ ہے اور سورہ مریم میں بھی پڑھ چکے ہو اور بھی آیات ہیں ان کو ہم کہاں لے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ﴾ "اس دن یعنی قیامت والے دن نہیں نفع دے گی شفاعت ﴿اِلَّا

﴿مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ﴾ مگر اس کو کہ اجازت دی اس کے لیے رحمٰن نے ﴿وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا﴾ اور اس کی بات پر رب راضی ہو۔" جو ایمان لایا کلمہ پڑھا عقیدہ درست ہے اس کے لیے شفاعت حق ہے۔ اسی طرح شفاعت کرنے والے کے لیے بھی شرط ہے کہ وہ موحد ہو کافر نہ شفاعت کر سکتا ہے اور نہ ہی کافر کو شفاعت فائدہ دے گی۔ سب سے بڑی شفاعت آنحضرت ﷺ کریں گے جس کا نام شفاعت کبریٰ ہے۔ بڑی شفاعت وہ اس طرح کہ میدان محشر میں ساری کائنات جمع ہوگی یہ سورج جو آج ہمارے سے کروڑوں میل کی مسافت پر ہے اور جون جولائی میں ہم اس کی تپش گوارہ نہیں کر سکتے یہ میل یا دو میل کی مسافت پر ہوگا ﴿فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ [المعارج:] پچاس ہزار سال کا لمبا دن ہوگا لوگ پسینے میں ڈوبے ہوں گے، کوئی ٹخنوں تک، کوئی گھٹنوں تک، کوئی ناف تک، کوئی حلق تک اور کوئی کانوں تک وَدَعْوَةُ الْاَنْبِيَاءِ رَبِّ سَلِّمْ رَبِّ سَلِّمْ ۔ خدا کے پیغمبر کہیں گے پروردگار سلامتی فرما، پروردگار سلامتی فرما۔ عجیب قسم کا منظر ہوگا لوگ اکٹھا کر کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی سفارشی بناؤ تا کہ اس پریشانی سے تو رہائی ملے۔ فیصلہ تو جو ہونا ہے وہ تو اپنی جگہ ہونا ہے جلدی ہو جائے۔

بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں حساب کتاب شروع ہو جائے وہ معذرت کریں گے پھر ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ بھی معذرت کریں گے، ہوتے ہوتے آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں گے مقام محمود میں لواء الحمد، حمد کا جھنڈا لہرا رہا ہوگا اس کے نیچے آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے میں گر پڑیں گے آٹھ دن یا پندرہ دن کا لمبا سجدہ ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: يُلْهِمُنِيْ رَبِّيْ مَحَامِدَ لَمْ تَحْضُرْنِي الْاٰنَ اس سجدے میں اللہ تعالیٰ مجھے ایسے کلمات الہام فرمائیں گے جو اس وقت مجھے معلوم نہیں ہیں۔ ان کلمات کے ذریعے میں رب تعالیٰ کی تعظیم اور تسبیح بیان کروں گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ "سر اٹھاؤ سفارش کرو آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔" یہ شفاعت کبریٰ ساری مخلوق کے حساب کی جلدی کے لیے ہوگی اور یہ آپ کی خصوصیت ہے۔ اس کے علاوہ خدا کے پیغمبر بھی سفارش کریں گے، فرشتے بھی سفارش کریں گے، شہید بھی سفارش کریں گے، حفاظ قرآن بھی سفارش کریں گے، علماء اور اولیاء بھی سفارش کریں گے، چھوٹے بچے جو فوت ہوئے ہیں وہ بھی سفارش کریں گے بشرطیکہ ماں باپ نے بین نہ کیا ہو، آواز کے ساتھ روئے نہ ہوں اگر آواز کے ساتھ روئے ہوں گے تو شفاعت سے محروم ہو جائیں گے۔ یہ درجہ بہ درجہ شفاعتیں حق ہیں ان کا انکار قرآن وحدیث اور اجماع امت کا انکار ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس دن نفع نہیں دے گی شفاعت مگر اس کو جس کے لیے رحمٰن اجازت دے گا اور جس کی بات پر رب راضی ہوگا ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو مخلوق کے آگے ہے ﴿وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ اور جو ان کے پیچھے ہے۔ یہ خلف زمانی بھی ہے اور مکانی بھی ہے۔ مکانی کا مطلب اس طرح سمجھیں کہ مثلاً: اس وقت میرا منہ مشرق کی طرف ہے اور پیٹھ مغرب کی طرف ہے تو انتہائے مشرق تک میرے آگے ہے اور مغرب کے آخری حصہ تک میرے پیچھے ہے۔ تو یہ آگے پیچھے جتنی چیزیں ہیں مکان کے اعتبار سے رب تعالیٰ سب جانتا ہے اور خلف زمانی کا مطلب ہے زمانے کے اعتبار سے جو زمانہ پہلے گذرا

ہے اور جو زمانہ پیچھے گزرے گا ان کی ہر شے کو رب تعالیٰ جانتا ہے ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِهٖ عِلْمًا﴾ اور وہ احاطہ نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ کی ذات کا از روئے علم کے۔ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ذات کا احاطہ کر سکے حاشا وکلّا ہر گز نہیں! اللہ تعالیٰ کی شناخت اس کی قدرت کی نشانیوں سے ہوتی ہے۔

اس دنیا میں صرف آنحضرت ﷺ نے معراج کی رات اللہ تعالیٰ کو آنکھوں کے ساتھ دیکھا ہے کسی اور نے اس جہان میں نہیں دیکھا بس خدا کی پہچان اس کی قدرت اور کاری گری سے ہوتی ہے زمین کو دیکھو آسمان کو دیکھو، پہاڑوں کو دیکھو، دریا کو، انسان اور حیوان کو دیکھو! یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیلیں ہیں وَفِيْ كُلِّ شَيْءٍ لَهٗ اٰيَةٌ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ وَاحِدٌ "ہر چیز میں اس کے لیے نشانی ہے جو دلالت کر رہی ہے کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔" باقی اس کی ذات کا احاطہ کوئی نہیں کر سکتا ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ [الانعام: ۱۰۳] "سب آنکھیں مل کر بھی رب تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔" ﴿وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ﴾ اور جھک جائیں گے چہرے اس ذات کے سامنے جو زندہ ہے اور قائم رہنے والی ہے۔ ہمیشہ سے زندہ اور ہمیشہ سے قائم ہے۔ اور سورہ قلم میں ہے ﴿خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ﴾ "آنکھیں ان کی پست ہوں گی ﴿تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ﴾ ان پر ذلت چڑھی ہو گی۔" فرمایا ﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا﴾ اور تحقیق نامراد ہوا وہ شخص جس نے ظلم اُٹھایا یعنی شرک کیا کیوں کہ ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ [لقمان: ۱۳] "بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔"

ظلم کی اقسام

ظلم کی اور بھی قسمیں ہیں جیسے شرک کے علاوہ حقوق اللہ کو ضائع کرنا، حقوق العباد کو ضائع کرنا ہے تو جس قسم کا بھی ظلم کرے گا وہ شخص نامراد ہے ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ﴾ اور جو شخص عمل کرے گا نیکیوں کا، اچھے عمل کرے گا لیکن شرط یہ ہے کہ ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ اور وہ مومن ہو۔ صرف اچھے کام نہیں دیکھنے یہ بھی دیکھنا ہے کہ یہ کام کرنے والا مومن ہے یا نہیں۔ کافروں نے بڑے بڑے کام کیے ہیں، ہسپتال قائم کیے ہیں، پل بنائے ہیں، سڑکیں بنائی ہیں، مسافر خانے بنائے ہیں اور کر بھی رہے ہیں بہ نسبت مسلمانوں کے کافروں نے چار گنا زیادہ کام کیے ہیں مگر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ان کاموں کی آخرت میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ایمان ہو تو کتے کو پانی پلانا کام آجائے گا جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں موجود ہے اور ایمان کے بغیر حاجیوں کو پانی پلانا بھی کسی کام کا نہیں ہے تو جس نے ایمان کے ساتھ اچھے کام کیے ﴿فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا﴾ پس وہ خوف نہیں کرے گا زیادتی کا ﴿وَّلَا هَضْمًا﴾ اور نہ کمی کا۔ نہ تو اس کے ساتھ زیادتی ہو گی کہ جو گناہ اس نے نہیں کیے وہ اس کے کھاتے میں ڈال دیئے جائیں اور نہ اس کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی جو اس نے کیا ہے وہ سب کچھ اسے ملے گا۔

فضائل عرب

آنحضرت ﷺ کے اول مخاطبین چوں کہ عربی تھے اور خود آنحضرت ﷺ کی زبان بھی عربی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ

نے قرآن بھی عربی زبان میں نازل فرمایا اگر کسی اور زبان میں نازل کیا جاتا تو وہ کہہ سکتے تھے ﴿ ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ ﴾ [حٰم سجدہ: ۴۴] "کیا یہ عجمی زبان اور عربی لوگ۔" یہ کیا نسبت ہوئی کہ قوم عربی ہے اور کتاب عجمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت کیا اسی قوم کی زبان میں کتاب نازل فرمائی۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ عربیوں کو برا نہ کہو لِاَنِّیْ عَرَبِیٌّ کیوں کہ میں عربی ہوں۔ تو میری طرف بھی برائی کی نسبت کی جائے گی وَالْقُرْاٰنُ عَرَبِیٌّ اور قرآن پاک عربی میں ہے وَلِسَانُ اَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِیٌّ اور جنتیوں کی زبان بھی عربی ہوگی۔ تو سب کی طرف برائی کی نسبت ہو جائے گی۔ ہاں! تعیین کر کے کسی بُرے کی برائی بیان کرنا اور بات ہے چاہے وہ عربی ہو یا عجمی ہو کہ فلاں شخص ایسا ہے مجموعی لحاظ سے عربیوں کو بُرا کہنا گناہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر تھے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جو کافر اشعار میں آپ کی مذمت کرتے تھے یہ اشعار میں ان کا جواب دیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کا جواب دو مگر یہ بتلاؤ کہ جس وقت تم قریش کی مذمت کرو گے تو میں بھی قریشی ہوں تو میری بھی مذمت ہو جائے گی۔ کہنے لگے حضرت! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو درمیان سے ایسے نکال لوں گا جیسے گندھے ہوئے آٹے سے بال کو نکال لیا جاتا ہے۔ مثلاً: میں یہ نہیں کہوں گا کہ سب قریشی برے ہیں بلکہ میں یہ کہوں گا کہ جو مشرک کافر ہیں وہ برے ہیں جو نافرمان ہیں وہ برے ہیں۔ تو مجموعی لحاظ سے کسی قوم کی مذمت بری ہے کیوں کہ قوم میں اچھے بھی ہوتے ہیں برے بھی ہوتے ہیں۔

تو فرمایا ﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا﴾ اور اسی طرح اُتارا ہم نے اس کو قرآن عربی میں ﴿وَّصَرَّفْنَا فِیْهِ مِنَ الْوَعِیْدِ﴾ اور ہم نے پھیر پھیر کر بیان کی ہیں اس میں دھمکیاں کہ اگر تم نہیں مانو گے ہم تمھیں دنیا میں بھی سزا دیں گے، مرتے وقت تمھیں سزا دیں گے، قبر میں سزا دیں گے میدان محشر میں، پل صراط سے گزرتے وقت اور دوزخ میں سزا ہوگی۔ یہ طرح طرح کی وعیدیں ہم نے انہیں سنائی ہیں۔ کیوں؟ ﴿لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ﴾ تاکہ وہ بچ جائیں رب تعالیٰ کے عذاب سے ﴿اَوْ یُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا﴾ یا وہ قرآن پیدا کرے ان کے لیے نصیحت کو اس لیے ہم نے ان کو مختلف انداز میں سمجھایا ہے ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾ پس بلند ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جو بادشاہ ہے سچا حقیقی اور سچا بادشاہ وہی ہے۔ آج تو کہتے ہیں نا میری حکومت تیری حکومت، قیامت کا دن ہوگا اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ﴾ "آج کے دن کس کی شاہی ہے۔" کوئی نہیں بولے گا اللہ تعالیٰ خود جواب دیں گے ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ [مومن: ۱۶] "اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو اکیلا ہے دباؤ والا ہے۔" ملک اللہ تعالیٰ کا۔ شاہی صرف اللہ تعالیٰ کی ہے انسان تو خلیفہ ہے خلافت کا مطلب ہے اصل کی طرف سے جو احکامات ملیں ان کو نافذ کرے۔

طالبان کا دور حکومت

اس خلافت کا کچھ نمونہ صرف افغانستان کے اس علاقہ میں ہے جو طالبان کے پاس ہے مکمل خلافت تو ہم نہیں کہہ سکتے جیسے خلفائے راشدین کے دور میں تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں، وہ تو

ان کی خصوصیت تھی۔ خلافتِ راشدہ کی نقل اور اس کا نمونہ ضرور ہے۔ قرآن کے احکام، حدیث اور فقہ اسلامی کے احکام نافذ ہیں طالبان اپنی طرف سے کچھ نہیں بتاتے امریکہ اور روس جو ایک دوسرے کے شدید دشمن تھے وہ طالبان دشمنی میں دوست بن گئے ہیں اور ان پر حملہ کرنے کے لیے بہانے تلاش کر رہے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ ہمارا جہاز عدن میں تباہ کیا ہے کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی کچھ کہتے ہیں اور مسلمانوں کے چھپن ملک ہیں سب گونگے شیطان ہیں کچھ نہیں بولتے۔ اب الحمد للہ! ساری مسلم دنیا میں کچھ بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ قاہرہ میں کل بھی کانفرنس تھی اور آج بھی ہے۔ یہ ان گونگوں کا کچھ نہ کچھ گرد وغبار جھاڑیں گے پورا تو نہیں کریں گے کیوں کہ امریکہ مسلط ہے کچھ نہ کچھ تھوڑا بہت ضرور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے طالبان کو کہ انھوں نے جرأت پیدا کر دی ہے سب مسلمانوں کے دلوں میں۔ اب پہلے والی جھجک نہیں رہی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰۤى اِلَیْكَ وَحْیُهٗ﴾ اور آپ جلدی نہ کریں قرآن کے ساتھ پہلے اس سے کہ پوری کی جائے آپ کی طرف اس کی وحی۔ احادیث میں آتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب وحی لائے تو آپ ساتھ ساتھ پڑھتے تھے اس خیال سے کہ میں بھول نہ جاؤں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ جلدی نہ کریں اور سورۃ القیامہ میں ہے ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝﴾ "آپ اپنی زبان اس قرآن پاک کے ساتھ نہ چلائیں (تاکہ آپ اس کو جلدی سیکھ لیں) بے شک اس کا آپ کے دل میں جمع کرنا اور آپ کی زبان سے اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔" ہمارا فرشتہ آیت، رکوع جب پورا کرے پھر پڑھو۔ قرآن کے ساتھ قرآن پڑھنا قرآن کی بے ادبی اور توہین ہے۔ قرآن پاک کے آداب میں ہے کہ جب پڑھا جائے تو خاموش رہو۔ سورہ اعراف آیت نمبر ۲۰۴ میں ہے ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ "اور جب قرآن کریم پڑھا جائے پس کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔" تو قرآن کریم کے ساتھ قرآن پڑھنا قرآن کی توہین ہے۔ ﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا﴾ اور کہہ دیں اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما ﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے تاکید کی تھی آدم علیہ السلام کو ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس سے پہلے۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ کل کے رکوع میں آئے گی ﴿فَنَسِیَ﴾ پس وہ بھول گئے وہ اس کی پابندی نہ کر سکے ﴿وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾ اور نہیں پائی ہم نے آدم علیہ السلام کے لیے پختگی وہ بات کے پختہ نہ نکلے۔ اس کی تفصیل کل آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ

﴿وَ اِذْ قُلْنَا﴾ اور جب ہم نے کہا ﴿لِلْمَلٰٓىٕكَةِ﴾ فرشتوں کو ﴿اسْجُدُوْا﴾ سجدہ کرو ﴿لِاٰدَمَ﴾ آدم علیہ السلام کو ﴿فَسَجَدُوْۤا﴾ پس انھوں نے سجدہ کیا ﴿اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ﴾ مگر ابلیس نے نہ کیا ﴿اَبٰى﴾ اس نے انکار کیا ﴿فَقُلْنَا﴾ پس ہم نے کہا ﴿یٰۤاٰدَمُ﴾ اے آدم علیہ السلام! ﴿اِنَّ هٰذَا﴾ بے شک یہ ﴿عَدُوٌّ لَّكَ﴾ آپ کا دشمن ہے ﴿وَلِزَوْجِكَ﴾ اور آپ کی بیوی کا ﴿فَلَا یُخْرِجَنَّكُمَا﴾ پس ہرگز نہ نکالے وہ تم دونوں کو ﴿مِنَ الْجَنَّةِ﴾ جنت سے ﴿فَتَشْقٰى﴾ پس تم

مشقت میں پڑ جاؤ گے ﴿اِنَّ لَكَ﴾ بے شک آپ کے لیے ﴿اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا﴾ کہ نہ تم بھوکے ہو گے جنت میں ﴿وَلَا تَعْرٰى﴾ اور نہ ننگے ہو گے ﴿وَاَنَّكَ﴾ اور بے شک آپ ﴿لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا﴾ نہ پیاسے ہو گے جنت میں ﴿وَلَا تَضْحٰى﴾ اور نہ دھوپ میں رہو گے ﴿فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ﴾ پس وسوسہ ڈالا اس کی طرف شیطان نے ﴿قَالَ﴾ کہا ﴿يٰٓاٰدَمُ﴾ اے آدم علیہ السلام! ﴿هَلْ اَدُلُّكَ﴾ کیا میں آپ کی راہنمائی کروں ﴿عَلٰى شَجَرَةِ﴾ ایک درخت پر ﴿الْخُلْدِ﴾ ہمیشگی کا ہوگا ﴿وَمُلْكٍ﴾ اور ایسے ملک کی ﴿لَّا يَبْلٰى﴾ جو کبھی بوسیدہ نہ ہوگا ﴿فَاَكَلَا مِنْهَا﴾ پس کھالیا ان دونوں نے اس درخت سے ﴿فَبَدَتْ لَهُمَا﴾ پس ظاہر ہو گئیں دونوں کے سامنے ﴿سَوْاٰتُهُمَا﴾ دونوں کی شرمگاہیں ﴿وَطَفِقَا﴾ اور لگے دونوں ﴿يَخْصِفٰنِ﴾ جوڑنے ﴿عَلَيْهِمَا﴾ اپنے اُوپر ﴿مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ﴾ جنت کے پتے ﴿وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ﴾ اور نافرمانی کی آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی ﴿فَغَوٰى﴾ پس چوک گئے ﴿ثُمَّ اجْتَبٰهُ﴾ پھر منتخب کیا اس کو ﴿رَبُّهٗ﴾ اس کے رب نے ﴿فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ پس رجوع کیا اس کی طرف ﴿وَهَدٰى﴾ اور راہنمائی فرمائی۔

کل کے درس میں تم نے یہ سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾ "اور البتہ تحقیق ہم نے تاکید کی تھی آدم علیہ السلام کو اس سے پہلے پس وہ بھول گئے اور نہیں پائی ہم نے ان کے لیے پختگی۔" وہ کس چیز کی تاکید تھی؟ ان آیات میں اس کی تفصیل ہے۔ اس سے پہلے ایک بات سمجھ لیں۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار اور اَن گنت مخلوقات میں سے تین قسم کی مخلوق کو ذوالعقول کہتے ہیں، عقل مند مخلوق۔ فرشتے، جنات اور انسان، ان میں اللہ تعالیٰ نے عقل رکھی ہے۔ فرشتے اپنی نوع کے اعتبار سے معصوم ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے برائی کا مادہ ہی نہیں رکھا، نہ کھانے پینے کی خواہش ہے نہ جنسی خواہشات ہیں دن رات اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں لگے ہوئے ہیں۔ مسلم شریف میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خُلِقَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ نُّوْرٍ "فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔" اس نور سے وہ نور نہ سمجھ لینا جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس کا ذکر سورہ نور میں ہے ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ یہ نور جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے یہ ازلی اور ابدی ہے اس سے کوئی چیز نہیں نکلی یہ نور جس سے فرشتے پیدا کیے گئے ہیں یہ مخلوق ہے جیسے مٹی مخلوق ہے، پانی مخلوق ہے، آگ مخلوق ہے، ہوا مخلوق ہے، اسی طرح ایک نور بھی مخلوق ہے وہ فرشتوں کی تخلیق کے لیے مادہ ہے۔ اس مخلوق نور سے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا۔

سجدہ تعظیمی کی حقیقت

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو ﴿اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ سجدہ کرو آدم علیہ السلام کو۔ پہلی شریعتوں میں سجدہ تعظیمی جائز تھا ہماری شریعت میں تعظیمی سجدہ حرام ہے لہٰذا آج کوئی غیر اللہ کو سجدہ کرے اور کہے کہ فرشتوں نے بھی سجدہ کیا ہے تو یہ قیاس غلط ہے۔ آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن بھائی کا رشتہ جائز تھا اس طرح کہ ایک حمل سے ایک لڑکی

ایک لڑکا پیدا ہوا پھر دوسرے حمل سے لڑکی لڑکا پیدا ہوا ہے تو پہلے حمل والے لڑکے کا دوسرے حمل والی لڑکی سے اور دوسرے حمل والی لڑکی کا پہلے حمل والے لڑکے سے رشتہ ہوتا تھا، باپ بھی ایک ماں بھی ایک۔ یہ ان کی مجبوری تھی کیوں کہ مخلوق عام نہیں تھی آج کوئی ان کی شریعت کو لے کر بہن کے ساتھ نکاح کرلے تو یہ غلط اور حرام ہوگا کیوں کہ ہماری شریعت میں جائز نہیں ہے اسی طرح ہماری شریعت میں سجدہ تعظیمی بھی حرام ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا ﴿اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو ﴿فَسَجَدُوْٓا﴾ پس انھوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ یہاں اجمال ہے اور سورۃ الحجر میں تفصیل ہے ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ﴾ "پس تمام فرشتوں نے اکٹھا سجدہ کیا۔" ﴿كُلُّهُمْ﴾ کا لفظ بتلا رہا ہے کہ کوئی فرشتہ پیچھے نہیں رہا اور ﴿اَجْمَعُوْنَ﴾ کا لفظ بتلا رہا ہے کہ سب نے اکٹھا سجدہ کیا ہے جیسے ہم جماعت کی نماز میں اکٹھے رکوع سجود کرتے ہیں علیحدہ علیحدہ نہیں کیا کہ بعضوں نے پہلے کیا ہو اور بعضوں نے بعد میں کیا ہو ایسا نہیں۔ ﴿اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾ مگر ابلیس نے سجدہ نہیں کیا ﴿اَبٰى﴾ اس نے انکار کردیا کہ میں سجدہ نہیں کرتا۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سجدے کا حکم تو فرشتوں کو ہوا تھا ابلیس تو جن تھا؟ پندرھواں پارہ سورۃ الکہف میں تم پڑھ چکے ہو ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾ "ابلیس جنات میں سے تھا پس اس نے نافرمانی کی اپنے پروردگار کے حکم کی۔" اور جنات کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے پیدا فرمایا ہے ﴿وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾ [حجر: ۲۷] "اور جنوں کو ہم نے پیدا کیا اس سے پہلے آگ کی لو سے۔" یہ تو فرشتوں میں شامل ہی نہیں ہے، اس کی جنس الگ، نوع الگ، فرشتوں کی جنس الگ، نوع الگ۔ حکم ہو رہا ہے فرشتوں کو اور عتاب ہو رہا ہے ابلیس کو بظاہر اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔

سطحی اور ظاہری طور پر یہ اعتراض واقع ہوتا ہے لیکن قرآن پاک بڑی واضح کتاب ہے اس میں کسی جگہ اجمال ہوتا ہے اور کسی جگہ تفصیل ہوتی ہے اَلْقُرْاٰنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا "قرآن کا بعض دوسرے بعض کی تفسیر کرتا ہے۔" چنانچہ آٹھویں پارے میں موجود ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا تھا اسی طرح ابلیس کو بھی حکم دیا تھا ﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ﴾ [اعراف: ۱۲] "فرمایا رب تعالیٰ نے کس چیز نے روکا تجھ کو کہ تو نے سجدہ نہ کیا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔" تو معلوم ہوا کہ جس طرح فرشتوں کو سجدے کا حکم تھا ابلیس کو بھی اسی طرح حکم تھا گو کہ وہ فرشتہ نہ تھا فرشتوں میں رہتا تھا۔ فرشتوں نے بغیر کسی قیل وقال کے بغیر کسی منطق لڑانے کے سجدہ کیا اور ابلیس اکڑ گیا۔ سورہ اعراف میں ہے کہنے لگا ﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾ "میں بہتر ہوں اس سے ﴿خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے۔" آگ نورانیت اور بلندی ہے یہ خاک پاؤں میں آنے والی ادنیٰ چیز ہے میں اعلیٰ ہو کر ادنیٰ کو کیوں سجدہ کروں۔ جیسے عورتیں لڑتی ہیں تو ایک دوسرے کو طعنے دیتی ہیں اس طرح اس نے اللہ تعالیٰ کو طعنے دینے شروع کردیئے۔

سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۶۲ میں ہے کہنے لگا ﴿اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ﴾ "کیا بتلائیں یہ شخص ہے جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی۔" اگر یہاں فرشتے منطق چلاتے تو ان کی منطق ابلیس سے بہتر ہوتی۔ اگرچہ ایسا ہے نہیں لیکن ایک منٹ

کے لیے مان لو کہ آگ مٹی سے بہتر ہے لیکن آگ سے تو نور بہتر ہے فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں وہ کہہ سکتے تھے اے پروردگار! ہم نوری ہو کر خاکی کو سجدہ کیوں کریں؟ لیکن نہیں! انھوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی فوراً رب تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی۔ ابلیس نے اتنا بھی نہ غور کیا کہ مالک کا حکم ہے بجالاؤں۔

مثنوی شریف

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگوں میں سے ہوئے ہیں مثنوی شریف میں اٹھائیس ہزار اشعار ہیں۔ پہلے زمانے میں خواص تو کیا عوام بھی گھروں میں مثنوی پڑھتے تھے، فارسی زبان میں ہے، اس وقت لوگوں کی زبان بھی عموماً فارسی ہوتی تھی جن کی نہیں ہوتی تھی ان کے لیے ترجمے ہوتے تھے۔ اس میں توحید وسنت کا بیان ہے، شرک وبدعت کا رد ہے، تعلق باللہ، تصوف کے متعلق بڑی عمدہ باتیں حکایتوں کی شکل میں بیان فرمائی ہیں۔ مثنوی شریف کے اردو ترجمے بھی ہوئے ان میں بہترین ترجمہ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو کئی جلدوں میں ہے پڑھنے والی کتاب ہے۔ اس میں ابلیس لعین پر چوٹ کرتے ہوئے واقعہ نقل کرتے ہیں۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ راشد تو نہیں تھا خلیفہ راشد کا مقام بہت بلند ہے البتہ ایک نیک نمازی بادشاہ تھا بادشاہوں میں سے اچھا بادشاہ تھا۔ اسی طرح الپ ارسلان سلجوقی رحمۃ اللہ علیہ، صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ اور بایزید یلدرم رحمۃ اللہ علیہ، یہ سب نیک بادشاہوں میں سے تھے۔

ایک واقعہ

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب ہندوستان پر حملہ کیا سومنات کا مندر مشہور تھا جو سونے چاندی ہیرے موتیوں سے انھوں نے سجایا ہوا تھا یہ قیمتی ہیرے موتی ساتھ لے گئے۔ ایاز ایک سپاہی کا بچہ تھا سات آٹھ سال کے قریب عمر تھی مگر بڑا سمجھ دار تھا۔ سلطان محمود غزنوی اس کو اپنے قریب بٹھاتا تھا تاکہ وہ امور مملکت کو سمجھے کسی برے خیال سے نہیں بٹھاتا تھا۔ وزیروں، مشیروں کو یہ بات ناگوار گزرتی کہ اس بچے کو ساتھ بٹھاتا ہے اور اس کی طرف توجہ بھی زیادہ کرتا ہے۔ ایک موقع پر ایک وزیر نے کہا حضرت! اس کم سن بچے کو ساتھ نہ بٹھایا کریں۔ خاموش ہو گئے۔

ایک دن اپنے ملازم خادم کو کہا کہ ایک چوڑا سا پتھر لے آئیں جب میں کہوں تو لا کر میرے سامنے رکھ دینا۔ پروگرام کے مطابق جب سب وزرا، آ کر بیٹھ گئے تو غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قیمتی ہیرا جیب سے نکالا اور ایک وزیر کو کہا کہ اس کو پتھر پر رکھ کر توڑ دو۔ وہ حیران ہوا کہ یہ کیا حکم دے رہے ہیں نہ توڑا۔ دوسرے کو کہا، تیسرے کو کہا، چوتھے کو کہا کسی نے نہ توڑا پھر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ایاز کو کہا بیٹا تم اس کو توڑ دو۔ ایاز نے ہیرا پتھر پر رکھا، ہتھوڑا مارا، توڑ دیا۔ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بیٹا اتنا بڑا قیمتی ہیرا تھا کسی نے نہیں توڑا اور تو نے توڑ دیا؟ ایاز نے کہا کہ میرے سامنے دو چیزیں تھیں ایک ہیرے کی قیمت اور ایک آپ کے حکم کی قیمت۔ چونکہ آپ کے حکم کی قیمت زیادہ تھی اس لئے میں نے اس کی تعمیل کی۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ یہ واقعہ نقل کر کے فرماتے

ہیں کہ کاش! ابلیس لعین کو یہ بات سمجھ آجاتی کہ بظاہر وہ اپنے آپ کو بہتر سمجھ رہا تھا لیکن دیکھتا کہ مجھے حکم کون دے رہا ہے؟ کاش! کہ اس کو ایاز جتنی سمجھ ہوتی کہ کہتا مجھے احکم الحاکمین حکم دے رہا ہے مگر وہ اکڑ گیا۔ ﴿فَقُلْنَا﴾ پس ہم نے کہا ﴿يٰٓاٰدَمُ﴾ اے آدم علیہ السلام! ﴿اِنَّ هٰذَا﴾ بے شک یہ ابلیس ﴿عَدُوٌّ لَّكَ﴾ آپ کا دشمن ہے ﴿وَلِزَوْجِكَ﴾ اور آپ کی بیوی کا دشمن ہے۔ اس وقت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام جنت میں تھے۔ فرمایا یہ تمھارا دشمن ہے۔

جنت میں اہلِ جنت کی پوزیشن

﴿فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ﴾ پس ہرگز نہ نکالے وہ تم دونوں کو جنت سے، ایسے حالات نہ پیدا کر دے کہ تم جنت سے نکالے جاؤ۔ اگر ایسا ہوا تو ﴿فَتَشْقٰى﴾ پس تم مشقت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ یہاں تو سب کچھ مفت میں تیار ملتا ہے باہر جاؤ گے تو کھیتی باڑی کرنی پڑے گی، پانی لگانا پڑے گا، گوڈی کرنی پڑے گی، مشقت ہی مشقت ہوگی۔ لہٰذا اس کو دشمن سمجھنا اور اس کی بات میں نہ آنا۔ اس جنت میں یہ ہے ﴿اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى﴾ بے شک آپ کے لیے ہے کہ تم بھوکے ہو گے جنت میں اور نہ ننگے ہو گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جنت میں بھوک نہیں لگتی اگر بھوک نہیں لگے گی تو نعمتیں کس نے کھانی ہیں بھوک بھی اپنی جگہ ایک نعمت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی بھوک نہیں ہوگی اس کا مداوا نہ ہو علاج نہ ہو وہاں بھوک مٹانے کے لیے سب کچھ ہوگا۔

حدیث پاک میں آتا ہے ایک ایک جنتی سو سو آدمیوں کے برابر کھائے گا جتنا کھانا دنیا میں سو آدمی کھاتے ہیں جنت میں ایک آدمی اتنا کھائے گا اور پھر اس پر کمال یہ کہ لَا يَبُوْلَنَّ فِيْهَا وَ لَا يَتَغَوَّطُوْنَ "نہ پیشاب کریں گے جنت میں نہ پاخانہ۔" نہ پیشاب آئے گا نہ پاخانہ، یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا حضرت! سو سو آدمیوں کے برابر کھائیں گے اور نہ پیشاب نہ پاخانہ (یہاں تو ایک آدمی دنیا کو بدبودار کر دیتا ہے، دودھ پینے والا بچہ سارے بستر کو بھر دیتا ہے مائیں دھونے میں لگی رہتی ہیں) حضرت! وہ کھانا کہاں جائے گا؟ فرمایا ڈکار آئے گا جس کی خوشبو کستوری کی طرح ہوگی اس کے ساتھ سب ہضم ہو جائے گا۔

تو فرمایا جنت میں نہ بھوکے ہو گے نہ ننگے، بہترین ریشمی لباس ملے گا اور مزیدار کھانا ﴿وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا﴾ اور بے شک آپ نہ پیاسے ہوں گے جنت میں یعنی ایسی پیاس کہ جس کے بعد پینے کے لیے کچھ نہ ہو۔ ویسے پیاس لگے گی، دودھ کی نہریں، شراب کی نہریں، شہد کی نہریں پینے کے لیے ہوں گی ﴿وَلَا تَضْحٰى﴾ اور نہ دھوپ میں رہو گے۔ یہ گرمی کے زمانے میں لوگ دھوپ میں کام کرتے ہیں جلتے رہتے ہیں وہاں دھوپ میں جلیں گے نہیں۔ اس بارے میں اختلاف کرتے ہیں کہ کیا جنت میں چاند سورج ہوں گے یا نہیں؟ ایک گروہ کہتا ہے کہ سورج بھی نہیں ہوگا چاند بھی نہیں ہوگا۔ سورۃ الدھر میں ہے ﴿لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا﴾ "نہیں دیکھیں گے جنت میں سورج اور نہ ٹھنڈک۔" جیسے اب سورج کے طلوع ہونے سے پہلے مطلع صاف ہو تو خوب روشنی ہوتی ہے اس طرح کی روشنی ہوگی نہ سورج ہوگا نہ چاند ہوگا۔ دوسرا گروہ کہتا ہے سورج بھی ہوگا چاند بھی ہوگا لیکن

سورج کی تپش اور گرمی نہیں ہوگی روشنی ہی روشنی ہوگی ﴿وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا﴾ [دہر: ۱۴] "جھکے ہوں گے ان پر درختوں کے سائے۔" اگر سورج چاند نہ ہو تو سائے کہاں سے آئیں گے؟ سائے تبھی ہوں گے جب سورج چاند ہوں۔

فرمایا ﴿فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ﴾ پس وسوسہ ڈالا ان کی طرف شیطان نے۔ آدم علیہ السلام کے دل میں شیطان نے وسوسہ ڈالا ﴿قَالَ﴾ کہنے لگا ﴿يٰۤاٰدَمُ﴾ اے آدم علیہ السلام! ﴿هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ﴾ کیا میں آپ کی راہنمائی کروں ایسے درخت پر جو ہیشگی کا درخت ہے کہ اس کا پھل کھاؤ گے تو ہمیشہ جنت میں رہو گے۔ الٹی منطق چلائی کہ اگر تم یہ پھل نہیں کھاؤ گے تو رب تعالیٰ تمھیں جنت سے جلدی نکال دے گا۔ اس کا پھل کھانے کا اثر یہ ہوگا کہ تم ہمیشہ جنت میں رہو گے ﴿وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾ ۔ بَلِیَ يَبْلٰی، سَمِعَ يَسْمَعُ سے۔ اور ایسا ملک بتلاؤں جو کبھی بوسیدہ نہ ہو پس ہمت کر کے اس دانے کو چکھ لو ہمیشہ جنت میں رہو گے۔ سورہ اعراف آیت نمبر ۲۱ میں ہے ﴿وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ﴾ "اور ابلیس نے ان دونوں کے سامنے قسم اٹھائی میں تمھارا بڑا خیر خواہ ہوں۔" لالچ بھی دیا اور قسم بھی اٹھائی۔ آدم علیہ السلام نے سوچا کہ رب کی قسم اٹھا کر بھی کوئی جھوٹ بولتا ہے۔ تو آدم علیہ السلام بھول گئے ﴿فَاَكَلَا مِنْهَا﴾ پس کھالیا ان دونوں نے اس درخت سے اور سورہ اعراف میں ہے ﴿فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ﴾ "پس جب چکھا ان دونوں نے درخت کو۔"

جنتی درخت کون سا تھا؟

وہ کس چیز کا درخت تھا؟ جمہور فرماتے ہیں کہ گندم تھی تو گندم کے درخت تو نہیں ہوتے پودے ہوتے ہیں لیکن جنت میں وہ پودے درختوں کی طرح ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں انگور تھا، بعض کہتے ہیں انجیر تھا، بعض کہتے ہیں املوک تھا۔ جمہور کہتے ہیں گندم تھی۔ تو گندم کا دانہ چکھا اس کا اثر یہ ہوا کہ رب تعالیٰ کے فرشتوں نے دونوں کا لباس چھین لیا۔ آدم علیہ السلام بھی بالکل برہنہ اور حوا علیہا السلام بھی بالکل برہنہ ﴿فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا﴾ پس ظاہر ہوگئیں ان دونوں کے سامنے ان کی شرمگاہیں ﴿وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ﴾ اور لگے دونوں جوڑنے اپنے اوپر جنت کے پتے آگے پیچھے تاکہ ہمارا ستر ہو جائے ﴿وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾ اور نافرمانی کی آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی پس چوک گئے۔ شیطان کی قسموں کی وجہ سے دھوکے میں آگئے اور خطا ہو گئی۔ پھر رب تعالیٰ نے فرمایا! اے آدم آپ نے یہ کیا کیا ہے؟ کوئی منطق نہیں لڑائی ورنہ کہہ سکتے تھے پروردگار! شیطان سے پوچھو اس نے کیوں جھوٹی قسم کھائی؟ کوئی حجت نہیں کی ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [اعراف: ۲۳] "دونوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! ہم نے زیادتی کی اپنی جانوں پر اور اگر آپ ہمیں نہیں بخشیں گے تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔" اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔ اس کا ذکر ہے ﴿ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ﴾ پھر منتخب کیا ان کو ان کے رب نے، توبہ کے لیے انتخاب فرمایا ﴿فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ پس رجوع کیا اس کی طرف، ان کی توبہ قبول فرمائی ﴿وَهَدٰى﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی راہنمائی فرمائی کیوں کہ وہ اکڑے نہیں ضد نہیں کی۔

﴿قَالَ﴾ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ﴿اهْبِطَا﴾ دونوں اُتر جاؤ ﴿مِنْهَا﴾ اس جنت سے ﴿جَمِيعًا﴾ اکٹھے ﴿بَعْضُكُمْ﴾ بعض تمھارے ﴿لِبَعْضٍ﴾ بعض کے لیے ﴿عَدُوٌّ﴾ دشمن ہوں گے ﴿فَإِمَّا﴾ پس اگر ﴿يَأْتِيَنَّكُمْ﴾ آئے تمھارے پاس ﴿مِنِّي﴾ میری طرف سے ﴿هُدًى﴾ ہدایت ﴿فَمَنِ اتَّبَعَ﴾ پس جس نے پیروی کی ﴿هُدَايَ﴾ میری ہدایت کی ﴿فَلَا يَضِلُّ﴾ پس وہ نہ گمراہ ہوگا ﴿وَلَا يَشْقَىٰ﴾ اور نہ مشقت میں مبتلا ہوگا ﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي﴾ اور جس نے اعراض کیا میرے ذکر سے ﴿فَإِنَّ لَهُ﴾ پس اس کے لیے ﴿مَعِيشَةً﴾ زندگی ہوگی ﴿ضَنكًا﴾ تنگ ﴿وَنَحْشُرُهُ﴾ اور ہم اُٹھائیں گے اس کو ﴿يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ قیامت والے دن ﴿أَعْمَىٰ﴾ اندھا ﴿قَالَ﴾ کہے گا ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿لِمَ حَشَرْتَنِي﴾ کیوں آپ نے اُٹھایا ہے مجھے ﴿أَعْمَىٰ﴾ اندھا ﴿وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا﴾ اور تحقیق میں دیکھنے والا تھا ﴿قَالَ﴾ فرمائے گا اللہ تعالیٰ ﴿كَذَٰلِكَ﴾ اسی طرح ﴿أَتَتْكَ آيَاتُنَا﴾ آئیں تیرے پاس ہماری آیتیں ﴿فَنَسِيتَهَا﴾ پس تو نے ان کو بھلا دیا ﴿وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنسَىٰ﴾ اور اسی طرح آج کے دن تو رحمت سے بھلا دیا جائے گا ﴿وَكَذَٰلِكَ﴾ اور اسی طرح ﴿نَجْزِي﴾ ہم بدلہ دیتے ہیں ﴿مَنْ أَسْرَفَ﴾ جس نے اسراف کیا ﴿وَلَمْ يُؤْمِن بِآيَاتِ رَبِّهِ﴾ اور نہ ایمان لایا اپنے رب کی آیات پر ﴿وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ﴾ اور البتہ آخرت کا عذاب ﴿أَشَدُّ﴾ بہت ہی سخت ہے ﴿وَأَبْقَىٰ﴾ اور بہت ہی پائیدار ہے ﴿أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ﴾ کیا پس ہدایت نہیں ہوئی ان لوگوں کے لیے ﴿كَمْ أَهْلَكْنَا﴾ کتنی ہلاک کیں ہم نے ﴿قَبْلَهُم﴾ ان سے پہلے ﴿مِّنَ الْقُرُونِ﴾ جماعتیں ﴿يَمْشُونَ فِي مَسَاكِنِهِمْ﴾ وہ چلتے پھرتے تھے ان کے ٹھکانوں میں ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ﴾ بے شک اس میں ﴿لَآيَاتٍ﴾ کئی نشانیاں ہیں ﴿لِّأُولِي النُّهَىٰ﴾ عقل مندوں کے لیے۔

پہلی آیات میں یہ بیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو کیوں کہ اس وقت سجدہ تعظیمی جائز تھا ہماری شریعت میں ناجائز اور حرام ہے۔ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تمھارا دشمن ہے اس کو دشمن ہی سمجھنا یہ تمھیں ورغلائے گا اور غلط راستے پر لگائے گا۔ تاکید کے باوجود آدم علیہ السلام سے لغزش ہوگئی۔

جنابِ آدم علیہ السلام کے مغالطے کی وجوہِ اربع

علامہ بغوی رحمہ اللہ علیہ بڑے چوٹی کے مفسر ہیں وہ "معالم التنزیل" میں فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے مغالطے کی چار وجوہ تھیں۔

① ......پہلی وجہ ابلیس لعین کا قسم اٹھانا تھا ﴿وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ﴾ آدم علیہ السلام، حوا علیہا السلام کے سامنے اس نے قسم اٹھائی کہ میں تمھارا خیر خواہ ہوں۔ حضرت آدم علیہ السلام مغالطے میں آگئے کہ رب تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کوئی جھوٹ نہیں بول سکتا۔

②...... دوسری وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہی فرمائی ﴿لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ اس درخت کے قریب نہ جانا۔ نہی تحریمی تھی حضرت آدم علیہ السلام نے تنزیہی سمجھی۔ تنزیہی کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کرنا نہیں چاہیے تھا اگر کر لیا ہے تو گرفت نہیں ہو گی اور تحریمی کا مطلب حرام ہے کہ اس کے قریب نہ جاؤ گرفت ہوگی۔

③...... تیسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ آدم علیہ السلام نے خیال کیا کہ ابلیس چلنے پھرنے والا ہے اس کو نسخ کا علم ہو گیا ہو گا کہ پہلے مجھے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ اس درخت کے قریب نہ جانا اور اب رب تعالیٰ نے حکم منسوخ کر دیا ہے جس کا اسے علم ہو گیا ہے اور مجھے نہیں ہوا۔

④...... اور چوتھی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ آدم علیہ السلام نے سمجھا کہ جس درخت کی طرف رب تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے خاص یہی درخت مراد ہے۔ تو اس درخت سے نہیں کھایا اس جیسے دوسرے درخت سے پھل کھایا حالاں کہ اس کی تمام نوع مراد تھی کہ یہ درخت جہاں کہیں بھی ہو اس کے قریب نہیں جانا۔ بہر حال آدم علیہ السلام دھوکے میں آگئے اور کھا لیا۔

﴿قَالَ﴾ رب تعالیٰ نے فرمایا ﴿اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا﴾ اُتر جاؤ تم دونوں اس جنت سے اکٹھے۔ جنت سے اتار دیا ﴿بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ بعض تمہارے بعض کے لیے دشمن ہوں گے۔ انسانوں کی آپس میں دشمنی آدم علیہ السلام سے چلی آرہی ہے۔ چھٹے پارے میں قابیل ہابیل کا ذکر ہے کہ بھائی نے بھائی کو قتل کر دیا۔ تو دشمنی کا آغاز پہلے دن سے ہی شروع ہو گیا۔ تو فرمایا بعض بعض کے دشمن ہوں گے ﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى﴾ پس اگر آئے تمھارے پاس میری طرف سے ہدایت ﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ﴾ پس جس نے پیروی کی میری ہدایت کی ﴿فَلَا يَضِلُّ﴾ پس وہ نہ گمراہ ہوگا ﴿وَلَا يَشْقٰى﴾ اور نہ مشقت میں مبتلا ہوگا کیوں کہ جو گمراہ ہوا اس کو دنیا میں بھی سزا ہوگی قبر، حشر، آخرت میں سزا ہوگی وہ مشقت میں مبتلا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز لازم نہیں ؟

فرمایا اگر میری طرف سے ہدایت آئے، اہل حق کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز لازم نہیں ہے اس نے آسمان زمین پیدا کیے اپنی مرضی سے۔ نہ پیدا کرتا اس کو کوئی پوچھ نہیں سکتا تھا۔ دنیا باقی رکھنی ہے اپنی مرضی سے، فنا کر دے اپنی مرضی سے کوئی اس کو پوچھ نہیں سکتا۔ وجوب علی اللہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز لازم نہیں ہے۔ یہ اہل حق کا نظریہ ہے اور ایک فرقہ ہے معتزلہ وہ کہتا ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ پر لازم ہے آسمان پیدا کرنا زمین پیدا کرنا لوگوں کی ہدایت کے لیے پیغمبر بھیجنا، کتابیں نازل کرنا، سب اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "الاقتصاد فی الاعتقاد" میں اس کی بڑی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں ﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ﴾ اگر آئے کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجبور نہیں ہے مرضی ہوئی تو تمھارے پاس ہدایت بھیجے گا تمھارا فریضہ ہے اس کو قبول کرنا، اس پر عمل کرنا۔ نیکوں کو نیکی کا بدلہ دے گا بروں کو برائی کی سزا دے گا لیکن اس پر کوئی لازم اور واجب نہیں ہے اس کو اختیار ہے نہ

دے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ رب تعالیٰ پر لازم اور واجب ہے کہ وہ نیک کو نیکی کا بدلہ دے اور برے کو برائی کی سزا دے۔ اہل حق کہتے ہیں کہ وہ قادر مطلق ہے جو چاہے کرے اس پر کوئی چیز لازم اور واجب نہیں ہے۔

تو فرمایا جو میری ہدایت کی اتباع کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ مشقت میں پڑے گا ﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي﴾ اور جس نے اعراض کیا میرے ذکر سے۔ ذکر سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ذکر سے مراد قرآن ہے کیوں کہ قرآن کریم کا نام ذکر بھی ہے۔ سورۃ الحجر آیت نمبر ۹ میں ہے ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ "بے شک ہم نے اُتارا ہے ذکر کو۔" یعنی نصیحت والی کتاب کو اور بیشک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ قرآن پاک کا نام قرآن بھی ہے، فرقان بھی ہے، ھدیٰ بھی ہے، موعظہ بھی ہے اور بھی بہت سارے نام ہیں اور اکثر مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر ذکر سے مراد رب تعالیٰ کی یاد ہے کیوں کہ خطاب ہے آدم علیہ السلام کو کہ جس نے میری اطاعت کی اس کو یہ ملے گا اور جس نے میرے ذکر سے اعراض کیا اس کے لیے معیشت تنگ ہوگی اور اس زمانے میں قرآن نازل نہیں ہوا تھا لہٰذا ذکر سے رب تعالیٰ کی یاد مراد ہے۔

بعض جزوی مسائل کا ذکر

سورۃ الرعد میں ہے ﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ "خبردار اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔" پھر اللہ تعالیٰ کا انعام اور احسان کہ ذکر کے لیے کوئی پابندی نہیں ہے نہ وضو کی نہ وقت کی۔ اللہ تعالیٰ یہ پابندی لگا دیتے کہ میرا ذکر باوضو کرنا ہے تو وہ بے چارے جن کا وضو معدے کی خرابی کی وجہ سے یا کمزوری کی وجہ سے نہیں ٹھہرتا تو وہ کہہ سکتے تھے اے پروردگار! دل تو چاہتا ہے آپکا ذکر کرنے کو مگر وضو نہیں ٹھہرتا مجبور ہیں پھر یہ بھی پابندی نہیں ہے کہ ذکر بیٹھ کر کرو۔ سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۹۱ ﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ﴾ "جو یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کھڑے کھڑے اور بیٹھے ہوئے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے۔" تو کوئی پابندی نہیں ہے چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ذکر کر سکتے ہو۔ کوئی پابندی نہیں ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر ذکر کرو دن کو، رات کو، صبح کو، شام کو۔ جنابت کی حالت میں قرآن کریم کی تلاوت تو نہیں کر سکتے اس کے علاوہ باقی اذکار پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ اسی طرح عورتیں جن دنوں نماز نہیں پڑھ سکتی قرآن کریم کی تلاوت نہیں کر سکتیں باقی اذکار کر سکتیں ہیں درود شریف پڑھ سکتیں ہیں۔

مَعِيشَةً ضَنكًا کا مفہوم اور مصداق

تو فرمایا جس نے اعراض کیا میرے ذکر سے ﴿فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا﴾ پس اس کے لئے زندگی ہوگی تنگ، روزی ہوگی تنگ۔ ﴿مَعِيشَةً ضَنكًا﴾ کا کیا مفہوم ہے؟ تفسیر کبیر روح المعانی میں بہت کچھ لکھا ہے۔ ان میں سے ایک تفسیر یہ لکھی ہے کہ جو آدمی رب تعالیٰ کی یاد سے غافل ہے اس کا دل حق کو قبول کرنے سے تنگ ہوگا برے کام اس کو آسان نظر آئیں گے اور اچھے کام

ثقیل اور بوجھل نظر آئیں گے اس کے دل میں خیر داخل نہیں ہوگی اس کا دل دماغ اس سے تنگ ہوگا۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس کی زندگی تنگ ہوگی یعنی زندگی میں راحت اور سکون نصیب نہیں ہوگا ہم غریب لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مال دار لوگ بڑے عیش و آرام میں اور سہولت میں ہیں لیکن یاد رکھنا! جتنے وہ متفکر اور پریشان ہوتے ہیں اتنے غریب نہیں ہوتے۔ بے شک ان کے پاس مال ہوتا ہے وہ ہر وقت اس فکر میں ہوتے ہیں کہ دولت مزید بڑھے۔ پھر یہ فکر ہوتی ہے کہ اس کو چور ڈاکو نہ لے جائیں ہمیں کوئی قتل نہ کردے ہمارے کاروبار میں کمی نہ آجائے بے چاروں کی نیند حرام ہوجاتی ہے ان کی زندگی بڑی مشقت والی ہوتی ہے غریب آدمی اتنا پریشان نہیں ہوتا۔ لہٰذا غریب آدمی کو اپنی غربت پر پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا وَ سَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَآءِ "اسلام کی ابتداء بھی غریبوں میں ہوئی یہ رہے گا بھی غریبوں میں۔ غریبوں تمھیں میری طرف سے مبارک باد ہو۔" تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں مسند بزار کے حوالے سے روایت نقل کی گئی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بِاِسْنَادٍ جَيِّدٍ یہ روایت کھری اور صحیح ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿مَعِيشَةً ضَنكًا﴾ کا معنی ہے قبر میں تنگی یعنی اس کی قبر تنگ ہوگی۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس وقت مردے کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو مجرم کی قبر اتنی تنگ ہوجاتی ہے کہ تَخْتَلِفُ فِيْهِ اَضْلَاعُهٗ ترمذی شریف اور مسند احمد کی روایت ہے کہ دائیں پسلیاں بائیں میں اور بائیں پسلیاں دائیں میں گھس جاتی ہیں، اور اس کے لیے قبر تاریک بھی ہوتی ہے۔

اسی لیے مسند احمد اور ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے اور یہ روایت "الترغیب والترہیب" میں بھی ہے کہ قبر روزانہ آواز دیتی ہے اے شخص! اَنَا بَيْتُ الْوَحْشَةِ میں تنہائی کا مقام ہوں اپنا ساتھی لے کر آنا اَنَا بَيْتُ الظُّلْمَةِ میں تاریکی کا گھر ہوں اپنے لیے روشنی لے کر آنا اَنَا بَيْتُ الدود میں حشرات الارض کا مقام ہوں کیڑے مار دوا لے کر آنا۔ اب سوال یہ ہے کہ وہاں ساتھی کون ہوگا؟ اس کا ساتھی ہوگا عمل صالح اس کا نیک عمل اس کا ساتھی ہوگا۔ روشنی کیا ہوگی؟ اَلصَّلٰوةُ نُوْرٌ نماز روشنی ہوگی۔ کیڑے مکوڑے مارنے کی دوا اخلاق حسنہ ہیں کہ دوسروں کی قدر کرنا احترام کرنا۔ اللہ تعالیٰ قبر کی آفتوں سے محفوظ فرمائے۔ وہاں بعض مجرموں پر تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ تِنِّيْنًا ننانوے اژدہا مسلط کیے جائیں گے۔ اگر ان میں سے ایک اژدہا دنیا میں سانس لے لے تو کوئی سبز چیز باقی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ قبر کے عذاب سے محفوظ فرمائے۔ عذاب قبر حق ہے۔ تو ﴿مَعِيشَةً ضَنكًا﴾ سے مراد قبر کی تنگی ہے۔

فرمایا ﴿وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾ اور ہم اٹھائیں گے اس کو قیامت والے دن اندھا ﴿قَالَ﴾ کہے گا ﴿رَبِّ﴾ اے میرے رب! ﴿لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى﴾ کیوں آپ نے اٹھایا ہے مجھے اندھا ﴿وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا﴾ اور تحقیق میں دیکھنے والا تھا دنیا میں۔ اندھا ہونے سے کیا مراد ہے؟ تو اس کے متعلق یہ تفصیل بھی تفسیروں میں موجود ہے کہ جس وقت قبر سے نکلے گا تو اس وقت اندھا ہوگا پھر آگے جا کر اس کو آنکھیں ملیں گی جن سے وہ جنت بھی دیکھے گا اور دوزخ بھی دیکھے گا میدان بھی دیکھے گا۔ جیسے قبر سے نکلتے وقت سب برہنہ ہوں گے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا اس کے بعد دوسرے نمبر پر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنایا جائے گا جیسا کہ مسند دارمی وغیرہ احادیث کی کتابوں میں صحیح احادیث موجود ہیں۔ اسی طرح وہ قبر سے اندھے نکلیں گے پھر بعد میں آنکھیں ملیں گی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کا معنیٰ کرتے ہیں اَعْمٰی عَنِ الْحُجَّةِ وہ دلیل پیش کرنے سے اندھا ہوگا۔ کہے گا اے پروردگار! دنیا میں تو میں وکیل ہوتا تھا آج میں بالکل رہ گیا ہوں کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتا جو قابل سماعت ہو۔ ویسے باتیں کرے گا ادھر ادھر کی قرآن پاک میں آتا ہے ﴿وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ﴾ [القیامہ:۱۵] "اگرچہ وہ اپنے کتنے حیلے بہانے کرے۔" کچھ نہ کچھ کہتا رہے گا لیکن کوئی تسلی بخش جواب نہیں ہوگا۔

تو دلیل پیش کرنے سے اندھا ہوگا ﴿قَالَ﴾ رب تعالیٰ فرمائیں گا ﴿كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا﴾ اسی طرح آئیں تیرے پاس ہماری آیتیں ﴿فَنَسِيْتَهَا﴾ پس تو نے ان کو بھلا دیا یعنی ان کو چھوڑ دیا ان کی طرف تو نے توجہ ہی نہیں کی۔ آیات سے تم نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ﴿وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى﴾ اور اسی طرح آج کے دن تو رحمت سے بھلا دیا جائے گا۔ تمہاری طرف رب تعالیٰ کی رحمت متوجہ نہیں ہوگی۔

اسراف وتبذیر کا مفہوم

﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ﴾ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں اس کو جس نے اسراف کیا، حد سے آگے گزر گیا۔ اسراف کا معنیٰ ہے حد سے نکلنا۔ سورہ اعراف آیت نمبر ۳۱ میں ہے ﴿وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ "کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو۔"

جہاں خرچ کرنا جائز ہے وہاں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے اور ایک تبذیر ہے۔ تبذیر کا معنیٰ ہے وہاں خرچ کرنا جہاں خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۶ میں ہے ﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا﴾ "اور مت اُڑاؤ مال کو بے جا فضول خرچی نہ کرو ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾ بے شک بے جا اُڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں ﴿وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾ اور شیطان اپنے رب کا بہت ناشکر گزار ہے۔" رب کا نافرمان ہے۔ فضول خرچی کرنے والا شیطان کا بھائی کیوں ہے؟ کس وجہ سے ہے؟ وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابلیس لعین کو بھی نیکی کی طاقت دی اس نے وہ قوت برائی میں صرف کر دی۔ اسی طرح جس کو رب تعالیٰ نے مال دیا ہے بجائے اس کے کہ وہ اسے اچھے کاموں صرف کرے بُرے کاموں میں خرچ کر کے شیطان کا بھائی بن گیا۔ یہ جو شادیوں پر آگے پیچھے لائیٹنگ کرتے ہیں اور اس کے علاوہ فضول خرچی کرتے ہیں یہ سب شیطانوں کے بھائی ہیں اللہ تعالیٰ ایسے کاموں سے بچائے۔ ان لوگوں کو نیکی کے لیے خرچ کرنے کو کہو تو کہتے ہیں ہمارے پاس پیسہ نہیں ہے اور برے کاموں کے لیے خوب زور لگا کر آگے بڑھتے ہیں اور اس وقت ان کے پاس پیسہ بھی آ جاتا ہے۔

تو فرمایا ہم اس طرح بدلہ دیتے ہیں جو حد سے آگے بڑھتا ہے ﴿وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ﴾ اور نہ ایمان لایا اپنے رب کی آیات پر ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى﴾ اور البتہ آخرت کا عذاب بہت ہی سخت ہے اور بہت ہی پائیدار ہے، بہت دیر تک

باقی رہنے والا ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ رب بچائے اور محفوظ فرمائے۔ ﴿اَفَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ﴾ کیا پس ہدایت نہیں ہوئی ان لوگوں کے لیے ﴿كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ﴾ کتنی ہم نے ہلاک کیں ان سے پہلے جماعتیں۔ نوح علیہ السلام کی قوم، ہود علیہ السلام کی قوم، صالح علیہ السلام کی قوم، لوط علیہ السلام کی قوم، تبع علیہ السلام کی قوم، شعیب علیہ السلام کی قوم بے شمار قومیں ہم نے ہلاک کیں ﴿یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ﴾ یہ چلتے پھرتے ہیں ان کے ٹھکانوں میں۔ جب شام اور یمن کے علاقے میں تجارت کے لیے جاتے ہیں تو راستے میں یہ تباہ شدہ بستیاں ہیں جہاں سے گزر کر جاتے ہیں ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ﴾ بے شک اس میں البتہ کئی نشانیاں ہیں۔

لِّاُولِی النُّهٰی۔ نُھٰی نُھْیَۃٌ کی جمع ہے بمعنیٰ عقل جو برائی سے روکتی ہے اور عقل کو بھی عقل اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ برائی اور بدی سے روکتی ہے۔ تو معنیٰ ہوگا عقل مندوں کے لیے اس میں نشانیاں ہیں۔ لہٰذا سوچ سمجھ کر عمل کرے رب اچھے عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ﴾ اور اگر نہ ہوتا ایک فیصلہ ﴿سَبَقَتْ﴾ جو پہلے ہو چکا ہے ﴿مِنْ رَّبِّكَ﴾ آپ کے رب کی طرف سے ﴿لَكَانَ﴾ البتہ ہوتا ان کا ہلاک ہونا ﴿لِزَامًا﴾ لازم ﴿وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ اور ایک وقت مقرر ہے ﴿فَاصْبِرْ﴾ پس آپ صبر کریں ﴿عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ﴾ ان باتوں پر جو وہ کہتے ہیں ﴿وَسَبِّحْ﴾ اور تسبیح بیان کریں ﴿بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ اپنے رب کی حمد کی ﴿قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ﴾ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے ﴿وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا﴾ اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے ﴿وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ﴾ اور رات کے اوقات میں ﴿فَسَبِّحْ﴾ پس آپ تسبیح بیان کریں ﴿وَاَطْرَافَ النَّهَارِ﴾ اور دن کے اطراف ﴿لَعَلَّكَ تَرْضٰی﴾ تاکہ آپ راضی ہو جائیں ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ﴾ اور ہرگز نہ پھیلائیں ﴿عَیْنَیْكَ﴾ اپنی آنکھیں ﴿اِلٰی مَا مَتَّعْنَا﴾ اس چیز کی طرف جو ہم نے فائدہ دیا ہے ﴿بِهٖۤ﴾ اس چیز کے ساتھ ﴿اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ مختلف لوگوں کو ان میں سے ﴿زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ یہ زینت ہے دنیا کی زندگی کی ﴿لِنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ﴾ تاکہ ہم امتحان لیں ان کا اس کے ذریعے ﴿وَرِزْقُ رَبِّكَ﴾ اور آپ کے رب کا رزق ﴿خَیْرٌ﴾ بہتر ہے ﴿وَّاَبْقٰی﴾ اور بہت ہی پائیدار ہے ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ﴾ اور حکم دیں آپ اپنے گھر کے افراد کو ﴿بِالصَّلٰوةِ﴾ نماز کا ﴿وَاصْطَبِرْ عَلَیْهَا﴾ اور خود بھی قائم رہو نماز پر ﴿لَا نَسْــَٔلُكَ رِزْقًا﴾ ہم نہیں سوال کرتے آپ سے رزق کا ﴿نَحْنُ نَرْزُقُكَ﴾ ہم ہی آپ کو رزق دیتے ہیں ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی﴾ اور اچھا انجام پرہیزگاری کا ہے۔

اس سے پہلے ذکر ہوا کہ ﴿كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ﴾ "ان سے پہلے ہم نے کتنی جماعتیں ہلاک کیں۔" تو اس کے جواب میں کافر کہتے تھے کہ جو دھمکی آپ ہمیں دیتے ہیں وہ لے آؤ ہمیں بھی ہلاک کر دو تاکہ میدان تمھارے لیے صاف

ہو جائے۔اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں۔

رحمتِ خداوندی

فرمایا ﴿وَ لَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ﴾ اور اگر نہ ہوتا ایک فیصلہ جو پہلے ہو چکا ہے ﴿مِنْ رَّبِّكَ﴾ آپ کے رب کی طرف سے ﴿لَكَانَ لِزَامًا﴾ تو البتہ ان کا ہلاک ہو جانا لازم ہو چکا تھا۔وہ فیصلہ کیا ہے؟ اس کے متعلق تفسیروں میں بہت کچھ لکھا ہے۔ایک بات یہ لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے عرش کے ایک بازو پر لکھوایا ہوا ہے اِنَّ رَحْمَتِيْ سَبَقَتْ عَلٰى غَضَبِيْ "بے شک میری رحمت سبقت کر چکی ہے میرے غصے پر۔" یعنی میری رحمت میرے غصے سے بہت زیادہ ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہوتی تو تمھارا بیڑہ غرق ہو چکا ہوتا۔ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے بنائے ہیں ان میں سے ایک حصہ ساری مخلوق میں تقسیم کیا ہے اور ننانوے حصے اپنے پاس رکھے ہیں۔اس حصے کا اثر ہے کہ انسان، حیوان، جنات، پرندے وغیرہ ساری مخلوق کی مائیں اپنے بچوں سے پیار کرتی ہیں اور ہر ایک دوسرے سے پیار کرتا ہے یہ اسی رحمت کا اثر ہے۔ اس موقع پر بعض نے کہا کہ اتنی بڑی وسیع رحمت ہے تو پھر ان شاء اللہ خیر ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے غیض وغضب کا شکار وہی ہوگا جو مَارِدٌ مُتَمَرِّدٌ سرکش ہے وَ اَبٰى اَنْ يَّقُوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور جو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہنے سے انکار کرتا ہے۔ اس کے مقتضیٰ سے گریز کرتا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک سفر میں کچھ عورتیں بھی ساتھ تھیں روٹی بنانے کا وقت آیا۔ایک عورت نے پتھر اکٹھے کر کے چولہا بنایا اس پر ہنڈیا رکھی دودھ پیتا بچہ بھی ساتھ تھا کھلی جگہ تھی ہوا کی وجہ سے جس طرف آگ کا شعلہ آئے بچے کو دوسری طرف لے جائے۔اس کے دل میں خیال آیا کہ میں بچے کی ماں ہوں گوارا نہیں کرتی کہ یہ آگ میں جلے تو کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے زیادہ نہیں ہے جتنی شفقت میرے دل میں ہے۔چنانچہ آنحضرت ﷺ کے پاس گئی اور کہنے لگی حضرت! میں نے اس طرح آگ جلائی تھی جب آگ کا شعلہ میرے بچے کی طرف آتا تو میں اس کو بچانے کی کوشش کرتی اٹھا کر دوسری طرف لے جاتی تو میرے دل میں خیال آیا کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت اتنی بھی نہیں ہوگی جتنی میرے دل میں بچے کو آگ سے بچانے کے لیے ہے کہ میں اس کو آگ میں جلانے کے لیے تیار نہیں ہوں۔اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اَللّٰهُ اَرْحَمُ لِعِبَادِهٖ مِنَ الْاُمِّ بِوَلَدِهَا. فرمایا بیٹی تیری شفقت کیا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے بہ نسبت اس کے کہ ماں اپنے بیٹے سے کرتی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہوتی تو ضرور تم پر عذاب آ جاتا۔دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا وجود مبارک عذاب سے مانع ہے۔سورہ انفال آیت نمبر ۳۳ میں ہے ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ﴾ "نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ سزا دے ان کو جب کہ آپ ان میں موجود ہیں۔" یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب ابو جہل وغیرہ نے کہا تھا کہ جس عذاب سے آپ

ہمیں ڈراتے ہیں وہ لے آئیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کی موجودگی میں ان پر عذاب نہیں آئے گا کیوں کہ آپ نری رحمت ہیں تو یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ رب تعالیٰ کی رحمت بھی موجود ہو اور عذاب بھی آ جائے۔ ہاں! اگر آپ جہان سے تشریف لے جائیں تو پھر یہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ تو یہ بات اور فیصلہ ہو چکا ہے کہ نبی کی موجودگی میں عذاب نہیں آئے گا اگر یہ بات نہ ہو چکی ہوتی تو ان پر عذاب لازم ہو چکا ہوتا۔

تیسری بات یہ لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر قوم اور ہر فرد کا ایک وقت مقرر ہے لکھا ہوا تھا وہ ابھی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اور رب تعالیٰ اس کا وقت لکھ دیتے ہیں فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ لکھ دو یہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت مرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی ہلاکت کا وقت لکھا ہوا نہ ہوتا تو یہ ابھی ہلاک ہو جاتے لیکن رب تعالیٰ کی طرف سے اس کا وقت مقرر ہے اگر وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر عذاب لازم ہو جاتا ﴿وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ اور ایک وقت مقرر ہے جب وہ آئے گا پھر ٹلے گا نہیں۔ ایک لمحے کی بھی مہلت کسی کو نصیب نہیں ہوگی۔

فرمایا ان کی باتوں میں نہیں آئیں ﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ پس آپ صبر کریں ان باتوں پر جو وہ کہتے ہیں۔ کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بہت کچھ کہا۔ سورۃ صٰفٰت آیت نمبر ۳۶ میں ہے ﴿اَئِنَّا لَتَارِكُوْا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ﴾ "کیا ہم چھوڑنے والے ہیں اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے۔"

سورۃ سبا آیت نمبر ۸ ﴿اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ "کیا بنایا ہے اس نے اللہ پر جھوٹ یا اس کو جنون ہے۔" اور سورہ ص آیت نمبر ۴ ﴿وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ﴾ "اور کہا کافروں نے یہ جادوگر ہے جھوٹا ہے۔" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ کہا، شاعر کہا، مفتری کہا، جادوگر اور جھوٹا کہا۔ جب کسی کو اتنا کچھ کہا جائے تو وہ بھی چاہتا ہے کہ میں بھی کچھ سناؤں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ ان کی باتوں پر صبر کریں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کسی ایسی بات کا جواب نہیں دیا ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہہ سکتے تھے تم جھوٹے ہو، تمھارے آباء و اجداد جھوٹے ہیں، تمھاری نسلیں جھوٹی ہیں، کچھ بھی نہیں کہا کیوں کہ اگر آپ بھی طعنے دینا شروع کر دیتے تو پھر خلق عظیم پر زد آتی تھی معاملہ برابر ہو جاتا۔ تو فرمایا آپ صبر کریں ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ اور تسبیح بیان کریں اپنے رب کی حمد کی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھیں ﴿قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ﴾ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے ﴿وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا﴾ اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے۔

فضائل نماز و اذکار

اس میں فجر اور عصر کی نماز آ گئی اور ان دونوں نمازوں کا بڑا ثواب ہے۔ اور ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ منافقوں پر دو نمازیں بہت بھاری ہیں ایک فجر کی اور ایک عشاء کی۔ فجر اور عصر کی نماز کے وقت اعمال لکھنے والے فرشتوں کی ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتے ہیں كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِيْ میرے بندوں کو تم نے کس حالت میں

چھوڑا؟ تو فرشتے کہتے ہیں اے پروردگار! ہم عصر کے وقت گئے تھے اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب صبح کے وقت ہم آئے ہیں تو اب بھی نماز میں تھے۔ یہ فرشتوں کی سلطانی گواہی ہے۔ محلے کی مسجد کا امام جب عصر کے وقت اللہ اکبر تکبیر تحریمہ کہتا ہے تو اس مسجد کے ساتھ جو محلہ وابستہ ہے تمام محلے والوں کی ڈیوٹیاں بدل جائیں گی دن والے فرشتے گئے اور رات والے آگئے۔
اسی طرح صبح کی نماز کے وقت عصر کی نماز کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ وَ مَالُهٗ)) جس کی عصر کی نماز فوت ہوگئی یوں سمجھو کہ اس کے گھر کے سارے افراد مارے گئے اور گھر کا سامان لوٹ لیا گیا۔ اس سے خود اندازہ لگالو کہ کتنا نقصان ہے؟ یہ بخاری اور مسلم شریف کی روایت ہے۔
فرمایا ﴿وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ﴾۔ اٰنَآ اِنٌ کی جمع ہے اس کا معنٰی ہے وقت۔ معنٰی ہو گا رات کے اوقات میں ﴿فَسَبِّحْ﴾ پس آپ تسبیح بیان کریں۔ اس میں مغرب اور عشاء دونوں نمازیں آگئیں۔ نمازوں کے بعد تسبیحات کا خوب اہتمام کرو اس کے علاوہ اوقات میں بھی کوئی ممانعت نہیں ہے لیکن نماز کے بعد زیادہ اہتمام ہونا چاہیے۔
حدیث پاک میں آتا ہے نماز کے بعد ۳۳ دفعہ سبحان اللہ ۳۳ دفعہ الحمد للہ اور ۳۴ دفعہ اللہ اکبر پڑھو۔ اور اس کے علاوہ جو تسبیحات پڑھ سکتے ہو پڑھو ﴿وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ﴾ اور دن کے اطراف میں، اس میں ظہر کی نماز آگئی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ نمازوں کی طرف توجہ دیں، تسبیحات کی طرف توجہ دیں ان کی لایعنی باتوں کی طرف توجہ نہ دیں ﴿لَعَلَّكَ تَرْضٰى﴾ تاکہ آپ راضی ہو جائیں۔ یعنی اس بندگی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو اجر اور ثواب ملے گا اس پر آپ راضی ہو جائیں گے ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ﴾ اور نہ پھیلائیں دونوں آنکھوں کو ﴿اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ اس چیز کی طرف جو ہم نے فائدہ دیا ہے اس چیز کے ساتھ مختلف لوگوں کو اس میں سے۔ یہودی ہیں، عیسائی ہیں، مجوسی ہیں، بدھ مت والے ہیں، ہندو ہیں، سکھ ہیں ان سب کافروں کو ہم نے فائدہ دیا ہے ﴿زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ یہ زینت ہے دنیا کی زندگی کی۔ کوٹھیاں ہیں، کارخانے ہیں، دوکانیں ہیں، باغات ہیں، سونا چاندی ہے ان چیزوں کی طرف توجہ نہ کریں یہ دنیا کی رونق ہے یہ سب عارضی چیزیں ہیں۔
قرآن پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قارون کو اتنا خزانہ دیا تھا کہ اس کے خزانے کی چابیوں کو ایک اچھی خاصی جماعت اُٹھاتی تھی۔ جب گھوڑے پر سوار ہو کر باہر نکلتا تو آگے پیچھے نوکر چاکر ہوتے بڑی ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ نکلتا جیسے آج کل افسروں کی ہوتی ہے۔ کچھ لوگ دنیا پرست ہوتے تھے وہ دیکھ کر کہتے ﴿يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ قَارُوْنُ﴾ [قصص:۷۹] "کاش کہ ہمارے لئے بھی وہی کچھ ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے ہمیں بھی یہی کچھ مل جائے۔" کچھ اللہ والے بھی پاس ہوتے تھے انھوں نے کہا ﴿وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ﴾ "خرابی ہو تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کا اجر عطا کیا ہوا بہتر ہے۔" یہ بالکل فانی اور عارضی ہے آخرت کی فکر کرو پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو بمع کوٹھی اور خزانوں کے زمین میں دھنسا دیا ﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ﴾ [قصص:۸۱] "پھر ہم نے دھنسا دیا اس قارون اور اس کے گھر کو زمین میں۔" اس وقت لوگوں نے کہا اچھا ہوا الحمد للہ! ہمیں کچھ نہیں ملا قارون جیسا ورنہ آج ہمارا بھی وہی حشر ہوتا جو قارون کا ہوا ہے۔

تو فرمایا آپ اس کی طرف نہ دیکھیں جو ہم نے ان کو نفع دیا ہے مختلف لوگوں کو یہ دنیا کی رونق ہے زینت ہے ﴿لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ﴾ تا کہ ہم امتحان لیں ان کا اس کے ذریعے کون ان میں سے اچھے کام کرتا ہے اور کون برے کاموں میں خرچ کرتا ہے ﴿وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ﴾ اور آپ کے رب کا رزق بہتر ہے جو آپ کو رب کی طرف سے ملے گا ﴿وَّ اَبْقٰى﴾ اور بہت ہی پائیدار ہے۔ قیامت والے دن اور جنت میں رب تعالیٰ کی طرف سے جو روزیاں ملیں گی پھل ملیں گے وہ بہت ہی بہتر اور بہت ہی پائیدار ہوں گے دنیا کی چیزیں عارضی ہیں ان کو دھیان میں نہ لائیں۔

ہر شخص اپنے اہل خانہ کو نماز کا حکم دینے کا مکلف ہے

اور فرمایا ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ﴾ اور حکم کریں اپنے گھر کے افراد کو نماز کا۔ ہر آدمی اس بات کا مکلف ہے کہ وہ اپنے گھر کے افراد کو نماز کا حکم دے۔ حدیث پاک میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب بچے کی عمر سات سال ہو جائے تو اس کو نماز کا حکم دو۔ دس سال کا ہو جائے اور نماز نہیں پڑھتا تو فَاضْرِبُوْهُ اس کو مارو جب سات سال کے بچے کو نماز کا حکم کرنا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کو نماز پہلے یاد کرانی چاہیے۔ یاد ہو گی تو پڑھے گا اور آج صورت حال یہ ہے کہ دم درود کے لیے بڑے بڑے بچے آتے ہیں بچیاں آتی ہیں پوچھتا ہوں بیٹا نماز آتی ہے؟ کہتے ہیں نہیں! بیٹی نماز آتی ہے؟ کہتی ہیں نہیں! کون سی کلاس میں ہو چوتھی جماعت میں ہوں، پانچویں جماعت میں ہوں کلاسیں چار پانچ ہو گئیں ہیں اور نماز نہیں آتی۔ یہ سب ماں باپ کی غفلت کا نتیجہ ہے ماں باپ کا فرض ہے کہ سات سال کی عمر سے پہلے بچے کو نماز یاد کرائیں۔ جو چیزیں بچپن میں یاد ہو جاتی ہیں وہ ذہن میں بیٹھ جاتی ہیں۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے کہ بچپن میں جو علم آئے گا کَالنَّقْشِ فِي الْحَجَرِ "ایسے سمجھو جیسے پتھر پر لکیر کھینچ دی جائے۔" اور بوڑھا ہو گیا تو یوں سمجھو کَالنَّقْشِ فِي الْمَآءِ "جیسے پانی پر لکیر کھینچ دی جائے۔" وہ کہاں رہے گی بڑے ہو کر کیا یاد ہو گا۔

حیرانی ہوتی ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں دعائے قنوت یاد نہیں ہے ہم کیا پڑھیں؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ بھئی! دعائے قنوت کیوں یاد نہیں ہے؟ دنیا کے سارے کام یاد ہیں اور دعائے قنوت یاد نہیں ہے۔ اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا! کہ ہم نماز میں جو کچھ پڑھتے ہیں اس کا ترجمہ اور اس کا مفہوم ہر نمازی کو آنا چاہیے۔ سورۃ النساء آیت نمبر ۴۳ میں ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ "اے ایمان والو! ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ نماز کے قریب نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشے میں ہو ﴿حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ جب تک کہ تم سمجھ نہ لو جو کچھ تم کہتے ہو۔" تو جو کچھ نماز میں پڑھا ہے اس کا مفہوم آنا چاہیے۔ آج کتنے نمازی ایسے ہیں کہ ان کو نماز کا ترجمہ نہیں آتا اور دعائے قنوت میں ہے اِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ اس کا معنیٰ پوچھو تو شاید پرانے پرانے نمازی نہ بتلا سکیں۔ ان تمام باتوں کو سمجھو اور ان پر عمل کرو۔

تو فرمایا کہ اپنے گھر کے افراد کو نماز کا حکم دیں ﴿وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ اور خود بھی قائم رہو نماز پر۔ نماز کبھی نہ چھوڑو۔ آج

حالت یہ ہے کہ دنیا کا کوئی کام نہیں چھوٹتا اور نماز چھوٹ جاتی ہے۔ فرمایا ﴿لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا﴾ ہم نہیں سوال کرتے آپ سے رزق کا۔ کیوں؟ ﴿نَحْنُ نَرْزُقُكَ﴾ ہم ہی آپ کو رزق دیتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے جو رزق لکھا ہے وہ مل کر رہے گا نماز کی پابندی کریں ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ اور اچھا انجام پرہیز گاری کا ہے۔ رب تعالیٰ ہمیں تقویٰ اور پرہیز گاری نصیب فرمائے۔

﴿وَ قَالُوْا﴾ اور کہا کافروں نے ﴿لَوْلَا يَاْتِيْنَا﴾ کیوں نہیں لاتا ہمارے پاس ﴿بِاٰيَةٍ﴾ کوئی نشانی ﴿مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ اپنے رب کی طرف سے ﴿اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ﴾ کیا نہیں آتی ان کے پاس ﴿بَيِّنَةُ﴾ واضح چیز ﴿مَا﴾ اس چیز سے ﴿فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى﴾ جو پہلے صحیفوں میں درج ہے ﴿وَلَوْ اَنَّآ﴾ اور اگر بے شک ہم ﴿اَهْلَكْنٰهُمْ﴾ ان کو ہلاک کر دیتے ﴿بِعَذَابٍ﴾ عذاب میں ﴿مِّنْ قَبْلِهٖ﴾ اس سے پہلے ﴿لَقَالُوْا﴾ البتہ وہ کہتے ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے رب! ﴿لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا﴾ کیوں نہ بھیجا آپ نے ہماری طرف رسول ﴿فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ﴾ ہم پیروی کرتے آپ کی آیات کی ﴿مِنْ قَبْلِ﴾ پہلے اس سے ﴿اَنْ نَّذِلَّ﴾ کہ ہم ذلیل ہوتے ﴿وَنَخْزٰى﴾ اور ہم رُسوا ہوتے ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ﴾ سب کے سب منتظر ہیں ﴿فَتَرَبَّصُوْا﴾ پس تم بھی انتظار کرو ﴿فَسَتَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب تم جان لوگے ﴿مَنْ﴾ اس کو ﴿اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ﴾ جو سیدھے راستے والے ہیں ﴿وَمَنِ اهْتَدٰى﴾ اور جو ہدایت یافتہ ہے۔

معجزات کا ذکر

اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیغمبروں کی صداقت کے لیے ان کے ہاتھ پر معجزات ظاہر فرمائے۔ معجزہ اس فعل کو کہتے ہیں جو دوسروں کو عاجز کر دے دوسرے لوگ وہ فعل نہ کر سکیں۔ اور معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے ذاتی طور پر نبی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ سورہ انعام آیت نمبر ۱۰۹ میں ہے ﴿اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ "بے شک نشانیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔" یہ معجزات، نشانیاں رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اسی طرح کرامت بھی حق ہے وہ ولی کے ہاتھ پر صادر ہوتی ہے۔ فعل رب تعالیٰ کا ہوتا ہے ولی کا ذاتی طور پر اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ بعض معجزہ مانگنے والے ایسے بھی تھے جو محض تصدیق قلبی چاہتے تھے کہ ہمارا دل مطمئن ہو جائے، ضدی نہیں تھے ان لوگوں کو ہدایت نصیب ہوئی۔

ترمذی شریف اور مسند احمد میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ایک شخص آیا اس نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم نبی ہو نبوت کا دعویٰ کرتے ہو۔ فرمایا ہاں! رب تعالیٰ نے مجھے نبوت عطا فرمائی ہے۔ کھجور کا ایک لمبا درخت تھا اس پر کھجور کے خوشے لٹک رہے تھے کہنے لگا کہ اگر آپ نبی ہیں تو کھجور کا خوشہ اُتر کر آپ کی گود میں آجائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کام رب کا ہے میرا ذاتی طور پر اس میں کوئی دخل نہیں لیکن اگر اللہ تعالیٰ میری تصدیق فرما دے تو آپ مان لیں گے؟ کہنے لگا ہاں! مان لوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا تو وہ خوشہ ٹوٹ کر آپ کی گود میں آ گرا۔ اس نے فوراً کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ کیوں کہ وہ ضدی نہیں تھا محض اپنی تسلی چاہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اشارہ کیا تو وہ خوشہ اسی جگہ جا کر جڑ گیا۔ اب عقل تو ان چیزوں کو نہیں مانتی مگر ایمان تسلیم کرتا ہے اور ضدی کا کوئی علاج نہیں ہے۔

دیکھو! چاند کی چودھویں کی رات تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے حرم میں۔ صنادید قریش یعنی سرداران قریش نے آپ کو تنگ کرنے کا منصوبہ بنایا چھیڑ خانی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ کہنے لگے کہ آپ کہتے ہیں میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں اور یہ بھی کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے تو آپ اپنے رب کو کہیں کہ چاند کو دو ٹکڑے کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کام رب تعالیٰ کا ہے وہ کر سکتا ہے اگر وہ میری تائید کے لیے ایسا کر دے تو تم مان جاؤ گے میرا کلمہ پڑھ لو گے۔ کہنے لگے کیوں نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔ ایک ٹکڑا جبل ابوقبیس پر جو کعبۃ اللہ سے مشرق کی طرف ہے۔

اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے جبل ابوقبیس پیدا فرمایا۔ اب اس پہاڑ کے نیچے ایک سرنگ نکالی گئی ہے منیٰ کی طرف جانے کے لیے، اس میں بسیں بھی چلتی ہیں۔ اور دوسرا ٹکڑا مغرب کی طرف جبل قیقعان پر چلا گیا۔ مشرک ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ تجھے بھی دو ٹکڑے نظر آ رہے ہیں؟ وہ کہتے ہاں! دو ہی نظر آ رہے ہیں۔ کافی دیر تک چاند دو ٹکڑوں میں رہا۔ سورۃ القمر میں ہے ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ "قریب آ گئی ہے قیامت اور پھٹ گیا ہے چاند۔" قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ چاند دو ٹکڑے ہو گا۔ یہ بعیدہ نشانیوں میں سے تھی اور قریب والی نشانیوں بھی ظاہر ہو رہی ہیں۔

تو خیر سب نے آنکھوں کے ساتھ دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے مگر ان ضدی لوگوں میں سے ایک بھی ایمان نہ لایا۔ کہنے لگے ﴿سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ "یہ جادو ہے جو مسلسل چلا آ رہا ہے ﴿وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْا اَهْوَآءَهُمْ﴾ اور جھٹلایا انھوں نے اور پیروی کی اپنی خواہشات کی۔" تو اس ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ ایسے ضدی لوگوں کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَقَالُوْا﴾ اور کہا ان کافروں نے ﴿لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ﴾ کیوں نہیں لاتا ہمارے پاس کوئی نشانی ﴿مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ اپنے رب کی طرف سے۔ آیت کا معنیٰ معجزہ بھی ہے اور آیت کا معنیٰ قرآن کریم کی آیت بھی۔ اگر آیت کا معنیٰ معجزہ ہو تو ان کے مطالبات کا ذکر سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۹۱-۹۰ میں مذکور ہے ﴿وَقَالُوْا﴾ "اور کہا کافروں نے ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا﴾ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر یہاں تک کہ آپ جاری کر دیں ہمارے لیے زمین سے چشمے ﴿اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ﴾ یا ہو آپ کے لیے باغ کھجوروں کا ﴿وَّعِنَبٍ﴾ اور انگوروں کا ﴿فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا﴾ پس چلائیں آپ نہروں کو ان کے درمیان چلانا۔" اس وقت مکہ مکرمہ میں صرف زم زم کا پانی ہوتا تھا یا قریب کچھ

چھوٹے چشمے ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے زبیدہ کو اس نے مکے والوں کے لیے نہر زبیدہ نکالی ورنہ پانی کی بڑی دقت ہوتی تھی۔

تو مشرکوں نے آپ سے یہ معجزے طلب کیے اگر آپ یہ نہیں کر سکتے تو ﴿اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا﴾ "یا آپ گرا دیں آسمان جیسا کہ آپ خیال کرتے ہیں کوئی ٹکڑا۔" ہمیں عذاب کی دھمکی جو دیتے ہو پھر ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو ﴿اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا﴾ "یا آپ لائیں اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو سامنے ﴿اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ﴾ یا ہو آپ کے لیے گھر جس کی دیواریں سونے کی ہوں چھت اور دروازے سونے کے ہوں ﴿اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ﴾ یا چڑھ جائیں آپ آسمان پر ہمارے سامنے اُڑ کر ﴿وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ﴾ اور ہم ہرگز نہیں ایمان لائیں گے آپ کے اوپر چڑھ جانے سے ﴿حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا﴾ یہاں تک کہ اُتار دیں ہمارے اُوپر ایک کتاب ﴿نَّقْرَؤُهٗ﴾ جس کو ہم پڑھیں۔" یہ مطالبے پورے کرو تو پھر ہم مانیں گے۔" اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قُلْ﴾ "آپ کہہ دیں ﴿سُبْحَانَ رَبِّيْ﴾ پاک ہے میرا پروردگار ہر کمزوری اور عیب سے، وہ سب کام کر سکتا ہے ﴿هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ نہیں ہوں میں مگر بشر ہوں رسول ہوں۔" یہ معجزات میرے اختیار میں نہیں ہیں۔ کیوں کہ بشر کو رب تعالیٰ نے خدائی طاقتیں نہیں دیں۔ ان کے اس طرح کے مطالبات کا ذکر سورۃ الانعام ساتویں پارے میں بھی ہے۔ تو فرمایا کہ کافروں نے کہا کیوں نہیں لاتا ہمارے پاس کوئی نشانی اپنے رب کی طرف سے۔

تاریخ فرشتہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ﴾ کیا نہیں آئی ان کے پاس واضح بات کہ ان کی فرمائش پر چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور سب نے آنکھوں کیساتھ دیکھا مگر ایمان نہیں لائے۔ اس ضد کا بھی کوئی علاج ہے دنیا میں اور جن کی طبیعت سلیم ہو وہ مان جاتے ہیں چنانچہ "تاریخ فرشتہ" نامی کتاب بڑی نایاب تھی اس کا ایک نسخہ میرے پاس تھا اور ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے پاس تھا۔ اب اکوڑہ خٹک والوں نے طبع کرا دی ہے۔ یہ فارسی زبان میں تھی اب اس کا اردو ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ بمبئی کے پاس ایک ریاست ہے جس کا نام مالابار اور ملیبار بھی کہتے ہیں۔ اس ریاست کا راجہ ہندو تھا رات کے وقت اس کے وزیر، مشیر، بیگمات، سب اس کے پاس تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے۔ پڑھے لکھے لوگ تھے انھوں نے وہ تاریخ اپنی کاپیوں میں، رجسٹروں میں اور ڈائریوں میں لکھ لی کہ فلاں تاریخ کو چاند دو ٹکڑے ہوا ہے اور اس کی تحقیق کرنا شروع کی۔ ۹۴ھ کے قریب قریب کچھ عربی تاجر جن کے نام بھی تاریخ فرشتہ والے نے بتائے ہیں مثلاً: مالک بن دینار وغیرہ۔ یہ اس ریاست میں تجارت کے لیے آئے۔ اس ریاست کے لوگوں نے ان کے سامنے رجسٹر نکال کر بتایا کہ اس تاریخ کو ہم نے یہاں دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہوا ہے کیا وہاں بھی ہوا تھا اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ تو ان عربی تاجروں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغمبر بھیجا اور اس کی تائید کے لیے وہاں لوگوں کے مطالبے پر چاند کو دو ٹکڑے فرمایا۔ تو ریاست مالیبار کے لوگ مسلمان ہو گئے

اور اب تک مسلمان چلے آرہے ہیں۔ دیکھو! جنھوں نے ماننا تھا ہزاروں میل دور ہوتے ہوئے بھی مان گئے اور جنھوں نے نہیں ماننا تھا قریب ہوتے ہوئے بھی نہیں مانا اور کہا کہ یہ جادو ہے بڑا طاقت ور۔

تو فرمایا کیا نہیں آتی ان کے پاس واضح چیز ﴿مَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی﴾ جو پہلے صحیفوں میں درج ہے۔ پہلے صحیفوں میں آپ کی نشانیاں لکھی ہوئی ہیں چاند کا دو ٹکڑے ہونا انھوں نے آنکھوں سے دیکھا ہے معراج کا واقعہ ان کے سامنے ہے اور بہت سارے معجزات ہیں۔ مسلم شریف میں روایت ہے آپ ﷺ کو قضاء حاجت کی ضرورت پیش آئی اور احادیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کے سامنے نہیں بیٹھتے تھے دور تشریف لے جاتے تھے اور اتنا دور تشریف لے جاتے تھے کہ حتّٰی لَا یَرَاہُ اَحَدٌ یہاں تک کہ آپ ﷺ کو کوئی نہیں دیکھتا تھا۔ آپ ﷺ پر کسی کی نگاہ نہیں پڑتی تھی۔ کھلا میدان تھا میدان کے ایک کنارے ایک درخت تھا اور دوسرے کنارے دوسرا درخت تھا آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا دونوں درخت دوڑتے ہوئے زمین کو چیرتے ہوئے آئے اور اکٹھے ہو گئے اور پردہ ہو گیا۔ جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو دونوں درخت اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔ اور بہت سارے معجزات ہیں جو لوگوں نے آنکھوں سے دیکھے اور جادو کہہ کر ٹال دیتے۔ تو ضد کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ﴾ اور اگر بے شک ہم ان کو ہلاک کر دیتے ﴿بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ﴾ عذاب میں آنحضرت ﷺ کی آمد سے پہلے ﴿لَقَالُوْا﴾ تو وہ کہتے ﴿رَبَّنَا﴾ اے ہمارے رب! ﴿لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا﴾ کیوں نہ بھیجا آپ نے ہماری طرف رسول ﴿فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ﴾ پس ہم پیروی کرتے آپ کی آیات کی ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ﴾ پہلے اس سے کہ ہم ذلیل ہوتے ﴿وَنَخْزٰی﴾ اور ہم رُسوا ہوتے عذاب میں۔ جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبر مبعوث کیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور یہودی تو آنحضرت ﷺ کی آمد سے پہلے بھی علامات سے اور اپنے پیغمبروں کی پیش گوئیوں سے آپ ﷺ کو پہچانتے تھے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۸۹ میں ہے ﴿وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ "اور تھے وہ اس سے پہلے کافروں پر فتح طلب کرتے تھے۔" یعنی آنحضرت ﷺ کے وسیلے سے دعا کرتے تھے کہ اے پروردگار! نبی آخر الزمان ﷺ کے طفیل اور وسیلے کے ساتھ ہمیں فتح عطا فرما۔ ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ﴾ پس جب وہ ان کے پاس آئے تو انکار کر دیا۔" اس ضد کا دنیا میں کیا علاج ہے؟

مسئلہ وسیلہ:

وسیلے کے متعلق بات سمجھ لیں۔ میں نے اپنی کتاب "تسکین الصدور" کے ساتویں باب میں بڑی تفصیل کے ساتھ اس مسئلے پر بحوالہ بحث کی ہے۔ اتنی تفصیل اکٹھی تمھیں کسی اور کتاب میں نہیں ملے گی تفصیل تو وہاں دیکھ لینا مختصر یہ کہ توسل کی ایک قسم تو خالص شرک ہے اور ایک جائز ہے۔ اگر کسی بزرگ کا وسیلہ اس نظریہ اور عقیدے کے ساتھ دیتا ہے کہ وہ حاضر و ناظر ہیں،

عالم الغیب ہیں اور متصرف فی الامور ہیں اور وہ بات سن رہے ہیں تو یہ خالص شرک ہے اور مشرک لوگ اسی شق پر عمل کرتے ہیں۔ طفیل، وسیلہ، صدقہ، برکت، حرمت، جاہ، کوئی بھی لفظ ہو سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔ اور اگر اس نظریہ اور عقیدہ کے ساتھ ہو کہ مومنوں کا آنحضرت ﷺ پر ایمان ہے اور آپ ﷺ کے ساتھ محبت ہے اور آپ ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ کے ساتھ محبت ایک نیک عمل ہے۔ اور جو آنحضرت ﷺ اور اس کے نیک بندوں کے ساتھ محبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحمت نازل کرتا ہے اور اس رحمت کے بدلے اللہ تعالیٰ میری دعا قبول کر لے۔ اور کہتا ہے اے پروردگار! آنحضرت ﷺ کے اس وسیلے کہ میرا ان کے ساتھ تعلق ہے میرا کام کر دے، آپ ﷺ کے طفیل کے ساتھ کر دے، آپ ﷺ کے صدقے سے کر دے تو یہ وسیلہ جائز اور صحیح ہے۔ تو فرمایا اگر ہم ان کو آپ ﷺ کی آمد سے پہلے عذاب کے ذریعے ہلاک کر دیتے تو کہتے اے پروردگار! آپ نے ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم آپ کی آیات کی پیروی کرتے۔

اب اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تشریف لائے تو یہ بگڑ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ اور اصول ہے کہ ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ [بنی اسرائیل: ۱۵] "اور ہم نہیں عذاب دیتے یہاں تک کہ ہم رسول بھیج دیں۔" اتمام حجت کرنے کے بعد عذاب نازل کرتے ہیں ﴿لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ [النساء: ۱۶۵] "تاکہ نہ ہو لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی حجت رسولوں کے بھیجنے کے بعد۔" تاکہ بہانہ نہ بنا سکیں کہ ہمیں تو معلوم نہیں تھا کہ کون سی چیز جائز ہے کون سی چیز ناجائز ہے۔ جب پورے طور پر حجت ہو جاتی ہے تو پھر عذاب آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿قُلْ﴾ آپ کہہ دیں ﴿كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ﴾ سب کے سب منتظر ہیں ﴿فَتَرَبَّصُوْا﴾ پس تم بھی انتظار کرو ﴿فَسَتَعْلَمُوْنَ﴾ پس عنقریب تم جان لوگے ﴿مَنْ﴾ اس کو ﴿اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ﴾ جو سیدھے راستے والے ہیں۔ عنقریب پتا چل جائے گا کہ سیدھے راستے پر کون ہیں ﴿وَمَنِ اهْتَدٰى﴾ اور جو ہدایت یافتہ ہے۔ بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے جنت دوزخ سامنے ہوگی مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ "جو مرا اس کی قیامت قائم ہو گئی۔"

آج بروز منگل دو (۲) ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ بتاریخ ۸/مارچ ۲۰۱۱ء

سورت طٰہٰ مکمل ہوئی۔

والحمد للہ علی ذالک

(مولانا) محمد نواز بلوچ

مہتمم: مدرسہ ریحان المدارس، جناح روڈ، گوجرانوالہ